دل دادہ ہیں اُن کے نزدیک دلّی جیسے قدیم مقام کی تاریخ کا اس سے کم صفحات میں لکھہ دینا کتاب کا گلا گھونٹنا تھا۔ بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ کتاب پڑھیں گے پیچھے پہلے اسے ہاتھہ میں لے کر تولیں گے تو شاید ناک بھوں چڑھائیں کہ شہر تو صرف تین حرف کا اور تاریخ کو دیکھیۓ ڈھائی ہزار صفحے سے بھی اوپر ہی اوپر اور جب اسے تول اور مول دونوں میں بھاری پائیں گے تو عجب نہیں کہ طول مُمل سمجھ کر پٹک دیں اور کہیں ۔ ع ۔ کہ تقویم پارینہ ناید بکار۔ مگر میں ناظرین پر تمکین سے نہایت ادب سے عرض کرنے کی معافی چاہتا ہوں کہ یہ مہتم بالشان کام مجھ سے بہتر ہاتھوں سے سرانجام پاتا تو اور اچھا ہوتا لیکن میں نے بھی اس کتاب پر اپنی جان لڑا دی ہے اور کوئی دقیقہ اس کے مکمل اور دل چسپ بنانے کا اُٹھا نہیں رکھا ۔ آپ پہلے کتاب کو بالاستیعاب ملاحظہ فرمالیں پھر اس کے رطب و یابس پر رائے زنی فرمائیں۔ غلطیوں اور کوتاہیوں پر عفو کا پردہ ڈال دیں ۔ اُنْظُرْ اِلٰی مَا قَالَ وَلَا تَنْظُرْ اِلٰی مَنْ قَالَ (دیکھو کہنے والا کیا کہتا ہے یہ نہ دیکھو کہ کون کہتا ہے) اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ (اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے) جب میری نیت بخیر ہے تو اس بات کی توقع ضرور ہے کہ اس محنت شاقہ کی داد نظر استحسان سے ملے گی پر ملے گی کہ دنیا نقادوں اور قدر دانوں سے اب بھی خالی نہیں : ۔

ہے آبروِ سخن کی سخن سنج کے حضور ‏ واقف ہیں حُسن و قبح سے ارباب ذی شعور
ملنے کا رہے ریاض جو حاصل ثمر نہیں ‏ عنبر بھی خاک ہے کوئی خواہاں اگر نہیں

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ فقط

دہلی مئی سنہ ۱۹۲۰ء ۔

بشیر

قطعۂ تاریخ از قلم معجز رقم عالی جناب ابو المعظم نواب میرزا سراج الدین احمد خان صاحب دہلوی المتخلص بہ سائل جاگیر دار ریاست لوہارو و قائم مقام جناب ناظم یار جنگ دبیر الدولہ فصیح الملک بہادر نواب میرزا خان داغ دہلوی

محترم زادۂ نذیر ۔ بشیر ‏ جس کا سینہ سفینۂ تاریخ

میرے نزدیک دو برس بہت بڑی چیز ہیں - میں سمجھتا ہوں کہ اکھتّے (۲۱ سال) دل اور موت سے قریب ہوگیا :- ع

دل سے طاقت بدن سے کس جاتا ہے ۔ آتا ہمیں پھر کر نفس جاتا ہے
جب سال گرہ ہوئی تو عقدہ یہ کھلا ۔ یاں اور گرہ سے ایک برس جاتا ہے

جیر عمر عزیز کے دو برس گئے تو ضرور مگر اس خیال سے اس نقصان پر صبر آتا ہے کہ نلے کار اور رائگاں نہیں گئے بلکہ کار خیر میں صرف ہوئے اور نیک کام لگے میں نے اپنے وطن مالوف کی خدمت کی - گو دلی کی شہرت کسی مزید تقریب کی محتاج نہیں کہ چار دانگ عالم میں اُس کا شہرہ ہے مگر میں نے یہ کتاب دلی کی سوانح عمری لکھی ہے - جب سے دلی کا پتہ چلتا ہے اب تک کے حالات شرح قلم بند کیئے ہیں اور جائز طور پر کہہ سکتا ہوں کہ اپنی طرز میں یہ کتاب دہلی کی پہلی تاریخ ہے - مذہبی ہادیوں کی ربانی سحر انگیز تقریروں سے اُتر کر کسی قوم کے مردہ دلوں میں جوش پیدا کرنے اور ہمت بڑھانے کا اگر کوئی عمدہ ذریعہ ہے تو وہ تاریخ ہے اور تاریخ بھی کون سی اُن کے آبا و اجداد کی لیس اہل ہند عموماً اور اہل دہلی خصوصاً اس کتاب کو بغور پڑھیں اور دیکھیں کہ مسلمان کیا تھے اور کیا ہو گئے - ع

آگ تھے ابتدائے عشق میں ہم ۔ ہو گئے خاک انتہا یہ ہے

فن تاریخ ایک ایسا وسیع علم ہے کہ کئی کئی جلدوں میں نہیں سما سکتا - یورپ میں کئی کئی ضخیم جلدوں کے سیریز (سلسلے) لکھے جاتے ہیں جب کہیں یہ دریا کوزے میں سماتا ہے - ہمارے ہاں چاہتے ہیں کہ ہتھیلی پر سرسوں جما دی جائے - یہ کوئی ناول نہیں کہ اشتم پشتم دو دفتیوں کے بیچ میں ٹھونس دیا جائے - واقعات تاریخی ہیں تسلسل جن میں سے کسی واقعہ کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ تسلسل واقعات ٹوٹ جائے گا اور کتاب میں نقص پیدا ہوگا سو رہا الگ - بریں ہم مہا یمکن اختصار مد نظر رکھا گیا ہے پھر بھی کتاب کی تین جلدیں ہوئی ہیں - جو صاحب شروع سے تاریخ کو تقویم پارینہ سمجھتے ہیں وہ ہمارے مخاطب نہیں لیکن جو اس فن کے

اور اُسی وفاداری گرم جوشی اور حُسن عقیدت سے ہندوستان کے لوگ اپنے آیندہ شاہنشاہ کو آگے بڑھ کر لیں گے جیسا کہ ہندوستانیوں کی وفاشعار طبیعت کا خاصہ ہے۔

بسکہ زیں مژدۂ جاں بخش بخود بالیدیم | غنچہ ساں در بر ما تنگ ہمی گشت قبائے
پایۂ ما بفزودند و کرم فرمودند | شکر ایں منت و احساں چہ تواں کرد ادائے
شائگاں گشت قوافی و ازیں چارہ نبود | خوش تر آنست کہ اکنوں کنم آہنگ دعائے
یارب آں باد کہ شہ باہمہ اعیان ووزیر | تا ابد باشد و گردوں بدرش ناصیہ سائے

(شبلی)

۱۹۱۰ء

(حصۂ اول تمام ہوا)

خاتمہ - اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ مَعَالِی الْاُمُوْرِ - لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی

لے عزم درست و سعی کامل | کس را نشود مراد حاصل

اللہ اللہ! زمانہ کیسے دبلے پاؤں اُڑا جاتا ہے۔ غفلت کے پردے میں نہ اُس کی سرعت رفتار محسوس ہوتی ہے نہ قدر کی جاتی ہے۔ کہنے کو کل کی بات ہے کہ تاریخ دہلی لکھنی شروع ہوئی تھی یا آج ختم بھی ہوگئی! مجھ کب توقع تھی کہ اس بار گراں کو خداوند تعالی یوں آسان کردے گا مگر ہمت مرداں مدد خدا کا سہارا تھا جو بیڑا پار رہوا وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی نَعْمَائِہٖ - اس دھن میں تن بدن کی سُدھ نہ رہی نہ یہ خبر کہ کتنا وقت عزیز اس کتاب کی بھینٹ چڑھا اب جو احتساب کرتا ہوں تو دو برس کا زمانہ دراز بلا کم و کاست اس میں کھل گیا۔ جوانوں کے نزدیک چڑھتی جوانی میں دو برس کی کچھ حقیقت نہیں چٹکی بجاتے میں نکل جاتے ہیں۔ مگر میرا حال یہ ہے کہ (۵۸) برس کا سن عمر طبیعی کو پونہچ چکا ہے

اب زیر قدم لحد کا باب آپونہچا | ہشیار ہو جلد وقت خواب آپونہچا
پیری کی بھی دوپہر ڈھلی آہ انیس | ہنگام غروب آفتاب آپونہچا

لہ مخفی نر ہے کہ یہ تاریخ تین حصوں میں تمام ہوئی - ۱۲

مسموع ہونی چاہیئے یہ دعوت اہال　　سابق حیال چھوڑ کے یہ اشتہار دو
تدبیر ایک یہ بھی ہو بعد مقاومت　　عصے کا بھوت فرق غصب سے اُتار دو
اس کی جزا نہ پاؤ تو پھر تم مجاز ہو　　اب تو خدا کے واسطے عرض بیار ہو

رفارم سکیم

ہندوستان کی حکومت میں اصلاحات رسٹر مانٹیگو وزیر ہند لارڈ چیمسفورڈ وائسرائے نے جو تجاویز رفارم سکیم کے نام سے مرتب اور پیش کی تھیں اُن کا لب لباب یہ ہو کہ اپنے ملک کے انتظام میں ہندوستانیوں کو نئے اختیارات دیئے جائیں اور اس بارے میں جو اعلان شاہی ۲۵ دسمبر ۱۹۱۹ء کو شائع ہوا ہو وہ حصۂ سوم کتاب ہذا میں مندرج ہو۔ وہ اصلاحیں کیا کیا ہوں گی اور اُس سے ہندوستانیوں کو کیا مفاد ہوں گے ایک بڑا اسطول مضمون ہو جس کا خلاصہ یہ ہو کہ یہ سیڑھی ہو گی سلف گورمنٹ کی یعنی حکومت خود اختیاری کا پیش خیمہ ہو۔ ہندوستانیوں کو ملک کے نظم ونسق میں کافی حصہ دیا جائے گا۔ اس سکیم کا نفاذ حضور پرنس آف ویلز کے دست مبارک سے ہوگا۔

پرنس آف ویلز کی آمد

مالاسے سرتس زہوش مندی
می تابد ستارۂ بلندی

حضور ممدوح اسی غرض سے سال حال موسم سرما میں ہندوستان میں قدم رنجہ فرما کر تین مہینے اقامت فرمائیں گے جس کی طیاریاں بڑے پیمانہ پر اچھی سے ہو رہی ہیں۔ امید ہو کہ اُس وقت تک آپس کے تفرقے مٹ مٹا کر ہندوستان کی حالت اعتدال پر آجائے گی اور کم سے کم گھر کے جھگڑے سے حضور ممدوح کے خیر مقدم میں کسی قسم کی بے لطفی نہ پیدا کریں گے

ف آپ کا پورا نام نامی "پرنس ایڈورڈ البرٹ کرسچن جارج اینڈریو پیٹرک ڈیوڈ" ہو۔ ۱۲

نقصان اُٹھایا نفع کے بدلے تلین سے   ہرتال کے کرم سے یہ پہنچا زیاں ہمیں
ہرتال کے عروج کا قصہ بیاں ہو کیا   جس نے عطا کیا ہے غم جاوداں ہمیں
نورِ نگاہ لختِ جگر شیر خوار پوت   کرنا پڑا زمین کے نیچے نہاں ہمیں
اک بوند بھی دوا کی نہ جس کو ہوئی نصیب   ہرتال کے یہ ذاتی ہوئے امتحاں ہمیں
مخلوق کی صعوبتیں جو گوش زد ہوئیں   نے حد و نے شمار ہوئیں لاتعد ہوئیں
(۵) جانیں بہت سی نذر ہوئیں اس خیال کی   تا ایں کہ نوبت آ چکی قتل و قتال کی
باغی خطاب پا چکے نے دست و پائے ہند   ڈگری ہے اور باقی کوئی ابتذال کی
ملت کا اقتضا ہے کہ ماہون خلق ہو   تدبیر سوچی جاتی ہے پھر کیوں ملال کی
ہرتال روز روز ہوئے جاتی ہے یہ کیوں   بربادیاں ہوں کس لیئے مال و منال کی
لندن میں ہے خلافتِ دینی کا وفد بھی   حسرت تمام ہو لی جواب و سوال کی
کرنے کے کام کرتے ہیں اہلِ وطن کریں   لیکن بجھائیں آگ بھی تو اشتعال کی
جو ہو چکا وہ ہو چکا اس کو یہ جان لیں   مرضی یہی تھی قدرتِ ربِ تعال کی
ماضی پہ خاک ڈال کے ایسی ڈگر چلیں   پیدا ہوں جس سے راہیں ہم اعتدال کی
مشکل نہیں ہے تاج سے کچھ رفع سوءِ ظن   ٹوٹیں بدل لی جائیں اگر بول چال کی
اظہار گر وفا کا کیا جائے آج ۔ تو   کل شکلیں دیکھ لیجے بھی نوال کی
جمہور اپنے رنگِ طبیعت کو لے بدل   باقی نہ کوئی شکل رہے گی وبال کی
ہو جائے گا سلوک رعایا و شاہ میں   تخفیف و فرق میں نہ کمی آئے جاہ میں
(۶) جلسہ مصالحت کا کوئی تم قرار دو   آرائے عام لے کے شہنشہ کو تار دو
سطوت کو تاج کی رکھو ملحوظ وقتِ عرض   دینا ہو جو پیام نہ وہ ناگوار دو
اصلاح کی سکیم کا ہو شکریہ ادا   اثباتِ عجز و معذرت و انکسار دو
طول و طویل باتوں سے پہلو تہی کرو   جو عرض داشت دینی ہو بالاختصار دو
اپنے حقوقِ مثلِ رعایا طلب کرو   باشوق یہ کہو کہ ہمیں اختیار دو
مقصود اصل ہے تو حق اقتصاد ہے   کچھ آج مانگو کل کہو کچھ اقتدار دو
حقِ وفا کو دل سے بھلانا نہیں ہے ٹھیک   اس داغ کو نہ جامے پہ جا زینہار دو
معتوب ہیں جو تاج کے ان کے ہو شفیع   ان کی رہائی کے لیئے دامن پسار دو

دس لاکھ کی طلب ہے یہ صرفِ وفدِ ہند — چندے کے واسطے یہ ہدایت ہے قوم پر
ٹھنڈک تو جب پڑے کہ نہ چولھے میں آگ ہو — رحمت ہو جتنی قوم کو رحمت ہے قوم پر
سرگرمیاں ہیں جتنی مدارات کے لیے — ان لیڈروں کے واسطے مست ہے قوم پر
سیکھو سبق خلوص کے حسرت[۱] کی ذات سے — پرہیز کرنا چاہیے اس واہیات سے

(۳) یا سادگی سے کیجیے وفا قوم کے لیے — یا نیم شب کو کیجیے دعا قوم کے لیے
لازم نہیں کہ نذر وہ رتاں کی کریں — چوری سے چور کی جو بچا قوم کے لیے
حسنِ عمل سے کیوں نہ وہ لو جس کی ہو طلب — نکلے وقت ہو یہ لقمہ سرا قوم کے لیے
فرمان ہائے سابقِ شاہی پڑھو ذرا — اُن کی بنا یہ کیا یہ ہوا قوم کے لیے
اعلانِ تاج حال یہ بھی چاہیے نظر — منشا تمھارا اور ہے کیا قوم کے لیے
ٹکروں میں فکرِ تاج یہ ڈالو نہ اور تم — ممکن ہے ہو نتیجہ بُرا قوم کے لیے
تدبیر کے بھی ہوتے ہیں تصویر کے سے رخ — یہ سوچ لیجیے گا ذرا قوم کے لیے
ہو وقت دار اس کے بدو یک تمھیں — ہوگا تمھیں سے جو بھی ہوا قوم کے لیے
مقصد سے متفق ہیں عمل کے ہیں ہم خلاف — تدبیر یہ نہیں ہے بھلا قوم کے لیے
جو صورتیں ہیں پیش تمھیں دیکھتے ہیں ہم — اک نوع کی ہے یہ بھی سزا قوم کے لیے
اس اتفاق سے بھی تسلی نہیں ہمیں — ثابت نہ ہو یہ خدع و ریا قوم کے لیے
گاندھی کا قول یہ کہ نہ ملکی رہیں خلاف — ظاہر میں گو مفید ہوا قوم کے لیے
ابواب حبس کے سدا اس سے اٹھے ہیں — دل کش ہے آج کل یہ لوا قوم کے لیے
یہ دیکھنا ہے رہتا ہے کب تک قرار سے — سب ہو گئے ہندو کرتے ہیں دیں وار سے

(۴) دینی ہے اب تو دعوتِ اسم امان ہمیں — کرنا نہیں ہے وقت عبث رائگاں ہمیں
کچھ حال عرض کرنا ہے تکلیفِ حلق کا — جن کا نظارہ مارتا ہے برچھیاں ہمیں
ہرتال کے خصوص کے اولیٰ وسا ہیں — مذکور جس کے ہوتے ہیں ارکس گراں ہمیں
یہ تو ہماری ذات پہ گزری ہے واردات — ویرانی جس کی پڑتی ہے اب گلستاں ہمیں
مسہل اٹھا ہے معدے میں مغزِ فلوس کا — لیکن ملا نہیں عرقِ بادیاں ہمیں
اسہال کی مدد کو کہاں سے نصیب ہے — سونگھے نہ جب کشادہ دوا کی دکاں ہمیں

[۱] حسرت موہانی مراد ہیں ۱۲

سراج الدین احمد خاں صاحب سائلؔ دہلوی

(۱) دعوی وفا کا جن کو ہے ہم سے سوا غلط — سمجھے ہیں لوگ معنی حرفِ وفا غلط

ہم نکتہ چیں عمل کے نہیں حرف گیر ہیں — چلتے ہیں مدعیِ وفا راستا غلط

بیڑا امیدِ خلق کا کیوں کر نہ ہو تباہ — جس کے سرے سے ہو گئے ہوں ناخدا غلط

نیت کا کیا ثمر جو عمل ہی نہ ہو درست — ایوانِ مدعا کی پڑی ہے بنا غلط

جاں بر مریض ہو نہیں سکتا کسی طرح — جب اس کے چارہ گر اسے دیں گے دوا غلط

لیڈر وہ قوم کے ہیں جو ہیں تاج کے خلاف — مطلب یہ لیڈری کا ہے نرے انتہا غلط

عمال تاج کیا کریں جز نظم حادثات — پاداش جرم جو ہو وہ کب ہے سزا غلط

مقصود و مدعا تو کہو صاف صاف تم — جس رنگ سے کہا تھا وہ ہنجار تھا غلط

جو مانگنا ہے مانگو جو کہنا ہے وہ کہو — اسلوب و طرز غیر ہے صوت و صدا غلط

خواہش جو ہے تمہاری ہماری بھی ہے وہی — ہم سے عمل کوئی نہیں سرزد ہوا غلط

محکوم بن کے کرتے ہیں ہم عرضِ مدعا — دیوانہ وار کی نہیں چون و چرا غلط

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہیں مطمئن ضمیر — تم سے عمل ہوا ہے ہر اک جا بجا غلط

منت سے مدعا کی کرو خواستگاریاں — ہاتھی پہ چڑھ کے مانگنا ہے ناروا غلط

مقصود ہے فلاح اگر قوم کی تمھیں — لازم ہے رکھنی ٹھیک خبر قوم کی تمھیں

(۲) افلاس کی نگاہِ عنایت ہے قوم پر — تم سے چھپی نہیں جو مصیبت ہے قوم پر

چھائی ہوئی ہیں ذلت و نکبت کی بدلیاں — معلوم ہے تمھیں جو فلاکت ہے قوم پر

قحطِ معاش و قحطِ نکوئی و قحط رزق — قحطوں میں ہے گھری ہوئی حسرت ہے قوم پر

ثلث دولتی نے دیکھ لیا ہے غریب کو — ٹوٹی حیات میں یہ قیامت ہے قوم پر

اس پر بھی تم ستاتے ہو معناً اسے مدام — چھایا ہوا جو پردۂ غفلت ہے قوم پر

با ایں ہمہ کہ زر نہیں دیتی ہے پھر بھی زر — نے کار آ کے باتوں میں حیرت ہے قوم پر

حال آں کہ قحطِ رزق ہے کرتی ہے دعوتیں — یہ مستحب ہے فرض ہے سنت ہے قوم پر

مصروفِ اہتمامِ مدارات ہے ہر ایک — نے مائگی فہم کی آفت ہے قوم پر

ہوتے ہیں انصرامِ جلوسِ فضول کے — رکھنا نہ باز جس سے شقاوت ہے قوم پر

جب تک سانہ گردنوں میں پڑیں یا ورل کے ہار — تشنیع و طعن و طنز کی شدت ہے قوم پر

کے دور کو بسا غنیمت سمجھتا ہوں - برٹش گورنمنٹ کی رعایا میں میرا شمار ضرور ہے - مگر شورہ پشت رعایا میں نہیں - بلکہ اس بےمدر رعایا کا ایک ادنی فرد ہوں بادشاہ وقت کی حیرسگالی - اطاعت اور فرمانبرداری اپنا فرض مذہبی سمجھتا ہوں - میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ برٹش گورنمنٹ ہر اعتبار سے اسقام سے مبرا اور عیوب سے بالکل پاک صاف ہے - اس میں بعض بعض امور اصلاح طلب ضرور ہیں - جنکی طرف سرکار دولت مدار کی خود بخود توجہ گران مایہ معطوف ہے - ع - کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند - مگر جیسی کچھ بھی ہے - بہ حیثیت مجموعی بسا غنیمت اور قابل شکر گزاری ہے - وہ انسانوں کی حکومت ہے یہ کہ فرشتوں کی ہے - اور انسان خود محاسن و معائب کی ایک معجون مرکب ہے - ہم اپنے گھر میں جو چار دیواری کے اندر ایک چھوٹی سی محدود سلطنت ہے - اپنے بال بچوں تک سب کو راضی نہیں رکھ سکتے - اور یہ تو وہ عالی شان دی اقتدار سلطنت ہے - جس پر کبھی آفتاب غروب نہیں ہوتا - کیسے ممکن ہے کہ وہ سب کو راضی رکھ سکے - پھر بھی اس کا عہد معدلت ایسا ہے کہ شیر بکری ایک گھاٹ پانی پیتے ہیں - اور سب اس چین سے میٹھے ہیں - گو طرح بطرح کی تکالیف بھی ہیں جو زندگی کے لیئے لازم ہیں - مگر مقابلے ان بے شمار مصیبتوں کے ایسی ہیں - جیسے آٹے میں نمک -

سائل صاحب کا ترکیب بند

جناب سائل صاحب نے بھی قریب قریب یہی خیالات نظم میں قلمبند فرمائے ہیں جن کا پڑھنا خالی از لطف نہیں - حالت موجودہ کا خوب نقشہ اتارا ہے - آج کل دو فرقے چل رہے ہیں Extremists (انتہائی پسند) اور Moderates (اعتدال پسند) میں اپنے آپ کو صف آخر میں شامل سمجھتا ہوں اور جناب سائل بھی میرے ہم خیال ہیں اور ایک سائل صاحب پر کیا موقوف ہے کثرت سے الصلح خیر پکار رہے ہیں - میں جناب سائل صاحب کا نہایت ممنون ہوں کہ صاحب موصوف کے مزاج میں مطلق تعلی نہیں - گو یہ نظم ابھی شائع نہیں ہوئی مگر آپ پر مروت جو انسانیت کا دوسرا نام ہے اس قدر غالب ہے کہ نہیں تو آپ کہنا ہی نہیں جانتے - مجھے افسوس ہے کہ ان کا ایک شیر خوار بچہ اس ہڑتال کی بھینٹ چڑھ گیا -

نظم ترکیب بند در معاملات و واقعات موجودہ مرتبہ جناب ابو المعظم نواب

زبان کٹوا لینا - کھال میں بھس بھروا دینا - آہنی پنجرے میں قید رکھنا اور ایک ایک عضو کٹوانا - وقس علی ہذا - معاذ اللہ! مگر آج کس صبر و تحمل اور کشادہ پیشانی سے ساری باتیں انگیز کی جا رہی ہیں - کیا یہ آزادی قابل قدر نہیں؟ کیا اس بیجا شورش سے گورنمنٹ کے دل میں گو وہ فرشتہ خصلت ہی کیوں نہ ہو ہندوستانیوں کی طرف سے کوئی عمدہ خیال پیدا ہو سکتا ہے؟ ہڑتال کی ایک ایسی ہوا چلی ہے کہ بات بات پر ہڑتال - بڈھا ڈرائے مرنے سے اور جوان ڈرا سے بھاگنے سے - کہتے ہیں کہ بازار اور کاروبار بند کر دینا - اظہار ناراضی کا ایک عمدہ ذریعہ ہے - شاید ہوگا - مگر اس سے گورنمنٹ کا کیا نقصان ہے؟ قہر درویش برجان درویش - اور پھر آئے دن کی ہڑتال وبال جان ہو گئی ہے - اور لوگ بریز بریز کرنے لگے ہیں - بعض لوگوں نے اظہار ناراضی کا ایک انوکھا طریقہ اور اختیار کیا ہے کہ خطاب واپس - سبحان اللہ - یا یہ آں شور اشوری یا چنیں بے نمکی - ان تلوں تیل ہی نہ تھا گویا ملّا کی دوڑ مسجد تک - کھسیانی بلی کھمبا نوچے اس سے نہ گورنمنٹ کا رتی برابر نقصان نہ قوم کا کچھ فائدہ - ع

نہ خواہد ایں چمن از سرو لالہ خالی ماند　　یکے ہمی رود و دیگرے ہمی آید

ہاں بات باون تولے پاؤ رتی کی جب ہے - کہ ہم انگریزی عملداری ہی سے نکل جائیں - ع گر تو نمے پسندی تغییر کن قضا را - اس وقت حسب موقع و محل جرأت کا ایک شعر یاد آیا

نکل جاؤ اس کے تلے سے عزیزو　　یہ گنبد بہت ہی پرانا ہوا ہے

کسی ظریف نے کیا خوب اور برجستہ جواب دیا ہے - ع

نکل جائیں اس کے تلے سے کدھر کو　　ارے اندھے[1] بھڑوے وہ اندھا ہوا ہے

لوگ مجھے خوشامدی ضرور کہیں گے - مگر حق بات کہنے میں مجھے باک نہیں - میں نہ برٹش گورنمنٹ کا خطاب یافتہ ہوں کہ خطاب واپس کر کے مورد تحسین و آفرین بننے کی کوشش کروں - نہ ملازم کہ ترک ملازمت کروں - نہ پنشن خوار کہ پنشن پر لات مار دوں - (مگر ہے یہ ٹیڑھی کھیر! اگر جاں طلبی مضائقہ نیست - گر زر طلبی سخن درین ست) غرض نہ بیرونی اثرات اور دباؤ سے باہر ہوں - سرکار عالی اعلیٰ ہم کا پشتینی نمک خوار ہوں اور اسی میں مجھ کو ناز

[1] جرأت نابینا تھے ناظرین سے مصرعہ آخر کے الفاظ کے لیئے معافی چاہتا ہوں - نقل کفر کفر نباشد ۱۲ ع

روئے سخن کسی کی طرف ہو تو روسیاہ　　سودا نہیں جنوں نہیں وحشت نہیں مجھے

لیڈورا ہی بھلا ع ہرکس بخیال خویش خبطے دارد۔ کہیں رسالوں کے ذریعے سے اور کہیں لکچروں سے دلوں میں بُرائی بٹھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کہیں جلسوں میں سلطنت کا نام تقریروں سے سب وشتم کیا جاتا ہے۔ جوسب سے زیادہ بلے دھڑک کھلا کھلا سخت کلامی اور بھکڑ ملا کہے۔ اور گالی گلوچ پر اُتر آئے۔ مرنے مارنے سے نہ ڈرے۔ یعنی ایسی اَرت آکار دوسرے پر دست درازی کو تیار ہو۔ آج کل وہی سب سے بڑا قومی خیرخواہ۔ قوم کا فدائی۔ بہی خواہ۔ خلاصہ یہ کہ پیش رو اور سچا لیڈر ہے۔ مانگنے کا یہ طریقہ طریقہ محمودہ نہیں کہ رعایا کے دلوں میں کدورت اور عناد کا فساد پیا کیا جائے۔ دنیا میں بیاس کر سب مانگتے ہیں مگر ایسی کرکوئی نہیں مانگتا ؎

آنچہ نصیب است ہم می رسد ورنہ ستانی نہ ستم می رسد

کیا آپ نے نہیں سنا کہ "بن مانگے موتی ملیں اور مانگے ملے نہ بھیک"۔ چھوٹا منہ بڑی بات میں یہ کیسے اور کیوں کر کہہ سکتا ہوں۔ کہ بڑے بڑے قابل واجب الاحترام اور نامور بزرگ قوم کی نظر واقعات تاریخی پر حاوی نہیں ہے اور ضرور ہے کہ وہ سلطنت ہائے گزشتہ اور حالیہ کا ٹھنڈے دل سے مقابلہ فرمائیں تو پلڑا عدل والصاف اس داماں کا ضرور برٹش گورنمنٹ کی طرف ہی جھکیگا گو اس ترازو میں تھوڑا بہت پاسنگ ضرور ہوگا۔ امرتسر کانگریس میں ابھی ابھی حال میں جیسی جیسی گھنگھور اور دھواں دھار تقریریں ہوئی ہیں اور جس شدومد سے گورنمنٹ کی پالیسی کو کنڈھن کیا گیا ہے وہ صرف حد اعتدال تو درکنار تہذیب اور شائستگی کے درجے سے بھی گری ہوئی تھیں۔ کیا یہ برٹش گورنمنٹ کی دریادلی حلم اور انتہا درجے کی درگزر نہیں کہ اس کان سنا اس کان اُڑا دیا۔ کیا یہ تحمل اور رعایا پروری نہیں تھی جو سب کچھ ٹھنڈے دل سے سن لیا۔ اور اُلٹ کر پوچھا تک نہیں ؎

بدم گفتی و خرسندم جزاک اللہ نکو گفتی جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خا را

بلکہ گورنمنٹ نے درشتی کا جواب نرمی سے دیا۔ ہمارے نظربندوں کو مخلصی دی۔ قومی لیڈر ذرا سینے کلیجے پر ہاتھ دھر کر دیکھیں اور ٹھنڈے دل سے سوچیں سمجھیں کہ اگر اس قسم کی شورش کا ایک شمہ بھی قرون ماضیہ میں ہوتا تو کیا کچھ نہ ہو جاتا۔ تاریخ سے وہ واقعات مٹائے نہیں مٹ سکتے۔ کہ بات بات پر زن و بچہ کو کولھو میں پلوا دیا جاتا تھا گدھے کا ہل پھروا دیا۔ ہاتھیوں کے پیروں تلے روندوا دیا۔ شیروں سے پھڑوا دیا

اور مغائرت کی تخم پاشی ہو۔ ہمارا دور سے ہی سلام ہو۔ اس سے وہ جہالت ہی
ہزار حصے بھلی جس میں اطاعت شعاری اور وفاداری مضمر ہو جیسے دو بلی مرغا
تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ۔ لوگ جمع کیئے گئے مختلف رزولیوشن پاس ہوئے کہ لوگ سرکاری
نوکریاں چھوڑ دیں۔ خطابات واپس کر دیں۔ سودیشی کو ترقی دیں۔ ولایت کے سامان کو
بائی کاٹ کریں۔ پابندی قول اور عملی کارروائی کے لیئے حلف نامے لیئے گئے نوبت بایں جا رسید
کہ ہجرت کے فتوے ہوئے کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسلی ہجرت کے بڑے بڑے پوسٹر لگ گئے۔ مجھے
وہ بات یاد آئی کہ عاشقوں کا مرنا بہت سنا ہے مگر جنازہ آج تک کبھی کسی کا نہ دیکھا۔ رہیں دریا
میں اور مگر مچھ سے بیر۔ ادھر ہوم رول لینے پر تلے ہوئے ہیں اُدھر ہجرت کے لیئے پا برکاب ہیں

رہیئے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو | ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو
بے در و دیوار سا اک گھر بنانا چاہیئے | کوئی ہمسایہ نہ ہو اور پاسباں کوئی نہ ہو
پڑیئے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیمار دار | اور اگر مر جائیئے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

شمس العلما مولوی سید احمد صاحب امام جامع مسجد پر جو حکام رس اور خطاب یافتہ تھے
دباؤ ڈالا گیا کہ خطاب واپس کریں اُنھوں نے بہ مصداق ع مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست
کچھ ہچر مچر کی۔ لوگوں نے اُن کے پیچھے نماز پڑھنی چھوڑ دی وہی مثل ہوئی تم روٹھے ہم چھوٹے
امام صاحب نے کہا کہ اگر یہ بات بتلا دی جائے کہ میرے خطاب واپس کرنے سے مسلمانوں
کو کچھ فائدہ پونہچ سکتا ہے تو ع ایں ہم اندر عاشقی بالائے غمہائے دگر۔ کئی دن تناتنی رہی صورت
فساد کی پیدا ہوئی ناچار مرتا کیا نہ کرتا امام صاحب نے اپنی عافیت واپسی خطاب میں ہی دیکھی اور
بادل ناخواستہ خطاب کو طلاق دی۔ مسلمانوں کو منہ مانگی مراد ملی لیکن معلوم نہ ہوا کہ اس سے
مسلمانوں کا کیا بھلا ہوا اور کو رکعت کا ثواب ملا اور گورنمنٹ کا کیا نقصان ہوا۔ لیکن جس صورت
سے کہ خطاب واپس کرایا گیا گورنمنٹ کو اس کی پل پل کی خبر تھی۔ آگے چل کر یہ اونٹ کس کروٹ
بیٹھے خدا ہی بہتر جانتا ہے مگر سر دست تو یہ ثمرہ ملا کہ ۲۸ اپریل سنہ ۱۹۲۰ء کو یہ اعلان شائع ہوا کہ جلسہ
ایکٹ انسداد جلسہ ہائے بغاوت انگیز سنہ ۱۹۱۱ء صوبۂ دہلی رقبۂ مشتہرہ قرار دیا گیا کوئی پبلک جلسہ
متعلق امداد یا بحث ایسے مضمون کی جس سے امن عام میں خلل واقع ہونے یا عام شورش
پھیلنے کا خوف ہو...... بلا حصول اجازت مجسٹریٹ ضلع نہ کیا جائے۔ ۵

ملے تھے لب نہ ابھی بوسۂ دہاں کے لیئے | کہ قینچیاں ہوئیں حاضر مری زباں کے لیئے
(من المصنف)

اثر نہ ہونے دیں۔ وسیع النظر ڈالیں اور جو اچھا ہو وہ تو یقیناً باقی رہے گا۔ اندریں
حالات اس خوفناک کشمکش سے جس میں کہ دنیا گرفتار رہی ہے سلطنت برطانیہ ہمیشہ
سے زیادہ طاقتور ہو کر نکلی ہے۔ سلطنت کے اندر مسلمانوں کی جانیں اور مال محفوظ
رہتے ہیں اس سلطنت کے اندر اور اس کے باہر یقین ہے کے ساتھ مستقبل میں بھی
اسلام کے لئے اور مسلمانوں کے لئے جیسا کہ گزشتہ زمانوں میں رہا ہے امن اور
خوش حالی رہے گی۔ ہندوستان کا مستقبل اب روشن اور امید افزا ہے۔ ہم
اب ایک ایسے تجربے پر ہاتھ ڈالنے والے ہیں جسے اگر دانش مندی کے ساتھ
کیا گیا تو دنیا کے ممالک میں ہندوستان کو ایک ایسی ممتاز جگہ مل جائے گی
جو اس کی کامیابی کے لئے اس سیاسی اور معاشرتی بدنظمی کا مقابلہ کرے جو
اس وقت تمام مشرق کو دھمکی دے رہی ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کا پورا پورا
اتحاد عمل نہایت ہی ضروری ہے۔ اس معیت میں جو آج آپ کو یہاں لے آئی ہے آپکے
ساتھ اپنی پوری ہمدردی اور امداد پیش کرتے ہوئے میں آپ سے مطالبہ کرتا ہوں
کہ آپ کی مدد اور حرکت کار کا اس عظیم الشان کام کے لئے جس میں اب ہماری بہتر
کوششوں اور توجہ کی ضرورت ہے"

ازماست کہ برماست

مانو نہ مانو ہم کہے دیتے ہیں صاف صاف
جس رنگ میں ہو وقت کا یہ اقتضا نہیں

تعلیم کی قلت یا کثرت دونوں میں سے کوئی سا بھی سبب ہو۔ کچھ عرصے سے ہندوستان
کے آوے کا آوا بگڑ گیا ہے۔ ایسا معلوم دیتا ہے۔ جیسا کسی نے دیوانی کو دول
کھائی ہو۔ عاقبت بینی اور مآل اندیشی دونوں رفو چکر۔ سر میں کچھ ایسی دھن سمائی
ہے کہ کچھ کہنے سننے نہیں بن پڑتی۔ شورش یا اودھم یا طوفان بے تمیزی بپا ہے
نتیجہ اسکا کچھ اچھا نظر نہیں آتا۔ خدا ہی خیر کرے۔ مطلع پر ڈراؤنی کالی کالی گھٹا
چھائی ہوئی ہے۔ خدا جانے اس ایجی ٹیشن کا اونٹ کس کروٹ بیٹھے۔ اگر اس
خود کردہ ایجی ٹیشن کو تعلیم کا نتیجہ کہا جائے تو ایسی تعلیم کو جس سے ناراضی بد دلی

له یہ ایڈریس مضمون ۱۷ اپریل ۱۹۱۹ء کے "حق" کے بہار نمبر میں اور ۲۰ اپریل کے حق میں
میں چھپا ہے۔ اس کے بعد کے تازہ واقعات یہ ہیں کہ خلافت کمیٹی کی گڑ بڑ مچ گئی دور دور کے
(بقیہ نوٹ برصفحہ آئندہ)

(بقیہ نوٹ برصفحہ آئندہ)

اور صرف مسلمانوں ہی کے فیصلہ کرنے کا ہے لیکن جو دعویٰ کہ آپ پیش کرتے ہیں کہ ٹرکی
کو اپنے مقبوضات پر جو اقتدار جنگ سے پیشتر حاصل تھا وہی اب بھی قائم رہے مجھے
اندیشہ ہے کہ ہم بجا طور پر یہ توقع نہیں کرسکتے کہ کانفرنس میں اتحادی قوتوں کے لیئے
بھی یہ دعویٰ قابل قبول ہوگا۔ پیشتر اس کے ٹرکی جنگ میں شریک ہوا ملک معظم کی
حکومت نے یہ بات اپنے ذمے لے لی تھی کہ ان کی غیر جانبداری کے صلے کے طور
پر اُس کا اقتدار برقرار رکھا جائے گا۔ لیکن جب کہ اُس نے اپنی قسمت کا فیصلہ تلوار
کے ہاتھ میں دے دیا تو جرمنی کا ساتھ دینے والی دوسری سلطنتوں کی طرح ٹرک
بھی اپنے اس فعل کے نتائج سے صاف طور پر بچ جانے کی توقع نہیں کرسکتے۔
میں پوری طور سے محسوس کرتا ہوں کہ ہندوستان کے مسلمانوں کے لیئے یہ معاملہ
رنج و افسوس کا ہے۔ تاہم میں اُن سے درخواست کروں گا کہ وہ صورت حالات
کو ایک وسیع اور عملی نگاہ سے دیکھیں۔ اُن کو یاد کرنا چاہیئے کہ جب یہ افسوسناک
جنگ چھڑی تھی تو ہر برطانوی کی یہ سچی خواہش تھی کہ جو پرانے تعلقات برطانیہ اور
ٹرکی سلطنتوں میں ہیں وہ قائم رہیں۔ ہم نہایت عمدگی کے ساتھ ایک ہی رستے
پر چل سکتے تھے اور اس کشمکش سے پہلو بہ پہلو فتح مندانہ نکل سکتے تھے لیکن افسوس
ہے کہ جن لوگوں کے ہاتھ میں ٹرکی کی قسمت کی باگیں تھیں اُنھوں نے ایسے اہم
وقت میں ہمارے دشمنوں کے ساتھ شریک ہونا پسند کیا۔ اس فعل اور اس کے
نتائج سے آج یہ مشکل مسئلہ ہمارے سامنے پیش ہو رہا ہے۔ لیکن جیسا کہ آپ نے
اپنے ایڈریس میں بجا طور سے اشارہ کیا ہے یہ واقعہ ہے کہ برطانوی اور ٹرکی سلطنتوں
کے درمیان ایک طویل روایتی دوستی اور مقاصد کی شراکت ضرور موجود ہے اور میں
اُس وقت کا منتظر ہوں جب کہ سلطنت ٹرکی کے ساتھ پرانے تعلقات دوبارہ قائم
ہو جائیں گے اور باہمی اور خوش دلی کی بنا پر اُن میں اضافہ بھی ہو جائے گا۔ آج
جب کہ تمام دنیا ایک سراسیمگی کی حالت میں ہے اور ہم میں سے ہر ایک جو کسی جماعت
قوم یا مذہب سے تعلق رکھتا ہو اپنے تئیں ماندہ اور تھکا ہوا محسوس کرتا ہے
جن صورت حالات میں سے گزر رہا ہے ہماری قسمت میں لکھا ہوا تھا تو ایسے
موقع پر آپ لوگوں کو چاہیئے کہ اپنے ہاتھوں پر گزرنے والے بادلوں کا بہت زیادہ

مشکلوں اور تکالیف میں پوری ہمدردی ہے تاہم میں صاف گوئی اختیار کروں گا اور کہوں گا کہ مجھے آپ کے تمام دعووں کی صحت سے اتفاق نہیں ہے لیکن اگر میں آپ کی میموریل کے ہر پیراگراف (فقرے) کا جواب دوں تو کچھ فائدہ نہ ملے گا۔ میں جس چیز کو پورے طور سے محسوس کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمان اس مسئلہ پر نہایت درجہ متاثر ہوئے ہیں اور یہ کہ یہ موقعہ بے سود اختلافات کا جو بالخصوص مذہبی مسائل پر ہوں نہیں ہے بلکہ کارآمد اشتراک کا ہے آپ ایک وفد یورپ بھیجنا چاہتے ہیں جو برطانوی وزرات کے سامنے اور ممکن ہو تو پیرس کانفرس کے سامنے آپ کے خیالات کو پیش کر سکے۔ مجھ سے جہاں تک ہو سکے گا آپ کی اس بات میں مدد کروں گا کہ آپ مسلمانان ہند کے خیالات کو پیرس میں ظاہر کر سکیں لیکن جیسا میں پہلے کہہ چکا ہوں فیصلہ نہیں معلوم کس وقت ہمارے کانوں تک پہونچ جائے اور فوری کارروائی کی ضرورت کو تسلیم کرتے ہوئے میں نے آپ کے ایڈریس کا خلاصہ پہلے ہی وزیر ہند کو تار کے ذریعے سے بھیج دیا ہے تاکہ اُن کو بغیر کسی دیر کے یہ مضمون پہونچ جائے اور شاید اس مسئلہ میں یہ اُن کے ہاتھوں کو کسی قدر قوی کر دے۔ مجھے اب چند الفاظ اور کہنے ہیں اور سب سے پہلے میں اپنے اُس پورے اعتماد کا اظہار کرنا چاہتا ہوں کہ اتحادی قوتوں کا فیصلہ ٹرکی کے مستقبل کے متعلق جو کچھ بھی ہو ہندوستان کے مسلمان اپنی اطاعت اور وفاداری میں جو اُنھیں ملک معظم کے ساتھ حاصل ہے پورے طور سے ثابت قدم رہیں گے۔ جنگ عظیمہ میں انھوں نے سلطنت کی آواز پر فراخ دلی اور تن دہی کے ساتھ لبیک کہا اُن کی وفاداری اور امداد نہایت درجے قیمتی ثابت ہوئی اور مختلف خطوط جنگ پر ہزارہا مسلمان سپاہیوں نے ہندوستان اور تاج برطانیہ کے لئے بہادری کے ساتھ اپنی جانیں دیں۔ اب فتح حاصل ہو گئی مجھے توقع ہے کہ ہندوستان کے مسلمان اپنے ملک معظم کے ساتھ اپنے وفادارانہ رویّہ سے ہٹ جائیں خلافت کے مسئلہ کے متعلق ملک معظم کی حکومت نے اور میری حکومت نے بارہا اعلان کیا ہے اور اب میں پھر اس کا اعادہ کرتا ہوں کہ خلافت کا مسئلہ مسلمانوں

موجود تھا جو ممتاز مسلمانان مقیم یورپ نے پیش کیا تھا جن میں ہز ہائینس دی آغا خان دی آنریبل مسٹر امیر علی اور مسٹر یوسف علی بھی شریک تھے اور جو دلائل کہ ان معزز اشخاص نے ترکوں کے ساتھ نرم برتاؤ کیئے جانے اور ہندی مسلمانوں کے جذبات کا خیال رکھے جانے کے متعلق اس مموریل میں تحریک کیئے تھے ہماری نیابت نے اُن کو پورا استعمال کیا - حضرات! میں یہ خیال کرنے کی جرأت کرتا ہوں کہ ترکوں کی حمایت میں کوئی صحیح دلیل باقی نہیں رہی ہے جس سے کہ ہندی نیابت نے کام نہ لیا ہو - وسط مئی میں صلح کانفرنس نے اس نیابت کے بیانات کو سنا اور میری حکومت اور وزیر ہند کی کوششوں کی وجہ سے اس موقعہ پر تین ممتاز مسلمانوں کو یعنی ہز ہائینس دی آغا خان - صاحبزادہ آفتاب احمد خاں اور مسٹر یوسف علی کو اس موقعہ پر شرکت کا موقعہ دیا گیا - اسی مہینے میں میری حکومت نے وزیر ہند کو ایک تار دیا جس میں اُس اثر کی اہمیت جتائی جو ترکی کے متعلق کسی فیصلے سے ہندوستان میں اسلامی رائے پر پڑے گا - میں یہ بھی کہدینا چاہتا ہوں کہ التوائے جنگ کے وقت سے میں برابر وزیر ہند کے ساتھ بہ صیغہ راز خط و کتابت کرتا رہا ہوں اور اگرچہ وزیر ہند کے خیالات مجھ سے اس قدر ملتے جلتے ہیں کہ اس کی زیادہ ضرورت بھی نہ تھی لیکن میں نے کبھی اس امر میں تساہل نہیں کیا - آخری فیصلہ کرتے وقت ہندوستان کی اسلامی رائے کا بہت کافی احتیاط کے ساتھ خیال رکھنا چاہیئے - تاہم میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ یہ ایسا معاملہ نہیں ہے جس میں ہم صرف برطانوی وزارت سے دوبدو ہوں - جنگ صرف برطانیہ اور ٹرکی کے درمیان نہیں ہوئی تھی بلکہ اور بڑی سلطنتیں بھی اس میں شریک تھیں - ترکی کے اس فیصلے سے کہ اُس نے اپنی قسمت کا پاسہ سنٹرل پورز (وسط یورپ کی طاقتوں) کے ساتھ ڈال دیا بلاشبہ جنگ میں طول ہوگیا اور اس کی وجہ سے جنگ کے مصائب میں بھی اضافہ ہوگیا - اب پیرس میں اتحادی قوموں کی ایک عدالت فیصلہ کر رہی ہے نہ کہ برطانیہ تن تنہا - ٹرکی کے مستقبل کا فیصلہ صرف ملک معظم کے وزرا نہیں کر رہے بلکہ تمام سلطنتوں کے نمایندے کر رہے ہیں - اب حضرات! میں آپ کے موجودہ ایڈریس کی طرف آتا ہوں - جو کچھ میں اب تک کہہ چکا ہوں اُس کے بعد مجھے آپ کی

کی ایک تقریر کی جانب دلانا چاہتا ہوں جو چند ہی دن ہوے ہندوستان کو تار کے ذریعے بھیجی جاچکی ہو۔ ایک اخبار کے نمایندے سے ملاقات کے دوران میں ترکی مسئلہ صلح کے متعلق اُنھوں نے کہا کہ "اتحادی چاہے کچھ بھی فیصلہ کریں لیکن ہندوستان کو یقین رکھنا چاہئیے کہ ہندوستان کے خیالات ہندوستانی نمایندے پیرس اور لندن کی سب مجلسوں کے روبرو پیش کرتے رہے ہیں۔ ہز ہائینس مہاراجہ صاحب بیکانیر۔ لارڈ سنہا۔ ہز ہائینس دی آغا خاں اور انھوں نے خود ہندوستان کے مسلمانوں کی خواہشات اور التجاؤں پر زور دیا ہی اور بتادیا ہی کہ ترکی شرائط کا مسئلہ اُن (یعنی مسلمانوں) کے لئے نیز مفاد سلطنت کے لئے کس قدر اہمیت رکھتا ہی"۔ حضرات! آپ نے اپنے ایڈریس میں میری اور وزیر ہند کی کوششوں کا جو اعتراف کیا ہی اس کے لئے میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور مجھے آپ کی زبان سے سُن کر طمانیت ہوئی کہ آپ جن لوگوں کے نمایندے ہیں وہ بھی ان کوششوں کو تحسین کے ساتھ دیکھتے ہیں۔ معاملے کی نوعیت ایسی ہی کہ میری حکومت اور وزیر ہند کے مابین خط وکتابت ہوئی ہی اور جو اظہارات ہم نے کیئے ہیں میں اُن کو آپ کے سامنے نہیں ظاہر کرتا لیکن میں کوشش کروں گا کہ آپ پر بھروسہ کروں اور آپ کو جہاں تک ہوسکے تشریح کے ساتھ بتاؤں کہ ہم دونوں نے صلح کانفرنس کے روبرو کیوں کر اس معاملے کو پیش کیا ہی۔ التوائے جنگ کے تھوڑے ہی دن بعد میں نے وزیر ہند کو لکھا کہ ہندوستان میں ترکی شرائط صلح اور بالخصوص مقاماتِ مقدسۂ حجاز اور قسطنطنیہ کے مستقبل کے مسائل پر خیالات بہت راسخ ہیں اور اس پر ایسی کارروائی کی گئی جس سے یقین ہو جائے کہ اسلامی ہند کے خیالات ہندی نمایندوں کے ذریعے سے صلح کانفرنس کے سامنے پیش ہو جائیں جیسا کہ آپ کو معلوم ہوا ہی ہندوستانی نیابت وزیر ہند۔ مہاراجۂ بیکانیر اور لارڈ سنہا پر مشتمل تھی اور میں آپ کو یقین دلا سکتا ہوں کہ ترکوں کے لئے بہتر برتاؤ حاصل کرنے کی کوشش اس قدر انہماک اور پر دلائل طریقوں سے کی جس کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ اُن کے سامنے یکم جنوری سنہ ۱۹ء کا وہ میموریل

سے واقعات کے رخ کے متعلق جو اطلاعیں آتی ہیں اس میں ہم بھی عام پبلک
کے ساتھ شریک ہیں - ہم دیکھتے رہے ہیں کہ ایک دوسرے کے مخالف خبریں
آتی رہی ہیں جن پر سرسری نظر سے غور کرنے پر یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ و
تیز دماغ اخبار نویسوں کے قیاسات سے زیادہ واقفیت نہیں رکھتیں - اس لیے
میں آپ سے درخواست کروں گا کہ اس قسم کی جو رائیں تار کے ذریعے سے ولایتی
اخبار کے حوالے کے ساتھ موصول ہوتی ہیں اُن کو کچھ بھی اہمیت نہ دیں اس لیے کہ
وہ کسی حیثیت سے بھی ملک معظم کے وزرا کی رایوں کی نمایندہ نہیں کہی جا سکتیں
ہمیں جو بات تحقیق کے ساتھ معلوم ہے وہ یہ ہے کہ گزشتہ ایام میں لندن میں کچھ
کارروائیاں ہوئی ہیں اور یہ کہ وزیر ہند اس وقت پیرس میں وزیر اعظم کے ہمراہ
ہیں اور حسب معمول اپنے جوش اور طاقت کے ساتھ اس آخری کانفرنس کے
روبرو جس میں کہ اس نازک مسئلے کا فیصلہ کیا جائے گا ہندوستان کے مسلمانوں
کے خیالات نہایت زور سے پیش کر رہے ہیں - اس فیصلے کا اعلان ممکن ہے کہ
چند روز ہی میں ہو جائے اور میں اس موقعہ پر ہندوستان کے مسلمانوں کو دوبارہ
یقین دلانا چاہتا ہوں کہ ٹرکی کے واسطے بہتر سے بہتر ممکن شرائط حاصل کرنے کے
متعلق ہندی مسلمانوں کے خیالات اُن لوگوں کے سامنے پیش کرنے میں جن پر
کہ فیصلے کا دارومدار ہے کوئی کوشش اُٹھا نہیں رکھی گئی اور کوئی دقیقہ فروگذاشت
نہیں کیا گیا ہے میں اس سلسلے میں پھر وہ بات دُہراتا ہوں جو میں نے ستمبر گزشتہ
کو شملے میں لجسلیٹو کونسل کی افتتاحی تقریر میں کہی تھی کہ "میں نے جہاں تک میرا
بس چلا ہمیشہ پوری کوشش کی کہ مسلمانوں کے احساسات کی کامل نمایندگی ہو جائے
نہ صرف گورنمنٹ ہند نے ہی ملک معظم کی حکومت کے سامنے نہایت زور کے ساتھ
ہندی مسلمانوں کے خیالات کو پیش کیا بلکہ ہمارے نمایندوں نے بھی صلح کانفرنس
کے روبرو یہی خیالات ظاہر کیے اور اس لیے کہ ان کی شہادت دینے کی کوئی کوشش
باقی نہ رہ جائے تین نامی مسلمانوں کو خاص طور پر نمایندہ بنا کر صلح کانفرنس میں
اُن کے ہمراہ بھیجا گیا اس لیے اسلامی ہند کو یقین رکھنا چاہیے کہ اُس کے احساسات
کی جس قدر نمایندگی ممکن تھی پورے طور پر ہو چکی ہے" - میں آپ کی توجہ حال وزیر ہند

ہو خود تحلیل ہو کر محض صفر رہ جائے گا اُس وقت دنیا حقیقی طور پر بالکل بے خطر ہو گی نہ صرف جمہوریت کے لیئے بلکہ خدا اور حق کے لیئے بھی اور یہی وہ خیالات ہیں جن کی بنا پر ہم حضور والا کی امداد حاصل کر کے برطانیۂ عظمی اور اتحادی حلیف دول کے پاس اپنا وفد بھیجنا چاہتے ہیں۔ ہمیں اس کا بھی یقین ہے کہ ایک دفعہ جب ہمارے وفد کو کامیابی کا یقین ہو گیا تو پھر وہی اُنھیں تدبیر کے ساتھ اسلامی دنیا کو اطمینان دلائے گا اور اُن لوگوں کو ایک دوسرے کا دوست بنا دے گا جو غصے کی حالت میں یا رنج کی حالت میں یا بہرحال اپنے مفاد کے متعلق کسی ایسی غلط فہمی کے باعث ایک دوسرے سے پیدا ہو گئے ہیں۔ جس کو رفع کرنے کی ہر شخص کو کوشش کرنی چاہیئے جو دنیا میں امن قائم کرنے کا متمنی ہے۔ خدائے کریم اپنی رحمت و عنایت سے ہم کو اور حضور والا کی گورنمنٹ کو توفیق عطا فرما کہ ہم اس انسانی اور مقدس مقصد کو حاصل کریں''۔

ہز اکسیلنسی وائسرائے کا جواب

حضرات! ۔ مجھے آج آپ لوگوں سے مل کر مسرت ہوئی نہ صرف اس وجہ سے کہ میں شرائط صلح کے متعلق جو آپ کی زبان سے آپ کے خیالات سن سکتا ہوں بلکہ اس وجہ سے بھی کہ میں آپ کے سامنے اور ہندوستان کی اسلامی آبادی کے سامنے موقع پاتا ہوں کہ تشریح کے ساتھ بیان کروں کہ اس مسئلہ کے متعلق گورنمنٹ آف انڈیا کا طرز عمل کیا ہے نیز اُن کوششوں کا حال بھی بیان کر سکوں جو کہ گورنمنٹ ہند اور وزیر ہند نے اس بارے میں کی ہیں کہ صلح کانفرنس کے سامنے ہندوستانی مسلمانوں کے احساسات اور رایوں کی پوری پوری ترجمانی ہو جائے اور علاوہ ازیں اُس خالص ہمدردی کا بھی اظہار کر سکوں جو کہ وزیر ہند اور گورنمنٹ ہند کو حضور ملک معظم کی مسلمان رعایا سے اُن کی اس مشکل پوزیشن میں ہے۔ میں شروع ہی میں یہ صاف طور پر بتا دینا چاہتا ہوں کہ صلح کانفرنس جس قسم کا فیصلہ کرے گی اُس کی نوعیت کے متعلق مجھے یا میرے شرکائے حکومت کو کوئی خفیہ معلومات نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاں تک علم ہے ابھی وہ کسی نتیجے پر پہنچے بھی نہیں ہیں۔ ریوٹر کے تاروں کے ذریعے

کہ سلطنت کی صحیح پالیسی وہی ہے جس میں سلطنت کے ہر جزو کی خواہشات پر اُس کی حیثیت کے مطابق توجہ کی جائے لیکن مذہب اسلام کے قانون کی شرائط اس قدر قطعی اور لازمی ہیں کہ اتحادی ان کے حلیفوں کی خواہشات کے مطابق ان کو ایک سر مو نرم نہیں کر سکتے - لیکن اسی طرح خود مسلمانوں کی دنیوی خواہشات کی تکمیل کے لیئے بھی کبھی اس قانون میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا - قرآن فرماتا ہے "یہ حدود ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے مقرر کیا ہے اور کوئی ان کے باہر نہ جائے" - لیکن جب کہ مسلمان اپنے مطالبات کی بنیاد اپنے مذہبی فرائض پر قائم کرتے ہیں - ہم ادب کے ساتھ عرض کر سکتے ہیں کہ سلطنت کی صحیح پالیسی بھی اسی راستے کی طرف اشارہ کرتی ہے جس طرف کہ اسلامی احکام رہ نمائی کرتے ہیں - جنگ ختم بھی ہوگئی لیکن امن اب بھی بہت دور اور مشتبہ ہے اور ہم سلطنت برطانیہ کے ارباب حل و عقد سے عاجزانہ التجا کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کی دوستی اور ہندوستان کی وفاداری کی قیمت کا غلط اندازہ نہ کریں - ایک ایسا فیصلہ جو ہندوستان کے مسلمانوں اور نیز غیر مسلم اقوام کے لیئے جو اب خوش قسمتی سے متحد ہوگئی ہیں اور شانہ بشانہ کھڑی ہیں نا قابل قبول ہو - امن مستقل کا باعث نہیں ہو سکتا - اس لیئے اس کی وجہ سے انصاف و اطمینان کے محسوسات پیدا نہ ہو سکیں گے - اس فیصلے کے بعد ہر مسلمان کو جو اپنی نجات کے لیئے دعا کرتا ہے اور اس کی امید رکھتا ہے آرام و اطمینان قلب نہ ہوگا اور اگر وہ نجات کی خواہش رکھتا ہے تو نجات اُس کو صرف احکام اسلامی کی تعمیل کرنے سے ہی حاصل ہوگی خواہ ایسا کرنے کے نتائج کتنے ہی دردانگیز ہوں لیکن اگر اس کے خلاف اس امر کا عملی اعتراف کر کے کہ ہندوستان برطانوی سلطنت کے ایک رکن کی حیثیت سے اپنے معاملات کا انتظام کرنے کی پوری قابلیت رکھتا ہے اس کے دل پر قبضہ کر لیا جائے اور اسلام کے فرائض و ذمہ داریاں اور مسلمانوں کے جذبات کو بخوبی سمجھ کر اسلامی دنیا کو رام کر لیا جائے تو نصف دنیا برطانیہ عظمیٰ کی ممد و معاون ہوگی اور دنیا کی کوئی طاقت ان حقوق سے انکار کرنے کی جرأت نہیں کر سکتی جو صرف اسی اور اسی کی سلطنت کو حاصل ہیں - جو خطرہ آج اس قدر قوی نظر آتا ہے بغیر غصے کی حالت میں ایک اثر لگائے ہوئے اور بغیر جنگ ناحق میں خون بہائے ہوئے

اسلامی برادری کا لازمی نتیجہ ہے کہ تمام مسلمان دنیا کے ہر حصے میں اپنے بھائیوں کے رنج ومعیشت میں شریک ہوں اور کوشش کریں کہ حق انتخاب حکومت کا سا عام اور عالم گیر امر کہ عیسائیوں کی طرح مسلمانوں اور یورپ کی طرح ایشیا پر بھی استعمال کیا جائے - یہ سچ ہے کہ یورپ اور عیسائیت کا ایک بڑا حصہ عثمانی ترک پر جو مذہبی بالانصافی اور سیاسی ناقابلیت کا الزام لگاتا ہے لیکن اس الزام کے جواب میں یہ کہنا جائز ہے کہ جو لوگ الزام لگا سکتے ہیں وہ خود بھی ایسے دیرینہ تعصبات اور جدید تنگ عادات سے پاک نہیں ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ جب وقت آئے گا تو تاریخ اس مشکل صورت حالات کا لحاظ کرکے جس میں صدیوں تک ترکوں کو زندگی بسر کرنی پڑی ہے ایسے فیصلے کا اعلان کرے گی اور ساتھ ہی اسلام کی بنیاد و اصول رواداری اور ترکوں کی مطری خوبیوں کو ثابت کر دے گی - ہندوستان کی دوسری قوموں کی طرح اپنے بادشاہ کے ساتھ مسلمانوں کی وفاداری ایک ایسا مستقل عنصر ہے جس کا ہندوستان میں برطانوی حکومت کی تاریخ میں از اول تا آخر اعتراف و اعلان کیا گیا ہے لیکن ساتھ ہی اس امر کا بھی اعتراف کیا گیا ہے کہ یہ وفاداری اس شرط پر مبنی ہے کہ مسلمانوں کی مذہبی آزادی تمام وکمال برقرار رکھی جائے - اگر اس امر کی اب تک ضرورت نہ ہوئی تھی کہ گورنمنٹ کو مسلمان بلکہ حقیقۃً تمام اقوام ہند کی وفاداری کا یہ پہلو دکھایا جاتا تو ہم نہایت شکریے کے ساتھ اس امر کا اعتراف کرتے ہیں کہ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ کچھ عرصے پہلے کوئی ایسا خیال پیدا نہ ہوا تھا جس کے متعلق یہ اندیشہ پیدا ہوتا کہ شاید یہ پہلو بھلا دیا جائے یا نظر انداز ہو جائے لیکن اب کہ اتحادیوں اور ان کے رفقا کی پالیسی اور احکام اسلامی معلوم ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کے مخالف و منافی ہو جانے کا اندیشہ ہے ہم نہایت ادب کے ساتھ عرض کرتے ہیں کہ انصاف اور مصلحت وقت دونوں کا یہی تقاضا ہے کہ جس چیز کو انسان نہیں بدل سکتا اور جو اسلام کی گذشتہ صدیوں میں کبھی نہیں بدلی گئی وہ اب بھی کیوں کر بدل سکتی ہے اور جو ہمیشہ تغیر حالات کے ساتھ جب ضرورت ہو متغیر ہوا کرتی ہے وہ بدل ہی جاتی ہے - مسلمانوں کے نہایت گہرے دلی جذبات بھی شاید سلطنت کے مطالبات کے مقابلے میں رد کر دیئے جائیں - اگرچہ ہم نہایت عاجزی کے ساتھ عرض کرتے ہیں

ہی ایک پہلو ہے جو ہر چیز پر حاوی ہے اور جس پر پوری توجہ ملتفت ہونی چاہیئے اور یہ اس قدر اہم ہے کہ اگر خود عثمانی ترک بھی مجبوراً کسی ایسے فیصلے کو گوارا کرلیں تب بھی وہ فیصلہ ہر ایمان دار مسلمان کے لیئے ویسا ہی ناقابل قبول رہے گا۔ دنیوی اور اسی طرح مذہبی مسئلے کی حیثیت سے تحفظ خلافت جس قدر جزو مذہب ہے اس سے زیادہ در اصل مذہب کا جوہر اصلی ہے اور اس مسئلے کو ایسے دوسرے مذاہب سے کوئی نسبت ہی نہیں جو دنیوی اور روحانی مسائل اور کلیسا اور سلطنت کے مباحث میں ایک ایسی تفریق جائز رکھتے ہیں جو درحقیقت مذہب کو بے جان کر دینے والی ہے۔ اسلام اور دوسرے مذاہب کا اس طرح مقابلہ کرنے سے سوا اس کے اور کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ اصلی اور صاف بحث کو محض مبہم بنا دیا جائے۔ دنیوی طاقت درحقیقت خلافت کا جوہر اصلی ہے اور مسلمان اس کی نوعیت میں کسی قسم کا تغیر و تبدل یا اس کی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے پر ہرگز رضامند نہ ہوں گے۔ جزیرۃ العرب کا سوال جس کے کسی حصے پر غیر مسلم اقتدار روا نہیں رکھا جا سکتا۔ ایک ایسا سوال ہے جو کچھ کم اہم نہیں اور ساتھ ہی یہ بھی صاف ظاہر ہے کہ یہ سوال مسلمانوں کے سیاسی جذبات سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ درحقیقت یہ ایک خالص مذہبی سوال ہے۔ اسی طرح اسلام نے اماکن مقدسہ کے تقدس کی تشریح کر دی ہے اور اس مسئلہ اور نیز دیگر مسائل کو بھی غیر مذہب کے لوگوں کی معنی آفرینی کے حدود سے باہر رکھا ہے۔ مسلمان اس امر پر مصر ہیں اور بجا مصر ہیں کہ صرف خلیفۃ المسلمین کو اماکن مقدسہ کا خادم و محافظ ہونا چاہیئے۔ جہاں تک خلیفۃ المسلمین کی ممالک محروسہ کے تحفظ کا تعلق ہے ہمارے لیئے یہ معلوم کرنا نہایت تکلیف دہ ہے کہ مسلمانان عرب کی بعض جماعتیں اسلامی شریعت کی قطعاً خلاف ورزی کر کے اسلامی دنیا کی جمعیت سے بالکل الگ ہو گئیں لیکن بجائے اس کے کہ یہ واقعہ مسئلہ خلافت کے خلاف دلیل ہو سکے وہ بجائے خود ایک ایسی وجہ ہو گئی ہے جو اعلان حق پر ہم کو مجبور کرتی ہے اور اس اعلان الٰہی کے مطابق کہ تمام مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں اور ان احکام خداوندی کے ماتحت ہیں کہ بھائیوں کے درمیان صلح کراؤ۔ ہندوستان کے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ ان تمام غلط فہمیوں کو مٹانے اور بد راہی اور تفریق کے ان تمام اسباب کو رفع کرنے کی کوشش کریں جو عرب کو عجم سے اور ترک کو تاتار سے جدا کرتے ہیں۔

کہ وہ اتحادی وحلیف اقوام کو ہمارے اسلامی فرائض کی نوعیت اور اسلامی توقعات
کی اصلی وسعت تفصیل کے ساتھ سمجھا سکے۔ ہمیں صلح کی اُن شرائط کو دُہرانے
کی ضرورت نہیں جو پریسیڈنٹ ریاستہائے متحدہ امریکہ نے قائم کی تھیں اور
جن کی بنا پر خلیفۃ المسلمین نے عارضی صلح منظور کی تھی۔ اس کی ضرورت ہے کہ
قسطنطنیہ۔ تھریس اور اُن ممالک کے متعلق جو ترکوں کا وطن ہیں برطانوی وزیر
اعظم کے وعدوں کو دُہرایا جائے۔ ہم نہایت ادب کے ساتھ عرض کرتے ہیں
کہ آئندہ حاصل ہونے والے ملکی یا سیاسی منافع خواہ وہ واقعی ہوں یا محض خیالی
برطانیہ عظمیٰ یا اُس کے اتحادیوں کے لیئے اُس اخلاقی ساکھ کے نقصان کا معاوضہ
نہیں ہو سکتے جو اُن کے وعدوں کے ایفا نہ ہونے کی حالت میں یقینی ہے اور یہ
کہ وعدوں کے وہ عجیب معنی جو اَب بعد کو سوچ کر محض غیر ذمہ دار اصحاب نے
اختراع کیئے ہیں ذمہ دار حکام کے لیئے کسی حالت میں مفید ثابت نہ ہو سکیں گے۔
سلطنت کی اخلاقی ساکھ کے بگڑنے کا صدمہ اُس وقت اور بھی زیادہ مضرت
رساں ہوگا جب کہ لوگوں کو ملک معظم کی گورنمنٹ کے وہ وعدے بے اصل
نظر آئیں گے جن کا اعلان ٹرکی سے جنگ ہونے کے وقت حضور والا کے پیش رو
نے کیئے تھے۔ لیکن آج جب کہ مسلمانوں کو ان اہم وعدوں کی خلاف ورزی
کا اندیشہ اور عالمگیر خدشات سے کامل بے پروائی اس قدر بے چین کر رہی ہے
اس کی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمان برطانیہ اور اتحادیوں کے وعدوں
پر اپنے مطالبات مبنی کرتے ہیں۔ اُن کی بے چینی اس لیئے ہے کہ اُن کو یہ توقع
تھی کہ وہ فیصلہ جس میں اس قدر زیادہ پیچیدگیاں ہیں صرف اُنھیں کے مفاد اور
جذبات کی بنا پر کیا جائے گا۔ مسلمانانِ ہند اپنے مقصود میں قطعاً ناکامیاب
رہیں گے اگر وہ اُن لوگوں کو جو اُن کی مذہبی آزادی کو کلیۃً قائم و محفوظ رکھنے کی
ذمہ داری لے چکے ہیں صاف طور پر یہ نہ بتادیں کہ آج اُن کو سب سے زیادہ
تعلق خاطر خلافت اور اُس کے متفقہ مسائل کے اُس فیصلہ سے ہے جس کا خاکہ
ملک معظم کی گورنمنٹ اور اُس کے اتحادی طیار کر رہے ہیں اور جس کو کوئی مسلمان
قبول یا گوارا نہیں کر سکتا تاوقتیکہ اپنی نجات ابدی کو معرض خطر میں نہ ڈالے۔ حضر

قطعاً یا یوں کہا جائے کہ بالتخصیص ملک معظم کی رعایا کے صرف ایک اُس فرقہ سے متعلق ہے جو بلحاظ نسل کے طاقتور اور بلحاظ مذہب عیسائی ہے۔ وہ توقع رکھتے ہیں کہ بقیہ رعایا اُن کے اصول تدبیر پر جو ایک تنگ دائرہ نظر پر مبنی اور عام طور پر تمام سلطنت کے مفاد سے بعید ہے۔ اگر دلی رضامندی کے ساتھ قبول نہ بھی کرتے تو کم از کم خاموشی کے ساتھ گوارا کرے۔ ہمارے لیئے یہ عرض کرنا غیر ضروری ہے کہ اس قسم کے فیصلے کی بناء پر جو فرقہ بندی یا کسی ایک جماعت کی خواہشات کا نتیجہ ہو صورت حالات کا جو اندازہ کیا جائے گا وہ آخر کار ایک خطرناک غلطی ثابت ہوگا۔ اس غلط اندازے کے تباہ کن نتائج ہمارے لیئے تشویش انگیز ہیں اور ان نتائج کے سدِ باب کرنے کے لیئے ہم اور بھی زیادہ متفکر ہیں پس ہم مجبور اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ شاہی حکام کو ان خطرات کی آخری اور قطعی اطلاع کردی جائے جو ہمارے پیش نظر ہیں اور نہایت ادب کے ساتھ اُن سے التجا کی جائے کہ جس طرح ہو سکے وہ اس فیصلے کے بُرے نتائج سے بچنے کی کوشش کریں جس کے قبول کرنے پر مسلمانانِ عالم کی باوجود اُن کے صاف وصریح مذہبی احکام اور باوجود نسل انسانی کی اس قدر بڑی تعداد کی متحدہ خواہشات کے مجبور کیا جا رہا ہے۔ تازہ تجربے نے اور اُن لازمی دشواریوں کو جو سات ہزار میل کے فاصلے پر بیٹھ کر اس قسم کے اہم مسائل پر تار برقی کے ذریعے سے بحث کرتے ہیں پیدا ہوا کرتی ہیں ہم کو اس امر کے طے کرنے پر مجبور کر دیا ہے کہ حضور والا کی امداد و اعانت سے ہمارا ایک وفد جلد سے جلد انگلستان کو جائے اور براہ راست اپنے عاجزانہ مگر صاف وصریح معروضات ملک معظم اور اُس کے وزرا کے سامنے پیش کرے اور چونکہ ہم سے بار بار کہا گیا ہے کہ ہم اس امر کو بھی یاد رکھیں کہ اس قسم کے فیصلے کا اہتمام کرتے برطانیہ عظمیٰ اپنے اتحادیوں اور دیگر متعارف دول کے درمیان کسی قدر بھی اقتدار رکھتی ہو اُن کے مفاد اور اُن کی خواہشات کو نظر انداز نہیں کرسکتی پس ہمیں یقین ہے کہ ہمارے وفد کو اس کا بھی موقع دیا جائے گا

چنانچہ یہ وفد انگلستان کو چلا بھی گیا جس کے لیڈر مسٹر محمد علی ہیں اب دیکھیں فائز المرام پلٹتے ہیں یا ناکام بظاہر اسباب تو ہموں آش در کاسہ کا معاملہ ہوتا ہوا کچھ نظر نہیں آتا اور یوں خدا میں سب قدرت ہے کہ مردے میں جان ڈال دے اور آگے کیا ہوتا ہے غیب کا علم سوائے خداوند تعالیٰ کے کسی کو نہیں۔ لیجیئے اس کا نتیجہ بھی کُھل گیا ۱۹ مارچ ۱۹۲۰ء کو وزیر اعظم انگلینڈ کے سامنے وفد پیش ہوا۔ محمد علی صاحب اور دیگر ممبران نے بہت کچھ کہا سنا مقطع کا بند یہ ہے کہ وزیر اعظم نے سب کچھ سن سنا کر بہت تقریر فرمانے کے بعد فرمایا تو یہ فرمایا کہ میرے خیال میں اب اس معاملہ پر دوبارہ بحث نہیں ہو سکتی

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا جو چیرا تو اک قطرہ خوں نہ نکلا

ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ - ۱۲

آخری اور قطعی سمجھا جائے اور سات کروڑ مسلمانوں کے سخت اور ناقابل انکار مذہبی
فرائض ان کے گہرے جذبات اور ان کے تیس کروڑ ہموطنوں کی پر جوش ہمدردیوں
پر پوری توجہ کریں گے۔ کسی نہ کسی وجہ سے دوران جنگ میں ان جذبات اور ہمدردیوں
کا اظہار نہیں کیا گیا اور بیان نہیں کر سکتے کہ ہمیں اس امر کا کس قدر افسوس ہے
کہ وہ مذہبی فرائض جن کا ہم نے ابھی ذکر کیا ہے اس قدر صاف بیانی اور زور کے
ساتھ پیش نہیں کیے گئے جس قدر کہ ایسی حالت میں ضرورت ہوتی ہے جب کہ کسی قوم
کے مذہبی عقائد کسی دوسرے حاکم قوم کو جو دوسرا مذہب رکھتی ہو بتانے چاہئیں۔
یہ وقت نہیں ہے نہ اس کا موقع ہے کہ ان اسباب اور وجوہ پر طویل بحث کی جائے
جن کی بنا پر مسلمانان ہندوستان خاموش رہے نہ اس کا موقع ہے کہ اس وقت
ان عقائد کی طویل تشریح کی جائے جن کو مسلمان اپنی نجات کے لیے ضروری اور
لازمی سمجھتے ہیں۔ مسلمانان ہندوستان اس حقیقت سے بھی جو روز بروز واضح تر
ہوتی چلی جاتی ہے بے خبر نہیں ہیں کہ حضور والا کی گورنمنٹ مختلف صوبوں کی حکومتیں
اور وہ انگریز جو بہی کنارہ کشی سے پہلے ہندوستان میں ذمہ دار عہدوں پر تھے سب نے
رفتہ رفتہ اس امر کو سمجھ لیا ہے اور روز بروز ان کو زیادہ یقین ہوتا جاتا ہے کہ عثمانی حالات
کے متعلق جو فیصلہ ہونے والا ہے اس سے مسلمانان ہندوستان اور ان کے ہموطنوں
کو نہایت گہرا تعلق ہے ہم نہایت شکر گزاری کے ساتھ اس امر کا اعتراف کرتے ہیں کہ ہندوستان
میں حکومت اور امن عامہ کی ضروریات اور سرحد ملک پر سکون و اطمینان کے متعلق
اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کر کے حضور والا کی گورنمنٹ اور رائٹ آنریبل وزیر ہند
نے ہز میجسٹی کی گورنمنٹ کے سامنے کئی مرتبہ ہمارے محسوسات کی ترجمانی کی لیکن
انگلستان کی گورنمنٹ جیسا کہ ظاہر ہے بلحاظ بُعد مسافت اس قدر دور ہے اور بلحاظ
سیاسی اور مذہبی حالات کے اس قدر مختلف ہے کہ بظاہر ہماری آواز اور یہ گورنمنٹ ہند
کی ترجمانی ملک معظم کے وزرا کی آرا پر ان کے نقطۂ نظر اور ان خیالات پر جو پہلے سے
ان کے دماغوں میں جاگزیں ہیں معتد بہ حد تک اثر کر سکی۔ یہ ثابت کرنے کے لیے اگر
کسی ثبوت کی ضرورت ہو تو وزرا کی بہت سی تقریروں کا حوالہ دیا جا سکتا ہے کہ اس اہم
فیصلے پر جو ایک عالمگیر اہمیت رکھتا ہے اسی طرح اصرار کر رہے ہیں کہ گویا یہ معاملہ

کے ایک ایسے نمایندے وفد کی وساطت سے جیسا کہ ہمارا وفد ہے اپنی خواہشات ظاہر کریں - ایک طویل جنگ کے بعد جس میں تقریباً تمام متمدن دنیا کسی نہ کسی طریق کے ساتھ شریک تھی جس میں فتح حاصل کرنے کے لیے اپنا خون بہانے اور دولت لٹانے میں ہر قوم دوسری قوم پر سبقت لیجانا چاہتی تھی جس کی خوفناک بربادیاں عدیم المثال ہیں یہ تقاضائے فطرت ہے کہ وہ قومیں جو عملاً جنگ میں مشغول تھیں اور نیز وہ اقوام جو اس جنگ سے بالواسطہ لیکن بہت زیادہ متاثر ہوئی ہیں اب کہ جنگ ختم ہوئی ہے بالکل تھک گئی ہوں اور حیات و ممات انسانی کے متعلق تمام مسائل کو تلوار کے فیصلے پر منحصر کرنے سے اب ان کے اندر انتہائی نفرت پیدا ہو گئی ہے - اسی طرح یہ بھی بہ تقاضائے فطرت تھا کہ تمام دنیا یک زبان ہو کر بہ آواز بلند ایک مستقل امن قائم کیے جانے کی خواہش ظاہر کرے اور پھر انتہائی عجلت کے ساتھ صلح کرے - لیکن باوجودیکہ صلح ہونے کے بعد ایک سال سے زیادہ گزر چکا اور عہد نامہ صلح پر جرمنی کو دستخط کیئے ہوئے بھی چھ ماہ سے زیادہ گزر گئے مگر دنیا پر امن و امان کا تسلط اب بھی اتنا ہی کم ہے جتنا کہ پہلے تھا اور خود ہمارے براعظم ایشیا میں اندیشہ ناک حالات پیدا ہونے کا احتمال قوی ہے اور نہیں کہا جا سکتا کہ یہ احتمال بلا وجہ ہے - مزید براں کوئی شخص یہ بتانے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ حالت کا جو پیدا ہو رہی ہے آخری اور انتہائی نتیجہ کیا ہے - معلوم ہوتا ہے کہ گویا دنیا بھر میں ایک اندیشہ ناک صورت پیدا ہو چلی ہے اور گو کسی حد تک بھی یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ کن اقوام و ممالک پر وہ طوفان آنے والا ہے جس کی گھٹائیں صاف نظر آ رہی ہیں - تاہم یہ بتانے کے لیئے کچھ زیادہ وسعت دلیل کی ضرورت نہیں کہ جب وہ طوفان آئے گا تو یقیناً اسلامی دنیا بھی اس کے اثرات سے محفوظ نہ رہ سکے گی - سو ادب نہ ہوگا اگر ہم یہ عرض کریں کہ ایسی حالت میں یہ امر اشد ضروری ہے کہ وہ ارباب حل و عقد جو اس متحدہ مرکز پر موجود ہیں ان تمام حالات اور واقعات سے بخوبی واقف ہوں جو ملک معظم کی عالمگیر سلطنت کے دور دراز گوشوں میں پیش آ رہے ہیں - مدبرین سلطنت سے ہم کم از کم اس قدر تو ضرور توقع رکھتے ہیں کہ کسی ایسے معاہدے اور سمجھوتے میں جو کسی حد تک

برادران اہل ہنود مہاتما گاندھی - پنڈت رام بھجدت چودھری اور سوامی شردھانند بھی شریک تھے - یہ وفد ستیس کروڑ مسلمانوں کی طرف سے ہز اکسلنسی کی خدمت میں گیا تھا - سکریٹری نے ان کو ریسیو کیا - ڈاکٹر مختار احمد صاحب انصاری نے ایڈریس پڑھا - سیٹھ حاجی میاں جان محمد چھوٹانی نے حریطے میں رکھ کر پیش کیا اور مسٹر شوکت علی نے اراکین وفد کا تعارف حضور وائسرائے سے کرایا -

ایڈریس | بسم اللہ الرحمن الرحیم - بخدمت ہز اکسلنسی رائٹ آنریبل بیرن چیمسفورڈ پی سی - جی ایم - ایس آئی - جی ایم ای - جی ایم آئی ای - جی - جی ایم آئی وائسرائے وگورنر جنرل ہندوستان - حضور والا ! - ہم اراکین وفد خلافت جس کو خلافت کانفرنس کے ایک نہایت اہم اجلاس منعقدہ امرتسر نے اس کام پر متعین کیا ہم جناب والا کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہتے ہیں تاکہ ایک نہایت اہم معاملے میں آپ کی گورنمنٹ کی ہمدردی اور پوری تائید حاصل کریں اور ہمیں یقین کامل ہے کہ ہم نہ آپ کی ہمدردی سے محروم رہیں گے اور نہ تائید سے - خلافت کانفرنس میں یہ امر کئی دفعہ طے ہو چکا ہے کہ ایک وفد جلد سے جلد انگلستان جائے اور وہاں جاکر حضور ملک معظم اور اُن کے وزرا کے سامنے اپنا بیان پیش کردے جس میں پوری تفصیل اور صفائی کے ساتھ عرض کر دیا جائے کہ ہر مسلمان پر روئے مذہب کیا کیا فرائض عائد ہیں اور یہ کہ خلافت اور اس کے متعلقہ مسائل کی نسبت (مثلاً جزیرۃ العرب کے ہر حصے پر اسلامی اثر و نگرانی خلیفۃ المسلمین کا خادم اور محافظ اماکن مقدسہ ہونا اور سلطنت عثمانی کا بصورت موجودہ قائم رہنا) مسلمانان ہندوستان کے متحدہ خواہشات کیا ہیں جو ان کے دلوں میں جاگزیں ہیں - یوں تو یہ خواہش ہر حالت میں محض مقتضائے فطرت اور ہر طرح قابل تعریف ہے لیکن ان تشویش انگیز حالات کو دیکھتے ہوئے جو اس وقت موجود ہیں اور ایک ناقابل انصاف صورت اختیار کرتے جاتے ہیں ہماری خواہش میں ایک فوری ضرورت کے شدید احساس کا اضافہ ہو گیا ہے جس نے ہم کو اس امر پر مجبور کر دیا کہ ہم حضور والا کی اجازت حاصل

کیئے کی سزا نہ پالیں اس غرض کے لیئے اب خاص عدالتیں اجلاس کر رہی ہیں اور ہم امید کرتے ہیں کہ حال ہی میں جو داغ بدنامی اس صوبہ کے نیک نام پر بعض ضلعوں کے حرکات سے لگ چکا ہے۔ اُس کو دھوڈالنے میں وفادار لوگ امداد دینگے (۸۱) اخیر میں ہم یقین دلاتے ہیں کہ سرکار کی طرز حکومت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی یہ طرز حکومت ہمیشہ سے وہی ہے۔ جواب ہے کہ با امن لوگوں کی حفاظت کی جائے اور امن میں خلل ڈالنے والوں کو سزا دیجائے۔ پس سب لوگوں کو چاہیئے کہ وہ حسب معمول اپنے جائز روزمرہ کے کاروبار میں مصروف ہو جائیں اور اس بات کا اطمینان رکھیں کہ وہ شہنشاہ معظم کے زیر سایہ ہیں۔ فقط

خلافت ڈپیوٹیشن

اے خاصۂ خاصان رُسل وقت دعا ہے
اُمت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے

پنج سالہ جنگ یورپ کا نتیجہ سلاطین یورپ کے حق میں مفید یا مضر جیسا کچھ بھی ہوا ہو ہم کو اُس سے بحث نہیں مگر بمصداق نزلہ بر عضو ضعیف ٹرکی بیچاری کی ترکی تمام ہو گئی اور پرخچے اُڑ گئے۔ مسلمانوں کی حمیت اسلامی جوش میں آئی اور واویلا شروع کی جس کا قصہ طول طویل ہے یہاں ہم مسلمانوں کے وفد کے اُس ایڈریس کو درج کرتے ہیں جو ۱۹ جنوری سنہ ۱۹۲۰ء کو تین بجے سہ پہر کے وائسرائے بہادر کے حضور میں پیش ہوا اور ساتھ ہی اس کے حضور وائسرائے کا جواب بھی درج کرتے ہیں ناظرین سوال اور جواب دونوں کو ملاکر نتیجہ نکال لیں یہ معاملہ گو مگو کا ہے کچھ ہم سمجھے کچھ تم زیادہ صراحت بیکار ہے۔ مختصر یہ ہے کہ وعدہ تو یہ تھا کہ خلافت کا مسئلہ مسلمانوں کے جذبات کے موافق طے ہوگا مگر ہوا کچھ اور — یہ وفد (۲۷) نامور مسلمان لیڈروں کا تھا جن میں تین معظم و مکرم

نوٹ۔ چوں کہ ہماری تاریخ آخر سنہ ۱۹۱۹ء تک کے واقعات پر مشتمل ہے لہذا مسئلہ خلافت کا معاملہ جو جنوری سنہ ۱۹۲۰ء میں باقاعدہ طور پر گورنمنٹ کی نوٹس میں لایا گیا اس تاریخ کی حدود سے خارج ہے لیکن تحریک اس کی سنہ ۱۹۱۹ء میں ایک عرصے سے جاری تھی اس لیئے ایسے ایک اہم اور پولیٹکل معاملے کو بالکل نظر انداز کر دینا درست نہ تھا اور جب کہ سنہ ۱۹۱۹ء کے اواخر اور سنہ ۱۹۲۰ء کے اوائل میں یہ قضیہ نامرضیہ طشت از بام ہو گیا اور کتاب بھی ختم نہ ہوئی تھی تو اس کا اندراج تکمیل مراتب کے لحاظ سے ایک ناگزیر امر تھا۔ ۱۲ من المصنف

(۱۲) موجودہ بدامنی کی وجہ سے پنجاب کے چھ ضلعوں میں بغیر اجازت کے عام مجلسیں (جلسے) نہیں کیئے جاسکتے - یہ اضلاع لاہور - امرتسر - جالندھر - گوجرانوالہ - لائل پور اور ملتان ہیں - لیکن ان ضلعوں میں برادری کے یا مذہبی مجمعوں کی روک ٹوک نہیں -

(۱۳) لاہور - امرتسر - گوجرانوالہ - گجرات اور لائل پور کے ضلعوں میں مارشل لا یعنی فوجی قانون جاری کیا گیا ہے - ان اضلاع میں سنگین جرائم سرزد ہوے - قتل کئے گئے عمارتوں کو جلایا گیا - اور ریل اور تار کے سلسلہ کو توڑ دیا گیا - جہاں کہیں فوجی قانون جاری کیا گیا - وہاں عام لوگوں کی حفاظت کے لیئے بندشیں لگادی گئی ہیں - رات کے وقت ریل گاڑی نہیں چلائی جاتی اور تیسرے اور درمیانہ درجے کے ٹکٹ صرف پرمٹ (پروانے) حاصل کرلے پر دیئے جاتے ہیں یہ رکاوٹیں صرف عارضی ہیں اور یہ جتنا جلد ممکن ہوگا - اس وقت ہٹادی جائیں گی جب ہر فرقہ کے لوگ پھر ویسے ہی امن پسند اور فرماں بردار ہو جائیں

(۱۴) یہ بیان کہ فوجی قانون اور رولٹ ایکٹ میں کسی قسم کا تعلق ہے سراسر غلط ہے اور اس بات کو ہر ایک شخص رولٹ ایکٹ کے مطالعہ سے معلوم کرسکتا ہے -

(۱۵) فوجی قانون کسی ایسے ضلع میں نافذ نہیں کیا جائے گا جہاں کوئی بدامنی نہ ہو لیکن اگر لوگ جھوٹی خبروں پر کان دھریں گے - جن کی اب سرکاری طور پر تردید کی جاتی ہے اور وہ بغاوت یا بدامنی پر کمربستہ ہوں گے تو ان کو جان لینا چاہیئے کہ ان پر فوجی قانون نافذ کیا جائے گا -

(۱۶) جھوٹی افواہوں کے پھیلانے اور مشہور کرنے والوں کی بات پر کان نہیں دھرنا چاہیئے بلکہ اون کو گرفتار کرکے حکام کے حوالے کردینا چاہیئے -

(۱۷) لوگوں کو خبردار رہنا چاہیئے کہ کس طرح گزشتہ زمانے میں خصوصاً جنگ کے دوران میں انھیں جھوٹی خبریں سنا کر دھوکا دیا گیا - اہل پنجاب اب معلوم کررہے ہیں کہ وہ خبریں کیسی اڑائی ہوئی تھیں - انگریزی اور ہندوستانی فوج (جس کو شریر لوگ بدنام کرنے کی کوشش کرتے رہے) کی مستعدی اور دیہاتی لوگوں کی وفادارانہ امداد سے تقریباً ہر ایک جگہ امن قائم ہوگیا ہے لیکن احتیاط کے طور پر موجودہ انتظام بدستور جاری رہیگا - تاوقتیکہ مجرم اپنے

امور کے مندرجہ ذیل واقعات کی نسبت لوگوں کو اطمینان دلایا جا سکتا ہے!
(۱) سرکار کا ہرگز کوئی منشا نہیں ہے کہ پیدائش - اموات یا شادی کے متعلق لوگوں کے رسم و رواج میں یا دوسرے امور میں کسی قسم کا دخل دے اور یہ بھی سرکار کا خیال ہے کہ ایسے موقعوں پر کسی قسم کی فیس لی جائے -
(۲) نہ ہی کسی قسم کے زائد انکم ٹیکس لگانے کی کوئی تجویز ہے - سوائے اس ٹیکس کے جو اُن ساہوکاروں یا تاجروں پر لگایا جائے گا - جنھوں نے ایک سال کے دوران میں جنگ کی وجہ سے تین ہزار یا اُس سے زیادہ منافع حاصل کیا ہو - اور یہ زائد انکم ٹیکس بھی عارضی ہوگا اور صرف مصارف جنگ کے لیے لگایا گیا ہے
(۳) بلکہ انکم ٹیکس کو بڑھانے کی بجائے اس سال ایک ہزار و دو ہزار کے درمیان آمدنی پر ٹیکس بالکل معاف کر دیا گیا ہے - زراعتی آمدنی پہلے کی طرح اب بھی ٹیکس سے بری ہے -
(۴) معاملہ زمین - حبوب یا آبیانہ میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی -
(۵) ایستادہ فصلوں یا زمین کے حقوق میں کسی قسم کی دست اندازی کی ہرگز کوئی تجویز نہیں -
(۶) موجودہ وراثت کے حقوق میں کوئی دخل نہیں دیا گیا اور نہ ہی اس قسم کی کوئی تجویز ہے!
(۷) دربار صاحب امرتسر کو کسی قسم کا ضرر یا نقصان نہیں پہنچایا گیا اور وہاں حسب معمول مذہبی رسوم ادا کی جاتی ہیں -
(۸) کرپان کے متعلق احکام میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی - اور سکھ ویسے ہی کرپان لگا سکتے ہیں -
(۹) فوج صرف عرصۂ جنگ اور اُس کے چھ ماہ بعد تک کے لیے بھرتی کی گئی تھی اور اس وعدہ کو پورا کرنے کے لیے اور زمینداروں کو اپنی کھیتی باڑی پر واپس آنے کے لیے جہانتک جلدی ممکن ہے سپاہیوں کو رخصت کیا جا رہا ہے -
(۱۰) پولیس کو کسی قسم کے نئے اختیارات نہیں دیئے گئے -
(۱۱) ہر ایک شخص کو چاہیئے کہ وہ رولٹ ایکٹ کو پڑھے تب اُس پر روشن ہو جائے گا - کہ اس کے متعلق تمام افواہیں جھوٹی ہیں - اس قانون کی بہت سی کاپیاں تقسیم کی جا رہی ہیں -

اس حال کے فسادوں کو لیجئے بعض فتنہ پردازوں نے نئے قانون کے بارے میں جھوٹی افواہیں اڑائیں اور بعض نے لوگوں کو ترغیب دی کہ اس قانون کا "خاموش مقابلہ" کرو اور وہ اس طرح کہ موجودہ قانون کو بالکل نہ مانو۔ سرکار اس کو نہ گوارا کر سکتی ہے اور نہ ہرگز کریگی کہ کھلم کھلا اور عام طور پر اس کے حکموں اور قانون کی نافرمانی ہو۔ خاموش مقابلے یا "ستیہ گرہ" سے جس پر لیڈروں نے تقریریں کیں ان پڑھ اور آتش مزاج لوگ اور بازاری بچے لنگاڑے یہ سمجھے کہ اب قتل کرنا۔ لوٹنا اور آگ لگانا سب جائز ہے چنانچہ ان پڑھے لوگوں نے فتنہ پردازوں کی جھوٹی بناوٹی باتوں سے بے سوچے سمجھے غصہ میں بھر کر سرکاری فوجوں اور پولیس پر حملے کیئے۔ کئی انگریزوں کو جان سے مار دیا اور بہت سی قیمتی جائداد پبلک کی اور اور لوگوں کی جلا ڈالی اور برباد کر ڈالی۔ کئی جگہوں میں فوج اور پولیس نے ایسے حملوں کی برداشت بڑے صبر سے کی۔ آخر مجبور ہو کر انہیں یا تو اپنے بچاؤ کے لیئے یا زیادہ شورش و فساد کو روکنے کی غرض سے لوگوں کی بھیڑ پر گولی چلانی پڑی اور ایسے حال میں لازمی ہے کہ مجرموں کے ساتھ بے گناہ بھی مارے جائیں اور زخمی ہوں بڑا افسوس ہے کہ نوبت یہاں تک پہونچی۔ یہ آپ جانتے ہیں کہ ہر سلطنت کا یہ پہلا اور سب سے بڑا فرض ہے کہ امن و امان کو قائم رکھے اور اپنی امن پسند رعایا کی حفاظت کرے جو سلطنت اس فرض کے ادا کرنے میں کوتاہی کرتی ہے وہ حکومت کر نہیں سکتی۔ اور سرکار بھی اس فرض کو پورا کرنے کے لیئے جو کچھ مصلحت ہو اس پر ضرور بے دھڑک عمل کرے گی۔ فقط

گورنمنٹ پنجاب کا اعلان

جناب لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب کی جانب سے مفصلۂ ذیل اعلان اطلاع عام کے واسطے مشتہر کیا گیا۔ چوں کہ سرکار کے احکام اور پالیسی کی نسبت بد طینت لوگ متواتر جھوٹی اور بے بنیاد افواہیں اڑا رہے ہیں۔ تاکہ نا سمجھ اور سیدھے سادے لوگوں کے دلوں میں سرکار کی طرف سے خطرہ اور بد ظنی پیدا کی جائے۔ پس تمام ملازمان سرکار۔ معززین و امن پسند وفادار رعایا کا فرض ہے کہ وہ ایسی افواہوں کی تردید کرنے میں مستعدی اور سرگرمی سے کام لیں۔ علاوہ دوسرے

قسم کے جرم کی روک تھام کے لیئے سرکار کے پاس خاص آلات کا ہونا ضروری ہے۔ بہتوں کو معلوم ہے کہ پچھلے برسوں میں ادھر اُدھر ڈاکے پڑے جن میں ڈھیر سے امن پسند باشندوں کی جان و مال کا نقصان ہوا اور سرکاری پولیس کے اکثر افسر بھی اپنے فرض کی انجام دہی میں مارے گئے۔ آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ جنگ شروع ہونے کے بعد ہندوستان میں دور دور تک ایک ایسی سازش پھیلی جس میں جرمنی کی طرف سے مالی امداد پہنچی تاکہ برطانیہ کی حکومت اُلٹ دیجائے اس سازش میں کامیابی حاصل کرنیکی غرض سے خزانوں کو لوٹنے کی کوششیں کی گئیں۔ بہت سے گاؤں دیہات میں ڈاکے پڑے اور بہتیرے بے گناہ آدمی جان سے مارے گئے۔ شکر ہے کہ پچھلے تین برسوں میں ان خاص قوانین کی بدولت جو لڑائی کے زمانہ میں جاری کیئے گئے اور اب جلد موقوف ہونے والے ہیں اس قسم کے جرم کی بہت کچھ بیخکنی اور روک تھام ہوئی مگر جنگ سے پہلے تجربے سے پورے طور پر ثابت ہوا کہ ایسے جرموں کے روکنے کیلئے اُس معمولی طریقہ یا دستور العمل سے کام نہیں چلیگا۔ جس میں مقدمہ پہلے مجسٹریٹ کے سامنے جاتا ہے۔ پھر سیشنز جج کے آگے اس کی پیروی ہوتی اور بعد میں ہائی کورٹ تک اپیل ہوتی ہے۔ اس طرح ایک مدت ہو جاتی ہے اُن دنوں میں یہ ہوا کہ جیوری یعنی پنچ نے مجرموں پر فتوی نہیں لگایا ایسے گواہ جو جرم ثابت کر سکتے تھے یا تو قتل ہوے یا ڈراکر خاموش کر دیئے گئے اور یوں بہتیرے جو خون کے اور اور سنگین جرموں کے مرتکب تھے سزا سے بچ گئے ضرور تھا کہ سرکار ایسا انتظام کرے کہ ایسی حالت پھر ظہور میں نہ آئے چنانچہ چند انگریز اور ہندوستانی ججوں کی جو بڑے نامی گرامی تھے ایک کمیٹی مقرر ہوئی کہ صلاح دیں کہ کیا کرنا چاہیئے۔ یہ نیا قانون جسے رولٹ بل کہتے ہیں اُنکی صلاح کا نتیجہ ہے۔ اگر سرکار کو اپنے نمک حلال افسروں اور امن پسند رعایا کی جانوں اور مال کو بچانا ہے۔ تو تو ایسے قانون کی جیسا میں نے پہلے کہا ازحد ضرورت ہے آپ صاحبان جنھوں نے کچھ نہ کچھ دنیا دیکھی اور اس جنگ میں فتحمند ہونیکے لیئے سرکار کی مدد کی ہے خوب جانتے ہیں کہ سرکار ان اصولوں کے لیئے لڑی کہ آزادی کی ترقی ہو اور کمزوروں پر ظلم و تشدد کرنا موقوف ہو جائے آپ خوب جانتے ہیں کہ سرکار کوئی ظالمانہ اور دبانے والا حکم ہرگز نہیں جاری کریگی جیسا اس نئے قانون کے حق میں بالکل جھوٹ کہا جاتا ہے۔

یہ ہے کہ اگر تین ہندوستانی کہیں ایک ساتھ باتیں کرتے دکھائی دیں گے تو پولیس کا
سپاہی اُنھیں گرفتار کر سکے گا اور جس گھر کی چاہے تلاشی لیگا اور اُس گھر کے
جس شخص کو چاہے حوالات کے لیئے لے جائیگا - یہ باتیں بالکل جھوٹی ہیں - تو بھی
بدخواہوں نے انہیں جھوٹ باتوں کو بڑی گرم جوشی سے پھیلایا ہے - اور جو جانتے تھے
کہ یہ سب جھوٹ ہے اُنھوں نے بھی ان کی تردید نہیں کی - پولیس کو گرفتار کرنے اور
تلاشی لینے کا جو مجاز اتنک رہا ہے وہی رہے گا - اس نئے قانون سے اُنھیں کوئی
زیادہ اختیار نہیں ملنے کا - اتنا ضرور ہے کہ جب حضور وائسرائے صاحب اور اُن کے
مشیروں کو قطعی طور پر معلوم ہو جائے کہ کسی ضلع یا صوبہ میں باغیانہ اور مفسدانہ جرم
کو پھیلانے کی کوشش ہے تو اس ضلع یا صوبہ کی لوکل گورنمنٹ (مقامی حکام) تحریری
حکم کے ذریعہ سے اُس شخص کو گرفتار کرا سکیگی جس پر باغیانہ حرکت کے مجرم ہونے کا
شبہ ہے اور اُس گھر کی بھی تلاشی لے سکیگی جہاں اُسے معلوم ہو کہ ایسے جرم کی سازش
کی کمیٹی یا کمی جا رہی ہے - یہ اختیار سوا لوکل گورنمنٹ کے اور کسی سیغے کے حاکم کو نہ ہوگا
یہ نیا قانون مشار و مطلب میں موجودہ ڈیفینس آف انڈیا ایکٹ سے کم ہی ہے - یہ
بھی صفائی کے ساتھ واضح ہو کہ گو اس نئے قانون کی منظوری ہو چکی ہے - تو بھی کہیں
اس پر عمل درآمد شروع نہیں ہوا ہے اور نہ کسی جگہ اس پر عمل درآمد ہو سکتا ہے جب تک
خود حضور وائسرائے صاحب اور اُن کے مشیروں کو قطعی طور پر معلوم نہ ہو کہ وہاں
باغیانہ اور مفسدانہ جرموں کو پھیلانے کی سازشیں ہو رہی ہیں سرکار امید کرتی ہے کہ
اس قانون پر عمل کرنے کی ضرورت کبھی نہ ہوگی - اگر کبھی اس قانون پر عمل کرنے
کی ضرورت بھی پڑے تو اس کا اجرا فقط ایسے شخصوں کے لیئے ہوگا جو ملکر اپنے ساتھ
کی رعایا کو جان سے مارنے کی دھمکی دیتے ہوں - سرکار کے خیر خواہوں اور وفادار
رعایا پر اس کا اطلاق ہرگز نہیں ہو سکتا - اس لیئے ذرا بھی خوف نہ کیجئے کہ کسی طرح ظلم
ہوگا یا آپ کی آزادی میں خلل آئیگا - آپ سب یہ مان لیں گے کہ سرکار کا فرض ہے کہ
اپنے امن اور امن پسند رعایا کی جان و مال کو ڈاکوؤں کے خونی حملوں سے
بچائے جو بادشاہ کی حکومت کو اُلٹ دینا چاہتے اور اپنے ارادوں کو پورا کرنے کے
لیئے بے آزار لوگوں کو لوٹنے اور قتل کرنے کو تیار ہیں - تجربہ دکھا چکا ہے کہ اس خاص

تاہے - دودھ چڑیا کا دودھ ہوگیا چھ پیسے سیر سے چھ آنے اور آٹھ آنے امر یہ کہ مویشی کی کھیپوں پر کھیپیں یورپ کو لدی چلی جارہی ہیں - ص

خر دند بقافہ ہیز بانال حلوا بد ہان دیگراں شد

وغیرہ وغیرہ بہت سے ایسے اسباب ہیں جو ہندوستانیوں کو اکھرتے ہیں - میں یہ نہیں کہتا کہ گورنمنٹ ان امور سے بے خبر ہی نہیں - بلکہ بہت با خبر ہے اور بہت کچھ انتظام کیا جارہا ہے - مگر تا تو بمن می رسی من بخدا می رسم - العجل ثم العجل - کا امروز را بہ فردا مگزار - توقع کی جاتی ہے کہ ہماری رحم دل گورنمنٹ اپنی بیدار مغزی اور حسن تدبیر سے بہت جلد ان ناراضی کے اسباب کو دور کرنے کی فکر کرے گی ص گرتری مہر کی نظر ہو جائے ۔ یہ خزف رو کش گہر ہو جائے گورنمنٹ ایسی عمدہ تدابیر اختیار کرے کہ یہ عارضی کشش دور ہو کر سب شیر و شکر ہو جائیں اور امن چین کی زندگی جیسی کہ اس سے پہلے برٹش گورنمنٹ کے سایہ میں بسر کرتے آئے ہیں بسر کرتے رہیں - ص

شامل حال رہے فضل الٰہی ہر آن تم سلامت رہو تا دیر باقبال و ظفر

گورنمنٹ آف انڈیا کا اعلان

۱۲ / اپریل ۱۹۱۹ء کو ایک اعلان بعنوان رولٹ بل اور اس کا مطلب جاری کیا جاچکا ہے اب حسب ذیل اعلان عوام کے مزید اطمینان کے لیئے اس سلسلے میں شایع کیا جاتا ہے :- آپ نے سنا ہے کہ پچھلے چند دنوں کے اندر مختلف جگہوں میں بلوہ اور فساد ہوا اور ان پڑھے آدمیوں کے گروہوں کی مٹھ بھیڑ سرکاری فوج اور پولیس کے ساتھ ہوئی ایسے ہنگاموں کا نتیجہ یہ ہوا کہ خون بھی بہا اور بہت کچھ قیمتی مال کی بھی بربادی ہوئی - یہ فساد رولٹ بل کی مخالفت سے اور فتنہ پرداز لوگوں کی اڑائی ہوئی افواہوں سے برپا ہوئے جن کا منشا یہ ہے کہ انگریزی حکومت کو بدنام کریں - لوگوں سے کھلم کھلا یہ کہا گیا کہ اس نئے قانون کا اثر یہ ہوگا کہ پولیس محض اپنے اختیار سے لوگوں کو گرفتار کرے گی - گھروں کی تلاشی لے گی اور باامن مجمعوں اور جلسوں کو روک دیگی - ان پڑھے آدمی اس بات کا یقین کرتے ہیں کیونکہ وہ اکثر بیہودہ افواہوں کو سننے کے لیئے بیکار رہتے ہیں عام افواہ

کہ اور کوئی سبیل رفع ضرورت کی نہیں - اس سے بھی زیادہ دقتیں ہوں جب بھی
ریل کا سفر چھوٹ نہیں سکتا - ہندوستانی اور یورپین مسافر گو کرایہ دینے میں مساوی
ہیں مگر برتاؤ اور سلوک میں آسمان زمین کا فرق ہے اُن کے لیئے ہر طرح کا آرام اور
آسایش ہے اور ہندوستانیوں کے لیئے وہی کشمکش ہے - مال گاڑیوں کا وقتاً وقتاً
بند ہو جانا جس سے تجارت مفلوج ہو گئی ہے - حمل و نقل کی مشکلات ناگفتہ بہ ہیں انسانی ضروریات
اور زمانۂ حال کی رفتار میں تار بھی ایک جزو لاینفک ہے کدھر چار آنے اور کہاں بارہ آنے -
انگریز مانا کہ قوم فاتح ہے اور ہندوستانی مفتوح - مگر تعلیم نے اُن کی چار آنکھیں
کر دی ہیں - ہر شخص اپنی اپنی پوزیشن کا بخوبی اندازہ کرنے کے قابل ہو گیا ہے ایسی
حالت میں ہندوستانی زیادہ بہتر سلوک اور عزت کے طلبگار ہیں - حاکم و محکوم میں
مغایرت جب ہی دور ہو سکتی ہے کہ کھلے دل سے میل جول ہو - ایک دوسرے کا
ہمدرد - ممد و معاون ہو - اس میں شک نہیں کہ اعلیٰ حکام میں یہ صفات موجود
ہیں مگر اُن تک رسائی روز کا کام نہیں - جن سے ہر وقت کا سابقہ ہے چاہیئے کہ
وہ اپنے اخلاق اور زیادہ وسیع کریں - رعایا سے کھلے دل سے خندہ پیشانی سے ملیں
میل جول کے تعلقات میں وسعت دیں - یعنی یہ کہ ہندوستانیوں کو حسن مدارات
اور خوش خلقی سے اپنا گرویدہ بنا لیں بلکہ بے داموں خرید لیں - مقامی حکام
جن کے ساتھ حکومت کا انضمام ہے اُن میں اس بات کی بہت کمی ہے جو نہایت افسوسناک
ہے - نقدہ مرستہ - روپیہ بازار میں سے ایسا غائب ہے جیسے گدھے کے سر سے سینگ
روپیہ کا نعم البدل (نوٹ) ایک کاغذ کا ٹکڑا نہیں ہو سکتا - گو مسئلہ پولیٹکل اکانمی
کیسا ہی کچھ ہو مگر عوام اس مسئلہ کو کیا جانیں - روپیہ کا بازار میں کمیاب ہونا عام دقتوں کا
بڑا سبب ہے - چاندی کا سکہ جا کر نکل کا نکل آنا - وضع الشیٔ فی غیر محلہ ضرور ہے
پرامیسری نوٹ گورنمنٹ کا وثیقہ ہیں اُن کی قیمت یوماً فیوماً گھٹ رہی ہے نوبت
بایں جا رسید کہ روپیہ آٹھ آنے کا رہ گیا - اس سے گورنمنٹ کی ساکھ کو بٹہ لگتا ہے
ایکسچینج کی غیر مستقل اور نا مطمئن حالت نے تجارت کو تہ و بالا کر رکھا ہے - ضروریات
ہند کو بھی غلہ مکتفی نہیں اس پر لاکھوں من اناج کا ہندوستان کے باہر لد جانا
اول خویش بعدہٗ درویش کے اصول کے بالکل خلاف ہے - گھی اب دوا کو بھی بمشکل

تن کی عُریانی سے بہتر نہیں دنیا میں لباس یہ وہ جامہ ہے کہ جس کا نہیں سیدھا اُلٹا
خلاصہ یہ کہ غریبوں کو نہ پیٹ بھرنے کو روٹی ملتی ہے نہ تن ڈھانکنے کو کپڑا میسر آتا ہے۔
یہ نتیجہ ہے فری ٹریڈ کا۔ ناچار یورپ میں اب کمیٹیاں قائم ہو رہی ہیں جو ہر چیز کا
نرخ مقرر کر لینے پر تُل گئی ہیں کہ بدون اس کے چارۂ کار نہیں۔ لڑائی کے پہلے کے
نرخ اب خواب و خیال ہیں۔ سانپ نکل گیا ہے لکیر پیٹا کرو دوران جنگ کا نرخ
بھی خیر جو تھا وہ تھا۔ اس آس پر جیتے تھے کہ یہ تکلیف لڑائی کے ساتھ ختم ہو جائے گی
مگر نتیجہ برعکس لڑائی ختم اور گرانی برقرار بلکہ اُس سے بھی زیادہ۔ مال گزاری
اراضی پر سخت تشخیص جمع۔ جس سے رعایا اور زمینداروں کا کچومر نکل گیا۔
انکم ٹیکس۔ یہاں سرے سے آمدنی ہی کے لالے پڑے ہیں تو پھر انکم ٹیکس کیسا؟
ہم گورنمنٹ کے اس احسان کے منکر نہیں نہ کفران نعمت کرتے ہیں کہ دو ہزار
روپیئے سالانہ تک کی آمدنی والوں کو بچا دیا ہے لیکن پانچ پائی فی روپیہ سے
ایک آنہ فی روپیہ یقیناً ایک ناگوار اور گراں اسکیل ہے۔ جو بڑی آمدنی والوں پر
لگایا گیا ہے۔ جن کی آمدنی بڑی ہے اُن کے ویسے ہی خرچ بھی ہیں۔ ع
جن کے رتبے ہیں سوا اُن کو سوا مشکل ہے۔ سوپر ٹیکس۔ ہوس ٹیکس
وھیل ٹیکس وامثال ذٰلک۔ مدارس میں فیسوں کا نے انتہا بڑھ جانا یعنی
تعلیم کا ایسا گراں ہو جانا کہ متوسط الحال لوگ اُس سے مستفید نہیں ہو سکتے۔
یہ ظاہر ہے کہ تعلیم کے اُس گراں خرچ کے مقابلے میں جس کی سرکار متحمل ہوتی ہے
فیس ایسی ہی جیسے آٹے میں نمک مگر مرغی کو تکلے کا گھاؤ بھی کافی ہے۔ غریب رعایا
اس کی بھی متحمل نہیں۔ نتیجہ یہ کہ تعلیم کی وہ گاڑی جو فرّاٹے بھر رہی تھی اُس میں
روڑا اٹک گیا اب اس حالت کو اعلان شاہی کے ذیل کے الفاظ سے مقابلہ کیجئے
اور جو چاہیے نتیجہ نکال لیجئے۔ "یہ فیصلہ کیا ہے کہ کوشش کر کے ہند میں تعلیم کو جس قدر
ممکن ہو وسیع اور لوگوں کے لیئے آسانی ہو نے کے قابل کر دیں"۔ امتحانوں میں سختی
طالب العلموں کی بدبختی۔ حصول ملازمت میں مالاینحل دقتیں۔ ریل کے کرائے کا
بڑھ جانا اور اُس پر ٹرینوں کی قلت۔ مسافروں کی دھکا پیل اور کشمکش۔
آج کل ریل کی کل ایسی بگڑی ہے کہ اس سفر کو صورت سقر کہیں تو بجا ہے۔ مگر کریں کیا

آپ رسالی بنکے بن گئے۔ قحط ڈھل گیا۔ جرمن وار کے ساتھ جو گرانی شروع
ہوئی اُسے پہلے پہل جنگ کے نتائج سے منسوب کیا جاتا تھا سگ آمد و سخت آمد
وہ دن بھلی یا بری جس طرح بھی بنے صبر و شکر سے کاٹے۔ توقع تھی کہ لڑائی کے
بعد اصلی حالت قائم ہو جائے گی۔ خلق اللہ آسودہ اور فارغ البال ہوگی یہ
عارضی کال جاتا رہے گا۔ لیکن ع۔ خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم۔ موجودہ
گرانی نے قحط کو بھی مات کیا۔ اس سے وہ قحط ہی بھلا تھا۔ مرگس گیر تا بہ تپ
راضی شود۔ یہ گرانی امساک باراں کی وجہ سے نہیں ہے نہ پیداوار کی کمی اس کا
باعث ہے بلکہ اس کا کچھ اور ہی سبب ہے جس کے سمجھنے سے ناواقفوں کی عقل محدود
قاصر ہے۔ زمانے کا لیل و نہار بتلا رہا ہے کہ گرانی عارضی نہیں دائمی ہے اور اس نے
اپنے ڈیرے ڈنڈے ڈال دیئے ہیں جو نرخ اجناس کا آج ہے وہ قحط میں بھی کبھی
دیکھا نہیں گیا۔ بارہ سیر کا آٹا جب بکتا تھا تو دلی والے واویلا مچا دیتے تھے چہ جائیکہ
آج پانچ سیر کا نرخ ہے اور لوگ صبر و شکر سے انگیز کر رہے ہیں۔ گوشت دو آنے سیر
سے دس آنے پر پہنچا وقت آگیا کہ گوشت کی جگہ آدمی اپنی بوٹیاں نوچ نوچ کر
کھائے۔ خیر گوشت نہ سہی دال کنبے پال سے کام نکالیں گے وہ بھی وبال جان
ہو گئی دو سیر پر نوبت آگئی۔ غریبوں نے گھی کھانا چھوڑ دیا جو سیروں سے چھٹانکوں
پر آگیا کدھر سیر ڈیڑھ سیر اور کہاں (۵) چھٹانک۔ وہ جو مثل تھی کہ تیل دیکھو تیل
کی دھار دیکھو آج سچ ہو گئی۔ تیل بھی نرخ میں گھی کی برابری کرنے لگا۔ غرض
کھانے پینے کی کوئی چیز ایسی نہیں جس کے دام ناسوں نہ چڑھ گئے ہوں اور پھر طرفہ
یہ کہ اس کو بھی قیام نہیں۔ دن بدن گرانی کو ترقی ہے۔ پہلے قحط مقامی ہوتا تھا اب
عالمگیر ہے۔ پہلے آکر چلا جاتا تھا اب جانے کا نام نہیں لیتا۔ پہلے قحط گرانی نرخ
غلہ کو کہتے تھے اور یہی ایک دکھ تھا اب قحط کے معنے وسیع ہو گئے اُس کا مفہوم
ہر شئی مایحتاج پر حاوی ہو گیا۔ کپڑے کو وہ آگ لگی ہے کہ جامہ ندارم دامن
از کجا آرم کا معاملہ ہے۔ موٹا جھوٹا کپڑا بھی تن ڈھانکنے کو میسر نہیں آتا۔ لٹھا نین سکھ
جس کے بغیر گزر نہیں چوگنے داموں بک رہا ہے کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا کریں کیا نہ کریں
میری صلاح تو یہ ہے کہ اس شعر پر عمل کریں :۔ ع

کب وہ سنتا ہی کہانی میری
اور پھر وہ بھی زبانی میری

اے شہنشاہ آسماں اورنگ
اے جہاں دار آفتاب آثار
تم نے مجھ کو جو آبرو بخشی
ہوئی میری وہ گرمیِ بازار

نہ کہوں آپ سے تو کس سے کہوں
مدعائے ضروری الاظہار
پیر و مرشد! اگرچہ مجھ کو نہیں
ذوق آرایش سر و دستار
کچھ تو جاڑے میں چاہیئے آخر
تا نہ دے بادِ زمہریر آزار
کیوں نہ درکار ہو مجھے پوشش
جسم رکھتا ہوں ہی اگرچہ نزار
کچھ خریدا نہیں ہی اب کے سال
کچھ بنایا نہیں ہی اب کی بار
بس کہ لیتا ہوں ہر مہینے قرض
اور رہتی ہی سود کی تکرار
آپ کا بندہ اور پھروں ننگا
آپ کا نوکر اور کھاؤں اُدھار
جلد لیجے مری خبر للہ
تا نہ ہو مجھ کو زندگی دشوار
تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

رعایا اپنا دلی درد دُکھ اپنے بادشاہ سے نہ کہے تو کس سے کہے ع
تا زبر آں کن کہ خریدار تست - اس سے انکار نہیں کہ قحط کی بلا ہندوستان
پر ہمیشہ سے مسلط ہی مگر برسوں میں کبھی قحط ہوگیا ہوگیا اب تو اس کا دورہ آئے دن
کا ہوگیا - قحط کے اسباب بالعموم قلت اور امساکِ باراں سے منسوب کیئے جاتے تھے
سو سینکڑوں ہیل لمبی نہریں دوڑا دیں بڑے بڑے تالاب اور ذرائع

ا۵ حضور ملک معظم جارج پنجم کی طرف روئے سخن ہی - ۱۲ ۵۲ مجھ کو سے مراد ہندوستان ہی یعنی حضور ملک معظم نے ہندوستان میں تشریف لاکر اس زمین کو رشک طور بنایا - ۱۲
۵۳ گرانی کے مارے - ۱۲ ۵۴ یہ مصرع حضرت غالب کا نہیں ہی - مضمون کو حسب حال کرنے کی غرض سے بدلنا پڑا - ۱۲ ۵۵ ہر سال ہندوستان میں (۲۵) کروڑ ایکڑ زمین کاشت کی جاتی ہی جس میں سے پانچویں حصے اراضی کو کنوؤں - تالابوں اور نہروں کے ذریعے سے پانی پونچایا جاتا ہی - تقریباً (۱۵) لاکھ ایکڑ اراضی صرف اُن نہروں سے سیراب ہوتی ہی جو گورنمنٹ کے صرف سے بنائی گئی ہیں - ان عظیم الشان ذرائع آب رسانی پر (۳۲) لاکھ پونڈ
(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

۳۱ر کو بازار بند رہے - یکم اپریل کو تھوڑی دیر کے لیئے کچھ دُکانیں کھلی تھیں کہ پھر ہنگامہ ہوا اور گولی چلی دُکانیں بند ہو گئیں - ۲-۳-۴-۵ - کچھ بازار کھلا کچھ بند آدھا تیتر آدھا بٹیر - ۶ر کو پھر سند مد سے ہڑتال ہوئی مگر کوئی حادثہ نہیں ہوا - ۸ر ۹ر کو بازار کھل گیا - ۹ر کو گاندھی صاحب کو کوسی سے واپس کرنے کی خبر سنتے ہی نہ صرف بازار بند ہوا بلکہ ہزاروں آدمی کوسی کی طرف دوڑے مگر رستے میں روک لیئے گئے ورنہ خدا جانے کیا واقعہ پیش آتا - ۹ سے ۱۸ تک برابر دس دن بازار بند رہا خیال کیجئے کہ خلق اللہ پر کیا کچھ مصیبت نہ ٹوٹی ہوگی - ۱۹ر کو خدا خدا کر کے بازار کھلا اور اب تو آئے دن کی ہڑتال ہے لوگ اس کے بھی عادی ہو گئے کسی کے کان پر جوں بھی نہیں چلتی -

۵

رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج - مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں

گاندھی صاحب سے جب باز پرس ہوئی تو وہ یہ کہہ کر رستے چھوٹ گئے کہ میرا منشا خاموش مقاومت سے یہ نہ تھا کہ پبلک کی طرف سے ظلم و جبر اختیار کیا جائے اس میں شک نہیں کہ مارشل لا کے نفاذ میں بے عنوانیاں اور سختیاں ضرور ہوئیں اور آٹے کے ساتھ گھن پس گیا جیسا کہ ایسے مواقع پر ہونا لازمی ہے - سر مائیکل ایف او ڈائر لفٹنٹ گورنر جنہوں نے مارشل لا جاری کیا تھا پنشن پر چلے گئے اور اسی کی دریافت کے لیے ہنٹر کمیشن مقرر ہوئی جس نے مختلف مقامات میں پھر کر تحقیقات کی مگر ابھی رپورٹ شائع نہیں ہوئی - خدا جانے نتیجہ کیا نکلتا ہے - ابھی رولٹ بل کی آگ ٹھنڈی نہ ہوئی تھی کہ مسئلہ خلافت پر مسلمان اٹھ کھڑے ہوئے ہندو بھائی بھی اُن کے ساتھ ہوئے - جابجا جلسے ہونے لگے - ۱۹ر مارچ کو سارے ہندوستان میں بڑی سخت ہڑتال ہوئی - اور اب تو بات بات پر ہڑتال ہے - اب یہ تحریک ہے کہ اگر ٹرکی کا مسئلہ مسلمانوں کی توقعات کے خلاف ہو جائے یعنی اُس کے حصے بخرے کر لیئے جائیں تو مسلمانوں کو چاہیئے کہ سرکار سے قطع تعلق کر لیں - نوکریاں چھوڑ دیں - خطابات واپس کر دیں - ولایتی مال کو بائیکاٹ کریں - غرض آگ سلگ رہی ہے - خدا خیر کرے -

نظر نہ آتا تھا۔ راتوں کو بدمعاشوں کی ٹولیوں کی ٹولیاں گلے میں پھولوں کے گجرے
ڈالے۔ ٹھٹھے مذاق۔ فحش کلامی کرتے۔ سڑکوں پر باد ہوائی پھرتے تھے۔ اکّا دُکّا
کوئی مل گیا اُس کے چپت رسید کر دیا۔ شریف لوگ سہمے سہمائے حق اللہ پاک ذات
اللہ کرتے گھروں میں سُکڑے سُکڑائے بیٹھے ہوئے تھے۔ دیکھیے اب کیا ہوتا ہے
جب کیا ہوتا ہے۔ عورتیں گھروں میں تھر تھر کانپ رہی تھیں۔ چل تو جلال تو آئی
بلا کو ٹال تو۔ لوگوں کی نظروں میں غدر کا سا سماں پھر گیا تھا۔ بازار آٹھ آٹھ دن سے
بند۔ لاکھوں روپیوں کا نقصان ہوا سو ہوا۔ بچے دودھ کے مارے بلبلا رہے تھے
بلکہ تڑپ تڑپ کر مر گئے۔ مریض دوا نہ ملنے سے جاں بلب ہو گئے۔ ڈر کے مارے
بنک بند کر دیئے گئے۔ ڈاک کی تقسیم بند ہو گئی۔ ڈاک خانے جاؤ اور منی آرڈر
لاؤ۔ ریلوں کے اوقات میں خلل آ گیا۔ کسی وقت کا ٹھیک ہی نہ رہا۔ پٹریاں
اُکھاڑ ڈالیں۔ ریلیں گرا دیں۔ اسٹیشنوں پر ریلوں کو روک لیا۔ انگریزوں
کو مارا پیٹا۔ امرت سر میں نیشنل بنک کو آگ لگا دی اور لوٹ لیا۔ ریلوے اسٹیشن پر
گارڈ کو مار ڈالا اور خدا جانے کیا کیا اودھم مچائی۔ گاندھی صاحب سُر سُری
چھوڑ کر الگ ہو گئے۔ اگر یہی خاموش مقاومت ہے تو خدا جانے علانیہ مقاومت
کیا کچھ غضب ڈھاتی۔ جن کی جانوں پر بنی بنی ع۔ بر سر فرزند آدم ہر چہ آید بگزرد
کسی لیڈر نے باوجود اتنے لمبے چوڑے دعووں اور کھڑے بیے دینے اور باڑھ
پر چڑھانے کے اُلٹ کر خبر تک نہ لی کہ تم پر کیا گزری۔ ابھی خدا جانے کیا ہوتا اور
کیا نہ ہوتا کہ دلّی والوں نے سنا کہ لاہور اور امرتسر میں مارشل لا کا کوڑا بجنے لگا
دلّی میں زمین پر مشین گن اور آسمان پر ہوائی جہاز چکر کاٹنے لگے۔ جامع مسجد
اور قلعے کے درمیاں میں توپ خانے لگ گئے۔ دلّی والوں کو یقین ہو گیا کہ مارشل لا
مثل قضائے مبرم کے دلّی میں بھی اب آیا کہ آیا۔ غرض بگڑے ہوئے دماغ سدھر گئے
سر میں جو سودا سمایا تھا نکل گیا۔ رحم دل حکام سی۔ اے بیرن صاحب
چیف کمشنر اور کرنل ایچ۔ سی بیڈن صاحب ڈپٹی کمشنر سینہ سپر ہو گئے اور
دلّی والوں کو مارشل لا کے عذاب سے بچا لیا۔ ۳۰ مارچ کو بڑی شورش کا
دن تھا۔ سرکاری بیانات کی رو سے چھ شخص مارے گئے۔ بارہ زخمی ہوئے۔

رولٹ ایکٹ کا منشا کھلے کھلے الفاظ میں پبلک کو سمجھایا مگر ع میں نہ سمجھوں تو
بھلا کیا کوئی سمجھائے مجھے - العوام کالانعام ایک عام شورش بپا ہوگئی جو اب تک
بھی ٹھنڈی نہیں ہوئی - لوگوں نے دیکھا کہ بڑے بڑے تجربہ کار ذی وجاہت
مقنن اس کی مخالفت پر کمر بستہ ہیں تو ضرور یہ بُرا ہے - اس قانون کو گورنمنٹ
پر دباؤ ڈال کر جبراً منسوخ کروا لینے کا ایک مہلک نسخہ مسٹر گاندھی کی جدت پسند
طبیعت نے ستیاگرہ کی آڑ میں نکالا - ستیاگرہ کیا تھا صد گرہ تھا - ع

یک وجب قد و صد گرہ در دل مشتکے استخوان و صد مشکل

مہاتما گاندھی صاحب کی آندھی ایسی چلی کہ الٰہی توبہ - اُن کا منشا خاموش
مقابلہ تھا اور یہاں کچھ اور ہی گُل کھلا - رولٹ بل کی اودھم تو مچ ہی رہی تھی بازار
بند تھے ہڑتالیں ہو رہی تھیں کہ گاندھی صاحب باوجود حکم امتناعی گورنمنٹ کے
بمبئی سے دلّی آنے کو نکلے کوسی کے سٹیشن سے حکماً بمبئی لوٹا دیئے گئے - دلی
میں ایک اودھم مچ گئی - شہر میں شورش بپا ہوگئی - ٹرامیں بند - راستے بند -
کوئی سواری پر نکلے تو جانے نہ دیں اور اُتار لیں سڑکوں کے بجلی کے ہنڈے
توڑ ڈالے - گھنٹہ گھر کے آئینوں کو پتھر مار کر توڑ دیا - دُکانیں جبراً بند کرا دیں
بازار میں لوگوں کی ٹولیوں کی ٹولیاں رات دن گشت لگانے لگیں - جسے
ٹرام میں بیٹھا ہوا دیکھا جھٹ گھسیٹ لیا - دست و گریباں ہونے کو طیار -
لاحول ولا قوۃ عجب طوفان بے تمیزی بپا تھا - یہ لوگ دندناتے ریلوے سٹیشن پر
پہنچے وہاں کے سودے والوں کو دُکانیں بند کرنے پر مجبور کیا ہشت مشت
ہوئی - پولیس آئی اُن پر پتھر برسائے آخر کار گوروں کی فوج آئی گولی چلی
کئی لوٹ گئے جب ٹھنڈے ہوئے - پھر دوبارہ گھنٹہ گھر کے پاس ہشت مشت
ہوئی - فتح پوری سے لے کر سارے چاندنی چوک میں عوام کا ناگفتہ بہ ازدحام
تھا کسی کے ہاتھ میں سونٹا ہے تو کوئی بانس ہی اُچھال رہا ہے - ایسا معلوم
دیتا تھا گویا باؤلی کو دوں کھا گئے - خوانچے والوں کے گزرنے کا حکم نہیں
ہلڑ مچایا اور لوٹ لیا آخر پھر گولی چلی دس پانچ تھے پھر کیا تھا سر پر پیر رکھ کر
یہ بہادر ایسے بھاگے کہ فتح پوری سے قلعے تک سناٹا تھا کہ چڑیا کا بچہ تک

سبق آموز اعداد شمار دیئے گئے ہیں - رپورٹ کے یہ سترہ ابواب دو حصوں میں منقسم ہیں - پہلے پندرہ بابوں میں تحریک بغاوت و انقلاب کے تفصیلی حالات درج ہیں اور آخری دو بابوں میں کمیٹی کے فاضل اراکین نے وہ تدابیر بتائی ہیں جن کے ذریعے اس خوف ناک تحریک کا انسداد و استیصال ہو سکتا ہے - ۶ فروری کو اس بل کو آنریبل ولیم ونسنٹ نے امپیریل لجسلیٹو کونسل میں ایک مبسوط و مدلل تقریر کے ساتھ پیش کیا اور معزز ممبروں نے اس کی تائید میں تقریریں کیں ۔۔۔ ۱۲ مارچ کے اجلاس میں غیر سرکاری ممبروں کی طرف سے (۱۸۶) کے قریب تجاویز اور ترمیمیں پیش ہوئیں جن میں سے کوئی دو درجن منظور ہوئیں اور باقی بہ کثرت رائے نامنظور - ۱۵ مارچ کو آنریبل مسٹر سر نیدر ناتھ بنرجی نے تحریک کی کہ یہ بل مزید غور پرداخت کے لیئے ہائی کورٹوں اور مجالس عوام میں پیش کیا جائے - سر ولیم ونسنٹ نے اس کا معقول جواب دیا - ۱۸ مارچ کو پھر قانون کا مسودہ پیش ہوا اور بہت سی زوردار تقریریں ہوئیں اور بڑا مباحثہ رہا - آنریبل سر ورنی لوٹ نے یہ شبہ دور کرنے کے لیئے کہ اس بل پر عمل درآمد سے ملزم شخص کے ساتھ انصاف نہیں ہوگا - کہا کہ خاص عدالت نہایت اعلیٰ قابلیت اور اعلیٰ پایہ کے ججوں پر مشتمل ہوگی جس سے اس احتمال کی گنجائش نہیں رہتی کہ ملزم کے ساتھ پوری دادرسی نہیں ہو سکے گی - قانون پر سوائے اشد ضرورت کے عمل درآمد نہیں ہوگا - ہندوستانیوں کی وفاداری میں کسی کو شبہ نہیں اور بل کا مقصد بھی وفادار رعایا کو مجرموں کے وحشیانہ حملوں سے محفوظ رکھنا ہے - اس کے بعد آنریبل پنڈت مدن موہن مالویہ - مسٹر شرما اور سر دنشا واچا نے بل کی مخالفت میں تقریریں کیں - سر ولیم ونسنٹ کی تحریک پر ممبروں کی ووٹیں لی گئیں اور (۲۰) ووٹوں کے خلاف (۳۵) ووٹوں سے بل رولٹ ایکٹ نمبر ا بابت ۱۹۱۹ع منظور ہوا - غرض یہ کہ یہ رولٹ بل باوجود سخت مخالفت کے بھی پاس ہو گیا اس کا پاس ہونا تھا کہ ملک میں ایک کھلبلی مچ گئی - اس کی تنسیخ کے واسطے جابجا جلسے ہونے لگے اور بڑا شور و شغب مچایا گیا لوگوں کا خیال تھا اور ہے کہ ایجی ٹیشن ایک ایسا آلہ ہے جو سب کچھ کر سکتا ہے جس کی تائید میں وہ پارٹیشن آف بنگال کی سند پیش کرتے ہیں - ہر چند گورنمنٹ نے

کو کہا جا سکتا ہے اُسی کی لپیٹ دوسرے صوبوں میں بھی بہ تدریج پہونچی سحال میں جس حیرت انگیز سرعت سے تحریک بغاوت و انقلاب نے مختلف حصوں میں زور پکڑا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں - اکثر صوبوں میں خون و قتل اور ڈاکے کی مسلسل وارداتیں معرض وقوع میں آئیں - قابل افسوس اتلاف جان کے علاوہ ہزار ہا نوخیز ہستیوں کو غلط رستے پر لگا دیا اور امن پسند شہریوں کے دلوں پر ڈر اور خوف حد درجے تک مسلط کیا گیا - گورنمنٹ نے ان ہولناک جرائم کے استیصال کے لیئے اپنا فرض منصبی ادا کرنے کی کوشش کی اور دسمبر ۱۹۱۷ء میں ایک رزولیوشن پاس کیا اور ایک کمیٹی مقرر کی جو ہندوستان میں سیاسی انقلاب کی تحریکوں کے متعلق مجرمانہ سازشوں کی اصلیت اور وسعت کے بارے میں تحقیقات کر کے رپورٹ مرتب کرے - چنانچہ تحقیقاتی کمیٹی نے جس میں یورپین اور ہندوستانی سربرآوردہ ممبر تھے جنوری ۱۹۱۸ء میں کلکتے میں اجلاس شروع کیا - بنگال بمبئی - مدراس - بہار - اڑیسہ - صوبجات متوسط - صوبجات متحدہ پنجاب اور برہما کی گورنمنٹوں اور گورنمنٹ ہند کے تمام بیانات اور تحریری شہادتیں اس کمیٹی کے سامنے پیش کی گئیں پیر جو غیر سرکاری اصحاب مزید واقفیت بہم پونہچا سکتے تھے وہ بجائے خود یا مختلف جماعتوں کی طرف سے پیش ہوتے رہے کمیٹی نے چار اجلاس لاہور میں منعقد کیئے اور باقی تمام کلکتے میں - کل (۴۶) اجلاس کیئے - کمیٹی کے سامنے جو دستاویزی شہادت پیش کی گئی تھی وہ اپنی نوعیت میں بہت کثیر اور ضخیم تھی اور ساڑھے چار ماہ کی پیہم دہی مشقت و تحقیقات کے بعد مسٹر جسٹس رولٹ ۱۵ اپریل ۱۹۱۸ء کو اس قابل ہوئے کہ اپنی مکمل طیار کردہ رپورٹ گورنمنٹ آف انڈیا میں پیش کریں - یہ رپورٹ ۲۶×۲۰ (۲۴۶) صفحوں کے حجم پر مشتمل ہے اور ہندوستان میں تاریخ انقلاب کی مستند دستاویز ہے جس میں معویانہ اور انقلاب انگیز تحریک کی سلسلہ وار سرگزشت کو سترہ ابواب میں ختم کیا گیا ہے - علاوہ اریں دو ضمیموں میں بنگال کے مشہور مقدمات سازش ڈھاکہ کے متعلق عدالتوں کے فیصلے قلم بند ہیں اور جو لوگ ان مقدمات میں مجرم ثابت ہو کر سزایاب ہوئے اُن کی عمر - پیشہ - خاندان اور مجلسی حیثیت کے متعلق نہایت

قابلِ اعتراض نہ تھا۔

ع

درمحفل خود بارمدہ ہمچو سینے را　　　آزردہ دل آزردہ کند انجمنے را

لیکن جب گورنمنٹ نے مراحم خسروانہ سے دوسرے نظربندوں کے ساتھ علی برادرز کو بھی چھوڑدیا اور ۹ر جنوری سنہ ۱۹۱۲ع کو وہ دہلی تشریف لائے تو اُن کا جلوس بڑے جوش وخروش اور اہتمام سے نکالا۔ جابجا شارعِ عام پر کمانیں بنائیں۔ انواع واقسام کے کتبے آویزاں کیئے۔ سارے شہر کو جھنڈیوں سے سجایا اور رات کو بہت بڑے پیمانے پر سارے شہر میں روشنی کی۔ اُن کے گلے میں گھنٹہ گھر کے نیچے ساورنوں کے ہار ڈالے گئے۔ مختصر یہ کہ وہ عزت دی گئی جو آج تک کسی کو نہیں دی گئی۔ لیکن اس جشن کے ساتھ ہی ساتھ حکام مقامی کی سیرچشمی اور فراخ دلی بھی قابلِ داد ہے۔ جلوس نکالنے کی بخوشی اجازت دی بلکہ یہ کہا کہ جو تمھارا دل چاہے وہ کرو اور جتنی دھوم چاہو مچاؤ۔ یہ ہے وہ آزادی جس کے لیئے برٹش گورنمنٹ کی قدر کی جاتی ہے۔ لیکن چشم انصاف سے دیکھیں کہ پیس سلیبریشن کے توڑ پر یہ جشن کس حد تک حق بجانب تھا۔ ع

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا ؟ اور پھر اس جشن کے بانی مبانی اگر دیکھئے تو دراصل کون تھے ؟ یہی برٹش گورنمنٹ جنھوں نے دونوں بھائیوں کو مخلصی دی۔ مسلمان ٹرکی کی بدقسمتی پر جتنا کڑھیں بجا ہے لیکن اس کا بھی خیال رکھیں۔

ع آں را کہ بحق نسبت ہر دم کرمے　　٭　　عذرش بنہ ارکند بہ عمرے ستمے

بہرحال جادۂ اعتدال سے قدم باہر دھرنا اور دریا میں رہ کر مگرمچھ سے بیر کرنا شایان دوراندیشی نہیں ہے۔ ع۔ جو خال بڑھا حد سے وہ آخر مسہ ہوا۔ جرمن وار کہنے کو ختم ہوئی مگر اُس کا دُم چھلا ابھی لگا ہوا ہے۔ شرائط صلح میں ایسی اُلجھنیں پڑیں کہ ۸ر اکتوبر سنہ ۱۹۱۹ع کو ملک معظم کے دستخط مبارک سے صلح نامہ فریقین ہوا مگر امن چین کی جو پوچھو وہ اب تک بھی عنقا ہے۔ سرحدی جھڑپیں چلی جاتی ہیں۔ بولشوک جدا ریشہ دوانیاں کر رہے ہیں۔ ع

یاں فکر معیشت ہے وہاں دغدغۂ حشر　　٭　　آسودگی حرفیست یہاں ہے نہ وہاں ہے

سڈیشن اور رولٹ بل سنہ ۱۹۱۹ع　|　سڈیشن کا ہاٹ بڈ (بستر آتشیں) بنگال

لیڈی ہارڈنگ کو ہندوستانی خواتین کی ترقی اور بہبودی میں بڑا انہماک تھا اور بالعموم تمام امور رفاہ عام میں اپنے شوہر کا ہاتھ بٹاتی تھیں خصوصاً نرسنگ ہومز اور ہسپتالوں کا بڑا خیال تھا چنانچہ دلی کا عظیم الشان زنانہ طبی کالج مرحومہ کی اور بہت سی یادگاروں میں ایک بہت بڑی یادگار ہے۔

جوان لڑکے کا زخمی ہوکر مرنا | ہنوز بیچاری رفیق کی دائمی جدائی کا قلق کم نہ ہوا تھا کہ جوان ہونہار بیٹا دی آنریبل لفٹنٹ ہارڈنگ اوائل زمانِ جنگ یورپ میں زخمی ہوا اور ۱۹ دسمبر ۱۹۱۴ء کو داغ مفارقت دے گیا

ع یہ دل کسی نہ کسی وجہ داغ دار رہا　　ہزار شکر کہ یہ باغ پُر بہار رہا

جرمن وار کا اختتام | جنگ یورپ جس نے کھال اُدھیڑ دی - ۱۴ اگست ۱۹۱۴ء کو شروع ہوئی اور ۱۲ نومبر ۱۹۱۸ء کو سرِ شام دلی میں یہ مژدہ جانفزا گوش زد خاص و عام ہوا کہ جرمنی سے صلح ہوگئی ۱۳ کو بڑے بڑے پوسٹر چسپاں ہوگئے کہ ۱۱ نومبر ۱۹۱۸ء کو فل اردو ہم آرمسٹس (التوائے جنگ) پر دستخط ہوگئے ہماری سرکار کا بول بالا رہا اور لڑائی کا مُنہ کالا - ۲۷ نومبر - وکٹری ڈے (فتح کا دن) مقرر ہوا - شہر سجایا گیا خوب روشنی ہوئی - شاید اس سے بھی زیادہ اور اہتمام ہوتا مگر مسلمانوں نے اس کو فتح تسلیم نہیں کیا کہ جب تک ٹرکی کا فیصلہ نہ ہولے فتح کیسی ؟ اور شرکت سے محترز رہے - اسی وجہ سے وہ دھوم دھام نہ ہوسکی جو ایسے عظیم الشان موقع پر ہونی چاہیئے تھی - ۱۹ جولائی ۱۹۲۰ء کو چیف کمشنر صاحب بہادر نے ٹون ہال میں بڑا بھاری دربار کیا جن لوگوں نے جنگ میں رنگروٹ دیئے تھے اور وار لون میں شرکت کی تھی اُن کو اُن کی حسن خدمات کے لحاظ سے خلعت - تمغے - طلائی اور سادی چھپی ہوئی سندیں دی گئیں - مسلمانوں نے ایسی عدم شرکت سے اظہار ناراضی کیا تھا باستثنائے چند مقامات بالعموم نہ رکاوٹ بھی نہ تھی - اب آپ غور فرمالیں کہ اچھا کیا یا بُرا - خیر اتنے ہی پر بس کرتے تو بھی اچھا تھا - پیس سلیبریشن میں تو مسلمانوں کا الگ تھلگ رہنا چنداں

And future statesmen live to see
The ceasing of all strife,
Around the tomb of One so true,
Let hand join and swear,
True friendship shall be kept in view;
Loyalty Everywhere.

(ترجمہ) ساری خوشی کی آوازیں خاموش ہو جائیں اور تمام خوشی (کر) تو فرموقوف کیا جائے سارا ہندوستان ماتم اور خاموش سننا ہٹ میں پریشان ہو اُس کا دل کچلا ہوا ہو۔ (یہ ماتم کس کا ہو لیڈی ہارڈنگ کا) جس کے جنازے کو لوگ دوستوں سے دور قدم بڑھائے لیئے چلے جا رہے ہیں۔ (وہ جنازہ کس کا ہو) ہندوستان کی بہترین محبوبہ کی شکل ہو جس کو اس غم والم اور ماتم کے دن (لے جا رہے ہیں) تمام گھنٹے بجنے لگیں۔ ہر آنکھ آنسو بہائے (کیوں؟ اس لیئے کہ) ہماری مادر (مشفقہ) دنیا سے اُٹھ گئی۔ عورتیں رو رہی ہیں۔ بچے چلا رہے ہیں۔ سارے ہندوستان کا دل چھلنی ہو۔ ہم اُس کو اُس کی بے لوث محبت کی بدولت چاہتے تھے جو اُسے ہندوستان سے تھی۔ وہ ہندوستان کی امداد کے لیئے کوشاں تھی۔ افسوس کہ وہ رشتے منقطع ہو گئے۔ اُس پر جو سب سے زیادہ مبتلا ہو (یعنی وائسرائے) ای پروردگار تیرا رحم نازل ہو۔ تو ہر آہ سرد کا سننے والا ہو۔ تو ہی ہر آنسو کو شمار کرتا ہو اور ہر کراہنے کی آواز تجھ تک پہنچتی ہو۔ (ای خداوند کریم) اُسے زندہ (سلامت) رکھ اور جب تیری طرف سے اُس کی کامیابی (یعنی وفات) کا وقت آجائے تو وہ بھی ہماری پیاری وائسرائنی کی طرح ابدی خوشی حاصل کرے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اُس کی پیاری زندگانی کی بدولت ہندوستان مدتوں مستفیض ہوتا رہے۔ آیندہ آنے والے حکمران زندہ رہیں (اور بچشم خود) دیکھ لیں کہ سارے جھگڑے چُک گئے۔ اُس کی قبر کے پاس جو راست بازی میں یکتا ہو چاہیئے کہ سب مل کر سچی دوستی کو (ہمیشہ) پیش نظر رکھنے کی قسم کھالیں۔ (اور نیز) ہر جگہ وفاداری (کی)

Let mirth and roystering cease,
All India stands bewilder'd, crush'd,
In mournful, silent peace,
While funeral feet are marching on,
Bearing from friends away,
The form of India's best belov'd
On this sad, mournful day.
Toll every bell, weep every eye,
Our Mother is no more,
The women weep, the children cry,
All India's heart is sore
For well we lov'd her, for her love,
Was India's freely giv'n
For India's aid and weal she strove
Alas! those ties are riv'n
To him, who suffers most of all,
Oh Lord be mercy shown
Hear Thou each sigh, count every tear,
And treasure every groan.
Help him to live, so when his day
Of crowning, comes from Thee,
He too, with our belov'd Vicereine
Eternal bliss shall see!
We pray that India long may be
Inspired by that sweet life;

She loved India and the people of India, the women and children, — the suffering and the poor. Few can realise how much."

"Though gone to her eternal home, her love for India will, I Know, remain and bring its blessings from above."

Sd/ Hardinge of Penshurst

(ترجمہ) وائسرائے کا دل گداز پیام لوگوں کے نام

شملہ۔ پنجشنبہ

اس غم اور رنج (والم) کے بارگراں کی حالت میں جو قادر مطلق کی لا متناہی دانائی نے مجھ پر اور میرے خاندان پر میری چہیتی بیوی کو اُس کی ابدی آرام گاہ میں بلا لینے سے عاید فرمایا ہے ۔ میں اُس گہری محبت اور سچی الفت کے ان گنت شمار اظہارات کے لیئے جو سارے ہندوستان کے ہر فرقے اور ملت کی طرف سے لیڈی ہارڈنگ کے متعلق وصول ہوئے ہیں اور نیز اُس ہمدردی کے لیئے جو مجھ سے اور میرے خاندان کے ساتھ اس صدمۂ عظیم میں ظاہر کی گئی ہے اپنا گہرا امتنان ہندوستان کے لوگوں تک پہونچانا چاہتا ہوں ۔ اُن (یعنی لیڈی ہارڈنگ کی وفات) میں میں نے ایک سچی وفادار بیوی اور ایک شریف جوڑی دار (مددگار) کو اور ہندوستان کے لوگوں نے ایک بڑی چاہنے والی دوست کو ضائع کیا ہے وہ ہندوستان اور ہندوستان کے لوگوں (یہاں کی) عورتوں اور بچوں ۔ تکلیف جھیلنے والوں اور غریبوں کو چاہتی تھیں ۔ بہت کم لوگ اندازہ کر سکتے ہیں (کہ وہ چاہت) کتنی تھی ۔ گو وہ اپنے دائمی گھر کو چلی گئی ہیں (مگر) میں جانتا ہوں کہ ہندوستان کی چاہت (اب بھی) باقی رہے گی اور وہ اپنی برکتیں آسمان پر سے نازل کرے گی" ۔ شرح و دستخط ہارڈنگ آف پنشرسٹ

In Memorium

یادگاری نظم
۱۵ جولائی ۱۹۱۴ء

Let every voice of joy be hush'd,

وہ آپریشن قضا کا آپریشن تھا کہ جاں بر نہ ہوسکیں - آپ کی یکسر اچی
کے باعث ہندوستان میں اس مرگ مفاجات پر ایک کہرام مچ گیا - وائسرائے کا
رفیق بچھڑ گیا اُن کے صدمے کا کیا ٹھکانا - ؎

جدا کسی سے کسی کا غرض حبیب نہ ہو
یہ داغ وہ ہے کہ دشمن کو بھی نصیب نہ ہو

حضور وائسرائے نے ذیل کا پیغام رعایائے ہند کے نام شائع فرمایا
جس کو ہم بجنسہٖ اُنھیں کی زبان میں نقل کرتے ہیں کہ جو لطف اصل میں ہے وہ
ترجمے میں کب آسکتا ہے اور اس کے متعلق ایک انگریزی نظم ہے جس سے
دل پر چوٹ لگتی ہے با دیدۂ پرنم مع ترجمہ رقم کرتے ہیں -

Viceroy's Touching Message to the people
Simla, Thursday

"In the midst of the sorrow and heavy burden of grief that it has pleased the Almighty in his infinite wisdom to place upon me and my family, in taking my dear wife to her eternal rest, I wish to convey to the people of India my profound gratitude for the countless expressions of deep love and true affection for Lady Hardinge that have reached me from every class and creed throughout India and for the sympathy offered to me and my family in our great sorrow—

"In her I have lost a truly devoted wife and a noble helpmate, and the people of India have lost a very loving friend

زیادہ احتیاطوں کو پسند نہیں کرتا بلکہ اپنے آپ کو مع لیڈی ہارڈنگ باشندگان ہندوستان کی نگہداشت میں سونپتا ہوں اور نیز آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ ناگوار حملہ میری پالیسی پر اثر نہ ڈالے گا اور میں بال بھر بھی اپنے رستے سے نہ ہٹوں گا"۔ ۵ یدی رابدی سہل باشد جزا ۶ ۶ اگر مردی احسن الی من اسا۔ پھر پچھلے دو سال کے اندر ایسے حملوں کے ہونے کا حوالہ دے کر باشندگان ہند سے اپیل کی کہ "وہ انارکزم کے بدنما دھبے کو اپنے ملک کے دامن شہرت سے دور کریں"۔ اس جانکاہ سے جانبر ہونے کے بعد ۲۰ جون سنہ ۱۹۱۳ء کو آپ کی سالگرہ ہندوستان بھر میں جس جوش و خروش سے منائی گئی اُس کی مثال کسی دوسرے وائسرائے کی زندگی میں نہیں پائی جاتی۔ اس دن ہندوستان کے ہر گوشے سے کوئی تین ہزار مبارکباد کے تار آئے اور ہر مقام پر جشن منایا گیا۔ بچوں کو مٹھائی تقسیم کی گئی۔ ہسپتالوں کے مریض بچوں کو علاوہ مٹھائی کے کھلونے اور کچھ نقدی بھی دی گئی غربا کو پیٹ بھر کھانا کھلایا گیا۔ غرض اہل ہند نے اس خوشی کے اظہار سے اپنے خلوص و امتنان کا ثبوت دینے کے علاوہ اُس الزام کو بھی دھو دیا جو کسی ظالم سے سرزد ہوا تھا وہی مثل تھی ایک مچھلی سارے جل کو گندا کر دیتی ہے۔ جنگ بلقان و ٹرکی کی وجہ سے جو رنج مسلمانوں کے دلوں پر چھا گیا تھا اس کے متعلق ٹرکش رلیف فنڈ میں اپنی جیب خاص سے ہزار روپیہ کا گراں قدر عطیہ دے کر مسلمان زخمیوں کی امداد کرنے سے دوسرے حکام صوبہ کو بھی عملی ترغیب دلائی چنانچہ بہت سے صوبوں میں اس کی تقلید کی گئی۔ آپ نے مسلمانان ہند کو بہ کشادہ پیشانی و فراخ دلی ٹرکی کو قرضہ دینے کی اجازت بھی دی۔ جولائی سنہ ۱۹۱۳ء میں مچھلی بازار کانپور کی ایک مسجد کے وضو خانے کو لوکل گورنمنٹ کے حکم سے گرائے جانے پر ایک بڑا ہنگامہ برپا ہوا جس میں بہت سے مسلمان مارے گئے اور زخمی ہوئے بعد تقریباً سوا سو آدمی گرفتار بھی ہوئے اور اُن پر سرکار کی طرف سے مقدمہ بھی چلایا گیا جس سے مسلمانوں میں بڑی بے چینی پھیل گئی۔ والسرائے بہادر کے گوش زد جب یہ واقعہ ہوا آپ نے بے چین ہو گئے اور ۱۴ اکتوبر سنہ ۱۹۱۳ء کو خود بہ نفس نفیس کانپور تشریف لے گئے۔ (۱۰۶) ماخوذین کو فوراً چھوڑ دیا اور وضو خانہ جوں کا توں بنوا کر ایک بھڑکتی ہوئی آتش فساد کو اپنی دریا دلی کی بارش سے ٹھنڈا کر دیا۔

لیڈی ہارڈنگ کی وفات حسرت آیات

مزا آتا نہیں تھم تھم کے ہم کو رنج و راحت میں
خوشی ہو غم ہو جو کچھ ہو الٰہی ناگہاں کیوں ہو

۱۱ جولائی سنہ ۱۹۱۴ء کو لیڈی ہارڈنگ پر ولایت میں ایسا بڑا بھاری آپریشن ہوا۔ افسوس ہے کہ

تماشہ دیکھنے آئے ہیں اُن کو اس نظارے سے مایوس کرنا میں ہرگز پسند نہیں کرتا۔
اس ناگوار واقعے پر لارڈ صاحب کے خاص خاص دوستوں اور عزیزوں کو جو صدمہ
ہوا وہ تو بجائے خود تھا لیکن دلی کے ہر قوم و ملت کے لوگ بھی مبتلائے رنج والم
تھے۔ ہر گلی کوچے میں یہی چرچہ تھا کہ آپ کی سلامتی اور قاتل کی گرفتاری کی دعا
کرتے تھے۔ غرض رات امید و بیم میں کٹی۔ صبح ہوتے ہی بازار سرد ہوگیا شہر میں
ایک سناٹا چھا گیا۔ عوام وہم کرنے لگے کہ نصیب دشمناں وائسرائے کا خاتمہ
ہوگیا جو بازار میں ہڑتال ہوئی لیکن بعد یہ معلوم کرکے اطمینان ہوا کہ نہیں وائسرائے
بخیریت ہیں۔ مختلف مقامات پر ہندو مسلمانوں نے جلسے کرکے اس ہیبت ناک سانحے
پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے ممبارک کی سفاکی پر اظہار نفرت کیا اور لارڈ صاحب
کی صحت عاجلہ کے لئے اپنے اپنے معابدوں میں دعائیں مانگیں۔ گرفتاری ملزم کے لئے
گورنمنٹ نے ایک لاکھ روپیہ انعام کا اشتہار دیا اور بعض بعض رؤسا نے اس سے
بھی زیادہ انعام دینے کا اعلان کیا گو اور پر والے کئی پکڑے گئے اور بعض سرکار کو
پھانسی بھی ہوئی مگر افسوس ہے کہ اصل مرتکب جرم آج تک گرفتار نہ ہوا۔ لاٹ صاحب
نے اس حادثے کے بعد ۲۷ جنوری ۱۹۱۳ء کو امپیریل کونسل میں بمقام دہلی
جو تقریر فرمائی وہ آپ کی رحم دلی۔ شرافت نفس اور ایثار کا کھلا ثبوت تھا جس سے
ظاہر تھا کہ آپ کے سینۂ صفا گنجینہ میں کیسا پاک دل ہے۔ اس تقریر کے وقت
آپ کا دستِ مبارک سلنگ (جھولی) میں پڑا ہوا تھا۔ آپ نے مصافحہ نہ کرنے
کی معذرت کی۔ خلاصہ اُس تقریر کا یہ ہے ۔ اگرچہ مجھے زخموں سے کلی افاقہ نہیں ہوا
تاہم میں نے کونسل کے افتتاح اور ممبران کونسل کے خیر مقدم کو ضروری فرض خیال
کیا۔ میں پرانے ممبرانِ کونسل کو نہ صرف اپنا رفیق بلکہ دوست سمجھتا ہوں اور
نئے ممبروں سے گزشتہ روایات پر چلنے اور کونسل کے رعب و داب قائم رکھنے کی
امید کرتا ہوں"۔ پھر آپ نے استقبال کی گرم جوشی اور سارے ہندوستان کی
ہمدردی کا شکریہ آمیز لہجے میں حوالہ دے کر فرمایا کہ ۔ "اُس ہولناک حادثے
کے بعد ہوش آنے پر سب سے پہلے مجھے مع لیڈی ہارڈنگ کے قدرت الٰہی سے
بچ جانے اور دو آدمیوں کے بردرد انہ ہلاک ہوجانے کا خیال آیا۔ میں حد سے

گہری سازش کا نتیجہ تھا اور دلی والوں کو بدنام کرنا مقصود تھا۔ جتنے منہ اتنی باتیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ کلکتہ کو چھوڑ کر دلی کو پایہ تخت بنانے سے بنگالی ناراض ہوئے اور اُن میں سے کسی نے یہ انتقام لیا لیکن اصل بھید کیا تھا باوجود پولیس کی سر توڑ کوشش کے آج تک بھی کچھ پتہ نہ چلا۔ اس حادثے سے ایک عام تہلکہ مچ گیا۔ چاندنی چوک میں بھاگڑ مچ گئی۔ جس کو دیکھو اُس کی زبان پر یہی تھا کہ لاٹ صاحب مارے گئے بہر حال دہلی میں ایسے مبارک دن جو بڑی خوشی اور جشن کا تھا ایسے حادثے کا ہونا تمام ملک کی حسرتوں کا خون کرنا تھا۔ غرض یہ کہ ساری دلی نہیں نہیں سارا ہندوستان بحر غم والم میں ڈوب گیا۔ کوئی شک نہیں کہ اگر یہ سانحہ کسی اور بادشاہ کی سلطنت میں ہوتا تو سب سے پہلے وہ مکان جہاں سے کہ بمب برسایا گیا تھا توپ سے اُڑوا دیا جاتا اور اس کے بعد فوری جوش غضب میں شاید سب کا سب چاندنی چوک ایک خونی مقتل بن جاتا چنانچہ بعض حکام کی یہ رائے بھی ہوئی کہ اس مکان کو گرا کر یہاں اس واقعہ کی ایک یادگار بنا دی جائے لیکن مآل اندیش اور نیک دل وائسرائے نے ارشاد فرمایا کہ کسی انارکزم کے شرمناک واقعے کی یادگار بنانا گویا آئندہ نسل کے واسطے ایک بُری یادگار چھوڑ جانا ہے۔ غرض باوجود مقدرت کے آپ نے کچھ بھی نہ کیا اور کیا تو یہ کیا کہ دربار کا پروگرام بدستور قایم رکھا اور جب ہوش آیا تو یہ حکم دیا کہ "اصل ملزم کے سوا کسی دوسرے سے مطلق دار و گیر نہ کی جائے اور غریب جمعدار کی تجہیز و تکفین کے بعد اُس کے ورثاء کو ایک معقول رقم بھی دی جائے (چنانچہ ایک ہزار روپیہ دیا گیا) اور دوسرا جمعدار جو مجروح ہوا ہے اُس کا علاج اچھی طرح کیا جائے"۔ ع

موسیٰ نے یہ کی عرض کہ اے بارِ خدا | مقبول ترا کون ہے بندوں میں سوا
ارشاد ہوا بندہ ہمارا وہ ہے | جو لے سکے اور نہ لے بدی کا بدلا

شب میں زیر جامع مسجد آتش بازی ہونے والی تھی۔ وہ وقت ایسا تھا کہ وائسرائے کی جان کے لالے پڑے تھے ہر شخص کا دل دھکڑ پکڑ کر رہا تھا کیوں کہ وائسرائے کی حالت معرض خطر میں تھی کہاں کی آتش بازی اور کدھر کا جشن۔ اندیشہ تھا کہ صبح بھی پکڑ لیتے ہیں یا نہیں کہ اسی حالت میں آپ نے فرمایا۔ "نہیں۔ آتش بازی بدستور چھوڑی جائے۔ کسی بات میں ذرا فرق نہ آئے۔ دور دور سے لوگ

تمام ملک شکرگزار ہے لیکن لارڈ ہارڈنگ نے اُس کو عملی جامہ پہنا کر جان ڈال دی۔
دلّی کے شاہی دربار پر جو مراعات بن مانگے ہندوستانیوں کو ملیں اور دلّی پایۂ تخت
بنی یہ سب آپ کا فیضان اور احسان تھا۔ آپ ہی کے زمانے میں اور آپ ہی کی سرتوڑ
کوششوں کا ثمرہ تھا کہ ملک معظم جارج پنجم کے قدم ہندوستان میں آئے۔ لیکن
نہایت شرم اور سخت ندامت اور افسوس ہے کہ ہندوستان نے اُس کی قدر نہ جانی
بلکہ کسی ناپاک سفاک قسی القلب نے ۲۳ دسمبر ۱۹۱۲ء کو عین اُس جشن کے دن
جب کہ ہز اکسلنسی ایک شاہانہ جلوس کے ساتھ دلّی کو پایۂ تخت بنا کر پہلے پہل قلعۂ معلی
میں سواری فیل تشریف لے جا رہے تھے کہ چاندنی چوک کے بازار میں
ملکہ کے باغ کے آگے دھولیا والوں کے کٹڑے کے پاس کوٹھے پر سے بائیں لیں
سے دوپہر کے وقت دن دہاڑے جب کہ جلوس اپنی پوری شان و شوکت سے
گزر رہا تھا تاک کر وائسرائے پر بم پھینکا جب کہ اُس کا کسی کو سان گمان بھی نہ تھا
کہ بلا نازل ہونے والی ہے۔ دراصل اس فعل قبیح کا مرتکب نہایت کمینہ۔ محسن کش
احسان فراموش اور ملک و ملت کا کھلا دشمن تھا کہ ہندوستان کی پیشانی پر
اُس ظالم نے کلنک کا ٹیکہ لگا دیا جس کا داغ مٹائے نہیں مٹ سکتا۔ ؎

چو از قومے یکے بے دانشی کرد نہ کہ را منزلت ماند نہ مہ را

لیکن جس کو اللہ رکھے اُس کو کون چکھے خداوند کریم کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس دن
وائسرائے کی جان عزیز بچ گئی مگر گردن اور شانے پر زخم کاری لگا۔ پہلے ایکسرے کے
بعد ایکس ریز کے ذریعے سے معلوم ہوا کہ کچھ ٹکڑے فولاد کے رہ گئے کئی بار آپریشن
کرنا پڑا جب کہیں جا کر کئی مہینے میں زخم مندمل ہوا۔ لیڈی ہارڈنگ بھی اُسی ہاتھی
پر سوار تھیں۔ بم کی آواز کے ساتھ آنکھوں نے دیکھا لاٹ صاحب کے خون کے
فوارے چلنے لگے۔ خواصی میں دو جمعدار تھے ایک کا تو آدھا دھڑ اُڑ گیا اور
دوسرا سخت زخمی ہوا۔ لیڈی صاحبہ کے ہوش حواس بحال رہے۔ وائسرائے نے
فوراً ہاتھی رکوایا اور آپ کو موٹر میں ڈال کر لے گئے مگر واہ رے ہمت و استقلال
کہ فوراً سر گائی فلیٹ وڈ ولسن کو ہاتھی پر سوار کر جلوس بلا فصل نکلا اُس میں
ذرا بھی فرق نہ آیا اُس وقت کسی کو خبر ہوئی کسی کو نہ ہوئی۔ یقیناً یہ بم اندازی کسی

آف پنشرسٹ جنھوں نے لارڈ منٹو سے ۲۳ نومبر ۱۹۱۰ء کو چارج لیا اور
اپریل ۱۹۱۶ء تک اس عہدۂ جلیلہ پر رونق افروز رہے اول الذکر گورنر جنرل کے
یہ پوتے تھے۔ اور اس وجہ سے ہندوستان کی محبت ان کو متوارث تھی ۱۸۹۶ء
میں آپ سفارت خانۂ طہران کے سکریٹری مقرر ہوئے اور ۱۸۹۸-۱۹۰۳ء میں سفارت خانہ
سینٹ پیٹرزبرگ کے سکریٹری رہے - ۱۹۰۳ء میں جب کہ مارکوئس
آف لینسڈاؤن سکریٹری آف سٹیٹ تھے آپ کو لندن بلا کر فارن آفس کا
انڈر سکریٹری مقرر کیا - لیکن ایک ہی سال بعد سینٹ پیٹرزبرگ میں سفیر
مقرر ہوئے - یہ وہ زمانہ تھا کہ زار اور انگلستان میں تنی ہوئی تھی لیکن آپ
ہی کے تدبر کا مفید اثر تھا کہ دونوں شیر و شکر ہو گئے - آپ برلن - واشنگٹن
صوفیہ - آسٹریا - ہنگری میں بھی سفیر رہ چکے تھے - ٹرکی - روسی - ایرانی
زبانوں میں اچھا ملکہ رکھتے تھے - بعد آپ مستقل انڈر سکریٹری فارن آفس کے
مقرر ہوئے - ملک معظم اڈورڈ ہفتم بڑے مردم شناس اور قدردان تھے
جب کبھی دیگر ممالک میں جاتے تھے آپ کو خاص کر کے ساتھ رکھتے تھے ۱۹۰۸ء
میں جب ملک معظم مرحوم بمقام ریول زار روس سے ملنے گئے تو آپ ہمرکاب تھے
آخرکار آپ ہند کے گورنر جنرل مقرر ہوئے - لارڈ صاحب موصوف علاوہ نہایت
قابل اور تجربہ کار ہونے کے نہایت نیک طبیعت - شریف النفس اور نیک دل
تھے - آپ جہاں جہاں رہے نہایت نیک نام
اور مقبول انام رہے اور ہمیشہ فارن تعلقات
کی گتھیوں کو سلجھا کر مستقل خوش گوار تعلقات
پیدا کر دیئے - آپ نے جب سے ملک ہند میں
قدم دھرا تمام ملک کے ساتھ ایسا شریفانہ
اور ہمدردانہ برتاؤ شروع کیا کہ لوگوں
کے دل مٹھی میں لے لیئے - ہندوستانیوں
کے آپ سچے اور مخلص بہی خواہ تھے - لارڈ
مار لے اور لارڈ منٹو کی اصلاحات کا

لارڈ ہارڈنگ

موقع ملا - ہم جہاں کہیں اپنی عظیم الشان سلطنت ہندوستان کے کسی حصے میں گئے ہیں - مملکت ہند کی روز افزوں فلاح و بہبودی کے بہت سے نشانات دیکھ کر بجا طور پر نازاں ہیں اور اپنے دارالخلافہ میں واپس پونہچ کر ہم پوری دلیری و اعتماد کے ساتھ اس اتحاد و اقبال کو دیکھ کر مسرور ہو رہے ہیں" -

لندن کونٹی کونسل کے ایڈریس کا جواب

"میں اور ملکہ آپ کے اور آپ کے ذریعے لندن کے تمام باشندگان کے ممنون ہیں جنھوں نے ہماری واپسی ہندوستان پر نہایت گرم جوشی سے استقبال کیا ہے - ہم اُس سے بے حد متاثر ہیں - ہم خوش ہیں کہ اس شاندار تاریخی تین ماہ کے مشہور عالم و درخشاں تاریخی واقعات کے بعد ہی لندن نے اس ملک کے معاملات میں ہمدردی اور دلچسپی کا اظہار کیا - جس دلچسپی کی بدولت مجھے امید ہے کہ میری رعایا کے حملہ گروہ سلطنت ہند کی طرف سے اپنے ذریعہ کو کافی حصہ پہنچائیں گے - ہندوستان نے جس گرم جوشی - سچی محبت اور پُر از خلوص وفاداری سے ہمارا استقبال کیا ہے وہ مجھ میں اور میری رعایا میں امن و امان قائم رکھنے میں روح رواں کا کام دے گا" -

افتتاحِ پارلیمنٹ کے وقت ہندوستان کا تذکرہ

"میں نے اپنی ہندوستانی مملکت میں جو دربار مع کوئین امپرس بمقام دہلی شاہی تاج ہندوستان کے متعلق اپنی جانشینی کے لیئے بذات خود منعقد کیا اُس میں میری مملکت کے والیان ریاست - شرفا اور رعایا نے بدرجہ ما دولت اور برٹش تاج کی اطاعت و وفاداری کے متعلق پر کے درجے کا ثبوت ہم کو پہنچایا ہے کلکتہ و بمبئی کے شہروں میں جس قدر اظہار محبت و وفاداری ہمارے استقبال کے موقع پر کیا گیا - اُس سے ہم نے حد متاثر ہوے ہیں" -

لارڈ ہارڈنگ نیکو فال کا کچھ حال

اس نام کے دو گورنر جنرل ہوے ہیں ایک تو سر ہنری وائی کونٹ ہارڈنگ تھے جو جولائی ۱۸۴۴ء سے نومبر ۱۸۴۸ء تک بعہد ایسٹ انڈیا کمپنی گورنر جنرل رہے اور لارڈ ڈلہوزی کو چارج دیا اور دوسرے رئیٹ آنریبل بیرن ہارڈنگ

ہر جگہ کی رعایا نے ہماری جس قدر تعظیم و تکریم کی اور اظہار وفاداری کیا اُس سے ہم بے حد متاثر ہوئے ہیں - مجھے یقین ہے کہ ہندوستان کی یہ محبت اور وفاداری ابدالآباد تک برٹش راج سے وابستہ رہنے کا پورا ثبوت ہے کیوں کہ ہمارے انگلستان پونہچنے سے اب تک ہندوستان کے والیان ریاست کے نہایت پرخلوص اور عقیدت مندانہ دوستی و امن و امان کی آرزو سے پیغامات پونہچ رہے ہیں - مجھے امید ہے کہ آپ لوگ جو مادر وطن کے مرکزی شہر لندن اور اس جزیرے کے تمام بڑے لوگوں کے نمایندے ہیں ان پیامات کا دل سے خیر مقدم کریں گے اور یقینی طور پر انھیں بطور آواز بازگشت ، مُلک کی وابستگی کے متعلق پرجوش پیام پونہچا کر اس امر کا ثبوت دیں گے کہ جو رشتہ ہندوستان اور دیگر شاہی مملکتوں سے ہے وہ کبھی منقطع نہیں ہوسکتا - ہمیں کامل یقین ہے کہ ہمارے اس سفر میں جن ضروری مراعات کا اعلان کیا گیا ہے وہ حکومت کی بہتری اور امن عامہ اور لوگوں کی بہبودی میں ترقی کا باعث ہوں گی - جس کے متعلق مجھے امید ہے کہ لندن سے زیادہ کسی جگہ خوشی نہ ہوگی کیوں کہ اسے ہندوستان کے ساتھ قدیم الاقتدار حکومت برطانیہ سے گہرا تعلق ہے اور آج روز افزوں تجارت کی زنجیروں سے اور زیادہ مضبوط ہوگئے ہیں - ...... ہم آپ لوگوں کی دعاؤں کے مشکور ہیں - خدا کی مدد سے میری تمام کوششیں میری تمام رعایا کی بہبودی کے لیئے صرف ہوا کریں گی خواہ وہ یہاں سے دور دراز ملکوں میں ہی کیوں نہ ہو" -

وسٹ منسٹر سٹی کے ایڈریس کا جواب

"ہم آپ لوگوں کی وفادارانہ خوش آمدید و استقبال کے لیئے جو آپ نے ہمارے ہندوستان میں دربار تاجپوشی منعقد کرکے واپس آنے پر کیا ہے - بے حد ممنون ہیں -

دہلی کے قابل یادگار دربار کے موقع پر ہندوستان کے والیان ریاست اور رعایا نے جس خلوص سے کورنش ادا کی اور جہاں کہیں ہم گئے ہماری وفادار رعایا نے بے حد مسرت اور دلی صداقت سے ہمارا استقبال کیا - اب جب کہ ہم اپنے وطن لندن میں پونہچ گئے ہیں - ہمارے دل اُن شاندار جلوسوں اور عجیب مشاہدات کے سبب خوشی سے پر ہیں جو اس طویل سفر میں ہمیں بچشم خود دیکھنے کا

جہاں آرا سے سیراب ہوگئی گویا سوکھی کھیتی میں آبیاری کی - سننے اور دیکھنے میں آسمان زمین کا فرق ہے - مُلک ہند کے لیئے مالکِ ہند کی تشریف آوری بخت خفتہ کی یاوری تھی - ہم نے بادشاہ کو دیکھا بادشاہ نے ہم کو دیکھا ہم اُن کو جان گئے وہ ہم کو پہچان گئے - بلا واسطہ سے براہ راست تعلق ہوگیا بیگانگی یگانگی سے بدل گئی - اجنبیت سے اُنسیت کی جا لی - اب دیکھنا یہ ہے کہ لاکھوں روپیہ صرف ہوا اور ہزاروں کوس کا سفر - نتیجہ اس سے کیا ہوا میں کہتا ہوں اور جو مفید نتائج مترتب ہوسے ہوں وہ ہوسے ہوں اس کے مقابلے میں کسی شمار قطار میں نہیں کہ بادشاہ کو سا کرلے اب اُسے دیکھا ہمارے دلوں میں محبت اور وفاداری کا جوش تازہ اُٹھا جس نے جڑ پکڑلی اس سے بڑھ کر اور کیا چاہیئے - اس حصول مدعا کے لیئے کوئی ساخرچ بھی گراں نہیں ہوسکتا - دربار ختم ہوگیا - بادشاہ سلامت چلے بھی گئے مگر ایک کھٹکا اب بھی لگا تھا کہ حضور اقدس رعایاسے ہند کی نسبت کیسا خیال لے گئے - گو ہندوستان کے مختلف مواقع پر حضور ملک معظم نے عمدہ اور برجستہ الفاظ میں اہل ہند کی جوش وفاداری پر اظہار مسرت و اطمینان فرمایا تھا لیکن وہ تازہ تازہ بات تھی اگر یہی خیالات نیک ہماری طرف سے خاطر اقدس میں جم جائیں تو ہمارا بیڑا پار ہے - خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ یہ خیالات دودھ کا سا اُبال نہ تھے بلکہ حضور ملک معظم دام حشمتہ کے پاک دل میں بخوبی راسخ ہوگئے ہیں چنانچہ متعدد مواقع پر آپ نے اپنے ابنائے وطن کے سامنے ہندوستان اور ہندوستانیوں کی غائبانہ بھی ستایش کی جس سے یقین کامل ہوگیا کہ ع

گرچہ خوردیم نسبتے است بزرگ ذرۂ آفتاب تابانیم

اب ہم اپنے قول کی تصدیق میں حضور معلّی کی چند تقریروں کو درج کرتے ہیں جن سے ناظرین ضرور محظوظ ہوں گے -

سٹی آف لندن کے ایڈریس کا جواب	ووٹ میں اور ملکہ معظمہ مع الخیر والیسی ہندوستان کے آپ لوگوں کی وفادارانہ مبارکباد کے لیئے مشکور ہیں - اس سفر میں والیانِ ریاست اور

آف کینٹربری اور یارک کے علاوہ (۱۹) پادری جمع تھے - لارڈ بیر آف لندن نے قدیم دستور شاہانہ کے مطابق شمشیر نذر پکڑی - مع الخیر مراجعت فرمائی کا شکرانہ ادا کرنے کے بعد دعا میں یہ فقرے بھی تھے کہ "روسائے ہند و حکام کو اللہ تعالیٰ ہدایت و برکت بخشے تاکہ اُن کی تحت رعایا صلح جوئی - خدا ترسی اور ایمان داری سے پرامن زندگی بسر کرسکے" - آرچ بشپ آف کینٹربری نے ایک دل چسپ اور مؤثر وعظ کہا اور انگریزی کا ایک کپلٹ (رباعی) پڑھا جس کا ترجمہ یہ ہے:-

رباعی

آوازۂ رعایا ہو گونجتا خوشی میں
دریا بھرا خوشی میں موجیں اُڑا رہا ہو
امن و اماں کی لہریں ہوں اُٹھ رہی ہیں
ہر ذرۂ اطاعت اپنی تجھ کو دکھا رہا ہو

شکرانے کی نماز کے بعد اُسی جلوس سے قصر بکنگھم میں پہنچ کر بالاخانے پر خود بدولت مع شاہزادۂ ویلز اور پرنسس میری کے دیر تک برآمد رہے اور لوگوں سے جن کے ٹھٹ کے ٹھٹ مشتاق دیدار تھے خوب دل بھر کے اپنے بادشاہ ذی جاہ کو دیکھا نعرہائے مسرت اور چیرز کا تو کچھ ٹھکانا ہی نہ تھا -

سیاحت ہند پر ملک معظم کے خیالات کا اظہار

یوں تو ہندوستان جنت نشاں نے بڑے بڑے راجہ مہاراجہ اور بادشاہوں کو اپنی گود میں کھلایا ہے - عروج اور زوال سب کچھ دیکھا لیکن کوئی یورپین بادشاہ اس سرزمین پر آج تک نہیں آیا تھا - یورپین بادشاہ یورپ کے ملکوں میں تو سیاحت فرماتے تھے مگر سات ہزار میل طے کرکے ہندوستان کا آنا کٹھن تھا - اول تو یہ کہ وہاں کی سلطنت کس پر چھوڑیں دوسرے یہ کہ جب دور بیٹھے بائین بہین حکم رانی ہو رہی ہے تو پھر اتنے دور دراز کے سفر اختیار کرنے کی ایسی کیا ضرورت پڑی ہے - ہندوستان کے دل میں مدت سے کھد بدی پک رہی تھی کہ کسی نہ کسی طرح اپنے بادشاہ کو دیکھیں اور یہ کشش ایسی نہ تھی کہ بے اثر رہتی - بادشاہ کے آئینہ دل میں بھی اس سچی محبت کا عکس پڑا پر پڑا - غرض یہ کہ حضور ملک معظم جارج پنجم نے سایۂ ہمایہ خطۂ ہند پر ڈالا اور ہند کی دیرینہ آرزو بر لائے - رعایا جو تشنۂ دیدار شاہ تھی - جمال

سلطنت انگلشیہ سے جس کا وہ ایک حصہ ہیں اور جس سے اُن کی قسمتیں اب ایسی مضبوط بندھی ہوئی ہیں کہ کسی طرح نہیں کھل سکتیں ایسی گرم جوشی آمیز وابستگی کا یقین دلائیں کہ حضور شہنشاہ معظم و قیصرہ محترمہ نے اپنے شفقت آمیز برتاؤ اپنی کم نہ ہونے والی ہمدردی اور تمام فرقوں کی فلاح کے لیئے اپنی دلی خواہش سے اُن بندھنوں کو زیادہ قریب کردیا ہے جو انگلستان و ہندوستان کو وابستہ کرتے ہیں اور تخت و ذات اقدس شہنشاہی کے ساتھ عقیدت و جاں نثاری کے رعایتی جذبات کو جو ہمیشہ باشندگانِ ہندوستان کا خاصہ رہا ہے۔ اور گہرا کردیا ہے۔ اُن برکات کو جانتے ہوئے جو ہندوستان نے اپنے تعلق انگلستان سے اُٹھائے ہیں رؤسا و رعایا اس سے مسرور اور شاداں ہوئے ہیں کہ اُنھوں نے شخصی طور پر اپنا عقیدت مندانہ و محبت آمیز اظہار اطاعت حضور ممدوحین کی خدمت میں پیش کیا ہے اور اُن کو یہ بھروسہ ہے کہ اس عظیم الشان و تاریخی واقعے نے ایک نئے دور کا آغاز کیا ہے جو باشندگان ہندوستان کو تاج برطانیہ کی سرپرستی میں مزید شادمانی۔ خوش حالی و ترقی کا خیال دلاتا ہے"۔

سفرِ وسیلۃ الظفر کے بخیر و خوبی ختم ہونے پر نمازِ شکرانہ

جس دل میں ایمان کا نور نہیں سچ پوچھو تو وہ کچھ بھی نہیں۔ جس دل میں خدا نہیں وہ جسد اشرف المخلوقات کے خلعت فاخرہ کا سزاوار نہیں۔ بادشاہ ظل اللہ کہلاتا ہے اور درحقیقت خداوند مجازی ہے بھی۔ اگر وہ سلطنت کے غرے میں اگر خدا کو یاد رکھے تو سمجھیے کہ سب کچھ ہے۔ ہندوستان کے طول طویل سفر کے اختتام پر ۶ فروری کو ذی حشمتیز جلوس شاہانہ کے ساتھ سینٹ پال گرجا میں شکرانے کی نماز ادا کرنے تشریف لے گئے اور اُس احکم الحاکمین اور بادشاہ کے سامنے حسین بیاذتیکی حس کی بارگاہ میں بڑے سے بڑا بادشاہ بھی ایک گدا کی حیثیت سے کھڑا ہوتا ہے اور اپنی بندگی اپنے معبود کے حضور میں بجالاتا ہے۔ سڑکوں پر بڑا مجمع تھا شاہی خاندان کے کل ممبر۔ پارلیمنٹ کے ہوس آف لارڈز اور ہوس آف کامنز کے ممبران اور حضور ملک معظم کے وہ ڈھائی سو مصاحبین جو اس سفر میں ہمرکاب تھے سب ہی حاضر باش تھے۔ لارڈ مئیر

خیالات کا اظہار ہوا ہے ہم اُن سے بے حد متاثر ہوئے ہیں اور ہم خوش ہونگے
اگر ہماری سیاحت سے ہندوستان کی فلاح و بہبود میں ترقی اور سلطنت
کے باہمی رشتوں کو تقویت پہنچے گی"۔

وطن مالوف میں رونق افروزی

سوا دس بجے توپوں کی سلامی میں
شاہی سپیشل لندن کو روانہ ہوئی
اور اسی دن وکٹوریا سٹیشن پر آپ کا استقبال بڑی شان و شوکت و اہتمام
سے کیا گیا۔ بادشاہ کے دیدار مسرت آثار کے لیے "خلقت" کا بے انتہا ہجوم تھا
لوگوں کی کثرت اور شوق کی وجہ سے ہز مجسٹیز کچھ دیر محل شاہی کے بالاخانے
پر برآمد رہے اور اعلان فرمایا کہ "ہم لندن میں اس آمد کی خوشی میں اس
شان دار استقبال کے لیے مشکور ہیں"۔ چار دانگ عالم سے مع الخیر رسی پر مبارکباد
کے بے شمار تار آئے لیکن سب سے پہلے گورنر جنرل ہند کا یہ تار[لہ] پہنچا:-

اہل ہند کا تار یورپین نیشن کے نام

"ایک طرف ہندوستان کے والیان
ریاست - سرداران ملک اور دوسری طرف
قانونی کونسل کے غیر سرکاری اراکین (جو برٹش انڈیا کے باشندوں کی طرف
سے کام کر رہے ہیں) خواہش ظاہر کرتے ہیں کہ میں صاحب وزیر ہند کی
خدمت میں مندرجۂ ذیل پیام ارسال کروں جو ہندوستان کے رؤسا و رعایا
کی طرف سے برطانیۂ کلاں و آئرلینڈ کے باشندوں کے نام ہے۔ تمام سرآوردہ
والیان ریاست و امرا کے تار اس خواہش کو ظاہر کرنے کے متعلق موصول ہوئے
ہیں اور میری کونسل کے غیر سرکاری اُن پبلک جلسوں کی سند پر عمل کر رہے ہیں
جو مختلف صوبجات کے بڑے بڑے مقامات میں منعقد کیے گئے ہیں اور جن میں
اُن جذبات کو جو اس پیام میں مرکوز ہیں ظاہر کرنے والے رزولیوشن منظور ہوئے
ہیں - پیام - ہندوستان کے رؤسا و رعایا اس موقع سے جو سیاحت شہنشاہی
کے اختتام نے ہم کو پہنچایا ہے یہ فائدہ اُٹھانا چاہتے ہیں کہ عظیم الشان انگریزی
قوم پر اپنی دلی نیک خواہی اور رفاقت کا اظہار کریں اور دنیا بھر میں پھیلی ہوئی

لہ گورنر صاحبان بمبئی و مدراس و بنگال کے تار مبارکباد کے جو گئے وہ اس سے الگ ہیں۔

و آسایش کے لیئے متعلق ہوکر ہر طرح کی کوششیں جو امکان میں تھیں عمل میں آئیں
مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ میرے اور میری رعایاے ہندوستان کے مابین
جو باہمی اعتماد پایا جاتا ہے اُس کے سبب سے میں اپنی دلی خواہش پوری کر سکا
اور اگر زمانے نے یہ ثابت کر دیا کہ ہمارا ورود ہندوستان اور عام سلطنت
کی دوامی بہبودی کا باعث ہوا تو اس سے ہمیں اور زیادہ خوشی ہوگی"۔

وزیر اعظم کا جواب تار پر | "گورنمنٹ اور عوام کی جانب سے میں
دیر مجسٹیر کو تہ دل سے مبارک باد دینے
کی جراُت کرتا ہوں کہ یور مجسٹیر نے سفر ہندوستان کو نہایت کامیابی اور کمال
خوشی سے پورا کیا اور ہم یور مجسٹیر کے مع الخیر اور خوش اقبال واپسی کے لیئے
درگاہ الٰہی ملتجی ہیں"۔ ہے شامل حال یہ فضل الٰہی ہر آن یونہی تم سلامت ہو دیر تا قیامت

ہندوستان سے روانگی | ۱۰ جنوری کو چھ بجے شام کے دیر مجسٹیز
کا وہی جہاز مدینہ جس میں تشریف لائے تھے
ہندوستان کی کروڑہا رعایا کی دعائیں ساتھ لے کر روانہ ہوا۔

بحری سفر | پہلا مقام سوڈان میں ہوا اور ۲۰ کو پورٹ سعید
میں ورود مسعود ہوا۔ ۲۴ جنوری کو مالٹا ۲۸ کو
جبرالٹر۔

بحری سفر کا اختتام | ۵ فروری کو بندرگاہ پورٹسمتھ۔ دس بجے
دن سے کچھ پہلے ہی پونہچے جہاں آپ کی الٰہ
ماجدہ اور شاہزادے اور شاہزادیاں مع دیگر ممبران خاندان شاہی کے
آن کر آپ سے ملے۔ یہاں کی کارپوریشن نے ایڈریس پیش کیا جس کے
جواب میں یہ ارشاد ہوا کہ "میں اور ملکہ آپ کے اس پر خلوص اور عقیدت مندانہ
استقبال و ایڈریس کے لیئے جو آپ نے پورٹسمتھ کی طرف سے پیش کیا ہے
مشکور ہیں یہ ایک موزوں بات تھی کہ ہمارا طویل سفر ہندوستان جس بحری فوج کے مرکز
سے شروع ہوا تھا اُسی پر ختم ہوا۔ حقیقتاً یہ ہے کہ یہی مرکز ہماری حفاظت
کا باعث ہے۔ ہمارے متعلق ہندوستان و دیگر مملکتوں میں جن وفادارانہ

رعایا کے لوح دل پر کالنقش فی الحجر ہو کر امنٹ ہو جائیگی۔"

جواب بحر ہند سے روانہ ہونے سے پہلے میں اور ملکہ محترمہ ایک مرتبہ اور نہایت صدق دل سے اُن تمام مہربانیوں کے اعتراف اور اسناد میں جو آپ نے ہمارے ہندوستان کے نہایت ہی دل خوش کن اور ناقابل فراموش قیام کے ایام میں کی ہیں - شکریہ ادا کرتے ہیں اور ساتھ ہی آپ کو اُس قابل تعریف طریقے پر جو برتا گیا اور نبھایا گیا بے حد مبارکباد دیتے ہیں"
اس کے بعد اسی قسم کے وداعی پیغام مختلف صوبوں کے گورنروں اور والیان ریاست کی جانب سے وصول ہوئے جن کے شفقت آمیز جوابات بھی پیشگاہ خسروی سے نافذ ہوئے مگر بخوف طوالت ہم نے اُن کو نظر انداز کر دیا ہے - چھ بجے شام کو جہاز مدینہ کے لنگر اُٹھانے کے چند منٹ پیشتر گورنر جنرل بہادر اور دیگر صاحبان رخصت ہوئے - بمبئی سے روانگی کے پہلے حضور ملک معظم نے وزیر اعظم کو جو تار دیا اُس کا ترجمہ اس غرض سے اہم و ضروری ہے کہ لوگوں کو حضور پر نور کے وہ خیالات معلوم ہو جائیں جو سفر ہندوستان کے متعلق خاطر اقدس میں جاگزیں تھے:

ملک معظم کا تار وزیر اعظم کے نام "ہندوستان سے رخصت اور مراجعت وطن سے قبل مجھے یقین ہے کہ آپ میری گورنمنٹ کے اعلیٰ افسر کی حیثیت سے یہ معلوم کر کے نہ حد خوش ہونگے کہ پبلک اور پرائوٹ وسائل سے مجھے معلوم ہوا کہ میری اعلیٰ سے اعلیٰ امیدیں پوری ہوئیں اور ہمارے ورود کی کامیابی نہ صرف بمبئی دہلی اور کلکتہ بلکہ ہر حصۂ ملک میں جہاں ملکہ معظمہ کا اور میرا جانا ہوا امید سے کہیں زیادہ پائی گئی تمام اقوام و عقائد کے لوگوں نے غیر مشتبہ علامات گرمجوشی و محبت کے ساتھ متحد ہو کر ہمارے دربار تاجپوشی میں جو شان و شوکت ظاہر کی وہ اُن کی عاقلانہ اور اچھی طرح سے غور و فکر کرنے کے بعد قائم کی ہوئی تجویزوں کا نتیجہ تھی جن کی تعمیل وائسرائے اور اُن کے ماتحت افسروں کی اَن تھک کوششوں کے ذریعے سے نہایت عمدہ طریقے پر کی گئی اور اُس زمانے میں جب کہ ہم وائسرائے کی خوشگوار ملاقات کو گئے تھے تو تمام کلکتے کے لوگ ہمارے آرام

ایسے عالمگیر طریقہ کے ساتھ سچے دل سے کیا گیا اُس میں تمام طبقوں اور تمام عقیدوں کے لوگ کس طرح شریک رہے - کیا یہ امر ممکن نہیں ہو کہ وہی اتحاد و اتفاق آیندہ پرایوٹ اور پبلک زندگی کے یومیہ تعلقات پر بھی حکم راں رہے اور اگر یہ بات حاصل ہو جائے تو بے شک ہمارے نزدیک ہمارے ورود ہندوستان کا یہ ایک مبارک نتیجہ ہوگا - اور اسی قائم مقامان شہر بمبئی جنھوں نے ہمارے داخلے اور روانگی کے وقت گرم جوشی کے ساتھ ہماری خاطر و مدارات کی ہو میں اپنی طرف سے سلطنت ہندوستان کو محبت آمیز خیر مقدم اور خیر باد کا پیام دیتا ہوں کہ خداوند کریم ہمیشہ مجھے اور میرے جانشینوں کو سلطنت ہندوستان کی بہبودی کی ترقی اور اُس کے لیئے سرسبزی و امن و امان کی برکات حاصل ہونے کی سنجیدہ کوششوں میں مدد کرتا رہے ؛ اس کے بعد سر جارج کلارک گورنر بمبئی کونسل کے غیر سرکاری ممبروں اور دیگر رؤسا و معززین کو پیش کیا جن میں مہاراجہ کولھاپور اور سرکار عالیہ بیگم صاحبہ بھوپال خاص طور پر قابل ذکر ہیں - پھر دیر مجسٹیز تختوں پر سے کھڑے ہوگئے اور حضور ملک معظم پنڈال کی اُس طرف بڑھے جدھر معززین و عمائدین بیٹھے تھے اور چند منٹ توقف فرما کر حاضرین کو نہایت کشادہ پیشانی اور اخلاق سے سلام کرنے میں خود بدولت نے تقدیم فرمائی اور اسی طرح ملکہ معظمہ نے بھی بٹوکیا - یہ سلام کیا تھا لوگوں کے دلوں کو مسخر کر لیا تھا حاضرین نے پرجوش چیرز دیں اب دیر مجسٹیز مدینہ جہاز پر تشریف فرما ہوئے جہاں مہاراجہ بوندی اور افسران پولیس کو تمغے تقسیم کرنے کے بعد گورنر جنرل نے تمام اہل ہندوستان کی طرف سے ذیل کا مختصر مگر پر اثر وداعی ایڈریس پیش کیا -

وداعی ایڈریس | وہ عقیدت مندانہ فرض کی بجا آوری کے خیال سے تمام ہندوستان کے باشندے اپنے نیک جذبات اور سعدہ خواہشات کے ساتھ یور امپیریل مجسٹیز کی مع الخیر روانگی اور با امن پونچنے کے لیئے دعا کرتے ہیں - حضور کی تشریف آوری ہندوستان کی تاریخ میں ایک انمول اور بے بہا واقعہ رہے گی اور اسدالآ ماوتک وداد ہندولی

جو ایڈریس پیش کیا ہے اور اُس میں جو شفقت آمیز اور فیاضانہ الفاظ استعمال کیئے ہیں اُن کی نسبت میں اپنی اور ملکۂ قیصرہ کی طرف سے آپ کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں - آپ کے دارالحکومت میں داخل ہونے پر جس خلوص کے ساتھ ہمارا استقبال ہوا وہ اُس گرم جوشانہ اطاعت و وفاداری کا ایک پیش خیمہ تھا جو گزشتہ پانچ ہفتے کے اندر ہمارے دورے کی ہر ہر نوبت میں خاص طور پر ظاہر ہوتی رہی ہے اور اب کچھ خوشی اور کچھ ملال کے ملے جلے خیالات کے ساتھ ہمنے آپ کے متاثر الفاظ خیرباد اور خدا حافظ سنے ہیں اور آپنے اُمید کے ساتھ پیشین گوئی کی ہے کہ اِس ورود سے ہندوستان کو آیندہ کیا فائدے پہنچیں گے اس سے ہم اور بھی زیادہ اس بات کے شکر گزار ہیں کہ ہمارے دل کی سنجیدہ خواہش پوری ہوئی - ہمیں اس بات سے بیحد خوشی حاصل ہوئی ہے کہ اپنی وفادار رعایا سے ہندوستان کے مابین ایک مرتبہ پھر ہمارا آنا ہوا اور جو سچی محبت اور عقیدت مندی ہماری نسبت پائی جاتی ہے کہ وہ لوگوں کے خمیر میں داخل ہوگئی ہے - اس کا ایسا اثر ملکۂ قیصرہ پر اور مجھ پر پڑا ہے جس کا بیان الفاظ سے نہیں ہوسکتا - ان گزشتہ مبارک ہفتوں میں ہمکو ایک امر اور صرف اسی ایک امر کا افسوس ہوا کہ ہم اس ملک میں زیادہ عرصے تک قیام نہ کرسکے اور قدیم احاطۂ مدراس اور بہتیرے اُن روسا کی ریاستوں کی سیاحت سے معذور رہیں جنھوں نے اپنی فیاضی سے ہماری مہماں نوازی کی خواہش ظاہر کی تھی - ساحل ہندوستان سے رخصت ہوتے وقت ہم ایسی باتوں کا تجربہ کرکے جاتے ہیں جو ہمیشہ ہمیں یاد رہیں گی - اور جن کے خوش گوار کرنے کا کوئی طریقہ جو غور و فکر اور محبت و الفت کے ہاتھوں سے اخذ کیا جاسکتا ہے اُٹھا نہیں رکھا گیا - ہم کو سنجیدگی کے ساتھ یقین ہے کہ خدا کے فضل سے ہمارا ورود اس برّاعظم کے باشندوں کے لیئے عام بہبودی کا باعث ہوگا جن کے مقاصد اور جن کی بہبود ہمیشہ دنیا کے دوسرے حصوں کی میری کروڑوں رعایا کے برابر ہے - ہمیشہ میرے دل سے قریب اور مجھے محبوب رہے گی - اس بات کے معلوم کرنے سے مجھے نہایت ہی اطمینان ہوا کہ ہمارا خیر مقدم جو

من جانب باشندگان احاطۂ بمبئی کمال ادب کے ساتھ یور امپیریل مجسٹی کا دلی شکریہ مجسٹی کی تا دیر قابل یادگار رودو کی بات جو نہایت ہی دلچسپ امور اور مسائل پر مشتمل تھا اور اب اختتام کو پونہچا ہے - ادا کرتے ہیں۔ ہم کو اس بات کا فخر ہے کہ دیر امپیریل مجسٹی کی رعایاے ہند میں سب سے پہلے اس ساحل ہند پر یور مجسٹیز کا خیر مقدم اور سب کے آخر میں دلی گرم جوشی مگر حسرت کے ساتھ خیر باد عرض کرنے کا موقع ملا - ہم یور امپیریل مجسٹی کی خدمت میں نہایت عجز سے اس دور اندیشانہ دانش مندی کی پسندیدگی کا اظہار کرنا چاہتے ہیں جس نے یور امپیریل مجسٹیز کو اس تشریف آوری پر آمادہ کیا اور اُس فائدۂ عظمیٰ کو بھی ظاہر کرنا چاہتے ہیں جو اس کی وجہ سے ہمارے ملک کو حاصل ہوا - گزشتہ پانچ ہفتوں کے اندر یور امپیریل مجسٹی جو ہندوستان کے اندر موجود رہے اور جو الفاظ یور امپیریل مجسٹی نے براہ نوازش خطاب کرکے ارشاد فرماے ہیں وہ ہمیشہ ہمارے دلوں پر قیمتی حیثیت سے کالنقش فی الحجر ہو گئے ہیں جو ہمیں تا ابد یاد رہیں گے اور تاج برطانیہ اور اُس کی سلطنت ہندوستان کے مابین مضبوط رشتے قائم کریں گے اس صوبے کے ہر طبقے کے لوگوں نے یور امپیریل مجسٹی کی عقیدت مندی و فرماں برداری میں نمایاں حصہ لیا ہے اور ہمیں وثوق کے ساتھ امید ہے کہ اس کے نتائج آیندہ کے لیئے نہایت مفید ثابت ہوں گے - ہم کو یقین ہے کہ یور امپیریل مجسٹیز اہل ہند کی محبت و وفاداری کے نہایت گہرے ثبوت دل پر منقش کرکے انگلستان کو واپس تشریف لے جا رہے ہیں اور ہم دعا کرتے ہیں کہ یور امپیریل مجسٹیز عرصۂ دراز تک سلامت رہ کر ہم پر حکومت فرمائیں اور اس بڑی قیمتی ترقی کو ملاحظہ فرمائیں جسے دیکھنے اور عمل میں لانے کے لیئے ہر امپیریل مجسٹی کی دلی آرزو ہے اور جس کے لیئے حضور نے اس قدر کاوش فرمائی ہے - ہم لوگوں کی دعا ہے کہ اثناے سفر انگلستان میں اور اس کے بعد آیندہ ہر قسم کی برکتیں یور امپیریل مجسٹیز کو حاصل ہوتی رہیں اور ہم نہایت ہی دلی گرم جوشی کے ساتھ یور امپیریل مجسٹیز کو خیر باد کہتے ہیں" -

جواب | "آپ لوگوں نے باشندگانِ احاطۂ بمبئی کی طرف سے خیر باد کا

کا آئینہ ہی ہم ان دل چسپ نظاروں اور پر لطف کھیل تماشوں کو بھی جو آپ نے ہماری تفریح کے لیئے نہایت خوش اسلوبی سے مہیا کیئے تھے ہرگز ہرگز صفحۂ دل سے فراموش نہیں کر سکتے - باشندگانِ بنگال نے جو ہم کو انتہائی محبت اور خیر مقدم الوداعی کا تمغہ نذر کیا ہے - میں آپ کو اپنی ملکۂ محترمہ کی طرف سے یقین دلاتا ہوں کہ اس سے بڑھ کر کوئی نذر ہم کو اور ہماری اولاد کو عزیز نہیں ہے اور ہم اس کو ساتھ لیئے جاتے ہیں کہ یہ بے بہا تحفہ ہمارے خاندان میں یادگار رہے - ہمارے دل اثرِ محبت سے بھرے ہوئے ہیں اور جس توجہ اور محبت سے آپ نے ہمارا استقبال کیا تھا اور ہمارے لیئے گھر جیسا آرام مہیا کیا تھا ہم اُس کا پورے طور پر الفاظ میں اظہار نہیں کر سکتے - میں ملکہ کی اور اپنی طرف سے الوداع کہتا ہوں اور دعا مانگتا ہوں کہ میری تمام رعایاے بنگال خواہ کسی مذہب و فرقے کی ہو ہمدردی اور برادرانہ الفت کے سلسلے میں پابند رہے خداوند کریم تمھارا محافظ ہو کر ہمیشہ تم کو خوشی عائد - اطمینان اور نوع انسان کی بہبودی پر چلاے" - یہاں سے آپ جہاز میں سوار ہوئے اور سلامی کی توپیں سر ہونے لگیں - بارہ بج کر چالیس منٹ پر شاہی اسپشل بنگال نارتھ وسٹرن ریلوے سے پر جوش نعرہاے مسرت میں ۸ جنوری کو روانہ ہوئی اور وائسراے بھی چند منٹ بعد ای آئی آر سے بمبئی روانہ ہوے - ۹ جنوری کو ساڑھے نو بجے ناگپور میں ایک گھنٹے ٹھیر کر بہارٹی قلعہ کا ملاحظہ فرمایا جہاں شامیانے کے تلے تیس ہزار آدمیوں کا مجمع تھا جس میں سات ہزار طلبا تھے پھر ۱۰½ بجے سپشل بمبئی روانہ ہوئی -

پھر بمبئی میں | ۱۰ جنوری کو بارہ بجے دن کے وکٹوریا ٹرمینس پر شاہی سپشل پونچی - استقبال کا شاہانہ انتظام تھا اور خلائق کا ہجوم جیسا کہ اس موقع پر ہونا چاہیئے تھا ویسا تھا - ۲½ بجے سواری بادشاہی آپالو بندر کے پنڈال میں پونچی اور لجسلیٹو کونسل کی طرف سے یہ ایڈرس پیش ہوا جس کو دی آنریبل سر لیمب وائس پریزیڈنٹ کونسل نے پڑھا:-

بمبئی لجسلیٹو کونسل کا ایڈرس | "ہم ممبران لجسلیٹو کونسل گورنر بمبئی

اظہار الفاظ میں ممکن نہیں - اب ہمارا صرف اس قدر فرض باقی ہے کہ ہم حضور کو نہایت وثوق کے ساتھ اس امر کا یقین دلائیں کہ اس صوبہ کے شمال مشرقی علاقے کے دیہات و قصبات کے لوگوں میں اس سے زیادہ عقیدت مندانہ وفادارانہ خیالات اور تمنائیں موجود ہیں - کوئی غریب سے غریب کسان اور مزدور بھی ایسا نہ ہوگا جس کے لوح دل پر اس وقت اس سچی عقیدت مندی یا راسخ الاعتقادی - وفاداری اور محبت کو جو اُس کے دل میں شاہی خاندان سے ہی موجزن نہ کر دیا ہو اور اُس کو پوری خوشی و خورمی بخشی ہو - ہم اپنے بنگال کی رعایا کی محبت سے بھری ہوئی شکرگزاری کو بطور الوداعی شکرگزاری نہایت عجز سے حضور میں پیش کرتے ہیں - یور میجسٹیز کی روانگی پر ہم سچے دل سے دعا کرتے ہیں کہ خداوند کریم یور میجسٹیز کو نہایت امن وامان سے انگلستان پہونچائے اور یور میجسٹیز کو عمر نوح اور سلطنت عظمیٰ کی حکومت میں پوری کامیابی عطا فرمائے "-

جواب | "میں اور ملکۂ قیصرہ آپ کے ایڈریس کے الفاظ سے ازحد متاثر ہوئے ہیں - آپ کے یہ الفاظ محض الفاظ ہی نہیں ہیں بلکہ ہمارے ورود کلکتہ کے موقع پر پرجوش وشاندار استقبال اور محبت اور الفت سے ہمارا کلکتہ اور اُس کے قرب وجوار میں ہر جگہ تمام فرقوں کی طرف سے خیر مقدم کیا جانا ان الفاظ کا عملی وکافی ثبوت ہے آپ صاحبان کی محبت وشفقت کا جس کا آپ کی طرف سے گزشتہ آٹھ دنوں میں اظہار ہوتا رہا ہے ہم دونوں کی باقی ماندہ زندگیوں کے ایام میں فخر اور الفت سے تذکرہ رہے گا - جس جوش وخروش سے آپ صاحبوں نے ہم دونوں کا اپنے دارالسلطنت میں آنے کے وقت خیر مقدم کیا ہے اور جس جوش وخروش سے ہزارہا مخلوق نے صوبے کے ہر حصے سے آکر تاج وتخت اور ہماری ذات سے وفاداری واطاعت کا ثبوت دیا ہے ہم کو بار بار یاد آئیں گے - میں آپ کے ایڈریس میں یہ الفاظ سن کر نہایت ہی مشکور ہوں کہ بیرونی اظہار عقیدت والفت ہندوستان کے شمال ومشرقی صوبے کے باشندوں کے اندرونی جذبات

میں لارڈ اور لیڈی ہارڈنگ کے ساتھ لنچ تناول فرمایا - تیسرے پہر کو ہز میجسٹی نے بیس ہزار غربا کو کھانا کھلانے اور تقسیم پارچہ جات کو ملاحظہ فرمایا جس کا سرانجام سنگت سماج نے چندے سے کیا تھا اور بانوے ہزار روپیے نقد ملکہ معظمہ کے حضور میں خیراتی کاموں کے لیئے پیش کیئے جو حضور ممدوحہ نے مختلف انسٹی ٹیوشنوں میں تقسیم فرما دیئے - رات کو ملک معظم نے چند ہندوستانی پولیس افسروں کو رایل وکٹورین آرڈر کے تمغے تقسیم فرمائے -

کلکتہ سے روانگی

۸ جنوری - فہرست خطابات میں لارڈ ہارڈنگ کا نام نامی نہ تھا حالآں کہ سب سے بڑی ذمہ داری اُن کے سر تھی - لوگ تاڑ گئے تھے کہ سہ این کہ دیدی مراتب جز و لیست بکار کلی ہنوز در قدر است - چنانچہ آپ کو وکٹورین آرڈر کی چین (زنجیر) سرفراز ہوئی جو اعزاز خاندان شاہی سے مخصوص ہے اور صرف چھ اصحاب اس اعلیٰ ترین اعزاز سے مشرف ہو چکے ہیں یہ ساتویں تھے - ہز میجسٹی گیارہ بجے گورنمنٹ ہوس سے روانہ ہوے اور پرنسپ گھاٹ پر ہیرا ایک الوداعی ایڈریس بنگال کونسل کی طرف سے پیش کیا گیا جس کی نقل ذیل ہے) طلا پر یہ عبارت کندہ تھی "یہ کیسکٹ مع الوداعی ایڈریس ملک معظم و ملکہ محترمہ کو کلکتے سے روانگی کے وقت ۸ جنوری ۱۹۱۲ء کو لیجسلیٹو کونسل بنگال کے ممبروں نے من جانب رعایاے بنگال پیش کیا"

بنگال کونسل کا الوداعی ایڈریس

"ہم بنگال کے مختلف الخیالات و مختلف الاقوام لوگوں کی طرف سے ہز میجسٹی کی رونق افروزی پر اُس سچی عالم گیر مسرت کے اظہار کی اجازت چاہتے ہیں جو ہم میں پیدا ہو گئی ہے - حضور کی رعایا کو جو عقیدت اور وفاداری حضور کے شاہی خاندان سے ہے اُس کے دوبارہ اظہار کی یہاں ضرورت نہیں - حضور کی رعایاے کلکتہ و گرد و نواح کلکتہ نے گزشتہ ہشت روزہ قیام حضور میں حضور کی رونق افروزی اور باریابی کے موقع پر عمدہ طریق سے دلی مسرت کے ساتھ خیر مقدم کیا ہے وہ یہاں کے سچے خیالات کا پورا فوٹو ہے جس کا

اور اُن کے متعلق پیروی کرنے کے لیئے اپنی کوششیں برابر جاری رکھیئے جن میں
خدا کے فضل سے آپ کو کامیابی ہوگی - چھ برس کا زمانہ ہوا کہ میں نے انگلستان
سے ہندوستان کو ایک ہمدردی کا پیام بھیجا تھا - آج یہاں موجود رہ کر میں
ہندوستانیوں کو یہ نکتہ بتانا چاہتا ہوں کہ وہ امید کو اپنا گوہر مقصود بنائیں
میں دیکھ رہا ہوں کہ ہر ہر جانب جدید زندگی کے نشانات و خیالات پھیلے ہو
ہیں - تعلیم نے آپ کے دلوں میں امید پیدا کر دی ہے اور بہتر و اعلیٰ درجے
کی تعلیم سے آپ اعلیٰ اور بہتر طریقے کی امیدیں قائم کر سکتے ہیں - میرے
گورنر جنرل باجلاس کونسل نے دہلی میں میرے حکم سے اعلان کیا تھا کہ ہندوستان
میں ترقی و توسیع تعلیم کے لیئے بہت سا روپیہ دیں گے - جس کے متعلق میری
خواہش ہے کہ ملک میں سکولوں اور کالجوں کا ایک جال پھیل جائے جن میں
تعلیم حاصل کر کے خیر خواہ - جواں مرد اور کارآمد باشندے طیار ہوں جو
حرفت و زراعت اور زندگی کے تمام پیشوں میں بڑھ چڑھ کر رہیں اور میری
یہ بھی خواہش ہے کہ میری ہندوستانی رعایا کے گھر علم پھیلنے سے خوشی اور مسرت
سے منور ہو جائیں گے اور محنتیں ٹھکانے لگ کر اعلیٰ خیالی اور آرام صحت اعلیٰ
پیمانے پر قائم ہوگی - میری خواہش تعلیم ہی کے ذریعے سے پوری ہوگی اور
ہندوستان کی تعلیم کے معاملے سے مجھے ہمیشہ دلی اور قریبی تعلق رہے گا -
آپ نے میرے اور میرے خاندان کی نسبت اپنی عقیدت مندی کا جو یقین دلایا ہے
اور برطانیۂ اعظم و ہندوستان کے باہمی رشتۂ اتحاد کی استواری کی جو خواہش
ظاہر کی ہے اور برٹش حکومت کے فوائد کی جو قدر کی ہے اُس سے میں بہت خوش
ہوں اور آپ کے خیر خواہانہ اور معتقدانہ ایڈریس کی بابت آپ کا شکریہ ادا
کرتا ہوں" - ملک معظم ادھر مصروف تھے اور ملکۂ معظمہ نے لیڈی ہارڈنگ
کے ساتھ پریزیڈنسی جنرل ہاسپٹل - ڈفرن ہاسپٹل اور مڈیکل
کالج کا ملاحظہ فرمایا - سہ پہر کو ہر دو مجسٹیز نے ٹالی گنج کی گھوڑدوڑ اور چند
دوسری انسٹی ٹیوشنوں کا ملاحظہ فرمایا - شب کو شہر میں روشنی ہوئی تھی
اُس کا بھی ملاحظہ فرمایا - ۷ جنوری - اتوار - گرجا میں نماز ادا کر کے بارک پور

اس امر میں بھی کوشاں ہیں کہ وہ اقوام دنیا کا مرکز ہوں اور ملکی علم واخلاق کا مرکز قرار پائیں۔ ہم اس امر کی ہمیشہ کوشش کریں گے کہ ہندوستان برطانیۂ عظمی کے شاہی خاندان سے ہمیشہ الفت کی زنجیروں سے وابستہ رہے جو اُن کی مسرت کا باعث ہوگا۔ جسے کامیابی سے پورا کرنے کے لیئے وہ اپنا حصہ ادا کرنے کو طیار رہیں۔ خدائے تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اُن بہتریوں کی کوششوں میں برکت عطا فرمائے جنھیں عظیم الشان سلطنت برطانیہ نے محض النسانی فائدے کے خیال سے اپنے ذمے لے رکھا ہے"۔

جواب "مجھے بڑی خوشی سے وہ موقع یاد آتا ہے جب کہ آج سے چھ برس پیشتر یونیورسٹی سے میں نے ڈاکٹر آف لا کی آنریری ڈگری حاصل کی تھی اور مجھے خوشی ہے کہ آج اس بات کا موقع ملا کہ ہندوستان کی اعلیٰ درجے کی تعلیم سے اپنی گہری اور سنجیدہ دل آویزی کا اظہار کروں۔ اس امر کی بابت میں ہندوستان کی یونیورسٹیوں سے امید کرتا ہوں کہ وہ یورپین اور ہندوستانیوں کی تہذیب اور اولوالعزمیوں کے ساتھ رفتہ رفتہ مل جل کر اور متحد ہو کر اس امر میں مدد دیں گی جس پر ہندوستان کی آیندہ بہبودی کا زیادہ تر انحصار ہے۔ ہندوستان کی یونیورسٹیوں نے اپنے دائرے کو وسیع کرنے اور تعلیم کا پیمانہ بڑھانے کے متعلق وقتاً فوقتاً جو کوششیں کی ہیں میں اُنھیں ہمدردی کے ساتھ دیکھتا ہوں مگر ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ کوئی یونیورسٹی آج کل کے زمانے میں اُس وقت تک کامل نہیں ہو سکتی جب تک سائنس آف آرٹ کی تمام زیادہ ضروری شاخوں کی تعلیمی فیکلٹیوں کا سامان اور حکیمانہ تحقیقات کے وسیع ذرائع بہم نہ پہنچائے جائیں۔ آپ کو قدیم علوم کا محفوظ رکھنا اور اُس کے ساتھ مذہبی سائنس کے متعلق بھی آگے قدم بڑھانا ضروری ہے۔ آپ کو چال چلن اور خصائل کے قائم کرنے کا بھی بندوبست لازم ہے کیونکہ بغیر اس کے علم ہیچ ہے۔ آپ نے بیان کیا ہے کہ آپ اپنی بڑی ذمہ داریوں کو تسلیم کرتے ہیں۔ میں دعا کرتا ہوں کہ آپ کے سامنے جو کام پیش ہے خدا اُس میں برکت دے۔ آپ اپنے خیالات کا پیمانہ اعلیٰ رکھیئے

کلکتہ یونیورسٹی اور ہندوستان کی کُل یونیورسٹیوں بلکہ اس سے زیادہ وسعت کے ساتھ اُن تمام لوگوں کے نمایندگاں کی حیثیت سے (جن کو ان یونیورسٹیوں سے تعلیم ملی ہو) اپنی دلی شکر گزاری کے اظہار کی اجازت چاہتے ہیں۔ کیوں کہ برٹش حکومت سے ہندوستان کو بے حد و شمار فوائد حاصل ہوئے ہیں جن کا تفصیلی ذکر موجب طوالت ہوگا لیکن ہم کو دونوں ملکوں کے اعتماد سے جو بیش بہا علمی خزانہ حاصل ہوا ہو اور جس کی بدولت ہندوستان کے باشندوں نے علم و ادب میں جو کمال حاصل کیا ہو وہ ہمارے لیئے صد گونہ باعث افتخار ہو لیکن ابھی ہم اس امر کو محسوس کرتے ہیں کہ اپنے ملک کی عزت و عظمت کو بڑھانے اور دنیا کی ترقی یافتہ اقوام میں جگہ پانے کے لیئے ہمیں ابھی مغربی علوم و فنون اور سائنس حاصل کرنے کے واسطے سخت کوشش کی ضرورت ہو۔ اس وقت ہم اپنے ولی اص شہنشاہ کے قدوم میمنت لزوم میں کھڑے ہو کر انگلستان و ہندوستان کے باہمی ملاپ کا ایک بے نظیر نمونہ پیش کرتے ہوئے ہم نمایندگان بیت العلوم اپنی دلی شکر گزاری کا اظہار کرتے ہیں کیوں کہ ہمارے حکمرانوں نے نہایت دور اندیشی سے ترقی تعلیم و فوائد کے متعلق ہمیشہ اپنی ہمدردی کا اظہار فرمایا ہو جس کی بدولت ملک کے ہر حصے میں علم کی سنہری لہریں بہہ رہی ہیں۔ اس اظہار شکر گزاری کے ساتھ ہم حضور کو اس امر کا یقین دلانا بھی ضروری خیال کرتے ہیں کہ ہم ترقی تعلیم کے بوجھ کی ذمہ داری بخوبی محسوس کرتے ہوئے اپنے اس فرض سے بھی بخوبی واقف ہیں کہ ترقی تعلیم کے ساتھ نوجوانوں کو علم و حکمت پر چلا کر دانش مند بنایا اور اُن نوجوانوں کو درست رکھ کر اُن قوتوں کا انسداد کرنا ہو تاکہ اُن کی زبردست قوت کسی غلط راستے پر کمزور نہ ہو جائے جس کے بغیر کوئی قوم بہبودی تک نہیں پہنچ سکتی۔ جس میں سب سے بڑھ کر حکم کی متابعت۔ قانون اور عمدہ انتظام سے دل بستگی اور برٹش حکومت کے ساتھ وفاداری کی حاجت ہو جسے قائم رکھنے کے لیئے ہماری بہترین کوششیں جاری ہیں۔ ہم حضور کو یہ بھی یقین دلانے کی جرأت کرتے ہیں کہ ہندوستانی یونیورسٹیاں اگرچہ علم و کمال کا مرکز بن رہی ہیں مگر ساتھ ہی وہ

اپنے اپنے جلوس نکال چکے اور قطار باندھ کر کھڑے ہوگئے تب ہز میجسٹی گاڑی میں سوار ہو کر ان کی قطاروں میں سے سلام لیتے ہوئے آہستہ آہستہ گزرے اور لوگوں نے اچھی طرح جمال مبارک دیکھا اور آپ گورنمنٹ ہاؤس کو تشریف لے گئے رات کو وائسرائے کی طرف سے بال کا جلسہ بڑے بھاری پیمانے پر تھا - ۶ر جنوری کو صبح ہی بسواری اسپ میدان میں فوجی کیمپوں میں سے گزرے اور فوج کا ملاحظہ فرماتے ہوئے فورٹ ولیم میں پریڈ ملاحظہ کی - سوا دس بجے گورنمنٹ ہوس میں یونیورسٹی کی طرف سے ایک ڈیپوٹیشن حاضر ہوا جس میں تمام فیلو صاحبان کے علاوہ (۳۳۳) گریجوایٹ ڈپلومے اور گاؤن لینے کو آئے تھے سب سے پہلے ہز میجسٹی نے سر اسوتوش مکرجی وائس چانسلر کو یاد فرما کر اپنی دستخطی تصاویر یونیورسٹی کو بطور یادگار کے مرحمت فرمائیں - ۱۰½ بجے بادشاہ سلامت منقسمہ پر تشریف فرما ہوئے اور سر اسوتوش نے یہ ایڈریس پڑھا اور ایک نفیس نقرئی کیسکٹ (صندوقچی) میں رکھ کر پیش کیا :-

کلکتہ یونیورسٹی کا ایڈریس "نہایت ہی گہری عقیدت اور وفاداری کی وجہ سے ہم نمایندگان کلکتہ یونیورسٹی کو حضور کے سامنے ایڈریس پیش کرنے کا اعلیٰ اعزاز عطا فرمایا گیا ہے - ہم تمام باشندگان ہندوستان کے ساتھ ہمنوا ہو کر عرض پیرا ہیں کہ حضور اور ملکۂ محترمہ نے اس ملک کے لئے اپنی جس قدر الفت و محبت کا اظہار فرمایا ہے اسے ہم شکرگزاری اور اپنی نمک حلالی کا باعث سمجھتے ہیں - یور میجسٹی نے نہایت مہربانی سے ہمارے پرانے شاہی شہر میں رونق افروز ہو کر جو جلسۂ تاج پوشی لندن میں منعقد ہو چکا تھا اُس کو ہماری خاطر یہاں بھی منایا - ہم کو ابھی تک وہ پیارا وقت بھی یاد ہے جب کہ آج سے چھ سال قبل حضور والا نے بحالت ولی عہدی نہایت فیاض دلی سے ہماری یونیورسٹی کی ڈاکٹر آف لا کی ڈگری قبول فرمائی تھی - ہم کو نہایت فیاض دل شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم ہمیشہ یاد رہیں گے کیوں کہ اُنھوں نے ہی اول ہماری یونیورسٹی کو اس قسم کا اعزاز بخشا تھا جس سے شاہی خاندان اور یونیورسٹی میں ایک دائمی تعلق پیدا ہو گیا جس پر ہمیں بجا ناز ہے - ہم نہ صرف

کی سلامی ہوئی اور چپر زدی گئیں۔ گورنمنٹ ہوس پر واپسی کے بعد ملک معظم کی
جانب سے جنرل ماہون نے فوجی پریڈ کی برجستگی اور عمدہ کارروائی پر اظہار خوشنودی
فرمایا۔ سہ پہر کو گورنمنٹ ہوس میں گارڈن پارٹی تھی جس میں دو ہزار مہمان
شریک تھے۔ شب میں دربار لیوی ہوا جس میں پندرہ سو اشخاص مدعو تھے۔ ۳؍
جنوری کو اول وقت پولو ٹورنامنٹ کا ملاحظہ ہوا تیسرے پہر گھوڑ دوڑ۔ رات
کو گورنمنٹ ہوس اور فورٹ ولیم کے کھلے میدان میں مشعلوں کی روشنی
کا فوجی تماشہ ہوا جس میں پانچ لاکھ اشخاص کا ہجوم تھا ۹ ½ دیہمجسٹیز پیدل ہی رونق افروز
ہوئے اور ڈائس پر بیٹھ کر تماشہ ملاحظہ فرمایا پھر آتش بازی کی سیر کی۔ ۴؍
جنوری۔ آج صبح سویرے وکٹوریا میموریل ہال کا ملاحظہ ہوا جس کا سنگ بنیاد
آپ ہی نے چھ سال پیشتر رکھا تھا۔ آپ نے ماڈل اور نقشوں کو ملاحظہ فرما کر چند
اصلاحیں کیں اور پھر عمارت کی موجودہ حالت کو ملاحظہ فرمایا۔ دیہمجسٹیز نے
یکے بعد دیگرے آج عجائب خانے کا ملاحظہ فرمایا اور تیسرے پہر میں ٹالی گنج
کی نمائش اسپان کا ملاحظہ فرمایا اور شب میں گورنمنٹ ہوس میں دربار ہوا
جس میں (۲۶۳) خطاب یافتوں کو اپنے دست مبارک سے تمغے لگائے۔ اس
دربار میں ساڑھے چار سو یورپین اور ہندوستانی ارباب اور لیڈیوں کا اجتماع
تھا۔ ۵؍ جنوری۔ آج صبح میں سیلو بیڈ رجوٹ ملز کا ملاحظہ ہوا اور تیسرے
پہر کو امرا، ورؤسائے کلکتہ کا ایک پیجنٹ نکالا گیا جس میں ہندو مسلمانوں
اور اڑیسہ والوں کا جلوس دکھایا گیا جہاں دس لاکھ آدمیوں کا مجمع تھا۔
۲ ½ بجے سواری مبارک رونق افروز ہوئی تعارف کے بعد ہندوؤں کی رام لیلا
مسلمانوں کے نوروز اور اڑیسہ والوں کے قومی جلسوں کی آمد شروع ہوئی
سو قسم کے عمدہ راگ کے آلات موسیقی جمع تھے اور طرح طرح کے راگ بجائے جاتے تھے
پھر رام لیلا کا جلوس بڑھا جس میں کئی ہاتھی بھی تھے۔ میور بھنج کے لوگوں نے
لڑائی کا ناچ شروع کیا۔ پھر مسلمانوں کا نوروز کا جلوس گزرا۔ اڑیسہ کے
لوگ اپنے ناٹک ناچنے کے ساتھ قدیم رسومات دکھاتے ہوئے گزرے۔ دیہمجسٹیز
ہندوستانی مختلف قسم کے مراسم کو دیکھ کر بہت مسرور ومحظوظ ہوئے۔ جب یہ سب لوگ

کامیابی آپ کو تجارتی سرگرمی سے حاصل ہوئی ہے وہ اس ملک کے نوجوانوں میں اس بات کا خیال پیدا کر دے گی کہ تجارت ایک ممتاز اور معزز پیشہ ہے۔ میں آپ کی ارادت وعقیدت کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور یقین دلاتا ہوں کہ ہماری ہمیشہ کے لیئے یہ خواہش ہوگی کہ ہم اپنی ہندوستانی سلطنت کی بہبودی اور بہتری کو پیش نظر رکھیں اور ہماری دلی آرزو ہے کہ جوں جوں زمانہ گزرتا جائے شاہی خاندان اور ہندوستانی رعایا کے باہمی تعلقات اور زیادہ مستحکم ہوتے جائیں"۔ ایڈریس ختم ہونے پر ویرہیجسٹیز پرنسپ گھاٹ سے ایک سنہری کھلی گاڑی پر جس میں چھ گھوڑے جتے ہوئے تھے سوار ہوئے اور جلوس کے ساتھ روانہ ہوئے سڑک کے دورویہ فوج صف بستہ کھڑی تھی خلقت کا بے حد ہجوم تھا جس کا اندازہ دس لاکھ کیا جاتا ہے۔ اکیس ہزار تو طلبا ہی تھے۔ سڑک پر ایک جگہ پردہ دار خواتین کی نشست کا بھی انتظام تھا۔ گورنمنٹ ہوس پر گارڈ آف آنر موجود تھا۔ لارڈ اور لیڈی ہارڈنگ راستہ کاٹ کر آگے ہی پونہچ گئے تھے۔ آپ نے مع دیگر حکام کے استقبال فرمایا۔ تیسرے پہر ویرہیجسٹیز نے چڑیا گھر کی سیر کی جس کا افتتاح ملک معظم ایڈورڈ ہفتم نے ۱۸۷۶ء میں فرمایا تھا۔ اسا دسمبر کو اتوار کا دن تھا سینٹ پال کے گرجا میں نماز ادا فرمائی اور ملک معظم نے بسواری موٹر شہر کی سیر فرمائی اور ملکۂ معظمہ نے بوٹینیکل گارڈن اور چاند پال گھاٹ کی سیر فرمائی اور "امپرس میری" نامی کشتی پر جو آپ ہی کے اسم مبارک سے معنون تھی تھوڑی دیر دریا کی سیر کی۔ یکم جنوری ۱۹۱۲ء سال نوروز کو علی الصباح ملک معظم بسواری اسپ میدان اور ریس کورس پر تشریف لے گئے۔ تیسرے پہر کو ویرہیجسٹیز پولو کے میچ میں رونق افروز ہوئے اور شب میں بڑا بھاری ڈنر ہوا جس میں تقریباً سو معزز مہمانان نے ملک معظم کی ملاقات کی عزت وافتخار حاصل کیا۔ ۲ر جنوری۔ فوجی پریڈ تو بروے قاعدہ یکم جنوری کو ہوتی ہے مگر بوجۂ عشرۂ محرم اب کے ۲ر جنوری ٹھیرائی گئی۔ اس ریویو میں نوہزار فوج شریک تھی۔ گیارہ بجے ملک معظم بسواری اسپ اور ملکہ معظمہ بگھی میں پریڈ گرونڈ پر تشریف فرما ہوئے۔ فوجی ریویو کے بعد (۱۰۱) ضرب توپ

تشریف آوری کا شکریہ ادا کر کے دلی وفاداری سے دعا کرتے ہیں کہ خدا حضور والا اور ملکۂ محترمہ کی عمر و اقبال اور مسرت میں ترقی دے اور آپ کی سلطنت میں امن و امان اور خوش حالی کا دور دورہ رہے"۔

جواب | "کارپوریشن اور باشندگان کلکتہ کی طرف سے وفاداری اور عقیدت کا جو اطمینان آپ نے دلایا ہے اس کے لیے میں اپنی اور شہنشاہ بیگم کی طرف سے آپ کا گرم جوشی کے ساتھ شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جس عقیدت مندانہ لہجے میں آپ نے اُس واقعہ کا ذکر کیا ہے کہ میرے شفیق والد آپ کے شہر میں ٹھیرے تھے اور چھ سال ہوئے ہم بھی اس شہر میں آئے تھے۔ اس نے میرے دل پر گہرا اثر ہوا ہے جس خلوص اور تپاک سے آپ نے اُس وقت ہمارا خیر مقدم کیا تھا اُس کی یاد ہمارے دل میں تازہ رہے گی اور پہلی مرتبہ اس شہر کے دیکھنے سے جو ہمدردانہ دل چسپی ہمیں اپنی ہندوستانی سلطنت سے پیدا ہو گئی تھی وہ کبھی کم نہ ہو گی۔ یہ ہمارے لیے باعث مسرت ہے کہ ہم دوبارہ کلکتے میں آئے ہیں اور ہم نے آپ کی ترقی اور خوش حالی کی علامات کو بچشم خود دیکھا ہے۔ ہندوستان کے انتظام حکومت میں دہلی دربار کے اعلان سے جو تبدیلی پیدا ہوئی ہے اُس کا اثر کسی حد تک کلکتے پر پڑے گا لیکن آپ کا شہر لازمی طور پر ہندوستان کا سب سے بڑا شہر رہے گا۔ اس کی آبادی اور اس کی تجارتی اہمیت۔ اس کی بہت بڑی تجارتی منڈی۔ اس کی شاندار تاریخی روایات۔ یہ تمام ایسی باتیں ہیں جو کلکتے کی حیثیت کا ایک بے نظیر پہلو ظاہر کرتی ہیں اور یہ بے نظیر پہلو ایسا ہے جس سے کلکتے کی فضیلت قائم رہنی چاہیے اس کے علاوہ صوبے کا دارالحکومت کلکتہ ہے۔ اس کی حیثیت بنگال کی پریذیڈنسی قائم ہونے سے بہت بڑھ گئی ہے اور مجھے پوری امید ہے کہ جدید پریذیڈنسی اپنے گورنر اور کونسل کے دانش مندانہ انتظام سے روز افزوں خوش حالی امن اور انتظام کی برکتوں سے مستفید ہو گی لیکن میں جانتا ہوں کہ آپ کو اس بات کی آرزو ہے کہ ہندوستان ایک دن بڑا صنعتی اور زراعتی ملک ہو جائے۔ میں نے آپ کی تجارتی اور صنعتی ترقی کو خاص دل چسپی کی نظر سے دیکھا ہے اور مجھے یقین ہے کہ جو

یہیں کرسمس کی عید ہوئی - یہاں راجہ کے محلات اچھیرا کا تالاب ملاحظہ ہوا ۲۷ دسمبر کو شیر کے شکار کا تماشا ملاحظہ فرمایا - ۲۸ دسمبر کو بانکی پور روانہ ہوئیں - ۲۹ دسمبر کو سرشام چھ بجکر بیس منٹ پر آپ کی سپشل بانکی پور پہونچی جہاں حضور ملک معظم کچھ دیر پہلے ہی فائز ہوچکے تھے - ع ہے یہ قرانِ سعدین نیک ساعت میں

قیام کلکتہ | ۳۰ دسمبر کو ٹھیک ۱۲ ½ بجے دن کے دی میجسٹیز کی سپشل کلکتہ کے ہوڑا پلیٹ فارم پر داخل ہوئی - فورٹ ولیم سے فوراً اسلامی دغنے لگی - ریل سے اُتر کر ہوڑا نامی جہاز پر پرنسپ گھاٹ کو روانہ ہوئے جو سوا دو میل کے فاصلے پر ہی وہاں پونہچ کر لفٹنٹ گورنر بنگال نے امراو معززین کو پیش کیا اور چیرمین کلکتہ کارپوریشن نے ذیل کا ایڈریس گزرانا۔

کارپوریشن ایڈریس | "حضور والا! - اس سے پیشتر دو موقعوں پر برٹش سلطنت کے دو جانشین یعنی ولی عہدوں نے قدم رنجہ فرما کر ہندوستان اور نیز اس شہر کو عزت بخشی تھی - جن میں ایک تو شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم آنجہانی تھے اور دوسرے ملکۂ محترمہ و حضور والا - آپ کی اور ملکہ کی سیاحت ہندو کلکتہ بہ حیثیت ولی عہد و بیگم ولی عہد کی یاد اب تک اہل ہند اور اہل کلکتہ کے دلوں میں تازہ ہی لیکن تاریخ ہند میں یہ پہلا ہی موقع ہی کہ برطانیہ کے فرماں روا اور ملکہ اس ملک میں تشریف لائے ہیں - حضور والا اور ملکۂ محترمہ کے استقبال سے (جو عزت اہل ہند اور اہل کلکتہ کو حاصل ہوئی ہی) لوگوں کو وفاداری اور اطاعت کی لہریں موج زن کر رہی ہیں اور اہل ہند کو اپنے فرماں رواؤں سے جو دلی محبت ہی اُسے حضور والا کی سیاحت نے اور بھی زیادہ پختہ فرما دیا ہی یہ سیاحت اس امر کا کافی ثبوت ہی کہ حضور والا اور ملکۂ محترمہ کو ہندوستانی رعایا کی بہبودی اور ترقی سے گہری دلچسپی ہی - اہل کلکتہ کی طرف سے ہم ممبران میونسپل کمیٹی عجز و ادب اور شکرگزاری کے ساتھ حضور والا اور ملکۂ محترمہ کی کلکتہ میں

ہ بظاہر دلی کی تاریخ کو دیگر مقامات کی کوائف سے تعلق نہیں مگر چوں کہ تبدیل دارالسلطنت سے دلی اور کلکتے میں لازمی طور پر رقابت پیدا ہوگئی تھی اور وہ بھی بڑا بھاری مقام ہی لہٰذا وہاں کی جھلک بھی ناظرین کو دکھلانی ضرور تھی - ۱۲

وستایش کے نغمے گاتی رہوں گی - میرے جواں بخت شہنشاہ ! تیری تاجپوشی کی مبارک تقریب نے نیک دل شاہ جہاں کی روح کو خوش کر دیا کیوں کہ پودا انھیں کا لگایا ہوا تھا - میرے ہر دل عزیز اور پیارے جارج میں امید کرتی ہوں کہ مجھے باتھ گھے کی لاج رہے - میں تیری کہلاتی ہوں تیری نظر توجہ سے میرا بیڑا پار ہو - میرے غریب بیٹے جن کے باپ دادا کی ہڈیاں یہاں گڑی ہوئی ہیں اُن کا خبر گیر پہلے خدائے قدیر اور بعد تو ہو - نیا موری منجھدھار کر دیٹر انھیں پار -

ہندوستان کے دوسرے مقامات کی سیاحت کی اجمالی کیفیت

حضور ملک معظم جب ولی عہدی کی حیثیت سے ۱۸۷۵ء میں ہندوستان تشریف فرما ہوئے تھے نیپال کے جنگلوں میں سیر و شکار کا جب ہی بڑے پیمانے پر انتظام ہوا تھا مگر چیچک کے شیوع نے بھی سائی بات بگاڑ دی لیکن سچ کہا ہے کُلُّ اَمْرٍ مَرْهُوْنٌ بِاَوْقَاتِهَا - اب وہ شبھ گھڑی آ ئی ۱۸ ر دسمبر سے دو ہفتے مقام رہا کرسمس بھی یہیں ہوا اور ۲۶ ر دسمبر کو ساڑھے بجے شام کے سواری مبارک بانکی پور پہونچی پانچ منٹ بعد حضور ملکہ معظمہ کی سپیشل بھی بخیر و خوبی آ گئی -

ملکہ معظمہ کی سیاحت پر ایک مختصر نظر

ملکہ معظمہ کا نیپال کے جنگلوں میں جانا مناسب نہ تھا اور آپ نے راجپوتانے کی سیر بھی نہیں فرمائی تھی لہذا آپ نے عنان توجہ ادھر منعطف فرمائی - ۱۶ ر دسمبر کو پانچ بجے شام کے سواری آگرے پہونچی اور ۱۹ ر دسمبر تک مشہور مقامات ملاحظہ فرمائے اور اسی دن پانچ بجے شام کے جے پور مقام ہوا اور ۲۰ ر دسمبر تک مقام رہا میو ہاسپٹل البرٹ ہال وغیرہ کے شاہی محلات کا ملاحظہ ہوا - ۲۱ ر دسمبر کو دس بجے دن کے روانہ ہو کر ۳ ½ بجے اجمیر تشریف فرما ہوئیں - میو کالج جھیل پشکر درگاہ حضرت خواجہ غریب نواز - اڑھائی دن کا جھونپڑا وغیرہ مقامات ملاحظہ فرما کر ۲۳ ر دسمبر کو دس بجے دن کے بوندی کو روانہ ہوئیں شکھ محل چھتر محل ملاحظہ فرمایا شہر میں روشنی ہوئی ۲۴ ر دسمبر کو ۲ ½ بجے بذریعہ موٹر کوٹے سواری گئی جو بوندی سے ۲۴ میل ہے -

اے شہنشاہ ذی جاہ! تیرا بول بالا رہے - میں کس زبان سے تیرا شکریہ ادا کروں اور کہاں سے وہ الفاظ لاؤں جو پورا پورا حق شکر گزاری ادا کرسکوں - تونے میرا تاج و تخت مجھے دیا - تونے میری بچی کھچی دولت دی - تونے میری لٹی ہوئی عزت و آبرو مجھے واپس دی - خدا تجھے صد و سی سال سلامت باکرامت رکھے - الٰہی دودھوں نہائے پوتوں پھلے - تیری زبان کی ایک جنبش نے آن واحد میں مجھے وہی بنا دیا جو میں صدہا برس رہی جب لوگوں نے سُنا کہ بڑھیا رانڈ پھر نئی نویلی دُلھن اور سہاگن بنی تو دنگ رہ گئے - میری حرماں نصیبی یاس و مایوسی حد سے بھی بڑھ گئی تھی مگر ؎

اُسنے فضل کرتے نہیں لگتی بار   نہو اُس سے مایوس امیدوار

میں خود حیران ہوں کہ بار الٰہا یہ عالم بیداری ہے یا خواب - پھر جو سنبھل کر دیکھتی ہوں تو مجھے قدرت خدا کا کرشمہ تیری ذات میں نظر آتا ہے - اے مسیحا نفس تونے صدہا برس کے مُردے کو جلا دیا - جن خدا ترسوں کو میرے در و دیوار اور ویران کھنڈروں اور میرے چھوٹے سے نام دلّی سے دلی محبت ہے اُنھوں نے مجھے مشدّد کردیا ہے یعنی دُہری قدر افزائی کی ہے میں اُن کی قومی سلطنتوں کی مدتوں تخت گاہ رہی ہوں - میری تاریخ دلوں میں اُن شان دار اور قابل فخر دانوں کی یاد تازہ کرتی ہے - تیری بندہ نوازی اور قدردانی سے مجھ میں رہنے سہنے والے نہایت خوش ہیں - اُن کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں تیری خسروانہ عنایت و سرفرازی نے میرے بسانے والوں کے مردہ دلوں میں تازہ روح پھونک دی - اس خوشی میں اگر میرے کھنڈروں کا ایک ایک پتھر زبان گویا ہو جائے جب بھی میں تیرے احسان کے بار گراں سے سبکدوش اور تیرے شکریے سے عہدہ برا نہیں ہو سکتی ؎

اگر ہر موے من گردد زبانے   ادائے شکر تو کے می توانم

تونے میری پامال کھیتی کو ہرا کردیا - میری عظام رمیم میں آثار زندگی پیدا ہو گئے ہیں جب تک جیوں گی پھلوں گی پھولوں گی پنپوں گی بڑھوں گی تیری تعریف

سلہ دلّی کا لام مشدّد ہے اور مشدّد حرف دو دفعہ پڑھا جاتا ہے - ۱۲

بارکپور (کلکتہ) کو روانہ ہوئے - دربار کے مہمان یکے بعد دیگرے سب جانے لگے
دلی کا نیا پا رچائی شہر ہفتے عشرے میں اُکھڑ ٹکھڑ کر سپاٹ میدان ہوگیا -
بسانے میں دیر لگتی ہو مگر اُکھاڑنے پچھاڑنے میں نہیں - دلی جو دربار سے پہلے
تھی اب وہ دلی نہ تھی - خداوند تعالیٰ نے بادشاہ کی ایک جنبش لب میں وہ
کرامت بخشی ہو کہ آن واحد میں دارالسلطنت کے اعزاز و امتیاز سے ممتاز ہوگئی

اخراجاتِ دربار | اس دربار پر کہ جس سے بڑا اور سو قر دربار ہندوستان کو کبھی نصیب نہیں ہو سکتا چار لاکھ اکسٹھ ہزار پونڈ
یعنی (۶۹) لاکھ پندرہ ہزار روپیہ کی گراں قدر رقم خرچ ہوئی جس کی بڑی بڑی
مدات رقومات یہ ہیں : -

انتظامی اخراجات - عام ملازمین سڑکیں روشنی آب رسانی و صفائی -
[illegible] پونڈ　[illegible] پونڈ

شاہی مراسم - کھیل تماشے گارڈن پارٹی آتشبازی وغیرہ - کیمپ شاہی
[illegible] پونڈ　[illegible] پونڈ　[illegible] پونڈ

کیمپ گورنمنٹ ہند و کمانڈران چیف و پولیٹیکل افسران و فارن آفس -
[illegible] پونڈ

وزیٹر - پریس - پولیس وغیرہ کے کیمپ - متفرق اخراجات - دورۂ شاہی
[illegible] پونڈ　[illegible] پونڈ　[illegible] پونڈ

مڈل و انعامی اخراجات - سامان تاج پوشی لوازم شہنشاہی اور دیگر اخراجات
[illegible] پونڈ　[illegible] پونڈ

[illegible] - مختلف ذرائع سے دربار کی آمدنی -
[illegible] پونڈ
[illegible] پونڈ

میزان
[illegible] پونڈ = [illegible] روپیہ

دلی کی قیل وقال بزبانِ حال | قدمے رنجہ نما چشم براہت دارم
ای فدائے قدمت تا در منزل ما

کورٹ روڈ۔ کشمیری دروازے سے گزر کر باہر باہر قلعہ کے لاہوری دروازے میں داخل ہوئی یہاں بھی بینڈ بجا۔ توپ خانے سے (۱۰۱) توپوں کی سلامی دی گئی سارے رستے دو رویہ فوج صف بستہ تھی۔ لاکھوں آدمی بادشاہ کا آخری دیدار دیکھنے کو ایک پر ایک ٹوٹے پڑتے تھے۔ قلعہ سے جلوس چھانٹ دیا گیا اور منتخب جلوس کے ساتھ سواری سلیم گڑھ سٹیشن کو سدھاری۔ سلیم گڑھ کی سیڑھیوں کے نیچے گارڈ آف آنر کا ملاحظہ ہوا۔ پلیٹ فارم کی سیڑھیوں پر لارڈ و لیڈی ہارڈنگ نے استقبال کیا اور دیر تک پلیٹ فارم پر رونق افروز ہوئے۔ پلیٹ فارم پر بڑے بڑے حکام اور خاص خاص والیان ملک حاضر تھے سب سے بادشاہ سلامت نے الوداعی گفتگو کی اور رخصتی ملاقات کی روانگی سے تھوڑی دیر پہلے بادشاہ سلامت نے ارشاد فرمایا کہ دربار تاجپوشی کی شاندار تقاریب اور اس کے خاتمے کی رسم کبھی فراموش نہ ہوگی نیز آپ نے سرجان ہیوٹ کی خدمات کا شکریہ ادا کیا۔ پلیٹ فارم کے حاضرین کی ملاقات کے بعد وائسرائے اور لیڈی ہارڈنگ نے آگے بڑھ کر ملک معظم کے ہاتھ کو بوسہ دیا ملکۂ معظمہ راجپوتانے تشریف لے جا رہی تھیں ملک معظم ان سے رخصت ہو شاہی سپیشل میں سوار ہوئے اور ایک بجے دن کے ریل چلی۔ جمنا کے پل تک حضور معلّٰی سیلون کے برآمدے میں برآمد تھے اور سب کے سلاموں کا نہایت بشاشت سے جواب دیتے ہوئے بعزم نیپال دہلی سے رخصت ہوئے اور قلعہ سے پھر توپوں کی سلامی دنادن دغنے لگی۔ ملک معظم کی سپیشل کی روانگی کے بعد ہی دوسری سپیشل ملکۂ[۱] معظمہ کی پلیٹ فارم پر آن لگی اور اسی اہتمام اور احترام سے آپ کو رخصت کیا گیا۔ اور تیسری سپیشل میں لارڈ اور لیڈی ہارڈنگ

[۱] ملکۂ معظمہ کا نام نامی "میری" ہے جو کیسا پیارا نام ہے خصوصاً ہندوستانیوں کے لیئے۔ انگلینڈ کی وہ کوئین میری ہیں تو ہندوستان بھی ان کو میری ملکہ کہتا ہے۔ پس میری کے جو معنی اردو میں ہیں وہ عجب لطف اور اختصاص پیدا کرتے ہیں:۔

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میری نطق نے بوسے مری زباں کے لیئے

اس موقع پر یہ شعر بھی قابل داد ہے اس میں بھی میری کا آجانا بڑا تفاول نیک ہے ۱۲ من المصنف ۱۲

شب کو کیمپ میں ملک معظم نے معزز ہندوستانی افسروں کو جو درباری کاروبار میں کھتے رہے اُن کو شرف باریابی بخشا اور اپنے دست خاص سے تمغے مرحمت فرمائے۔ (۲۶) ہزار تمغوں میں سے دس ہزار تو فوج کو ملے رہے باقی وہ ہندوستان کے مختلف مقامات پر تقسیم کیئے گئے۔ طلائی تمغے دو ہزار لوکل گورنمنٹوں کے افسروں اور والیان ریاست کو دیئے گئے تمغوں کے ساتھ ایک ایک کلاسپ بھی تھا جس پر بخط انگریزی Delhi (دہلی) لکھا ہوا تھا۔

مذہبی علمار کے وفدوں کی باریابی | سر لوئی ڈین لفٹنٹ گورنر پنجاب کی تحریک پر ۱۶ دسمبر کو دس بجے مسلمان۔ ہنود اور سکھوں کے پیشوایان مذہبی کی باریابی دیر ہجسٹیز کے حضور میں ہوئی سب سے پہلے (۱۴) ممبر اہل ہنود کے بسرکردگی دی آنریبل مہاراجہ رامیشور سنگھ بہادر آف دربھنگہ پیش ہوئے جنھوں نے چند اشلوک سنائے پھر (۱۴) ممبر مسلمان علمار اور مولویوں کے پیش ہوئے جن میں دیوان شیخ سید محمد صاحب سجادہ نشین پاکپٹن وغیرہ پیش ہوئے اور ایک عربی قصیدہ بھی گزرانا گیا۔ تیسرے نمبر پر سکھوں کے ڈپوٹیشن کے چھ ممبر بسرکردگی باوا گوربخش سنگھ سی۔ آئی۔ ای رئیس کلر پیش ہوئے اور گرنتھ صاحب کی ایک جلد پیش کی۔ حضور ملک معظم نے تمامی مذہب و ملل کے برگزیدگان سے مصافحہ کیا۔

رخصتی ملاقات | آج سب والیان ریاست مع اپنے منتخب عہدہ داران جلیلہ کے استقبالی خیمے میں وداعی ملاقات کو حاضر ہوئے سرہنری میکموہن نے طلائی تمغے دیئے جن کو سب نے سینوں پر جگہ دی اور گزرگاہ شاہی کے دو طرفہ منتظر آمد آمد کھڑے رہے۔ سوا گیارہ بجے دیر ہجسٹیز مع اسٹاف تشریف فرما ہوئے بینڈ بجنے لگا۔ تمام رؤسا و والیان نام بنام پیشگاہ خسروی میں پیش کیئے گئے۔ حضور مدوح سب سے ہاتھ ملاتے اور بعض سے کچھ تلطف آمیز کلام فرماتے خیمے کے باہر شاہی گاڑی تک پہونچ گئے۔ گارڈ آف آنر نے سلامی دی۔ بینڈ نے وداعی گت چھیڑی۔

ریلوے سٹیشن کو روانگی | سواری بادبہاری جلوس کے ساتھ چوہدہ روڈ

ممدوح نے اپنے ایڈی کانگ جنرل کیری کو پیغام شاہی دے کر پریس کیمپ میں روانہ فرمایا مسٹر بیلی انچارج پولیس کیمپ نے ذیل کا اعلان پریس کے ممبروں کی اطلاع کے لیئے جاری کیا:۔ ''شہنشاہ معظم نے آج سہ پہر کو جنرل کیری ایڈی کانگ شاہی کو پریس کیمپ میں بھیج کر حکم دیا ہے کہ ممبران پریس کو اُن اعلیٰ خدمات کے لیئے جو اُنھوں نے دربار کے موقع پر سخت مشقت سے انجام دی ہیں اُن سے ہم اظہار ہمدردی کرنے کے بعد اُن کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ ہمارا یہ پیام ممبران پریس کو پونہچا دیا جائے''۔

اور لیجیئے | اُسی شام کو بریگیڈیر میجر جنرل برڈووڈ ایڈی کانگ پریس کیمپ میں تشریف لائے اور اسی قسم کا پیغام جس کا اوپر ذکر آیا ہے ہندوستانی پریس کے نام بھی لائے۔ع شکر نعمتہاے تو چندان کہ نعمتہاے تو۔ شام کو وائسراے بہادر کی جانب سے مسٹر جیمس ڈوبلے پریس کا شکریہ ادا کرنے آئے شام کو ڈاکٹر آلما لطیفی انچارج انڈین پریس (حال ڈپٹی کمشنر حصار) کو ایک شاندار دعوت دی گئی اور حضور ملک معظم کا جام صحت تجویز کیا گیا۔

بخیر وخوبی ختم | وقت کیسا دُبلے پاؤں نکلا چلا جاتا ہے کہ کانوں کان خبر نہیں ابھی کل کی سی بات ہے کہ ہم سارے ہندوستان کے مہمان شہنشاہ ذیشان اور ملکہ معظمہ میری کے خیر مقدم کی خوشیاں منا رہے تھے یا آج ۱۶ دسمبر کو ہم بادلِ ناخواستہ اس شاہی جوڑے کو دلّی سے رخصت کرتے ہیں اور کہتے ہیں ؎

حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد روئے گُل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

آج کا دن اپنی مصروفیتوں کے اعتبار سے بڑا وقیع تھا۔ اس دن کے انگیجمنٹس کا خلاصہ یہ ہے۔

درباری تمغے | کلکتہ کی ٹکسال سے سونے چاندی کے (۲۶) ہزار تمغے مسکوک کرائے گئے تھے جن پر شاہی جوڑے کی تصویر تھی اور دوسرے رخ پر ''دربار جارج پنجم قیصر ہند بادشاہ الملک دربار انگلشیہ'' فقرہ گردکندہ تھا جس سے سنہ ۱۹۱۱ء نکلتا تھا اور بیچ میں ''دہلی ۱۹۱۱ء'' ۱۲ دسمبر کی

پر روپے بیر دیئے گئے اور ہز میجسٹی پولو گراؤنڈ کی طرف تشریف فرما ہوئے ۔

پولیس ریویو پولو گراؤنڈ میں ۱۱ بجے بسواری اسپ پولیس کا ملاحظہ ہوا اور تمغے تقسیم کیے گئے ۔ حضور ملکۂ معظمہ گاڑی میں سوار تھیں جو چبوترے پر رونق افروز ہیں اور بادشاہ سلامت نے (۲۲۲۷) پولیس کے جوانوں کا اُن کی لینوں میں جاکر ملاحظہ فرمایا ۔ بعد ملاحظہ (۷) ممبران پولیس کو اُن کی قابل قدر خدمات کے صلے میں تمغے عطا ہوے ۔ اس کے بعد پولیس نے سلامی کے ساتھ تین چیرز دیں ۔ روانگی سے پہلے حضور ملک معظم نے سر ای ڈی فریج انسپکٹر جنرل پولیس سے پولیس کی دیرینہ خدمات کا اعتراف فرماکر صاحب موصوف کو سپاہیوں کی مستعدی اور چستی پر مبارکباد دی اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ سپاہیوں تک ہمارا شکریہ پہونچا دیا جائے چنانچہ صاحب موصوف نے فرمان شاہی کی تبلیغ کی جو پولیس سروس کے فخر و مباہات کا باعث ہوا ۔ پولو گراؤنڈ سے واپسی پر شاہی کیمپ میں ملک معظم نے گارڈ آف آنر کے افسران

باڈی گارڈ کے کمان افسروں کی پیشی اور اُن افسروں کو جن کی فوج کے خود بدولت کرنل ان چیف ہیں شرف باریابی بخشا اور ان کمان افسروں کو ہز میجسٹی نے اپنی تصاویر اپنے دستخطوں سے مزین فرماکر عطا فرمائیں ۔

ملیٹری ٹورنامنٹ اور پوائنٹ ٹو پوائنٹ ریس ۱۵ دسمبر کو سہ پہر کو پولو گراؤنڈ میں فوجی ٹورنامنٹ اور ریس کے ملاحظہ کے لیئے ہز میجسٹی سواری تشریف فرما ہوے ۔ یہاں انواع و اقسام کی ورزشیں اور کرتب کیئے گئے جس کے اختتام پر ہز میجسٹی نے کنگ امپیریل کپ انعام دیئے اور پھر موٹر میں سوار ہوکر کیمپ میں تشریف لے گئے ۔

پریس کیمپ پر نوازش دربار میں یورپین پریس کے (۵۳) نمائندے مدعو تھے اور کوئی (۴) انڈین پریس کے جن کے سارے خرچ گورنمنٹ نے برداشت فرمائے حتیٰ کہ ریل کا کرایہ بھی دیا ۔

ملک معظم کا پیام پریس کے نام ۱۵ دسمبر کو سہ پہر کے وقت حضور

کی یاد تازہ کریں گے جو نہایت حسب موقع وفادار رعایا کے نام جاری ہوا۔

ادھر تقریر ختم ہوئی اُدھر مہاراجہ صاحب گوالیار نے اس نئے شہر میں ملک معظم کا ایک مجسمہ اور مہاراجہ بیکانیر نے ملکہ معظمہ کا ایک مجسمہ پیش کرنے کا وعدہ کیا جس پر اظہار مسرت کیا گیا۔ حضور ملک معظم نے بیٹھے بیٹھے یہ جواب ارشاد فرمایا

جواب ''یہ امر ملکۂ محترمہ اور میرے لیئے نہایت تسلی وہ ہے کہ دہلی کی روانگی سے پہلے اس سلطانی شہر کی بنیاد کا پتھر رکھنے کا ہمیں موقع ملا۔ جہاں ہم کھڑے ہیں اسی کے اردگرد یہ شہر آباد کیا جائے گا۔ جو ضروری اعلان ہم نے اپنے یادر ہنے والے دربار تاج پوشی کے دن کیا تھا۔ جسے آج تین دن ہوتے ہیں۔ یہ اُسی اعلان کی تکمیل کا پہلا زینہ ہے۔ پس میں نہایت خلوص کے ساتھ متمنی ہوں کہ جو دیرپا امیدیں اس قسم کی عظیم الشان تبدیلیوں کے ساتھ وابستہ ہیں وہ بدرجۂ اتم پوری ہوں جن سے ہندوستان کے انتظام میں ترقی و اصلاح اور رعایا میں شادمانی پیدا ہو۔ میری مرضی یہ بھی ہے کہ یہاں جو عمارتیں بنائی جائیں اُن کے خاکوں اور نقشوں پر بخوبی غور کیا جائے تاکہ جو نیا دار السلطنت بنے وہ اس قدیم اور خوب صورت شہر کی شان کے قابل ہو۔ خدا کی رحمت اور برکت نازل ہو اُس کام پر جس کی رسم آغاز نہایت خوشی کے ساتھ آج ادا کی گئی''۔ اس تقریر پُرتاثیر کے بعد حضور ممدوح مع لارڈ ہارڈنگ اور گورنر جنرل بہادر اُس مقام پر تشریف لے گئے جہاں پتھر طیار رکھے تھے۔ مسٹر انگلس نے ایک طلائی کرنی پیش کی جس سے حضور نے چونا پھیلایا اور غربی جانب کا پتھر صحیح کیا گیا اور ملک معظم اپنی جگہ تشریف لے آئے پھر حضور ملکۂ محترمہ مع گورنر جنرل و لارڈ چیمبرلین و مسٹرس آف دی روبز (شاہی توشہ خانے کی مہتممہ) تشریف لے گئیں اور دوسرا پتھر اسی طرح دست مبارک سے رکھا۔ اس کے بعد جنرل ہٹسن ہیرلڈ نے پلیٹ فارم پر آکر سنگ بنیاد کے نصب ہونے کا اعلان بزبانِ انگریزی کیا پھر کیپٹن ملک عمر حیات خاں صاحب ٹوانہ نے اُردو میں اُس کو دہرایا اور خدا بادشاہ کو سلامت رکھے کا نعرہ لگایا گیا اور سر لوئی ڈین کی تحریک پر ہز میجسٹیز کے لیئے تین تین

استحکام سلطنت اور نہایت شان دار و سرسبز امیدوں کا تیقن نہ ہوا ہوگا۔ گورنمنٹ آف انڈیا کا دارالسلطنت کلکتہ سے اُٹھا کر دہلی میں بہت زیادہ غور و خوض اور فکر و توجہ کے بعد قائم کیا جا رہا ہو۔ یہ تجویز ۱۸۶۸ء میں زیر غور تھی اور اس وقت سے یہ مسئلہ اُس وقت سے اس وقت تک کاغذات میں جو کافی مسالا موجود ہو وہ اس امر کا شاہد ہو کہ اس پر نہایت صحیح رائے فراہم کی گئی ہو۔ کوئی رد و بدل ایسا نہیں ہوتا جس میں کچھ نہ کچھ ایثار اور سیر چشمی نہ کرنی پڑتی ہو خواہ اس رد و بدل سے کتنا ہی فائدہ مترتب ہوتا ہو۔ ضرور ہو کہ کچھ نہ کچھ لوکل خیالات کو بھی دھکا پہنچے۔ لیکن اگر اجازت ہو تو میں بحیثیت اعلیٰ حضرت کے گورنر جنرل ہونے کے اپنی طرف سے اور اپنی کونسل کی طرف سے یہ عرض کرنے کا مجاز ہوں کہ اس تبدیلی سے زیادہ کوئی تبدیلی ایسی نہیں جس سے ایک تعداد کثیر کا بہت زیادہ فائدہ ہوگا اور ایک تعداد قلیل کا نہایت خفیف نقصان جو بالکل عارضی ہو کیوں کہ آگے چل کر کافی طور سے اس کی تلافی یوں ہو جائے گی کہ رد و بدل سے بہت زیادہ فائدے حاصل ہوں گے۔ چوں کہ اعلیٰ حضرت نے اس معاملے میں نہایت آئین نوازی فرما کر اپنے وزراء سے صلاح و مشورے کے بعد اس ضروری تغیر کو مسطور فرمایا ہو۔ جس سے خیال ہو کہ سرکار انگلستیہ کی ہندوستانی طرز حکومت میں بہت زیادہ و نمایاں ترقی ہوگی اور یقین ہو کہ نااتفاقیوں اور پریشانیوں کا زمانہ ختم ہو کر امن و امان اور فلاح کا دَور دورہ شروع ہوگا ہم سب کو یقین کامل ہو کہ اس معاملے میں جو غرض اور فیصلہ شامل حال ہو وہ اس سے بہتر کسی دوسری صورت سے اعلان عام کے ذریعے سے مشتہر نہیں ہو سکتا جیسا ذات شہنشاہی نے اس کو ظاہر فرمایا اور جس نے بہت کم اختلاف کا اثر پیدا ہوا بلکہ بہت زیادہ محبت و وفاداری کا اظہار ہوا۔ ہم وثوق دلی سے یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ یہ نیا شہر جس کو ہم سب ان دنیاوی پتھروں کے ارد گرد خدا کے افضال و کرم سے آباد کرنا چاہتے ہیں ضرور ایسی شان دار ابد اک کے ساتھ نمایاں ہوگا۔ یہ جو دیکھو دیا دلائیں گے کہ اعلیٰ حضرت اور ملکہ عالیہ قدیم تہذیب اور قدیم سلطنت کے پایہ گاہ میں تشریف فرما تھے اور اس فرمان شاہی

ٹھیری کہ اس دار الخلافہ کا سنگ بنیاد ہز میجسٹیز کے مبارک ہاتھوں سے رکھوانا فال نیک ہی چنانچہ گورنمنٹ ہند کے کیمپ کے سبزہ زار اور ممبران کونسل کے خیموں کے درمیانی خط کی سڑک سے کوئی ڈیڑھ سو فیٹ پر بجانب جنوب ایک جگہ سنگ بنیاد دھرے جانے کے لیئے تجویز کی گئی - وقت تھا کم مگر صیغۂ تعمیرات عامہ نے ۱۴ دسمبر کی شام تک (۱۰) فٹ لمبی اور (۷) اونچی دیوار سنگ قاغر کا طیار کر لی جس میں تین فیٹ کے فصل سے دو پتھر چرخی پر لٹک رہے تھے جو ۳½ × ۱½ تھے اور یہیں ایک چبوترا بھی بنایا گیا تھا جس کے سامنے ریلوے لین کے رخ پر ایک سنہری شامیانے کے تلے شاہی تخت بچھائے گئے تھے - وقت کی تنگی کی وجہ سے ۱۴ دسمبر کو چیدہ چیدہ حکام و اکابرین کو جن کی تعداد دیانسو تھی ۱۵ دسمبر کو دس بجے دن کا وقت مقرر کر کے مدعو کیا گیا تھا - ۱۵ دسمبر کو ٹھیک وقت مقررہ پر ملک معظم گاڑیوں کے جلوس میں رونق افروز ہوے - وائسرائے بہادر مع ممبران کونسل اس سنگ بنیاد کی طرف گئے جس پر سنہری خط میں **۱۵ دسمبر ۱۹۱۱ء** کندہ تھا اور یہ اڈریس معہ

گورنر جنرل کا اڈریس بحضور اعلی حضرت شہنشاہ معظم و شہنشاہ بیگم قبول ہوا

چوں کہ اعلی حضرت نے الطاف شاہی سے اس دار السلطنت کا اول سنگ بنیاد نصب فرمانا منظور فرمالیا ہی جو آپ دہلی میں قائم ہوتا ہی لہذا ذات شہنشاہی سے بکمال ادب التماس ہی کہ حضور اپنے اس عمل سے آج اپنے اس فرمان شاہی پر شاہی مہر ثبت فرمائیں جو تاج پوشی کے دن پڑھا گیا تھا وہ ایسا دن تھا جو ہندوستان کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رہے گا - کچھ تو اس وجہ سے کہ اس کی تزک شان قابل لحاظ ہی اور کچھ اس وجہ سے کہ اس یوم مسعود نے جو زبردست جوش وفاداری کا پیدا کر دیا تھا اس کا نہایت شاندار نظارہ دیکھنے میں آیا - دہلی کے نواح میں بہت سے پایۂ تخت بنائے گئے جن میں بعض اتنے قدیم ہیں کہ ان کی ابتدا قدامت زمانہ کے آثار میں گم بھی ہو چکی ہی لیکن کوئی دار السلطنت ایسے اچھے آثار اور ایسی نیک فال کے ساتھ قائم نہیں ہوا جیسا کہ آج اعلی حضرت اس خوش آیند فال کے ساتھ عن قریب قائم فرمانے والے ہیں اور یقیناً کسی دار السلطنت کی بنیاد کے وقت اس درجہ

چھت گیری پیلے سنہرے رنگ کی دو ستونوں پر کھڑی تھی۔ شاہی تختوں کے پیچھے
سٹاف اور مصاحبین کی نشست کی پر تکلف کرسیاں تھیں اور تختوں کے سامنے
ایک کشادہ رستہ جلوس کے لیئے چھوڑا گیا تھا جس کی دونوں جانب ممبر وار
کرسیاں تھیں۔ شاہی تخت کے عقب میں ہز مجسٹیر کے حشم خدم سنہری اور قرمزی
رنگ کے لباس میں نقرئی گرز اور مورچھل۔ سنہری سورج مکھیاں اور شاہی
ماہی مراتب لیئے ہوئے مؤدب کھڑے تھے۔ پہلے والسرائے اور لیڈی ہارڈنگ
آئے اور ۹ ½ بجے ہز مجسٹیر جلوس کے ساتھ رونق افروز ہوئے۔ مختلف
آرڈروں کے تمغے پانے والوں کی تعداد (۲۶۱) تھی جس میں لیڈی ہارڈنگ
اور سرکار عالیہ جناب بیگم صاحب بھوپال بھی تھیں۔ اس تقریب کو شروع
ہوکر کوئی بیس ہی گھنٹہ ہوا ہوگا کہ سوا دس بجے آتش زدگی کی سیٹیاں بجنے لگیں
اور ایک خوفناک صاعقہ بھی معلوم ہوا جس کے بعد برقی روشنی ایک دم گل ہوگئی
اور کچھ گڑبڑ سی مچ گئی مگر بعد میں معلوم ہوا کہ کچھ ایسی بات نہیں ملک معظم کے
کیمپ میں مسٹر لیوکس پرائیوٹ سکریٹری کے خیمے کو میسکل کے لیمپ سے آگ
لگ گئی تھی چنانچہ جھٹ پٹ خیمے کی رسیاں کاٹ آلات امتناع آتش زدگی
سے جو ہر وقت طیار رہتے تھے آناً فاناً آگ بجھادی گئی سرع رسید بود ولائے
ولے بخیر گزشت۔ تقسیم تمغہ جات میں دو گھنٹے صرف ہوئے اور ۱۱ ½ بجے بخیر و خوبی
دربار برخاست ہوا۔ آخر میں معززین ریفر شمنٹ کے واسطے تشریف لے گئے۔

دارالسلطنت دہلی کا سنگ بنیاد

بعد الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست
آمد آخر زپس پردۂ تقدیر پدید

نقد مطلب سے ہوئی جیب تمنا معمور
پُر ہوا کاہ سے فرطِ خوشی سے دامانِ امید

شکر صد شکر کہ جی کھول کے نکلے ارماں
شکر صد شکر ملی قفلِ مسرت کی کلید

اگرچہ ملک معظم نے دربار کے ختم سے چند منٹ پہلے دلّی کو دارالسلطنت بنانے
کا اعلان اپنی زبان فیض ترجمان سے فرمایا تھا جس کا علم شاید معدودے چند
مقربین بارگاہ سلطانی کو ہو تو ہو ورنہ کسی کو کانوں کان خبر نہ تھی اس لیئے پروگرام
میں سنگ بنیاد رکھنے کا کوئی وقت مقرر نہیں کیا گیا تھا بعد اس اعلان کے یہ بات

ہوئے یعنی چھیڑی اور دو دو ع بریں مژدہ گر جاں فشانم رواست - ہز ایکسیلنسی سر بوچمپ ڈف کمانڈران چیف نے ان فرامین شاہی کو فوج تک پونہچایا پہلا فرمان فوجوں کی حسن خدمات کا اعتراف تھا اور دوسرا ہر سپاہی کو بوجہ قلت وقت اچھی طرح نہ دیکھ سکنے پر اظہار افسوس تھا۔

(۱) "کل مابدولت کو اس قدر افواج دیکھ کر بہت مسرت ہوئی جن میں امپیریل سروس ٹروپس اپنے اپنے والیان ریاست کی سرکردگی میں تھیں - میری خواہش ہو کہ آپ تمام افواج برٹش و ہندوستانی والنٹیروں و امپیریل سروس کو پیغام پہنچادیں کہ مابدولت اُن کے کام - اُن کی جواں مردانہ صورت اور عمدہ لباسوں سے نہایت خوش ہیں - مابدولت کو علم ہو کہ دربار کی تیاری اور رسومات دربار کے متعلق اُنھیں بہت بڑا کام کرنا پڑا ہو - مابدولت تمام فوج اور اُس کے افسروں کی سرگرمی و جفاکشانہ انتظام کا اعتراف کرتے ہیں"۔

(۲) "حضور شہنشاہ کا ہر ایک فوج کے سپاہی کو دیکھنے کا ارادہ تھا اور اب بھی امید ہو کہ جن کا ۱۲ دسمبر کو معائنہ نہیں ہوا اُن کو پھر دیکھنے کی کوشش کی جائیگی مگر حضور عام طور پر اپنی مصروفیت دیکھتے ہوئے افسوس فرماتے ہیں کہ بظاہر اب کوئی فرصت نہیں کیوں کہ روانگی تک کا ایک ایک لمحہ رُکا ہوا ہو لہذا فوج متعلقہ کو مطلع کردیا جائے کہ بادشاہ سلامت کو اس امر سے سخت مایوسی ہوئی کہ وہ بہت سے سپاہیوں کو کمپنیوں میں جاکر معائنہ نہ فرماسکے"۔

دربار عطائے تمغہ جات

۱۴ دسمبر کی شب اُن خوش نصیب رؤسا - عمائدین اور والیان ملک کے لئے گویا شب قدر تھی کہ بادشاہ کے دست مبارک سے تمغہ جات ملنے والے تھے - پہلے یہ تجویز ہوئی تھی کہ ۱۹۰۳ء کے دربار کی طرح قلعہ میں یہ رسم ادا ہو مگر شاہی آرام و آسایش کے لحاظ سے شاہی کیمپ ہی میں تمغے دینا ٹھیرا - اس تقریب مسعود میں مختلف آرڈر کے خطاب یافتوں کے علاوہ چار ہزار اصحاب کبار مدعو تھے - شاہی شامیانہ حسب ضرورت وسیع کردیا گیا تھا جس کے آخری سرے پر ایک ہشت پہلو ڈائس (منصہ) بناکر ۱۲ دسمبر کے دربار والے دو شاہی تخت بچھائے گئے تھے جس پر ایک مختصر سی

نشان تک نہ تھا - شاہی نشست کے لیئے ایک مقفہ بنایا گیا تھا جس کے دائیں بائیں
چبوتروں پر والیان ملک تشریف فرما تھے - ٹھیک ۹½ بجے ہزمیجسٹیر کی سواری
بادیہاری کیمپ سے موٹر پر برآمد ہوئی اور کنگز وے سے موضع دھیرپور
تشریف لے گئے جہاں وائسرائے اور لیڈی ہارڈنگ موجود تھے - یہاں ملک
معظم مشکی راہوار یا دیا پر سوار ہوئے اور ملکۂ معظمہ گاڑی میں اور جلوس کے
ساتھ سواری بڑھی - ہزمیجسٹیز کے پہنچتے ہی (۱۰۱) توپوں کی سلامی دی گئی
ملک معظم نے کمانڈر ان چیف کی معیت میں بسواری اسپ پھر کر فوجوں کا
ملاحظہ فرمایا - گھنٹہ بھر اس میں لگا - پھر منصۂ شاہی کے پاس جہاں شاہی جھنڈا
لہرا رہا تھا تشریف لائے اور ملکۂ معظمہ نے گرینڈ سینڈ کے بکس میں تشریف فرما
ہو کر فوجی رویو ملاحظہ فرمایا - بادشاہ کے سامنے فوجوں کا مارچ پاسٹ
شروع ہوا - فوج کا طول طویل سلسلہ ختم ہونے کے بعد امپیریل سروس ٹروپ
کے (۲۵) یورپین (۳۴۷) ہندوستانی افسر - (۷۶۴۰) ہندوستانی سپاہ -
چار توپیں - (۲۱۷۳) گھوڑے - (۲۰۶۵) خچر - (۱۷۹) اونٹ لطر الورسے
گزرے - جب ملاحظہ ختم ہوا تو تمام فوجیں ڈویزنوں میں تقسیم ہو کر شاہی جھنڈے
سے سو گز ہٹ کر جمع ہوئیں اور کمانڈر ان چیف نے ٹوپی اتار کر ہزمیجسٹیز کے
لیئے چیرز دیئے پھر ساری فوج نے ٹوپیاں اچھال کر سلامی دی اس موقع پر
جو فوجیں گزریں اُن کی صحیح تعداد برٹش افسر ۱۱۴۴ - برٹش سپاہی ۹۹۴ - ہندوستانی افسر
ہندوستانی سپاہی ۲۵۶۲ - معمولی توپیں ۹۹۴۵ - بڑی توپیں ۴۲ - گھوڑے ۱ - خچر ۲۰۶ - اونٹ
۹ ۲۹ ۱۶ ۳۱
غرض یہ کہ پورے تین گھنٹے میں افواج بحر امواج کا ملاحظہ ختم ہوا اور
ہزمیجسٹیز بسواری موٹر کیمپ شاہی کو (۱۰۱) توپوں کی گھن گرج سلامی
سے روانہ ہوئے -

افواج کی خدمات کے اعتراف میں
دہر دہر سے فرمان عطوفت نشان

سبحان اللہ کیا قدردانی اور ہمت افزائی ہے ایسے مہرباں بادشاہ پر سپاہی
اپنی جاں کیوں نہ قرباں کریں - پیشگاہ خسروی سے ایک نہیں دو فرمان صادر

کمیٹی کی طرف سے دعوت دی گئی باقی دنوں میں مختلف ریاستوں نے کھلایا پلایا
ولایتی آتش بازی جو دن دہاڑے چھٹنے والی تھی اُس کی نشست گاہ کا بھی
ٹکٹ تھا - دن کی آتشبازی میں عجیب بات یہ تھی کہ فٹ بال سے بڑے بڑے
گولے چمڑے یا کرچ سے منڈھے ہوے اس عمدگی سے آسمان پرسن سے اُڑ جاتے تھے
کہ کسی کو نظر بھی نہ آتے تھے مگر جب اوپر جاکر یہ گولے پھٹتے تو اُن میں سے رنگ برنگ
کے ستارے جھڑتے اور جوں جوں نیچے ہوتے جاتے اُن میں سے ایک دُم پھوٹتی
جو لمبی ہوتی جاتی - اصل ستارہ تو گم ہو جاتا اور جب دم پھیلتے پھیلتے زمین کے
قریب آجاتی تو اُس میں سے مختلف رنگوں کے ریشمی رومال نکلتے جن پہ ڈیرجسٹیز
اور دیگر مشاہیر کی انواع واقسام کی تصاویر اور دعائیہ کلمے چھپے ہوتے اور نیچے
گرتے ہی تماشائی اُن کو لپک لیتے - ان میں بعض ستارے ایسے بھی پھٹتے تھے
کہ گرتے وقت اُن میں سے مختلف قسم کی آوازیں نکلتیں مثلاً شیر کی دہاڑ ک
پرندوں کی چہچہاہٹ - بچوں کے رونے کی آواز اور کسی میں دو آدمیوں کا مکالمہ
اتنے بڑے میلے کا انتظام جس میں کروڑ آدمیوں کا ازدحام ہوا زبس مشکل کام
تھا - پولیس کے سترہ سو سوار ہر دم کمربستہ بیٹ پتردل پہ تھے اور کچھ شک نہیں
کہ پولیس کا انتظام بہت قابل قدر تھا -

پچاس ہزار فوج کا عظیم الشان ریویو

چودہ دسمبر کو دس بجے دن کے بادلی کی سرا کے پاس ساری افواج جمع کی گئیں جن کو بادشاہ
عالی مرتبت نے ملاحظہ فرمایا - یہ مقام جہاں ریویو
ہوا بچھترویں انفنٹری حال دوسری گارڈن ہائی لینڈرز کے ایام غدر کے مشہور
حملے کی وجہ سے بڑا تاریخی مقام تھا اور یہیں فرسٹ بنگال فیوزیلیرز نے بھی
داد شجاعت دی تھی - اگرچہ اس جشن پر اسی ہزار فوج کے جمع کرنے کا قصد تھا
مگر چارے کی قلت اور دوسرے انتظامات کی دقت کی وجہ سے پاس پاس مقامات
سے پچاس ہزار فوج اکٹھی کر لی گئی تھی بایں ہمہ وہ اتنی بڑی تعداد تھی جو کبھی
ملک معظم کے سامنے اس سے پیشتر پیش نہیں ہوئی - جس میدان میں فوج
کھڑی کی گئی تھی وہ دو ہزار گز مربع اور ایک وسیع تختہ سبزہ زار کا تھا گرد کا نام و

بادشاہی میلہ اگرچہ ۱۲ر دسمبر کو دربار کے دن (۵۰) ہزار خلائق موجود تھی اور اسی قدر فوج اور بارہ ہزار امرار و رؤسار ایمپی تھیٹر میں تھے اور لاکھوں آدمیوں کا ہجوم سڑکوں پر تھا جا بجا دیکھو لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگے ہوئے تھے اور اندازہ کیا جاتا ہے کہ دس لاکھ کے لگ بھگ لوگوں کا مجمع تھا جنھوں نے بادشاہ کو جی بھر کے دیکھ لیا تھا لیکن ہندوستان کی خلقت جو دیدارِ شاہی کی بھوکی تھی سیر نہ ہوئی اس لیئے لوگوں کی دیرینہ آرزو کو علی وجہ الکمال پورا کرنے کے لیئے بہت ضرور تھا کہ کوئی ایسا موقع بہم پہنچایا جائے جس میں لوگ دریجسٹیر کو رواروی میں نہیں بلکہ اچھی طرح اطمینانِ خاطر سے دل بھر کے دیکھ لیں چنانچہ سرلوئی ڈین لفٹننٹ گورنر پنجاب نے شاہی میلے کی تجویز نکالی اور اس عظیم الشان میلے کی طیاری اور اہتمام کار کے لیئے ایک زبردست کمیٹی مقرر کی۔ سب سے پہلے قلعے کے دامن سے جمنا کے کنارے تک جو تین میل لمبا اور ایک میل چوڑا میدان ہے وہ جھاڑ جھنکاڑ سے صاف کیا گیا۔ پھر اس جگہ عارضی طور پر ٹیں اور چھپر ڈالے گئے اور مختلف اقسام کے چھوٹے موٹے خیمے لگا کر کوئی دو لاکھ آدمیوں کے ٹھیرنے کا انتظام کر دیا گیا۔ ان دو لاکھ مہمانوں کے لیئے ریاست ہائے پٹیالہ۔ بہاولپور۔ جیند۔ فریدکوٹ وغیرہ اور نیز بعض اضلاع کی طرف سے سدا برت کا انتظام کیا گیا۔ روشنی کا کافی انتظام تھا اور سو طہارت خانے کھولے گئے۔ اس میلے میں ہر قسم کے سامان کی بے شمار دکانیں تھیں مگر ٹکٹ سب پر تھا۔ ہندوستانی میلوں کا طرز پیش نظر رکھ کر ہر قسم کی سیر و تفریح کا انتظام کیا گیا مثلاً پہلوانوں کے دنگل۔ ہاتھیوں اور بیلوں کی لڑائی۔ فوجی کرتب۔ بنوٹ کشتی پھری گدکہ۔ پھینک۔ پٹہ۔ جھولے ہنڈولے مشاعرہ۔ پہاڑی ناچ۔ پتنگ بازی۔ راگ رنگ۔ بائیسکوپ۔ تھیٹر۔ سرکس۔ ہوائی جہاز۔ ولایتی آتشبازی وغیرہ وغیرہ صدہا قسم کے سیر تماشے تھے جن پر جا بجا ٹھیکہ داروں نے ٹکٹ لگا رکھا تھا۔ اس میلے کی تقریب میں بارہ ہزار پتے تقسیم کیئے گئے۔ اندازہ کیا جاتا ہے کہ میلے کے دنوں میں تقریباً ایک کروڑ آدمیوں کو کھانا کھلایا گیا تین دن میلے کی

گزرے - جن کے بعد مختلف اضلاع کے لوگ گوناگوں رنگ اور طرح بطرح کی پگڑیاں باندھے باجے گاجے کے ساتھ دعائیں دیتے اور پرجوش نعرہ ہائے مسرت لگاتے اپنے ضلعوں کا نام بہ آواز بلند پکارتے نظر انور کے سامنے سے گزرے - یہ اظہار خلوص و عقیدت کا ایسا دل چسپ اور موثر نظارہ تھا کہ لامحالہ اس کا گہرا اثر بادشاہ اور ملکہ کے دلوں پر ہوا ہوگا - بادشاہ نے اپنی رعایا کے ٹڈی دل گروہ کو اُن کے جوش و ولولے اور اصلی حالت میں دیکھا اور نیز شاہی میلے کا ملاحظہ فرمایا جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ اس سے بادشاہ کو اہل ہند کے مذاق اور سوشل لائف کے اصلی رنگ کا اندازہ ہوا ہوگا - دو پریجسٹیز برابر پون گھنٹے اپنے دیدار مبارک سے پبلک کو مسرور و مبتہج فرماتے رہے - اس کے بعد والیان ریاست و امرائے مجتمعہ کی ملاقات کی غرض سے تشریف فرما ہوئے اور فرادی فرادی ملاقات فرمائی اور سب سے ہاتھ ملایا اور بعض بعض سے تلطف آمیز گفتگو فرمائی - اس سے فارغ ہوکر انگریزی آتش بازی کا نظارہ فرمایا جو یورپ میں شاید کچھ نئی بات نہ ہو مگر ہندوستانیوں کی نگاہیں تو پھٹی کی پھٹی رہ گئیں - اس کے بعد دو پریجسٹیز بخیر و خوبی موٹر کار میں کیمپ شاہی کو رخصت فرما ہوئے - ۱۲ ر دسمبر کا یوم مسعود روشنی کے لیئے نہایت موزوں تھا لیکن لوگ دربار داری سے تھک گئے تھے اور شب کو بھی دربار تھا اس لیئے صرف کیمپوں میں روشنی کی گئی مگر شہر میں جیسی چاہیئے نہ ہوسکی لہذا ۱۳ ر دسمبر کو شب میں تلافی مافات کی گئی قلعہ ریلوے سٹیشن - ملکہ کا باغ - گھنٹہ گھر تمام سرکاری عمارتیں اور بڑے بڑے پرائیوٹ مکانات پر اس کثرت سے انواع و اقسام کی روشنی تھی کہ سارا شہر جگمگا اُٹھا تھا - چاندنی چوک میں صدہا برقی لمپوں کی قطاروں کے علاوہ رنگ برنگ کے جاپانی لیمپ اور انواع اقسام کے جھاڑ فانوس ہانڈیاں لنتر تھے چنانچہ روشنی کے بڑے حصے کو دو پریجسٹیز نے بھی قلعہ سے واپسی پر ملاحظہ فرمایا - رات کو شاہی ڈنر تھا جس میں یوروپین اور ہندوستانیوں کی ایک بڑی تعداد شریک تھی اور بینڈ سریلی گتیں بجا رہا تھا -

تری وفاؤں نے تجھ کو کیا ہی شاہ پسند
یہ سچ مثل ہی کہ عظمت ملی ہی خدمت سے
مطیع حکم ہمیشہ سے سر بلند رہے
وفا پرست ہمیشہ رہے ہیں راحت سے
نوازشات وعنایات شاہ ہوں تجھ پہ
یہ فخر تجھ کو ملا ہی تری عقیدت سے
ملک معظم و دی جاہ آج آتے ہیں
جہاں میں تری توقیر کو بڑھاتے ہیں
جو مدتوں سے خوشی دل میں تھی ہوئی عیاں
کہ آیا کشور ہندوستان و انگلستاں
وفا پرست رعایا کا سر پرست آیا
خدا کا شکر کہ اب مشکلیں ہوئیں آساں
وہ آیا مصلح اقوام و مذہب و ملت
کہ درد اب نہ رہے گا کسی کا بے درماں
وہ آیا حلیم بہ مداح جس کی آمد کی
دکھائی دینے لگا دور سے وہ شاہی نشاں
ہمارے درد کا اب چارہ ساز آپہنچا
خوش آمدید کہ سرمایہ ناز آپہنچا

(مولوی...)

دیپ جسٹیر شاہی گاڑی سے جہاں اُترے وہاں تک آپ کا استقبال کیا گیا حضور ملک معظم وائسرائے کے ساتھ باغیچے کی گل گشت میں مصروف رہے اور بہت سے اصحاب کرام کو شرف ہم کلامی بخشا اور حضور ملکہ معظمہ نے لیڈی ہارڈنگ کے ساتھ پردہ دار مستورات کو اپنے جمال مبارک سے مسرور کیا۔ کوئی آدھے گھنٹے کی سیر و تفریح کے بعد ۴ ½ بجے کے قریب ملک معظم تاج زیب سر کیے ہوئے مع ملکہ معظمہ کے مثمن برج کے جالی دار جھروکے میں رونق افروز ہوئے اور زیریں قلعہ بادشاہی میلے کی بے شمار مشتاق دیدار رعایا کو اپنے جمال مبارک سے سرفراز و ممتاز فرمایا لیکن جب آپ نے دیکھا کہ اس چھوٹے سے جھروکے میں سے لوگ بخوبی نہیں دیکھ سکتے اور ایک قسم کی رکاوٹ حائل رہتی ہی تو پھر آپ مع ملکہ معظمہ کے فوراً جھروکے سے باہر تشریف لے آئے اور رنگ محل کے پاس کھلے چبوترے پر دو مخملی کرسیوں پر تشریف فرما ہوئے اور اب یہ موقع ایسا عمدہ تھا کہ کوئی حجاب حائل نہ تھا اور مشتاق دیدار رعایا نے شاہنشاہ اور ملکہ کے دیدار مسرت آثار سے خوب اپنی آنکھیں ٹھنڈی کیں اور دل بھر کے دیکھ لیا۔

سو وا کر دیئے ہیں شوق نے بند نقاب حسن
غیر از نگاہ اب کوئی حائل نہیں رہا

حسب قرار داد مختلف ادیان و ملل کے جلوس دیپ جسٹیر کی نشست گاہ سے کوئی (۵۰) بیچے سے دعائیں سلامتی جان و مال ترقی دولت و اقبال کی دیتے ہوئے

کہ اس میں از سرِ نو بہارِ تازہ آئے گی اور بادشاہ کے قدم پھر یہاں آکر اس کلبۂ احزان کو رشکِ ارم بنائیں گے - قلعہ کو بنا سنوار کر دُلہن بنا دیا - باغیچے سینچے گئے - مرجھائے ہوئے درخت ترو تازہ ہو گئے - خزاں جاکر بہار آئی - سبزہ زار لہلہانے لگے - روشیں درست ہو گئیں - نہریں جو خشک پڑی تھیں پھر رواں دواں ہو گئیں غرض آرایش و زیبایش کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا اگر شاہ جہاں کی روحِ پاک بھی موجودہ حالت کی ایک جھلک دیکھ لیتی تو ضرور مسرور ہوتی - ؎

فصلِ بہار گلشنِ عیش و سرور ہے | عالم میں انبساط و فرح کا وفور ہے
راحت ہی روح کو تو معطّر دماغ ہے | ایسی شگفتگی ہے کہ دل باغ باغ ہے

ممتاز محل میں اشیائے نادرہ کا عجائب خانہ سجایا گیا جس کی سقف پر پردہ دار گارڈن پارٹی کا انتظام بڑی آن بان سے کیا گیا تھا -

زیریں قلعہ بیلے میں شاہی میلے میں انواع و اقسام کے سامان دل چسپی و تفریح طرح طرح کے کھیل تماشوں کا انتظام تھا - والیانِ ریاست کے ملاقات کا محل رنگ محل قرار دیا گیا - نوبت خانے کے دیوان خانے کے مقابل گارڈ آف آنر پرے باندھے کھڑے تھے - قلعہ برقی روشنی سے بقعۂ نور بنا ہوا تھا - ہز میجسٹیز کھلی گاڑی میں مع جلوس علی پور روڈ کشمیری دروازے سے شہر کے بیچوں بیچ سے گزرتے ہوئے الگن روڈ پر سے قلعے کے لاہوری دروازے میں سے قلعۂ معلی میں رونق افروز ہوئے تمام رستے سڑک کے دو رویہ فوج صف بستہ کھڑی تھی: نظم

ہزار شکر تمنا دلوں کی بر آئی | کہ موجِ بحرِ خوشی آج یہ خبر لائی
وہ آبرو تجھے ہندوستاں مبارک ہو | نصیب میں نہیں اوروں کے جس کی چھب چھائی
تو جتنا ناز کرے آج تجھ کو زیبا ہے | ہوئی ہے تیری طرح کس کی عزت افزائی
یہ مانا تیری ہمیشہ وقار سے گزری | یہ سچ کہ تیری نرالی ہے شانِ زیبائی
عجب طرح مگر اب کے تجھے عروج ہوا | ترا ستارہ بھی عزت دہِ بروج ہوا
وہ آیا جس کی تمنا تجھے تھی مدت سے | وہ آیا تو نے بُلایا جسے اطاعت سے

ہمہ کس طالب یار اند چہ ہشیار چہ مست ہمہ جا خانۂ عشق است چہ مسجد چہ کنشت

دعائیں سب کی ہم آہنگ تھیں۔ بادشاہ اور ملکہ کی سلامتی سب کی زبان پر تھی باہم مختلف ہیں مگر ملجا و ماوی سب کا وہی ایک ذات تھی جس کے سامنے شاہ و گدا دونوں محتاج ہیں۔ بینڈ بھی گاڈ سیو دی کنگ (خدایا بادشاہ کو سلامت رکھے) موثر سُروں میں بجا رہا تھا۔ سہ پہر کو ۴½ بجے جب دربھجنڈ نے قلعہ کے جھروکے میں سے اپنے دیدار فیض آثار سے مشتاقین کو مستفیض فرمایا تو اُس وقت یہ جلوس بھی دعائیں دیتے ہوئے جھروکے تلے سے گزرے اور یہ مذہبی نظارہ ختم ہوا۔

قلعہ میں گارڈن پارٹی
مثمن برج پر سے شاہی درشن
مذہبی جلوسوں اور رعایا کے
جم غفیر کا گزرنا۔ روشنی
آتشبازی اور ڈنر

بہار آئی ہے بھر دے بادہ گلگوں سے پیمانہ
رہے لاکھوں برس ساقی ترا آباد میخانہ

بارہویں دسمبر تو دربار ہی کا دن تھا مگر تیرہویں دسمبر بھی باعتبار متعدد و مختلف مراسم کے دل جیسی میں کچھ کم نہ تھا۔ دن عید رات شب برات سہ پہر میں گارڈن پارٹی تھی جس میں آٹھ ہزار مہمان مدعو تھے۔ پارٹی کا وقت تو ۲½ بجے کا مقرر تھا مگر ؎

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک آتش شوق تیز تر گردد

دو بجتے بجتے تک میدان کھچا کھچ بھر گیا۔ دلی کے لال قلعہ کی رسم افتتاح جس وقت شاہجہاں نے کی تھی اور جشن ماہتابی منعقد ہوا تھا اُس کا اندازہ ہم کیا کر سکتے ہیں سنے کو اندر کا اکھاڑا کہتے ہیں مگر شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ اب پُرانے قصّے جو صرف خواب و خیال ہیں تہ کر دیجئے ع آں قدح بشکست و آں ساقی نماند۔ زمانۂ حال کو لیجئے شاہجہاں کے بعد سے قلعہ کی حالت یوماً فیوماً رو بہ تنزل رہی اور نوبت بایں جا رسید کہ قلعہ ویران ہو گیا جیسا کہ ہم قلعہ کے بیان میں بصراحت لکھ آئے ہیں۔ نصف صدی سے تو قلعہ پٹا ہائیں ہائیں کر رہا تھا۔ کسے خبر تھی

مخصوص کیا گیا تھا چنانچہ صبح سویرے ہی تیس ہزار مسلمانوں نے جامع مسجد
میں خدائے واحد و یگانہ کے حضور میں بخشوع و خضوع بادشاہ اور ملکہ
کی سلامتی درازی عمر و اقبال کی دعا کی اور ۹ ۱/۲ بجے مسلمانوں کا
جلوس بسرکردگی ہزہائینس مہر صاحب خیرپور نکلا جس میں معززین اور
عمائدین شریک تھے۔ جلوس کے آگے آگے اسلامی جھنڈے تھے جن پر
کلام مجید کی کچھ آیتیں لکھی ہوئی تھیں۔ یہ جلوس جامع مسجد سے چلا اور
خاص روڈ پر سے گزرتا ہوا گیارہ بجے راج گھاٹ دروازے پر جا پونہچا
اسی طرح اور اسی تعداد میں اہل ہنود کا جلوس بھی بسرکردگی مہاراجہ
سر رامیشور سنگھ بہادر آف دربھنگہ و دیگر اراکین بھارت مہامنڈل
صبح سویرے ملکہ کے باغ سے چل کر چاندنی چوک سے کوئینز روڈ ہوتا ہوا
دس بجے جمنا کے پل پر پونہچ گیا جہاں ہنوؤں کی مذہبی رسم ادا کی گئی
بعدہٗ یہ جلوس ریل کی سڑک اور دریا کے کنارے کنارے اُس سڑک پر جا نکلا
جو شمن برج کے مشرق اور وہاں سے مغرب کو چلی گئی ہے۔ سکھوں کے
جلوس میں بھی تیس ہزار آدمیوں کے سوا آٹھ ہاتھی بھی تھے۔ اس
کے سرپرست مہاراجگان پٹیالہ و جیند تھے انھیں کے کیمپ سے
جلوس نکلا اور چاندنی چوک ہوتا ہوا گرو تیغ بہادر کے سماد تک گیا۔
پہلے ہاتھی پر گرنتھ صاحب تھے۔ سماد پر پونہچ کر بادشاہ اور ملکہ کی
سلامتی کی دعا مانگی گئی اور ۹ ۱/۲ بجے گردوارے سے نکل کر چاندنی چوک
کے باقی ماندہ حصے کو طے کر کے قلعہ کے پاس کلکتہ دروازے پر
سوا دس بجے پونہچا اور نگمبود دروازے سے نکل کر جدید بیلہ روڈ
پر سے سلیم گڑھ میں داخل ہوا۔ شمن برج سے کوئی سو گز کے
فصل سے سارے جلوس ٹھیر گئے اور ہر جلوس میں سے سولہ سولہ نمایندے
نکل کر آگے بڑھے جہاں گورنران و لفٹنٹ گورنران اور دیگر والیانِ ریاست
ان کے منتظر کھڑے تھے۔ اس وقت پھر ہر ہر فرقہ اپنے مذہب و ملت
کے موافق دعائیں مصروف ہو گیا۔

بہرام شاہ وغیرہ ۱۲۴۰ء
ناصر الدین محمود ۱۲۴۶ء
غیاث الدین بلبن ۱۲۶۶ء
معز الدین کیقباد .... ۱۲۸۷ء تا ۱۲۹۰ء جون ۱۲۹۰ء
میں قتل کیا گیا۔

خاندان خلجی ۱۲۹۰-۱۳۲۰ء

جلال الدین فیروز شاہ خلجی
۶۸۹-۹۵ھ
۱۲۹۰-۹۵ء

شائستہ خاں ستر برس کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ اور جلال الدین کا لقب لیا۔ اِس میں شک نہیں کہ وہ بڑا جوانمرد اور سپاہی منش تھا لیکن ساتھ ہی اِس کے ضرورت سے زیادہ نرم تھا۔ اُس کی نرمی۔ رحم دلی۔ دشمنوں سے مراعات ؎

نکوئی با بداں کردن چنانست
کہ بد کردن بجائے نیک مرداں

کی مصداق تھی۔ نتیجہ اِس نرم پالیسی کا یہ ہوا کہ ملک میں چوطرف خودسری اور بدامنی بدرجۂ غایت پھیل گئی۔ گو اس کی نیک مزاجی۔ فروتنی۔ کسر نفسی۔ خلق و مروت۔ ملنساری چشم پوشی۔ درگزر کی مورخین کتنی ہی تعریف کریں۔ لیکن بادشاہت کے لیئے نری نیکی ہی درکار نہیں ہے۔ بلکہ ؎

درشتی و نرمی بہم در بہ است
چو رگ زن کہ جراح و مرہم نہ است

نتیجہ یہ ہوا کہ ساری سلطنت میں انتشار۔ ڈھیل اور عام کمزوری پیدا ہو گئی۔ اس کے عہد میں پہلے تو ۱۲۹۱ء میں ایسا بڑا بھاری قحط پڑا کہ بھوک کی تاب نہ لاکر ہزاروں ہندو جمنا میں ڈوب مرے۔ جلال الدین نے ایک دفعہ ہلاکو کے پوتے نے حملہ کیا۔ جس میں ایک [illegible] کا مقابلہ [illegible] ہوا۔ جس طرح سے پہلے سے

مُسلمانوں کا ہندوستان فتح کرنا

سلطان محمد غوری (شہاب الدین الملقب بہ معز الدین)

اچھہ مقام علاقہ سندھ پر قبضہ کرلیا . . . . سنہ ۱۱۷۵-۷۶ء
گجرات کے راجہ سے شکست پائی . . . . سنہ ۱۱۷۸-۷۹ء
خسرو ملک لاہور کو معزول کیا . . . . . سنہ ۱۱۸۶ یا ۸۷ء
تاراین (ترادڑی) کی پہلی لڑائی . . . . . سنہ ۱۱۹۱ء
" " دوسری لڑائی . . . . . سنہ ۱۱۹۲ء
دلّی قنوج بنارس اور بہار کا فتح کرنا . . . . سنہ ۱۱۹۳-۹۶ء
بنگالے کی فتح . . . . . . سنہ ۱۱۹۹ یا ۱۲۰۰ء
انہلواڑے پر قبضہ . . . . سنہ ۱۱۹۶ء
کالنجر پر قبضہ . . سنہ ۱۲۰۳ء
سلطان شہاب الدین محمد غوری کی وفات . . سنہ ۱۲۰۶ء

سلاطین خاندان غلامان

قطب الدین ایبک . سنہ ۱۲۰۶ء
آرام شاہ سنہ ۱۲۱۰ء
التمش سنہ ۱۲۱۱ء
رکن الدین و رضیہ سلطانہ سنہ ۱۲۳۶ء

حکایت صفحہ (فرشتہ) سر تاجداراں بخاک افگند　تن سرکشاں در مغاک افگند
براں رو درین عالم بے وفا　بہ بستند دل اہل ملکِ ولا
سر از تاج شاہی و گردن کشی　کشیدند با صدر صفا و خوشی
بہ امیدار عالم خاک شان　بہ سیے رو و ر ان افلاک شان ۱۲۰

بادشاہ بنانے پر اتفاق کرلیا ہے۔ اس تحریر کو لے کر وہ رات کے وقت کیخسرو کے پاس پہنچا اور اُس کو صلاح دی کہ موقع نازک ہے۔ بہتر اسی میں ہے کہ تم اپنی جان بچا کر بھاگو۔ کیخسرو خالی الذہن ڈر گیا۔ اور اُسی امیر نے اُسے شہر سے باہر کردیا اور جھٹ کیقباد کے پاس پہنچا اُس سے اپنی کارگزاری کا اظہار کیا کہ میں یہ چال چلا ہوں اور پھر اُسی کی بادشاہت کا اعلان کردیا۔ اس میں شک نہیں کہ کیقباد میں بہت سی اچھی باتیں تھیں۔ اس کی تعلیم وتربیت بہت عمدگی اور اہتمام سے کی گئی تھی۔ مذاق علمی خوب رکھتا تھا لیکن بادشاہ ہوتے ہی کایا پلٹ ہوگئی سے۔ گردولت برسی مست نہ گردی مردی۔ عیش وآرام لہو ولعب میں پھنس کر امور سلطنت کی طرف سے بالکل بے پروائی کرنے لگا۔ ہمایوں کے مقبرے کے پاس کلوکھڑی کے محل میں دل لگی کے مصاحبین کو لے جاکر مزے اُڑانے لگا۔ سلطنت میں کیا ہورہا ہے جس سے بادشاہ عیش وآرام میں ایسا محو تھا۔ کہ کبھی اپنی اہم ذمہ داریوں کا خیال تک بھی پاس پھٹکنے نہ دیتا تھا۔ مغل تاک میں لگے ہوئے تھے اس سے بہتر کیا موقع مل سکتا تھا۔ چڑھ آئے۔ مگر اقبال یاور تھا۔ پس پا ہوئے۔ بادشاہ کو مغلوں کی اس حرکت پر غصہ آیا تو اپنی فوج میں جتنے مغل تھے سب کو مروادیا اور اُس زمانے میں فوج میں زیادہ تر مغل ہی مغل تھے۔ کیقباد کا باپ بغرا خاں بنگال کا وائسرائے تھا۔ آخر باپ تھا۔ یہ طوفان بے تمیزی دیکھ کر بہت ناراض ہوا بیٹے کو بہت سمجھایا۔ امیر خسرو فرماتے ہیں۔ سے

شاید بادشاہ راست بود | نہ درعشق وہوس پیوست بود
خطا باشد کہ باشد پاسباں مست | بودستہ پاسباں خلق پیوست
شاں چوں شد خراب از بادۂ ناب | رمہ در معدۂ گرگاں کند خواب
در آئینے کہ رسم ملک داری است | ثبات کارہا در ہوشیاری است

کچھ روز باپ کے کہنے سنے کا اثر بھی رہا۔ اور در اسنبھل گیا لیکن وہاں کیا تھا سے

مگر بخت خوابیدہ بیدار نیست
دگر ہیچ چیں کار دشوار نیست

شاہزادہ سلطان محمد خاں کی جواں مرگی

غرض یہ کہ مغلوں نے چین نہ لینے دیا اور بڑی شورش مچا رکھی تھی۔ اور ہر سال اُن کی مداخلت بڑھتی ہی جاتی تھی۔ ناچار مغلوں کی روک تھام اور مدافعت کے لیئے بلبن نے اپنے بڑے بیٹے **شاہزادہ سلطان محمد خاں** کو بھیجا جو ایک ہونہار ذی علم نوجوان اور حضرت امیر خسرو مشہور شاعر کا بڑا یار غار تھا۔ افسوس کہ شاہزادہ اِس معرکے میں کام آیا۔ بادشاہ اِس وقت اسّی کے پیٹے میں تھا۔ جوان بیٹے کی موت نے بڈھے باپ کی کمر توڑ دی ؎

تو عزم سفر کردی و رفتی ز بر ما
بستی کمر خویش و شکستی کمر ما

بادشاہ کی وفات

سنہ ۶۸۶ھ
۱۲۸۷ء

بائیس سال کی سلطنت کے بعد بادشاہ نے سنہ ۶۸۶ھ میں انتقال کیا۔ اِس کا مقبرہ نہایت ردی حالت میں **قطب صاحب** میں **جمالی مسجد** کے پاس ہے۔

کیقباد

سنہ ۶۸۶-۸۹ھ
۱۲۸۷-۹۰ء

بلبن نے کیخسرو اپنے پوتے کو جو شاہزادہ سلطان محمد خاں کا بیٹا تھا۔ اپنی جانشینی کے لیئے منتخب کیا تھا۔ لیکن سازشوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ بجائے کیخسرو کے بلبن کا ایک دوسرا پوتا **کیقباد جو بغرا خاں** کا بیٹا تھا تخت پر بٹھایا گیا۔ ایک بڑے امیر کو کیخسرو سے مخالفت تھی۔ اور یہ اِسی کی چال کا نتیجہ تھا کہ کیخسرو محروم رہا۔ اور آخر کو کیقباد نے اُسے مروا بھی ڈالا۔ اِس امیر نے دیگر امرا کی طرف سے اِس مضمون کی ایک جعلی تحریر بنائی کہ امرا نے کیقباد کے

ؔ بغرا خان بلبن کا بیٹا تھا۔ باپ کی وفات کے وقت یہ بنگالے کا حاکم تھا۔ باپ کے مرنے پر اِس نے کان تک نہ ہلایا اور حصول تخت کی مطلق کوشش نہ کی۔ بلکہ بنگالے ہی میں آرام و چین سے صبر شکر کرتا بیٹھا رہا۔ اِس نے ملک بنگالے پر مسلسل چالیس سال حکمرانی کرکے وفات پائی۔ کیقباد کے بعد بغرا خاں کی وفات تک دہلی پر یکے بعد دیگرے چھ بادشاہ ہوئے۔ ۱۲

مغل کہلاتی تھی۔ تاریخ ہند میں مغل کا اطلاق صرف اُن مسلمان ترکوں پر ہوتا ہے۔ جن کا آغاز بابر اور اُس کی نسل سے ہے۔ ترکوں اور مغلوں کے آپس میں شادی بیاہ ہوتے تھے۔ اور بابر خود باپ کی طرف سے ترک تھا۔ اور ماں کی طرف سے مغل۔ ترک لوگ گورے چٹے قوی اور صورت شکل میں یورپیوں سے ملتے جلتے ہیں۔

مغلوں کی یورش

ایک نوجوان مغل سردار جس کا نام **تموجن** تھا ۱۱۶۲ء میں پیدا ہوا تھا۔ اُس نے بتدریج **ایشیا** کی صحرائی اقوام میں عروج حاصل کیا اور **چنگیز خاں** کے نام سے اُن کا بادشاہ ہو گیا۔ منگولیا۔ شمالی چین۔ ترکستان کو مفتوح کر کے ایسے وحشی گروہ کے ساتھ خوارزم (خیوا) بخارا۔ سمرقند۔ مرو وغیرہ پر گرا اور لاکھوں آدمیوں کو قتل کیا۔ پھر اِس قاتل فاتح اور اِس کے سرداروں نے **افغانستان** کا رُخ کیا۔ **غزنی** میں جو کچھ بچ رہا تھا۔ اُسے لوٹ لاٹ کر غارت کیا **ہرات** کو تباہ کیا۔ حتیٰ کہ **پشاور** پر بھی قبضہ کر لیا۔ خوارزم کا بادشاہ **جلال الدین** چنگیز خان کے ڈر سے بھاگ کر دریائے **سندھ** کے کنارے پر آکر ٹکا۔ لیکن وہاں بھی اُس کا پیچھا نہ چھوڑا شکست دی۔ وہاں سے جان بچا کر وہ **دہلی** آیا۔ یہاں بادشاہ نے (۱۲۲۱-۲۲ء) اُس کو اپنی پناہ میں لیا۔ چنگیز خاں ہندوستان و آسام ہوتا ہوا منگولیا۔ واپس چلے جانے کا ارادہ کر رہا تھا۔ چنانچہ سلطان شمس الدین التمش سے اجازت بھی طلب کی۔ لیکن ہندوستان کی خوش نصیبی تھی۔ کہ وہ خود بخود اِس ارادے سے باز رہا۔ اور ہندوستان اُس لوٹ مار کی مصائب سے بال بال بچ گیا۔ جو کہ وسط ایشیا میں نازل ہو چکی تھیں۔ اور جن کے دھکے سے آج تک بھی وہ ملک پنپ نہیں سکا۔ غرض یہ کہ مغلوں کے حملوں کا تانتا لگا ہی ہوا تھا۔ اور دلی کو ہمیشہ یہی فکر دامن گیر رہتی تھی۔ کہ آئے دن کی بلا سے کیوں کر نجات ملے۔ مغلوں کا دباؤ بھی اِس بلا کا ہوتا تھا۔ کہ پناہ بخدا۔ مغرب کی طرف بھی یہ لوگ دریائے نیپر (Dnieper) تک پھیل گئے تھے۔

قلع قمع کیا۔ ۶۶۶ھ میں میواتیوں کی خوب خبر لی جو دِلّی کے جنوب رُخ پر آن جمے تھے۔ اور راتوں کو آکر لوٹ مار کرتے تھے۔ جس سے لوگوں کا ناک میں دم آگیا تھا۔ ہزاروں ہی میواتی مارے گئے۔ اور اُن کی ایسی بیخ کنی کی کہ پھر ڈھونڈے سے میواتی نہ ملتا تھا۔ جو اکّا دُکّا بچ رہا تھا۔ اُسے مسلمان کرلیا۔ چنانچہ آج تک بھی وہ مسلمان چلے آتے ہیں۔ وزارت ہی میں اُس نے پرانی دلّی میں **لعل محل** بنوایا تھا۔ ایک دوسری روایت یہ ہے کہ یہ محل حضرت نظام الدین اولیاء کی درگاہ کے پاس قلعۂ **مرزغن** کے اندر تھا۔ یہ قلعہ بھی بلبن ہی کا بنایا ہوا تھا۔ اور اسے ہی **غیاث پور** بھی کہتے تھے یہ بادشاہ علم کا بڑا قدردان تھا۔ فارسی انشا پردازی کا شایق اور سب سے زیادہ **امیر خسرو** کا قدردان تھا۔

مغل کون تھے مغل یا منگول کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس زمانے کے ہندو جو اور ملکوں کی [illegible] بہت کم واقفیت رکھتے تھے۔ یہ سمجھتے تھے۔ کہ اُن ہی کا پہلا بادشاہ **بابر** وسط ایشیا کے ملک **منگولیا** سے آیا ہے۔ مگر درحقیقت وہ ترکستان سے آیا تھا۔ جو منگولیا کے مغرب میں واقع ہے اور وہ ترک تھا۔ نہ کہ مغل مگر چونکہ وہ [illegible] مغل کہلاتے رہے ہیں۔ اب بھی یہی نام کتب میں مروج ہے۔ **چنگیز خانی** گروہ کی خانہ بدوش لٹیری قوم

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ۔

بلبن

محمد شہید — کیخسرو

ناصرالدین محمد بغرا خاں ۶۸۱-۶۹۱ھ

معزالدین کیقباد بادشاہ دہلی

رکن الدین کیکاؤس شاہ بنگالہ ۶۹۱-۷۰۲ھ

شمس الدین فیروز شاہ شاہ بنگالہ ۷۰۲-۷۲۲ھ

شہاب الدین بغرا شاہ

ناصرالدین شاہ بنگالہ

غیاث الدین بہادر شاہ بنگالہ

سلوک کرتا تھا۔ اُس کے بیش قرار اور معقول وظیفے ہر ایک کی شان اور حیثیت کے لایق مقرر کر دیئے تھے۔ اول تو بادشاہ اور پھر مزاج میں نفاست اور تکلف بڑی کرّوفر اور شان وشوکت سے رہتا تھا۔ اور اُس کا دربار دیکھنے کے قابل تھا۔ یہ ایک بڑی بات تھی کہ اُس زمانے کے امرا میں جو معائب تھے اُن میں سے ایک عیب بھی اِس بادشاہ میں نہ تھا۔ شکار کا بڑا شوقین تھا فوج کو بہت آراستہ رکھتا تھا۔ اور ہمیشہ اُن کو لیس اور طیار اور کسی نہ کسی کام میں لگائے رکھتا تھا۔ اور شکار کو جب نکلتا تو فوج کو بھی ساتھ رکھتا۔ دشمن ہمیشہ اُس کی فوج سے خائف رہتے تھے۔ مگر یہ اندرونی بلوؤں اور مغلوں کے حملوں کا انسداد نہ کرسکا لیکن اپنی اور اپنے بیٹوں کی حسن تدبیر اور مستعدی کی بدولت ہمیشہ ان کی سرکوبی بھی خوب کی۔ جب وزیر تھا جب ہی ہندوؤں سے بُردل تھا۔ بادشاہ ہونے کے بعد ہنود سے اور زیادہ متنفر ہو گیا۔ یوں تو اس کے زمانے میں کئی شورشیں اور بلوے ہوئے۔ اور سب کو اس نے فرو کیا لیکن **طغرل خاں** گورنر **بنگالہ** کا بلوہ بہت خطرناک تھا۔ اُس کے مقابلے پر خود گیا اور اِس سفر کے میں بڑی خوں ریزی کرنی پڑی۔ طغرل خاں کو بلبن نے قتل کیا اور اپنے بیٹے **بغرا خاں** کو بنگالے کا گورنر مقرر کیا جب کہیں جاکر یہ مہم سر ہوئی۔ بلوؤں کے علاوہ جس کا اُس نے سختی سے

ـــه ضیاء برنی نے اور تاریخ فرشتہ میں لکھا ہو کہ یہ ناصرالدین بغرا سلطان غیاث الدین تغلق کے زمانے تک بنگال میں حکومت کرتا رہا۔ لیکن بادشاہان دہلی کا تابع رہا۔ سلطان غیاث الدین تغلق نے اُس کو چتر اور دورباش رکھنے کا حکم دیا لیکن یہ غلط ہی۔ فرشتہ وضیاء برنی ودیگر مورخوں نے سلطان ناصرالدین ناصرالدین بغرا اور اُس کی اولاد کا مفصل اور صحیح حال نہیں لکھا لیکن ابن بطوطہ نے جو نام دیئے ہیں اُن کی تائید سکّوں سے بھی ہوتی ہی۔ ذیل کے شجرہ سے بنگال کے کل بادشاہوں کے نام جو بلبن کی اولاد سے تھے معلوم ہوں گے یہ شجرہ حسب مسٹر ایڈورڈ طامس نے ابن بطوطہ کے سفرنامے اور سکّوں کی مدد سے بنایا ہی۔

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

لے پکڑ کر غلام بنا لیا تھا۔ اسی وجہ سے اُسے مغلوں سے دلی نفرت تھی۔ التمش نے سو غلاموں کی ٹکڑی خریدی تھی۔ اُس میں یہ بھی آ گیا۔ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ بلبن بہت کریہ منظر تھا۔ اِس لیئے التمش نے لینے سے انکار کیا۔ بلبن نے خود دل کڑا کر کے پوچھا "پھر آخر آپ نے اتنے بہت سے غلام کس غرض سے لیئے ہیں۔؟" التمش مسکرایا اور کہا "اِس میں شک ہی کیا ہے کہ میں نے اپنے لیئے لیئے ہیں" تب بلبن نے کہا "اچھا تو پھر ایک سودا خدا کی راہ کا بھی سہی" اِس پر التمش نے بخوشی اسے بھی خرید لیا۔ بلبن آب خاصہ بردار رہا لیکن وہ چالیس غلاموں کی ایسی ایک ٹکڑی میں جا شامل ہوا جن میں باہم یہ عہد پیمان تھا۔ کہ مرتے دم تک ایک دوسرے کے مددگار رہیں گے۔ اس عہد وپیمان کا نباد ان لوگوں نے اس خوبی سے کیا کہ چالیسوں کے چالیس بڑے بڑے منصبوں پر جا پہنچے لیکن بلبن جب خود بادشاہ ہوا تو اُسے اس ترکی پارٹی کی طرف سے خدشہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ سر اُٹھائیں اور بادشاہت کے دعوے دار بن بیٹھیں اور میری اولاد کو محروم کر دیں اس خوف سے اُس نے اس پارٹی کے جتنے لوگ موجود تھے سب کو بلحاظ مصالح ملکی قتل کروا دیا۔ یہ ایک طاقتور اور زبردست حکمراں تھا سزادہی میں بہت سخت۔ زمانے بھر نے قتل میں کبھی پیچھے نہ ہٹتا تھا شروع شروع میں بڑا زور شور رہا لیکن پھر رحم و انصاف غالب آ گیا۔ اور بڑا محتاط ہو گیا غیر آدمیوں کو دخل نہیں دینے دیتا تھا۔ سوائے اپنے اعزہ اور اقربا کے مناصب جلیلہ پر کسی اور کو مامور نہ کرتا تھا۔ فیاضی اور دریا دلی میں اِس کا بڑا شہرہ تھا۔ چنانچہ پندرہ رؤسا اور شاہزادگان ملک ایشیا۔ جو مغلوں سے تنگ ہو کر اِس کی پناہ میں آ گئے تھے۔ اُن سے بہت عمدہ

سلطان غیاث الدین بلبن

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ ہ ستمائۃ (۶۶۴ھ) بیمار شد وچشم از عالم غواب وخیال پوشیدہ بملک باقی خراماں گردید ۱۲۔

۵۳ مصنف طبقات ناصری نے لکھا ہے کہ التمش اور بلبن دونوں فراختا کے شاہزادے تھے۔ جو چنگیز خان کے حملے کے وقت غلام بنائے گئے اور ماوراء النہر میں غلاموں کے طور پر بھیجے گئے ۱۲۔

چولھا نہیں جھونکا جاتا۔ لیکن بادشاہ نے اِس کی بھی اجازت نہ دی اور کہا کہ "بیگم اگرچہ میں بادشاہ ہوں۔ مگر دراصل ایک غریب آدمی ہوں۔ میں سلطنت کا روپیہ تو چھونے کا نہیں۔ اُس کا تو ایک ایک حبہ رعایا کی بہبودی میں صرف ہونا چاہیئے۔ رہی میری آمدنی وہ بہت تُلی ہے۔ اُس میں اتنی گنجائش کہاں کہ تمھارے آگے ایک ماما لگا دوں جیسے میں اپنے ہاتھ سے کام کاج اور محنت کرتا ہوں تم کو بھی کرنی چاہیئے۔ آخر غریب آدمیوں کی بیویاں کرتی ہیں یا نہیں۔ دنیا میں چند روز تکلیف اُٹھا لو تو تم کو خدائے پاک اجر دے گا۔ اور وہاں جہاں کہ ہم کو ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے۔ آرام ملے گا" علاوہ تقوے۔ پرہیزگاری۔ فیاضی داد و دہش خیرات و مبرات کے خوف خدا حد درجے غالب تھا۔ علمار و فضلار کا بڑا قدردان اور علم دوست تھا۔ **منہاج السراج** جرجانی کی قابل قدر کتاب **طبقات ناصری** اِسی کے عہد میں لکھی گئی۔ جمنا کے کنارے **کلوکھری** میں **قصر سفید** اسی بادشاہ نے بنوایا تھا۔ ۶۶۳ھ میں بادشاہ بیمار پڑا۔ اور ۱۱ جمادی الاولیٰ ۶۶۴ھ میں اُس نیک دل رعایا پرور۔ مرنج و مرنجاں بادشاہ نے دنیا سے رحلت کی اور کوئی اولاد نرینہ نہ چھوڑی۔ بلبن جو نام کا وزیر اور فی الاصل بادشاہ تھا۔ کیوں کہ سب کچھ وہی کرتا دھرتا تھا۔ اب سچ مچ کا بادشاہ بن گیا۔

غیاث الدین بلبن
۶۶۴-۸۶ھ
۱۲۶۶-۸۷ء

جس کا اصلی نام **الغ خاں** تھا بادشاہ ہوا۔ وزارت کے زمانے میں بھی سچ پوچھو تو یہی بادشاہ تھا۔ اب صرف نام کی تبدیلی ہوئی۔ وزیر سے بادشاہ کہلانے لگا۔ تخت نشینی کے وقت اِس کی عمر ساٹھ سال کی تھی مگر ہمت جوان تھی۔ وہ کام کرتا تھا۔ جو جوانوں سے نہ ہو سکتا تھا اِس کو معلوم

سلہ براہ جی آئی پی ریلوے دِلی سے سات میل نظام الدین سے اگلا سٹیشن ہے۔
سلہ ابن بطوطہ نے ستر برس بعد یہ لکھا ہے۔ کہ بلبن اپنے آقا ناصرالدین کو مار کر خود بادشاہ بن بیٹھا۔ یہ محض غلط ہے کیوں کہ کسی ہم عصر یا بعد کے مورخ نے یہ نہیں لکھا۔ بلکہ فرشتہ نے صاف لکھا ہے کہ وہ بیمار ہو کر مرا۔ بداؤنی لکھتا ہے کہ در سنہ اربع و ستین و

(بقیہ نوٹ برصفحہ آیندہ)

آیندہ دہلی ہی ہماری سلطنت ہند کی دارالسلطنت رہے گی اس کے متعلق اُن اگلی روایتوں اور خصوصیتوں کا خیال اس امر کی خواہش کے وقت کچھ کم نہیں کیا گیا کہ گورنمنٹ ہند کے شہر کے لیئے ایک مرکزی مقام مقرر ہو۔ اسی کے ساتھ میں اس امر کی شہادت دینا چاہتا ہوں کہ اس پچاس برس کے زمانے کے اندر جب سے دہلی صوبۂ پنجاب میں داخل کی گئی گورنمنٹ پنجاب نے کس عمدگی سے اس خوش نما شہر کو ترقی اور سرسبزی دینے میں اس کی تاریخی یادگاروں کو محفوظ رکھنے اور اسے پھر اس قابل بنانے کی کوشش کا کوئی طریقہ اُٹھا نہیں رکھا جس سے وہ اپنی اصلی حالت پر آجائے اور اُسے سلطنت ہندوستان کے صدر ہونے کا مجد و مرتبہ مثل سابق ہو سکے اس تبادلے کے سبب نظم ونسق کے متعلق بہت سی باتوں کا امتحان دوبارہ کرنے کی ضرورت ہوگی لیکن مجھے یقین ہے کہ یہ شہنشاہی شہر شہنشاہی گورنمنٹ سے اچھی طرح اس بات کی امید کر سکے گا کہ وہ اس کی قدیم یادگاروں کی خبرگیری کرنے اور بالی ترقی کا خیال و لحاظ رکھنے میں اس سے کم کوشش نہ کرے گی جو اس سے پہلے لوکل گورنمنٹ ایک صدر مقام ہونے کی حیثیت سے دہلی کے بارے میں کرتی آئی ہے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ یہ سلطنت جس کا دارالسلطنت اب دہلی قرار پایا ہے ہمیشہ امن و امان - بہبودی و ترقی - انصاف اور سرسبزی کی تائید کرتی رہے گی اور آپ کے شہر کے متعلق اس کی عظمت و شان کی جو باتیں مشہور ہیں اُن میں اور اضافہ کرے گی۔" اس کے بعد ڈیپوٹیشن کے ممبران نام بنام بارگاہ خسروی میں پیش کیئے گئے - اس روز سب ملا کر (۳۰) ایڈریس مختلف مقامات کے پیش ہوے جن میں سے صرف بمبئی مدراس اور کلکتہ کارپوریشن - دہلی میونسپلٹی - کے ایڈریسوں کے پیش کنندگان کو باریابی کا موقع ملا رہے باقی ایڈریس اُن کو بس شرف قبولیت کا اعزاز حاصل ہوا۔

مذہبی معابد میں دعائیں اور جلوس

تیرھویں دسمبر کا دن مختلف مذاہب کے لوگوں کے معابد میں ہز میجسٹیز کے لیئے دعاے درازی عمر وسلامتی اور باامن و کامیاب حکومت کے لیئے

اور پولٹیکل توڑ جوڑ کی بدولت وزارت کے بلند مرتبے پر پہنچا اور بادشاہ بھی اُس کی ایسی وقعت کرتا تھا۔ کہ اُس کا داماد بھی بن گیا تھا۔ اِس میں شک نہیں۔ کہ غیاث الدین نے اپنی بے نظیر قابلیت سے بہت سخت سخت معرکے سر کیے اور سلطنت اسلامی کو ایک مستحکم بنیاد پر قائم رکھا۔ بادشاہ درحقیقت انسان کے قالب میں ایک فرشتہ تھا۔ اُس کی پرائیوٹ لائیف بالکل فقیرانہ تھی۔ غایت درجے کا متقی اور پرہیزگار تھا۔ بیت المال کو ہاتھ نہ لگاتا تھا۔ قرآن شریف اور کتابیں لکھ کر گزران کرتا تھا۔ ایک دفعہ کوئی درباری بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور ایک قلمی کتاب بادشاہ کی لکھی ہوئی وہیں دھری تھی۔ اُٹھا کر دیکھنے لگا۔ اور کچھ سہو کتابت بتلائی۔ آپ نے قلم اُٹھا۔ جس طرح وہ کہتا تھا بنا دیا۔ لیکن جب وہ چلا گیا۔ تو اُس اصلاح کو چھیل ڈالا۔ کسی نے پوچھا۔ حضرت! یہ کیا بات ہوئی۔ بادشاہ نے فرمایا۔ دراصل کوئی غلطی نہ تھی۔ مگر جو شخص اتنی مہربانی کرے کہ میری غلطیوں پر مجھے مطلع کرے اُس کی دل شکنی کب روا ہے۔ اِس خیال سے میں نے اُس کے کہنے کے موافق بنا دیا کہ اُس کا دل چھوٹا نہ ہو مگر دراصل اصلاح کی ضرورت نہ تھی۔

اُس زمانے میں تقریباً سب بادشاہوں کی کئی کئی بیگمیں ہوا کرتی تھیں۔ لیکن ناصرالدین کی صرف ایک ہی بیگم **سلیمہ** تھی۔ وہ اُس کی پھوپی کی بیٹی تھی اور اِس کی طرح وہ بھی کئی سال نظر بند رہ چکی تھی۔ اِس کے ہاتھ تلے کوئی لونڈی باندی یا ماما نہ تھی۔ اِس واسطے بیگم کو علاوہ گھر کے کام دھندے کے کھانا بھی اپنے ہاتھ سے پکانا پڑتا۔ ایک دن روٹی پکاتے پکاتے اُس کا ہاتھ جل گیا اُس نے اپنے شوہر سے کہا کم سے کم ایک ماما تو رکھ دو کہ مجھ سے آئے دن۔

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ ۶۵ ترکی میں الغ کے معنی چھوٹے کے ہیں۔ الغ بڑے کو کہتے ہیں اُس زمانے میں الغ خاں امیر الامرا کے مساوی عہدہ تھا۔ ناصرالدین محمود کے وقت میں بلبن کا خطاب الغ خاں تھا۔ اور علاءالدین خلجی کے وقت میں اُس کا بھائی الغ خاں کہلاتا تھا۔ اور اپنے باپ کے وقت میں سلطان محمد تغلق کا خطاب الغ خاں تھا۔ قتلغ کے معنے منجھلے کے ہیں۔ سنجر کا خطاب الپ خاں تھا۔ ۱۲

کہ مغلوں کا بھی یہی حال ہوتا ہے۔ بادشاہ کا دربار قصر ہزار ستون[1] میں بڑے کروفر اور اہتمام سے سجایا گیا۔ بہت سے امراء اور خوارزمے اور دوسرے ممالک عراق و خراسان وغیرہ کے پچیس شاہزادے جو ظل عاطفت شاہی میں پناہ گزیں تھے۔ سب دربار میں حاضر تھے۔ **منہاج السراج** نے اس جشن کی تعریف میں یہ چند بیتیں لکھی ہیں:۔ ؎

زہے جشنے کہ از اطراف چوں خلد بریں گشتہ ٭ چہ بزمے کز اکناف عدن زار استیں کردہ
ز فرِّ ناصر الدین شاہ محمود بن التمش ٭ ملک ز دستِ دعا خواندہ فلک ہشتش زمیں گشتہ
سپہ ہستا ہے کہ در عالم رسیں فصل ربانی ٭ سرائے چتر شاہی لائق تخت و نگیں گشتہ
ز ترتیب و بہاد و رسم و آئیں نشاط او ٭ تو گوئی عرصۂ دہلی بہشت ہشتمیں گشتہ
مبارک باد بر اسلام ایں بزم ستہ عالم ٭ کز ایں ترتیب ہندستاں بسے خوش تر زمیں گشتہ

غیاث الدین بلبن کا اصل نام **الغ خاں**[2] تھا۔ جو اپنی قوتِ بازو۔ لیاقت وفاداری

تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ ۲ ۔ تحت خواہا سید مدو خید دختر یری پیکر را ماحلی و زیور در آں حا کو بد تا ایس او باشد و سر دا بہار امسوط ساختہ از نظر اغیار مخفی گردانید مدو ایں شیوہ تا زماں سلطان غازاں خاں در میاں ایشان مرعی بود۔ خواجہ نصیر الدین طوسی در تاریخ وفات او گفتہ ؎

چو ہلاکو بمراغہ زمستاں گہ ستد ٭ کرد تقدیر ازل نوبت او را آخر
سال ہجری ششصد و شصت و سہ شب یکشنبہ ٭ کہ شب نوزدہم بد ز ربیع الآخر

[1] سلطان ناصر الدین محمود نے رائے پتھورا کے قلعہ میں ایک محل ہوا ما شروع کیا تھا۔ جس کو غیاث الدین بلبن نے پورا کیا تھا۔ لیکن اسی نام کا اور ایک محل سلطان بن محمد تغلق نے بھی جہاں پناہ میں بنایا تھا۔ جس کی تعریف میں بدر چاچ کہتا ہے ؎

اگر نہ خلد بریں ست ایں ہزار ستوں ٭ چرا فضائے درش عرصہ گاہ روح حیات

آثار الصنادید میں سرسید لکھتے ہیں۔ کہ اس کے ستون سنگ خارا کے تھے لیکن اس پرانے قصر ہزار ستون کے ستون سنگ خارا کے ہوں گے۔ کیوں کہ ابن بطوطہ صاف لکھتا ہے کہ اس ہزار ستون واقع جہاں پناہ کے ستون لکڑی کے تھے ۔ ۱۲

(نوٹ نمبر ۲ کیلئے دیکھو صفحہ ۶۶) (بقیہ نوٹ برصفحہ آئندہ)

کو اِس خوش اسلوبی سے چلایا اور نظم ونسق کا سکہ بٹھایا۔ اُس کے ساتھ ایسا سلوک مراحم خسروانہ سے بعید ہی۔ یہ عرائض کچھ ایسے معقول طریقے پر ایک مؤدبانہ اور عاجزانہ لہجے میں لکھی گئی تھیں کہ بادشاہ کا دل بھی پسیج گیا اور بلبن پھر اُسی آب وتاب سے وزارت کرنے لگا۔ چنگیز خاں کے پوتے ہلاکو[1] خاں نے خلافت کو درہم برہم کرکے بغداد پر قبضہ کیا اور ربیع الاول ۶۵۸ھ کو ایک سفیر دہلی کے دربار میں بھیجا جس کی پیشوائی کے لیئے تین لاکھ سوار اور پیدلوں کی جمعیت دو ہزار زنجیر فیل۔ تین ہزار عرادہ آتش بازی آراستہ کرکے بھیجے گئے۔ جب سفیر شہر میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہی کہ چند ہندوؤں کی نعشیں بھُس بھری ہوئی شہر کے دروازے پر لٹکی ہوئی تھیں جو ایک اشارہ تھا۔ اُس طرف کے

سلطان ناصر الدین

[1] پسر تولی خاں ابن چنگیز خاں است در سنہ ۶۵۰ھ بپادشاہی ایران رسیدہ وملاحدہ اسمعلیہ را در سنہ ۶۵۴ھ مستاصل ونابود ساختہ قلعۂ الموت را از دست ایشان بدر آورد چناں کہ ازیں تاریخ مستفاد می گردد۔ ع

سال عرب چو شش صد وپنجاہ وچار شد ٭٭ یکشنبہ اولِ زمہ ذی قعدہ بام داد
خورشاہ بادشاہ سمعلیاں ز تخت ٭٭ برخاست وپیش تخت ہلاکو خاں شاد

در سنہ ۶۵۶ھ بغداد از آتش زدہ خلیفہ مستعصم باللہ کہ آخرین خلفائے عباسیہ است گرفتار ساختہ باچندیں ہزار باشندگان آں دیار طعمۂ تیغ بے دریغ ساخت۔ بعد از فتح بغداد وعراق گردن کشان آفاق از جملہ سلطان روم واتابک فارس وحاکم کرمان وبدر الدین لولوؤ والی موصل آں حدود بخدمت او باستحقاق شتافتند۔ آخر بعد از حکومت قریب سیزدہ سال در سنہ ۶۶۳ھ در مراغہ کہ مقر سلطنت او بود بشکار رفتہ بعد ازاں بحمام شتافتہ وبیمار شدہ ۱۹ ربیع الآخر سنہ مذکور درگذشت ودر پائے سوار دلق مدفون گردید بطریقیکہ رسم مغول است سروا بہا بجہت خوابگاہش ترتیب دادہ سر پیسے آں جا نہا دند وخان را باآں

کے زمانے میں بھی اپنی ذات پر شاہی خزانے کا ایک پیسہ خرچ نہ کرتا تھا غریب آدمیوں کی طرح رہتا اور جو کچھ درکار ہوتا کتابیں نقل کر کے کما لیتا چونکہ بڑا متقی اور پرہیزگار تھا۔ اُس نے اپنی طرف سے کوئی کوشش حصول سلطنت کی نہ کی اور گوشۂ تنہائی میں یادِ الٰہی میں مصروف رہا اور بادشاہ ہو جانے پر بھی اس نے امور سلطنت میں کوئی عملی حصّہ نہ لیا۔ بھلا ایسے پر آشوب زمانے میں ایسے نیک دل۔ صوفی منش۔ دین دارانہ خیالات کے آدمی کا کیا کام تھا محل شاہی کی بجائے کسی مسجد یا خانقاہ سے اسے زیادہ مناسبت تھی لیکن تقدیر سے اسے وزیر باتدبیر وفادار اور ایسا خان نثار ملا تھا کہ اُس زمانے میں ملنا ایک نعمت غیر مترقبہ تھی۔ بادشاہ نے سارا کار و بار سلطنت اپنے دانش مند وزیر **غیاث الدین بلبن** کے سپرد کر دیا اور خود برائے نام بادشاہ رہا یہ اس وزیر ہی کی غیر معمولی قابلیت تھی کہ سلطنت کا بار بیس برس تک اُٹھائے رہا اور اِس خوبی اور نیک نامی سے کام کیا کہ سلطنت دہلی کو چمکا دیا ساری سلطنت مستحکم اور سرسبز و شاداب رہی۔ اس عرصہ مدت میں جتنی مہمیں پیش آئیں اور جتنے حملے ہوئے سب اپنی عقل رسا اور حسن تدبیر سے فرو کیے۔ حدود سلطنت کی نئی فتوحات سے توسیع ہوئی۔ مغل جو اِس زمانے میں دریائے سندھ کے سارے علاقے پر قابض ہو گئے تھے۔ اُن کی یورشوں کا بھی سدّباب ہوا۔ اور چھوٹے موٹے امرا نے بھی مغلوں کی آئے دن کی لوٹ کھسوٹ سے تنگ آکر دلّی میں پناہ لی۔ چند ہندو راجاؤں نے علم بغاوت بلند کیا تھا۔ اُن کو بھی نیچا دکھایا۔ **گکھروں** نے بڑی اودھم مچا رکھی تھی۔ اُن کی بھی خوب سرکوبی کی۔ ایسے وزیر باتدبیر کے جو سیاہ و سفید کا مالک ہو جہاں نے شمار بہی خواہ ہوں گے تو سیکڑوں دشمن بھی ہوا چاہیں۔ ۱۲۵۲ء میں اُن لوگوں کی ریشہ دوانیوں سے مسند وزارت سے معزول ہوا۔ اُس کا معزول ہونا تھا کہ معاً ابتری اور بدنظمی کے آثار نمایاں ہوئے اور کسی کے سنبھالے ملک نہ سنبھلا۔ عاقبت اندیش امرا و حکام ملک نے بپیشگاہ حضوری میں عرائض کا ایک طومار باندھ دیا کہ ایسا وزیر کہ جس نے ساری عمر خیر خواہی اور وفاداری میں گزاری اور سلطنت

کو **علاء الدین مسعود شاہ** نے جو التمش کا پوتا اور **رکن الدین فیروز شاہ** کا بیٹا تھا۔ اُسے تخت سے اُتار ٦٣٩ھ ١٢٤١ء میں خود تخت پر بیٹھ گیا۔ رحمت بر بناش اول یہ حضرت بہرام شاہ سے بھی زیادہ عیش پسندی۔ آرام طلبی اور تن پروری میں ہاتھ دو ہاتھ بڑھے ہوئے تھے۔ گو اِس کی سلطنت بہرام شاہ سے کچھ زیادہ رہی یعنی کچھ اوپر چار سال تک حکم راں رہا۔ لیکن اطمینان نہیں ہوا مغلوں نے دو بار حملے کیے۔ لیکن پسپا کیے گئے۔ اس سے اور بھی بے فکری بڑھ گئی۔ یہ بادشاہ بڑا سخت گیر تھا۔ سارے امرار کا اس کے ظالمانہ سلوک سختیوں اور بے رحمیوں سے ناک میں دم تھا۔ تاب نہ لا سکے اور بھنّا اُٹھے اور اُس کے چچا **ناصر الدین محمود** کو بلوا بھیجا کہ اُس کے آ جانے سے بھی تو اِس ظالم کے ہاتھوں سے ہماری گلو خلاصی ہو گی۔ اُن لوگوں نے اُدھر تو علاء الدین کو بلوایا اور اِدھر ٢٦ر محرم ٦٤٤ھ ١٢٤٦ء کو مسعود شاہ کو قید میں ڈال دیا۔ جہاں وہ چند ہی دنوں میں مر گیا۔

ناصر الدین محمود اول ٦٤٤ھ ١٢٤٦ء

یہ نیا بادشاہ التمش کا سب سے چھوٹا بیٹا ہونے کے لحاظ سے مستحق سلطنت ضرور تھا۔ ابھی وہ بچہ ہی تھا کہ اُس کے ایک چچا نے جو رضیہ سے پہلے تخت پر بیٹھا تھا۔ نظر بند کر دیا تھا۔ چچا تحفے کے طور پر جو چیز اُس کے پاس بھیجتا۔ نہ لیتا۔ خواہ وہ کھانا ہو یا کپڑے کی قسم سے ہو وہ کہا کرتا تھا۔ کہ میں اپنی خوراک لباس اور۔ اور ضروریات کے لیے خود روپیہ کماؤں گا۔ اُس وقت ہندوستان میں چھپی ہوئی کتابیں نہ تھیں۔ ہر ایک کتاب ہاتھ سے لکھنی پڑتی تھی۔ اِس واسطے کتابیں بہت کم یاب تھیں۔ اور بڑی قیمت پاتی تھیں۔ **ناصر الدین** عربی اور فارسی کی کتابیں نقل کر کے اپنی روزی کماتا تھا۔ اِس کا خط بہت اچھا تھا۔ نظر بندی کے زمانے میں اپنا سارا وقت لکھنے پڑھنے میں صرف کرتا تھا اِسی طرح وہ بڑا عالم اور اپنے وقت کا خطاط بن گیا۔ آخر کار اِس کا ظالم چچا مر گیا امرائے دولت نے اُسے اُس مکان سے نکالا جہاں وہ کئی سال نظر بند رہا تھا۔ اور اُسے تخت پر بٹھا دیا۔ اُس نے بیس برس سلطنت کی۔ لیکن اپنی بادشاہت

قرآن مجید را می خواند وار بعضے علوم فی الجملہ نصیبے داشت در ماں پدر خود در مہمات ملکی دخل کردے و فرماں روائی بنمودے و سلطاں مانع نیامدے بلکہ درآں سال کہ از فتح گوالیار برگشت چند امرا را حاضر آوردہ او را ولی عہد گردانید" امرا نے ایک لڑکی کے ولی عہد کیئے جانے پر ناک بھوؤں چڑہائی تو بادشاہ نے فرمایا کہ "پسراں خود را بشرب خمر و اقسام مناہی و ہوا پرستی مبتلا می بینم ۔ رضیہ اگرچہ بصورت زن است اما بمعنی مرد است و در حقیقت بہتر از پسراں است" عشقی علام کے معاملے کو بھی فرشتہ نے بے اصل بتلایا ہی وہ کہتا ہی کہ "عارفاں دور اندیش دانند کہ ایں باد و بار از کدام صحرا برخاست و گل دولت رضیہ مرضیہ را کدامی تند باد از بیخ برکند آرے علام حبشی را با میرالامرائی دہلی چہ نسبت و مردوداں حبشی را بہ پیشوائی چناں ملکۂ تاجدار چہ کار؟"

معزالدین بہرام شاہ
۶۳۷-۳۹ھ
۱۲۳۹-۴۱ع

رضیہ کی جگہ اُس کا بھائی **معزالدین بہرام شاہ** روز دوشنبہ ۲۸ رمضان ۶۳۷ھ/۱۲۳۹ع کو تخت پر بیٹھا۔ جس کی نااہلیت کی نسبت پہلے سلطان التمش اظہار رائے کر چکا تھا۔ جتنی رضیہ دانشمند اور مستعد تھی۔ اُتنا ہی یہ کم عقل اور تن آسان تھا۔ اُس نے اُن سارے امرا کو چن چن کر مروایا جو اس کو کھٹکتے تھے بمغلوں نے لاہور پر قبضہ کر لیا تھا۔ اُن کے استیصال کے لیئے اس نے لشکرکشی کی لیکن اِس مہم میں سخت ناکامیابی رہی۔ آخرکار اُمرا نے کھُلم کھلا بغاوت کی اور بادشاہ کو قید کر لیا۔ جس کا انجام کار یہ ہوا کہ ۸ ذی قعدہ ۶۳۹ھ/۱۲۴۱ع کو قتل بھی کیا گیا۔ جو موضع **ملک پور** میں اپنے دوسرے بھائیوں کے پہلو میں دفن ہی۔ اس کی مدت سلطنت دو برس سے کچھ ہی اوپر تھی۔ ؎

بر رواں و بر دست ارادت مکس درار کالودہ کرد ہمہ بر ہر ایں پیالہ را

علاءالدین مسعود شاہ
۶۳۹-۴۴ھ
۱۲۴۱-۴۶ع

سلطان التمش کا داماد **ملک اعزالدین بلبن**۔ عارضی طور پر تخت پر بیٹھا تھا۔ لیکن تاج پوشی ہی کی تمام

غیر دانشمندانہ نہ تھا۔ اول تو یہ شخص بڑا ذی مرتبت امیر اور زبردست تھا اس سے شادی کر لینے سے پہلے تو یہی بڑا دشمن قابو میں آجاتا تھا۔ اور پھر کیا عجب تھا کہ اس کی مدد سے دوسرے سرکش اشرار دب جاتے اور معاملہ روبراہ ہو جاتا۔ یہاں تو یہ گزری وہاں کی سنیئے کہ دہلی میں امرا نے اس کے بھائی **معز الدین بہرام شاہ** کو تخت پر بٹھا دیا۔ رضیہ کا خیال درست نکلا ملک التونیہ رضیہ کی طرف سے خوب لڑا لیکن ستارہ گردش میں تھا۔ دونوں گرفتار ہو گئے اور ۲۵ ربیع الاول سنہ ۶۳۷ھ کو کچھ اوپر تین سال کی سلطنت کے بعد دونوں کو قصبہ **کیتھل** نواح دہلی میں (۲۴ نومبر سنہ ۱۲۳۹ء) تلوار کے ایک ہی گھاٹ اتار دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ انہیں معز الدین بہرام کے سامنے لائی گئی اور بھائی نے بہن کو قتل کروایا۔ ؎

خونِ آزردہ دلاں را زپیِ ملک مریز　　　که ترا نیز ہماں جرعہ لباغر ریزند

رضیہ گو عورت تھی مگر اپنے مردانہ کاموں کی وجہ سے سلطانہ نہیں سلطان ہی کہلاتی تھی۔ یہ درحقیقت ایک بڑی ذی مرتبت بادشاہ گزری ہے۔ جو بڑی زیرک فراست [illegible] شمشیر زن قدر دانِ علماء و فضلا۔ انصاف رساں۔ رعایا پرور۔ فن حرب کی چال گھاتوں کی ماہر خلاصہ یہ کہ جتنی صفتیں ایک بادشاہ میں ہونی چاہئیں۔ وہ سب اُس میں اللہ تعالیٰ نے روز ازل سے ودیعت کی تھیں۔ لیکن چوں کہ تقدیر نے اُسے صنفِ ضعیف کے زمرے میں پیدا کیا تھا۔ تو اُن صفات کو لے کر بھی کیا فائدہ تھا۔ وہ لاکھ لائق تھی تو ہوا کرے۔ اس زبردست کلیۂ مفروضہ کا کیا جواب ہو سکتا ہے کہ "عورتیں ناقصات العقل ہوتی ہیں۔ ہم کو عورت کی تاج داری منظور نہیں ہیں مرد بادشاہ چاہیئے خواہ وہ کیسا ہی ہو"۔ تعجب ہے کہ دربار کے بڑے بڑے امراء نے اِس بات کا ذرا بھی لحاظ نہ رکھا کہ رضیہ نے کیسے انصاف اور کس خوش اسلوبی کے ساتھ سلطنت کی تھی۔ بلاشبہ اُنھیں اس پر رحم کرنا چاہیئے تھا۔ چوں کہ وہ عورت ذات تھی اور جائز طور پر اُن کی ملکہ۔ لیکن اُن متکبر اور سنگ دل لوگوں نے اِس غریب بیگم اور اس کے خاوند کو مار ڈالا۔ فرشتہ نے لکھا ہے کہ "سلطانہ رضیہ بجمیع صفا تیکہ بادشاہاں را باید مزین و محلّٰی بود......

بے عیب ذات خدا کی۔ رضیہ کی ساری باتیں اچھی تھیں۔ مگر ایک ہی جگہ پانی مرتا تھا کہ وہ جمال الدین یاقوت میر آخور[سلہ] ایک حبشی غلام پر بے انتہا مہربان تھی اور اُسے اتنا بڑھایا کہ امیر الامراء کے مرتبہ کو پونہچا دیا یہ حالت دیکھ کر دوسرے امراء بدگمانی کرنے لگے۔ اور بددل ہو گئے۔ اُن کو کسی طرح یہ بات گوارا نہ تھی کہ ایک حبشی غلام اُن سے یہ سبقت لے جائے۔ اور رضیہ کی ناک کا بال ہو جائے۔ مارسڈن صاحب لکھتے ہیں کہ "رضیہ نے اب خیال کیا کہ شادی کرنے کا موقع آگیا۔ اس لیئے اُس نے ایک بہادر اور شکیل سردار یاقوت کو پسند کیا جو سوار فوج کا کمان افسر تھا۔ اگرچہ ہر طرح سے ایسی بیوی کا شوہر بننے کے قابل تھا۔ مگر ترک نہیں تھا۔ بلکہ ایک حبشی یعنی ابی سینیا کا باشندہ تھا اور خود بھی کسی وقت غلام رہ چکا تھا۔ متبرک ترک امراء اس بات پر اپنی ملکہ سے خفا ہو گئے کہ ملکہ نے ہم میں سے کسی کو کیوں پسند نہ کیا۔ پس اُنھوں نے بغاوت کر دی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۲۳۹ع میں دو طرف سے آگ بھڑکی نائب السلطنت لاہور اور ملک اختیار الدین التونیہ بھٹنڈے کا حاکم جو سب سے بڑا مشہور امیر تھا۔ دونوں نے سر اُٹھایا۔ رضیہ نے یاقوت کو لے کر خود اُس پر چڑھائی کی۔ مگر کرتی کیا کہ اس کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے۔ خود اس کے لشکر میں پھوٹ پڑی ہوئی تھی۔ اور وہ اُس کے کہنے میں نہ تھا حبشی غلام اِس معرکے میں کام آیا۔ اور ملکہ بیچاری ملک التونیہ کے ہاتھ میں پھنس گئی۔ لیکن بہادر سردار اس حسین عورت کے مصائب سے اتنا متاثر ہوا کہ اُس نے رہا کر دیا۔ اور یہ بھی کہا کہ میں تمہارا ساتھ دوں گا۔ اور تمہارے باغی سرداروں سے لڑوں گا۔ اور اِس سے شادی کی درخواست بھی کی۔ رضیہ نے اِس ہمدردی اور عنایت کا شکریہ ادا کیا اور چوں کہ وہ اعلیٰ پایئے کے امراء میں سے تھا اور ہر طرح اُس کی جوڑ تھا۔ اُس نے بھی اُس کی سب تحریریں مان لیں اور شادی ہو گئی" رضیہ کا یہ کام کوئی

سلہ اُس امیر کو کہتے تھے جس کے سپرد شاہی اصطبل ہوتا تھا۔ یہ بہت بڑا عہدہ سمجھا جاتا تھا۔ آخر بیگ بھی اُسی عہدے کا نام تھا۔ ۱۲

تھی۔ سلطنت کے ہر ایک صیغہ کی جانب یکساں توجہ رکھتی تھی۔ اور ہر ایک سے ضابطہ اور قانون کی پابندی کراتی اور عادل اور قابل ملکہ کی طرح حکومت کرتی۔ فرشتہ نے بھی لکھا ہے "سلطان رضیہ از پردۂ بیروں آمدہ و لباس مرداں پوشیدہ قبا در بر و کلاہ بر سر بار عالم دادہ بر تخت می نشست" یہاں تک کہ سکّے پر بھی "السلطان الاعظم رضیۃ الدنیا والدین" مردانہ ہی نام مسکوک تھا۔ اس میں شک نہیں کہ نورجہاں بھی بڑی زبردست پایہ کی ملکہ تھی لیکن اُس کی چمک صرف جہانگیر کی شان و شوکت کی شعاعوں کا عکس تھا۔ کیوں کہ خود جہانگیر عدل و انصاف کا ایک پتلا تھا۔ علاوہ اِس کے رضیہ کو جو زمانہ ملا وہ اور ہی طرح کا غیر مطمئن دَور تھا۔ ایسے گڑبڑ وقت میں ایک بہت بڑے زبردست مرد کی ضرورت تھی۔ عورت ذات اس خانہ جنگیوں۔ اور سر پھٹول کی کیا روک تھام کر سکتی تھی جو اُس زمانے کے امرا میں تھی۔ جس وقت وہ تخت پر بیٹھی وزرا اور مفصلات کے جاگیردار اور امرا سب اُس کے خلاف تھے۔ سچ پوچھیے تو رضیہ ہی کا دل گردہ تھا کہ وہ اس سخت طوفان سے اپنی کشتی کو سنبھالے رہی

سلطانہ رضیہ

اور اِتنے دنوں بھی سلطنت چلائے گئی۔ دو سال تک تو اُس نے بڑے سلیقے سے بادشاہت کی۔ تھی تو وہ عورت مگر ہمت اور جواں مردی میں مردوں پر بھی سبقت لے گئی۔ اور ایک زبردست حکومت کر گئی دربار میں مردانے لباس میں وہ برابر نکلتی ہی تھی۔ مگر جھول پر بھی وہ بہ نفس نفیس جایا کرتی تھی۔ اونہیوں بھی جہاں ضرورت پڑتی وہ کسی بات میں بند نہ تھی۔ وہ بڑی بہادر۔ جری۔ دلیر اور دانش مند تھی۔ اُس کی قوت انتظامی اعلیٰ درجے کی تھی۔ اور ہر طرح وہ ایک بلند پایہ بادشاہت کے لیئے موزوں تھی اور یہ ایک خداداد بات تھی۔ ؎

این سعادت بزور بازو نیست　　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

وہ جانتا تھا کہ اُسے بہت دنوں تک باہر رہنا پڑے گا۔ اور اس اثناء میں امور سلطنت کی سرانجام دہی کے لیئے کسی اور کو نامزد کرنا ضرور ہی۔ چنانچہ اُس نے اپنی عارضی جانشینی کے لیئے رضیہ کو منتخب کیا کہ ہر طرح اوروں کی نسبت وہی اُس اہم ذمہ داری کے لیئے موزوں تر تھی۔ مگر بڑے بڑے امراء اس انتخاب سے خوش نہ تھے۔ وہ ایک عورت کے تابع فرماں رہنا گو کہ وہ کیسی ہی لایق ہو۔ اپنی کسرشان سمجھتے تھے۔ اِس لیئے اُنھوں نے درخواست کی کہ رضیہ کی جگہ کسی شاہزادے کا تقرر کیوں نہیں کیا جاتا۔ بادشاہ نے سب امرار کو جمع کیا اور رضیہ کو تخت پر بٹھلا کر کہا "ای میرے وفادار دوستو تمھیں معلوم رہنا چاہیئے کہ بادشاہت کا بوجھ میرے بیٹوں کے بس کا نہیں۔ کیوں کہ وہ سب عیش و عشرت کے بندے ہیں۔ یہ میں نے مانا کہ رضیہ عورت ذات ہی۔ مگر اُس نے مردوں کا دل ودماغ پایا ہی۔ اور وہ بیس بیٹوں سے بھی بہتر ہے"۔ التمش چھہ برس تک باہر رہا اور اس تمام عرصہ مدت میں رضیہ نے نہایت خوش اسلوبی اور دانائی سے حکومت کی۔ اس نے خداوند کریم سے بخشوع وخضوع دعا کی کہ "ای پاک پروردگار تو سارے بادشاہوں کا بادشاہ ہی اور حقیقی اور ابدی سلطنت بس تیری ہی۔ میں تیری ایک ناچیز لونڈی ہوں تو میری رہنمائی کر اور مجھے ایسی دانائی اور مستقل مزاجی دے کہ میں سلطنت کی اِس اہم ذمہ داری کا بوجھ اُٹھانے کے قابل ثابت ہوں" پھر اُس نے ملک میں اس عمدگی سے حکمرانی کی اور ایسی منصف مزاج اور لائق نکلی کہ اس کے بھائی بھی بہن کا لوہا مان گئے اور کہنے لگے کہ ہمارے باپ نے ہم کو چھوڑ کر جو ہماری بہن کو اپنا قائم مقام کیا واقعی بڑی دانشمندی کا کام کیا۔ جب التمش واپس آیا تو اُس نے سلطنت اپنے باپ کے حوالے کی اور خود ایک جاں نثار اور فرماں بردار لڑکی کی طرح حرم سرا میں رہنے لگی۔

مسلمانوں کی تاریخ میں رضیہ ہی کی ایک مثال ہی جو عورتوں میں بالذات والصفات بادشاہ ہوئی۔ وہ مردانہ لباس پہنتی تھی اور بہر روز تخت پر بیٹھتی تھی۔ اِس کے چہرے پر نقاب نہیں ہوتا تھا۔ ملکی کام کاج کیا کرتی تھی۔ اور اس کی سواری کا ہاتھی سب امرا سے آگے رہتا تھا۔ وہ سب استعانے خود سنتی اور ہر مقدمے میں پورا پورا انصاف کرتی

اور پانی کے انکاس کا معقول انتظام کر دیا گیا اور جہاں ایک جنگلی دلدل واقع تھی وہاں ایک وسیع رمنہ بن گیا۔ مجھے سچے دل سے یقین ہی کہ یہ سبق زیادہ عام طریقے سے سمجھ لیئے جائیں گے اور ان سے فائدہ حاصل کیا جائے گا تاکہ میری ہندوستانی رعایا کی تن درستی کی حالت اس سے بہتر رہ سکے اور مزید حفاظت ہو جائے۔ طاعون۔ ملیریا۔ بخار اور ہیضے کی خوفناک بلاؤں کی حفاظت کی تدبیر خود باشندگانِ ملک اور اُن کے لیڈروں کی کارروائی پر موقوف ہی جن میں حکام کو بھی سائنٹیفک طریقے کی کوششوں سے اعانت کرنی چاہیئے۔ علمی تحقیقات اور لوکل حالتوں کے دریافت کرنے سے کہ ان امراض کے پیدا ہونے کا سبب کیا ہی؟ اس بارے میں بہت کچھ ترقی ہو چکی ہی لیکن ابھی بہت سا کرنے کو باقی ہی۔ سب سے بڑھ کر عوام الناس کی تعلیم کی ضرورت ہی تاکہ اُنھیں سکھا دیا جائے کہ اپنی حفاظت و بہبودی کے لیئے ابتدائی اصول حفظانِ صحت اور گھروں کی صفائی کے بارے میں اُنھیں کیا کیا سمجھنا اور کیا کیا تدابیر عمل میں لانا چاہیئے۔ میں خوشی سے اس بات کی راہ دیکھتا تھا کہ آپ کے اس قدیم اور مشہور شہر کے دیکھنے کا مجھے پھر موقع ملے اور یہ وہ شہر ہی جیسا کہ آپ کے ایڈریس میں بیان کیا گیا ہی کہ یہ ملک کی تاریخ کے ایک ایک یادگاری واقعہ کا منظر رہا بلکہ اور بہت سے واقعات اس میں ایسے بھی گزرے جنھیں میرے خاندان اور تاج سے قریبی تعلق ہی اور آیندہ اس سے ہمارے تعلقات کے رشتے اور بھی زیادہ قریب ہو جائیں گے۔ آپ کے شہر کی اگلی روایات میں ایک خاص طور کی فریفتگی پائی جاتی ہی۔ قدیم زمانوں کے خاندانوں کی یادگاریں ہر ہر جگہ پیش نظر آتی ہیں اور وہ عالی شان محل سرائیں اور معابد جو مدتوں سے اب تک زمانے کے غارت گر ہاتھوں کا مقابلہ کرتے آئے ہیں ایک شان دار اور پرشکوہ زمانۂ گزشتہ کی یاد دلا رہے ہیں۔ حال میں میں نے اس فیصلے کا اعلان کیا ہی کہ اس وقت سے لے کر

تکملۂ صحیفۂ گزشتہ۔ میں زمین آسمان کے قلابے ملا سکوں ہم پرانی روش کے لوگوں کا تو اوڑھنا بچھونا لے دے کے ایک مذہب ہی ہی جو اندھے کی لکڑی ہی۔ خدا اسی پر خاتمہ بخیر کرے۔ آمین یا رب المصنف ۱۲

اِس تھوڑے سے عرصے میں بھی اُنھوں نے سلطنت کا سارا کار و بار اپنی ماں **شاہ ترخان** کے سر ڈال آپ مزے اُڑانے لگے۔ یہ ایک ترکی کنیز تھی جس کے دل میں کینہ اور کپٹ کے سوا سلطنت چلانے کی کچھ بھی قابلیت نہ تھی۔ اس نے سوتیا ڈاہ پھیلائی۔ اور چُن چُن کر سوتیلوں کو مروا دیا۔ بادشاہ سلامت کی سمجھ کو اور کچھ تو نہ سوجھا۔ سوجھا تو یہ کہ اپنے چھوٹے سوتیلے بھائی **قطب الدین** کو جو رضیہ کا سگا بھائی تھا ناحق مروا ڈالا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہر کہ و مہ وضیع و شریف رکن الدین سے سب بُردل ہو کر نفرت کرنے لگے۔ آخر کار رکن الدین صاحب نہ صرف معزول کیے گئے۔ بلکہ اپنی والدہ صاحبہ کے ساتھ جنھوں نے ایک اودھم مچا رکھی تھی قید کیے گئے رکن الدین تو قید میں سڑ سڑ کے ۶۳۴ھ میں مرگیا اور موضع **ملک پور** میں جو دِلّی کے مغرب میں ہے۔ دفن کیا گیا۔ اور رعایا برایا نے بڑی کرّ و فر سے رکن الدین کی بہن **رضیہ بیگم** کو اپنا بادشاہ تسلیم کیا۔

رضیہ سلطانہ ۶۳۴-۶۳۷ھ

رضیہ ہندوستان کی پہلی قیصرہ تھی سلطان کا خطاب عموماً مسلمان بادشاہوں کو دیا جاتا ہے۔ لیکن یہ مشہور روزگار بیگم تھی سلطان ہی کہلاتی تھی۔ اور صرف یہی ایک عورت تھی جس نے سلطنت دہلی پر حکومت کی۔ التمش کے کئی لڑکے اور لڑکیاں تھیں۔ مگر باپ کو سب سے زیادہ پیاری رضیہ ہی تھی۔ جو کچھ عورتیں سیکھا کرتی ہیں وہ تو وہ جانتی ہی تھی لیکن مردوں کے علم و ہنر بھی اِسے سکھائے گئے تھے۔ اِس نے بالکل ایک شہزادے کی طرح تعلیم و تربیت پائی تھی۔ سلطنت کے سب معاملات سے واقف تھی۔ اور خوب لکھ پڑھ سکتی تھی۔ گھوڑے کی سواری کرتی تھی۔ اور اپنے بھائیوں کی طرح تلوار کمان کا استعمال بخوبی کر سکتی تھی۔

رضیہ نہایت خوب صورت تھی۔ چنانچہ اُس زمانے کا ایک مصنف لکھتا ہے کہ اِس کا حسن اِس درجے کا تھا کہ آناج کو بالوں میں لپکا دیتا تھا۔ وہ غور و فکر کی عادی تھی کتابیں پڑھنے اور مطالعے کی شائق تھی۔ سب پر رحم و مروت کرتی اور اِس کا باپ اور سارے درباری اِسے بہت عزیز رکھتے تھے۔ وہ ابھی چھوٹی ہی تھی کہ التمش کو ایک بڑی فوج لے کر جنوب کی جانب راجپوتوں کے ساتھ لڑنے کی خاطر دہلی چھوڑنی پڑی

کر کے اور مصلیٰ بچھا کر سارا کھڑا ہو گیا۔ حوض شمسی۔ سلطان شمس الدین التمش کا بنایا ہوا ہے۔ کسی زمانے میں یہ حوض تمام سنگ سرخ کا بنا ہوا تھا۔ اب ساری سنگ اکھڑ گئی اس تالاب کا پانی ایک حصہ بنا کر فیروز شاہ تغلق آباد لے گیا تھا۔ اب بھی یہ تالاب نام سے سیکھتے ہیں ہے۔ فیروز شاہ نے فتوحات فیروز شاہی میں لکھا ہے کہ اس نے اس حوض میں درآمد آب کے ذرائع کھلوائے تھے جو زمینداروں نے بند کر دیئے تھے اسی حوض کے کنارے پر شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا مقبرہ ہے۔ جو ایک بڑا پر لطف مقام ہے۔ حوض خاص کو سر سید نے آثار الصنادید میں فیروز شاہ کا بنایا ہوا لکھا ہے۔ یہ غلطی سید صاحب کو کتبے سے واقع ہوئی ہے۔ لیکن فتوحات فیروزی سے معلوم ہوتا ہے کہ فیروز شاہ نے فقط اس حوض کو صاف کرا کے اس کی مرمت کرائی تھی۔ یہ حوض دراصل سلطان علاء الدین خلجی کا بنایا ہوا ہے۔ فیروز شاہ کا مقبرہ بھی اسی تالاب پر ہے سدیع منزل بھی اسی حوض پر واقع ہے۔ یہ حوض قطب صاحب کے رستے پر ہے۔

رکن الدین فیروز شاہ
۶۳۳ھ
۱۲۳۶ء

سلطان شمس الدین نے تین بیٹے اور ایک بیٹی چھوڑی۔ شمس الدین اپنے بیٹوں کی نااہلیت سے بخوبی واقف تھا۔ اور ہمیشہ رضیہ کو لڑکوں پر ترجیح دیتا تھا اور کھلے حروف کہا کرتا تھا۔ کہ بادشاہت کے قابل تو بس یہ ہے۔ مگر تکمیل ضابطہ کے طور پر رکن الدین کو ولی عہد کر چکا تھا۔ بادشاہ کی وفات کے بعد معاً رضیہ کو تعویق دینا بہت مشکل تھا۔ لہذا رکن الدین ہی تخت پر بیٹھا۔ چونکہ شخصی حکومت تھی سلطنت کا نظم و نسق۔ امن و امان۔ اطاعت و فرمانبرداری سب بادشاہ کی ذاتی لیاقت اور رعب و داب پر موقوف تھی۔ اگر بادشاہ دم دار ہوا تو سب کان جھکا دیتے تھے۔ لیکن اگر بادشاہ نرم ہوا تو بس جھگڑے فساد۔ لوٹ مار۔ بغض و عناد بغاوت۔ جنگ و جدال۔ غرض یہ کہ دنیا بھر کی بدنظمی اور آفتوں کا سامنا ہوتا تھا۔ یہ صاحب ٹھیرے۔ اور اول درجے کے عیش پسند۔ تماش بین۔ ضعیف الحرکات انھوں نے تخت پر چڑھتے ہی پاؤں نکالے کہ بیاہ کہ آخر کار کہ کرد کہ بیاقت سات ہی مہینے میں بہن نے تخت سے اتار دیا

ملکہ لوٹ صفحہ گزشتہ کہ کوس ہے۔ یہ اسے شہر کے کھنڈر ایک میل کے فاصلے پر شمال میں بنے ہیں

حوض شمسی اور حوض خاص

اِن حوضوں کا ذکر حصۂ دوم میں اپنی اپنی جگہ آچکا ہی - لیکن ابن بطوطہ کے سفرنامے سے اِن تالابوں کے حالات پر مزید روشنی پڑتی ہی - لہذا وہ یہاں نقل کیئے جاسکتے ہیں:-

اِس حوض میں برسات کا پانی جمع ہوتا ہی - جو لوگ پیتے ہیں - اِس کا طول دو میل اور عرض ایک میل کے قریب ہی - اِس کے غرب میں عیدگاہ کی طرف سنگ بست گھاٹ چبوتروں کی شکل کے اُوپر تلے بنے ہوئے ہیں - چبوتروں سے لب آب تک سیڑھیوں کا سلسلہ ہی - اور ہر چبوترے کے کونے پر برج بنا ہوا ہی - جس میں بیٹھ کر تماشائی سیر کرتے ہیں - اور حوض کے بیچوں بیچ بھی منقش پتھروں کا دو منزلہ برج بنا ہوا ہی - جب تالاب میں پانی زیادہ ہوتا ہی - تو لوگ کشتیوں میں بیٹھ کر اس برج تک پہنچتے ہیں - اور جو پانی تھوڑا ہوتا ہی - تو یونہیں آتے جاتے رہتے ہیں - اِس کے اندر ایک مسجد بھی بنی ہوئی ہی - جس میں اکثر زاہد اور متوکل رہا کرتے ہیں - جب پانی اتر جاتا ہی - تو کناروں پر فالیز بو دیتے ہیں - خربوزہ گو چھوٹا ہوتا ہی مگر بہت شیریں ہوتا ہی - دہلی اور دارالخلافہ کے درمیان ایک اور حوض بھی ہی جو **حوض خاص** کہلاتا ہی - یہ حوض شمسی سے بھی بڑا ہی - جس کے کنارے کنارے کوئی چالیس برج ہیں اور اِس کے گرد اہل طرب (ارباب نشاط) رہتے ہیں - اِس سبب سے **طرب آباد** کہلاتا ہی - یہاں اہل طرب کا ایک بازار ہی - جو بہت بڑا ہی - اور اُس میں ایک جامع مسجد بھی ہی - اور سوا اِس کے اور مسجدیں بھی ہیں - کہتے ہیں کہ گانے بجانے والی عورتیں جو اِس محلے میں رہتی ہیں - رمضان شریف میں تراویح کی نماز پڑھتی ہیں - اور جماعت بھی ہوتی ہی - اور اُن کے امام مقرر ہیں - اِس قسم کی عورتیں تعداد میں بہت ہیں - اور ڈوم ڈھاڑی بھی بہت ہیں اور میں نے (ابن بطوطہ نے) امیر سیف الدین غدا ابن مہنی کی شادی میں دیکھا کہ جوں ہی اذان ہوئی ہر ایک ڈوم وضو

تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ کہ اِس کو پھر دہلی کی سلطنت میں شامل کرلیا - ۱۶۵۸ء میں اورنگ زیب اور داراشکوہ کی لڑائی اِسی شہر کے نواح میں ہوئی - ۱۷۹۲ء میں ہولکر نے شہر کو جلادیا - ۱۸۱۰ء تک یہ شہر سیندھیا کا دارالخلافہ رہا اُس کے بعد گوالیار کا پایۂ تخت مقرر ہوا - اِس شہر سے ہندو ہئیت داں طول بلد شمار کرتے تھے - اور محمد شاہ بادشاہ دہلی کے عہد میں راجہ جے سنگھ نے ایک رصد گاہ بھی بنوائی تھی - موجودہ شہر کا محیط چھ

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

اُس پر پڑ جائے - اور مظلوم الگ پہچانا جائے کیوں کہ لوگ بالعموم سفید کپڑے پہنا کرتے ہیں -

رات دن دربار شاہی کھُلا رہتا تھا - رات کے واسطے یہ صورت نکالی تھی کہ محل کے دروازے کے دونوں برجوں پر دو شیر سنگ مرمر کے اُن کے گلوں میں زنجیریں اور زنجیروں میں گھڑیاں ڈال کر بٹھا دیئے تھے - کہ جب کوئی دادخواہ زنجیر ہلائے معاً بادشاہ کو خبر ہو جائے اور فوراً اُس کے مقدمے کا فیصلہ کر دیتا لیکن اس سے بھی اُس کے دل کو تشفی نہ ہوتی تھی - اکثر کہا کرتا تھا - کہ خدا جانے خلق اللہ پر رات میں کیا کیا مظالم ہو جاتے ہیں - اور صبح ہوتے کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے اس لئے بلا توقف مدعیٔ فوراً متخاصمین کو بلا کر جب کا تب تصفیہ کر دیا کرتا تھا - اِس بادشاہ کو بزرگان دین کی خدمت میں بھی بڑی حسن عقیدت تھی - چنانچہ ہم نے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں ضمناً اِس کا ذکر کیا ہے -

وفات بادشاہ ملتان کی مہم پر گیا ہوا تھا - وہیں طبعیت جادۂ اعتدال سے منحرف ہوئی عماری میں بٹھا کر دلّی لائے یہاں پہنچ کر ۲۰ شعبان ۶۳۳ھ کو انتقال کیا اور اپنی بنائی ہوئی مسجد قوت الاسلام میں دفن ہوا ۱۲۳۶ء **تاریخ**

چو شش صدسی و سہ از سال ہجری | گزشت و بست روز از ماہ شعبان
شد سلطان شمس الدین التمش | بسوئے جنت الماوا خراماں

تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ

منیع جود و سخا اسکاٹ شمالا حقیر | گفت تاریخ بگو در فتح این گیر حصار
حسب ارشادش پئ تاریخ صورت فکر کرد | ہاتف از علیم بگفت ای سعد اللہ یار
در ہزار و معتصد و ہشتاد سال عیسوی | شد چنیں فتح عظیم از دست آں عالی تبار
گر تو پرسی سال ہجری راز من ای مہرباں | نہ ہزار و یک صد و تسعین بالایش چہار

۵۵ اُجّین دریائے سپرا پر واقع ہے - یہ شہر مالوے کا قدیم دارالخلافہ تھا - اب گوالیار کی ریاست میں داخل ہے - موجودہ آبادی پینتیس ہزار ہے - علاء الدین خلجی نے اِس شہر کو فتح کیا - ۱۳۰۵ء سے ۱۵۳۱ء تک مالوے کے بادشاہ خودسر رہے - بہادر شاہ بادشاہ گجرات نے مالوے کو فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا ۱۵۷۱ء میں اکبر بادشاہ نے

(بقیہ نوٹ برصفحۂ آئندہ)

اُس لئے بہت سختی سے حکم دیا تھا کہ خبردار کسی پر رتی بھر ظلم نہ ہونے پائے۔ اگر کسی پر ظلم ہو تو وہ رنگین کپڑے پہن کر پھرے تاکہ چلتے پھرتے بادشاہ کی نظر

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ۔ شاید کچھ ارادہ اُن بتوں کے بنانے سے جیمل اور فتا کی توقیر یا تذلیل اور اپنی عظمت کی نمائش ہوتی یا دونوں۔ ابوالفضل نے آئین اکبری میں لکھا ہے کہ "گیتی خداوند قلعہ از سنگ سرخ برساخت کہ جہاں دیدگان ہمتائے او نگزارند۔۔۔۔ بدروازہ باختر دو فیل سنگین باپیل بانان بس نیکو تراشیدہ اند" حقیقت یہ ہے کہ گوالیار کی تقلید سے ہاتھیوں کا بنانا محض شان و شوکت کے سبب سے مقصود تھا۔ ہاتھی کے ساتھ فیل بان بھی ضرور ہونے چاہئیں۔ ابوالفضل صاف لکھتا ہے کہ یہ بت فیل بانوں کے تھے۔ ممکن ہے کہ برنیئر کے وقت ہی چوں کہ جیمل اور فتا کا واقعہ تازہ تھا۔ عوام ان بتوں کو فتا اور جیمل کے بت کہنے لگے اور برنیئر کا ماخذ بھی دانش مند معلوم نہیں بلکہ یہی عوام لوگ ہیں۔ سید محمد غوث گوالیاری کے مرشد شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی تھے۔ آپ کا وصال ۱۴ رمضان ۹۷۰ھ میں ہوا۔ مخبر الواصلین میں یہ تاریخ لکھی ہے:۔

سید الاولیا محمد غوث	سند الاتقیا محمد غوث
مرشد چاردہ سلاسل اوست	ہمرہ راہ شیخ کامل اوست
جد عالی او بہ نیشاپور	نعمت و فیض داد رونق و نور
از سہ صوم بود چہاردہم	کہ گزشت از زمانہ غوث امم
سال نقلش ہنقمیہ رضوان	غوث سبے بوث زورقم برخوان

۱۵۰۶ ۵۳۶

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ سیحر پا ہم نے ۱۷۸۰ھ میں اس قلعہ کو فتح کیا تھا۔ اس کے متعلق مفتاح التواریخ میں حسب ذیل لکھا ہے "چون در ۱۷۸۰ء موافق استدعائے رانائے گوہد میجر پاپہم با دو ہزار جوانان کار آزمودہ برائے تسخیر قلعہ گوالیار کہ دراں ایام در قبضہ مردان مادہوجی سیندھیہ بود رفت برفاقت لفٹنٹ کمرن و کپتان بروس و دیگر صاحبان انگریز تاریخ ۴ اگست سنہ مذکور مطابق ۲ شعبان ۱۱۹۴ھ بود قلعہ را مفتوح ساختہ حوالہ مردمان رانائے گوہد نمود۔ منشی الہدیار بلگرامی حسب الایمائے کپتان اسکاٹ صاحب این تاریخ گفتہ۔

صبح جمعہ دوم شعبان چارم ماہ گست	میجر پاپہم نمودہ فتح حصن گوالیار
در رفاقت صاحبان کمرن و دیگر بروس	سعی و محنت ہر یکے کردند اندر کارزار

(بقیہ نوٹ برصفحہ آئندہ)

بادشاہ کے لیئے بڑی صعت محمود ہی۔ اس میں لوحہ اکمل موجود تھی اور بہر وقت معدلت گستری کا خیال پیش نظر رہتا تھا۔ نیک چلن۔ انصاف پرور اور بڑا عالم و فاضل تھا

بقیہ نوٹ صفحۂ گزشتہ کہ گورنمنٹ نے قبضہ کرلیا۔ ۱۸۴۳ء میں وہاں کی فوج بھی باغی ہوگئی تھی۔ لیکن اگلے سال پھر قلعہ فتح کیا گیا۔ اور لارڈ ڈفرن کے زمانے تک سرکار انگریزی کے قبضے میں رہا۔ اُسی سال ستہر جھانسی کے ساتھ اُس کا تبادلہ کرلیا گیا۔ اِس تبادلہ کرنے میں سرکار انگریزی نے مہاراجہ گوالیار پر بہت بڑی مہربانی کی ہی۔ چوں کہ گوالیار اور رہتمبھور کے قلعوں کا قبضہ راجپوتانہ اور مالوے میں ہمیشہ بادشاہان ہند کی طاقت کی علامت سمجھا گیا ہی۔ اور اِسی لیئے ہر ایک بادشاہ نے اِس قلعہ کو اپنے ہاتھ میں رکھنے کی کوشش کی ہی۔ گوالیار آگرے سے (۶۵) اور دہلی سے (۱۹۵) میل ہی۔ ہتیاپول دروازہ جس کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں بابر نے بھی اپنی ترک میں اِس کا تذکرہ کیا ہی۔ "در سمت ضلع شرقی او ہتیاپول ست۔ فیل را ہاتھی گویند دروازہ را پول۔ در سرآمد این دروازہ صورت یک فیلے را مجسم کردہ اند و بالائے او دو فیل بان ہم ساختہ لعینہ فیل را ماننا کردہ اند"۔ اسی ہاتھی کی نقل کے طور پر شہنشاہ اکبر نے جب قلعہ آگرہ طیار کیا تو اُس کے مغربی دروازے پر دو ہاتھی مع فیل بانوں کے طیار کرائے۔ اُن کو شاہ جہاں دہلی کے لال قلعے میں لے گیا۔ اور وہاں کھڑے کر دیئے تھے۔ عالم گیر نے اُن کو بُت پرستی کی علامت سمجھ کر اُس جگہ سے علیحدہ کروا دیا۔ ان ہاتھیوں کا برنیر نے اپنے سفرنامے میں ذکر کیا ہی۔ اور وہ ہاتھیوں کے فیل بانوں کو جیمل اور فتا کے بُت بتلاتا ہی اِس پر ٹاڈ صاحب مصنف راجستھان اور جنرل کننگھم نے طرح طرح کی باتیں بنائی ہیں اور بلا ضرورت اُس کو ایک حل طلب سوال بنا دیا ہی کہ اکبر نے کس منشا سے اپنے دشمنوں جیمل اور فتا کے بُت اپنے قلعے پر کھڑے کئے۔ کوئی کہتا ہی کہ اُس کا منشا یہ تھا کہ اُن کی بہادری کی قدر کرے۔ کوئی کہتا ہی۔ کہ اُن کو بطور درباں کے کھڑا کرنے سے اُن کی ذلت مقصود تھی۔ لیکن یہ سب باتیں بے جوڑ ہیں۔ برنیر کے سوا اور کوئی مصنف غیر ملک کا یا اِس ملک کا یہ نہیں لکھتا کہ ان ہاتھیوں پر جو دو بت تھے وہ جیمل اور فتا کے تھے۔ کننگھم صاحب لکھتے ہیں کہ برنیر کا تعلق دانش مندخاں سے تھا۔ ممکن ہی کہ اُس نے دانش مندخاں سے یہ بات سُنی ہو۔ لیکن یہ محض غلط قیاس ہی۔ کیوں کہ اگر اکبر جیمل اور فتا کے بت اُن ہاتھیوں پر بناتا تو ابوالفضل ضرور لکھتا خواہ اکبر کا

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

کی طرح اِس کی دارالسلطنت بھی رائے پتھورا ہی کے قلعے میں رہی - اِس نے قطب مینار جیسی بے نظیر عمارت کو بھی اپنے عہد میں پورا کرا دیا - عدل و انصاف رسانی جو ایک

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ ہے تو رنے قلعہ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی - لیکن سود مند نہ ہوئی - بکر ماجیت کا بیٹا رام سہائے چتوڑ میں رانا کا پناہ گزیں ہوا - چتوڑ کی فتح کے بعد اُس کے بیٹے سالباہن نے اکبر کی ملازمت اختیار کر لی تھی - اور گوالیار کا خبط چھوڑ دیا - مغلی گورنروں میں سے مظفر خاں خان جہاں و سید عالم اور معتمد خاں نے قلعے کی تعمیر اور مضبوط کرنے میں نہایت کوشش کی ہے - عالم گیری دروازے کے پاس جو خوش نما مسجد ہے وہ معتمد خاں کی بنوائی ہوئی ہے - کرنل سلیمن صاحب لکھتے ہیں کہ یہ مسجد ایسی خوبصورت بنی ہوئی ہے - کہ گویا اُس پر سے آنج معمار اُترے ہیں - ایک اور مسجد قلعہ کے وسط میں گولپا کے مندر کو توڑ کر معتمد خاں نے بنوائی تھی - اب اُس جگہ سیندھیا کا بالا حصار ہے - اِس مسجد کی تاریخ منشی ہیرا من نے اپنی تاریخ میں یہ درج کی ہے - سہ

در زمانِ خدیو عالم گیر	نور بخش جہاں چہ بدر منیر
للہ الحمد کیں خجستہ مقام	معتمد خاں ز صدق کرد تمام
بود بُت خانۂ گوالی زشت	مسجدے ساختہ چو کشک بہشت
خانِ روشن دل و سراپا نور	نور حق کرد روشنی چو ظہور
کرد مسمار خانۂ طاغوت	آفریں شد ز ملک تا بملوک
دَور چوں دُور کرد ظلمت دیر	گفت ہاتف کہ نور با دخیر

اِسی معتمد خاں نے قحط کے ایام میں عوام کی خبر گیری میں اعلیٰ درجے کی لیاقت دکھائی اور عالمگیری دروازہ اور باؤلی گڑھ کے پاس کچہری کا مکان بھی اُسی کا بنایا ہوا ہے - دروازے کی تاریخ یہ ہے :-

در زمانِ خجستہ عالم گیر	کہ ز فیضش زمانہ یافت مراد
معتمد خاں ز فطرت عالی	در دولت بروئے قلعہ کشاد
گفت ہاتف ز سال تاریخش	باد دایم مکان فیض آباد

سلطانِ مغلیہ کے زوال کے زمانے میں گوہد کے جاٹ رئیس نے ۱۱۹۸ھ قلعہ پر قبضہ کر لیا - لیکن ۱۷۸۴ء میں مادھوجی سیندھیا نے اُس سے یہ قلعہ چھین لیا - ۱۷۸۰ء سے اُس پر برٹش

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

اس بادشاہ نے محض جنگ اور فتوحات ہی کی بدولت نام نہیں پایا بلکہ اس نے امن و اماں قائم رکھنے اور کارہائے رفاہ عام میں بھی کافی حصہ لیا

قطب الدین ایبک {تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ} کو فتح کرلیا تھا لیکن اس پر پڑھار راجہ پھر قابض ہوگئے تھے ۱۲۳۲ء سے لے کر ۱۳۹۸ء تک یہ قلعہ مسلمان بادشاہوں کے قبضے میں رہا اور اکثر اس کو قید خانے کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ تیمور کے آنے سے کچھ دن پہلے اس قلعے کو تور خاندان کا ایک راجہ بیر سنگھ فریب کرکے دبا بیٹھا اور سید خضر خاں اور اس کے بیٹے کو خراج ادا کرتا رہا لیکن اس کے بعد جونپور اور مالوے کے مسلمان بادشاہوں کی رقابت کے سبب سے جن میں سے ہر ایک گوالیار پر قابض ہونا چاہتا تھا۔ یہ قلعہ بدستور ہندوؤں کے قبضے میں رہا۔ راجہ مان سنگھ نے خراج اور نذریں دے کر بہلول اور سکندر لودھی کو خوش رکھا۔ ابراہیم لودھی کا بھائی جلال خاں بغاوت کے بعد اپنے بھائی سے شکست کھا کر راجہ کے پاس پناہ گزیں ہوا۔ ابراہیم کو بہانہ درکار تھا۔ چوں کہ اس کا باپ اور دادا دونوں اس آرزو میں مرگئے تھے کہ کسی طرح گوالیر کے قلعے کو مسخر کریں۔ ابراہیم نے خان اعظم ہمایوں کے ماتحت تیس ہزار لشکر بھیجا۔ اس عرصہ میں مان سنگھ مرگیا اور اس کے بیٹے بکرماجیت نے ایک سال کے مقابلے کے بعد اطاعت منظور کی اور قلعہ کو حوالہ کرکے بادشاہی ملازمت اختیار کرلی۔ وہ پانی پت کی لڑائی میں ابراہیم کے ساتھ مارا گیا۔ پانی پت کی لڑائی کے بعد ہمایوں نے آگرے کی جانب کوچ کیا یہ قلعہ ان دنوں میں راجہ بکرماجیت کے سپرد تھا۔ مقابلے کے بعد بکرماجیت کی اولاد اور رانیوں نے کہیں نکل جانے کا بندوبست کیا۔ لیکن وہ سب گرفتار ہوگئے۔ ہمایوں نے ان کے ساتھ شریفانہ سلوک کیا۔ اور انھوں نے اس احسان کے شکریہ میں اس کو وہ مشہور ہیرا دیا جو وزن میں (۲۳) رتی تھا۔ اور جس کی بابت بعض مصنف یہ بیان کرتے ہیں کہ کوہ نور وہی ہے۔ یہ ہیرا پہلے سلطان علاؤ الدین خلجی مالوے کے بادشاہ کے پاس تھا معلوم ہوتا ہے کہ رانا کھمبو راجہ چتوڑ اور سلطان کی لڑائی کے وقت گوالیار کا راجہ رانا کا معاون ہوگا اور اس وقت یہ ہیرا اس کے ہاتھ آگیا ہوگا۔ بابر نے جو آ رحیم داد خاں۔ اپنے ایک افسر کو گوالیار کے قلعے کی تسخیر کے لیے بھیجا۔ اور اس نے آخر کار شیخ محمد غوث کی مدد سے قلعہ کو تاتار خاں کے قبضے سے لے لیا۔ اس کے بعد دودھ سکت رائے۔ ا ر رام سہائے

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

دروازے پر لگی ہوئی ہی - **رباعی**

ہر قلعہ لہ سلطان سلاطین بگرفت	از عون خدا و نصرت دیں بگرفت
آں قلعہ گوالیار و آں حصن حصیں	در ستہ ائمہ ستہ ثلاثین بگرفت

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ]۔ (۱۱) نوری ساگر معتمد خاں نورالدین نے سنہ ۱۶۸۷ء میں بنوایا مغرب کی جانب ڈھونڈھ دروازے کے مقابل قلعہ کی حد سے باہر نکلا ہوا - ایک قید خانہ ہی - جس میں شاہزادے مقید کیے جاتے تھے - اِس کو "نوچوکی" کہتے ہیں مسلمانی عمارتوں میں جہانگیر اور شاہ جہاں کے محل اور ایک نہایت خوشنما جامع مسجد جو عالمگیری دروازے کے متصل واقع ہی - اور خواجہ محمد غوث گوالیری اور تان سین کے مقبرے ہیں - گوالیر کی تین تاریخیں موجود ہیں - (۱) کھرگ رائے کھاٹ نے شاہجہاں کے شروع زمانے میں لکھی اور بادلی داس نے اُس کو سنہ ۱۶۹۶ء تک مکمل کیا - (۲) فضل علی نے شاہجہاں کے زمانے میں ایک تاریخ لکھی اور زیادہ تر اُس نے ایک برہمن گنشام کی تاریخ سے ترجمہ کیا ہی - (۳) ہیرامن ولد گردھرداس معتمد خاں کے منشی نے ایک مفصل تاریخ سنہ ۱۶۶۷ء کے قریب تحریر کی فضل علی کی تاریخ کے مطابق گوالیار کا قلعہ سمت ۳۳۲ بکرماجیتی میں بنایا گیا - روایت یہ چلی آتی ہی کہ اِس پہاڑی پر ایک رشی جس کا نام گوالیپا تھا - رہتا تھا - راجہ سورسین کچھواہیہ جذامی تھا - ایک روز شکار میں اُس کو پیاس لگی - اور وہ رشی کی مڑھ میں پانی پینے آیا - رشی نے اِس کو پانی دیا - جس کے پینے سے وہ اچھا ہوگیا - راجہ نے کہا کہ میں شکریہ میں کیا کروں تو رشی نے کہا کہ اِس پہاڑی پر ایک قلعہ بناؤ اور جس تالاب کا یہ پانی تھا اُس کو وسیع کرکے پختہ کردو - رشی نے یہ بھی کہا کہ آج سے تیرا نام سوہن پال ہی - اور تیری اولاد سے چوراسی راجہ راج کریں گے اور جب تک وہ اپنے نام میں پال لگاتے جائیں گے - راج اُن کے پاس رہے گا - کھرگ رائے کہتا ہی - چوراسیویں راجہ نے اپنا نام تیج کرن رکھ لیا کہتے ہیں کہ یہ راجہ سنہ ۱۱۳۲ء میں دیوسہ کو راجہ رنمل کی بیٹی کے ساتھ شادی کرنے گیا - اور قلعے میں اپنے بھانجے پرمل دیو پنوار کو چھوڑ گیا - تیج کرن کو وہاں ایک سال لگ گیا - اتنے میں بھانجے کے دل میں دغا آئی اور اُس نے قلعہ واپس دینے سے انکار کردیا - اور خود راجہ بن بیٹھا - التمش کے زمانے تک پنوار راجہ حکومت کرتے رہے - سنہ ۱۲۳۲ء میں التمش نے ایک سال کے محاصرے کے بعد اِس قلعے کو فتح کیا - اگرچہ اِس سے پہلے قطب الدین ایبک نے بھی قلعہ

(بقیہ نوٹ برصفحہ آئندہ)

ستم مجاہد و غازی کہ دست تیغ ترا   روان حیدر کرار می کند تحسین

قلعۂ گوالیار کی فتح کے متعلق ملک تاج الدین ریزہ دبیر مملکت نے یہ رباعی لکھی ہو جو قلعے کے
تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ) قلعہ کا حاکم رہا ہو۔ ہتھیا دروازے کے قریب ہی ایک ہاتھی پتھر کا بنا
ہوا ہو جو ہر لیکن اُس کا پیچھے کا کل دھڑ کسی نے کاٹ کر پشت کا سایہ بنا دیا ہو۔ گوالیار کا قلعہ نہایت
مضبوط اور ناقابل فتح سمجھا جاتا ہی۔ ابوریحان بیرونی بھی گوالیار اور کالنجر کے قلعوں کی بابت
لکھتا ہو کہ یہ دونوں تھوڑی سی خبرداری کرنے سے ایسے ہو سکتے ہیں کہ دشمن اُن پر غالب
نہیں ہو سکتا۔ لیکن محمود کے حملے کے وقت یہاں کے راجہ نے مقابلہ نہیں کیا۔ اور اطاعت
منظور کر لی تھی۔ شمس الدین التمش کے وقت راجہ نے مقابلہ کیا۔ ایک سال کے محاصرے
کے بعد یہ قلعہ فتح ہوا۔ اور پھر ابراہیم لودھی نے اُس کو دو سال کے محاصرے کے بعد لیا
مغرب کی طرف بعض مقام ایسے ہیں کہ وہاں سے ایک بہادر اور جری دشمن قلعہ کو زیادہ تر
آسانی سے فتح کر سکتا ہی۔ میجر پوپہم نے ۱۷۸۰ء اور جنرل وائیٹ نے ۱۸۰۴ء میں۔ اور
۱۸۵۸ء میں لفٹنٹ روز نے اس قلعہ کو فتح کیا ہی کالنجر کی بہ نسبت اس قلعہ میں پانی کا ذخیرہ
زیادہ تر کافی ہی۔ مغرب کی جانب ایک گھاٹی ہی جس کو مندر واہی الا کہتے ہیں اس میں آٹھ کنویں
اور نو باولیاں ہیں اُن کا پانی بہت شیریں اور صحت بخش ہی شمس الدین التمش نے ایک دیوار
بنا کر اُن کنوؤں اور باولیوں کو قلعے کے اندر لے لیا تھا۔ ان کے علاوہ قلعہ کے اندر اور چند
تالاب ہیں۔ اُن میں سب سے پرانا سورج کنڈ ہی۔ جو کہتے ہیں کہ ۲۷۵ء میں راجہ سورج
نے ایک سورج کے مندر کے ساتھ طیار کرایا تھا۔ (۲) ترکوسا تالاب شمالی گوشے میں
واقع ہی۔ (۳) جوہر تالاؤ شاہ جہاں کے محل کے مقابل واقع ہی۔ (۴) ساس بہو کا تلاؤ۔
یہ تالاب اب خشک پڑا ہی۔ کھرگ رائے بھاٹ نے اِس کا ذکر نہیں کیا۔ اور اس سے معلوم
ہوتا ہو کہ وہ غالباً دویتں صدی پرانا ہو (۵) مان سرور قلعہ کے مغرب میں واقع ہی۔ راجہ
مان سنگھ کا بنایا ہوا ہی۔ اس میں اب پانی نہیں ٹھیرتا (۶) رانی تال ۱۵۰۰ء میں راجہ مان سنگھ
کی رانی نے بنوایا تھا۔ اُس کے متصل چھیدی تالاب ہی۔ جو اُس رانی کی لونڈی نے بنایا تھا
فضل علی جو کھرگ رائے اور ہیرامن کی طرح گوالیار کا مورخ ہی۔ شاہجہاں کے وقت میں لکھتا
ہو کہ یہ تالاب خشک پڑا رہتا تھا۔ آخرکار اس کو ایک سُرنگ کے ذریعے سے رانی کے تالاب سے
ملا دیا گیا۔ (۷) گنگولہ تالاؤ۔ قلعے کے وسط میں واقع ہی (۸) کٹورا تالاؤ۔ (۹) اک کھمبہ تالاؤ (۱۰) دھوندو تالاؤ

(بقیہ نوٹ برصفحۂ آئندہ)

کاروبار زراعت کرتے ہیں لیکن وہ ہمیشہ صابر۔ محنتی اور ہنرمند پائے گئے ہیں
اس زمانے میں سائنس کے وسائل سے زراعت کے متعلق کام لیا جاتا ہے اور
تھوڑے ہی عرصے میں وہ بڑے بڑے نتائج ثابت کرکے دکھائے گئے ہیں
جو سائنس سے کام لے کر نہ صرف اصلاح اراضی بلکہ مویشیوں کے علاج اور
حشرات الارض کے تدارک کے متعلق بھی پیدا کیئے جا سکتے ہیں جو کاشتکاران
اراضی کے نہایت خوفناک دشمن ہیں۔ اگر کوآپریشن یعنی اعانت باہمی سے
کارروائی کرنے کا طریقہ جاری ہوسکا اور پورے طور پر اس سے کام لیا گیا
تو میں پیشین گوئی کرتا ہوں کہ آیندہ اس ملک کے زراعتی مقاصد کو عالی شان
طریقے کی ترقی ہوگی۔ ہمارے ورود کے لحاظ سے اپنے شہر کے خوش سواد
بنانے اور اُسے مناسب طور سے طیار کرنے کے متعلق جو کوششیں آپ نے
کامیابی کے ساتھ کی ہیں میں اُن کی بڑی قدر کرتا ہوں۔ اس کے ساتھ
مجھے معلوم ہے کہ گزشتہ بیس سال کے اندر آپ لوگوں نے حفظان صحت کی
جانب سے بے پروائی نہیں کی۔ بدررو کے متعلق جو ترقی برابر ہوتی گئی اُس
کے نہایت عمدہ نتائج پیدا ہوئے اور آب رسانی کی جو تعمیرات طیار کی گئیں گو
اُن پر بہت کچھ صرف ہوا لیکن یہ بات بخوبی تمام ثابت ہوگئی کہ وہ صرف بیکار
نہیں ہوا کیوں کہ اس کے سبب سے ہیضہ اور دوسرے وبائی امراض سے
نجات مل گئی اور خلاف معمول اس سال دہلی کو جو ملیریا بخار سے آزادی حاصل
رہی میرے نزدیک زیادہ تر اُس کا سبب یہی پایا جاتا ہے کہ بیلے کی صفائی کی گئی
تکملۂ نوٹ صفحۂ گزشتہ۔ (تو وہ اس کی متعلق پروا نہیں کرتے)۔ انسان کی ہستی
پھر ہزاروں طرح کی آفتیں ہیں بہت طرح کی بیماریاں جو اس کے جسم سے پیدا ہوتی ہیں
اور بہت طرح کی آفتیں اس پر باہر سے آسکتی ہیں آدمی کو چاہیئے کہ ہمہ وقت خدا کے غضب
سے ڈرتا اور پناہ مانگتا رہے۔ ہمارے لیئے آے دن کے وبائی امراض کیا کم تھے مرغی کو تکلے کا گھاؤ بھی
کافی ہے چہ جائے کہ پیٹ کی مار مزید براں ع سمند بار یہ اک اور تازیانہ ہوا۔ مگر روشنی والے شاید اس خیال
اختلاف کریں کہ امراض وبائی نتیجہ ہمارے اعمال کا ہے اور اس کو میری کم علمی اور تنگ خیالی پر
محمول کریں۔ مجھے اس امر کا اعتراف ہے کہ میرا مبلغ علم اور میری نظر ایسی وسیع نہیں ہے جو
(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)

کہ ای ملائکہ قدس آسماں ہارا بدیں بشارت بدید کلہ و آمین
کہ از بلادِ سوالک شہنشۂ اسلام کشادہ بارِ دگر قلعۂ سپہر آئین

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ ہر سرے پر ایک قطار منزلہ کمروں کی ہی۔ جن کے آگے شنین نکلے ہوئے ہیں۔ اور اس کے آگے ایک بہت بڑی قطار لداؤ حجروں کی ہی۔ جو پانی کے اندر تک چلے گئے ہیں۔ غرض یہ کہ سارے کا سارا محل بڑی شان دار وسیع اور مستحکم عمارت ہی۔ لیکن چوں کہ چاروں طرف سے جنگل جھاڑی میں گھر گیا ہی۔ اور جھاڑیاں پھوٹ پڑی ہیں۔ لہٰذا اس کی خوبصورتی بالکل ڈھنگ گئی ہی۔ یہاں اور بہت سی عمارتیں جو طرف پھیلی ہوئی ہیں بعض گنبد ٹکڑے ہوئے ہیں۔ مگر سب گرے پڑے اور ویران۔ مسٹر فرگسن لکھتے ہیں کہ اس ویرانے کو جو ایک وسیع غیر آباد جنگل میں ہی۔ دیکھ کر ایک عمدہ تصور مسلمان خاندانوں کی اُس سریع الزوال شان و شوکت کا جاگزیں ہوتا ہی۔ جس کا ثانی ہندوستان کے سوائے اور کہیں نہیں اور اگر اس کی صراحت اور تشریح کی جائے تو پوری طرح ثابت ہو جائے گا کہ اِن عمارات کے بانی مال مسالے کی اصلی حقیقت اور نوعیت اور فن تعمیر کے نکات سے ایک تعجب میں ڈال دینے والی واقفیت رکھتے تھے۔ ۱۲

۵۴ گوالیار کا قلعہ ایک چٹان پر واقع ہی۔ جو زمین سے تین سو فیٹ اونچی۔ پونے دو میل لمبی ہی۔ اور کہیں چھ سو فیٹ اور ایک جگہ ۲۸۰۰ چوڑی ہی۔ قلعے کی دیواریں ۳۰ سے ۳۵ فیٹ تک بلند ہیں۔ دیواروں کے نیچے پہاڑی کو اِس طرح تراشا ہی کہ نیچے سے اوپر تک ایک دیوار سی سمجھی جاہیے۔ قلعے کے شمال کی طرف نیچے پرانا شہر بستا ہی۔ اور جنوب کی طرف ایک میل کے فاصلے پر لشکر ہی۔ قلعہ پر چڑھنے کا راستہ مشرقی طرف ہی۔ پہلے سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ اب آدھ میل لمبی چکردار سڑک ہی۔ مشرق کی طرف آٹھ دروازے ہیں۔ (۱) عالمگیری دروازہ (۲) بادل گڑھ دروازہ۔ اِس دروازے پر کانسی کا ڈھلا ہوا۔ ایک بیل کھڑا تھا۔ جس کو ابراہیم لودھی ۱۵۱۸ء میں دہلی لے گیا تھا (۳) ہنڈولا دروازہ (۴) بھیروں دروازہ (۵) بینسور دروازہ (۶) گنیش دروازہ (۷) لچھمن دروازہ (۸) ہتیاپول دروازہ۔ یہ دروازہ مان سنگھ نے ۱۴۸۶ء لغایۃ ۱۵۱۶ء میں بنایا تھا۔ کننگھم صاحب لکھتے ہیں کہ ہاتھی جو یہاں تھا۔ مان سنگھ ہی نے بنایا ہوگا۔ لیکن ابن بطوطہ نے اُس کو مان سنگھ کے وقت سے بھی پہلے دیکھا تھا۔ معتمد خان کا منشی ہیرا من لکھتا ہی کہ یہ ہاتھی مظفر خاں نے بنایا تھا۔ جو ۱۶۲۸ء سے ۱۶۴۷ء تک اِس

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

کو تتر ادیا۔ ایسا مسلسل حفظاؤ نہ تھا جیسا ہمارے زمانے ۔ کسی اہلِ کمال نے ان فتوحات کی تہنیت میں یہ نظم کہی ہے ؎

خبر آں سماؤ دہر تیل آئیں　　　ز فتح نامۂ سلطانِ عہد شمس الدین

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ: تسخیر آں قلعہ رستمد و تاریخ سوم شوال سنہ مذکور آں قلعہ را کہ سلطان علاء الدین خلجی با ہمہ حشمت و جلال بعد از محاصرۂ یک سالہ از دست تقرف باز آں یافتہ بود بمیامن اقبال در یک ماہ مفتوح ساخت و مولیا ستیری این تاریخ یافت ؎

قلعۂ کفر جو ارد لت تہ یادت شکست
شہ کمار ستکل یافتہ ستیری سالش

۵۳ مئو کی چھاؤنی سے تیس میل پر سلطنت مالوے کا دار السلطنت ہے۔ شہر مانڈو کی بنا چوتھی صدی عیسوی میں پڑی لیکن اس شہر کا عروج دلاور خاں اور اس کے بیٹے ہوشنگ بادشاہان مالوہ کے عہد میں ۱۴۰۵ تا ۱۴۳۲ء تک رہا۔ یہ شہر ایک وسیع اور بلند مقام پر آباد ہے جس کے گرد تین سو سے چار سو گز چوڑا اور دو سو گز گہرا درہ ہے۔ شہر کے گرد (۲۸) میل کے دور میں فصیل ہے جو درے کے ساتھ ساتھ چلی ہوئی جاتی ہے۔ یہ قطعہ پانچ میل لمبا اور تین میل چوڑا ہے جس میں جانے کے لیے ایک شاندار پل بنا ہوا ہے۔ جس پر تین دروازے ہیں۔ سارے شہر میں سب سے عمدہ وسیع اور شاندار جامع مسجد ہے جو ہوشنگ کی بنوائی ہوئی ہے۔ صحن میں چاروں طرف گیارہ بڑے بڑے دروں کے دالان ہیں جن میں سنگِ سرخ کے ایک ہی پتھر میں تراشے ہوئے ستون لگے ہوئے ہیں۔ صدر دروازے کی طرف دو دالان ہیں جس کے محاذ میں پانچ دالان اور ہیں جن پر تین بڑے بھاری گنبد ۴۲ فٹ قطر کے ہیں۔ باقی دو ضلعوں میں تین تین دالان ہیں ہر چار ستونوں پر ایک چھوٹا گنبد ہے۔ مسجد کا طول و عرض ۲۷۵ × ۲۹۰ فٹ ہے۔ مسجد کے پیچھے ہی ہوشنگ کا ایک عالی شان مقبرہ اہرام کی طرز کا ہے۔ ایک جانب کو ایک شاندار دھرم سالہ نما بڑے دالان کا ۲۳۰ فٹ لمبا ہے جو غالباً جینیوں اور ہندوؤں کے مندروں کو توڑ کر ہوشنگ کے زمانے سے پہلے کا بنا ہوا ہے۔ یہاں کی قابل دید عمارت "جہاز محل" ہے جو دو تالابوں کے بیچ میں اس خوبی سے بنایا ہے کہ گویا سمندر میں جہاز تیر رہا ہے۔ اس کا صدر دالان لمبائی کا ۲۵ × ۷ فٹ عرض طول میں اور ۲۲ فٹ اونچا ہے۔ جس کو بڑے زبردست پشتیبان لگے ہوئے ہیں۔ اس ہال کے

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

پڑے۔ مختصر یہ کہ اقبال اس کو کہتے ہیں کہ اس فرزانہ و یگانہ روزگار بادشاہ نے ایک طرف تو کوہ ہمالیہ سے لے کر کوہ بندھیاچل تک اور دوسری طرف دریائے سندھ سے دریائے برہمپتر تک گویا کہ سارے ہندوستان

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ) ابو الفضل نے لکھا ہے کہ کسی زمانے میں اس شہر میں چودہ ہزار پتھر کے محل اور (۴۸۴) بازار اور (۳۶۰۰) سرائیں اور بارہ ہزار مسجدیں تھیں۔ اس تعداد میں بہت مبالغہ معلوم ہوتا ہے۔ سیر المتاخرین میں لکھا ہے کہ اس شہر میں ایک مندر اس قدر بڑا تھا کہ اس میں نقارہ بجاتے تھے تو اس کی آواز باہر نہیں نکلتی تھی۔ بابر کہتا ہے کہ میں نے اس قلعہ کو تین گھڑی میں فتح کر لیا تھا۔ یہ شہر سرکار انگریزی نے جھانسی کے عوض لے لیا تھا۔ ندربار۔ اب نندربار کہلاتا ہے ضلع خاندیس احاطہ بمبئی میں ایک تحصیل کا صدر مقام ہے۔ یہ شہر دریائے تاپتی کے جنوبی کنارے پر واقع ہے۔ آئین اکبری میں صوبۂ مالوہ میں ایک سرکار ندربار نام کی درج ہے۔ اور ایک شہر بھی ہے۔ یہ مالوے کی مغربی سرکار تھی۔

فرشتہ لکھتا ہے کہ جب ملک کافور دیول دیوی کے لینے کے لئے گیا۔ تو اس وقت اس نے سلطان پور اور ندربار دو شہر آباد کئے تھے۔ لیکن اب نندربار میں یہ روایت مشہور ہے کہ اس کو نند گاؤلی نے آباد کیا تھا اور نام سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہر قدیم زمانے کا ہے۔ موجودہ آبادی آٹھ سات ہزار سے زیادہ نہیں۔ لیکن کسی زمانے میں یہ بہت بڑا شہر اور تجارت گاہ تھا۔ سنہ ۱۶۶۶ء میں یہاں ایسٹ انڈیا کمپنی نے ایک تجارتی کوٹھی بھی کھولی تھی۔ جو بعد میں احمد آباد کو منتقل کر دی گئی۔ باجی راؤ پیشوا کی حکومت میں یہ شہر اجڑ گیا۔ اور جب سنہ ۱۸۱۸ء میں وہ سرکار انگریزی کے قبضے میں آیا تو تقریباً بے چراغ تھا چند پرانی مسجدیں۔ اور عمارات اب تک موجود ہیں)۔

۵۴ قلعہ رنتھنبور کے متعلق "مفتاح التواریخ" میں لکھا ہے۔ کہ چوں محمد اکبر شاہ سنہ ۹۷۱ھ در ماہ رمضان محاصرہ نمود و رائے سرجن امان طلبیدہ قلعہ را باولیائے دولت سپرد میر فراغتی برادر حکیم فتح اللہ شیرازی ایں تاریخ یافت ؎

چوں گل نصرت شگفت در چمن فتح شاہ

منتہی تاریخ گفت قلعہ گرفتند و اہ

چوں رائے سرجن بار دیگر سرکشی آغاز نہادہ بنا بر آں محمد اکبر شاہ باز در سنہ ۹۷۶ھ بارادہ

(بقیہ نوٹ بصفحہ آئندہ)

اُدھر خدا کی قدرت اور بادشاہ کی خوش نصیبی کہ خود اُس کے ملک میں گڑبڑ مچ گئی چنگیزی ترکوں کو سندھ کے اِس پار آنے کا موقع ہی نہیں ملا اور اِس طرح آئی اوائی ملا کو اللہ نے ٹالا اور پھر اُس کے بعد تین صدیاں اس میں گزریں۔ جب کہیں مغلوں نے اِدھر کا رخ کیا۔ جب ادھر سے کچھ اطمینان ہو گیا تو ۱۲۲۵ء میں توجہ شاہی بہار کی طرف معطوف ہوئی جہاں علجی خود مختار بیٹھے تھے۔ برابر چھ سال دوڑ دھوپ ہی رہی کہ اس اثنا میں مالوے[1] میں رنتھنبور[2] مانڈو[3]۔ گوالیار[4] اور اُجین[5] پر حملے کرنے

{تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ}

(۱) ملا کو خاں

(۲) اباقا خاں ۶۶۳-۸۰ھ — طرغائی — (۳) نکودار احمد ۶۸۱-۸۳ھ

(۴) ارغون خاں ۶۸۳-۹ — (۵) کیخاتو خاں ۶۹-۹۴ — (۶) بایدو خاں ۶۹۴ھ

(۷) غازان خاں سلطان محمود ۶۹۴-۷۰۳ھ — (۸) اولجائیتو سلطان خدابندہ ۷۰۳-۱۶

(۹) سلطان ابوسعید ۷۱۶-۳۶
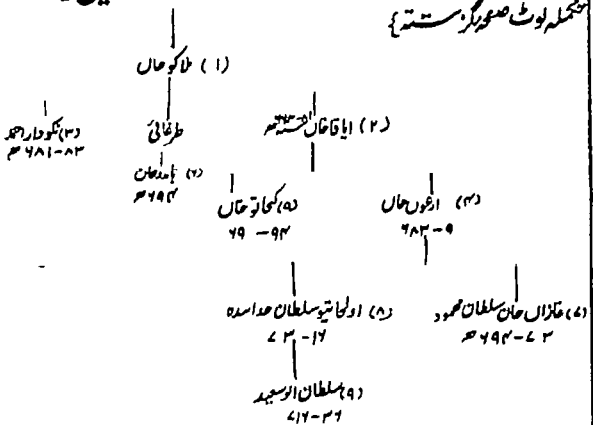
نوٹ صفحہ ہذا[1] ابن بطوطہ گوالیار کے شرق سے مالوے کا آغاز لکھتا ہے۔ لیکن آئین اکبری میں مالوہ چندیری سے شروع ہوتا ہے اور گجرات کے حدود تک چلا گیا ہے اور حقیقت میں مالوہ اِسی قدر ملک کا نام ہے۔ آئین اکبری میں صوبۂ مالوہ کا طول باناں گڑھ سے بانسواڑے تک جو تقریباً (۲۴۵) کوس اور چندیری سے ندربار تک شرقاً غرباً (۲۳۰) کوس درج ہے۔ لیکن آج کل جو سنٹرل انڈیا ایجنسی ہے اُس میں وہ تمام ملک شامل ہے جو ابن بطوطہ مالوے میں شمار کرتا ہے (چندیری یہ شہر اب فقط ایک گاؤں رہ گیا ہے بیتوا ندی کے کنارے ہے۔ گوالیار سے (۱۰۵) آگرے سے (۱۷) دہلی سے (۲۸) میل ہے۔ ایک سنگین قلعہ اب بھی پہاڑی پر واقع ہے۔ پہلے زمانے میں یہ قلعہ بڑا مضبوط سمجھا جاتا تھا بابر نے اپنی تزک میں قلعہ اور اُس کے گرد و نواح کا مفصل بیان کیا ہے۔

(بقیہ نوٹ برصفحہ آئندہ)

منگولیا سے آندھی کی طرح اُٹھا اور **ایشیا** کی کئی اسلامی سلطنتوں کو فتح کر کے دریائے سندھ تک آن پہنچا اُس زمانے کے مغل بڑے جنگ جو۔ خون ریز اور ظالم تھے۔ اُن کا گزر جدھر سے ہو گیا۔ لوٹ مار۔ قتل۔ غارت گری۔ آتش زنی ساری بلائیں خلق اللہ پر نازل ہو جاتی تھیں۔ چنگیز خاں قریب تھا کہ دریائے سندھ عبور کر کے اِدھر کا رخ کرتا۔ لیکن التمش ایک دانا اور باخبر بادشاہ تھا۔ چنگیز خاں جیسے زبردست غنیم کو کب لڑائی کا موقع دیتا تھا۔ اُس نے ایک ترکستانی سردار کو جو چنگیز خاں سے شکست کھا کر بغرض استمداد آیا تھا۔ مدد دینے سے صاف انکار کر دیا۔

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ کہ محاربۂ متواتر در سنہ ۶۱۸ھ او را مستاصل ساخت چندے با پسرش سلطان جلال الدین جنگ ہا داشت تا آں کہ او را نیز کشتہ تمامی ملک غزنہ و خوارزم و بخارا و سمرقند و غیر آنہا در عرصۂ قلیل بدست آورد و بعد ازاں در بلاد ایراں اظہار مذہب خود آغاز نہاد و پس از سلطنت بست و دو سال تعمیر ہفتاد و پنج سال روز یکشنبہ ۱۵ ماہ رمضان سنہ ۶۲۴ھ در گزشت۔ چہار پسران داشت تولے خاں۔ اوکتائی قاآن۔ چغتائی۔ جوجی۔ لیکن جوجی شش ماہ پیش از پدر فوت کرد و دیگر آں بپادشاہی رسیدند۔ اوکتائی کہ ولی عہد بود بادشاہ تاتار شد و در سنہ ۶۳۹ھ در گزشت۔ چغتائی بعد از پدر بادشاہ ماوراء النہر و ترکستان و بلخ و بدخشان شد و تولے خاں کہ پدرش او را ہمہ اوقات با خود نگاہ می داشت بعد پدر تابع برادران خود می بود۔ چنیں گویند کہ ایں قوم مقید بہ ہیچ دین و ملتے نبودند و از حلال و حرام فرق نمی کردند و گوشت جمیع وحوش و از درندگان و چرندگان تناول می نمودند" از مفتاح التواریخ۔ اوکتائی کے بعد اُس کا بیٹا کیوک قاآن اُس کے بعد تولے خاں کا بیٹا منگو قاآن اور اس کے بعد قوبیلا قاآن چین میں بڑا قاآن ہوا۔ اُس نے اپنے بھائی ہلاکو کو ایران کا ایلخان (بادشاہ ماتحت) بنا دیا۔ اُس کے بعد ہلاکو خاں کی اولاد ایران میں حکومت کرتی رہی اور قوبیلا قاآن کو چین میں اور برائے نام ماتحتی کے سوا بہت کم تعلق اُن کے درمیان باقی رہ گیا۔ ہلاکو خاں کی اولاد جو چین میں بادشاہ ہوئی اس کا شجرۂ نسب حسب ذیل ہے

چنگیز خاں وفات سنہ ۶۲۴ھ
|
تولے خاں وفات سنہ ۶۲۸ھ
|
ہلاکو خاں وفات سنہ ۶۶۳ھ

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

تمام عالم وفقیہ قاضی وجیہ الدین کاشانی کے ہمراہ آئے اور بادشاہ کے سامنے بیٹھ گئے اور قاضی حسب عادت بادشاہ کے برابر بیٹھا۔ بادشاہ ان لوگوں کے آنے کا مدعا سمجھ گیا۔ اُس نے مسند کا کونا اُلٹ کر ایک کاغذ نکال کر قاضی کو دیا جس سے معلوم ہوا کہ قطب الدین ایبک نے اس کو آزاد کر دیا تھا۔ اس کاغذ کے دیکھتے ہی سب نے بیعت کر لی پہلے تو اُس نے اپنے سالے آرام شاہ کے معزول کرنے ہی پر اکتفا کیا۔ لیکن جب دیکھا کہ ایسی پولیٹیکل پیچیدگیاں پڑ گئی ہیں کہ جس سے بہت کچھ کشت وخون ہونے کا اندیشہ ہے۔ اور جب تک آرام شاہ کو پوری طرح آرام نہ دیا جائیگا۔ تخت سلطنت خار دار ہی رہے گا لہٰذا اُسے آرام سے میٹھی نیند سُلا دیا۔ قطب الدین کی وفات کے بعد سلطنت میں بڑی الجھنیں پڑ گئی تھیں اور تین مدمقابل کھڑے ہو گئے تھے۔ بہار اور بنگال کو خلجیوں نے دبا لیا تھا۔ پنجاب پر ایک ترکی غلام **تاج الدین** یلدوز جما بیٹھا تھا۔ اور **وادی سندھ** میں ایک دوسرے ترکی غلام **ناصر الدین** قباچہ براج رہے تھے۔ ان دونوں سے لڑائی ہوئی اقبال یاور تھا۔ دونوں اوندھے منہ گرے۔ اس نے **بختیار محمد** کے جانشینوں کو جو بنگال میں سر اُٹھائے ہوئے تھے۔ اُن کو بھی نیچا دکھایا۔ اِدھر تو التمش اندرونی فتنہ وفساد کے فرو کرنے میں مصروف تھا۔ اُدھر قباچہ نے بڑی گہری چال چلی کہ اُس نے اپنی فوج میں مغلوں کو بھرتی کر لیا۔

چنگیز خاں سنہ ۱۲۲۱ء

تاتار کا ایک مشہور سردار **چنگیز خاں**[1] جو قطب الدین ایبک کا ہم عصر تھا وہ دراصل بودھ مذہب رکھتا تھا۔ اور مغلوں کا ایک بڑا لیڈر (سردار) تھا۔ وہ اپنے تند اور وحشی سپاہیوں کو ساتھ لے کر

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ } آں عدادے کہ حاتم بدل و رستم کوشش است

ناصر دنیا و دیں محمود بن التمش است

اس سے معلوم ہوتا ہو کہ اُس زمانے میں بھی ال ت م س ۔ ال ت ی م ش ۔ ای ل ت ا م ش اور ای ل ی ت م ش چاروں طرح اس نام کو لکھتے تھے ۔۱۲

نوٹ صفحہ ہذا } [1] قاآن والا چنگیز خاں از فرقہ کفار تاتار است نام پدرش یسوکی بود۔ در ۵۴۹ھ متولد شده در ۶۰۲ھ بادشاہی سر برآورده در ۶۱۵ھ بر ملک چین و تاتار مستولی گشتہ و بعد ازاں رُخ بطرف ایران نموده بر سر محمد خوارزم شاہ ابن علاء الدین تکش کہ سلطان عرب و خوارزم بود در وقت داخلہ

(باقی نوٹ برصفحہ آئندہ)

بے تمیزی برپا ہو تو ایک دم دلّی میں آدھمکا۔ اور بلا کسی قسم کی روک ٹوک کے تخت پر جلوہ افروز ہوا۔ کیوں کہ لوگ خدا سے چاہتے تھے کہ کسی طرح آرام شاہ کی بلا سر سے ٹلے۔

سلطان شمس الدین التمشؒ
۱۲۱۱ - ۳۶ء

اِس خاندان کے سارے فرماں رواؤں میں اِسی بادشاہ کا نمبر بڑھا ہوا تھا۔ پچیس۲۵ برس اس نے سلطنت کی۔ قطب الدین کی طرح بچپنے سے یہ بھی غلام تھا۔ حضرت یوسف کی طرح اِس کے بھائیوں نے بھی اسے بیچ ڈالا تھا۔ اِس کے بعد شمس الدین کو بخارا لائے۔ آخرکار پھرتا پھراتا ہندوستان میں پونہچا۔ اور قطب الدین نے ایک گراں قدر رقم پچاس ہزار روپیے میں خریدا۔ یہ بے انتہا حسین تھا اور حُسنِ صورت کے ساتھ حُسنِ سیرت بھی خدا نے دیا تھا۔ بڑا جیوٹ اور بڑا ہی دانشمند تھا۔ اِس نے ایسی جاں نثاری کی کہ آزاد کردیا گیا۔ اور وہ رسُوخ پایا کہ سپہ سالار ہوا۔ پھر نایب السلطنت بنا اور آخرکار قطب الدین کے مرنے کے بعد مستقل بادشاہ ہوا۔ اور لوگوں سے بیعت لینی شروع کی

[1] لبطوطہ نے اپنے سفرنامے میں للمتمش لکھا ہے۔ جو کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ کیوں کہ اِس نام کی مختلف شکلیں ہیں۔ مگر یہ شکل کسی نے اختیار نہیں کی۔ بداؤنی لکھتا ہے کہ "وجہ تسمیہ آنست کہ تولدوے در شب گرفت ماہ (چاند گہن) واقع شدہ بود ترکان ایں چنیں مولود را التمش خوانند۔ ترکی میں آئی چاند کو کہتے ہیں اور تُتمش چاند گہن کو۔ لیکن فرشتہ نے لکھا ہے کہ جس وقت قطب الدین نے شمس الدین اور ایبک دو غلام دہلی میں خریدے تو ایبک کا نام (غالباً اپنے ہم نام ہونے سے) طمغاج رکھا اور شمس الدین کا التمش۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نام اُس کا اصلی نام نہ تھا۔ ممکن ہے کہ قطب الدین نے یہ نام اُس کے حسن وجمال کے سبب سے رکھا ہو گویا کہ اُس کے حُسن وجمال کے سامنے چاند بھی شرما جاتا تھا۔ سکّوں سے بھی اِس کے نام کا کچھ پتہ نہیں چلتا بعضوں میں "سلطان المعظم شمس الدنیا والدین ابو المظفر التیمش القبطی بزمان امیرالمومنین" منقوش ہے۔ اور بعضوں پر ایک طرف "السلطان التیمش" اور دوسری طرف بخط سنسکرت "سری سلطان لی تت مسی سموت ۱۲۸۳" ہے۔ قطب مینار کی دوسری منزل پر یہ کتبہ ہے "اَمَرَ بِاِتْمَامِ هٰذِهِ العِمَارَةِ المَلِكُ المُؤَيَّدُ مِنَ السَّمَاءِ شَمْسُ الحَقِّ وَالدِّيْنِ اَيْلتَمِشُ السُّلْطَانِيُّ نَاصِرُ اَمِيْرِ المُؤْمِنِيْنَ" اور اسی منزل پر دوسری جگہ "اَلسُّلْطَانُ الاَعْظَمُ ... اَبُو المُظَفَّرِ اَيْلتَمِشُ السُّلْطَانِيُّ" لکھا ہوا ہے۔ تیسری شہادت ہم عصر شعرا کے اشعار سے ملتی ہے۔ سلطان شمس الدین کے بیٹے ناصر الدین کی تخت نشینی کے وقت کسی شاعر نے ایک قصیدہ پیش کیا تھا۔ جس کا پہلا مصرعہ یہ تھا۔ سہ (بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

خاندان غلامان و افغانان و پٹھانان | دہلی کے مسلمان بادشاہوں کا سلسلہ قطب الدین ایبک کے زمانے سنہ ۱۲۰۶ع سے شروع ہو کر سنہ ۱۵۲۶ع ابراہیم لودھی تک جس میں خاندان سُور کے وہ دعویدار جو سنہ ۱۵۵۶ع تک ہوئے ہیں۔ وہ بھی شامل ہیں۔ اِن سب کو غلط فہمی سے **سلاطین افاغنہ یا پٹھان بادشاہ** کہلاتے ہیں۔ اور اُن کی سلطنت بھی سلطنت افغاناں کہلاتی ہو۔ لیکن اصل بات یہ ہو کہ پٹھانوں کے صحیح مصداق صرف **لودھی** اور **سُور** خاندان والے ہیں جو ذات کے افغان ہیں۔ قطب الدین اور اُس کے بعد کے اور دوسرے بادشاہ جو غلام کہلاتے ہیں وہ اصلی باشندے ترکستان کے اور اصل نسل کے ترک تھے **خاندان خلجیہ** کے بادشاہ بھی ترک تھے۔ **تغلق** ترکوں میں ہندوؤں کا میل تھا۔ اور **سیّد** تو کھلے سادات عرب تھے ہی۔

وفات سنہ ۱۲۱۰ع | قطب الدین سنہ ۶۰۷ھ سنہ ۱۲۱۰ع میں جب کہ لاہور میں چوگان کھیل رہا تھا گھوڑے سے جدا ہوا۔ ہڈی ٹوٹ جانے سے دنیا سے رخصت ہوا۔ اِس بادشاہ نے لاہور میں ہی دار السلطنت منتقل کر دی تھی۔ اور قیاس چاہتا ہو کہ اُس کا مدفن بھی وہیں کہیں ہوگا۔ کیوں کہ دہلی میں تو ٹھیک طور پر اِس کی قبر کا کہیں پتہ نکلتا نہیں ممکن ہو کہ مسجد قوت الاسلام کے وسیع صحن میں جو بہت سی قبریں ہیں۔ اُن میں سے کوئی قبر اِس کی بھی ہو تو ہو۔ اِس نے چوبیس سال چھہ ماہ سلطنت کی۔ نیابت کا زمانہ چھوڑ دو تو مدت سلطنت صرف چار سال رہ جاتی ہو

آرام شاہ سنہ ۱۲۱۰-۱۱ع | جب اِس حادثۂ جانکاہ سے قطب الدین ایک شکار اجل ہوا۔ تو اُس کے بیٹے **آرام شاہ** اسم بامسمیٰ کے سر سلطنت منڈھی گئی۔ پہلے ہی قطب الدین جیسے ہمہ صفت موصوف بادشاہ کے سامنے کسی کا چراغ جلنا مشکل تھا۔ چہ جائے کہ لاڈلے صاحبزادے کو محض وراثت کی بنا پر تحت مل گیا۔ ع۔ قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند۔ اِس سے سلطنت برس بھر بھی سنبھالے نہ سنبھلی۔ مگر سکّہ تو چلا ہی دیا۔ غرض یہ کہ تحت پر بیٹھا تھا کہ ایک ادھم ڈلی اور برس کے اندر ہی اندر تحت پر سے اُتار دیئے گئے۔ **التمش** ان دنوں بداؤں کا گورنر تھا۔ جب اُس نے دیکھا کہ آرام شاہ نے ایک دُند مچادی ہو۔ اور ہر طرف طوفان

فرزندوں میں سے بِکتے فروخت کردیا۔ مگر لاکھ کوئی غلام بنائے تقدیر میں تو بادشاہت لکھی تھی۔ قطب الدین قاضی صاحب کے بچوں کے ساتھ پڑھنے لگا۔ اور چند دنوں میں خوب کمال حاصل کیا۔ قاضی جی کی وفات کے بعد اُس گوہر بے بہا اور دُرِ نایاب کو ایک اور تاجر نے بہت کچھ دے دلاکر خریدا۔ اور اُس کو تحفۃً سلطان معزالدین الملقب بہ شہاب الدین غوری کے سامنے پیش کیا بادشاہ نے اُسے نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر ہاتھوں ہاتھ لیا اور جیسا یہ غلام نکلا اور جو کچھ اِس نے کر دکھایا آپ کے سامنے ہی۔ ؎

شمار دانۂ تسبیح میں امام نہیں
ہزار بار جو یوسف بکے غلام نہیں

شہاب الدین کے عہد کی کل بڑی بڑی فتوحات درحقیقت قطب الدین کا کام تھا اور نام بادشاہ کا تھا۔ کاٹ تلوار کی نام سپاہی کا۔ اِس قسم کے غلام چوں کہ اپنے وطن اور عزیزوں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے چھٹ جاتے ہیں۔ اپنے آقا کو اپنا باپ اور اُس کے کنبہ کو اپنا کنبہ سمجھتے ہیں۔ اور پوری وفاداری۔ ہمدردی۔ اور خیرخواہی سے اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔ قطب الدین کا بھی یہی حال تھا۔ بڑھتے بڑھتے وہ سپہ سالار پھر نائب السلطنت اور آخر کو خود بادشاہ ہو گیا۔ قطب الدین جاں باز سپاہی اور لائق سپہ سالار تھا۔ اپنے ماتحتوں سے ایسا عمدہ سلوک اور ایسا زر و جاگیر دیتا تھا کہ گویا اُس کے ہاتھ میں ہڈی ہی نہ تھی۔ لوگ اُسے **لک بخش یعنی لکھ داتا** کہتے تھے۔ **بہاء الدین اوشی** جو اُس زمانے کے ایک بڑے فاضل تھے۔ وہ کہتے ہیں ؎

ای بخشش لک تو درجہاں آوردہ　　کانرا کفِ تو کار بجاں آوردہ
از رشکِ کفِ تو خوں گرفتہ دلِ کاں　　وز لعل بہانہ درمیاں آوردہ

مورخین نے کیا خوب کہا ہی کہ جس طرح لاکھوں کی داد و دہش تھی اِسی طرح لاکھوں کو تہ تیغ بھی کیا۔ قطب الدین اور اس کے بعد کے بادشاہ تاریخ میں **خاندان غلامان** کہلاتے ہیں۔ جس میں نوؔ بادشاہ اور ایک ملکہ ہوئی۔ سنہ ۱۲۰۶ء سے سنہ ۱۲۹۰ء تک یعنی (۸۴) برس تک اُن کی حکومت رہی۔

سلہ مارسڈن صاحب نے دس بادشاہ اور مدت سلطنت (۸۱) برس بتلائی ہی۔ جس میں سے صرف تین طبعی موت سے مرے باقی سات قتل کیئے گئے۔ ۱۲

کے نام پر سوائے جیساکہ کتبے سے ظاہر ہے۔ جس مسجد کا یہ مینار ہے۔ یعنی مسجد **قوۃ الاسلام** وہ اب تک شکستہ حالت میں موجود ہے۔ جس کی حیثیت کہ آئی پکار رہی ہے کہ مندروں کو توڑ کر مسلمانوں نے یہ مسجد بنائی ہے۔ غلام غلام کا لفظ سن کر لوگ کان کھڑے کرتے ہیں۔ اس لئے ہم کو اس امر کی صراحت کرنی ضرور ہے۔ مبادا یہ غلط خیال جاگزیں نہ ہو جائے۔ کہ ان لوگوں کی حیثیت معمولی لونڈی غلاموں کی سی تو نہ تھی قطب الدین دراصل ترک تھا مگر صغر سنی ہی میں غلامی کا حلقہ اس کے کان میں پڑ گیا اُس زمانے میں بلاد اسلامی میں جو لوگ لڑائی میں پکڑے جاتے تھے وہ سب غلام سمجھے جاتے تھے۔ اور اُن کو دور دراز ملکوں میں لے جا کر بیچ ڈالتے تھے۔ چنانچہ قطب الدین کی غلامی کا قصہ یوں ہے کہ صغر سنی کی حالت میں اس کو ایک تاجر نے **ترکستان** سے **نیشاپور** لا کر قاضی **فخر الدین** ابن عبدالعزیز کوفی جو حضرت **امام اعظم ابو حنیفہ** کے

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ ہے تہ کا قطر ۴۷ ۔ ۳ اور چوٹی کا ۹ فٹ لکھا ہے۔ یہ مینار نیچے سے اوپر تک تمام تر بطور یادگار مسلمان بادشاہوں کا بنایا ہوا ہے اور یہ کہانی کہ اصل میں اس کو رائے پتھورا نے بنایا تھا جس کی چوٹی پر سے اُس کی لڑکی ہر روز صبح جمنا کے درشن کرتی تھی بے اصل ہے۔ سیڑھیوں کی تعداد (۳۷۸) ہے۔ ابن بطوطہ نے جو کسی سے کہا تھا کہ اس مینار پر ہاتھی چڑھ جاتے تھے اور پتھر لے جاتے تھے اس کا مطلب سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ راوی کی مراد تھی کہ باہر کی طرف جب تعمیر کے لئے پاڑ سیدھی ہوئی تھی۔ ہاتھی پتھر لے کر اوپر چڑھتے تھے۔ اور یہ بالکل ممکن ہے۔ ۱۲

نوٹ صفحہ ہٰذا کے اس جامع مسجد کا نام قوۃ الاسلام ہے۔ پہلے اس جگہ رائے پتھورا کا ٹھاکرہ تھا سلطان معز الدین بن سام نے جس کا دوسرا نام محمد غوری ہے ۵۸۸ھ میں دہلی فتح کرنے کے بعد اپنے غلام اور سپہ سالار قطب الدین ایبک کی معرفت اس مسجد کی بنا رکھوائی۔ اصل میں یہ مسجد ۵۹۲ھ میں صرف پانچ در کی بنائی گئی تھی چنانچہ اُس وقت یہی سال تعمیر درج ہے پھر ۶۲۷ھ میں تین تین در کے دو درجے شمس الدین التمش نے زیادہ کئے تھے اور باقی جو سلطان علاء الدین خلجی نے ۷۱۱ھ میں بنانے شروع کئے مگر پورے نہ ہونے پائے۔ فیروز شاہ نے اپنی فتوحات میں لکھا ہے کہ میں نے مسجد کی مرمت کرا کے گویا اُس کو نیا بنا دیا اب گیارہ در موجود ہیں جن میں سے تین بڑے در ہیں اور آٹھ چھوٹے اور ان گیارہ دروں کا طول ۳۸۵ فٹ ہے بڑی محراب ۵۳ فٹ ۔ ۵ اونچی اور ۲۲ فٹ چوڑی ہے فرگسن صاحب لکھتے ہیں کہ ان محرابوں کی اونچائی اور قطب مینار کے سبب اس مسجد کو دنیا کے عجائبات میں شمار کرنا چاہئے مسالک الابصار کا مصنف ابن بطوطہ کے اس قول کی تائید کرتا ہے کہ اس مسجد کی بلندی وسعت اور خوبصورتی میں دنیا میں نہیں ہے۔

بہتر ین وسائل آمد و رفت اور آب پاشی کے وسیع ہونے سے اب قحط کا
اس قدر خوف نہیں کیا جاتا جتنا گزشتہ زمانے میں کیا جاتا تھا۔ مجھے یہ
معلوم کرنے سے خوشی ہوئی کہ دوسرے امور کے اعتبار سے ہندوستان کی
زراعتی حالت کی اصلاح ہوئی۔ گو کاشتکار اپنے پرانے طریقوں کے مطابق

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ۔ کوئی قریہ اس سے بچا نہیں اور صورت آن کہ ایسی پڑتی کہ
بارش تو بارش طوفان نوح سے بھی کالونیا۔ ممکن نہیں کہ روز بروز گرانی کی ترقی ہو
نظر آتی ہو روک تھام کی کوئی شکل نہیں۔ اس کو احتکار کا نتیجہ سمجھو یا انگریزی کے نئے
مسکوک لفظ Profiteering (حصول منفعت) بہرحال سبب کچھ
بھی ہو "مرے تو ہم" اب صحیح ہو۔ بعض لوگ اس کو عالم گیر جنگ یورپ کا نتیجہ سمجھتے ہیں
اور بعض کثرت برآمد کو (اکسپورٹ) اس کا سبب قرار دیتے ہیں۔ لیکن دونوں سبب
صحیح نہیں جنگ کا منہ کالا اب تو سرکار کا بول بالا ہو۔ برآمد برآمد آج کچھ نئی بات
نہیں۔ میرے خیال میں اس عالم گیر نو ایجاد اور غیر موجہ گرانی کا اصلی سبب احتکار
اور پرافٹیرنگ یعنی طمع حصول منافع ناجائز ہو جو فری ٹریڈ (آزاد تجارت) کی
آڑ میں کی جا رہی ہو۔ گورنمنٹ بہت چاہتی ہو کہ بیوپار کے معاملے میں دست اندازی
نہ کرے۔ لیکن اب معاملہ آن پڑا تیر بعا سرکار نے بھی ایک نیا عہدہ دار کنٹرولر آف
فوڈ سپلائی مقرر کیا پر کیا لیکن اس بیچ کو ابھی اور کسنا چاہیئے تو شاید خلق خدا
اس بلا سے نجات پائے ورنہ خدا ہی مالک ہو ؎

دنیا بدل گئی ہمہ نعمت بدل گئی   اس واسطے کہ قوم کی نیت بدل گئی

بیماریاں بھی ہمارے واسطے مستقلاً مسلط کی گئی ہیں۔ طاعون نے ہندوستان
میں اپنے ڈیرے ڈال ہی رکھے تھے اور خلق خدا کا خوب ستراؤ کیا لیکن پھر بھی
دل نہ بھرا قتل عام کے میدان میں اپنے بھائی انفلوانزا کو بھی جما دیا۔ کہیں طاعون کا
دور دورہ ہو تو کہیں انفلوانزا کا اور کہیں دونوں کا۔ غرض خلق خدا سمٹی چلی جاتی
ہو۔ ع شامت اعمال ما صورت نادر گرفت۔ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ
وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (اور جب اُن سے کہا جاتا ہو کہ جو (آفتیں تم کو) تمھارے
آگے اور تمھارے پیچھے (سے گھیرے ہوے) ہیں اُن سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے

(بقیہ نوٹ برصفحہ آیندہ)

کوئی پناہ کی جگہ نہ ملنے سے بے نیل مرام واپس پلٹنا پڑا۔ لوٹتیوں کو سارا لشکر تباہ اور ضائع ہوا۔ قطب الدین نے علاوہ بے نظیر فتوحات کے اپنی ویسرائلٹی ہی کے زمانے میں مابین ۵۸۹ سنہ ۱۱۹۳ء کے **قوت الاسلام** کی ایک بڑی عالی شان **مسجد** اور **قطب مینار** بنوانی شروع کی جس کی تکمیل اُس کے داماد **شمس الدین** نے کی۔ قطب الدین نے یہ دونوں چیزیں اپنی ایسی یادگار چھوڑی ہیں۔ کہ آئندہ آنے والی تمام نسلیں اس کو یاد کرتی رہیں گی۔ کہتے ہیں کہ قلعے کے اندر **قصر** سفید بھی اسی نے بنوایا تھا۔ جس کا اب کہیں پتہ تک بھی نہیں رہا۔ مسجد اور مینار دونوں قطب صاحب کے نام سے مشہور ہیں۔ اِس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے۔ کہ یہ دونوں عمارتیں قطب الدین ایبک کے نام سے منسوب ہیں بلکہ اُن کی وجہ تسمیہ حضرت **قطب الدین بختیار کاکی اوشی** رحمتہ اللہ علیہ کے مزار مبارک کا اِس سرزمین پر ہونا ہے۔ گو قطب الدین نے صرف چار ہی برس بادشاہت کی مگر وہ بیس سال پہلے ہی سے چار دانگ عالم میں شہرت حاصل کر چکا تھا۔ قطب مینار پانچ منزلہ ستون ۲۵۸ فٹ اونچا ہے۔ جس کا قطر جڑ میں ۴۷ فٹ اور چوٹی پر ۹ فٹ ہے۔ نیچے کے دو کھنڈ اِسی قطب الدین کے بنوائے ہوئے ہیں جو اُس نے اپنے آقا **محمد سام** (شہاب الدین

ف سٹرزی ہرن نے سنہ ۱۲۰۰ء میں قطب مینار کی بنا کا آغاز ہونا لکھا ہے۔ اور بلندی ۲۳۸ فٹ سے کچھ اوپر لکھی ہے مارسڈن صاحب نے ۲۵۰ فٹ۔ اور وجہ تسمیہ کو قطب الدین سے منسوب کیا ہے۔ مسلمانوں نے دہلی میں تقریباً تین سو برس سنہ ۱۲۰۶ء سے سنہ ۱۵۲۶ء تک سلطنت کی اور اُنیس ۱۹ بادشاہ ہوئے۔ من جملہ اُن کے قطب الدین سب سے پہلا بادشاہ تھا۔ قطب مینار دنیا کے سب سے اونچے میناروں میں کا ایک ہے۔ فرگسن صاحب نے سنہ ۱۱۹۶ء میں ۲۴۲ فٹ بلندی اور جڑ مین ۴۸ فٹ قطر لکھا ہے۔ اُس وقت بھی بُرجی نہ تھی جسکی بلندی دس یا شاید بیس فیٹ اور جوڑ دیں جب اصلی اور ابتدائی بلندی پوری ہوگی۔ ۱۲

اِس مینار کو قطب الدین ایبک نے سلطان معز الدین بن سام کے حکم کے مطابق بنانا شروع کیا اور سلطان شمس الدین التمش نے سنہ ۶۲۶ھ میں اُس کی تکمیل کی۔ سنہ ۷۷۰ھ میں فیروز شاہ نے اور سنہ ۹۰۹ھ میں بہلول شاہ لودھی نے اُس کی مرمت کرائی۔ سنہ ۱۸۰۳ء میں زلزلہ کے باعث اوپر کی چھتری گر پڑی تھی اور کل مینار مرمت طلب ہو گیا تھا۔ سرکار ایسٹ انڈیا کمپنی نے میجر رابرٹ سمتھ کی معرفت مرمت کرائی۔ اور ایک لاکھ کے قریب خرچ کیا۔ اب موجودہ مینار پانچ منزل ہے۔ سب سے نیچے کی منزل ۹۵ فٹ اونچی ہے۔ اور پانچویں منزل ۲۲ فٹ ہے بلندی کُل اُنچائی مولوی محمد حسین صاحب نے اپنے نوٹ، مندرجہ سفرنامہ ابن بطوطہ میں ۲۳۸ فٹ لکھی ہے

(بقیہ نوٹ برصفحہ آئندہ)

شجاعت اور آقا کی وفاداری کے سبب سے بالآخر سنہ ۱۲۰۶ء میں بادشاہت کے مرتبہ کو پہنچ گیا اور اس طرح ہندوستان میں مسلمانوں کا یہ سب سے پہلا بادشاہ ہوا۔ یوں کہ بڑا دانش مند۔ مآل اندیش اور دور بیں تھا اُس نے اونچے اونچے ازدواجی تعلقات کر کے اپنی پوزیشن کو بہت مضبوط کر لیا۔ اُس نے خود ایک بڑے بھاری ہم پلّہ اور مدمقابل رئیس **تاج الدین یلدوز** کی لڑکی سے شادی کی جو خود بھی قطب الدین کی طرح ایک غلام تھا اسی طرح اپنی بہن ایک دوسرے غلام **ناصرالدین قباچہ** گورنر سندھ کو دی اور اپنی لڑکی **بہار** کے گورنر **التمش** کو دی کہ وہ بھی غلام ہی تھا۔ قطب الدین ایبک کو اس کی خوش نصیبی سے لوگ بھی ایسے ہی چیدہ ملے تھے۔ اس کا نائب **اختیارالدین محمد** جو ایک خلجی ترک بختیار نامی کا فرزند تھا اور بالعموم

قطب الدین ایبک

محمد بختیار کے نام سے مشہور تھا) یہ دونوں باپ بیٹے بادشاہ کے ہاں ملازم تھے ان کی کارگزاری اور جاں نثاری کا کیا پوچھنا تھا۔ دہلی کی فتح کے کئی برس بعد سنہ ۱۱۹۷ء میں محمد بختیار نے صرف دو سو سواروں سے وہ کام کیا کہ کچھ عقل کام نہیں کرتی یعنی یہ کہ بہار کا قلعہ اس جرأت اور دلیری سے لیا کہ کچھ کہا نہیں جاتا۔ بودھ لوگوں کے معابد جو بالا خاندان کے راجاؤں کے زمانے میں بڑی رونق پر تھے اُن سب کو مسمار کر دیا اور سب پجاریوں کو تہ تیغ کر کے ایسا منتشر کیا کہ اُس ملک میں بودھ مذہب کا بیج تک نہ چھوڑا اور اُسی وقت سے اس مذہب کو پھر پنپنا نصیب نہ ہوا۔ سنہ ۱۱۹۹ء میں بنگال فتح ہوا۔ وہاں کے بڈھے راجہ **لکشمن سین** کو اس کی دارالسلطنت **ندیا** میں صرف اٹھارہ سواروں نے جا گھیرا۔ راجہ بے چارہ گھر بار چھوڑ چھاڑ بہ تقدیر مکان کے پیچھے کے دروازے سے بھاگ **ڈھاکے** جا پہنچا ان لوگوں نے سارے شہر کو لوٹ لیا اور **لکھنوتی** (یعنی گور) کو اپنا دارالسلطنت بنایا۔ محمد بختیار اور دوسرے حکام نے جا بجا مساجد۔ مدارس۔ خانقاہیں بنوائیں۔ اور وقتاً فوقتاً مال بہ تعداد کثیر بادشاہ کو بھیجتے رہے۔ سنہ ۶۰۱ھ (۱۲۰۴ء) میں محمد بختیار نے بے دھڑک کوہستانی ملک پر چڑھائی کی۔ **دارجلنگ** تک درانہ گھس گیا۔ لیکن وہاں

کرکے بادشاہ کا جنازہ بڑے احتشام وتجمل سے لیکر چلے اور ۲۲ر شعبان کو بادشاہ کے محفہ کو غزنین پونہچ کر اُس حظیرے میں جو بادشاہ نے اپنی بیٹی کے واسطے بنوایا تھا دفن کیا۔

باب دوسرا

دلی مسلمانوں کے عہد میں

خاندان غلامان ۶۰۲ تا ۱۲۰۶ع

سلطان قطب الدین ایبک مشہور بہ لک بخش ۱۲۰۶ تا ۱۲۱۰ع

محمد غوری کی وفات کے بعد قطب الدین نائب السلطنت ممالک مفتوحہ کا خود مختار بادشاہ بن گیا۔ ہندوستان کا پہلا فاتح جسے واقعی فاتح کہہ سکتے ہیں محمد غوری ہی تھا محمود غزنوی کی طرح ہند کی دولت سمیٹ سماٹ غزنی میں جا بیٹھنا اِس کا مدعا نہ تھا۔ یہ ہند پر حکومت کرنے آیا تھا۔ اور وہ اپنے منصوبے میں کامیاب بھی ہوا شہاب الدین غوری کی وفات کے بعد ہندوستان ایک خود مختار اور مستقل سلطنت بن گیا۔ اور دریائے سندھ کے اُس پار کی سلطنت سے کوئی تعلق نہ رہا۔ ہم لکھ چکے ہیں کہ قطب الدین نے ہندوستان کی سلطنت نیابتہً پہلے ہی حاصل کرلی تھی اگرچہ وہ دراصل ایک زر خرید غلام تھا۔ لیکن وہ اپنی بے نظیر لیاقت۔ قوتِ بازو

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ کہ ملوک ہند سبب آں کہ استیلائے بر آں جماعت از محالات می دانستند متعرض ایشاں نمی شدند" دارا سے مراد دارا پور لیتے ہیں جو دریائے جہلم پر جلال پور کے متصل واقع ہے اور اب وہاں گکھڑ نہیں رہتے بلکہ جھنجوھوں کا مسکن ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ یہ قوم ہندی الاصل نہیں ہے۔ بلکہ کسی زمانے میں خراسان یا خوارزم کی طرف سے ہندوستان میں آئی تھی یہ رسم اب بھی گکھڑوں میں ہے کہ وہ اپنی قوم کے سوا دوسری قوم میں رشتہ داری نہیں کرتے حالاں کہ راجپوتوں کی مختلف قومیں بالکل اس کے برعکس کرتی ہیں ۱۲۔

فرو کرنے کو آنا پڑا۔ بادشاہ آیا اور ایک قستل کا دریا بہا کر باغیوں کا قلع قمع کر کے واپس چلا۔ ۲ شعبان کو دریائے سیلاب (سندھ) کے کنارے دمیک نامی ایک مقام پر (جواب ضلع جہلم میں ہے۔ اور دھمیاک کہلاتا ہے) نزول اجلاس فرمایا انھیں دنوں میں کھکروں میں کوئی بیس آدمی جن کے عزیز و قریب اسی معرکے میں مارے گئے تھے۔ جان پر سے اُٹھ کر بادشاہ کی جان لینے کا بیڑا اُٹھا چکے تھے اور اسی تاک میں لگے ہوئے تھے۔ اور موقع کے متلاشی تھے۔ جہاں بادشاہی کیمپ ہوتا تھا اس ڈیرے اور سراپردے لگا کر بادشاہ کے خیمے اور خواب گاہ کو اچھی طرح دیکھ بھال لیا کرتے تھے۔ ۳ شعبان ۶۰۲ھ۔ مارچ ۱۲۰۶ء کی رات کو ایک کھکر آیا اور دربان شاہی کو چھرا مار کر چلتا ہوا۔ سارے لشکر میں شور مچ گیا سارے کے سارے لوگ حتیٰ کہ بادشاہ کے گرد کے لوگ بھی سب دیکھنے آئے کہ کیا ہوا۔ ان لوگوں کو جو تاک میں لگے ہوئے تھے موقع ملا۔ شاہی خیمے کی قنات کو چھری سے چیر کر اندر گھسے دو تین غلام جو حاضر تھے وہ ڈر کے مارے دم بخود ہو گئے۔ بادشاہ اب آرام کرنے کو جا ہی رہے تھے ایک دم بائیس زخم پہنچا کر شہید کر ڈالا۔

شہادتِ ملکِ بحر و بر معزالدین　　کز ابتدائے جہاں مثل او نیامد یک
سوم ز غرۂ شعبان بسال شش صد و دو　　فتادہ در رہ غزنی بمنزل دمیک

اس بادشاہ نے غزنی کی مدت سلطنت ملا کر (۳۲) سال چند مہینے بادشاہت کی بادشاہ کے وزیر خواجہ موئید الملک بن خواجہ محمد سجستانی نے چند کھکروں کو جو قتل میں شریک تھے قتل کیا۔ اور چار ہزار اونٹوں پر جو خزانہ لدا ہوا تھا۔ اُس کی حفاظت کا کافی بندوبست

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ یہ قیاس کیا گیا ہے کہ وہ دہ اک کی قوم سے تھا۔ گھکروں میں بھی ایک روایت چلی آتی ہے کہ ان کو افراسیاب نے کید کی ماتحتی میں ہندوستان کی طرف نکال دیا تھا اس روایت کی تصدیق فرشتہ بھی کرتا ہے سلطان ابراہیم غزنوی کے حال میں لکھتا ہے "و از آں جا عناں عزیمت بطرف قلعۂ دیگر کہ در آں نزدیکی بود و دارا نام داشت معطوف گردانید و متوطناں آں جا از نسل خراسانیاں بودند۔ افراسیاب از سرکشی ایشاں بتنگ آمدہ ملوں و فرمان دار ولایت خراساں اخراج کردہ بود و بہندوستان فرستادہ و مردم آں شہر بالتمام از آں جماعت بودند و ما بیگانہ چو بودند مہلت نمی کردند لطافت اجسام و فن بردوام مشغوف بودند و آں شہر در رعایت معموری و آبادانی بود و حوضے در آں شہر بود کہ نظر آں کم فرسخ بود و قعر آں از رعایت عمق مدرک نبود و از کثرت جنگل کہ در آں شہر و قلعہ بود راہ آمد و شد مرئی نبود"
(تسہیل فرشتہ جلد اول)

کے بھگیلہ راجپوتوں کو مغلوب کیا پھر گوالیار لیا۔ مگر مالوہ جب بھی فتح نہ ہوا۔ شہاب الدین کو جو اپنے بھائی کی وفات کے بعد غالباً اوائل ۱۲۰۳ء میں بادشاہ ہو چکا تھا۔ ۶۰۲ھ ۱۲۰۵ء کے موسم سرما میں پنجاب میں کھکر لوگوں کی زبردست قوم کی بغاوت

۵۱ گجرات کے بھگیلے بارھویں صدی میں چلوکیہ اور سولانکی خاندان کے سدھ راجہ اور کمار پال کی حکومت میں گجرات کی سلطنت بڑے عروج پر تھی۔ بلکہ مشہور ہے۔ کہ گنگا کے مشرق تک اُن کا علاقہ تھا۔ اسی صدی کے آخر میں حکومت چلوکیہ خاندان سے نکل کر بھگیلوں میں چلی گئی۔ اسی خاندان کے راجہ ویرادھوال نے محمد غوری کو سخت شکست دی تھی۔ جس میں مسلمانوں کا بڑا قتل عام ہوا۔

۵۲ مسٹر وِنسنٹ سمتھ نے طبقات ناصری سے اپنی تاریخ ہند میں لکھا ہے کہ کہکروں کو عموماً غلط طور پر گکھڑ کہا جاتا ہے۔ حالاں کہ گکھڑ ایک بالکل جداگانہ قوم ہے جو نمک کی پہاڑی سلسلوں میں رہتی ہے۔ بداؤنی لکھتا ہے۔ "و در ۶۴۳ھ ملک ہلاجون و کل چند کھوکر ملک تتار حاکم لاہور را بغدر کشتند و چوں خواجہ جہاں بر سر ایشاں رفت ایشاں بجنگ پیش آمدند" فرشتہ لکھتا ہے "و در ۶۴۳ھ ملک جندر کہ سردار گکھران بود علم مخالفت بلند ساختہ حاکم لاہور ملک تاتار خان را بہ قتل رسانید سلطان خواجہ جہاں را بدفع او فرستاد گکھران را مخذول و منکوب ساخت" بداؤنی نے بجائے گکھر کھوکر غلط لکھا ہے۔ کیونکہ کھوکروں کی قوم کو پنجاب میں اس قدر طاقت کبھی حاصل نہیں ہوئی اور گکھڑوں کا زور سلطان شہاب الدین غوری کے وقت سے اکبر بادشاہ کے وقت تک چار سو سال کے قریب شمالی پنجاب میں اس قدر رہا کہ کئی صدی تک خراسان کا رستہ اُن کی لوٹ مار کے سبب ملتان اور دیپال پور میں سے رہا اور لاہور کی جانب سے بالکل متروک ہو گیا تھا۔ ایک بات قابل غور ہے کہ ابن بطوطہ اور بداؤنی دونوں کہکروں کے سردار کا نام کل چند لکھتے ہیں۔ فرشتہ نے جندر یا چندر لکھا ہے۔ چوں کہ ابن بطوطہ اور بداؤنی کا اتفاق بہت عمدہ شہادت ہے کہ نام کل چند تھا اس لیئے معلوم ہوتا ہے کہ کہکر اُس وقت تک اکثر مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اسلام کا آغاز اُن میں بے شک سلطان شہاب الدین محمد غوری کے وقت سے شروع ہو گیا تھا۔ کننگھم صاحب کی تحقیقات کے مطابق یہ قوم ترکی الاصل ہے۔ سکندر کے مورخوں نے لکھا ہے کہ سوہان کا دریا ابھی سار کے ملک سے نکلتا ہے۔ اور تحقیق ہیں درنج ہو کہ مرجی اور مارگلہ کے درمیان کا ملک ابھی سار کا ملک تھا۔ چوں کہ کہکر اس علاقہ میں سکندر کے پہلے سے رہتے ہیں اور یونانی مورخوں نے لکھا ہے کہ ابھی سار کے بھائی کے پاس دو بڑے بڑے سانپ تھے۔ جن کی وہ پرستش کرتا تھا۔ اِس لیئے

اس زمانے میں ملک بنگالے کا پایہ تخت **لکھنوتی** تھا۔ افغانوں نے بدل کر اپنے نام پر اُس کا نام **غور** رکھا جو کثرت استعمال سے **گور** کہلانے لگا۔ پھر بگڑ بگڑا کر **گور بنگالہ** ہو گیا۔ **لکشمن سین** جو بنگالے کا ایک معمر اور مسن راجہ تھا۔ بڈھے نے بچارے کی زندگی ہی تھی جو ان غوریوں کے ہاتھ سے بچ گیا۔ غوریوں کا لشکر جب ملائے نے درمان کی طرح اُس کے محلوں میں گھسا اور پکڑ دھکڑ شروع کی تو یہ اپنی جان ہتیلی پر لے کر ایک چور دروازے سے بھاگا اور اُڑیسے میں پہنچ کر بقیۃ العمر **جگناتھ جی** کے مندر میں اپنے معبود کی سیوا میں بسر کی۔ اِس کے بعد غوریوں نے اوّل **گجرات**

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ بٹھادیا۔ اِس زمانے میں شمالی ہندمیں سب سے بڑی اور زبردست سلطنت پالا خاندان ہی کی تھی۔ پالا خاندان کے سارے راجہ بودھ مذہب کی سختی سے پیروی کرتے تھے۔ گیارھویں صدی کے اوائل میں مہیپال اول اور نیایال اس خاندان کے دو راجاؤں نے بودھ مذہب کی حمایت میں اپنی طرف سے واعظیں کی بھی بھیجا تھا۔ اس خاندان کا آخری طاقتور راجہ رام پال (تقریباً ۱۰۸۴-۱۱۳۰ء) تھا جس نے ترہُت یعنی شمالی حصۂ بہار کو فتح کیا تھا۔ اِس طرح پالا خاندان نے زمانے کے نشیب و فراز کا تماشہ ساڑھے چار صدی تک دیکھا اور آخر کار ۱۱۹۷ء میں مسلمانوں کے ہاتھ سے اِس قدیم خاندان کا خاتمہ ہوا۔ ۱۲

مشرقی بنگال کا سیین خاندان۔ بارھویں صدی کے ربع اول میں راجہ وجایاسین نے بنگال کے ایک بڑے حصے میں ایک جداگانہ سلطنت قائم کی جس کے راجہ سین خاندان کے کہلاتے ہیں۔ سینوں نے اگرچہ پالا خاندان کی طاقت کو بہت گھٹا دیا تاہم بھی جنوبی بہار اور کچھ عرصہ تک شمالی بہار یعنی ترہُت بھی اُن کے قبضے میں رہا۔

مسلمانوں کی فتح کے وقت (۱۱۹۷-۱۱۹۸ء) پالا خاندان کی دارالسلطنت مونگیر یا بہار کا شہر تھا اور سینوں کی راجدھانی بنگال میں ندیا یا نوادیپ تھا۔ سین لوگ بڑے متعصب ہندو تھے۔ چنانچہ بنگالے میں یہ بات مشہور ہے کہ راجہ بلال سین نے برہموں بیدوں۔ اور کایستھوں کی ذات بندی کی تھی۔ مسلمانوں کی فتح کے بعد بھی سین راجہ مشرقی بنگال میں ڈھاکے کے پاس بکرم پور میں حکمرانی کرتے رہے۔ ۱۲

دوسرے مقامات کو فتح کرنا شہاب الدین تو غزنی واپس چلا گیا مگر اُس کے وفادار نائب قطب الدین نے پیاپے حملے کرکے **گجرات**۔ **گوالیار**۔ **کالنجر** فتح کرلیے۔ یوں تو اپنی اپنی جگہ یہ سب بڑے بڑے معرکے تھے مگر کالنجر ہی کی ایک مہم میں پچاس ہزار قیدی پکڑے گئے۔ پھر اُس نے **مہوبا** کو فتح کیا جو راجگان **چاندیل** کا پایہ تخت تھا اور وہاں سے براہ **بدایوں دہلی** واپس آیا۔ سلطان **غیاث الدین** نے اِن فتوحات کی جلدوئیں قطب الدین کو **سلطان** کا خطاب دیا۔ راٹھور اور شمالی ہند کی کئی راجپوت قومیں اِس وقت **گنگا جمنا** کے اُس علاقہ سے جہاں اُن کے آباؤ اجداد ہزاروں برس سے آباد تھے اپنے کنبوں مال واسباب جانور اور مویشی لے کر جنوب کی طرف مارواڑ اور اراولی پہاڑوں کے اُس علاقے میں چلی گئیں۔ جو اَب انہیں راجپوتوں کی وجہ سے **راجپوتانہ** کہلاتا ہے۔ محمد غوری اور اُس کے جرنیلوں نے قریب قریب سارا شمالی ہندوستان زیر کرلیا۔ اِن میں سے ایک نے جس کا نام **بختیار خلجی** تھا ۱۱۹۹ء میں **اودھ** اور **بہار** اور ۱۲۰۳ء میں **بنگالے** کو فتح کیا۔

۵۱ اِس زمانے میں جیجاک بھُگتی کے چندیلوں کی ایک بڑی سلطنت تھی جو اَب بندیل کھنڈ کہلاتی ہے اِس کی راج دھانی مہوبا تھی جو اب ضلع ہمیرپور میں ہے۔ اور کالنجر کا مشہور مستحکم قلعہ جو اب ضلع باندے میں ہے اِسی راجہ کے بڑے مقبوضات میں تھا۔ قنوج اور اِس سلطنت کے درمیان دریائے جمنا حدّ فاصل تھا۔ اور ۱۰۰۰ء میں یہ راج بڑے عروج پر تھا۔ ۱۲

۵۲ بنگال اور بہار کے پالا خاندان۔ ہرشا کا جب زور تھا تو اُس نے مغربی اور درمیانی ملک بنگال سب پر پوری طرح قبضہ کرلیا۔ ۶۴۷ء میں اُس کی وفات کے بعد سارے ملک میں بدنظمی پھیل گئی۔ اِس کے بعد قریب قریب ایک صدی تک کے حالات بہت کم ملتے ہیں۔

۷۳۰ء یا ۷۴۰ء میں وسطی بنگال کے لوگوں نے گوپال کو راجہ بنا کر ملک کا نظم و نسق بٹھایا اور یہی پالا خاندان کا پہلا راجہ ہوا۔ اِس نے اپنے زمانہ سلطنت کے آخری حصے میں بہار کا جنوبی حصہ بھی فتح کرلیا۔ دوسرا راجہ دہرم پال اور تیسرا دیوپال جن کی مجتمعہ سلطنت ایک صدی تک رہی انہوں نے بہت کچھ ترقی کی اور ملک بنگال کو ہندوستان کی ایک زبردست طاقت کے مرتبے پر پہنچادیا قنوج کے راجہ سے اِن سے بیشتر جنگ رہتی تھی۔ نویں صدی کے شروع میں راجہ دھرم پال کی طاقت کا یہ حال تھا۔ کہ اِس نے بہ اختیار خود قنوج کے ایک راجہ کو معزول کرکے دوسرے کو

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

فتح کیا ہے۔ یہ شخص **شہاب الدین** محمد بن سام غوری بادشاہ غزنی وخراساں کا غلام تھا اور اُس کی طرف سے **سپہ سالاری** کا عہدہ رکھتا تھا۔ اور یہ محمد بن غوری سلطان ابراہیم بن سلطان محمود غازی کے ملک پر بزور قابض ہوگیا تھا۔ جس نے ہندوستان کی فتح شروع کی تھی۔ سلطان شہاب الدین نے **قطب الدین** کو ایک بڑا لشکر دے کر ہندوستان پر بھیجا اُس نے **لاہور** کو فتح کیا۔ اور وہیں رہنے لگا۔ اور آگے چل کر خود ایک عظیم الشان بادشاہ ہوگیا۔ بادشاہ کے مصاحبوں نے ایک دفعہ قطب الدین کی چغلی کھائی کہ وہ ہندوستان میں اپنی جداگانہ حکومت قائم کرکے آپ کی اطاعت سے باہر ہوا چاہتا ہے یہ خبر اُڑتی پڑتی قطب الدین کے بھی گوش زد ہوئی وہ گھبرایا اور جیسا بیٹھا تھا ویسا ہی یک بینی و دوگوش چل کھڑا ہوا اور غزنی جا پہنچا۔ گو رات کو پہنچا تھا۔ مگر اُسی وقت بارگاہ سلطانی میں باریاب ہوا چغل خوروں کو اِس کے آنے کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔ دوسرے دن جب بادشاہ دربار میں بیٹھا تو قطب الدین چھپ کر تخت کے تلے بیٹھ گیا۔ جب دربار اچھی طرح بھر گیا تو بادشاہ نے قطب الدین کا ذکر چھیڑا۔ جن مصاحبوں نے چغلی کھائی تھی۔ اتنا اشارہ اُن کے لیئے بس تھا۔ جھٹ بول اُٹھے کہ ہم جاں نثاروں کو تحقیق معلوم ہے کہ وہ خود سر بادشاہ بن بیٹھا ہے۔ بادشاہ نے اُسی وقت تخت پر پاؤں مارا اور تالی بجا کر کہا ایبک قطب الدین نے کہا **حضور!** حاضر اور باہر نکل کر دربار میں سب کے سامنے مؤدب کھڑا ہوگیا۔ چغل خوروں کے کاٹو تو لہو نہیں سب تھرا گئے رہیں جو منے لگے۔ بادشاہ نے کہا خیر جاؤ ہم نے تمھاری جاں بخشی کی پھر کبھی ایبک کی بات بادولت سے نہ کہنا۔ بادشاہ نے قطب الدین کو ہندوستان جانے کی اجازت دی اور اجازت ملتے ہی قطب الدین دہلی چلا آیا۔

مسلمانوں کا

۵۸۹ھ ۱۱۹۳ء میں سلطان شہاب الدین پھر ہندوستان میں آیا اور جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ جے چند سے لڑائی ہوئی۔ اس کے بعد

بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ میں کسطرح فتح ہوسکتی تھی فرشتہ کی تحریر سے بھی تراوڑی کی دوسری لڑائی ۵۸۸ھ میں اور دہلی کی فتح بھی اسی سال کے اواخر میں ہوئی لیکن اس کتبہ سے غلط ارتع اور سبع اور تسع پر سوال رہ جاتے ہیں لیکن واقعات تاریخی کے لحاظ سے کننگھم صاحب نے جو تسع وثمانین وخمسمائۃ پڑھا ہے۔ فتح دہلی کی وہی صحیح تاریخ ہے ۱۲

مسلمانوں کا دہلی فتح کرنا ۵۸۹ھ ۱۱۹۳ع

سفرنامۂ ابن بطوطہ میں لکھا ہے کہ قاضی القضاۃ علامہ **کمال الدین محمد** بن برہان المقلب بہ **صدر جہاں** ذکر کرتے ہیں کہ دہلی کی فتح ۵۸۴ھ میں ہوئی تھی اور جامع مسجد یعنی مسجد قوت الاسلام میں بھی یہی تاریخ جو ابن بطوطہ نے خود پڑھی - دہلی کو دراصل قطب الدین ایبک ہی نے

سلہ ابن بطوطہ نے فتح دہلی کا سنہ ۵۸۴ھ غلط پڑھا ہے - مشرقی دروازے پر کا کتبہ یہ ہے "این حصار را فتح کرده این مسجد را بساخت بتاریخ مشہور سنہ سبع وثمانین وخمسمائۃ امیر اسفہالار اجل کبیر قطب الدولہ والدین امیرالامرا ایبک سلطانی اعز اللہ انصاره وبیست وہفت آلت بتخانہ کہ در ہر بتخانہ دو وہزار بار ہزار دلیوال (ایک سکہ تھا جس کو جیتل کہتے تھے) صرف شده بود درین مسجد بکار بستہ شده است - خدائے عزوجل بر آن بنده رحمت کناد ہر کہ بر .... بہ نسبت بانی خیر دعاء ایمان گوید" سر سید اور مسٹر طامس نے اسی طرح پڑھا - جنرل کننگھم نے ۵۸۷ھ کی بجائے ۵۸۹ھ اور ابن بطوطہ نے ۵۸۴ھ پڑھا ہے - خط طغری میں اور پھر دور سے پڑھنے میں اربع - تسع اور سبع میں کچھ فرق نہیں معلوم ہو سکتا - مسٹر ایڈورڈ طامس لکھتے ہیں کہ حسن نظامی مصنف تاج المآثر نے بھی دہلی کی فتح کا ۵۸۷ھ ہی لکھا ہے - اور منہاج السراج مصنف طبقات ناصری نے بھی لکھا ہے کہ قطب الدین نے فتح دہلی کے بیس سال بعد وفات پائی اور قطب الدین کی وفات ۶۰۷ھ میں ہوئی تھی لیکن حسن نظامی نے تاریخ تاج المآثر میں فتح دہلی کی تاریخ بصراحت نہیں لکھی - جاٹو زمیندار ہانسی کی لڑائی کا سال ۵۸۸ھ دیا ہے - اُس سے پہلے فتح دہلی کی سُرخی دی ہے لیکن مضمون کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سال دہلی فتح نہیں ہوا - بلکہ میرٹھ اور اجمیر کی فتح کے بعد یعنی ۵۸۹ھ میں دہلی فتح ہوئی ہے - اِس طرح طبقات ناصری سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ۵۸۸ھ میں شہاب الدین نے رائے پتھورا کو شکست دے کر اجمیر ہانسی اور سرسے کو فتح کیا اور پھر وطن کو واپس گیا - قطب الدین کو کھڑام میں چھوڑ گیا اور بادشاہ کی عدم موجودگی میں قطب الدین نے میرٹھ اور دہلی فتح کئے اور اگلے سال یعنی سنہ ۵۸۹ھ میں بادشاہ واپس آیا - لیکن ایک جگہ قطب الدین کے حال کے شروع میں لکھا ہے کہ ۵۸۷ھ میں میرٹھ فتح کیا اور اِسی سال میں دلّی فتح کی لیکن یہ کاتب کی غلطی ہے کیوں کہ طبقات ناصری سے معلوم ہوتا ہے کہ تراوڑی کی پہلی لڑائی ۵۸۷ھ میں ہوئی اور دوسرے سال ۵۸۸ھ میں بادشاہ نے واپس آکر تراوڑی ہی پر فتح حاصل کی اور اِس کے بعد اجمیر اور ہانسی فتح کیے - اور جب بادشاہ چلا گیا تو قطب الدین نے میرٹھ اور دہلی فتح کی - پس جب کہ ۵۸۸ھ میں رائے پتھورا پر فتح حاصل نہیں ہوئی تھی تو دہلی اِس سنہ

بھی اس طرح نہ کھینی جاتیں۔

سلطان محمود غزنوی بڑا جابر حکمراں تھا وہ بھی قتل عام کو روا نہ رکھتا تھا۔ لیکن شہاب الدین کا طرز عمل کچھ اور ہی تھا۔ اس نے پہلے تو چوہدر رائے کے بیٹے سے دلی لی اور رنجیت دروازے سے شہر میں داخل ہوا۔ اور جب ہی سے اس کا نام غزنی دروازہ پڑا۔ پھر اجمیر پر لشکر کشی کی خوب قتل عام کیا۔ ہزاروں ہی آدمی مارے گئے اور بہت سے قیدی پکڑ کر غلام بنائے گئے اور بہت سا مال غنیمت لے کر غزنی کو چلتا ہوا اور اپنے نائب ملک قطب[۱] الدین ایبک کو جو اُس کا ترکی غلام اور بڑا معتمد تھا۔ ہندوستان میں اُن صوبوں کی حکومت اور انتظام کے لیئے بطور وائسرائے (نائب السلطنت) کے چھوڑ گیا جو اُس نے فتح کیئے تھے۔ اور اس طرح ہندو راجاؤں کا خاتمہ ہو کر مسلمانوں کی سلطنت کی بنیاد ۱۱۹۳ء سے پڑ گئی۔

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ ہ بھی جو محمود غزنوی سے سو برس پہلے تھے۔ اس شہر کا ذکر کیا ہے چینی سیاح ہیون تھسنگ نے جو ۶۳۴ء میں ہندوستان میں آیا تھا۔ لکھا ہے کہ اُس وقت یہ شہر ۲۰ میل لمبا اور ۴ میل چوڑا تھا اور گنگا اُس کے نیچے مشرق کی طرف بہتی تھی اُس سے دو سو برس پہلے ۴۰۵ء میں فاہیان ایک دوسرا چینی سیاح بدھ کے مزار کی زیارت کے لیئے آیا تھا۔ اُس وقت بھی دریا اُس شہر کے نیچے بہتا تھا۔ بطلیموس یونانی جغرافیہ داں نے بھی ۱۴۰ء میں اس شہر کا ذکر کیا ہے۔ اس شہر کا زوال راجہ جے چند راٹھور کے مرنے کے بعد شروع ہوا یہ راجہ محمد غوری سے شکست کھا کر دریائے گنگ کو پار کرتا ہوا ڈوب گیا تھا محمود کے وقت میں جو راجہ جے پال نام تھا وہ خاندان تور سے تھا۔ ۱۲

نوٹ صفحہ ہذا ؎ سلہ فرشتہ نے منہاج السراج کی تاریخ کا مطلب غلط سمجھ کر لکھ دیا ہے کہ ایبک ترکی میں اُس شخص کو کہتے ہیں جس کی چھوٹی انگلی ٹوٹی ہوئی ہو۔ لیکن طبقات ناصری کی عبارت اس طرح ہے "انگشت خنصر او از دست شکستگی داشت بدان سبب اورا ایبک شل گفتندے" انگلی کا ٹوٹنا شل ہونے کی وجہ کو ظاہر کرتا ہے نہ کہ ایبک کے لقب کی وجہ کو۔ ایبک ترکی آئی = چاند اور بک یا بیگ = امیر۔ یہ قول مسٹر ٹامس کا ہے سکّے میں بھی اسے بک علی حدہ علی حدہ لکھا ہے اور اس سے بھی اس وجہ اس قول کی تائید ہوتی ہے اُس زمانے کے کئی غلام اِس نام کے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نام کسی نقص جسمانی یا عیب کے متعلق نہیں ہے شمس الدین کے ساتھ جو دوسرا غلام خرید گیا وہ بھی ایبک تھا۔ پھر اور ایک غلام سیف الدین ایبک حسن کا ذکر تاریخ فرشتہ میں کئی جگہ آیا ہے یہی نام کا تھا۔ ۱۲

ہم نے اسی دن حضور کو وسیع مملکت ہند اور دیگر ممالک کا قیصر وقیصرہ تسلیم کیا
حضور نے اس سیاحت میں ہمارے شہر کو ہندوستان کا پایۂ تخت قرار فرمانے
سے اپنے تخت کے ساتھ اور زیادہ زنجیر الفت سے وابستہ فرمالیا ہے - دہلی میں
مختلف خانداں کے حکمرانوں کے یادگاری ثبوت موجود ہیں جنھوں نے ہزار
سال سے زیادہ کے لیئے اس کو اپنا دارالخلافہ بنایا لیکن ہم حضور کو یقین دلاتے
ہیں کہ ہمارے شہر کی یادگاروں میں کوئی واقعہ اس وقعت وعزت سے
نہیں دیکھا جائے گا جیسے کہ ہمارے قیصر آں جہانی شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم کا
آل انڈیا میموریل جس کے بنیادی پتھر رکھنے کا پسرانہ فرض حضور نے
نہایت فیاض دلی سے پورا فرمایا ہے جو ہمارے شہر کے لیئے ایک
اعتماد ہے - آخر میں ہم نہایت عجز وخلوص دل سے دعا کرتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ
کی طرف سے حضور اور حضور کے خانداں پر برکتیں نازل ہوں اور خداوند
کریم آیندہ زمانے میں حضور کا رہبر و مددگار رہو اور حضور عرصۂ دراز تک
اپنی وفادار وباا اس واقبال مند رعایا پر کامیابی سے حکومت کریں"

جواب "تمھارے ایڈریس میں خیر مقدم اور خیر اندیشی کے جن
خیالات کا اظہار کیا گیا ہے میں اور ملکۂ قیصرہ اس کا شکریہ
ادا کرتے ہیں - چند مہینے کا عرصہ ہوا ہمیں خوف تھا کہ مبادا ہمارے ورود
ہندوستان کے موقع پر غیر معمولی خشک سالی کا ایک زمانہ آجانے کے سبب
سے شدید قسم کی گرانی واقع ہو اور میری ہندوستانی رعایا کی تعداد کثیر
پر ایک بلائے عظیم نازل ہو جائے جس کی مرفہ الحالی بالکل کثرت باراں
اور زراعتی پیداوار پر موقوف ہے - شکر ہے کہ وہ گرانی محدود رہی اور
سلہ وہ قحط جو اساک باراں اور کمی پیداوار غلے کی وجہ سے ہوتا تھا وہ مقامی
ہوتا تھا ایک حلقے میں محدود جس کا علاج دوسرے مقامات کی امداد سے کردیا جاتا تھا
مگر حالت موجودہ قحط سے بھی بدتر ہے - نرخ اجناس وساماں مایحتاج ہمہ قسم کا وہ ہے
جو دیدۂ شنید - حاصل یہ کہ روپیہ کا سے سولھا آنے کے چار آنے کا رہ گیا یعنی چہرہ
کی قیمت چوگنی چڑھ گئی بلکہ کہیں کہیں اس سے بھی زیادہ اور یہ حالت عالم گیر ہے کوئی شہر
(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

کے ساتھ بلکہ اپنے ملک کے ساتھ کی تھی۔ دریائے **جمنا** کے کنارے اٹاوے کے پاس چاندواڑ مقام پر جنگ ہوئی۔ دہلی اور اجمیر کے راجپوتوں میں سے ایک بھی اس کی کمک کو نہ آیا۔ بھلا اکیلا افغانوں کے جرار لشکر کا کیا مقابلہ کر سکتا تھا۔ آخر کار شکست کھائی اور آنکھ میں تیر لگ کر مارا گیا۔ **بنارس** اور **قنوج** فتح ہوئے اور لوٹے گئے اب کیا تھا بہار اور **بنگال** کا رستہ مسلمانوں کے لیے کھل گیا۔ ہزار سے زیادہ مندر گرائے ایک بنارس ہی میں ہزار بت توڑے اور لوٹ کے مال سونے چاندی کے اسباب سے چار ہزار اونٹ لاد کر وہاں سے افغانستان کو لے گئے۔

ہندوؤں کی سلطنت کا خاتمہ

راجپوت سلطنتیں یوں مغلوب ہوئیں اور سنہ ۱۲۰۰ع سے افغان بادشاہوں نے ہندوستان کے راجپوتوں کی سلطنتیں یکے بعد دیگرے لے لیں اور اُن پر حکومت کرنے لگے۔ اگر راجپوت راجہ اتفاق رکھتے اور ایک دوسرے کی مدد کرتے تو وہ اپنے آپ کو بچا بھی لیتے اور اُن کی سلطنتیں

نوٹ صفحہ گزشتہ کے قنوج کے گھڑ واڑ۔ قنوج کے پرہیار خاندان کو محمود غزنوی نے ایسا برباد کر دیا کہ آگے چل کر اُس کا نام تک بھی باقی نہ رہا۔ گیارھویں صدی کے آخیر میں راجپوتوں کی ایک اور قوم نکلی جو دراصل گھڑواڑیوں ہی کی نسل سے تھے۔ مگر اب راٹھوڑ کہلانے لگے انھوں نے قنوج پر قبضہ کر کے ایک نئے خاندان کی بنا ڈالی۔ انھوں نے گوبند چندر اور اُس کے جانشینوں کے عہد میں بارہویں صدی میں بڑا عروج پایا۔ اِس خاندان کا آخری راجہ جے چند۔ گوبند چندر کا پوتا تھا۔ جس کا نام گیتوں اور کہانیوں میں گایا جاتا ہے۔ مسلمانوں کے ہاتھ سے یہ راجا مارا گیا۔ ۱۲

سے قنوج عموماً بفتح القاف زبان زد ہے۔ فرخ آباد کے ضلع میں ہے۔ سولھا سترہ ہزار کے قریب آبادی ہے زمانہ قدیم میں بہت بڑا شہر تھا۔ محمود غزنوی اور سلطان شہاب الدین غوری کے وقت میں قنوج کے راجہ شمالی ہندوستان میں مہاراجہ ادھیراج سمجھے جاتے تھے۔ پہلے دریائے گنگ قنوج کی دیواروں کے نیچے بہتا تھا۔ لیکن اب وہ کالی ندی کے کنارے پر واقع ہے اور گنگا وہاں سے چار میل کے فاصلے پر بہتی ہے۔ روضۃ الصفا میں درج ہے کہ جب محمود نے سنہ ۱۰۱۸ع میں قنوج پر حملہ کیا تو اس شہر میں اُس وقت سات قلعے اور دو ہزار بت خانے تھے۔ اُن پہاڑیوں یا ٹیلوں کے نشان جن پر یہ قلعے تھے۔ اب بھی موجود ہیں۔ اُن میں سے ایک ٹیلے پر جامع مسجد ہے جس کو سیتا کی رسوئی کہتے ہیں۔ یہ مسجد سنہ ۱۴۰۶ع میں ابراہیم شاہ شرقی بادشاہ جونپور نے بنائی تھی۔ مسعود اور ابو زید نے

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

اٹھائے کوتیوں سے کوتیاں ملائے دریائے مواج کی طرح اُمڈ آتے۔ اِس پُر زور حملے سے راجپوتی سپاہ میں کچھ ایسا تلاطم ہوا کہ یکایک ہوا اُکھڑ گئی اور جسم ردن میں لساط اُلٹ گئی اور کچھ سے کچھ ہو گیا۔ وہ شان دار فوج جو پہاڑ کی طرح جمی کھڑی تھی دم کے دم میں تہ و بالا ہو گئی۔ بڑے نامی گرامی سردار مثل چونڈرائے وغیرہ کے کام آئے اور رای پتھورا بھی گرفتار ہو گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ وہیں اُسے بھی مار ڈالا اور بعض کہتے ہیں کہ ہیں قید کر کے غزنی بھیج دیا اور وہیں اُس کا خفیہ طور پر کام تمام کر دیا جب سردار ہی نہ رہا تو پھر فوج کیا ٹھیر سکتی تھی۔ اور کسکا سہارا یکڑتی چوطرف بھاگڑ مچ گئی ؎

جہاں کل سپہدار تھے حکمراں کھڑے تھے جہاں ترچھے بانکے جواں
جہاں کل تھے فیلانِ جنگی ہزار کُداتے تھے گھوڑے جہاں شہسوار
جہاں پاسباں کل تھے للکارتے پرندے بھی ڈرتے تھے پر مارتے
وہاں آج لاشوں کے انبار ہیں پڑے ہر طرف سینہ افگار ہیں
وہ سر جس پہ تھا کل جواہر کا تاج وہ ہی خاک و خوں میں آلودہ آج

رانی سنجوگتا دم دم کی خبریں منگاتی تھی۔ جب اس حادثۂ جانکاہ کی سُنوائی آئی تو اُس نے زندگی پر موت کو ترجیح دی۔ چتا میں بیٹھ اپنے تن نازنیں کو آتش سوزاں کے حوالہ کیا تھوڑی دیر میں مشت خاکستر کے سوا اس کا کچھ نام و نشاں بھی باقی نہ رہا ؎

تا سحر وہ بھی نہ چھوڑی تو نے اے بادِ صبا
یادگارِ رونقِ محفل تھی پروانے کی خاک

مرا بہ مرگِ عدو جائے شادمانی نیست
کہ زندگانی ما نیز جاودانی نیست

جے چند کا خاتمہ سنہ ۱۱۹۴ عیسوی

جے چند نے جب یہ خبر سُنی تو پھولوں جامے میں نہ سمایا مگر اس کی خوشی بہت دیر پا نہ تھی اگلے ہی برس محمد غوری اپنی فوج لے کر پھر آیا اور اس دفعہ اُس نے قنوج کے راجہ جے چند پر چڑھائی کی تاکہ اُسے اُس دغابازانہ غداری کی سزا دے جو اُس نے نہ صرف اپنے بھائی رای پتھورا

سلہ نوٹ نمبر ۲ کے لیے دیکھو صفحہ آئندہ ۱۲

کہ ہماری اس اہم معرکہ آرائی سے دست کشی نہیں ہی بلکہ اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنا
اور مسلمانوں کے لیے رستہ صاف کرنا ہی۔ ادھر کوچ کے ڈنکے پر چوب پڑی ادھر
رانی کا کلیجہ دہل گیا۔ راجہ اہل خاندان کو وداع کرکے راجپوت سرداروں کے ساتھ
رنجیت دروازے سے نکلا۔ لشکر کو کوچ کا حکم سنایا اور منزل بہ منزل تھانیسر
کے اُسی میدان میں جا پہنچا جہاں کہ دو سال پہلے ایک خوں ریز جنگ ہوئی
تھی۔ دریائے سرسوتی کے وار پار دونوں لشکر خیمہ زن ہوئے۔ رائے
پتھورا نے بادشاہ سے کہلا بھیجا کہ "تم کو اپنی جان دوبھر ہی سو ہی مگر دوسری
خلق اللہ کی جانوں پر رحم کرو کہ وہ نہنگ اجل سے بچیں۔ مشہور ہے کہ الحرب خدعة
بادشاہ ایک چال چلا اور کچھ ڈھیل دی یہ پچھتے میں آ گئے سمجھے کہ صلح کے آثار
ہیں۔ یہ اس خواب غفلت میں رہے۔ اُدھر تو نہ پھٹنے پائی تھی کہ سلطانی لشکر دریا
کو عبور کرکے قضائے مبرم کی طرح آن دھمکا اور طبل جنگ بجایا۔ جب یہ لوگ چونکے
تو غنیم کو سر پر موجود پایا۔ ایک گروہ نے جھٹ پٹ آگے بڑھ کر غنیم کو روکا اتنے
میں سارا لشکر صف بستہ ہو کر سامنے آ گیا۔ بادشاہی لشکر چار حصوں پر منقسم تھا
ہر حصہ باری باری سے حملہ کرتا تھا۔ مگر دلاور راجپوت بھی ایسا جی توڑ کر جیوٹ سے
لڑے کہ ترکوں کے دانت کھٹے کر دئے۔ سلطانی لشکر ظاہرا شکست کی صورت
بنا کر پیچھے ہٹا راجپوتوں نے تعاقب شروع کیا تو اُن کی ترکیب درہم برہم ہو گئی۔
اُس وقت سلطانی فوج نے پلٹا کر تازہ دم فوج سے پھر حملہ کیا لیکن یہ تدبیر بھی راست
نہ آئی۔ فتح و شکست کا فیصلہ کچھ نہ ہوا۔ جب آفتاب سر پر آیا اور لو چلنے لگی تو رائے
نے درختوں کے سائے میں پناہ لی۔ ڈیڑھ سو راجہ مہاراجہ اُس کے گرد جمع ہوئے
سب نے تلواروں پر ہاتھ رکھ کرکے عہد و پیمان کیا۔ آخر دم تک لڑنے کی قسم
کھائی۔ شربت پیا۔ پان کا بیڑا چبایا۔ تلسی کی پتی زبان پر دھری۔ پیشانی پر قشقہ
زعفرانی کھینچا اور ذرا دم لیا۔ جب کسی قدر دن ڈھل گیا اور آفتاب کی تمازت
کچھ کم ہوئی تو بادشاہ بارہ ہزار سوار خاصہ سے لے کر اپنی جگہ سے ہلا۔ سواروں کے
سروں پر مرصع خود۔ بدن میں فولادی جوشن۔ ایک ہاتھ میں تلوار ایک میں نیزہ۔ باگیں

سلہ لڑائی بھی ایک چال بازی کا نام ہے۔ ۱۲

دوسری لڑائی اور پرتھی راج کا مارا جانا سنہ ۱۱۹۳ء

سنہ ۱۱۹۳ء میں دوبارہ ڈیڑھ لاکھ سوار جرّار لے کر چلا لیکن کسی پر اپنا مقصود ظاہر نہیں کیا۔ پشاور پہنچ کر ایک بوڑھے سپاہی نے عرض کیا معہذا اس لاؤ لشکر سے تو کسی بڑی مہم کے آثار نظر آتے ہیں۔ پھر امراء سے اس راز کے مخفی رکھنے میں کیا مصلحت ہے؟ بادشاہ نے ایک آہ سرد بھر کر کہا "اے پیر مرد! جس دن سے میں نے راجپوتوں کے مقابلے میں زک پائی حریم دولت میں بستر کو پیٹھ نہیں لگائی۔ بہو رخوں آلود پیراہن نہیں بدلا جو لڑائی کے وقت میرے تن پر تھا۔ آج تک امیروں کا منہ نہیں دیکھا جو مجھ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ اب غیرت کا تقاضا یہ ہے کہ یا تو دشمن سے انتقام لوں یا سر میدان لڑ کر جان دوں"۔ پیر مرد نے دعائے خیر دے کر کہا "صلاح وقت یہ ہے کہ امراء کی تقصیر معاف فرمائیے۔ اُن کا رتبہ بڑھائیے تاکہ آئندہ سرخرو ہوں اور پچھلے قصور کا بدل کریں"۔ بادشاہ نے اس کی صلاح مان لی۔ ملتان پہنچ کر ایک دربار کیا۔ لشکر کے سرداروں کو جمع کر کے اُن کے حال پر مہربانی فرمائی اور اپنا دلی منشا سمجھایا۔ سب نے تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھ کر عہد و پیمان کو تازہ کیا۔ لاہور پہنچ کر رائے کے نام نامہ لکھا گیا۔ کہ یا تو ہماری اطاعت قبول کرو یا جنگ و پیکار کے لیئے تیار رہو۔ جب پیک سلطانی در دولت پر حاضر ہوا تو کسی کی مجال نہ تھی کہ یہ خبر گوش گزار کرے۔ **چند اچھاٹ** جو منہ چڑھا تھا ساتھ ڈیوڑھیاں طے کر کے راجہ کے حضور میں پہنچا اور سلطان کی یورش کا حال بیان کر کے اُس کو خواب غفلت سے بیدار کیا۔ سم یکتا بھی کہتے ہیں جن کی بدولت رائے کی یہ بُری گت بنی تھی کہنے لگی کہ "مہاراج اِس اب بزم عیش کو تہ کیجئے اور بزم رزم کو آراستہ فرمائیے اور ملک و دولت کو ترکوں کی ترکتازی سے بچائیے"۔ اُس وقت تو رائے نے پیک سلطانی کو سخت جواب دے کر واپس کیا مگر خود بہ ہمت جنگ کی تیاری میں مشغول ہوا۔ قرب و جوار کے راجاؤں کو خبر دوڑائی۔ عرصۂ قلیل میں لاکھوں سوار راجپوتوں کا ایک ٹڈی دل لشکر اُس کے جھنڈے تلے جمع ہو گیا۔ جب کوچ کی گھڑی سر پر آن کھڑی ہوئی تو رانی سم یکتا نے اپنے نازک ہاتھوں سے زرہ بکتر پہنایا۔ ہتھیار بدن پر سجائے۔ رائے کا [illegible] دیکھا اور آہ سرد بھر کر بادیدۂ پرنم اپنے پیارے شوہر کو رخصت کر [illegible] پر چڑھائی کی تاکہ ڈالے پتھورا کو ادھر میں چھوڑ کر تماشہ دیکھتے رہے۔ یہ مار [illegible] اپنے بھائی **رائے پتھورا**

وہ اس مجمع میں نہ تھا۔ یوں کہنے کو ایک سے ایک اعلیٰ خوش رو جوان کھڑے تھے ؏

من ایک ہی سے لاگا ہزار و کھڑے

سم یکتا دزدیدہ نگاہوں سے اپنے عاشق صادق کو تلاش کر رہی تھی اس طرح وہ دروازے تک جا پونہچی اور سنہری مورت کے گلے میں جھٹ سے ہار ڈال ہی دیا۔ یہ مورت اُسی دربان کی تھی جسے اِس کے باپ نے حقارت سے پرتھی راج کا قائم مقام قرار دیا تھا۔ یہ خبر جب جے چند نے سُنی بہت آزردہ ہوا اور فوراً سم یکتا کو محل سے بدر کر کے ایک مکان میں نظر بند کر دیا۔

پرتھی راج کا سم یکتا کو بھگا لانا

پرتھی راج تو دور کھڑا یہ سارا ماجرا دیکھ ہی رہا تھا ؏ دونوں طرف تھی آگ برابر لگی ہوئی۔ تاب نہ رہی فوراً حملہ کر کے دروازے پر جا پونہچا۔ ؎

برق تھی صرصر تھی یا تھا زلزلہ ✦ واہ رے جانباز تیرا حوصلہ

راجکماری کو اپنے طاقت ور بازو سے اُٹھا کر جھٹ گھوڑے پر اپنے آگے بٹھا دن دہاڑے لے کر چلا بھلا یہ کیا منہ کا نوالا تھا۔ محل میں ایک اودھم مچ گئی۔ قنوج کے سورماؤں کی بھی رگ حمیت جوش میں آئی۔ تعاقب کر کے راہ میں جا لیا۔ پانچ دن تک لڑائی رہی۔ وہ رن پڑا اور وہ کھانڈا بجا کہ دلاوروں کے خون سے زمین رنگین ہو گئی۔ اگرچہ رائے کے سب جاں نثار کام آئے اِلّا اُس لعل بے بہا کو ہاتھ سے نہ دیا۔ مرگٹ کر دلی تک لے ہی پونہچا۔ پھر تو بڑی دھوم دھام سے اُن کی شادی ہوئی۔ اب کیا ٹھکانا تھا۔ اِس واقعے سے راٹھوڑوں اور چوہانوں میں سخت عداوت ہو گئی۔

راجپوتوں نے اپنی سلطنت کیوں کر کھوئی

جب قنوج کے راجہ جے چند نے دیکھا کہ وہ زور اور قوت سے پرتھی رائے پر غالب نہیں آسکا تو اُس کے غصّے کی کوئی انتہا نہ رہی اور اُس نے ایک بڑی کمینہ اور رذیل حرکت کی جو کسی طرح ایک شریف راجپوت کے شایاں نہ تھی۔ اِس نے سلطان محمدؐ غوری کو لکھا اور اِس امر کی تحریک کی کہ وہ ایک دفعہ پھر دلی کے راجپوتوں پر حملہ کرے۔ مثل مشہور ہے کہ دو کی لڑائی میں تیسرے کی بھلائی۔ محمدؐ غوری اِسی تاک میں ہی تھا۔ کہ موقع پاؤں تو اپنا بدلہ لوں اور اپنی پیشانی سے شکست کا داغ مٹاؤں۔ اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔

تلاوڑی کی

جے چند کی تحریک نے رسنجک کا کام کیا۔ وہاں کیا دیر تھی طیار تو بیٹھا ہی تھا

اُلٹے پاؤں پھری اور راجہ کو مژدۂ وصال پہنچایا۔ پرتھی راج کو ادھر سے اطمینان ہوا مگر مشکل یہ تھی کہ حصول مقصد کی کیا صورت نکالے۔ آخر کار عزم بالجزم کرلیا کہ ع

ہرچہ بادا باد ما کشتی درآب انداختیم

چاہے میری جان ہی کیوں نہ جائے اِس سونے کی چڑیا کو تو ضرور لاؤں پر لاؤں۔ اِسی اثنا میں جے چند کا فرمان آیا جس میں پرتھی راج کو بھی ضیافت میں بلایا گیا تھا اور اُس کے نام حکم تھا کہ دربانی کی خدمت انجام دے۔ اِس سے پرتھی راج کے تن بدن میں آگ لگ گئی کیونکہ وہ جے چند کو کسی حال میں بھی اپنے سے بڑا نہیں گنتا تھا۔ پھر خدمت گاری اور وہ بھی دربانی جس پر ہمیشہ ادنیٰ درجے کی ذات کا آدمی مقرر کیا جاتا ہے مزید ایک بڑی تذلیل تھی۔

غرض بڑے بڑے راجہ مہاراجہ جمع ہوئے اور سم یکتا کو اجازت دی گئی کہ اُن میں سے جسے چاہے اپنا شوہر منتخب کرلے۔ سارے راجہ جو سم یکتا کی خواستگاری کو آئے تھے اُن سے قنوج کا دربار بھر گیا اور ہر راجہ کو اس میں جگہ ملی۔ لیکن راجہ پتھورا جسے دربان بنا چاہئے تھا۔ اُس کا پتہ نہ تھا۔ اِس لئے جے چند نے بجائے اُس کے ایک سنہری بت بنوا کر دروازے پر کھڑا کر دیا اور اُس کا نام پرتھی راج دربان رکھا۔ اس پر کچھ راجہ ہنس پڑے لیکن ان سب کو معلوم تھا کہ وہ بڑا مسچلا اور آن بان کا شخص تھا اس طرح جو اُس کی کرکری ہوئی ہے ضرور یہ ہتک خون کی بارش سے ہی دُھلے گی۔ اگرچہ جے چند کو پرتھی راج کا کچھ پتہ نہ تھا۔ مگر پرتھی راج بھلا ایسے موقع پر کب چوکنے والا تھا۔ چاند کو جو بڑا عالی حوصلہ اور جری سپاہی تھا۔ اور ایک سو نہایت چیدہ چیدہ سورما سوار ساتھ لے فقیروں کا لباس پہنے مثل عام تماشائیوں کے بھیڑ بھاڑ میں جا شامل ہوا کسی نے خیال بھی نہ کیا کہ یہ کون ہیں مگر یہ اپنے کپڑوں کے تلے۔ آہنی ہتیار چھپائے ہوئے تھے اور پاس ہی کے جنگل میں اپنے گھوڑے چھوڑ گئے تھے۔ آخر کار سب اُمیدوار ایک صف میں کھڑے کئے گئے اور سم یکتا اپنے شوہر کے انتخاب کے لئے اُٹھی۔ باپ نے اِسے ایک نہایت پرتکلف پھولوں کا ہار دیکر کہا کہ جس راجہ کو اپنا پتی بنانا چاہتی ہو اُس کے گلے میں ڈال دینا۔ سم یکتا بڑے خرام ناز سے اِدھر اُدھر دیکھتی بھالتی سرداروں اور راجاؤں کی قطاروں میں سے ہٹتی ہوئی گذری۔ ہر شخص کا دل بانسوں اُچھل رہا تھا کہ دیکھئے کس کی تقدیر جاگتی ہے۔ سم یکتا کی نظر سے ڈھونڈتی تھی

کی بڑی بھاری تقریب کا اعلان کیا۔ اِس جشن کا ائین یہ تھا کہ گرد و نواح کے چھوٹے بڑے سب راجہ مدعو کیئے جاتے تھے اور وہ ہر قسم کی خدمتیں اپنے ہاتھ سے بجالاتے تھے جے چند نے رائے پتھورا کو زک دینے کے لیئے دربانی خدمت اِس کے نام زد کی۔ خیر اِس بات کو تو یہیں رہنے دیجئے۔ اب ایک اور مزے دار ذکر سنیئے۔ حسن اتفاق سے اِسی تقریب کے ساتھ ساتھ جے چند نے اپنی نہایت حسین لڑکی **سم یکتا** کے **سوئمبر** کی رسم بھی ٹھیرا دی۔ یہ رسم اپنے پتی (شوہر) کے پسند کرنے کی تھی۔ یہ بھی کھتریوں کی ایک قدیم رسم تھی۔ جس کے ذریعے سے کوئی راج کماری اُن راج کماروں میں سے جو اُس کے باپ کے دربار میں آتے تھے اپنا شوہر پسند کر لیتی تھی۔ جیسا کہ **سیتا** نے رام چندر جی کو چن لیا تھا۔ سم یکتا کے حسن و جمال کا شہرہ چار دانگ عالم میں مشہور تھا۔ جس کی تعریفیں بھاٹ اپنے کبتوں میں گاتے پھرتے تھے۔ پرتھی راج یہ سب تعریفیں بلکہ اِس سے بھی زیادہ **چاند** شاعر سے جو اُس کے دربار کا کلاونت تھا سنکر عاشق ہو گیا تھا۔ سم یکتا بھی پرتھی راج کے حسن و جمال شجاعت اور دلیری کے افسانے سُن کر غائبانہ شیفتہ اور فریفتہ ہو چکی تھی۔ گو دونوں کا آپس میں قریبی رشتہ تھا۔ مگر ایک نے دوسرے کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ پرتھی راج کی ایک بڑھیا دایہ تھی۔ جس نے اِسے پالا تھا وہ اِس سے کوئی بات چھپاتا نہ تھا۔ اُس نے اپنے دل کا بھید اُس بڑھیا سے کہا اور اُس سے صلاح لی کہ میں کیا تدبیر کروں جو وہ مل جائے۔ باپ اُس کا میرا جانی دشمن ہے۔ پھر کیا تدبیر حصول مقصد کی ہے۔ بڑھیا نے ترکیب بتلائی۔ رائے کی ایک تصویر ہاتھی دانت پر کھینچی ہوئی اپنے ساتھ لے قنوج کی راہ لی۔ یہ بڑھیا قنوج کی بیکنٹھ باشی رانی کی بھی نوکر رہ چکی تھی۔ جے چند کے دربار میں پہونچی۔ جانی بوجھی تو تھی ہی جھٹ نوکر ہو گئی اور منہ مانگی مراد ملی کے راج کماری سم یکتا ہی کی خدمت اس کے سپرد ہوئی۔ جب اچھی طرح جم جا گئی تو جس غرض سے آئی تھی۔ وہ بات چھیڑی پرتھی راج کا تعشق اور بے قراری کے اظہار کے ساتھ تصویر بھی پیش کی۔ راج کماری کے دل میں پہلے ہی عشق کی آگ بھڑک رہی تھی وہ پرتھی رائے کی طرح داری اور دلاوری کے کارنامے سُن چکی تھی اور خوب جانتی تھی کہ اِس نے کیسے جیوٹ کا کام کیا ہے کہ افغان حملہ آوروں کو نیچا دکھایا۔ اِس لیئے راج کماری نے دل میں ٹھان لی کہ جس طرح بھی ہوگا۔ بس اِسی سے شادی کروں گی۔ بڑھیا کا کام بنگیا

میدان میں ایک معرکہ عظیم برپا ہوا۔ جس وقت بادشاہی فوج راجپوتوں کے قلب لشکر پر
جھکی ہوئی تھی۔ اُس کا میمنہ میسرہ شکست کھا کر بھاگا۔ مگر سلطان کچھ رفیقوں سمیت میدان
میں جما رہا۔ کھانڈے رائے نے ہاتھی بادشاہ پر ریلا۔ بادشاہ بھی گھوڑا چمکا کر بڑھا اور برچھے
کا ایسا ہاتھ مارا کہ دانت توڑ کر اُس کے منہ میں اُتر گیا۔ مگر بادشاہ کے بھی سیدھے بازو پر
تیر کا کاری زخم لگا اور قریب تھا کہ پشتِ زین سے جدا ہو جائے۔ یہ کیفیت دیکھ کر ایک
خلجی بچہ اُس کے پیچھے ہو بیٹھا۔ اور گھوڑے کو پھیر کر اُس رن سے صاف نکال لے گیا۔
بادشاہی لشکر کے قدم اُکھڑ گئے اور شکست فاش ہوئی۔ اور ساری فوج تتر بتر ہو گئی اور
ہندوؤں نے بھگوڑے لشکر کو ایسا دبایا کہ برابر چالیس میل تک اُن کا تعاقب کرتے چلے
گئے۔ اور جو افغان زندہ بچے سندھ کے پار بھاگ گئے چند روز توقف کر کے سلطان
نے غزنی کی جانب کوچ کیا اور وہاں پہنچ کر فراریوں کو سخت سزائیں دیں غوری
سرداروں اور سپہ سالار کی بڑی مٹی پلید کی توبڑوں میں جو کا دانہ بھروا کر اُن کے منہ پر چڑھا
دیئے اور گدھوں کی طرح اُن کو شہر میں پھرایا۔ ظاہراً عیش و آرام کا نقشہ جمایا اور اپنے
آپ کو بے پروا بنایا۔ مگر درحقیقت اس ناکامیابی کا بڑا دلی صدمہ تھا اور خار کھائے بیٹھا
تھا۔ اور چپکے چپکے لشکر کی درستی اور جنگ کے تہیہ میں سب زور مصروف تھا۔
راجپوتوں نے حق مردانگی ادا کیا کہ اتنی بڑی لڑائی جیت لی۔

اشومیدھ یگ اور سویمبر

رائے پتھورا اعظیم کے خطرے سے فارغ البال ہو کر فتح کا نقارہ بجاتا
اپنی راج دھانی میں آ بیٹھا۔ جے چند اور پرتھی راج کی کشیدگی تو پہلے
ہی سے تھی اور اب اور زیادہ غلط بڑھ گئی۔ اس کے بعد جے چند نے
دور و نزدیک سب جگہ مشہور کر دیا کہ پرتھی راج کوئی چیز نہیں۔ بلکہ میں جو ہندوستان کے
راجپوت راجاؤں کا سب سے بڑا راجہ دھیراج ہوں۔ اس لئے ایک بڑی سیاست کی ٹھیرائی
آرین زمانے کے کھتریوں کی ایک قدیم رسم کے مطابق **اشومیدھ یگ** (گھوڑے کی قربانی)

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ یہ عوام کے مشہور ہو گیا ہو جو لوگ اس کی وجہ تسمیہ راجہ سارس کے نام سے
مشہور کرتے ہیں غلط ہے۔ موجودہ شہر ۱۵۳۷ء میں خواص پور سیپی نے آباد کیا تھا اب اُس کی آبادی سترہ ہزار
کے قریب ہے۔ پرانا شہر جو ۱۷۲۶ء کے قحط میں برباد ہو گیا تھا موجودہ شہر کے جنوب مغرب میں بستا تھا اب بھی
وہیں کھنڈرات نظر آتے ہیں۔ پہلے اس شہر کے نیچے دریائے گھگر کی ایک شاخ بہتی تھی اب وہ خشک ہو گئی ہے

راجپوتوں کے فرقہ ہائے تنوار۔ چوہان۔ راٹھوڑ اور بھگیلوں کی حکومت تھی۔
دہلی کے تنوار خاندان کے راجہ کے کوئی بیٹا نہ تھا۔ اس لئے انہوں نے اپنے نواسے پرتھی راج کو جو شکیل اور بہادر جوان اور چوہانوں کا سرتاج تھا گود لیا۔ راٹھوڑوں کا راجہ جے چند بھی تنوار خاندان کا بڑا نواسہ تھا۔ جب اُس کے نانا نے اِسے چھوڑ کر اِس کے خالہ زاد بھائی پرتھی راج کو گود لے لیا جو اُس سے چھوٹا تھا تو اُس نے اپنی بڑی حق تلفی سمجھی اور پرتھی راج سے سخت حسد کرنے لگا۔ اور اُن دونوں کا بگاڑ ہی راجپوتوں کی سلطنت کی بربادی کا باعث ہوا۔ جب دِلی کا راجہ مرا تو پرتھی راج ہی دہلی اور اجمیر دونوں گدّیوں کا مالک ہوا۔ پرتھی راج نے اجمیر کو اپنا پایۂ تخت بنایا اور دلی کی حکومت اپنے بھائی کھانڈے راؤ کے سپرد کی۔ **محمد غوری** پنجاب سے آگے بڑھ کر بھٹنڈے تک آن پوہنچا اور **سرہند** کا قلعہ فتح کر لیا۔ یہاں سے محمد غوری واپسی کا قصد کر رہا تھا کہ رائے پتھورا کی لشکر کشی کا غلغلہ سنا تو ۱۱۹۱ء میں خود بھی پیش قدمی کر کے آگے بڑھا۔

تلاوڑی کی پہلی لڑائی ۱۱۹۱ء رائے پتھورا نے اپنے ساتھ کوئی سو راجہ اور اِکٹھے کر لیئے جن میں جے چند شریک نہ ہوا۔ دو ہزار سوار اور تین ہزار زنجیر فیل لے کر رائے پتھورا آگے بڑھا۔ دِلّی سے اسّی میل اور تھانیسر سے چودہ میل **نارائن** کے مقام پر جو اب **تلاوڑی** کہلاتا ہے اور دریائے **سرسوتی** کے کنارے واقع ہے۔ اِس

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ: آئین اکبری میں اِس شہر کو فقط پٹن لکھا ہے اور تاریخ فرشتہ میں پٹن بابا فرید۔ بابا فرید گنج شکر خواجہ جمال الدین سلیمان کے فرزند تھے۔ خواجہ جمال الدین کابل سے کوٹ کروڑ میں آئے اور وہاں حضرت مولینا وجیہ الدین خجندی عباسی کی دختر سے آپ کا نکاح ہوا۔ آپ نے قصبہ کوٹھوال میں جو اب تحصیل سیلسی ضلع ملتان میں چاؤلی مشایخ کے نام سے مشہور ہے۔ وطن اختیار کیا۔ کہتے ہیں کہ خواجہ جمال الدین سلیمان فرخ شاہ کابلی کی اولاد میں سے تھے۔ آپ کا اصلی نام مسعود تھا اور لقب فریدالدین عرف بابا صاحب آپ کی وفات (۹۵) سال کی عمر میں روز سہ شنبہ ۵ محرم ۶۹۰ھ میں ہوئی۔ اور شاہ عبدالحق صاحب نے ۵۹۰ھ سال ولادت اور ۶۶۴ھ سال وفات لکھا ہے۔ ۱۲

نوٹ صفحہ ہذا: ۱۔ قدیم تاریخوں میں سرسہ کا نام سرستی لکھا ہے۔ آئین اکبری میں سرسہ لکھا ہے۔ ممکن ہے کہ دریائے سرسُتی پر واقع ہونے کے سبب اس کا اصلی نام سُرستی ہی ہو اور سرسہ بطور غلط

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

کے بعد اور کوئی اسلامی طاقت شہاب الدین کے لئے موجود نہ تھی۔ اور میدان خالی تھا۔
اِس لئے اُس نے ہندوؤں کے قلع قمع کا بیڑا اُٹھایا۔ اُس زمانے میں شمالی حصۂ ہند
میں راجپوتوں کی چار طاقتور سلطنتیں تھیں یعنی دہلی اجمیر۔ قنوج۔ اور گجرات جن

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ؎ دونوں کے بیچ میں بہتی تھی۔ پہلاؤ پوری کا مندر جو اس قلعے میں ہے۔
اُس کا سورج دیوتا کے مندر سے کچھ تعلق نہیں۔ ممکن ہے کہ سورج کنڈ کا مندر جو شہر سے ایک میل
ہے اُس کا بقیہ ہو۔ شاہ رکن عالم کا مقبرہ اس شہر میں ایک عجیب چیز ہے۔ کل بلندی سو فیٹ ہے اور پچاس
فیٹ کی بلندی پر وہ تعمیر کیا گیا ہے۔ کہتے ہیں غیاث الدین تغلق نے اپنے واسطے بنایا تھا۔ لیکن محمد شاہ
تغلق نے وہ شاہ رکن عالم کو دے دیا تھا موجودہ شہر کی آبادی مع چھاؤنی کے اسّی ہزار کے
قریب ہے۔ ۱۲

؎ اس یہ شہر بھاول پور کی ریاست میں دریائے جہلم کے کنارے واقع ہے۔ ملتان سے ستر
میل ہے۔ پہلے زمانے میں دریائے سندھ اور پنجاب کے پانچوں دریا اوچھ کے پاس ملتے تھے۔ اب
چالیس میل نیچے مٹھن کوٹ کے قریب ملتے ہیں۔ کننگھم صاحب کی رائے ہے کہ یہ شہر سکندر اعظم
نے آباد کیا تھا۔ ناصر الدین قباچہ کے وقت میں یہ شہر سندھ کا دارالخلافہ تھا۔ سادات
بخاری اور گیلانی اِس شہر میں رہتے ہیں۔ سید جلال بخاری اور مخدوم جہانیاں کے مزار
اِس شہر میں ہیں۔ مزار کے دروازے پر یہ تاریخ درج ہے۔

تاریک گشت جملہ جہاں نے جلال شاہ ✦ تاریخ بود ہفت صد و ہشتاد و پنج سال

مجمع الواصلین میں سال ولادت کی نسبت یہ شعر لکھا ہے۔

ہفت صد و ہفتاد سال ہجری بود ✦ کاں مہ برج دیں طلوع نمود

؎ پٹن کا قدیم نام اجودھن تھا۔ باوا فرید کی خانقاہ کے سبب سے اِس کو اکبر بادشاہ کے حکم سے پاک
پٹن کہنے لگے۔ پہلے "پٹن فرید" کہتے تھے۔ اب یہ شہر دریائے ستلج سے دس میل کے فاصلے پر شمال
میں ہے۔ پہلے دریا اُس کے نیچے بہتا تھا ملتان سے ہندوستان کو جاتے ہوئے دریائے ستلج کو اسی
جگہ عبور کرتے تھے۔ اب ضلع منٹگمری میں ایک تحصیل کا صدر مقام ہے۔ ہر سال محرم کے مہینے میں باوا
فرید الدین شکر گنج کے مزار پر بڑا بھاری میلا ہوتا ہے۔ جس میں ساٹھ ستر ہزار آدمی جمع ہوتے ہیں۔
اِن میں سے ہر شخص بہشتی کھڑکی میں سے نکلنے کی کوشش کرتا ہے قصبہ کی آبادی چھ ہزار کے قریب ہے۔

(بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ)

دلّی میونسپلٹی کا ایڈریس

"بعز ملاحظۂ حضور ملک معظم جارج پنجم۔ ہم پریزیڈنٹ وائیس پریزیڈنٹان و ممبران میونسپلٹی دہلی اس قابل یادگار موقعہ پر باشندگان دہلی کی طرف سے حضور کی خدمت میں مبارکباد عرض کرنے کی جرأت کرتے ہیں اور اس عاجزانہ اظہار وفاداری کو جو ہم کو حضور کی ذات اور تخت سے ہے اپنے قدیم شہر کی طرف سے وفادارانہ خیر مقدم کرتے ہیں - اول اول ہمارے خیالات حضور کے اُن عالی قدر فیاضانہ جذبات کے ادائے شکرگزاری کی طرف ہیں جن سے متاثر ہو کر حضور دور دراز کا بحری سفر طے کرنے کے بعد اپنی تاج پوشی کی خوشی ہندوستان میں منانے کے لیئے ہندوستانی رعایا کے درمیان رونق افروز ہوے - خداوند تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں وہ الفاظ عطا فرماے جن سے ہم حضور کی اس بے حد عنایت کا باشندگان دہلی کی طرف سے شکریہ ادا کرنے کے قابل ہو سکیں کہ حضور نے شاہی عنایات کو شہر دہلی پر مبذول فرما کر اس کو اس دائمی یادگار دربار کے لیئے منتخب فرمایا - حضور کے شاہی خاندان سے دہلی کا گہرا تعلق ہے جس گہرے تعلق کی تاریخ کے لیئے یہ بجا طور پر نازاں ہے - یکم جنوری ۱۸۷۷ء کو حضور کی جدۂ بزرگوار حضور ملکۂ معظمہ وکٹوریا کے خطاب قیصرۂ ہند قبول فرمانے کا اسی شہر میں اعلان فرمایا گیا اور اسی دہلی میں یکم جنوری ۱۹۰۳ء کو حضور کے معزز اور پیارے والد یعنی شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم کی جانشینی کا اعلان ایک عظیم الشان دربار میں والیانِ ملک اور رعایا کے سامنے سنایا گیا - اس وقت ہم اس عزت پر تیسری مرتبہ نازاں ہیں کہ حضور کی تاج پوشی کا عالی شان دربار خود بہ نفس نفیس حضور کی موجودگی میں یہیں ہوا ہے جو واقعی بے مثل اور برکت یافتہ ہے - ہم دوسری رعایاے حضور کے ساتھ اس عام خوشی کو محسوس کرتے ہیں اور ہمیں خاص طور پر ۱۲ دسمبر کے شاہی اعلان سے خوشی ہوئی اسی روز ۱۹۰۵ء میں ہم کو حضور کا بحالت پرنس و پرنسس آف ویلز استقبال کرنے کی عزت حاصل ہوئی تھی - اب ہم اس کو نہایت مسعود و مبارک دن خیال کرتے ہیں کیونکہ

کا رواج دھائی تھا۔ سنہ ۱۱۸۶ء میں **خسرو ملک** لاہور کے بادشاہ کو قید کرکے غزنی بھیج دیا اور
وہاں اُس کا کام تمام کردیا اور اِس طرح پنجاب اور سندھ پر بلا غل وغش قابض ہوگیا۔ خسرو کے

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ ؎ ملتان بہت قدیم شہر ہی۔ سکندر بن فیلقوس کے وقت میں یہ شہر قوم مالی کا دارالخلافہ تھا۔ لیکن جنرل کننگھم کی رائے میں اُس کی وجہ تسمیہ سورج دیوتا کا مندر ہی جس کے سبب سے یہ شہر ہمیشہ مشہور رہا ہی۔ سنہ ۶۴۱ ہجری میں ہیوان تھانگ ایک چینی سیاح ہندوستان میں آیا تو بھی یہ مندر موجود تھا۔ اور اُس وقت ملتان کے شہر کا دَوْر پانچ میل تھا۔ چاچنامے سے معلوم ہوتا ہی کہ سنہ ۷۱۲ء میں جب محمد قاسم ثقفی نے اِس شہر کو فتح کیا اُس وقت تک بیاس اِس ضلع کے جنوب اور مشرق تک بہتا تھا اور راوی قلعے اور شہر کے بیچ میں بہتی تھی۔ بلاذری (سنہ ۸۷۵ء) نے بھی اِس بت کا ذکر کیا ہی اور بیان کیا ہی کہ تمام سندھ کے ملک سے جاتری یہاں آتے تھے۔ ڈاڑھی اور سر منڈوا کر مندر کا طواف کرتے تھے۔ ابوزید اور مسعودی نے جو ہم عصر تھے (سنہ ۹۲۰ء) اِس مندر کا ذکر کیا ہی۔ اصطخری (سنہ ۹۵۰ء) لکھتا ہی کہ اِس مندر کی تعظیم کے سبب کوئی دشمن جو ہندو مذہب کا ہوتا تھا۔ اِس شہر پر حملہ نہیں کرتا تھا۔ اُس وقت میں یہ مندر عین بازار کے چوک میں واقع تھا۔ ابن حوقل (سنہ ۹۷۶ء) کہتا ہی کہ یہ بت آدمی کی شکل کا ہی اور ایک چبوترے پر بیٹھا ہوا ہی۔ آنکھوں میں دو جواہرات لگے ہوئے ہیں اور باقی جسم پر سُرخ کھال منڈھی ہوئی ہی یہ معلوم نہیں اُس کا جسم کس چیز کا بنا ہوا ہی۔ ابن حوقل کے تھوڑے دن بعد قرامطہ نے اِس شہر کو فتح کیا اور اِس مندر کو توڑ ڈالا اور اُس کی جگہ ایک مسجد بنوادی۔ جب ابوریحان ملتان میں آیا تو یہ بت موجود نہیں تھا۔ لیکن ادریسی نے (سنہ ۱۱۳۰ء) پھر اس کا ذکر کیا ہی۔ ادریسی کے وقت میں بھی راوی شہر کے نیچے بہتی تھی موسیو تھیونو ایک فرانسیسی سیاح سنہ ۱۶۶۶ء میں اورنگ زیب کے وقت میں آیا تھا وہ بھی اِس سورج کی مورتی کا ذکر کرتا ہی۔ اور اُس کا بھی وہی بیان ہی جو ابن حوقل نے کیا ہی۔ لوگ کہتے ہیں کہ اورنگ زیب نے اُس بت خانے کو توڑ کر اُس کی جگہ وہ مسجد قلعے میں بنوادی تھی جو مول راج کے زمانے میں محاصرۂ ملتان کے وقت بطور میگزین کے استعمال کی جاتی تھی اور آگ لگنے سے اُڑ گئی۔ جنرل کننگھم کہتے ہیں کہ میں نے سنہ ۱۸۵۳ء میں اُس کے کھنڈرات دیکھے تھے وہ قلعے کے عین وسط میں تھے۔ اُس سے عربی مورخوں کی تصدیق ہوتی ہی کہ مندر عین بازار کے وسط میں واقع تھا۔ تیمور کے وقت تک دریائے راوی شہر اور قلعے کے دونوں طرف بہتا تھا۔ اور اُس کی ایک شاخ

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

اور ضعف کا لازمی نتیجہ ہوا کہ اُن کو اُن کے ہم سرحد **سلجوقیوں** نے آن دبایا مسعود نے جس نے اپنے بھائی کو مکحول کر دیا تھا جان بچانے کے لیئے پنجاب میں آکر پناہ لی خاندان غزنوی نے سلجوقیوں سے سمدھیانہ گانٹھ لیا۔ **امیر سبکتگین** کی نسل کا آخری بادشاہ **خسرو ملک** تھا۔ جس نے ۱۱۸۶ء تک سلطنت کی۔ غزنی میں ترکی بادشاہوں کو سلطنت کرتے ہوئے کوئی ڈیڑھ سو برس ہوئے تھے کہ غور کے **افغانوں** نے اُن کو زیر کیا۔ غور افغانستان کے شمال مغرب میں ایک چھوٹا سا ملک **غزنی** اور **ہرات** کے درمیان ہے۔ انھوں نے ۱۱۸۶ء ختم نہ ہونے پایا تھا کہ غزنوی خاندان کو پنجاب سے نیست و نابود کر دیا۔ خاندان غور اور **غلامان** اور اُس کے بعد کے لوگ دہلی کے **پٹھان**[۱] **بادشاہ** کہلاتے ہیں۔ جن کا مختصر حال یہ ہے کہ **محمد غوری** (شہاب الدین) جو **غیاث الدین غوری** کا چھوٹا بھائی امیر لشکر اور حاکم غزنی تھا غزنی کا انتظام کر کے ۱۱۷۵ء میں ملک ہندوستان کی تسخیر پر آمادہ ہوا محمود غزنوی کی طرح یہ بھی بڑا دلاور اور جنگ جو تھا۔ اس نے عمر بھر شمالی ہند پر حملے کیئے۔ ان دونوں میں صرف فرق اتنا تھا کہ اس کا منشا خراج وصول کرنا اور ہندوستان سے دولت گھسیٹ لے جانا نہ تھا بلکہ یہ ہندوستان کو فتح کر کے یہاں اپنی مستقل سلطنت قایم کرنا چاہتا تھا پہلے اس نے **ملتان** پر حملہ کیا اور تھوڑے ہی عرصے میں ملک **سندھ** کی رانی سے سازش کر کے **اچھ** پر قبضہ کر لیا ۱۱۷۸ء میں **گجرات** پر حملہ آور ہوا لیکن **انھیل واڑے** کے راجہ سے شکست کھائی۔ انھیل واڑے کا نام **انھیل پٹن** بھی ہے اور اب تو صرف پٹن ہی کہتے ہیں جو چالوکیہ خاندان

سلطان محمد غوری

[۱] افغانوں ہی کو پٹھان بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ ان کی ایک سب سے بڑی قوم افغانستان کے علاقے پختانہ یا پٹھانہ سے آئی تھی اور پختو یا پشتو زبان بولتے تھے یہ سب مسلمان تھے۔ تندخو جنگ جو اور پہاڑوں کے رہنے والے۔ یہ ہندوؤں سے قد آور اور زیادہ قوی تھے اور ان پر زور و قوت سے حکومت کرتے تھے ۱۲۰ (بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

دِلّی پر یورش کی اور فتح کرلیا - لیکن بعد میں تنواروں اور چوہانوں میں اِس بات پر صلح ہوگئی کہ تنوار کا راجہ چوہان خاندان کی کسی لڑکی سے شادی کرلے اور اُس کے بطن سے جو لڑکا پیدا ہو وہ دلی کا راجہ قرار پائے - دلی میں چوہانوں کا دور دورہ رہنے کا ثبوت **فیروز شاہ کے کوٹلے** میں جو **راجہ اسوک** کا مینار کھڑا ہی - اُس کے کتبے سے معلوم ہوتا ہی - کہ یہ کتبہ ۱۱۶۴ء کا ہی اور اُس میں وسال دیو کے عروج کا ذکر ہی کہ اُس کی سلطنت **کوہ ہمالیہ** سے لے کر **بندھیا چل** کے پہاڑوں اور **دریائے نربدا** تک پھیلی ہوئی تھی -

وسال دیو **پرتھی راج** کا نانا تھا جو تاریخ میں زیادہ تر **رائے پتھورا** کے نام سے مشہور ہی - رائے پتھورا وہی ہی جس نے **لال کوٹ** بنایا تھا - جس کی فصیلیں اب تک **قطب مینار** کے نواح میں موجود ہیں - پرتھی راج کا نام تاریخ میں اُن معرکۃ الآرا مقابلوں اور مقاومتوں کے لیئے بہت مشہور ہی جو اُس کو مسلمان حملہ آوروں کی روک تھام اور مدافعت میں پیش آئیں -

پرتھی راج یا رای پتھورا

محمد غوری کا حملہ ہندوستان پر ۱۱۷۵-۹۲ عیسوی

دنیا کا کچھ عجیب رنگ ڈھنگ ہی کہ اکثر بڑے بڑے نامور بادشاہوں اور فاتحین ہی کو دیکھا گیا ہی کہ اُن کی آنے والی نسلیں اد بدا کر نا اہل ثابت ہوئی ہیں - چنانچہ **محمود غزنوی** کی مثال ہمارے سامنے موجود ہی - اُس کے وافر اور لبریز خزانے - عالی شان محلات - بے انتہا دھن دولت اور خود وہ مُلک جو اُس نے اپنی قوت بازو اور بل بوتے سے فتح کیئے تھے سب ہی کچھ اُس کے دونوں بیٹوں **محمد** اور **مسعود** کو ملا - لیکن افسوس ہی کہ دونوں میں ایک بھی اپنے باپ کی طرح کا نہ نکلا - اِن دونوں میں آپس میں کٹا چھنی شروع ہوگئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں کی طاقت میں ضعف آگیا - ؎

قوت اور امن خوشی ہیں ثمرہ ہائے اتفاق
ثمرۂ نااتفاقی جز ہزیمت کچھ نہیں

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ - زیادہ تر قرین قیاس یہ ہی کہ جنوب میں جو چیدی کے راجہ تھے اُن کے خاندان کی راج کماری تھی - ۱۲۰

تنوار خاندان کے راجاؤں نے تقریباً سو برس تک بلا کسی قسم کے خرخشے کے پرانی دلّی میں سلطنت کی اپنے عہد میں شہر کے گرد فصیل ہوائی۔ کچھ سد اور تالاب جنوب و مشرق میں دلّی سے کوئی آٹھ میل کے فصل سے ہوائے۔ ۱۱۵۱ء میں چوہان راجپوتوں کے اجمیر کے ایک رئیس وسال دیو نے جو زیادہ تر بسال دیو کے نام سے مشہور ہے۔

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) کی چوٹی جہاں سے ایک چشمہ بھاگیرتی نام نکلتا ہو سمندر سے ۱۳۸۰۰ فٹ بلند ہے بھاوی اور الک سدا بھاگیرتی کے ساتھ شامل ہو جاتے ہیں تو دریا کا نام گنگا ہو جاتا ہے۔ دیوپریاگ جہاں یہ الک سدا بھاگیرتی سے ملتی ہو اور ہردوار جہاں پہاڑ سے نکلتی ہو اور پریاگ یعنی الہ آباد جہاں اُس میں جمنا ملتی ہو۔ الغرض یہ دریا منبع سے لے کر دہانے تک متبرک سمجھا جاتا ہے۔ ویدوں کے زمانے میں گنگا کے تقدس کا کچھ ذکر نہیں۔ اندازہ کیا گیا ہو کہ یہ رتبہ اُس نے دو ہزار برس کے اندر اندر حاصل کیا ہے۔ اگرچہ ہندوستان کے دریاؤں میں سے سندھ اور برہم پترا گنگا سے بھی لمبے ہیں۔ لیکن جس قدر بڑا حصہ اس دریا کا میدان سے گزرتا ہو اور قابل تردد زمین کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ اُس قدر اور کوئی دریا نہیں پہنچاتا۔ سمندر میں داخل ہونے سے (۲۲۰) میل ورے اِس دریا کی بے شمار شاخیں ہو جاتی ہیں۔ مشرقی بڑی شاخ کو میگنا کہتے ہیں اور مغربی کو ہُگلی۔ ان دونوں کے درمیان اور بے شمار شاخیں ہیں ہمالیہ اور وندھیاچل پہاڑوں کے درمیان کا تمام پانی اس دریا میں آتا ہے۔ ماہ مئی میں طغیانی شروع ہوتی ہو ستمبر میں طغیانی کا بہت زور ہوتا ہے۔ اگرچہ اِس دریا سے بھی بڑے بڑے دریا دنیا میں ہیں۔ لیکن جس قدر پانی اِس کے شکم سے نکر سمندر میں داخل ہوتا ہو اس قدر پانی اور کسی دریا کے وسیلے سے سمندر میں نہیں پہنچتا۔

نوٹ صفحہ ہذا ۱ سلہ سانبھر اور اجمیر کے چوہان۔ تنوار خاندان کی سلطنت کے ایک صدی بعد وسال دیو (بسال دیو) سانبھر اور اجمیر (راجپوتانے) کا راجہ دہلی پر قبضہ کر کے بڑا طاقت ور راجہ ہو گیا تھا۔ مانہور پرتھی راج اسی کا بھتیجا تھا جو قنوج کے راجہ جے چند کی لڑکی سنجوگیتا کو جھیا ۱۱۷۵ء میں بھگا لایا تھا اسی نے پرمال مہوبے کے چندیل راجہ کو ۱۱۸۲ء میں شکست دی تھی اور مدتوں اسی کی سرکردگی میں ہندوؤں نے مسلمان حملہ آوروں کا مقابلہ کیا۔ بہت سے مورخین کہتے ہیں کہ پرتھی راج کی ماں دلّی کے راجہ اننگ پال کی لڑکی تھی لیکن

بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ

اور پھر کسی نہ کسی سبب سے جس کا صحیح طور پر ہم کو علم نہیں دلی کو چھوڑنا پڑا۔ پھر آگے چل کر ۱۰۵۲ء تک جب کہ محمود غزنوی قطعی طور پر ہندوستان سے چلا گیا۔ دِلی نہیں بسی اور اُسی طرح ویران پڑی رہی۔

ہندوؤں کا راج **انگ پال**[۵۱] تنوار خاندان کا راجہ تھا۔ محمود غزنوی نے قنوج کو لوٹ ڈالا اور کچھ عجب نہیں کہ اِن لوگوں کو اِسی سبب سے جلاوطن ہونا پڑا ہو اور اُس وقت دلی کو اپنی دارالسلطنت بنانے کا خیال پیدا ہوا ہو اور ضروری کہ راجہ کے پاس کافی فوج رہی ہو کیوں کہ دِلّی بیرونی حملہ آوروں کا معرکۃ الآرا مقام تھا وہاں کے معرکوں کی یاد لوگوں کے دلوں میں تازہ تھی گو کہ عارضی طور پر وہاں ان یورشوں سے امن ہو گیا تھا۔ راجہ انگ پال کی سلطنت شمال میں ہانسی[۵۲] سے شروع ہوتی تھی اور مشرق میں دریائے گنگ[۵۳] تک مغرب میں اجمیر اور جنوب میں آگرے تک پھیلی ہوئی تھی۔

۵۱ دِلّی کا تُمار اخاندان۔ دلی کے ذیل میں کل وہ شہر شامل ہیں جو مختلف حکمرانوں نے بسائے مہابھارت کے اندر پرست کو قطع نظر کیا جائے ۹۹۳ء کے قبل از دارالسلطنت کا وجود متحقق نہیں ہوتا۔ گیارھویں صدی کے وسط میں انگ پال تُمار (تنوار) خاندان کا راجہ کا پہلا راجہ تھا جس نے اِس نو تعمیر شہر کو خوبصورت عمارتوں سے رونق دی۔ اُس نے ستائیس عمدہ اور نفیس مندر بنوائے۔ جن کے مال مسالے سے ڈیڑھ صدی بعد قوۃ الاسلام کی مسجد قطب صاحب میں بنی اور اِس نے آہنی ستون کو جو ابتدا متھرا میں اُستاد کیا گیا تھا۔ یہاں لاکر کھڑا کیا۔ انگ پال اور اُس کے جانشینوں نے دِلّی کو ایک متوسط درجے کی دارالسلطنت بنایا۔ جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ تُمار اخاندان والے قنوج پر بھی قابض تھے وہ بر سر غلط ہیں۔ ۱۲۔

۵۲ یہ شہر اب ضلع حصار میں تحصیل کا صدر مقام ہے۔ موجودہ آبادی سولہ ہزار کے قریب ہے۔ کہتے ہیں کہ انگ پال تنوار نے اِس کو آباد کیا تھا۔ حصار کے آباد ہونے سے پہلے یہ بھی حاکم نشین جگہ تھی۔ ۱۷۸۳ء کے قحط میں یہ شہر بالکل اجڑ گیا۔ ۱۷۹۵ء میں جارج طامس نے اِس کو پھر آباد کیا اور قلعہ کی از سر نو مرمت کر کے اپنی دارالحکومت مقرر کی ۱۸۰۲ء میں سرکار انگریزی کے قبضے میں آیا تو یہاں چھاؤنی ڈالی گئی۔ ۱۸۵۷ء تک چھاؤنی رہی۔ سلطان شہاب الدین غوری۔ سلطان محمود غزنوی اور سلطان مسعود غزنوی کے حملوں کے وقت یہ قلعہ بہت مضبوط سمجھا جاتا تھا۔ آئین اکبری میں اِس کی نسبت فقط یہ لکھا ہے "قلعہ دارد از خشت پختہ"۔ ۱۲۔

۵۳ یہ دریا ریاست گڑھوال میں کوہ ہمالیہ سے نکلتا ہے اور ۱۵۵۷ میل بہہ کر خلیج بنگالہ میں جا گرتا ہے گنگوتری

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

آرین لکھتا ہے کہ "ایسے شہر بالعموم دریاؤں کے کنارے بسائے جاتے ہیں۔ جو بجائے پتھر کے لکڑی سے بنائے جاتے ہیں۔ بارش اس زور کی ہوتی ہے اور دریاؤں میں اس قدر طغیانی ہوتی ہے کہ دریا اپنے کناروں سے اُبل کر دور دور میدانوں میں پھیل جاتے ہیں اور سب برباد کر دیتے ہیں"۔ ۱۸۱ء و ۱۶۱ ق۔م کے مابین گریکو بیکٹیرین (Greco Bacterean)۔ افواج نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ اس کے ضمن میں متھرا کے فتح کرنے کا ذکر کیا ہے۔ لیکن اس موقع پر بھی دِلّی کا مطلق ذکر نہیں آیا۔ حالاں کہ متھرا جاتے وقت دلی رستے میں پڑتی تھی۔ ۳۹۰ء و ۶۴۵ء کے مابین چینی زوار بودھوں کے مندروں کی زیارت کو ہندوستان میں آئے تھے۔ اُس زمانے میں بُدھ لوگوں کے بڑے بڑے مندر تھے۔ لیکن اُن کے وقائع میں بھی دلی کا نام ونشان نہیں ملتا۔ چینی سیاحوں کے دِلّی کا تذکرہ نہ کرنے سے یہ خیال ہو سکتا ہے کہ دلی بُدھ مذہب کی بڑی عبادت گاہ قابل تذکرہ نہ رہی ہوگی اِس وجہ سے چینی سیاحوں نے جو خاص کر بُدھ مذہب کے پُجاری تھے اِس کا ذکر قلم انداز کیا لیکن پھر یہ مشکل آن پڑتی ہے کہ سب سے آخری چینی زوار ہیوان تھانگ (Hwen Thsang) ملتے وقت متھرا سے تھانیسر جاتے جاتے ضرور دِلی کے آس پاس سے گزرا ہوگا اور اگر اُس زمانے میں دِلی کوئی بڑا مقام رہا ہوتا تو وہ ضرور اس کا ذکر کرتا پر کرتا۔ خیر اسے بھی جانے دیجیے۔ ۱۰۱۸ء کے قریب کے واقعات ہماری پیش نظر ہیں کہ جب **محمود غزنوی** نے ہندوستان پر حملہ کرکے **متھرا** اور **قنوج** کو لوٹ ڈالا تب بھی دلی کا کہیں نام نہ آیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ اُن دنوں دِلّی کوئی اہم مقام نہ تھا۔ ورنہ محمود غزنوی اُسے کب خالی چھوڑ دیتا۔ ماحصل اس تمام موشگافی کا یہ ہے کہ دِلّی پہلے پہل ۱۰۵۰ء میں کہیں نہ کہیں آباد ضرور تھی۔ اور اس خیال سے عموماً اتفاق بھی کیا گیا ہے

بقیہ نوٹ صفحۂ گزشتہ ؎ تھانیسر اور ہردوار کے ہم رتبہ ہے۔ شہر کے اندر ایک کھلا قطعہ گیان گوری کہلاتا ہے جس کی ریت میں جاتری لوٹا کرتے ہیں۔ لوگوں کا عقیدہ ہے کہ اس ریت کی چٹکی کھا لینے سے آدمی ذہین ہو جاتا ہے۔ متھرا سے مندر اس کو لوگ بیچوں میں جاتے ہیں۔ اور راجپوتانہ مالوہ ریلوے بھی ہے۔ گوبردھن کا قدیم اور اس کے مقدس مندر اور مانس گنگا کا تالاب بھی بڑا تیرتھ کا مقام ہے۔ ۱۲

(Seleucus) کے سفیر میگیستھنیز (Magasthenes) سے سن کر چندر گپت راجۂ مگدھ (بہار) کا ذکر کیا ہی۔ جو قدیم اندرپرستھ کے چھوڑنے کے متعلق ہی۔

بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ ٭ بات کا فخر حاصل ہی کہ اس میں سب سے قدیم زمانے کی اینٹیں جن پر سنسکرت کے کتبے ہیں۔ ہیں۔ سنہ ۱۰۱۷ء میں محمود غزنی نے حملہ کرکے متھرا کو لوٹا جس نے بہت سے قدیم بتوں اور نوادر اشیاء کو توڑ ڈالا۔ سنہ ۱۵۰۰ء میں سلطان سکندر لودھی نے جو مندر باقی بچ رہے تھے وہ سب منہدم کر دیئے اس وجہ سے اب جو باقی ماندہ عمارتیں ہیں وہ کچھ ایسی زیادہ پرانی نہیں ہیں۔ بریں ہم بودھ کے زمانے کے چند کھنڈروں کا اب بھی پتہ چلتا ہی۔ اب جو قدیم عمارتیں ہیں وہ یہ ہیں ستی برج سنہ ۱۵۷۰ء۔ جامع مسجد سنہ ۱۶۶۲ء مسجد اورنگ زیب سنہ ۱۶۶۹ء۔ مندر سیرم سنہ ۱۸۰۰ء۔ دوارکا دیس سنہ ۱۸۱۵ء بجی گوبند سنہ ۱۸۶۷ء۔ رادھا کرشن سنہ ۱۸۷۱ء۔ ان مندروں کے باہر وار جو نقش و نگار ہیں وہ دیکھنے کے قابل ہیں۔ اورنگ زیب کی مسجد سنگ سرخ کی شہر کے باہر ہی۔ جو وہ مندر توڑ کر بنائی ہی۔ جہاں کرشن پیدا ہوا تھا۔ اسی کے قریب پوتا کُنڈ ہی۔ متھرا سے چھ میل نیچے اس کی طرف جمنا کے مغربی کنارے پر مہابن کا پرانا شہر ہی۔

یہ مقام اس واسطے مشہور ہی کہ جہاں کرشن کو اس کی دایہ سے (زوجہ نندا) کی شیر خوار لڑکی سے بدل لیا تھا۔ اور اس طرح کرشن کو موت کے منہ سے نکالا کہ اس کے چچا کونسا نے مروا ڈالنے کا حکم دیا تھا۔ جمنا کے شرقی کنارے پر گوکل مشہور مقام ہی۔ جہاں وشنو پہلے پہل کرشن کے اوتار میں زمین پر اُترا تھا۔ یہاں ہزارہا جاتری آتے ہیں جن میں کثرت سے گجرات اور بمبئی کے لوگ ہوتے ہیں۔ شمال کی طرف آگے بڑھ کر بندرابن کا متبرک مقام ہی۔ جہاں بے شمار مندر ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی اکبر کے زمانے سے پیشتر کا نہیں ہی۔ اور اکبر ہی کے عہد میں اس شہر نے بہت ترقی کی۔ موجودہ مندروں میں مشہور یہ ہیں :-

گوپی ناتھ سنہ ۱۵۸۰ء اور حال کا سیٹھیوں کا بنایا ہوا۔ مدراس کی صناعی کا رنگ جی کا مندر جو پچیس لاکھ کے صرفے سے طیار ہوا ہی۔ مندر کے باہر ایک اونچی عمارت میں رتھ ہی۔ گوبند دیو کا مندر جس کی مرمت گورنمنٹ سے کی گئی ہی۔ بلحاظ عمارت کے نہایت نفیس ہی۔ یہ سنگ سرخ کی ایک بڑی عالی شان اور وسیع عمارت ہی۔ اور کہا جاتا ہی کہ اہل ہنود کی کوئی اور ایسی شان دار مذہبی عمارت بالائی حصۂ ہند میں نہیں ہی۔ بندرابن ہندوؤں کی بڑی بھاری تیرتھ گاہ ہی اور پوری

(بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ)

ایک معمولی سی بستی ہو گی جس کے خاص طور پر ذکر کرنے کی کوئی ضرورت خیال نہیں کی گئی۔
آرین (Arrian) مورخ جس نے سکندر اعظم کے حالتیں سلیوکس

نوٹ بقیہ صفحہ ۸ } شہر دہلی سے تین میل کے فاصلے پر متھرا کی سڑک پر واقع ہے۔ ملکہ اس سے پتھورا کے قلعے اور لال کوٹ کی آبادی مراد ہے جو موجودہ قطب کی لاٹ کو گھیرے ہوئے تھا۔ لال کوٹ کو انگ پال دوم نے سمت ۱۱۰۹ مطابق ۱۰۵۲ء میں بسایا تھا۔ چنانچہ لوہے کی لاٹ پر یہی تاریخ درج ہے۔

یہ تھی راج المعروف بہ رائے پتھورا نے شہر کو اور بڑھا کر لال کوٹ کو اس کے اندر بطور قلعے کے لے لیا تھا۔ لال کوٹ کی دیواریں کہیں کہیں اب بھی موجود ہیں۔ اس کا محیط سوا دو میل کا تھا اور دیواریں تیس فیٹ موٹی اور خندق سے لے کر چوٹی تک ساٹھ فیٹ اونچی تھیں۔ رائے پتھورا کے قلعے کا محیط ساڑھے چار میل کے قریب ہے لیکن دیواریں لال کوٹ کی دیواروں سے آدھی تھیں۔ ۱۲۔

نوٹ متعلقہ صفحہ ۸ } لہ دہلی سے متھرا براہ ریل نوے میل اور آگرے سے تیس میل جی۔ آئی۔ پی اور بی بی اینڈ سی آئی (ناگدا متھرا سکشن) ریلوں کا جنکشن اور ضلع کا مستقر ہے۔ جمنا کے مغربی کنارے پر واقع ہے۔ جس کی آبادی ساٹھ ہزار نفوس ہے شہر میں روئی کے پریس اور جننگ فیکٹریاں ہیں۔ یہ شہر دور دور تک پھیلا ہوا اور بہت قدیم ہے اور سن عیسوی سے بہت پہلے سے بدھ مذہب کا مرکز تھا۔ متھرا کا ذکر پلینی (Pliny) آرین ٹالمی (Arrian Ptolemy) اور مشہور چینی سیاح فاہیان (Fa Hsian) نے سنہ ۴۰۰ ق۔ م میں کیا ہے۔ بودھ لوگوں کی بستی اس زمانے کے شہر سے کچھ متصل پر تھی جہاں اب بھی اُس زمانے کے کھنڈر نظر آتے ہیں۔ متھرا کا آثار قدیمہ کا عجائب خانہ جس کو گورنمنٹ نے خاص اہتمام سے سجایا ہے دیکھنے کے قابل ہے جس میں یونانی کشن خاندان کے لوگوں کے قد آدم مجسموں کا ایک مجموعہ ہے۔ جنھوں نے پہلی صدی قبل مسیح سے پہلی صدی عیسوی تک ملک ہند پر حکومت کی تھی۔ یہ مجسمے اسی ضلع میں حال میں رائے بہادر رادھا کشن صاحب مہتمم عجائب خانے کو دستیاب ہوئے ہیں۔ اس عجائب خانے میں پرکھم کا بت بھی ہے جو امیور کے بدھ کی مستند شکل ہے۔

مورا کے کوئیں کا کتبہ جو افسوس ہے کہ بہت کچھ ناقص ہو گیا ہے۔ دھروتلا کا ستون اور اسی کے مشترک دروازے کے کتبے کی تختی اور بہت سی پرانی قابل قدر چیزیں ہیں اور اس عجائب خانے کو اس

(بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ)

کوٹ بنایا اور پھر اِس لاٹ کو متھرے سے لاکر سنہ ۱۰۵۲ء میں اُن مندروں کے جھگڑے میں کھڑا کیا جن کو توڑ پھوڑ کر مسلمانوں نے قلعہ کی بڑی مسجد **قوت الاسلام** بنائی - اِس لاٹ کے ایک کتبے سے ہم کو اتنا معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۰۵۲ء میں **اننگ پال** نے دِلّی بسائی تھی - لیکن ماہرین فنِ آثار قدیمہ جن کے قول مستند ہیں وہ سرے سے اِس ستون کو ہی تیسری یا چوتھی عیسوی صدی کا قرار دیتے ہیں - کیوں کہ اِس پر جو سب سے پرانا کتبہ ہے اُس کی تحریر کی روش اُسی زمانے کی ہے - اس لحاظ سے کم وبیش ایک صدی کا فرق آن کر پڑتا ہے - جو زیادہ تر قابل لحاظ نہیں - سنہ ۱۰۵۲ء اور تین سو برس ہی لو تو ان دونوں اور ۷۹۲ میں کوئی ایسا بڑا فرق نہیں پڑتا - اس لیے بھاٹوں کے کبت بلحاظ تعین زمانہ صحیح معلوم دیتے ہیں - آہنی ستون کے قیام حالیہ پر استاد کیے جانے سے یہ خیال ہوتا ہے کہ ستون کے کھڑے کرنے سے پہلے شہر کا وجود رہا ہوگا کیوں کہ یہ ستون ایسا بھاری ہے کہ جہاں کہیں بھی پہلے پہل کھڑا کیا ہوگا وہ مقام اِس جگہ سے جہاں کہ اب کھڑا ہے کچھ بہت زیادہ دور نہ رہا ہوگا - اِس لیے کبت کے جس لفظ کا ترجمہ محض "تعمیر کیا گیا" کیا ہے اگر بجائے اِس کے "دوبارہ تعمیر کیا گیا" کیا جاتا تو زیادہ درست ہوتا - لیکن قدیم مورخین میں سے کسی نے بھی اِس امر پر قلم فرسائی نہیں کی اور بالکل ساکت ہیں -
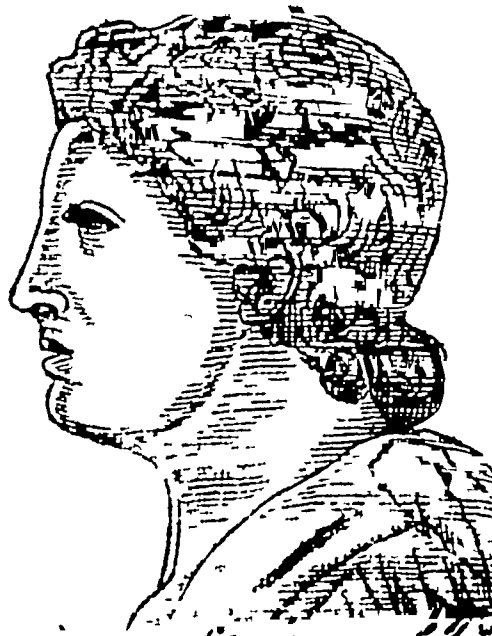
یونانی مورخین جنکا ذریعۂ علم وہ لوگ ہیں جو **سکندر اعظم** کے ساتھ ۳۲۷ ق م میں ہندوستان میں آئے تھے وہ **متھرا** کا ذکر تو کرتے ہیں - مگر **دِلّی** یا اسی کے لگ بھگ اور کسی نام کا ذکر تک نہیں - جس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ خود سکندر اعظم دریائے **بیاس** سے آگے نہیں بڑھا - رہے مورخین اُنھوں نے کچھ چشم دید حال تو لکھا نہیں بلکہ سم [illegible] ور پر لکھا ہے - اِس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ دلّی اگر اِس (سکندر اعظم) زمانے میں ہوگی بھی تو وہ بالکل

لے بھی تھوڑے تامل کے ساتھ اس روایت کو تسلیم کرلیا ہے۔ مگر اس بات کو وہ بھی تسلیم نہیں کرتے کہ پرانے قلعے کی فصیل ہندوؤں کے زمانے کی ہے۔ بلکہ یہ بات درجۂ یقین کو پہنچ گئی ہے کہ یہ فصیل ہندوؤں کی بنائی ہوئی نہیں ہے۔

ایک صاحب نے یہ بھی لکھا ہے۔ کہ مہابھارت میں جس **نگمبود گھاٹ** کا ذکر آیا ہے۔ وہ درحقیقت **شاہجہان آباد** کے نگمبود دروازے کے باہر ہی تھا۔ ممکن ہے کہ ایسا ہی ہو تاہم اس میں کسی شک کا محل نہیں کہ کچھ بہت صدیاں نہیں گزریں کہ جمنا اسی جگہ بہتی تھی۔ پس شہر اندرپرست کی جگہ جو بربنائے روایات قدیمہ اب متعین کی گئی ہے وہ چنداں بعید القیاس نہیں معلوم ہوتی۔ لیکن ساتھ ہی اس کے یہ امر بھی بدیہی ہے۔ کہ اس زمانے میں اندرپرست کی آبادی کا کوئی نشان یا علامت باقی نہیں ہے۔ خیر اندرپرست کی اصلی جگہ ورے پرے کہیں بھی رہی ہو۔ خدا بہتر جانتا ہے۔ لیکن اس میں تو کسی کو بھی کلام نہیں کہ اس نام کا ایک بڑا بھاری شہر ۱۴۵۰ ق۔م۔ میں آباد ضرور تھا۔

ہندو زمانے کے کچھ تاریخی حالات

مشکل یہ آن پڑی ہے کہ اہل ہنود کے پاس اس زمانے کی کوئی تاریخ موجود نہیں کہ یہ زمانہ **کلجگ** کہلاتا ہے اور کلجگ کا دور اس قابل نہ تھا کہ اس کے واقعات قلمبند کیے جاتے۔ اب لے دے کے اس زمانے کے کچھ حالات اگر دستیاب ہو سکتے ہیں تو وہ یا تو کچھ ستونوں پر منقوش ہیں یا کچھ تانبے کے پتروں پر کے کندے ہیں۔ لیکن ان میں یہ دقت آن پڑی ہے کہ یہ کتبے بیشتر امور مذہبی سے متعلق ہیں یا بودھ مذہب کے فرامین اور احکام عطیات ہیں۔

تاریخی حالات سے یہ سب ساکت ہیں۔ دلی کا نام پہلے پہل بھاٹوں کے کبتوں میں آیا ہے چنانچہ ایک کبت میں یہ ذکر بھی آیا ہے کہ ۷۹۲ برس تک دلی اُجاڑ رہی اس میں کوئی بستا ہی نہ تھا۔ اس کے بعد جاکر کہیں پھر آباد ہوئی۔ **لوہے کی لاٹ** کا قصہ یوں لوگ کہتے ہیں کہ یہ لاٹ جس پر **چندر گپت** اور **بکرماجیت** کا تعریفی کتبہ ہے پہلے متھرا میں تھی۔ تنوار خاندان کے راجہ **اننگ پال** نے پہلے تو دلی میں لال

سلہ اس سے اصل دہلی یعنی اندپت اور اننگ پال کے پرانے قلعے کی آبادی مراد نہیں ہے جو موجودہ
(دیکھو نوٹ بر صفحہ ۹)

ہم نے اُسی دن حضور کو وسیع مملکت ہند اور دیگر ممالک کا قیصر و قیصرہ تسلیم کیا
حضور نے اس سیاحت میں ہمارے شہر کو ہندوستان کا پایۂ تخت قرار فرما کے
اپنے تخت کے ساتھ اور زیادہ زنجیر الفت سے وابستہ فرما لیا ہے۔ دہلی میں
مختلف خاندان کے حکمرانوں کے یادگاری ثبوت موجود ہیں جنھوں نے ہزار
سال سے زیادہ کے لیئے اس کو اپنا دارالخلافہ بنایا لیکن ہم حضور کو یقین دلاتے
ہیں کہ ہمارے شہر کی یادگاروں میں کوئی واقعہ اس وقعت و عزت سے
نہیں دیکھا جائے گا جیسے کہ ہمارے قیصر آں جہانی شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم کا
آل انڈیا میموریل جس کے بنیادی پتھر رکھنے کا پیرایہ فرض حضور نے
نہایت فیاض دلی سے پورا فرمایا ہے جو ہمارے شہر کے پنپنے کے لیئے ایک
اعتماد ہے۔ آخر میں ہم نہایت عجز و خلوص دل سے دعا کرتے ہیں کہ خداوند تعالٰی
کی طرف سے حضور اور حضور کے خاندان پر برکتیں نازل ہوں اور خداوند
کریم آیندہ زمانے میں حضور کا رہبر و مددگار رہو اور حضور عرصۂ دراز تک
اپنی وفادار رعایا اس واقبال مند رعایا پر کامیابی سے حکومت کریں"

جواب

"تمھارے ایڈریس میں خیر مقدم اور خیر اندیشی کے جن
خیالات کا اظہار کیا گیا ہے میں اور ملکۂ قیصرہ اُس کا شکریہ
ادا کرتے ہیں۔ چند مہینے کا عرصہ ہوا ہمیں خوف تھا کہ مبادا ہمارے ورود
ہندوستان کے موقع پر غیر معمولی خشک سالی کا ایک زمانہ آجانے کے سبب
سے شدید قسم کی گرانی واقع ہو اور میری ہندوستانی رعایا کی تعداد کثیر
پر ایک بلائے عظیم نازل ہو جائے جس کی مرفہ الحالی بالکل کثرت باراں
اور زراعتی پیداوار پر موقوف ہے[1]۔ شکر ہے کہ وہ گرانی محدود رہی اور

[1] وہ قحط جو امساک باراں اور کمی پیداوار غلے کی وجہ سے ہوتا تھا وہ مقامی
ہوتا تھا ایک حلقے میں محدود جس کا علاج دوسرے مقامات کی امداد سے کر دیا جاتا تھا
مگر حالت موجودہ قحط سے بھی بدتر ہے۔ نرخ اجناس و سامان مایحتاج ہمہ قسم کا وہ ہی
جو دیدہ و شنید۔ خلاصہ یہ کہ روپیہ کا سولہ آنے کے چار آنے کا رہ گیا یعنی چیزوں
کی قیمت چوگنی چڑھ گئی بلکہ کہیں کہیں اس سے بھی زیادہ اور یہ حالت عالمگیر ہر کوئی شہر
(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

پچاس میل کے فصل سے کرکشیتر کے میدان میں واقع تھا اور خود کوروؤں نے ہستناپور کے پاس کا حصہ اپنے پاس رکھا۔ یہ صحرا اندر کے مقبوضات خاص میں تھا۔ جس میں راجگان تکشک بستے تھے۔ جن کو آخر کار ارجن اور کرشن نے اگنی دیبی کی مدد سے جلا کر خاک سیاہ کر دیا۔

اِس مقام پر جو راجہ یدھشٹر نے ایک نیا شہر بنایا تھا اُسی کا نام اندرپرست تھا۔ جس میں متعدد عالی شان محلات تھے اور اندر کی راجدھانی امراوتی کی طرح یہ بھی آباد تھا۔ اندرپرست کی شان و شوکت اور عظمت کا حال مہابھارت میں بہت کچھ لکھا ہے اور اِس کو سرزمین پر ایک بہ... کہا ہے۔ بہر حال پانڈوؤں کے عہد میں اندر پر... کے شہر نے بہت ترقی کی اور خوب پھلا پھولا اور اُس زمانے کا ایک بہت بڑا شہر شمار کیا جاتا تھا چنانچہ مہابھارت میں اِسے پروتم یعنی سب سے بڑا شہر لکھا ہے۔ اِسی شہر کے اور مختلف نام سکرپرست۔ سکرپوری۔ سنت کرت پرست۔ کھنڈواپرست۔ بھی تھے۔ پہلے چار نام تو اندر پر... ہی کے ہم معنی ہیں اور آخری نام اُس جنگل اور بن کی مناسبت سے پڑا جس میں کہ یہ شہر بسایا گیا تھا۔ اس شہر میں بڑے بڑے معرکے واقعات اور جشن ہوئے۔ اِسی شہر میں انی رُودھا کے بیٹے وجر کی تخت نشینی بھی ہوئی جو یادو خاندان کا راجہ تھا۔ لیکن تعجب ہے کہ ایسے بڑے آباد شہر کو پانڈوؤں کے سردار یدھشٹر نے خود بخود چھوڑ دیا جس کی مختلف وجوہ بیان کی جاتی ہیں۔ جس میں سے ایک ناقابل قیاس وجہ یہ بھی کہی جاتی ہے کہ ایک دن جو راجہ یدھشٹر نے کھانے پر سے سرپوش اُٹھایا تو کیا دیکھتا ہے اندر ایک مکھی بیٹھی ہوئی ہے۔ مکھی کو دیکھ کر دل میں گھن آ گئی اور شہر چھوڑ دیا۔ گو زما... کے لوگ اسے ایک لغو اور مہمل بات سمجھیں۔ کیوں کہ مکھی کوئی ایسی چیز نہیں ...دم کے ساتھ لگی ہوئی ہے لیکن انسان ایک خیال کا پتلا ہے مَن میں جو بات ٹھن جائے۔ مکھی جیسی حقیر چیز اور اُس کی یہ جرأت کہ ہمارے کھانے پر بیٹھ جائے۔ بس اب ایسے مقام پر رہنے کا کیا مزہ۔ جھٹ شہر چھوڑ چھاڑ یدھشٹر جنگلوں میں نکل گیا اور ہمالیہ کے پہاڑوں ہی میں اُس کا کام تمام ہو گیا دِلّی والوں کا عام خیال اب تک یہ ہے کہ اندرپرست نام کا شہر اِسی جگہ تھا جہاں کہ اب پُرانا قلعہ ہے۔ لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر یہ خیال کیوں جاگزیں ہوا۔ اکثر مورخین

کہ دریا مزور پرسے ہٹ گیا تھا۔ اب رہی یہ بات کہ نہر نکالنے سے دریا کا زور گھٹتا ہے یا نہیں اول تو یہ بات خود ظاہر ہے۔ لیکن اس کا کھلا ثبوت بھی موجود ہے کہ ۱۸۴۲ء میں جب **فیروز شاہ** کی بنائی ہوئی نہر دوبارہ کھولی گئی تو متھرا میں ایک دم سے دریا دو فیٹ اُتر گیا۔ یہ بھی تاریخ سے ثابت ہے کہ **فیروز آباد** کا شہر بھی پہلے نہر نکالی گئی جب بسایا گیا۔ اب ناظرین خود تصفیہ کرلیں کہ دلی کی آبادی کو بار بار ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے میں دریا کے قرب و بعد کو کس درجے دخل تھا۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ دریا کے ہٹ جانے سے شہر پناہ کے اندر کے سارے کنوئیں اور تالاب خشک ہوگئے تھے ایسی حالت میں قدیم فصیلوں کے اندر روز افزوں اور وسیع آبادی کس طرح رہ سکتی تھی۔ پس اصلی وجہ دلی کی آبادی کے بار بار ایک جگہ سے دوسری جگہ ہٹانے کی صرف دریا کا گھٹنا بڑھنا اور پانی کا آسانی سے ملنے کی کوشش تھی اتنا بڑا بھاری کام محض بادشاہوں کی لہر بہر اور تلون مزاجی کا نتیجہ نہ تھا۔

دلی عہدِ ہنود میں

اب ہم آپ کے سامنے دلی کی وہ حالت پیش کرتے ہیں جو مسلمانوں کے تسلط سے پہلے اہل ہنود کے عہد میں تھی دلی کی قدیم بستی **اندرپرست** کا مفصل حال **رامائن** میں موجود ہے۔ جو اسی سرزمین پر تھا اور جس کے لیے بڑی بھاری بھاری خوں ریز لڑائیاں لڑی گئی ہیں۔

دلی کے نام کے ماخذ کے متعلق ہم اس کتاب کی جلد دوم میں کئی وجوہ بیان کرچکے ہیں۔ جس سے معلوم ہوگا کہ اس حصّے کا اصلی اور قدیم نام **دِلی** نہ تھا بلکہ اُس نے کئی نام بدلے ہیں۔ دِلی ہندوؤں کا رکھا ہوا نام ہے جسے بعد میں مسلمانوں نے **دہلی** کرلیا۔ ایک وجہ تسمیہ زیادہ تر دل کو لگتی ہوئی یہ بھی ہے کہ ہندی زبان میں **دِل** کے معنے مقام مرتفع کے ہیں اور چونکہ یہ شہر ایک اونچی جگہ پہاڑی پر بسا ہوا ہے اس واسطے دِلی کہلایا۔ اس شہر کا سب سے پہلا اور قدیم نام اندرپرست ہے جسے **پانڈو برادران** کے بڑے بھائی **یدھشٹر** نے بسایا تھا۔ **مہابھارت** میں جو اس کی تفصیل ہے اُس کا ماحصل یہ ہے کہ **پانڈوؤں** اور **کوروں** میں باہمی تقسیم شروع ہوئی تو کوروں نے پانڈوؤں کو ملک کا وہ حصہ دیا جو **کھنڈوپرست** کے صحرائے وسیع پر شامل تھا اور جو **ہستناپور** کوروں کی قدیم راجدھانی سے بجانب مغرب وجنوب کی طرف کوئی

یہ بھی ممکن ہے کہ اندرپرست جس کی آبادی کو تین ہزار تین سو برس کا ایک قرن گزرا
کون جان سکتا ہے کہ دریا نے کیا کیا رنگ بدلا ہوگا۔ اِس زمانے میں البتہ جمنا کے کورس
میں کوئی نمایاں اور عاجلانہ تبدیلی نہیں ہوئی تاہم جب سلیم گڑھ کا قلعہ بنا ہی تو اُس
سے بھی جمنا کا رُخ مشرق کی طرف ہٹ گیا۔ کوہ ہمالیہ کے وسیع اور گھنے جنگلوں
کی صفائی اور بے شمار درختوں کے کٹ جانے سے اگلے زمانے کی سی وافر برسات
اَب نہیں ہوتی اور اِس کے سوا بڑی بڑی نہریں کاٹ لینے سے دریا میں اَب کچھ دم
نہیں رہا اس لیے آج جو ہم جمنا کی حیثیت ایک معمولی ندی کی سی دیکھتے ہیں اس پر سے اُس
زمانے کی جمنا کی صحیح حالت کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن دوسرے دریاؤں کی حالت
پر نظر کرتے ہم اُس تغیر تبدل کا اندازہ لگا سکتے ہیں جو اُس زمانے میں رہا ہوگا۔

واقعات تاریخی اور مشاہدات دونوں باتوں سے صاف ظاہر ہی کہ گزشتہ صدیوں میں
دریا کے کورس میں بہت کچھ تبدیلی ہوئی ہی۔ حضرت ترکمان شاہ صاحب جمنا کے کنارے
رہتے تھے اور وہیں آپ ۱۲۴۰ء میں مدفون ہوئے اور رضیہ سلطانہ بھی اِسی سال
جمنا کے کنارے دفن ہوئی چنانچہ یہ دونوں مزار اس وقت ترکمان دروازے کے
پاس ہیں جو جمنا سے بہت دُور ہیں۔ مُبارک شاہ نے ۱۴۳۳ء میں شہر
مُبارک آباد کی بنا جمنا کے کنارے ہی ڈالی تھی اور وہیں مجاہد پور میں دفن ہوا جس کا
مقبرہ موجود ہی۔ اجمیری دروازے سے شروع ہو کر ترکمان دروازے
تک جو پہاڑی نالہ ہی وہ بالکل دریا کا ایک حصہ معلوم دیتا ہی۔ فینچ جو جنوری ۱۶۱۱ء
میں دہلی میں تھا اِسی نالے پر حضرت نظام الدین اولیاء کی درگاہ کے پاس بارہ
پلے کا پل ہونا اور اس نالے کا جمنا کا ایک پھانٹا ہونا لکھا ہی۔ اِس کے علاوہ درگاہ
روشن چراغ دہلی کے احاطے کی دیوار کے پاس جو درا ہی وہ بھی ایک پُرانا نالہ
معلوم دیتا ہی۔ ہمارے اِس خیال کی تائید اُس مقام کے دیکھنے سے بھی ہوتی ہی جہاں
کہ پرانی دِلی کی فصیل سے قطب روڈ تقاطع کرتی ہی۔ یہ جگہ بالکل دریا کا پُرانا پیٹا معلوم دیتی ہی۔
مزید براں قطب مینار کی نسبت یہ روایت مشہور ہی کہ کسی راجہ کی بیٹی جمنا کا درشن کیے
بغیر کھانا نہ کھاتی تھی اور دریا تھا دور۔ روز آنے جانے کی بڑی مصیبت تھی اِس لیے راجہ نے
یہ مینار بنوا دیا کہ اِس پر چڑھ کر وہ جمنا کا درشن بہ آسانی کر لیا کرتی تھی۔ اِس سے بھی معلوم ہوا

دریا برآمد اور دریا برد کا سلسلہ برابر جاری ہے۔ اسی وجہ سے ریل کے پل بعض بعض مقامات پر
دریا کے اپنی پرانی جگہ چھوڑ دینے سے بےکار ہو گئے ہیں۔ دریاؤں کے کناروں کی زمین
پولی ہے جدھر پانی کا چڑھاؤ ہوا یا دھار پڑی وہیں کاٹ دیا۔ چنانچہ موسم بارش اور گرمیوں
میں جب پہاڑوں پر برف پگھلتی ہے تو یہ دریا اس قدر چڑھ جاتے ہیں کہ ان کے پاٹ کا کہیں
ٹھکانا نہیں رہتا۔ بعض بعض جگہ میل میل بھر کی پاٹ کی چکلان ہو جاتی ہے۔ غرض جدھر پانی
کی رَو ہوئی بس اُدھر ہی دھار پڑ گئی اور بہنے لگے۔ جابجا غار پڑ جاتے ہیں اور جب اُتر جاتا
ہے تو تہ پر تہ مٹی کی چھوڑ جاتا ہے اور ڈھیروں مٹی چڑھ کر دونوں طرف کناروں کی زمین بلند ہوتی
چلی جاتی ہے اور جب طغیانی کم ہو جاتی ہے۔ یا بارش معمولی ہوتی ہے اور بہت چڑھاؤ نہیں ہوتا
تو دونوں طرف کے کراڑے اونچے ہونے سے دریا پیٹے کے اندر ہی اندر بہتا ہے لیکن
دریائے سندھ میں ایک خاص ندرت ہے کہ کناروں کے ساتھ ساتھ اُس کی تہ کی سطح بھی
اُبھرتی چلی آتی ہے اور اس وجہ سے اُس کا پھیلاؤ کئی کئی میل میں رہتا ہے اور مصنوعی پشتے بنا کر
اُسکو قابو میں حدود کے اندر روکے رہنے کا ایک بڑا بھاری کام سندھ کی آبپاشی
کے انجینیر کے دستے رہتا ہے۔ معمولی موسم میں پانی اُتر جانے سے دریا کی بہت سی
دھاریں پڑ جاتی ہیں۔ جن کے بیچ بیچ میں جابجا خشک ریت نکل آتی ہے۔ لیکن ایسے مقامات
پر ڈھلاؤ ضرور ہوتا ہے۔ اور دریا کا پانی برابر کاٹتا چلا جاتا ہے۔ اور مٹی کے بڑے بڑے
ڈھیم کراڑوں سے کٹ کٹ کر گرتے رہتے ہیں۔ جن کی وجہ سے دریا کے بھاٹوں کا
راستہ بدل جاتا ہے اور کہیں دہار پڑ کر پانی استادہ فصل یا کھیتوں کو بہالے جاتا ہے۔ اور
کہیں پانی گڑھوں میں ٹھیر جاتا ہے اور زیادہ ہوا تو جھیل بن جاتی ہے چنانچہ مسٹر الیف
ے۔ ای سپرنگ سی آئی۔ ای۔ جو اس خاص مسئلہ اراضی دریا برد و دریا برآمد کے
ماہر ہیں لکھتے ہیں کہ "دریا کی وادی میں ایک ایکڑ زمین بھی ایسی نہ نکلے گی۔ جسے کسی نہ کسی
دن دریا نہ کاٹ دے گا۔ اور پھر بتدریج وہ تلچھٹ اور گاد سے بھر نہ جائے گی"۔

پس دریائے جمنا کا پیٹ بھی اس کلیئے سے مستثنیٰ نہ تھا اور چونکہ اس زمانے میں
دِلّی سے لگ کر جمنا بہتی تھی تو کیا عجب ہے کہ اُس کے بعض بعض سطح حصے بھی غرق آب
ہو جاتے ہوں اور اسی وجہ سے پرانی دِلّی کا جس کو کسی نے بھی بسایا ہو) قطب مینار
کے پاس مرتفع حصہ پہاڑی زمین کا دیکھ کر آباد کیا جانا کچھ بعید از قیاس نہیں ہے۔ اسیطرح

دنیا سے ایسا مٹ گیا ہے کہ اُن کی وسعت اور صحیح حدود کا اندازہ لگانا بھی آج موجب خلجان ہے۔
اِس جگہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اُس زمانے کے حکمرانوں کو کیا سوجھی تھی کہ اچھے خاصے بنے
بنائے محصور و محفوظ شہروں کو جن کی حفاظت کے لیئے ہزار ہا روپیہ خرچ کر کے سنگین اور عالیشان
فصیلیں بنی بنائی موجود تھیں اور کسی قسم کا خدشہ غنیم کا بھی نہ تھا خواہ مخواہ کیوں چھوڑ دیا کرتے تھے
اور کیوں اُن کی فصیلوں اور عمارتوں کا ڈھا کر دور بھی نہیں وہیں پاس کے پاس اور دوسرا شہر
بسا لیتے تھے درآں حالیکہ ہندوستان میں متعدد قدیم شہر اور بستیاں جہاں بنی تھیں وہیں
کی وہیں صدہا برس سے کھڑی ہیں نہ وہ اپنی جگہ سے ہٹائی گئیں نہ لوگوں کو زحمتِ نقل مکان
ہوئی۔ کیا وجہ تھی جو پرانی بستیوں کی درستی اور توسیع نہ کر کے از سرِ نو بالکل جداگانہ شہر بسائے
اِس سوال کے جواب کے لیئے پہلے یہ غور کرنا چاہیئے کہ کسی شہر کے آباد کرنے کے لیئے
مقدم ضرورتیں کیا ہیں ؟

ہندی کی ایک پرانی کہاوت زبان زد خاص و عام چلی آتی ہے کہ نئے شہر کے لیئے سب سے
پہلے تین چیزوں کی ضرورت ہے یعنی دریا۔ بادل اور حاکم۔ ہندوستان جیسے گرم ملک میں پانی
کے بغیر زندگی وبال ہے۔ برسات کا پانی بڑے بڑے تالابوں میں گھیر لینے سے چھوٹی موٹی
بستی کی معمولی ضرورتیں رفع ہو سکتی ہیں مگر بڑے شہروں میں دریا کے بغیر کام نہیں چل
سکتا۔ علاوہ اس کے اہل ہنود دریاؤں کو متبرک سمجھتے اور اُن کی پرستش کرتے ہیں اور خاص
خاص تہواروں پر اُن میں اشنان کرنے کو موجب خیر و برکت ثواب اور عبادت سمجھتے ہیں اور
اِسی سبب سے ہندوستان کے بیشتر بڑے بڑے شہر جیسے متھرا۔ قنوج۔ الہ آباد۔
بنارس وغیرہ وغیرہ دریاؤں کے کنارے پر بسائے گئے ہیں۔ چوں کہ دلی کا تعلق جمنا سے
تھا۔ اِس شہر کو دریا کے قریب کے لحاظ سے کئی بار شمال مشرق کی طرف کھسکانا پڑا۔

قدیم زمانے میں جمنا پرانی دلی سے کچھ دور نہ تھی لیکن دریا بتدریج مشرق کیطرف
ہٹتا چلا گیا چنانچہ اب تک بھی دریا آہستہ آہستہ کھسکتا چلا جا رہا ہے۔ بالخصوص گزشتہ
صدی میں بہت زیادہ ہٹ گیا ہے۔ ڈینیل صاحب کی کتاب **اورینٹل سینری** مطبوعہ
سنہ ۱۷۹۳ء میں **قدسیہ باغ** کا ایک نقشہ دیا ہے جس میں جمنا باغ سے ملی ہوئی بہہ رہی
ہے حالاں کہ اب برسات میں بھر پور جانے کی حالت میں بھی باغ سے کہیں دور رہی ہے۔

ہندوستان کے دریاؤں کی بالعموم یہی حالت ہے کہ وہ اپنا کورس بدلتے رہتے ہیں۔

الٰہی آشنائے نام خود گرداں زبانم را
زلسم اللہ زینت بخش گلزار بیانم را

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ

باب پہلا

دِلّی ہندوؤں کے عہد میں

اندرپرست کے متعلق روایات

دِلّی شہر کے جنوب میں جو چٹیل میداں پڑے ہیں اُن کا منظر ایک عجیب غریب بھیانک نظارہ ہے۔ جہاں دیکھو ٹوٹی پھوٹی عمارتوں کے کھنڈر ہی کھنڈر ہیں۔ جن میں اِکّا دُکّا کوئی گنبد کھڑا ہے یا کہیں کسی گری پڑی عمارت کا باقی ماندہ حصّہ نظر آتا ہے۔ جا بجا مسجدیں ہیں جن میں سے کوئی گر کر زمین کے برابر ہو گئی۔ کوئی آدھی یاؤ گر گئی اور جو رہ گئی ہے وہ گرنے کو طیار کھڑی ہے۔ کسی میں کوڑے کرکٹ کے انبار لگے ہوئے ہیں تو کسی میں گدھے لوٹ رہے ہیں۔ نہ اُن کا کوئی والی وارث ہے نہ پرساں حال نہ اُن کے گرد اب کچھ آبادی ہے نہ اُن میں اب کوئی نماز پڑھنے والا رہا۔ زمانے نے اِن ہی نائی عمارتوں کی یہ گت بنائی ہے اور زمانہ ہی اُن کا رہا سہا نام و نشان بھی مٹا دے گا۔ غرض اِس ویران جنگلے کو دیکھ کر دل میں عجب طرح کا ہول اور وحشت پیدا ہوتی ہے۔ پرانی دلّی اور تغلق آباد کی فصیلیں گو اب بھی کچھ کچھ باقی ہیں مگر دلّی کے نام سے جو اور کئی شہر آباد تھے اب اُن کا نام و نشان بھی صفحۂ

سلہ یہ چند بستیوں کی خبریں ہیں جو ہم تم سے بیان کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض تو اس وقت تک قائم ہیں اور بعض اُجڑ پُجڑ گئیں ۱۲۰

نشان سلسلہ	سنہ	نام بادشاہ	نام ہم عصر بادشاہ	سنہ	کیفیت
۱	۲	۳	۴	۵	۶
		خاندان مغلیہ دوبارہ			
۲	سنہ ۱۵۱۵ء	ہمایوں کی واپسی			
۳	سنہ ۱۵۵۶ء	اکبر پسر ہمایوں	ملکہ الزبتھ	سنہ ۱۵۵۸ء	
۴	سنہ ۱۶۰۵ء	جہانگیر پسر نمبر ۳	جیمس اول	سنہ ۱۶۰۳ء	
۵	سنہ ۱۶۲۷ء	شاہ جہاں پسر نمبر ۴	چارلس اول	سنہ ۱۶۲۵ء	
۶	سنہ ۱۶۵۸ء	اورنگ زیب پسر نمبر ۵ - باپ کو معزول کرکے	کرامول پروٹکٹر	سنہ ۱۶۵۳ء	
			چارلس دوم	سنہ ۱۶۶۰ء	
			جیمس دوم	سنہ ۱۶۸۵ء	
			ولیم اور میری	سنہ ۱۶۸۹ء	
۷		شاہ عالم بہادر شاہ پسر نمبر ۶	ولیم اور میری	سنہ ۱۶۸۹ء	
			کوئین این	سنہ ۱۷۰۲ء	
۸		جہاں دار شاہ پسر نمبر ۷			
۹	سنہ ۱۷۱۳ء	فرخ سیر نمبر ۸ کا بھتیجا	جارج اول	سنہ ۱۷۱۴ء	
۱۲	سنہ ۱۷۱۹ء	محمد شاہ نمبر ۹ کا بھانجا	جارج دوم	سنہ ۱۷۲۷ء	
۱۳	سنہ ۱۷۴۸ء	احمد شاہ پسر نمبر ۱۲			
۱۴	سنہ ۱۷۵۴ء	عالمگیر ثانی پسر نمبر ۱۳			
۱۵	سنہ ۱۷۵۹ء	شاہ عالم پسر نمبر ۱۴	جارج سوم	سنہ ۱۷۶۰ء	
۱۶	سنہ ۱۸۰۹ء	اکبر شاہ ثانی پسر نمبر ۱۵	جارج چہارم	سنہ ۱۸۲۰ء	
۱۷	سنہ ۱۸۳۷ء	بہادر شاہ پسر نمبر ۱۶ آخری بادشاہ خاندان مغلیہ	ولیم چہارم	سنہ ۱۸۳۰ء	
			کوئین وکٹوریا	سنہ ۱۸۳۷ء	

نشان سلسلہ	سنہ	نام بادشاہ	نام ہم عصر بادشاہ	سنہ	کیفیت
۱	۲	۳	۴	۵	۶
۸		محمود سر۲ کا پوتا	ہنری چہارم	سنہ ۱۳۹۹ع	

چوتھا خاندان سادات

نشان سلسلہ	سنہ	نام بادشاہ	نام ہم عصر بادشاہ	سنہ	کیفیت
۱	سنہ ۱۴۱۴ع	خضر خاں	ہنری پنجم	سنہ ۱۴۱۳ع	
۲	سنہ ۱۴۲۱ع	مبارک شاہ پسر نمبرا	ہنری ششم	سنہ ۱۴۲۲ع	
۳	سنہ ۱۴۳۴ع	محمد شاہ نمبرا کا پوتا			

پانچواں خاندان لودھی (افغان)

نشان سلسلہ	سنہ	نام بادشاہ	نام ہم عصر بادشاہ	سنہ	کیفیت
۱	سنہ ۱۴۵۰ع	بہلول لودھی	ایڈورڈ چہارم	سنہ ۱۴۶۱ع	
۲	سنہ ۱۴۸۸ع	سکندر لودھی پسر نمبرا	رچرڈ سوم	سنہ ۱۴۸۳ع	
۳	سنہ ۱۵۱۸ع	ابراہیم لودھی پسر نمبر۲	ہنری ہفتم	سنہ ۱۴۸۵ع	
			ہنری ہشتم	سنہ ۱۵۰۹ع	

چھٹا خاندان مغل

نشان سلسلہ	سنہ	نام بادشاہ	نام ہم عصر بادشاہ	سنہ	کیفیت
۱	سنہ ۱۵۲۶ع	بابر			
۲	سنہ ۱۵۳۰ع	ہمایوں پسر نمبرا			

وقفہ۔ افغانان

نشان سلسلہ	سنہ	نام بادشاہ	نام ہم عصر بادشاہ	سنہ	کیفیت
۱	سنہ ۱۵۴۰ع	شیر شاہ نے ہمایوں کو بیدخل کیا۔			
۲	سنہ ۱۵۴۵ع	اسلام شاہ پسر نمبرا	ایڈورڈ ششم ملکہ میری	سنہ ۱۵۴۷ع سنہ ۱۵۵۳ع	

فہرست سلاطین ہند و ہم عصر سلاطین انگلینڈ

نشان سلسلہ	سنہ	نام بادشاہ	نام ہم عصر بادشاہ انگلینڈ	سنہ	کیفیت
۱	۲	۳	۴	۵	۶
		پہلا خاندان ترک یا غلاماں			
۱	سنہ ۱۲۰۶ء	قطب الدین غلام محمد غوری	جان	سنہ ۱۱۹۹ء	اس فہرست کے خانہ (۳) میں ہر ہر خاندان کے بڑے بڑے بادشاہوں ہی کے نام درج ہیں چھوٹے میسے چھوڑ دیئے گئے ہیں اسی واسطے نشان سلسلہ مسلسل نہیں ہے بریں ہم ہر ہر خاندان کے بادشاہوں کی پوری تعداد بھی معلوم ہوسکتی ہے۔
۳	سنہ ۱۲۱۰ء	التمش نمبر ۱ کا غلام	ہنری سوم	سنہ ۱۲۱۶ء	
۴	سنہ ۱۲۳۶ء	فیروز شاہ پسر نمبر ۳			
۵	سنہ ۱۲۳۷ء	رضیہ دختر نمبر ۳			
۶	سنہ ۱۲۴۰ء	بہرام شاہ پسر نمبر ۳			
۸	سنہ ۱۲۴۶ء	محمد غوری پسر نمبر ۳			
۹	سنہ ۱۲۶۶ء	بلبن نمبر ۳ کا غلام	ایڈورڈ اول	سنہ ۱۲۷۲ء	
۱۰		کیقباد نمبر ۹			
		دوسرا خاندان خلجی			
۱	سنہ ۱۲۹۰ء	جلال الدین			
۲	سنہ ۱۲۹۶ء	علاء الدین پسر نمبر ۱	ایڈورڈ دوم	سنہ ۱۳۰۷ء	
۴	سنہ ۱۳۱۶ء	مبارک پسر نمبر ۲			
۵	سنہ ۱۳۲۰ء	خسرو خاں			
		تیسرا خاندان تغلق			
۱	سنہ ۱۳۲۰ء	تغلق شاہ			
۲	سنہ ۱۳۲۵ء	محمد بن تغلق پسر نمبر ۱	ایڈورڈ سوم	سنہ ۱۳۲۷ء	
۳	سنہ ۱۳۵۱ء	فیروز شاہ نمبر ۱ کا بھتیجا	رچرڈ دوم	سنہ ۱۳۷۷ء	

دلّی میونسپلٹی کا ایڈریس

[illegible] حضور [illegible] ملک معظم جارج پنجم

ہم پریذیڈنٹ وائیس پریزیڈنٹان و ممبران میونسپلٹی دہلی اس قابلِ یادگار موقعہ پر باشندگان دہلی کی طرف سے حضور کی خدمت میں مبارکباد عرض کرنے کی جرأت کرتے ہیں اور اس عاجزانہ اظہار وفاداری کو جو ہم کو حضور کی ذات اور تخت سے ہے اپنے قدیم شہر کی طرف سے وفادارانہ خیر مقدم کرتے ہیں - اول اول ہمارے خیالات حضور کے اُن عالی قدر فیاضانہ جذبات کے ادائے شکرگزاری کی طرف ہیں جن سے متاثر ہو کر حضور دور دراز کا بحری سفر طے کرنے کے بعد اپنی تاج پوشی کی خوشی ہندوستان میں منانے کے لیئے ہندوستانی رعایا کے درمیان رونق افروز ہوے - خداوند تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں وہ الفاظ عطا فرماے جن سے ہم حضور کی اس بے حد عنایت کا باشندگان دہلی کی طرف سے شکریہ ادا کرنے کے قابل ہو سکیں کہ حضور نے شاہی عنایات کو شہر دہلی پر مبذول فرما کر اس کو اس دائمی یادگار دربار کے لیئے منتخب فرمایا - حضور کے شاہی خاندان سے دہلی کا گہرا تعلق ہے جس گہرے تعلق کی تاریخ کے لیئے یہ بجا طور پر نازاں ہے - یکم جنوری ۱۸۷۷ء کو حضور کی جدۂ بزرگوار حضور ملکہ معظمہ وکٹوریا کے خطاب قیصرۂ ہند قبول فرمانے کا اسی شہر میں اعلان فرمایا گیا اور اسی دہلی میں یکم جنوری ۱۹۰۳ء کو حضور کے معزز اور پیارے والد یعنی شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم کی جانشینی کا اعلان ایک عظیم الشان دربار میں والیانِ ملک اور رعایا کے سامنے سنایا گیا - اس وقت ہم اس عزت پر تیسری مرتبہ نازاں ہیں کہ حضور کی تاج پوشی کا عالی شان دربار خود بہ نفس نفیس کی موجودگی میں یہیں ہوا ہے جو واقعی بے مثل اور برکت یافتہ ہے - ہم دوسری رعایا ے حضور کے ساتھ اس عام خوشی کو محسوس کرتے ہیں اور ہمیں خاص طور پر ۱۲ دسمبر کے شاہی اعلان سے خوشی ہوئی اسی روز ۱۹۰۵ء میں ہم کو حضور کا بحالت پرنس و پرنسس آف ویلز استقبال کرنے کی عزت حاصل ہوئی تھی - اب ہم اس کو نہایت مسعود و مبارک دن خیال کرتے ہیں کیونکہ

نشان سلسلہ	نام بادشاہ	سال جلوس	سال وفات	مدفن	کیفیت	تعمیر	مقام	سال تعمیر	وثیقہ	کیفیت
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱
۳۶	ہمایوں	سنہ ۱۵۳۰ء	×	×	سنہ ۱۵۳۹ء میں شیر شاہ نے ہندوستان سے بدر کر دیا	درگاہ امام ضامن	قطب	سنہ ۱۵۳۷ء	بروے کتبہ	
۳۷	سور شیر شاہ	سنہ ۱۵۳۹ء	سنہ ۱۵۴۵ء	شہسرام بہار	محاصرۂ کالنجر میں مرا	(۱) شیر منڈل (۲) مسجد قلعۂ کہنہ (۳) لال دروازہ	پرانا قلعہ	سنہ ۱۵۴۱ء	بروے کتبہ	
						(۴) احاطۂ درگاہ قطب صاحب	مہرولی	سنہ ۱۵۴۱ء	بروے کتبہ	
۳۸	اسلام شاہ	سنہ ۱۵۴۵ء	سنہ ۱۵۵۲ء	×	×	(۱) سلیم گڑھ	قلعۂ دہلی	سنہ ۱۵۴۶ء		
						(۲) مقبرہ و مسجد عیسیٰ خاں	ہمایوں کے مقبرے کے پاس	سنہ ۱۵۴۷ء	بروے کتبہ	
۳۹	محمد عادل	سنہ ۱۵۵۲ء	سنہ ۱۵۵۳ء	×						
۴۰	ابراہیم ثالث	سنہ ۱۵۵۳ء	سنہ ۱۵۵۴ء	×	اس کے جانشین نے بدر کیا	×	×	×	×	
۴۱	سکندر ثالث	سنہ ۱۵۵۴ء	×	×	×	×	×	×	×	
	مغل ہمایوں (بار دوم)	سنہ ۱۵۵۵ء	سنہ ۱۵۵۶ء	دہلی	شیر منڈل کی سیڑھیوں پر سے نماز پڑھنے کو جاتے وقت گر کر مرا	مقبرۂ ہمایوں	دہلی سے پانچ میل جنوب رخ	سنہ ۱۵۵۶-۶۵	×	
۴۲	اکبر	سنہ ۱۵۵۶ء	سنہ ۱۶۰۵ء	سکندرہ آگرہ	آگرے میں وفات پائی	(۱) مقبرۂ اتگہ خاں	نظام الدین	سنہ ۱۵۶۶ء	بروے کتبہ	
						(۲) مقبرۂ ادہم خاں	مہرولی	۱۵۶۶ء		
						(۳) حجام کا مقبرہ	مقبرۂ ہمایوں	×		
						(۴) نیلی چھتری	پرانے قلعہ کے قریب	سنہ ۱۵۶۶ء		
۴۳	جہانگیر	سنہ ۱۶۰۵ء	سنہ ۱۶۲۷ء	شاہدرہ لاہور	کشمیر سے واپسی میں انتقال کیا	(۱) درگاہ امیر خسرو	نظام الدین	سنہ ۱۶۲۰ء	بروے کتبہ	
						(۲) پل سلیم گڑھ	قلعۂ دہلی			
						(۳) نیلا برج	قریب مقبرۂ ہمایوں	سنہ ۱۶۲۴ء	بروے کتبہ	

نمبر سلسلہ	نام بادشاہ	سال جلوس	سال وفات	مدفن	کیفیت	تعمیر	مقام	سال تعمیر	رقبہ	کیفیت
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱
۲۷	دولت خان لودی	سنہ ۱۴۱۲ء	x	x	اپنے مخالفین کی اطاعت کرلی	x	x	x	x	
	سادات									
۲۸	خضر خان	سنہ ۱۴۱۴ء	سنہ ۱۴۲۱ء	خضر کی گمٹی	x	x	x	x	x	
۲۹	مبارک شاہ ثانی	سنہ ۱۴۲۱ء	سنہ ۱۴۳۴ء	مبارک پور دہلی	وزیر کے ہاتھ سے مارا گیا	(۱) مقبرہ خضر خان (۲) مقبرہ مبارک شاہ	قریب کوٹلہ دہلی کے جنوب میں احمد پیسلیق مبارک پور	سنہ ۱۴۲۴ء سنہ ۱۴۳۴ء	x x	
۳۰	محمد شاہ ابن فرید	سنہ ۱۴۳۴ء	سنہ ۱۴۴۳ء	x	x	x	x	x	x	
۳۱	عالم شاہ	سنہ ۱۴۴۳ء	x	x	سنہ ۱۴۵۰ء میں معزول کیا گیا	مقبرہ محمد پنجم	خیر پور	سنہ ۱۴۴۵ء	x	
	لودھی									
۳۲	بہلول	سنہ ۱۴۵۱ء	سنہ ۱۴۸۸ء	چراغ دہلی	x	(۱) مقبرہ بہلول (۲) موٹھ کی مسجد	دہلی دہلی کے جنوب (۳) میل	سنہ ۱۴۸۸ء سنہ ۱۴۸۸ء	x بڑی کتبہ	
۳۳	سکندر ثانی	سنہ ۱۴۸۸ء	سنہ ۱۵۱۷ء	خیر پور	سنہ ۱۵۱۰ء میں ایرج سے قلعہ یار فتح کیا اور سکندر نے آگرے میں وفات پائی	x	x	x	x	
۳۴	ابراہیم ثانی	سنہ ۱۵۱۷ء	سنہ ۱۵۲۶ء	خیر پور	پانی پت کی لڑائی میں شکست پاکر بابر کے ہاتھ سے مارا گیا	(۱) سکندر لودی کا مقبرہ اور مسجد (۲) مقبرہ ابراہیم لودی	خیر پور	سنہ ۱۵۱۷ء سنہ ۱۵۲۶ء	x	
	مغل									
۳۵	بابر	سنہ ۱۵۲۶ء	سنہ ۱۵۳۰ء	کابل	انچاس سال کی عمر میں آگرے میں مرا	مسجد و مقبرہ مولانا جمالی و کمالی	مہرولی	سنہ ۱۵۲۸ء	x	

نشان سلسلہ	نام بادشاہ	سال جلوس	سال وفات	مدفن	کیفیت	تعمیر	مقام	سال تعمیر	وثیقہ	کیفیت
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱
۲۰	محمد ثالث بن تغلق	سنہ ۱۳۲۴ء	سنہ ۱۳۵۱ء	تغلق آباد	تپ سے مرا	(۱) مقبرہ تغلق شاہ	تغلق آباد	سنہ ۱۳۲۵ء	x	
						(۲) مقبرہ نظام الدین	نظام الدین	ایضاً	x	
						(۳) مقبرہ امیر خسرو	ایضاً	ایضاً	x	
۲۱	فیروز شاہ ثالث	سنہ ۱۳۵۱ء	سنہ ۱۳۸۸ء	دہلی	پیرانہ سالی سے مرا	(۱) جماعت خانہ	نظام الدین	سنہ ۱۳۵۳ء	x	
						(۲) کوٹلہ فیروز شاہ	قریب دہلی	سنہ ۱۳۵۴ء	x	
						(۳) قدم شریف	دہلی کے مغرب میں	سنہ ۱۳۵۷ء	x	سنہ ۱۳۷۴ء میں موجودہ مقام پر فیروز شاہ نے منتقل کیا
						(۴) مقبرہ شاہ عالم	x	سنہ ۱۳۶۵-۹۰ء	x	
						(۵) مقبرہ ناصر الدین	روشن چراغ دہلی	سنہ ۱۳۷۴ء	بروے کتبہ	
						(۶) کھڑکی کی مسجد	قطب کے مشرق ایک میل پر	x	x	
						(۷) کلاں مسجد	دہلی میں	سنہ ۱۳۸۷ء	x	
						(۸) بیگم پوری مسجد	بیگم پور		بروے کتبہ	
۲۲	تغلق شاہ	سنہ ۱۳۸۸ء	سنہ ۱۳۸۸ء	x	معزول اور قتل	x	x	x	x	
						x				
۲۳	ابو بکر	سنہ ۱۳۸۸ء	x	x	سنہ ۱۳۹۰ء میں شکست پا کر قید کیا گیا	x	+	x	x	
						x	x		x	
						x	x		x	
۲۴	محمد چہارم ابن فیروز	سنہ ۱۳۸۹ء	سنہ ۱۳۹۲ء	حوض خاص	x	مقبرہ فیروز شاہ	قطب کے شمال میں دو میل پر	سنہ ۱۳۸۹ء	x	
۲۵	سکندر اول	سنہ ۱۳۹۳ء	سنہ ۱۳۹۲ء	ایضاً	تخت نشینی کے (۴۵) دن کے بعد وفات پائی	x	x	x	x	
۲۶	محمود ثانی	سنہ ۱۳۹۳ء	سنہ ۱۴۱۲ء	x	دہلی میں وفات پائی۔ نصرت شاہ وقفہ ۱۳۹۵-۹۹ء	x	x	x	x	

خاتمہ یہ میں اُس امداد کا شکریہ ادا کیئے بغیر نہیں رہ سکتا جو میرے عزیز قریب منشی **اِشتیاق احمد** صاحب چشتی نظامی دہلوی نے اس کتاب کی تدوین اور ترتیب میں محض میری خاطر سے شروع سے آخر تک انجام دی ہی۔ بقول شخصے وہ دلی کے بھومیا ہیں۔ سارے شہر کا حال اُن سے پوچھ لیجئے اور نہ صرف شہر بلکہ مضافات کے حالات سے بھی باخبر کہ زیارت بزرگان دین کے از حد شایق ہیں گو نوجوان ہیں مگر جوان صالح۔ میری خاطر سے وہ میرے ساتھ سایہ کی طرح لگے رہے عمارتوں کے دیکھنے۔ کتبوں کے پڑھنے کاپیوں اور پروف کی تصیح کتاب کے چھپوانے یہ سارے کام اُنھوں نے کیئے ہیں۔ سچ تو یہ ہی کہ کام اُن کا ہی اور نام میرا۔ کاٹے ہاڑ اور نام ہو تلوار کا! خدا اُن کو جزائے خیر دے ا

وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ[1] وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ۔

اَلْمُفْتَقِرُ الرَّاجِیْ اِلَی اللّٰہِ الصَّمَدْ

بشیر الدین احمد

وَفَقَہُ اللّٰہُ التَّرَوُّدَ لِغَدٍ

مقام دہلی　　　اگست ۱۹۱۹ء

[1] اور مجھ کو صرف خدا ہی کا آسرا ہی اُسی پر میرا بھروسہ ہی اور اُسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔ ۱۲

حَسَدُوا الفَتیٰ اِذْ لَمْ یَنالُوا سَعْیَہٗ   فَالْقَوْمُ اَعْدَاءٌ لَہٗ وَخُصُوْمٗ
کَضَرائِرِ الحَسْنَاءِ قُلْنَ لِوَجْھِھَا   حَسَدًا وَبَغْیًا اِنَّہٗ لَدَمِیْمٗ

معزز ناظرین! میری اس تحریر سے کہیں آپ یہ نہ سمجھ لیں کہ میں نکتہ چینی کا سدِ باب کرنا چاہتا ہوں اور نہ پانی کے آگے پاڑ باندھتا ہوں۔ نہیں نہیں امر واقعی یہ ہے کہ میں اپنی قابلیت کا اقراری ملزم ہوں تو پھر مجھ پر **فردِ جرم** لگانی کیا ضرور۔ ؎

شرم آید از بضاعت بے قیمتم ولیک
در شہر آبگینہ فروشست و جوہری

اچھوں کے ساتھ بُرے بھی بِکے چلے جاتے ہیں ع بداں را بہ نیکاں ببخشد کریم۔ اُس کی کریمی کا کیا کہنا ہو ؎

بناداں آں چناں روزی رساند
کہ دانا اندراں حیراں بماند

میں اپنی کوتاہیوں سے بخوبی واقف ہوں اور جانتا ہوں کہ اتنی بڑی کتاب میں ایک نہیں دو نہیں بہت سی غلطیاں رہ گئی ہوں گی جو صاحب ہم دردی و نیک نیتی سے مجھے جتلائیں گے تو ع۔ متاعِ نیک ہر دکاں کہ باشد۔ میں نہ صرف اُن کے اعتراض کو بسر و چشم تسلیم کروں گا بلکہ اُن کا ممنون احسان بھی ہوں گا کہ انسان اپنی غلطی آپ محسوس نہیں کر سکتا۔

فَالعَیْنُ تَنْظُرُ مَا نَأیٰ وَدَنیٰ   وَلَا تَرٰی نَفْسَھَا اِلَّا بِمِرْآۃٍ

اگر خدا وہ دن لائے کہ اس کتاب کے دوبارہ چھپنے کی نوبت آئے تو ضرور اصلاح بھی کر دوں گا۔ سرِدست تو یہ عذر پیش کر کے ختم کرتا ہوں ؎

بپوش گر بخطائے رسی و طعنہ مگیر
کہ ہیچ نفسِ بشر خالی از خطا نہ بود

سلہ۔ آنکھ دور اور نزدیک کی دونوں چیزیں دیکھتی ہے لیکن اپنے آپ کو بدون آئینے کے نہیں دیکھ سکتی۔ ۱۲

وہ پرانی روش کے دل دادہ اور انہیں کی اقیات الصالحات ہیں وہ بجائے "موٹے موٹے سیدھے سادے فقرے کے "مسند مسنڈ ہاتھی کے سے ڈنڈ" مقفی جملے کو سن کر پھڑک اُٹھتے ہیں اور تعریف کے پل باندھ دیتے ہیں۔ ان کو قافیہ سجاب اور سروش سخن کی گھڑی ہوئی عبارت جو آمد نہیں بلکہ آورد ہو دل سے پسند ہو اس کے فقرے فقرے پر وجد کرتے اور سر دھنتے ہیں۔ یہ طرز جدید کی سیدھی سادی اردو محض روکھی پھیکی اور ان کی نظر میں ایک سگی ننگی تصویر معلوم دیتی ہے۔

وَلِلنَّاسِ فِی مَا یَعۡشِقُونَ مَذَاهِبُ[1]

یہ بات محتاج بیان نہیں کہ یہ کتاب کوئی عشقیہ ناول یا گل بکاؤلی اور بدر منیر کا جواب نہیں ہے جس میں گلکاری کی ضرورت ہو نہ اس میں سوز و گداز ہے اور نہ معشوقانہ ناز و انداز نہ اس میں شب ہجراں کی اختر شماری و اشکباری ہے نہ وصال یار پر اظہار مسرت و شکر گزاری۔ نہ اس میں محو ہی سیچی باتیں ہیں نہ تاک جھانک کی گھاتیں۔ نہ اس میں کسی پردہ نشیں کو بے پردہ کیا ہے نہ کسی خاتون عصمت مآب کو آتش عشق سے تر مژہ بلکہ یہ ایک تاریخی کتاب ہے رنگ آمیزی اور مبالغے سے کوسوں دور۔ غلط بیانی اور ملو طیا سدی سے نفور۔ جس میں سب سے مقدم یہی خیال مد نظر ہے کہ واقعات کربلا کو نہایت سلیس طور پر بیان کیا جائے اور بس۔ بعض اصحاب ایسے بھی نظر آسکتے

نیش عقرب نہ از پئے کین ست
مقتضائے طبیعتش این ست

اُن کی طبیعت میں عیب جوئی اور نکتہ چینی کا عنصر غالب ہوتا ہے وہ نہ صرف بجا و بے جا اعتراضوں کی بھر مار کر دیتے ہیں بلکہ بلا وجہ ایسا طرز اور تلخ پیرایہ اختیار کرتے ہیں کہ جس سے رشک و حسد کی بو آتی ہے۔ وہ اپنے سوا سارے زمانے بھر میں نہ کسی کو کسی قابل سمجھتے ہیں۔ نہ دوسرے کی تعریف سُن سکتے ہیں۔ سے

[1] ہر شخص کی پسند جدا جدا ہے۔ ۱۲

بایں ہمہ مجھے حصۂ اول بھی لکھنا پڑا کیوں کہ بادشاہان دہلی اور عمارات کے حالات ایک دوسرے سے وابستہ ہیں - یہ کیسے ممکن ہو کہ روح کا ذکر ہو اور تن کا نہ ہو یا گل کا بیان ہو اور بلبل کا نہ ہو - بغیر بیان حالات شاہان دہلی یہ کتاب ناقص اور ادھوری رہ جاتی تھی لہذا میں نے ان حالات کو بہت ہی مختصر طریقے پر بطور اؤٹ لائینر (خاکے) کے بیان کر دیا - اب رہا دوسرا حصہ اس میں البتہ اس قدر مواد موجود ہو کہ اردو کی کسی دوسری کتاب میں نہیں ہو - اور اسی کا لکھنا ایک مشکل کام تھا - لہذا پہلے میں نے حصۂ دوم ہی کی تکمیل کی اور اُسی کے ساتھ ایک مفصل دیباچہ بھی لکھ دیا اس لیئے یہ دیباچہ صرف تیمناً و تبرکاً لکھا گیا ہو جو تسلیم دستور کی تقلید ہو ورنہ اُس دیباچے کے ہوتے مجھے کسی مزید توضیح کی ضرورت باقی نہ تھی - اس مقام پر ایک بات دل میں کھٹک رہی ہو جس کے عرض کرنے کی معافی چاہتا ہوں -

ع - کانٹا سا کھٹا ہو نکل جائے تو اچھا

میں دیکھتا ہوں کہ جب کوئی نئی کتاب لکھنے کی کوشش کرتا ہو تو اُس کی دماغ سوزی اور محنت تو در کنار اُلٹی اعتراضوں کی بھرمار شروع ہو جاتی ہو - جو لوگ مصنف کی زحمت اور کاوش سے واقف نہیں اور کتاب کو ایک اُچٹتی ہوئی نظر سے محض موشگافی اور عجیب جوئی کے لیے دیکھتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ تصنیف کی غرض و غایت یہ ہو کہ فصاحت اور بلاغت کا جواب نہ ہو سکے نفس مضمون میں خواہ کوئی فائدہ یا خوبی ہو یا نہ ہو اُن کو اس سے کچھ مطلب نہیں - کتاب پر نظر غائر ڈالنا اور اُس کے مضامین کی تہ کو پہنچنے سے اُن کو سروکار نہیں - ؎

بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد
اکنوں کرا دماغ کہ پرسد زباغباں

فصاحت اور بلاغت کا معیار یہ قرار دیا گیا ہو کہ اُس کی عبارت مسجع و مقفیٰ ادق ڈبل ڈبل مغلق و غیر مانوس الفاظ سے ایسی بھری پڑی ہو کہ قدم قدم پر لغت کی مدد درکار ہو - جس کے مطالب کج پیچ کی وجہ سے معمے اور چیستاں سے کم نہ ہوں - ایسے لوگ صرف لفظوں کے قدر دان ہیں اور معانی سے نا آشنا -

رہے گی یاد بلاغت جناب غالب کی　　ادق پسند طبیعت جناب غالب کی
ہوئی اسی سے تو شہرت جناب غالب کی　　زمانہ کرتا ہی عزت جناب غالب کی

سخنوری میں وہ غالب تھے ہر سخنور پر
جہاں میں کوئی بھی اُن کا نہ ہو سکا ہمسر

جناب ذوق تھے ہندوستان کے خاقانی　　نہ تھا نہ ہے نہ کوئی ہوگا آپ کا ثانی
جب اُن کی طبع رواں نے دکھائی جولانی　　زمین شعر جو پتھر تھی ہو گئی پانی

سخنوروں پہ زمانے کے رہ گئے تھے ووق
عجیب میر تھے اس شہر میں جناب ذوق

نسیم کر نسیم ایسے گل کھلاتی تھی　　کہ جس سے باغ سخن میں بہار آتی تھی
ادائے شیفتہ سارے جہاں کو بھاتی تھی　　ہر ایک بات ہر اک کو پسند آتی تھی

ہمیشہ نیّر و آزردہ کی رہے گی یاد
گزشتہ دور میں اس فن کے وہ بھی تھے استاد

جناب سالک و مجروح بھی تھے فخر جہاں　　جواب اُن کا زمانے میں کوئی اب ہی کہاں
اب اُن کا نام تو باقی ہو مٹ گیا ہی نشاں　　فصیح و شستہ و نادر تھی جو اُن کی زباں

کیا انھوں نے زمانے میں نام دلّی کا
بڑھا دیا ہی بہت احترام دلّی کا

جناب داغ تھے اس آخری زمانے میں　　کہ جن کے دم سے بڑی دھوم تھی زمانے میں
وہ رہے ہیں نہ اب نور ہی زمانے میں　　رہے گی یاد تری پھر کسی زمانے میں

بنی ہوئی تری قسمت بگڑ گئی دلّی
بسی ہوئی تری بستی اُجڑ گئی دلّی

(وجاہت حسین وجاہت جھنجھانوی)

یہ کتاب دو حصوں پر منقسم ہی۔ پہلا حصہ اذکار شاہان دہلی کا ہی۔ دوسرا آثار قدیمہ اور عمارات کا اور یہی بہت بڑا ہی۔ کتب تواریخ شاہان دہلی کے مفصل حالات سے بھری پڑی ہیں جن کا اعادہ تحصیل حاصل ہی۔ سہ

در مکر رستن مضمون رنگیں لطف نیست　　کم دہد رنگ ار کسے سد جنائے بستہ را

کہ اُن کا ترجمہ نایاب بھی ہے نادر بھی

حدیث کی شہ اسحٰق نے وہ خدمت کی　　کہ روح شاد ہوئی خاتم رسالت کی
ہمیشہ دین کی اسلام کی حمایت کی　　رہا خیال ترقی کا دھن اشاعت کی

گزر گئے ہیں ابھی مولوی نذیر حسین
تمام ہند میں تھے ایک ہی نذیر حسین

حکیم بھی تھے یہاں کے عجب مسیحا دم　　جنھوں نے زندہ رکھا نام عیسیٰ مریم
نہ اُن کی یاد میں کس طرح روئے کُل عالم　　نہیں ہیں وہ تو ہمیں دے رہی ہے موت بھی دم

جواب خطۂ یوناں تھا شہر دہلی بھی
یہیں سے اُٹھے تھے محمود خاں بھی علوی بھی

زمانہ روتا ہے عبدالمجید خاں کے لیے　　وجود آپ کا نعمت تھا اس جہاں کے لیے
نہ اچھی چیز رہی کوئی اب یہاں کے لیے　　یہی زمین تھی کیا جور آسماں کے لیے

گئے تھے جانب جنت حکیم واصل خاں
جہاں میں اب ہیں غنیمت حکیم اجمل خاں

سخنوری میں تو دلی کی خاص شہرت تھی　　نثار اس پہ فصاحت فدا بلاغت تھی
اسی کمال سے اس کی کمال عزت تھی　　زبانِ اہل زباں دل پسند خلقت تھی

جما تھا سکہ جہاں میں زبان دہلی کا
بیان کس سے ہو حسن بیان دہلی کا

جناب میر محمد تقی خدائے سخن　　کہ دل فریب تھی جن کی ہر اک ادائے سخن
انھوں نے کی تھی یہیں سے ابتدائے سخن　　انھیں کے دم سے پڑی ہند میں بنائے سخن

سخنوری میں سب اُستاد مانتے ہیں انھیں
عوام صاحب ارشاد جانتے ہیں انھیں

یہیں سے اُٹھے تھے سودا و درد و شاہ نصیر　　کہیں جہاں میں جن کی مثال ہے نہ نظیر
کلام حضرتِ مومن میں تھی عجب تاثیر　　تمام ملک سخن جس نے کر لیا تسخیر

یہاں سے تھے سپہر سخنوری یہ لوگ
تھے اپنے وقت کے بے شبہ انوری یہ لوگ

شگفتہ صورتِ گل تھی کلی کلی اس کی
بنی ہوئی تھی گلستاں گلی گلی اس کی

یہ اوج تھا کہ زمیں آسمان تھی اس کی — بلند رتبہ تھا رفعت یہ شاں تھی اس کی
ہے سچ تو یہ کہ عجب آن بان تھی اس کی — شباب تھی کبھی قسمت جوان تھی اس کی

یہاں کمی نہ کسی بات کی کبھی کچھ تھی
یہ دلی اب نہیں کچھ پہلے تو سبھی کچھ تھی

یہ شہر شہرۂ آفاق تھا زمانے میں — کہ اس کا ہر کوئی مشتاق تھا زمانے میں
ہنر میں علم میں مشتاق تھا زمانے میں — کمالِ فن میں غرض طاق تھا زمانے میں

یہ شہر اہلِ ہنر کا تھا کعبۂ مقصود
اسی کو جانتے تھے سب مدینۂ مقصود

گزر چکے ہیں یہاں ہر کمال کے کامل — خدا کا فضل رہا سب کے حال کے شامل
یہیں سے دینِ متیں کے بھی اٹھتے تھے حامل — فقیہ و صوفی و درویش و زاہد و کامل

زیادہ سب سے یہاں اولیا کی تھی تعداد
اسی لیے اسے کہتے تھے ہند کا بغداد

مثال قطب یہاں سے ہلے نہ قطب الدین — یہیں تھے زیرِ فلک اور یہی ہیں زیرِ زمیں
وہ کشتۂ خنجرِ تسلیم سے ہوئے تھے یہیں — اس ایک جان پہ صدقے ہزار جانیں تھیں

نظام دیں بھی نصیر آفتابِ عرفاں بھی
نہاں ہیں خاک میں دلی کے جانِ جاناں بھی

حدیث و فقہ کی بھی یہاں عجیب تھی رونق — بلند پایہ محدث تھے شیخ عبدالحق
ہوا تھا ان سے زمانے میں علمِ دیں مشتق — پڑھایا لوگوں کو اسلام کا انھوں نے سبق

یہیں تو تھے وہ شریعت پناہ و حق آگاہ
تمام لوگ جنھیں کہتے ہیں ولی اللہ

ہوئے وہ حامیِ اسلام و دیں پناہ یہاں — علوم دیں کی بنی جن سے جلوہ گاہ یہاں
عزیزِ خلق تھے عبدالعزیز شاہ یہاں — کسی زمانے میں کیا کچھ نہیں تھا آہ یہاں

گزر چکے ہیں یہیں شاہ عبدالقادر بھی

برکات میں سے دہلی کا دارالخلافہ بننا بھی ہی جس کی اہمیت ہندوستان کے کروڑہا باشندوں کو اتنی ہرگز محسوس نہ ہوتی جیسی کہ اب ہورہی ہی۔ اگر اس کا اعلان شہنشاہ دہی جاہ اپنی زبان درفشاں سے نہ فرماتے اور مجھ امید ہی کہ شہنشاہ دہی جاہ کا یہ فیصلہ سلطنت ہند کی خوش نظمی اور مزید خوشحالی کا باعث ہوگا۔ اس کے بعد میں ویرا امپیریل مجسٹیر کا جام صحت پیش کرتا ہوں۔

دربار ملاقات دعوت کے بعد شاہی شامیانے میں جس میں چار ہزار کے لگ بھگ لوگوں کا مجمع تھا ویر مجسٹیر بعرض ملاقات تشریف ہوے اور جامعین مشتاق کو اپنے جمال مبارک سے افتخار بخشا۔

والنٹیرز اور فوجی افسروں کی باریابی ۱۳ دسمبر کو ۱۰½ بجے والنٹیر اور ہندوستانی فوج کے افسر اُس شامیانے میں باریاب ہوئے جو دریائی سہرہ زار میں استادہ تھا۔ پہلے ملک معظم نے توپ خانے کے سات افسروں کے سینے پر جنھوں نے حیدرآباد اور ویرور یورکے اسلحہ خانوں کو آتش زدگی سے بچانے کے لیئے جان نثار کوششیں کی تھیں اپنے دست مبارک سے تمغے لگاکر اقران و امثال میں مفتخر و ممتاز فرمایا۔ بعدہ والنٹیر کے تیس افسر پیش کیئے گئے جن سے ملک معظم نے بڑے تپاک سے ہاتھ ملایا۔ اسی طرح تین پیش چار معزز و ممتاز ہندوستانی افسر باریاب ہوے جنھوں نے تلواریں نذر پکڑیں اور حضور ملک معظم نے اُن پر دست مبارک رکھا۔ اب سواروں کی رجمنٹوں کے افسروں کی باری آئی جو شمار میں دو دو اور چار چار کر کے پیش کیئے گئے اور اسی طرح پیدل افواج کے افسر پیش ہوے پھر حضور نے گارڈ آف آنر کی کئی جماعتوں کو ملاحظہ فرمایا۔ آخر میں حضور ملک معظم کا ایک فوٹو افسران فوج اور والنٹیروں کے ساتھ لیا گیا۔

اقطاع ہند کے مختلف مقامات کے سپاس نامے ۱۳ دسمبر کو ۲½ بجے دن کے شاہی کیمپ میں دہلی میونسپلٹی کی طرف سے دی آنریبل مسٹر سی۔ اے۔ بیرن پریذیڈنٹ (حال چیف کمشنر) نے یہ ایڈریس پیش کیا۔

جس دل میں ہو پرتوِ کرسی و عرش اُس دل کی بلندی صلِّ علیٰ
جس سینے میں قرآں اُترا ہو اُس سینے کی عظمت کیا کہنا
تسبیح سے دُنیا گونج اُٹھی تکبیر کا غل تا عرش گیا
تاثیرِ ہدایت صلِّ علیٰ یہ جوشِ عبادت کیا کہنا
نغمہ ہے ترا دل کش اکبرؔ مضموں ہے ترا پاکیزہ وُ تر
بلبل سے ترانے صلِّ علیٰ پھولوں کی لطافت کیا کہنا

دعا

ای کارساز قبلۂ حاجات کبریا
آغاز کردہ ام تو رسانش بانتہا

دلّی

شہرے چو بہشت در نکوئی
چوں باغ ارم بتازہ روئی

جہاں میں مرجعِ اہلِ کمال تھی دِلّی
مثال کا ہے کو تھی بے مثال تھی دلّی
زوال تھا نہ کوئی لازوال تھی دلّی
بحال تھی کبھی دلّی نہال تھی دلّی
یہ دلّی وہ ہے کہ سارے جہاں کا دل تھی
زمیں کی جان تھی اور آسمان کا دل تھی

جوابِ باغِ جناں ہر مکان دلّی کا
جواب سارے جہاں میں کہاں تھا دلّی کا
نئی زمین تھی کیا آسماں تھا دلّی کا
غرض جہاں سے نرالا جہان تھا دلّی کا
یہ دلّی وہ تھی کہ جو تھی بعزّ و شان آباد
یہ دلّی وہ ہے جسے کہتے تھے جہاں آباد

اس آب و تاب پہ لیل و نہار تھی دلّی
کہ ایک آئینۂ روزگار تھی دلّی
بہشت تھی کہیں باغ و بہار تھی دلّی
ظہورِ قدرتِ پروردگار تھی دلّی

ہے وقفِ شکر احساں ہر رونگٹا بدن کا
ہر موئے تن کو میرے شکل زباں بنایا

رخ زرد عاشقوں کے ان پر لہو کے آنسو
اس کشتِ زعفراں میں کیا ارغواں بنایا

محو ثنا نہیں ہیں مرغانِ باغ تنہا۔
ہر برگ ہر شجر کو تسبیح خواں بنایا

حسنِ ازل جمالت زیب ابد کمالت
یک قطرہ دو عالم از قلزم نوالت۔

جنت سے ہے ظہور حسن و جمال تیرا
دوزخ ہے عرصہ دار قہر و جلال تیرا

کیا ماسوا ہے جس کو اچھا برا کہوں میں
صوفی میں حال تیرا۔ زاہد میں قال تیرا

معمور ریاضِ عالم ہے تیری صنعتوں سے
ہر برگ سے عیاں ہے حسنِ کمال تیرا

دیر و حرم میں کیوں کر نقشِ دوئی جماؤں
وہ ہے توجہ تیری یہ ہے توصال تیرا

دل کو کدھر لگاؤں۔ سر کو کدھر جھکاؤں
غرب و جنوب تیرا شرق و شمال تیرا

اک امر کن سے تو نے سارا جہاں بنایا
ارض و سما بنائے کون و مکاں بنایا

اب تک نہ یہ معما حل ہو سکا کسی سے
ہستی کو تو نے کیسا رازِ نہاں بنایا

ایام گل بنائے دورِ خزاں کے پیچھے
ایام گل کے پیچھے دورِ خزاں بنایا

خنداں زماں ہیں غنچے شبنم ہے اشک ریزاں
شادی و غم کو تو نے ہم داستاں بنایا

رفتار عمر میں ہے تار نفس سے تیری
کشتی حباب سائی وہ بادباں بنایا

ظرف قبول بخشا کیا بحر میں صدف کو
نیساں کو آسماں پر کیا دُرفشاں بنایا

لب میں سخن میں تاثیر تو نے بخشی
منہ میں زباں۔ زباں میں حسن بیاں بنایا

تیرے وجود سے ہے ہر اک وجود قائم
ہر فرق میں نمایاں ہے اتصال تیرا

ہیچوں قمر جلوے حیراں بہ رہ گزرہا
باایں ظہور ہستی پوشیدہ از نظرہا

یہ جلوۂ حق سبحان اللہ یہ نور ہدایت کیا کہنا
جبریل بھی ہیں شیدا ان کے یہ شان نبوت کیا کہنا
وہ کفر کی ظلمت دور ہوئی اور محفلِ دیں پر نور ہوئی
یہ مہر ہدیٰ سبحان اللہ یہ صبح سعادت کیا کہنا

أَلَيْنَا بِمَا تَشْحَذُ الْأَذْهَانُ مِنْ جَلِيلِ الْأَسْفَارِ وَ(ن)، ثُمَّ عَلَى نَبِيِّكَ الْمُرْسَلِ بِمَا هُوَ أَبْهَى مِنْ نَيِّرَاتِ الدَّرَارِي وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَأَتْبَاعِهِمُ الْمُسْتَعِينِينَ عَلَى اغْتِنَامِ الْمَفَاخِرِ بِعَوْنِ الْبَارِي۔

أَنْتُمْ لِلْوَرَى كَوَاكِبُ عِلْمٍ ... فِي اقْتِدَا إِنْ غَابَتِ الْأَقْمَارُ

يَا حَبَّا لِلّٰهِ دَوْلَةً قَدْ حَوَتْكُمْ ... كُلَّ عِزٍّ وَزَادَ فِيهِ الْفَخَارُ

الصُّبْحُ بَدَا مِنْ طَلْعَتِهِ ... وَاللَّيْلُ دَجَى مِنْ وَفْرَتِهِ

فَاقَ الرُّسُلَا فَضْلًا وَعُلَا ... أَهْدَى السُّبُلَا لِدَلَالَتِهِ

كَنْزُ الْكَرَمِ مَوْلَى النِّعَمِ ... هَادِي الْأُمَمِ لِشَرِيعَتِهِ

أَزْكَى النَّسَبِ أَعْلَى الْحَسَبِ ... كُلُّ الْعَرَبِ فِي خِدْمَتِهِ

سَعَتِ الشَّجَرُ نَطَقَ الْحَجَرُ ... شُقَّ الْقَمَرُ بِإِشَارَتِهِ

جِبْرِيلُ أَتَى لَيْلَةَ أَسْرَى ... وَالرَّبُّ دَعَى لِحَضْرَتِهِ

نَالَ الشَّرَفَا وَاللّٰهُ عَفَا ... عَمَّا سَلَفَا مِنْ أُمَّتِهِ

فَمُحَمَّدُنَا هُوَ سَيِّدُنَا
فَالْعِزُّ لَنَا لِإِجَابَتِهِ

بقیہ ترجمہ صفحہ گزشتہ کہ جس سے ہمارے ذہن ایسے تیز ہو گئے جیسے کہ بڑی (بڑی) کتابوں کے مطالعے سے ہوتے ہیں اور صلوٰۃ اور سلام تیرے بھیجے ہوئے نبی پر (باقی بر صفحہ آئندہ)

لہ جو ایسے اوصاف والے ہیں کہ روشن تر ہیں ستاروں اور شمس و قمر سے اور ان کے آل و اصحاب اور تابعین پر۔ اور (حال یہ ہے کہ) ہم تجھی سے مدد چاہتے ہیں اُن فخروں کو جو تیری (ہی) مدد سے ہم کو حاصل ہوئے ہیں۔ تم (سب) دنیا میں علم کے ستارے ہو۔ اگر چاند اور سورج بھی غایب ہو جائیں (تو تمھاری روشنی سے) اقتدا کیا جا سکتا ہے۔ محبت الٰہی کا واسطہ! وہ دولت علم جو تمھیں میسر ہے وہ ساری عزتوں سے نہ صرف بڑھ کر ہی ہے بلکہ اُس میں فخر مزید ہے۔ ۱۲ لہ صبح روشن ہوئی آپ کے چہرے سے۔ اور رات میں سیاہی آئی آپ کے بالوں سے۔ تفوق لے گیا (سب) پیغمبروں سے بزرگی اور مرتبے میں۔ ہدایت کی مختلف فرقوں کو اپنی معقولیت سے۔ خزانہ ہیں بخشش کا اور صاحب ہیں نعمتوں کے۔ ہدایت کرنے والے ہیں امتوں کے اپنی شریعت کی طرف۔ پاکیزہ اور اعلیٰ نسب حسب کے۔ عرب کے سب لوگ اُن کی خدمت میں ہیں۔ درخت دوڑا پتھر بول اُٹھا۔ چاند آپ کے اشارے سے دو ٹکڑے ہو گیا۔ جبریل شب معراج کو آئے اور اللہ نے آپ کو اپنے حضور میں بلا لیا۔ انتہائے بزرگی کو پہنچ گئے اور اللہ تعالیٰ نے اُن کی اُمت سے جو گناہ سرزد ہوئے تھے معاف فرمائے۔ پس ہمارے محمد ہمارے سردار ہیں اُن کی فرماں برداری میں ہماری عزت ہے۔ ۱۲

دیباچہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ای تو کریمی و رسول تو کریم
صد شکر کہ ہستیم میاں دو کریم

کروں وصفِ جلال کبریا میری زباں کیا ہی
یہاں جبریل کے پر جلتے ہیں میرا بیاں کیا ہی

فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ[1]

حمد نعت

نَحْمَدُكَ اللّٰهُمَّ اَنْ مَنَنْتَ عَلَيْنَا بِتَكْمِيْلِ الْاَوْطَارِ وَنَشْكُرُكَ اَنْ اَحْسَنْتَ[2]

[1] یہ قصے (ان لوگوں سے) بیان کرو تاکہ یہ لوگ سوچیں۔ ۱۲
[2] ای اللہ ہم تیری حمد (ثنا) کرتے ہیں اس احسان کے لیے کہ تو ہمارے مقاصد بر لایا اور ہم تیرا شکر کرتے ہیں اس بات پر کہ تو نے ہم پر ایسا احسان کیا (باقی برصفحہ آیندہ)

BASHIRUDDIN AHMAD
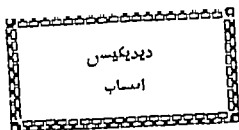
بشیر الدین احمد

یہ ناچیز کتاب جو بہ تعمیل ارشاد عالی جناب معلی القاب
آنریبل مسٹر ڈبلیو ایم ہیلی آئی سی ایس—سی ایس آئی—سی آئی ای
چیف کمشنر بہادر گورنمنٹ صوبہ دہلی
مرتب ہوئی ہے نہایت ادب سے حسب اجازت جناب معزی الیہ
کے نامی و اسم گرامی کے ساتھ منسوب و معنون کی جاتی ہے

الٰہی در جہاں باشی بہ اقبال
جواں بخت و جواں دولت جواں سال

THIS BOOK IS MOST RESPECTFULLY

DEDICATED

WITH PERMISSION

TO

THE HON MR W M HAILEY I C S C S I C.I E

CHIEF COMMISSIONER, DELHI PROVINCE,

IN OBEDIENCE TO WHOSE ESTEEMED ORDER

THIS BOOK HAS BEEN COMPILED

آنربل مسٹر ہیلی چیف کمشنر دہلی - جون ۱۹۱۷ء

THE HON W M HAILEY C.S I C.I E

Chief Commissioner of Delhi Province

دی انریبل ڈبلیو ایم ہیلی صاحب بہادر

سی اس - آی سی آئی ای چیف کمشنر صوبہ دہلی

مرداں بسیار - مجمع کو چیرتے پھاڑتے جا ہی گھسے - غریب جن کی سواری اُن کی دو ٹانگیں ہی تھیں گھسٹتے گھسٹاتے شاموں شام گھر پہونچے - بارہویں دسمبر کا روز سعید جس طرح دلّی میں آن بان اور شان و شوکت اور چہل پہل سے گزرا اسی طرح ہندوستان کے سارے مقامات میں حسب حیثیت مقامی جشن منایا گیا - اسی دن ایک لمبی چوڑی فہرست اعزاز و خطابات کی شائع ہوئی جس نے کئی صفحے گھیر رکھے تھے -

شاہی دعوت

۱۲ ار دسمبر کو شب کے وقت ہر میجسٹیز نے رائل کیمپ میں ایک بڑی بھاری پر تکلف دعوت دی جس میں کم و بیش سب ہی حکام روسار - امراء اور معززین شریک تھے جن کی تعداد چار ہزار سے کم نہ تھی -

شاہی ٹوسٹ صحت

دعوت کے اختتام پر حضور وائسرائے نے شاہی جام پرو پوز کرتے ہوئے حسب ذیل تقریر فرمائی :-

"یور اکسیلنسیز - یور ہائینسز - لیڈیز اینڈ جنٹلمن ! - ہز امپیریل مجسٹی کی مہربانی سے تاریخ ہند کے اس بے مثال موقع پر مجھے یہ فخر حاصل ہوا ہے کہ ہز امپیریل مجسٹیز کا جام صحت پیش کروں جو بڑا قیمتی اور لاثانی ہے - ہندوستان کی سرزمین پر بہت فتح مند شاہ و شہنشاہ گزر چکے ہیں جن میں سے بعض تو اپنے پیچھے تباہی و بربادی کے نشانات چھوڑ گئے اور بعض حکمران خاندانوں کی یادگاریں اب تک دہلی میں موجود ہیں لیکن جو نظارہ آج ہم سب نے دیکھا ہے اور جس میں تمام چھوٹے بڑے والیانِ ریاست اور ہندوستان کی ہر قوم و جماعت اور حلقے کے قائم مقاموں نے ہمارے نیک دل شہنشاہ اور ملکہ کی اطاعت کی رسوم گہری دل چسپی سے ادا کی ہیں - غالباً تاریخ ہند کا کوئی باب اس کی برابری نہیں کر سکتا - اصل یوں ہے کہ ایسا عالی شان دربار نہ پہلے کبھی ہندوستان میں ہوا اور نہ کسی بادشاہ نے فرقہ در فرقہ رعایا کی کبھی ایسی دل جوئی کی جیسی کہ شہنشاہ جارج پنجم دام اقبالہم نے اپنی وفادار اور جاں نثار رعایائے ہندوستان کی کی ہے - جن کی

H E Lord Chelmsford Viceroy and Governor General

هز اکسلنسی لارڈ چیلمسفورڈ
ویسرائے و گورنر جنرل ہند

حضور اقدس ملک معظم کنگ جارج پنجم و ملکہ میری دامت اقبالہما

چلتے چلاتے ایک بات

جنگ
سے پہلے جو
کاغذ کا نرخ تھا وہ دوران
جنگ میں اُسی مناسبت سے بڑھا
جیسے کہ اور اشیا کا توقع تھی کہ جنگ کے اختتام
پر کاغذ کی ریل پیل ہو جائے گی مگر معاملہ نکلا برعکس۔ گرانی
اضعافاً مضاعفہ ہو گئی اور انتہائی نوبت اس درجے پر پہونچی
کہ بازار میں کاغذ کا توڑا پڑ گیا۔ مِلز والے سرے سے بناتے ہی
نہیں اور بازار میں میل کا کاغذ کسی نرخ سے بھی ڈھونڈے نہیں ملتا۔
یہی وجہ ہے کہ اس حصّے میں جو سب سے اخیر چھپا ہے کاغذ ہلکا۔ بھاری۔ سفید۔
ملگجا۔ جو ملا اور جس نرخ پر ملا صبر شکر سے لگانا پڑا۔ دُکان دار نہ صرف
مُنہ مانگے دام لینے پر اکتفا کرتے ہیں بلکہ سیدھے مُنہ بات بھی
نہیں کرتے۔ دس پانچ ریم کاغذ کے ساتھ اُتنا ہی وزن احسان
کا بھی رکھتے ہیں۔ میں تو خدا کا شکر ہے کہ پار نکل گیا
لیکن اب ساری چاوڑی کا چکر لگاؤ تو جدھر
جاؤ نہیں کے سوائے کوئی حامی بھرتا
نہیں۔ خدا جانے اب
یہ کاغذ کی ناؤ کس
طرح چلے گی۔
فقط

خاکسار بشیر۔ اگست ۱۹۲۰ء

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۸۳۷	۷	بالاصلہ	بالاصالہ	۱ ۴	۱	لتاہر	ملتاہر
۸۳۹	۲۴	اگر اللہ	×	۱ ۷	۲۲	سادے	سادسے
۸۴۹	۶	کیگئے	کیئے گئے	۱ ۱۴	۴	سرقہ	فرقہ
۸۶۱	آخر	کی	×	؍؍	۱۷	مجبورا	مجبورًا
۸۶۳	۲۳	سیداب	میداں	۱ ۱۶	۶	سلطنت	سلطنت
۸۷۲	۲	تکلیع	تکلیف	۱ ۲۷	۱۶	کنڈہں	کنڈمن
۸۸۰	۲۲	ایڈورد	ایڈورڈ	۱۰۲۹	۴	مرا	مترا
۸۸۹	۲۴	کاڑیوں	گاڑیوں	۱ ۳۱	۱۸	یں	دیں
۹۰۱	۱۶	کانڈر	کمانڈر	۱۰۳۵	۲۴	ہوہیں	ہوئیں
۹ ۲	۲	ڈیوں تایر	ڈیوں شایر				
۹۰۴	۲۲	باوٹہ	باؤنٹہ				
۹۱	۱۲	وفاوایہ	وفادارانہ				
؍؍	آخر	راتیں	خواتین				
۹۳۱	۱۶	کھک	کھسگ				
۹۳۴	۲۴	ستہہنشا	شہنشاہ				
۹۵۵	۱۱	یولو	پولو				
؍؍	۱۵	لصاویر	تصاویر				
۹۶۲	۱۳	چلا	چلّا				
۹۶۳	۱۰	۱۴راگست	۴راگست				
۹۶۴	۴	سنہ ۱۹۱۲ء	سنہ ۱۹۲ء				
۹۶۸	۱۲	مٹیا	ایپٹا				
۱	آخر	[illegible]	[illegible]				

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴
۷۲۶	۹	آروہ	آزردہ
۷۲۷	۱۱	متفقاً	متفقاً
۷۲۸	۲	شہرا ولیا	شہزادوں
۷۳۱	۱۴	لگاٹے	لگاتے
۷۳۳	۲	سربازار	*
″	″	عورتوں کو	عورتوں کو سربازار
۷۳۷	۱۹	کمیسن	کمیشن
۷۴۸	۳	جیز	جیز
۷۴۹	۱۳	راجیو	راجسیو
۷۵۳	″	مراسم کے	مراسم کے ساتھ
″	۱۴	صرف	طرف
۷۵۷	۹	گاسے	لگاسے
۷۵۸	۲۲	ولیسرائے	یکم جنوری ۱۸۶۳ء کو ولیسرائے
۷۵۹	۳	بیچ	بیچ
۷۶۰	۲۱	ریٹ	رئیٹ
۷۶۳	۱۴	نگراس اباٹ	نگراس کو اس بات
۷۶۷	آخر	۱۸۸۹ء ۶	۱۸۸۹ء میں
۷۸۲	۱	و	واں
″	۱۴	۱۸۱۴ء	۱۸۱۴ء میں
۷۸۳	۱۸	نقاد	نقاد
″	۲۰	سکتے	سکتے
۷۸۴	آخر	برس	برس بعد
″	″	وقاو	وقاو

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴
۷۸۶	۱۰	دنگر	دیگر
۷۹۴	۱۱	دکھا	دکھا
۷۹۵	″	ضمیمۂ	ضمیمۂ
۷۹۸	۲۴	ایک	*
۷۹۹	″	چنٹ	چھنٹ
۸۰۲	۹	اتارتا	اڑتا
۸۰۶	۱۶	غلی پور	علی پور
″	۲۲	بہتقر	پتھر
۸۰۷	۲	لارڈ کلایوں	لارڈ کلایو
″	۱۲	بگمیوں	بگھیوں
۸۰۸	۷	انگریزدی	انگریزی
۸۱۰	۲۲	زوز	روز
۸۱۱	۱۲	والاشاں	والاشان
۸۲۱	۱۳	یں ہی	میں ہیں
″	۱۴	جہاں آباد	جہان آباد
″	۱۸	آسام	آسا
″	۲۱	آئیں	آئین
″	۲۳	یونیں	یونین
۸۲۲	۱۱	پھیرے	پھیرے
″	۲۰	گیا	ہوگیا
۸۲۳	۱۶	ہوں	ہو
۸۲۷	۱۱	فعل نما	نعل نما
۸۲۶	۱۸	کاناٹ	کاناٹ کو

عزیز رعایا کی سرسبزی اور راحت بڑھ جائے گی"۔

امپیریل تھیٹر کا حیرت ناک منظر

اعلان بالا کی سماعت سے دربار کے حاضرین کی کچھ عجیب حالت تحیر و استعجاب کی تھی ایک طرف ایسے چیرز پر چیرز دیئے جا رہے تھے کہ زمین کو سر پر اٹھا لیا تھا اور دوسری طرف عالم سکوت و تحیر تھا۔ لوگ سرگوشیاں کرنے لگے کہ آخر خلاف توقع اس انقلاب عظیم کے کیا معنی - چند لمحے پہلے کسی کو سان گمان تک بھی نہ تھا کہ دہلی ایک آن واحد میں پایۂ تخت بن جائے گی اور بنگالے کی تقسیم یوں کالعدم کر دی جائے گی۔ بنگالی اس مژدۂ جانبخش سے جامے میں پھولے نہ سماتے تھے نعرہ ہائے تحسین و آفرین سے سارا ایمفی تھیٹر گونج اٹھا تھا۔ کلکتہ والوں کے منہ اتر گئے اور چہروں پر اداسی چھا گئی اور دلی والوں کی فرط مسرت سے باچھیں کھلی جاتی تھیں کہ حق بحق دار رسید۔ خدا کا شکر ہے کہ کوڑے کے بھی دن پھرے۔ لٹی دلی کا رنڈاپا جا کر پھر نویلی دلہن اور سہاگن بن گئی۔ کیا خدا کی قدرت ہے! توپوں کی گھن گرج آواز نے دور دور خبر کر دی کہ اتنا بڑا عظیم الشان دربار جس میں لے شمار لوگوں کا مجمع تھا خیر و خوبی و خوش اسلوبی ختم ہوا۔ اب کیا تھا چل چلاؤ کا غلغلہ مچ گیا ہر شخص یہی چاہتا تھا کہ میں پہلے نکل جاؤں دھکا پیل بھی شروع ہو گئی مگر واہ رے حسن انتظام کہ حادثہ تو حادثہ کسی کا بال بھی بیکا نہ ہوا۔ ایمفی تھیٹر کے باہر ساری زمین میں جہاں تک نگاہ دوڑتی تھی آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے۔ خدا جانے کتنی خلقت امنڈ آئی تھی موٹروں انواع و اقسام کی گاڑیوں - بروم - لینڈو - تانگوں - شکرموں - یکوں کا ایک بحر زخار تھا کہ موجیں مار رہا تھا یہ معلوم دیتا تھا کہ دنیا بھر کی سواریاں اسی میدان میں اکھٹی ہو گئی ہیں - گاڑی گھوڑوں کے دل بادل چھا رہے تھے وہیں جھوں لے دو بجے رات سے کمر باندھی تھی اب کہ چار بج گئے تھے اپنی اپنی جگہ ڈٹی ہوئی تھیں - جو امراء قریب قریب مروکش تھے وہ تو کبھی کے اپنے کیمپ میں پہونچ گئے مگر عامۂ خلائق ریل کی کشمکش میں ع جائے تنگ است و

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ - لیکن اگر ایسا ہو (جس کا ہونا قریب قریب ناممکن ہے) تو تاریخ اطلاع ہو جائے گا۔

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴
۴۹۲	۱۸	مرگز	مرکز
″	۱۶	بادستاہ	بادشاہ
۴۸۱	۱۸	فراغ	فراخ
۴	۱۲	بویں	بولیں
″	۲۰	مالایحل	مالاینحل
″	۲۲	رنگ	رنگ
۴۸	۴	آرا کی ٹیکچر	آر کی ٹیکچر
″	۱۷	بارد	بارہ
″	آخر	لکھتے	وہ لکھتے
۴	۱۰	دوازہ	دوازدہ
۴	۲۳	امدن	آمدن
″	″	۲/	۳/
″	″	نا	تا
	″	نزدنکی	نزدیکی
۴	۲۱	ڈوانزیشن تبدیل	ٹرانزیشن و تبدیل
	۲۲	اب	یا اب
	آخر	کٹیروں	کٹیروں
۴	۵	ہرکارواں	ہرکاروں
	۱۰	لفران	کفران
۴	۲۱	اوردل	دل اور
۴	۵	اہندوستانی	ہندوستانی
	۱۶	مہر	مہرے
	(۱) مہر	صاحبقراں	ثانیِ صاحبقراں

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴
۴۹۳	(۲) مہر	ازعلم	ازعلم علی
۴۹۴	۴	معز	معزز
۴۹۵	۹	پھر	پتھر
″	″	نجسا	بخشا
″	۲۳	بچرچ	بچرخ
۴۹۷	۷	ہورخین	مورخین
″	۲۰	اُس سے	اُس کے
۴۹۹	۱	بہنبودی	بہبودی
″	۴	تکمیل	تکمیل
۵۰۳	۶	شنگم	سنگم
″	۲۱	جوٹی	چوٹی
″	۲۲	بندر	مندر
۵۰۴	۱۳	پڑوہت	پروہت
۵۰۶	۸	کشتمیر	کشمیر
″	۱۹	استرکاری سورج کے جب مقابل	استرکاری سے مقابل جب سورج
۵۰۷	۷	قدیم	قدیم شہر
۵۰۹	۶	گھنٹہ	گھنٹہ گھر
۵۱۱	۱۶	کھڑ	گھڑ
″	۲۰	نسیلوں	فصیلوں
۵۱۴	۱	سبواجی	سیواجی
″	۲۱	پند	بند
۵۱۶	۶	یہیں	یہیں
″	۱۴	اور	ایک

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۴۳۷	۲۳	مک	محک	۴۴۶	۱۰	کیا	کی
۴۳۸	۴	حلوس	جلوس	״	۱۲	مطبع	مطبع
״	۲۰	عبادی	عبادی	״	۱۸	بزر	بہر
۴۳۹	۳	ناش	نامش	״	۲۲	اس میلشت	اس میلشت
״	۱۹	تخت بالا	کہ باشد بتخت بالا	״	״	وارمدا	وارمدار
۴۴۰	۳	فدی اور	فدی	۴۴۷	۸	قبر	قبر
״	۲۴	ازچہ	ارچہ	۴۴۸	۳	پیاروے	پیادے
۴۴۱	۲۳	ناگفتہ یہ	ناگفتہ بہ	״	۱۰	عرف	اطراف
۴۴۲	۶	عیب	عیب گو	۴۴۹	۳	بزیمت	بہزیمت سے
״	۱۴	بیٹھے	بیٹے والے	״	۱۲	کندہ	کندہ
״	۲۴	بہلے	پہلے	״	۱۴	لا دالا	لا والا
۴۴۳	۲۴	عالم	عالم پیر	״	۱۶	ناس	نامش
״	״	جنبش	جبینش	۴۵۰	۲۵	تخت	بخت
۴۴۴	۱۱	ہر	دہر	۴۵۱	۱۶	ساحت	ساخت
״	۱۹	ہدا والہ	ہدا وآلہ	۴۵۲	۱۲	رضیر	تعمیر
״	۲۰	شہنشہ	شہنشہٗ	״	״	طماع	طباع
״	۲۱	قرآں	قرآں	۴۵۳	۴	دانت	ڈانٹ
۴۴۵	۱۴	غرہ	غرّہٗ	۴۵۴	۱۹	بتلاسے	بتلائیے
״	۱۸	نابود	تابود	۴۵۵	۴	پیرتگیروں	پرتگیزوں
״	۲۲	بہر	مہر	۴۵۶	۱۲	بنجا پور	بیجاپور
״	۲۴	زینتہ شرع	زینت شرع	״	۲۲	جائدہ	جادہٗ
״	آخر	سداحق بحق دارداد	خدا حق بحق دارداد	۴۵۷	۶	شجاع	شجاع (دیکھو صفحہ ۴۴۷ سطر ۹)
۴۴۶	۵	شرابی تھی	شرابی تھا	״	۱۴	پھر	پھر بھی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۳۶۸	۲۲	کال	کا قول	۳۹۹	۲۳	پرورش کا	پرورش کیا
۳۶۹	۲	تو	ہو تو	۴۰	آخر	مردہ دا	مردہ دل
۳۷۲	۱۵	حامر	حامر-	۴۰۱	۲	ہیں ہیں	ہیں
۳۷۴	۱۳	ورارات	ورارت	۴۰۴	۲۳	حوض رور	حوض رور
۳۷۸	۱۴	چارپاری	چاریاری	۴۱۲	″	طرف	طرف
″	۱۸	سہ	سہ	۴۱۴	۱۷	دلہا	دلہا
۳۷۹	۲۲	والاہے	والا لکھا ہے	″	آخر	آفرود	افرود
۳۸۰	″	بالکل	×	۴۱۶	آخر	محمود ماہ	محمود دریادہ
۳۸۱	″	مذہب	مذہب میں	۴۱۷	۷	سلطنت	سلطنت ہ
۳۸۲	۴	ستی	ستی	۴۱۸	۸	میں	میں سے
۳۸۳	۱۱	جسے	جسے	″	۱۸	آگرے	آگرے سے
۳۸۴	۱۲	کس	×	۴۲۲	۶	کمی	تھی
″	″	یعنی حکم	یا حکم	۴۲۳	۱۱	ہ	×
۳۸۵	۱	افیون کبھی کھاہی	کبھی افیون کھائی	″	۱۷	ملال	ہلال
۳۸۶	۲۳	واہ سے	واہ رے	۴۳	۵	اظرار	اصرار
۳۸۸	۱۱	حوالی	حوالی	۴۳۱	۴	کھابوں	کھانوں میں
۳۸۹	۲۴	عداری	غداری	″	۱۷	کی	کی عمر
۳۹۳	۱۱	اکبر کو ہم	اکبر کو	۴۳۲	۳	ہدار	ثرا
۳۹۴	۶	چوں	چلو	″	۲۲	پرونیر	[illegible]ویر
۳۹۵	۲۳	وو	لود	۴۳۴	۸	ہہ	سہ
۳۹۷	۱۵	لی	کی	۴۳۴	۱۸	رٹ	رڑا
۳۹۹	۱۴	مدحت	مدوست	۴۳۴	۲	انگریر	انگریز
″	۱۹	حال ادب کا کام کرتا وہ	حال روپ کا کام کرتا تھا اور	″	۱۸	شر	را

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴
۲۶۸	۲۱	بادشاہ	بابادشاہ
۲۶۹	۷	را ابا	را با
۲۷۰	۶	پچودھا	پچوچھا
۲۷۱	آخر	ہمایوں" طلبید	ہمایوں" طلبید
۲۷۷	۶	ہم	ہم کو
۲۸۲	۱۸	لیا	کیا
۲۸۳	۶	حضور	حضور کے
۲۸۵	۹	بیدارت	دیدارت
〃	۱۴	میسرم	مسخرم
۲۸۶	۵	سیایہ	سایہ
۲۸۸	۱۹	کی	کے
۲۸۹	۲۳	غزنی	عزتیں
۲۹۸	۲۱	لی	کی
۳۰۰	۹	روپوں	روپیوں
۳۰۳	۱۱	انگیروں	انگیزوں
۳۰۵	۳	کازوبار	کاروبار
〃	۷	خانیجاناں	خانخاناں
۳۰۸	۱۵	بالااتفاق	بالاتفاق
〃	۲۴	منظعر علی	مظفر علی
۳۰۹	۲	سے	سا
۳۲۰	۱۴	لی	کی
〃	۱۶	بچاہیے	چاہیئے
۳۲۱	〃	خود	خودسے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴
۳۲۲	۱۱	دورکرتا	دورکرنا
۳۲۵	۱۳	خان دان	خاندان
۳۲۹	〃	جو	کہ
〃	۲۱	زنجیر	نخچیر
۳۳۰	۱۰	درع ور	دردور
۳۳۲	۱۳	دوزمان	درزمان
۳۳۸	۲۲	جودھنہ بائی	جودھ بائی
۳۴۵	۲۱	محطوطہ	محوطہ
۳۴۷	۷	کو	کے
۳۴۸	۱۹	ہیں	لیں
۳۵۱	۹	تاریخ	فارغ
〃	۱۰	مرز	مرزا
〃	〃	بروج	بروچ
〃	۱۱	درشتند	داشتند
〃	۱۲	برشتی	برگشتی
〃	۱۴	علم جعفر	علم جفر
۳۵۳	۸	مبانیت	مباینت
۳۵۵	۴	ڈہی	وادی
۳۵۹	۲۰	اورنمی	اونمی
〃	۲۱	راری	زاری
۳۶۱	۲۰	جہانگیری	جہانگیری میں
۳۶۳	۱۰	گورسے ین	گورسے پن
۳۶۶	۳	اکبر کے	اکبر کی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۱۸۵	۱۷	حواند	خورند	۲۱۷	۲۲	ایک فارس کے	فارس کے ایک
″	۱۴	تنا	تا	۲۱۸	۱۴	پھول	پھول
۱۸۶	۵	تھا	کیا	۲۲۱	۱۲	مسلی ہٹیم	مسلی ہٹم
۱۸۷	۷	لے	سے لے	۲۲۲	۵	کچھ	سے کچھ
۱۸۸	۴	بتاع	ستاع	″	″	رانا	رانا سے
″	۱۹	کی	کی کہ	۲۲۳	۱۲	کماید	کماند
″	۲۲	میوبیر	میوبر	″	″	سکند	سکندر
۱۸۹	۱	حلاؤ	چلاؤ	۲۲۶	۲	یورشیں	یورشوں
″	۱۷	یوہپاؤ	یوہیاؤ	۲۲۸	۱	بطاہر	بظاہر
۱۹	۱۹	فوں	فوق	۲۲۹	۱۴	۵۰۹۵۰	۹۵۹۰
۱۹۱	۲	اسے	ای	۲۳۹	آخر	تارریح	تاریخ
۱۹۵	۲	قامن	خاص	۲۴۵	۲	میں	سے
۱۹۸	آخر	بہاد	بہاد	۲۴۷	۱۸	رہبارس	رہتاس
۱۹۹	۱۳	فیروزآباد کے	فیروزآباد	۲۴۸	۹	توط	کاجور
۲۰۲	۲۲	گیرد	گیروا	″	۱۸	سیرو	اسیرو
۲۰۳	۱۴	حصرجان	حصرجاں	″	″	وں	سدوں
۲۰۶	۲	دروازے	دروازے سے	۲۵	۹	ارار	انور
″	۲۴	سلطاں	سلطاں	۲۵۸	۱۷	تواتیح	تواریخ مرقوم است
۲۰۷	۸	دہلی	دہلی کے	۲۶۲	۱۳	مرلود	مرلود
۲۰۸	۱۵	بہاؤ	بہادر	″	″	تحت تصرف حود	تحت تصرف خود
۲۱۲	۱۹	مورڈا	ڈوڈا	۲۶۴	۱۳	رسال	رسیل
۲۱۳	۱۷	تغلق	تعلق	۲۶۸	۱۲	القصاے	القضاے
″	۸	بنگال کا	بنگال کے	″	۲	اقتد	اقتدا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴
۱۱۳	۲۴	چاہتا	چاہا
۱۱۴	۲۳	سالاحداروں	سلاحداروں
۱۱۵	۱۵	زیاں	زبان
۱۱۶	۱۴	ہزا	ہزار
۱۱۷	۲	دیا	دبا
۱۱۹	۱۹	تعلق	تغلق
۱۲۰	۱	سکّے	سکے
〃	۳	موقع ل	موقع مل
〃	۲۱	کی نسب	کے نسب
۱۲۱	۱۷	انکوتھی	انگوٹھی
۱۲۴	۵	مرخی	سرخ
۱۲۵	آخر	آگیے	کرآسگئے
۱۲۶	۱۵	بیخ	شیخ
۱۲۷	۲۳	استجال	استنجال
〃	۲۴	ہوگئی	گئی
۱۲۸	۱۳	آیا	آتا
〃	۱۴	بدت	مدت
۱۲۹	۱۶	چین	چلین
〃	۲۱	اِستی	آستی
۱۳۲	۶	پر	بر
〃	۲۰	جے	جو
۱۳۴	۲۱	ستیج	ستلج
۱۳۵	۶	مارسے	مارنے کا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴
۱۴۰	۱۸	المہالی	المعالی
۱۴۱	۱۴	ہوتے رہتے	×
۱۴۶	آخر	باشیدند	پاشیدند
۱۴۹	۱۷	راحہ ترمیک	راجہ ترمبک
۱۵۰	۱۴	استنھمبنب	استھمنب
〃	۱۸	گوگ	گوگہ
۱۵۱	۱۲	باشاد	بادشاہ
۱۵۴	۵	نہری	نبردی
۱۵۵	۲۲	اویر	اوپر
۱۵۶	۳	سمتانی	سمنانی
۱۵۹	۶	حاجی گاون	حاجی کاون
〃	۹	ستیرازی	شیرازی
〃	۲۴	ارپخاں	ارپاخاں
۱۶۰	۴	ہیں	میں
〃	۵-۷ ۱۱	حاجی گاؤن	حاجی کاون
〃	۱۴	موسلی طغاتیمور	موسلی اور طغاتیمور
〃	۱۶-۱۷ ۲۰-۲۲	حاجی گاون	حاجی کاون
۱۶۱	۵	قاضی گاوں حاجی گاوں	قاضی کاون حاجی کاون
〃	۲۴	قریں	قبریں
۱۶۲	۸	سنے	نے
۱۶۸	۲۱	سہاردی	سپاردی
۱۶۹	۸	کان پر	کان میں
۱۸۳	۱۳	ذکریا	زکریا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴
۵۴	۲۱	دیتا	دے
۵۵	۱۳	میرورستاہ	میرورساہ
۵۸	۱	اس	ان
۵۹	۱	کی	کی ہے
"	۱۱	مترک	متکر
"	۱۸	زیردست	زبردست
"	آخر	صعاتیلہ	صعاتیکہ
۶۲	۱	علاءالدین	ناصرالدین
۶۴	۸	رنجیر	زنجیر
"	۱۳	اُس طرف کے	اس طرف کہ
۶۶	۵	بہ پوٹ	پرلوٹ
۶۷	۸	رہتا	رہنا
۷۱	۱	ٹکرا اور	گرا اور
"	۱۸	شمت	شمس
۷۳	۱۹	بادساہ	بادشا
۷۸	۱۳	سے گیا	لے گیا
۷۹	۵	فیرورستاہ	فیرورستاہ
۸۱	۹	پیر	پر
۸۲	۱۶	ستایعت	مشایعت
۸۸	۸	چتوترے	چبوترے
۸۹	۲	یالی	انائی
"	۲۱	بادشاہ	راجہ
"	۲۲	"	"

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴
۹۱	۲۱	سرکھوں	ترکھوں
۹۵	۱۳	کے	کی
۹۶	۱۱	والی	ولی
"	۱۸	راس منڈ	رایں پڑ
۹۷	۱۳	ڈاؤ	داؤ
۹۸	۲	سے	ہے
۹۹	۱	قصہ	وصد
"	۲	وجہ	وجہ سے
۱۱	۱۱	بڑے ستمار ہوتے ہیں	بڑی ستمار ہوتی ہیں
"	۲۴	سحر	ستحر
۱۳	۸	مردے	مردے کی
۱۴	۱۳	سے	ہے
"	۱۷	لکھتا	لکھا
۱۵	آخر	جیراس	جو چیر اس
۱۶	۴	سے	کے
"	۵	تمارہ	تمارعہ
"	۲	کنارے	کنارا
۱۷	۴	مارکتی	بارکی
۱۸	۱۵	کھلاتا	ٹھلاتا
"	۱۶	دیا	دیتا
"	۱۸	ادھیرن	اُدھیڑتی
۱۱	آخر	حرج	خرج
۱۱۱	۱۳	چڑھی	چڑھتی

قرار دیا جائے جو زمانۂ قدیم میں رہا ہے اور بباعث اس تبدیلی کے جس قدر جلد ممکن ہو صوبۂ بنگال کے لیئے ایک گورنری قائم کی جائے اور علاقہ بائے بہار - چھوٹا ناگپور و اڑیسہ کے لیئے نئی لفٹننٹ گورنری اور آسام کے لیئے چیف کمشنری قائم ہو اور ان صوبجات کی حلقہ بندی از سر نو اس طرح پر اور ایسے تغیرات کے ساتھ کی جائے جیساکہ گورنر جنرل با جلاس کونسل با پسندیدگی وزیر ہند با جلاس کونسل بعدازاں قطعی طور پر طے کریں - ہماری یہ دلی خواہش ہے کہ ان تغیرات کے باعث ہند کا انتظام بہتر طور پر کر دیا جائے گا اور ہماری

تکملۂ نوٹ صفحۂ گزشتہ - History repeats itself یعنی واقعات تاریخی پلٹ پلٹ کر وقوع پذیر ہوتے چلے آئے ہیں اور یہ اس کا بدیہی ثبوت ہے کہ یہ خطہ جس نے کئی قالب بدلے پرہی ہستارک (زمانۂ ماقبل تدوین تواریخ) زمانے سے ہندؤں کی راج دھانی اور مسلمانوں کا دارالخلافہ تمدیوں رہا ہے - جب سے کہ سلطنت اسلامی منتزع ہوئی یہ استحقاقی عزت دلی سے چھین لی گئی - دلی کا کوئی حامی نہ رہا جو صدائے احتجاج بلند کرتا - رہے انگریز وہ سمندر کی راہ سے ہندوستان میں تجارت کرنے آئے اور سمندر کے ساحل پر کے مقامات ہی اُن کی ضروریات وقتی کے لیئے موزوں سمجھے وہیں تجارتی کوٹھیاں کھولیں اور جب تجارت سلطنت سے بدل گئی تو وہیں کلکتہ میں رہ پڑے اور چوں کہ گورنر جنرل وہیں تھے وہی دارالسلطنت قرار پاگیا - دلی ساحل بحر پر نہیں ہے اور نہ پوری طرح وسط ہند میں ہے مگر اس سے کسے انکار ہوسکتا ہے کہ اس میں کچھ تو ایسی خوبی ہے کہ جو راجہ یا بادشاہ ہوا اُس کا دارالسلطنت یہی رہا - بہرحال سارے پہلوؤں پر نظر غائر ڈالنے کے بعد کلکتہ چھوڑ دلی بسانے کی رائے قرار پائی اور شاہی اعلان نافذ ہوا - بات تصفیہ شدہ ہے جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا هُوَ كَائِنٌ - لاکھوں روپئے نئی دلی کی تعمیر پر صرف ہوگئے اور ہوتے چلے جارہے ہیں - بادشاہوں کا قول ایسا نہیں ہوتا کہ پلٹ جائے جو کچھ کیا گیا سوچ سمجھ کر کیا گیا لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ آج تک بھی وائسرائے کی کونسل میں اس پر بحث چھڑا کرتی ہے کہ دلی کو ترجیح بلا مرجح دی گئی ہے اور اب بھی یہاں سے دارالسلطنت اُٹھا دینی چاہیئے اور جتنے منہ اُتنی باتیں کوئی کلکتہ تجویز کرتا ہے تو کوئی دوسرا مقام -

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴
۱۲	۲	سنہ ۱۲۵ء	سنہ ۱۲۰۵ء
٫٫	٫٫	لاہو	لاہور
۱۴	۲۲	،فاتا	وفات
اصل کتاب (۲)	۵	کا	کو
۴	۱۷	فیج	فیج نے
۵	آخر	بجانب	×
۸	۱	متھر	متھرا
۹	۸	ساتھ	ساتھ
۱۰	۴	غزنی	غزنوی
٫٫	۱۳	جوا	جسودا
۱۱	۱۰	ملنا	ملتا
٫٫	۱۲	بچاری	پجاری
٫٫	۲۴	قدیم	قدیم مقام
۱۲	۱۳	کا راجہ	×
٫٫	۱۵	اُستاد	استاد
٫٫	۱۶	کی	کا
٫٫	۱۷	تمارا	تمار
٫٫	آخر	گھڑھوال	گڑھوال
۱۳	۱۸	ہوہی	ہوتا ہے
۱۴	۲۳	امن خوشی	امن وخوشی
۱۵	۱	نتیجہ	نتیجہ یہ
۱۷	۳	جن	جن میں
٫٫	۱۰	۵۲	۵۳

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴
۱۷	۱۶	۵۳	۵۵
۱۹	۱۲	آپنے	اپنے
٫٫	۱۳	نام یابی	ناکام یابی
۲۰	۱۹	کے راج	کہ راج
۲۲	۲	ہزارو	ہزاروں
۲۴	۱۱	فضا سے	قضا سے
٫٫	۲۰	کے	×
۲۹	۱۵	بجا	بیجا
۳۰	۶	جلدو	جلد و
۳۱	۱۱	واعظین کی	واعظین کو
۳۲	۱	بھکیلے	بانکیلے
۳۷	۱۰	کوئی	کوئی کے ہاتھ پر
۳۸	۱۵	سلوک	سلوک کرتا تھا
٫٫	۱۹	آووہ	آوردہ
۳۹	۲	تک	تک پہونچتا ہے
٫٫	۴	ان سب کو	یہ سب
۴۱	۹	گئی	گئیں
۴۶	۷	ڈھنگ	ڈھک
۴۷	۴	ہوجود	موجود
٫٫	۶	خالب	غالب
۴۹	۹	قبضے ہیں	قبضے میں
۵۰	۱۶	مثمار	مسمار
۵۱	۱۶	برمیز	برنیر

فہرست تصاویر و نقشہ جات بقید صفحہ

ب...	مضمون	از صفحہ	تا صفحہ
	۲	۳	۴

میں ہیں اور جن کے قرضے کم ہوں اور بوجہ فریب کے قید میں رہ ہوں بلکہ باعث
اصلی مفلسی کے ہوں۔ رہا کر دیئے جائیں اور اُن کے قرضے گورنمنٹ کی طرف
سے ادا کر دیئے جائیں۔ اُن اشخاص کے نام جو ان عطیات رعایات معافیات
اور رعایات سے مستفیض ہوں گے مع تفصیل اور شرائط متعلقہ کے بعد ازیں
شائع کیئے جائیں گے۔ خدا ملک معظم کو سلامت رکھے۔ اس کے بعد
اُسی جلوس سے ہز مجسٹی بنفس دربار ہال کے اندرونی پویلین میں نزول اجلال فرمایا
اور تخت پر جلوہ افروز ہوئے اور لوگوں کا یہ خیال تھا کہ اب دربار ختم ہو گیا لیکن
جب حاضرین نے دیکھا کہ ہز مجسٹی کھڑے ہو گئے اور حضور ملک معظم نے گورنر
جنرل سے ایک کاغذ لے کر پڑھنا شروع فرمایا تو لوگ ہمہ تن گوش ہو گئے کہ خدا معلوم
زبان فیض ترجمان سے اب کس نئی بات کا ظہور ہوتا ہے اور وہ حسب ذیل
دہلی کو پایۂ تخت بنائے جانے اور تقسیم بنگال کی منسوخی کا اعلان
تھا۔ "ہم خوشی کے ساتھ اپنی رعایا کو اعلان کرتے ہیں کہ بصلاح اپنے
وزرا کے جو بعد گورنر جنرل با اجلاس کونسل سے مشورہ لینے کے کی گئی ہم نے
فیصلہ کر لیا ہے کہ گورنمنٹ ہند کا دارالسلطنت اب بجائے کلکتہ کے دہلی

[1] اکثر دیکھا گیا ہے کہ جب کوئی عظیم الشان واقعہ پیش آنے والا ہوتا ہے تو دنوں پہلے سے
اُس کی بھنک کانوں میں ضرور پڑ جاتی ہے لیکن کیپٹل کی تبدیلی کا معاملہ ایسا راز سربستہ
رکھا گیا تھا کہ ملک معظم کے ارشاد سے ایک سکنڈ پہلے کسی کے حاشیۂ خیال میں بھی یہ بات
نہ تھی کہ سرزمین دہلی پر حضور ملک معظم و ملکۂ معظمہ کے قدوم میمنت لزوم کا آنا اس اُجڑے اُجڑے
دیار کو ہندوستان کی دارالسلطنت ہونے کا دائمی اعزاز و افتخار بخشے گا۔ چونکہ یہ
امر بہت غیر متوقع تھا کہ کلکتہ جیسے مقام کو جہاں لکھوکھا روپے کی سربفلک سرکاری
عمارتیں ہیں جن کی وجہ سے وہ City of Palaces (محلوں کا شہر)
کہلاتا ہے چھوڑ کر دلی از سر نو بسائی جائے گی اور جو عزت و توقیر عروس البلاد
ہونے کی حیثیت سے اُسے قرنوں حاصل رہی ہے اور لے وہ اُس سے محروم کر دی گئی
تھی اب اُسے مع انٹرسٹ (سود) یعنی اضعافاً مضاعفہ واپس دی جائے گی۔
اس لیئے اس اعلان نے یکایک ایک سنسنی پیدا کر دی۔ کسی کا مشہور مقولہ ہے کہ

(بقیہ نوٹ صفحۂ آئندہ)

مضمون	از صفحہ
۲	۳

فہرست مضامین حصہ اوّل واقعات دارالحکومت دہلی

HISTORY

OF

DELHI THE IMPERIAL CITY

A MOST COMPREHENSIVE ACCOUNT OF THE HISTORY AND ARCHÆOLOGY OF DELHI

(WITH NUMEROUS ILLUSTRATIONS)

BY

BASHIR-UD-DIN AHMAD, M R.A.S.,

FIRST TALUKDAR (COLLECTOR AND DISTRICT MAGISTRATE) RET.

H. E H. THE NIZAM'S GOVERNMENT,

UTHOR OF THE HISTORIES OF VIJAYANAGAR AND BIJAPUR, IQBAL DULHAN, HUSN-E-MUASHRAT, ISLAH-E-MAISHAT, ETC, ETC, AND TRANSLATOR OF DR STALL'S SELF AND SEX SERIES

VOL. I.

History, 1450 B. C. to 1919 A. D.

DELHI

1919

1st Edition]

[1,000 Copies

یہ حکم دیتے ہیں کہ کل اصحاب کو جنھیں خطابات دیوان بہادر - سردار بہادر - رائے بہادر - خان صاحب - رائے صاحب یا راؤ صاحب عطا ہوئے ہوں یا آیندہ عطا ہوں بطور نشان اعزاز و تکریم اُن کو بیج عطا کیئے جائیں -
مذہبی و علمی خطابات کی پنشن - اور یہ کہ اُن کل معزز اصحاب کو جنھیں مہامہو پادھیا و شمس العلماء کے معزز خطابات عطا ہوئے ہیں یا آیندہ عطا ہوں قدیم ہندوستانی تعلیم کی عمدہ رپورٹ ہونے پر کچھ رقم بطور سالانہ پنشن[1] کے عطا کی جائے -
پبلک سروس - مزید براں بیادگار اس دربار کے اور نمایاں پبلک سروس کے صلے میں کچھ اراضیات عطا کی جائیں اور یہ بطور معافی کے پانے والے کی حین حیات تک کے لیئے ہوں - یا حسب تجویز لوکل گورنمنٹ شمالی و مغربی سرحدی صوبجات و بلوچستان میں پانے والے کی اولاد تک کی حین حیات تک کے لیئے عطا کی جائیں گی -
والیانِ ریاستِ ہند - اپنے والیان ریاست ہند کی بہبودی کے لیئے ملک معظم نے مجھے براہ عنایت حکم دیا ہے کہ یہ اعلان کروں کہ اس وقت سے ریاستوں سے گدی نشینی کے موقع پر نذرانہ لیا جائے اور متفرق قرضے جو ریاست ہائے کاٹھیاواڑ و گجرات و بھومیان و والیانِ ریاست میواڑ کی جانب سے گورنمنٹ کو واجب الادا ہیں پورے طور پر یا اُن کا کچھ حصہ بحکم گورنمنٹ ہند معاف کر دیا جائے یا چھوڑ دیا جائے -
افواج امپیریل سروس - افواج امپیریل سروس میں ازراہ قدردانی چند تقررات کا آرڈر آف برٹش انڈیا کے مطابق اضافہ کیا جائے -
قیدیوں کی رہائی - اپنے شاہی ترحم سے ملک معظم نے براہ مہربانی مجھے حکم دیا ہے کہ بعض قیدیوں کو جو اس وقت بباعث جرائم یا بدچلنی کے سزا بھگت رہے ہیں رہائی دی جائے[2] اور جو کل سول قرضہ داران جو جیل خانوں

[1] چنانچہ بعد میں ان دونوں خطابوں کے لیئے سو سو روپیہ سالانہ مقرر کیا گیا - ۱۲ [2] اس فرمان عطوفت نشان کی بدولت (۱۱۷۹۳) قیدی رہا ہوئے اور نیک رویہ قیدیوں کی میعاد قید میں فی سال ایک ماہ کی تخفیف کی گئی اور سو روپئے سے کم قرضے کے دیوانی کے قیدی بھی چھوڑ دیئے گئے جن کا قرضہ خزانہ شاہی سے ادا کر دیا گیا - ۱۲

رقم میں آیندہ سالوں میں یا ہمانہ طور پر مزید اضافہ کرے۔ فوج۔ ملک معظم نے اپنی بحری و بری افواج کی وفادارانہ خدمات کو مہربانی کے ساتھ تسلیم کر کے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اعلان کروں کہ نصف ماہ کی تنخواہ ایسے کل نان کمیشنڈ افسران و ہند کی برٹش افواج اور ہندوستانی افواج کے کل درجے کے محکمجات کے مستقل ملازمین کو جن میں بحساب فوجی تنمیہ جات کے تنخواہ ملتی ہو اور جن کی تنخواہ پچاس روپئے ماہوار سے زائد نہیں۔ عطا ہو۔ مزید براں ملک ممدوح نے براہ مہربانی خوشی سے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس وقت سے افواج ہند کے کل وفادار ہندوستانی افسران و رزروفوج کے کل افسران و ملازمین میدان جنگ میں دلیری ظاہر کرنے کے تمغۂ وکٹوریا کراس پایہ کے مستحق قرار دیئے جائیں اور اس دربار کے دس سال کے اندر آرڈر آف برٹش انڈیا کے ممبران میں اس طرح اضافہ کیا جائے کہ اول درجے میں (۵۲) تقررات ہوں اور ان تواریخی رسومات کی یادگار میں اول درجے میں (۱۵) جدید تقرر اور درجۂ دوم میں اُنیس نئے تقرر اس وقت کیئے جائیں اور اس وقت سے ہندوستانی افسران سرحدی فوجی کو اور فوجی پولیس کو مذکورہ بالا آرڈر میں داخل ہونے کے قابل سمجھا جائے اور یہ کہ جس حالت میں جیسا مناسب ہو خاص عطیہ جات اراضی یا معافی لگان اُن چند ہندوستانی افسران فوج ملک معظم کو دیئے جائیں جنھوں نے طویل اور قابل عزت خدمات کی شہرت حاصل کی ہو اور وہ خاص پنشن جو آج صرف تین سال کے لیئے انڈین آرڈر آف مرٹ کے متوفی ممبران کی بیوگان کو دی جاتی ہے۔ اس دربار کی تاریخ سے اُن بیوگان کو تا عمر یا جس وقت تک وہ دوسری شادی نکریں عطا کی جائے۔

سول سروس۔ مہربانی کے ساتھ اپنے سول ملازمین کی کامیابی اور محنت کے ساتھ انجام دہی خدمات کو قبول کرتے ہوے ملک معظم نے مجھے حکم دیا ہے کہ ظاہر کروں کہ اُن سول ملازمین گورنمنٹ کو جن کی تنخواہ پچاس روپئے ماہوار سے زیادہ نہ ہو نصف ماہ کی تنخواہ عطا کی جائے۔

ہندوستانی خطابات کے تمغے۔ مزید براں ملک معظم براہ عنایت خسروانہ

اب اس فرمانِ شاہی کے ذریعے سے ہم اس کا اعلان فرماتے ہیں اور اپنے تمام عہدہ داران اور تمام والیان ریاست اور اپنی رعایا کو جو اس موقع پر دہلی میں جمع ہیں اپنا شاہی اور قیصری سلام ابلاغ فرماتے اور مطمئن کرتے ہیں کہ ہم کو اپنی سلطنت ہندوستان سے دلی اُنس ہی اور اس کی صلاح و فلاح ہمارے مدّنظر ہی اور ہمیشہ مدنظر رہے گی - یہ اعلان ۱۲ دسمبر ۱۹۱۱ء کو ہمارے جلوس کے دوسرے سال میں ہمارے دربار دہلی سے صادر ہوا"۔

خدا بادشاہ کو سلامت رکھے

اعلان کے اختتام پر نعرہاے مسرت - قومی گیت - بینڈ - توپوں کی سلامی اور بندوقوں کی باڑیں چھوڑی گئیں - بعد ازاں گورنر جنرل جبوترے پر چڑھے اور جھک کر آداب بجا لائے اور بعد حصول اجازت شاہی نہایت کڑاکے کی آواز سے یہ اعلان مراعات شاہی کا ملونٹ اور افواج کی طرف رخ کرکے پڑھا:-

اعلانِ مراعات شاہی

"تمام اُن لوگوں کو جن سے یہ احکام تعلق رکھتے ہیں واضح اور لائح ہو کہ حسب الحکم ہز موسٹ ایکسلنٹ میجسٹی جارج پنجم بفضل ایزدی بادشاہ ممالک متحدہ برطانیۂ اعظم و آیرلینڈ و برٹش ممالک بحری و محافظ دین و قیصر ہند میں اعلیٰ حضرت کا گورنر جنرل اس اعلان کے ذریعے سے اُن عطایا و مراعات معافیات اور عنایات کا اظہار کرتا اور اُس کی اطلاع دیتا ہوں جو ہز امپیریل میجسٹی نے براہ نوازش خسروانہ اس عالی شان اور قابل یاد موقع پر عطا فرمائے ہیں۔ تعلیم - گورنمنٹ ہند نے جو موہوبانہ طور پر ملک معظم کی مرضی اور خوشی پر عمل کرتی ہی بہ اجازت سکرٹیری آف سٹیٹ ہند یہ تجویز کی ہی کہ سلطنت ہند کے سرمایہ پر تعلیمی ترقی ہند کے حقوق تسلیم کرے اور واجبی تعلیمی مطالبات کے لحاظ سے یہ فیصلہ کیا ہی کہ کوشش کرکے ہند میں تعلیم کو جس قدر ممکن ہو وسیع اور لوگوں کے لیئے آسانی سے حاصل ہونے کے قابل کر دے - اس مقصد کے لیئے اس کا ارادہ ہی کہ فوراً سچی عام تعلیم کی ترقی کے لیئے پچاس لاکھ روپئے کا صرفہ برداشت کرے اور گورنمنٹ کا یہ مستحکم ارادہ ہی کہ اس وقت کی اعلان کردہ

دستور کے موافق اظہار اطاعت کرتے تھے۔ اس رسم میں (۵ م) منٹ صرف ہوئے جس کے بعد ملک معظم اور ملکہ اپنے تختوں پر سے کھڑے ہوگئے اور ہاتھ میں ہاتھ ڈلے پویلین کی سیڑھیوں پر سے اُتر کر بیرونی پویلین کی طرف مع جلوس کے چلے اور وہاں سیڑھیاں چڑھ کر تخت پر جلوس فرمایا اور میجر جنرل بلیٹن ہیرلڈ کو اعلان شاہی پڑھ کر سنانے کا ارشاد ہوا جنھوں نے گھوڑے پر سوار ہو کر مئونٹ (پشتے) کی طرف منہ کر کے اعلان شاہی کو جو سفید ساٹن پر سنہری حروف سے چھپا ہوا تھا اور اُس کی چوطرف جھالر تھی انگریزی میں بہت بلند آواز سے سُنایا۔ پھر آنریبل کپتان ملک عمر حیات خاں صاحب ٹوانہ سی آئی ای ہندوستانی ہرلڈ نے جو گھوڑے پر سوار تھے بیٹن صاحب سے بھی زیادہ بلند آواز سے وہی اعلان اردو میں پڑھا جس کی انگریزی اردو نقلیں وہیں تقسیم کردی گئی تھیں اور وہ یہ تھا:۔

اعلان شاہی من جانب شہنشاہ معظم

شاہی اعلان برائے آگاہی مملکت ہر میجسٹی بر موقع جشن تاج پوشی شاہ عالی مقام چوں کہ ما دولت واقبال نے بذریعہ اپنے شاہی اعلانات مورخہ ۱۹ ماہ جولائی ۱۹۱۱ء و ۷ نومبر ۱۹۱۱ء اپنے جلوس کے پہلے سال میں اپنے شہنشاہی ارادے کا اعلان و اظہار فرمایا تھا کہ خدائے تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہم اپنی شاہی تاج پوشی کی رسم ماہ جون ۱۹۱۱ء کی (۲۲) تاریخ کو ادا فرمائیں گے اور چوں کہ خدا تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے جمعرات کے دن گزشتہ جون کی (۲۲) تاریخ کو ہمیں اس رسم کے ادا کرنے کی توفیق دی اور چوں کہ بذریعۂ اپنے شاہی اعلان مورخۂ (۲۲) ماہ مارچ ۱۹۱۱ء اپنے جلوس کے پہلے سال میں ہم نے ظاہر فرمایا تھا کہ ہمارا ارادہ و منشاہی کہ اپنی مملکت ہندوستان کی عزیز رعایا کو بذات خاص مطلع فرمائیں کہ رسم مذکور حسب مدعا ادا ہو چکی ہے اور اپنے گورنروں۔ لفٹنٹ گورنروں۔ دیگر افسروں اور اپنے زیر حمایت دیسی ریاستوں کے والیان و امرا ہر سلطنت ہندوستان کے تمام صوبجات کے عمائدین کو اپنے حضور میں طلب فرماویں لہٰذا

اور خوش حالی ہماری خاطر مبارک کو کس قدر منظور ہو۔ علاوہ بریں ہماری یہ بھی خواہش ہو کہ جو لوگ تاج پوشی کی رسم مبارک ادا ہونے کے وقت حاضر نہ ہو سکتے تھے اُن کو دہلی میں تاج پوشی کے اعلان کے دربار میں شریک ہونے کا موقع ملے۔ مابدولت واقبال اور علیا حضرت قیصرۂ ہند کو یہ مجمع عظیم اور اس میں اپنے گورنر معتمد اولیاے دولت و اولیاے معظم۔ لوگوں کے عمائدین اور اہنی ممالکت ہندوستان کی جنگی افواج کے چیدہ اشخاص کو دیکھ کر مسرت اور خوشنودی حاصل ہوئی ہو۔ مابدولت کو قلبی خوشی حاصل ہو گئی کہ وہ ہماری ذات اقدس کے قدوم میمنت لزوم میں اطاعت اور بیعت کا اظہار کریں جو وہ وفاداری سے کرنا چاہتے ہیں۔ اس احساس سے ہماری خاطر مبارک پر نہایت اثر ہوا ہو کہ اس تاریخی موقع پر والیانِ ریاستہاے اور رعایا کے خلوص کے جذبات اور بامحبت صادقانہ اظہارات کو ہمارے ساتھ متحد کرتے ہیں۔ اُن اظہارات کی قدردانی کے لیئے مابدولت واقبال کی راے مبارک قرار پائی ہو کہ اہنی تاج پوشی کے جشن مبارک کی یادگار اپنی مرحمت مخصوص اور الطاف شاہانہ کے بعض علامات سے قائم فرمائیں اور ہم امر فرمائیں گے کہ ہمارے گورنر جنرل آج موقع مناسب پر اس مجمع کے حضور میں اُن کا اعلان کریں۔ آخر الامر مابدولت واقبال اس موقع پر نہایت مسرت سے بذات اقدس خود اُن عہود کی تجدید فرماتے ہیں جن کی بابت ہمارے معظم اسلاف آپ لوگوں کو مطمئن کر گئے ہیں کہ آپ کے حقوق اور اختیارات برقرار رکھے جائیں گے اور آپ کی بہبودی۔ رفاہیت اور خوش حالی ہمیشہ ہمارے مدنظر رہے گی۔ دعا ہو کہ فضل الٰہی ہماری رعایا کے شامل حال رہے اور ہم کو توفیق عطا کرے کہ اُن کی خوش حالی اور اقبالمندی کی ترقی کے لیئے اپنی سعی بلیغ میں ہم کامیاب ہوں۔ مابدولت واقبال تمام حاضرین اور اپنے زیر حمایت رؤسا اور رعایا کو مرحمت آمیز شاہانہ سلام پونہچاتے ہیں"۔

تقریر کے خاتمے پر ویرہیجسٹیز اپنے اپنے تخت پر رونق افروز ہو گئے اور تمام اعلیٰ یورپین حکام۔ تقریباً تین سو پینتیس والیانِ ملک یکے بعد دیگرے ویرہیجسٹیز کے سامنے حاضر ہو کر سر تسلیم خم کرتے اور اپنے اپنے ملک کے

استقبال کیا - اندرونی پویلین کے پاس پہنچ کر آپ گاڑی سے اترے - گارڈ آف آنر اور ساری موجودہ فوج نے سلامی دی اور شاہی جھنڈا بلند کیا گیا وائسرائے اور لیڈی ہارڈنگ کے ساتھ بھی پیج (خادماں) تھے اور اسی طرح چھ پیج ملک معظم کے ساتھ اور چار ملکہ معظمہ کے ساتھ پوشاک کا دامن اٹھائے ہوئے پویلین کی طرف بڑھے - نشست کے بعد سر ہنری میکموہن ماسٹر رسومات نے حصول اجازت شاہی دربار کا افتتاح کیا اور حضور ملک معظم نے ایستادہ ہوکر نہایت صاف اور باوقار و پراثر لہجے میں ذیل[1] کی تقریر کی جو سب کو حرف بحرف سنائی دی -

شاہی سپیچ | نہایت شکر اور خوشی کا مقام ہے کہ بادولت واقبال آج آپ لوگوں کے درمیان یہاں رونق افروز ہیں - یہ سال علیاحضرت اقدس قیصرہ ہند اور بادولت واقبال کے لئے بہت سی بڑی رسومات مسعود اور غیر معمولی مگر خوش گوار مصروفیت کا رہا ہے لیکن باوجود عدیم الفرصتی اور فاصلے کے ہماری گزشتہ تشریف آوری ہندوستان کی بامسرت یادگاریں پھر ہمیں اس سرزمین کی طرف کھینچ لائی ہیں جس سے ہم کو اس وقت دلی الفت ہوگئی تھی لہذا ہم نہایت اشتیاق سے اپنے لمبے سفر پر اس ملک کو دوبارہ دیکھنے کے لئے روانہ ہوئے جہاں پہلے بھی اپنے گھر کی طرح ہماری خاطر و مدارات ہوئی تھی - اس اقدام میں بادولت واقبال نے اپنے اس ارادۂ سینہ کو پورا کیا ہے جو گزشتہ ماہ جولائی کے شاہی اعلان میں ہم نے ظاہر فرمایا تھا کہ بذات اقدس خود آپ لوگوں کو مطلع فرمائیں گے کہ ہماری تاج پوشی کی رسم مبارک وسٹ منسٹر ایبی میں بائیس جون کو عمل میں آئی جب خدائے تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہمارے بزرگوں کا تاج قدیمی اور مقدس رسوم کے ساتھ ہمارے سر مبارک پر رکھا گیا تھا - علیاحضرت قیصرۂ ہند کے ہمراہ ہماری تشریف آوری سے ظاہر ہے کہ بادولت واقبال کو وفادار والیان ریاست اور فرماں بردار رعایائے ہندوستان سے کس قدر محبت ہے اور مملکت ہندوستان کی بہبودی

[1] یہ ترجمہ وہی ہے جو اُردو میں سر دربار پڑھ کر سنایا گیا تھا - ۱۲

بڑے بڑے لوگوں کی آمد شروع ہوئی جو زرق برق لباسوں سے بنے سنورے ہوئے تھے۔ مسقف دربار ہال میں یوں تو (۱۲۲۵۶) نشستوں کا انتظام تھا مگر (۱۳۵۰) والیانِ ریاست۔ افسرانِ گورنمنٹ۔ ممبرانِ کونسل وغیرہ جن کو بادشاہ سلامت کے حضور میں اظہار اطاعت کرنا تھا اُن کو علیحدہ تین قطاروں میں پہلے ہی سے بٹھلا دیا گیا تھا۔ تخت شاہی کے پاس چار گارڈ آف آنر تھے اور متعدد ہسپتالوں کے خیام بھی قریب لگاتے تھے کہ مبادا ضرورت پڑ جائے۔ مختلف ریاستوں کی امپیریل سروس ٹروپس اور نوسو کے قریب والنٹیرز بھی حاضر تھے۔ آج کے دن خلقت سے سڑکیں کھچا کھچ بھری پڑی تھیں اور سڑکوں پر دورویہ فوج صف بستہ کھڑی تھی اس موقع پر دلی میں پچاس ہزار فوج تھی جس میں سے بیس ہزار تو دربار میں کھڑی تھی اور باقی تیس ہزار سڑکوں اور متفرق مقامات کی ڈیوٹی پر متعین تھی۔ بہادرانِ غدر بھی شریک دربار تھے۔ ٹھیک دس بجے حضور ملک معظم نے شاہی کیمپ میں پریوی کونسل کا اجلاس فرمایا جس میں لارڈ ہارڈنگ بھی شریک تھے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ انگلستان سے باہر ہندوستان میں پریوی کونسل کا اجلاس ہوا ہو۔ اس اجلاس میں دربار دہلی میں پڑھے جانے کا اعلان مرتب کیا گیا تھا۔ چند منٹوں کے بعد بگل بجا اور لارڈ اور لیڈی ہارڈنگ مع جلوس کے دربار میں تشریف فرما ہوئے اور سب لوگ تعظیماً کھڑے ہو گئے۔ ٹھیک ۱۱½ بجے ہز میجسٹیز اپنے اپنے تاج زیب سر فرما کر کیمپ سے دربار کی شرکت کے لئے جلوس شاہانہ کے ساتھ برآمد ہوئے سواری میں لینڈو تھی جس میں چار مشکی گھوڑے جُتے ہوئے تھے اور چتر اور سورج مکھی بھی لگے ہوئے تھے سارے رستے دورویہ فوج صف بستہ کھڑی تھی۔ گورنر جنرل کی تشریف آوری کے (۲۰) منٹ بعد شاہی سلامی کی پہلی توپ سر ہوئی اور سواری بادبہاری کی رونق افروزی تک (۱۰۱) کی تعداد پوری ہو گئی اور بڑے میٹھے سروں میں بینڈ بجنے لگا۔ سیڑھیوں کے نیچے اُتر کر وائسرائے نے

اندرونی ڈھلاؤ دس درجے اور بیرونی (۲۱) درجے تھا تاکہ پیچھے والوں
کو خوب نظر آسکے اور اس کو چوالیس بلاکوں میں تقسیم کیا تھا۔ دس بلاکوں
میں تو اوسط درجے کی قوموں کے لیئے بنچ بچھائے گئے تھے اور باقی بلاکوں
میں کھڑے ہوکر دیکھ سکتے تھے۔ ان میں چھ بلاک مدرسوں کے لڑکوں کے
لیئے مخصوص تھے جس میں تقریباً آٹھ ہزار طلبا بیٹھے تھے جن کے دوپٹوں کے
رنگ جماعت وار مختلف ہونے سے عجب بہار دیتے تھے۔ مونٹ کی پشت پر
ایک پچاس فیٹ چوڑی سڑک تھی جس کے مشرقی کنارے پر دربار لائٹ ریلوے
کا سٹیشن اور مغربی کنارے پر بڑی پٹری کی ریل کا سٹیشن کنگزوے[1] تھا
جن کے سبب سے مونٹ والوں کے آنے جانے میں بڑی سہولت ہوگئی تھی
مسقف دربار ہال کی پچھیت میں نہایت لمبی چوڑی سڑکیں تھیں جن کی ایک
جانب معززین کی سواریوں کے ٹھیرنے کا سٹینڈ بنایا گیا تھا۔ پبلک اور سنٹرل
پویلیوں کے بیچ میں بہت سی جگہ بیس ہزار فوج کے کھڑے ہونے کے لیئے
مخصوص تھی۔ سنٹرل پویلین سے کوئی ڈیڑھ سو فیٹ پر ایک تیرہ فیٹ اونچا
مستول تھا جس پر شاہی جھنڈا لہرا رہا تھا۔ بینڈوں کا کچھ شمار نہ تھا
جن کے لیئے مناسب مقام معین تھا جس میں سولہ سو بجنتری سولہا انگریزی
اور (۲۶) ہندوستانی رجمنٹوں سے لیئے گئے تھے۔ بالآخر ۱۲ دسمبر کا
مبارک دن آن پہنچا جس کے منتظر دس لاکھ آدمی جمع تھے۔ صبح سویرے
سے توپیں چلنے لگیں۔ دربار کا ٹھیک وقت تو دس بجے سے تھا لیکن
باوجود چلے کے جاڑے کے بھی لوگوں نے سویرے ہی سے اپنی اپنی جگہیں
سنبھال لیں اور اسی طرح مونٹ کا دو تہائی حصہ نو بجے سے پہلے پہلے
بھر گیا اور (½ ۱۰) تک تو تل دھرنے کو جگہ نہ رہی۔ نو بجے کے بعد سے

[1] کنگزوے ریلوے آٹھ میل لمبی ہے جو دہلی مین سٹیشن سے شروع ہوکر کنگزوے سٹیشن پر ختم ہوتی ہے۔ درمیان میں ایک سٹیشن سبزی منڈی کا بھی پڑتا ہے جب وائسرائے دہلی میں تشریف فرما رہتے ہیں تو یہ لین کھلی رہتی ہے اور عموماً یکم اپریل سے بند کردی جاتی ہے کہ تمام وہاں سے پہاڑ پر چلے جاتے ہیں۔ رہی دربار ریلوے وہ دربار کے ساتھ ختم ہوگئی اسٹیشن بھی نہیں۔

کا مشہور بیضوی قالین بچھا ہوا تھا۔ دربار ہال کے اندرونی احاسطے میں چوطرف ڈیڑھ ڈیڑھ سو فیٹ لمبی اور چالیس فیٹ چوڑی سڑک تھی جس کے اردگرد جابجا ہری گھاس کے تختے تھے اور باقی خالی جگہ فوج کے قیام کے لیئے چھوڑی گئی تھی۔ دربار ہال کے مشرقی کونے سے لے کر مغربی کونے تک ایک سڑک (۵۰ فٹ) چوڑی بنائی گئی تھی چنانچہ شرقی دروازے سے دیرہجسٹینر وسطی پیویلین میں رونق افروز ہونے والے تھے اور اسی سڑک پر سے گزر کر شاہی کیمپ کو مراجعت فرمانا ٹھیرا تھا تاکہ تمام مجتمعین دیدار مبارک سے بخوبی بہرہ اندوز ہوسکیں۔ یہ بیچ والا پیویلین دو نصف دائروں کے بیچوں بیچ میں تھا یہاں ایک چبوترہ (۵۰) فٹ بلند بنایا تھا جس پہ (۶۸ فٹ) اونچا سنہری گنبد تھا۔ اس کے بیچ میں بیس فیٹ کا ایک ہشت پہلو چبوترا تھا جس کی دہلیزوں پر کنول کے پھول تراشے گئے تھے۔ اس چبوترے پر اور ایک چبوترا (۱۵ فٹ) مربع ۳ فٹ اونچا تھا جس کے گرد ایک نہایت نفیس جالی دار سفید کٹہرا تھا۔ اس چبوترے پر مختلف قسم کے شاہی نشانات منقش تھے جس کے سامنے وار کی سیڑھی (۱۲ فٹ) مربع تھی جس پر زردوزی کا فرش تھا تیسرا اور اصلی چبوترا شاہی نشست گاہ کا سب سے اوپر (۸ فٹ) مربع تھا جس کے ایک پر تکلف کارچوبی مسند پر دو جگمگاتی ہوئی کرسیاں اسی وضع کی جیسی کہ دربار ہال میں تھیں شاہی جوڑے کے لیئے رکھی ہوئی تھیں۔ درمیانی پیویلین تک پونچنے کی (۲۶) سیڑھیاں تھیں جس کی چھت (۳۳ فٹ) مربع تھی۔ اس کے گرد کے چبوترے پر ایک قرمزی رنگ کا شامیانہ (۱۵ فٹ) مربع بارہ سنہری ستونوں پر کھڑا تھا جس کی نفیس جھالر آفتاب کی کرنوں میں جھلمل جھلمل کر رہی تھی علیٰ ہذا شاہی کرسیوں پر بھی ایک انمول شامیانہ تھا۔ یہ گنبد دور دور نظر آتا تھا اور بہت خوش نما معلوم دیتا تھا۔ وسطی گنبد کے اوپر (۵۰ فٹ) چوڑی گول سڑک کے سامنے پچاس ہزار تماشائیوں کی نشست کے لیئے ایک ماؤنٹ نصف دائرے کی شکل کا بنایا گیا تھا جو ڈیڑھ میل لمبا تھا جس کا نصف قطر (۹۰۰ فٹ) تھا۔ اس کے لیئے دھس نما مٹی کی فصیل (۵۰ فٹ) لمبی اور (۱۵ فٹ) اونچی بنائی گئی تھی جس کا

دربار ہال کے جنوب میں ویسٹمنسٹر کے ہمراہیوں کے لیئے ایک سنٹرل ویٹنگ روم بنایا گیا تھا - دربار ہال میں ملاکس وار حشتی سیڑھیاں بنا دی تھیں دو دو ستون ریلوں کے جوڑ کے اُس پر بانس کے ٹٹر سے گولائی اُتاری تھی جس پر پلاسٹر آف پیرس کی ایسی گہری تہ چڑھائی تھی کہ ستون عین بین گچ کے معلوم دیتے تھے - پھر ان ستونوں پر آہنی ریلیں ڈال کر چوبی تختوں سے چھت پاٹ دی تھی - چھت پر جا بجا خوش نما سنہری برجیاں بڑی نفاست سے بنا کر خوب صورتی کو دوبالا کر دیا تھا - غرض کہ سارا دربار ہال رنگ روغن سے جگمگا اُٹھا تھا - ویسٹمنسٹر کے جلوس کی جگہ ایک سیالیس فیٹ اونچا سنہری گنبد بنایا گیا تھا - دربار ہال کو بالکل ہندوستانی طرز سے سجایا گیا تھا - جا بجا شاہی تاج - نشانات اور جھنڈیاں آویزاں تھیں دربار ہال کے پویلین کے اندرونی جانب احاطے سے ملا ہوا ساٹھ فیٹ مربع اور تین فیٹ اونچا چبوترہ تھا جس کے اردگرد بیل بوٹوں کے بڑے نفیس نقش و نگار تھے - اس چبوترے پر ایک قرمزی رنگ کا شامیانہ بارہ طلائی ملمع کے ستونوں پر تنا ہوا تھا - شامیانے پر کریم رنگ کا ریشمی کام کیا ہوا تھا - اس چبوترے کے اوپر اور ایک چھوٹا پلیٹ فارم (۲/۶) مربع تھا اس پر پھر ایک تیسرا چبوترا (۸) مربع تھا جس پر سنہری زردوری کی مسند پر دو ٹھوس نقرئی کرسیاں طلائی ملمع کی ہوئی رکھی تھیں - یہ کرسیاں کلکتہ کی شاہی ٹکسال میں ۱۹۰۵ء کی اُس کرسی کے نمونے پر بنائی گئی تھیں جو ایڈورڈ ہفتم کے لیئے ولی عہدی کے زمانے میں سیاحت ہند کے وقت بنائی گئی تھی - یہ دونوں کرسیاں وزن میں (۱۹۱۱) پونڈ کی تھیں - ان پر مطلا کام کا اور ایک نہایت خوب صورت شامیانہ لگایا گیا تھا جس کے چوطرف نیچے وار پرانے زمانے کے بیش قیمت قالینوں کا تکلف فرش تھا اور (۱۳۰) تکلف کرسیاں شاہی مصاحبین کے لیئے حضور ملک معظم کے سامنے دھری تھیں - پہلی قطار اس سے ذرا پیچھے تھی - پچاس فیٹ کے فصل سے دو سیڑھیاں ملی ہوئی تھیں جن پر انڈین آرڈر

بہت اثر ہوا کیوں کہ اُن بہادر صورتوں سے قدیم زمانے کی یاد تازہ ہوتی ہے کہ انھوں ہی نے مصیبت کے وقت ہمیں مدد دی تھی اور تاج برطانیہ کے ساتھ استواری سے وفادار رہے تھے۔ بادولت کو امید ہے کہ اب بھی اُسی گرم جوشی سے ملک وسلطنت کی حفاظت میں آپ لوگ طیار رہوں گے۔ آپ دونوں صاحب مع ان بوڑھے اور جاں باز سپاہیوں کے گو ملکہ معظمہ انجہانی کے سپاہی ہیں مگر موجودہ شاہ بھی تمھیں کبھی دل سے نہیں بھلائے گا اور بادولت کی دل سے یہ دعا ہے کہ تمھاری عمر کے آخری دن امن اور خوشی سے بسر ہوں" ۔ میں ہوں آپ کا سچا دوست ۔ سٹمفورڈھم ۔ پرایوٹ سکریٹری ۔

دربار تاجپوشی ۱۲ ر دسمبر ۱۹۱۱ء

جس جگہ پہلے دو دربار منعقد ہو چکے تھے وہیں یہ تیسرا دربار بھی قرار پایا مگر وہ دونوں دربار نقل تھے اور یہ اصل ۔ چوں کہ بادشاہ اور ملکہ دونوں بہ نفس نفیس موجود تھے اس لیئے ایک کچھ اور ہی بہار اور چہل پہل اور خلائق کی کثرت اور ازدحام تھا۔ ۱۹۰۳ء کا دربار ہال نعل کی شکل کا تھا جس میں سولھا ہزار [illegible] ٹوں کی گنجایش تھی اور اس دفعہ نصف دائرے کی شکل قرار پائی ۔ ایک مسقف حصے میں (۱۲۵۶) والیانِ ریاست اور معززین کی نشست کا انتظام تھا اور اس کے علاوہ ایک دوسرا مسقف مؤنث دربار ہال کے بالمقابل بجانب شمال بنایا گیا جس میں پچاس ہزار آدمی بیٹھ سکیں اور ان دونوں کے بیچوں بیچ میں شاہی پویلین تھا جس میں دو ہیجسٹیز جلوس فرمائیں گے نصف دائرے کی شکل کا دربار ہال ۳۰۰ × ۴۳ ۱۳ طول وعرض میں اور (۱۵ فٹ) بلند تھا جس کے اندر کا ڈھلاؤ گیارہ درجے اور باہر کا بیس درجے تھا جس پر (۳۶ فٹ) اونچی چھت ڈالی گئی تھی اور (۲۸) سیڑھیاں تھیں ۔ دربار ہال کے اندر کی طرف پہلی روش زمین سے ۲ ۳/۴ فٹ اونچی اور نو فیٹ چوڑی بنائی گئی تھی جس پر قرمزی رنگ کے قالینوں کا فرش تھا ۔ دربار ہال میں حروف تہجی کے لحاظ سے چوبیس بلاک تھے ۔ درمیانی چھ بلاکوں کے عقب میں پردہ دار خواتین کے لیئے (۳۲) کمرے بنائے گئے تھے جن کے آگے پردے پڑے ہوئے تھے

جس میں (۳۳) یورپین اور (۷۶۲) ہندوستانی تھے - حضور ملک معظم ان کی صفوں میں سے پیدل گزرے اور بہتوں کو شرف ہم کلامی بخشا اور اسی طرح حضور ملکہ معظمہ نے بعض افسروں کو اپنی گاڑی کے پاس بلا کر خطاب فرمایا -

ایڈریس | بخدمت ہزموسٹ ایکسیلنٹ ایڈ امپیریل میجسٹی کنگ جارج پنجم شہنشاہ سلطنتہائے متحدہ گریٹ برٹن اینڈ آئرلینڈ و برٹش مقبوضات ماوراالبحر محافظ دین شہنشاہ ہند و ہز موسٹ اکسلنٹ ایڈ امپیریل مجسٹی دی کوئین امپرس - ہم انگریز - یوریشین اور ہندوستانی سب یک زبان ہو کر حضور کی اس دعوت دربار کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ حضور نے ہم سرفروشوں کو ایسے موقعہ پر یاد دکھا - ؎

دیرباش ای وقت تو خوش وقت ما خوش کر دئی
شادزی چنداں کہ بپذیرد زما خلق دعا

چوں کہ حضور والا دنیا کے قوی ترین شہنشاہوں میں ہیں اور حضور کے ہاتھ میں کروڑوں بندگان خدا کی قسمتیں ہیں اس لیئے ہم دعا کرتے ہیں کہ خداوند تعالے حضور کی اس اہم و مبارک کام میں پوری اعانت فرمائے - آخر میں ان غریبوں کی طرف بھی اعانت ہو جائے کہ حضور ملکہ معظمہ آنجہانی اور ملک معظم آنجہانی کے سپاہی اور غدر ۵۷ء کے جاں نثاروں میں سے ہیں - مثل اور رعایا کے ہم بھی ایک نظر لطف کے مشتاق ہیں - ؎

گل پھینکے ہو اوروں کی طرف ملکہ ثمر بھی مد اے ابر کرم بحر سخا کچھ تو ادھر بھی

حضور اس بات کو یقین فرمالیں کہ ہماری دعائیں ہمیشہ ترقی جاہ و دولت حضور شاہ کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتیں" ڈرایئمپیریل مجسٹیز کے دل سے مطیع و معاون ملازم غدر کے جاں نثاران - ایس ہشر اور میجر جنرل آر - اے - بوڑھے جاں نثاروں کے قائم مقام

جواب تحریری | کنگ امپرر کیمپ - ۱۱ دسمبر ۱۹۱۱ء - "ڈیر سر آپ نے جا نثاراں غدر کی طرف سے جو سپاسنامہ بادولت و اقبال کو روانہ کیا ہے اس سے بادولت بہت محظوظ ہوئے - آج پریڈ پر اتنے جاں نثاروں کی صف بندی کو دیکھ کر بادولت کے دل پر

ساتھ ہم اخوت اور یک جہتی کی طرف بڑھتے جائیں یہاں تک کہ ہمارا قیاس ذہنی و عملی صورت میں جلوہ گر ہو جائے اور خدا کی بادشاہت اور اس کے مسیح کی حکومت پوری ہو"۔ نماز ختم ہونے پر ہیجسٹیز کیمپ شاہی کو واپس تشریف لائے۔

فوجوں کو جھنڈے تقسیم کرنا ۱۱؍ دسمبر کو سات یورپین رجمنٹوں کو مغربی گراؤنڈ میں اور تین ہندوستانی رجمنٹوں کو مشرقی گراؤنڈ میں جھنڈے تقسیم کیے گئے ٹھیک گیارہ بجے ملک معظم بسواری اسپ اور ملکۂ معظمہ لینڈو میں تشریف لائے۔ بادشاہ سلامت نے فوج کا ملاحظہ فرمایا اور ملکۂ معظمہ شامیانے میں براج رہی تھیں۔ اس موقع پر وائسرائے اور کمانڈر ان چیف بھی موجود تھے۔ ملک معظم نے مناسب حال ہر ہر رجمنٹ کو جھنڈے دیتے وقت مخاطب فرمایا۔ ہندوستانی رجمنٹوں کو آپ نے یوں ارشاد فرمایا "پہلے زمانے میں جھنڈے مواقع جنگ کا نشان سمجھے جاتے تھے لیکن آج یہ سلطنت اور خداوند کریم کی اطاعت میں ادائے فرض کا نشان ہیں اور گزشتہ کارناموں کی تاریخ ہیں چنانچہ اسی حیثیت سے ان نئے جھنڈوں کو تمھاری حفاظت میں سپرد کرتا ہوں کہ یہ تمھیں گزشتہ بہادروں کے کارنامے یاد دلائیں اور تم میں سرگرمی اور نئی فتوحات کا ولولہ اور تاج کی جاں نثارانہ جذبات کا جوش پیدا کریں۔ چوں کہ تم کو پیدائشی مذہبی آزادی حاصل ہے اس لیے تم جس طرح چاہو ان جھنڈوں کو مقدس بناؤ جو واقعی ایک قابل اعتماد امانت ہیں۔ ان جذبات و اثرات کے زیر سایہ مجھے امید ہے کہ تم گزشتہ جانبازوں کے قدم بقدم چل کر ان کے فخر و اعزاز کو قائم رکھو گے"۔

غدر کے بہادروں سے ہم کلامی جھنڈوں کی تقسیم سے فارغ ہونے کے بعد ملک معظم اور وائسرائے اور ملکۂ معظمہ جو گاڑی میں سوار تھیں غدر کے بہادروں کے پاس تشریف لے گئے

ان کا تحریری ایڈریس اور جواب[1]

[1] بخوف طوالت وہ ایڈریس نظر انداز کیے گئے۔ ۱۲

مرضی کی درجہ بدرجہ تکمیل و ترتیب سے لبریز پائی جائے گی گو وہ بذریعہ انسانی
جذبات اور ارادوں کے ظاہر ہو - جو کچھ اللہ کی مرضی کے خلاف پڑتا ہی وہ آخر میں
نابود ہوکے رہتا ہی - دنیا کی آخرکار خدا کی سلطنت اور اُس کے مسیح کی بادشاہت
ہوکے رہے گی اور یہ وہ بادشاہت ہوگی جس میں خدا کی بزرگی اور برادری انسان
کی اخوت حکمران ہوگی - بظاہر تو یہ آخری منزل بہت دور نظر آتی ہی لیکن اس
آخری منزل کی طرف تمام مخلوق کی رہنمائی من جانب خدا ہو رہی ہی اور مستقل
قدر و قیمت ہر سلطنت اور ملت کی اسی راز پر ہی کہ اس سے حضرت انسان خدا کے
قریب تر ہوسکے یعنی انسانی برادری کے بھائی چارے کو نہایت با اثر اور کارآمد
بنایا جائے - یہی کام ہماری سلطنت کو کرنا ہی اور ہم کو خیال رکھنا چاہیئے کہ
یہ بڑا کام محض مدبروں اور حکمت عملی کے اشاروں پر ہی منحصر نہیں بلکہ زیادہ تر
عام لوگوں پر ہی جو روزانہ زندگی میں اس کا خیال رکھیں - سب سے زیادہ
ضرور یہ ہی کہ ایسی تنگ خیالیاں اور غیر مسیحی جذبات دور کر دیئے جائیں جن سے
قوتِ عامہ کے کاموں میں رکاوٹ ہوتی ہی اور خلوص کے ساتھ ایسی کوششیں
کی جائیں جن سے ہم زندگی کے علم و عمل میں مسیح کی طرح ہر قوم کے ساتھ محبت
اور بھائی چارے کا برتاؤ کرسکیں - ہمیں اپنے پیش نظر حضرت مسیح کا معیار
رکھ کر ہندوستان میں پوری طرح انصاف - حق اور فرض پرستی کو سامنے
رکھنا چاہیئے - خدا نے جو عظیم الشان کام ہمارے سپرد کیا ہی اُس کے لحاظ سے
ہمیں حضرت مسیح کی طرح ایثار علی النفس اور محبت برتنی چاہیئے - ہماری سلطنت
میں اقوام مختلفہ کے درمیان ایسے اختلاف کے میدان حائل ہیں جن سے
ایک دوسرے سے علیحدگی واقع ہوتی ہی اور دنیا میں جو قوت اختلافات
کو مٹا سکتی ہی وہ صرف خدا کی مرضی اور محبت ہی اور حضرت مسیح کی عمدہ مثال
ہی - خدا ہمیں یہ قوت عطا کرے - خدا کرے کہ یہ عظیم الشان مجمع جو دہلی میں
جمع ہی اور جس میں صدہا قومیں اور صدہا مذاہب ایک دل ہوکر شہنشاہ معظم
کی ذات کے ساتھ وفاداری اور عقیدت نہایت گرم جوشی سے ظاہر کر رہے ہیں
زمانہ مستقبل کے لیئے فال نیک ثابت ہو اور بُرے اور بھلے میں ایثار و محبت کے

لیئے اور ایک پادری صاحب کے لیئے لگائے گئے تھے باقی سب لوگ زیر سما تھے۔ اس موقع پر پندرہ سو سولینوں کے علاوہ آٹھ ہزار فوج جمع تھی۔ ٹھیک ۱۰½ بجے ہز مجسٹیز تشریف فرما ہوئے۔ جلوس کا وہی اہتمام تھا جو دیگر ہر موقع پر تھا۔ بینڈ اور باجے بھی موجود تھے۔ نماز کے مقدس فریضے اور دعا کے بعد مدراس کے بشپ صاحب نے یہ وعظ فرمایا:۔

وعظ | وہ آج صبح کی دعا جو ہم مانگتے ہیں وہ اس بڑے واقعہ کا ایک جزو ہے جسے گورنمنٹ انگلشیہ کی تاریخ ہند میں ایک بے نظیر واقعہ کہنا چاہیئے اور یہ موقع اس لیئے اور بھی زیادہ مؤثر ہے کہ صرف یہی مجمع اس میں شریک نہیں ہے بلکہ ہندوستان کے لاکھوں یورپین اور ہندوستانی بھائی بھی بخلوص دل اس میں شامل ہیں۔ جو دعائیں ہم نے اپنی نماز میں مانگی ہیں وہی آج صبح تمام شہروں اور دیہاتوں کے کلیساؤں اور بھوس کی معبدگاہوں میں بہیں مختلف زبانوں میں ادا کی گئی ہیں۔ پس یہ اتحاد دعائیہ اس مذہبی اور روحانی حقیقت سچی کو بتاتا ہے جو دربار تاجپوشی میں مضمر ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ تمام حکومتیں اور اختیارات خدا کی طرف سے عطا ہوئے ہیں اور جس شان و شوکت کے ساتھ ہمارے شہنشاہ کی تاجپوشی ہوئی ہے وہ ظاہر کرتی ہے کہ یہ واقعی ظل اللہ ہے۔ اس دربار کی شان و شکوہ کی پس پردہ خدا کی مرضی اور بادشاہت کا یہ کھلا راز موجود ہے کہ ہمارے شہنشاہ کو خدا کی طرف سے سلطنت برطانیہ کا تاج عطا ہوا ہے اور روح القدس نے ہمارے شہنشاہ کو برکت دے کر تقویت اور دانائی بخشی ہے۔ آج میں گو ہندوستان کی مسیحی جماعت کی طرف سے قائم مقام ہو کر اس خیال کا اظہار کر رہا ہوں لیکن ہماری غیر مسیحی رعایا بھی اس کو مانتی ہے کہ ہمارا شہنشاہ ظل اللہ ہے اور اس کو من جانب اللہ اختیارات ملے ہیں چنانچہ جس غیر معمولی اظہار وفاداری سے شہنشاہ کا خیر مقدم ہوا ہے وہ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ ہندوستان کی رعایا شہنشاہ کو خدا کی مرضی اور احکام قدرت کا حامل تسلیم کرتی ہے۔ آج کی نماز اور دعا سلطنت عظمیٰ کی فتحے داریوں کو بھی ظاہر کرتی ہے۔ چونکہ تمام حکومتیں خدا کی طرف سے دیجاتی ہیں اس لیئے اگر دنیا کی تاریخ پر غور کیا جائے تو وہ خدا کی ہی

زبردست شہنشاہ اور رحم دل حاکم اور بطور ایک بڑے انگریز کے مشہور رہیںگا۔
اس کے بعد جس شان وشوکت سے سواری بادشاہی آئی تھی ویسے ہی مراجعت فرما ہوئی۔

شاہی ڈنر | ۸ر دسمبر کی شب میں حضور ملک معظم کی جانب سے حکام ورؤسائے عالی مقام ہندوستانی اور صاحبان انگریز کی بڑی شان دار دعوت ہوئی۔

پولو ٹورنامنٹ | پولو ٹورنامنٹ کے ملاحظے کے لیئے ۹ر دسمبر کو سہ پہر کے وقت جلوس شاہانہ سے دربھنگہ کھلی گاڑی میں مع ماہی مراتب کے تشریف لے گئے اور شاہی شامیانے میں رونق افروز ہوکر کھیل ملاحظہ فرمایا۔ اس کھیل میں ایک افسوس ناک حادثہ ہوا کہ رسالدار موتی لال کے گھوڑے کا مسٹر رسٹن کے گھوڑے سے تصادم ہوا جس میں رسالدار صاحب سخت مجروح ہوئے۔ حضور ملک معظم سخت متاثر ہوئے اور فوراً تشریف لے جاکر مستفسر احوال ہوئے۔ ۱۱ر دسمبر کو بھی اسی طرح پولو کا ملاحظہ ہوا اور حضور نے انعامی کپ تقسیم فرمائے۔

فٹ بال ٹورنامنٹ | ۹ر دسمبر کو پولو ختم ہونے کے بعد حضور ملک معظم نے فٹ بال ٹورنامنٹ ملاحظہ فرمایا اور اسی جگہ شامیانے میں دربھنگہ نے چائے بھی نوش فرمائی۔ یہاں ملکہ معظمہ اور لیڈی ہارڈنگ اور لیڈی ہیوٹ۔ حضور عالی نظام اور مہاراجہ پٹیالہ سے گفتگو فرما رہی تھیں۔ پانچ بجے شام کے واپسی ہوئی۔ پولو گراؤنڈ میں ہر روز بینڈ بجا کرتا تھا اس شب کو ملک معظم اور ملکہ معظمہ بھی تشریف فرما ہوئے اور طرح بطرح کے بینڈ بجے۔ پھر مصنوعی جنگ ہوئی جس میں نقلی ہمسے بندوقیں اور توپیں چلائی گئیں اور آتشبازی سے اصلی جنگ کا نقشہ کھنچ گیا۔ دربھنگہ دو گھنٹے کے بعد تشریف لے گئے باقی ارباب ختم ہونے تک سیر دیکھتے رہے۔

نماز اور دعا | ۱۰ر دسمبر اتوار کے دن جگت پور کے ٹاپو میں جو دہلی گیریزن ٹروپس کا کیمپ تھا نماز ہوئی جہاں دو شامیانے بادشاہ بیگم

کی سلامی سرہوئی - اس مجسمے کا ایک نقرئی ماڈل حضور وائسرائے نے پیش کیا حضور ملک معظم نے چبوترے پر کھڑے ہوکر نہایت بشاشت سے سب کا سلام لیا اور لوگوں نے آپ کو دل بھر کر دیکھ لیا - سنگ بنیاد کے چاروں طرف کتبے تھے - شمالی طرف تاج اور عصا تھا جس پر یہ الفاظ کندہ تھے - "اُس بت کو بادشاہ جارج پنجم نے ۱۵ دسمبر ۱۹۱۱ء کو نصب کیا" اور بادشاہ کے دستخط بھی تھے - جنوبی طرف شاہی ہیناروں کی شکلیں کندہ تھیں - مشرقی طرف انگریزی اور مغربی جانب اردو کا یہ کتبہ تھا جو انگریزی کا ترجمہ تھا:-

"یہ یادگار اس کی ہزاروں لاکھوں رعایا نے اپنی خوشی سے تمام اطراف ہند کی طرف سے چندہ دے کر استادہ کیا ہے - امیروں نے بڑی رقمیں اور غریبوں نے حسب مقدور دے کر اس کی محبت اور اقتدار کی شکر گزارانہ یادگی شہادت دی ہے - وہ اپنی رعایا کا باپ تھا جن کے مختلف مذہب اور رسم و رواج کو اُس نے نرمی اور رعایت کے ساتھ برقرار رکھا ہے - دنیا کی نسلوں میں اُس کی آواز ہمیشہ دانائی کو ظاہر کرتی ہے - اُس کی مثال اُس کے وائسرایوں - گورنروں کپتانوں اور عاجز سے عاجز فرد رعایا کے لیئے ایک نمونہ تھا - اُس کا عصا ۱/۵ باشندگان روے زمین پر حکمرانی کرتا تھا - اُس کا انصاف کمزوروں کی حفاظت کرتا - قابل انعام کو انعام دیتا اور ناہنجاروں کو سزا دیتا تھا - اُس کے رحم نے بیماروں کے لیئے شفاخانے مہیا کیئے - قحط زدوں کے لیئے خوراک - پیاسی زمین کے لیئے پانی اور طالب علموں کے لیئے علم - اُس کی تلوار ہمیشہ فتح مند تھی - بہت سی قوموں کے سپاہی اُس کی عظیم الشان فوج میں مامور تھے اور اُس کے سب تک حکم کو مانتے تھے - اُس کے جہازوں نے سمندروں کے راستوں کو محفوظ کیا اور اُس کی وسیع سلطنت کی خشکی اور تری میں حفاظت ادا کی - اُس نے دنیا کی قوموں سے دوستی پیدا کی اور اپنی وسیع سلطنت کے باشندوں کو امن سے مالا مال کیا - اُس کا عہد حکومت اُس کے پیارے ملک ہندوستان کے لیئے ایک برکت تھا - بڑے آدمیوں کے لیئے ایک نمونہ اور چھوٹوں کے لیئے حوصلہ افزا تھا اور اُس کا نام نسلاً بعد نسلٍ تمام زبانوں میں بطور ایک

جواب | آپ نے جو ایڈریس ابھی پڑھا ہے اُس نے میرے دل پر اثر کر کے اُس احسامات کی یادگار کو جگا دیا ہے جس کے لیئے ہم سب اور سب سے بڑھ کر میں اپنے پیارے والد مرحوم شاہ قیصر ایڈورڈ ہفتم کو عزیز رکھتا ہوں - ظاہر ہے کہ میرے والد ہی انگلستان کے بادشاہوں میں وہ پہلے تاج دار تھے جنھوں نے ہندوستان کا سفر اختیار کیا تھا پھر آج سے چھ سال قبل میں اس عظیم الشان سفر اور عجائب و غرائب سے بھری ہوئی سرزمین میں آیا مگر افسوس ہمیں اُس وقت معلوم نہ تھا کہ کس قدر جلد ہم کو اس جلیل القدر شاہنشاہ کا ماتم کرنا پڑے گا - آپ لوگوں نے اپنے ایڈریس میں بیان کیا ہے کہ یہ یادگار صرف اُن چند اشخاص کے فیاضانہ عطیوں سے ہی طیار نہیں ہوئی جنھیں ہمارے شہنشاہ مرحوم سے ذاتی طور پر نیاز حاصل تھا بلکہ اس کی طیاری میں ہماری اور شہنشاہ مرحوم کی ہزارہا ہندوستانی رعایا نے بھی بذریعہ چندہ حصہ لیا ہے اور مجھے اس کی بڑی خوشی ہے کہ شہنشاہ مرحوم کی گہری اور دائمی محبت کا جواب جو انھیں ہندوستانیوں سے تھی فرزندان ہندوستان نے نہایت گرم جوشی سے دیا ہے میں اس بات پر بھی مسرور ہوں کہ یہ متبرک مجسمہ نہایت خوب صورت اور تاریخی موقع پر نصب ہوا ہے جو کہ زمانہ مستقبل میں پیدا ہونے والی نسلوں کو اس امر کی شہادت دے گا کہ اہل ہند کو شاہنشاہ مرحوم سے کس درجے عقیدت مندی اور شہنشاہ موصوف کو اپنی ہندوستانی رعایا سے کس درجے ہمدردی تھی اور یہ ایسے جذبات ہیں جو بفضل خدا ہندوستان کی نسبت میری ذات خاص اور میرے خاندان میں بطور ترکہ کے نسلاً بعد نسل چلے جائیں گے" - اس تقریر دلپذیر کے بعد حضور ملک معظم مع وائسرائے بہادر سیڑھیاں چڑھ کر چبوترے پر تشریف لے گئے جہاں سنگ بنیاد رکھا جاتا تھا - آپ نے سونے چاندی کی کرنی اور بسولی سے (۲ ½ ٹن کے سنگ سرخ کو جو زنجیروں کے سہارے (۱۵) اونچا معلق تھا جو مشین کے ذریعے سے یکجا کر دیا گیا) مسالا لگا کر نصب فرما دیا - اسی کے ساتھ بندوقوں کی باڑھ اور قلعہ سے (۱۰۱) توپوں

دروازے پر لارڈ اور لیڈی ہارڈنگ نے استقبال کیا اور شامیانے میں رونق افروزی کے بعد حضور وائسراے نے یہ ایڈریس پڑھا:- "ہم آل انڈیا ایڈورڈ میموریل کمیٹی کے قائم مقام کی حیثیت سے جو آپ کے عالی قدر اور عزیز الوجود بزرگوار ایڈورڈ ہفتم کی یادگار سرزمین ہند میں قائم کرنے کی غرض سے بنائی گئی ہے آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ حضور اُن کے بت کے بنیادی پتھر کو اپنے دست مبارک سے نصب فرمائیں۔ اس یادگار کے قائم کرنے میں ہزاروں وفادار اور جاں نثار ہندوستانی رعایا نے چندہ دیا ہے اور امیر و غریب دونوں نے ایسی محبت و احترام کا اظہار کیا ہے کہ جس سے اس نامور حکمراں کا نام ہمیشہ یادگار رہے گا۔ اس بُت سے جو اس پیل پایہ کی سجاوٹ کا باعث ہوگا حضور کی کروڑ ہا رعایا کی شکرگزاری کا وہ نام دار عہد وابستہ ہوگا جس سے اُس امن و انصاف اور فارغ البالی کا پتہ چلتا ہے جو شہنشاہ مرحوم کے مختصر مگر قابل یادگار عہد میں اہل ہند کو نصیب ہوئی اور جس سے اُنھوں نے امن کی شاندار فتوح حاصل کیں۔ اس تاریخی شہر دِلّی اور بہادری کی سرزمین میں ہمارے عظیم محترم شاہنشاہ معظم کا بت نہ صرف رعایاے ہند کے جذبات ارادت مندی اور راسخ الاعتقادی کے نشان کے طور پر کھڑا رہے گا بلکہ یہ بت ہمیشہ اس امر کی شہادت دیتا رہے گا کہ شاہان انگلستان کا دبدبہ و جلال کس قسم کا ہے اور اُنھیں اپنی ہندی رعایا سے کس درجہ محبت اور شفقت ہے اور کس طرح وہ اہل ہند کی شریفانہ آرزوں اور نیک تمناؤں کی رہنمائی کر رہے ہیں۔ اب ہم ممبرانِ میموریل ہذا حضور سے اس بنیادی پتھر کو نصب فرمانے کی درخواست کرتے ہوے یقین رکھتے ہیں کہ یہ متبرک یادگار جو ایک مقدس اور نیک دل تاجدار کی یاد میں تعمیر کی جا رہی ہے آیندہ نسلوں کی ارادت مندی کی محرک ہوگی اور حضور کی ہندوستانی رعایا وفادارنہ جذبات کے ساتھ اس کی نگہداشت کرے گی۔

لہ اگرچہ کنگ ایڈورڈ کے بارہ ممبروں کو حضور وائسراے نے بارگاہ خسروی میں پیش کیا تھا جنگ یورپ کے سبب سے اب تک بھی مجسمہ ولایت سے بن کر نہیں آیا اب شاید جلد آجائے۔ ۱۲

کی ممنون ہوں کہ آپ نے میرا اور شہنشاہ کا خیر مقدم کیا اور میں آپ کی اس دعائے خیر میں شرکت کرتی ہوں جو آپ لوگ سلطنت کے استحکام اور بقا کے لیئے کرتی ہیں"۔

پردہ پارٹی ۱۲ر دسمبر کو ملکۂ معظمہ کی طرف سے تقریباً سو معزز خواتین و بیگمات رؤسا کو سرکٹ ہوس میں ایک پردہ پارٹی دی گئی۔ درباری شامیانے میں ملکۂ معظمہ نہایت نفیس اور قیمتی ڈریس میں دوسرے زیورات کے ساتھ جو اتیں ہند کے پیش کردہ زیورات بھی زیب تن کیئے ہوئے ایک شاہی مکلف کرسی پر تشریف فرما تھیں۔ آپ کے پاس لیڈی ہارڈنگ اور ڈچیس آف ڈیون شایر حاضر تھیں۔ اس موقع پر لیڈی میکموہن نے (۶۱) بیگمات اور معزز خاتونوں کو پیش کیا اور دو گھنٹے تک لطفِ صحبت رہا۔

آل انڈیا ایڈورڈ میموریل کا سنگ بنیاد رکھنا ملک معظم ایڈورڈ ہفتم کے انتقال پر ملال پر کوئی اسی ہزار اشخاص نے جس میں بڑے بڑے رؤسار اور حکام ذوی الاحترام تھے ایک کروڑ کی خطیر رقم عطیات اور چندے سے جمع کی۔ اس میں سے (۵۵) لاکھ روپیہ تو مختلف حصص ہند میں یادگاریں قائم کرنے کو دیا گیا اور (۴۵) لاکھ روپیہ صرف دہلی کی یادگار کے واسطے علیحدہ رکھا گیا اور ملک معظم آنجہانی کا کانسی کا مجسمہ گھوڑے پر سوار نصب کیا جانا قرار پایا۔ جس کے ڈھالنے کا کام لندن کے مشہور بت ساز سر طامس بروک کو دیا گیا۔ جامع مسجد اور قلعہ کے بیچ کے میدان میں جگہ کا انتخاب ہو کر درستی عمل میں آئی۔ گرد آہنی جنگلا لگا کر ایک باغیچہ سرہ زار لگا دیا گیا اور ایک چبوترا بنا دیا گیا۔ تمام رؤسائے کبار مع وائسرائے بہادر کے اس موقع پر جمع ہو گئے۔ ۸ر دسمبر کو ۳½ بجے دن کے ذریعہ موٹر شاہی کیمپ سے جو اسپہ لینڈو میں سر پر چتر شاہی لگائے روانہ ہوئے۔ لوگ جو رور گرستہ دیدار سے محروم رہے تھے آج فیض یاب ہو گئے۔ سارے رستے دورویہ موج استادہ تھی۔ ایلگن روڈ کے

دن دونی رات چوگنی ترقی اور طاقت بخشے اور اس میں جملہ بنی نوع انسان کی بہبودی کے لیئے اتفاق و اتحاد پیدا کرے"۔ ایڈریس کے اختتام پر مہارانی صاحبہ پٹیالہ نے دونوں بیش بہا زیور ملکہ معظمہ کے حضور میں پیش کر دیئے اور حضور ممدوحہ نے حسب ذیل جواب ارشاد فرمایا:-

"آپ کے خیر مقدم کے الفاظ نے مجھ پر بڑا اثر کیا ہی اور میں یقین کرتی ہوں کہ آج جو خواتین مجھ سے ملی ہیں وہ خود میری جانب سے میرا شکریہ قبول کریں گی اور اس بڑی سلطنت کی تمام نسوانی جماعت کو جن کی طرف سے آج خیر مقدم کیا گیا ہی میرا شکریہ پہونچا دیں گی - میں باور کرانا چاہتی ہوں کہ میری خیر طلبی اُن کے واسطے بھی ہمیشہ روبہ ترقی ہی جو پس پردہ چار دیواری میں رہتی ہیں - صفحات تاریخ میں بخوبی روشن ہی کہ ہندوستان کی عورتیں کس درجے فلاح وبہبودی کا سامان اپنے گھر پر کر سکتی ہیں - ہندوستان کے کارناموں میں اس کی شریف قوموں کی وفادارانہ اور بے نظیر خدمات کا ذکر کثرت سے ہی اور یہ ہندوستان کے بچوں کے وہ کارنامے ہیں جو ہندوستانی ماؤں نے اپنے بچوں کے دلوں میں اچھے سبق جاگزین کرنے سے پیدا کیئے ہیں - میں نے نہایت طمانیت کے ساتھ اس بات کو سُنا کہ پردہ نشینوں میں ایک ارتقائی اور درجہ بدرجہ ترقی کے آثار نمایاں ہیں اور مجھے یقین ہی کہ آپ لوگ اپنے بچوں میں ترقی تعلیم کا زیادہ خیال رکھیں گی تاکہ آیندہ وہ لڑکیاں اپنے شوہروں کے واسطے بہترین تربیت یافتہ ساتھی اور کار آمد ہمدم ثابت ہوں - آپ نے جو زیور مجھے نذر کیا ہی وہ میری نگاہوں میں ہمیشہ قیمتی رہے گا اور جب میں اس کو زیب تن کروں گی تو خواہ ہزاروں میل کا بڑی بحری فاصلہ ہوگا لیکن میرا خیال فوراً ہندوستانی گھروں کی طرف مائل ہوگا اور جس محبت و خلوص کا آپ لوگوں نے اظہار کیا ہی وہ تازہ ہو جائے گا - اس کے سوا آپ کا نذر کردہ زیور آیندہ نسلوں کی طرف شاہی ترکہ کی طرح منتقل ہوگا اور یہ نشانی سمجھا جائے گا جس کو ہندوستانی خواتین نے اول اول ایک ملکہ کی یادگار میں پیش کیا تھا - میں آپ لوگوں

ایک نہایت نفیس بروچ ہوایا اور جواہرات کی ایک مالا بھی طیار کرائی اُس میں بھی ایک بیش قیمت زمرد تھا - چنانچہ ۹ دسمبر دو بجے دن کے چالیس معزز خواتین کا ایک ڈپیوٹیشن بسرکردگی مہارانی صاحبہ پٹیالہ حاضر ہوا حسب قاعدہ ڈپیوٹیشن کا استقبال کیا گیا - ٹھیک ۲½ بجے ملکۂ معظمہ بتکلف لباس میں بمعیت لیڈی ہارڈنگ اور لیڈیز ان ویٹنگ کمرہ تخت گاہ میں تشریف لائیں جب آپ تخت پر تشریف فرما ہولیں تو لیڈی ہارڈنگ نے کھڑے ہو کر یہ ایڈریس جو ساٹن پر سنہری حرفوں میں چھپا ہوا تھا پیش کیا :- "نعم ملاحظۂ یور امپیریل مجسٹی ! ہم نمایندگان خواتین ہند جو اس وسیع سلطنت کے مختلف صوبجات سے حاضر ہوئی ہیں حضور کو تہ دل سے خیر مقدم کہتی اور حضور کی خدمت میں نہایت عجز بکر صدق دل سے کورنش بجا لاتی ہیں اور حضور نے کمال مہربانی سے ہم کو اپنی لاکھوں بہنوں کی جذبات کے اظہار کی جو اجازت دی ہے اس لاثانی اعزاز کا اعتراف کرتی ہیں - حضور نے اس ملک میں تشریف لاکر اس بات کا عملی ثبوت دیا ہے کہ حضور کو اپنی ہندوستانی رعایا کے سود و بہبود کا کس قدر خاص دلی سے خیال ہے جس کا حضور نے ہمیشہ نئے طریقوں سے اظہار فرمایا ہے اگرچہ یہ بالکل صحیح نہیں تاہم عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ پردہ دار مستورات اُن واقعات سے جو حدود چار دیواری کے باہر ہوتے ہیں بے خبر ہوتی ہیں لیکن ہم حضور کو یقین دلاتے ہیں کہ برٹش قوم کی مہذب اور عمدہ حکومت نے پردے کے اندر بھی ہندوستانی عورتوں کے دلوں میں اعلیٰ خیالات پیدا کردیئے ہیں اور اس قدیم سرزمین میں برٹش حکومت کے اس واقبال نے ہماری بہنوں میں انصاف وعزت پیدا کرکے ثابت کردیا ہے کہ نئے زمانے کے مطابق سچائی اور انصاف کے خیالات ہی اصل بنیاد ہیں جن پر ملکتوں اور لوگوں کی عام بہبودی کا انحصار ہے - آخر میں ہم نہایت عجز سے حضور اور حضور کے شوہر نامدار یعنی حضور شہنشاہ معظم جارج پنجم کو دربار تاجپوشی منعقد کرنے کے لیئے نہایت صدق دل سے مبارکباد عرض کرتی اور خلوص سے دعا کرتی ہیں کہ خدائے برتر اس عالی شان سلطنت کو جس کی حضور رہندوستان میں

یہ بات ٹھیری کہ جن کی سلامی نو توپوں سے بڑھ کر ہے وہی بارگاہ خسروی میں پیش کیئے جائیں لیکن ایسے رؤسار کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی لہذا تین دنوں میں مراسم ملاقات کو تقسیم کیا گیا ہر ایک کے لیئے دس منٹ ملاقات کا وقت مقرر کیا گیا لیکن بعض بعض رؤسا نے جن سے تعارف سابقہ تھا کچھ زیادہ وقت بھی لیا اور (۹۴) رؤسار بارگاہ حضوری میں پیش کیئے گئے - ایک عہدہ دار آگے بڑھ کر عہدہ داروں کو لیتا تھا اور تخت گاہ کے خیمے میں جہاں ملک معظم جلوہ افروز تھے آنربیل سرہنری میکموہن بآواز بلند رئیس کا نام لیتے تھے - حضور ملک معظم کمال اخلاق اور خندہ پیشانی سے کھڑے ہوکر ہاتھ ملاتے تھے اور اپنے داہنی طرف بٹھا کر لطف آمیز کلام فرماتے تھے - رؤسا کے بعد والیان ریاست کے وزرار اور دیگر معزز عمائدین بھی باریاب ہوے جو سفید ریشمین رومال پر رکھ کر نذر پیش کرتے جس کو ملک معظم صرف مس فرما دیتے - ملک معظم کی جانب سے ایک اعلیٰ مصاحب عطر و پان پیش کرتا اور خود بدولت ہر ایک والی ریاست کے گلے میں ایک ریشمین ہار پہنا کر عزت و افتخار بڑھاتے جس طرح استقبال کیا جاتا تھا اسی طرح مشایعت بھی کی جاتی تھی - گڑبڑ نہ ہونے کے خیال سے آمدورفت کے وقت توپوں کی سلامی کا طریقہ موقوف کر دیا گیا مگر گارڈ آف آنر موجود تھا - گوشتہ ۱۹۰۳ع کے دربار پر بعذر عدیم الفرصتی لارڈ کرزن نے بازدید کا طریقہ اُڑا دیا تھا مگر اس دفعہ حضور وائسرائے شاہانہ جلوس کے ساتھ مع فارن سکریٹری اور دیگر سربرآوردہ عہدہ داروں کے والیان ریاست کے کیمپوں میں تشریف لے جاکر بازدید کی ملاقات فرماتے تھے چنانچہ ۷ و ۸ و ۹ و ۱۱ دسمبر چار دن میں (۷۰) رؤسا سے بازدید کی ملاقات ہوئی -

خواتین کا ایڈریس

ہندوستانی خواتین نے ملکہ معظمہ کی رونق افروزی کی یادگار میں چندے سے جواہرات کے دو زیور بطور نذر پیش کرنے کی تجویز کر کے ممتاز خواتین ہند کی ایک کمیٹی مقرر کی اور معتدبہ چندہ جمع کر کے شاہان مغلیہ کے زمانے کا ایک بڑا زمرد خرید کر اس کا

اس بات کا بخوبی یقین ہے کہ پورا ایلیپرل میجسٹیر کے دل میں اس سے بڑھ کر اور کوئی خواہش نہ ہوگی"

ملک معظم کا جواب | میں قیصرۂ ہند کی طرف سے اور خود اپنی جانب سے آپ کے خیر خواہانہ اور معتقدانہ ایڈریس کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں جس کے الفاظ کا ہم پر بڑا گہرا اثر پڑا ہے - یہ الفاظ محبت آمیز عقیدت سدی کے اُن ملے ستاریا ہوں کو یاد دلا رہے ہیں جن کے ذریعے سے ہماری سلطنت نے تمام دوسرے حصص کے ساتھ ہماری تاج پوشی انگلستان کے موقع پر ہمارا خیر مقدم کیا ہے اور پھر آپ کے ملک میں ہمارے داخلے کے بعد سے ہر طبقہ اور ہر مذہب کی رعایائے ہندوستان نے بہت سی تاربرقیاں بھیجیں - مجھے اپنے گورنر جنرل کے ذریعے سے معلوم ہوا کہ انھیں ایمپیریل لیجسلیٹو کونسل ہند اور برطانیہ کے چیدہ قائم مقاموں کے دالس منڈام تحریر سے بیش بہا تقویت اور تائید پہنچی ہے - پس آپ نے جو اُس کے باشندوں کی طرف سے ہمارا خیر مقدم کیا ہے اُس کی میں بڑی قدر کرتا ہوں آپ یقین جانیے کہ ہمارے دلوں میں اس سے بڑھ کر کوئی خواہش نہیں ہے کہ آپ کے الفاظ کے مطابق جو آپ نے ایڈریس میں بیان کیے ہیں کہ سلطنت ہندوستان کو امن وامان اور خوش حالی کے اعتبار سے بڑی ترقی حاصل ہوتی رہے" - ایڈریس کے ختم ہونے پر تمام حاضرین نے بڑے جوش وخروش سے گاڈ سیو دی کنگ اینڈ کوئین کے نعرے لگائے اس کے بعد دیر میجسٹیر شاہی کیمپ میں داخل ہوے اور تھوڑی دیر استراحت فرمائی -

والیان ملک کی باریابی | ایسا معتنم موقع کب آیا تھا اور پھر کب آئے گا اس لیے سارا ہندوستان دلی میں سمٹ آیا تھا - ہندوستان کے سارے رؤسا رجواڑے جمع ہو گئے سہ

ہر کجا چشمۂ بود شیریں ... مردم و مرغ و مور گرد آیند

یہ کیسے ممکن تھا کہ بادشاہ سلامت سب کو موقع باریابی کا دیتے اس لیے

ہیجسٹیز کی تشریف آوری ایسی عدیم المثال ہو کہ ہمیشہ کے لیئے یادگار رہے گی
یور میجسٹیز! - فرماں روائے وقت کی خیر خواہی ہندوستان میں ہمیشہ سب سے
بڑا وصف سمجھی جاتی رہی ہو جس کی تعلیم زمانۂ سلف سے ہی یہاں کے دانش مند
اور مذہبی پیشوا برابر دیتے آئے ہیں اور اس لیئے ہم بوثوق عرض کر سکتے ہیں
کہ یور امپیریل میجسٹی کی وسیع و رفیع سلطنت میں یور امپیریل میجسٹی کی کہیں کی
رعایا بھی باشندگان برٹش انڈیا سے زیادہ خیر خواہ اور وفادار نہ ہوگی -
سلطنت ہند میں مختلف اقوام کے بے شمار لوگ پائے جاتے ہیں جو مختلف زبانوں
میں کلام کرتے اور مختلف مذاہب کے معتقد ہیں - لیکن کوہستان ہمالیہ کی
برفستانی چوٹیوں سے رامیشورم تک جس کا بیان قصص و حکایات میں آیا ہو
اور مغرب کی کوہستانی سرحدات سے لے کر حدود چین و آسام تک سب کے سب
یور امپیریل میجسٹی کے تاج اور ذات والا صفات کی خیر خواہی اور عقیدت میں
برابر متحد و متفق ہیں اور گو یور امپیریل میجسٹیز کے پُر شفقت سفر کے اس بہت ہی
مختصر زمانے میں اُس مسرت و فخر کا خیال آج یہاں ہم لوگ بڑی مستعدی
کے ساتھ ظاہر کرنے کی کوشش میں ہیں مگر بلا خوف تردید عرض کیا جاتا ہو کہ
اس ملک کے ہر شہر و قصبہ اور گاؤں میں دھوم دھام اور چہل پہل کے
اعتبار سے خواہ یہاں سے کم تر درجے میں ہی ہو لیکن گرم جوشی کے اعتبار
سے ہرگز کم نہ ہوگا - یور امپیریل میجسٹی کے ورود سے ہم لوگوں کو جو مسرت
ہوئی ہی اُس میں ہر امپیریل میجسٹی ملکۂ محترمہ کی رونق افروزی سے اور بھی
اضافہ ہو گیا ہو جس کا خیر مقدم نہ صرف ایک اپنے فرماں روا کی شہنشاہ بیگم کی
حیثیت سے ہی بلکہ ایک ایسی جامع الصفات خاتون کی حیثیت سے بھی
کرتے ہیں جس کی ہندوستان میں سب سے زیادہ قدر کی جاتی ہو اور جو تمام
ہندوستانی قلوب کی پیاری ہی - ہماری دعا ہو کہ یور امپیریل میجسٹیز کو
تن درستی - عافیت اور طول عمر [illegible] ہو اور ہماری خواہش ہو کہ یور امپیریل
میجسٹیز کے فیض رساں عہد حکومت میں ہم لوگوں کو امن و امان اور سرسبزی
اور خوش حالی کے اعتبار سے برابر ترقی حاصل ہوتی رہے کیوں کہ ہمیں

لیے (۱۸) میل مربع زمین لی جائے گی۔ چبوترے کے پاس ہزاروں فوج
خاکی وردی میں جمع تھی اور سڑک کی دونوں جانب انگریزی فوجیں آدھی دیوار
کی طرح کھڑی تھیں۔ رنج پر ایک فرش تھا اور وسیع سائبان ڈالا گیا تھا
جس میں چار ہزار کرسیاں بچھی ہوئی تھیں۔ ٹھیک دوپہر سے پہلے جلوس پہاڑی
پر آن پہنچا۔ چیرز سے میدان گونج گیا۔ بینڈ بجنے لگا۔ بادشاہ سلامت
گھوڑے پر سے اور ملکۂ معظمہ گاڑی پر سے اُترے۔ سر لارنس جنکنز
وائس پریزیڈنٹ لجسلیٹو کونسل نے پلیٹ فارم پر آ کر یہ ایڈریس پیش کیا

سر لارنس جنکنز کا ایڈریس

"بعز ملاحظۂ یور امپیریل مجسٹیز۔ ہم ممبران لجسلیٹو کونسل گورنر جنرل باشندگان
برٹش انڈیا کی جانب سے نہایت ادب اور دلی عقیدت مندی سے یور امپیریل
مجسٹیز کا خیر مقدم کل ہند کی طرف سے کرتے ہیں کہ حضور ہندوستان
کے پہلے فرماں روا ہیں جنھوں نے سرزمین ہندوستان پر بنفس نفیس
قدم رنجہ فرمایا ہے۔ یہ قدیم شہر تاریخی یادگاروں سے بھرا ہوا ہے جہاں
بہت سے نامی بادشاہ اور شاہنشاہ گزر چکے ہیں۔ جن کی قدم شانُ
شکوہ کی بلند پایہ یادگاریں اب تک اُن کی عظمت کی تصدیق کر رہی ہیں لیکن
ان میں سے کسی بڑے سے بڑے بادشاہ نے بھی اپنے کمال عروج کے
زمانے میں ایسی وسیع سلطنت پر اس طرح بلا شرکت غیرے کبھی حکومت
نہیں کی جیسے کہ یہ وسیع سلطنت اس وقت یور امپیریل مجسٹیز کے زیر فرمان
ہے۔ پس اس لحاظ سے تاریخ ہندوستان کے گوناگوں مناظر میں یور امپیریل

تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ ۔ کے مقبرے سے ورے نئی دلی بن رہی ہے جو رائے سینا
کے نام سے مشہور ہے۔ کئی میل میں یہاں کی عمارات پھیلی ہوئی ہیں۔ جب سے تعمیر کا
کام جاری ہے۔ میدان صاف ہو کر چو طرف سڑکیں دوڑ گئیں بہت سی عمارتیں بن گئیں اور
بہت سی زیر تعمیر ہیں۔ یورپ کی جنگ عظیم کے سبب سے کام میں ڈھیل پڑ گئی تھی پھر بھی اب تک
(۴۷٫۵) لاکھ روپیہ خرچ ہو چکا ہے ۱۹۲۲ء میں ۷۶½ لاکھ اور منظور ہوا ہے اس طرح ۱۲۴ لاکھ کے مصارف ہو چکے
اور ابھی بہت کچھ باقی ہے۔ کل مصارف کا اندازہ دس کروڑ تھا اور اب ہر چیز کی گرانی کے لحاظ کرتے اس سے بھی بڑھ جائے گا ۔ ۱۲

جس میں سلاطین مغلیہ کے دور کی جھلک نظر آتی ہے۔ اگر یہ طرز کہیں بھی برقرار نہ رہے اور سب جگہ زمانۂ حال ہی کی چال ڈھال ہو تو ڈھونڈے بھی پرانی گئی گزری عظمت۔ شان شوکت۔ سطوت اور جبروت کا وجود فی الخارج باقی نہ رہے۔ آپ کی سواری میں (۳۰) بندوقچی۔ ملازمان ریاست کے جر ی اور بہادر رعب داب کے چہرے اُن پر سفید پوستینیں بہت عمدہ نظارہ تھا۔ بعد میں گاڑیوں میں وزرار و مصاحبین اور ریاست کے معزز حکام تھے۔ صرف دو بڑے بڑے والیان ملک کے تزک و احتشام کا ایک شمہ بیان کیا گیا اس طرح (۱۲۸) رؤسا شریک پروسشن تھے۔ آخر میں اٹھارویں لینسرز انڈین آرمی کے سواروں پر جلوس کا [illegible] لہ تمام ہوا۔ اس بڑے بھاری جلوس کو گزرنے میں پورے تین گھنٹے لگے۔ دلّی کے مشہور بازار چاندنی چوک کی آراستگی اور چہل پہل چار دانگ عالم میں مشہور ہی اور اب تو اُسے اور چار چاند لگ گئے تھے۔ اُس کی آراستگی اور سجاوٹ قوت بیان سے باہر ہے۔ اس لمبے بازار سے جو ایک میل سے کچھ ہی کم ہوگا گزر کر جلوس فتح پوری مسجد کے سامنے سے ہوتا ہوا ڈفرن برج پر سے موری دروازے پوہنچا۔ یعنی اندرون شہر کی آبادی ختم ہوئی اور آخر پہاڑی پر پوہنچا جو انگریزی میں رج کہلاتی ہے۔ یہ پہاڑی بہت بڑا تاریخی مقام ہے یہیں ۱۸۵۷ء کے غدر میں سپاہ انگریزی نے مورچے بنا رکھے تھے اور یہیں سے باغیوں پر گولے برسائے جاتے تھے فتح گڈھ یعنی یادگار غدر کے منارے کی طرف پہاڑی کی بلندی پر ایک اونچی سڑک ہندوراؤ کے باڑے اور چوبرجی کو طے کرتی ہوئی سیدھی اُس مقام پر جا پوہنچتی ہے جہاں پیش سازی ایڈریس کے لیئے چبوترا بنایا گیا تھا۔ اس کے قریب باوٹہ ہے اور آگے بہت ہی نشیب میں سرکٹ ہئوس ہے جس کے قرب میں شاہی کیمپ تھا یہیں جدید دہلی کا سنگ بنیاد رکھا گیا اور اسی وسیع قطعۂ اراضی پر دلّی کا نیا شہر آباد کیا جائے گا جس کے

لہ اب یہ جگہ بدل کر موجودہ شہر دہلی سے قطب صاحب کی جانب (۵) میل ہٹ کر صفدر جنگ
(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)

پہلے ہر ہائینس نواب میر عثمان علی خاں بہادر بالقابہ چارگھوڑوں کی زرد رنگ کی گاڑی میں نظر آئے جس میں چار لقرہ گھوڑے جُتے ہوئے تھے - زرد رنگ اس سلطنت ابد مدت کا مانا ہے - آپ کے ساتھ اسی گاڑی میں کرنل ملیٹ - اے - جی - ریذیڈنٹ - یمین السلطنۃ مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر مدار المہام - نواب سر افسر الملک بہادر کمانڈر افواج تھے - پچھلی تین گاڑیوں میں دکن کے دوسرے امرائے عظام اور حکام والا مقام سوار تھے - ہر ہائینس کے باڈی گارڈ میں رسالہ حوش کے ایک دستے کے علاوہ حیدرآباد امپیریل سروس لانسرز کا بھی ایک دستہ نہایت نفیس ڈریس میں تھا - سواروں کے گھوڑوں کی پشتوں پر چیتے کی کھالیں اور سبز رنگ کی وردیاں عجیب دلفریب نظارہ پیدا کر رہی تھیں - حضور نظام اگرچہ ابھی نو عمر ہیں لیکن چہرے سے تمکنت اور رئیسانہ جلال برستا ہے اور اُن کی ذات ستودہ صفات سے بہت ساری امیدیں وابستہ ہیں - جس وقت آپ کی لینڈو جامع مسجد کے سامنے پونہچی عام طور پر چیرز دیئے گئے جس کا سلسلہ کئی منٹ تک رہا -

مہاراجہ کشمیر - آپ ڈوگرا قوم کے سردار ہیں - آپ کی جلوس میں پہلے ماہی مراتب چوبدار بھالے بردار مورچھل اور چتر تھا جس کے اُٹھانے والے سرخ وردی پہنے - امپیریل سروس لانسرز کا ایک سکواڈرن آپ کے اسکارٹ میں تھا جو نہایت عمدہ حالت میں تھا - جس کے پیچھے زرین اور طلائی زین و لگام کے گھوڑے تھے جن پر جواہر نگار یا کھریں پڑی ہوئی تھیں مہاراجہ صاحب کے ہاں ہمیشہ سے ایسے سوار موجود ہیں جو زرہ بکتر پہنتے اور چار آئینہ لگاتے ہیں ان کے سروں پر فولادی خود ہوتا ہے چنانچہ ایسے سوار یا سپاہی اب بھی مہاراجہ صاحب کی رکاب میں تھے - سچ پوچھیے تو قدیم وضع کے تتبع میں کچھ عجیب سادگی اور لطف ہے کہ فوج کا لباس سازو سامان سب قدیم وضع کا ہو وہی پُرانی سج دھج ہو - اس سے پھلا کر ودرا اور زمانِ ماضیہ کا نقشہ ہو بہو آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے

ملکہ معظمہ (شاہی گاڑی) میں جس پر دو زرنگار چتر لگے ہوئے تھے اور اسی گاڑی میں (۴۹) ڈچیس آف ڈیون شایر اور (۵۰) ارل آف ڈرہم لارڈ ہائی سٹوارڈ سوار تھے۔ (۵۲) بائیں طرف کپتان کیگھے کمانڈنٹ باڈی گارڈ۔ (۵۳) داہنی طرف مہاراجہ سر پرتاب سنگھ آنریری کمانڈنٹ کیڈٹ کور (۵۴) امپیریل کیڈٹ کور جس میں بعض والیان ریاست کے کرد گئے اور شہزادگان زرق برق لباسوں میں گھوڑوں کی پشتوں پر چیتے کی کھال ڈالے سوار تھے۔ ۵۵۔ لیڈی ہارڈنگ گاڑی میں (۵۶-۵۷) کونٹس شیفسبری۔ آنربل ونسٹیا رنگ ارل آف شیفسبری۔ ریرایڈمرل کالن کیمبل (۵۷) سرجیمس ڈنلاپ سمتھ۔ لفٹیننٹ کرنل سر آرتھیو لاک چارلس۔ مسٹر ڈی ملوے۔ لفٹننٹ کرنل برڈوڈ۔ جلوس کا تیسرا حصہ والیان ریاست کا تھا جس میں تقریباً (۱۸۶) پرتکلف گاڑیوں کا تانتا تھا اور کوئی دس ہزار آدمی شامل تھے جس کی بوقلمونی اور مختلف قسم کے بیش قیمت مغرق لباس اور انمول جواہرات کا کوئی حد و شمار نہ تھا اس کی تفصیل کہاں تک لکھی جائے۔ صرف دو چوٹی کے رؤسا کی سواری کی ایک جھلک دیکھ لیجئے۔ ہز (اگزالٹڈ) ہائینس دی نظام سب سے

تکملہ نوٹ بر صفحۂ گزشتہ۔ پاس پہنچا جہاں ٹوئن ہال کی چھت پر صاحبان انگریز کثرت سے شاہی آمد آمد کے لیے چشم براہ تھے انھوں نے آپ کو گھوڑے پر سوار پہچانا اور شاید وہ بھی نہ پہچانتے لیکن جب آپ نے ملکۂ آنجہانی کے مجسمہ کے سامنے آکر تعظیم دی تو خواہ مخواہ لوگ جان گئے کہ ہو نہ ہو بادشاہ سلامت کی ذات اقدس یہی ہے پھر تو چیرز کا وہ شور و غل ہوا کہ لوگوں نے زمین کو سر پر اٹھا لیا اور اب سمجھے کہ بادشاہ سلامت کی سواری آگے بڑھ گئی لوگوں کو اپنی حرماں نصیبی پر افسوس ہوا۔ البتہ ملکہ معظمہ کو چتر شاہی سے ہر کہ وہ نے فوراً پہچان لیا اور برابر پرجوش چیرز دیتے رہے اور آپ بھی دل آویز مسکراہٹ سے ہاتھ اٹھا اٹھا کر سلاموں کا جواب دیتی رہیں۔ بادشاہ ذی جاہ کے اس طرح غیر محسوس طور پر مرور سے لوگ ترستے کے ترستے رہ گئے یہ بات سمع اقدس تک بھی پہنچی۔ پھر بعد میں جب جب مختلف مواقع پر سواری بادبہاری برآمد ہوئی تو لوازمہ شاہی چتر ضرور رہتا تھا جس سے دور سے ہی لوگ پہچان لیتے تھے کہ بادشاہ وہ ہے۔ ۱۲

۵۱ یہ خطاب بعد میں ہوا ہے۔ ۱۲

سلام ملکۂ معظمہ کو کر کے مسعصہ کے گرد گھومتا ہوا اُس مقام پر چلا جاتا تھا جو
جلوس شاہی میں مقرر ہو چکا تھا - حضور ملک معظم نہایت خندہ پیشانی سے
سب کا سلام ہندوستانی طریقے پر لیتے تھے - اس رسم کے انصرام میں
پورا ایک گھنٹہ لگا - ابھی دربار ہو ہی رہا تھا کہ جلوس کا ایک حصہ مرتب
ہو کر روانہ ہو چکا - ملک معظم نے دربار ختم فرما کر گارڈ آف آنر کا ملاحظہ
فرمایا پھر ایک فوجی جرنیل نے سرخ بانات سے منڈھی ہوئی چوکی لا کر رکھی
اور ہز میجسٹی کا رہوار صبا رفتار اکبر نامی مشکی رنگ کا فوجی کاٹھی کسا ہوا
لا سامنے کھڑا کیا - حضور کے سوار ہونے کے بعد لارڈ ہارڈنگ ایک دوسرے
مشکی گھوڑے پر سوار ہوئے اور ملکۂ معظمہ ایک چھ اسپہ کھلی لینڈو پر سوار
ہوئیں اور دوسرا حصہ جلوس کا روانہ ہوا - ہز میجسٹی کی روانگی پر (۱۰۱)
توپوں کی شاہی سلامی ہوئی - ان توپوں کے چلنے سے سارا مجمع سمجھ گیا
اور ہر کہ و مہ جان گیا کہ اب سواری مبارک آئی کہ آئی - جلوس کا
پہلا حصہ مشتمل تھا دس اعلیٰ اعلیٰ حکام ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس پنجاب گورنروں
لفٹنٹ گورنروں اور چیف کمشنروں پر - دوسرے حصے میں انسپکٹر جنرل
پولیس پنجاب - برٹش کیولری رجمنٹ اسکارٹ - رایل ہارس توپ خانہ
ہز اکسلنسی کمانڈر ان چیف کا سٹاف - ہرلڈ ملک عمر حیات خاں صاحب
ٹوانہ بالقابہ - برٹش ٹرپیٹر - باڈی گارڈ - گورنر جنرل کا اسسٹنٹ اور
شاہی سٹاف اس طرح (۴۸) مقربین تھے جس میں کمانڈر ان چیف
بہادر - تینتالیسویں نمبر پر حضور شاہنشاہ - (۴۴) مارکوئس آف کریو
وزیر ہند - (۴۵) حضور وائسرائے - ۴۶ - ۴۷ - رایل گروم - (۴۸) حضور

ل ہندوستان میں بادشاہ کی سواری بالعموم ہاتھی پر برآمد ہوتی ہے چنانچہ ۱۹۰۳ء
کے دربار میں یہی طور تھا اور لوگ اسی توقع میں تھے کہ ملک معظم کی ذات اقدس میر
و نمایاں ہوگی - پھر شکل و صورت سے لوگ ناآشنا - سیکڑوں گاڑیاں اور ہزاروں
گھوڑے اور بے شمار انگریز ہمراہ ہیں تو کیوں کر عرض یہ کہ آپ کو مشتاق نظروں سے
لوگ دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے اور دیدار فرحت آثار سے مشرف نہ ہوئے - جنت گھنٹہ گھر کے
(بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ)

صبح کی ہوائیں فرفر کر رہے تھے - گورنر جنرل نے (۵۲) موجودہ حکام کو بارگاہ خسروی میں پیش کیا - ہز ہائینس مہارانا سر فتح سنگھ بہادر بالقابہ والی اودے پور کو اپنی عالی خاندانی اور ذاتی قابلیتوں کی وجہ سے خاص طور پر والیان ریاست ہند کے کمرۂ انتظار سے علیٰحدہ غیر معمولی اعزاز دیا گیا تھا - حاضرین کی ملاقات کے بعد پلیٹ فارم کی سیڑھیوں سے اُتر کر ملک معظم نے گارڈ آف آنر کا ملاحظہ فرمایا - پھر بہادران غدر کی جماعت میں سے گزرتے ہوئے تین ذیل کے ممتاز اصحاب کو شرف ہم کلامی بخشا :-

(۱) میجر ایلم بنگال ہارس ارٹلری - (۲) صوبہ دار میجر آنریری کپتان میران بخش سردار بہادر چھپنویں پنجاب انفنٹری (۳) رسالدار میجر آنریری کپتان جگت سنگھ سردار بہادر - بعدازاں ذی میجسٹیز خندق کے پُل پر سے خراماں خراماں گزر کر قلعہ میں داخل ہوئے تو کنگز اون رجمنٹ کھڑی تھی اور پُل کے قریب سڑک کی داہنی طرف سنگ سرخ کے چبوترے پر والیان ریاست کی ملاقات کا خیمہ کھڑا تھا جو افسوس ہے کہ باوجود ہر قسم کی احتیاط کے بھی ورود شاہی سے (۴۸) گھنٹے پہلے جل گیا تھا لیکن حکام نے بہ عجلت تمام مہاراجگان کشمیر وجودھ پور و نواب صاحب رام پور کے خیام لے کر جھٹ پٹ ٹھیک ٹھاک کر دیا - چار خیموں کو جوڑ کر ایک بڑا ہال ۱۶۰ فیٹ × ۱۰۰ فیٹ بنا دیا جو بیس نقرئی استادوں پر کھڑا تھا - اس کے ارد گرد فوج کھڑی تھی - منصہ پر دو سنہری تخت ذی میجسٹیز کے لیئے بچھے تھے جن کے پیچھے ماہی مراتب مورچھل - چنور سورج مکھی معزز رئیس افسران و نان کمیشنڈ افسران اُٹھائے ہوئے تھے - بادشاہ سلامت کی رونق افروزی پر بینڈ نے خوشی کا ترانہ بجایا اور سب حاضرین تعظیماً سروقد استادہ ہو گئے مگر سب کو شوق دیدار کا ایسا پر جوش ولولہ تھا کہ لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھ نہ سکے اس لیئے حضور ملک معظم بھی اخلاقاً کھڑے ہی رہے - سر ہنری میکموہن نے حضور عالی نظام سے لے کر یکے بعد دیگرے علیٰ قدر مراتب سب کو بارگاہ خسروی میں پیش کیا - ہر رئیس اول آداب بجا لاتا تھا اور چند کلمات دعائیہ عرض کرنے کے بعد دوسرا

ذات ہے مجمع اوصافِ حمیدہ جس کی — خلقِ حسنہ کا ہیں جس کے زمانے میں مثل
رات دن جس کی قلمرو کے ہیں صدقے خورشید — پھر بھی وسعت کا معمّا ہوا اُس کے حل
منبعِ جود و سخا مرجعِ اہلِ حاجات — قبلۂ بذل و عطا کعبۂ امید و امل
دیدِ سلطاں ہمیں قسمت سے ہوئی آج نصیب — ہند کے دل کا کھلا فرطِ مسرت سے کنول
تختِ دہلی کہ تھا مدت سے یہاں چشم براہ — زینت جس کے جلوسِ شہ سے ہوئے ہیں اکمل
تھا پتھورا جہاں زینت دہِ بزمِ شاہی — جس کے سائے میں کئے چند لئے وہ نکتے حل
تغلق اور خلجی کا ہے یادِ جاہ و جلال — داورِ گردِ گئے صدیوں یہاں شاہانِ مغل
تخت وہ جس کو کہ دی شاہِ جہاں نے رونق — جو مذاق کا ہے اک جس کی نشاں تاج محل
ایک مدت سے وہی تخت پڑا تھا خالی — جو ہی تخت سے حالت گئی اب اُس کی بدل
آج دن اس کے پھرے پھر وہ ہوا ہے آباد — اُس پہ نازل ہوا اب پھر کرمِ عزّ و جل
تاج پوشی ہو مبارک تجھے شاہِ قیصر — شہرِ ہند ترا سرسبز رہے لائے پھل
دیکھ کے تجھ کو ملی ہم کو جہاں کی دولت — بن گئے ہم ترے دیدار سے اربابِ دول
جو وہ آج ہمیں بخشا ہے تو نے اے شاہ — نقدِ جاں اُس پہ ہو قربان تو ہے زیبا محل
کیفیِ بس شعر کی دعا پر تو کر اب ختم کلام — کیوں کہ اس سے سخن سمجھی ہے لغو اور مہمل
یا خدا رب غلامِ دہر میں جب تک ہے ہوا — جتنے ہیں بحر کی تہہ میں سے جب تک بادل
اس کے مس سے بنے جرح یہ جب تک بجلی — خیرہ نظروں کو کرے بجلی کی جب تک چہل
ہند پہ سایہ کئے ہے یہ ہمالہ جب تک — جب تلک برف کا سر پر ہے اُس کے آنچل
آریہ ورت میں گنگا رہے جب تک کہ رواں — اور ممتاز رہے پانیوں میں گنگا جل
جب تلک عدل و عطا شانِ جہانبانی ہیں — جب تلک خسرو عادل رہے مسعود ازل
رو وفا اور اطاعت سے رعیت کا فروغ — جب تلک اس اماں سے ہے ترقی دول
قیصر و قیصرہ با کام رہیں دنیا میں — قاف سے قاف تک ان کا رہے دنیا میں عمل
حامی پنجم رہیں تا حشر سلامت یارب — خدم و شاد رہیں راج رہے ان کا اٹل

(پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی دہلوی)

پلیٹ فارم پر گورنر جنرل اور تمام حکام کھڑے ملے تھے اور فوج کی بہت سی پلٹنیں۔ بینڈ باجے اور ہیرلڈ وغیرہ صف بستہ کھڑے تھے۔ ان کے پیچھے آٹھ سو سے زیادہ بہادرانِ غدر پھر پیادہ فوج اور سوار تھے جن کے حصّہ

ذات ہے مجمع اوصافِ حمیدہ جس کی
رات دن جس کی قلمرو کے ہیں صدقے خورشید
منبعِ جود و سخا مرجعِ اہلِ حاجات
دیدِ سلطاں ہمیں قسمت سے ہوئی آج نصیب
تختِ دہلی کہ تھا مدت سے یہاں چشم براہ
تھا یہ چھوڑا جہاں زینت دہ بزم شاہی
تغلق اور خلجی کا ہے یاد جسے جاہ و جلال
تخت وہ جس کو کہ دی شاہجہاں نے رونق
ایک مدت سے وہی تخت پڑا تھا خالی
آج دن اس کے نصیبے پھر وہ ہوا ہے آباد
تاج پوشی ہو مبارک تجھے شاہِ قیصر
دیکھ کے تجھ کو ملی ہم کو جہاں کی دولت
فخر وہ آج ہمیں بخشا ہے تو نے ای شاہ
کیفی بس ختم کی دعا پر تو کر اب ختم کلام
یا خدا ربِ علا دہر میں جب تک ہے ہوا
ارکے مس سے ہے چرخ یہ جب تک تجلی
ہند پہ سایہ کیئے ہے یہ ہمالہ جب تک
آریہ ورت میں گنگا رہے جب تک کہ رواں
جب تلک عدل و عطا شانِ جہانبانی ہیں
ورد ما اور اطاعت سے رعیت کا عروج
قیصر و قیصرہ باکام رہیں دنیا میں
تاجِ ہند ہم رہیں تا حشر سلامت یارب

خلق حسنہ کا ہیں جس کے زمانے میں مثل
پھر بھی وسعت کا معما ہوا اس کے حل
قبلۂ بذل و عطا کعبۂ امید و امل
ہند کے دل کا کھلا فرطِ مسرت سے کنول
زیب دہ جس کے جلو حشمت سے ہوئے ہیں اکمل
جس کے سائے میں کیئے چند کئے وہ نکتے حل
داوری کر گئے صدیوں یہاں شاہانِ مغل
جو تن اقی کا ہے اک جس کی نشاں تاج محل
حولیِ حت سے حالت گئی اس کی بدل
اس پہ نازل ہوا اب پھر کرم عز و جل
شجرِ ہند ترا سر رہے لائے پھل
بن گئے ہم ترے دیدار سے اربابِ دول
نقدِ جاں اس پہ ہو قربان تو ہے ریا بمحل
کیوں کہ سے اس کے سخن سمی ہے لغو اور مہمل
چھٹتے ہیں سحر کی تیغ سے جب تک بادل
خیرہ نظروں کو کرے بجلی کی جب تک چھلبل
جب تلک برف کا سر پر ہے اس کے آنچل
اور ممتاز رہے یا بیوں میں گنگا جل
جب تلک خسرو عادل رہے مسعود ازل
جب تلک اس اماں سے ہے ترقی دول
قاف سے قاف تک ان کا رہے دنیا پہ عمل
خرم و شاد رہیں راج رہے ان کا اٹل

([illegible] دہلوی)

پلیٹ فارم پر گورنر جنرل اور تمام حکام کھڑے ہوئے تھے اور فوج کی بہت سی پلٹنیں - بینڈ باجے اور ہیرلڈ وغیرہ صف بستہ کھڑے تھے - ان کے پیچھے آٹھ سو سے زیادہ بہادرانِ غدر پیادہ و فوج اور سوار تھے جن کے جمعدار

بازار فتح پوری - کوئنیز روڈ - ڈفرن برج - موری دروازہ - بولیور روڈ راجپورہ روڈ - چوبرجہ روڈ - برج پر کے شامیانے سے ہوتا ہوا شاہی کیمپ میں داخل ہونا قرار پایا تھا - جلوس کا تمام رستہ ۵ ½ میل تھا - جس رستے سے جلوس گزرنے والا تھا اس سرے سے اُس سرے تک سڑک کے دورویہ فوج ڈٹی ہوئی تھی جس کی تعداد پچاس ہزار تھی شاہی جلوس کے بخیر و عافیت گذر جانے کی ایک بڑی بھاری ذمہ داری پولیس کے ذمے تھی اس لیئے بے شمار خفیہ پولیس کے آدمی ہر جگہ موجود تھے - اگرچہ جلوس کا رستہ ۵ ½ میل لمبا تھا مگر چپہ بھر جگہ بھی آرائش اور زیبائش سے خالی نہ تھی تمام رستہ جھنڈیوں - پھول پتیوں - ہاروں - شالوں - قالینوں - زرّین کپڑوں سے دلہن بنا ہوا تھا - ورود مسعود - وقت مقررہ پر جس کا ہر شخص کو بے صبری سے انتظار تھا یعنی ٹھیک دس بجے شاہی سپیشل ٹرین کی گڑگڑاہٹ جمنا کے پل پر سنائی دی - لوگ سب سنبھل بیٹھے کہ چشم زدن میں ایک بہت لمبی سفید سلونوں کی ٹرین لہراتی ہوئی سلیم گڑھ سٹیشن کے پلیٹ فارم پر آن کر تھم گئی - گارڈ آف آنر نے سلامی اُتاری اور شاہی توپ خانے نے (۱۰۱) توپوں کی گھن گرج سلامی داغی - اسی کے ساتھ تمامی فوج نے بندوقوں کی باڑ سر کی جس سے تقریباً دس میل کا میدان گونج اُٹھا - گاڑی پر لارڈ اور لیڈی ہارڈنگ نے ویر میجسٹیز کا خیر مقدم کیا - اور زیبل ڈایامنڈ ہارڈنگ دختر نیک اختر وائسرائے بہادر نے آگے بڑھ کر حضور ملکہ معظمہ کی خدمت اقدس میں ایک بڑا نفیس گلدستہ پیش کیا - ملک معظم کا سرزمین دہلی پر قدم دھرنا تھا کہ قلعۂ دہلی کے دروازے پر پہلے پہل شاہی جھنڈا لہرانے لگا ؎

آج ہی ہند میں کیا عیش و مسرت کا عمل
مقدم شاہ سے نقشہ گیا عالم کا بدل

ہند میں آج شہنشاہ کے آئے ہیں قدم
شاہ خاور سے منور ہوا یا برج حمل

لائی ہیں قیصرہ بھی ہمرہ قیصر تشریف
نیکیاں اور محاسن ہیں یہاں ضرب مثل

زبدۂ تاج وراں زیب دِہ تخت و نگیں
دفتر ماضیہ و حال کا فرد اکمل

ساتویں دسمبر کا دن ہندوستان کے لیئے ایسا سا رک دن تھا کہ جو زوال سلطنت مغلیہ کے بعد آج نصیب ہوا۔ ہندوستانی رعایا فطرتاً بادشاہ پرست ہے لیکن کچھ عجب اتفاق تھا کہ بادشاہ کے دیدار کو آنکھیں ترس گئی تھیں۔ آج کے دن دس لاکھ اشخاص اپنے شاہ وہی جاہ کے لیئے چشم براہ تھے

؎ گر قدم بر چشم ما خواہی نہاد دیدہ در رہ می نہم تا می روی۔ دلی کی کڑاکے کی سردی میں دور ودراز کی مسافت طے کر کے مصارف کثیر اُٹھا کر جو آرزو خلقت کو گھسیٹ لائی تھی وہ اپنے باد شاہ کے جمال کا شوق دید تھا اور بس۔ جس رستے سے شاہی جلوس گزرنے والا تھا کئی دن پہلے سے وہاں نشستوں کا کافی انتظام کیا گیا تھا۔ کرسیوں اور بنچوں کی نشستیں تھیں جن کا حسب حیثیت ٹکٹ مقرر تھا۔ جلوس دیکھنے کے متوالے رات سے ہی سکڑے سکڑائے اپنی اپنی جگہ سنبھال کر پڑ رہے تھے اور پچھلی رات سے تو تماشائیوں کا تانتا لگ گیا تھا۔ آٹھ بجے صبح کا آخری وقت تھا اس سے بہت پہلے ہی سے ساری سیٹیں پُر ہوگئیں تل دھرنے کی جگہ باقی نہ رہی یہ تو سڑکوں کا حال تھا۔ رہے سر راہ مکانات اور کوٹھے وہ بھی سارے کے سارے لوگوں سے کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے۔ اگرچہ دہلی کا صدر ریلوے سٹیشن بہت وسیع تھا مگر غالباً اس خیال سے کہ وہاں ٹریفک کا ہجوم تھا اور جلوس بھی قلعہ سے برآمد ہونے والا تھا سلیم گڑھ کا ایک نیا سٹیشن بنایا گیا جس کے آگے ایک وسیع اور کشادہ پلیٹ فارم تھا۔ نو بجتے بجتے تمام حکام شاہی استقبال کے لیئے حاضر ہوگئے تھے۔ قلعہ میں والیان ریاست کی باریابی کے لیئے ۹۰×۶۰ گز شامیانے کے مقابل ایک خاص شاہی شامیانہ گلابی رنگ کا سنگ سرخ کے چھ سو فیٹ لمبے چبوترے پر لگایا گیا تھا۔ جس میں مکلف فرش کے علاوہ دو طلائی کرسیاں جگمگا رہی تھیں۔ شامیانے میں جملہ والیان نو بجے تک داخل ہو چکے تھے۔ جلوس قلعہ کے دلی دروازے سے جامع مسجد کے گرد پھرتا ہوا۔ اسپلینڈ روڈ۔ چاندنی چوک۔ گھنٹہ گھر

۸ ردسمبر - جمعہ - ۱۰½ سے ۱½ بجے تک والیان ریاست کی باریابی - ۴½ بجے
شام - افتتاح ایڈورڈ میموریل - ڈنر پارٹی میں شرکت - (۸) بجے شب
۹ ردسمبر - شنبہ - والیان ریاست کی باریابی ۱۱½ سے ۱½ بجے تک -
۳½ بجے پولو ٹورنمنٹ اور فٹ بال کے فینل کھیلوں میں شرکت
۱۰ ردسمبر - یکشنبہ - فوجی کیمپ میں شرکت - نماز ۱۰½ بجے - صبح -
۱۱ ردسمبر - دوشنبہ - (۱۱) بجے صبح - پولو گراؤنڈ پر جھنڈوں کی تقسیم -
۳½ بجے پولو کی بازیوں میں شرکت - ۱۲ ردسمبر - سہ شنبہ - بارہ بجے دن
کے دربار شاہی - اندرونی دربار ہال میں والیان ریاست و حکام کی اظہار اطاعت
و وفاداری کی قبولیت - شاہی تقریر شاہی پویلین میں - ہیرلڈوں کا اعلان
شاہی سنانا - لارڈ ہارڈنگ کا مراحمات شاہی کا اعلان -- دربار ہال میں دوبارہ
مختصر تقریر - دربار برخاست - شاہی کیمپ میں بینکوٹ (دعوت) اور ملاقات
شب کے آٹھ بجے - ۱۳ ردسمبر - چہارشنبہ - والینٹر افسران اور مالک
معظم کے کیمپ کے ہندوستانی افسروں کی باریابی پونے گیارہ بجے صبح -
قلعہ میں گارڈن پارٹی ساڑھے تین بجے سہ پہر - شاہی میلہ جلوس علما
و مشائخین - جلوس اہل ہنود - دنگل کشتی - ہاتھیوں اور مینڈھوں
کی لڑائی اور انواع و اقسام کے کھیل تماشے - درشن - ممتاز محل میں
تاریخی نمایش - چراغان اور آتش بازی - شب کے آٹھ بجے دعوت -
۱۴ ردسمبر - پنجشنبہ - پچاس ہزار فوج کا ریویو - ساڑھے دس بجے صبح -
ہاکی ۳½ بجے - شاہی کیمپ میں دربار تقسیم اعزازات و تمغہ جات ساڑھے
نو بجے شب کے - ۱۵ ردسمبر - جمعہ - ملٹری پولیس کا ریویو ۱۰½ بجے
صبح - فوجی ٹورنامنٹ اور گھوڑ دوڑ - تین بجے - نئی دارالسلطنت کا
سنگ بنیاد - پانچ بجے شام کے - باکسنگ ٹورنامنٹ - نو بجے شب کے
۱۶ ردسمبر - شنبہ - سلیم گڑھ شاہی سٹیشن سے ایک بجے دن کے
رخصت فرمائی -

کلاہ گوشہ دہلی بہ آفتاب رسید ؛ کہ سایہ برسرش انداخت چون تو سلطانے	خیر مقدم

عرض میں (۱۱) تھا۔ اس سرے سے اُس سرے تک بطور کمپونڈ وال کے اخروٹ کی لکڑی کی سات فیٹ اونچی اور تین فیٹ چکلی باڑ کھینچی ہوئی تھی اس کے سارے دلے مختلف قسم کے نقش و نگار پھول پتیوں بیلوں سے منقش تھے گویا۔ ع قصر در گلزار و اندر قصر گلزار دگر۔ کا مصداق تھا۔ صدر دروازہ نہایت عالی شان اسی اخروٹ کی لکڑی کا تھا جس کے بیار (۲۵) فٹ اونچے تھے اور مسقف حصہ تانبے کا تھا۔ اس میں ایسی آرائش جس کے کٹہرے اور کنگورے بنائے تھے کہ جو کشمیر کی صناعی کا بہترین نمونہ تھے۔ صرف یہ دروازہ کشمیر کے چیدہ کاریگروں سے ایک مہینے میں بنایا تھا۔ رات کو بجلی کی تیز روشنی میں یہ نقش و نگار دمک اٹھتے تھے یہ دروازہ ایسا نادر اور اسی قابل تھا کہ حضور ملک معظم کو نذر دیا جائے چنانچہ یہ تحفہ ع قدر گوہر شہ بداند یا بداند جوہری۔ اپنے مرکز اصلی پر پہنچ گیا۔ درباری شامیانہ کشمیر کی مشہور صناعی اور دستکاری کا بہترین نمونہ تھا جس کی چوبیں ٹھوس چاندی کی تھیں۔ شامیانے میں کشمیر کی ساخت کی نہایت مکلف اور نفیس کرسیاں تھیں۔ کشمیر کے قالین ساری دنیا میں اپنا جواب نہیں رکھتے اور پھر جب کہ وہ خاص اہتمام سے طیار کرائے جائیں تو اُس کا کیا کہنا۔ پس اس کا فرش ہم پایۂ عرش تھا۔ اس کیمپ کا نقشہ بھی نظر اور دماغ و دلوں کو باعث سرور موفور تھا۔ شاہی پروگرام۔ ۷ دسمبر پنجشنبہ۔ داخلہ شاہی ریلوے سٹیشن سلیم گڈھ واقع قلعہ معلی بذریعہ رائل سپیشل ٹرین۔ گورنر جنرل کا مع دیگر حکام عالی مقام استقبال والیان ریاست کی شاہی شامیانے میں باریابی۔ جلوس شاہی کا قلعہ سے برآمد ہوکر جامع مسجد کے گرد پھر کر بازار چاندنی چوک۔ مسجد فتح پوری کے شوارع عام سے گزر کر برج (پہاڑی) پر دائر ہونا۔ امپیریل لیجسلیٹو کونسل کی جانب سے شامیانے میں خیر مقدم کا ایڈریس پیش ہوا اور ملک معظم کا جواب ارشاد فرمانا۔ شاہی کیمپ میں داخلہ۔ وقفہ۔ تین بجے سے پانچ تک بارگاہ شاہنشاہی میں والیان ریاست کی باریابی۔

پریس - چیف کمشنر صوبجات متوسط - والنٹیرز - پنجاب کمیشن سول آفیسرز - ایجنٹ گورنر جنرل ممالک متوسط - رزیڈنٹ بڑودہ - نیپال - پراونشیل - بمبئی چیفس - عدن - بلوچستان - ملیٹری - بہادران غدر سب کے کیمپ علیحدہ علیحدہ تھے اور اسی طرح فرماں روایان ہند کے کیمپ تھے جو اپنی اپنی جگہ نئے حد سجے سجائے اور ہر طرح سے اعلیٰ پیمانے پر آراستہ تھے - ان کا حال لکھنے کے لیئے ایک دفتر درکار ہے لہذا حضور عالی نظام اور مہاراجہ صاحب بہادر کشمیر دو بڑے فرماں روائیوں کے کیمپ کا کچھ مجمل حال لکھنے پر اکتفا کیا جاتا ہے - ناظرین اس سے دوسرے رؤسا کے کیمپوں کی سجاوٹ تکلفات - تزک و احتشام کا اندازہ کر لیں -

(۱) نظام کیمپ - سب کیمپوں میں یہ کیمپ ہر اعتبار سے چوٹی کا تھا - گو حضور پرنور اس کیمپ میں بہ نفس نفیس رونق افروز نہ تھے کیونکہ سول سٹیشن میں کچھ کوٹھیاں اعلیٰ حضرت کے لیئے آراستہ کی گئی تھیں پھر بھی اس کیمپ کی مہینوں پہلے سے طیاری کی گئی تھی اور کچھ شک نہیں کہ روپیہ پیچھا دیا گیا تھا - کیمپ میں ایک ایسا نفیس پھول باغ لگایا گیا تھا جو برسوں کا لگا ہوا مستقل باغیچہ معلوم دیتا تھا - جتنے خیام مصاحبین و امراء عظام و عہدہ داران عالی مقام کے تھے سب اپنی اپنی جگہ اعلیٰ پیمانے پر فرش کیئے گئے تھے - درباری و سبز شامیانے میں دو سنہری تخت بچھے ہوئے تھے اور اس میں نہایت بیش قیمت سنہری اور رپہلی ساز و سامان تھا - فرش اس میں کشمیری قالینوں کا تھا جس پر شیر اور چیتوں کی کھالیں جا بجا بچھی ہوئی تھیں - اس میں حضور ملک معظم و ملکہ معظمہ کی اعلیٰ درجے کی بڑی بڑی تصاویر آویزاں تھیں - شامیانے کا استر اعلیٰ درجے کے ریشمی ارغوانی رنگ کی اطلس کا تھا -

(۲) کشمیر کیمپ - جس کیمپ کو دیکھئے وہ اپنی طرز میں لاجواب تھا - ناممکن ہے کہ ایک کو دوسرے پر ترجیح دی جاسکے ہاں طرز آرائش - سجاوٹ کا سلیقہ - اپنا اپنا جدا تھا - ع ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است - یہ کیمپ

قباتوں پر نہایت نفیس گلکاری کا کام تھا۔ اس کی چھت پنجاب کے مختلف
قسم کے ہتیاروں زرہ بکتر وغیرہ سے سجائی گئی تھی۔ افسوس ہے کہ ۳۰ دسمبر کو
بجلی کا تار پھٹ جانے سے اس خیمے میں دفعتہً ایسی آگ لگی کہ جل کر بھسم ہوگیا
سر لوئی ڈین اور لیڈی صاحبہ کے رہائشی کمروں کو بھی کچھ صدمہ پہنچا اور
اس طرح ڈیڑھ لاکھ روپیہ کا نقصان اس آتش زدگی سے ہوا۔ بعد
میں فوراً اور دوسرے ڈیرے لگا دیئے گئے ع رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گزشت
اس کیمپ میں ستر مہمان تھے۔ کمانڈران چیف کے کیمپ کے پاس ایک
سڑک چھوڑ کر بمبئی گورنمنٹ کا کیمپ ستر ایکڑ زمین میں نہایت سادگی سے
بنایا گیا تھا جس میں ایک سبزہ زار کا بازار تھا جو ہرے بھرے پودوں اور
رنگا رنگ کے خیموں سے بڑا بھلا معلوم دیتا تھا۔ اس میں ایک نہایت
خوبصورت حمام گاہ گورنر صاحب نے اپنے اور اپنے دفاتر کے لیئے
بنوائی تھی جو واقعی قابل دید تھی اس میں سو کے قریب مہمان تھے نجف گڑھ
کی نہر کے پرے سڑک کے موڑ پر مدراس گورنمنٹ کا کیمپ تھا اس میں
بھی بڑا بھاری سبزہ زار تھا۔ اگرچہ اس کیمپ میں کسی خاص قسم کی سجاوٹ
نہ تھی مگر اپنی وسعت اور شان وشوکت میں کسی طرح کم نہ تھا۔ برما گورنمنٹ
کیمپ اپنی طرز میں نرالا تھا۔ سڑک سے ہٹا ہوا۔ سامنے ایک لمبی اور سفید
دیوار ادھر ادھر کھنچی ہوئی تھی جس پر برما کے ملک کے عجیب وغریب نقش ونگار
بنے ہوئے تھے۔ دروازے پر ایک شیشہ کا بنا ہوا مور تھا جس کی دُم کا جھومر
بجلی کی روشنی میں جھک جھک کرتا تھا۔ اصل دروازے پر بہت سی شکلیں
چنتھہ جانور کی تھیں جو برمیوں کا ایک متبرک جانور ہے اور شیوڈاگن پگوڈا
کا محافظ ہے۔ اس کی آنکھیں سبز وسرخ تھیں جن میں روشنی لگانے سے
قندیل کا کام دیتی تھیں۔ ایسٹرن بنگال کیمپ کے مقابل سڑک سے
ملا ہوا ایک فوارہ مہاراجہ صاحب گوالیار نے نصب کرایا تھا۔ یو پی۔
بنگال۔ انڈین فارن ڈپارٹمنٹ اینڈ دربار ایڈمنسٹریشن۔ شمالی مغربی
سرحدی۔ ایجنٹان گورنر جنرل۔ رزیڈنٹ کشمیر۔ امپیریل کیڈٹ کور۔

خیام سے جوڑ کی ہلکی اور گہری گلابی تھی ۔ ان میں ہاتھی دانت کے ایسے دروازے تھے کہ جن کی شفافی پر نظر پھسلتی تھی ۔ ملکۂ معظمہ کے خیموں اور سرکٹ ہوس کے درمیان گلاب کے پھولوں کا ایک نہایت نفیس تختہ لگایا گیا تھا جس سے مشام جاں معطر ہو جاتا تھا ۔ شاہی خیام میں بڑی بڑی شیشہ دار کھڑکیاں رکھی گئی تھیں تاکہ کمروں میں اچھی طرح اُجالا رہے ۔ برقی روشنی اس کثرت سے لگائی تھی کہ دن عید رات شب برات تھی ۔ سردی کی ٹھر مارنے کو کوئلوں کے آتش دان اور انگیٹھیوں کی بجائے بجلی کی کرنٹ سے گرمی پونہچائی جاتی تھی کہ دھویں کا نام نہ ہو ۔ لارڈ ہارڈنگ گورنر جنرل کے خیام ملک معظم کی بائیں طرف تھے ۔ شاہی مصاحبوں اور ہمراہیوں کی تعداد (۴۷) تھی اور اُن کے خیام شاہی خیام کے عقب میں تھے ۔ وائسریگل سٹاف اور خود وائسرائے شاہی مہمان تھے جن کی تعداد (۶۸) تھی ۔ اس طرح سب ملا کر (۱۱۵) شاہی مہمان ہوے ۔ شاہی کیمپ کے سامنے ہر دو جانب لوکل گورمنٹوں کے کیمپوں کی قطار تھی جو پولو گراؤنڈ تک پھیلی ہوئی تھی اور پھر ایک مدور حلقے میں والیان ریاست کے خیموں کا سلسلہ ٹھنڈی سڑک کے پرے تک چلا گیا تھا ۔ سرکٹ ہوس سے نکلتے ہی وائیں طرف ایک بڑے احاطے میں کمانڈر ان چیف کا کیمپ تھا جس میں ایک بڑا لمبا خیموں کا بازار چلا گیا تھا جس کے اندرونی سرے پر ملاقات کے خیام تھے اور درمیانی باغیچے میں برنجی توپیں اور سعد دیام کے درخت لگے ہوے تھے ۔ اس کیمپ میں کوئی سو معزز مہمان فروکش تھے ۔ اس کے عین مقابل گورمنٹ پنجاب کا نہایت خوب صورت کیمپ جس کے سرے پر ایک خوب صورت ہلکا دروازہ سردار بہادر بھائی رام سنگھ پرنسپل میو آرٹ آف سکول لاہور کی اختراع کا تھا جس کے آگے کوئی پانسو گز تک انواع و اقسام کے رنگ برنگ کے خوشنما پھولوں اور بیلوں کی باڑ چلی گئی تھی اور ذرا آگے بڑھ کر ایک وسیع خیمہ ملاقات کا تھا جس میں ہزار آدمی بیٹھ سکتے تھے ۔ اس میں سرخ حاشیے کے نفیس قالینوں کا فرش تھا اور دیواریں

سجا دیا گیا تھا۔ وائسرائے نے اپنے چھ خیمے سرکٹ ہاؤس کے سامنے
دو قطاروں میں لگوا دیئے تھے اور ایک بڑا درباری شامیانہ ۱۲۰ فٹ × ۹ فٹ
طول و عرض میں اور اٹھارہ فیٹ اونچا بھی سرکٹ ہاؤس کے مقابل
تانا گیا تھا۔ جس کے اسی ستون گنگا جمنی تھے اور گرد سنہری جھالر جھلا
رہی تھی۔ روکار پر متعدد خوشنما قنادیل آویزاں تھیں۔ یہ شامیانہ
تخت گاہ کا کام دیتا تھا۔ اس کا فرش فروش فرنیچر اور سامان
غایت درجہ بیش قیمت نفیس اور پر تکلف تھا۔ شامیانے کی پچھیت پر
ایک خیمہ جو چوڑائی میں شامیانے کے برابر مگر طول میں (۵۰ فٹ) اور رفعت
میں ۴۲ فٹ نصب تھا یہ خیمہ بھی سر سے پاؤں تک بڑے اہتمام اور سلیقے سے
آراستہ کیا گیا تھا جس کے آگے بارہ کشادہ سیڑھیاں تھیں۔ ان سیڑھیوں
کے سامنے والی سڑک پر (۲۵ فٹ) قطر کے دائرے میں سبزہ زار کا ایک تختہ
تھا جس کے وسط میں شاہی جھنڈا ایک مستول پر لہرا رہا تھا اور اسی
سبزہ زار میں شاہی گارڈ کی نشست تھی۔ شاہی شامیانے میں تخت
کے سامنے (۲۴ فٹ) چوڑی مسلسل سیڑھیاں تھیں جن کے سامنے (۱۸۲ فٹ)
چوڑا راستہ تھا۔ اس کے عقب میں خاصہ تناول کرنے کا خیمہ ۱۹۸ فٹ × ۴ فٹ
کا تھا۔ سبزہ زار میں نہایت خوب صورت تین سڑکیں نکالی گئی تھیں جن پر
نہایت نفیس اور خوشنما خیمے بھی لگائے گئے تھے۔ شاہی شامیانے
کے علاوہ حضور ملک معظم کے قیام۔ نشست۔ دفتر۔ خواب گاہ اور
دیگر ضروریات کے خیام نصب تھے جن میں مکین کے مرتبہ جلیلہ کے موافق
آراستگی تھی۔ شاہی خیام ہلکے اور گہرے نیلگوں رنگ کے ریشمی پارچے
کے تھے جن میں بیکانیر کے زرد خاکستری رنگ کے قالینوں کا فرش تھا۔
جھالر بھی ہلکے اور گہرے نیلے رنگ کی تھی اور کھانے کے خیمے میں آگرے
کی ساخت کے قالینوں کا فرش تھا۔ مقابل کی روش کے تین خیمے
ملکہ معظمہ کے لیئے مخصوص تھے جو سر سے پاتک آراستہ تھے ان میں ہلکے
اور گہرے گلابی رنگ کا ریشمی پارچہ تھا۔ قالین بھی لاجواب تھے۔ جھالر

موٹریں جمع تھیں اس لیئے جس طرح لارڈ کرزن کا دربار ہاتھیوں کا دربار کہلاتا ہے اسی طرح یہ دربار موٹروں کا دربار مشہور ہوگیا۔ چوں کہ اس جشن شاہانہ کو بارونق و دلچسپ بنانے کے لیئے انواع و اقسام کے کھیل تماشوں کا ہونا ازبس ضرور تھا اس لیئے برٹش گورنروں کے کیمپوں کے درمیان اتنا بڑا پولو گراؤنڈ بنایا گیا جس میں دس ہزار آدمیوں کی نشست کا انتظام تھا۔ جسے محاط کرکے میدان میں گھانس کا تختۂ زمردیں بچھا دیا گیا تھا۔ جس میں فلیگ اسٹاف ٹاور کے مقابل حضور ملک معظم اور ملکۂ معظمہ کی نشست کے لیئے ایک پختہ دیواروں اور سرخ چھت کا خیمہ نما بنگلہ بنایا گیا تھا جس کے اردگرد نقشہات کے کمرے تھے۔ پولو گراؤنڈ کی مشرقی اور مغربی جانب بینڈ۔ فٹ بال اور ہاکی کے میدان تھے۔ فوجی ریویو کے لیئے ایک وسیع میدان کی ضرورت تھی جو دو میل لمبا اور ایک میل چوڑا تھا اس میں بھی بارہ ہزار نشستوں کا انتظام تھا اور شاہی پیویلین بھی بنایا گیا تھا۔ سڑکوں پر دورویہ جا بجا اونچی اونچی کمانیں اور طرح بطرح کی جھنڈیاں لگائی گئی تھیں جس سے بڑی خوش نمائی ہوگئی تھی اور سارا کیمپ دلہن بن گیا تھا۔ ۱۹۰۳ء کے دربار میں وائسرائے کے کیمپ کے ساتھ گورنروں اور دیگر حکام کے کیمپ تھے مگر والیان ریاست کی فرودگاہیں دور جا پڑی تھیں۔ لارڈ کرزن نے اپنی مصروفیت کی وجہ سے بازدید کو حذف کردیا تھا مگر اس دفعہ وائسرائے کو حضور ملک معظم کی جانب سے باز دید کرنی تھی اس لیئے حضور پرنور کا ایما تھا کہ والیان ریاست کے کیمپ بھی شاہی کیمپ کے قریب لگائے جائیں۔ سرکٹ ہوس کے آس پاس ہی کافی جگہ نکال کر شاہی کیمپ نصب کیا گیا تھا اور (۷۲) ایکڑ زمین مخصوص کی گئی جس میں دو ہزار خیام برپا کیئے گئے اور (۲۰۴۰) مہمانوں کے فروکش ہونے کا انتظام کیا گیا۔ اگرچہ ویریجینیز خیموں ہی میں رونق افروز رہے مگر بمزید احتیاط کہ شاید شدت سرما کچھ آرام و آسایش میں مخل نہ ہو سرکٹ ہوس کو بھی نہایت عمدگی سے

بڑھائے گئے - ایک پلیٹ فارم سے دوسرے پلیٹ فارم تک ریل کے
اندر ہی اندر مسافروں کا سامان پہنچانے کا اہتمام لگایا گیا تاہم ایک ہی
سٹیشن پر صدہا سپیشل ٹرینوں کا لینا وقت طلب تھا بعد ازاں کنگز وے ٹرمنس
(مختتم) سٹیشن قائم کیا گیا جس کا پلیٹ فارم بہت وسیع بنایا گیا اور تقریباً
پچیس چھوٹے چھوٹے سٹیشن آرمی کیمپ - ملٹری کیمپ - امپیریل سروس
ٹروپس سٹیشن فوج کے اترنے کے لیے بنائے گئے - کنگز وے سٹیشن کے
باہر ایک بڑا عالیشان دروازہ بنایا گیا تھا - صرف چار دن میں (۲۵۶)
معمولی ٹرینوں کے علاوہ (۱۹۴) سپیشل ٹرینیں آئیں - سامان کی تعداد
ایک لاکھ بنڈل وزنی ۷ ½ کروڑ من تھی - دہلی میں (بڑے) سٹیشن سے
کیمپوں اور دربار ہال تک (۴۴) میل بڑی پٹری کی ریل ڈالی گئی جس میں
جا بجا متعدد سٹیشن کیمپ والوں کی سہولت کے لیے قائم کیے گئے - اس
موقع پر (۴۶) لیول کراسنگ (پھاٹک) - (۱۴) پل - (۲۹) سٹیشن خاص
طور پر بنائے گئے تھے - دربار کے دن اُن لوگوں کا جو اس ریل پر سے
گزرے اُن کی ریل پیل کا کچھ شمار نہ تھا - دربار لائٹ (سمک)
ریلوے - پچھلے دربار کی طرح اب بھی موری دروازے کے باہر
تیس ہزاری سٹیشن سے دربار ہال اور دیگر مختلف مقامات تک دس
میل کی چھوٹی پٹری کی ریل ڈالی گئی تھی جس کے اٹھارہ سٹیشن نہایت
خوش نما بنائے گئے تھے ۶ دسمبر کو تیس ہزار سپاہیوں نے اس پر
سیر کی اور عین دربار کے دن تو خلقت ایسی امڈ آئی تھی کہ جس کا کوئی
حد و حساب نہیں - اس ریل کے سامنے میں ۱۰۰ ½ ہزار آدمی نکلے تھے
دیکھتے دیکھتے آہنی دیو پھنکارے مارنے لگا - اگر جیسے جیسے یہ
ریل نہ ہو جاتی تو گاڑی والوں کا دماغ فلک ہفتم پر ہوتا اور جو سمجھتے تھے
کہ دربار کے موقع پر گھوڑا گاڑی کا کرایہ پچاس روپیہ روزانہ سے کم نہ ہوگا
عجب نہیں کہ صحیح ہو جاتا - یہ ریلوں ہی کی بدولت تھا کہ گاڑیوں کے کرایوں
میں کوئی اضافہ نہیں ہوا - چونکہ اس دربار میں دو ہزار اور یہی اوپر

پونہچ جائے اور اطفائے نارمیں ذراسی بھی تاخیر نہ ہونے پائے - ایسے مواقع پر ڈاک - تار اور ٹلیفون کا بڑا بھاری انتظام ہونا چاہیئے - اس لیئے کنگزوے ریلوے سٹیشن کے قریب دربار پوسٹ آفس کی ایک پختہ اور نہایت شاندار عمارت بنائی گئی جس کے سامنے ایک پر فضا باغیچہ بھی لگایا گیا تھا - یہ عمارت ڈھائی سو فیٹ لمبی تھی جس میں اس سرے سے اُس سرے تک جنگلے دار کھڑکیاں ہر ہر ڈپارٹمنٹ کی علیحدہ علیحدہ تھیں اور سب سے اوپر شاہی تاج آویزاں تھا - اس صدر ڈاکخانے کے سوا مختلف کیمپوں میں اور (۴۳) سب آفس تھے اور ہر کیمپ میں ایک ایک لیٹر بکس لگا ہوا تھا - صرف ڈاک کے (۷۰۰) افسر تھے - دربار ہی دربار کے دنوں میں پچاس لاکھ پچھتر ہزار اشیار تقسیم ہوئیں - ڈاکخانے کے کاروبار کے پھیلاوے کا اندازہ اسی سے ہوسکتا ہی کہ دربار ہی دربار کے دنوں میں ایک کروڑ کی مالیت کے تو صرف ٹکٹ ہی ٹکٹ بکے - امپیریل کیمپ اور پریس کیمپ کے درمیان ٹلیگراف آفس تھا - اس کے بھی کئی سب آفس تھے - اس شعبے کے کام کی اہمیت کا اندازہ اس ایک بات سے کر لیجیئے کہ صرف ایک تاریخ ۱۲ دسمبر کو نو ہزار تار مبارکباد کے آئے - اس محکمے کے (۴۵۰) افسر مامور بکار تھے - اس ٹڈی دل عظیم الشان جم غفیر کے موقع پر لاکھوں آدمیوں اور منوں اسباب کا حمل و نقل ایک محدود زمانے میں کر دینا ایک قسم کے معجزے اور کرامت سے کم نہیں ہی کہ حکام عالی مقام اور کثیر التعداد فوج کے ماسوا سیکڑوں والیان ریاست اور اُن کے حشم خدم اور سواریاں ہزارہا رؤسا و امرار و جاگیردار صاحبان مع ملازمین و مصاحبین - متفرق مہمان - لاکھوں تماشائی ان سب کو ہندوستان کے دور دراز مقامات بلکہ ہر گوشے سے چند دنوں میں لاکر دلّی میں پونہچا دیا اور پھر دربار ختم ہوتے ہی اُس سے بھی کم عرصے میں جس میں کہ لوگ بہ تفاریق جمع ہوے تھے اُن سب کے مقامات پر پونہچا دیا اور کوئی حادثہ واقع نہیں ہوا یہ بات نہایت تعریف کے قابل اور حُسن انتظام کی بے نظیر مثال ہی - دلّی کے بڑے سٹیشن پر متعدد پلیٹ فارم

مجمع کے لیے پانی جیسی ضروری چیز جس پر زندگی کا دار و مدار ہے (وَجَعَلْنَا
مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (اور پانی سے تمام جان دار چیزیں بنائیں) اس
ضروری تھا۔ روزانہ تیس ہزار گیلن پانی کی سربراہی میں صرف ضروریات
انسانی کے لیے صرف ہوتا تھا اور باغ باغیچوں سبزہ زاروں کے لیے اس
کے سوا بے شمار خرچ تھا۔ دربار سے چار مہینے پہلے ہی سے درباری رقبے
کے لیے ایک قانون مختص المقام پولیس ایکٹ نافذ کیا گیا تھا اور متعدد
مجسٹریٹ مقدمات کے فوری انفصال کے لیے مقرر کیے گئے تھے۔ چوں کہ اس
عظیم الشان موقع پر حکام اور پچاس ہزار فوج کے لئے خورد و نوش کا انتظام
ایک بڑا بھاری اور اہم کام تھا لہذا سپلائی اینڈ ٹرانسپورٹ کے محکمے نے
نوے ہزار من غلہ۔ ستر ہزار من ایندھن اور بے شمار گھاس فراہم کی تھی
اور محکمۂ مذکور روزانہ تیس ہزار ڈبل روٹی اور اٹھارہ ہزار پونڈ گوشت
تقسیم کرتا تھا۔ علاوہ ازیں دوسرے مہمانوں کے لیے سامان رسد کی ایک
بڑی بھاری منڈی قایم کی گئی تھی اور ہر چیز کا ٹھیکہ دے دیا گیا تھا کہ کسی
قسم کی دقت نہ ہو اور ہر سامان بہ افراط و آسانی مل سکے چنانچہ ہر ہر کیمپ
میں سامانِ مایحتاج کی متعدد دکانیں لگی ہوئی تھیں۔ کسی چیز کا توڑا نہ تھا
دودھ گوشت۔ بانس کی ٹٹیاں ظروف گلی دور دور کے مقامات سے
سپیشل ٹرینوں میں کھچا کھچ بھرا چلا آتا تھا۔ اتنے بڑے جم غفیر میں حفظان
صحت کا انتظام سب سے مقدم تھا۔ علاوہ اعلیٰ درجے کی صفائی کے
ایک سنٹرل ہسپتال اور تین برانچ کھولی گئی تھیں جو نہایت ماہر
اور تجربہ کار ڈاکٹروں کی زیر نگرانی تھیں۔ کیمپ کے لوگوں کا علاج معالجہ
جس کا انتظام اعلیٰ پیمانے پر تھا بہترین طریقے سے کیا جاتا تھا۔ چوں کہ دربار
میں گھوڑے۔ ہاتھی۔ اونٹ۔ بیل۔ خچر۔ گائیں بھینسیں کثرت سے تھیں
حیوانات کے علاج کے لیے وٹرنری ہاسپٹل بھی موجود تھا۔ چوں کہ کیمپوں
میں چھپرا جیسے ہی جیسے تھے لہذا فائر بریگیڈ کا ایک سنٹرل اسٹیشن قایم
کیا گیا تھا اور ہر ہر کیمپ میں ٹیلیفون کا انتظام تھا کہ بوقت ضرورت معاً خبر

دربار کا ایک خاکہ دکھلانے پر اکتفا کیا جاتا ہی - دہلی کے جس رقبے میں پہلے دو دربار لارڈ لٹن اور لارڈ کرزن کے عہد میں ہو چکے تھے اُسی طرف (۲۵) میل مربع میں دربار کے لیئے کیمپ وغیرہ لگانے کی تجویز قرار پائی - رقبۂ مذکور کو جنگل جھاڑی اونچے نیچے مقامات گڑھوں ٹیلوں ندی نالوں کھڈّے کھودروں دلدلوں سے پاک صاف کر کے تختۂ مسطح بنانے میں بڑی محنت اور جاں فشانی کے علاوہ لاکھوں روپیئے کا صرفہ ہوا اور یہ لق و دق جنگل بیابان نفیس نفیس خانہ باغ - چمنوں - باغیچوں - روشوں اور سڑکوں سے آراستہ ہو کر خیموں کا ایک نہایت صاف شفاف اور براق شہر دیکھتے ہی دیکھتے اس طرح دفعۃً سرزمین دشت وجبل پر پردۂ زمین سے پیدا ہو گیا جیسا کہ کہانیوں میں سُنا کرتے تھے - اس سارے قطعۂ اراضی کو پورے پانسو کیمپوں میں تقسیم کیا گیا جس میں کم و بیش چالیس ہزار خیمے نصب کیئے گئے - (۱۰۴) رؤسا و والیانِ ملک کو مدعو کیا گیا اور (۴۹۶) جاگیردار بھی بلاسے گئے - اس کیمپ کی ساری سڑکوں کا دور (۱۸۰) میل تھا - دلی کی گرد مشہور رہی اور پھر جب سواریوں اور پیدل رہروؤں کا کوئی حساب نہ ہو تو پھر گرد کا کیا ٹھکانا اس لیئے گرد دبانے کو مٹی کے تیل کا بہ افراط چھڑکاؤ کیا گیا چنانچہ پچاس ہزار ٹن تیل اس پر خرچ ہوا - اتنے بڑے مجمع کا انتظام کچھ آسان کام نہ تھا اس لیئے مسٹر ایل ایل فرنچ انسپکٹر جنرل پولیس پنجاب کی ماتحتی میں (۲۰) ڈپٹی انسپکٹر جنرل - (۱۳) سوپرنٹنڈنٹ پولیس - (۱۷) اسسٹنٹ سوپرنٹنڈنٹ (۶۰) یوروپین انسپکٹر - (۱۰) ہندوستانی انسپکٹر - (۷۰) سب انسپکٹر (۶۰) یوروپین سارجنٹ - (۵۸۲) ہیڈ کانسٹبل - (۱۵۰) ٹریفک پولیس - (۵۰) سوار - (۲۸۵۰) کانسٹبل متعین کیئے گئے - کنگزوے اور دربار پوسٹ آفس کے متصل بہت بڑا برقی پورۂ   ن قایم کیا گیا جس کے تاروں کے لیئے دس ہزار ستون گاڑے گئے اور لاکھوں لیمپ سڑکوں اور کیمپوں پر جگمگانے لگے - رات کو دن کر دیا - دور سے ان لیمپوں کی ٹمٹماہٹ سے ایسا گمان ہوتا تھا کہ گویا تاروں بھرا آسمان زمین پر اُتر آیا ہی - اتنے بڑے

آج بیلے[1] میں جما میلے کا رنگ — ایک نظارے کے سب امیدوار
ارکِ سلطانی بنا بزمِ سرور — جس میں خاص الخاص کا ہے دربار
تھے بزرگ اس قیصرِ دیجاہ کے — گلشنِ ہندوستاں کے آبیار
آنجہانی رحم دل وکٹوریا — بعد ازاں اڈورڈ ہفتم صلح کار
خالقِ عالم نے سونپی تھی انہیں — خلقِ عالم کی زمامِ اختیار
اس طرح کی پاسبانی خلق کی — جس طرح کرتی ہے ماں بچوں کو پیار
ہند کا ہر گوشہ سچ مچ بن گیا — اس مبارک دور میں باغ و بہار
جارج پنجم کا بھی یہ دورِ جدید — ہے انہیں ادوار کا آئینہ دار
شاہ کے مقدم پہ اے ہندوستاں — کر وفا و مہر کے گوہر نثار
کر اطاعت میں سرِ تسلیم خم — تو ہے احسانِ شہی کا زیر بار
تیری خاطر عزمِ شاہنشاہ نے — طے کیے ہیں بر و بحر و رود بار
بادشاہا مہربانا قیصرا — آپ کا آنا رہے گا یادگار
ہند کا نغمہ ہے اب باصدقِ دل — قیصرا زندہ باد و کامگار
جشن کی تاریخ بھی سن لیجیے — بیسویں ہے یہ صدی زر نگار
گیارھواں سال اور مہینہ بارھواں — بارھویں تاریخ از روئے شمار

حضور ملک معظم جارج پنجم دام اقبالہم کی رسم تاج پوشی لندن میں نہایت شوکت سے جو ایسے عظیم الشان تقاریب کے شایاں ہے ہو چکی تھی جب ہی حضور ملک معظم نے دہلی میں بہ نفس نفیس تشریف فرما ہو کر دربار تاج پوشی منعقد فرمانے کا عزم بالجزم فرما لیا تھا چنانچہ ۲۲ مارچ سنہ ۱۹۱۱ع کو اس مژدۂ جاں بخش کا اعلان شائع ہو گیا کہ ۱۲ دسمبر روز شنبہ کو حضور ملک معظم مع ملکۂ معظمہ کے سرزمین دہلی کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے رشک ارم بنائیں گے۔ ایسے بڑے بھاری دربار کے لیے جو جو انتظامات مہینوں پہلے سے کیے گئے اُن کی تفصیل اتنی ہی طول طویل ہے جیسی کہ وہ طیاریاں اور انتظامات تھے۔ صرف اسی دربار پر ضخیم ضخیم کتابیں لکھی جا چکی ہیں یہاں نہایت اختصار کے ساتھ اس

[1] دریائے جمنا کے بیچ قلعہ و شہر کے درمیان دریا ہٹ جانے سے جو میدان نکل آیا ہے وہ بیلا کہلاتا ہے۔ ۱۲

آراستہ ہوا اور بنائے گئے تھے - فرش و فرنیچر بکثرت اور بہترین قسم کا تھا فرش قالینوں کا تھا - ہر کمرے میں میز - کرسیاں - کوچ - گدے - ہالی کے پلنگ - ڈریسنگ ٹیبل - انگیٹھی وغیرہ نہایت سلیقے سے لگائے گئے تھے - گاڑیوں کی تفصیل یہ تھی - (۱) افسران ریلوے - (۲) شاہی جماعت مع ڈیوک آف ٹیک - (۳) حضور ملکۂ معظمہ - (۴) حضور ملک معظم - (۵) لارڈ کریو لارڈ سٹیمفورڈھم اور تین مصاحبین - (۶) ڈچس آف ڈیون شایر - آنریبل وینشیا بیرنگ - ارل آف ڈربی - ارل اور کاؤنٹس آف شیفٹسبری اور بیش خدمتین - (۷) ڈیننگ کار (کھانے کی گاڑی) (۸) مطبخ - (۹) ملازمین کے کھانے اور سونے کی - (۱۰) بریک وان - ٹھیک پونے گیارہ بجے شب کے شاہی سپیشل دہلی روانہ ہوئی -

دربار تاج پوشی ۱۹۱۱ء

صبح صادق کا کھلا ایوان بار	مثل ایوان سلاطین کبار
آمد آمد شاہنشاہ ورک کی ہوئی	کوکب ذرّی لگے ہونے نثار
جگمگائے شہر کے دیوار و در	گنبد و بام و منار و کوہسار
دور سے سب کو نظر آنے لگی	بارگاہ قیصر والا تبار
ہو رہی ہیں جشن کی طیاریاں	کارفرما شوق سے مصروف کار
مالکۂ دوران و خاقان زماں	مہر عالم تاب و ماہ نوربار
جلوہ فرمائے سریر سلطنت	با شکوہ و شان و اجلال و وقار
حلقۂ قوسی میں شہ کے روبرو	داوران ذی حشم ذی اقتدار
خیل خیل خان و رایان ملوک	جوق جوق سرفرازان دیار
سب نے اعلان شہنشاہی سنا	گوش رغبت کا بنایا گوشوار
ہو مبارک تجھ کو اے ہندوستاں	جارج پنجم کا یہ عہد زرنگار
للہ الحمد آج دیکھا خلق نے	شاہ کو گاگون دولت پر سوار
چاندنی چوک آج آئین بستہ ہے	سال بھر سے تھا سراپا انتظار
آج درشن کا جھروکہ کھل گیا	خلق نے دیکھی شکوہ تاجدار

سے کیئے گئے تھے نہایت ذوق شوق سے تالیاں بجائیں اور مختلف مدارس کے طلبا نے اپنی اپنی زبان میں قومی گیت گائے - اس کے بعد (۲۲) لڑکیوں نے گجراتی میں ایک گیت گایا اور باجے بھی - پھر باہر کے دروازے میں (۱۲) پارسی لڑکیوں نے اور سب سے اندر کے حصے میں ہندو پارسی لڑکیوں نے مل کر مبارکباد کا ایک مذہبی گیت گایا جو خاص اس موقع کے لیے بنایا گیا تھا - رخصت کے وقت ہر بچے کو ایک ایک پیالہ جس پر دونوں حضور کی تصویر تھی اور ایک ایک تھیلی مٹھائی کی دی گئی - مسٹر وارڈلا ملن نے حضور ملک معظم کی خدمت میں ۱۶۶۱ء کے بمبئی کے سات جزیروں اور موجودہ شہر بمبئی کا کلٹی ماڈل پیش کیا - گیارہ بجے سواری مبارک پھر جہاز پر آگئی - آج دن کو پبلک کی طرف سے کشتیوں سمندر اور ایک اور موقع پر آتش بازی چھوڑی گئی - سمندر میں آتش بازی کا چھوٹنا ایک عجیب نظارہ پیدا کرتا تھا - ۵ دسمبر - آج کے دن کا ابتدائی حصہ سرکاری کاروبار اور دہلی کے سفر کی طیاری میں گزرا - سہ پہر کو غار ہائے ایلیفینٹا کا ملاحظہ ہوا جو آٹھویں صدی کے پہاڑی مندر ہیں - رات کے سوا دس بجے شاہی سواری گاڑیوں میں وکٹوریا ٹرمینس بمبئی کے سب سے بڑے ریلوے سٹیشن کو رخصت فرما ہوئی - روشنی سے سارا شہر بقعۂ نور بن رہا تھا اور موج سڑک کے دو رویہ صف بستہ استادہ تھی - شاہی سپیشل میں دس سیلون ۵۴ - ۹ لمبے (۵۰) ٹن وزن کے تھے اور انجن چھوڑ کر ان گاڑیوں کا طول (۶۹۹ ۵/۶) اور وزن (۴۴۷) ٹن تھا - یہ گاڑیاں کاریڈور قسم کی تھیں جن میں اس سرے سے اُس سرے تک کھلے ہوئے برآمدوں کے ذریعے سے باہمی رستہ تھا - ٹرین سفید رنگ کی تھی جس پر سنہری گلکاری تھی - گاڑیوں کے دروازے نہایت مضبوط آہنی تھے جن میں جالیاں لگی ہوئی تھیں - کھڑکیوں اور چھتوں میں گرمی کے روکنے کا کافی بندوبست کیا گیا تھا روشنی اور پنکھوں کا کافی انتظام تھا - گاڑی کے دونوں جانب باہر وار کورٹ آف آرمز بنے ہوئے تھے - ایک شاہی گاڑی دن کی نشست کے لیئے تھی، دوسری شب کی استراحت کے لیئے - غسلخانے

میں یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ آپ نے اور بھی اس میں سجاوٹ کی ہے اور سب سے
زیادہ جس بات کو میں فخریہ کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ آپ نے اس جواہر کو
امن اور مسرت اور ہر جماعت کی بہبودی کی جلا سے اور بھی چمکدار بنا دیا
ہے۔ آپ نے آج جس فیاضانہ طریقے سے میرا اور ملکہ کا استقبال کیا ہے
میں اس پر تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ ہم دونوں خداوند کریم سے
دعا مانگتے ہیں کہ ہماری سلطنت ہند پر خدا کی برکتیں نازل ہوں اور اس کے
باشندوں کو امن اور فارغ البالی ہمیشہ حاصل رہے"۔ اس کے بعد ایک
شش اسپہ گاڑی پر ہر مجسٹیز سوار ہوئے جس پر سورج مکھی اور چتر شاہی
تھا۔ اور بڑا بھاری جلوس روانہ ہوا۔ جلوس کی گزرگاہ ایک میل سے
کچھ زیادہ تھی۔ سارے رستے دورویہ فوجیں کھڑی ہوئی تھیں اور تمام
مکانات سجائے گئے تھے اور بے شمار لوگ شہنشاہ کے جمال کے دیکھنے کے
لیئے جمع تھے۔ تمام راستے لوگ پرجوش چیرز دیتے رہے۔ جلوس سے فارغ
ہونے کے بعد سرشام پھر سواری مبارک جہاز مدینہ پر آئی اور شاہی دعوت
ہوئی رات کو سارے شہر میں روشنی ہوئی۔ ۳ر دسمبر کو اتوار کا دن تھا۔
۹½ بسواری موٹر گورنمنٹ ہوس میں نزول اجلال فرمایا۔ تمام رستے دورویہ
فوجیں کھڑی تھیں۔ گورنمنٹ ہوس میں آپ نے لنچ تناول فرمایا جس میں
چند معزز ہندوستانی صاحبان بھی شریک تھے۔ وہاں سے جہاز پر واپس
ہو کر آپ نے آرام فرمایا اور شام کے پانچ بجے سینٹ طامس کے گرجا
میں نماز ادا کی جہاں بمبئی کے لارڈ بشپ نے بعد نماز خصوصیت سے فرمایا۔
"خداوند خدا کی بادشاہت اور خوشنودی حاصل کرو۔ انصاف اور حق پژوہی
سے کام لو۔ رحم کو دوست رکھو کیوں کہ خدا کی خوشنودی اور برکت اسی
طرح حاصل ہوسکتی ہے"۔ آج شام کو پھر جہاز پر شاہی دعوت تھی۔ آج
شب کے گیارہ بجے وائسرائے مع بعض ہمراہیان شاہی بغرض انتظام دہلی
روانہ ہوگئے۔ ۴ر دسمبر کو ۱½ صبح کو ہر مجسٹیز نے نمایش کا ملاحظہ فرمایا۔
یہاں مختلف مذاہب کے (۲۶) ہزار طلبا نے جو ایک خاص میدان میں کھڑے

ایڈریس کا جواب

آپ نے بالکل سچ کہا ہی کہ میں آپ لوگوں میں اجنبی نہیں ہوں اور میں خوب دل سے جواب دیتا ہوں کہ میں خود کو بھی آپ کے خوب صورت شہر میں اجنبی خیال نہیں کرتا ہوں چھ سال کا عرصہ ہوا کہ میں آپ کے شہر میں نووارد تھا لیکن اس وقت کی سچی اور ہمدردانہ تقاریب ابھی تک میری یاد میں تازہ ہیں - آپ کے ساحلوں پر جو دل کش نظارہ پہلے پہل نظر آتا ہی وہ تاڑ کے درختوں کی خوب صورتی ہی یہ درخت دور سے ایسے معلوم ہوتے ہیں گویا سمندر کے پیٹ میں کھڑے ہوئے ہیں - مجھے یہ نظارہ اب تک نہیں بھولا تھا - میں نے ۱۹۰۵ء میں بمبئی سے ہو کر اس ملک کی سیر شروع کی تھی اور حتی الوسع کوشش کرتا رہا تھا کہ یہاں کے ہر مذہب کے باشندوں کے متعلق معلومات حاصل کروں اور بلاشبہ ان شہروں کے دیکھنے کے بعد میری ہمدردی یہاں کے باشندوں سے زیادہ بڑھ گئی ہی - چنانچہ جب میرے پیارے والد نے وفات پائی اور میں اپنے آبا و اجداد کے تخت پر بیٹھا تو سب سے پہلے میری دلی خواہش یہ تھی کہ ایک بار پھر ہندوستان کو جاؤں اور وہاں جا کر اپنی عزیز رعایا کو دیکھوں اور آج وہ دن بھی آگیا کہ میں اپنی ملکہ سمیت آپ کے درمیان کھڑا ہوں جس سے میری خواہش پوری ہوگئی میں شکریے سے بھرے ہوئے دل سے آیا ہوں - آپ کے علاقے میں جو گرانیِ غلے کا خدشہ لگا ہوا تھا شکر ہی کہ باموقع بارش ہو جانے سے رفع ہو گیا ہی اور اب قوی امید ہو گئی ہی کہ فصل ربیع نہایت عمدہ ہو گی - آپ کے پُرمعنی ایڈریس نے مجھے یاد دلایا کہ بمبئی ایک انگریزی ملکہ کو جہیز میں ملا تھا - دو سو سال ہوئے کہ اس کو ہمفری کک صاحب نے حاصل کیا تھا اور اس کے بعد پچاس سال تک یہ ماہی گیروں کا گاؤں سا رہا - صاحبان آپ نے اور آپ کے پہلے جانے والے اصحاب نے اس وقت بمبئی کو تاج برطانیہ کا ایک درخشاں جواہر بنا دیا ہی - میں کہتا ہوں کہ اس شہر

کہ مدبران سلطنت نے اس جزیرے کی نسبت جو پیشین گوئی کی تھی وہ ہر طرح سے پوری ہوئی اور آج یہ شہر مشرقی و مغربی سویلیزیشن شہریت کو جوڑنے والی کڑی بنا ہوا ہے جس کے متعلق گورنمنٹ کی ذاتی خواہش تھی کہ دونوں کو ایک اتحادی سلسلہ میں منسلک کردیا ہے۔ ہم کو اس امر کے یاد کرنے میں مسرت حاصل ہوتی ہے کہ حضور والا ہمارے درمیان اجنبی نہیں ہیں۔ چھ سال کا عرصہ ہوا جب حضور والا ہمارے درمیان تشریف فرما تھے تو حضور والا نے ہمارے آدمیوں۔ ہمارے طرز معاشرت اور ہماری دستکاری سے واقفیت حاصل کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا تھا ہم کو یہ خیال کرتے ہوئے خوشی ہوتی ہے کہ اب پہلے کی نسبت بہت زیادہ ترقی ہوگئی ہے۔ جہاں تجارت اور صنعت کی طرف ترقی ہوئی ہے وہاں اس کے ساتھ ہی غریب باشندوں کا بھی خیال رہا ہے تاکہ اس جزیرے کے قدرتی فوائد بڑھتے رہیں۔ ہم اس امر کا نہایت خوشی سے اظہار کرتے ہیں کہ اہالی بمبئی کا اتحاد مضبوط بنیاد پر قائم ہے اور جن مختلف اقوام اور مختلف فرقوں کی ہم وکالت کر رہے ہیں اُن میں شہری کہلانے کا احساس موجود ہے۔ حضور ملکۂ محترمہ کو خواتین بمبئی سب سے بڑی خاتون خیال کرتی ہیں اور حضور ممدوحہ کے دوبارہ تشریف لانے سے ان کی سابقہ مہربانیوں کو یاد کرکے جو اُنھوں نے مستورات کے متعلق کی ہیں شکریہ ادا کرتی ہیں۔ حضور والا اور ملکۂ محترمہ کا تخت شاہی پر قدم رکھنا اور ہندوستان میں تشریف لانا ہمیشہ تک رعایائے ہندوستان کی یاد میں تازہ رہے گا۔ ہماری دلی دعا ہے کہ حضور والا کو جو کہ ہندوستانیوں کے حالات سے بخوبی واقف ہو چکے ہیں اُن کے غم و رنج میں ویسی ہی ہمدردی رہے گی جیسی کہ خوشی کے موقع پر خوشی اور ہندوستان سے وہی الفت رہے گی جو حضور والا کے مرحوم آباؤ اجداد (یعنی ملکۂ وکٹوریا اور شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم آنجہانی کو تھی"۔ ایڈریس کے بعد کارپوریشن کے (۷۰) ممبر پیش کئے گئے اور لیڈی کا ہتا نے ملکۂ معظمہ کے حضور میں ایک گلدستہ گزرانا۔ اس کے بعد حضور ملک معظم نے کھڑے ہو کر نہایت صاف آواز سے ایک موثر لہجے میں جواب اپنی زبان فیض ترجمان سے ارشاد فرمایا:۔

اور ایک شان دار پنڈال سا یا تھا جس میں کا اندرونی شامیانہ بہت تکلف سے آراستہ کیا گیا تھا اس میں تین ہزار نشستوں کی گنجایش تھی اور ایک نوفیٹ اونچا مسند بنا کر اس پر دو تخت بچھائے گئے تھے۔ دربار ہال (۲۴۰ فٹ) مربع اور زمین سے (۴۲ فٹ) بلند تھا جس کی (۴۴) سیڑھیاں تھیں ساڑھے چار بجے سواری اِدھاری جہاز مدینہ سے دخانی کشتی میں جانب ساحل چلی حضور انور مع ملکہ معظمہ سورج مکھی کے سرخ و سبز رنگوں کے چتر کے نیچے مسند کی طرف بڑھے اور تخت پر جلوہ افروز ہونے کے بعد حصول اجازت شاہی میونسپل کارپوریشن کی طرف سے سر فیروز شاہ مہتا نے ویل کا ایڈریس خیر مقدم کا ایک نہایت نفیس نقرئی کیسکٹ میں رکھ کر پیش کیا۔

میونسپل کارپوریشن کا ایڈریس

بعز ملاحظہ یور امپیریل مجسٹی[۱] ہم پریزیڈنٹ اور ممبران میونسپل کارپوریشن شہر بمبئی باشندگان شہر بمبئی کی طرف سے اجازت چاہتے ہیں کہ حضور والا کو ہندوستان میں تشریف آوری پر صدق دل فخر اور مسرت سے مبارک باد دیں۔ حضور والا کا ہندوستان میں تشریف لانا نہ صرف ہندوستان کی تاریخ میں بلکہ تمام دنیا کی تواریخ میں عدیم المثال ہے۔ آج تک کوئی یورپین حکمراں اپنا دار الخلافہ چھوڑ کر اپنے سمندر پار کے مقبوضات میں نہیں آیا حضور والا کا نفس نفیس ہندوستان میں رونق افروز ہو کر اپنی تاجپوشی کا اعلان فرمانا اس امر کو ظاہر کر رہا ہے کہ حضور والا دنیا کو ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ ہندوستان کا سلطنت برطانیہ میں کیسا اعلیٰ درجہ ہے اور شاہی خاندان کو اس سے کس قدر انس ہے۔ نیز یہ کہ شہنشاہ معظم خود نفس نفیس مختلف فرقہ ہائے مذہبی کے لیے انصاف صداقت اور ترقی کے ضامن ہیں۔ ہمارے شہر کو اس عزت میں برتری حاصل کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہمارا شہر اس مقام پر واقع ہے جہاں شہنشاہ معظم اور ملکہ محترمہ نے سب سے پہلے قدم خشکی پر رکھا ہے۔ ہمارا علاقہ برطانیہ نے نہ کسی سردار سے خریدا ہے یہ یہاں سوداگر دوسرے مقاموں سے آکر یہاں کی خاطر آباد ہوئے ہیں بلکہ جزائر برطانیہ کو یہ جزیرہ جہیز میں ملا ہوا ہے۔ اس زمین کی وقعت اور آئندہ مقبولیت کو مدبروں نے پہلے ہی تاڑ لیا تھا اور یہ پہلا علاقہ ہے جہاں سے گورنمنٹ انگلستان نے اپنی حکومت کا آغاز کیا۔ ہم فخر سے دعویٰ کرتے ہیں

[۱] یہ عجیب حسن اتفاق ہے کہ ۱۹۰۵ء میں بھی انھوں ہی نے ولی عہدی کی حیثیت سے ملک معظم کے حضور میں ایڈریس پیش کرنے کی عزت حاصل کی تھی ۱۲۔

ان رسوم تاجپوشی کو عوام کو دکھلانے کے لیئے ہم اپنے معتمد گورنر جنرل ہند بیرن ہارڈنگ آف پنشرسٹ کو حکم دیتے ہیں کہ وہ ہماری طرف سے ضروریات کو انجام دیں" محل بکنگھم ۲۲ مارچ سنہ ۱۹۱۱ع کو سن اول جلوس شاہی میں جاری کیا گیا۔ چنانچہ ۱۱ نومبر سنہ ۱۹۱۱ع کو دس بجے دن کے روانہ ہوئے اور شاہی سپیشل وکٹوریہ سٹیشن سے دس بج کر (۳۲) منٹ پر روانہ ہوئی جو ۱۲½ بجے پورٹسمتھ کی بندرگاہ میں پونہچی۔ یہاں پی اینڈ او کمپنی کا مدینہ جہاز طیار تھا جو (۱۲۳۵۸) ٹن اور سولہ ہزار گھوڑوں کی طاقت کا تھا۔ یہ جہاز ہر طرح سے شاہی سفر کو بہ آرام و آسایش تمام انصرام دینے کو آراستہ کیا گیا تھا۔ اس جہاز کی عظمت کا اندازہ اس پر سے کیا جا سکتا ہے کہ اس کا عملہ (۳۴۷) تھا۔ شاہی ہمراہیوں کی تعداد جو لندن سے ساتھ چلے صرف (۲۲) تھی باقی کچھ ملکہ معظمہ اور وزیر ہند کے مصاحب تھے ان کو بھی ملا لیں تو تعداد (۲۹) ہو جاتی تھی۔ دن کے تین بج کر دس منٹ پر جہاز نے لنگر اُٹھایا۔ رستے کی کیفیت پریزیڈنٹ پرتگال کی طرف سے خیر مقدم۔ پورٹ سعید میں ۲۱ نومبر کو پرنس ضیاء الدین آفندی ولی عہد ٹرکی سے ملاقات اور سلطان المعظم کا خط پیش ہوا۔ ۲۲ کو روانگی۔ ۲۷ نومبر کو ۱۱½ بجے دن کے بندرگاہ عدن میں جہاز پونہچا۔ یہاں مسٹر ہرمزجی کاؤس جی نے خیر مقدم کا ایڈریس نقرئی کاسکٹ میں رکھ کر پیش کیا۔ چھ بجے شام کے جہاز نے پھر لنگر اُٹھایا۔

باب الہند بمبئی میں رونق افروزی

رواق منظر چشم من آشیانۂ تست
کرم نما و فرود آکہ خانہ خانۂ تست

۲ دسمبر کو ۹½ بجے دن کے جہاز بمبئی پونہچا۔ وائسراے شب گزشتہ بمبئی استقبال کے لیئے دہلی سے بمبئی تشریف لا چکے تھے ۱۰½ بجے اپالو بندر پر پونہچ گئے اور پونے گیارہ بجے حضور ملک معظم کی خدمت اقدس میں باریاب ہوئے۔ سوا گیارہ بجے سرجارج سڈنہم کلارک گورنر بمبئی اور دیگر حکام جہاز پر پونہچے۔ اپالو بندر پر شاہی استقبال کے لیئے بڑی طیاری کی گئی تھی

نوٹ صفحہ گزشتہ۔ دربار عموماً نوروز یعنی یکم جنوری کو ہوا کرتا ہے جیسے کہ پہلے دو دربار ہو چکے اور یہ دربار بھی یکم جنوری ہی کو ہونے والا تھا لیکن جب حضور ملک معظم کے گوش گزار یہ بات ہوئی کہ وہ زمانہ محرم کا ہوگا اور مسلمان جشن تاجپوشی کی مسرتوں میں کافی حصہ نہ لے سکینگے تو آپ نے فوراً تاریخ بدل کر ۱۲ دسمبر ٹھیرا دی۔

ایک نے تعلق تماشائی بول اُٹھا کہ میں نے آج سے پہلے کبھی یقین نہیں کیا تھا کہ مشرق کی تقدیر جیسے ہمیشہ سے ہندوستان کی مٹھی میں رہی ہے اب بھی ہے میں بھی خیال کرتا ہوں کہ دربار نے نہ صرف طاقت کا سبق دیا بلکہ فرض کا بھی۔ گورنمنٹ کا کوئی ایسا عہدہ دار حاضر دربار نہ تھا۔ ایسا کوئی فرماں روا۔ نواب یا راجہ نہ تھا۔ کوئی ایسا سوجھ بوجھ والا تماشائی نہ تھا جس نے کسی نہ کسی وقت خیال نہ کیا ہو کہ ایسے بڑے مجمع کی شرکت میں فخر و ناز کے ساتھ کچھ ذمہ داری بھی ہے اور یہ کہ جو عزت و آبرو اور امن و عافیت سلطنت کی بدولت اُس کو حاصل ہے اُسے بھی اُس کے معاوضے میں کچھ کرنا ہے۔

جارج پنجم اور ملکۂ میری کا سفر تاجپوشی ہندوستان

شاہی ارادے کا اعادہ چوں کہ حضور ملک معظم کے دل پر ۱۹۰۵ء کی سیاحت ہند میں ہندوستانیوں کی وفاداری نقش ہو گئی تھی اس لیے آپ نے تخت آبائی پر متمکن ہوتے ہی پارلیمنٹ کی سب سے پہلی تقریر میں دہلی میں تشریف فرما ہو کر جشن تاجپوشی منعقد فرمانے کا عندیہ ظاہر فرمایا تھا چنانچہ ۲۲ مارچ ۱۹۱۱ء کو ذیل کا اعلان شاہی صادر فرمایا گیا۔ چوں کہ اپنے پیارے بادشاہ ایڈورڈ ہفتم کی وفات حسرت آیات پر مئی ۱۹۱۰ء کو ہم تخت پر متمکن ہوئے اور خدا کے فضل و کرم سے جارج پنجم شہنشاہ حکومت متحدۂ برطانیہ عظمیٰ و آئرلینڈ و سلطنت ہائے برطانیہ سمندروں کے پار امین الملت قیصر ہند کے لقب و خطاب سے ملقب و مخاطب ہوئے اور چوں کہ ہم نے اپنے اول جلوس کے سال اول کے شاہی اعلان ہائے ۱۹ جولائی اور ۷ نومبر ۱۹۱۰ء میں اس بات کا اظہار فرمایا تھا کہ خدا کے فضل و کرم سے مابدولت و اقبال کا ارادہ ہے کہ ۲۲ جون ۱۹۱۱ء کو شاہی تاجپوشی کی رسومات ادا فرمائیں اور چوں کہ مابدولت کی خوشی اور خواہش اسی میں ہے کہ ہماری پیاری رعایائے ہند کو معلوم ہو اور مابدولت خود بنفس نفیس تشریف فرما ہو کر دکھلائیں کہ تاجپوشی کی رسومات کس طرح ادا ہوتی ہیں اور اپنی بارگاہ میں اپنے گورنروں۔ لفٹنٹ گورنروں۔ دیگر افسروں۔ شہزادوں۔ سرداروں۔ شرفا اور ہندوستانی ریاستہائے ماتحت مابدولت اور مملکت ہند کے صوبجات کے نمایندوں کو بلائیں لہٰذا اس شاہی اعلان کے ذریعے ہم اپنے شاہی ارادے کا اعلان کرتے ہیں کہ مابدولت و اقبال[1] ۱۲ دسمبر ۱۹۱۱ء کو دہلی میں دربار شاہی منعقد فرمائیں گے لہٰذا

[1] اس لوکل کو صفحہ (۸۷۹) پر ملاحظہ فرمائیے۔

اور عظیم الشان جشن کو مذہبی تقریب سمجھ کر سنجیدگی کے ساتھ منائیں اور افضال شاہنشاہی اور نعمتیں اُن کے شامل حال ہوں اور اس کا اثر کیا تھا اُن کو یہ بات معلوم ہوگئی کہ وہ منفعت رساں اقتدار کے زیر حکومت گویا کہ ایک ہیں اور وہ مختلف الطبائع اور تکلیف دہ انبار کے منتشر عناصر نہیں ہیں بلکہ ہم آہنگ اور شان دار مجموعے کے متحد المیلان افراد علیحدگی اور تعصب اور بدگمانی کے پردے اُن کی آنکھوں پر سے اُٹھ گئے اور مغرب میں عدن کے شیوخ عرب سے لے کر سرحد چین کے شان سرداران مکانگ تک ایک ہی طرح کی خیر خواہی اور ایک ہی طرح کی اُمنگ سب کے دلوں کو گدگدا رہی تھی - کیا یہ عام حالت کچھ بڑی بات تھی - کیا یہ کچھ بڑی بات نہیں کہ بادشاہ کی تاجپوشی کے جشن میں اُس کے باج گزار جمع ہوں اور اُن کے ساتھ عہد و پیمان کی توثیق کی جائے - ایک طرف سے حمایت اور رعایت کا پیمان ہو اور دوسری طرف سے بخوشی خاطر وفاداری کا - کیا یہ کچھ بڑی بات نہیں کہ رؤسائے مملکت معلوم کریں کہ سلطنت کے معنی کیا ہیں - اگرچہ ہم باقی ماندہ اہل ہند کے حال پر نظر کریں جو دہلی میں حاضر نہ ہوسکے اور اُنھوں نے اپنی جگہ میں اپنے طور پر خوشی منائی تو کیا یہ کچھ بڑی بات نہیں کہ تمام خلقت کو اُن کی زندگی کی تنگ لیک اور لکیر کے فقیر طریقے سے اُبھار کر ذرا باہر نکالیں تاکہ وہ اعلیٰ نمونوں کو ایک نظر دیکھیں اور اُن مخفی قوانین کی پروا کریں جن کی رو سے قوموں کی رفتار تیز یا سست اور لوگوں کی تقدیر اچھی یا بُری ہوتی ہے - میں یقین کرتا ہوں کہ زمانۂ حال کے واقعات میں سے دربار سے بڑھ کر کسی نے وہ رستہ نہیں دکھایا جس پر خدا کی رہنمائی سے پڑ لیئے ہیں اور نہ مملکت ہندوستان کو اُس کے متحد ہونے کی تعلیم دی اور نہ ہندوستان کے اخلاقی اور مادّی طاقت کو دنیا کے ذہن نشین کیا - اب یہ سبق بھولنے والا نہیں - شہنائیوں کی آواز بند ہوگئی - فرماں روا اور سلاطین رخصت ہو گئے ہیں لیکن نقش جو اتحاد اور حب الوطن کے زبردست اظہار نے بٹھایا ہے وہ ہنوز بدستور نمایاں ہے اور مٹنے والا نہیں - ہر جگہ معلوم ہو گیا ہے کہ مشرق کے تخت پر ایک ایسی طاقت متمکن ہے جس نے تیس کروڑ ایشیا کے باشندوں کے خیالات اور امیدوں اور فائدوں سے ایک زندہ چیز بنا کھڑی کی اور اس بڑے مجمع کے افراد نے جان لیا ہے کہ اُن کی طاقت اتحاد ہی میں منحصر ہے جیسا کہ دربار کا

کم آدمیوں کو فراہم نہیں کیا۔ کہتے ہیں کہ ۱۸۷۷ء کے دربار میں صرف (۶۸) آدمی جمع
ہوئے تھے۔ (۱۳۱) بڑے بڑے والیان ریاست مدعو کیے گئے تھے جن میں سے سو تشریف
لائے۔ چھوٹے چھوٹے والیان ریاست کو جن کی مالی حالت یہاں آنے کی اجازت
نہیں دیتی تھی آنے سے معاف کر دیئے گئے۔ ہز میجسٹی شاہ فارس و شہنشاہ جاپان
و شاہ سیام و امیر افغانستان و سلطان مسقط و مہاراجہ دھیراج نیپال کو بھی مدعو کیا گیا تھا
کہ خود تشریف لائیں یا اپنی طرف سے سفیر روانہ فرمائیں آخرکار ان ممالک کی طرف سے
وکلا تشریف لائے۔ آسٹریلیا کے فیڈرل سٹ کے پریذیڈنٹ سر رچرڈ بیکر اور جنوبی افریقہ
سے ٹرینسوال کے اٹرنی جنرل سر رچرڈ سالومن دربار میں شریک ہوئے۔ ہندوستانی علاقہ
پرتگال کے گورنر جنرل اور فرانسیسی آبادی کے اور ممالک غیر کے کانسل جماعت کے سرگروہ
صاحب بھی تشریف لائے۔ ولایت اور ہندوستان کے بڑے اخباروں کے اڈیٹر صاحبان بھی مدعو
تھے۔ سنٹرل کیمپ میں بشمول خدم و حشم تیرہ ہزار سے کچھ اوپر صوبوں کی خیمہ گاہوں میں
(۳۵) فوجی چھاونیوں میں (۵۶۰) متفرق فرودگاہوں میں (۱۲) نفوس تھے۔
اگرچہ آسائش کے لحاظ سے کشادہ میدان تجویز کیے گئے تھے اور تمام خیمہ گاہیں چالیس
مربع میل کے رقبے میں پھیلی ہوئی تھیں باایں ہمہ ستاون ہزار کی مزید آبادی نے اپنا
ٹھکانا شہر اور سول سٹیشن میں کر لیا تھا۔ آب رسانی کے لیے (۷۲) حوض۔ (۵۴) کوئیں
اور (۳۸) میل کی قدر نل لگائے گئے اور (۲۴۷۵) آدمی خاص صفائی کے لیے رکھے گئے
دربار کے مصارف (۱۴۸۳) ہوئے۔ اس عظیم الشان دربار کے انعقاد سے کیا
غرض اور مفاد تھا مصداق تصنیف را مصنف نیکو کند بیان خود والسرائے کے لفظوں
سے بہتر اور کون کہہ سکتا ہے لہٰذا ۲۵ مارچ ۱۹۰۳ء کو بجٹ کے مباحثے کے وقت آپ نے
جو فرمایا لکھ کر ہم اس بیان کو ختم کرتے ہیں۔ "مگر میرے اور ہم میں سے اکثر کے نزدیک
اس دربار کا مقصود اصلی جلوس اور محض نظارہ نہ تھا بلکہ وہ اس ملک کے لوگوں کی
تاریخ میں ایک بڑے باب کا آغاز تھا اور سلطنت کے دستور العمل میں ایک باب جدید کا
کی ابتدا تھی۔ اس کی غرض اصلی کیا تھی۔ اس کا مقصود تمام والیان ریاست اور سلطنت
ایشیا کے باشندوں کو جو زیر حکومت برطانیہ ہیں اس بات کی یاددہانی تھی کہ اب
وہ ایک نئے اور مسعود شہنشاہ کے زیر حکومت ہیں۔ تاکہ وہ اس قابل ہوں کہ اس ترقی

کی خیمہ گاہ سے ریلوے سٹیشن تک راستے کے دورویہ فوج کی قطار بندی تھی - دن کے
پونے گیارہ بجے ایک گاڑی میں وائسرائے اور ڈچیس اور دوسری گاڑی میں ڈیوک
اور لیڈی کرزن سٹیشن کو روانہ ہوئے - ساتھ میں اُن کے حوالی موالی تھے اور اردلی
تھا امپیریل کیڈٹ کور اور وائسرائے کا باڈی گارڈ اور وائسرائے کے خاصے کا
رسالہ تھا - فیلڈ بیٹری نے جو پشتے پر تعینات تھی (۳۱) ضرب توپ کی شاہانہ سلامی
دی - سٹیشن پر اُترتے ہی باہر گارڈ آف آنر نے بینڈ بجایا اور سلامی دی - پلیٹ فارم
پر پہنچنے کے بعد نارفاک رجمنٹ نے نیشنل اینتھم بجایا - تمام اعلیٰ حکام اور گورنران اور
بجز ایک دو رؤسا کے جو علالت کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکے سب ہی تو موجود تھے - پہلے
سپیشل ٹرین میں ڈیوک کی روانگی تھی - ڈیوک نے اعلیٰ حکام اور رؤسا سے مصافحہ
کیا اور اُس کے بعد وائسرائے اور لیڈی کرزن کو خدا حافظ کہہ کر اپنی سلون میں تشریف فرما
ہوئے - بینڈ بجنے لگا ادھر ٹرین نے جنبش کی اُدھر قلعے کی فصیل پر سے شاہی سلامی کی
توپیں دندنانے لگیں - پاؤ گھنٹے بعد حضور وائسرائے جانب [illegible] میں جانے والے
تھے وہ سب حاضرین سے رخصت ہوئے - جونہیں اُن کی سپیشل چلی کہ بینڈ بجنے لگا
اور دوسری شاہی سلامی دغنے لگی اور تمام حاضرین نے ہزایکسیلنسی کو دلی جوش سے تین چیرز
دیں - پولیس ڈاک اور تار کے سارے انتظامات بہتر سے بہتر طریقے پر کیے گئے - دربار
کی سبک ریلوے ۲½ فیٹ چوڑی پٹری کی ۲۳ ر ۱۱ میل تھی جس پر ایک لاکھ سے
زیادہ لوگوں نے آمدورفت کی - علاوہ اُن خطابات کے جن کا ذکر اوپر آچکا اور بہت سی
عنایات اور رعایات کی گئیں - جن کی صراحت باعث طوالت ہے اور بہت سے
خطابات بھی دیے گئے سلامی کی توپیں بڑھائی گئیں -
(۱۶۱۸۸) قیدی رہا کیے گئے - اس دربار کی یادگار میں نقرئی اور طلائی تمغے بھی
مسکوک کیے گئے جو ڈھائی ہزار کے قریب تقسیم ہوئے تمغے کی ایک طرف بادشاہ کی تصویر ہے
اور دوسری طرف فارسی کی تاریخ "بفضل مالک ملک اڈوارڈ سابع قیصر ہند" ہے - جو اصل
سن تاجپوشی کا ہے - ۱۸۷۷ء و ۱۹۰۳ء کے دونوں شہنشاہی درباروں کی جگہ پر ایک ایک
بلند مینار مع مناسب کتبے کے کھڑا کیا گیا ہے جس کا ذکر کسی اور جگہ آچکا ہے - شہر کی آبادی
پچھلی مردم شماری کی رو سے (۲۰۸۰۰۰) تھی اس دربار کی کشش نے (۱۷۳۰۰۰) سے

کی تلافی ہو گئی - چوں کہ ہندوستانی گورنمنٹ کے انگریزی اور ممالک غیر کے اکثر مہمانوں نے فرماں روایان ریاست کو صرف جلوس شاہی میں دیکھا تھا تو پھر اُن کو اس انتظام کی وجہ سے ایک خانگی مجمع میں ملنے جلنے کا موقع مل گیا - یہ مجمع جو وائسرائے کے عالی شان ملاقات کے خیمے میں ہوا تھا کئی اعتبار سے بے مثل تھا - اس سے پہلے کبھی ایسا موقع نہیں ہوا کہ ہندوستان کے تقریباً تمام ورماں روایاں راجپوت - پٹھان - مرہٹے اور شاں ایک کمرے میں جمع ہوئے ہوں - رؤسا اپنے مختلف قومی لباس فاخرہ میں جس پر جواہرات ٹنکے ہوئے تھے اپنے معزز مصاحبوں کے ساتھ جس وقت یورپین لیڈیز جو خود مکلف لباس میں تھیں اور افسروں میں جو زرق برق وردیاں زیب تن کیے ہوئے پھر تے تھے تو بہت ہی بھلے معلوم ہوتے تھے - شام کی مراسم میں وہ مختصر مگر موثر رسم بھی کچھ کم دل چسپ نہ تھی جس میں ڈیوک آف کانات نے نہایت معزز طبقہ باتھ کے گریٹ ماسٹر ہونے کی حیثیت سے اعلیٰ حضرت حضور نظام حیدرآباد کو اُسی طبقے کے گریںڈ کراس کے خلعت سے سرفراز فرمایا - اور اسی موقع پر میجر جنرل ایڈورڈ لاک الیٹ اور میجر جنرل چارلس ٹکن کو اسی طبقے کے نٹیٹ کا تمغہ دیا گیا - اس کے بعد مہاراجہ کولہا پور کو رایل وکٹوریا طبقے کے نٹیٹ گرینڈ کمانڈر کے خلعت سے سرفراز فرمایا اور مہاراجگان کولہا پور و ایدر و کوچ بہار کو جو ۱۹۰۲ء میں تاجپوشی کی تقریب پر لندن میں موجود تھے طلائی تمغے عنایت کیے۔ ہز ہائینس آغا خاں کو بھی اسی موقع پر اُن کا تمغہ ملا - اس رسم کے خاتمے پر حضور وائسرائے نے حسب الارشاد ملک معظم آنریبل مسٹر ولیم او ور کلارک چیف جج پنجاب چیف کورٹ - آنریبل مسٹر ملینگو کارکش ٹرر ریزیڈنٹ میکال چیمبر آف کامرس لفٹنٹ کرنل جیمس لوئیس واکر پیشتر کمانڈنٹ دوسری پنجاب رائفل والنٹیرز اور مسٹر جارج واٹ ڈائرکٹر نمایش حرفت و صنعت ہند کو خطاب نٹیٹ کا اعزاز عطا۔

وائسرائے اور ڈیوک آف کانات کی روانگی

دس جنوری ہفتے کے دن حضور وائسرائے اور ڈیوک اور ڈچس آف کانات دہلی سے رخصت ہوئے - وائسرائے تو دورے پر چلے گئے اور ڈیوک پشاور - ریلوے سٹیشن پر وہی انتظام تھا جیسا کہ آمد کے دن تھا - وائسرائے

لائی گئی وہاں سے مندر تک اکیلی گاڑی میں - جہاں فرسٹ جینڈ امپیریل سروس انفنٹری نے فوجی تعظیم کے ساتھ گرنتھ صاحب کا استقبال کر کے گرنتھ صاحب کو ادب و تعظیم سے مندر میں لائے جہاں مردوں عورتوں اور پوجاریوں کی بڑی بھیڑ تھی رؤسا برہنہ پا پیچھے پیچھے تھے اور پوجا کی گئی - اننداپور ضلع ہوشیار پور کے گرو نے وعظ کہا اور بزرگ راجہ صاحب نابھا نے ایک تقریر کی اور دلی جوش کے ساتھ تا بدیر تیغ بہادر کے واقعے اُن کی پیشین گوئی اور شہادت کا بیان کرتے رہے - ہز ہائینس نے کہا کہ سکھ اگر خدا کی اور اپنے بزرگوں کی مہربانی کے مستحق بننا چاہتے ہیں تو اُن کو چاہیئے کہ گورے منہ والوں کے بادشاہ کی وفاداری کے عہد و پیمان کو از سر نو تازہ کریں جس نے ان کے لیئے اتنا کچھ کیا ہے - راجہ صاحب کی تقریر نے بڑا عمدہ اثر کیا اور سکھوں کی ساری جماعت پر وفاداری کا نقش اور بھی گہرا بیٹھ گیا

ایوننگ پارٹی

۹ جنوری جمعہ کے دن وائسرائے دہلی سے رخصت ہونے والے تھے اسی شام کو وائسرائے نے تمام والیان ریاست - اعلیٰ حکّام اور ممتاز اصحاب کو جو سیر و سیاحت کو دہلی آئے ہوئے تھے ایک ایوننگ پارٹی دی - اس محفل کا ایک بڑا مقصد یہ تھا کہ وائسرائے اور والیان ریاست کی ذاتی ملاقات کا ایک اور موقع نکالا جائے ورنہ معمولی حالتوں میں تو یہ طریقہ تھا کہ والیان ریاست وائسرائے سے ملنے آئیں اور وائسرائے بازدید کو جائیں مگر وائسرائے کو صرف دس دن کی مہلت تھی اگر یہ طریقہ ملاقات اور بازدید کا اختیار کیا جاتا تو (۱۶۰) ملاقاتوں سے کم نہ ہوتیں اور پھر ان کی فرودگاہیں مختلف مقامات پر دور دور تھیں کہ دس دن اور اس کام میں صرف ہو لیتے - لارڈ کرزن کو رسمی ملاقات کے برطرف رکھنے کا ایک عذر معقول یہ بھی تھا کہ وہ چار برس سے ہندوستان میں تھے اور قریب قریب ہر ایک فرماں روا سے رسمی بازدید کر چکے تھے اور اس طرح کی ملاقاتیں اُن کے حق میں چنداں ضروری بھی نہ تھیں اور بہ نظر مزید احتیاط وائسرائے نے والیان ریاست کو اُس تقاضا داری سے بھی سبکدوش کر دیا تھا کہ ریاست کی شان و شوکت کے ساتھ جناب ممدوح سے ملنے آئیں - اس صورت میں رخصتی پارٹی سے عمدہ طور سے اس فروگذاشت

نے شہر دہلی کو تحفہ دیا اس بت کو سر چارلس ریواز لفٹنٹ گورنر پنجاب نے بے نقاب کیا مسٹر جیمس سکنر مشہور کرنل سکنر کے پوتے ہیں جو ڈنایس اور پیرن سپہ سالار کے فرانسیسی جرنیلوں کی ماتحتی میں ملازم تھے پھر اُنھوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی نوکری اختیار کرلی اور بے قاعدہ رسالے کی افسری میں بڑا نام پایا - یہ اپنے نام کے رسالے کے کرنل سکنر ہندوستان کے ایک سکاچ النسل کے بیٹے تھے ان کی ماں ایک راجپوتنی تھی لیکن باوجودیکہ ہندوستانی عورت کے بطن سے تھے اور ان کا رنگ بھی گندمی تھا ان کے دوست سر جان میلکم ان سے کہا کرتے تھے کہ جیسا میں انگریز ہوں ویسے ہی تم بھی اچھے خاصے انگریز ہو - یہ بت سر ایلبرٹ ٹرنر کا بنایا ہوا ہے - ان ہی دنوں دہلی میں سکھوں نے اپنی وفاداری کا اظہار ایک مذہبی رسم کے ضمن میں کیا - یہی دن سکھوں کے دسویں اور آخری گرو گوبند سنگھ کی سالگرہ کے تھے - اسیس گنج میں جو سکھوں کا ایک چھوٹا سا مندر ہے وہاں سالگرہ منائی گئی - یہ وہی جگہ ہے جہاں گرو جی کے والد اور مورث تیغ بہادر ۱۶۷۵ء میں اورنگ زیب کے حکم سے قتل کیئے گئے تھے - سکھوں کی تاریخوں میں لکھا ہے کہ تیغ بہادر اپنی شہادت سے چند روز پہلے قید تھا وہ ایک دن صبح کو محبس کے بالا خانے پر چڑھ کر شہر کو دیکھ رہا تھا - پہرے والوں نے بادشاہ کو اس کی خبر کردی - بادشاہ کا عتاب ہوا کہ شاہی محل سرا کی بے پردگی ہوئی - تیغ بہادر نے کہا اے بادشاہ میں تو صرف کوٹھے پر چڑھا تھا میں نے زنان خانے کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھا میں تو دکن کی طرف گورے منہ والوں (انگریزوں) کو دیکھ رہا تھا جو ایک دن سمندر پار سے آکر تیرے پردے کے پرخچے اُڑا دیں گے اور تیری سلطنت کا تختہ اُلٹ دیں گے - یہ پیشین گوئی تیغ بہادر کے بیٹے اور سپاہیوں کو یاد تھی جو غدر ۱۸۵۷ء میں دہلی کے محاصرے اور فتح میں وہ انگریزوں کے ساتھ ہو کر پہلو بہ پہلو لڑے - اس تقریب میں کپورتھلے کے راجہ کے سوا تمام سکھ رؤسا مہاراجہ پٹیالہ ورا جگان جیند و نابھہ و فریدکوٹ و سردار ریاست کلیسا اسیس گنج میں آئے ساتھ میں عصابرداروں - چوبداروں - طنبورچیوں - ترچھیوں اور سکھ بھاٹوں کا بڑا لمبا تانتا تھا - گرنتھ صاحب جو سکھوں کی مقدس کتاب ہے موری دروازے تک تو ہاتھی پر

یعنی ۳ و ۵ - جنوری کو ایمفی تھیٹر میں زور آزمائی کی بازیاں ہوئیں - گھوڑ دوڑ - گھوڑے کدانے - میخ اُکھاڑنے کے بہت سے کرتب ہوئے اور وائسرائے نے پیالے انعام دیئے - مصنوعی مسلح جنگ بھی ہوئی - فٹ بال بڑی دھوم دھام سے ہوا - دہلی کے تمام کھیلوں میں صرف یہی **پولو ٹورنمنٹ** تھا جس کے دیکھنے کے لیئے سب سے زیادہ لوگ جمع ہوئے اور تمام رسوم متعلقۂ دربار میں اس شاہی ہندوستانی کھیل پر سب کی نظریں پڑیں - ابوالفضل لکھتا ہی کہ عہد اکبری میں ایسے ظاہر بیں لوگ بھی تھے جو چوگان کو صرف تضییع وقت سمجھتے تھے لیکن وہ کہتا ہی کہ روشن دماغ آدمی اُس کو استقلال مزاج قوت فیصلہ پیدا کرنے اور لیاقت کی جانچ کا ایک ذریعہ اور اُس کو موجب استحکام محبت سمجھتے تھے - چوگان سے تمام دربار کی شان و شوکت زیادہ ہوگئی تھی اور اس سے بہت سی مخفی ہوشیاری ظاہر ہوتی تھی انہی وجوہ سے اکبر کو اس کھیل کے ساتھ خاص دلچسپی تھی اور وہ خود اس کھیل کا بڑا ماہر تھا اور بسا اوقات گیند کو ہوا میں بلّے سے روک دیتا تھا جس سے درباری لوگ متحیر ہوتے تھے - کبھی کبھی وہ پالس کی گیندوں میں آگ لگا کر رات کو بھی چوگان کھیلا کرتا تھا قطب الدین ایبک بھی چوگان کا شائق تھا جسے چوگان ہی میں گھوڑا لئے گرا اور کاٹھی کے کنارے سے اُس کی پسلیاں چور چور ہوگئیں یہ واقعہ ۱۲۱۰ء کا ہی جو لاہور میں ہوا - آٹھ یا نو صدیاں ہوئیں کہ دلّی میں کبھی یہ کھیل ہوا تھا لیکن جس آن بان اور اہتمام سے دربار کے زمانے میں یہ کھیل ہوا شاید ہی کبھی پہلے ہوا ہو - اس میں ہندوستان بھر کے بہترین کھلاڑی جمع ہوئے تھے اور وائسرائے کے انٹرنیشنل کپ کے لیئے جس کے مقابلے کے واسطے تمام دنیا کے لوگوں کو اجازت تھی ایک ٹیم انگلستان سے بھی آئی تھی - کھیل کے لیئے دو میدان ایسے صاف طیار کیئے گئے تھے جیسے بلیرڈ کھیلنے کی میز - ہر روز تیسرے پہر شہری اور تماشائی پولو کلب ہوس کی نشست گاہوں میں آکر جمع ہو جاتے تھے - مکان کے بنانے - زمین کے ہموار کرنے اور سبزہ زار کے جمانے میں ساٹھ ہزار روپیہ صرف ہوا مگر اس سے زیادہ چندوں اور داخلے کی فیس سے وصول ہوگیا - ۱۵ دسمبر سے ۱۵ جنوری تک یہ کھیل رہا - ملکہ کے باغ میں ٹاؤن ہال اور گھنٹہ گھر کے بیچ میں جو ملکہ وکٹوریا کا مجسمہ ہی اُس کو مسٹر جیمس کرنز سکتم

تھیں اور بہت سے گھوڑے تھے جو طرح طرح کے کرتب کرتے تھے۔ چنانچہ ایک گھوڑا جس
شہ نشین کے پاس سے گزرا تو برابر ٹنگ ٹنگ چلا جا رہا تھا۔ راجپوتوں کے بعد مدروں کی رین
(دربار) کے شان لوگ آئے جو تنکوں کی لمبی لمبی ٹوپیاں اوڑھے ہوئے تھے اور
کم آواز کی گھنٹیاں بجاتے جاتے تھے۔ ان کے بعد مہاراجہ بنارس اور ٹہری کے راجہ صاحب
کے ملازم تھے۔ مہاراجہ بنارس نے اپنے ہاتھیوں کے تمام ساز اور اُن کے ہودوں کے
قیمتی ہونے کے اعتبار سے اس نمائش میں عمدہ مدد دی۔ اُس کے بعد پیدل جوان
گرزوں سے مسلح اور ہاتھ سے پھینکنے کے گولے لیے ہوئے تھے۔ پنجاب کی ریاستوں
میں فرید کوٹ سے ایک اونٹ گاڑی آئی تھی جس کے ساتھ باڈی گارڈ کے
سوار تھے۔ نابھہ کے سات ہاتھی تھے۔ ایک ہاتھی دانتوں پر جھاڑ اُٹھائے ہوئے
تھا اور ہاتھیوں کے علاوہ مہری۔ باز اور شکاری کتے۔ جیند کے سوار جھنڈیاں
اور طنبور لیے ہوئے تھے اور ترچھی اپنی دُھن میں سینگڑے بجاتے چلے جاتے تھے
اور وحشی شکل صورت کے اکالی جن میں سے ہر ایک ہتھیاروں کا ایک چھوٹا سا
اسلحہ خانہ اپنے اوپر لادے ہوئے تھا۔ پٹیالے کی فوج کے آگے آگے تین ہاتھی
تھے تیسرے ہاتھی پر مقدس مذہبی کتابیں تھیں۔ سب سے آخر کشمیر کی فوج آئی
جس میں گلگت اور یاسین کے سوار تھے۔ لداخ کے مُتنوں کا ناچ ناچنے
والے بودھ مذہب کے لوگ بھیانک سی نقاب ڈالے ہوئے تھے اور دو بیچ کے
دیو ایک ڈیڑھ فٹ لمبا اور دوسرا پورے آٹھ فٹ۔ کیا اچھا ہوتا کہ ان کو نابھہ
کے پست قامت بونے کے مقابل کھڑا کر دیا جاتا۔ یہ موجودات جو چلی جا رہی تھی
اس میں صرف اتنی بات تھی کہ مشرقی جاہ و جلال جو بہ تدریج مگر بالیقین ہٹتا چلا جا رہا ہے
اُس کی یہ خوش نما یادگاریں جو محض قدامت اور مورخ کے لیے بڑی دلچسپی کی چیزیں
ہیں ایک جگہ جمع کی جائیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے ہندوستانی رؤسا کے
خدم و حشم کی اس عمدہ نمائش میں جو غالباً پھر کبھی نہیں ہو گی (کیوں کہ انقلاب اپنا
اثر کر رہا ہے اور زمانۂ گزشتہ کی بچی کھچی چیزیں معدوم ہوتی جاتی ہیں) تمام عجیب نظاروں
کو جن میں ٹامس کاریٹ اور پیٹرو ڈلا وال کے وقت سے لے کر ہندوستان
کے تمام سیاح لکھتے چلے آئے ہیں اکٹھا کر دیا ہے۔ ہمتے اور وحشیوں کے دل

تھے جن کے مستک اور سونڈیں شوخ سبز رنگ سے رنگے ہوئے تھے اور انھیں میں کچھ سوار سیواجی کے وقت کی وردی پہنے ہوئے تھے - ہلکر کے ہاتھیوں کے بعد اُن کی طلائی نقرئی راج کی کرسیاں آئیں اور اُن کے زرد کوٹ پہنے ہوئے باڈی گارڈ کے سوار - بھوپال کے ہاتھیوں پر زرہ پوش آدمی خود اوڑھے ہوئے جن میں کیلیں جڑی ہوئی تھیں ایک بڑا سبز جھنڈا جس پر قرآن مجید کی آیتیں تھیں لیئے چلے جا رہے تھے - ممالک متوسط کے رئیسوں میں مہاراجہ ریوا نے سب سے زیادہ بہادری کے آثار دکھائے اور اُن کے بعد دتیا اور اورچھا کی فوجیں آئیں - ایک درجن چاندی کی نالکیاں راج ریوا کی تھیں جن میں سے ایک شیر کی شکل کی تھی اور ایک بڑی گاڑی سنہری چھت کی تھی جس میں دو ہاتھی جتے ہوئے تھے - ریوا ہی سے ہاتھی پر سوار ایک زرہ پوش جوان بھی آیا جس کی زرہ میں نلے شمار باہر کو نکلی ہوئی کیلیں جڑی ہوئی تھیں - اورچھا کا ایک ہاتھی خاص اور مشہور چیز تھی جس کی پیٹھ پر ملمع کی ہوئی اژدہے کی مورت تھی - دتیا کے ہاتھیوں میں ایک پر بکتر کی جھول تھی اور اُس کا ہودا بھی آہنی تھا اور ایک اور ہاتھی تھا جس نے سنہ نشین کے پاس کو گزرتے وقت پچھلے پیروں ہٹ کر وائسرائے کی جماعت کو سلام کیا ر اجپوت رئیسوں نے بہت سی خوش نما اور دلچسپ نشانیاں دکھائیں - ساٹھ برچھی بردار سوار زرہ پوش جیپور کے تھے - رئیس بوندی کے خدم میں ایک سوار تھا جو پُتر گنگا جلی کی عمدہ صراحی لیئے ہوئے تھا - بیکانیر نے زرہ پوش شتر سوار بھیجے اونٹوں کی جھولیں زرد تھیں اور شتر سوار چھوٹی چھوٹی زنبورکیں لیئے ہوئے تھے - پندرہ ناگا کوٹے سے آئے - اُنھوں نے ننگے بدن پر گیرو مل کر اوپر سے شیر کی طرح کی دھاریاں بنالی تھیں اور دربار کے چکر میں اُچھلتے کودتے ڈھال تلوار سے پھینک کرتے چلے جا رہے تھے - مہاراجہ کشن گڈھ نے چند پیدل سپاہی ایسے بھیجے جو لمبے لمبے بھاری قلعی کیئے ہوئے کرتے اور خاص طرح کے خود پہنے ہوئے تھے جن پر تلوار کاٹ نہیں کرسکتی اور گینڈے کی کھال کی ڈھالیں لیئے ہوئے تھے - الور کی فوج میں بہت سی مختلف طرح کی چیزیں تھیں ازاں جملہ ایک دو منزلہ ہاتھی گاڑی تھی اور اُس میں آئینے دار کٹہریاں

لارڈ اور دیگر اعلیٰ عہدہ دار موجود تھے۔ ان میں زرہ پوش جنگی سپاہی تھے۔ لڑائی
کے ہاتھی جن پر بکتر کے چار آئینے یا برچھیوں اور چھریوں کے کانٹے تھے۔ آدمی ڈھال
تلوار۔ بھالے برچھیاں۔ تیر کمان یا گرز اور تلم لیئے ہوئے۔ آدھے ننگے ناگا یعنی
لڑنے والے برہنہ فقیر راجپوتانے کی لمبی لمبی کتیوں سے مسلح۔ اکالی یعنی سکھوں کی
ریاستوں کے عابد سپاہی۔ ڈھول بجانے والے تمبی۔ بانسلی بجانے والے
پیدل یا گھوڑوں ہاتھیوں اونٹوں پر سوار وحشی نما عرب جو لڑائی کا ناچ ناچتے ہوئے
چلے جا رہے تھے بندوقچی جزیلیں اور توڑے دار بندوقیں لیئے ہوئے۔ نٹ سپاہی
زین پر سیدھے کھڑے ہوئے۔ سوار جن کے گھوڑے ایسے پچھلے پیروں پر کودرہے تھے
کہار پالکیاں نالکیاں اُٹھائے ہوئے جو سونے چاندی یا مخمل اور زربفت اور ریشم
کے پردوں میں پڑی جھمگاتی ہوئی۔ گویئے جو سنگھوں اور ترہیوں سے مستانہ
نکال رہے تھے۔ ناچنے والے جو ناچتے ہوئے چلے جا رہے تھے۔ بھاٹ جو
گیت گاتے تھے۔ پنکھا بردار۔ علم بردار بہت سے گھوڑوں یہاں تک کہ چیتوں
اور شکاری کتوں کو ساتھ لیئے ہوئے۔ غرض اس طرح ایک کنٹنجنٹ دوسرے کنٹنجنٹ
کے بعد حلقۂ دربار میں چکر لگاتے ہوئے عجیب وغریب پوشاکیں پہنے ہوئے سامنے سے
گزرے اور ایسا معلوم ہوا گویا الف لیلہ کی داستان سامنے سے گزر گئی۔ سارا
ایمفی تھیٹر تماشائیوں سے بھرا ہوا تھا۔ سب سے پہلے مہاراجہ کولہاپور کے حشم خدم
سامنے سے گزرے اُن کا جھنڈا ایک ہاتھی پر تھا جس کو عمدہ طرح سے رنگا گیا تھا
نشان بردار جو اونٹوں پر سوار تھے راجہ صاحب کچھ کے نشان لیئے ہوئے تھے۔ ان
میں سے ایک نشان تو شاہ عالم کا دیا ہوا تھا اور دوسرا ۱۸۷۷ء کے دربار کا۔
ریاست کچھ کے چار جوان بڑی اونچی کھڑاؤں پر چلتے تھے اور یہ اُن وقتوں کی یادگار
تھے کہ اس ساز وسامان کے ساتھ جنگ آزمائیل سواروں سے لڑا کرتے تھے۔
راؤ صاحب کے پاس ایک تصویر ہے اُس جلوس کی جو اُس کے بزرگوں سے چلا آتا ہے
اُس کی اُنھوں نے پوری نقل اُتار دی تھی۔ سلطان شہر ومکلا کے
سواروں کے بعد میسور کے بھالے بردار چتر بردار تھے۔ بڑودے کے گائیکواڑ نے
اپنی سونے چاندی کی توپیں بھیج دی تھیں۔ گوالیار کی فوج کے ساتھ پیدل ہاتھی

کھڑے کھڑے تماشا دیکھا - آتش بازی میں سے ملک معظم ایڈورڈ ہفتم اور ملکہ الگزینڈرا لارڈ اور لیڈی کرزن - ڈیوک اور ڈچس آف کانٹ اور لارڈ کچنر کی مجسم شکلیں نمودار ہوتی تھیں اور دیر تک قائم رہتی تھیں جن کو دیکھ دیکھ کر لوگ حیرت زدہ ہوتے تھے قسم قسم کے گولے - بان - چکر - چرخیاں - ہوائیاں - تارا منڈل یعنی آسمان میں جاکر پھٹنے والے گولے اور اُن میں سے طرح بطرح کے رنگ برنگ کے پھول اور تارے اور بعض میں سانپ - سٹار آف انڈیا اور مختلف اقسام کے تمغوں کی بوچھاڑ غرض انواع و اقسام کی لاجواب اور قابل دید آتشبازی تھی - جو شخص آتشبازی میں موجود تھا وہ اس سیر کو کبھی بھول نہیں سکتا کہ بان آسمان میں بہت اونچے جاکر پھٹ رہے ہیں اور تھوڑی سی دیر کے لیئے ظلمت شب کے عوض قریب قریب دن ہو جاتا ہی - قلعے کی لال لال فصیل اور برجیاں تصویر کا ایک سالم رخ بنی ہوئی تھیں دوسری طرف جامع مسجد کے سفید سنگ مرمر کے گنبد اور اُس کی سرو قد سر بفلک میناریں دفعۃً تاریکی شب کی ظلمت میں سے ایسی بریق کے ساتھ چمک چمک اُٹھتے تھے کہ اُن پر آنکھ نہیں ٹھیرتی تھی - قلعے اور جامع مسجد کے درمیانی میدان میں ہزارہا آدمیوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ رنگ برنگ کی پوشاکیں طرح بطرح کی ٹوپیاں اور پگڑیاں اور سب کے سب آسمان کی طرف ٹکٹکی باندھے ہوے انسانوں کا ایک وسیع سمندر موجیں مار رہا تھا اور ایک ایسا شور و غل اس انبوہ کثیر کا تھا کہ طوفان کے شور کی طرح کبھی بلند ہوتا تھا اور کبھی پست - ۲ر جنوری روز چہارشنبہ کو ایمفی تھیٹر میں ایک اور عجیب و غریب سیر ہوئی جو ہندوستانی رئیسوں کے لاؤ لشکر کا اُن کی اصلی حالت میں ملاحظہ تھا جو اس دن صبح کو ہوا - اس موقع پر ہندوستانی درباروں کی شان شوکت اور زمانۂ وسطیٰ کے نام نمود اور فضول خرچی کا اظہار تھا جس کو یہ لوگ اپنا بانا سمجھ کر اب تک نباہے چلے جا رہے ہیں اور مغربی انتظام و ترتیب کے ساتھ مقابلہ کرنا مقصود تھا - وائسرائے نے رئیسوں کو دہلی کا بلاوا دیتے وقت ایما کر دیا تھا کہ اپنے ساتھ پرانے وقتوں کا لاؤ لشکر اور ساز و سامان لائیں جو ابھی تک برتا جاتا ہی - کم و بیش چالیس ریاستوں نے اپنی کنٹنجنٹ فوجیں دو ہزار سوار ڈیڑھ ہزار پیدل اور ۱۶۰ہاتھی اور اسی قدر اونٹ بھیجے جو وائسرائے کے سامنے سے گزرے اس وقت بھی تمام ڈیوک اور

کمانڈر ان چیف کی راے میں خود اُن کی کوشش کا نتیجہ ہی اور جس میں پوری کا
حاصل ہوئی ہی۔"

کھیل۔ تماشے محفلیں

دہلی دربار کے تمام زیادہ ضروری مراسم کا
ہوچکا اب ایک تو وہ ایوننگ پارٹی ہی جو
جنوری کو وائسراے نے ہندوستانی رئیسوں کی خاطر دی اور ایک ا
دن سرکاری شان و شوکت کے ساتھ روانگی۔ ان دونوں تقاریب کا حا
آخر میں لکھا جائے گا لیکن سرکاری تقریبات اور واقعات یازدہ روزہ کے علا
تماشوں اور عام بے حد مشغلوں۔ میلوں۔ پولو۔ کریکٹ۔ فٹ بال میچوں اور
قسم کے کھیلوں اور مذہبی یا نیم پولیٹیکل مجمعوں کا ایک سلسلہ تھا جس کا تذکرہ
کیا جاتا ہی۔ ۲؍جنوری جمعہ کی شب کو سارے شہر میں روشنی کی گئی اور جامع مسج
الگن روڈ کے درمیان جو پریڈ کا میدان ہی اس میں بڑی بہار کی اور نہایت نادر
نفیس آتش بازی چھوڑی گئی جس کے دیکھنے کے لیئے خلقت کا ایک بڑا بھاری
تھا۔ قلعے کی فصیل اور دروازے۔ جامع مسجد کے نقلی دالان۔ سرکاری کچہریاں
چاندنی چوک کی دکانیں اور شہر کے دوسرے مقامات میں مکانات کی بیرونی دیوا
پر ہزارہا چراغ روشن تھے جو رعایا برایا نے اپنی خوشی سے روشن کیئے تھے۔ ہند
میں مدتوں سے آتش بازی کا مذاق سلیم رہا ہی اور شادی بیاہ اور دوسری تق
میں آتش بازی کا ہونا بھی لازمات سے ہی لیکن اس موقع پر یہ مناسب سمجھا گ
کہ گو اس جشن کو ہندوستانی طور کا بنانا منظور ہی مگر کوئی چیز ان کو ایسی بھی دکھا
چاہیئے جس کو آنکھوں نے اپنے ملک میں کبھی نہ دیکھا ہو اور ہو بھی ایسی کہ ج
ہندوؤں کے بس کی نہ ہو۔ پس لندن کے کرسٹل پیلس کے مشہور آتشبازمسٹر
براک اینڈ کو کو یہ کام دیا گیا کہ ایسی نادر آتشبازی بنائیں کہ جو ہندوستانیوں نے
پہلے کبھی نہ دیکھی ہو۔ وائسراے اور لیڈی کرزن نے مع اپنے مہمانوں کے جامع
کے دالانوں میں سے آتشبازی دیکھی۔ سول ہسپتال کی چھت بھی انگریز تماشائی
سے پٹی پڑی تھی اور شاہانہ جلوس کے داخلے کے لیئے خاص روڈ پر جو مچان بنائے گئے تھے
اُن میں سے کچھ مچان ہندوستانی رؤسا کے لیئے محفوظ تھے۔ ہندوستانیوں کے ہجوم

وائسرائے کو سلام کرنے کے بعد اپنے مشیر فوج کے ساتھ داہنی طرف کو مڑکر وائسرائے کی پارٹی میں شامل ہوگئے اور ڈیوک آف کاناٹ کے گھوڑے کے پاس اپنا گھوڑا کھڑا کر لیا۔ فوج کی مارچ پاسٹ کا نظارہ بہت ہی بھلا معلوم دیتا تھا اُن کا آہستہ آہستہ سامنے سے گزرنا۔ سورج کی کرنوں میں کرچوں کی چمک برچھوں کے پھریروں کا ہوا میں اُڑنا۔ سواروں کا گھوڑے کُدا تے ہوئے جانا۔ توپ خانوں کی گاڑیوں کی گڑگڑاہٹ۔ ایسا نظارہ شاید ہی دنیا کے کسی اور حصے میں دیکھنا نصیب ہو جب ساری فوج وائسرائے کے سامنے سے گزر چکی تو کمانڈر ان چیف نے سٹاف کے ساتھ وائسرائے کو شاہی سلامی دی وائسرائے نے گھوڑے کو آگے بڑھا کر لارڈ کچنر کو فوج کی طیاری اور چستی پر جو اُن کے زیر حکم تھی اور نیز بحالت قیام دہلی اُن کے چال چلن کی عمدگی پر مبارکباد دی۔ اکتیس توپوں کی آخری سلامی ہوئی اور وائسرائے اور جو اُن کے ساتھ تھے گھوڑوں پر سوار پیدل پلٹنوں کی دو رویہ صفوں میں سے گزرتے ہوئے کیمپ کو روانہ ہوئے۔ غرض لشکر جو تقریباً ڈھائی گھنٹے تک ہوتا رہا ہر پہلو سے کامیابی کے ساتھ ختم ہوا۔ خیال تھا کہ اتنی بڑی فوج کی نقل و حرکت میں گرد و غبار کے ایسے بڑے غٹ کے غٹ ہوں گے کہ فوجیں دکھلائی بھی نہ دیں گی۔ مگر دو دن پہلے عین وقت پر ایک ہلکا سا چھینٹا ایسا پڑ گیا کہ ساری گرد دب گئی اور پھر سقوں کا ایک بڑا گروہ برابر چھڑکاؤ کر رہا تھا غرض گرد کا نام نہ تھا اور فوج کی حرکت بالکل صاف نظر آتی تھی۔ اُسی شام کو کمانڈر ان چیف نے ذیل کا جنرل آڈر شایع فرمایا:۔ "ہز اکسیلنسی کمانڈر ان چیف بڑی خوشی سے فوج کو اطلاع دیتے ہیں کہ آج جو پریڈ ہوئی ہز اکسیلنسی وائسرائے نے فوج کی حالت ظاہری اور عمل درآمد کی نسبت اپنا بڑا استحسان ظاہر فرمایا ہے اور فیلڈ مارشل ہز رایل ہائینس ڈیوک آف کاناٹ نے مجھ سے استدعا کی ہے کہ میں فوج کو اس بات سے اطلاع کر دوں کہ اُنھوں نے فوج کی چستی اور سپاہیانہ ادا کو بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھا اور جس سے نہ صرف اُن کا بلکہ تمامی ہندوستانی فوج کا بھروسے کے قابل ہونا ظاہر ہوا ہے۔ ہز اکسیلنسی کمانڈر ان چیف کو اس بات سے مسرت حاصل ہوئی ہے کہ وہ فوجوں پر اُن شاباشیوں کا اظہار کر دیں جو ہز اکسیلنسی

کی جگہ تھی۔ شاہ جہاں نے اُس کی نقل یہاں اُتاری۔ اُس کے قریب ہی بادلی
کا میدان جنگ ہے جہاں ۸ جون ۱۸۵۷ء کو سر ہنری برنرڈ نے پہاڑی پر آنے
سے پہلے باغیوں کو شکست دی۔ پچاس ہزار آدمی عرض لشکر کے وقت موجود تھے۔
چار ہزار آدمیوں کے لئے دو بڑے بڑے مچان سوا دیئے گئے تھے اور آتے ہی
آدمیوں بلکہ زیادہ کے لئے بنچ موجود تھے۔ گاڑیوں کے لئے ایک بڑا احاطہ گھیر لیا تھا
بہت سے والیان ریاست جو دہلی میں موجود تھے اس موقع پر تشریف لائے۔
سوا دس بجے فوجیں ترتیب وار کھڑی ہو گئیں۔ اس وقت فوج کی مجموعی تعداد
یہ تھی:- انگریزی افسر (۱۴۴۶) - انگریزی وارنٹڈ (۹۹) - وہاں کمیشنڈ افسران اور سپاہی -
دیسی افسران وہاں کمیشنڈ افسران اور سپاہی (۲۹۶۱۶) - میزان افسران اور سپاہی (۲) - گھوڑے (۹۶) (۸)
خچر - بیل (۱۸۹) - توپیں (۱۲۴) - ہز ایکسیلنسی لارڈ کچنر کمانڈر ان چیف مع اپنے ذاتی
حوالی موالی کے دس بجنے کے تھوڑی ہی دیر بعد میدان قواعد میں تشریف لائے۔
چند ہی منٹ بعد ڈچیس آف کناٹ اور لیڈی کرزن تشریف لائیں۔ ساڑھے
دس بجے حضور وائسرائے فیلڈ مارشل۔ ڈیوک آف کناٹ اور گرینڈ ڈیوک آف
ہسی اور گورنران بمبئی اور مدراس کے ساتھ گھوڑوں پر میدان قواعد میں آئے
ان کے ساتھ امپیریل کیڈٹ کا دستہ اور وائسرائے کا باڈی گارڈ تھا۔ فوجی
سکریٹری وائسرائے کی پارٹی کے ساتھ تھے جس وقت وائسرائے میدان قواعد
میں پہنچے تو توپ خانے نے شاہی سلامی سر کی۔ پہلی توپ اُس وقت سر ہوئی
جس وقت وائسرائے نے میدان میں قدم رکھا اور آخری اُس وقت جب کہ وہ
سلامی لینے کی جگہ پہنچے اُس وقت فوجی باجے بھی بجنے لگے۔ فوجوں کا عرض لشکر
بسر کردگی لارڈ کچنر وائسرائے کے ملاحظے سے ترتیب وار گزرا۔ (۲۹۶۱۶)
آدمیوں کا عرض لشکر جو نامی گرامی کمانڈر اور اُن کے سٹاف وار سٹاف کی نگرانی
میں ہوا تھا ایک ایسا بڑا پرشان و شوکت نظارہ تھا کہ شاید کسی نے
یکجا جمع دیکھا ہو۔ تمام ناظرین پر اور خاص جنگ جو قوموں کی افواج پر جو میدان
قواعد میں آئے تھے اس کا بہت ہی اثر پڑا۔ سوار توپ خانے اور پیادہ فوجیں
بڑی تمکنت اور شوکت کے ساتھ سامنے سے ہو کر گزریں۔ ہز ایکسیلنسی لارڈ کچنر

کی طرح سنجیدہ اور رعب دار نہ تھا۔ والیانِ ریاست کی فوجوں کی موجودات سے بھی شان و شوکت میں کم نہ تھا۔ شاہانہ جلوس کے داخلے کے وقت جو ہاتھیوں کا تانتا جلوس میں تھا وہ تھا تو جنگلی مگر اس سے کہیں عظیم الشان تھا۔ تاہم زرق برق پوشاکیں پہن پہن کر مردوں اور عورتوں کا اس شان دار مجمع میں بہ کثرت جمع ہونا کہ دوسرے لفظوں میں مشرقی اور مغربی تمیتوں کا اختلاط تھا۔ ایک والان میں گردوپیش کی عمدہ اور نرالے بہا خوبی اور دوسرے میں نظر فریب خوب صورتی نغمۂ موسیقی۔ ناچنے والوں کی تھرک اور سب سے بڑھ کر خوشی اور خرّمی جو شروع سے آخر تک تمام کارروائیوں پر طاری تھی ایک نرالے مثل اور لاجواب بات تو ضرور تھی۔ سب مانتے ہیں کہ سینٹ پیٹرزبرگ اور ماسکو کے ایوانوں میں جو شاہی ناچ ہوا کرتے ہیں یورپ بھر میں سب سے بڑھ کر شاہانہ جلسے ہوتے ہیں تو جن لوگوں نے وہ جلسے دیکھے ہیں وہ تک تسلیم کرتے ہیں کہ ہمنے ایسا تماشا تو کبھی نہیں دیکھا اور جب جلسے کی کامیابی کو اور اس عام مسرت کو جو جلسے کی وجہ سے لوگوں کو ہوئی اُن خوف ناک پیشین گوئیوں سے مقابلہ کیا جاے جو پہلے سے ہر جگہ زبان زد خلائق تھیں کہ اس تجویز کا پیش رفت ہونا محال ہے۔ اس کے لیئے کافی سامان نہیں۔ تماشائیوں کا اتنا ہجوم ہوگا کہ لوگ گھبرا اُٹھیں گے تو غالباً یہی کہنا پڑے گا کہ دہلی میں جتنے جلسے بھی تجویز کیئے گئے اُن کے تجویز کرنے والے اگر کسی جلسے پر اپنے تئیں مبارکباد دے سکتے ہیں تو وہ یہی مغلوں کے پُرانے محل کا شاہانہ جلسۂ رقص و سرود تھا۔

افواج دہلی ناظرین کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ جشن دہلی کی شان و شوکت بڑی اور غیر معمولی طاقت کی وجہ سے بہت زیادہ ہوگئی تھی انگریزی اور ہندوستانی فوجوں کی تعداد جو دہلی کے باہر مقیم تھیں (۳۹۵۰۰) سے زیادہ تھی ۱۸۷۷ء کے دربار میں صرف (۱۳۹۰۰) فوج جمع کی گئی تھی۔ ۸ جنوری کو بروز پنجشنبہ وائسرائے کے روبرو درباری کیمپ میں فوجوں کا عرض لشکر ہوا۔ وہ میدان جہاں قواعد ہوئی تھی قصبۂ آزادپور سے پون میل شمال کی طرف تھا اور دربار ایمفی تھیٹر اور شالامار باغ کے درمیان واقع تھا جس کو مسکنِ خرّم بھی کہتے ہیں۔ شاہ جہاں کے والد نے کشمیر میں ایک باغ بنوایا تھا جو تفریح

گنگا جمنی چھت کو لال سنہری کر دیا تھا اور ستونوں اور دیواروں پر جو غزنی طور
کے رنگیں اور ملمع کیئے ہوئے نقش و نگار تھے اُن پر زمانۂ حال کے کم سواد کاریگروں
نے رنگ بھر دیا تھا - ۶ر جنوری ۱۹۰۳ء کے ناچ میں اس طرز کو جائز نہیں رکھا گیا
اصلی عمارت علی حالہ باقی رہی - صرف دونوں کھلے ہوئے لعلی چبوترے البتہ
مسقف کر دیئے گئے اور عارضی دیواروں کے بیچ بیچ میں جو محرابیں تھیں اُن کو
لکڑی کے بستوں میں آئینہ بندی کر کے ایسی طرح بند کر دیا گیا تھا کہ بیچ کے
دالان میں جو سنگ مرمر کی جالیاں ہیں ہو بہو اُنھیں کی نقل اُتاری گئی تھی کہ اصل
اور نقل میں تمیز نہیں ہو سکتی تھی - یہاں تک کہ سنگ مرمر کا جالی دار پردہ جس کے
اوپر مشہور میزان عدل کندہ کی ہوئی ہے وہ تک کامیابی کے ساتھ بنادی گئی
اور فارسی کے کتبے بدخط منقول عنہا سے شناخت ہوتے تھے - فرش کے
بیچوں بیچ میں ایک نہر ہے اور ابتداءً اسی کی راہ شمالی سرے پر شاہی حمام
میں پانی جاتا تھا - اس کی تختہ بندی کرا دی گئی تھی اور یہاں تک مہمانوں
کی آسایش کا اہتمام کیا گیا تھا بہ ایں خیال کہ غالباً رات کو سردی ہوگی تختہ بندی
کے نیچے گرم پانی کے نل دوڑا دیئے گئے تھے - سنگ مرمر کی جالیاں جن
سرے پر موازین عدل کندہ کی ہوئی ہیں عین اُن کے پیچھے ایک خوب صورت
آرام گاہ ہے اور کہتے ہیں کہ اگلے وقتوں میں من جملہ اور جگہوں کے یہ بھی
شاہی بود و باش کی ایک جگہ تھی - والسرائے اور خاندان شاہی کی جماعت
نے اسی جگہ خاصہ تناول فرمایا - دیوان عام کی طرح دیوان خاص میں بھی بجلی
کی روشنی تھی جس سے سارا مکان جگمگا گیا تھا - صبح ہونے تک محفل رقص
گرم رہی - ڈیوک اور ڈچس آف کناٹ تو نصف شب کے بعد جلدی سے
چلے گئے مگر وائسرائے اور لیڈی کرزن زیادہ دیر تک ٹھیرے رہے اور آخری
مہمان کے رخصت ہونے سے پہلے تو اچھا خاصہ دن نکل آیا تھا - دہلی سے
آنے والوں میں جو لوگ ہوم کے پدھڑواڑے کے ہر ایک جلسے میں موجود
تھے رخصت ہوتے وقت اُن میں سے اکثر کا خیال تھا کہ تمام جلسوں میں دیوان
عام اور دیوان خاص کا شاہی ناچ نہایت ہی پر لطف تھا - البتہ یہ جلسہ دربار کی

اندر قدم رکھا مجھے خیال آیا کہ یہ وہی جگہ ہے جہاں بیٹھ کر اورنگ زیب نے حکم دیا تھا کہ دارا اور مراد اُس کے بھائیوں کو قتل کر دیا جائے اور اُس کے فرزند محمد کو جو بڑی بہادری اُس کے پہلو بہ پہلو لڑا تھا قید خانے میں زہر کا پیالا پلا کر مار ڈالا جائے - یہ وہی جگہ ہے کہ اس واقعہ سے چند ماہ پہلے شاہ جہان اعظم بیٹھا ہوا تھا اور وہی اُس کا پوتا محمد شجع پر اترا کر گستاخانہ اُس کو حکم دے رہا تھا اور شاہ جہاں صرف اس غرض سے کہ اس کے باپ اورنگ زیب کی امیدیں نہ بر آئیں اسی کو تخت دینے کو رضامند تھا - یہ وہی جگہ ہے جہاں وجیہ جوان سلیمان زنجیروں میں جکڑا ہوا اس حکم کے سننے کا منتظر تھا کہ اُس کو بھی اس کے لے جا سے چھوٹے بھائی سپہر شکوہ کے ساتھ زہر کا پیالا پلا کر مار ڈالا جائے - یہ وہی جگہ ہے جہاں محمد شاہ بیٹھا ہوا اپنے خوں خوار فاتح نادر شاہ کی مدارات کر رہا تھا جس نے اُس کی فوجوں کو تباہ کیا - خزانے کو لوٹا - تخت کو نوچا کھسوٹا - اُس کی دار السلطنت کے ایک لاکھ بے کس باشندوں کے قتل کا حکم دیا" - بارگاہ دیوان خاص پریشان و شوکت اور رنج والم کی بہت سی نوبتیں گزریں مگر سلاطین مغلیہ کے عروج کے زمانے سے لے کر یہ دل فریب قبہ کبھی بھی ایسا خوش نما نہیں دکھائی دیا جیسا کہ اس وقت کے وردی پوش اور جواہرات سے لدی پھندی صورتیں جگمگاتی ہوئی محرابوں میں شفاف فرش پر ادھر سے اُدھر اور اُدھر سے ادھر پھر رہی تھیں -

دیوان عام کی طرح یہاں بھی بہت احتیاط کی گئی تھی کہ ضروری تعمیر مزید کے ساتھ اصلی عمارت کا بڑا خیال رکھا جائے - دیوان خاص کو تو بالکل کسی نے ہاتھ بھی نہیں لگایا - اس میں سفید سنگ مرمر کے اکیلے ایک چبوترے یا تخت کے سواے اور کچھ تھا بھی نہیں - اب سے ربع صدی پہلے ۱۲ جنوری سنہ ۱۸۷۶ء کو شاہ ایڈورڈ ہفتم کی خاطر جو اُس وقت پرنس آف ویلز تھے اسی دیوان خاص میں محفل رقص و سرود منعقد ہوئی تھی - مغلوں کے زمانے میں اسکی مشہور چھت چاندی کی تھی - مدتیں ہوئیں کہ اس کو لٹیرے مرہٹے اکھاڑ کر لے گئے تھے پھر اُس کی جگہ لکڑی کی خاتم بندی کی چھت جڑ دی گئی تھی - پرنس آف ویلز کے لئے جو جلسا ہی کی گئی تو اسی لکڑی کی چھت کو زیادہ کالا رنگوا دیا تھا - سفید اور سنہری

ملک[1] تھے۔ مہمانوں کو ۹ ½ بجے کا وقت دیا گیا تھا۔ دس بجے کے تھوڑی دیر کے
بعد ناچ شروع ہو گیا۔ بڑی بڑی نامور ناچنے والوں کی جوڑیاں یہ تھیں۔
لارڈ کرزن اور ڈچس آف کانات۔ ڈیوک آف کانات اور لیڈی کرزن۔
لارڈ نارتھ کوٹ اور لیڈی ایمپتھل۔ گرینڈ ڈیوک آف ہسی اور لیڈی
نارتھ کوٹ۔ لارڈ کچنر اور مسز لور ڈیلی۔ سر چارلس ریوار اور لیڈی لانوٹش
لارڈ ایمپتھل اور ڈچس آف پورٹلینڈ۔ سر فریڈرک فرایر اور ڈچس آف
مارلبارو۔ جس وقت صلائے عام دی گئی کہ طعام شب طیار ہے اور بڑے بڑے
مہمان دیوان عام کے شمالی گوشے کی راہ سے ایک لمبے پٹے ہوئے چھتے میں
ہو کر سفید سنگ مرمر کے مشہور دیوان خاص کی طرف کو مڑے تو ایک پرستان
کا سماں آنکھوں میں پھر گیا۔ راستے کے دونوں طرف جو تھے ڈریگون گارڈ کے
جوان کھڑے ہوئے تھے اور بیچ بیچ میں گوشے گوشے آرام گاہیں اور بیٹھکیں
بنی ہوئی تھیں۔ منتہائے مد نظر میں دفعتہً دور سے دیوان خاص کی حیرت انگیز
خوب صورتی اور نازک اور بے نظیر شان دکھائی دینے لگی۔ یہ عمارت جیسا
کہ سب جانتے ہیں دنیا کی نہایت ہی خوش نما اور شاہ جہاں کی نہایت ہی نفیس
عمارتوں میں سے ہے۔ سلاطین مغلیہ کے آخری زمانے میں تخت طاؤسی اسی محل
میں رکھا گیا تھا۔ اس کے بانی کے عہد کے بعد سے اس پر برابر بڑے بڑے
ظلم ہوتے رہے۔ مدتیں ہوئیں کہ جٹ اور مرہٹے اور افغان غارت گر اس کے
قیمتی پتھر جو اس کے سنگ مرمر کے ستونوں کا سنگار تھے جڑوں سے اکھاڑ لے گئے
اور ان کی جگہ گھٹیا پتھر لگا دیئے لیکن کاریگر نے پچیکاری کا ایسا نقشہ
تحریر کیا تھا کہ حد سے زیادہ اناڑی اکھاڑ بھی اس کی عمدگی کو مٹا نہ سکا۔ محرابوں
کے اوپر جو سلیں لگی ہوئی ہیں ان میں اب تک بھی وزیر سعد اللہ خاں کا
فارسی شعر ؎ اگر فردوس بر روئے زمین ست — ہمین ست و ہمین ست و ہمین ست
سنہرے حرفوں میں کندہ کیا ہوا پڑھا جاتا ہے کرنل سلیمن نے جو دیوان خاص
کے متعلق لکھا ہے وہ تحریر اس وقت کی ہے کہ شاہ جہاں کی نسل کا ایک بادشاہ
بھی دہلی میں سلطنت کر رہا تھا وہ لکھتے ہیں کہ میں نے اس مکان کے

شاہی رقص وسرود عالی شان بارگاہ جس میں دربار عطائے خطابات و خلعت کا ہوا تھا اُسی میں تین رات بعد ۶ جنوری کو سنگل کے دن یہ سیج میچ کا جلسہ ہوا - عطائے خطابات کے وقت دو ہزار تماشائی خاموش بیٹھے دیکھا کیئے اور اب چار ہزار مہمان مدعو تھے - ہندوستان کے والیان ریاست اور امرار جو نئے بہا جواہرات میں جگمگا رہے تھے اور عہدہ دار جو زرق برق وردیاں پہنے خلعتی ٹیکے اور تمغے لگائے ہوسے اور معزز انگریزان اور خوب صورت میمیں بناؤ سنگار کیئے ہوسے یہ ایک ایسا مجمع تھا جسے پرستان یا راجہ اندر کا اکھاڑا کہا جائے تو کچھ مبالغہ نہ ہوگا - انگریزوں کا معمولی سے معمولی بال عیش و عشرت - تفریح و دل چسپی غرض یہ کہ حظ نفسانی کا لاثانی مجموعہ ہوتا ہی ہے جائے کہ یہ شاہی بال جس میں حسن اور تمول دونوں بلے حد و حساب تھے اس کا کیا کہنا - ایسا مجمع یورپ کی تو کہی نہیں جاتی مگر دلی میں تو یقیناً کسی نے نہیں دیکھا - دیوان عام اور ملحقہ عمارات ان حسن کی دیویوں اور یورپ کے لاٹ امرار اور ہندوستانی روسار سے کھچا کھچ بھر گئی تھیں - مگر اس مرتبہ یہ ہجوم زندہ دل اور شوقین لوگوں کا تھا جن میں بعض ناچ میں شریک تھے اور بعض ستون والے چھتے میں سیر و تفریح سے دل بہلا رہے تھے بعض لوگ کوچوں پر ڈٹے ہوسے سرو و خانۂ ہمسایہ حسن رہ گزرے کے نظارے میں محو تھے - ناچ کے بڑے والان کے دونوں سروں پر بینڈ والے تھے - جو کمرے چند شب پہلے لوگوں کے جمع ہونے اور کپڑے بدلنے کے تھے اُن کا اب کہیں پتہ بھی نہ تھا اب اُن کی جگہ ایک خلوت خانہ تھا جس میں تفکہات کی میزیں لگی ہوئی تھیں اور اس میں ایک ہزار نشستوں کا انتظام تھا - والسرائے اور لیڈی کرزن - ڈیوک اور ڈچس آف کناٹ - گورنران بمبئی و مدراس - لفٹننٹ گورنر اور دوسرے عالی درجہ کے عہدہ دار اور اُن کی میمیں اور خاندان کے لوگ - فرانس اور پرتگال کے گورنر اور ممالک غیر کے کانسل اور قایم مقام تشریف لائے اور ان کے علاوہ انگریز مہمانوں میں سے ڈیوک اور لارڈ اور ان کی لیڈیاں اور بہت بڑے بڑے (۶۶) مہمان تھے - ہندوستانی والیان

اور اُسی اعلیٰ منزلت کے طبقے کے (۱۴۲) کمپینیوں کو علیٰ قدر مراتب خلعت اور تمغے
دیئے ہیں۔ اس کے بعد کوچین کے ہز ہائینس راجہ سر راما ورما کے سی ایس آئی
کو نائیٹ گرینڈ کمانڈر کا درجہ دیا گیا۔ آپ کو فیتہ اور حمائل پہنایا اور سٹار آف
انڈیا اُن کے سینے پر لگایا اور گَون پہنایا پھر وائسرائے نے اپنی کرسی پر بیٹھے بیٹھے
ہز ہائینس کو کالر پہنایا اور بلند آواز سے فرمایا۔ "میں شاہ قیصر ہندوستان کی طرف
سے اور ہز میجسٹی کے حکم سے آپ کو معزز طبقہ سٹار آف انڈیا کا تمغہ دیتا ہوں
کہ ہز میجسٹی نے راہ کرم آپ کو اُس اعلیٰ منزلت طبقے کے نائیٹ گرینڈ کمانڈر کے
مرتبے پر سرفراز فرمایا ہے"۔ اس سٹار آف انڈیا کے جدید نائیٹ کمانڈروں کی
باری آئی جو تعداد میں بارہ تھے۔ ان لوگوں کی چار چار کی ٹکڑیاں ساتھ پیش
کیا گیا اور وائسرائے نے وہی الفاظ فرمائے جو اوپر آچکے ہیں اور ایک ایک
کو فیتہ اور حمائل عنایت کیا۔ یہ دوسرے درجے کے تمغے تھے اس کے بعد تیسرے
درجے کے تمغے پانے والے کمپینین چودہ صاحب پانچ پانچ کی قطار میں
پیش کیئے گئے اور وائسرائے نے سکریٹری کو تمغہ دیا اور انھوں نے
لے آویزاں کر دیا۔ اس کے بعد کارروائی ختم ہوئی اور وائسرائے اور
ڈیوک اپنے اپنے سٹاف سمیت تبدیل لباس کے کمرے میں تشریف لے گئے
یہاں سٹار آف انڈیا کے آسمانی چغوں اور تمغوں کے بدلے انڈین امپائر
طبقے کے گہرے نیلگوں قریب قریب ارغوانی چغے اور تمغے پہن کر عطائے
خلعت و خطاب کے دالان میں تشریف لائے۔ سکریٹری نے اطلاع دی
کہ آج کے اجلاس میں تین نائیٹ گرینڈ کمانڈر اور اٹھارہ نائیٹ کمانڈروں کے
خلعت اور (۳۶) کمپینیوں کو تمغے دیئے ہیں۔ چنانچہ حسب قاعدہ ان رسم
کی تکمیل کی گئی اور دربار برخاست ہوا اور جس ترتیب اور اہتمام سے یہ سب
معززین تشریف لائے تھے اُسی تزک و احتشام اور جلوس سے واپس
تشریف لے گئے۔ غرض سب سے بڑی رسم جو ابتدائے سلطنت شاہان مغلیہ
سے لے کر آج تک شاید ایوان شاہی میں کبھی نہیں ہوئی تھی اس تقریب کے
انصرام میں کچھ کم دو گھنٹے صرف ہوئے۔

اب وائسرائے اور ڈیوک آف کاناٹ دوسرے ممبروں سمیت جلسے کے کمرے میں بہ ترتیب مراتب داخل ہوئے اور ہز رایل ہائینس نے مسٹر ہیو بارنز کو نیٹ کمانڈر کا تمغہ پہنایا - جب سب معززین ہال میں داخل ہوکر اپنی اپنی جگہ قرینے سے بیٹھ گئے اور سب کے سب پوری وردی پہنے ہوئے تھے تو امرا کا جو اس وقت دہلی میں موجود تھے ایک جلوس ترتیب دیا گیا اور شہنائی بجنے لگی اور جلوس آہستہ آہستہ دو دو کی ترتیب سے دالان تک پہنچا اور یہ لمبا سلسلہ یہاں آن کر اکہری لین میں ہوگیا - جن میں سب سے آگے ڈیوک آف کاناٹ آخر میں گرینڈ ماسٹر تھے - جیسے جیسے جلوس دالان کے سامنے کی طرف کو پہنچتا گیا کمپینین اور نئیٹ اور گرینڈ کمانڈر سلسلے سے ٹوٹ ٹوٹ کر اپنی اپنی جگہ بیٹھتے گئے - اس جلوس میں (۲۰۷) معززین یورپین و ہندوستانی - (۲۸) خادم تھے - ڈیوک آف کاناٹ کے ساتھ رایل سٹاف کا ایک افسر اور پیجز (غلمان) اور آپ کے سٹاف کے (۵) انگریز وائسرائے کے سٹاف میں چار ایڈیکانگ اور غلمان اور پھر چھ ایڈی کانگ - ڈیوک آف کاناٹ فیلڈ مارشل کی وردی میں تھے - طبقۂ سٹار آف انڈیا کے گرینڈ کمانڈر کے تمغے کے ساتھ ریشمی گون (چغہ) زیب تن کیے ہوئے تھے - حضور وائسرائے آسمانی رنگ کا مخملی چغہ اور اسی اعلیٰ منزلت طبقے کے گرینڈ ماسٹر کا تمغہ پہنے ہوئے تھے - راج رانا مان سنگھ نوعمر راجپوت امیرزادہ دہ سالہ فرزند ٹھاکر صاحب دلوار اور اسی کا ہم عمر ایک لڑکا دھولپور کے مہاراج رانا کا بھائی سپہ سالار رہز آلہٰ خاندان سر جی راجہ اودی بھان سنگھ شمشیر جنگ بہادر یہ دو لڑکے ہز رایل ہائینس کی معزز خواص کے لیئے مقرر ہوئے وائسرائے کے خادم خاص کشمیر کے راجہ سر امر سنگھ کے ہفت سالہ فرزند میاں ہری سنگھ تھے - راجہ سر امر سنگھ ۱۸۷۷ء کے مجمع قیصری میں لارڈ لٹن کے خادم خاص بنے تھے - ہز ایکسیلنسی کے دوسرے خادم صاحبزادہ حمید اللہ خاں ہر ہائینس بیگم صاحبہ بھوپال کے ہفت سالہ فرزند اصغر تھے - جب وائسرائے بیٹھ لیئے تو سر ہیو بارنز نے سنہ نشین کے پاس پہنچ کر اطلاع دی کہ آج کے اجلاس میں طبقۂ سٹار آف انڈیا کے ایک نئیٹ گرینڈ کمانڈر اور بارہ نئیٹ کمانڈر اول

سے بیچ بیٹھا بہرکی مچار رہا ہی اور اُس کے گرد جانور بیٹھے بس رہے ہیں۔ اب اس کا یہ حال تھا کہ کام بہت کھٹکا ہی۔ اس نقش و نگار کے تختے کی ابتدا کسی وقت سے بھی ہو اس تاریخی واقعے میں شک نہیں کہ غدر کے وقت تک یہ پچیکاری کا کام تخت کی چھیت کی دیوار میں تھا۔ غدر کی لٹس میں جیسی گت اور مقامات کی ہی وہی سلوک اس ٹکڑے سے بھی کیا گیا۔ بھلا اس میں کیا سُرخاب کا پر لگا تھا جو لٹیروں کی دست برد سے صحیح سلامت رہ جاتا۔ کسی انگریزی عہدہ دار کے ہاتھ لگیں مال مفت دل بے رحم اُس نے انگلستان لے جا پانسو پونڈ میں گورمنٹ ہی کے ہاتھ کوڑے کیئے۔ لارڈ کرزن کو تو ٹٹول تھی ہی اُن کو پتہ لگا کہ یہ سلیں ساؤتھ کنسنگٹن کے لندن کے عجائب خانے میں جوائب وکٹوریا اینڈ البرٹ میوزیم کہلاتا ہی کس بیرسی کی حالت میں پڑی ہیں لاٹ صاحب نے بہ تقاضائے شدید منگوائیں کہ دربار سے پہلے پہلے ان کو اپنی اصلی جگہ جڑوا دیا جائے لیکن آتے آتے اتنی دیر لگی کہ دربار ہو چکا مگر لاٹ صاحب اپنی دُھن کے پکے تھے منگاکر اور لگاکر ہی چھوڑا گویہ کام دربار کے بعد ہوا مگر اپنے ارادے کو پورا کیا ہر کیا۔ اب ہم پھر اجلاس عطائے خطابات و خلعت کی طرف عود کرتے ہیں۔ اصلی دیوان عام کی جگہ میں صدر چبوترے تک بیچ میں کشادہ رستہ چھوڑ کر اُس کے دونوں طرف کرسیوں کی قطاریں لگادی تھیں۔ چبوترے پر سرخ قالین کا فرش تھا اور اُس پر سنہری کارچوب سے شاہی نشان بنایا گیا تھا۔ بیچ کے رستے کے دونوں طرف عمارت کے جدید حصے میں رستے سے زاویۂ قائمہ بناتی ہوئی تماشائیوں کی کرسیوں کی قطاریں تھیں۔ ہال میں بجلی کی روشنی پونچادی گئی تھی جس سے وہ بقعۂ نور بن گیا تھا۔ دیوان عام کی توسیع میں اس بات کا بڑا خیال رکھا گیا تھا کہ اصلی عمارت کو کسی قسم کا دھکا نہ لگے۔ اودھر دربار ختم ہوا اُدھر یہ تمام عارضی توسیعات نکال دی گئیں اور کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں آتا کہ دیوان عام کو کس طرح بنایا سنوارا اور سجایا۔ یوں سمجھئیے۔ ع خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا تو بجے کے تھوڑی ہی دیر بعد گرینڈ ڈیوک آف ہسی مع اسٹاف کے تشریف لائے اور پھر ڈچس آف کناٹ اور لیڈی کرزن۔ یہ سب صدر مقام میں تشریف فرما ہوئے

جگمگاتی ہوئی چھت سے پٹا ہوا سنگ مرمر کا چبوترہ تھا لیکن پیچھے کو ہٹا ہوا معلوم ہوتا تھا کیوں کہ اب اس کے آگے ستونوں کی تین قطاروں کی جگہ چھ قطاریں تھیں اور یہ کام اس خوبی سے کیا تھا کہ نئے پرانے ستونوں میں تمیز نہ ہو سکتی تھی۔ اتنا تو ظاہر دکھائی دیتا تھا کہ دیوان عام بڑھایا گیا ہے مگر کس طرح اور کس تدبیر سے یہ تو وہی بتا سکتے جو اس راز سے واقف ہوں۔ دوسری بات یہ تھی کہ بیچ کے والان میں تختوں کا فرش کر کے اوپر سے قالین بچھا دیئے گئے ہیں اور تخت کے شہ نشین کے سامنے ایک نیا شہ نشین بنایا گیا ہے۔ اس نئے شہ نشین پر چاندی کی دو کرسیاں دور سے زربفت کے فرش پر بچھی ہوئی دکھائی دیتی تھیں دونوں میں جو زیادہ شاندار تھی وہ وائسرائے کی تھی اور خاندان مغلیہ کے عین تخت کے شہ نشین کے نیچے بچھائی گئی تھی۔ اب بحث یہ آن پڑی کہ وائسرائے کو اسی شہ نشین پر بیٹھنا چاہیئے جہاں بادشاہ رونق افروز ہوتے تھے اگر نیچے بیٹھے تو تنقیص مرتبہ لازم آئے گا۔ لیکن موقع اور محل کے لحاظ سے یہ امر غیر موزوں تھا۔ شہ نشین اتنی اونچی ہے کہ آگے دار بدون سیڑھی کے نہیں چڑھ سکتے یا یہ کہ پچھیت کے دروازے سے چڑھیں اور پھر دوسرے اصحاب سے نئے موقع بر تری بھی غور طلب تھی نہ اتنی اونچان پر سے نیچے کھڑے ہوئے اصحاب کو خلعت اور تمغے پہنا سکتے تھا اسی سبب سے شاہی کرسیاں سنگ مرمر کے جڑاؤ چبوترے پر بچھائی گئیں جو حسب معمول تخت کے نیچے ہوتا ہے۔ مغلیہ دربار میں بادشاہ تو تخت پر بیٹھتے اور وزیر نیچے کے چبوترے پر کھڑا ہو کر عرض پیش کرتا تھا۔ پچیکاری کا کام جو اس چبوترے پر تھا وہ بالکل جا بجا سے اکھڑ گیا تھا۔ وائسرائے نے آگرے ــــــ ــــــ کاری گر بلا کر اس کو ایسا درست کرایا کہ گویا نیا ہو گیا۔ مغلیہ شہ نشین کی پچھیت کی دیواریں سنگ موسیٰ کی سلیں برابر جڑی تھیں جن پر پرند اور پھول بنے ہوئے تھے یہ کام ایک فرانسیسی صناع آسٹن ڈی بورڈو کے دست قلم کا تھا جو دلی کے لال قلعے اور آگرے کے تاج محل کے لیئے مامور بکار تھا۔ بیچ کی سل پر آرفیس کی ایک تصویر ہے جو ایک درخت کے

لہ مفصل حال قلعۂ معلیٰ کے بیان میں دیکھیئے۔ ۱۲

کیلیں جڑکر اُس کو خوشنما سا دیا تھا۔ جب کبھی کوئی شاہی تقریب ہوتی تو اس احاطے پر شامیانہ تان دیا جاتا تھا جس کا نام گلال باڑی تھا۔ دیوان عام میں دو جلسے ہونے والے تھے ایک تو ہندوستانی معزز طبقوں کے امیرانہ کا نہایت باشکوہ اجلاس کہ ایسا ہندوستان میں کبھی نہیں ہوا دوسرا اس کے بعد رقص و سرود کا جلسہ اور دونوں کے لیے وسیع جگہ درکار تھی لہذا دیوان عام کی اصلی وسعت کو سہ چند کر دیا گیا۔ وائسرائے نے حکم دیا کہ دالان کی نقل میں اس کے دو جواب اور بنائے جائیں بڑھانے میں ایسی ہوشیاری سے اصل کی نقل کی گئی تھی کہ بادی النظر میں صرف ایک ہی اختلاف پایا جاتا تھا کہ اجلاس عطائے خلعت و خطابات کے تماشائیوں اور رقاصوں کے لیے جو بیچ کے دالانوں کی توسیع کی گئی تھی اُس میں ستونوں اور محرابوں کا نکھیڑا نہ تھا بلکہ اس سرے سے اُس سرے تک کشادہ جگہ تھی اور تیسرے درجے یعنی بالکل باہر کے رخ کی جدید عمارت کے ستونوں اور محرابوں میں سنگ طرز اختیار کی گئی تھی تاکہ عطائے خلعت کے موقع پر لوگ یہاں جمع ہوں اور اُن کو خلعت پہنایا جائے اور ناچ کی رات یہاں آکر دم لیں۔ لوگوں نے وائسرائے سے کہا کہ اصلی دالان کی نقل جس طرح کی آپ چاہتے ہیں قریب ناممکن کے ہے ایک تو ویسے رنگ نہیں مل سکتے دوسرے جگہ نہیں وغیرہ وغیرہ لیکن وائسرائے مضبوطی کے ساتھ اپنی بات پر جمے رہے کہ عمارت معلیٰ ہو بہو بنانا لازم ہے۔ پس ہر ستون۔ ہر ڈھانچ۔ چھت کا ٹکڑا ٹکڑا موجودہ عمارت کے کسی نہ کسی حصے کی نقل تھا اور بڑا لال پردہ جس پر سفید پٹیوں سے محرابوں اور طاقوں کی شکلیں بنا دی گئی تھیں۔ اور جو دروازے پر لٹکایا گیا تھا بالکل اُسی نقشے کی نقل تھا جو سلاطین مغلیہ کے وقت سے بلا تبدیل چلا آیا ہے۔ لارڈ کرزن کی جدت پسند طبیعت کہ حسب عطائے خطابات کی رات مہمان مکان کے اندر داخل ہوئے تو بجائے اس کے کہ وہ دیوان عام کے تینوں طرف کھلے ہوئے شامیانے چوبوں پر نصب کیے ہوئے پاتے اُنھوں نے (۱۶۸) گز مربع زمین پر ایک بڑا لمبا چوڑا ہال دیکھا جس کی ہر طرف دیوار ہے۔ ٹھیک سامنے مدستور

اور دیوان خاص کی خوب صورتی کی برابر داد دیتے چلے آئے ہیں حتّٰی کہ وہ سیاح بھی جن کی آنکھوں نے آگرے کے تاج محل کے زیادہ خوب صورت تناسب کے مزے لوٹے ہیں یا جن کے دل بہادرانہ زمانے کے حیرت انگیز تغلق آباد کے کھنڈروں یا سلاطین ترکی کے آثار باقیہ سے متاثر ہوئے ہیں جنھوں نے قطب مینار - مقبرۂ التمش - علائی دروازہ بنائے - شاہجہانی قلعہ کہ وہ ایوانِ شاہی کا کام بھی دیتا رہا ہے اور والسراے کے داخلے کے دن شاہانہ جلوس بھی اُس کی فصیل کے نیچے سے ہو کر گزرا تھا - بعد کو اُسی میں دو بڑے جلسے اور ہوئے - ایک عطاے خطابات کا اور دوسرا بڑا بھاری بال یعنی ناچ - یہ اسی دیوان عام کا واقعہ ہے کہ سترّویں صدی کے وسط میں فرانس کے سیاح فرینسس برنیر نے اورنگ زیب کو تخت نشین ہوتے ہوئے دیکھا کہ مسلمان امرا اور ہندو راجہ اور ممالک غیر کے سفیر اُس کے گرداگرد مودب کھڑے ہوئے تھے بادشاہ مشہور تخت طاؤس پر جلوہ فرما تھا - دربار کا دستور یہ تھا کہ جب اس تخت کو کام میں لانا ہوتا تو مرمر کے مرصع شہ نشین پر جس میں رنگ برنگ کے جواہرات جڑے ہوئے تھے تخت کو لا کر رکھ دیتے شہ نشین پر شامیانہ تنا ہوتا تھا - سلاطین مغلیہ کا دستور تھا کہ تخت پر بیٹھ کر اعلیٰ و ادنیٰ سب کو باریابی کی اجازت دیتے - شہ نشین کے آگے جو جگہ تھی اُس میں چاندی کے ایک جنگلے سے گھیر کر کچھ جگہ اراکین سلطنت کے لیئے خاص کر لی گئی تھی - دیوانِ عام کا دالان جو سنگ سرخ سے بنایا گیا ہے شمالاً جنوباً (۱۸۰ فٹ) لمبا ہے اور اس کی گہراؤ (۶۰ فٹ) کی ہے - شہ نشین جس پر تخت شاہی بچھایا جاتا تھا مشرقی دیوار کے بیچوں بیچ کی محراب سے عین دروازے کے سامنے نکلا ہوا ہے - شمال اور مغرب اور جنوب کی طرف دالان کی کچھ روک نہیں - ستونوں کی تین قطار دو پر چھت ٹھیری ہوئی ہے - ستونوں کے بیچ بیچ میں سیدھی آڑی دُہری کٹوال محرابیں ہیں - قرمزی رنگ کے سرخ پتھر کی چوڑی سلیں گہری کارنس پر ٹکا کر چھت میں بچھا دی گئی ہیں - شاہان مغلیہ کے عہد میں دیوان عام کے سامنے کے میدان کو ویسے ہی سنگ سرخ کے جنگلے سے گھیر دیا تھا - جنگلے میں ملمع کی ہوئی

پھیلنا امید کے لمبے چوڑے وعدے - فرائض انسانی کے وسیع مطالبات ایسی چیزیں ہیں کہ ان کے تصور سے ہمارے دل جامے میں پھولے نہیں سماتے چیزوں کی عظمت دیکھ کر ہمارے دل دھڑکنے لگتے ہیں - وہ سنسنی جس نے مملکت کے دلوں کو ہلا ڈالا ہی ہم بھی اس میں شریک ہیں - ہمارے دل اُچھل رہے ہیں مگر صرف کر و فوت کی وجہ سے نہیں - دعوت ایمانی کا جو ہم کو اس موقع پر ہو رہی ہی ہماری طرف سے جواب یہ ہونا چاہئیے کہ ای خداوند ہم تیری ہی طرف لو لگاتے ہیں - یہ بڑے دلی جوش اور بڑے واقعات نفس الامری جو ایمان کی طرف بلا رہے ہیں اُن کو ہم دل سے قبول کرتے ہیں ہم کو اپنے فرائض اور اساسے حس کی خدمت گزاری بہ نسبت پہلے کے زیادہ دل دادہ زیادہ پاک نفس - اقوال و افعال میں زیادہ تر مسیح کی مانند - خدا کی عبودیت کے شایاں تر ہونا چاہیئے - ہم عیسائیوں کو صاف معمولی اور عام لفظوں میں تمام خلق اللہ کے سامنے اپنے نور ایمان کو چمکانا چاہیئے تاکہ سب لوگ ہمارے اعمال حسنہ کو برائے العین دیکھیں اور ہمارے آسمانی باپ کی عظمت کریں" اس ہفتے کی سنجیدہ رسموں میں سے اس سادی رسم سے زیادہ کوئی رسم دل پر اثر کرنے والی نہیں تھی جو زیر آسمان ایسے طریقے سے ادا کی گئی ہی جس سے شرکائے ادائے رسم کے کان بخوبی سے آشنا ہیں

اندرون ایوان شہنشاہ اعظم سلاطین مغلیہ

شاہجہاں نامے کے مصنف کا بیان ہی کہ بیدار دل شاہ جہاں کو یہ خیال آیا کہ بدولت پرانی دہلی کے قرب وجوار میں کنارۂ جمنا پر ایک بستان دار قلعہ بنائیں جس کے مکانات قصور جنت کے مشابہ ہوں - مزدور اور ہوشیار کاریگر پتھر تراشنے والے - کندہ کرنے والے تمام اطراف سلطنت سے جمع کیے گئے اور جلوس مبارک کے تیرھویں برس (۱۶۳۷ء) میں ایک عالی شان عمارت کی بنیاد رکھی گئی جو نو برس تین مہینے میں جاکر تمام ہوئی اور ساٹھ لاکھ روپیہ اس پر خرچ پڑا - سیاح لوگ مکانات اندرون قلعہ اور خاص کر دیوان عام

مملکت کے مذہبی خیالات کو بیدار کر دیا - لازم ہے کہ ہر رسم تاجپوشی کی اسی حیثیت کے شکرگزار گواہ ہوں - کیونکہ مختلف العقائد لوگوں کے جم غفیر میں ہم لوگ جو شاہ ایڈورڈ کی ہندوستانی سلطنت میں آباد ہیں عیسوی المذہب رعایا کے قائم مقام ہیں - مختلف العقائد لوگوں نے ان کو جن وجوہ سے شہنشاہ ہند تسلیم کیا ہے ان سب میں بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ عظیم الشان ام السلاطین ذوالخلائق ملکہ کے صادق جانشین ہیں اور والدہ بھی کیسی والدہ جنھوں نے اپنی ہندوستانی رعایا کو بالکل مذہبی آزادی کی طرف سے اطمینان دلا دیا ہے اور وہی مذہبی آزادی رعایا کو ناقابل تبدیل ورثے میں ملکہ سے ملی ہے اور جو ضروری اصلی گورنمنٹ کا اصول ہے - میں خیال کرتا ہوں کہ ملکہ نے دلکش اور شریف الفاظ میں وہ قابل یادگار وعدہ کرتے وقت اپنے آپ کو ایک عیسائیہ کے خطاب اور اس کی برکتوں کا مستحق بنا لیا ہے - اگر ہم عیسوی بھائی صرف ان باتوں کو جو میں نے آج بیان کیں یاد رکھیں تو ہمارے بھائیوں کے دل میں سے جو عیسائی نہیں ہیں ہمارا وقار مذہبی کم نہیں ہوگا بلکہ برعکس اس کے ہمدردی اور بھی زیادہ ہو جائیگی پس ہم لوگوں سے جو شاہنشاہ کی عیسائی رعایا اور عیسی مسیح کے خدام اور اُن کی دینی فوج کے سپاہی ہیں آج کا دن اس بات کا متقاضی ہے - اس وقت شاہ ایڈورڈ کی تمام مملکت میں فی الحقیقت عام لوگوں کے مذہبی خیالات میں ایک طرح کی تحریک پیدا ہو گئی ہے - ہماری محنتوں اور کوششوں نے بشمول رفیق الہی قومی دل کو اعلیٰ درجے کی سنجیدگی کی طرف مائل کر دیا ہے اور اس حیرت انگیز دربار میں ہم میں سے اکثروں نے اس سنجیدگی کے اثر کا احساس بھی کیا ہے اسی کو میں دعوت ایمانی کہتا ہوں - تمام دھوم اور دل لگی کی باتوں میں ہم کو پیش پا افتادہ بڑی بھاری ذمہ داری دکھائی دے رہی ہے - کسی قدر وہ کیفیت ہم پر طاری ہے جس کو ایک پیغمبر نے ان لفظوں میں بیان کیا کہ اے آدم زاد تیرا دل خدا سے ڈرے گا اور تجھ کو شرح صدر کا درجہ دیا جائیگا ساز و سامان کی شان و شوکت - فوجوں کا سامنے سے گزرنا - اقوام رنگا رنگ کا تزک و احتشام - تاریخ کے یکجائی نتیجے - اقتدار کی موجوں کا دور دورنگ

کو شکرانے کی نماز پڑھی جائے اور اس میں اہل قلم اور اہل سیف سب جمع ہوں۔ چنانچہ ۴ جنوری اتوار کی صبح کو موسٹ ریورنڈ ڈاکٹر آر۔ ایس کاپلسٹن کلکتے کے لارڈ بشپ نے جو سارے ہندوستان کے میٹراپالیٹن ہیں اور لاہور کے بشپ رائیٹ ریورنڈ ڈاکٹر جی لفرائے کی مدد سے نماز پڑھائی گئی۔ دہلی میں کوئی اتنا بڑا گرجا نہ تھا جہاں اتنے بہت سے لوگوں کی سمائی ہو سکتی لہذا دو سرہ راروں میں سے جو چوگاں کے لیئے طیار کیئے گئے تھے اُن میں سے ایک میں نماز کا اہتمام کیا گیا۔ اس موقع پر بشپ آف کلکتہ نے یوں خطاب فرمایا اُس شان وشوکت کے ساتھ جس کو دیکھ کر دلوں میں ایک طرح کا ولولہ پیدا ہوتا ہے اس قابل یادگار موقع پر جس میں انسانی ضروری اغراض مضمر ہیں اس کارروائی کے جزو اعظم کے طور پر ہم عیسائی دینی بھائی شاہنشاہ دوجہاں کی پرستش کے لیئے جمع ہوئے ہیں۔ ہم اس لیئے یہاں جمع ہوئے ہیں کہ جو نعمتیں خدا نے ہم کو دی ہیں اُن کے لیئے اپنے بادشاہ شہنشاہ ہند کے لیئے ایک اعتدال مزاج اور اُن کی مبارک تاجپوشی کے لیئے اور اُن تمام برکتوں کے لیئے جن سے قومی مسرت کا موسم مالا مال رہا خدا کا شکر ادا کریں اور ہم اپنے سچے دل سے اس کا شکریہ کرلتے بھی ہیں۔ آؤ اُن نعمتوں کے شکریئے سے بڑھ کر جن سے ہم متمتع ہو رہے ہیں ایسے خیالات کو منعم حقیقی کی طرف رجوع کریں کیوں کہ وہ اپنے نے انتہا جاہ وجلال اور محبت میں سلطنت کر رہا ہے۔ آؤ اُس کی ایسی حمد وثنا کریں جو اُس کی بارگاہ میں اولی بالقبول ہونے کے علاوہ ہماری عبودیت کے شایاں ہو اور جو یہ ہے کہ ہم اُس کے فرزند عیسی مسیح کے ذریعے سے دنیا جہاں کی نجات میں اُس عنایت بے غایت کا اقرار کریں۔ اگر ہم ایسا نہ کریں گے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ جو عمل ویسٹ منسٹر میں کیا گیا تھا ہم اس ہندوستانی جشن سے اُس کی یاد کو کامل طور پر تازہ نہ کرسکے۔ کیوں کہ وہاں جو کارروائی کی وہ ایک طرح کی عبادت اور عیسوی مذہبی رسم تھی اور نہ صرف اُس کا نظارہ جال عبادت کا سا تھا بلکہ اس میں اصل عبادت کا رنگ تھا جو محسوس ہوتا تھا اور جس لیئے

آپ صاحبوں کو معلوم ہی ہے میں شروع شروع میں بنگال کی فوج میں تھا اور میری تعیناتی اسی میرٹھ ڈویژن کے کمانڈ میں تھی پھر میں راول پنڈی کے کمانڈ میں چلا گیا اور اس کے بعد چار برس قریب بمبئی کی فوج کی کمانڈ میرے ہاتھ میں رہی اور اس لیئے میں کہہ سکتا ہوں کہ میرا تعلق کسی خاص پریزیڈنسی کے ساتھ نہیں بلکہ تمام ہندوستان کے ساتھ ہے۔ لیکن جن دنوں میں ہندوستان میں تھا اُسکے بعد بارہ برس کے اندر ہندوستانی فوج نے ہماری سرحد اور ہمارے ہندوستانی اور سمندر پار کے علاقوں کی حفاظت کے لیئے چڑھائی کی اور میں یہ خیال کرکے خوش ہوں کہ کیا افریقہ اور کیا چین اور کیا ہندوستان کی سرحد ہر جگہ ہندوستانی فوج کے ہر ایک حصے کو بخوبی معلوم تھا کہ فوجی ناموری کس طرح باقی رکھی جاتی ہے اور میں وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ تمام اقوام روزگار کی فوجیں ہندوستان کی فوج کو وقعت کی نظر سے دیکھتی ہیں۔ کوئی سی بھی فوج ہو اگر اُس کو لڑائی میں لگا ہو کا موقع نہیں ملتا تو یہ آرام کا زمانہ اُس کی بدقسمتی کا زمانہ ہے اور یہی حال بدرجۂ اولی ہندوستانی فوج کا ہوتا ہے اگر وہ سال در سال اپنے ہی ملک میں پڑی رہے لیکن میں ہرگز گفتگو سے کسی قدر الگ ہو گیا ہوں۔ میں ڈچس آف کناٹ کی طرف سے اس بات کے کہنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ وہ بھی میری طرح پھر ہندوستان میں آنے سے خوش اور آج کی تقریب میں شریک ہونے پر نازاں ہیں اور یور اکسیلنسی نے میرے بھانجے گرینڈ ڈیوک آف ہسی کی نسبت جو ارشاد کیا اس کی بابت بھی میں اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ وہ بھی ہندوستان میں آنے اور آپ کے یہاں مہمان رہنے کی مسرت کی بڑی قدر کرتے ہیں لارڈ کرزن آخر میں آج نوروز کے دن آپ سے عرض کرتا ہوں کہ آپ کی بڑی مہمان نوازی اور عطوفت آمیز اور دلی خیر مقدم کے ہم سب شکر گزار رہیں۔ جنٹلمین۔ جس مہربانی سے آپ نے میرا جام صحت نوش فرمایا میں آپ صاحبوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں "

شکرانے کی نماز اس کا بھی بندوبست کیا گیا تھا کہ دربار کے بعد پہلے اتوار

ہز رائل ہائینس کا جواب

یور اکسیلنسیر یور رائل ہائینسیز مائی لارڈز اینڈ جنٹلمن میں فی الحقیقت اس بات کا کہ جس مہربانی سے آپ صاحبوں نے آج کے عظیم الشان اور مبارک روز میں میرا جام تن درستی نوش فرمایا بہت ہی شکر گزار ہوں۔ میں اس بات کا آپ صاحبوں کو یقین دلاتا ہوں کہ جس وقت حضور ملک معظم نے جشن دربار کے موقع پر ہندوستان میں خاندان شاہی کی طرف سے مجھ کو بھیجنے کے لیے اپنی خواہش ظاہر فرمائی مجھ کو نہایت ہی مسرت اور خوشی حاصل ہوئی مجھے یہ امید کبھی نہیں تھی کہ میری ایسی قسمت کھلے گی۔ وہ زمانہ جن دلوں میں فوجی خدمت پر تھا بالکل بدل گیا ہے۔ آیرلینڈ ہندوستان سے بالکل مغائر ہے علیٰ ہذا القیاس ڈبلن اور دہلی کی حالت میں بڑا فرق ہے اور مجھے کبھی اتنی حیرت نہیں ہوئی تھی جتنی مجھ کو اس وقت ہوئی کہ جب مجھ سے ہندوستان بھیجنے کو فرمایا گیا۔ یہاں آنا میرے لیے ایک بڑی مسرت کا باعث ہے اور یہ مسرت ایسی ہے کہ کوئی شخص بھی جس کو ہندوستان کے ساتھ کسی طرح کا بھی تعلق رہا ہو اور اس نے تاج شاہی کی خدمت بھی کی ہو ضرور اس کا دل و جان سے خواہاں ہوگا ایک اور خیال بھی اس وقت میرے دل میں خطور کرتا ہے اور کسی قدر موجب تاسف بھی ہے کہ جب میں زمانہ سابق میں یہاں تھا تو خوش قسمتی سے میں نے تین وائسرایوں اور دو کمانڈران چیفوں کے زیر دست کام کیا اور لارڈ دلی تعلق کے سوائے مجھ کو ہندوستان سے کسی طرح کا واسطہ اور سروکار نہیں لیکن با ایں ہمہ میں خیال کرتا ہوں کہ اس بات کے کہنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ میں ہر ایک چیز کے ساتھ جو ملک معظم کی ہندوستانی مملکت کی عافیت اور خوش حالی اور عظمت پر موثر ہو بڑی دل بستگی رکھتا ہوں اور آیندہ بھی رکھوں گا اس ملک میں انگریز اور ہندوستانی میرے بہت دوست ہیں اور ان کو دوبارہ دیکھنا اور دیکھنا بھی ایسے حال میں کہ وہ خیر و عافیت سے ہیں اور اپنی اپنی جگہ میں ترقی کر رہے ہیں میرے لیے بڑی تشفی کی بات ہے۔ مجھ کو اس سے خاص کر بڑی خوشی ہوئی کہ میں پھر ایک بار ہندوستانی فوج سے مل لیا۔ جیسا

معلوم کرنے سے ہمارے ان خیالات کو اور بھی ترقی ہوئی ہے کہ ہزرائل ہائینس اپنے حرم محترم پرنسس کو بھی ساتھ لائے ہیں جن کی ہر دلعزیزی خود اُن کی ہر دل عزیزی سے دوسرے درجے میں نہیں ہے۔ اگرچہ میری تحریک سے کچھ بھی تعلق نہیں مگر ایک بات میں اور بھی عرض کروں گا کہ جس قدر مسرت سے شاہی خاندان کے ایک اور ممبر یعنی ہزرائل ہائینس گرینڈ ڈیوک آف ہسی کو ہم یہاں دیکھتے ہیں بیان میں نہیں آسکتی۔ یہ خود بھی حکمران بادشاہ ہونے کے علاوہ ہماری ملکہ آں جہانی کے نواسے ہیں۔ انھوں نے ہماری جماعت میں شامل ہونے سے ہم کو اعزاز بخشا ہے اور ان کا تشریف رکھنا ہم سب کی خوشی اور خوشحالی کا موجب ہے اور اب میں اپنی اصلی تحریک کی طرف رجوع کرکے امید کرتا ہوں کہ ہزرائل ہائینس ڈیوک آف کاناٹ ملک معظم کے حضور میں اُن کی سلطنت عظمیٰ ہندوستان کی خوشحالی اور خیر خواہی کا خوشگن خیال پہونچا دیں گے۔ میں ہزرائل ہائینس کو اس امر کا یقین دلا سکتا ہوں کہ اس مہتم بالشان موقع پر ان کی تشریف آوری کا ہم سب بڑا فخر سمجھتے ہیں۔ جب ہمارے دہلی کے کرنے کے کام ختم ہو چکیں گے ہم امید کرتے ہیں کہ ہم ان کے لیئے اُن مقامات اور اُن لوگوں میں جن کے ساتھ ان کو خاص تعلق ہے ایک تفریح کے دورے کا انتظام کرسکیں گے اور جب سواحل ہندوستان سے لنگر اُٹھا کر روانہ ہوں گے میں امید کرتا ہوں کہ ہندوستان کی یہ بات مستقل اور نا متزلزل طور پر ان کے حافظے کے نصب العین رہے گی کہ اس ملک کے یورپین اور ہندوستانی لوگوں کے دلوں میں ڈچیس اور اُن کی محبت یکساں جاگزین ہے اور ان کی اس دفعہ کی آمد اس کو اور بھی راسخ کردے گی جنٹلمین۔ میں آپ صاحبوں سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ میرے ساتھ ہمارے عالی مرتبت مہمان ہزرائل ہائینس ڈیوک آف کاناٹ کی تن درستی اُن کے فرحت بخش سفر اور سلامتی کے ساتھ اُن کی واپسی کے جام نوش فرمانے میں شریک ہوں۔ (جام بڑے جوش کے ساتھ نوش کیا گیا) ہزرائل ہائینس تحریک جام تن درستی کا جواب دینے کے لیئے کھڑے ہوئے تو لوگ بڑی سرگرمی سے اُن کی طرف متوجہ ہوئے اور اُنھوں نے فرمایا:۔

ڈیوک آف کناٹ کا ٹوسٹ

آنریبل ہائینس یور ایکسلنسیز
مائی لارڈز اینڈ جنٹلمن۔
صرف ایک ہی جام صحت

اور ہو شے میں آپ صاحبوں کی خدمت میں آج شام کو پیش کرتا ہوں۔ ابھی کہہ چکا ہوں کہ حضور ملک معظم اس سے بہت ہی افسردہ خاطر ہو گئے ہیں کہ وہ اپنی جشن تاجپوشی کے موقع پر یہاں بہ نفس نفیس رونق افروز نہ ہو سکے۔ لیکن چوں کہ یہ ناممکن تھا حضور ملک معظم نے یہ طریق اختیار کیا اور وہ ایسا طریق تھا کہ اگر یہ مسئلہ ہمارے سامنے پیش ہوتا تو ہم بھی بالاتفاق یہی رائے دیتے کہ انھوں نے اپنے ایک عزیز رشتے دار کو مامور فرمایا کہ خاندان شاہی کی قائم مقامی کریں۔ چوں کہ پرنس اور پرنسس آف ویلز کو اس موسم سرما میں ہندوستان تشریف لانا ناممکن معلوم ہوا اگرچہ ہم کو امید ہے کہ یہ عزت افزائی صرف چند ہی روز کے لیے ملتوی کی گئی ہے لامحالہ حضور ملک معظم کا انتخاب اپنے برادر عزیز ڈیوک آف کناٹ پر واقع ہوا جن کا آج کے جشن میں اور اس وقت دربار کو رونق افروز ہونا ہماری غیر معمولی مسرت اور دلشادی کا باعث ہوا ہے۔ الغرض دو وجہ سے ہمارے ایسے خیالات ہیں۔ اول یہ کہ ہم کو ہز رائل ہائینس کی تشریف آوری سے شہنشاہ کے التفات خاص اور دلچسپی کی یقینی طور پر تصدیق ہوتی ہے جو ہمارے حق میں مبذول ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ہز رائل ہائینس ڈیوک آف کناٹ کے علاوہ کوئی ایسا شاہزادہ نہیں ہے بلکہ اس سے بڑھ کر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ کوئی ایسا عہدہ دار بھی نہیں کیوں کہ ہز رائل ہائینس ہم ہی میں کے ایک رہے ہیں اور ہند میں تاج شاہی کی خدمت کرتے رہے ہیں جو اس ملک کے ہر درجے کے لوگوں اہل قلم و اہل سیف یورپیئر اور ہندوستانیوں کی نظر میں عزیز رہے ہیں۔ پس یہ ہم میں صرف اس حیثیت سے واپس تشریف نہیں لائے کہ ہمارے بادشاہ عالی جاہ کے سفیر ہیں اور بس۔ بلکہ اس حیثیت سے بھی کہ ہمارے پرانے کرم فرما ہیں جن کی عظمت اور محبت سارے ہندوستان کے دل میں راسخ ہے اور اگر مجھ کو اپنے تحریک کے صراط مستقیم سے ایک منٹ کے لیے بھی عدول کرنے کی اجازت دی جائے تو میں اتنا اور کہوں [illegible]

حضور ملک معظم کی جشن تاجپوشی کے لیئے تجویز کی گئی تھی اور وہ ایسا منظر تھا جس کی عظمت ضرور ہر ایک دیکھنے والے کے دل پر طاری ہو تی گی۔ اس جشن نے سر زمین ہند کے ہر ایک باشندے کو خواہ وہ یوروپین ہو یا ہندوستانی اس عمل داری کی اصل حقیقت صاف طور پر معلوم کرادی جس کے زیر حکومت ہم لوگ زندگی بسر کرتے ہیں اور ایک نادیدہ اور دور دست محرک ذریعے سے اس عظیم الشان پولٹیکل مشین کی ہر ایک جنبش کو زبردست طاقت اور قوت کے ساتھ قابو میں کیئے ہوے ہے اور میں یہ بھی امید کرتا ہوں کہ اس جشن نے اچھی طرح ہمارے عالی مرتبت مہمانوں اور تمام شرکاء بزم جشن کے ذہن نشین کر دیا ہوگا کہ حضور ملک معظم کا یہ ہندوستانی علاقہ نرا ایک فضول دم چھلا نہیں ہے جو انگریزی سلطنت کے ساتھ باندھ دیا گیا ہے بلکہ ایک سلطنت ایک بڑا اعظم اور بجاے خود ایک ملک ہے۔ ایسی کون سی خوبی ہے جو اس کی ذات اور اس کی پچھلی یادگاروں میں نہیں۔ اس کو اپنے بل بوتے پر بہت بڑا ابھرو ہے

بالاے سرش ز ہوش مندی می تافت ستارۂ بلندی

کا مصداق ہے۔ ممالک متحدہ اور سمندر پار انگریزی مقبوضات کی سلطنت کا بادشاہ ہونا بڑا عالی قدر اور معزز خطاب ہے مگر شاہنشاہ ہندوستان ہونا کسی طرح اس سے کم نہیں بلکہ بعض اعتبارات سے اس سے بڑھ کر ہے۔ کیوں کہ جس زمانے میں انگریز بدن کو رنگین کیئے ہوے جنگلوں میں پڑے پھرتے تھے اور جس زمانے میں انگریزوں کی نوآبادبستیاں ویران بیابان تھیں یہاں اس وقت بھی بڑی زبردست سلطنتیں برسر ترقی موجود تھیں اور ہندوستان نے فن تاریخ اور فلسفہ اور مذاہب میں اپنا ایسا سکہ جمایا کہ روے زمین پر کسی ملک کو یہ بات نصیب نہیں ہوئی۔ اس عروج کے زمانے میں ایک انگریز بادشاہ کا ایسا کار نمایاں کر گزرنا جس کا ان سے پہلے کسی بادشاہ سے سر انجام نہ ہوسکا۔ جو سکندر اعظم کے خواب و خیال میں بھی نہیں گزرا۔ جس کی بجاآوری اکبر سے نہ ہوسکی میری راے میں تاریخ کا نہایت دل نشین اور زمانہ حال کے عجائبات میں بڑا عجیب واقعہ ہے۔ واقعے سے میری مراد ہے گروہ کثیر رعایا کو امن و عافیت کی حالت میں رکھنا۔ افراد میں یکسانی پیدا کرنا اور ان کے مجموعے کو مناسب الاجزا مرکب بنانا۔ یور رایل ہائینسز یور اکسیلنسیز اینڈ جنٹلمن۔ میں۔ بلے تامل اس بات کو

انگریزی سلطنت کی تقدیر میں جو کچھ بھی ہو شاید اس سے بھی بڑھ کر شان دار[1] اتفاقات ہیں آنے والے ہوں یا ما در وقت حاملہ فرداچہ زاید اس کی تقدیر میں وہی انجام ہو جو اس سے پہلے تمام سلطنتوں کا ہوا۔ بہرکیف یکم جنوری ۱۹۰۳ء کی جبل بہل یہاں کی تاریخ میں ایک نمایاں علامت ہوگی جس پر ناظرین کی نگاہ ضرور ٹھٹکے گی اور ہندوستان کی عظمت کی سرگزشت میں یہ وقت ایک ساعت سعید سمجھا جائے گا۔

شاہی دعوت

دربار کی شام کو ہی وائسرائے کے خیمہ گاہ میں ایک بڑی بھاری اور پرتکلف شاہی دعوت ہوئی جس میں لارڈ کرزن لیڈی ڈیوک آف کاناٹ گرینڈ ڈیوک آف ہیسی اور ان کے ہالی موالی۔ گورنران بمبئی و مدراس و کمانڈر ان چیف و لفٹنٹ گورنران پنجاب برما ممالک متحدہ و بنگال اور کئی اعلیٰ عہدہ داروں اور ممالک غیر کے نام وکلاء اور ان کے علاوہ چند دیگر ممتاز اشخاص کو مدعو کیا تھا۔ سب ملاکر (۱۱۲) صاحبوں سے کچھ اوپر ہی مہمان تھے۔ ڈنر کے ختم ہونے پر وائسرائے شہنشاہ معظم کے جام صحت کی تحریک کے لیے کھڑے ہوئے اور حسب ذیل تقریر کی

رائل ٹوسٹ

یور رائل ہائینسز۔ مائی لارڈز اینڈ جنٹلمین۔ میں حضور ملک معظم شاہنشاہ ہند کے جام صحت کی تحریک کے لیے کھڑا ہوا ہوں۔ آج میرے ہمراہ بڑی رسم بجالائے اور میں امید کرتا ہوں کہ کامیابی کے ساتھ جو اس ملک میں

[1] یہ کس کو خبر تھی کہ ایڈورڈ ہفتم کا راں سلطنت اس قدر جلد ختم ہو جائے گا آٹھ برس میں ہی (۱۹) دن کم تھے کہ ملک معظم جارج پنجم کی تاجپوشی کا دربار ۱۲ دسمبر ۱۹۱۱ء کو دلی میں ہوا۔ یہ دربار پہلے دونوں درباروں سے ہر اعتبار سے بڑھ گیا۔ پہلے دونوں دربار دولہا کی برات تھی اور بری نقل تھی اور یہ دربار تو سچ مچ کا دربار تھا کہ برات کے ساتھ دولہا اور دولہا کے ساتھ دلہن یعنی شاہ معظم اور ملکہ معظمہ دونوں کے قدوم میمنت لزوم سے سرزمین دہلی کی شان فلک معظم سے بڑھ گئی تھی دکھئی یہ فخر آنہ اصل اصل ہی ہے اور نقل نقل دستان دیکھا۔ ع۔ اصل و نقل چلے فرق بسیار است ۱۲

ساتھ شاہزادہ میر عثمان علی خاں بہادر نظام حال اور اُن کے وزیر مہاراجہ پیشکار سر کشن پرشاد بھی تھے۔ "اِس امر نے مجھے نہایت مسرت بخشی کہ یہاں ایسے مبارک اور قابل یاد موقع پر حاضر ہوں۔ میں یقین کرتا ہوں کہ یور اکسلنسی کو معلوم ہے کہ مدت العمر میری کوشش یہ رہی ہے کہ میرے خاندان کو تخت برطانیہ کے سچے معاون ہونے کا جو تعلق رہا ہے اس کو قائم رکھوں اور مستحکم کروں اور اس حیثیت سے میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ اتنی عنایت کیجیے کہ میری نہایت دلی مبارکباد بادشاہ قیصر ہند کی خدمت تک پہنچا دیجیے اور اُن کو میری جانب سے یقین دلا دیجیے کہ وہ ہمیشہ مجھے اور میرے خاندان کو ہر لحاظ سے سچا اور وفادار معاون پائیں گے۔" آخری مبارکباد دیئے جانے کے بعد ہی شاہی دربار ختم ہوا۔ پونے دو گھنٹے تک دربار رہا شاہی سامان پھر جلوہ گاہ میں آموجود ہوے۔ امپیریل کیڈٹ کے دستے نے مشکی جنگی گھوڑوں پر سوار اور وائسرائے کے باڈی گارڈ نے لال سنہری وردی پہنے ہوے اپنی پہلی جگہ سنبھالی۔ لارڈ اور لیڈی کرزن اُنہی مراسم کے ساتھ جو اُن کی آمد کے وقت بجالائی گئی تھیں گاڑی میں سوار ہوے۔ جوں ہی وائسرائے گاڑی میں بیٹھے پہلی سلامی کی توپ سر ہوئی انبوہ کے نعرہ ہائے تحسین میں جلوس آہستہ آہستہ جلوہ گاہ سے باہر نکلا پھر ڈیوک اور ڈچس آف کناٹ اور ڈیوک آف ہسی۔ ممالک غیر کے وکلاء۔ لارڈ کچنر اور ممبران کونسل وقس علیٰ ہذا لوگوں کا جم غفیر بے تکلف اور بدون کسی طرح کی گڑبڑ کے تین بجے تک منتشر ہو گیا۔ غرض دربار تاجپوشی ختم ہوا شروع سے اخیر تک نہ تو کسی طرح کا خلل واقع ہوا اور نہ کسی قسم کی غلطی پیش آئی۔ عین انعقاد کے زمانے میں بھی دلوں میں دربار کی اتنی باتوں کا اثر تو ضرور ہوا۔ سب سے بڑا اثر باقاعدہ سنجیدگی کا پھر دھوم دھام اور شان و شوکت کا جس کی نظیر شاید ہی کسی نے دیکھی ہو۔ پر جوش خیر خواہی اور ارادت مندی کا۔ بہر و وقت یہ جذبات اُن لوگوں کے دلوں میں راسخ ہوتے گئے جن کو دربار کے دیکھنے کا موقع ملا تھا اب اُن کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سلطنتوں اور قوموں کی تاریخ میں ایسی سیر تو شاید ہی کسی کو دیکھنی نصیب ہوئی ہو گی اور غالباً یہ ہے کہ آئندہ بھی ایسی سیر دیکھنے میں نہیں آئے گی۔ ہندوستان کی

کہ فرماں روا عالم اور قادر مطلق کی عنایت سے ان کی شہنشاہی اور قوت سالہائے دراز تک قائم رہے۔ ان کی رعایا کی بہبودی روز بروز ترقی کرے۔ ان کے افسروں کے انتظام پر عقل اور نیکی کی مہر ثبت ہو اور اس کی سلطنت کا استحکام و بہبود ہمیشہ برقرار رہے "

خدا کرے ہمارا بادشاہ زندہ سلامت رہے "

یہ کہہ کر وائسرائے بیٹھ گئے۔ حالیکہ تمام مجمع کے نعرہ ہائے جوشی بلند تھے انھوں نے ٹھیک آدھ گھنٹے تک تقریر کی۔ پھر بینڈ بجنے لگا اور پھر میکسول نے اپنی ٹوپی بلند کر کے بے انتہا بلند آواز سے شاہ قیصر ہند کے لئے تین چیر دیئے اور اس کے ساتھ سولہ ہزار آدمیوں کی چیرز کا غلغلہ اس تماشہ گاہ عظیم کے اس سرے سے اس سرے تک گونج اٹھا۔ ایک آخری رسم فرماں روایان ریاست کو پیش کرنے کی تھی کہ وہ اپنے شہنشاہ کا اظہار اطاعت کریں اور اپنی اپنی مبارکباد کے پیغام دیں۔ چنانچہ سر ایچ بارنز فارن سکرٹری نے اسی ترتیب سے جو پہلے سے قرار پا چکی تھی والیان ملک کو پیش کرنا شروع کیا جو شہ نشین تک جاتے تھے جہاں وائسرائے اور ڈیوک کھڑے تھے۔ فارن سکرٹری رئیس کے نام اور خطاب کا اظہار بآواز بلند کرتے۔ پہلے وائسرائے مصافحہ کرتے بعد ڈیوک۔ پھر رئیس حسب مناسب اظہار خیر خواہی کرتے۔ وائسرائے نے بخیال اس امر کے کہ رؤسا کی کسی قسم کی تحقیر یا تذلیل نہ ہو نذر لینے کے طریقے کو جس کی پابندی لازمی طور پر وائسرائے کے دربار میں کی جاتی ہے اس شاہی دربار میں اس کو جائز نہ رکھا۔ متعدد رؤسا نے وائسرائے کی خدمت میں پیش ہو کر دلی مبارکباد اپنی جاں نثاری اور خیر خواہی کا اظہار کیا اور بعض نے چند برجستہ فقرے کہے جو کم پسندیدہ نہ تھے کہ دل سے نکلے تھے۔ ان الفاظ سے زیادہ ان کے شوق اور ان کی رضامندی بھی ظاہری علامات سے نمایاں تھی۔ گو اس امر کی ضرورت نہیں کہ ہر ایک کا اعلان کیا جائے جو رؤسا نے پیش کیا۔ یہاں بطور نمونہ ہند کے سب سے بڑے رئیس ہز اگزالٹڈ ہائینس حضور پر نور نظام حیدر آباد نواب سر میر محبوب علی خاں بہادر بالقابہ کے گراں بہا الفاظ کے نقل کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ حضور ممدوح کے

صبر اور ان کی نمک حلالی یاد آتی ہے تو تعجب ٹیکس کی تدابیر سوچنے میں مجھے نہایت خوشی ہوتی ہے۔ یہاں اُن رعایتوں اور مہربانیوں کے بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں جن کا دربار سے خاص تعلق ہے وہ کہیں اور درج ہیں تاہم فوجی افسروں سے میں اتنا کہنے کا مجاز ہوں کہ آج سے انڈین سٹاف کور کا نام موقوف ہو گیا اور آپ سب ملک معظم کی ہندوستانی افواج سے متعلق ہیں۔ اے امرائے عالی وقار و متوطنان ہند۔ جب ہم ہندوستان کے مستقبل پر نظر ڈالتے ہیں تو بلا خطر خزاں اس ملک کی ترقی کا باغ سدا بہار نظر آتا ہے۔ ہندوستان کے متعلق کوئی ایسا مسئلہ نہیں خواہ وہ آبادی کا ہو یا تعلیم کا ہو یا معاش کا جس کو موجودہ تدابیر نے حل نہ کیا ہو بہت سے مسائل کا حل تو اب ہماری آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے۔ اگر برطانیہ اور ہند کی متفق افواج سرحد پر مسلسل امن قائم رکھ سکتی ہیں اور اگر ہند کے فرماں رواؤں اور رعایا یورپین ہندوستانیوں - حاکموں اور محکوموں میں اتحاد رہے اور موسم اپنی فیاضی میں مضایقہ نہ کرے تو دیکھیں بھلا ہندوستان کی ترقی کس طرح رُک سکتی ہے۔ ہندوستان بفضل کردگار ایک مستقل قحط ناک - بدبخت اور نفاق سے بھرا ہوا ہندوستان نہیں ہوگا بلکہ اس کی تجارت کے چشمے جاری ہو جائیں گے۔ اس کے باشندوں کی عقلیں بیدار ہو جائیں گی۔ اس کی بہبودی روز افزوں ہوگی اور آرام اور دولت کی ہر طرف ریل پیل ہو جائے گی۔ میں اپنے ضمیر اور اپنے ملک کے مقاصد پر بھروسہ کرتا ہوں اور ساتھ ہی مجھ کو اس ملک کے بے انتہا ترقی کے سامان دیکھ کر یقین ہے کہ ترقی ضرور ہوگی لیکن یہ یاد رہے کہ یہ مستقبل کبھی بصورت حال نہیں ہو سکتا جب تک کہ کسی بے نظیر حکومت کی عظمت نہ تسلیم کر لی جائے اور یہ بات صرف زیر سایہ سلطنت برطانیہ ہی ممکن ہے - اور اب میں اس تقریر کو اختتام پر لانا چاہتا ہوں - میں اُمید کرتا ہوں اہل ہند کو یہ مجمع عظیم مدت دراز تک یاد رہے گا اس اعتبار سے کہ یہاں ان کو بڑی تقریب کے موقع پر اپنے شہنشاہ کی ذات اور اُن کے خیالات سے معرفت تامہ ہوئی - میں امید کرتا ہوں کہ لوگ جب جب اس تقریب کو یاد کریں گے اُن کو فرحت اور مسرت ہوگی اور زمانۂ شاہ ایڈورڈ ہفتم کا عہد جس کا آغاز ایسا مسعود ہے تواریخ ہند اور سینۂ اہل ہند میں محفوظ رہے گا - ہم دعا کرتے ہیں

کہ ہماں روا عالم اور قادر مطلق کی عنایت سے ان کی شہنشاہی اور قوت سالہائے دراز تک قائم رہے۔ ان کی رعایا کی بہبودی روز روز ترقی کرے۔ ان کے افسروں کے انتظام پر عقل اور نیکی کی مہر ثبت ہو اور اس کی سلطنت کا استحکام و بہبود ہمیشہ برقرار رہے"

خدا کرے ہمارا بادشاہ زندہ سلامت رہے"

یہ کہہ کر وائسرائے بیٹھ گئے حالانکہ تمام مجمع کے نعرہائے خوشی بلند تھے انھوں نے ٹھیک آدھ گھنٹے تک تقریر کی۔ پھر بینڈ بجنے لگا اور میجر میکسول نے اپنی ٹوپی بلند کر کے بے انتہا بلند آواز سے شاہ قیصر ہند کے لئے تین چیرز دیئے اور ان کے ساتھ سولہا ہزار آدمیوں کی چیرز کا غلغلہ اس تماشہ گاہ عظیم کے اس سرے سے اس سرے تک گونج اٹھا۔ ایک آخری رسم فرمانروایان ریاست کو پیش کرنے کی تھی کہ وہ اپنے شہنشاہ کا اظہار اطاعت کریں اور ایسی ایسی کمار کے پیغام دیں۔ چنانچہ سر۔ اینچ بار نر فارن سکرٹری نے اسی ترتیب سے جو پہلے سے قرار پا چکی تھی والیاں ملک کو پیش کرنا شروع کیا جو شہ نشیں تک جاتے تھے جہاں وائسرائے اور ڈیوک کھڑے تھے۔ فارن سکرٹری رئیس کے نام اور خطاب کا اظہار بہ آواز بلند کرتے۔ پہلے وائسرائے مصافحہ کرتے بعد ڈیوک۔ پھر رئیس حسب مناسب اظہار خیر خواہی کرتے۔ وائسرائے نے خیال اس امر کے کہ رؤسا کی کسی قسم کی تحقیر یا تذلیل نہ ہو ندر دینے کے طریقے کو جس کی پابندی لازمی طور پر وائسرائے کے دربار میں کی جاتی ہی اس شاہی دربار میں اس کو جائز نہ رکھا۔ متعدد رؤسا نے وائسرائے کی خدمت میں پیش ہو کر دلی مبارکباد اپنی جان نثاری اور خیر خواہی کا اظہار کیا اور بعض نے چند برجستہ فقرے کہے جو کم پسندیدہ نہ تھے کہ دل سے نکلے تھے۔ ان الفاظ سے زیادہ اُن کے شوق اور اُن کی رضامندی بھی ظاہری علامات سے نمایاں تھی۔ گو اس امر کی ضرورت نہیں کہ ہر کلام اعلان کیا جائے جو رؤسا نے پیش کیا۔ یہاں بطور نمونہ ہند کے سب سے بڑے رئیس ہز اگزالٹڈ ہائنیس حضور پر نور نظام حیدر آباد نواب سر میر محبوب علی خاں بہادر بالقابہ کے گراں بہا الفاظ کے نقل کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہی۔ حضور ممدوح کے

صبر اور ان کی نمک حلالی یاد آتی ہو تو تخفیف ٹیکس کی تدابیر سوچنے میں مجھ
خوشی ہوتی ہو۔ یہاں اُن رعایتوں اور مہربانیوں کے بیان کرنے کی چند ا
نہیں جن کا دربارسے خاص تعلق ہو وہ کہیں اور درج ہیں تاہم فوجی افسر
میں اتنا کہنے کا مجاز ہوں کہ آج سے انڈین سٹاف کور کا نام موقوف ہو
آپ سب ملک معظم کی ہندوستانی افواج سے متعلق ہیں۔ اے امرا و عالی
و متوطنان ہند۔ جب ہم ہندوستان کے مستقبل پر نظر ڈالتے ہیں تو بلا
اس ملک کی ترقی کا باغ سدا بہار نظر آتا ہو۔ ہندوستان کے متعلق کوئی ایسا م
خواہ وہ آبادی کا ہو یا تعلیم کا ہو یا معاش کا جس کو موجودہ تدابیر نے حل نہ کیا
سے مسائل کا حل تو اب ہماری آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہو۔ اگر برطانیہ او
متفق افواج سرحد پر مسلسل امن قائم رکھ سکتی ہیں اور اگر ہند کے فرماں ر
اور رعایا یورپین ہندوستانیوں۔ حاکموں اور محکوموں میں اتحاد رہے اور موس
فیاضی میں مضایقہ نہ کرے تو دیکھیں بھلا ہندوستان کی ترقی کس طرح رک سکتی
ہندوستان بفضل کردگار ایک مستقل قحط ناک۔ بدبخت اور نفاق سے بھرا ہوا
نہیں ہوگا بلکہ اس کی تجارت کے چشمے جاری ہوجائیں گے۔ اس کے باشند
عقلیں بیدار ہوجائیں گی۔ اس کی بہبودی روز افزوں ہوگی اور آرام اور دول
ہر طرف ریل پیل ہوجائے گی۔ میں اپنے ضمیر اور اپنے ملک کے مقاصد پر بھر
کرتا ہوں اور ساتھ ہی مجھ کو اس ملک کے بے انتہا ترقی کے سامان دیکھ کر یقین
ترقی ضرور ہوگی لیکن یہ یاد رہے کہ یہ مستقبل کبھی بہ صورت حال نہیں ہو سکتا
کہ کسی بے نظیر حکومت کی عظمت نہ تسلیم کرلی جاسے اور یہ بات صرف زیر س
سلطنت برطانیہ ہی ممکن ہی۔ اور اب میں اس تقریر کو اختتام پر لانا چاہتا ہوں
اُمید کرتا ہوں اہل ہند کو یہ مجمع عظیم مدت دراز تک یاد رہے گا اس اعتبار
کہ یہاں ان کو بڑی تقریب کے موقع پر اپنے شہنشاہ کی ذات اور اُن
خیالات سے معرفت تامتہ ہوئی۔ میں امید کرتا ہوں کہ لوگ جب جب اس
یاد کریں گے اُن کو فرحت اور مسرت ہوگی اور زمانۂ شاہ ایڈورڈ ہفتم کا عہد
آغاز ایسا مسعود ہو تو اسے تاریخ ہند اور سینۂ اہل ہند میں محفوظ رہے گا۔ ہم دعا کرتے

مدنظر ہیں۔ اور خداوند عالم کے فضل و کرم سے امید ہے کہ اس سے قلمرو ہند کو سرسبزی
حاصل ہوگی اور ہندوستانی رعایا خوش و خرم رہے گی۔" اے شہزادگان والا تبار و عالی نسب
یہ الفاظ ہیں ملک معظم کے ہیں جس کی رسم تاجپوشی کے ادا کرنے کے لئے آج ہم سب
جمع ہوئے ہیں۔ ان کا ہر حرف ان افسروں کے قلوب میں جو ان کے خدمت گزار
ہیں محرک یا الہام کا اثر کرتا ہے اور ہر نکتہ خاص و عام کو بلند حوصلگی اور نیک نیتی کا سبق
پڑھاتا ہے۔ یہ الفاظ ان صاحبان کے لیے جو میرے یا میرے سرکار کی طرح شہنشاہ
معظم کی گورنمنٹ کے بالاصالۃ آلات ہیں درستی اخلاق اور توسیع مملکت کے رہنما ہیں
ہندوستان کا انتظام نرمی اور فیاضی سے کرنے کا خیال جیسا آج کل عروج پر ہے ایسا
کبھی نہیں ہوا اور وہ لوگ جنھوں نے زیادہ تکالیف برداشت کی ہیں وہ حقیقت میں
زیادہ مستحق آفریں ہیں اور جنھوں نے عمدہ کارنمایاں کیے ہیں ان کے حقوق بھی
بڑے بڑے ہیں۔ ہندوستان کے رؤسا والے مملکت کی گزشتہ لڑائیوں میں اپنے
سپاہی اور تلواریں ہمارے نذر کیں اور دیگر مصائب میں بھی مثل قحط و خشک سالی وغیرہ میں
انھوں نے بڑی اولوالعزمی اور بلند ہمتی ظاہر کی۔ اب جو کچھ ان کو حاصل ہوا اس سے زیادہ
اور کیا دیا جاسکتا ہے۔ یہ بات بلاتردید کہی جاسکتی ہے کہ جو امن و رفاہیت ان کو حاصل ہے اس میں
کبھی کسی طرح کا خلل نہیں آسکتا تاہم یہ بات ہمارے لیے نہایت باعث مسرت ہے کہ
سرکار عالیہ ان قرضوں کا جو دیسی ریاستوں کو گزشتہ قحط کے موقع پر دیئے گئے
ہیں یا سرکار ان کی کفیل ہوئی ہے تین سال تک سود نہیں لے گی اور ہم کو امید ہے کہ وہ لوگ
جن سے ایسی فیاضی کا سلوک کیا گیا ہے اس بات کو بخوشی منظور کریں گے۔ اس عظیم الشان
ملک میں اور جو کثیر التعداد جماعتیں اور فریق ہیں اور جن کی ترقی اور بہبودگی ہماری دلی
تمنا ہے ان کو بھی ہم بہت جلد کسی ٹیکس کی کمی کا مژدہ سنائیں گے۔ سال حالیہ کے
وسط میں اعلان کرنا مناسب نہیں کیونکہ ایسے موقع پر تخمینہ کرنا بڑا دشوار کام ہے
تاہم اگر موجودہ حالت قائم رہی اور جیسا کہ ہم امید کرتے ہیں۔ ہندوستان کی مالی بہبودگی کا
زمانہ شروع ہوگیا تو ہم کو اعتماد کامل ہے کہ ملک معظم کی عہد سلطنت کے اول ہی سال سے
میں سرکار عالیہ رعایائے ہند کے ساتھ کسی ٹیکس کی تخفیف کرکے ہمدردی اور شفقت
کے خیالات ظاہر کرے گی اور جس وقت کہ مجھ کو ان کا یقین ہوگا اور اس موقع پر ان کا

رسم تاج پوشی ادا کر رہے ہیں پیغام تہنیت بھیجیں۔ لندن کی تاجپوشی کے جلسے میں ہندوستانی رؤسا اور قائم مقاموں کی ایک نہایت ہی قلیل تعداد شریک ہوئی تھی اس لیئے مابدولت نے وائسرائے اور گورنر جنرل کو اس امر کی ہدایت کی کہ دہلی میں ایک بہت بڑا دربار منعقد کیا جائے تاکہ تمام دیسی رؤسا۔ امرا۔ حکام گورنمنٹ اور اہل ہند کو اس مبارک رسم کے ادا کرنے کا موقع ملے۔ جس وقت مابدولت سنہ ۱۸۷۵ء میں ہندوستان تشریف لے گئے تھے اُس زمانے سے ہند اور اہل ہند کی محبت ہمارے دل میں جاگزیں ہے۔ مابدولت کے خاندان اور تاج و تخت کے ساتھ ان کو جو دلی اور سچی محبت ہے وہ بھی مابدولت پر خوب روشن ہے گزشتہ چند سال کے عرصے میں ان کی محبت اور جاں نثاری کی بہت سی شہادتیں مابدولت کے سامنے گزر چکی ہیں اور مختلف معرکوں میں ہماری ہندوستانی افواج نے جو کارہائے نمایاں کیئے ہیں اُن سے مابدولت بخوبی واقف ہیں۔ مابدولت نہایت وثوق سے امید کرتے ہیں کہ تھوڑے عرصے میں ہمارے فرزند دلبند **شہزادہ ویلز** اور ان کی بیگم صاحبہ **پرنس آف ویلز** ہندوستان میں رونق افروز ہوں گے اور اپنے ملک سے ذاتی واقفیت پیدا کریں گے جس کی بابت مابدولت کی یہ تمنا رہی ہے کہ وہ اُس کو جا کر دیکھیں اور خود اُن کو بھی اس کی سیر کا بڑا اشتیاق ہے۔ اگر مابدولت کا تشریف لانا ہندوستان میں ممکن ہوتا تو نہایت خوشی سے آتے مگر چونکہ یہ بات نہ ہو سکی اس لیئے مابدولت اپنے برادر عزیز **ڈیوک آف کناٹ** جن کو ہندوستان کا بچہ بچہ جانتا ہے روانہ فرماتے ہیں تاکہ جلسۂ تاجپوشی میں شاہی خاندان کے قائم مقام بن کر شریک ہوں۔ جب سے کہ مابدولت اپنی والدہ مکرمہ معظمہ ملکہ وکٹوریہ مرحومہ مغفورہ اول قیصر ہند کے تخت پر جانشین ہوئے ہیں ہماری یہ تمنا رہتی ہے کہ ہم انصاف اور انسانیت کے وہی اصول برتیں جن سے حکومت کر کے ہماری مادر مشفقہ نے اپنی رعایا کے قلوب میں اپنی بزرگی اور عزت پیدا کر لی تھی۔ مابدولت اپنے تمام باج گزاروں اور اہل ہند کے ساتھ یہ وعدہ بہ تجدید کرتے ہیں کہ اُن کی آزادی کو قائم رکھیں گے۔ اُن کے مراتب اور حقوق کی پاسداری کریں گے اور اُن کی بہبودی کی کوشش میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑیں گے۔ یہی اصول اور اغراض مابدولت کے

اپنے ایک بادشاہ کی اطاعت کی توثیق کے لیئے حاضر ہیں۔ ہم ان کے اس وفادارانہ خواہش کی جس نے ان کو ہزاروں کوس سے اور دور دراز فاصلوں سے دہلی کھینچ بلایا ہی بڑی قدر کرتے ہیں اور مجھ کو تھوڑی دیر میں بہت فخر حاصل ہو گا جب کہ میں خود ان کی زبان سے شہنشاہ ہند کی ہیبت کا پیغام سنوں گا۔ جو فوجی افسر اس وقت موجود ہیں یہ ہندوستان کی دولاکھ تیس ہزار فوج سے انتخاب کیئے گئے ہیں جنھیں اس بات پر ناز ہے کہ وہ شہنشاہ کی فوج ہیں۔ دیسی امراء عہدہ دار یا غیر عہدہ دار جو اس وقت موجود ہیں وہ (۲۳) کرلوڑ سے زیادہ آبادی کے قائم مقام ہیں اس حساب سے میرے خیال میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس وقت ہمارے بیچ دنیا کی آبادی کا پانچواں حصہ کچھ بذات خود اور کچھ بذریعہ وکیلوں اور اپنے حکم رانوں کے جمع ہے سب کے دل میں ایک ہی خواہش ہے اور سب کے سر تسلیم تخت سلطنت کے سامنے خم ہیں۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ آخر کون سی بات ہے جس نے اس ہجوم غفیر کو کھینچ بلایا ہے تو جواب دیا جائے گا۔ بادشاہ کے ساتھ وفاداری۔ یعنی ان کی عطوفت اور انصاف پر اعتماد اور ان کا یہ بھروسہ ایک خیالی بات نہیں بلکہ ان کے ذاتی تجربے کا نتیجہ ہے اور ان کے دلی یقین کا اظہار ہے کیونکہ ملک معظم کی گورنمنٹ نے اس وسیع آبادی کے اکثر حصوں کو حملوں اور بدامنی سے آزادی دے دی ہے۔ سیکڑوں کے حقوق کی وہ حفاظت کرتی ہے اور سیکڑوں کے واسطے معزز روزگار کے فراخ راستے کھول دیئے ہیں اور تمام کے واسطے یکساں انصاف کرنے۔ ظلم سے بچانے اور تہذیب اور امن کی برکتوں کے پھیلانے میں کوشش کرتی ہے اور ایسی سلطنت پر قابض ہونا اول تو آسان کام نہیں پھر اس کا انتظام دانا اور منصفانہ طور سے سنبھالنا اور بھی مشکل کام ہے اور سب میں اہم یہ امر ہے کہ سب کو مدبرانہ سیاست سے شیر و شکر کر دے۔ یہی مقاصد اور اغراض مدنظر ہیں جس لیئے آج یہ دربار کیا گیا ہے۔ اب میرا یہ فرض ہے کہ آپ کے روبرو حضور ملک معظم کا وہ شفقت آمیز پیغام پڑھوں جس کی بابت اُن حضرت نے آپ کو سنانے کے لیئے ارشاد فرمایا ہے۔ وہو ہذا۔ "ما بدولت کو اس بات سے نہایت مسرت ہے کہ ہم اپنی ہندوستانی رعایا کو ایسے موقع پر جب کہ ما بدولت کی

اور صرف اس امر کے اظہار کے لیئے کہ اعلیٰ حضرت کی نظروں میں اس دربار کی بڑی وقعت ہے انہوں نے اپنے برادر حقیقی ہز رایل ہائینس ڈیوک آف کاناٹ کو اس جلسے میں شریک ہونے کی غرض سے روانہ فرماکر ہم کو عزت بخشی ہے۔ پچیس سال ہوئے کہ آج کے دن اور اسی شہر میں جو ہمیشہ سے شاہانہ جلسوں اور دیگر رسوم کا مرکز رہا ہے اور اسی مقام پر ملکہ وکٹوریا مرحومہ مغفورہ کے خطاب قیصر ہند اختیار فرمانے کا اعلان کیا گیا تھا۔ اس دربار سے ملکۂ آنجہانی کو ہندوستان کی رعایا کے ساتھ اپنی گہری محبت کا اظہار مقصود تھا اور ساتھ ہی یہ بھی جتلانا تھا کہ اب سلطنت انگریزی کے سایے میں ان کے باہمی نفاق فرو ہوگئے اور وہ سب یک جہت ہیں۔ ہم آج خدا کے فضل سے ایک چوتھائی صدی کے بعد بھی پہلے سے کہیں زیادہ متفق ہیں۔ یہ شہنشاہ جس کے اظہار اطاعت کے لیئے آج ہم سب جمع ہوئے ہیں اہل ہند کی نظروں میں کچھ کم عزیز نہیں ہے۔ کیونکہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے انہیں دیکھا ہے اور اپنے کانوں سے ان کی آواز سنی ہے وہ اب اس تخت پر جلوہ افروز ہوئے ہیں جو صرف شان دار ہی نہیں بلکہ دنیا میں سب سے زیادہ دیرپا ہے اور وہ حقیقت میں انگریزی سلطنت ہے جس کی بڑی قوت ہندوستان کی مقبوضات رعایا کی جاں نثاری حضور ملک معظم کی اطاعت پر مبنی ہے اور جو معترض اس سے منکر ہے وہ بالکل نادان ہے۔ جیسا کہ ہندوستان اپنے قدیم افسانوں سے مالا مال ہے خصلت وفاداری پر نازاں ہے جس کو مغرب نے از سر نو مستقل کر دیا ہے۔ مختلف صدیوں میں ہزارہا لوگوں نے ہندوستان کی خواستگاری کی مگر اس نے اپنے تئیں ایسی سلطنت کے حوالے کیا جس کو اس کی وفاداری پر پورا اعتماد تھا۔ تماشہ جو آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں دنیا میں ایسا اور کہیں ہونا ممکن نہیں معلوم ہوتا۔ میرا مطلب اس وقت اس عظیم الشان ازدحام سے نہیں جس کو میں بے نظیر خیال کرتا ہوں بلکہ میری مراد اس مجمع کی غرض اصلی سے ہے اور ان اصحاب سے جن کے دلی ولولوں کا یہ اظہار کر رہا ہے۔ سو سے زیادہ مختلف ریاستوں کے حکمران جن کی رعایا کی کل آبادی باسٹھ کروڑ سے کم نہیں اور جن کی عملداری کی حدود طول بلد کے (۵۵) درجوں پر پھیلی ہوئی ہیں۔ اس وقت

خدا ہمارے قیصر بادشاہ کو سلامت رکھے

اعلان کے ختم پر شہنائیاں بجیں اور شاہی پھریرا بلند کیا گیا۔ اس وقت سب لوگ مؤدب کھڑے تھے۔ پھر سب بیٹھ جانے کے بعد شاہی سلامی کی ایک سو ایک توپیں سر کی گئیں۔ بندوقوں کی باڑیں بھی چلائی گئیں۔ اب رسومات کے دوسرے حصے کی کارروائی شروع ہوئی۔ وائسرائے کرسی سے اٹھ کر اہل دربار کی طرف متوجہ ہوئے اور تمام مجلس پر ایک خاموشی کا عالم طاری ہو گیا۔ پھر ٹھہر ٹھہر کر نہایت اطمینان اور واضح لہجے میں حضور ممدوح نے یہ فصیح و بلیغ اسپیچ ارشاد فرمائی جس کو دور سے دور کے تماشائی بھی اگرچہ ان کا فاصلہ (۱۳) گز کا تھا لفظ بلفظ سن سکے۔

درباری اسپیچ

شہزادگان والا تبار و رؤسائے عالی قدر و متوسلان مملکت ہند

پانچ ماہ کا عرصہ ہوا کہ بادشاہ انگلستان و شہنشاہ ہند ایڈورڈ ہفتم نے لندن میں انگلستان کا تاج شاہانہ سر پر رکھا اور عصائے حکومت کو دست مبارک میں لیا۔ اس وقت مملکت ہند کے صرف چند ہی وکلا اپنی خوش قسمتی سے حاضر تھے لیکن آج شہنشاہ معظم نے اپنے الطاف خسروانہ سے تمام اہل ہند کو یہ موقع دیا ہے کہ ایک ویسی ہی خوشی میں شریک ہوں اور آج یہاں یا ہند کے دیگر حصص میں اس عالی شان تقریب کی خوشی میں کل رؤسا و امرا و سردار جو حامی سلطنت ہیں اور تمام دیسی و یورپین حکام جن کے ہاتھ میں زمام حکومت ہے اور جو اپنی دانائی اور جاں فشانی سے کام کر رہے ہیں جس کی نظیر نہیں مل سکتی اور کل انگریزی اور دیسی فوج جو اپنی نہایت اعلیٰ درجے کی بہادری سے سرحد کی حفاظت کرتی ہے اور لڑائیوں میں اپنا خون بہاتی ہے اور تمام باشندگان ہند بلا امتیاز ملت اپنے رسوم و رواج کے جدا و خود ان کے طرح طرح کے سلطنت برطانیہ کی اطاعت کے اظہار میں ایک زبان ہیں جمع ہیں۔ صرف اس غرض سے کہ میں اعلیٰ حضرت کی رسومات تخت پوشی کو ہندوستان میں ادا کروں حضور ملک معظم نے مجھ کو بحیثیت وائسرائے کے اس دربار کے منعقد کرنے کا حکم دیا ہے

نقرئی شاہانہ کرسی پر پاانداز میں چاندی کی تپائی آگے کو نکلے ہوئے بیٹھے۔ ڈیوک آف کناٹ چاندی کی کرسی پر ذرا بائیں کو۔ ڈچس اور لیڈی اور لیڈی کرزن کی کرسیاں کسی قدر داہنی طرف عقب میں تھیں جس وقت وائسرائے کا جلوس جلوہ گاہ دربار میں داخل ہوا تمام لوگ کھڑے ہوگئے۔ شاہی سلامی کی آخری توپ سر ہونے پر سر ایچ بارلس فارن سکرٹری نے وائسرائے کو سلام کرکے دربار شروع کرنے کی اجازت چاہی۔ اجازت ہوتے ہی شہنشائی باجے بجنے لگیں اور چند لمحے بعد نقیب سواروں کی ایک جماعت آئی اور میجر میکسول نے اپنے گھوڑے کو گھما کر دروازے کی طرف منہ کیا اور اعلان ذیل ایسی آواز سے پڑھا کہ سارے ایمفی تھیئٹر میں بخوبی سنائی دیا۔ اعلان شاہی جس کا منشا یہ تھا کہ مملکت ہند میں شہنشاہ معظم کی رسم تاجپوشی ادا کرنے کے لیے کوئی تاریخ مقرر کی جائے۔ چوں کہ مابدولت واقبال ملکہ مرحومہ یعنی کوئین وکٹوریا کی وفات پر جو کہ ۲۲ جنوری سنہ ۱۹۰۱ع کو ہوئی بفضل کردگار سریر شاہی پر بخطاب ولقب ایڈورڈ ہفتم بادشاہ سلطنت متحدہ برطانیہ عظمیٰ و آیرلینڈ حامی دین و شہنشاہ ہند رونق افروز ہوئے اور چوں کہ مابدولت نے اپنے اعلان بسند شاہی مورخہ ۲۶ جون و ۱۹ دسمبر ۱۹۰۱ع مطابق یکم سنہ جلوس کے ذریعے سے اپنے اس شاہی ارادے کو شائع کردیا تھا کہ بفضل عنایت خداے برتر ۲۶ جون سنہ ۱۹۰۲ع کو اپنی تاجپوشی کی رسم ادا کریں گے۔ اور چوں کہ مابدولت کی یہ خواہش اور تمنا ہے کہ اس رسم کا اعلان عام طور سے مملکت ہند میں ہماری جاں نثار ہندوستانی رعایا کے سامنے کیا جائے اور وہاں کے گورنروں لفٹننٹ گورنروں اور حکام بالا اور قلمرو ہند کی دیسی ریاستوں کے روسا و امرا و ان کے اور وکلا کو اس مبارک رسم میں شریک ہونے کا موقع ملے اس لیے اب مابدولت اپنے اس شاہی اعلان سے اس بات کا اظہار کرتے ہیں اور اپنے معتمد خاص اور مصاحب عزیز جارج نتھنیل لارڈ کرزن آف کدلسٹن وائسرائے و گورنر جنرل ہند کو اس بات کا اختیار دیتے ہیں کہ وہ دہلی میں بتاریخ یکم جنوری سنہ ۱۹۰۳ع کو مابدولت کی تاجپوشی کی رسم کی تکمیل کا اظہار کریں۔ اور اب اس امر کی بھی ہدایت کرتے ہیں کہ مذکورہ بالا دربار کے موقع پر یہ اعلان ان اشخاص کی آگاہی کے لیے جو اس سے تعلق رکھتے ہیں پڑھا جائے یہ اعلان یکم اکتوبر سنہ ۱۹۰۲ع کو مابدولت نے سنیٹ جیمس کے دربار میں علی رؤس الاشہاد پڑھا

خدا ہمارے قیصر بادشاہ کو سلامت رکھے

اعلان کے ختم پر شہنائیاں بجیں اور شاہی پھریرا بلند کیا گیا۔ اس وقت سب لوگ مؤدب کھڑے تھے۔ پھر سب بینڈ باجے کے بعد شاہی سلامی کی ایک سو ایک توپیں سر کی گئیں۔ بندوقوں کی باڑیں بھی چلائی گئیں۔ ان رسومات کے دوسرے حصے کی کارروائی شروع ہوئی وائسرائے کرسی سے اٹھ کر اہل دربار کی طرف متوجہ ہوئے اور تمام مجلس پر ایک خاموشی کا عالم طاری ہو گیا۔ پھر ٹھہر ٹھہر کر نہایت اطمینان اور واضح لہجے میں حضور ممدوح نے یہ فصیح و بلیغ اسپیچ ارشاد فرمائی جس کو دور سے دور کے تماشائی بھی اگرچہ ان کا فاصلہ (۱۳) گز کا تھا لفظ بلفظ سن سکے

درباری اسپیچ

آج شہزادگان والا تبار و روسائے عالی وقار و متوطنان مملکت پانچ ماہ کا عرصہ ہوا کہ بادشاہ انگلستان و شہنشاہ ہند ایڈورڈ ہفتم نے لندن میں انگلستان کا تاج شاہانہ سر پر رکھا اور عصائے حکومت کو دست مبارک میں لیا۔ اس وقت مملکت ہند کے صرف چند ہی وکیل اپنی خوش قسمتی سے حاضر تھے لیکن آج شہنشاہ معظم نے اپنے الطاف خسروانہ سے تمام اہل ہند کو یہ موقع دیا ہے کہ ایک ویسی ہی خوشی میں شریک ہوں اور آج یہاں یا ہند کے دیگر حصص میں اس عالی شان تقریب کی خوشی میں کل رؤسا و امرا و سردار جو عمائد سلطنت ہیں اور تمام دیسی و یورپین حکام جن کے ہاتھ میں زمام حکومت ہے اور جو ایسی دانائی اور جاں فشانی سے کام کر رہے ہیں جس کی نظیر نہیں مل سکتی اور کل انگریزی اور دیسی فوج جو ایسی نہایت اعلیٰ درجے کی بہادری سے سرحد کی حفاظت کرتی ہے اور لڑائیوں میں اپنا خون بہاتی ہے اور تمام باشندگان ہند بلا امتیاز ملت اپنے رسوم و رواج کے جو اور خود لاکھوں طرح کے مختلف ہیں سلطنت برطانیہ کی اطاعت کے اظہار میں ایک زبان ہیں جمع ہیں۔ صرف اس غرض سے کہ ہم اعلیٰ حضرت کی رسومات تخت پوشی کو ہندوستان میں ادا کریں۔ حضور ملک معظم نے مجھ کو بحیثیت وائسرائے کے اس دربار کے منعقد کرنے کا حکم دیا ہے

نقرئی شاہانہ کرسی پر پائنداز میں چاندی کی تپائی آگے کو نکلے ہوئے بیٹھے۔ ڈیوک
آف کناٹ چاندی کی کرسی پر ذرا بائیں کو۔ ڈچس اور لیڈی اور لیڈی کرزن کی کرسیاں
کسی قدر داہنی طرف عقب میں تھیں جس وقت وائسرائے کا جلوس جلوہ گاہ دربار میں
داخل ہوا تمام لوگ کھڑے ہوگئے۔ شاہی سلامی کی آخری توپ سر ہوتے ہی سر ایچ
بارلس فارن سکرٹری نے وائسرائے کو سلام کرکے دربار شروع کرنے کی اجازت
چاہی۔ اجازت ہوتے ہی شہنشائیاں بجنے لگیں اور چند لمحے بعد نقیب سواروں کی ایک
جماعت آئی اور میجر میکسول نے اپنے گھوڑے کو گھماکر دروازے کی طرف منہ کیا اور اعلان
ذیل ایسی آواز سے پڑھا کہ سارے ایمفی تھیٹر میں بخوبی سنائی دیا۔ اعلان شاہی جس کا
منشا یہ تھا کہ مملکت ہند میں شہنشاہ معظم کی رسم تاجپوشی ادا کرنے کے لیئے کوئی تاریخ
مقرر کی جائے۔ چوں کہ مابدولت واقبال ملکہ مرحومہ یعنی کوئین وکٹوریا کی وفات پر
جوکہ ۲۲ر جنوری ۱۹۰۱ء کو ہوئی بفضل کردگار سریر شاہی پر بخطاب و لقب ایڈورڈ ہفتم
بادشاہ سلطنت متحدہ برطانیہ عظمیٰ و آیرلینڈ حامی دین و شہنشاہ ہند۔ رونق افروز ہوئے
اور چوں کہ مابدولت نے اپنے اعلان ہائے شاہی مورخہ ۲۶ر جون و ۱۹ر دسمبر ۱۹۰۱ء
مطابق یکم سنہ جلوس کے ذریعے سے اپنے اس شاہی ارادے کو شائع کردیا تھا
کہ بفضل عنایت خداے برتر ۲۶ر جون ۱۹۰۲ء کو اپنی تاجپوشی کی رسم ادا کریں گے۔
اور چوں کہ مابدولت کی یہ خواہش اور تمنا ہے کہ اس رسم کا اعلان عام طور سے مملکت ہند
میں ہماری جاں نثار ہندوستانی رعایا کے سامنے کیا جائے اور وہاں کے گورنروں
لفٹننٹ گورنروں اور حکام بالا اور قلمرو ہند کی دیسی ریاستوں کے رؤسا و امرا و ارکان
اور وکلا کو اس مبارک رسم میں شریک ہونے کا موقع ملے اس لیئے اب مابدولت اپنے
اس شاہی اعلان سے اس بات کا اظہار کرتے ہیں اور اپنے معتمد خاص اور مصاحب
عزیز جارج نتھنیل لارڈ کرزن آف کدلسٹن وائسرائے و گورنر جنرل ہند کو
اس بات کا اختیار دیتے ہیں کہ وہ دہلی میں بتاریخ یکم جنوری ۱۹۰۳ء کو مابدولت کی
تاجپوشی کی رسم کی تکمیل کا اظہار کریں۔ اور اب اس امر کی بھی ہدایت کرتے ہیں کہ مذکورہ بالا
دربار کے موقع پر یہ اعلان ان اشخاص کی آگاہی کے لیئے جو اس سے تعلق رکھتے ہیں پڑھا جائے
یہ اعلان یکم اکتوبر ۱۹۰۲ء کو مابدولت نے سنیٹ جیمس کے دربار میں علی رؤس الاشہاد پڑھا

راگ بجائے گئے۔ اس کا سامعین کے دلوں پر ایسا اثر ہوا کہ شاید ہی کسی شخص
کی آنکھیں پُرنم نہ ہوئی ہوں اور بعض کا تو یہ حال تھا کہ ہچکی بندھ گئی۔ دربار کے دو دور
بعد ان بیماروں کی سینٹرل کیمپ میں وائسرائے کی فرودگاہ کے سامنے دوبارہ
پریڈ ہوئی اور ان لوگوں نے شکریہ کا اڈریس پیش کیا۔ اور صاحب ممدوح نے
جواب میں ان سے خطاب فرمایا۔ بعد ازاں حضور وائسرائے اور ڈیوک آف کناٹ ان کی
صفوں کے گرد پھرے اور ان سے کلام کر کے ان کو فخر بخشا۔ تھوڑی دیر بعد
شہنائیوں کی آواز سنائی دینے لگی اور گارڈن ہائی لینڈرز کے سوار مع باجے
کے شاہی جھنڈا لئے آئے اور شہ نشین کے سامنے دو سیدھی صفیں باندھ کر قائم ہو گئے
ان کے پیچھے گرینڈ ڈیوک آف ہیسی ایک چوکڑے میں مع اپنے جلوس کے بڑے
دروازے پر جو کہ ایمفی تھیٹر کی پشت پر تھا تشریف فرما ہوئے۔ حضور ممدوح اور آپ کے
ہمراہیوں کے واسطے شہ نشین کے عقب میں داہنی طرف نشست گاہوں کا خاص انتظام
کیا تھا امپیریل کیڈٹ کور کے سامنے بٹھائے گئے۔ اسی اثنا میں ایک توپ چلی
یہ ڈیوک اور ڈچس آف کناٹ کی سلامی کا پہلا فیر تھا۔ حضور پرنور مع لیڈی صاحبہ
چوکڑے میں پونے بارہ بجے کیمپ سے روانہ ہوئے۔ حضور کے چوکڑے
کے آگے گھوڑوں پر سوار بیٹھے گاڑی کو ہانکتے تھے اور گورے سوار تھے۔ جب
شاہی گاڑی ایمفی تھیٹر کے بڑے دروازے پر پہنچی تو باہر کی فوج نے سلامی دی
اور سواری شہ نشین کے برابر آ گئی۔ تالیاں بجیں سلامی ہوئی اور باجہ بجنے لگا۔
جارن سکرٹری نے آپ کا استقبال کیا اور جب تک وہ اپنی نشستوں پر تشریف
فرما ہوئے تمام اہل مجلس مؤدب کھڑے رہے۔ کچھ مدت بعد اسی تزک و احتشام
سے لارڈ کرزن کی سواری آئی آپ بھی مع لیڈی صاحبہ کے چوکڑی میں سوار
تھے۔ لوگ برابر چیئر دے رہے تھے اور سلامی اُتاری جا رہی تھی باجے بج رہے
تھے کہ سواری عین اجلاس کے برابر آ گئی اور وائسرائے کا جھنڈا ٹھیک بارہ
لہرانے لگا اور (۱۰۱) ضرب توپوں کی شاہی سلامی سر ہوئی۔ ڈیوک اور ڈچس قومی
راگ کی آواز سنتے ہی کھڑے ہو گئے۔ وائسرائے نے مقام اجلاس پر پہنچ کر ڈیوک
اور ڈچس کو سلام کیا انھوں نے بھی اسی طرح سلام کا عوض دیا۔ وائسرائے وسط میں

فرش اور چاندی کی کرسیاں جگمگا رہی تھیں۔ نعل کے بیرونی کناروں کے بیچ میں جو وسیع جگہ چھٹی ہوئی تھی اس میں سے دور کے میدان کی صف بستہ فوج نظر آتی تھی۔ ان فوجوں کے پیچھے ایک بلند ٹیلہ تھا جو خاص طور سے اُن دیسی تماشائیوں کے واسطے طیار کیا گیا تھا جو دربار کے اندر آنے سے محروم تھے۔ اس ٹیلے پر ہزاروں آدمی لدے ہوئے تھے۔ وائسرائے نے غدر کے جنگ آزمودہ سپاہیوں کو جنھوں نے نصف صدی پہلے سلطنت کی خاطر اس جگہ پر جہاں کہ آج دولت انگلشیہ کی عظمت و شان کا ایک بڑا دربار ہو رہا تھا اپنے خون بہا دیے تھے یہ چاہا کہ دوبارہ اُن کو اس منظر کے دیکھنے کا موقع دیا جائے اور اس بڑی رسم کی تقریب میں جو کہ فی الحقیقت اُن ہی کی بہادری کا نتیجہ تھا اُن کو بھی حصہ ملے۔ تحقیقات کرنے سے معلوم ہوا کہ غدر کے باقی ماندہ لوگوں کی تعداد چودہ سو سے زیادہ ہے۔ اس کثیر تعداد کو ہند اعظم کے تمام حصوں سے دہلی لانا ایک دشوار امر تھا اس لیے یہ قرار داد ہوا کہ بلاوے صرف اُن افسروں اور نان کمیشنڈ افسروں کے نام بھیجے جائیں جو دہلی اور لکھنؤ کی لڑائیوں میں لڑے تھے۔ ان بلاووں کو یورپین اور یوریشین اور (۳۸۷) ہندوستانیوں نے قبول کیا۔ جگہ جو اس تقریب میں ان کے واسطے مقرر ہوئی وہ بالکل من جانب اللہ معلوم ہوتی ہے اور ان کی جو عزت کی گئی وہ ہندوستانی اور یورپین صاحبان دونوں کا ایک اضطراری فعل اور دونوں کے لیے یکساں باعث فخر تھا۔ چند کم روز اور نعش صورتوں کو جو کہ حاضرین کو مشکل ہی سے نظر پڑیں ایمفی تھیٹر کے بائیں جانب جو خالی نشستیں تھیں لے جا کر بٹھا دیا گیا اسی اثنا میں ان بہادروں کی پوری جماعت دروازے پر آن پہنچی۔ ان کے پیش پیش نیوز بلیئر کی پہلی پلٹن کا باجا تھا یہ وہ جماعت تھی جو نصف صدی کا عرصہ ہوا فتح و شکست میں ان جانبازوں کے شامل حال تھی۔ ان میں سے بعض کے بال سفید ہو گئے تھے اور بعض جھک کر بالکل کمان ہو گئے اور بادقت تمام اپنے ہمراہیوں کے سہارے سے چلتے تھے۔ جب یہ جماعت لڑکھڑاتی پڑتی تماشہ گاہ کی وسیع سڑک پر جس پر کہ سوائے ان کے اب تک کسی کو آنے کی اجازت نہ ملی تھی پہنچی تو تمام لوگ ان کی تعظیم کے لیے سروقد کھڑے ہو گئے اور بار بار تالیاں بجا کر ان کا خیر مقدم کیا۔ ان کے آنے پر جو در رفاک

مہاراجۂ دتیا۔ مہاراجۂ چھترپور کھاری۔ مہاراجۂ اورچھا۔ جناب بیگم صاحبہ والیۂ بھوپال گو آپ کے واسطے پردہ داردانیوں میں جگہ مقرر ہوئی تھی مگر جناب ممدوحہ نے برقع اوڑھ کر اگلی صف میں اپنے ہم عصروں میں بیٹھنا پسند فرمایا۔ وسط ہند کے ان رؤسا کے علاوہ جو ہاتھیوں کے جلوس میں شامل تھے دربار میں نواب صاحب جاورہ اور راجہ صاحب رتلام بھی موجود تھے یہ دونوں حضور وائسرائے کی پشت پر امپیریل کیڈٹس میں بیٹھے ہوئے تھے اور وسط ہند کے درجۂ (ڈی) میں رانا صاحب سرواتی ٹھاکر صاحب پیلودا اور راؤ صاحب علی پورہ بھی تشریف رکھتے تھے۔ درجۂ راجپوتانے سے پرے ایمفی تھیٹر کی جانب راست پر مہاراجگان بڑودہ کوچ بہار پڈوکوٹا تھے جو گورنر مدراس اور لیڈی ایمپٹ ہل کے گرد بیٹھے ہوئے تھے۔ پھر راجگان پنجاب کا نمبر تھا۔ مہاراجگان نابھا۔ پٹیالہ۔ سر چارلس اور لیڈی ریواز ذرا آگے بڑھ کے وہ رؤسا تھے جن کا تعلق گورنمنٹ اضلاع متحدہ سے ہے۔ مہاراجہ صاحب بنارس بھی اسی زمرے میں تھے۔ جانب چپ وسط ہند کے درجے سے دوسرے نمبر پر بمبئی کے رؤسا تھے۔ مہاراجۂ کولاپور گورنر صاحب بمبئی کے دست راست پر تشریف رکھتے تھے اور راؤ صاحب کچھ لیڈی نارتھ کوٹ کے برابر رونق افروز تھے۔ دربار کے درجے میں جو بنگال کے واسطے مخصوص تھا ایک نہایت دلکش شکل تھی یہ مہاراجۂ سکم کے فرزند ارجمند اور ولی عہد تھے۔ مہاراجہ کوچ بہار اور راجۂ کوہ ٹیرہ بھی یہیں تشریف فرما تھے۔ جانب چپ ان درجوں کے آخر میں جو رؤسا کے لیئے مخصوص تھے شان سالوا بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے برابر روڈ کیرنس کے سردار تھے۔ لفٹننٹ گورنر برما بھی اسی درجے میں تشریف فرما تھے۔ شاہی چبوترے کے گرد حلقۂ دربار کے وسط میں بینڈ باجوں کی متعدد جمعیتیں تھیں دربار شروع ہونے سے پہلے جو وقفہ ہوا اس میں بینڈ اپنے اچھے اچھے سریلے راگ بجاتے رہے۔ نو بجے سے لوگوں کی آمد شروع ہو گئی ساڑھے دس بجتے بجتے ایمفی تھیٹر بھر گیا اور زرق برق پوشاکوں سے جگمگا اٹھا۔ گیارہ بجے ایک بگل بجا اور صحن تو سارا تماشائیوں سے بالکل پاک ہو گیا۔ اس کے وسیع محیط کے گرداب سب جگہ بھر گئی تھی لیکن تخت نشین ابھی خالی تھا اور اس کا سنہری زردوزی

شہ نشین پر رونق افروز تھی گورنر جنرل کی داہنی طرف ان کی کونسل کے ممبروں اور حضور ممدوح الصدر کے مہمانوں کے واسطے مخصوص تھا۔ ان نشست گاہوں کے پیچھے ایک پردہ دار گھر بنایا گیا تھا جس میں بعض ہندوستانی روٴسا کی بیگمات بیٹھی ہوئی تھیں۔ وائسرائے کی شہ نشین کی بائیں جانب کی نشست گاہیں دول خارجہ کے وکلا اور معزز مہمانوں سے پُر تھیں۔ درجہ ڈبلیو کی اول صف میں جو شہ نشین کی جانب راست تھی دو سیٹ نمبر پر حضور پرنور سرکار عالی نظام اور شہزادہ میر عثمان علی خاں بہادر تشریف فرما تھے۔ کرنل سر ڈیوڈ بار رزیڈنٹ شہزادہ معز کی داہنی جانب تھے۔ حضور نظام کی پشت پر جو نشست گاہوں کی قطار تھی اُس میں مہاراجہ پیشکار سر کشن پرشاد مدارالمہام اور لفٹننٹ کرنل نواب افسر الدولہ بہادر اور دیگر امرا و عہدہ داران ریاست بیٹھے ہوئے تھے۔ سر ڈیوڈ بار کی جانب راست اگلی صف میں گیکوار بڑودہ تشریف رکھتے تھے۔ اسی صف میں ان کے صاحبزادے اور مہاراجہ بہادر میسور اور سر ڈانلڈ رابرٹسن رزیڈنٹ اور مسٹر جے پی ہیوٹ چیف کمشنر ممالک متوسط بیٹھے ہوئے تھے۔ اس درجے کے مقابل ایمفی تھیٹر کی بائیں جانب جو نشست گاہیں تھیں اُن پر وہ والیان ملک رونق افروز تھے جن کی ریاستوں کو سلطنت کی شہر پناہ کہیں تو زیبا ہے۔ صف اول کے بیچوں بیچ ہی مہاراجہ بہادر جموں و کشمیر۔ جام لسبیلا۔ خان قلات۔ راجہ منی پور۔ رزیڈنٹ کشمیر و چیف کمشنران برٹش بلوچستان و سرحدی صوبۂ شمال مغرب۔ ان صاحبان کے پیچھے دوسری صف میں مہتر چترال اور کوہ اسود اور دریائے سیحون کے شمالی حصے کے درمیانی اضلاع کے سرحدی سردار بیٹھے ہوئے تھے۔ مہاراجہ کشمیر کے پیچھے اُن کے بھائی راجہ امر سنگھ کمانڈر ان چیف افواج کشمیر اور اُن کے چچا زاد بھائی راجہ بلدیو سنگھ والی پونچھ تشریف رکھتے تھے۔ دو درجے داہنی طرف اور اُس کے مقابل کے دو درجے بائیں طرف راجگان راجپوتانہ و وسط ہند کے لئے مخصوص تھے۔ ایمفی تھیٹر کی دوسری جانب نظر اٹھانے سے تماشائی کو یہ روٴسا نظر پڑتے تھے مہاراجہ ہلکر والی اندور۔ میجر الیف ای ینگ ہسپیٹر رزیڈنٹ اندور۔ مسٹر ہی۔ الیس۔ بیلی ایجنٹ گورنر جنرل وسط ہند ایجنٹ صاحب بہادر کے دست چپ پر مہاراجہ بہادر سندھیا والی گوالیار

شاہی تھیٹر جس کی لمبائی سو فیٹ تھی نصب تھا۔ ایمفی تھیٹر کی عجیب و غریب خوشنما اور
وسیع عمارت نے ہر دیکھنے والے کے دل میں ایک عجیب لطف پیدا کر دیا تھا۔ کہتے
ہیں کہ اس میں سولہ ہزار تماشائیوں کی گنجائش تھی اور ان میں سے ہر ایک اس سہولت
اور آسائش سے ہر چیز کو دیکھ اور سن سکتا تھا کہ شاید ہی پہلے کسی ایسی عمارت سے
سن سکا اور دیکھ سکا ہو لیکن اب یہ نظروں سے بالکل غائب اور سوائے اُن کا [illegible]
جو فوٹوگرافروں کے کیمروں اور مصوروں کے قلم کے نتیجے ہیں ہم اُن کا کوئی پتہ نہیں
پاتے۔ ان صاحبوں کو جنھوں نے دربار دہلی کی عمارت کو بہ حیرت دیکھا ہے اس کی وسعت
کا ٹھیک اندازہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ وہ اس کا دنیا کے سب سے مشہور ایمفی تھیٹر
یعنی روما کے کلوسیم سے مقابلہ کریں۔ کلوسیم دنگل کی تماشہ گاہ بیضوی شکل کی ہے اور
اس کا محور اکبر ([illegible]) اور محور اصغر ([illegible]) لمبا ہے۔ اس حساب سے تمام رقبہ
(۵۹۴۴) مربع فیٹ نکلتا ہے۔ دہلی کے نعل نما تھیٹر کے جو مدور تماشہ گاہ تھی دونوں
سروں کا فاصلہ (۲۲) تھا۔ اس کا کل رقبہ (۱۸۲۸۱) مربع فیٹ تھا۔ اس سے کلوسیم کا
تمام اندرونی حصہ دہلی ایمفی تھیٹر میں بخوبی سما سکتا ہے اور پھر بھی بہت سی زائد جگہ بچے
گی۔ بلحاظ رفعت کے البتہ دہلی کے ایمفی تھیٹر کا مقابلہ کلوسیم سے نہیں ہو سکتا۔ وجہ یہ
کہ اس کے بنانے میں تو صدیوں کے ثبات و قیام کا اہتمام کیا گیا تھا۔ اس میں بہت
کثیر ازدحام کی گنجائش نکالی گئی تھی کیونکہ دارالخلافت روما کے تماشوں کے موقع پر مجمع
ہوتا تھا۔ کلوسیم میں سنگین نشست گاہوں کی ساٹھ یا اسی قطاریں ہیں جو کہ ایک دوسرے
کے اوپر ہوتی چلی جاتی ہیں جس میں اسی ہزار تماشائیوں کی گنجائش ہے۔ دہلی میں یہ بات
ضروری نہیں سمجھی گئی کہ (۱۲۴۲۰) لوگوں کے لئے بیٹھنے کی جگہ اور ۳۵۰۰
سے زیادہ کے لئے کھڑے ہونے کی جگہ کا انتظام کیا جائے یعنی کل سولہ ہزار
آدمیوں کے لئے اہتمام کیا گیا تھا۔ خود نشستوں کے موقع سے بھی ۱۹۰۳ء کے
جشن اور [illegible] کے شاہی دربار میں ایک صاف و صریح تفاوت معلوم ہوتا تھا۔
اب کی دفعہ وائسرائے بجائے اس کے کہ مثل رؤسا اور انگریزی گورنروں سے
علیحدہ کھڑے ہو کر دور ہی سے ان کو خطاب کریں بیچوں بیچ میں تشریف رکھتے
تھے۔ نشست گاہوں میں پہلا درجہ وائسرائے اور شاہی جماعت سے جو کہ

لارڈ لٹن کے ایمفی تھیٹر کی وضع اور ساخت نہایت ہی خوش نما اور دلکش تھی مگر اس میں چند لاعلاج نقص بھی تھے مثلاً آدھے سے زیادہ حاضرین واقعہ اس کے اپیش نہ تھے جو وائسراے کی سپیچ کا ایک حرف بھی نہ سن سکے سامنے کی نشست گاہوں کی قطاروں میں بھی اُن کی آواز چنداں صاف طور سے سنائی نہیں دی وجہ یہ ہوئی کہ قریب قریب کرسی کا فاصلہ وائسراے کی شہ نشین سے (۸۰) گز تھا۔ علاوہ بریں آرائش اور زیبائش کی چیزوں میں سواے پرچموں، ڈھالوں، جھنڈیوں اور بیرقوں کے کوئی چیز ایسی نہ تھی جس سے مشرقی شان ٹپکتی ہو۔ اب کی دفعہ یہ لازمی تھا کہ عمارت پہلے سے بڑی بنے اور اس کی ساخت میں بھی کچھ تبدیلی ہو تاکہ درباریوں کی پیشتر سے کہیں زیادہ تعداد اس میں بخوبی بیٹھ جاے اور وائسراے اور ڈیوک کو بھی اس جلسے پر ایک ہندوستانی دربار کی شان و شکوہ برتنے کا موقع ملے۔ دربار سے کوئی ڈیڑھ برس پہلے وائسراے نے بڑے غور و تعمق سے بذیرا سے قرار دی کہ آواز اور دیگر امور کے لحاظ سے عمارت کی وضع نعل اسپ کی صورت سے زیادہ موزوں اور بہتر نہیں ہو سکتی چنانچہ سر سونٹن جیکب ماہر فن عمارت نے اس کے نقشے طیار کیے۔ اپریل سنہ ۱۹۰۲ء میں موقع ملاحظہ فرمانے کی غرض سے وائسراے خود دہلی تشریف لاے۔ لارڈ لٹن کے دربار کی جگہ اب نرا جنگل تھا۔ سنہ ۱۸۷۷ء کے دربار کے چبوترے کا بقیہ اب صرف اینٹوں کا ایک ڈھیر رہ گیا تھا اور نشست گاہوں کا پتہ صرف اس بات سے چلتا تھا کہ وہ زمین اردگرد کے کھیتوں سے ذرا ابھری ہوئی تھی۔ وائسراے نے مجوزہ نقشوں میں بہت کچھ تبدیلیاں کیں۔ سر جیکب کے نقشے میں یہ تجویز تھی کہ ایمفی تھیٹر پر بجاے چھت کے نیلے اور سفید رنگ کی دھاریوں کی کرمچ کا ایک ہلکا شامیانہ تان دیا جاے اور اس پر شاندار جھنڈیاں نصب کر دی جائیں لیکن پھر یہ بات ٹھیری کہ کرمچ کی بجاے خاص مسلمانی وضع کا کوئی کپڑا ہو اور اس کے نقش و نگار میں دہلی یا آگرے کی کسی مغلئی عمارت کی نقل کی جاے اور ہر چیز اس ترکیب سے بنائی جاے کہ گو وہ اصل میں لوہے یا لکڑی کی ہو مگر دور سے عین سنگ مرمر کی نظر آے۔ غرض اور بھی بہت سی تبدیلیوں کے بعد دسمبر سنہ ۱۹۰۲ء میں وائسراے نے نقشے کو پسند فرما لیا۔ جلوہ گاہ کے وسط میں

ساڑھے بارہ بجے دوپہر کا کر دیا تھا۔ وقت سے بھی کہیں پہلے اکثر تماشائی عہدہ دار اور غیر عہدہ دار ایمفی تھیئٹر پر پہنچ گئے۔ سواریوں اور پیدل آدمیوں کے اس ہنگامے میں پولیس کا انتظام نہایت قابل تحسین و آفرین تھا۔ رؤسا کی سواریاں بیرونی احاطے کے دروازے تک پہنچتی تھیں جہاں کہ ہر ایک کا اس کے منصب کے موافق مناسب استقبال ہوتا تھا اور وہاں سے اُن کو ایک پولیٹکل افسر اُن کی خاص جگہ پر جاکر بٹھا دیتا تھا۔ اس طرح سو سے زیادہ رؤسا کا استقبال کیا گیا۔ ہر رئیس کو آتے ہی وائسرائے کی درباری تقریر کا اردو ترجمہ پیش کر دیا جاتا تھا۔ فوجی طیاریوں پر بھی کافی نگرانی کی گئی۔ پیادہ فوج دو دستے ہوکر جس میں تیرہ تیرہ پلٹنیں تھیں جا مقررہ پر پہنچ گئیں اور ایمفی تھیئٹر کے سامنے کوئی چار سو گز کے فاصلے پر مربع پرے جماکر قائم ہو گئیں ان پلٹنوں کی قطار کوئی ہزار گز لمبی ہوگی۔ فوج کا کل شمار صف بستہ اور سواروں کے پہرہ دار دونوں ملاکر (۲۹۰۶۷) تھا۔ دربار کی اس سڑک کے دونوں طرف جس پر سے حضور وائسرائے اور ڈیوک آف کناٹ کی سواریاں ایمفی تھیئٹر کی جانب گزرنے کو تھیں فوج کے دستے قائم کیے گئے تھے۔ حضور وائسرائے کے ہمرکاب خاصے کی فوج کا پیادہ حصہ تھا۔ ڈیوک اور ڈچس اور وائسرائے کی تشریف آوری کے بعد ہمرکاب خاصے کی فوج کے سوار بھی اسی جگہ پیادہ فوج کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ اگرچہ موقع وہی تھا جہاں کہ ۱۸۷۷ء میں لارڈ لٹن نے دربار کیا تھا لیکن یہ عمارت جو لارڈ کرزن کے دربار کے واسطے طیار ہوئی ساخت اور وسعت میں اس عمارت سے جو (۲۵) برس پہلے ایک قلیل مجمع کے لیے کافی سمجھی گئی تھی بالکل مختلف تھی ۱۸۷۷ء کے دربار میں رؤسا اور اعلیٰ حکام کی نشست گاہیں ہلال کی صورت میں تھیں جس کی وسعت قریباً مربع دائرہ کے برابر ہوگی۔ نشست گاہوں کا رخ وائسرائے کی طرف تھا اور لارڈ لٹن نے حصار کو ایک مسدس شہ نشین پر سے خطاب فرمایا تھا جو کہ دائرے کے مرکز سے ذرا آگے بڑھا ہوا بالکل علیحدہ بنایا گیا تھا۔ باقی عہدہ داران اور تماشائیوں نے اس جلسے کی کیفیت اُن چھوٹی چھوٹی نشست گاہوں سے دیکھی تھی جو کہ وائسرائے کے شہ نشین کے عقب میں طیار کی گئی تھیں۔ ان مختلف نشست گاہوں پر جو آدمی بیٹھے تھے اُن کی تعداد پانچ ہزار سے زیادہ تھی۔

ہزارہا آدمیوں کو کھینچ بلایا تھا۔ والیان ملک روٗسا گورنر و دیگر حکام بالا اس شاہانہ رسم کے واسطے اپنی اپنی خدمات کی طیاریاں کرنے لگے۔ توپ خانے اور رجمنٹیں اپنے معہودہ مقامات کی طرف روانہ ہوگئیں لیکن ملکی اور جنگی آدمیوں کے وہ جفاکش کارپرداز جن کے سلیقۂ انتظام پر اس جم غفیر کی حسن تدبیر کا مدار تھا ابھی تک بڑی سرگرمی سے ابتری کے دفع کرنے اور انتظام میں مشغول تھے اور بند و بست کر رہے تھے کہ عین وقت پر کوئی حادثہ واقع نہ ہو۔ تماشائی اور سیلانی جیوڑے دہلی کی صبح کی سردی کی تکالیف جھیل رہے تھے تاکہ اس تماشے کے موقع پر جس کا مدت سے انتظار تھا وقت پر پہونچ جائیں۔ تھوڑے ہی عرصے بعد چھپر کاؤ کی ہوئی سڑکیں جو دہلی سے امپفی تھیٹر کی طرف جو کھلے میدان میں کشمیری دروازے سے چار میل شمال کی طرف واقع تھا جاتی تھیں اور نیز دیگر راستے جو مختلف کیمپوں سے آتے تھے پیدل سوار اور گاڑیوں کے اژدحام سے کھچا کھچ بھر گئے۔ اس سارے انبوہ کا رخ اُسی منزل مقصود کی طرف تھا۔ بعض لوگ لئیٹ ریلوے میں بیٹھ بیٹھ کر جا رہے تھے جن کا اسٹیشن سے امپفی تھیٹر تک تانتا بندھا ہوا تھا۔ علی پور کی سڑک پر راجا لوگ اپنی فوج اور رسالوں کے ساتھ زرنگار گاڑیوں میں بیٹھے چوکڑیاں اڑاتے چلے جاتے تھے۔ انگریزی ساخت کی لینڈو ویا تمٹم سے لے کر لدھڑ بیلوں کے چھکڑے اور ہچکولے لگتے ہوئے یکوں تک ہر قسم کی سواریاں تماشائیوں کی بے شمار بھیڑ سے بھری ہوئی تھیں جن میں ہزارہا مختلف صورتیں نظر آتی تھیں کسی میں انگریزی اور دیسی عہدہ دار تھے کسی میں اجنبی لوگ تھے جو دریائے ہڈسن اور یارا کے کناروں یا پریٹوریا اور ٹوکیو کے دارالسلطنتوں سے آئے تھے۔ بعض جگہ شمال و مغربی سرحد کے پٹھان اور خودسر ملک باغستان کے سردار نظر پڑتے تھے اور بعض جگہ بلوچستان کی سطح مرتفع کے لمبی ڈاڑھیوں اور زلفوں والے جنگ جو اور چین اور تبت کے غیر مانوس زبان اور انوکھے لباس والے سرحدی دکھائی دیتے تھے۔ کہیں کہیں بحیرۂ عرب کے کنارے کے شیخ و سلطان بھی دیکھنے میں آتے تھے الغرض سلطنت ہند کے متعلق ہر قسم کا آدمی موجود تھا۔ حسن اتفاق سے یکم جنوری کو مسلمانوں کا بڑا تہوار عید الفطر کا آن پڑا تھا۔ سرکار نے اہل اسلام کی سہولت اور آسائش کے واسطے جلسے کے افتتاح کا وقت

ہے یقیں اللہ کی شاہا ہوں تیری قوم پر — جن کے احسانات کا بارِ گراں ہے ہند پر
ہر سفر میں ہم عناں ہر راہ میں ہیں رہنما — رزم میں ہیں ورنہ محفل بزم میں ہیں اپنی سپر
قحط میں رنج و عنا میں فتنہ و آشوب میں — اہلِ انگلستان سے لی نسبت یہ اکثر خبر
اس مبارک قوم کی الفت پہ ہم کو ناز ہے — جس کا ہر میداں میں ہمت کا قدم ہے پیشتر
کارپردازانِ دولت انتظامِ ملک میں — ہیں فلاحِ خلق کی تدبیر میں شام و سحر
شمعِ بزمِ سلطنت ہے شاہ کا نائب مناب — جس کا ہر لب پر ہے چرچا جس کا ہر دل میں ہے گھر
باغ ہے ہندوستاں اور لارڈ کرزن باغباں — ہر گل و شاخ و شجر پر باغباں کی ہے نظر
اس کی ہر تقریر سے تحریر سے تدبیر سے — ہمت عالی ہے اور روشن دماغی جلوہ گر
معبدوں کو اس کی فیاضی نے روشن کر دیا — اس کی ہمدردی سے آثارِ سلف کی لی خبر
ہے نسیمِ لطف سے اس کے بہارِ علم و فن — آبیاری سے اسی کی تازہ ہے کشتِ ہنر
یہ شکوہِ بارگاہ یہ انجمن پیرائیاں — سب ہیں مبلغ لارڈ کرزن کی ہیں ہمت آرائیاں
اے شہِ والا مکاں اے زینتِ تختِ شہی — ہو مبارک تجھ کو یہ تاج و سریرِ قیصری
آئے ہیں حضرت میں تیری ہم مسلمانانِ ہند — لائے ہیں نقدِ ارادت ہدیۂ شاہنشہی
دیکھتے ہیں ہم جبینِ شاہ میں ظلِ الٰہ — شان و شوکت میں تیری پاتے ہیں شانِ ایزدی
بعد طاعت کے اطاعت فرض ہے اسلام میں — دین و ایماں ہے ہمارا شاہ کی فرماں بری
دم سے درہم سے قدم سے جان سے اور مال سے — تیری خدمت میں نہ ہوں گی ہم سے ہرگز کوتہی
سایۂ دولت میں تیرے ہیں کروڑوں کلمہ گو — تیری اسلامی حکومت ہے شہا سب سے بڑی
عرضِ حاجت کی نہیں اس آستاں پر احتیاج — جانتا ہے شاہ خود رسمِ رعیت پروری
قوم کی تعلیم کی اک فکر دامن گیر ہے — دیکھتے ہیں ہم اسی میں جلوۂ لطفِ شہی
شکرِ احساں ہے دلوں میں اور لبوں پر یہ دعا — تا ابد قائم رہے یہ تخت و تاجِ قیصری
ملکۂ روشن گہر سے ہو فروغِ بزمِ دہر — تاج میں اس کے ہو کوہِ نورِ مہرِ خاوری

خیر و خوبی سے ولی عہدِ بلند اختر رہے
سر پہ اس کے سایۂ شاہِ جہاں پرور رہے

۱۹۰۳ء کی صبح ورود کا آغاز تھا کہ دہلی کے اطراف اس عظیم الشان جلسے کی آخری تیاریوں کی چہل پہل شروع ہو گئی جس کے شوق میں مہذب دنیا کے تمام اطراف سے

ہر دو ملبوس جہاں پرتاب الماس و گہر — کھل گیا جن کی چمک سے بزم انجم کا بھرم
پی رہے ہیں اہلِ محفل جامِ صحتِ شاہ کا — کہہ رہے ہیں میٹھے سُروں میں ہیں مزامیر نغم
خالقِ کون و مکاں کی ہو تجھے حفظ و اماں — اے شہ ایڈورڈ ہفتم قیصرِ ہندوستاں
اے شہ فرخ لقب عالی نسب والا مکاں — ہے تری ذاتِ معلّیٰ زینت بزم جہاں
ہے عیاں صورت سے تیری فرّۂ شاہنشہی — ہے نہاں سیرت میں تیری لطف و جود بیکراں
شاہ کی جانب رعایا کے کھچے جاتے ہیں دل — ماہ کے جانب ہوں جیسے بحر کی موجیں رواں
آفتابِ سلطنت ہے نیر ارخشاں رات دن — جس نے بخشا بزم عالم کو فراغ جاوداں
قُبّۂ شاہنشہی ہے سجدہ گاہ روزگار — آستانِ قیصری ہے بوسہ گاہِ خسرواں
شرق میں اور غرب میں امصار میں کہسار میں — بحر و بر میں خشک و تر میں حکم ہے تیرا رواں
چرخ پر انجم ہیں گویا بحر میں تیرے جہاز — جابجا تیرے جزائر ہیں مثالِ کہکشاں
کوہ و صحرا پست و بالا سے نہیں رکتا یہ سیل — فوج دریا موج تیری جس طرف پھیرے عناں
بدھ عیسائی مسلماں سکھ ہندو پارسی — اس سمندر میں ملی ہیں آ کے صدہا ندیاں
ہے ترے مردانِ جنگی میں مروت اس قدر — بخشتے ہیں رزمگہ میں دشمنوں کو آب و ناں
ہے خلائق پروری کا آج سہرا سر ترے — ایک عالم میہماں ہے خوان یغما پر ترے
اے شہنشاہ معظم منبع جود و عطا — شکر تیری نعمتوں کا ہم سے ہو کیوں کر ادا
مندروں میں گا رہے ہیں تہنیت کے تیرے راگ — مسجدوں میں مانگتے ہیں تیری صحت کی دعا
ہوگئے شیر و شکر زنار و تسبیح و صلیب — رنگِ وحدت نے دیا رنگِ تعصب کو مٹا
ظلِ عالی بن گیا ہم کو حصارِ عافیت — آئے دن کے زلزلوں کا دغدغہ جاتا رہا
امن و آزادی تجارت کے بنے ہیں خضرِ راہ — علم و دانش سے بڑھی ہے بزم صنعت کی ضیا
علم کا چمکا ستارہ ایسی آب و تاب سے — سب بلند و پست میں جس سے اُجالا گیا
اہل دانش پر ہوے اسرار فطرت منکشف — تابعِ انساں ہوے برق و دُخاں آب و ہوا
جن بیابانوں سے تھا ابر بہاری بے خبر — آج نہروں نے وہاں جنگل میں منگل کر دیا
جن پہاڑوں نے نہ دیکھے تھے بشر کے نقشِ پا — آج ہیں واں کاخ و ایوان باغ و بستان دلکشا
اختر دولت رہے تیرا شہا گیتی فروز — تیرہ خاکِ ہند کو جس نے منور کر دیا
تو ہے محبوبِ جہاں اے خسرو عالم پناہ — تو دماغوں کا ہو مالک اور دلوں کا بادشاہ

گئی ہے اور ہر ایک چیز کی تشریح بڑی واقفیت سے کی گئی ہے اتنی معلومات کسی اور کتاب میں تو ملے گی نہیں -

شہنشاہی دربار

ترکیب بند[1] در تہنیت جلوس ہمایوں شہنشاہ معظم ایڈورڈ ہفتم قیصر ہند

قسط

سج نا ای شہر دہلی ای عروس روزگار
آئی تھی تیرے گلستاں میں کبھی ایسی بہار

تو نے دیکھے ہیں بہت جاہ و حشم کے سیل و ہا
تجھ پہ گزرے ہیں بہت اقبال کے لیل و نہار

تیرے کھنڈروں میں ملے ہیں سنکڑوں تخت شہی
خاک میں سوتے ہیں تیری تاج بخش و تاجدار

تجھ میں ہندو راج کے آثار دولت ہیں عیاں
تجھ میں اسلامی حکومت کے نشاں ہیں یادگار

دیدۂ دوراں نے لیکن بیشتر دیکھی نہ تھی
آج جوبن پہ جو تیرے ہے تجلی آشکار

تیرے گلشن میں بہار آئی نہ تھی ایسی کبھی
گلشن عشرت کو تیرے تھی سدا تخویف خار

تجھ پہ ابر عالیت کی یوں گھٹا چھائی نہ تھی
ساتھ برق و باد کے آتا تھا یاں ابر بہار

کہہ رہی ہے یوں زبان حال سے مینار قطب
میری آنکھوں نے نہ دیکھی تھی یہ بزم زرنگار

آ رہی ہے مقبروں سے بھی صدا تحسین کی
شہر خاموشاں میں ہے رطب اللساں سنگ مزار

بہہ رہا ہے سیل دولت کا جہاں آباد میں
کر رہا ہے اس زمیں پہ آسماں گوہر نثار

عرصۂ عالم میں دیکھے گا نہ چرخ چنبری
یہ شکوہ و فرۂ جشن جلوس قیصری

ہو رہا ہے آج شاہنشاہ کے زیر علم
شور و شور جشن فریدوں کو کو نوروز جم

بارگاہ قیصری اک قلزم مواج ہے
اس کی موجیں ہیں زرہیں ابر و ماہی کے نیم

کوہ پیکر ہاتھیوں کی ہے کہیں چھائی گھٹا
ہیں کہیں توپیں گرجتی رعد آسا دم بدم

جگمگا اٹھی چراغوں سے سواد شہر و دشت
رات کو دن کا سماں ہے نور ہی وقت ظلم

محو حیرت ہے یا مل ہے شہرہا دشت و جبل
سب میں شادی کا عمل ہے مٹ گیا ہے نام غم

مشرقی شان و تجمل مغربی آئین و نظم
مل گئے آسائش دربار عالی میں بہم

بزم دولت صنعت ہندی سے ہے آراستہ
جس کی ہر تصویر سے تام مصور کا قلم

لہلہاتے سو بسو ہیں تاجداروں کے نشاں
یہ زمیں خیک اک طرف ہے پائمال جملہ امم

[1] از تصنیف چودھری خوشی محمد خاں صاحب بی۔اے پرسنل اسسٹنٹ کمشنر بندوبست ریاست جموں و کشمیر ۱۲

نمایش بھی ایک طرح کی چشم دید تعلیم ہے یہ اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ ہندوستان کو کیا کیا سوجھتی ہے وہ کیا کیا چیزیں بنا سکتے ہیں اور کیا کیا کر سکتے ہیں اس کی غرض ہم پر اس بات کا ظاہر کر دینا ہے کہ اس کے صناعوں میں صنعت کا خیال جاتا نہیں رہا بلکہ ان کو صرف ایک محرک اور ہمت دلانے والے کی ضرورت ہے۔ اس سے لوگوں کو یہ دکھانا مرکوز خاطر ہے کہ ایک ہندوستانی گھر کی زیبائش اور اثاث البیت کے لیئے کلکتے اور بمبئی کی انگریزی دکانوں میں ڈانواں ڈول پھرنے کی کچھ ضرورت نہیں حالاں کہ تقریباً ہر ہندوستانی ریاست یا صوبے میں اکثر ہندوستانی شہروں میں اور بہت سے ہندوستانی دیہات میں ابھی تک صنعتیں موجود ہیں اور اب تک ایسے صناع زندہ ہیں جو اپنے ہم وطنوں کے صنعتی اور نیز سودمندی کے مذاق کو رضامند رکھ سکتے ہیں جو ایسے قیمتی ورثے کو کہ سلف کے لوگوں سے ہمارے ہاتھ لگا ہے زندہ رکھنے کے قابل ہیں۔ انھیں اغراض کی وجہ سے سر ڈاکٹر واٹ نے اور میں نے اس نمایش کے لیئے مشقت اٹھائی ہے اور اب اس کے افتتاح کا اعلان کرتے وقت صرف اس دلی امید کا ظاہر کرنا باقی ہے کہ جس سرپرستی کی غرض سے اس کا منصوبہ سوچا گیا تھا خدا کرے تھوڑا بہت تو پورا ہو۔ رسم افتتاح کے بعد شاہزادے اور والیسرائے اپنے ہمراہیوں سمیت نمایش گاہ کے اندر گئے اور صدر دالان اور بغلی دالانوں میں چلے پھرے اور عمدہ ترین نمونوں کے دیکھنے کے لیئے اکثر جگہ ٹھٹکے بھی۔ سر جارج واٹ نے نمایشی چیزوں کی ایک عمدہ اور مکمل فہرست مرتب کی تھی اور چوں کہ نمایش گاہ میں قابل دید چیزیں کثرت سے تھیں بعض تو اگلے وقتوں کے عمدہ کام تھے اور بعض خالص مشرقی وضع کے ہنرمندانہ کاریگری کے نمونے تھے جو اب تک بھی مروج ہیں اور اُن کو عاقلانہ طور پر زیادہ رواج دینا چاہیئے اور بعض ایسی چیزیں تھیں کہ اُن کے بنانے والوں نے بعض صنعتوں کو دیکھا کہ مٹ گئیں یا مٹنے والی ہیں اور اُنھوں نے بزور ذہانت نیک نیتی سے ان صنعتوں کو از سر نو تازہ کرنے یا سنبھالنے یا ان میں کوئی نئی بات پیدا کرنے کی کوشش کی تو اس جگہ اتنی بہت چیزوں میں سے خاص نمود کی چیزوں کی روداد کو بیان کرنا بھی محال ہے پس جس کسی کو نمایشی چیزوں کی پوری کیفیت معلوم کرنی ہو اُس کو چاہیئے کہ سر جارج واٹ کی مرتب کی ہوئی فہرست کی طرف رجوع کرے وہ نری فہرست نہیں ہے بلکہ اُس میں موجودہ ہندوستانی صنعتوں کے قسم وار بہت زیادہ حالات ایک جگہ جمع ہیں۔ اس میں فنون صنعت کی ترتیب عمدہ تسلسل کے ساتھ رکھی

بہت سی پرانی صنعتیں اور دستکاریاں آخرکار غارت ہو جائیں گی ایک شناخت اور ہے جس کو میں اور بھی زیادہ فال بد خیال کرتا ہوں جیسا کہ میں کہہ بھی چکا ہوں۔ میں اُن لوگوں میں ہوں جو اس بات پہ قائل ہیں کہ کوئی قومی کاریگری بے اس کے جاری نہیں رہ سکتی کہ جن لوگوں نے اس کو ایجاد کیا ہے انہیں کے خیالات کی پیرویوں اور انہیں کی ضرورتوں کو پورا کرے۔ یہ سیاح لوگ اور عجائبات کے متلاشی اکیلے تو کسی کاریگری کو زندہ نہیں رکھ سکتے اگر صنعت کسی بیرسی کے اس درجے کو پہنچ جائے تو وہ صنعت صنعت نہیں رہتی بلکہ ایک طرح کی کل ہو جاتی ہے جس میں صرف خاص رواجی نمونوں کی نقل ڈھالی جاتی ہے۔ جب رواج ملا اور عام پسند باقی نہ رہا تو اس کے ساتھ صنعت بھی رخصت ہو گئی پس اگر یہ منظور ہے کہ ہندوستانی صنعتیں سرسبز رہیں یا اُن میں از سر نو جان ڈالی جائے تو یہ تو اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ہندوستانی رؤسا اور امراء و تربیت یافتہ اور عالی درجہ لوگ اس کی سرپرستی کریں۔ جب تک امرا اس بات کے گرویدہ رہیں گے کہ اُن کے محل رسلز کے مصنوعات کیلئے قالینوں ٹائن ہم کورٹ کے اثاث البیت اٹلی کی اور راس ٹیکی کاری فرانس کی روغن وار چیزوں آسٹریا کے شیشہ آلات جرمنی کے رنگت اور سستے کپڑوں سے آراستہ رہیں اس وقت تک تو میں ڈرتا ہوں کہ کچھ ایسی بہت توقع نہیں۔ اس بات کے کہنے سے میرا مطلب کسی کو الاہنا دینا نہیں اس لیئے کہ میں خیال کرتا ہوں کہ انگلستان خود ہم انگریز بھی اسی خبط میں مبتلا ہیں کہ دوسرے ملک کی کوئی سی چیز ہو وہی ہماری نظر میں کھپ جاتی ہے مگر ہاں اتنی بات تو میں پکار کے کہتا ہوں کہ ہندوستانی صنعتوں اور دستکاریوں کو زندہ رکھنا منظور ہے تو یہ صرف باہر والوں کی سرپرستی سے ہونا ممکن نہیں۔ یہ تو صرف اسی صورت سے ہو سکتا ہے کہ اس ملک کے اندر صنعت و حرفت کی نکاسی ہو اور اس سے یہیں کے لوگوں کے خیالات اور مذاق ظاہر ہوتے ہوں۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ہندوستانی رئیسوں اور امیروں میں زمانہ حال کے مذاق کو لطیف یا چیز پاکیزہ بنانے کی ایک تحریک پیدا ہو اور نیز اس کی کہ اپنے ملک کے پرانی مگر عمدہ طرز و وضع کی طرف عود کریں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ تو ایک دو دن ہونا ہے مگر شاید اتنی دیر لگے کہ اصل مطلب فوت ہو جائے۔ اگر یہی بد فالیاں ہیں تو پھر اس نمایش کی غرض کیا ہے اور کس وجہ سے میں اس کو مفید خیال کرتا ہوں میں اس کا جواب صرف ایک لفظ میں دے سکتا ہوں

والیان ریاست اور قدردانوں نے اپنی فیاضی سے براہ مہربانی مستعار دیئے ہیں اُن میں بعض تو ہمارے ہندوستانی عجائب خانوں سے اور بعض لندن کے ساوتھ کنسنگٹن میوزیم کے بے مثل ذخیرے سے آئے ہیں بہت سی چیزیں فی نفسہا خوش نما ہیں لیکن ہم کو امید ہے کہ ہندوستانی کاریگر جو یہاں موجود ہیں اور اُن کے سرپرست جو اُن سے کام لیتے ہیں ان چیزوں کو صرف اس غرض سے نہیں دیکھیں گے کہ وہ چیزیں یا تو محققان قدامت کے کام کی ہیں یا اُس شخص کے شوق کی ہیں جو صنعت کا مذاق رکھتا ہو بلکہ اُن کو اس نظر سے ملاحظہ فرمائیں گے کہ یہ چیزیں اُن کو جدید اور تازہ خیالات بہم پونہچاتی ہیں جو اُن کی آئندہ کارروائی میں بکار آمد ہوں گی لہذا یہ قاعدہ کلیہ قرار دینا چاہیئے کہ ہندوستانی صنعتیں صرف اپنی پرانی وضع پر قائم رہنے سے ترقی پائیں گی نہ غیر ملک کے خیالات کی پیروی کرنے سے۔ اب اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ اس نمائش سے اصلی غرض کیا ہے اور میں اس سے کس فائدے کی توقع رکھتا ہوں تو میں اس کا جواب بہت ہی مختصر لفظوں میں دوں گا کہ جہاں تک ہندوستان کی صنعت وحرفت کے منزل میں تجارت کی ترقی اور ہاتھ کی قوت پر دخانی قوت کی چیرہ دستی اور مذاق پر سود مندی کے غلبے کو دخل ہے وہاں تک تو مجھے کچھ چنداں توقع نہیں۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہندوستان میں وہی صورت پیش آرہی ہے جو ساری دنیا میں دکھائی دے رہی ہے جس نے مدت ہوئی انگلستان کی پرانی مزدوری کا ناس مار دیا اور یہی چین اور جاپان کے پیچھے پڑی ہے۔ کوئی چیز اس کو روک نہیں سکتی۔ جس طرح یہ بات یقینی ہے کہ جیسے دخانی گاڑیاں گھوڑا گاڑیوں کو منسوخ کرتی چلی جارہی ہیں اور جیسے پنکھے جو ہاتھ سے کھینچے جاتے ہیں اُن کی جگہ بجلی کے پنکھے رواج پارہے ہیں اسی طرح جلاہوں کی کارگاہوں کو مشین کی کارگاہیں بے دخل کریں گی اور متفرق دکانوں سے بڑے کارخانے بازی لے جائیں گے۔ یہ بات ضروری الوقوع ہے اور ایک زمانے میں جس میں سستی چیزوں کی ضرورت ہے اور اُن کے بدنما ہونے کی کچھ زیادہ پرواہ نہیں کی جاتی جس میں آرام کا زیادہ خیال اور خوش نمائی کی انتہا نہیں اور جو کبھی بے اس کے خوش نہیں ہو سکتا کہ اپنے ہی نمونوں اور متوارث نقلوں کو چھوڑ بیٹھے اور اجنبی اور غیر ممالک کی چیزوں کی تلاش میں سرگرداں مارا مارا پھرے تو ہم کو یقین رکھنا چاہیئے کہ

صرف ایسے کام چاہتا ہوں جن سے یہاں کے لوگوں کے خیالات اُن کے متوارث میلان اُن کی ذاتی ذہانت اور اُن کے معتقدات ظاہر ہوں ممکن ہو کہ نمایش گاہ میں کچھ چیزیں ایسی بھی آگئی ہوں جن پر میری شرایط صادق نہ آتی ہوں اس لئے کہ اس ملک میں یورپ کی نقل و تقلید جلد جلد اثر کر رہی ہے۔ جس کثرت سے چایدان۔ لائی کے کوزے۔ دستی رومال۔ نمک دان۔ سگرٹ رکھنے کی ڈبیاں فرمایشیں کرکے دیسی کاریگروں سے بنوائی جاتی ہیں سُن کر حیرت ہوتی ہے۔ لیکن عموماً کہا جاسکتا ہے کہ میری شرط کی تعمیل کی گئی۔ پھر دوسری میری شرط یہ تھی کہ نمایش کے لیے بہتر سے بہتر نمونے بہم پہنچائے جائیں۔ سستے سوتی اور چھال کے کپڑے بھدی لکدار چیزیں انگوٹھی چھلّے سرتھی مورتیں اور گولیاں جو یہاں کی فرمایش سے باوجود مگھم میں بنتی ہیں ایسی چیزیں تو مجھ کو درکار نہیں۔ میں تو نمایش کے لیئے تمام ایسی چیزیں چاہتا ہوں جو ہندوستان کی صناعی میں نادر اور خاص اور خوش نما ہوں مثلاً ہندوستان کے بنے ہوئے سونے چاندی کے برتن۔ بھرت کی چیزیں۔ مینا کاریاں لکڑی ہاتھی دانت اور پتھر کے کُندے۔ ظروف گلی اور سفال۔ ایرانی ایشیائی سفال پرانے ایشیائی طور کی قالینیں۔ ململیں۔ ریشمی کپڑے اور کار چوبی سازوسامان اور لاجواب ہندوستانی ساخت کے زیور یہ تمام چیزیں آپ اس عمارت کے اندر ملاحظہ فرمائیں گے مگر آپ کو یہ خیال رہے کہ یہ نمایش بیوپار نہیں۔ ہماری غرض اور غایت مسرفوں کی خواہشوں کو پورا کرنا اور مال کی نکاسی کو مد نظر رکھنا نہیں ہے۔ بلکہ اچھے کام کو ترقی دینا اور اس میں نئی روح پھونک دینا ہے۔ نمایش کی عام سرسری حالت تو یہ ہے جو میں نے بیان کی لیکن ہم نے اس میں چند اور ضروری چیزیں بھی اضافہ کی ہیں اس خیال سے کہ لوگوں کے مذاق یوماً فیوماً بگڑتے چلے جارہے ہیں اور ہمارے بہت سے نمونے جو زمانہ حال کی ایجاد ہیں خراب اور بدنما ہیں۔ ہم نے اس بات کی بھی کوشش کی ہے کہ زمانہ حال کی پیداوار کے ساتھ اگلے وقتوں کے معیار اور نمونے نمایش کے لیئے رکھے جائیں۔ نمایش کے لیئے مستعار چیزوں کے لیے کا بھی یہی عالم ہے۔ اور وہ بالکل علیحدہ کمرے میں سجائی گئیں ہیں۔ ان میں آپ بہت سے پرانے ہندوستانی صنعت کے کاموں کے عمدہ نمونے دیکھیں گے جو ہم کو ہندوستانی

جمع ہوں گے - ہندوستانی والیان ریاست اور عمائد اور ارکین اور اعلیٰ درجے کے عہدہ داروں کے علاوہ ہندوستانی شریف لوگ اور اطراف واکناف عالم سے بہت لوگ دربار کی سیر دیکھنے کے لیے آئیں گے اس تقریب سے میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ بس یہی موقع ہے جس کی مدت سے جستجو تھی کہ ہندوستان کی صنعت معرض خطر میں ہے اس میں تازہ روح پھونکنے اور ہو سکے تو تنزل حالت کے روکنے کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا چاہیئے تاکہ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ اب بھی ہندوستان کسی قابل ہے - یہ سوچ سمجھ کر میں نے ڈاکٹر واٹ کو بلایا اور اس مطلب کے سیدھے میں نے اُن کو اپنا داہنا ہاتھ بنایا - سرتاسر ہندوستان میں دورہ دورہ اُنھوں نے اور اُن کے اسسٹنٹ مسٹر پرسی براؤن نے ہزاروں میل دورہ کیا - ہر جگہ دستکاروں سے ملے چیزیں منتخب کیں آرڈر دیئے اور جہاں ضرورت دیکھی نمونے اور پیشگی روپیے دیئے - میں نے تین شرطیں کر دی تھیں کہ ہرگز اُن کے خلاف نہ ہو - پہلی شرط تو یہ تھی کہ نمائش صرف صنعت و حرفت کی نمائش ہو ورنہ ہم آپ صاحبوں کو آسانی کے ساتھ ایسی عجیب و غریب نمائش دکھا سکتے تھے جس سے ہندوستان کی محنت اور کفایت شعاری کا پھیلاؤ ظاہر ہو جاتا اور اسی قسم کی نمائش ڈاکٹر واٹ کے یہاں کلکتے میں موجود اور وہ بجائے خود بہت اچھی بھی ہے - چوبینہ معدنیات - پیداوار - خام چمڑے اور بنائی ہوئی چیزیں جس قدر آپ چاہتے ہم آپ کو دکھا سکتے تھے - لوگ تو ان تمام چیزوں کو دیکھ کر خوش ہوتے مگر ایسی نمائش بہت ہی بدنما بھی ہوتی - مگر مجھ کو تو ایسی نمائش درکار نہ تھی - میرا مطلب محنت یا کفایت شعاری کی نمائش کا نہ تھا میں تو صرف ... وحرفت کی نمائش کا طالب تھا اور بس - میری دوسری شرط یہ تھی کہ میں کوئی چیز ولایتی یا نیم ولایتی نمائش میں رکھنی نہیں چاہتا - میں نے اُن چیزوں کے لینے سے انکار کیا جیسے شان دار پایدانوں پہ رکھے ہوئے لیمپ روشنی کے رنگین گلاس خیالی کھلونے جو اس ملک کے بعض بعض لوگوں میں حیرت انگیز رواج پا گئے ہیں مگر یہ چیزیں دنیا میں کہیں بھی ہوں بری ہیں اور خاص کر ہندوستان میں سب سے زیادہ بری - اس لیے کہ ہندوستان آپ اپنی صنعت رکھتا ہے دوسروں کا دست نگر نہیں - میں نے یہ قاعدہ ٹھیرا دیا تھا کہ میں

اپنے اپنے پیشوں کے مختلف کاموں میں مشغول تھے۔ رنگین کپڑے جن سے نمایش گاہ کی چھوائی کی گئی تھی۔ لاہور۔ ملتان۔ ہالا۔ جیپور سے منگوائے گئے تھے اور میو صنعتی سکول لاہور کے لڑکوں نے دیواروں پر رنگ آمیزی کی تھی یکم کے دن ۲ ؍دسمبر کو وایسرائے نے نمایش کا افتتاح فرمایا۔ ڈیوک اور ڈچس آف کاناٹ گرینڈ ڈیوک آف ہیسی اور کئی والیان ریاست تشریف رکھتے تھے اور سیر و سیاحت والوں میں سے بہت سے اصحاب شریک ہوئے تھے۔ حضور عالی نظام۔ مہاراجہ کشمیر خان قلات مہاراجہ گوالیار۔ جیند۔ کپور تھلہ اور بہت سے روساے ذی شان موجود تھے۔ حضور وایسرائے نے حسب ذیل تقریر فرمائی۔

سپیچ یور رایل ہائینسز لیڈیز اینڈ جنٹلمن۔ اس وقت یہ میرا مسرت بخش فرض خدمت ہے کہ ان دو اٹھواڑوں میں جو کام کرنے کے ہیں ان میں سے پہلا کام کر چلوں اور وہ دہلی کی صنعتی نمایش کے افتتاح کا اعلان کر دینا ہے۔ جو صاحب نمایش کو دیکھنے آئیں گے ان میں سے بہتیرے مشکل سے اس بات کا یقین کریں گے کہ درختوں کو چھوڑ کر تقریباً ہر ایک چیز جو ہم اپنے سامنے دیکھ رہے ہیں یہ سب پچھلے آٹھ مہینے کی پیداوار ہے۔ اپریل گزشتہ میں جب میں موقع منتخب کرنے کے لیئے یہاں آیا تو اس عظیم الشان عمارت ان بلند چبوتروں اور ان تمام خوش نما مکانات کا جو اب ہم اپنے گرداگرد دیکھ رہے ہیں کہیں نام و نشان بھی نہ تھا۔ یہ چیزیں اسی نمایش کے لیئے مکمل کھڑی ہوئیں اور اگرچہ میں امید کرتا ہوں کہ نمایش کا نتیجہ جلد دایل ہونے والا نہیں مگر افسوس ہے کہ اس منظر کی تقدیر تو مٹنا ہی مٹنا بیکار رہی ہے۔ مگر نہیں آپ صاحب متوقع ہوں کہ میں چند لفظوں میں اس امر کو بھی بیان کروں کہ نمایش کیوں کر معرض ظہور میں آئی۔ تعجب سے میں ہندوستان میں آیا ہوں تب ہی سے اس ملک کی حرفت اور صنعت کے بارے میں جس کی خوب صورتی ایک زمانے میں شہرۂ آفاق تھی غور اور خوض کرتا رہا ہوں اور جہاں میرے سوا اور بہتیری اس کی روز افزوں تباہی اور خستہ حالی پر افسوس کرتے آئے ہیں۔ میں بھی رنج و افسوس سے خالی نہیں رہا۔ جب یہ بات طے پا گئی کہ ہم کو دہلی میں یہ بڑا مجمع کرنا ہے اور معلوم تھا کہ اس موقع پر ہندوستان کے ہر ایک صوبے اور ہر ایک ریاست کے چیدہ لوگ

کتنی صنعتیں اور دستکاریاں ہیں کہ لوگوں کو اُن کی خبر تک نہیں اس لیئے کہ کاریگر خریداروں سے دور رہتے ہیں اور اتنا مقدور نہیں کہ اپنی بنائی ہوئی چیزیں لے جاکر خریداروں کو دکھائیں اس نمائش کی وجہ سے عام لوگ اُن ہنروں سے واقفیت پیدا کریں گے۔ کاریگروں کو نمائش سے ایک فائدہ اور بھی پہنچے گا کہ نئے نئے نمونے نئی نئی تجویزیں اُن کی نظر سے گزریں گی غرض شاذ و نادر ہی ایسے لوگ ہوں گے جو کسی نہ کسی طرح نمائش سے مستفید نہ ہوں شروع ہی سے ارادہ کر لیا گیا تھا کہ ہر ایک قسم کی کاریگری کے بہترین نمونوں کے سوائے کوئی چیز نمائش گاہ میں نہ رکھی جاسے اور صرف وہی نمونے احتیاط کے ساتھ منتخب کیئے جائیں جن سے ظاہر ہوتا ہو کہ مختلف فنون میں لوگوں نے کہاں تک کمال پیدا کیا ہے۔ ایچ ۱۹۰۲ء میں لوکل گورنمنٹوں اور نظامتوں کے نام ایک گشتی چٹھی بھی جاری کی تھی جس میں صاف طور پر سمجھا دیا گیا تھا کہ جب کوئی چیز منتخب کی جاسے ہنرمندی کے لحاظ سے خوب کی جانچ کر لی جاسے یعنی وہی چیزیں لی جائیں جن میں کاریگری کمال کی ایک حد تمام کر پہنچ گئی ہو۔ جو چیزیں فروخت کے لیئے نمائش میں رکھوائی جائیں گی اُن کے علاوہ ایسا بھی بندوبست کیا گیا تھا کہ عجائب خانوں سے اور لوگوں سے خانگی طور پر چیزیں مستعار لے کر جمع کی جائیں اور اسی لیئے والیان ریاست اور امیروں سے خاص طور پر مدد کی درخواست کی گئی۔ کشمیری دروازے اور وزیٹرز کیمپ نمبر (۱) کے درمیان قدسیہ باغ میں نمائش گاہ کی تعمیر کی گئی جس میں بے نظیر مجموعہ نمائش کے لیئے فراہم کیا گیا۔ قیمتی میناکار چیزیں۔ کارچوبی کمخواب۔ مغل بادشاہوں کے بنوائے ہوئے فرایشی قالین۔ سونے چاندی کی رکابیاں۔ لکڑی میں سنگ مرمر اور عاج میں کندہ کیا ہوا کام۔ سنگ یشب اور ریشم اور روئی اور اُن کے رنگین اور سوزن کار کپڑے۔ ایک راجہ کے پہننے کے قیمتی مرصع ہار اور قبضہ شمشیر سے لے کر ایک دیہاتی عورت کے پہننے کے کڑوں تک ہر قسم کے زیور۔ نمائش گاہ کی عمارت ۲۰ × ۸۰ فیٹ کا ایک وسیع دالان تھا۔ مدراس بمبئی پنجاب برما کے صنعتی سکولوں کی نمائش کے لیئے چار کمرے الگ تھے۔ مستعار چیزوں اور زیورات کی لمبی غلام گردشیں الگ۔ باہر ایک برآمدے میں ہندوستان کے تمام ملکوں کے کاریگر نمونے کے طور پر زردوزی قالین بافی۔ ریشم کا رنگنا۔ سوتی کپڑوں کا چھاپنا۔ لکڑی میں منبت کا کام کرنا وغیرہ

خدا آگاہ۔ کتاب ود کار ہے۔ جس طرح دریا کو کوزے میں بند کرنا محال ہے اسی طرح نمائش کا حال تحریر میں ہم کوشش کرتا ہوں کہ کچھ ضروری باتیں لکھوں جن سے ایک جھلک اس نمائش کی نظر آجائے اور ہم سے دربار کے کرشمہ ہائے قدرت میں سے ایک بہت بڑی بات چھوٹ جائے۔ وائسرائے کے دل کو لگی ہوئی تھی کہ اس جشن کی تقریب میں ہندوستان بھر کے اصحاب الرائے اور سربرآوردگان قوم ایک جگہ جمع ہوں گے اور کتنی دولت دست بدست منتقل ہوتی پھرے گی تو ایسے بکار آمد موقع کو ہاتھ سے نہ دیا جائے کہ یہ موقع صنعت و حرفت کے بارے میں کوئی نہ کوئی مفید تجویز کرنے کا ہے۔ ایک زمانے میں ہندوستان صنعت و حرفت کے اعتبار سے شہرۂ آفاق تھا یا یہاں کے تمام ہنروں میں کساد آگیا ہے اور لوگ بعض اوقات عملداری کو تو اس کا ملزم ٹھہراتے ہیں حالانکہ فی الواقع کساد بازار کا سبب ... میں نیست کہ ساری دنیا کا دستور ہے اور اسی پر ہندوستان میں بھی عمل کیا جا رہا ہے کہ کلوں کی نئی ہوئی چیزیں ہر جگہ ملکی دستکاری کو بے دخل کرتی چلی جا رہی ہیں اور پرانی طرح کے مذاق اور اوضاع غیر ملکوں کے نئے اور ارزاں مذاق اور اوضاع کے مقابلے میں مغلوب ہوتے رہے ہیں۔ وائسرائے نے سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا کہ اس مدعا کے حاصل کرنے کی بہتر سے بہتر یہی تدبیر ہے کہ دہلی میں ہندوستان کی عمدہ ترین کاریگریوں کی ایک بڑی نمائش کی جائے جس سے عام لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ بہترین دیسی کاریگر آج تک کیا کیا کام جانتے یا بنانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ملک کے تمام اطراف سے عمدہ عمدہ چیزیں احتیاط کے ساتھ منتخب کر کے لوگوں کے سامنے پیش کی جائیں اور کاریگروں کے لیے ایسی ایسی کاریگری کے دکھانے کا موقع اور ذریعہ بہم پہنچایا جائے۔ ایسی نمائش سے ایک چھوڑ کئی مفید مطلب حاصل ہوں گے۔ ہندوستان کے اندر باہر سے لوگ نمائش کی سیر دیکھنے آئیں گے اور تماشائیوں کے علاوہ کچھ خریدار بھی ہوں گے۔ علاوہ بریں گورنمنٹ مدت سے ہندوستان کے صنعتی کاموں کی حالت معلوم کرنا چاہتی ہے یہ نمائش اس کے لیے ذریعہ تحقیقات میں بڑی مدد دے گی اور نمائش کے ذریعے گورنمنٹ یہ بھی اندازہ کر سکے گی کہ غیر ملکوں کے مقابلے اور غیر ملکوں کی مانگ کہاں تک ہندوستان کی صنعت و حرفت پر مفید یا مضر اثر کیا کر...

ہندوستان کی صنعت و حرفت کی نمائش

میں حیران ہوں کہ دربار کے متعلق کس چیز کو لکھوں اور کسے چھوڑ دوں۔ جس طرح یہ دربار ہندوستان بھر کے رؤسا اور امرا۔ یورپ کے بڑے بڑے لاٹ اور نامور اصحاب۔ بڑے بڑے حکام ذی اقتدار یعنی منتخب روزگار و سرمایۂ فخر و ناز ارباب کا بہترین مجمع تھا۔ میزبان لارڈ کرزن جیسا گورنر جنرل جس کا مرتبہ بلند شاہ کے بعد اور ہندوستان میں بادشاہ کا قایم مقام پھر وہ ایسا نازک خیال منتظم و مدبر کہ جس کی نظیر نہیں۔ مہمان ایسے جو ہندوستان کی ناک دنیا بھر میں اُن کی دھاک۔ غرض میزبان اور مہمان ہر دو انتخاب و لاجواب۔ پھر سارے انتظام و اہتمام کی کنجی لارڈ کرزن جن کی بیدار مغزی حسن سلیقہ ایساب ِ نظیر اس پر یہ کوشش کہ دربار ایسا ہو کہ آج تک اس ملک میں نہ ہوا ہو۔ ہر پہلو سے مکمل اور ایسے اعلیٰ پیمانے پر ہو کہ جس کے نام کا دربار ہی اُس کے شایاں ہو۔ ایسے معزز اور نامور مہمانوں کی خاطر مدارات بھی اُن کے مراتب عُلیا کے مناسب حال ہو اُن کی دل چسپی کا سامان بھی ایسا ہو جو اُن کی خاطر تلے آسکے۔ رؤسا و امرا کی نظریں یوں بھی پھٹی ہوئی ہیں کہ صدہا جلسے اور جشن آئے دن دیکھتے رہتے ہیں اُن کو ایسا سین دکھایا جائے کہ اُن کی نگاہوں میں بھی پھبر جائے۔ پس ایسے دربار کے لیے آسمان کے تارے توڑ لانا ضرور تھا اور لارڈ کرزن نے وہی کر دکھایا۔ صدہا قسم کے کھیل تماشے۔ روشنی۔ آتش بازی۔ جلوس۔ دعوتیں۔ غرض کوئی بات اُٹھا نہ رکھی اور میرے خیال میں اس دربار کو ہر پہلو اور ہر لحاظ سے ایسا کچھ سجا بنا سنوارا اور آراستہ کیا کہ نہ پہلے کبھی دربار ایسا ہوا تھا اور نہ آیندہ ہونے کی اُمید ہے ع وہ بات کون سی کی گئی کہ وہ کس کے ساتھ کسی بات کی کمی نہ تھی۔ جو دیکھتا تھا خواہ وہ معمولی حیثیت کا آدمی ہو یا بڑے سے بڑا متمول اور رئیس سب ہی محو حیرت تھے۔ ان تمام مناظر دل چسپی کا سماں دکھلانا اول تو قلم سے ناممکن اور پھر اگر کوشش بھی کی جائے کہ ایک شمہ اس طلسم حیرت کا بیان کیا جائے تو کتاب کی طوالت مانع۔ انھیں نوادر روزگار میں نمایش کا بھی ایک ایسا دل آویز و دل ربا نظارہ تھا کہ نہ کانوں سنا نہ آنکھوں دیکھا۔ اس کی سیر کی بہار کو ایک

سات کروڑ تیں لاکھ سے کسی حالت میں کم نہیں اور جنھوں نے یہاں آکر اپنا طریقہ بود و باش ترک نہیں کیا تھا صرف ایک نگاہ میں ان کے اخلاق و عادات ترقی و تنزل کا موازنہ کر سکتے تھے۔ بہت سے روسا را اعتیار اپنے اُن خیموں میں موجود اُنھوں نے اپنی تجویز سے بنوائے تھے اُترے ہوئے تھے لیکن بعض نے بسبب پنجاب کی سخت سردی کے شہر یا اُس کے گرد و نواح کے مکانات میں رہنا پسند کیا اور کسی کسی اُن کپڑے کے مکانات میں بھی رونق افروز ہوتے تھے جو اُنھوں نے قائم کیے تھے۔ ہندوستان کے سب سے بڑے رئیس حضور عالی نظام والی حیدرآباد دکن کے قیام کے لیئے لڈلو کیسل میں بہت عمدہ انتظام کیا گیا تھا۔ یہ ایک بہت مشہور عمارت ہے اور ۱۸۵۷ء کے محاصرے کے تعلقات کے سبب اور بھی زیادہ مشہور ہو گئی ہے پہلے یہ حکام شہر کے رہنے کے لیے مقرر تھی مگر پھر دہلی کلب کے ہاتھ میں دی گئی جس سے حضور عالی نے اس موقع کے لیئے کرایہ پر لے لی تھی۔ انگریزی حکام والا شان جن کی سادگی ضرب المثل ہے اُن کی فرودگاہیں اس قدر اہتمام سے سجائی گئی تھیں تو پھر ہندوستان کے فرماں رواؤں اور رجواڑوں کا کیا کہنا اُن کے تکلفات اُن کے مکانات کی سجاوٹ اُن کے لباسوں کی جگمگاہٹ غرض یہ کہ ہر طرح کی نعمت کے ڈنکے بجے ہوئے ہیں۔ پھر ایسے خاص موقع پر جب کہ ہر رئیس اپنی شان و شوکت دکھلانے پر تلا ہوا تھا اور کوئی تکلف یا اہتمام ایسا نہ تھا جو اُس نے اپنے کیمپ کو خوش نما اور دل کش اور آرام دہ بنانے میں اُٹھا رکھا ہو۔ دل کھول کر روپیہ بہا دیا ہو۔ اگر ہر ہر رئیس کے کیمپ کا تھوڑا تھوڑا حال بھی لکھا جائے تو کئی جز پر نوبت آئے اور پھر بھی حقیقت نفس الامری کا اظہار نہ ہو اور شوق دل کا دل ہی میں رہ جائے اور ساری کتاب اسی سے بھر جائے حالاں کہ ابھی بہت کچھ امور ضروری لکھنے ہیں اور کتاب کا حجم ایک ہیبت ناک صورت دکھا رہا ہے لہٰذا یا دل ناخواستہ اس بیان کو جو بلحاظ ایک دل چسپ عمدہ اور نادر نظارے کے ضرور تفصیل کا مستحق تھا ختم کر دیا یا یوں کہیئے کہ ختم کرنا پڑا۔ جن صاحبوں نے یہ دربار دیکھا ہو تو کم سے کم اُن کتابوں کی سیر کریں جن میں ہر ہر جزئیات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

رقبہ پہاڑی کے نیچے گھیر رکھا تھا اس لیئے بخیال وسعت اور حفظ صحت رؤسا اور امرائے ہند اور افسران و شرفائے ملک کی فرودگاہوں کے لیئے اور مقامات تجویز ہوئے جو ایک دوسرے سے خاصے فاصلے پر واقع تھے۔ یہ اصلی کیمپ کے خیمے معلوم ہوتے تھے اور دریائے جمن کے کنارے چلے گئے تھے۔ مہاراجۂ کشمیر اور تمام رؤسائے پنجاب کے خیمے حضور وائسرائے کی قیام گاہ سے شمال مغرب کی طرف تقریباً تین یا چار میل تک پھیلے ہوئے تھے۔ ان سے جنوب کی طرف اور اُسی مرکز سے ذرا ہٹ کر مہاراجۂ بڑودہ اور مہاراجۂ میسور کے خیمے نصب تھے اور رؤسائے وسط ہند کا مقام سڑک کی راہ اسی جانب تقریباً سات میل تھا۔ راجپوتانہ کیمپ سرکٹ ہوس سے تین میل کے فاصلے پر جنوب مغرب میں واقع تھا اور رؤسائے بمبئی ذرا اور جنوب کی طرف ایک یا دو میل پر اُترے ہوئے تھے۔ برٹش انڈیا پراونشل کیمپ میں تمام انتظام لوکل گورنمنٹوں نے خود کیا تھا خیمے اور تمام ضروریات کی چیزیں اُن ہندوستانی مہمانوں کے لیئے جن کو مدعو کیا تھا مہیا کی تھیں۔ رؤسائے باختیار بہت لاؤ لشکر کے ساتھ جو اُن کے شایاں تھا دہلی میں آئے تھے اور اُن کو بھی معمولی طور پر ٹھہرانا بالکل نازیبا تھا اس لیئے ہر رئیس کے واسطے ایک قطعۂ زمین مقرر کر دیا تھا جس کی وسعت اُن توپوں کی سلامی پر جو ہر ایک کے واسطے مقرر ہیں منحصر تھی اور اس قطعہ میں اُن کو اختیار تھا کہ جو انتظام چاہیں کر لیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دربار کے پندرھواڑے میں یہ بھی دہلی کا ایک نہایت خوش نما منظر ہو گیا کیوں کہ ہر حصہ اپنی چھوٹی سی فوجی جمعیت اور درباریوں اور منتظم عہدوں کے نوکروں کے مکانات اور بازاروں کو لے کر ایک چھوٹا نمونہ اُس شہر کا ہو گیا تھا جہاں کا وہ رئیس تھا اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ شہر وہاں سے اُٹھا کر یہاں رکھ دیا گیا ہے۔ اس سبب سے یہ لوگ آسانی کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر دو روز کے اندر تمام دہلی کے گرد سیر کر آ سکتے تھے اور یوں تمام ہندوستان کی مشہور ریاستوں کے طرز تمدن کی خصوصیات اُن کو معلوم ہو سکتی تھیں اس سے زیادہ دلچسپ بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ ہر قوم و ملت کے لوگوں کا جو یہاں یورپ سے زیادہ ہیں اور جو دس لاکھ مربع میل سے زیادہ میں بستے ہیں جن کی آبادی

زیادہ خوش نما ہو سکتا تھا کہ خیموں کے روشن شہر کو پاس کی پہاڑی کی بلندی سے
رات کے وقت دیکھا جائے۔ خیموں کی سفیدی ایسی معلوم ہوتی تھی کہ جیسے پہاڑی
کے دامن میں برف کی چادر بچھی ہوئی ہے اور روشنی کی ٹمٹماتی ہوئی چنگاریاں ایک قرینے
سے بڑی جھلملا رہی ہیں۔ صاف ستھرے ستھرے ہوئے پینے کے پانی کی
نئے انتظام رسد دہلی سے اوپر کی طرف کو جا کر جمنا سے لائی اور نلوں کے ذریعے
سے صدر خیمہ گاہوں میں تقسیم کی جاتی تھی۔ خیموں کے لئے پانی نجف گڑھ کی
نہر سے نالیوں کی راہ لایا جاتا تھا جو خاص اسی ضرورت کے لئے بنائی گئی تھیں۔
طبی اور حفظان صحت کا کافی انتظام تھا۔ لاہور کے بشپ صاحب کی درخواست پر (۲۸)
کے خرچ سے ایک گرجا بنایا گیا تھا۔ جو لوگ دربار کی سیر دیکھنے آئے تھے اور سرکاری
مہمان نہ تھے اور اُن کو دہلی کی ہوٹلوں میں جگہ ملنی دشوار تھی اُن کی آسائش کے
لئے وائسرائے کے ملٹری سکریٹری نے دو سجے سجائے خیمہ گاہ بنوا دیئے تھے
کہ اُن کے پاس تمام اقطاع روئے زمین سے اس قسم کی درخواستیں آئی تھیں۔
نمبر (۱) وزیٹرز کیمپ میڈن ہوٹل کے احاطے میں نصب کیا گیا اور خود ہوٹل بھی
بطور ضمیمہ کیمپ گورنمنٹ نے کرایہ پر لے لیا تھا۔ نمبر (۲) وزیٹرز کیمپ موری دروازہ
کے قریب نصب تھا۔ (۱۷۳) یورپین اور (۱۶۷) نوکر چاکر ان دو کیمپوں میں جاگزیں
تھے۔ جن لوگوں نے آپ اپنے خیمے لانے چاہے اور کہا کہ ہم اپنے کھانے وغیرہ کا
انتظام بھی بطور خود کر لیں گے ایسے لوگوں کے لئے سنٹرل کیمپ کی پاس شمال
زمین کا ایک قطعہ علیحدہ چھوڑ دیا گیا تھا اور اس میں (۳۵۵) یورپین (۸۹۸) خدمتی
لوگوں کے ساتھ ٹھہرائے ہوئے تھے۔ کشمیری دروازے اور پہاڑی کے بیچ
میں یہ ساری جگہ بھر گئی تھی اور خیمہ گاہوں کے درمیان سڑکوں کی یہ حالت تھی۔ کہ جیسے کوئی بڑا
میلہ ہو ہر قسم کی گاڑیوں اور ہر قوم اور ہر رنگ کے پیدل آدمیوں کی ایک بھیڑ لگی رہتی تھی صرف
دہلی کی گرد کے غٹ مانع دید تھے کہ یہ منظر اچھی طرح دکھائی نہیں دیتا تھا گرد کی رسائی سوا
کیمپوں تک نہ تھی کہ وہاں کی صاف اور خوب چھڑکی ہوئی سڑکیں لندن پارک میں بھی ہوتیں تو اُن کی تعریف

امرا و رؤسا کے کیمپ

چونکہ وائسرائے اور مختلف
لوکل گورنمنٹوں نے ایک بہت بڑا

ویلسور کے رزیڈنٹ - راجپوتانہ سنٹرل انڈیا کے ایجنٹ گورنر جنرل برٹش بلوچستان
سرحدی صوبۂ شمالی و مغربی کے چیف کمشنر - علی پور کی سڑک کے دوسری طرف
ٹھیرائے گئے - گورنران بمبئی و مدراس کی طرح لوکل گورنمنٹ یا نظامت کے ہر ایک
بالا دست کے ساتھ کچھ انگریز عہدہ دار اور دوسرے ملاقاتی بھی تھے اور ان ہی میں
عام جماعتوں کے قائم مقام کہ اُن کے ساتھ بھی حکام بالا دست کے ذاتی یا سرکاری
مہمانوں کی سی مدارات کی گئی - بیچ کے خیمہ گاہ میں وہ خیمے بھی تھے جو ممالک غیر کے
کانسلی قائم مقاموں اور انگریزی اور دیسی اخباروں کے خاص نامہ نگاروں اور مختلف
صیغوں کے افسران بالا دست جیسے ملیٹری ورکس - آرڈیننس - پوسٹ آفس -
ٹیلیگراف کے ڈائرکٹر جنرلوں کے لیے نصب کرائے گئے - یورپین پریس والوں
کے خیموں میں ٹائمنز - ڈیلی ٹیلیگراف - ڈیلی میل - مینچسٹر گارڈین - السٹریٹیڈ لنڈن
نیوز - گریفک - سکیچ - اور تمام سربرآوردہ انگریزی اخبار جو ہندوستان میں چھپتے
ہیں اُن کے قائم مقام اُترے ہوئے تھے - برابر کی خیمہ گاہ میں (۴۵) ہندوستانی
اخباروں کے کارسپانڈنٹ ٹھہرائے گئے تھے - انگریزی اور ہندوستانی
اخبار نویسوں کی گورنمنٹ کے طور پر خاطر داری ہوئی - صدر خیمہ گاہوں کی مردم شماری
سے ظاہر ہوا کہ اُن میں (۳۰۸۵ ۱۲) اشخاص فروکش ہیں - (۱۲۲۲) یورپین (۱۵۹)
ہندوستانی و دیگر ایشیائی مہمان اور (۱۲۰۲) نوکر چاکر - بڑے صدر خیمہ گاہ میں اٹھائیس ہزار
روپیہ کے خرچ سے بارہ فٹی سڑکیں ۷½ میل اور پندرہ ہزار کے خرچ سے سولہ فٹی
سڑکیں ۳¾ میل بنائی گئیں اور اُس کو سات میل لمبی اور ۲½ چوڑی لینیٹ ریلوے کے ذریعے
سے شہر اور بارگاہ دربار سے ملا دیا گیا - سارے سنٹرل کیمپ میں برقی روشنی تھی -
بڑی سڑکوں پر برابر سے ایک سو سے زیادہ ہی لیمپ لگا دیئے گئے تھے اور دوسرے
مقامات میں اور خیموں کے اندر ان کینڈیسنٹ لیمپ کی روشنی تھی - بجلی کی
روشنی کے لیے تانبے کا تار (۴۵) ٹن اور بارہ میل طول کی قدر لگانا پڑا - بجلی
کے ساز و سامان نے بخوبی کام دیا اور ۷ دسمبر سے ۲۲ جنوری تک بجلی کی لہریں
ایک بار بھی نہیں رُکیں - کیمپوں کی روشنی کی طرف جو توجہ مبذول رہی اُس سے
رہنے والوں کی آسایش اور حفاظت کو کچھ کم تائید نہیں پہنچی اور نہ کوئی نظارہ اس سے

کہ اگر کوئی ملاقاتی اندر آتا تو ممکن نہ تھا کہ اس تصویر پر اُس کی نظر نہ پڑے۔ لارڈ کچنر کے مہمانوں میں لارڈ کلایوں کی اولاد میں سے ارل پوئس بھی تھے۔ اہالی موالی کے علاوہ اٹھارہ معززین بھی جو سیر و سیاحت کے طور پر دہلی آئے ہوئے تھے ہز اکسلنسی کے ساتھ مقیم تھے۔ ویسرائے کے خیمہ گاہ کے دکن کمانڈر انچیف کے خیمہ گاہ کے پاس ہز اکسلنسی لارڈ مارتھ کورٹ گورنر بمبئی کے خیمے نصب کرائے گئے تھے۔ گورنر صاحب کے ڈیروں میں ہندوستانی کاریگری کی ساوٹ کا ایک خیمہ ۴۷×۵۰ تھا اور ایک کھانے کا خیمہ جس میں دو سو مہمانوں کو کھانا کھلایا جاسکتا تھا اور اُس کے علاوہ دیوان عام کا خیمہ چُرٹ پینے کا خیمہ اور بلیرڈ کھیلنے کا خیمہ۔ گورنر صاحب کے سولہ معزز رواتی مہمان تھے جس میں ہز ہائنس سر آغا خاں جو جماعت کے مذہبی پیشوا بھی تھے۔ اور (۴۰) سرکاری مہمان تھے۔ ہز اکسلنسی گورنر مدراس کا خیمہ گاہ والسرائے کے خیمہ گاہ اور علی پور کی سڑک کے درمیان واقع تھا۔ جھنڈا چوک کے بیچوں بیچ ایک بڑے مصنوعی ٹیلے پر نصب کیا گیا تھا جس کو کاٹ چھانٹ کر ایک خوب صورت پہاڑی بنا دیا تھا اور اُس کے گردا گرد گھموں کی آمد و شد کے لیئے ہموار زمین تھی۔ چوک کے ہر پہلو کے وسط میں جھنڈے کے مصنوعی چبوترہ تک سڑکیں بنادی گئیں تھیں اور یوں چوک سارے کے چار حصوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔ ان چاروں حصوں میں سے ایک میں تو باغ لگا دیا گیا تھا اور مصنوعی چبوترے کے دوسری طرف لارڈ اور لیڈی امپتھل کے خیموں کی جگہ تھی اور اسی جگہ میں کھانے اور ملاقات کے کمرے تھے اور ایک داخلے کا بڑا ہال گورنر صاحب کے خیمے کے دونوں طرف دو قطعے تھے اُن میں اُن کے مہمانوں کے خیمے تھے۔ یوں مدراس کے خیمہ گاہ کی آراستگی کو لوگ عموماً بہت پسند کرتے تھے خاص کر گورنر صاحب کی ملاقات کے کمرے کے قرمزی رنگ استر اور کھانے کے خیمے کے زرد اور سرخ استر اور دیوان عام کو جو زردوزی اور سر نقش و نگار سے آراستہ کیا گیا تھا۔ ہز اکسلنسی کے حوالی موالی کے علاوہ اور دس معزز و محترم مہمان تھے۔ ارسکہ بنگال کے لفٹنٹ گورنر سر چارلس ریواز اپنے صوبے میں تھے وہ دوسرے لفٹنٹ گورنروں میں پیش پیش تھے اور اُن کی خیمہ گاہ والسرائے کی خیمہ گاہ کے برابر تھی۔ دوسرے صوبوں کے حکام بالادست۔ حیدرآباد۔ بڑودہ

زیادہ رقبہ گھیر رکھا تھا۔ چوڑی اور خوب کٹی ہوئی سڑکیں۔ سبزہ مرغزار۔ پھول پھلے پودے اور بوٹے۔ خیموں کی سفید قطاریں جو ہندوستان کے سوا ایسے ٹھیک طور پر اور کہیں نصب نہیں ہو سکتیں۔ عقب میں پہاڑی کے پتھر اور درختوں کی گھنی روشیں جو پیشگاہ کے وار پار چلی گئی تھیں۔ خیموں کا ایک شہر کا شہر جس میں لارڈ کرزن کے مہمان مقیم تھے یہ تمام چیزیں غالباً اس قدر خوش نما تھیں کہ دیار مشرق میں شاید ہی کبھی کسی نے دیکھی ہوں۔ وائسرائے کے کیمپ میں یورپینوں کی کل تعداد ڈھائی سو تھی اور کل آدمی جو اُس پندرواڑے میں اُن خیموں میں رہے تھے (۳۲۵۰) تھے۔ ڈیوک اور ڈچس آف کناٹ اور ڈیوک آف ہسی کے علاوہ وائسرائے کے بڑے بڑے مہمان لارڈ اور ڈیوک (۱۰) تھے۔ انتظام پولیس کے نگران (۳)۔ متفرق مہمان (۵) ڈیوک آف کناٹ کے ساتھ (۱۳) ڈیوک آف ہسی کے ساتھ (۵)۔ سنہ ۱۸۷۷ء کے دربار میں اتنے تھوڑے آدمی باہر سے آئے تھے کہ انگلستان کے صرف چار شخص لارڈ لٹن کے خیمہ گاہ میں وائسرائے کے مہمان تھے۔ فی الحقیقت سنہ ۱۹۰۳ء کے دربار میں۔ یہ ایک خاص بات تھی کہ یورپین لوگ تمام اقطاع ہندوستان سے بکثرت تشریف لائے تھے اور ان سے بڑھ کر یا ہر سے۔ وائسرائے کے خیمہ گاہ کے دکھن کی طرف بمبئی کے گورنر اور کمانڈر ان چیف اور چار جریلی علاقوں کے رئیسوں کے ڈیرے تھے اور اُتر کی طرف علی پور کی سڑک کے پرے تک گورنر مدارس اور لفٹننٹ گورنروں اور چیف کمشنروں اور گورنر جنرل کے ایجنٹوں کے ڈیرے چلے گئے تھے۔ جنرل لارڈ کچنر آف خرطوم اینڈ وال کمانڈر ان چیف کو اُن کے اہالی موالی اور کئی ممتاز مہمانوں کے ساتھ ایک اچھے خیمہ گاہ میں اُتارا گیا۔ ان کے قیام گاہ میں پر تکلف ملاقات کا خیمہ ۸۰ فٹ × ۴۰ فٹ اور ایک بڑا وسیع کھانے کا خیمہ تھا جس میں سرخ و سفید جھاڑ فانوس لٹکے ہوئے تھے اندر ایک میز بچھی ہوئی تھی جو احسان عند اہل شہر نے نذر دی تھی۔ اس پر جلا وار رد پہلے سنہرے پتھر جڑے ہوئے تھے اور اتنی بڑی تھی کہ اُس پر ساٹھ آدمی ایک ساتھ کھانا کھا سکتے تھے۔ ملاقات کے خیمے کی قناتوں میں اور چھت میں زرد اور نیلے کپڑے کی پٹیاں تھیں جن پر کشمیری شال کی طرح کا نقش کا کام چھپا ہوا تھا۔ ایک چوکھٹے پر لارڈ کلائیو کی تصویر ایسی جگہ نصب تھی

زیادہ اونچا وائسرائے کا جھنڈا کھڑا تھا۔ جھنڈے کے شمال کی طرف یکے بعد دیگرے
تین عظیم الشان خیمے تھے۔ ایک شامیانہ استقبال کے لیئے تھا جو ۱۲×۶ فٹ تھا۔
دوسرا خیمہ ملاقات کے لیئے تھا جس کا طول وعرض ۸۸×۲۶ فٹ تھا۔ تیسرا خیمہ کھانے
کے لیئے ۱۸۰×۴ فٹ تھا جس میں وائسرائے نے پندرہ واڑے میں کئی شاہانہ
دعوتیں دیں۔ ذرا شمال کی طرف ڈیوک آف اور ڈچس کناٹ کے خیمے تھے
جنھوں نے (۴ فسم) اور (۵ فسم) کے بیچ میں رقبہ گھیر رکھا تھا جس میں ایک عمدہ
شامیانہ اور ڈیوک و ڈچس ہر ایک کے لیئے الگ الگ متعدد خیمے تھے۔ شاہ راہ
کے جنوبی طرف کئی خیمے تھے جو ڈیوک آف ہسی اور اُن کے اہالی موالی کے لیئے
خاص کر دیئے گئے تھے۔ ماؤنٹ سے ایک سڑک پچاس فیٹ چوڑی جو کہ سیدھی
جانب مغرب نجف گڑھ کی نہر کی طرف جاتی ہے بڑی سڑک کو زاویہ قائمہ پر تقاطع
کرتی ہے اس عریض راستے کے دونوں طرف سو فیٹ کے چوڑے مرغزار تھے
اور مرغزاروں کے پہلو میں دوسری متوازی اور متقاطع سڑکوں کے سہارے سہارے
وائسرائے کے خاص ذاتی اور سرکاری مہمانوں اور اہالی موالی کے خیمے نصب کیئے
گئے تھے۔ ان تمام خیموں میں آرائش و آسائش کا پورا پورا ساز و سامان ایسی تکمیل
کے ساتھ جمع کر دیا گیا تھا کہ ہر ایک خیمہ مسافرانہ زندگی کے عوض معمولات کا انگریزی گھر
معلوم ہوتا تھا۔ ہر ایک خیمے میں ایک آتش دان اور بجلی کی روشنی موجود تھی۔ نہر کی
طرف کو جو سڑک جاتی ہے آدھی دور چل کر ایک سبزہ زار کو احاطہ کیئے ہوئے تھی جس
میں قابل دید توپیں لگی ہوئی تھیں اُن میں سے ایک یا دو پر کتبے تھے جن سے یہ
بات معلوم ہوتی تھی کہ اٹھارویں صدی کے وسط میں یہ فرانس کی انڈیا کمپنی کی ملک تھی
ایک اور برنجی توپ صفدر جنگ نے ۱۷۹۹ء میں ڈھلوائی تھی۔ اس جگہ کے قریب
سڑک کے داہنی طرف وائسرائے کے مہمانوں اور اہالی موالی کے لیئے ایک استقبالی
خیمہ تھا۔ ایک وسیع کمرہ ۱۱× فٹ ملاقات کے لیئے خاص تھا۔ ایک کھانے کا
کمرہ تھا جو اور بھی زیادہ بڑا تھا جس میں اُن مہمانوں کے علاوہ جو شاہی شامیانے میں
کھانا ساول فرماتے تھے یہاں پر سو مہمانوں سے زیادہ کھانے پر بیٹھتے تھے۔
وائسرائے کے کیمپ میں سب ملا کر تقریباً ۲۰۰ خیمے تھے جن میں سے (۱۹۲) ایکڑ

نادر شاہ کے حملے۔ مرہٹوں کے ظلم۔ انگریزوں کی پہلی بار سلطنت کی یادگاریں شہر کے کوچے کوچے میں موجود ہیں اور باہر میدانوں میں پائی جاتی ہیں۔ پتھر بھی جو کہ شمال کی طرف پہاڑی کے قریب پڑے ہیں برٹش انڈیا کی فوجی تاریخوں میں نہایت ہی مشہور قصے کے وقوع کو بیان کر رہے ہیں۔ بہت سے اور قابل یادگار تاریخی واقعات ہیں جو دہلی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگرچہ اب یہ دار الخلافت نہیں ہے لیکن رئیسوں گورنروں اور اُن کے عملے کے جمع ہونے کے لیئے جو قایم مقام بادشاہ کے بلاوے سے ایک بڑی رسم کے ادا کرنے کے لیئے جمع ہوئے ہیں ایک مناسب مقام ہے۔ بڑا یا صدر کیمپ جس میں حضور وایسرائے۔ گورنران۔ لفٹنٹ گورنران وچیف کمشنران صوبہ جات اور کمانڈران چیف وغیرہ کے بیچے تھے سنہ ۱۸۷۶ء کی طرح پرانی انگریزی چھاؤنی پہاڑی سے بائیں طرف نصب کیا گیا تھا اور اس طرح سے پہاڑی اور نجف گڑھ کے بیچ کی جگہ گھر گئی تھی۔ لارڈ لٹن کے کیمپ کے سامنے پہاڑی تھی مگر لارڈ کرزن نے اپنے کیمپ کا رخ بالکل پلٹ دیا یعنی پہاڑی پشت کی طرف کر دی اور خیموں کی قطار کے سامنے کنارۂ نہر کے درختوں تک کھلا میدان تھا۔ حضور وایسرائے اور لیڈی کرزن ایک اور نئی عمارت میں اُترے جو پہاڑی کے دامن میں بنائی گئی تھی جس کی نسبت یہ ارادہ کر لیا گیا تھا کہ بعد میں دورہ کے وقت لفٹنٹ گورنر صاحب پنجاب کے کام آوے گی۔ حضور وایسرائے نے اس مکان کے نقشے خود بنائے اور اُس کو اُن ہندوستانی کاریگروں اور اُن مناسب دستکاریوں سے سجوایا تو صنعت وحرفت کی نمایش کی چیزوں کی نقلیں تھیں یا وہاں اُن کے رکھنے کے لیئے جگہ نہ رہی تھی۔ دربار کے بعد جس طرح اصل نمایش گاہ کی چیزوں کو لوگوں نے خریدا اُسی طرح ان چیزوں کے بھی خریدار پیدا ہو گئے مکان کا بیرونی حصہ سادہ مگر شاندار طور کا تھا اور عمارت کے پیچھے ذرا اونچی جگہ پر بنی ہوئی تھی۔ سفید خیموں کا سمندر نہایت ہی بھلا معلوم ہوتا تھا۔ جس کے پیچھے بلند پہاڑی تھی اُس عمارت کے پاس ایک مرغزار اور ایک فوارہ تھا جو شاہراہ پہاڑی سے تھوڑے فاصلے پر جا کر کیمپ کی وسطی روش میں مل جاتا تھا۔ اس کے مغربی سرے پر ایک ہموارہ سبزہ زار کے بیچ میں چالیس فیٹ سے

پٹھان بادشاہوں سے تعلق رکھتا تھا لیکن اس وقت شہنشاہ ہند کے زیر حکومت ہو وہ شہر جو اس وقت موجود ہو بہت نا بڑا اور خاصا خوش قطع ہو اور یہ بات اس سے ظاہر ہو کہ اس میں میں سے زیادہ بادشاہوں اور بڑے بڑے ناموروں کے مقبرے اور قدیم یادگاریں ہیں جہاں میں مدفون ہیں اور ان مقبروں اور یادگاروں کو سیاح بہت پسند کرتے ہیں اور ہندوستانی عجائب پرستوں کا بے انتہا ہم عصیر مدہشا اُن کی تعظیم کرتا ہو کچھ وہ مینار بھی شہرت میں کم نہیں جو دہلی سے تین میل پُرانی دہلی میں واقع ہو جہاں جہانگیر کے جد امجد شاہ ہمایوں مدفون ہیں۔ اس مینار کی شہرت اور اس کے کتبوں سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ اس پر سکندر اعظم کی بات کچھ کندہ تھا۔ اُس وقت دہلی میں (جیسے کہ اب بھی ہیں) بہت سے فرماں رواؤں کے مقبرے تھے۔ اب دہلی کے گرداگرد کچھ مضبوط شہر پناہ ہیں ہو جمنا کا ایک حصہ اس کو سیراب کرتا ہو جس میں کہ ہم بارہ محراب والے پل پر سے گزر کر داخل ہوتے ہیں۔ ایک لوہے کی لاٹھ جس کے بارے میں یہ افسانہ مشہور ہو کہ وہ زمین میں اسی نیچی گڑی ہوئی ہو کہ اژدہے کی پیٹھ تک جس پر کہ دنیا قایم ہو پہنچ گئی۔ کتبات سے جو مدت وراز سے پڑھے نہیں گئے اور وہ ہندو اور مستحقین خاندانوں کو یاد دلاتے ہیں قطب کی ناتمام مسجد کے تنا دار لقیے۔ تغلق آباد کے حیرت انگیز کھنڈرات۔ شاعر امیر خسرو کی قبر۔ فیروز شاہ کا کوٹلہ اور قرب وجوار کی عمارتیں اگلے زمانوں کے ہند کے مسلمان حملہ آوروں کی شان وشوکت کو ظاہر کرتے ہیں۔ اس ہی مذہب کے بادشاہوں اور فتح کرنے والوں کی جو اس نسل کے تھے مگر اُن کے بعد آئے ایسی طرح حفاظت کی ہوئی یادگاریں اُن کے اپنے کاموں کو یاد دلاتے ہیں۔ ہمایوں کا مقبرہ جو مغل بادشاہوں میں سب سے پہلے بادشاہ کا بیٹا اور جانشین تھا اور اس ہی خاندان کے بادشاہوں میں سب سے بڑے بادشاہ کا باپ تھا نئی دلی سے جنوب کی طرف چار میل پر واقع ہو جو فرگسن کے قول کے مطابق اس بات کی نمایاں مثال ہو کہ جب اکبر کی زبردست ایجاد کو آگرے کی زنانہ نزاکت نے مدغم کر دیا اس سے پہلے ہی لوگ فن عمارت میں ست سے بڑے سلیقہ مند تھے۔ نئی دلی کی فصیلوں کے اندر سلسلۂ مغل بادشاہوں کے عہد شباب میں ایک اسمٹ یادداشت چھوڑ دی جس کی جامع مسجد اور قلعہ تائید کرتے ہیں

شہر پناہ کے باہر تھوڑے فاصلے پر جس مقام پر راج پورا اور قدسیہ باغ کی سڑکیں تقاطع کرتی ہیں اس کے قریب والیسرائے اور ڈیوک نے اپنے ہاتھی ٹھیرائے اور والیان ریاست دونوں سے صاحب سلامت کرتے ہوئے ان کے سامنے سے گزر کر یکے بعد دیگرے اپنے اپنے خیمہ گاہوں کو روانہ ہوئے۔ تب لارڈ اور لیڈی کرزن اور ڈیوک اور ڈچس ہاتھیوں پر سے اُتر کر اپنی گاڑیوں میں سوار ہوئے اور والیسرائے کی خیمہ گاہ کی طرف کو چلے۔ باڈی گارڈ اور امپیریل کیڈٹ کے جوان سرکٹ ہوس تک گاڑیوں کے ساتھ رہے باقی فوجی سواران خاصہ کو پہاڑی کے دامن میں پہنچ کر رخصت کر دیا۔ جلوس سرکٹ ہوس پر پہنچا تو (۳۱) ضرب توپ کی شاہانہ سلامی سر ہوئی اور والیسرائے کا جھنڈا باؤ سے پر اُتارتا ہوا دکھائی دینے لگا۔ رائفل بریگیڈ کی تیسری بلٹن کے جوانوں کا گارڈ آف آنر والیسرائے کی فرودگاہ کے سامنے قطار باندھے کھڑا تھا اور والیسرائے کے پہنچنے پر فوج نے سلامی اُتاری۔ ڈیوک آف کناٹ اور گرینڈ ڈیوک آف ہسی کی خیمہ گاہیں جدا تھیں اور ہر ایک کی تعظیم کے لئے علیحدہ گارڈ آف آنر متعین تھا۔ والیسرائے ہر ایک کو ساتھ سے جا کر اُن کی خیمہ گاہ تک پونہچاتے اور گارڈ سلامی اُتارتا۔ جس وقت سے جلوس سٹیشن سے چلا مقام پر پونہچنے تک کچھ کم دو گھنٹے صرف ہوئے۔

فرودگاہ گورنمنٹ

اُس کی تاریخ اور اُس کا موقع یہ دونوں باتیں یکساں اس بات پر دال ہیں کہ دہلی بڑی شاہانہ رسموں کے ادا کرنے کے لئے نہایت ہی موزوں مقام ہے۔ مثلاً ملکہ معظمہ کے قیصری خطاب اختیار کرنے پر لارڈ لٹن کا اعلان اور اُس کے چھبیس برس بعد وہ دربار جو لارڈ کرزن نے [illegible] ایڈورڈ ہفتم کی تاج پوشی کی خوشی میں منعقد کیا۔ دہلی جو بہت زمانۂ قدیم سے دارالسلطنت رہی ہے۔ اکبر اعظم کے دارالسلطنت آگرے اور لاہور کے مقابلے میں ہندوستان کا موروثی منبع حکومت ہونے کا حق فائق رکھتی ہے۔ چودھویں صدی کے ایک ایرانی مورخ نے اس کی عظمت اور اس کے محل وقوع کے بارے میں یہ بیان کیا ہے کہ جسم ملک میں دل کے مانند ہے اس کے صوبے جو اس کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں اعضا کے مانند ہیں۔ ملکہ الزبیتھ کے زمانے کا ایک سیاح لکھتا ہے کہ دہلی ایسے شہر اور صوبے کا نام ہے جو پہلے

جلوس کو دیکھ رہے تھے۔ بازار بڑے خوش نما طور پر جھنڈیوں اور بیرقوں اور رنگین کپڑوں اور سونے کے قالیبوں سے آراستہ کیا گیا تھا بعض منقش برآمدوں میں قیمتی شالیں لٹکی ہوئی تھیں اور بعض میں چین مل کے پردے تاکہ عورتیں جلوس کی سیر دیکھ سکیں۔ بہت سی دکانوں کے باہر کے رخ شاہی خاندان کی تصویریں آویزاں تھیں اور بعض مناسب محل طغرے۔ مگر ہر گاہ جلوس کے اس حصے میں لوگ وائسرائے اور ڈیوک کے لئے ایسے ایسے نعرۂ شادمانی بلند کرتے تھے کہ ایشیائی لوگوں کے ہجوم میں کبھی ایسے نعرے سننے میں نہیں آئے۔ چاندنی چوک کے بازار کے آدھوں آدھ پر گھنٹہ گھر ہے اس کی بلند مینار نما عمارات کو ہاروں کی ریت سے لاد دیا تھا اور آرائش سے اس کو بہت خوش نما بنا دیا تھا۔ ٹون ہال کے ستون سبز پتوں سے مڑھ دیئے گئے تھے۔ بازار میں اس سرے سے اس سرے تک شاید ہی کوئی ایسی عمارت ہوگی جس کے باہر سے وفادارانہ مسرت کے آثار ظاہر نہ ہو رہے ہوں رہے عامۂ خلائق تو کوئی متنفس بھی ایسا نہیں کہ اس نے جلوس کے دیکھنے والوں کی مشتاق صورتیں اور منتظر آنکھیں دیکھی یا اُن کو آپس میں بار بار اسی کا تذکرہ کرتے سنا ہو اور پھر بھی وہ اس میں کسی طرح کا شک کرتے کہ لوگ جلوس سے بے انتہا خوش ہوئے اور نیز یہ کہ ہزارہا آدمی چاندنی چوک میں جمع تھے اُن کے نزدیک جلوس ایسی عمدہ اور اعلیٰ درجے کی سیر تھی کہ اُن کو تو ساری عمر ایسی سیر دیکھی نصیب ہوئی ہیں سیر کا کوئی موقع نہ تھا جس کو لوگوں نے گھیر نہ رکھا ہو۔ بہت سے مسلمان سنہری مسجد کے باہر جمع تھے۔ یہ تین طمع کار گنبدوں کی ایک چھوٹی سی وہی مسجد ہے جس میں نادر شاہ ترکمان بیٹھا ہوا قتل عام کا خوفناک عذاب دیکھ رہا تھا۔ ٹون ہال کے عین سامنے ایک وسیع نشست گاہ اُن فرماں روا رئیسوں کے لیے خاص تھی جو ہاتھیوں کے جلوس میں شریک نہ تھے۔ چاندنی چوک میں تماشائیوں کے لئے اور بھی کئی نشست گاہیں بنائی گئی تھیں۔ غرض اس بھیڑ بھڑکے کے سارے بازار میں جہاں سے بھی شاہانہ جلوس ہو کر گزرا اعلیٰ سے ادنیٰ تک سب ہی نے توجہ مقدم کے ساتھ اس کا استقبال کیا یہاں تک کہ فتح پوری مسجد کے قریب پہنچ کر جلوس موری دروازے جانے کے لیے شمال کی طرف کو مڑا۔ یہ مسجد بھی شاہجہاں کی ایک بیگم کی بنوائی ہوئی ہے

بہن شاہزادی ٹپ اٹیلا بھی تھیں۔ شان کے دونوں ساہواؤں نے جن کو اس سے پہلے کبھی ہندوستانی رئیسوں میں آنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا خاص کر اس تقریب کے لیئے ہاتھی خرید کیئے تھے۔ یہ ایشیائی ہاتھی اور رؤسا جو اُن پر سوار تھے کسی بڑے مغل بادشاہ کے جلوس میں بھی چلے ہوں گے مگر اس جلوس میں گاڑیوں اور سواروں کا ساتھ ہونا اہل مغرب یعنی انگریزوں کی خاص علامت تھی۔ گرینڈ ڈیوک آف ہسی جو شاہنشاہ معظم کے خواہرزادے اور خود ایک یورپین ریاست کے فرماں روا ہونے کی حیثیت سے منزلت خاص کے مستحق تھے ایک چواسپہ گاڑی میں جلوس کے ساتھ تھے۔ گھوڑوں کو گھڑچڑھے سوار ہانک رہے تھے اور ہزارز کا دستہ سواران خاصہ میں تھا۔ ان کے پیچھے باڈی گارڈ بمعیت بمبئی اور مدراس کے گورنر تھے اور پنجاب کے لفٹنٹ گورنر جو اپنے صوبے میں کمانڈر انچیف سے پیش پیش ہوتے ہیں۔ جلوس میں لارڈ کچنر پر ہر ایک کی نظر پڑتی تھی جو اپنے اصیل جنگی گھوڑے ڈیموکریٹ پر سوار تھے اور ان کا شاندار سٹاف ان کے ساتھ تھا۔ ان کے پیچھے دوسرے لفٹنٹ گورنر اور ممبران کونسل اور چیف کمشنر اور سرحدی صوبوں کے ایجنٹ گورنر جنرل تھے۔ کرنل بیٹ ایجنٹ گورنر جنرل بلوچستان کے پہلو بہ پہلو خان قلات اپنے گھوڑے پر سوار تھے اور اُن کے پیچھے بلوچ سرداروں کی جماعت۔ اسی طرح جدید العہد شمالی مغربی سرحدی صوبے کے چیف کمشنر و ایجنٹ گورنر جنرل کرنل ڈین کے پیچھے سرحدی سردار گھوڑوں پر سوار تھے۔ وائسرائے کا جلوس اسپلینڈ روڈ سے ہوتا ہوا چاندنی چوک کی طرف بڑھا جس جگہ سے وہ قریب دلی بنک کی جانب مقابل واقع ہے۔ دلی بنک وہ مقام ہے جہاں کسی زمانے میں شمرو کی مشہور بیگم رہا کرتی تھیں اور اس کے متعلق غدر کا ایک واقعہ بھی زبان زد خلایق ہے کہ بنک کے منیجر برسفرڈ ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء میں لڑکر مع اپنے خاندان کے باغیوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ جس وقت جلوس چاندنی چوک میں سے ہوکر گزر رہا تھا بازار کا حال یہ تھا کہ ہندوستانی تماشائیوں کے ہجوم سے کھچا کھچ بھرا پڑا تھا۔ لوگ چہ طرفہ ہر ایک کھڑکی میں ٹھسے ہوئے تھے علی ہذالقیاس تمام کھلی ہوئی چھتوں پر آدمی ہی آدمی تھے اور بڑے شوق و چاؤ سے

اُس دولت کی جس کا قصہ سنتے چلے آئے ہیں روشن دلیل تھی۔ الغرض اس نظارے کا
مشاہدہ انسان تصور و تعبیر نہیں کرسکتا تھا بلکہ کمال حیرانی طاری ہوجاتی تھی۔ ہاں اتنا تو ہوسکتا تھا
کہ تماشائی کی نگاہ ذرا کی ذرا مہاراجہ سیندھیا پر ٹھٹک جائے یا اُن ہیروں پر جو اُن کے
سرمئی قیمتی زربفت کے کوٹ پر پڑے جگمگا رہے تھے یا مہاراجہ ریوا کی سواری
کے ہاتھی کے سنہرے ساز و سامان پر یا چاندی کے ہودے پر جس میں مہاراجہ [illegible]
سوار تھے یا چاندی کے گینڈے اور مور پر جنھوں نے مہاراجہ قرولی کے ہاتھی کی مستک کو
زینت دے رکھی تھی یا رنگین چیتوں پر جن کی تصویریں مہاراجہ چرکھاری کے
ہاتھی پر بنائی گئیں تھیں۔ نواب ٹونک کو دیکھا تو وہ سادہ مخملی کوٹ پر جی۔ سی۔ آئی کا
تمغہ پہنے ہوئے تھے۔ نواب بہاولپور قرمزی سُرمئی اور سرلباس میں تھے جن
کے سر پر بڑی بھاری بل دار پگڑی تھی اور گھونگروالی زلفیں لٹک رہی تھیں سپید
ریش راجہ نابھا چاندی کے ہودے میں سوار تھے اور اُن کا لباس قرمزی رنگ کا تھا
راجہ کپورتھلہ چاندی کے ہودے میں تھے۔ ہودہ ہاتھی پر کسا ہوا تھا جس کی جھول نیلی اور
سفید تھی۔ مہاراجہ بنارس سنہرے زربفت کے کوٹ میں تھے اور ہرے ہیروں کا ہار
پہنے ہوئے تھے جس کے آویزے ہیرے کے تھے یہ ہار بجائے خود ایک سلطنت کا
مول تھا۔ مہاراجہ کوچ بہار سونے چاندی کے گنگا جمنی ہودے میں سوار تھے اور گلابی
رنگت کا گلکار ریشمی لباس پہنے ہوئے تھے۔ لیکن جواہرات کی چمک سونے اور چاندی
کے سوزن کار کام کی براق ریشم اور ساٹن کے گہرے رنگ تھان دار ہاتھیوں کی
جھولیں جن میں چمک دار سنہری پٹیاں تھیں اور بیل بوٹیوں کے رنگ برنگ کے
لباس پر ایک ایسی کیفیت تھی کہ بیان میں نہیں آسکتی۔ غرض جلوس جامع مسجد کا طواف
کرتا ہوا جس کی سیڑھیوں پر اور گرداگرد کے دالانوں میں ہزاروں تماشائی بیٹھے سیر دیکھ رہے
تھے ایک بڑی وسیع متحرک جگمگاتی ہوئی قوس کی شکل میں آگے کو بڑھا۔ رئیسوں کی اس
قطار کے آخر میں کنگ ٹنگ اور مانگ سے مشرقی سرحد کے دور دست شان
ریاستوں کے دو سالوا سامنے آئے اُن کے لباس عجیب و غریب طرح کے تھے
سُرخ مخمل پر سنہری پٹیاں سی ہوئی چست دار اول سونے کے گلوبند سر پر ایک
خاص طرح کی ٹوپی جو چھوٹا سا گنبد معلوم ہوتا تھا۔ کنگ ٹنگ کے سالوا کے ساتھ اُن کی

چلنے کو کچھ کم اعزاز نہیں سمجھتے اس سے بڑھ کر اور کون سی قابل رشک خصوصیت ہو سکتی ہے۔ وائسرائے اور دیہ ایل ہائینسز کے بعد نظام حیدرآباد اور مہاراجۂ میسور کے ہاتھی آئے۔ حضور نظام ایک باوقار سیاہ رنگ کا لباس زیب تن کئے ہوئے تھے مگر اُن کی زرد رنگ دستار میں کلغی کی جگہ ہیرا تھا جو پڑا جگمگا رہا تھا۔ ان کے ہودے کا رنگ بھی زرد تھا مگر گہرا اور خوش قطع۔ چتر کی جھالر سنہری تھی۔ ہز ہائنس کے ہاتھی کی جھول بھی زرد مخمل کی تھی۔ میسور کے صغیر سن مہاراجہ سنہرا گلکار کوٹ پہنے ہوئے تھے ان کی پگڑی میں بھی ہیرے تھے گلے میں بڑے بڑے موتیوں کا ہار تھا اُس میں لعل کا آویزہ تھا۔ مہاراجہ ٹراونکور جس ہودے میں سوار تھے اُس پر ہندو دیوتاؤں کی مورتوں اور افسانوں کے دیویوں کے نقش و نگار تھے جن کو عجیب طرح سے کندہ کر کے اوپر سے بہت بھاری ملمع چڑھا دیا تھا۔ دوہری گنبد دار چھتری ملمع کار چوبوں پر نصب تھی۔ جھول سنہری سوزن کار مخمل کی تھی۔ بالاپوش آسمانی اور سنہر[illegible] رنگ کا۔ مہاراجہ اس سے الگ پہچان پڑتے تھے کہ ان کی پگڑی میں پروں کا طرّہ لٹک رہا تھا۔ مہاراجہ کشمیر کے پہلو میں اِن کے سپاہی بھائی امر سنگھ فوجی وردی پہنے بیٹھے تھے جس شان دار ہاتھی پر دونوں بھائی سوار تھے اُس کی مستک اور سونڈ کو طلع زاور رنگ آمیزی سے سجایا گیا تھا۔ جلوس کے ہر ایک ہاتھی کی جھول، کا حلیہ اُس کے ہودے کی قطع فیل نشین کا لباس یہ ایسی باتیں ہیں کہ ان کی تفصیلی کیفیت کا لکھنا امکان سے خارج ہے اور شاید ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کے تحریر کرنے سے ایک منظر متحرک کا ٹھیک تصور بھی ذہن نشین نہیں ہو سکتا چوں کہ ہر چند یہ عظیم الجثہ جانور آہستہ آہستہ چلتے تھے اور ہر چند جلوس طواف مسجد کرنے کے بعد دوبارہ بائیں ہاتھ پر سامنے آیا اور لوگوں نے اُن کو پھر ایک نظر دیکھا تاہم جو شخص جلوس کی سیر دیکھ رہا تھا اُس کو ایسا معلوم ہوا کہ جو کچھ اُس نے معاینہ کیا وہ صرف ہندوستانی رؤسا کی شان دار سواریوں کا تانتا ہی نہ تھا۔ جن کو وہ تصویر خانے کی تصاویر کے مانند بغور دیکھتا بلکہ جلوس ایشیائی تزک و احتشام کا ایک ایک جگمگاتا ہوا نظارہ تھا جس کی ترتیب اور رنگ سیر بین کے رنگوں کے مانند ہر دم متغیر ہوتے تھے اور جس کی زرق و برق زرنگار اور مرصع چیزوں کی صورت حال ہندستان کی

شہنائی نواز ساتھ ہیں۔ گورنر جنرل کے باڈی گارڈ کے بڑے قد آور مستی جوان لال
سنہری وردیاں پہنے ہوئے ساری ہندوستانی فوج میں بہترین سوار ہیں۔ ان کے بعد
امپیریل کیڈٹس کے نوجوان والیان ریاست کے لڑکے ایشیائی حکمران خاندانوں
کے بہترین خاندانوں کی نسل بڑے آن بان سے آسٹریلیا کے مشکی گھوڑوں پر سوار
سامنے سے ہو کر گزرے۔ ان کے گھوڑوں کے زین پوش سفید چیتوں کی کھال
کے تھے۔ ان کی شان دار وردی ہلکے رنگ کے سفید کوٹ۔ کالر اور کف کوٹوں
میں سیئے ہوئے نیلم کے رنگ کے کمر بند جن پر سنہری کام تھا۔ نیلی پگڑیوں پر سنہری
کلغیاں۔ پگڑیوں پر سنہری زنجیروں سے تکلیاں بندھی ہوئی جن پر الفاظ فارسی کندہ
معقوش تھے جس کا یہ مطلب کہ یہ دستہ بادشاہ کے لیے۔ جشن دہلی کے تمام ساز و سامان
میں یہی عالی مرتبت سوار جن کے زمرے میں ہندوستان کے پانچ حکمران رئیس شامل
تھے پسندیدگی اور دلی محبت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ ایک برس کا عرصہ ہوا کہ لارڈ کرزن
نے یہ دستہ ترتیب دیا تب سے اب یہ پہلا ہی موقع تھا کہ عام لوگوں نے ان کو دیکھا
اور لیاقت کے ساتھ یہ لوگ اس امتحان میں پورے اترے۔ اب ان کے بعد
وائسرائے اور ڈیوک کے مصاحب اور اعلیٰ حکام ہاتھیوں پر سوار سامنے آئے
پھر ہاتھی پر سوار ہاتھ اٹھا اٹھا کر سپاہیوں کا سلام لیتے اور تماشائیوں کے نعرۂ تحسین
و آفرین پر لطف آمیز مسکراہٹ سے اظہار بشاشت کرتے ہوئے وائسرائے
اور لیڈی کرزن تشریف لائے پھر ان کے جلوس میں ڈیوک اور ڈچس کو ان کو
جہاں کہیں بھی لوگ دیکھ پاتے تھے ہر جگہ از سر نو اعلیٰ شادمانی بلند کرنے لگتے
تھے جس سے نہ صرف بادشاہ کے بھائی کے ساتھ خیر اندیشی ظاہر ہوتی تھی بلکہ
سپاہی شاہزادے اور اس کی شاہزادی زوجہ کے ساتھ محبت کا تعلق پایا جاتا تھا
اور ہندوستان کو ان کا اس ملک میں قیام فرمانا اچھی طرح یاد تھا۔ پھر والیان ریاست
کلہم شاندار لباس پہنے چمک دار جواہرات اور ہر طرح کے عجب و غریب رنگوں
میں جگمگاتے ہوئے نمودار ہوئے۔ مگر ان کی ہر ایک ادا سے مترشح ہوتا تھا جیسا کہ
ایک مہاراجہ صاحب جو اصل نسل کے فرماں روا اور بڑے عالی مرتبہ تھے صاف
بول اٹھے کہ ہندوستان کے رئیس اپنے ولی نعمت کے قائم مقام کی بارگاہ میں

تماشائی جو خاص استحقاق رکھتے تھے اُن کو صحن کے شمال مشرق پٹے ہوئے دالانوں میں اور چھتوں پر بٹھایا گیا۔ سٹیشن کی سلامی اُتارنے کی بیٹری کی پہلی توپ کی گڑگڑاہٹ نے سب کو آگاہ کر دیا کہ انتظار کا وقت اب ہو چکنے پر آیا۔ ڈیوک کی دوسری سلامی نے لوگوں کو پھر سناٹے سے چونکا دیا اور تھوڑی دیر بعد قلعے کی فصیل کی سمت میں پریڈ کے میدان کے پرے پار ہمراہیان روٴسا کے ہاتھیوں کے بھی دوسری طرف جو ابھی تک اپنی جگہ جمے ہوئے کھڑے تھے سوار دکھائی دیئے کہ فوج کی دو قطاروں کے بیچ میں اور بائیں ہاتھ کی طرف کو آہستہ آہستہ بڑھ رہے ہیں۔ چند منٹ گزرنے پائے تھے کہ اگلے گھڑ چڑھے گھوم کر پاس دکھائی دینے لگے کہ اتنے میں توپوں کی ایک اور سلامی ہوئی اور قلعے پر جھنڈے کے نصب کیئے جانے سے لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ ہزاکر ہیاینس اور ڈیوک کے ہاتھی قلعے کے لاہوری دروازے کے برابر آپونچے اور اب جلوس کے مختلف حصے یعنے خاصے کے سوار۔ وایسراے اور شاہزادے ڈیوک۔ والیان ریاست۔ اعلیٰ درجے کے عہدہ دار اور پھر سوار اور عقب میں والیان ریاست کے ہمراہیوں کے ہاتھی خاص روڈ کے برابر برابر جامع مسجد کے شاہی رستے کی طرف کو سیدھا رخ کیئے ہوئے کہ بقول ٹیورنیر شاہنشاہ اورنگ زیب جلوس کے ساتھ جمعہ کی نماز کے لیئے اسی راہ سے آیا کرتے تھے ایک لمبے سلسلے میں حرکت ہوئے دکھائی دیئے۔ جلوس کیا تھا ایشیائی شان و شوکت کا ایک شاہانہ چمک دار حلقہ تھا۔ دروازہ چند گز کے فاصلے پر رہا تو جلوس مسجد کا طواف کرتا ہوا سیر دیکھنے والوں کے داہنے ہاتھ کو مڑ گیا اور پھر بائیں ہاتھ کی طرف کو سامنے آموجود ہوا اور یوں جلوس کے ایک طرف قلعے کی جانب سے بڑھتے ہوئے اور دوسری طرف قلب شہر کی سمت کو گھومتے ہوئے دیکھنے میں تقریباً دو گھنٹے صرف ہوتے تھے۔ جلوس کی ترتیب سے اُس نمایاں تقابل کا خیال کر لیا جا سکتا ہے جو جلوس سے ظاہر تھا۔ ڈریگونز اور رایل ہارس آرٹلری انگریزی گھڑ چڑھوں کی پوری پھرتی کے ساتھ سامنے سے گزرے۔ سواران خاصے کے کمانڈنٹ کے پیچھے میجر میکسول نقیب عسکر کو دیکھ کر تھوڑی دیر کے لیئے یورپ کے شجاعان زمانہ وسطیٰ کی باتیں یاد آجاتی تھیں کہ ہاتھ میں گرز لیئے ہوئے ہیں سنہری لیس کی طرح کا بنا ہوا چمک دار کوٹ پہنے ہوئے ہیں۔ طنبورچی اور

دو قطاریں بنائی گئی تھیں۔ ہاتھیوں کے منہ قلعے کی طرف کو تھے یعنی جو سڑک کے برابر قطار بائد ھے کھڑی تھی ہاتھیوں کی اگلی قطار اُس سے اسّی گز پیچھے ہٹا کر کھڑی کردی اور جگہ جو خالی رہی اُس میں امپیریل سروس کے ایک ہزار جوان اکہری قطار میں کھڑے کیئے گئے۔ ہر ایک ہاتھی اپنے برابر کے ہاتھی سے آٹھ گز کے فاصلے پر تھا اور ہاتھیوں کی پچھلی قطار۔ اس ترتیب سے کھڑی کی گئی تھی کہ اگلی قطار کے دو ہاتھیوں میں جو کشادہ جگہ بچتی تھی پچھلی قطار کا ہاتھی اُس میں سے کھڑا دکھائی دیتا تھا۔ روٴسا کے ہاتھیوں کی مجموعی تعداد (۱۶۶) تھی۔ جیسے ہی ویسرائے اور ڈیوک اور ڈچس کے ہاتھی برابر سے ہو کر نکلے ضمیمہ جلوس کے ہاتھیوں نے جن کے ہودوں میں سردار اور ہمراہیاں روٴسا تھے اپنی سونڈوں سے سلامی دی اور جب اصلی جلوس گزر گیا اور بنگال لینسر نمبر (۱۱) کے آخری پرے خاص روڈ کی طرف مڑے تو ضمیمہ جلوس کے ہاتھی اُن کے پیچھے ہو لیئے۔ لیکن اس سے پہلے کہ ضمیمہ جلوس کے ہاتھی اپنی جگہ سے سرکنا شروع کریں ویسرائے اور ڈیوک مع والیان ریاست جامع مسجد پہنچ چکے تھے جس کے گرداگرد جلوس نے ایک چمک دار حلقہ بنایا تھا اس کا سرا اسلینیڈ روڈ میں پھیلا ہوا تھا اور جلوس چاندنی چوک کی طرف متوجہ تھا۔ جامع مسجد کے گرداگرد دالانوں ہی میں سے والیسرائے کے مہمانوں اور ممالک غیر کے قائم مقاموں اور دوسرے بہت سے صاحبوں نے جو بہ تقریب سیاحت دہلی آئے ہوئے تھے جلوس کی سیر دیکھی۔ مسجد کے مشرقی دروازے کے متصل انگریزی تماشائیوں کے لیئے ایک وسیع نشست گاہ بنائی گئی تھی۔ خاص روڈ کی جانب مقابل دہلی کے مختلف سکولوں اور کالجوں کے طالب العلموں کی قطاریں بیٹھی ہوئی تھیں۔ لڑکوں کے صافوں کے رنگ سے ہر ایک جماعت الگ پہچان پڑتی تھی۔ مسجد کی سیڑھیوں اور دروازوں پر ہندوستانی تماشائی ہجوم کیئے ہوئے تھے۔ جلوس کی آمد آمد اُن لوگوں کے لیئے جو جامع مسجد کی کھلی ہوئی محرابوں کے اوپر جمع تھے ایک لاجواب شاندار منظر تھا۔ ایسے عظیم الشان اور تاریخوں میں لکھے جانے کے قابل جلوس دیکھنے کے لیئے سارے ایشیا میں اس سے بہتر موقع نہیں مل سکتا۔ والسرائے کے ذاتی مہمان اور بہت سے صاحبوں کے لیئے شمالی مشرقی کی صحنچی میں نشست کا سامان مہیا کیا گیا۔ دوسرے

اور لیڈی کرزن ایک شاندار سکھنے ہاتھی لچھمن پرشاد پر سوار ہونے کو تھے جو مہاراجہ بنارس نے مستعار دیا تھا اس کی پیٹھ پر براق چاندی کا ہودہ کسا ہوا تھا جس کی بغلوں میں جگمگاتے ہوئے سونے کے شاہی نشان تھے اور سامنے کے رخ دانائی اور فارغ البالی کی شکلیں اور ان کے اوپر تاج اور ایک ریشمی زربفت کا چتر قرمزی مخمل کی گدیوں پر سایہ کیئے ہوئے تھا۔ یہ شاہانہ ہودہ گورنر جنرل کی ملک ہے اور ۱۸۷۷ء میں لارڈ لٹن کے لیئے بنایا گیا تھا۔ ایک سقرلاتی مخملی جھول دبیز جس میں سنہرے کمخواب کا کام تھا زمین سے لٹک رہی تھی۔ ڈیوک اور ڈچس کے لیئے مہاراجہ جے پور کا مولا بخش ہاتھی طیار کھڑا تھا وہ بھی کچھ کم شان دار نہ تھا اور اس کی جھول بھی ویسی ہی قیمتی تھی۔ ہودہ جو مہاراجہ بلرام پور نے مانگے دیا تھا وہ بھی چاندی کا تھا چاندی پر سونے کا آرایشی ابھرواں کام تھا۔ سامنے کی بیٹھک کے دونوں پہلوؤں میں بازو کی جگہ شیر کی مورت تھی جس نے بارہ سنگے کو پچھاڑ رکھا تھا۔ ان ہاتھیوں پر سوار ہو کر ایک پر ہزایکسیلنسیز اور دوسرے پر دیر ایل ہائینسز آگے آگے چھ ہاتھیوں پر اہالی موالی سٹیشن کے دروازے سے باہر آئے اور پورب رخ مڑ کر کوئین روڈ پر آہستہ آہستہ ہاتھیوں کی دو رویہ قطاروں میں سے ہو کر گزرے جن پر اب رؤسا اپنے شاہانہ ہودوں میں سوار تھے جیسے ہزایکسیلنسیز اور دیر ایل ہائینسز برابر میں آتے سڑک کے دو طرفہ آمنے سامنے ہاتھیوں کا جوڑا سونڈ اٹھا کر سلام کرتا اور پھر دیر ایل ہائینسز کے پیچھے جوڑا جوڑا جلوس کی قطار میں شامل ہو جاتا جیسے ہی والیسرائے اور دیر ایل ہائینسز ہاتھیوں کی قطار کے آخر پر پہنچے ہزایکسلنسی کے سواران خاصہ کا وہ حصہ بھی جو سڑک کے برابر آگے بڑھ کر صف باندھے کھڑا تھا سامنے کو سر کئے لگا۔ آخری رؤسا سے با اقتدار کے بعد گرینڈ ڈیوک آف ہسی سے شروع ہو کر بقیہ جلوس بھی شامل ہوتا گیا (جلوس کی ترتیب چھوڑ دی گئی)۔ قلعے کے اور جامع مسجد کے درمیان ایک کھلا ہوا میدان وسیع واقع ہے جو غدر کے بعد مکانات گروا کر صاف کرا یا گیا تھا جلوس اس مقام پر پہنچا تو یہاں اور ہی دل کش شان کے ساتھ خوشی منائی جا رہی تھی کہ سرداروں اور ہندوستانی رئیسوں کے ہمراہیوں کی سواری کے ہاتھی الگن روڈ کے پچھم کھڑے تھے۔ بیچ میں سوڈھا گڑہ کا فاصلہ دے کر ان ہاتھیوں کی

ایک جماعت ہو اس کی پہلی پلٹن کے جواں اپنے باجے والوں کے ساتھ سلامی اتارنے کے لیئے حاضر رہیں تھے۔ شہنائی والوں کی ایک جماعت سٹیشن کے پل پر موجود تھی۔ ٹھیک ۱۱½ بجے سے پہلے ان کی شہنائیوں کی آواز نے خبر دی کہ وائسرائے کی ٹرین آپونہچی۔ ٹرین چند لمحے بعد سٹیشن میں آداخل ہوئی۔ جوں ہی لارڈ کرزن اور لیڈی کرزن نے پلیٹ فارم پر قدم رکھا ہڈ فرڈ شایر رجمنٹ کے باجے والوں نے قومی گیت چھیڑی اور ایک توپ خانے سے جو قریب لاکر لگا دیا گیا تھا (۳۱) ضرب توپ کی شاہانہ سلامی سر ہوئی۔ ہز اکسیلنسی پریوی کونسل کی وردی پہنے ہوئے تھے اور سٹار آف انڈیا کا پر تلا ریب گلو تھا۔ لیڈی کرزن سفید اور گلابی لباس میں تھیں۔ گرینڈ ڈیوک آف ہسی اور اعلیٰ عہدہ داروں کے ساتھ پلیٹ فارم پر تھے دعا سلام کے بعد وائسرائے نے ہندوستانی رئیسوں کے ساتھ جن میں سے اکثر کو وہ پہلے جانتے تھے صاحب سلامت کے بعد مصافحہ کیا۔ پاؤ گھنٹہ اس میں صرف ہوا کہ اتنے میں ریلوے کے پل سے شہنائیوں کی دوسری آواز نے خبر دی کہ جس سپیشل ٹرین میں ڈیوک اور ڈچس آف کناٹ بمبئی سے تشریف لا رہے ہیں آپونہچی۔ دیر ہائینسز کے اترتے ہی وائسرائے اور لیڈی کرزن نے ان کا استقبال کیا باجے والوں نے قومی گیت بجائی اور توپ خانے (۳۱) ضرب کی شاہانہ سلامی دی ڈیوک فیلڈ مارشل کی وردی میں تھے اور ڈچس سٹار آف انڈیا کے سلگوں لباس میں۔ اس کے بعد وائسرائے نے بڑے بڑے عہدہ داروں اور رؤسا کو دیر ہائینسز سے روشناس کرایا اور لارڈ کچنر کمانڈر انچیف نے ڈیوک سے چند فوجی عہدہ داروں کی شناسائی کرائی اس کے بعد رؤسا اپنے اپنے ہاتھیوں پر سوار ہونے کے لیئے سٹیشن سے رخصت ہوئے۔ یہ ہاتھی سٹیشن کے دروازے سے جانب مشرق قریباً (۲۳۴) گز کے فاصلے تک کوئن روڈ کے دونوں طرف ایک قطاریں کھڑے کیئے گئے تھے۔ رؤسا اپنے اپنے ہاتھیوں پر سوار ہو رہے تھے اور وائسرائے اور ان کے شاہی مہمان ساتھ ساتھ اور اعلیٰ عہدہ دار پیچھے پیچھے سٹیشن کے باہر گئے اور مارشیشایر کے گارڈ آف آنر کو ملاحظہ فرمایا جنھوں نے سٹیشن سے باہر آتے ہی سلامی دی سڑک کی دوسری طرف یعنی مشرقی جانب سواری کے ہاتھی منتظر کھڑے تھے۔ وائسرائے

سوار تھے یعنی گورنر لفٹننٹ گورنر اور دوسرے حکام بالادست ممبران کونسل گورنمنٹ کے سکریٹری صاحبان وغیرہ ہاتھیوں کے جلوس کے آگے اور پیچھے وائسرائے کے خاصے کے سوار تھے۔ لیکن والیان ریاست ہز اکسلنسی کی جلو میں نہ تھے والیان ریاست سے فروتر درجے کے امرا جو جابجا سر راہ منتظر کھڑے تھے صرف ان کے ہاتھیوں کو اجازت تھی کہ جلوس کے پیچھے ہو لیں۔ ۲۹ دسمبر کا جلوس اس سے کہیں زیادہ شان دار اور زیادہ تر ایشیائی طور کا تھا۔ یہ ایک واقعی بات ہو کہ آج کل کی اسپیشل ٹرینوں اور شاہی گاڑیوں کے وقتوں میں وائسرائے کے کارخانوں میں فیل خانہ نہیں رہا جس کے ہاتھیوں سے تقریبات کے مواقع پر کام لیا جاتا۔ ہز اکسلنسی کا فیل خانہ توڑ دیا گیا اور ہاتھی جابجا منتشر کر دیئے گئے۔ فوج میں کسی قدر ہاتھی ہیں تو ان میں رہی سکھنے ہاتھی بہت کم ہیں شاید ہی کوئی ہو جو کھنا ہونے میں ممتاز ہو یا قد و قامت کی وجہ سے شاہی جلوس کی شان بڑھا سکے۔ ویرا کسیلنسیز اور ہر رائل ہائینسز ڈیوک آف کناٹ اور ڈچس آف کناٹ اپنے اپنے اہالی موالی سمیت اُن ہاتھیوں پر سوار ہوئے جو خاص خاص والیان ریاست نے بہ تقاضائے اخلاق اُن کی خدمت کے لیئے تعینات کر دیئے تھے اور اگرچہ گورنر و لفٹننٹ گورنر و ممبران کونسل و دیگر حکام بالادست کچھ گاڑیوں میں اور کچھ گھوڑوں پر جلوس کے ساتھ تھے تاہم ہاتھیوں کے سلسلے کی درازی اور اُس کی شان و شوکت اس سے بڑھ گئی تھی کہ بڑے بڑے والیان ریاست اپنے ہاتھیوں پر سوار جلوس کے ساتھ موجود تھے اور آخر کو اُن کے ہمراہیوں کے بہتیرے ہاتھی جلوس میں آ شامل ہوئے۔ ممتاز لوگوں کا ایک بڑا مجمع ریلوے سٹیشن پر لارڈ کرزن اور لیڈی کرزن اور ڈیوک آف کناٹ اور ڈچس آف کناٹ کی آمد آمد کا انتظار کر رہا تھا۔ گرینڈ ڈیوک آف ہسی بھی ایک دن پہلے دہلی پہنچ گئے تھے اپنے اہالی موالی کے ساتھ سٹیشن پر موجود تھے اور اُن کے علاوہ اور امرا و رؤسا کا مجمع کثیر تھا جن کی تفصیل چھوڑ دی گئی۔ بڈفرڈ شائر رجمنٹ کی پہلی پلٹن کے باجے والے ریلوے سٹیشن کے پلیٹ فارم پر کمر بستہ کھڑے کیئے گئے تھے اور سٹیشن کے باہر برآمدے کے مغرب میں نارتھمپٹن شایر رجمنٹ جو وائسرائے کی پہرے چوکی کی جماعتوں میں سے

پھاٹکوں کا بنانا۔ پولیس کے انتظامات۔ مال تجارت کی آمد و شد کا ربط و ضبط اور اسی طرح کی اور سینکڑوں تفصیل طلب باتیں سب پہلے سے اہتمام کے ساتھ سن سمجھ لی گئی تھیں اور جس کامل طور پر یہ ساری کارروائیاں عمل میں لائی گئیں اس کی پوری پوری تصدیق اس دن ہوئی جب کہ جلوس ریلوے سٹیشن سے شہر میں ہو کر گزرا۔

۲۹ دسمبر دوشنبہ کی صبح کو ہز اکسیلینسی وائسرائے و لیڈی کرزن اور ہز رائل ہائینس ڈیوک وڈچس آف کناٹ دہلی پونچے۔ جلوس کا داخلہ حیرت افزا مناظرہ ٹھیک ایک شان دار میش خیمہ تھا جو آیندہ پندرواڑے میں یکے بعد دیگرے ظہور پذیر ہو کر صفحۂ قرطاس کو جس پر اُن کا بیان لکھا جاسکا دے والے تھے۔ جلوس کے ساتھ شاہی مہمانوں اور وائسرائے کا ریلوے سٹشن سے اول کوئین روڈ ہوکر پھر شاہ جہاں کے قلعہ نما ایوان کی لال فصیل کے سامنے جس پر محاصرۂ غدر ۱۸۵۷ء کے آثار ابھی تک نمایاں ہیں پھر جامع مسجد کے گرد اگرد پھر شاہان مغلیہ کی دار السلطنت کے پرانے بازاروں میں پھر کے جو اس حال بازار چاندنی چوک سے ہو کر گزرنا اکثر لوگ ایسا ہی خیال کرتے ہیں کہ دولت اور شان و شوکت میں اس سے بڑھ کر تو کیا ایسا شاندار بھی کبھی ہوا ہو گا ہندوستانی جلوس میں جھومتے ہوئے ہاتھیوں کی لمبی قطار کا ہونا کوئی غیر معمولی بات نہیں قدیم الایام سے اس کو عظمت کی نظر سے دیکھا گیا ہے مگر کلام ہی تو اسی میں ہے کہ کبھی پہلے بھی ان شان دار سواریوں کا اتفاق آتا تھا کسی مشرقی شہر کی سڑکوں پر سے ہو کر گزرا ہے جن پر ایسی قیمتی جھولیں پڑی ہوں اور سونے چاندی کے ہودوں میں ایسے عالی مرتبت لوگ سوار ہوں۔ جب دسمبر ۱۸۷۶ء میں لارڈ لٹن دہلی میں داخل ہوئے اور رئیسوں سے ملاقات کرنے کے بعد اپنے شاہانہ ہاتھی پر سوار ہو کر اپنے خیمہ گاہ کو روانہ ہوئے تو جو جلوس اُن کی جلو میں تھا اُس میں صرف انگریزی حکام اعلیٰ تھے

لارڈ کرزن

ناکامیابی اور ناامیدی نہیں ہونے پائی یہ سب کچھ اس کا نتیجہ تھا کہ شروع ہی سے سمجھ لیا گیا تھا کہ یہ تقریب کیا بہ اعتبار شمار مردم اور کیا بہ اعتبار وقعت لاجواب پیا سنے پر صورت پذیر ہو گی۔ اُدھر تو وائسرائے کا اعلان گزٹ میں مشتہر ہوا اور ادھر اُس کے متعاقب آنے والی تقریب کے بلاوے برٹش گورنمنٹ کے نام عہدہ داران بالادست کے نام جاری ہوئے۔

دہلی میں جلوس کا داخلہ

بارہویں صدی کے آخر میں قطب الدین ایبک اپنے ولی نعمت کے ہاتھ سے فرمان عطائے سلطنت ہندوستان لینے کے بعد دہلی میں داخل ہوا تو اُس کے ایک ہم عصر مورخ نے اُس کے داخلے کی کیفیت ان لفظوں میں بیان کی ہو کہ لوگوں نے اُس کے داخلے کی ایسی خوشی منائی کہ شہر اور نواح شہر باغ ارم کی طرح آراستہ کیئے گئے اور زربفت چین اور دیباے روم کے پردے دروازوں اور دیواروں پر لٹکائے گئے۔ فتح وظفر کے پھاٹک اس قدر اونچے بنائے گئے کہ طائر بلند پرواز بھی اُن کے اوپر سے نہ گزر سکے اور مصقول تلواریں اور انواع واقسام کے اسلحہ جو اُن کے اطراف وجوانب میں آویزاں کیئے گئے تھے اُن کی برق دیکھنے والوں کی نظروں کو خیرہ کیئے دیتی تھی۔ پس جلوس کا داخلہ جو ۲۹ دسمبر ۱۹۰۲ء کو دہلی میں ہوا اگر اُس کی کیفیت اُسی مورخ کے لفظوں میں بیان کی جائے تو کچھ بے جا نہ ہوگا مہینوں پہلے سے یہ قدیم شہر وائسرائے اور اُن کے شاہی مہانوں کے داخلے کے لیئے طیاری کر رہا تھا۔ اُدھر تو کارکن کمیٹی اور اُس کے کاریگروں کا ایک لشکر میدان وسیع میں ڈیرے ڈنڈے نصب کرا رہے تھے ادھر حکام ضلع اور میونسپلٹی کے عہدہ دار جن کو اہل شہر بڑے شوق واہتمام سے بے دریغ مدد دے رہے تھے مختلف طرح کے کاموں میں مصروفیت کے ساتھ مشغول تھے کہ ایسی بڑی ملکی تقریب کی کامیابی جیسی کہ شاہنشاہ معظم کی تاج پوشی ہی ایسے ہی اہتمام پر موقوف ومنحصر ہے۔ سڑکوں کا بنانا اور مرمت کرنا۔ بازاروں اور سرکاری عمارات کا سجانا۔ اونچی نشستگاہیں اور

۔ اور عزت مآب ہز رائل ہائینس ڈیوک آف کناٹ اور ان کی بیگم ڈچس آف کناٹ کو مامور فرمایا ہے کہ دربار میں جو منعقد ہونے کو ہے خاندان شاہی کی نیابت کے طور پر شریک ہوں ملک معظم کا یہ ارادہ اس امر کا کافی ثبوت ہے کہ حضور عالی کو اس تقریب کے ساتھ قوی تعلق ہے علاوہ بریں یہ امر سرتاسر ملک میں عام خوشنودی کا موجب ہوا اس لیے کہ ڈیوک اور ڈچس دونوں ہندوستان میں کئی سال رہ چکے ہیں اور کثرت سے ان کو لوگ جانتے پہچانتے اور عموماً ان کے ساتھ محبت رکھتے ہیں" دربار کی چہل پہل کے دنوں میں حضور ملک معظم کے بھائی گرینڈ ڈیوک آف ہسی بھی وائسرائے کے معزز مہمان تھے۔ بہت پہلے سے معلوم تھا کہ جنوری ۱۹۰۳ء کا شاہنشاہی دربار بہ نسبت اُس شاہنشاہی مجمع کے جو لارڈ لٹن نے فراہم کیا تھا بڑے وسیع پیمانے پر ہوگا۔ ۱۸۷۷ء سے سلطنت کی حدود بہت وسیع ہو گئی ہیں۔ ریلوں کے ذریعے سے آمد و رفت بہت بڑھ گئی ہے جس نے سفر کو زیادہ آسان اور کم خرچ کر دیا ہے اور سب سے بڑھ کر لارڈ لٹن کی توقع کے مطابق شاہی عظمت کے حالی اور ملک کے عجیب و غریب ترین ہی ہیں۔ ۱۸۷۷ء کے شاہی مجمع میں صرف (۳۶) رؤسائے باقتدار حاضر ہوئے جب کہ پہلے سے اندازہ کر لیا گیا تھا کہ زیادہ نہیں تو ایک سو رئیس دربار تاج پوشی کی طلب پر لبیک کہیں گے اور البتہ اسی نسبت سے خدم و حشم کا شمار بھی زیادہ ہوگا جو رئیسوں کے ساتھ آئیں گے یہ بھی یقینی امر تھا کہ درباری جو ہندوستانی رؤسائے باقتدار سے نیچے درجے میں ہیں اور خطاب یافتگان اور رؤسائے ماتحت اور عمائد اور ممتاز شریف لوگ شمار میں بہت زیادہ آئیں گے۔ غالباً ایسے ہی اسباب ہندوستان کی انگریزی جماعت کو بڑا ہجوم کرنے کی ترغیب دیں گے اور اس کے یورپ اور دوسرے ممالک کے ساتھ آمد و رفت کی سہولتیں بڑھتی ہوئی ہیں اور خود ہندوستان اُس روز افزوں دل بستگی کو جو تمام مہذب دنیا اس سے اور اس کے معاملات کے ساتھ رکھتی ہے تیزی سے ترقی دے رہا ہے ان تمام باتوں نے دربار کے سربراہ کاروں کو آگاہ کر دیا تھا کہ جو حیرت انگیز فروگذاشت ۱۸۷۷ء میں ہو گئی تھی اُس کی تلافی کے لیے تیار رہیں۔ فروگذاشت سے مراد باہر کے آنے والوں کی غیر معمولی کثرت۔ عن قریب آگے چل کر معلوم ہو جائے گا کہ اندازہ جو پہلے سے کیا گیا تھا تمام اشخاص مذکورۂ بالا کی نسبت توقع سے زیادہ پورا ہوا اور یہ جو آخر کار کسی طرح کی

بہت ہی محظوظ ہوتے - اُن کو اس ملک کے ساتھ شغف مفرط رہا ہے اور میں بڑے زور سے اس کی تصدیق کرتا ہوں کہ حضور ملک معظم تمام ہندوستان کے پہلے شاہنشاہ ہونے پر ایسے ہی نازاں ہیں جیسے ملکہ معظمہ مرحومہ کوئین وکٹوریا پہلی قیصر ہونے کو اپنا فخر سمجھتی تھیں - لیکن مہمات سلطنت نے اپنا ایسا ضبط بٹھا رکھا ہے کہ جتنے ہفتے اس ملک کی آمد و شد کے لیئے درکار ہوسکتے مہمات سلطنت اُن کو اتنی مدت کے لیئے انگلستان سے غیر حاضر ہونے کی اجازت نہ دیتیں - ناچار حضور اپنی اس خواہش کو پورا نہ کرسکے جو بصورت دیگر اُن کی بڑی دلچسپی کا موجب ہوتی - اس کے بعد دربار کی رات کو شاہی دعوت میں ملک معظم کے جام صحت کی تحریک کرتے وقت لارڈ کرزن نے پھر اس خیال کی طرف اشارہ کیا اور کہا :- " یور رایل ہائینسز یور اکسلینسیز اینڈ جنٹلمین ! میں بلا تصنع کہتا ہوں کہ ہم جتنے صاحب ایک جگہ جمع ہیں بس ایک ہی افسوس سب کے دلوں میں ہے کہ حضور ملک معظم شاہنشاہ ہند بذات خاص اس موقع پر رونق افزاے بزم نہ ہوسکے کہ اپنے باج گزار رئیسوں کا سلام لیتے اور اپنی ہندوستانی رعایا کو نعرہ خوشی کو بلند کرتے ہوئے استماع فرماتے - اس میں کسی طرح کا شک نہیں کہ شاہنشاہ ہندوستان کو تاج پوشی کے لیئے اس ملک میں قدم رنجہ فرمانے کی کچھ ضرورت نہیں - جوں ہی تقریباً اب سے دو برس پہلے تخت شاہی خالی ہوا تب ہی سے حضور ہمارے مانے ہوے ولی نعمت ہیں لیکن ہندوستان بڑے چاؤ سے اپنے شاہنشاہ کا جمال باکمال دیکھتا اور اُن کی آواز دلکش سنتا اور اگر سائنس کا سحر پرداز ہاتھ اسی طرح وقت اور مسافت کو گھٹاتا رہا تو اس کو کچھ عجیب نہ سمجھو کہ شاید کوئی دن ایسا بھی آجاے کہ اسی طرح کی آیندہ کسی تقریب پر وایسرائے کی فضول اور نقلی تصویر سامنے سے ہٹا کر اصلی شکل و صورت پردہ ظہور پر جلوہ افروز ہو - ممکن ہے کہ کسی دن وایسرائے کی پیشین گوئی پوری ہو اور ہندوستان کو اپنے شاہنشاہ کی تاج پوشی دیکھنی نصیب[1] ہو - اگر کبھی ایسا موقع پیش آئے تو پورے بھروسے کے ساتھ توقع کی جاسکتی ہے کہ اس تقریب پر ایسے جوش کے ساتھ اظہار وفاداری کیا جائے گا کہ پہلے اس ملک میں کسی نے نہ دیکھا ہوگا - حال کے موقع پر بوجوہ مذکورہ بالا ایسا خیال ناممکن التعمیل تھا لیکن ۱۹۰۲ع کے موسم سرما میں سارا ہندوستان اس خبر کو سُن کر خوش ہوگیا کہ ملک معظم نے خاص کر اپنے

[1] لارڈ کرزن کی یہ پیشین گوئی ۱۹۱۱ع کے دربار میں پوری ہوئی -

اعلانوں میں اپنا منشا یہ ظاہر فرمایا ہے کہ ۲۲ جون ۱۹۰۲ء کو ملک معظم اور اُن کی محبوبہ بیگم ملکہ کی شاہانہ تاج پوشی کی رسم بڑی شان کے ساتھ ادا کی جائے لہٰذا میں بیرائے اور گورنر جنرل ہند ہونے کی حیثیت سے اس اپنی دستخطی اور مہری تحریر کے ذریعے سے عام آگہی کے لیے مشتہر کرتا ہوں کہ حضور ملک معظم کی سلطنت ہند میں اس مبارک مد با عظمت تقریب کو رونق دینے کے لیے میرا ارادہ یکم جنوری ۱۹۰۳ء ایک قیصری دربار منعقد کرنے کا ہے۔ میں اس دربار میں حضور ملک معظم کی سلطنت ہند کے تمام حصص سے گورنروں اور لفٹنٹ گورنروں اور حکام بالادست اور ریاستہائے ہندوستان کے رؤسا با اقتدار اور اراکین اور امرا کو جو حضور ملک معظم کے ظل حمایت میں ہیں اور اس وسیع سلطنت کے تمام صوبوں کے سربرآوردگان کو چاہے وہ یورپین ہوں یا دیسی مدعو کرنا چاہتا ہوں۔ میں بلاتوقف کونسل کے اجلاس احکام مناسب جاری کروں گا اور اُن میں اس کی رعایت ملحوظ رکھوں گا کہ حضور ملک معظم کی تمام رعایا کو اس خواہش کے پورا کرنے کا موقع دیا جائے کہ مراسم عام اور خوشی کی تقریبات سے اپنی جیرا دیغی کا اظہار کریں" شرح دستخط کرزن۔ وبسرائے و گورنر جنرل ہند سن مقام کلکتہ۔ تاریخ امروزہ ۱۴ فروری ۱۹۰۲ء۔ والیسرائے کو ایک وقت یہ بھی توقع تھی کہ عرض معروض کیا جائے تو تعجب نہیں کہ حضور ملک معظم مدات خاص رؤسائے با اقتدار اور عمائد اور عامۂ خلائق کی موجودگی میں تاج قیصر ہند زیب سر مبارک فرمائیں مگر ۵ ستمبر ۱۹۰۲ء کو لیجسلیٹو کونسل کا اجلاس منعقد ہوا اور اس میں ہز اکسلنسی نے ممبران کونسل کو مخاطب کرکے اُن حالات کو بہ صراحت بیان کیا جن کی وجہ سے شروع میں حضور ملک معظم کی رونق افروزی کا خیال پیدا ہوا اور پھر کن وجوہ سے وہ خیال چھوڑ دیا گیا۔ البتہ اگر حضور ملک معظم بنفس نفیس رونق افروز ہوتے اور تمام ہندوستان کی شاہنشاہی کا تاج زیب سر مبارک فرماتے تو یہ موقع زیادہ باعظمت ہونے کے علاوہ زیادہ قابل یادگار واقعہ ہوتا۔ بہت دن ہوئے جب ہی ہم سب ممبران کونسل نے ایسے منصوبوں کو عملی شکل میں لانے کی تحریریں کرنی شروع کیں تو میں نے جرأت کرکے اس روئداد کو بارگاہ شاہی میں پیش کیا۔ یہ خیال مدرجۂ غایت حضور ملک معظم کی طبع والا کے موافق تھا اور اگر حضور عالی اس پر عمل پیرا ہو سکتے تو واقعی

حکومت کے اور علاقوں کے ساتھ گھل مل کر جزو سلطنت قرار پاگیا ہے اور جس نے اس منفرد بادشاہ کی عہد سلطنت میں ہندوستانی رعایا کی کایا پلٹ کردی کہ یا تو وہ تنہا اور نیم آزاد حکومتیں تھیں یا اب ایک مشترک بادشاہ کے طاقت ور اور خوش دل اعوان و انصار قرار پاگئے ہیں آخر اس عملی طور کی اصلیت اور حقیقت کیا ہے آپنی سلطنت کے پہلے ہی برس میں ملک معظم نے شاہی آداب و القاب میں ایک اور اضافہ کیا چونکہ یہ اضافہ جیسا ہندوستان کے علاوہ حضور عالی کی اور سلطنتوں میں جاری ہے ویسا ہی ہندوستان کی سلطنت میں نافذ ہے لہذا اس محل پر اُس کا تحریر کردینا بھی ضرور ہے۔ ۴ر نومبر ۱۹۰۱ء کو ایک شاہی اعلان مشتہر ہوا کہ شاہی خطابات کے بارے میں جو ایک ایکٹ پچھلے اجلاس میں نافذ ہوا تھا اس کے مطابق آئندہ کو شاہی القاب وخطاب حسب ذیل ہوں گے:۔

"ایڈورڈ ہفتم بفضل خدا سلطنت متحدہ برطانیہ عظمیٰ و آیرلینڈ و دیگر
سلطنت ہائے آں سوئے بحار و حامی دین و قیصر ہندوستان"

دربار تاج پوشی ۱۹۰۳ء

یہ بات قرار پاچکی تھی کہ حضور ملک معظم کی تاج پوشی کی رسم وسٹمنسٹر میں ۹ر اگست ۱۹۰۲ء کو ادا کی جائے پھر بہت دنوں تک حضور کی سخت اور خطرناک علالت کی وجہ سے وہ رسم ملتوی رہی اور اس اثنار میں بیم ورجا کی حالت گزری اور آخر کار بعد حصول صحت اس رسم کے ادا ہونے پر لوگوں نے بڑی خوشیاں منائیں۔ ان واقعات کی تاریخ کے طور پر قلم بند کرنا تو اس کتاب کے موضوع سے خارج ہے۔ لیکن نو مہینے پہلے نومبر ۱۹۰۱ء میں یہ بات ہندوستان میں ظاہر کردی گئی تھی کہ ایک دربار تاج پوشی منعقد کرنے کا منشا ہے اور اس وقت بعض رؤسائے با اقتدار کے نام نوید بھی جاری کردی گئی کہ اُن کو رسم تاج پوشی کی تقریب پر انگلستان آنا ہوگا۔ ۱۹۰۲ء کے آغاز میں وائسرائے کی طرف سے ذیل کا اعلان گزٹ آف انڈیا میں مشتہر ہوا:۔

اعلان

"چونکہ حضور ملک معظم ایڈورڈ ہفتم قیصر ہند نے اپنے ۲۶۔ جون اور ۱۰ر دسمبر ۱۹۰۱ء کے

مزید رہنمائی کی اور پارلیمنٹ کا ایکٹ یعنی توقیع جو لوگوں میں "شاہی خطابات کے ایکٹ"
کے لقب سے مشہور ہے پاس ہوا جس کی رو سے گریٹ برٹین اور آئرلینڈ کی سلطنت متحدہ
کی ملکہ ہندوستان کی پہلی قیصرہ بھی قرار پائیں۔ کوئین وکٹوریا نے بذریعہ ایک شاہی
اعلان کے جو ۲۸ اپریل ۱۸۷۶ء کو ایوان ونڈسر میں پڑھا گیا قیصر ہند کا خطاب اختیار
کیا۔ بعدہ ۱۸ اگست ۱۸۷۶ء کو لارڈ لٹن وائسرائے و گورنر جنرل نے اس اعلان کو مشتہر کیا
اشتہار دیتے وقت ہز اکسلنسی نے اس کا بھی اعلان کیا کہ سال جدید کے پہلے دن
ان کا ارادہ دہلی میں ایک شاہی مجمع کرنے کا ہے تاکہ تمام ہندوستان میں ملکہ کی رعایا پر
ان شاہانہ خیالات کا اعلان کر دیا جائے جو علیا حضرت ملکہ معظمہ کو اس کے محرک ہوئے
ہیں کہ اپنے شاہی القاب و خطابات میں مزید اضافہ کریں اور مقصود اس اضافے سے
یہ ہے کہ اُس کے تاج کے متعلقات میں جو ہندوستان کا بڑا علاقہ ہے اور علیا حضرت کو
اس علاقے کے ساتھ تعلق خاص ہے کے علاوہ ہندوستانی رؤسائے باقتدار اور رعایا کی
خیر اندیشی اور ارادت پر بھی اُن کا شاہانہ اعتماد ہے یہ باتیں خلائق کے ذہن نشین
کر دی جائیں۔ اس مجمع میں تمام اقطاع ہندوستان سے گورنر اور لفٹنٹ گورنر اور
ہر ایک دار الحکومت کے افسران بالادست مدعو کئے گئے اور اُن کے علاوہ وہ عمائد
اور اراکین بھی جن میں بقول لارڈ لٹن گزشتہ زمانے کی قدامت اور زمانۂ حال کی مرفہ الحالی
دونوں چیزیں جمع ہیں اور جن سے اس بڑی سلطنت کی شان و شوکت اور پائیداری کی
بیش بہا تائید ہوتی ہے۔ شہنشاہی مجمع جو جنوری ۱۸۷۷ء کو بمقام دہلی منعقد ہوا اگرچہ
اُس دربار کی شان و شوکت کے مقابلے میں ماند پڑ گیا تاہم وہ اس حیثیت سے
یادگار رہے گا کہ اس میں پولیٹکل مصلحت مضمر تھی اور وہ صاف دلالت کرتا ہے کہ اس سے
برٹش انڈیا کی تاریخ میں ایک نئے باب کا آغاز ہوا اور جو تعلق تاج انگلستان کو اپنے
مقبوضات میں سے ہندوستان کے اس بڑے علاقے کے ساتھ ہے آخر کار اس کی
بنیاد صاف و صریح اور مستحکم قاعدے پر رکھی گئی۔ اگرچہ دربار گزشتہ کے انتظامات
میں اس مجمع پر بہت سے اعتراض ہوئے مگر حقیقت میں وہ مجمع لارڈ بیکنسفیلڈ کا عقلی
اور تاریخی نتیجہ تھا اور اس نے ایسی اچھی طرح کہ صرف تحریر ہرگز اس سے عہدہ برآ نہ ہو سکتی
ہندوستان کے لوگوں کے ذہن نشین کر دیا کہ جس شکل طور سے ہندوستان انگریزی

با اقتدار اور اپنی سلطنت کی رعایا کو اس بات کا یقین دلانے کی غرض سے کہ ہماری شفقت اور عنایت اُن کے شامل حال ہے اور نیز اُن کی خیر وخوبی ہماری دلی خواہش ہے بہ تسہیل تار چاہتے ہیں کہ ہماری طرف سے پیام بعافیت باشند اُن کو پہنچا دیا جاوے۔ ہماری نامور اور مرحومہ مورثہ اس ملک کی پہلی ملکہ تھیں جنھوں نے زمام سلطنت ہند اپنے دست خاص میں لی اور اس برّ اعظم کی سلطنت کے ساتھ اپنا قوی تعلق ظاہر کرنے کے لیئے **قیصر ہند** کا خطاب اختیار کیا۔ ملکہ معظمہ تمام امور متعلقہ ہندوستان کے ساتھ کمال طور پر ذاتی دلچسپی ظاہر فرمایا کرتی تھیں اور مابدولت اُس گرویدگی اور ارادت سے بھی بخوبی واقف آگاہ ہیں جو اس ملک کی کروڑہا رعایا کی طرف سے اُن کی ذات والاصفات اور اُن کے تخت کے ساتھ ظاہر کی جاتی تھی۔ ملکہ معظمہ کی باشوکت اور ممتد العہد سلطنت کے اخیر سال جو شریفانہ اور حامیانہ مدد رؤسائے بااقتدار نے جنوبی افریقہ کی جنگ میں اُن کو دی اور جن بہادرانہ خدمات کی بجاآوری اپنے ملک کی حدود کے باہر ہندوستانی فوج کی طرف سے ہوئی اُن سے اُس گرویدگی اور ارادت کا اظہار کافی طور پر کیا گیا ہے۔ ملکہ کی مرضی اور اجازت سے مابدولت ہندوستان تشریف لے گئے اور اُس قدیم اور مشہور سلطنت کے رؤسائے بااقتدار اور رعایا اور بلاد و امصار سے ذاتی آگاہی حاصل کی۔ جو قومی اثر اُس وقت ہمارے دل پر ہوا مابدولت ہرگز اُس کو فراموش نہیں کریں گے اور ضرور اس بات کی کوشش کریں گے کہ ہر طبقے کی تمام ہندوستانی رعایا کی بہبود کے لیئے ملکہ معظمہ کے عمدہ نمونے کی پیروی کرتے رہیں اور جیسا کہ ملکہ معظمہ نے کیا تھا مابدولت بھی اپنے تئیں رعایا کی لازوال خیرخواہی اور ارادت کا مستحق ثابت کریں۔ شرح وتخطیط ایڈورڈ۔ آر۔ آئی۔ ۲ نومبر ۱۹۰۸ء کی پہلی نومبر کو تاج انگلستان نے ہندوستان کی زمام حکومت خود اپنے دست خاص میں لی اور اُس موقع پر کوئین وکٹوریا نے جو اعلان فرمایا تھا اُس کا جزو ضروری جیسا کہ معلوم ہے ملکہ کے دست خاص کا لکھا ہوا تھا اُس میں اُنھوں نے ایسے لفظوں میں جو ہمیشہ یاد رہیں گے اُن اصولوں کی صراحت فرما دی تھی جن پر اُن کو ہندوستان کی حکمرانی میں کاربند ہونا مرکوز خاطر تھا اور نیز اُن باہمی تعلقات کی ذمہ داریوں کو جو تاج انگلستان اور رؤسائے بااقتدار و رعایائے ہندوستان کو وابستہ یک دگر کرتی ہیں۔ سترہ برس **لارڈ بیکنسفیلڈ** کے ذہن وقاد نے شاہی ربط وضبط کی طرف

قرار پائے جو سلسلہ نسب قدیم و ممتد بادولت تک پہنچا ہے۔ بادولت ہندوستانی رؤسا کے

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) اور یہ دربار وائسرائے کے زیر اہتمام ہوا۔ اول تو وہ تقریب فی نفسہا ایک مہتم بالشان
اور تاریخ ہند میں ایک اہم واقعہ تھا پھر لارڈ صاحب موصوف کی خوش سلیقگی اور حسن انتظام کی بدولت اس کا
وہ اہتمام اور شان کے انصرام میں وہ رونق ہوئی کہ جس کی آنکھوں نے وہ سماں دیکھا ہے وہی اس کا کچھ اندازہ
کر سکتا ہے۔ مجھے اس بات کا فخر ہے کہ حسن اتفاق سے میں تینوں درباروں میں موجود تھا۔ پہلے دربار سے
دوسرا بدرجہا شاندار تھا اور تیسرا دربار بادشاہ سلامت کی رونق افروزی سے ان دونوں پر قدرتی
طور پر سبقت لے گیا۔ پہلا دربار پولیٹکل مصالح پر مبنی تھا۔ دوسرا شہنشاہ ذی جاہ کی تاج پوشی کا
تھا مگر تاج دار موجود نہ تھا یا یوں کہیے کہ بارات تھی اور دولہا نہ تھا۔ رہا تیسرا دربار۔ وہ ہر جہت سے
مکمل تھا۔ بادشاہ سلامت نے بنفس نفیس خود ہند کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف فرمایا تھا
یہی ورود مسعود ہندوستان کی فخر و مباہات کا باعث تھا یہ جا بجا حضور ملکہ معظمہ کی متابعت
سے رونق دوگنی بلکہ چوگنی ہو گئی۔ یہ تینوں دربار اپنی اپنی جگہ لاجواب تھے اور ان کی کیفیت
مبسوط کتابیں لکھی گئی ہیں۔ اس کتاب میں اتنی سمائی کہاں کہ ناظرین کو وہ بہار دکھلائی جا سکے
دربار تاج پوشی ملک معظم ایڈورڈ ہفتم کی مفصل و مفید تاریخ مسٹر سٹیفن وہیلر نے
حسب الحکم وائسرائے و گورنر جنرل ہند سرکاری کاغذات سے ترتیب دی اور شمس العلماء
ڈاکٹر مولوی حافظ نذیر احمد صاحب ایل۔ ایل۔ ڈی۔ او۔ ایل مرحوم و مغفور نے
بایمائے گورنمنٹ آف انڈیا اس کا ترجمہ کیا۔ اسی کتاب سے میں نے ضروری
انتخاب کیا ہے کیوں کہ اس سے بہتر جامع اور مستند کوئی تاریخ نہیں ہے اور نہ کسی اور کتاب
میں ترجمے کی وہ خوبی ہے جو مولوی صاحب مرحوم ہی کا حصہ تھی۔ جب ہی لارڈ کرزن کی نظر
نے ان کو چنا اور دو ہزار روپیہ آنریریم بھی مرحمت فرمایا۔ میرے والد کی زندگی کا وہ آخری
زمانہ تھا در حقیقت وہ اس محنت شاقہ کے متحمل نہ ہو سکتے تھے مگر انھوں نے محض برٹش
سبجکٹ ہونے کی حیثیت سے اپنے بادشاہ کی یہ خدمت بطیب خاطر گوارا کی۔ ان
کے ہاتھ میں رعشہ تھا۔ خود لکھنے سے معذور تھے۔ انگریزی کتاب اپنے
سامنے رکھ کر ترجمہ بول بول کر لکھواتے تھے۔ جب کتاب طیار ہو گئی تو سرکار
نے اپنے صرف سے چھپوائی اور شائع کی۔ یہ کتاب بڑی تقطیع کے ۶۹۵ صفحوں کی مع تصویر کے ہے

والد نے دو ہزار کا عطیہ شکریہ سے واپس کیا اور فرمایا ؎
منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمی کنم — منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت ۱۲

H M Edw d VII King Emperor

ملک معظم عصر ممد ایڈورڈ هفتم

والدہ نے دو ہزار کا حرجیہ سفریہ سے واپس لیا اور رہا — مت تساس ارو کر بدمت
مت مر کر خدمت سلطان ہی کم

فرد تھی اقبال میں تو بے نظیر اخلاق میں — تیرے مرنے سے ہوا سناٹا سا اک آفاق میں
ہو گیا برٹن تو تیرے عہد دولت میں نہال — ہم پہ بھی کچھ کم نہیں برسا ترا ابر نوال
شکر بندوں کا خدا کے جو نہیں کرتے ادا — وہ نہیں لاتے بجا شکر خدائے ذوالجلال
ہند نے پایا ترے دور حکومت میں وہ امن — اگلے دوروں میں جو تھا اک کبھی خواب و خیال
لی گئی قحط اور وبا میں ملک کی جو یاں خبر — تھا زمانہ تیرا اس میں آپ ہی اپنی مثال
شکر آزادی کا تیرے عہد کے ممکن نہیں — سب کے اس احسان میں جکڑا ہوا ہے بال بال
ہم سمجھ لیتے کہ ہیں ہر قید سے آزاد ہم — قید احساں سے ترے چھٹنے کی گر ہوتی مجال
گرچہ ممکن ہو کہ تیرے عہد دولت میں بھی — ہوں رعیت میں کئی کچھ لوگ نادار اور خستہ حال
پر خدا کی سلطنت میں بھی یہی ہے حال خلق — یاں خوشی ہے واں مصیبت واں ہے یاں کال
گو کوئی قانون قدرت خالی از حکمت نہیں — پر نہیں راس ایک کو جو ایک کے ہے حسب حال
ہوں قوانین الٰہی یا قوانین بشر — ہو برابر سب کا راضی اور خوش رہنا محال
الغرض اس سے سوا خوبی نہ تھی امکان میں — کر گیا تو راج جس خوبی سے ہندوستان میں

حضور ملک معظم شاہنشاہ ایڈورڈ ہفتم

پرنس البرٹ ایڈورڈ ۵ر نومبر ۱۸۴۱ء کو پیدا ہوئے - ۲۲ر جنوری ۱۹۰۱ء کو آپ کی بادشاہت کا اعلان ہوا اور آپ نے ایڈورڈ ہفتم کا خطاب لیا - آپ نے ۶ر مئی سنہ ۱۹۱۰ء کو نو سال راج سے تین ماہ کی مختصر سلطنت کے بعد ۶۷½ سال کی عمر میں انتقال فرمایا - اور ۴ر فروری ۱۹۰۱ء کو حضور ملک معظم نے براہ وفور کرم ویسرائے کے ذریعہ سے پیغام ذیل ہندوستانی رؤسا با اقتدار و رعایا کے نام ارسال فرمایا -

پیام شاہی[۱]

من مقام قلعۂ ونڈزر بتاریخ ۴ر فروری ۱۹۰۱ء

[illegible] کی والدۂ محترمہ کی وفات حسرت آیات کی وجہ سے با دولت تخت کے وارث

[۱] شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم کا دربار تاجپوشی جو لارڈ کرزن جیسے بیدار مغز اولوالعزم (بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

وقت رحلت یوں رہتی اُن کو رہ جاتی ہے خلق
جس کی ایسی زندگی اور جن کی ایسی موت ہے
آج گھر گھر ہو رہی ماتم جہاں میں جس ہے
ای کوئین اسکندر ثنا تجھ کو کیا آئی اجل
ہو تری یکی سے امید ای زمیں کے بادشاہ
کر رہے تھے سب یگانوں اور بیگانوں کی
ہو دلیل اس کے لیے کافی فقط تیری مثال
کیجیے اقبال مندی پر اگر تیری نظر
مرتبہ ہو جو کہ سرحدِ تصور سے پرے
کی تجارت نے ترقی عہد میں یہاں تک ترے
جس قدر علمی فتوحات اس زمانے میں ہوئیں
علم میں زور اس سے تھی جو اک طاقت یہاں
ہو گئے ہر ترا اعظم میں ترے پیدا علم
شاعروں کے جس قدر اوج سلطنیں تھے ملو
تھی ضرکس کو ہوا اک خردل کا پیڑ اتار ڈالا
دست قدرت نے بنایا گو کہ تھا عورت تجھے
سچ ہو وہ وارث زمیں کے ہو گئے جو ہوں گے حلیم
وہ تسلی پائیں گے دنیا میں جو جھیلیں گے غم
تو مبارک تھی کہ تجھ کو صلح تھی دل سے پسند
تو مبارک تھی کہ تھا ہادی میں تیرے پاک دل
ملک میں اک نور تھی تو جیسے ڈیوٹ پر چراغ
تو نمک تھی سر بسر گویا زمیں کے واسطے
دشمنوں پر مہرباں تھی تو بدوں سے تھی بھلی
تجھ سے غیروں کو محبت تھی جو تھا اپنوں کو فخر
برکتیں دنیا میں پھیلیں تیرے دم سے کس طرح

ایک بجلی سی چمک کر ہو گئی گویا نہاں
اُس کا اُٹھ جانا ہے بدبختی کا دنیا کے نشاں
رہ رہے میں کسے ڈالے رکھتا ہے ہندوستاں
بھی دنیا کے ہاتھوں سے گئی گویا کمل
آسمانی بادشاہت میں صدا دے تجھ کو خدا
یکیوں سے تو نے ای فتح ای وکٹوریا
مرد پر عورت فضیلت کا کرے گر ادعا
سامنے تیرے نہیں جیتا کوئی کشور کشا
قوم کو واں تک ترے اقبال نے پہنچا دیا
سلطنت ہو اس کے آگے ہیچ بے چون و چرا
دہر کی تاریخ میں ملتا نہیں اُن کا پتا
صاحبی میں تیری یہ راز آشکار ہو گیا
تیرے سر سے اور چہار و دس سمندر ٹٹ گیا
حق میں تیرے وہ حقائق بن گئے سر تا پا
جس کی شاعروں پر کریں گے سرام مرغان ہوا
پر جواں مردوں پہ تھی عالم کے فوقیت تجھے
علم سے ایسے ملی آفاق میں حکمت تجھے
ہو چکے غم بس تسلی دے گی اب راحت تجھے
دے گا فرزندی کا اب ایسی صداملت تجھے
ہو مبارک خلد میں دیدار کی نعمت تجھے
دیکھ کر ہوتا تھا روشن ملک اور ملت تجھے
ملک کا مصلح تصور کرتی تھی خلقت تجھے
حق نے دی ایسی ملاحت کی تھی اہلیت تجھے
غیر اور اپنے کریں گے یاد تا مدت تجھے
بس یوں ہی کنج لحد میں دے صارکت تجھے

رقبہ تھا لیکن ملکہ کی وفات پر ایک کروڑ گیارہ لاکھ مربع میل تھا جو پہلے رقبے سے آٹھ گنا زیادہ ہو گیا جس سے فی الحقیقت یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ **برٹش حکومت میں کبھی آفتاب غروب نہیں ہوتا** یعنی اتنی وسیع سلطنت کہ اس کے کسی نہ کسی حصے میں ہر وقت آفتاب نکلا رہتا ہے۔ آپ کو اپنی رعایا نہایت عزیز تھی اُن پر مادرانہ شفقت اور مہر کی نگاہ تھی۔ رعایا کی بہتری حالت اور فلاح کی دُھن تھی۔ جو والیان ملک ہندوستان انگلستان گئے اُن کے مرتبے کے شایاں اعزاز و احترام سے ایسی محبت اور خلوص سے پیش آئیں کہ اُن کو اپنی مہمان نوازی اور اخلاق حسنہ کا گرویدہ کر دیا۔ **ملکہ کا انتقال پر ملال**۔ (۸۱) سال آٹھ ماہ کی عمر میں اس نیک دل اور خیر مجسم ملکہ نے ۲۲ جنوری سنہ ۱۹۰۱ء کو شام کے ساڑھے چھ بجے محل آسبورن میں انتقال کیا جس سے ساری وسیع سلطنت میں غم و الم کی گھٹا چھا گئی اور گھر گھر اُن کا ایسا ماتم ہوا جیسے اپنے کسی عزیز قریب کا ہو۔ یکم فروری سنہ ۱۹۰۱ء کو دو بجے دن کے آپ کا جنازہ شاہی مراسم و اعزاز کے ساتھ ونڈزر کیسل میں لایا گیا جہاں آپ ۴ فروری کو سپرد خاک کی گئیں اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے داغ مفارقت دے گئیں۔ آپ کے مجسمے جابجا ہندوستان میں موجود ہیں لیکن سب سے بڑی یادگار **وکٹوریا میموریل ہال** کی عالی شان عمارت **کلکتہ** میں لاکھوں روپیہ کی لاگت سے بنی ہے۔ اپنی ہر دل عزیز ملکہ کی آخری یادگار میں رؤسا و معززین ہند نے دل کھول کر معتدبہ رقم کا چندہ دیا جس کا سنگ بنیاد اُن کے پوتے **شہنشاہ جارج پنجم** نے بزمانہ ولی عہدی سیاحت ہند کے موقع پر رکھا۔ **نظم حالی**۔

شاہ ہوں یا ہو گدا محکوم ہوں یا حکمراں
وہ نہیں مرتے کبھی جیتی ہیں جن کی نیکیاں

جاگتا ہے اُن کا تا روز قیامت نام نیک
گو کہ ہیں وہ بے خبر سوتے لحد کے درمیاں

چپ ہیں پر ہے بحر و بر میں پڑ رہی اُن کی پکار
گم ہیں لیکن چپے چپے پر ہیں ثبت اُن کے نشاں

ہاں رہے جب تک رہے ایسے مرنجان و مرنج
غیر سمجھے اُن کو اپنا اور دشمن مہرباں

اور چلے جس وقت دنیا سے گئے دنیا میں چھوڑ
خوبیوں کی اپنی ایک اک کی زباں پر داستاں

اُن کا جینا کیسی نعمت ہو گی دنیا کے لیے
جن کا مرنا اُن کے حق میں ہے حیات جاوداں

زندگی سے اُن کی ہرگز نیتیں بھرتی نہیں
پائیں گر بالفرض عمر نوح بھی آ کر یہاں

گیا جس میں گورنمنٹ کی کونسل اور بہادر کونسلوں میں ہندوستانی ممبران کی تعداد
بڑھائی گئی اور یونیورسٹیوں کو اپنی طرف سے نمائندے بھیجنے کا اختیار دیا گیا
جشن جوبلی — ۱۸۸۷ء میں پچاس سالہ جشن جوبلی انگلستان و ہندوستان
کے ہر ہر مقام پر بڑے جوش مسرت اور اظہار عقیدت سے رعایا نے منایا اور اسی طرح
۱۸۹۷ء میں ڈائمنڈ جوبلی شصت سالہ حکومت کا جشن اس سے بھی بڑھ کر ہوا
جس کے جلسے میں دلی کے ٹاؤن ہال میں شمس العلماء ڈاکٹر مولوی حافظ نذیر احمد
مرحوم نے یہ نظم پڑھی:-

لطف مدت جو خوشی ہوئی غم میں	کہ پڑی جوبلی محرم میں
ایسی تقریب میں نہ خوش ہوں تو پھر	کیا تفاوت دواب میں ہم میں
ہیں حلالی رعیت انگریز	اک طرح پر حروف ثم ثم میں
روئے اک آنکھ اور ہنسے ایک آنکھ	رقص کی تان نکلے ماتم میں
دل میں ہو آہ منہ سے نکلے واہ	لغو واہیات دونوں اک دم میں
دم رہے اگر ہو شادی مرگ	ڈوب جائیں گے آب زمزم میں
قحط میں ہو یا وبا ہو یا افلاس	جائیں سب ایک دم جہنم میں
ہم بھگت بھر کے ہم کو دکھلاؤ	وہ نہیں ہم کہ تا دلیوں کم میں
زیر رعایت اصول کی رکھنا	دیر میں کم ہمن ال ثیام میں
ملکہ کو دعائیں دو دل سے	کہ رہیں تا بدیر عالم میں
آفتاب اُن کے عدل کا تاباں	ہے یورپ میں دیتے کیم میں
ہند ورزش پائے اُن کی ہمت سے	تره بر کار بسم میں
وہ شہنشاہ روم کی ہوں رفیق	بحر مواج و را عظم پر
اور کبھی کشمکش ہو واقع	دونوں کے ارتباط باہم میں
کاش اڑتا ہوا دکھائی دے	ٹوپ[1] میں ایک جھنڈا ہم میں

توسیع مملکت — جس وقت ملکہ معظمہ نے عنان حکومت اپنے دست مبارک
قدرت میں لی اُس وقت برٹش سلطنت کے زیر حکومت سترہ لاکھ ستاسی ہزار مربع میل

[1] انگریزوں کا جھنڈا ۱۲

کے لیئے ایکٹ نمبر (٢٠) پاس کیا - مشہور مدبر **لارڈ مکالے** نے ١٨٦١ء میں مجموعہ تعزیرات ہند و ضابطۂ دیوانی و فوجداری جاری کر کے صدر عدالت سوپریم کورٹ کی جگہ ہائی کورٹیں قایم کیں - کلکتہ - بمبئی و مدراس میں تعلیمی یونیورسٹیاں قایم کی گئیں - ایڈیڈ گورنمنٹوں کو مالی امداد دی گئی - ١٨٧٧ء میں ہندوستان میں بڑا سخت قحط پڑا - انگلستان سے تقریباً ایک کروڑ روپیہ بطور چندے کے بھیج کر عملی ہمدردی کا ثبوت دیا - **لارڈ رپن** کے عہد وبیسرائلٹی میں **ڈسٹرکٹ اور لوکل بورڈول** اور دیہات اور شہری میونیسپلٹیوں کے نام سے جماعتیں قایم تھیں اُن کے اختیارات بڑھا کر ان میں اہل ملک کو بذریعۂ انتخاب شرکت کا موقعہ دیا گیا تاکہ مقامی ضروریات صفائی - صحت - تعلیم - سڑکوں - پلوں - کارہاے رفاہ عام کے انتظام میں خود اہل شہر ہی زر مالیہ و چنگی و دیگر ٹیکسوں سے اخراجات کے لیئے پبلک سے رقوم بہم پہنچائیں خود ہی اپنی مرضی سے حسب ضرورت خرچ کریں **غیر سرکاری مدارس کو سرکاری** امداد دینے کا طریقہ جاری کیا گیا **البرٹ بل** پاس کر کے ہندوستانی مجسٹریٹوں کے اختیار میں توسیع کی گئی - ان ہی ہر دل عزیز وایسراے کے عہد میں پریس کو پوری آزادی عطا ہوئی - ہندوستانی عورتوں کے آرام و پردے کے خیال سے **لیڈی ڈفرن ہسپتال** جابجا قایم کی گئیں - جن کے لیئے گورنمنٹ کے علاوہ والیان ملک نے بھی فیاضانہ امداد دیں - **امپیریل سروس ٹروپس** - ہندوستانی والیان ملک کی طرف سے گورنمنٹ کے اظہار وفاداری اور جنگی امداد کے لیئے حضور عالی نظام دکن کی تحریک پر بہت سے والیان ملک نے اپنی ریاستوں میں امپیریل سروس ٹروپس کے نام سے رکھی جو بالکل انگریزی طریقے پر آراستہ ہے - ایسی فوج کی تعداد کوئی ایک لاکھ ہے جو جنگ کے موقع پر انگریزی فوج کے دوش بدوش گورنمنٹ کی امداد کر سکتی ہے **کونسلوں میں انتخابی اصول** - ہندوستانی تعلیم یافتوں کو ملک کے انتظامی معاملات میں عملی حصہ دینے کے لیئے ١٨٩٢ء میں پارلیمنٹ نے ایک قانون جاری

---

[1] تعزیرات ہند کا جو اُردو ترجمہ اس وقت نافذ ہے وہ بحکم گورنمنٹ میرے والد مرحوم جناب مولوی نذیر احمد صاحب ہی کا کیا ہوا ہے جو آج تک مستند مانا جاتا ہے اور معمول بہ ہے اور جس کے صلے میں ڈپٹی کلکٹری کی نامزدگی کے علاوہ ایک بیش قیمت طلائی گھڑی بھی انعام میں مرحمت ہوئی من المصنف ١٢

دربار کا اثر

دربار کے اختتام کے بعد چند سال کے تجربے سے ہندوستان کے بہترین ارباب حل وعقد کی یہ رائے قائم ہوئی کہ ملکہ معظمہ کے خطاب قیصر ہند لینے سے عمدہ اور اہم پولیٹکل نتائج ظہور پذیر ہوئے عملی طور پر دیکھا جائے کہ رؤسائے ہندوستان دراصل برٹش گورمنٹ کی برتری اور علو مرتبت کو تسلیم کر چکے تھے لیکن پھر بھی بعض رئیس صاحب کوئی مناسب موقع دیکھ پاتے تھے تو اُن کو خود مختاری کی لہر آجاتی تھی ۔ جو تمغے سکڑوں برس پہلے ہو سکتے تھے وہ آج تک ماند تھے اُن کے تمسک سے بعض رئیسانِ ومرتب میں اپنے آپ کو ویسرائے کے ہم پلہ سمجھتے تھے ۔ حضور عالی نظام ۔ ہز ہائینس مہاراجہ گائکوار بڑودہ اور حضور ویسرائے بہادر کی سلامی کی توپوں کی تعداد یکساں تھی اور ہندوستانیوں کے نقطۂ خیال سے یہ ایک کھلی دلیل مساوات کی تھی ۔ اس دربار کے بعد نائب السلطنت کی سلامی اکتیس توپوں کی ہو گئی ۔ درحقیقت اب یہ بات گھر گھر میں بری اور ہندوستان میں عام طور پر ظاہر و باہر ہو گئی کہ اس دربار کے انعقاد سے تاج برطانیہ کے علو مرتبت کا اعلان ہو گیا اور یہ ایک بڑی پولیٹکل دانشمندی اور پیش بندی کا کام تھا جس سے نہ صرف وسیع مملکت ہند میں برٹش راج کی بنیاد گاڑ دی بلکہ اس کا معتدبہ اثر بھی سلطنت ہند کی سرحدی ممالک پر کچھ کم مترتب نہیں ہوا ۔ ملکہ معظمہ قیصر ہند کوئین وکٹوریا آنجہانی ایک رحمت الٰہی تھیں جن کی ولادت ۲۴ مئی ۱۸۱۹ء میں ہوئی ۲۰ جون ۱۸۳۷ء کو تخت نشین ہوئیں ۔ آپ کی ترسٹھ سال سات مہینے کی طول طویل سلطنت شروع سے آخر تک خیر و برکت ۔ ترقی واطمینان یا جامع الفاظ میں رحمت الٰہی کا مصداق تھا اور اسی سبب سے آپ **وکٹوریا دی گُڈ** کے حق بجانب لقب سے یاد کی جاتی ہیں ۔ ترسٹھ برس کی ایسی زبردست سلطنت کے واقعات قلمبند کرنے کے لیئے کئی جلدیں درکار ہیں چنانچہ آپ کی متعدد سوانح عمریاں بڑے اہتمام سے لکھی جا چکی ہیں ۔ یہاں بہت مختصر طور پر بقدر تعلق ہندوستان کچھ تھوڑا سا ذکر کرنا لازم ہے ۔ آپ کے عہد معدلت مہد میں (۲۶) ہزار مربع میل سے دس لاکھ اڑسٹھ ہزار مربع میل سلطنت کو وسعت ہوئی ۔ آپ نے رعایاہند کی بہتری کے لیئے ۱۸۵۹ء بنگال کے زمینداروں اور مزارعین کے باہمی تعلقات کے انسداد

ہونے کی مسرت مجھ کو حاصل ہی۔ سنے جانے ہو گا کہ آپ کی حسن لیاقت اور بے غرضانہ تندہی جو رفاہ رعایا میں آپ سے ظہور میں آئی ہی میرے دل پر بڑا اثر ہی اور جو بے بہا مدد مجھ کو آپ سے پہنچی ہی اُس کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ امی عالی جناب صاحبانِ گورنر مدراس و بمبئی آپ اس عظیم الشان جلسہ میں کسی قدر ذاتی تصدیعہ گوارا کرکے شریک ہوئے ہیں۔ آپ نے اس بڑے فرض کے ادا کرنے کے لیئے اپنے فرائض کی ذاتی نگرانی اور پیروی کو ملتوی رکھا ہی اور وہ فرائض ایسے ہیں کہ ہر وقت محنت طلب اور ضروری مگر اس وقت خصوصاً پر تردد ہیں لیکن مجھ کو یقین ہی کہ جلسہ کا نتیجہ سلطنت کے عام نفع اور بہبودی میں خلل انداز نہ ہو گا بلکہ بہت مفید پڑے گا کیوں کہ یہاں آپ کی موجودگی کے سبب سے ہمارے مشوروں کو روشنی اور ہماری تدبیر کو اتفاق اور یک دلی حاصل ہوئی ہی۔

صاحبو! اب میری آپ سے یہ درخواست ہی کہ آپ اپنے اپنے گلاس بھر لیں اور سب مل کر علیا حضرت ملکۂ معظمہ قیصر ہند کی درازی عمر و تندرستی و امن و امان و اقبال مندی کا جام نوش کرنے میں میرے شریک ہوں۔" یہ کہنے کی کیا ضرورت ہی کہ سب نے اس ٹوسٹ کو بڑے ذوق بشوق سے پیا۔ باقی پروگرام یہ ہی:۔

۲ر جنوری۔ گھوڑ دوڑ۔
۳ر فوجی کرتب۔ اسی رات کو آتش بازی۔
۴ر رخصتانہ ملاقاتیں۔
۵ر فوجی ریویو۔
۶ر دہلی سے حضور ویسرائے کی روانگی۔

لی ریاست سائیں ۔ قوت سا ہنستا ہی جو اپنے فرائض سے
آگاہ اور اپنے حقوق پر معتمد ہے اُس کی ایسی شان دار اور پرتاثیر
نمائش جو آج ہم کو دیکھنی نصیب ہوئی ہے اور جس کی شرکت ہماری
دوامی عزت کا موجب ہوگی اس سے اُس حقیر مسئلے کے معتقدوں
کو جس کا ذکر ابھی ہو چکا ہے پر معانی اور کافی ایما اس امر کا ہوگا
اعلیٰ حضرت ملکۂ معظمہ مثل ملکۂ الزبتھ آنجہانی عورت کے کم زور
قالب میں بڑے بڑے ذی اقتدار بادشاہوں کا سا دل و دماغ
رکھتی ہیں اور اس سلطنت کے متعلق جو کام اُن کی زیر نظر ہے کسی
حالت میں اُس سے دست بردار نہ ہوں گی اور اس بڑی میراث
کو اُس کی اولاد کے لیے جو بطور امانت اُن کے قبضے میں ہے کسی دوسرے
کے حوالے نہ کریں گی ۔ مگر صاحبو! ان وعدوں کے پورا کرنے
کے لیے ضرور ہے کہ ملکۂ معظمہ اس ملک کے افسران اہل قلم اور
اہل سیف پر تکیہ کریں اور یہ تکیہ وہ فخر اور یقین کے ساتھ کر سکتی
ہیں کیوں کہ مجھے یقین ہے کہ شاہ برطانیہ کی وسیع سلطنت میں جو مختلف
ملکوں میں پھیلی ہوئی ہے کسی جگہ کے ملازم اس ملک کے ملازموں
سے زیادہ لایق اور دل چلے ۔ اس ملک کے ملازموں سے زیادہ
فہم و فراست اور تن دہی سے کام کرنے والے اور اس ملک کے
ملازموں سے زیادہ اعتبار اور عنایت خسروانہ کے سزاوار نہیں ہیں
چوں کہ میں اس وقت اپنے تئیں بعض ایسے صاحبوں سے مخاطب
پاتا ہوں جو متعلقانِ ملک اس حیرت افزا جماعت کے نہایت
ممتاز قایم مقام ہیں جن سے سلطنت ہند نے نشو و نما پائی
اور جن سے اس کو استحکام پہنچا ہے ایسے عمدہ موقع پر
میرا یہ کہنا نہ صرف اُن صاحبوں سے جو کونسل کے ممبر اور سلطنت
ہند کے بڑے بڑے صوبوں کے گورنر اور لفٹنٹ گورنر ہیں
بلکہ گورنمنٹ ہند کے اُن ملازموں سے بھی جن سے واقعا

صیغۂ آئین و وضع قوانین پر جن مشہور صاحبوں نے اپنا وقت اور فکر صرف کیا ہی اُن میں سے ایک نہایت عقیل اور ممتاز صاحب کا ایک قول ہی اور اُس قول سے مجھ کو کلیتہً اتفاق ہی - اُس قول کے الفاظ تو اس وقت مجھ کو ٹھیک ٹھیک یاد نہیں مگر مضمون یہ ہی کہ اگر نا انصافی کا ایک فعل بھی دیدہ و دانستہ ہم سے ظاہر ہو یا عدالت گستری کے اُن اصول سے جو اب تک ہماری گورنمنٹ کے رہنما رہے ہیں ایک امر میں بھی اس طرح انحراف ہو جائے کہ سب کی آنکھ اُس طرف پھرے یا ایک مثال بھی ایسی پائی جائے جس سے ظلم کی دادرسی میں ہماری ناقابلیت یا نارضامندی صاف صاف ثابت ہو خواہ مظلوم ادنیٰ ہو یا اعلیٰ - گورا ہو یا کالا - تو یہ امر ملک ہند میں دولت برطانیہ کے لیے مالی یا فوجی انقلاب کی ز[illegible] زیادہ سبکی کا باعث ہوگا - یہ راے جو سر فٹز جیمس اسٹیفن نے ظاہر کی ہی - ٹھیک ٹھیک اُس اصول کو بتاتی ہی جس کے باعث ہند میں انگریزوں کی سلطنت قایم ہی اور جو اُس کی تدبیر ملکی کا رہنما ہی اور صاحبو! میں خیال کرتا ہوں کہ جس فعل شاہنشاہی کی آج ہم نے تکمیل کی ہی اُس کے خاص معنے یہی ہیں کہ اصول مذکورۂ بالا کو اُس کے سب سے بڑے شارح یعنی حضرت ملکۂ معظمہ نے احتشام کے ساتھ منظور فرمایا ہی اور برملا مانا ہی - لیکن لقب شاہنشاہی کے اعلان کے معنے کچھ اور بھی ہیں یعنی یہ کہ آج سے شاہ برطانیہ نے اور اس کی وجہ سے قوم انگریز نے اس امر کی ذمہ داری لی ہی کہ اس سلطنت کو قایم رکھیں گے اور اس کی حفاظت کریں گے - آپ صاحبوں کو بے شک یاد ہوگا کہ تھمسٹکلیز یونانی یہ فخر کیا کرتا تھا کہ میں چھوٹی ریاست کو بڑی ریاست بنا سکتا ہوں مگر حال کے زمانے میں ملکی مدبروں کی ایک ایسی جماعت نکل پڑی ہی جس کے نزدیک بظاہر ملکی تدبیر کا کمال اسی میں ہی کہ جہاں تک ممکن ہو بڑی سلطنت کو گھٹا کر

کس ذریعے سے حل کیجیئے اور جو صورت اُس کے حل کی نکلے اُس کو کس بل پر قایم رکھیئے ؟ - ہم پوچھتے ہیں کہ کیا وہ بل ہماری فوج کا زور ہی؟ کیا وہ بل ہماری دیسی رعایا کا ہم پر بھروسہ ہی؟ کیا وہ بل ہمارے ممتاز دوست والیان ملک کی وفاداری اور ہمارے معتمد رؤساے باتمکنت کی ہوا خواہی ہی ؟ ان سوالوں کا جواب اگر مجھ سے پوچھو تو ہاں بھی ہی اور نا بھی - ہاں اِس وجہ سے کہ یہ سارے اسباب اُس کی اُستواری کا موجب ہیں اور نا اِس وجہ سے کہ فقط یہی موجب نہیں ہیں - ہماری فوج کی کارگزاری ہمارے دوست والیان ملک اور رؤساے تابعین کی وفاداری عمدہ اور نمایاں طور سے ثابت ہو چکی ہی مگر اِس میں بھی کلام نہیں کہ اِس سلطنت کو جو تقویت حاصل ہی وہ اِس بات سے اور اِس بات کے مد نظر رکھنے سے ہی کہ کوہ ہمالیہ سے راس کماری تک ہند میں ایک بھی دیسی ریاست ایسی نہیں کہ اگر سلطنت انگلشیہ کا سایۂ حمایت اُس کے سر پر سے دفعۃً اُٹھ جائے تو اُس کے راج میں خلل نہ آئے اور عالم درہمی برہمی کی نوبت نہ پہونچے مگر اِس امداد کا نتیجہ کہاں سرا اور ہر نسبت میرے نزدیک ہماری سلطنت ہند کی اصل طاقت اور اِس طاقت کی اُستواری کا پختہ کھیل ہماری حکومت کی دادرسی ہی کہ جس کو کسی طرح کی جنبش نہیں اور نہ اُس میں کسی طرح کی رو رعایت اہل ہند کے تمدن سے متعلق - جن بڑے بڑے امور کو سرکار انگریزی نے ہاتھ لگایا ہی اُن میں فی الواقع اِس امر سے زیادہ دل جیسا کوئی نہیں جس مسئلے کے حل کرنے میں ہمارے جوڈیشل افسر آج کل مصروف ہیں اِس سے اہم مسئلہ ضرورت اور نتائج کے اعتبار سے شاید ہی کوئی ہوگا میں چاہتا ہوں کہ اِس کار اہم میں ان کی کامیابی کے ساتھ جو دلی لگاؤ مجھ کو ہی اُس کا اظہار کروں اور جس بے غرضی اور غیر طرفداری اور رحم و استقلال سے وہ اِس کام کو انجام دیتے ہیں اور رونق دیتے ہیں اُس کا مؤدبانہ طور سے اعتراف کروں - گورنمنٹ ہند کے

اور چلے ۔ نہ کوئی اُس سے تعرض کرے نہ اُسے ستائے مگر اُس کو بھی اختیار نہیں کہ اور لوگوں پر دست درازی کرے ۔ بادی النظر میں یہ تدبیر بہت سیدھی سادی اور سب کو مرغوب نظر آتی ہے اور اُس پر عمل درآمد کرنا بہت آسان دکھائی دیتا ہے مگر جب ایسی سلطنت میں اُس کا برتاؤ کیا جائے جس میں مختلف قوموں اور مختلف مذہبوں کے آدمی آباد ہوں اور اُن کے خیالات اور راہ و رسم میں اختلاف ہو تو انتظام میں ایسی ایسی دقتیں پڑتی ہیں جو نہ قیصر روم سے حل ہوئیں اور نہ شارلمین سے اور نہ اکبر سے ۔ یہ کہدینا آسان ہے کہ ہم اس ملک میں امن و عافیت قایم رکھیں گے لیکن اس کام کے واسطے ایسے قوانین کا ہونا ضرور ہے جن سے اُن کے اُن جھگڑوں قضیوں کا تصفیہ ہو جو امن میں خلل انداز ہوتے ہیں اور جب قوانین کا ہونا ضرور ہے تو پھر اُن کی تالیف ایسے طور پر ہونی چاہیئے کہ وہ تمام صورتوں پر حاوی ہوں اور بہ آسانی سمجھ میں آسکیں ۔ پھر جب ایسے قوانین کا جاری کرنا ضروری سمجھا گیا تو یہ بھی لازم ہوا کہ اُن قوانین کے موافق انصاف کرنے کے لیئے جج مقرر ہوں اور ججوں کے احکام کی تعمیل کے واسطے پولیس ہو اور ججوں اور پولیس اور رعایا ان سب لوگوں کی حفاظت کے واسطے فوج ہو ۔ اب اگر کسی بڑے وسیع ملک کا جہاں کے باشندے قرنوں سے اس بات کے عادی ہوں کہ آپس میں لڑیں مریں ۔ اس تکلف کے ساتھ انتظام کیا جائے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا تو عموماً یہ معلوم ہوگا کہ جو کام ہم کر رہے ہیں وہ دراصل وہاں کے باشندوں کی عادات و اطوار کا بدلنا اور اُن کو ایک خاص ڈھنگ پر لانا ہے اور اس میں کسی طرح کی سختی اور زیادتی بھی نہیں ہوتی بلکہ بڑی آہستگی اور نرمی اور ہمدردی کی جاتی ہے مگر تاہم تغیر و تبدل برابر چلا جاتا ہے ۔ غرض یہی کام نہایت کٹھن ہے جس کو پورا کرنے کا سلطنت برطانیہ نے بیڑا اُٹھایا ہے ۔ اب جو ہم اس کام پر غور کرتے ہیں تو خود بخود یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس مسئلے کو

اور بدعت کی جو پوچھو تو سرے سے ہندوستان میں انگریزی سلطنت ہی
سرتاسر بدعت ہے۔ اس کی ماہیت بھی بدعت ہے۔ اس کی صورت بھی بدعت
ہے۔ یہ بڑی بدعت ہے اور شاید ایسی بڑی بدعت ہے کہ جہاں میں آج تک اس
کے برابر دیکھنے میں نہیں آئی۔ لیکن اگر یہ قول درست ہے کہ دیر آید درست آید
تو یہ بدعت اس طرح رفتہ رفتہ پھیلی ہے کہ اندیشے کی اس میں کچھ جگہ نہیں کیونکہ
تقریباً تین سو برس سے اس کا سلسلہ جاری ہے۔ ۳۱ دسمبر ۱۶۰۰ء کو انگلستان
کی ملکہ الزبتھ نے تاجران انگلستان کی ایک چھوٹی سی کمپنی کو ہندوستان
میں تجارت کرنے کے لیے فرمان عطا کیا۔ یکم جنوری ۱۸۷۷ء کو اسی انگلستان
کی ملکہ وکٹوریا کے خطاب قیصر ہند کا اعلان ہوا اور اس سلطنت کی مطیع و
فرماں بردار رعایا نے کہ جس میں مدت سے وہ کمپنی بھی شامل ہو گئی ہے۔
اس کو خوشی سے سنا۔ پس اگر یہ بدعت ہے تو ان بدعتوں کے سلسلے کا نتیجہ ہے جو
انگریزوں سے انگلستان میں برابر ہوتی چلی آئی ہیں اور اتفاق عجیب سے
انگلستان کی ایک بڑی ملکہ کے عہد میں اس کا آغاز ہوا اور دوسری بڑی
ملکہ کے عہد میں اس کا انجام ہوا۔ اب اگر ہم سے کوئی یہ پوچھے کہ خطاب
شاہنشاہی کے معنے کیا ہیں؟ تو میرے نزدیک یہ جواب دیا جانا چاہیے کہ
معنے دریافت کرنے چاہتے ہو تو آنکھیں کھول کر چاروں طرف نگاہ کرو
اور جس سلطنت عظمیٰ پر یہ خطاب دلالت کرتا ہے اسی کی ماہیت کے اندر اس
کے معنے دیکھ لو۔ مگر یہاں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس سلطنت کی
اصلی اور ملکی اور تاریخی عظمت کیا ہے؟ یہ سوال ایسا ہے کہ اس کا پورا پورا
جواب اس موقع پر نہیں دیا جا سکتا مگر میری رائے میں ہم عموماً اور سرسری
طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہندوستان میں انگریزی سلطنت کے یہ معنے ہیں
اور یہی معنے سب معنوں پر فضیلت رکھتے ہیں کہ اس کی رعایا امن و امان
سے بسر کرتی ہے اور ہر ایک کو اختیار ہے کہ اپنے طور پر بشرطیکہ اس میں کسی
جرم کا اقدام یا ارتکاب نہ پایا جائے۔ روپیہ کمائے اور دولت مند ہو جائے
اور ہر ایک کو اجازت ہے کہ جس مذہب و ملت کا وہ پابند ہے اس پر قائم رہے

اُس میں تمام گورنران اور ہز اکسلنسی کمانڈران چیف بہادر و چیف کمشنر صاحبان و دیگر معزز حکام انگریزی کے علاوہ کئی معزز و ممتاز والیانِ ملک اور رؤسائے عظام غرض یہ کہ کُل عمائدین شریک تھے - اس دعوت میں جناب ملکۂ معظمہ قیصر ہند کا جامِ صحت تجویز کرتے وقت حضور وِیسرائے نے یہ تقریر دلپذیر فرمائی :- "آج دوپہر کے وقت ہم ایک ایسے امر کا اعلان کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے جو صفحۂ تاریخ پر دوبارہ نہیں لکھا جائے گا اور وہ امر یہ تھا کہ برطانیۂ عظمیٰ کے شاہی خطابوں اور القابوں پر ایک اور خطاب زیادہ کیا گیا ہے اور وہ یہ خطاب ہے کہ اس کے سوا اور کوئی خطاب ایسا نہیں جو اس سلطنت کی عظمت جسے ممالک مشرقی کے اس بڑے قطعے میں استحکام کو پوہنچانا ہماری جناب ملکۂ معظمہ کے حصے میں آیا ہے - پورا پورا ادا کر سکے ہندوستان کے فرماں رواؤں میں جو برتری اور منزلت علیا اعلیٰ حضرت ملکۂ معظمہ کو مدت سے حاصل ہے اور جس کو ہندوستان کی رعایا مدتوں سے تسلیم کرتی چلی آئی ہے اور اس ملک کے قدیم راجاؤں اور بادشاہوں کے مرتبے سے بھی بڑھ کر جانتی رہی ہے اس کے لیے اگر شایاں ہے تو یہی خطاب شایاں ہے - اب ہم اس وقت پھر یہاں جمع ہوئے ہیں کہ پہلی ہی دفعہ اعلیٰ حضرت ملکۂ معظمہ کی صحت کا جام پئیں - نہ بہ حیثیت ملکۂ انگلستان بلکہ قیصر ہند کی حیثیت سے بھی - صاحبو! جب ملکۂ معظمہ نے یہ خطاب اختیار فرمایا اور خداوند تعالیٰ نے اس مملکت میں جو مرتبۂ اعلیٰ اُن کو عطا کیا ہے اُس کے سارے حقوق کو خطاب کے اختیار کرنے سے پہلے علانیہ قبول کیا اور داب سلطانی کے ساتھ مان لیا اور اس مرتبے کے فرائض کا ادا کرنا بھی اپنے اوپر واجب جان لیا تو انگلستان میں بعض مدبران ملکی نے جو کم حوصلہ ہیں اور بوجہ تنگ نظری یہ نہیں دیکھ سکتے کہ تبدل عظیم کے سارے ابتدائی مدارج طے ہو چکے ہیں یہ ڈھکوسلا نکال کھڑا کیا کہ یہ امر بدعت ہے اور اس بدعت میں اندیشہ ہے - حقیقت میں لقب کا اختیار کرنا اس قدر بدعت نہیں ہے جس قدر وہ اندیشہ بدعت ہے جو اُن کو اس خیال سے پیدا ہوا ہے -

"ماہدولت وکٹوریہ بفضل خدا سلطنت متحدہ کی ملکہ اور قیصر ہند۔ اپنے نائب السلطنت کی معرفت اپنے سب سرداروں، اہل قلم و اہل سیف اور کل رؤسا و امرا اور رعایا کو جو دہلی میں اس وقت مجتمع ہیں۔ اپنی شاہی اور قیصری دعا پہنچاتی اور اپنی توجہ دلی اور شفقت شاہانہ سے ہند کی رعایا کو مطمئن فرماتی ہیں۔ جو تکریم و تواضع رعایائے ہند نے ماہدولت کے در بدولت کے ساتھ کی۔ اس سے ماہدولت کو مسرت حاصل ہوئی اور ماہدولت کے خاندان اور تخت کی نسبت ان کی اس ارادت اور عقیدت نے ماہدولت کے دل پر بڑا اثر کیا۔ ماہدولت کو امید ہے کہ اس روز مبارک کے باعث روابط محبت ہمارے اور ہماری رعایا کے درمیان زیادہ مستحکم ہوں اور ہر ایک اعلیٰ ادنیٰ اس بات کا یقین کرے کہ ہمارے عہد میں حکومت کے بڑے اصول یعنی آزادی اور عدل و انصاف ان کو حاصل ہیں۔ یہ ماہدولت کی سلطنت میں ان کی خوشی کی افزائش۔ ان کی سرسبزی کی ترقی اور ان کی بہبودی کی فروغی۔ مدام مد نظر ہے"۔ میں یقین کرتا ہوں کہ آپ لوگ ان الفاظ محبت آمیز کو نہایت عزیز رکھیں گے۔ خداوند کریم وکٹوریا ملکہ سلطنت متحدہ اور قیصر ہند کو سلامت رکھے۔ اس تقریر کے اختتام پر تمام حاضرین مجمع بصد سرور قد کھڑے ہو گئے اور فوج کے ساتھ ساتھ پانچ چیرز دینے لگے۔ والیان ریاست کی جانب سے ندریں پیش ہوئیں اور بعض حضرات نے بھی ضمن میں مبارکباد کے کلمات کہے۔ سب سے پہلے مہاراجہ سیندھیا نے کھڑے ہو کر کہا "شاہنشاہ پادشاہاں۔ خدا آپ کو برکت دے۔ والیان ہند آپ کو مبارکباد دیتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ آپ کی بادشاہت اور طاقت ہمیشہ کے لیئے برقرار رہے"۔

دعوت شاہنشاہی

بسم حضوری روز نوروز کو خوشتر کے وقت دہلی میں دعوت شاہنشاہی ہوئی تھی[1]

[1] اس وقت شہر کی آبادی کے علاوہ امرا و رؤسا و فوج و ہمراہیاں سے ملا کر دو لاکھ آدمیوں کی تعداد تھی جو اس عالی شان دربار میں جمع ہوئے تھے۔ ۱۲

وہ برتاؤ عمل میں لائے جس میں کسی طرح کی مزاحمت نہ ہو۔ لیکن حضرت ممدوحہ کے اغراض و فرائض صرف وہی نہیں جو اُن کی سلطنت سے متعلق ہیں۔ وہ بخلوص نیت یہ بھی خواہش رکھتی ہیں کہ اُن ممالک کے حکمرانوں سے جو اس سلطنت کے حدود پر واقع ہیں اور اس کے ظل حمایت میں مدتوں سے خود مختار رہے ہیں۔ کمال محبت اور دوستی کا رابطہ قایم اور مستحکم رکھیں۔ ہاں اگر کبھی اس سلطنت کے امن وامان میں کسی بیرونی تہدید سے کچھ خطرہ ہوگا تو قیصر ہند اپنے ان ممالک موروثی کی حمایت میں کسی طرح کی کوتاہی فرمائیں گی بیرونی دشمن کا سلطنت ہند پر حملہ آور ہونا گویا تمام ممالک شرقیہ کی ترقی اور سرسبزی پر حربہ کرنا ہے اور حضرت ممدوحہ کو اپنے ممالک محروسہ کے غیر محدود سرمایہ اور اپنے متعہدوں اور رؤسائے تابعین کی شجاعت اور وفاداری اور اپنی رعایا کی ہوا خواہی و جاں نثاری سے ہر ایک حملہ آور کی مدافعت اور سرکوبی کے لیئے کامل قوت اور پوری قدرت حاصل ہے۔ براعظم ایشیا کے ممالک بعیدہ کے جن بادشاہوں نے اپنے اپنے سفیر اور وکیل تہنیت نامے دے کر بھیجے ہیں۔ اس تقریب مبارک میں اُن کا حاضر ہونا اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ گورنمنٹ ہند کی تدبیر صلح آمیز اور کل ممالک قرب و جوار کے فرمانرواؤں کے ساتھ اُس کا ارتباط دوستانہ ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ حضرت ممدوحہ کی گورنمنٹ ہند کی طرف سے اس جلسۂ قیصریہ میں عالی جناب خان قلات اور اُن سفیروں کو جو دور دراز کی مسافت طے کر کے قیصر ہند کے ایشیائی متعہدوں کی طرف سے حدود انگریزی میں وکالتاً آئے ہیں اور نیز اپنے معزز مہمان گورنر جنرل علاقہ گوآ اور صاحبان کانسل دول خارجہ کو خیر مقدم کہوں اے رؤسا و رعایائے ہند! اب مسرت کے ساتھ آپ لوگوں کو یہ فرمان والاشان جو آپ کی قیصر ملکہ معظمہ نے اپنے شاہی اور قیصری نام سے آپ لوگوں کو بھیجا ہے۔ سناتا ہوں۔ یہ وہ عبارت ہے جو آج صبح کو حضرت ممدوحہ کی طرف سے بذریعۂ تار میرے پاس پونہچی ہے۔

فرمان قیصری

شریک ہونے کا بہت کچھ استحقاق رکھتے ہیں - اس استحقاق کی بنیاد حقیقت الامر
برٹش قوم اور اس کی رعایا اور ہند کے بڑے بڑے سرداروں نے ازراہ تسلیم
لیا ہے اور یہی شاہی یا پارلیمنٹ کے ضوابط سے ثابت ہے اور گورنمنٹ بھی اس کو
اپنے اوپر واجب اور اپنی ملکی تدابیر کی کل مصلحتوں کے موافق سمجھتی ہے اس لیے
گورنمنٹ ہند کو بڑی مسرت اور خوشی ہے کہ چند سال سے ہندوستانی رعایا ملکی
اور خاص کر جو لوگ بڑے بڑے منصبوں پر مامور ہیں اُن کے اوضاع و اطوار میں
نمایاں ترقی ہوئی ہے - اس سلطنت عظمیٰ کا انتظام اس بات پر منحصر ہے کہ جو لوگ
اس میں شریک ہیں اُن میں سے بہت سے آدمی نہ صرف لیاقت علمی کے ساتھ
موصوف ہوں بلکہ ممتاز اور متصف بہ اخلاق حمیدہ ہوں اس سلطنت عالی میں خصوص
جو لوگ خاندان و مرتبہ اور اقتدار موروثی کے باعث آپ لوگوں میں ممتاز ہیں
اُن پر واجب ہے کہ اپنی ذات اور اپنی اولاد کو اس معزز خدمت کے لیے جس کا
ارادہ اُن کے واسطے کیا گیا ہے سزاوار بنائیں اور یہ بات فقط اس تعلیم کے
قبول کرنے سے ہو سکتی ہے جس سے آدمی اُن اصولوں کو سمجھے اور برتنے
کے قابل ہو جس کو ملکہ معظمہ قیصر ہند کی گورنمنٹ نے کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا
رئیس صاحبوں کو لازم ہے کہ دیانتداری اور دیانت و انصاف اور [illegible] کو جو سپاہ
اُن کے اخلاق کی زینت ہے ہمیشہ مد نظر رکھیں - اس صورت میں حضور ممدوحہ
کی گورنمنٹ ملکی انتظام میں آپ لوگوں کی اعانت اور شرکت بڑی خوشی سے قبول
کرے گی کیونکہ گورنمنٹ مذکور دنیا کے ہر ایک حصے میں جہاں جہاں اس کو
اقتدار حاصل ہے - اپنی فوجی طاقت پر اتنا بھروسہ نہیں کرتی - جس قدر ایسی
ایسی رضامند رعایا پر رکھتی ہے جو بالاتفاق اور بہ طیب خاطر اس کی اطاعت
کرتی اور تخت کی حفاظت میں جاں فشانی دکھاتی ہے - کیونکہ وہ جانتی ہے کہ ان کی
دائمی بہبودی اور عافیت اُسی کی سلامتی پر منحصر ہے - حضرت ملکہ معظمہ کی سلطنت
ہند کی ترقی کمزور ریاستوں کے فتح کرنے کے لیے یا آس پاس کے علاقے ملا لینے
میں نہیں چاہتی ہیں بلکہ اس میں سمجھتی ہیں کہ اُن کی ہندوستانی رعایا بتدریج
اور ایک لیاقت کے ساتھ اس رحم اور نصفت شعار حکومت میں شریک ہو کر

ہو کر کام دیں۔ اس لائق ہیں کہ آج کے دن اُن کو دل سے ستایش کی جائے۔ اس سلطنت کے رؤسا اور امرا! آپ کی ارادت استواری سلطنت کی کفیل اور آپ کی خوشحالی جلال سلطنت کی دلیل ہے۔ حضرت ملکۂ معظمہ کو بھروسہ ہے کہ اگر خدا نخواستہ اس سلطنت کے مصالح پر کوئی حملہ یا تہدید واقع ہو تو آپ لوگ اُس کی حفاظت کے واسطے آمادہ ہو جائیں گے۔ حضرت ممدوحہ اس آمادگی پر آفریں فرماتی ہیں۔ میں حضرت ملکۂ معظمہ کی طرف سے آپ لوگوں کو شہر دہلی میں آنے پر مرحبا کہتا ہوں اور اس جلسۂ عظیم الشان میں آپ کے شریک ہونے کو سلطنت برطانیہ کی نسبت آپ صاحبوں کی اُس عقیدت اور خیر سگالی کی روشن دلیل جانتا ہوں جس کا اظہار جناب پرنس آف ویلز بہادر کی تشریف آوری کے موقع پر بڑے شوق سے ہوا تھا۔ حضرت ممدوحہ اپنے مصالح کو عین آپ کے مصالح تصور فرماتی ہیں اور مراسم اتحاد کے استحکام اور ان روابط کے قیام کے واسطے جو اتفاق حسنہ سے دولت انگلشیہ اور اُس کے متوسلوں اور متعہدوں کے مابین موجود ہیں حضرت ممدوحہ نے خسروانہ عنایت سے خطاب قیصری اختیار فرمایا ہے جس کا ہم آج اعلان کرتے ہیں۔

اے دیسی رعایا حضرت قیصر ہند! اس سلطنت کی موجودہ حالت اور دائمی مصلحتیں اس بات کی مقتضی ہیں کہ اُس کے اعلیٰ درجے کے حاکم و ناظم خاص کر ایسے انگریز ہوں جنھوں نے اس تدبیر کے اصول کی تعلیم پائی ہو جس پر کاربند ہونا حکومت قیصری کے تسلسل کے واسطے لازم ہے۔ امور تمدن میں ملک ہند کی پیہم ترقی جو اُس کی ملکی عظمت کو لازم اور روز افزوں قوت کا سبب ہے۔ اکثر انہی مدبروں کے عاقلانہ اختراعات کا نتیجہ ہے اور ضرور ہے کہ ابھی مدت تک فنون و علوم و آداب مغربی جو صلح و جنگ کے موقعوں پر ممالک یورپ کی موجودہ فوقیت کا باعث ہیں۔ ممالک مشرقی میں فائدۂ عام کے واسطے بدستور انھیں کے ذریعے سے جاری اور مروّج رہیں۔ یہ مسلّم ہے کہ آپ صاحب جو ہند کے رہنے والے ہیں خواہ آپ کی قوم و مذہب کچھ ہی کیوں نہ ہو اس ملک کے انتظام میں اپنی اپنی لیاقت کے موافق انگریزی رعایا کے ساتھ

سکے لئے بہا فائدوں سے مستفید کرسکتے ہیں - لیکن ملک ہند میں مغربی شائستگی
کے دانش مندانہ اصلوں کے برتاؤ سے حصول دولت کے وسائل کو جو برابر
ترقی ہوتی رہی ہے اس امر میں یہ ملک کچھ سرکاری ملازموں ہی کا ممنون نہیں
بلکہ ملکۂ معظمہ کی رعایا میں سے اُن اہل فرنگ کا بھی شکرگزار ہے جو ہندوستان
میں رہتے ہیں اور ملازمت سرکاری میں داخل نہیں - ان لوگوں کو تخت
انگلستان اور ملکۂ معظمہ کی ذات خاص سے جو دلی ارادت ہے اور جو فوائد
انھوں نے اپنی محنت - اپنے حوصلے اور رفاہ عام کے کاموں میں بڑی
فیاضی اور اخلاق مدنی سے سلطنت کو پہنچائے ہیں اُن سے حضرت ممدوحہ
بخوبی واقف ہیں اور اُن کی قدر کرتی ہیں - اگر میں آج ایسے موقع پر اس
امر کا اعتراف کرکے اُن کا اطمینان نہ کروں تو حضرت موصوفہ کے ارادہ قیصرانہ
کے اظہار میں قاصر رہوں - چوں کہ حضرت ممدوحہ کی یہ خواہش ہے کہ اُن کی
رعایا میں جن لوگوں سے اُن کی سلطنت کے اس بڑے حصے میں خدمات ملکی
اور محاسن ذاتی ظہور میں آئے ہیں اُن کے اعزاز و امتیاز زیادہ کرنے کے لیے
موقع حاصل ہو اس لیے حضرت ممدوحہ بطیب خاطر صرف طبقۂ اعلاے ستارہ ہند
اور طبقۂ برٹش انڈیا کو کسی قدر بڑھانا ہی منظور نہیں فرماتیں بلکہ ایک نیا
طبقہ موسوم بہ انڈین امپائر مقرر فرماتی ہیں - اے افواج ہند کے انگریز
اور دیسی افسرو اور سپاہیو! تم نے ملکۂ معظمہ کی افواج کا اعزاز
قائم رکھنے کے لیے جو بہادریاں ہر موقع پر جب کہ تم ساتھ ساتھ میدان جنگ
میں گئے ہو - دکھائی ہیں - حضرت ممدوحہ انھیں فخر کے ساتھ یاد رکھتی ہیں اور
چوں کہ حضرت ممدوحہ کو یہ یقین ہے کہ آیندہ بھی آپ ہمیشہ اپنی اُسی وفاداری
کے ساتھ متفق ہوکر اس امر اہم کو بہ احسن الوجوہ سرانجام دیں گے اس
لیے آپ ہی کو یہ بھاری خدمت سپرد کی جاتی ہے کہ آپ حضرت ممدوحہ کے
ممالک محروسۂ ہند میں امن و اماں قائم اور رونق برقرار رکھیں - اے والنٹیر
سپاہیو! آپ لوگوں کی کوششیں جو ہوا خواہی اور کامیابی کے ساتھ
اِس باب میں ظاہر ہوئی ہے کہ اگر ضرورت پڑے تو افواج سرکاری کے ساتھ شریک

کو ظاہر کرتا ہوں - جتنے معزز افسر آپ سے پہلے گزرے ہیں اور جس استقلال سے اس سلطنت عظمیٰ کے فائدے کے لیئے اُنھوں نے محنتیں اُٹھائی ہیں اور اس امر میں ایسی ہمت مستمرہ اور حسن صداقت اور جاں فشانی کو کام فرمایا ہے جس کی نظیر تاریخ میں نظر نہیں آتی - آپ بھی اُن سے کسی طرح پیچھے نہیں رہے تا ہو رہی کے دروازے ہر شخص کے لیئے کھلے ہوے نہیں ہیں لیکن نیکو کاری کا موقع اُس کے طالب کو ہمیشہ مل سکتا ہے - ایسا اتفاق کم ہوتا ہے کہ کوئی حکومت اپنے ملازموں کے منصبوں کی جلد جلد ترقی کر سکے لیکن مجھے یقین ہے کہ دولت انگلشیہ کی ملازمت میں سرکاری خدمتیں اور ذاتی جاں فشانیاں خطابی عزتوں اور ذاتی منفعتوں کی توقع سے بڑھ کر ہمیشہ متحرک ہوتی رہیں گی - ہندوستان کے انتظام میں یہ بات ہمیشہ رہی ہے اور رہے گی کہ نہایت باتائج اور مفید کام اکثر اعلیٰ منصبداروں کے حصے میں نہیں آئیں گے بلکہ اُن صاحبان اصلاح سے متعلق رہیں گے کہ درحقیقت جن کی ہوشیاری اور ہمت پر کل انتظام کا اچھا ہونا منحصر ہے - حضرت ممدوحہ کے ملازمین اہل قلم و اہل سیف جس خوبی کے ساتھ سارے ہندوستان میں ایسی نازک اور مشکل خدمتیں بجالائے اور بجالاتے ہیں جو بادشاہ اپنی رعایا میں سے نہایت معتمد کے سپرد کرے اُن کی نسبت ملکۂ معظمہ کی تحسین و توصیف کے اظہار میں مجھے مبالغے کی گنجایش نہیں - اے **اہل قلم و اہل سیف!** چوں کہ تم آغاز جوانی میں بڑی جوابدہی کے مناصب پر مقرر ہوتے ہو اور خوشی خوشی تن دہی کے ساتھ سخت قواعد کی پابندی کرتے ہو اور بذات خاص انتظام سلطنت کے بڑے بڑے بھاری کام بجالاتے ہو اور پھر وہ بھی ایسے لوگوں میں رہ کر جن کی زبان - مذہب دستور - تمھاری بول چال - تمھاری ملت و رسم و رواج سے مختلف ہے اس لیئے میری دعا ہے کہ ہمیشہ مشکل کاموں کو نہایت استقلال اور نرمی کے ساتھ انجام دیتے وقت یہ خیال تمھارا رہنموں ہو کہ جس طرح ہم اپنی قوم کی نیکنامی قائم رکھنے اور اپنے مذہب کے پر اشفاق احکام کی تعمیل کرتے ہیں اسی طرح اور سب ملتوں اور قوموں کے لوگوں کو جو اس ملک میں بستے ہیں حسن انتظام

برقرار رہے اور حوالی کی تو اُن کی اولاد کو پوچھے اور اسے اپنے قبضۂ
اقتدار میں رکھنے سے اپنے اوپر یہ عین فرض جانتی ہیں کہ اس ملک میں
اس طرح حکمرانی فرمائیں کہ یہاں کی رعایا کی رفاہ و بہبود اور رؤسائے تابعین
کے حقوق بڑی احتیاط کے ساتھ ملحوظ و مدنظر رہیں۔ اس لیے حضور ممدوحہ کو
منظور ہے کہ اپنے القاب پر ایک اور لقب بڑھائیں جو آیندہ سب رؤسا و رعایائے
ہند کے واسطے ہمیشہ اس بات کی علامت رہے کہ طرفین کی مصلحتیں واحد ہیں
اور اس دولت عظمیٰ کی ہوا خواہی اُن پر واجب — جن خاندانوں کی بجائے
ہند میں بہتر طرز حکومت قایم کرنے کے لیے خداوند کریم نے دولت برطانیہ کو مقدر
فرمایا۔ اُن کا سلسلہ سلاطین عظام اور اولو العزم نام سے ممتاز تھا لیکن
اُن کے جانشین اپنی بے تدبیری سے سلطنت میں امن و امان قایم نہ رکھ سکے
فتنہ و فساد نے سلطنت ہند میں مرض ہیضہ کی طرح جڑ پکڑ لی اور بدعملی کا دورہ
رہنے لگا۔ کمزور زورآوروں کے شکار اور زبردست اپنی ہوا و ہوس
کے پھندے میں گرفتار رہے۔ غرض کہ اس طرح خاندان عالیشان تیموریہ
خونریزی کے متواتر سیلابوں سے کٹ کٹ کر اور اندرونی خصومتوں کے
زلزلوں سے ہل ہل کر آخر کو بیٹھ گیا اور بیٹھا ہی تھا کہ ممالک مشرق کی ترقی کا
حامی نہ رہا۔ اب یہ حمایت قوانین جن میں کسی ملت و مذہب کا فرق نہیں ہے
رعایائے حضرت ممدوحہ میں سے ہر ایک شخص امن و امان کے ساتھ گزران
کرسکتا ہے اور ہر شخص کو سرکار کی بے تعصبی کے باعث اس بات کی اجازت ہے
کہ بلاتعرض اپنے اپنے مذہب کے احکام و رسوم ادا کرے — قیصری اقتدار کا
یہ زور ہاتھ جو دراز کیا جاتا ہے وہ کسی کے برباد کرنے اور دبانے کے لیے نہیں
بلکہ حمایت اور ہدایت کے واسطے ہے اور سرکار کے حسن انتظام کا نتیجہ کل ملک
کی ترقی اور صوبوں کی روز افزوں سرسبزی سے ہر جگہ ظاہر و باہر ہے۔
اے اہل برطانیہ کے منظور اور اے وفادار افسرو! یہ فیض اثر نتیجے اکثر آپ ہی
صاحبوں کی متواتر کوششوں سے حاصل ہوئے ہیں لیکن اس بات میں سب سے
پہلے آپ ہی لوگوں پر حضرت ممدوحہ کی طرف سے اُن کی رضامندی اور اعتماد

اٹھارہ برس کی رونق و سرسبزی روز افزوں خود اُن کا ایک ثبوت ہر جن اور جلسہ اُن کی تکمیل کی دلیل روشن ہر - اس سلطنت کے رئیسا اور رعایا جو اپنے اپنے موروثی اعزاز پر بلا مزاحمت برقرار اور اپنے اپنے مصالح وازجہی کی پیروی میں محفوظ رہے ہیں اُن کے لیئے زمانہ گزشتہ کی یہ سخاوت و معدلت آیندہ کے واسطے پوری کفیل ہے - حضرت ملکہ معظمہ نے جو خطاب "قیصر ہند" اختیار فرمایا ہر اُس کے اعلان کے لیئے آج ہم لوگ جمع ہوئے ہیں اور مجھکو اس ملک میں حضرت ممدوحہ کے قایم مقام ہونے کی حیثیت سے لازم ہر کہ اُن کے کریمانہ الطاف جن کے باعث حضرت ممدوحہ نے القاب و منصب موروثی پر یہ لقب اضافہ فرمایا ہر بیان کروں :- حضرت ممدوحہ اپنے تمام ممالک محروسہ پر جو دنیا کے ساتویں حصے پر مشتمل ہیں اور جن میں تیس کروڑ آدمی رہتے ہیں کسی ملک پر اس عظیم و قدیم سلطنت سے زیادہ توجہ نہیں رکھتیں - یوں تو ہمیشہ اور ہر جگہ لایق و کارگزار عہدہ دار سلاطین انگلشیہ کی سرکار میں ہوتے رہے ہیں لیکن جن کی دانائی اور شجاعت سے ہند کی سلطنت دولت انگلشیہ کے قبضۂ اقتدار میں آئی اور قایم رکھی گئی اُن سے زیادہ نامور کبھی نہیں ہوئے - اس کار نمایاں میں جس میں حضرت ملکہ معظمہ کی کل انگریزی اور دلیسی رعایا شایستہ طور سے متفق رہی ہر - اس طبقہ کے عظیم الشان رئیس جن کے ساتھ ملکہ معظمہ کا اتحاد ہو یا جو اُن کی سلطنت کے تابع ہیں وہ بھی از راہ ہواخواہی معین و مددگار رہے ہیں اُن کی سپاہ جنگ کی محنتوں اور فتح کی خوشیوں میں حضرت ممدوحہ کی افواج کے ساتھ شریک رہی ہر - اُن کی وفاداری اور دانائی امن و امان کے فوائد قایم رکھنے اور اُس کے شایع کرنے میں دولت انگلشیہ کی معاون ہوئی ہر اور آج کے دن حضرت ممدوحہ کے خطاب قیصری اختیار فرمانے کا روز سعید ہر اُن کا شریک ہونا اس امر کی دلیل ہر کہ اُن کو حضرت موصوفہ کی حکومت فیض رساں پر پورا اعتبار رہی اور اس سلطنت کے استحکام میں اُن کا فایدہ ہر - حضرت ممدوحہ اس سلطنت کو جو اُن کے بزرگوں سے حاصل اور اُن کی ذات مقدس سے استحکام پذیر ہوئی ہر ارث جلیل سمجھتی ہیں اور اس قابل جانتی ہیں کہ یہ ہمیشہ

سوا بادولت کی مرضی اور خوشی یہ ہو کہ کمیشن چارٹر۔ لٹر پیٹنٹ۔ گرانٹ
ریٹ اور اپائنٹمنٹ اوراسی طرح کی اور دستاویزات میں جاویر بالخصوص
مستثنی کی گئی ہیں وہ اضافہ نہ کیا جائے اور سوا اس کے بادولت کی مرضی
اور خوشی یہ ہو کہ جملہ سونے چاندی اور تانبے کے نقود جو سلطنت متحدہ کے
سکہ جات رائج الوقت اور جائز الرواج ہیں اور جملہ سونے چاندی اور تانبے
کے نقود جو آج یا آج کے بعد بادولت کے حکم سے اسی طرح کے نقوش سے
مسکوک ہوں بلا لحاظ اس اضافے کے جو بادولت کے خطاب و القاب میں کیا گیا
ہو سلطنت متحدہ مذکورہ کے سکہ جات رائج الوقت اور جائز الرواج متصور ہوں
اور سمجھے جائیں اور سوائے اس کے یہ کہ جملہ سکے جو سلطنت متحدہ کے تابع ملکوں
میں سے کسی کے لئے اور کسی میں مسکوک اور جاری ہوئے ہیں اور بادولت
کے اشتہار کی رو سے اُن تابع ملکوں کے سکہ جات رائج الوقت اور جائز الرواج
قرار دیئے گئے ہیں اُن پر بادولت کے خطاب و القاب یا اُن میں سے کوئی
جزو یا اجزا منقوش ہوئے ہیں اور جملہ نقود جو مطابق اشتہار مذکور کے بعد
ازیں مسکوک اور جاری ہوں بلا لحاظ ویسے اضافے کے اُن تابع ملکوں
کے سکہ جات جائز الرواج اور رائج الوقت رہا کریں تاوقتیکہ بادولت کی اور
کوئی مرضی اُس کی نسبت ظاہر نہ کی جائے۔ بادولت کے محکمہ واقع مقام ونڈسر
سے ۱۸۷۶ء کی ۲۸ اپریل کو بادولت کے جلوس کے (۳۹) سال میں صادر ہوا۔

"خداوند کریم جناب ملکہ معظمہ کو سلامت باکرامت رکھے"

تھوڑے توقف کے بعد حضور ویسرائے بہادر نے کھڑے ہو کر زبان انگریزی
سے یہ تقریر فرمائی؛ ۔ یکم نومبر ۱۸۵۸ء کو اعلیٰ حضرت ملکہ معظمہ کے حضور سے
ایک اشتہار جاری ہوا تھا جس میں ہند کے رئیسوں اور رعایا کی نسبت حضور
ممدوحہ کی طرف سے ایسے شاہانہ الطاف اور خسروانہ عنایات کے اقرار درج
تھے جنھیں وہ لوگ اپنے حق میں آج تک سند بے بہا سمجھتے ہیں حضرت ملکہ
معظمہ کی طرف سے جن کے وعدے کو کبھی لغزش نہیں ہوئی ۔ اس وقت جو
اقرار ہوئے ہیں ہماری زبان سے اُن کے اظہار ایفا کی کچھ حاجت نہیں ساں

مزین ہو مستقر فرمائیں اور اس ایکٹ میں یہ بھی لکھا ہے کہ حسب منشائے ایکٹ
مذکورہ اور اشتہار شاہی کے جو مزین بہ مہر اعظم اور مورخہ یکم جنوری سنہ ۱۸۰۱ء
بادولت کے جان کے خطاب و القاب یہ ہیں وکٹوریا بفضل خدا سلطنت
متحدہ برطانیہ کلاں اور آیرلینڈ کی ملکہ حامی دین عیسائی - اور اس
ایکٹ میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایکٹ بابت حسن انتظام گورنمنٹ ہند کے بموجب یہ حکم
نفاذ پایا ہے کہ گورنمنٹ ہند جو اس وقت تک بادولت کی طرف سے سرکار ایسٹ
انڈیا کمپنی بہادر کے تفویض میں بطور امانت تھی بادولت کی تفویض ہو جائے
اور یہ کہ آیندہ کے لیئے اور قرین مصلحت یہ ہے کہ نقل و تحویل گورنمنٹ جو حسب
مذکورہ کی گئی اُس کی تسلیم و پذیرائی اس نہج پر ظاہر کی جائے کہ بادولت کے
خطاب اور القاب میں ایک اور لقب اضافہ کیا جائے اور اس ایکٹ میں امور مذکور
کی تحریر کے بعد یہ حکم ہوا ہے کہ بادولت کو جائز ہوگا کہ نقل و تحویل گورنمنٹ ہند کی
تسلیم و پذیرائی مذکورۂ بالا کی نظر سے اس خطاب و القاب میں جو سلطنت متحدہ
اور اُس کے تابع ملکوں کی بادشاہی سے بالفعل متعلق ہیں بذریعۂ اشتہار مشتہرہ
بادولت مزین بہ مہر اعظم سلطنت متحدہ ایسا لقب اضافہ کریں جو بادولت کو مناسب
معلوم ہو لہذا مابدولت نے حسب صلاح مشیران پراویوی کونسل کے یہ مناسب
سمجھا تھا کہ یہ تعیین و اعلان کریں (اور اس صلاح سے اور اس صلاح کے
بموجب اس اشتہار کی رو سے یہ تعیین و اعلان کیا جاتا ہے کہ آیندہ جہاں تک
بسہولت ہو سکے تمام موقعوں اور تمام دستاویزوں میں جن میں ابدولت کے
خطاب و القاب مستعمل ہوں بجز اور بہ استثنائے جملہ چارٹر و معاہدات ملکی اور
کمیشن (فرامین مناصب) اور لٹرز پیٹنٹ (مکاتیب عامہ) اور گرانٹ (مواہب
و عطیات) اور ریٹ (پروانجات) اور اپائنٹمنٹ (تقررات) اور اسی طرح
کی اور جملہ دستاویزات کے جو سلطنت متحدہ کے باہر اثر پذیر نہ ہوں اس خطاب
و القاب میں جو سلطنت متحدہ اور اُس کے تابع ملکوں کی بادشاہت سے بالفعل
متعلق ہیں - زبان لاطینی میں یہ الفاظ انڈ۔ امپراٹرکس اور زبان
انگریزی میں یہ الفاظ امپرس آف انڈیا (قیصر ہند) اضافہ کیئے جائیں اسکے

پونچ کر لاٹ صاحب اور لیڈی ڈفرن صاحبہ مع اسٹاف کے گاڑیوں پر سے اُتر کر ڈائس (چبوترے) پر تشریف فرما ہوئے۔ ہز ایکسلنسی ویسرائے بہادر ستار آف انڈیا کے کالر۔ تاج اور پوشاک میں تھے۔ جب آپ دربار کے خیمے میں داخل ہوئے تو سارے حاضرین تعظیماً سروقد کھڑے ہوگئے اور جب تک بیٹھے نیشنل اینتھم (قومی ترانہ) بجتا رہا۔ چیف ہرلڈ (نقیب اعلیٰ) نے اصل اعلان انگریزی میں پڑھا اور فارن سکریٹری نے اردو میں۔ اس کے ختم پر دنادن ایک سو ایک توپیں سر ہوئیں شاہی جھنڈا بلند کیا گیا اور پھر بینڈ نے نیشنل اینتھم بجایا۔

اعلان حضور ملکۂ معظمہ وکٹوریا

چوں کہ پارلیمنٹ کے حال کے اجلاس سے ایک ایکٹ اس نام کا کہ ایکٹ بمراد اس بات کے کہ جناب مرحمت مآب ملکۂ معظمہ اُس خطاب والقاب شاہی میں جو سلطنت متحدہ اور اُس کے تابع ملکوں کی بادشاہت سے متعلق ہیں ایک اور لقب اضافہ کر سکیں۔ صادر ہوا ہے اور اس ایکٹ میں لکھا ہے کہ از روئے ایکٹ بابت متحد کرنے ممالک برطانیۂ کلاں و آئرلینڈ کے یہ حکم ہوا تھا کہ بعد ایسے متحد ہونے کے سلطنت متحدہ اور اُس کے تابع ملکوں کی بادشاہی کے متعلق خطاب والقاب وہی ہوا کریں گے جو بادشاہ اپنے اشتہار شاہی کے ذریعہ سے جو سلطنت متحدہ کی مہر اعظم سے

سلہ اسی درباری ہال کے وسط میں جانب شمال ایک دس فٹ بلند چبوترہ طیار کیا گیا تھا جس پر اٹھارہ ستونوں پر ایک گنبدی چھت ڈالی گئی تھی جس کے ہر ستون اور پیشانی اور اطراف میں شاہی علم و پرچم۔ چاندی کی ڈھالیں اور کلابتوں سے زردوزی نشانات یونین جیک وغیرہ آویزاں کیے گئے تھے۔ چبوترے پر ہلکے نیلے رنگ کا نفیس فرش بچھا کر اُس پر حضور ویسرائے بہادر اور اُن کی لیڈی صاحبہ کی دو شاندار جگمگاتی ہوئی سنہری کرسیاں بطور تخت کے رکھی گئی تھیں۔ ۱۲

توپ کے بیلوں کے سینگوں پر چاندی کی - ان کی پیٹھ پر زردوزی اور زربفتی
جھولیں پڑی ہوئی تھیں اور اتنی لمبی تھیں کہ زمین تک لٹکتی تھیں - جس روز
سہ پہر کو سواری نکلنے والی تھی اُس روز کی صبح کی کیفیت کچھ نہ پوچھو -
بادل کا آسمان پر کہیں نام نہ تھا - آفتاب کی صاف شعاعوں نے ہر ایک
شے کے رنگ و روپ کو دوبالا کر دیا تھا اور جنوری کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا
نے دھوپ کی حدت بہت کم کر دی تھی - سارے شہر میں ایک بڑا میلہ لگا ہوا تھا - ہر ایک
مقام پر جہاں سے سواری نظر آسکتی تھی لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ جمع تھے -
دروازے - کھڑکیاں - برآمدے - چھتیں غرض کوئی مقام تماشائیوں سے
خالی نہ تھا - کہیں کہیں بازاروں میں بیرقیں لگی ہوئی تھیں اور بندنواریں بندھی
ہوئی تھیں - چاندنی چوک میں خصوصاً لوگوں کا بڑا ازدحام تھا اور ایک
بڑا جمگھٹ پہاڑی پر لگا ہوا تھا - شہر میں جس قدر لوگ جامع مسجد کے برجوں
اور چھتوں پر بیٹھے تھے اس قدر اور کہیں نہ تھے - اُن ریاستوں کے رئیس جو
دولت برطانیہ کے تابع نہیں ہیں - اُن بستیوں کے گورنر جو یورپ کی اور
قوموں نے مشرق میں بسائی ہیں - ریاست ہائے غیر کے ایلچی اور سفیر
جو خاص اس دربار میں شریک ہونے کے لیئے آئے تھے اور غیر ریاستوں
کے کونسل اور تمام خطابی رئیس اور نواب گورنر جنرل بہادر اور لوکل گورنمنٹوں
کے مہمان سب اسی جگہ جمع تھے - مسجد کی سیڑھیوں پر لوگوں کے سر ایک کے اوپر
ایک اس طرح نظر آتے تھے جس طرح سمندر پر لہریں نظر آتی ہیں اور سروں پر
پگڑیوں اور عماموں کے وضع وضع کے رنگ کا کچھ ٹھکانا نہ تھا - یہ سب لوگ
کئی گھنٹے تک سواری کے انتظار میں اپنی اپنی جگہ جیسا یہاں کے لوگوں
کا خاصہ ہے خاموش بیٹھے رہے - شہر کے اندر سواری کے گزرنے کا جو
انتظام کیا گیا تھا اُس سے ہندوستانی لوگ بہت خوش ہوئے - کیونکہ
شہر کے سب لوگوں کو سواری کے دیکھنے کا بخوبی موقع مل گیا تھا - ویسرائے
بہادر دوپہر ڈھلے دربار میں رونق افروز ہوئے - پندرہ ہزار گورے اور
دیسی فوج نے شاہی سلامی اُتاری - دربار کے عالی شان دروازے پر

کی جگمگاتی ہوئی شکلیں تھیں اور یہ اس بات کی علامت تھی کہ جن جن سرداروں کے یہ ہاتھی ہیں وہ چندربنسی اور سورج بنسی راجہ ہیں۔ سواری کے جلوس میں سب سے زیادہ دیکھنے کے قابل جنگی ہاتھی تھے۔ ان پر جنگ جو سورما تن پر زرہ بکتر سجائے سر سے پاؤں تک ہتیار لگائے بیٹھے تھے۔ ان ہاتھیوں کے دانتوں پر فولادی نوکیں چڑھی ہوئی تھیں۔ سونڈوں پر لوہے کا جال پڑا ہوا تھا۔ پشت پر فولادی ہودے ایسے سجے ہوئے تھے جن پر گولیاں اور گولے اثر نہ کر سکتے تھے۔ ہودوں میں جو سپاہی بیٹھے تھے وہ سر سے پاؤں تک لوہے میں ڈوبے۔ ہر قسم کے ہتیار۔ بندوق۔ برچھی۔ تیر۔ تلوار سجائے۔ پستول۔ تیر قبض۔ خنجر کمریں لگائے ہوئے تھے۔ غرض یہ کہ اگلے زمانے کے ہندو سورماؤں کی طرح سرتاپا غرق آہن تھے۔ ہاتھیوں کے علاوہ سواروں کے بھی پرے کے پرے تھے۔ جن کے بدن پر زرہ۔ سر پر فولادی خود سجے ہوئے تھے۔ مگر بعض کے چہروں پر بھی اور بعض کے نہ تھی۔ افسروں کے سینے اور پشت پر چار آئینے جگمگا رہے تھے اور خودوں میں پر لہرا رہے تھے۔ ان کے گھوڑوں کے سروں پر بھی کلغیاں لگی ہوئی تھیں۔ بعض تو صرف پروں کی تھیں اور بعض سونے چاندی کی بھی بنی تھیں۔ گھوڑوں پر چار جامے مغرق سنہری روپہلی کام کے پڑے تھے۔ ان کے علاوہ بہت سے کوتل گھوڑے بھی مختلف مقامات پر ساز و یراق سے آراستہ کھڑے تھے۔ بڑودے کی سونے چاندی کی توپوں پر بھی سب کی نگاہ پڑتی تھی۔ ایسی توپوں کا ڈھالنا اہل ہند ہی کا حصہ ہے اور یہ انھیں لوگوں کی ایجاد ہے۔ یہ توپیں چھوٹی تھیں اور دھوپ میں ماہی مراتب کی طرح جھلک رہی تھیں۔ سونے کی توپ کے پھڑ پہیئے تو چاندی کے تھے اور چاندی کی توپ کے پھڑ پہیئے سونے کے۔ گجرات کے نہایت عمدہ بیل ان توپوں میں جتے ہوئے تھے یہ وہ توپی ہیکل بیل ہیں کہ ملکۂ الزبتھ کے زمانے سے جو سیاح مغربی ہند میں آیا اُس نے انھیں سراہا اور دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ چاندی کی توپ کے بیلوں کے سینگوں پر سونے کی سنگوٹیاں چڑھی ہوئی تھیں اور سونے کی

کارروائی کا اختتام بھی ایسا ہی مبارک ہوگا جیسا کہ آج کا آغاز ہوا ہے۔ سب صاحب میری طرف سے خیر مقدم قبول کریں"۔ حضور ویسرائے بہادر کی سواری دہلی میں ہفتے کے دن ۲۳ دسمبر ۱۹۱۲ء کو سہ پہر کے وقت برآمد ہوئی۔ اُس روز صبح ہی سے ہر لشکر میں دھوم دھام مچی ہوئی تھی۔ سارے شہر میں سواری کے برآمد ہونے کا شور تھا۔ جس قدر انگریزی فوج اس وقت دہلی میں موجود تھی سب کی سب سواری کی گزرگاہ پر دونوں طرف صف بستہ کھڑی تھی۔ اس کے سوا خودمختار رئیسوں سے کہا گیا تھا کہ سب اپنی اپنی فوج اور جلوس کو سڑک پر دو رویہ جابجا انگریزی فوج کے بیچ میں استادہ کردیں اور اُن کی وضع اور تراش خراش اُن کی قوم اور اُن کے دستور کے موافق ہو۔ راجپوتانے کے رئیسوں کی فوج اور جلوس کو تعین سڑک کے دونوں طرف نجف گڑھ کی نہر کے قریب سے لے کر چاندنی چوک تک کھڑا کیا گیا تھا۔ پنجاب کے رؤسا کی فوج لاہوری دروازے کے باہر جمائی گئی تھی جو پہاڑی پر باوسٹے تک چلی گئی ہے۔ بمبئی صوبجات متحدہ اودھ و آگرہ۔ ممالک متوسط۔ بنگال۔ مدراس اور وسط ہند کے راجاؤں کی فوجیں اور مقامات پر استادہ تھیں اور راجاؤں کی فوج کے بیچ میں جابجا سارے رستے پر برابر انگریزی فوج تھی۔ رئیسوں کی تزک و شان اور شکوہ و تجمل ایسا تھا جیسا کہ ہونے کا حق ہے۔ ہاتھیوں کی لمبی لمبی قطاریں جابجا قرینے سے کھڑی تھیں۔ ان کے ساز و سامان اور ہودے ایسے زرق برق تھے جیسے تہواروں کے موقع پر یا کسی اور بڑی رسم و تقریب کے وقت اُن کے دار الخلافوں میں ہوا کرتے ہیں۔ جھولوں پر سنہری روپہلی زردوزی کا کام تھا یا سرخ اور نیلے رنگ کی بہار تھی۔ ہودے کیا تھے سونے چاندی کے تخت تھے۔ ہر ایک کی شکل نرالی اور ہر ایک کی وضع جداگانہ ہیں۔ ایسے تھے جن پر منبت کاری کا کام تھا اور عجیب عجیب بوٹے اور طرح طرح کی شکلیں بنی ہوئی تھیں۔ بعض ہاتھیوں پر شیر یا اژدہے یا ہاتھی کی مورتیں بعض پہ دیوتاؤں اور نامی گرامی سورماؤں کی صورتیں بعض پر چاند اور سورج

اور جو ہو سکا وہ صرف یہی تھا کہ چند لوگ طبقہ سٹار آف انڈیا میں شامل کیے گئے اور غیر ملازمین کے لیئے ایک نیا طبقہ انڈین امپائر کا قایم کیا اور نیٹو رجمنٹوں کے انگریز عہدہ داروں کی کچھ بہتری کی شکل نکلی۔ بحری لوگوں اور گوروں کو جو اس دربار میں شریک تھے ایک ایک دن کی تنخواہ دی گئی۔ ہندوستان پورٹ بلیر اور سٹریٹ سٹلمنٹ میں بحساب دس فی صدی (۱۶۵۸) قیدی رہا کیئے گئے اور سرکاری خرچ سے اپنے اپنے گھروں کو پہنچائے گئے جن میں سو روپیہ سے کم قرضے والے دیوالی کے قیدی بھی شامل تھے جن کا قرضہ سرکار نے اتارا۔ علاوہ ازیں عام قیدیوں کی بحساب فی سال ایک ماہ میعاد قید میں رعایت کی گئی۔ ۲۲ دسمبر تک تمام مدعو شدہ مہمان۔ امرا و رؤسا۔ سرداران و جاگیرداران۔ حکام و دیگر معززین سب جمع ہو چکے تھے ۲۳ دسمبر کو ہز ایکسلنسی لارڈ لٹن پوری شان و شوکت سے اسپشل ٹرین سے دہلی میں رونق افروز ہوئے وقت تشریف آوری تمام رؤسا بغرض استقبال ریلوے سٹیشن پر چشم براہ تھے۔ صاحب موصوف نے ریل سے اترتے ہی بڑے بڑے رؤسا و حکام سے مصافحہ اور مزاج پرسی کے بعد راجگان۔ نوابان۔ سرداران و امرا کی طرف مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ۔ مجھ کو کمال مسرت اور خوشی ہی کہ آپ صاحب ہندوستان کے کل علاقوں سے اس رسم ہمایوں میں شریک ہونے کے لیے جمع ہوے ہیں جس سے امید کی جاتی ہی کہ حضرت ملکہ کی گورنمنٹ اور اس گورنمنٹ کے بڑے بڑے دوستوں اور ماتحت رئیسوں کے درمیان سابق سے اتحاد زیادہ تر قایم اور مستحکم ہوگی۔ جس دلی محبت سے آپ صاحبوں نے میری دعوت کو قبول کیا ہی میں اُس کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور مجھ کو امید ہی کہ ہمارے

لارڈ لٹن

اوپر ہی اوپر ہوے۔ یہ بات اندرپرست کی بربادی کے بعد سے برابر چلی آئی ہے کہ یہ مقام مملکت ہند کا تخت گاہ رہا ہے چنانچہ پہلے زمانے کے سارے سلاطین اسلام کی تخت نشینی کے جشن اسی دلی میں ہوے ہیں اور خاندان مغلیہ جو اُن کے بعد اس ملک پر قابض ہوے ہیں اگرچہ اُن میں سے کسی نے آگرے اور کسی نے لاہور کو اپنا دارالخلافہ بنایا مگر وہ افضل بادشاہ اُسی وقت سمجھے گئے جب دہلی میں آکر تخت نشین ہوے۔

اس دربار سے بے شمار مفید نتائج مرتب ہوے جن لوگوں کی خدمت کی پوری پوری قدردانی نہیں کی گئی اُن کو اب کافی و وافی معاوضہ دیا گیا۔ پرانے پنشن خوار جنھوں نے اس عرصہ مدت میں اپنی نمک خواری و خیرخواہی سے اپنے آپ کو مزید امداد کا مستحق ثابت کیا تھا اُن کی امداد میں معقول اضافہ کیا گیا۔ بہت سے ہندوستانی رؤسا کو عطیات تاحیات یا ہوا رہیں اضافہ کے ساتھ جاری کیے گئے۔ ہر رئیس کو جو سلامی کا مستحق تھا ملکہ معظمہ کی جانب سے اُس پورے مراسم کے ساتھ ایک جھنڈا دیا گیا جس کی ایک جانب ملکہ معظمہ کا بانا تھا اور دوسری طرف خود اُس رئیس کا۔ یہ جھنڈے مختلف رنگوں اور طرز کے حسب حیثیت و مرتبۂ امرا کے تھے۔ طلائی اور نقرئی تمغے بھی مضروب ہوکر رؤسا اور دیگر منتخب کوئی دو سو معززین کو ملے۔ تمام ہندوستان کے آنریری مجسٹریٹوں۔ میونسپل کمشنروں کو اعزازی سرٹیفکٹ ملے۔ ہندوستانی فوج کے کمیشنڈ اور نان کمیشنڈ افسروں کی تنخواہوں اور الاؤنس میں اضافہ کیا گیا اور بہت سے لوگوں کو خطابات سے سرفرازی ہوئی۔ ہندوستانیوں کے اعزاز و اکرام کے سوا یورپین کمیونٹی کے خدمات کے اعتراف کا مسئلہ بہت اہم تھا جو مشرقی قوت سلطنت کی جڑ بنیاد تھے۔ جنھوں نے نہ صرف فتح حاصل کی بلکہ نظم و نسق کو برقرار رکھا اور جن پر اُس کے استحکام اور ترقی کا دارومدار تھا۔ یہ ایک بڑا بھاری سوال اور عرصے سے زیر غور تھا اور خود وائسرائے کو اس طرف زیادہ توجہ تھی اور اُن کی دلی خواہش تھی کہ ایک معقول طریقے پر ان کی قدر افزائی ہونی چاہیے لیکن وائسرائے کی تحریکات پر اعتراضات ہوے

یہ سطر دیکھے بے اختیار غدر کا خیال دل میں موجزن ہوتا تھا اور جو تغیرات عظیم اس زمانے
میں ہوئے ہیں سب نظروں کے سامنے پھر جاتے تھے۔ یہی مقام جو غدر میں گوروں
اور کالوں کا میدان کارزار تھا آج گل و گلزار پُر بہار بنا تھا جنگل میں منگل ہو رہا تھا
انگریز و ہندوستانی باہم دوستانہ ملاقاتیں کر رہے تھے۔ جہاں گولوں
اور گولیوں کا مینہ برس رہا تھا۔ سیل کے گولے آکر پھٹتے اور رات دن
خون کے ندی نالے بہتے اور چوطرف تباہی اور بربادی کا نقشہ جما ہوا تھا وہاں
اب سرور انبساط کا دور تھا۔ ولیسرائے کے نزول اجلال سے دو دن پہلے
ہر ایک علاقے کے لوگ اپنے اپنے کیمپوں میں آنے شروع ہو گئے تھے۔
خاص دہلی اور اس کے نواح کی جو عمارتیں قابل دید ہیں وہ سب دیکھ بھال چکے
قطب صاحب کی لاٹ لوہے کی لاٹ اور تغلق آباد کی ایسی عمارتیں ہیں کہ جب
دیکھو نئی۔ قطب صاحب کی لاٹ اور اُس کے آس پاس کی عمارتیں اُس
مذہبی جوش کی شہادت دیتی ہیں جو تاریخی واقعات تحریری سے ایسی اچھی طرح
ظاہر نہیں ہوتا جیسا کہ دیکھنے سے۔ جو مسلمان ابتدا میں یہاں آئے تھے اُن
میں مذہبی جوش اور ولولہ بہت تھا اور اُن کے خیالات بھی بہت بلند تھے۔
لاٹ اور اُس کے اطراف کی عمارتوں پر کثرت سے قرآن شریف کی آیتیں کندہ
ہیں جس کا جی چاہے آج جاکر پڑھ لے۔ ولیوں کے مزاروں پر کی شاندار عمارتیں
اُن کے بانیوں کی جوش اعتقادی کی شہادت دیتے ہیں۔ اس لاٹ کے
بنانے والوں کا مدعا یہ تھا کہ یہاں ایک بڑی مسجد بناکر ہندوستان اور پنجاب
میں اسلام کی علم بلندی کا ڈنکا بجائیں۔ یہ لاٹ مسجد کا مادنہ تھی چنانچہ اسی
قسم کی ایک ادھوری لاٹ علاء الدین خلجی نے یہیں قریب بنوانی شروع کی تھی
جو اُس کی وفات کے سبب سے تکمیل نہیں ہو سکی اگر یہ مینار بھی بن جاتی
تو ان دونوں میناروں کے بیچ میں ایک ایسی عالی شان مسجد بنتی جو ہندوستان
کی ساری موجودہ مسجدوں سے بڑی اور شاندار ہوتی بلکہ سینٹ پیٹر
اور سینٹ پال کے گرجاؤں سے بھی بڑھ کر شاندار ہوتی۔ موجودہ دلی
جس کو مسلمان شاہ جہاں آباد کہتے ہیں اس کی بنا کو دو سو برس سے

کے علاوہ پرتگال کے گورنر جنرل - خان قلات - سفرا - کانسل - یورپین اور ہندوستانی معززین جو تمام ہندوستان سے سمٹ آئے تھے - گرد کے وسیع میدان میں گوروں اور ہندوستانیوں کی کثیر التعداد فوج ایک وسیع حلقہ باندھے ہوئے استادہ تھی انگریزوں کی خیام گاہوں میں زیادہ تر سادگی تھی مگر راجاؤں اور نوابوں کے لشکروں میں کچھ عجب سجاوٹ - رونق - چہل پہل - طمطراق تھی - ہر ایک رئیس کے لشکر کے لیے علیحدہ علیحدہ جگہ نامزد کردی گئی تھی اور مہینوں پہلے سے اُن کی آراستگی شروع ہوگئی تھی - بہت سے کیمپ قدیم وضع قطع کے تھے یعنی جیسے سلاطین مغلیہ کے زمانے میں ہوتے تھے اُن میں بعض کے خیمے رنگ برنگ کے زرق برق تھے جن کے استادوں پر سنہری لٹو اور اپنے اپنے مذاق کے موافق طرح بطرح کی آراستگی و آرایش تھی اکثر لشکروں کے گرد بانات اور مخمل کی قناتیں لگی ہوئی تھیں جن کے بانسوں پر سنہری لٹو یا پھل لگے ہوئے تھے - نوابوں اور راجاؤں کے خیام گاہ کے گرد اُن کی اپنی اپنی جمعیتیں انواع و اقسام کے ہتیاروں سے اوپچی بنی ہوئی مکلل وردیوں میں جمع رہتی تھیں - سوار ہاتھوں میں جھنڈی دار برچھے پکڑے گھوڑوں پر ادھر ادھر اور اُدھر سے ادھر دوڑتے پھرتے تھے - بڑے بڑے کوہ پیکر ہاتھی اُن پر ہودے عماریاں کسی ہوئی مغرق جھولیں پڑی ہوئیں گھنٹے ٹنٹناتے ہوئے طرح طرح کے ساز و سامان سے بنے سنورے ہر طرف چلتے پھرتے نظر آتے تھے اور اسی طرح شتر سوار اور سانڈنی سواروں کی بہار تھی - غرض ان لشکروں میں ہر وقت بڑی رونق اور چہل پہل رہتی تھی - اکثر بینڈ باجے بجتے رہتے تھے یا تاشوں مرفوں نوبت نقاروں ڈنکوں کی صدا گونجتی رہتی تھی - مگر پھر بھی وہ غل شور نہ تھا جو ایسے مواقع پر یورپ کے ملکوں میں ہوتا ہی - ہند کے لوگوں کا خاصہ ہی کہ کیسا ہی عالم سرور و انبساط کیوں نہ ہو اور کتنا ہی جوش و ولولہ طبیعت کو کیوں نہ اُبھارے یہ کبھی اپنی ثقاہت اور متانت کو ہاتھ سے نہیں دیتے اور طبیعت کو قابو سے باہر نہیں ہونے دیتے - انگریزوں کے لشکر اُس مقام پر تھے جہاں کہ غدر میں انگریزی فوج پڑی ہوئی تھی - ایک طرف تو وہ پہاڑی تھی جہاں سے غدر میں شہر پر گولے برسے تھے اور دوسری طرف وہ نہر تھی جو نجف گڑھ کی جھیل سے نکلتی ہی -

اس تقریب میں سب احاطوں کے حکام ذوی الاقتدار اور رؤسائے جو ومختار اور امرائے باوقار شریک ہوں - یہ موقع روسا کو اس بات کے جتانے کا مناسب تھا کہ نئے خطاب کے اختیار کر لینے سے اُن تعلقات میں جو سرکار کو اُن سے اور رعایا کے ساتھ ہیں اُن میں کوئی ایسی تبدیلی نہ ہوگی جس سے ان کا نقصان ہو بلکہ بہبودی اور فلاح کی توقع ہے۔ ہند کے رئیس کیا راجپوت کیا مسلمان کیا مرہٹے جنہوں نے کبھی ایک دوسرے کی شکل تک بھی نہ دیکھی تھی اور جن کے بزرگوں میں پشتہا پشت تک کٹا چھنی رہی سرکار ابد قرار کے سایۂ عاطفت میں اُن کو دوستانہ ملنے جلنے کا یہ ایک عمدہ موقع ہاتھ آیا - بڑی غرض اس جشن کے انعقاد کی یہ تھی کہ کیا رؤسا اور کیا رعایا سب کو سلک ہوا خواہی ملکہ معظمہ میں منسلک کر دیا جائے اور رئیسوں اور گورنروں انگریزوں اور ہندوستانیوں کو ایک ہی پلیٹ فارم پر بٹھلایا جائے اور اس طرح خلطہ اور اتحاد باہمی کی روح پھونکی جائے۔ دربار شہر کے اندر نہیں ہوا بلکہ شہر کے ارد گرد ڈیروں اور خیموں کا ایک اور وسیع شہر بسایا گیا - ڈیروں کا شہر کھلے میدان میں اس طرح چشم زدن میں نمودار ہو گیا جس طرح قصے کہانیوں میں سنا کرتے تھے کہ رات کی رات میں قلعہ یا محل بن کر طیار ہو گیا وہ بات سچ ہو گئی ہے -

منعم بہ کوہ و دشت و بیاباں غریب نیست ہر جا کہ رفت خیمہ زد و بارگاہ ساخت

ہر کیمپ میں دائیں بائیں خیموں کی دو قطاریں اور بیچ میں چوڑی سڑک تھی - بعض رؤسا کے کیمپ بہت آراستہ تھے سڑکوں کے دو طرفہ ہری ہری گھاس کے علاوہ جمیں بندی اور نہایت نفیس گلکاری تھی - غرض یہ کہ جیسا مکیں تھا ویسا ہی مکاں بھی تھا - ویسرائے کے کیمپ میں درباری خیمہ کرنچ کا تھا - وخیمہ کیا تھا ایک شاہی محل نصف دائرے کی شکل کا آٹھ سو فیٹ لمبا تھا جو ویسرائے کی تخت گاہ کے بالکل سامنے تھا اسی میں سب مہمان گورنران، رؤسا و عمائدین و معززین مع ہمراہیاں اور بہت سے اعلیٰ عہدہ داروں کی نشست اس ترتیب سے تھی کہ ہندوستانی رؤسا اور صاحبان انگریز سب کا چولی دامن کا ساتھ تھا - ویسرائے کی تخت گاہ کے پیچھے دائیں بائیں طرف دو بہت بڑے بڑے میدان تماشائیوں

دوم مسلمان سوم مرہٹے ۔ ان میں سے ہر ایک کے اقتدار کا آفتاب باری باری سے سارے ہند پر چمکا ہے اور جب زوال آیا تو اس سلطنت عظمٰی کی ٹوٹ کر چھوٹی چھوٹی ریاستیں بن گئیں جنھوں نے اس نئی سلطنت کی اطاعت قبول کی ۔ ہند کے اکثر رئیس ان مٹی ہوئی سلطنتوں کی یادگار ہیں ۔ یہ دربار بالکل مناسب وقت پر ہوا ایسٹ انڈیا کمپنی جس نے مدت دراز تک ہند میں حکم رانی کی تھی غدر ۱۸۵۷ء کے ساتھ رخصت ہو گئی تھی اور جزائر برطانیہ کی ملکہ نے ہند کی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی تھی اگر حضور ممدوحہ چاہتیں تو اُسی وقت لقب قیصر ہند اختیار کر سکتی تھیں مگر وہ وقت مناسب حال نہ تھا کیوں کہ لقب شاہنشاہی کے اعلان کے ساتھ ساتھ بغاوت اور سلے وحالی کا ذکر کرنا پڑتا اور اس وجہ سے ایک ایسے واقعہ کی جس سے بڑھ کر ہند کی تاریخ عہد انگلشیہ میں کوئی مکروہ واقعہ نہیں ہے ۔ ہمیشہ کے لیئے شہرت ہو جاتی ۔ دہلی کا جشن ایسے آوان سعید میں ہوا کہ چوطرف امن وامان تھا جو غدر چھوڑ کر ساٹھ برس سے برابر قایم تھا ۔ یہ سچ ہے کہ سرحد پر کچھ فتنہ وفساد رہا ہے مگر ہندوستان کے اندر کبھی امن میں خلل نہیں آیا اور کسی بیرونی دشمن نے ہند میں دخل نہیں پایا ۔ جلسۂ قیصری نے ملکۂ برطانیہ کو قیصر ہند بنایا یعنی اُس نے ملکۂ ممدوحہ کو ہند کے تخت شاہنشاہی پر بٹھایا ۔ ملکہ کی سلطنت امن وامان کی سلطنت ہے ۔ نہ ملک کے اندر کہیں فتنہ وفساد ہے نہ باہر کسی سے پرخاش وعناد ۔ ہند میں پرانے دشمن قوی دوست بن گئے اور اگلے زمانے کے لڑائی جھگڑے سب مٹ گئے ۔ خطاب قیصری کا اعلان صرف فتح وظفر ہی کا شادیانہ نہ تھا بلکہ جو لوگ طوق اطاعت وہواخواہی سے منحرف ہو گئے تھے اُن کے لیئے عفو قصور کا پروانہ اور یہ اشتہار حقیقت خسروانہ کا اظہار تھا ۔ بعض لوگ اس دربار کو شاہزادۂ عالم وعالمیان پرنس آف ویلز کی تشریف آوری کا بہترین نتیجہ سمجھے سالیکہ نکوست از بہارش پیدا اور خطاب قیصری کا لینا ایک مبارک فال اس امر کی تھی کہ ملکۂ معظمہ کی توجہ گراں مایہ اب ہندوستان کی طرف زیادہ مبذول ہوئی ہے ۔ سب لوگوں کی خوشی اسی میں تھی کہ منئے خطاب کا اعلان حضور دیسرائے کے روبرو ہو اور

شہر کے ساتھ ہم عصری کا دعویٰ ہو۔ اس کے نواح میں پتھر اور مٹی کے ڈھیروں کے تلے شہر اندر پرست کی خاک دبی ہوئی ہو۔ راجہ اور امیر اور وہ انبوہ کثیر جن کا یہ مسکن تھا سب خاکستر ہوگئے مگر اُن کے افسانے آج تک مہابھارت میں باقی ہیں۔ ؎ ہمنے ما ما صحبتیں اگلی فسانہ ہوگئیں ۔ اے فلک یہ تو بتا دو وہ فسانہ کیا ہوا

دہلی اور اُس کے نواح کی سرزمین شہر اندر پرست کی یادگار ہو۔ اندر پرست اور دہلی کی تاریخ سے قیامت وابستہ ہیں۔ دہلی کے جلسۂ قیصری کی روداد لکھنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہو کہ ہندوستان کی گزشتہ تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈالی جائے اور بعض بڑے بڑے واقعات کا حال لکھا جائے جو اُن رئیسوں کے خاندانوں سے متعلق ہیں جو اس جلسے میں شریک ہوے تھے۔ جتنے رئیس اس عظیم الشان دربار میں آے تھے اُن میں سے ایک بھی ایسا نہ ہوگا جس کے بزرگ تاریخ ہند کے کسی نہ کسی زمانے میں اس تماشا گاہ میں جلوہ افروز نہ ہوے ہوں اُن میں سے بعض کو یہ دعویٰ ہو کہ ہم اُن سورماؤں کی اولاد ہیں جو رامائن اور مہابھارت کے معرکوں میں صف آرا ہوئے تھے اور قدیم زمانے کے راجسوا اور اشومیدھ جگوں میں شریک تھے۔ بعض کے آبا و اجداد ممکن ہو کہ اُس زمانے میں برسر اقبال و حکومت ہوں جب سُور[1] و صیدا کے تاجر بُرائی تراش کے جہاز لے کر مشرقی سمندروں میں تجارت کے لئے آتے جاتے تھے یا جب سکندر اعظم اور اُس کے ہمراہی یونانی پنجاب پر چڑھ کر آئے تھے یا جب رومی تاجروں کے جہاز ہند کے بندروں میں آمد و رفت کرتے تھے۔ بعض کے بزرگوں نے راجپوتوں یا مسلمانوں یا مرہٹوں کے عہد سلطنت میں نام پاکر جاہ و اقتدار حاصل کیا۔ پس ان رئیسوں کو اُس زمانے کی تاریخ سے کچھ نہ کچھ تعلق ضرور ہو جس میں اس ملک کے اندر سلطنت انگلشیہ کا آغاز و عروج ہوا ہو اور اس سبب سے اُن رئیسوں کے خاندانوں کے افسانے انگریزوں کی تاریخ سے مل جل گئے ہیں۔ سلطنت انگلشیہ کے قایم ہونے سے پہلے ہند کی تاریخ میں تین بڑی سلطنتوں کے عروج و زوال کا ذکر ہو۔ اول راجپوت

[1] بحیرۂ روم کے مشرقی کنارے پر دو شہر ہیں جو اگلے زمانے میں بہت مشہور تھے۔ ۱۲

مجموعی رقبے کے مساوی ہے۔ اس کے علاوہ تین سو امرا و رؤسا و معززین بھی مدعو کیے گئے تھے۔ کُل ملا کر اسٹھ ہزار لوگ بلائے گئے تھے جو درحقیقت اس مبارک تقریب میں شریک بھی ہوئے جن کا دلی اور اُس کے گرد نواح کے کمپوں میں پورے چودہ دن تک مجمع رہا " دربار شاہی جو دہلی میں منعقد ہوا تھا اس سے غرض یہ تھی کہ اعلیٰ حضرت ملکہ معظمہ نے جو خطاب قیصر ہند اختیار کیا ہے اُس کا اعلان شان وشکوہ کے ساتھ ہو جائے۔ جن ملکی تغیرات کے سبب ہند میں انگریزی سلطنت قایم ہوئی ہے وہ بالطبع اس امر کے مقتضی تھے کہ ایسا ایک دربار منعقد ہو۔ مسلمانوں کی سلطنت کے زوال کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی نے شاہانِ برطانیہ کی طرف سے اس ملک میں ایک نئی سلطنت قایم کی اور پھر اس امانت سے دست بردار ہوئی۔ اٹھارہ برس گزرے کہ جزائر برطانیہ کی ملکہ نے عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی اور جلسۂ قیصریۂ دہلی سے اس بات کی پختگی ہو گئی۔ ملکہ معظمہ یوں تو پہلے شہنشاہ ہند تھیں مگر اب اُنھوں نے قیصر ہند کا لقب بھی اختیار کر لیا۔ اس قسم کا جلسہ ہندوستان میں کوئی نئی بات نہیں ہے یہ رسم یہاں قدیم سے چلی آتی ہے۔ جب کبھی کوئی نئی سلطنت قایم ہوئی ہے یا کوئی نیا سلطان اعظم تختِ سلطنت پر متمکن ہوا ہے تو اس ملک کے سارے راجہ اور فرماں روا اسی طرح جمع ہوئے ہیں۔ ایسے جلوس کا حال رامائن اور مہابھارت میں مذکور اور آج تک مشہور ہے۔ راجپوتوں کے زمانے میں ایسے جلسوں کو راج سیوجگ اور اسومیدھ جگ کہتے تھے اور مسلمانوں کے عہد میں اس قسم کی تقریب دربار یا جشن کہلاتی تھی۔ قلمرو ہند میں دہلی سے بڑھ کر کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں ہند کی شہنشاہی کا جشن کرنا موزوں ہو۔ یہ شہر ایسے مقام کے قریب واقع ہے کہ اُس سے قدیم تر ہند میں شاید ہی کوئی مقام ہو۔ ہند کی تاریخ میں کوئی زمانہ ایسا نہیں گزرا جس کے ساتھ اس شہر کو کوئی علاقہ نہ رہا ہو۔ خواہ راجپوتوں کا عہد سلطنت خواہ مسلمانوں کا اور خواہ مرہٹوں کا ہر ایک کے ذکر کے ساتھ اس کا تذکرہ ضرور آئے گا۔ اس کے کوچوں اور بازاروں کی بنیاد تاریخی زمانے کے آب و گِل سے پڑی ہے اور اُن کی حکایتیں صفحۂ تاریخ پر موجود ہیں۔ اس کے گرد نہایت قدیم زمانے کے آثار نظر آتے ہیں جن کو پُرانے سے پُرانے

لقب کی تلاش نے ایک عرصے سے پریشانی میں ڈال رکھا تھا۔ ہندوستان کے حکام وقت کو اس کی شدید ضرورت کا احساس روز بروز زیادہ ہوتا جاتا تھا۔ ۱۸۷۵ء میں شاہزادہ ویلز کی تشریف آوری کے اثنا میں مختلف واقعات کچھ ایسے پیش آ گئے کہ اب اس مسئلہ کا تصفیہ ناگزیر ہو گیا۔ لارڈ نارتھ بروک نے تحریک کی کہ واقعات کی مطابقت۔ دستاویزات سرکاری کی طرز تحریر اور معمولی مروجہ طرز بیان کے لحاظ سے حضور ملکہ معظمہ کو بادشاہ ہند کے لقب سے مخاطب کرنا مناسب ہوگا یعنی بشمول والیان ہند سب سے بڑی حکمران طاقت چنانچہ ۱۸۷۶ء کی پارلمنٹ کی سشن میں پیش ہوا اور شاہی تقریر میں اس کا ذکر تھا کہ جس وقت ملکہ معظمہ نے ملک ہند کی زمام حکومت براہ راست اپنے دست مبارک میں لی تو حکمران وقت کے القاب میں کوئی اضافہ نہیں کیا گیا۔ حضور ممدوحہ اس وقت کو اُس فروگزاشت کی تکمیل کے لئے مناسب خیال فرماتی ہیں جس سے ایک باقاعدہ اور پرزور اظہار اُن مخلصانہ خیالات کا ہوگا جو کہ حضور ممدوحہ کے دل میں رؤسا و عامۂ رعایائے ہند کی طرف سے جاگزیں ہیں۔ اگست ۱۸۷۶ء تک نئے خطاب کی منادی کی سکیم مرتب ہو گئی اور ویسرائے کی کونسل سے دلی تائید کے ساتھ منظور ہوئی۔ نئے خطاب کا ترجمہ ملکی زبان میں کیا ہونا چاہیئے یہ معاملہ بہت قابل غور اور مشورہ طلب تھا۔ گورنمنٹ ہند نے بالآخر قیصر ہند کا لقب پسند کیا۔ جو مختصر اور بھاری بھرکم ہونے کے علاوہ شاہی اُن اوصاف پر حاوی تھا جس کی تلاش تھی مزید برآں یہ ایک ایسا خطاب تھا جو اعلیٰ درجے کا قدیم ہونے کے ماسوا عموماً روم کے شہنشاہوں کو بھی قیصر روم سے مخاطب کیا جاتا تھا اور اب بھی کل وسط ایشیا میں شہنشاہ کے مساوی سمجھا جاتا ہے۔ اس امر کا بھی تصفیہ کر دیا گیا کہ یکم جنوری ۱۸۷۷ء کو ایک بڑے بھاری مجمع میں دہلی کے تاریخی مقام پر اس نئے خطاب کا اعلان کیا جائے جس میں ہندوستان کے کل صوبوں کے افسر جن میں بارہ سو سولین اور پندرہ ہزار نہایت آراستہ و پیراستہ برٹش اور رجواڑوں کی فوج۔ (۷۷) فرمانروایان جو قائم مقام ہیں ایک ایسی وسیع سلطنت کے جو گریٹ برٹن فرانس اور جرمنی کے

چار مہینے چار دن سیر فرما کر ۱۳ مارچ ۱۸۷۶ء کو خیر و خوبی کے ساتھ آپ بندرگاہ بمبئی سے رخصت فرمائے انگلینڈ ہوئے ۔ آپ ہندوستانیوں کی نئے ریا اور مخلصانہ گرم جوشی کا گہرا اثر دل پر لے گئے ۔ ہندوستان کے سفر کے بعد ولایت پہنچ کر آپ نے اُس شان دار استقبال کے موقع پر جو وہاں کے لوگوں نے حضور اقدس کا کیا تھا زبان مبارک سے یہ ارشاد فرمایا کہ " اگرچہ آپ صاحبوں کو دلی محبت کے باعث میرے اس دور دراز سفر کی تکالیف کا خیال رہا ہوگا مگر اصل یوں ہے کہ ایسے سفر کو بہت ہی خوش آیند و شیریں کہنا چاہیئے جس کا انجام ایسا مسرت انگیز ہو جیسا کہ آپ نے دلی خلوص سے میرا استقبال کیا ہے "۔

باب چھٹا ۱۸۷۷ء کا دربار قیصری

لیڈی بیٹی بیلفور نے اپنی تاریخ کی کتاب لارڈ لٹنز انڈین ایڈمنسٹریشن میں اس دربار کے اغراض و مقاصد کا حال نہایت عمدگی سے لکھا ہے جس کا لب لباب یہ ہے :- جب ہندوستان کا نظم و نسق ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھ سے نکل کر بادشاہ وقت کے دست قدرت میں منتقل ہوا تب رعایائے ہند اور باج گزار رؤسا کی نگاہ میں معلوم ہوا کہ غیر شخصی انتظامی طرز کی حکومت کی بجائے اب براہ راست شخصی حکومت ایک مقتدر و جہانبانی کے دست قدرت میں منتقل ہوئی ہے ۔ یہ تبدیلی اُن کی مرغوب طبع اور بالکلیہ اُن کے قدیم خیالات کے موافق تھی ۔ لیکن جب تک کہ ملکہ انگلینڈ کا کوئی موزوں لقب نہ ہو اُن کا شمار ایک موہوم کمپنی کی حیثیت سے بمشکل زیادہ ہو سکتا تھا ۔ انگریزی لفظ کوئین کے مترادف اردو کا (سیدھا سادا) لفظ صرف ملکہ تھا جو بالعموم ہر رئیس کی خاتون کو دیا جاتا تھا اور اس لیئے محض ملکہ کا لفظ انگریز بادشاہ ہند کے حقیقی مرتبے (و وقعت) کے لحاظ سے نامناسب تھا ۔ بلحاظ اُن تعلقات کے جو ریاستوں و دیگر ممالک ہند سے ملکہ معظمہ کو تھے صرف شہنشاہ یا بادشاہ ہی مناسب و حسب حال تھا اور یہی لفظ ہندوستانیوں کی زبان پر بھی چڑھا ہوا تھا اور وہ اسی سے مانوس بھی تھے اور اُن کے نزدیک موثر اور باوقعت تھا ۔ کسی مناسب اور باموقع

تشریف آوری پر نہایت شاندار جلوس کے علاوہ بڑا بھاری فوجی ریویو اور دیوان عام میں ایک بڑا بال ہوا جس میں ملکہ معظمہ کا جام صحت بڑی گرم جوشی سے نوش کیا گیا - لاہور کے چار روزہ قیام میں بھی یہی دھوم دھام رہی مشہور مقامات کی سیر کرائی گئی - والیان ریاست سے ملاقاتیں ہوئیں میونیسپلٹی نے خیر مقدم کا ایڈریس گزرانا - حضور نے سپاہیوں کی ایک نمایش کا افتتاح فرمایا - شالامار باغ میں روشنی اور گارڈن پارٹی کا لطف اٹھایا جس کے بعد جموں تشریف فرما ہوئے جہاں بڑے اعلیٰ پیمانے پر خاطر تواضع ہوئی اور سات میل آگے بڑھ کے مہاراجہ صاحب بہادر نے استقبال فرمایا اور وقت مراجعت نذر کے علاوہ بہت سے بیش بہا گراں قدر تحائف پیش کیے جس میں ایک مرصع تلوار بھی تھی جسے پیش کرتے وقت ہر ہائیس نے فرمایا کہ "اگر اس کا تجربہ کرنا ہو تو یہ گردن حاضر ہے" - اس مخلصانہ اظہار عقیدت کا حضور ممدوح پر ضرور اثر ہوا تھا۔

الگزینڈرا پل کا افتتاح

جموں سے واپسی پر سواری مبارک وزیر آباد دریائے چناب کے پل کے افتتاح کے لیے تشریف لے گئی جو ریلوے نے ناوں لاکھ کے صرفے سے طیار کرایا تھا وہاں ایک کمرے کے چاروں طرف یہ فقرے درج تھے -

(۱) خدا ملکہ معظمہ کو سلامت رکھے - (۲) خدا پرنس آف ویلز کو برکت دے - (۳) خدا کرے الگزینڈرا مشرق و مغرب کے اتحاد کا باعث ہو - (۴) اے سمندروں کے بادشاہ کی بیٹی چناب تیری ملکیت ہے - آخری دو فقرے حضور کے دل میں کھب گئے کیونکہ شاہ مبارک جو آپ کے خسر تھے سمندروں کے بادشاہ کہے جاتے تھے - دریا کے پل پر یہ قطعہ بھی تھا - قطعہ -

شاہزادہ ایلبرٹ ایڈورڈ چوں الگزینڈرا پل محکم
یادگارے ز حضرت ایڈورڈ سال تاریخ آں نوشت رقم

یہاں سے امرت سر کا ملاحظہ ہوا جہاں باشندگان شہر اور دیسی عیسائیوں نے خیر مقدم کا ایڈریس پیش کیا - الغرض ہندوستان کے مختلف مقامات کی

ہندوستان کے لیئے بھیجا تاکہ وہ ہندوستان کے رؤسا و امرا اور والیان ملک سے مل کر خاندان شاہی سے سلسلہ روابط کا ملاقات ذاتی سے اور مستحکم کریں۔

ایلبرٹ ایڈورڈ شاہزادہ ویلز کا ورود مسعود ہندوستان میں

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد
بسا کیں دولت از گفتار خیزد۔

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم اُن کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

اواخر ۱۸۷۵ء میں حضور ملکہ معظمہ کے ایما پر آپ نے سیاحت ہند کا قصد فرمایا تاکہ ہندوستان کے والیان ملک امراء رؤسا سے براہ راست تعارف ہو کر سلطنت میں اور استحکام پیدا ہو دوسرے سرزمین ہندوستانِ جنت نشان کو بہ نفس نفیس ملاحظہ فرمائیں جو مقبوضات برطانیہ کا ایک بیش بہا جواہر ہے اور اس طرح جس ملک کی حکومت اُن کے دستِ قدرت میں آنے والی ہے اُس سے ذاتی واقفیت حاصل کریں۔ آپ کے اخراجات سفر کے لیئے پارلیمنٹ سے ایک لاکھ پونڈ کی گراں قدر رقم منظور ہوئی۔ آپ کا قدم مبارک مع اسٹاف کے ۹ر نومبر ۱۸۷۵ء کو ساحل بمبئی پر پرتو افگن ہوا جہاں ہز ا[illegible] گورنر صاحب بہادر نے مع حکام و والیان ریاست امرا و رؤسا آپ کا شاندار استقبال کیا۔ آپ گورنمنٹ ہوس میں رونق افروز رہے۔ تمام رستہ دو رویہ جھنڈیوں۔ پھریروں اور مصنوعی دروازوں سے آراستہ تھا۔ آپ کے دیدار کے لیئے سڑکوں پر دو طرفہ اور کوٹھوں پر لوگوں کے ٹھٹ لگے ہوئے تھے۔ بمبئی کے مشہور مقامات کو ملاحظہ فرمایا بڑی بڑی دعوتیں اور جشن ہوئے۔ والیان ریاست اور بڑے بڑے امرا کو شرف باریابی حاصل ہوا۔ اس کے بعد صوبہ ہائے مدراس۔ کلکتہ۔ یو پی۔ پنجاب۔ حیدرآباد دکن۔ میسور۔ بڑودہ اور دوسری مشہور ریاستوں کی سیر میں تقریباً سوا چار مہینے صرف ہوئے۔ ہر جگہ گورنمنٹ اور پبلک کی طرف سے شاہانہ استقبال اور مراتب مہمانداری ادا ہوئے رعایا برایا نے اپنی آنکھیں فرشِ راہ کیں اور اپنی غایت درجے کی اطاعت فرمانبرداری و وفاداری اور حسن عقیدت کا ثبوت دیا۔ دہلی میں آپ کی

ہوتی ہے۔ دلی کے بسانے والے کے واہمۂ خیال میں بھی یہ بات نہ آئی ہوگی کہ دلی ایک ایسے مناسب اور موزوں مقام پر بیچوں بیچ میں بسی ہے کہ ہندوستان کے تین بڑے بھاری شہر کلکتہ۔ بمبئی اور کراچی کا فصل دلی سے قریب قریب یکساں ہے۔ ۱۸۵۷ء میں ایسٹ انڈیا ریلوے کلکتہ سے رانی گنج جو صرف (۱۲۰) میل کا فاصلہ ہے جاری تھی لیکن تعمیر کا کام الہ آباد تک جاری تھا۔ پہلے آگرے سے جو لائن ڈالی گئی وہ جمنا کے عربی کنارے کنارے تھی چنانچہ اب تک بھی ایک حصہ بھرتی کا نظر آتا ہے۔ غدر کے بعد ٹونڈلا جنکشن سے علی گڑھ ہوتی ہوئی جمنا کے مشرقی کنارے جولا تک کا حصہ ۱۸۶۳ء میں کھولا گیا۔ اُس وقت جمنا کا پل بن رہا تھا اور پہلی باقاعدہ ریل اُس پر سے یکم جنوری ۱۸۶۷ء کو گزری۔ یہ پل نصف میل سے کچھ اوپر ہی لمبا ہے۔ اسی سال سندھ پنجاب کی ریلوے کھلی جو اب نارتھ ویسٹرن ریلوے کہلاتی ہے جو غازی آباد سے دلی میں داخل ہو گئی۔ ۱۸۷۳ء میں راجپوتانہ مالوہ ریلوے نے جو اب بی بی اینڈ سی آئی کی چھوٹی پٹری کا سکشن ہے دلی کو بمبئی سے ملا دیا۔ ۱۸۹۱ء میں دلی انبالہ کالکا ریلوے سے شمال کی طرف کا چھوٹا رستہ نکلا۔ ۱۸۹۷ء میں سدرن پنجاب ریلوے کے ذریعہ سے کراچی کا سیدھا رستہ نکل آیا۔ ۱۹۰۰ء میں غازی آباد مراد آباد لائن کھل جانے سے مشرق کی طرف اودھ رہیلکھنڈ ریلوے دھر دلی تک آنے لگی اور یکم مارچ ۱۹۰۵ء کو آگرہ دہلی کارڈ ریلوے کھل جانے سے جی آئی پی ریلوے بمبئی سے دلی ہوتی ہوئی اُدھر ادھر پشاور تک چلی جاتی ہے اور (۱۵۹۴) میل کا طول طویل فاصلہ دو شبانہ روز میں طے کر لیتی ہے یا یوں کہیے کہ ریلیں کی طنابیں کھنچ گئیں۔ سب سے آخر متھرا ناگدا ریلوے (بی بی اینڈ سی آئی) بمبئی سے دلی میں آن دھمکی یہ بھی پشاور تک جاتی ہے اور ادھر سے اور فاصلہ کم ہو گیا اور (۱۴۰۵) میل رہ گیا۔ غرض یہ کہ دلی سارے ہندوستان میں سب سے بڑا مرکز اور منتہی ریلوں کا ہے۔

ڈیوک آف ایڈنبرا کی تشریف آوری

۱۸۷۰ء میں ملکہ معظمہ نے اپنے دوسرے صاحب زادے ڈیوک آف ایڈنبرا کو سیاحت

دقتیں عمل میں آئیں۔ یورپین سولجروں نے بدون انعام ملنے کے اس تبدیلی سے انکار کیا اور یہ ایک قسم کا بلوہ تھا جو White Mutiny (گوروں کے بلوے) کے نام سے مشہور ہے۔ ممکن ہے کہ اس کی بنا وہ مسکانہ سلوک ہو جو محاصرۂ دہلی کے بعد کیا گیا تھا یعنی یہ لوگ بڑا آسنہ پھیلا بیٹھے تھے اور وہاں نکلے ڈھاک کے تین پات۔ خیر سبب کچھ بھی رہا ہو بہتوں نے شاہی لشکر کی شرکت سے دست کشی کی اور نوکری چھوڑ کر الگ ہو گئے۔ آخر کار ۱۸۶۱ء میں معاملہ سلجھ گیا ان لوگوں کو رقم انعام مل گئی اور جو لوگ سرکاری فوج میں شامل ہوئے اُن کے ساتھ یہ بھی رعایت کی گئی کہ کمپنی کا زمان ملازمت پنشن میں محسوب کر لیا گیا۔ کمپنی کے گوروں کی رجمنٹوں کے نمبر (۱۰۱) سے (۱۰۹) تک قرار دیئے گئے۔ مقتولین غدر کی یادگار میں اُن کے ساتھیوں نے ۱۸۶۳ء میں پہاڑی پر ایک مینار بنوایا جو میوٹنی ممور یل کے نام سے مشہور ہے۔ ۱۸۶۵ء میں کلکتے کے بشپ صاحب (لاٹ پادری) ڈاکٹر کاٹن نے عیسائی مقتولین غدر کی یادگار میں سینٹ سٹیفن کے گرجا کا سنگ بنیاد رکھا۔ اس گرجے کا افتتاح قتل کی دسویں برسی کے دن دسویں مئی ۱۸۶۷ء کو ہوا۔ ترویج اشاعت انجیل مقدس کی سوسائٹی ۱۸۵۴ء سے قایم تھی جس میں ایک پادری اسے۔ آر ہبرڈ کیمبرج یونیورسٹی مشن سے کے غدر میں مارے گئے۔ غدر کے بعد مشن پھر قایم ہوا اور ۱۸۷۷ء میں کیمبرج یونیورسٹی مشن اُس میں ضم ہو گیا۔ دلی میں ۱۸۱۳ء سے بپٹسٹ مشن بھی قایم ہے اور پادری جے میکے صاحب نے دریا گنج میں مشن کی حفاظت میں بڑی جوانمردی دکھائی مگر آخر کار باغیوں نے اُنھیں پکڑ کر مار ڈالا۔ دلی کی آبادی ۱۸۵۳ء میں ایک لاکھ ساٹھ ہزار تھی لیکن غدر کے سبب سے ایک دم کچھ اوپر بیس ہزار گھٹ گئی۔ غدر کے بعد لوگ پلٹنے شروع ہوئے مگر آہستہ آہستہ چنانچہ ۱۸۶۸ء میں کہیں جا کر ۱۸۵۳ء کی تعداد پوری ہوئی۔ اس کے بعد تیس برس کی عرض مدت میں اور پچاس ہزار آدمی سمٹ آئے اور اب دلی تجارت کا ایسا بڑا بھاری مرکز ہے کہ ہندوستان کے سارے شمالی حصہ کی سربراہی یہیں سے

جس کی راہ راست شرکت انگریزی رعایا کے قتل میں ثابت ہوچکی ہو یا آیندہ ہو ایسے اشخاص کی نسبت مقتضائے انصاف ترحم سے مانع ہی۔ جن اشخاص نے دیدہ و دانستہ بطیب خاطر قاتلوں کو قاتل جان کر پناہ دی یا جو اس بغاوت میں سرغنہ اور بانی مفسدہ تھے اُن کی صرف جان بخشی کی کفالت ہوسکتی ہی بلکہ ایسے اشخاص کی نسبت سزا تجویز کرتے وقت اُن حالات کا جن کے باعث وہ حلقۂ اطاعت والقیاد اُتار پھینکنے پر آمادہ ہوے تھے بخوبی لحاظ کیا جائے گا اور اُن اشخاص کی نسبت جن کے جرائم بسبب سریع الاعتقادی ایسی جھوٹی خبروں کے مان لینے کے لیئے جو مفسدہ پرداز لوگوں نے پھیلائیں۔ واقع ہوے بڑی رعایت اور فراخ دلی کی جائے گی۔ تمام دوسرے اشخاص کو جنھوں نے سرکار کے خلاف میں ہتیار باندھے تھے ہم بذریعۂ اعلان ہذا تمام جرائم سے جو اُن سے برخلاف ما دولت۔ ہمارے تاج (و تخت) اور ہماری قدر و منزلت کے سرزد ہوا ہیں ا گھروں کو واپس چلے آنے اور باامن اشتغال میں مشغول ہونے پر بلا شرائط معافی جان بخشی اور عفو تقصیر کا اقرار فرماتے ہیں۔ ہماری شاہانہ خوشنودی یہ ہی کہ رحم و کرم اور جان بخشی کی شرائط اُن تمام لوگوں تک وسیع کی جائیں جو آیندہ پہلی جنوری سے پہلے پہلے ان شرائط پر کاربند ہو جائیں۔ جب خدا کے فضل سے اندرونی امن چین پھر قایم ہو جائے گا اُس وقت ہندوستان کی صنعت و حرفت اور دستکاری کو ترقی اور عامۂ خلائق کے رفاہ اور فلاح کے کاموں کو وسعت دینے اور اُس کے باشندگان کی منفعت کے لیئے انتظام و حکمرانی کرنے کی ہماری دلی خواہش ہی۔ اُن کی مرفہ الحالی میں ہماری قوت ہی۔ اُن کی خوشنودی اور رضامندی میں ہمارا استحکام اور اُن کی احسان مندی اور شکر گزاری ہمارا بہترین معاوضہ ہی۔ خدائے قادر مطلق ہم کو اور ہمارے ماتحت ذی اقتدار کو ہماری رعایا کی بہبودی کی ہماری ان خواہشوں کے پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے"۔ اس اعلان کے بعد گورنر جنرل کا لقب اب وایسرائے یعنی نائب السلطنت قرار پایا اور کمپنی کا لشکر شاہی لشکر میں ضم ہوگیا۔ لیکن اس انتظام کو عملی لباس پہنانے میں ایک حد تک تاخیر اور

مذہبی رسوم و پرستش میں کسی طرح کی دست اندازی سے باز رہیں ورنہ نہایت ناخوشنودی کا مستوجب اور مورد عتاب ہوں گے - مزید براں ہماری مرضی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو ہماری رعایا بلالحاظ نسل و قوم آزادانہ ہماری ملازمت میں وہ عہدے پائیں جن کے فرائض وہ اپنی علمیت لیاقت و دیانت سے باحسن الوجوہ ادا کرسکیں - جو محبت باشندگان ہند کو اپنے ملک سے ہے جو آبا و اجداد سے متوارث ہے اُس کو ہم بخوبی جانتے ہیں اور ملحوظ رکھتے ہیں پس اُن کے تمام حقوق بہ پابندی سرکار کے مطالبات جائز کے جو اُس کے متعلق ہیں ہم محفوظ رکھیں گے اور نیز ہمارا یہ منشا ہے کہ عموماً تجاویز و نفاذ قانون میں قدیم حقوق رسم و رواج ہندوستان کا بخوبی لحاظ رکھا جائے -

ہم اُن خرابیوں اور مصیبتوں کا جو ہندوستان پر ان سرپھرے لوگوں کے اعمال کی بدولت آئیں اور جنھوں نے جھوٹی خبروں سے اپنے ابنائے وطن کو دھوکا دے کر کھلی بغاوت پر ابھارا کمال افسوس کرتے ہیں - میدان جنگ میں اس بغاوت کے فرو کرنے میں ہماری طاقت کا اظہار ہو چکا ہے مگر اب ہم اُن لوگوں کے جرائم جو دھوکے میں پڑ گئے تھے اور اب اپنے فرائض کے راستے پر آنے کے متمنی ہیں معاف کرکے اپنے رحم (و کرم) کا اظہار کرتے ہیں -

ابھی ایک صوبہ (اودھ) میں اس خیال سے کہ مزید خون ریزی کا سدباب ہو اور ہماری مملکت ہند میں جلد امن و امان قائم ہو جائے ہمارے نائب السلطنت گورنر جنرل نے اُن اشخاص میں سے اکثروں کو جو گزشتہ ناگوار فسادات میں بخلاف ہماری گورنمنٹ کے مرتکب جرائم ہوئے تھے خاص خاص شرائط سے وعدہ معافی دیا ہے اور اُن اشخاص کی نسبت کسی شخص سے کسی طرح کی رد و رعایت یا مزاحمت نہ کی جائے نہ (کسی قسم کی) بے اطمینانی عائد کی جائے جن کے جرائم معافی کی دست رس سے باہر ہیں وہ سزا تجویز کر دی ہے جو اُن پر عائد کی جائے گی ہم اپنے نائب السلطنت اور گورنر جنرل کے مذکورہ بالا فعل کو نظر استحسان سے ملاحظہ فرماتے اور منظور کرتے ہیں - مزید براں ہمارا ارشاد اور اعلان حسب ذیل ہے :-

ہماری مراعات کو تمامی مجرمین تک توسیع دی جائے گی بجز اُن مجرموں کے

ممالک مذکورہ پر عموماً ہمارے نام سے اور ہماری طرف سے حکومت اور فرماں دہی
کے واسطے زیر اطاعت اُن احکام و قواعد کے جو وقتاً فوقتاً اُس کو ہماری طرف
سے کسی ایک وزیر سلطنت کی معرفت پہنچتے رہیں گے اپنا اول نائب السلطنت
اور گورنر جنرل مقرر کرتے ہیں اور تمام اُن عہدہ داراں اور افسران جنگی اور ملکی جو
اس تک دی آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت میں تھے زیر اطاعت ہماری
آیندہ خوشنودی اور قواعد اور قوانین کے جو آیندہ نافذ ہوں مقرر کرتے ہیں
اور تمام رؤسائے ہند کو اعلان کرتے ہیں کہ تمام عہدنامجات و معاہدات جو مابین
اُن کے اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے یا اُس کے زیر اقتدار ہوئے ہیں ہم مقبول و منظور کرتے ہیں اور
(نہایت) احتیاط سے اُن کی پابندی کی جائے گی۔ اور اسی طرح اُن کی
جانب سے (بھی) اُن کی تکمیل و تعمیل کی امید ہے۔ ہم کو ممالک مقبوضہ موجودہ
کو وسعت دینے کی خواہش نہیں ہے اور درحالیکہ ہم کو اپنے حقوق اور ممالک
پر کسی طرح کی دست درازی ناسزا اور بدانتظامی منظور نہیں ہے تو دوسروں
کے حقوق پر بھی کسی طرح کا تجاوز نہ کریں گے۔ رئیسان ہند کے حقوق و دولت
و توقیر و منزلت کا ہم ایسا ہی لحاظ رکھیں گے جیسا کہ خاص اپنا اور ہماری
یہی خواہش ہے کہ وہ اور نیز ہماری رعایا اس خوش حالی اور تمدنی ترقی
کا حظ اٹھائیں جو صرف اندرونی امن اور حسن انتظام سلطنت سے میسر
آسکتی ہے۔ ممالک ہندوستان کے باشندگان کی نسبت ہم اپنے تئیں اُنھیں
فرائض کا پابند کرتے ہیں جیسا کہ ہم اپنی دیگر رعایا کی نسبت پابند ہیں اور اُن فرائض
کو بعنایت خداوند تعالیٰ ہم ایمان داری اور دیانت داری سے پورا کریں گے
ہم کو اپنی ذات سے دین عیسوی کا یقین واثق ہے اور مذہبی تسلی کے ہم شکر گزاری
کے ساتھ مقر ہیں۔ مگر ہمارا حق اور ہمارا منشا یہ نہیں کہ ہم اپنے عقائد کو اپنی
کسی رعیت سے منظور کرائیں۔ لہذا ہم یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہماری شاہانہ
خوشنودی اور مرضی یہ ہے کہ مذہبی رسوم اور دینی عقائد میں بلکہ تمام اشخاص
مساوی قانونی حفاظت سے متمتع ہوں گے اور جو اشخاص ہمارے ماتحت اور
صاحب اختیار ہوں گے اُن کو یہ ہمارا سخت حکم ہے کہ وہ ہماری کسی رعایا کی

H M Victori Qu en Emp ess

علیا حضرت ملکہ معظمہ وکٹوریا قیصرۂ ہند

لبیک کہا - وہ کیا مرے کہ مغلیہ بادشاہت کو بھی اپنے ساتھ قبر میں لے گئے

دن زیست کے کیا جانیے کیسے کاٹے　　یہ بھی نہ کھلا زندہ ہیں کیسے کاٹے
مرمر کے بسر ہوئی ہی یوں حامد عمر　　کچھ دیر نزع میں کوئی جیسے کاٹے

۱۱ / جنوری ۱۸۵۸ء کو مارشل لا اٹھ گیا اور دلی سول عہدہ داروں کے تفویض کی گئی اور جولائی کے مہینے میں عدالت ہاے دیوانی کھل گئیں - غدر کے اودھم میں دفاتر کی بڑی بربادی ہوئی بہت حصہ دفتر کا ضائع ہو گیا - ۱۰/ فروری ۱۸۵۸ء میں دلی کو ممالک مغربی شمالی سے نکال کر پنجاب میں داخل کیا گیا اس استحقاق سے کہ فتح کا سہرا پنجاب ہی کے سر تھا - حصار اور دلی کے دو ضلع قایم ہوے - یکم نومبر ۱۸۵۸ء کو کمپنی برخاست اور ملکہ معظمہ کوئن وکٹوریہ نے حکومت اپنے دست قدرت میں لی اور یہ شاہی اعلان عطوفت نشان شرف صدور لایا :-

شاہی میگنا چارٹا مورخہ یکم نومبر ۱۸۵۸ء

وکٹوریا بہ فضل خدا وارث سلطنت متحدہ گریٹ برٹین و آئرلینڈ مع مضافات و متعلقات جو یورپ ایشیا - افریقہ - امریکہ اور آسٹریلیا میں واقع ہیں حامی دین ہر گاہ کہ ہم نے بباعث چند در چند قوی وجوہ کے بصلاح و رضامندی علما و فضلاے دین و عمائد و اکابران مملکت و وکلاے رعایا جو مجلس پارلیمنٹ میں فراہم ہوتے ہیں - ممالک ہندوستان کی حکومت جو اب تک ہماری طرف سے امانتًہ زیر اختیار روی آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی کے تھی اپنے قبضۂ تسلط میں لینے کا مصمم ارادہ کیا ہی اس واسطے اب بذریعۂ اعلان ہذا مشتہر و اظہار کیا جاتا ہی کہ بصلاح و رضامندی مذکورۃ الصدر ممالک مذکورہ کی عنان حکومت ہم نے اپنے دست قدرت میں لے لی ہی اور ممالک مذکورہ میں ہماری رعایا کو یہ ارشاد ہی کہ وہ سچی وفادار اور صادق مطیع ہماری اور ہمارے جانشین اور ورثا کی بنی رہے اور جن اشخاص کو ہم وقتًا فوقتًا ممالک مذکورہ کے انتظام و انصرام کے واسطے اپنی طرف سے اور اپنے نام سے مقرر کریں اُن کے اختیار حکومت کو تسلیم کریں - چنانچہ ہم نے اپنے معتمد عزیز بھائی اور مشیر چارلس جان وائی کونٹ کیننگ کی فراست اور لیاقت و خیر سگالی پر خاص یقین و اعتبار کر کے موصی الیہ کو

کہ زمین آسمان اور اپنے دست و پا تک دشمن تھے۔ لسانی شہادت کے علاوہ دستاویزی شہادت کا ایک طومار تھا۔ یہ بات پوری طرح پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ بادشاہ نے باغیوں کا ساتھ دیا اور جہاں تک جیز امکان میں تھا اختیارات شاہی اپنے دست قدرت میں لیئے۔ یہ بات بھی کھل گئی کہ دوسرے حلقے پر سے مقربان شاہی نے باغیوں کو خوب اُبھارا اور بھڑکایا گویا جلتی آگ پر تیل ڈالا اور بادشاہ اور شاہزادوں نے اُن کی ہاں میں ہاں ملائی۔ یہی بہادر شاہ وہ پہلے شخص تھے جنھوں نے لفٹنٹ گورنر کو آگرے میں سب سے پہلے غدر پھوٹنے کی خبر دی تھی لیکن آگے چل کر وہ بھی ہوا کے ساتھ ہو لیئے کیوں کہ اصلی بات یہ ہے کہ باغیوں کی روک تھام اُن کے بس کی بات نہ تھی۔ ممکن نہ تھا کہ وہ ان اشرار کے پھندے سے بے داغ نکل جاتے۔ اول تو بڈھے پھوس اور پھر یوں بھی کم زور۔ بادشاہت صرف نام ہی نام کی رہ گئی تھی۔ یہ لاکھ چاہتے تو یہ گھوڑدل جس پر شیطان سوار تھا بادشاہ کی کب سنتے عرض یہ کہ مشیت ایزدی یوں ہی تھی۔ آنے کے ساتھ گھس پس گیا۔ کہیں سال بادشاہ پر جتنے الزام لگائے تھے سب ہی تو ثابت ہوئے۔ بادشاہ کو جاں کی امان پہلے ہی دی جا چکی تھی اور ایسا قول و قرار نہ بھی ہوا ہوتا تو بھی کمیشن کی خواہش بادشاہ کی نسبت کبھی انتہائی سزا صادر کرنے کی نہ تھی۔ بادشاہ کو جلا وطن کر کے رنگون بھیج دیا اُن کے ساتھ نواب زینت محل اور اُنکے بیٹے جوان بخت بھی گئے۔ بھلا جس شخص کی بادشاہت چھن جائے۔ وطن سے بے وطن ہو جائے۔ وہ جی سکتا ہے؟ بادشاہ کی جان یہیں سلب ہو چکی تھی۔ ۵

وہ ناتواں ہوں کہ ہوں بار نظر نہیں آتا   اجل پھری مرے بستر کے گرد ساری رات

پانچ برس جدا جانے کس رنج و محن میں کاٹے آخر ۱۲۷۹ھ / ۱۸۶۲ء میں داعی اجل کو [۱]

---

[۱] کسی نے تاریخ کہی ہے۔ ۵

سراج الدین بہادر جو سوئے جنت ہو روانہ کہ جن کے باعث مٹی ہو شی سے تھا کہ رہا تھا چراغ دہلی
جلوس اُن کا "چراغ دہلی" تو اب دیکھو مطابق اُس کے + مرد عیسٰی سال رحلت کہا تھا ہے "چراغ دہلی"
۱۲۷۹ھ   ۱۲۰۳ھ

بڑے بڑے باغیان غدر ماخوذ کر کے فوجی کمیشن کے سامنے پیش کیے گئے۔ تین شہزادے پہلے قتل ہوئے بختاور شاہ اور مرزا مینڈھو دو اور رہ گئے تھے کمیشن نے انھیں مجرم قرار دیا۔ جمنا کی ریتی میں انھیں لے جا کر گوروں نے باڑھ ماردی۔

لگا نہ رہنے دے جھگڑے کو یار تو باقی
رکے نہ ہاتھ ابھی ہے رگ گلو باقی

ان کے بعد بلب گڑھ کے راجہ ناہر سنگھ اور جھجر کے نواب عبدالرحمٰن خاں کی روبکاری ہوئی جن کے خلاف بڑی زبردست شہادت سر جان تھیا فلس مٹکاف صاحب بہادر کی تھی۔

لاؤ تو قتل نامہ مرا میں بھی دیکھ لوں
کس کس کی مہر ہے سر محضر لگی ہوئی

راجہ ناہر سنگھ کے باپ کو ۱۸۰۳ء میں جنرل لارڈ لیک نے دلی سے چند میل پرے بلب گڑھ کے نواح میں کچھ اراضیات اس شرط سے دی تھیں کہ وہ متھرا کی سڑک کی پکول تک خبرداری رکھیں کیوں کہ اس زمانے میں سڑک کے دو طرفہ گھنا جنگل تھا جس میں چور چکار۔ ڈاکو۔ قزاق۔ ٹھگ کھلے خزانے مسافروں کو لوٹتے مارتے تھے۔ اب آگرے کی نہر نکل جانے سے جنگل صاف ہو کر کھیتی باڑی ہونے لگی۔ دونوں سردار خطاوار اور لایق سردار ثابت ہوئے۔ جاگیر ضبط اور ختم سال کے ساتھ ان کی زندگی کا بھی خاتمہ ہوا اور سر بازار چاندنی چوک میں دونوں پھانسی پر لٹکائے گئے۔

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

۲۷ر جنوری ۱۸۵۸ء کو بہادر شاہ فوجی کمیشن کے روبرو لائے گئے جس میں تین سردار ملکہ معظمہ کی طرف سے تھے اور دو کمپنی بہادر کی جانب سے۔ بادشاہ پر چار الزام تھے یا یوں کہو کہ چاروں طرف سے گھر گئے تھے جس میں ایک الزام یہ بھی تھا کہ ۱۶ر مئی کو قلعہ میں انچاس انگریز مارے گئے ان کے بانی مبانی بھی تھے۔ ایک دن نہ دو دن پورے اکتیس دن مغلیہ تاجدار کمیشن کے سامنے ایک مجرم کی حیثیت سے کشاں کشاں پھرتا رہا۔ ہوا بگڑی شرط ہے گواہوں کی کیا کمی تھی خود حکیم احسن اللہ خاں وزیر بادشاہ کے دو بدو کھڑے تھے یوں سمجھئے

صاحب متوسلان شاہی میں سے تھے وہ بھی گئے اُن کے ساتھ دو پنجابی پٹھان تھے کشتوں کے پشتوں میں انھوں نے دیکھا کہ ایک عورت میں ابھی دم باقی ہے جس نے ہاتھ سے پانی کا اشارہ کیا ان میں سے ایک افغان نے مارنے کو پتھر اٹھایا میرے نانا نے ہاتھ پکڑ لیا کہ ناحق ناروا تم کیوں مارتے ہو اور چلے آئے دن چھپے وہ اکیلے گئے اور میم صاحب گٹھری باندھ کر اپنی پیٹھ پر لاد کر اپنے گھر لائے - وہ طبیب بھی تھے میم صاحب کی مرہم پٹی کی اور علاج معالجہ کیا خدا نے اُنھیں اچھا کر دیا - اس اثنا میں کسی نے شہر میں خبر چھوڑ دی کہ مولوی نے کسی میم کو چھپا رکھا ہے ہمارے گھر پر باغیوں کی دوڑ آ گئی میم کو اپلوں کی کوٹھری میں چھپا کر اوپر سے اُپلے ڈال دیئے - باغی ڈھونڈ ڈھانڈ کر چلے گئے - اب مشکل یہ پڑی کہ ان کو برٹش کیمپ میں کیوں کر پہنچائیں - ان کو ایک بہلی میں بٹھایا اور انھیں کے ساتھ ہمارے گھر کی دو چار عورتیں بیٹھ پردہ ڈال دیا بیچ میں میم صاحب کو لے لیا - کئی جگہ رستے میں روک ٹوک ہوئی مولوی صاحب ساتھ تھے لوگوں نے سمجھا کہ ان کا زنانہ ہے بہر ارمشکل میم صاحب کو کیمپ میں پہنچایا بعد کا قصہ طول طویل اور غیر متعلق ہے - میم صاحب اور اُن کے شوہر ۱۸۸۵ء تک زندہ تھے اور اب بھی اُن کی دو بیٹیاں زندہ ہیں -

جنرل گاف نے یہ بھی لکھا ہے کہ "دلّی فتح ہونے کے چند دنوں بعد تک میں شہر میں رہا اور کئی دفعہ اندرون شہر جانے کا اتفاق ہوا اور وہاں گولہ باری سے جو تباہی اور نقصانات ہوئے تھے دیکھ کر معلوم ہوا کہ طرفین کے لیئے یہ ایک بڑی مصیبت کا سامنا تھا - قلعہ میں خوب صورت اور قیمتی اشیاء کا ایک بے شمار ذخیرہ تھا - اس کے بعد ہی ایک کمیٹی انعامات کی مقرر کی گئی اور ہر شخص کو اس کے مرتبے کے موافق انعامات بانٹے گئے - میری اپنی ذاتی لوٹ اگر میں اُسے ایسا کہہ سکتا ہوں تو وہ ایک تلوار تھی جو شہزادوں سے کسی نے چھین لی تھی اور ہاڈسن نے مجھے دی تھی اور جو اب تک میرے پاس ہے" - اس سے کہ یہ تلوار کسی نااہل کے پاس جاتی بہت بہتر ہوا کہ شہزادے کی تلوار جنرل کے پاس گئی گئی تھی کہاں گیا کھڑی میں اور رکھیڑی کہاں گئی یاروں کے پیٹ میں - اواخر ۱۸۵۷ء میں

نکل جانے کی بڑی تعجب خیز نظیر آلڈول کی میم صاحب کی ہے وہ مع اپنے دو لڑکوں اور لڑکیوں کے ۱۱ مئی سے ۹ ستمبر تک اپنے ہی گھر میں چھپی رہیں اور آخر کار بھاگ کر پہاڑی پر جا پہنچیں یہ یقیناً اُن کے ہندوستانی ملازمین کی پکی وفاداری کا سبب ہے۔ ان بے چاروں پر جیسی مصیبت گزری ہوگی اور ہر دم جان ہتیلی پر رہی ہوگی اُس کا بیان قلم سے ادا ہونا نا ممکن ہے۔ مسز پیٹل نے اس پر ایک دل چسپ ناول دی فیس آف دی واٹرز The Face of the water لکھا ہے اور اُس میں اس کا خوب چربہ اُتارا ہے۔ لیکن ڈاکٹر ڈبلیو۔ ڈبلیو آیرلینڈ جو اس زمانے میں دلی میں موجود تھے وہ اس واقعہ کو سرے سے من گھڑت ہی بتلاتے ہیں اور اگر ایسا ہوا تو ضرور ایک تعجب انگیز واقعہ ہے۔ مسز لیس سے میں خود ملا ہوں وہ اپنا واقعہ کہتی تھیں اور باوجود یہ کہ بہا سال گزر جانے کے بھی جب داستان غم دہراتی تھیں تو اُن کی ہچکی بندھ جاتی تھی۔ وہ ایک توپ خانے کے ملازم کی بیوی تھیں دو لڑکیاں اُن کے ساتھ تھیں ایک کوئی آٹھ دس برس کی تھی دوسری گود میں۔ کوئی سو ڈیڑھ سو میموں اور بچوں نے کشمیر دروازے کی طرف ایک تہ خانے میں پناہ لی تین دن بے آب و دانہ رہے۔ بچوں کو رونے کا حکم نہ تھا کہ کہیں ان کی آواز سن کر باغی نہ گھس آئیں۔ آخر کب تک۔ باغی آئے اور سب کو تلواروں اور طمنچوں سے مار ڈالا۔ ماؤں کی گودوں سے پھول سے بچے جو تھے اور ڈرے ہوئے ماؤں کے کلیجے سے چمٹے ہوئے تھے گھسیٹ گھسیٹ سنگینوں کی نوکوں پر اُن کو دھر لیا۔ لیس صاحب کی میم کی بھی دونوں بچیاں اسی نے رکھی سے ماں کی آنکھوں کے سامنے ماری گئیں میم صاحب کو بھی گولی لگی تھی اور کئی زخم آئے۔ جس کے دو بچے اُس کے سامنے ذبح کر دیئے جائیں اُس کی حالت یوں بھی نیم جان تھی۔ میم صاحب زخمی ہو کر مُردوں کے انبار میں دب گئیں۔ شہر میں خبر مشہور ہوئی کہ باغیوں نے آج یہ ستم ڈھایا کسی کی موت اور کسی کا تماشہ۔ لوگ جوق جوق دیکھنے گئے۔ سنا کہ اگا میں جی جان لب بر سسک رہے تھے اُن کو ان لوگوں نے ختم کیا۔ میرے نانا مولوی عبدالقادر

تھے کہ مال مال مع بال بچوں کے صحیح سلامت رہے - یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہو کہ بہت سی میموں اور بچوں کی جان ہندوستانیوں کے حسن سلوک کی بدولت بچ گئی چنانچہ میرے نانا مولوی عبدالقادر صاحب مرحوم نے بھی ایک جنٹلمین مسٹر لیسن کی جان اپنی جان جوکھم میں کرکے بچائی - اگرچہ ہندوستانیوں نے زیادہ تر ظالمانہ حرکات کیں جو صرف ایک مذہبی جوش کا مآل تھا لیکن پھر بھی بہت سے خدا ترس اور نیک دل ان میں بھی موجود تھے - جو انگریز غدر کے وقت دلی میں تھے فرداً فرداً اُن کے ساتھ کیا کیا سلوک ہوا اس کا صحیح صحیح حال منکشف ہونا ناممکن ہی - سچ پوچھیے تو جتنا ظلم وستم ڈھایا سب پاجیوں اور بدمعاشوں کا کام تھا شریف اس میں ایک بھی شریک نہ تھا وہ گھروں میں سہمے ہوئے چھپے بیٹھے تھے - لوگوں نے رنگ بھی بہت چڑھایا ہی اور بہت مبالغے سے کام لیا ہی - دلی گزٹ کا ایک سابق کا اڈیٹر کہتا ہی کہ "ڈھول سی) سر بار بار نازک عورتوں کو ننگا کرکے بانسوں سے مارا - اُن پر پتھروں کی بوچھاڑ کی اور غلاظت اُن پر ڈالی" - ایک دوسرا شخص بطور تمام لکھتا ہی کہ "چوالیس میموں اور بچوں کو ایک ہفتے (قید) رکھا اور پھر (طرح طرح کی تکلیفیں دے کر مار ڈالا" - لیکن اغلب یہ ہی کہ ان باتوں میں اصلیت کا شائبہ بہت کم ہی گو کہ عام حالت فی الحقیقت ناگفتہ بہ تھی - ایک ہندوستانی اپنا چشم دید واقعہ یوں بیان کرتے ہیں کہ "چند انگریزوں نے ایک مسجد میں پناہ لی تھی جہاں وہ کئی دن تک (بھوکے) پیاسے رہے اور بعد اُس کے اُن کو سلوں کے ایک کوٹھے میں لے جاکر قطار باندھ کر کھڑا کرکے باڑھ ماردی" - یہ واقعہ غدر کے پہلے دن کا معلوم ہوتا ہی کہ اُسی دن تیس سے لے کر چالیس انگریز مارے گئے تھے جس میں دلی کالج کے پروفیسر ٹیلر کا بنحر مع اُس کے بال بچوں کے - چند پادری - چار چھوٹے سردار گورے اور ایک مشہور نیولینڈ نامی جو ڈاک بنگلے میں اُترا ہوا تھا سارے کے سارے قتل ہوئے - اس کے بعد دو تین دن کے اندر ہی اندر پچاس عورت بچے ان ظالموں کی بھینٹ چڑھے - پچاس کرانی مرد عورتیں قلعہ میں تہ تیغ کیے گئے - موت کے سہ

دو ہزار بھی بغاوت کی اور بعزم دہلی چلے آرہے ہیں - اُن کی خبر لینے کو ۱۰ نومبر کو ایک مختصر لشکر ریواڑی کی طرف بھیجا گیا - لشکر کو قطع مسافت میں بڑی دقتیں پیش آئیں - بھاری بھاری توپیں نالے ندیوں کی ریت میں دُھرے دُھرے تک اُتر جاتی تھیں اور ایسی پھنس جاتی تھیں کہ پانچ پانچ ہاتھی زور کرکے نکالتے تھے جب کہیں نکلتی تھیں - سولھویں تاریخ غنیم سے نارنول مقام پر مقابلہ ہوا اُن کے ڈیڑھ سو آدمی مارے گئے اور اُدھر کی پوری فتح ہوئی اور لشکر مظفر و منصور واپس آیا - باغیوں کے جھنڈ کے جھنڈ گرد و نواح میں چکر کاٹتے رہتے تھے ابھی پوری طرح امن نہیں ہوا تھا ان کی گوشمالی کے لیئے وقتاً فوقتاً چھوٹے موٹے لشکر بھیجے جاتے تھے آخر کار گورنمنٹ کالج - احمد علی خاں کے مکانوں میں فوج کا کوارٹر مقرر کیا گیا اور سکنر صاحب کا مکان عہدہ داروں کا میس ہاؤس قرار پایا - ۱۸۵۹ء میں ہندوستانی فوج کی چھاؤنی دریا گنج میں مقرر کی گئی اور قلعہ کے اندر گوروں کی پلٹن اور توپ خانوں کے لیئے بارکیں بنائی گئیں اور بہت سی عمارتیں ڈھا ڈھوکر پانسو گز کا میدان صاف کر دیا گیا - تین پارٹیاں اپنی جان بچانے کے لیئے دلی سے میرٹھ کو روانہ ہوئیں وہ لوگ گرتے پڑتے جان ہتیلی پر لیئے چلے جاتے تھے ایک تو پہاڑی پر کے فلیگ سٹاف ٹور کے لوگ تھے جن میں زیادہ فوجی اور سولینوں کے بال بچے تھے اور کچھ زخمی عہدہ دار - جو بڑی سختیاں جھیل کر موت کے منہ میں سے نکل کر بہ ہزار دقت کرنال پر سے میرٹھ پونہچے - بعد میں مسز پیل نے جو اس پارٹی میں تھیں ایک چھوٹی سی کتاب میں ان لوگوں پر جو آفتیں ٹوٹیں من و عن بیاں کی ہیں - دوسری چھوٹی سی پارٹی مین گارڈ کے لوگوں کی تھی وہ بھی مع الخیر جا پونہچے - تیسری پارٹی اُن چند جانباز لوگوں کی تھی جو میگزین اُڑانے کے بعد بچ گئے تھے ان میں سے لفٹنٹ ولوبی نے جا رہے کو رستے والوں نے ایک گاؤں میں قتل کر ڈالا باقی بھاگ نکلے اور پونہچ گئے - ان پارٹیوں کے ماسوا دو نفوس تن تنہا نکل کھڑے ہوئے جن میں ایک مسز پیل تھیں جو کرنال میں پارٹی میں جا ملیں اور ایک دہلی گزٹ کے مسٹر ویگن ٹریبر جو بڑے خوش نصیب

بھگتنا پڑا ۔ مطلب یہ تھا کہ جس طرح تیمور اور نادر شاہ نے قتل عام کرکے ایک دم باپ کاٹ دیا تھا اور قصہ تمام کردیا تھا یہاں برسوں تک دار و گیر کا سلسلہ جاری رہا ۔ لوٹ کے مال و اسباب کی بھی یہاں بڑی سختی سے کی گئی ۔ میجر جنرل ولسن نے مال غنیمت سپاہیوں کو دلانے کا وعدہ کیا تھا لیکن لارڈ کیننگ نے کہا کہ یہ اقرار و قرار ہیں کچھ نہیں جانتا لوٹ کا مال جس کا مالک مستحق ہو حق سرکار ہے نہ کسی اور کا ۔ ان حالوں جوکھوں کی جنگی خدمات کا معاوضہ سولجر (سپاہیوں) کو چھ چھ مہینے کا بھتہ دیا گیا جس کی ایک بہت جزوی رقم اڑتیس روپیہ کی ہوئی ۔ بہت سے لوگ لنگڑے لولے اور لجے ہوگئے ایک زخمی سولجر نے دیوار پر چاک سے گھسیٹ دیا تھا کہ[1] Delhi taken India saved, for thirty eight rupees or one rupee eleven annas eight pies a battle'

ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائرکٹروں نے جب سا تو لارڈ کیننگ کے حکم میں اتنی ترمیم کردی کہ رقم کو ڈبل کردیا ۔ یہ تھا وہ صلہ جو غدر کے جاں لڑانے والے بہادروں کو ملا ۔ اہل ہم وطنوں کا امتنان اور شکرگزاری گھاتے میں رہی ۔ شہر کے تمام باشندے اس الزام میں شہر بدر کیئے گئے کہ انھوں نے کچھ گوروں کو مار ڈالا تھا ۔ کچھ دنوں کے لیئے اہل ہنود کو واپس چلے آنے کی اجازت مل گئی تھی کچھ دنوں یہ بات معرض بحث میں رہی کہ کیوں نہ سارے شہر کو یا کم سے کم جامع اور قلعہ کو بالکل مسمار کرکے زمین کے برابر نہ کردیا جائے لیکن خداوند کریم نے بعض خداترسوں کے دل میں رحم ڈال دیا اور انھوں نے اس ارادے کی مخالفت کی ورنہ ساری دلی کھد جاتی اور اینٹ سے اینٹ بج جاتی ۔ ع رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گزشت ۔ آگرے اور لکھنؤ کو بہت سی فوج چلی گئی تھی جو بچ رہی تھی انھیں کے پہرے شہر اور قلعہ میں چڑھا دیئے گئے ۔ ماہ نومبر کے اوائل میں جبر ملی کہ ایران پورہ اور کوہ آبو میں جودھ پوری فوج نے جس کی تعداد

[1] دلی فتح ہوگئی ۔ ہندوستان بچا لیا گیا (کتنے میں صرف) فی لڑائی ۱۱ﷲ۸ میں ۔ ۱۲

کون وہ داور جم مرتبہ کو ہر صاحب | کہ جسے خلق کہے شاہ جہانِ دہلی
شہر والوں کو یہی ورد زباں ہے شب و روز | کہ سلامت رہے یہ فیض رسانِ دہلی
پھر وہی مسجد جامع کی ہے بازار کی دھوم | پھر ہے آراستہ ہر ایک مکانِ دہلی
پاس مسجد کے شفا خانہ ہے ایسا کہ جسے | ہے بجا کہیے اگر روحِ روانِ دہلی
قلعہ میں ہے وہ پری زاد عجائب خانہ | کہ صنم خانۂ چیں ہے نگرانِ دہلی
چاندنی چوک بگڑ کر وہ بنا از سر نو | کہ کہیں گے ہم اسے بخت جوانِ دہلی
چوک کے باغ میں وہ رنگ ہے اپریل کا | کہ قسم کھاتی ہے فردوس بجانِ دہلی
اہلِ ایران یہ غزل سن کے کہیں گے بے شک | بود تا قلب مگر از اہلِ زبانِ دہلی

فتح کے بعد دلی میں مارشل لا جرنیلی قانون جاری ہوا اور ایک فوجی گورنر مقرر رہا اور سارے شہر میں گھر گھر تلاشی ہونے لگی کہ کہیں باغی بھیس بدل کر چھپے چھپائے نہ ہوں چنانچہ بہت سے لوگ گرفتار ہوئے اور پھانسی پر چڑھائے گئے اور جب آتش انتقام ٹھنڈی ہوئی تو پھر سیکڑوں جزائر اینڈمن یعنی کالے پانی بھیجے گئے لیکن جو پھانسیاں چاندنی چوک میں گاڑی گئی تھیں اُن پر بے شمار آدمی لٹکائے گئے۔ قیامت کا نمونہ اور نفسی نفسی کا معاملہ تھا۔

یہ رعایا ہند تبہ ہوئی کہو کیسی اُن پہ جفا ہوئی
جسے دیکھا حاکم وقت نے کہا یہ تو قابلِ دار ہے
شب و روز پھولوں میں جو تلیں کہو غم سے کیونکہ وہ چپ گھلیں
ملے طوق قید میں جب انھیں کہا بدلے گل کے یہ ہار ہے
جو سلوک کرتے تھے اور سے ہیں وہ دیکھو اب بڑے طور سے
وہ ہیں تنگ چرخ کے جور سے رہا تن پہ اُن کے نہ تار ہے
بوے پیڑ تھے جو ببول کے ہیں انھیں میں اب جو یہ گل لگے
جسے جسے ہم نے گنہ کیے یہ انھیں گناہوں کا بار ہے
پڑی آکے جانوں پہ ایسی بن کہ نشانے ہو سبھی کے ہرن
حسد دیکھتا ہوں پڑا ہوا پہ گلے میں اشکوں کا ہار ہے

لوگ کہتے تھے کہ انگریزوں کی پکڑ بڑی زبردست ہے لوگوں کو برسوں خمیازہ

فوج سے انگریزوں کا پہاڑی کو لے لینا - ۱۴ ستمبر - انگریزوں کا دلی پر پھر قبضہ -

(۲) لکھنؤ - یکم جولائی ریزیڈنسی کی حفاظت کا آغاز - ۲۵ ستمبر - ہیولاک اور اوٹرم کی امداد کا پونہچنا - ۲۲ نومبر - سر کالن کیمبل اور اوٹرم کی آخری امداد - گیریژن کی واپسی - ۲۱ مارچ ۱۸۵۸ء - لکھنؤ کی فتح -

(۳) کانپور - ۶ جون ۱۸۵۷ء - مورچوں کی حفاظت کا آغاز -

۲۷ " " " " انتقام -

۲۷ جون - ۱۶ جولائی جوانگی اور قتل -

۱۷ جولائی - لشکر انتقامی کا داخلہ -

۲۷ نومبر - گوالیار کنٹنجنٹ سے ونڈھم کی شکست -

۶ دسمبر - کانپور کی لڑائی اور سر کالن کیمبل کی فتح -

(۴) وسط ہند و بندیل کھنڈ - جون ۱۸۵۸ء - جھانسی کی رانی کی وفات -

اپریل ۱۸۵۹ء تانتیا ٹوپی کا قتل -

(۵) روہیلکھنڈ - جون ۱۸۵۸ء - ریلی کو انگریزوں کا پھر لے لینا -

یکم نومبر ۱۸۵۸ء - اعلان شاہی بمقام الہ آباد - مشتہرہ لارڈ کیننگ اول ویسرائے و گورنر جنرل -

باب پانچواں - دلی غدر کے بعد

ای کہن سال فلک دشمن جانِ دہلی
کیا ترے ہاتھ لگا کھو کے نشانِ دہلی

حیف صد حیف کھدی شاہ جہاں کی تعمیر
وا اسے صد و لیے مٹی شوکت و شانِ دہلی

ہی قلعہ اور نہ وہ ریبہ نہ سڑک پھر کیوں کر
دلی والوں کو ہو ہمت یہ گمانِ دہلی

اس کے واپرانے سے آباد ہوے اور بلاد
ہی بہارِ چمن دہر خزانِ دہلی

اہل دہلی نہ کریں ہمت کا شکوہ کیوں کر
سخت جاں تھی ہوس ہے سب باغ جنانِ دہلی

سحر آہنگ مغنی ہتے ہزاروں اور اب
کچھ جو باقی ہیں سو ہیں مرثیہ خوانِ دہلی

حاکم عادل و دانا کو خدا نے بھیجا
تب یہ آباد ہوے چند مکانِ دہلی

گلیوں میں گھسیٹے جائیں گے" اور جب ہاڈسن کے رسالے نے کوتوالی چبوترے کے سامنے شہزادوں کی نعشیں لٹکی ہوئی دیکھیں تو اُن کو اس پیشین گوئی کے پورے ہونے کا یقین ہو گیا۔ خدا معلوم یہ بات کہاں تک سچ ہے مگر سکھوں کو اس بات کا فخر تو ضرور ہے۔ دلّی والوں میں بھی یہ روایت مشہور ہے کہ شہزادوں کے سر کاٹ کر ایک خوان میں لگا کر بادشاہ کے سامنے بھیجے گئے تھے۔ اگر ایسا ہوا ہو تو بادشاہ کا کیا حال ہوا ہوگا جس کے تین جوان بیٹے آن واحد میں تہ تیغ کیے گئے۔ انگریزوں کے دل زخمی تھے اُن کے عزیز قریب بال بچے نہایت بے رحمی سے مارے گئے تازہ تازہ زخم تھا جو نہ کیا ہو تھوڑا ہے اور پھر جب کہ تقدیر کا فیصلہ بھی انھیں کے دست قدرت میں تھا تو گلہ شکوہ سنے جا۔

وہی قاتل وہی مخبر ہے وہی منصف ہے
اقربا میرے کریں خون کا دعویٰ کس پر

غضب میں آئی رعیت بلا میں شہر آیا
یہ پوربی نہیں آئے خدا کا قہر آیا

زباں سے کہتے ہوے دین دین آئے لعین
جو ماتا دین تھا کوئی تو کوئی گنگا دین

یہ جانتے ہی نہ تھے چیز کیا ہے دین متین
کیے ہیں قتل زن و بچے کیسے کیسے حسین

روا نہ تھا کسی مذہب میں جو وہ کام کیا
غرض وہ کام کیا کام ہی تمام کیا

فلک نے قہر غضبناک تاک کر ڈالا
تمام پردۂ ناموس چاک کر ڈالا

یکایک ایک جہاں کو ہلاک کر ڈالا
غرض کہ لاکھ کا گھر اس نے خاک کر ڈالا

جلیں ہیں دھوپ میں شکلیں جو ماہتاب کی تھیں
کھنچی ہیں کانٹوں پہ جو پتیاں گلاب کی تھیں

برنگ بوے گل اہل چمن چمن سے چلے
غریب چھوڑ کے اپنا وطن وطن سے چلے

نہ پوچھو زندوں کو نکلے جو آرکس چلن سے چلے
قیامت آئی کہ مردے نکل کفن سے چلے

مقام امن جو ڈھونڈا تو راہ بھی نہ ملی
یہ قہر تھا کہ خدا کی پناہ بھی نہ ملی

پیادہ پا ہوں رواں شہ سوار صد افسوس
لہو کے گھونٹ پئیں بادہ خوار صد افسوس

ذلیل و خوار ہوں اہل وقار صد افسوس
ہزار حیف دل نے قرار صد افسوس

جھکے ہیں بار الم سے تنے ہوئے کیسے
بگڑ گئے ہیں یکایک بنے ہوئے کیسے

غدر کے اہم واقعات

(۱) بحدود دہلی ۱۸۵۷ء ۔ ۱۰ مئی ۔ میرٹھ میں غدر ۔ باغیوں کا دلّی پر تسلط ۔ ۸ جون ۔ ایک تھوڑی سی

گھوڑا سرپٹ ڈال اُن سے جا ملے دیکھتے کیا ہیں کہ اسکارٹ کو حلقت لے گھیر رکھا ہے اور موقع ملے دھب آن پڑا ہے ممکن ہے کہ یہ لوگ شہزادوں کو چھڑا لیں حیلہ تیری یہ ٹھیرایا کہ ان کی جان کی امان کا وعدہ نہیں کیا گیا تھا۔ ہاڈسن صاحب نے اپنے ہاتھ سے طمنچہ ٹھوک دیا اور تینوں شہزادگان والاتبار کو دم کے دم میں راہ عدم کو پہنچا دیا۔ جنرل سر ہیوگاف جی سی بی۔ وی سی۔ جو دہلی کے محاصرے میں کمانڈنگ تھے اپنی کتاب اولڈ موریز میں لکھتے ہیں کہ ہاڈسن صاحب پر اس بات کا سخت الزام لگایا جاتا ہے کہ انھوں نے شہزادوں کو اس طرح کیوں مارا میں تو اس سانحے کے وقت اُن کے ساتھ تھا نہیں اس واقعہ کا چشم دید گواہ صرف ایک ہی شخص لفٹنٹ سی میکڈوول تھا جو بعد میں شمس آباد میں مارا گیا۔ اس نے مجھ سے اسی وقت راہ راست ساری کیفیت دہرائی اور رسالدار مان سنگھ اور دوسرے نیٹو افسروں سے بھی میں نے سنا سب کا متفقہ یہی بیان تھا کہ جب ہاڈسن صاحب اپنے سو سواروں کی جمعیت کے ساتھ دلی کے قریب پہونچ رہے تھے ہندوستانیوں کا ایک انبوہ کثیر جمع ہو گیا اور اُن کے تیوروں سے معلوم دیتا تھا کہ اُن کا ارادہ (شہزادوں کو) چھڑا لینے کا ہے اور اس سوائے اُن کی موت کے اور چارۂ کار باقی نہ تھا۔ میکڈوول صاحب کہتے تھے کہ رہیں ہماری جانیں وکسی تماشا میں نہ تھیں۔ مجھے اس بات کا اقرار ہے کہ مجھے ہمیشہ اس بات کا ملال ہی رہا کہ ہاڈسن نے اپنے ہاتھ کیوں خون میں آلودہ کیے اور جلاد کا کام کیا جو ایسے جری آدمی کی شان کے بالکل خلاف تھا۔ کم بخت شاہزادے۔ رذل اور بدمعاش ولیسی سلوک کے مستحق تھے (ان شاہزادوں کی نسبت گاف صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں کہ بادشاہ تو برائے نام تھا وہ معمر اور ضعیف بھی تھا اور اپنے بیٹوں کے ہاتھ میں بالکل ایک کٹ پتلی کی طرح تھا یہ بدمعاش حقیقی موجد تھے اُن تمام ہیبت ناک مظالم کے جو بیسے ہم وطنوں اور عورتوں پر توڑے گئے ان کو بھی ہاڈسن نے گرفتار کر لیا اور قیدیوں کی طرح لایا) لیکن میری ہمیشہ یہ رائے رہی ہے کہ ہاڈسن نے جو کچھ کیا بجا کیا بجز اس کے کہ اُن سے وہی ایک غلطی ہوئی۔ کہتے ہیں کہ سکھوں میں ایک پیشین گوئی چلی آتی تھی کہ دلی اُن کے ہاتھ پر فتح ہو گی اور شہزادے

اُن کو تکیے کے بھی قابل نہ خدا نے رکھا
سنگ پہلو سے اُٹھا یا تو ہُما نے رکھا

دیکھ سکتے نہ تھے جس بات پہ وہ اڑتے تھے
ضلع سے زیادہ مزا تھا جو کبھو لڑتے تھے

پاؤں رکھتے تھے کہیں اور کہیں پڑتے تھے
آنچلوں سے زرِ مقیش پڑے جھڑتے تھے

اُن کو رونے کے سوا شغل نہ کچھ رہتا تھا
ایک دریا ہے کہ آنکھوں سے پڑا بہتا تھا

عطرِ صندل میں جو دامن کو بسایا کرتے
کنٹھی موتی کی گریباں میں لگایا کرتے

بیٹھ خلوت میں جو زلفوں کو بنایا کرتے
یہ سنگار آئنہ کو بھی نہ دکھایا کرتے

اب نہیں کچھ بھی اُنھیں زلفِ پریشاں کی خبر
نہ گریباں کی خبر اور نہ داماں کی خبر

روز بن ٹھن کے نکلنا وہ جوانوں کا کہاں
بیٹھنا ناز و ادا سے وہ دوکانوں کا کہاں

اب مغنّی نہ رہا اور وہ ساقی نہ رہا
دھوتی بندوں کے سوا کوئی بھی باقی نہ رہا

بہادر شاہ بادشاہ بھی باغیوں کے ساتھ شہر چھوڑ نکل کھڑے ہوئے اور ہمایوں کے مقبرے میں جا چھپے۔ جس دن دلّی فتح ہوئی اُسی دن یعنی اکیسویں تاریخ کو ہاڈسن صاحب نے بادشاہ کو گرفتار کر لیا۔ سارے کا سارا مقبرہ بادشاہ کے ہمراہیوں اور مسلح آدمیوں سے کھچ کھچ بھرا ہوا تھا لیکن انگریزوں کی دھاک بندھی ہوئی تھی اور اقبال یاور تھا کل پچاس سواروں سے جا بادشاہ کو گھیر لیا اُن سے سپردگی کا اصرار کیا وہ پہلے ہی ادھ موئے تھے جھٹ اپنے آپ کو حوالے کر دیا۔ جان بڑی پیاری ہوتی ہے۔ خدا کسی پر بُرا وقت نہ لائے اُن کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ بادشاہ کی عظمت اور مرتبے کو دیکھو آج خدا نے یہ دن دکھایا کہ اپنی جان بخشی کا سوال زبان پر لانا پڑا۔ اللہ اکبر۔ بادشاہ کو چھپاتے قلعے میں پہنچا دیا۔ جنرل صاحب کو بڑی حیرت ہوئی۔ گو ہاڈسن صاحب بادشاہ کی گرفتاری کا بیڑا اُٹھا کر اُن کی اجازت سے گئے تھے مگر جنرل صاحب کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ تھا کہ یہ امرِ اہم اس آسانی سے طے ہو جائے گا۔ اگلا دن قیامت کا دن تھا ہاڈسن صاحب پھر مقبرے گئے اور تین شہزادوں مرزا مغل۔ مرزا خضر سلطان مرزا ابوبکر۔ کو گرفتار کر سواروں کے نرغے میں آگے بٹھا دیا اور خود ہمراہیان شاہی کے ہتیار لینے کو ٹھیر گئے۔ جب بادشاہ اور شاہزادگان والا تبار کو ہی پکڑ لیا تھا تو ان لوگوں کا ہتیار ڈال دینا کون سی بڑی بات تھی۔ غرض اپنا کام کر ہاڈسن صاحب

میں بغاوت کا زہریلا اثر پھیل جاتا اور انگریزوں کے قدم یقیناً اکھڑ جاتے۔ اس کے بعد پانچ دن لڑائی مسلسل رہی ہر ہر قدم پر مجادلہ اور مقابلہ تھا۔ انگریز بھاری توپیں بھی شہر میں گھسیٹ لائے اور گولہ باری شروع کر دی۔ ۱۶ کو علی الصباح میگزین پر قبضہ ہو گیا اور اسی صبح کو غنیم نے کشن گنج جسے نہایت استحکام سے محصور کیا تھا خالی کر دیا۔ سترہویں تاریخ دہلی بنک پر گولہ باری ہوئی۔ فوجی باغیوں کو درمیانی مکانات ڈھا ڈھا کر آگے بڑھاتے گئے تا آنکہ آدھے شہر پر قبضہ کر لیا باغیوں کے پیر اکھڑ گئے بھاگنا شروع کیا اور شہر میں بھی بھاگڑ پڑ گئی جسے دیکھو شہر چھوڑ کر بھاگنے لگا۔ انیسویں کی شام کو برن بیسٹین (لاہوری دروازے کے پاس) فتح ہو گیا۔ کئی حملہ ناکامیابی کے بعد اگلے دن سارا شہر مع قلعہ کے فتح ہو گیا۔ دیوان خاص میں ہیڈ کوارٹر مقرر ہوا میجر جنرل ولسن نے سرمور کے گورکھوں کا گارڈ بٹھا دیا۔ اکیسویں کی صبح کو فتح کے اعلان کے لئے شاہی سلامی سر کی گئی۔

کبھی یک بیک جو ہوا الٹ نہیں دل کو میرے قرار ہے
کروں غم ستم کا میں کیا بیاں مرا سینہ غم سے فگار ہے

آفت اس شہر میں قلعہ کی بدولت آئی — واں کے اعمال سے دہلی کی بھی شامت آئی
روز موعود سے پہلے ہی قیامت آئی — کالے میرٹھ سے یہ کیا آئے کہ آفت آئی
گوش میں تھا جو سنا نوں سے وہ آنکھوں دیکھا — جو سنا کرتے تھے کانوں سے وہ آنکھوں دیکھا
جن کو دنیا میں کسی سے بھی سروکار نہ تھا — اہل و نااہل سے خلطہ انہیں زنہار نہ تھا
ان کی خلوت سے کوئی واقف اسرار نہ تھا — آدمی کیا ہے فرشتے کا بھی واں بار نہ تھا
وہ گلی کوچوں میں پھرتے ہیں پریشاں در در — خاک بھی ملتی نہیں ان کو نہ ڈالیں سر پر
زیور الماس کا سر جس سے نہ پہنا جاتا — بھاری جھومر بھی نہ سر پر کبھی رکھا جاتا
کلیج کا جس سے دوپٹہ نہ سنبھالا جاتا — لاکھ حکمت سے اٹھاتے تو نہ اٹھا جاتا
سر پہ وہ بوجھ لیے چار طرف پھرتے ہیں — دو قدم چلتے ہیں مشکل تو پھر گرتے ہیں
طبع جو گہنے سے پھولوں کے اذیت پاتی — مہندی ہاتھوں میں لگا سوتے تو گھبرا جاتی
شام سے صبح تلک نیند نہ ان کو آتی — ایک سلوٹ بھی بچھونے میں اگر پڑ جاتی

ذمّے باڑیوں کو محصورین کے حملے سے محفوظ رکھنے کا کام تھا اور کچھ دور بجانب راست ہندو راؤ کے مکان کے نہایت دلیر محافظ میجر ریڈ کے سپرد کالم نمبر (۴) سے کشن گنج کا حملہ رکھا گیا یکٹوں اور جموں کنٹنجنٹ سے ایک متفرق لشکر بنا یا گیا جو کچھ زیادہ وقیع نہ تھا کیوں کہ نہ وہ قواعد میں درست نہ اُن کے ہتیار اچھے تھے - اصل حملہ اگرچہ دن کے وقت کیا گیا اور فصیلوں کے شگافوں کی درستی غنیم نے کرلی تھی ازسر نو اُن پر گولہ باری کرنی پڑی مگر پھر بھی کامیابی ہوئی اگرچہ غنیم کی گولہ باری کی وجہ سے شتابہ لگانے میں دقت تھی ایک سے زیادہ پارٹیاں ہلاک ہوئیں مگر کشمیری دروازے کو آخر اڑا ہی دیا اور کشمیری دروازے اور پانی برج کی فصیلوں کو لے لیا لیکن غنیم کو شہر سے بدر نہ کر سکے اور بدستور اپنے مقام پر اڑا رہا - گورمنٹ کالج - نواب احمد علی خاں کا محل - سکنر صاحب کا مکان ان تینوں مقامات پر گو کہ قبضہ ہو گیا تھا لیکن باغیوں کا مجمع اب بھی میگزین پر تھا اور اُنھوں نے ہر ہر گلی کی طرف توپوں کا رخ کر رکھا تھا جدھر سے کہ انگریزی فوج کے گھسنے کا اندیشہ تھا - تیسرا کالم جامع مسجد کے قریب قریب جا پونہچا تھا لیکن چاندنی چوک کی طرف سے باغیوں کے ایک جم غفیر نے اُن کو اُن کو اڑا دیا اور بہت قریب تھا کہ سب کو کاٹ ڈالتے - پہلا اور دوسرا کالم کابلی دروازے کی فصیل کے گرد نواح سے آگے نہ بڑھ سکا اور یہیں ایک تنگ گلی میں نکلسن صاحب مہلک طور پر مجروح ہوے - چوتھا کالم بالکل ناکامیاب رہا کیوں کہ اصلی حملے کی فوج کے آگے بڑھ جانے کے انتظار میں ان کو ٹھیرنا پڑا اس تاخیر کے سبب سے غنیم جو کشن گنج میں طیار تھا ہمارے ارادوں پر مطلع ہو گیا اور جب یہ لوگ پونہچے تو ان کی گرم جوشی سے خبر لی اور سب سے بڑھ کر یہ وجہ ہوئی کہ ان لوگوں کو خالی دکانوں میں شراب کے ڈھیر کے ڈھیر مل گئے - کسی کے روکے نہ رُکے کئی دن کے پیاسے تھے جوب دل کھول کر سیراب ہوے اور اپنے بچاؤ کی سُدھ بُدھ تک نہ رہی - اس ایک دن کے کل نقصان کی تعداد افسر اور سپاہی مجروحین و مقتولین کی گیارہ سو ستر تھی - اگر محاصرے کے آغاز سے ابتک نقصان اسی نسبت سے ہوتا جیسا کہ اس دن ہوا تو مجبوراً محاصرہ اُٹھا دینا پڑتا اور پنجاب پھر

ای گرج اور دھما کے سے آسمان زمین لرز گئے اس گولہ باری سے کشمیری دروازے کے پاس کے واٹر بیسچین (آبی مورچے) کے پاس کی فصیل کی پردے کی دیواریں رخنہ ڈال دیا اور کشمیری مورچے کی طرف فصیل میں شگاف پڑ گیا۔ اس سلسلے دشمن کی سراسیمگی کے علاوہ یہ بھی ہوا کہ آبی مورچے سے لے کر کشمیری دروازے تک فصیل کا سارا کنگورا گر گیا اور دشمن کو آڑ پکڑنے کا موقع باقی نہ رہا۔ داہنی طرف اب بھی موری برج کی طرف توپیں اپنا کام کر رہی تھیں اور دشمن بھی کابلی دروازے سے برابر گولے مار رہا تھا جس سے بڑا نقصان ہوا کہ وہ ادھر کی ان باتریوں پر جو کوٹلے میں تھیں آگر گرتے تھے۔ دو دن اور دو رات متواتر گولہ باری ہوتی رہی اور ہر پندرہ منٹ کے وقفے سے توپوں کی سلامی دی جاتی تھی۔ نوبت بہ این جا رسید کہ رات دن کی لگاتار محنت سے گولندار اور سوار جو ان کی امداد میں تھے تھک کر چور ہو گئے کیونکہ جو نوکری پر چڑھے تھے وہ چڑھے تھے دوسرے لوگ میسر نہ تھے جو ان کو نوکری پر چڑھا دیا جاتا اور یہ دم لے لیتے۔ خیر کچھ بھی ہو جہاں تک ممکن ہو سکے حملے میں جلدی کر لی جائے بشرطیکہ فصیلوں کے شگاف کافی وسعت کے ہوں۔ تیرہویں تاریخ کی شب میں انجینیروں نے خوبی جانچ پڑتال کر کے یہ رائے قائم کی کہ حملہ کیا جا سکتا ہو لیکن اگر چوبیس گھنٹے اور توقف کیا جا سکے تو حالت اور بھی بہتر ہو جائے گی لیکن صبح ہی کو حملہ کرنے کی ٹھن گئی۔ ابھی پو بھی نہ پھٹنے پائی تھی کہ کالم فارم ہو گئے ہر کالم میں ہزار ہزار آدمی تھے۔ کالم نمبر (۱) نکلسن صاحب کی کمان میں کشمیری مورچے پر شگاف کی طرف سے حملہ کرے اور بائیں طرف سے برج پر جا لینے کو مامور ہوا نمبر (۲) کشمیر ہوس باتری کے عقب سے پانی برج کے شگاف پر ہوم اور سالکیلڈ کے تحت میں ایک پارٹی کشمیری دروازے کے اڑانے پر مامور ہوئی اور دروازے کو اڑانے کے بعد نمبر ۳ سٹرک کی جانب سے بڑھ کر کشمیری دروازہ میں سے شہر میں داخل ہونے کے لئے۔ ان تینوں باتریوں کے پیچھے ایک رزرو کالم بارہ جید سپاہیوں کا تھا ان کے علاوہ ریفلز ہو مشارمنٹ کالموں کے آگے آگے اور پھر کر رزرو کالم میں شامل ہو جائیں گے۔ تین سو تلوار بند سوار ...

ناممکن تھا۔ بائری نمبر (۲) اٹھارہ توپوں کی بڑی زبردست قلعہ شکن بائری تھی اور اسی پر
سب کی آنکھیں لگی ہوئی تھیں اور اسی سے بہت کچھ کام نکلنے کی امید تھی چنانچہ کشمیری
دروازے کی فصیل کا توڑنا اسی کے ذمے تھا۔ کسٹم ہوس کی بائری کا کام نویں
تاریخ کی شب میں شروع کیا گیا۔ سوائے اس کے کہ ریت کے تھیلوں کا انبار اٹھا کر توپ
کو لگا دیا گیا اور کچھ زیادہ کام نہ ہو سکا۔ کیوں کہ کام کرنے والے جو تھے وہ توپ چھٹتے ہی
دوسری طرف لگا دیئے گئے۔ قدسیہ باغ کے دروازے کے باہر پرانے
مکانوں کا ایک احاطہ ہے اس کی آڑ میں راتوں رات ایک بائری مارٹر[1] توپوں
کی بھی طیار کر لی گئی اس بیٹری کو مسلح بھی کر دیا گیا لیکن ابھی اس سے آتش باری
شروع نہیں کی گئی اور یہی مناسب خیال کیا گیا کہ سردست یونہیں کھلا چھوڑ دیا جائے
غنیم بھی اپنی طیاری میں لگا ہوا تھا غافل نہ تھا گولہ باری کا سلسلہ برابر جاری تھا
اور کئی حملے بھی کیئے۔ گیارہویں کو بڑی قلعہ شکن توپوں اور مارٹروں نے گولہ باری
شروع کی گئی۔ پہلی ہی سیلوو[2] کے بعد ہی سپاہی فصیل کے کنگوروں پر چڑھ گئے
اور بڑے جوش خروش سے چیرز پر چیرز دینے لگے۔ چوں کہ بھاری بھاری توپوں
سے بالکل پاس سے گولہ باری کی جا رہی تھی فصیل جابجا سے ٹوٹنے لگی تب بھی
دشمن کو کچھ ہراس نہ ہوا اور بڑی ہمت اور استقلال سے اور دوسری جگہ توپیں
استادہ کر لیں اور اُن کے رسالے نے یہ غضب کیا کہ لشکر کے عقب پر حملہ کر دیا
لیکن خوب منہ کی کھائی۔ کسٹم ہوس کی بیٹری گو کہ شب گزشتہ ہی مسلح ہو کر بہمہ جہت
طیار ہو گئی تھی لیکن توپوں کی جھانکیاں ابھی درست نہ ہوئی تھیں اس لیئے
بارہویں تاریخ دوپہر ڈھلے کے بعد گولہ باری شروع کی گئی۔ کچھ چھوٹی چھوٹی
مارٹریں امداد کے لیئے اکھٹی کر لی گئی تھیں جن سے زیادہ تر دشمن کو گھبرا دینا
مقصود تھا۔ اور اب وہ وقت آ گیا کہ ایک دم پچاس چھوٹی بڑی توپوں اور مارٹروں

---

[1] ہاون کی شکل کی چھوٹی سی ٹھگنی چوڑے دہانے کی توپ جو بڑا بھاری گولہ لیتی ہے
اور ۴۵ درجے کے زاویئے پر یا اس کے قریب قریب سمت الراس میں مارتی ہے۔
[2] کل توپوں کی ایک دم سلامی کو سیلو کہتے ہیں۔ ۱۲

وقفہ میں صدہا اونٹ لگے ہوئے تھے۔ اونٹوں کی حالت معلوم ہو کہ لدے
لدائے کے وقت کیسا غل مچاتے ہیں پھر صدہا جوڑیاں بیلوں کی توپیں اور
گولے بارود کی گاڑیاں کھینچ کھینچ کر لارہی تھیں غرض اس شور وشغب میں
کان پڑی آواز نہ سنائی دیتی تھی۔ ساری رات یہی گڑبڑ رہی لیکن تعجب ہو کہ
دشمن کے کان پر جوں تک نہ چلی ورنہ اُن کو یہ موقع گولہ باری کا بہت اچھا تھا
بہرحال دشمن کی طرف سے کوئی آثار بیداری کے نہ تھے سوائے اس کے کہ
رات میں متفرق طور پر چند باڑیں ماردیں۔ البتہ صبح ہوتے ہی اُن کی آنکھیں
کھلیں اور اُن کو اصلی حالت کا علم ہوا پھر تو اُنھوں نے ادھر کے ادھورے
توپ خانے کی جو ابھی پوری طرح طیار بھی نہ ہونے پایا تھا خوب خبر لی شکستہ
خوش نصیبی سے انگریزی فوج نے بلاکسی قسم کی مزاحمت کے قدسیہ باغ
اور لڈلو کیسل پر قبضہ کرلیا۔ آٹھویں کی صبح کو موری دروازے کے رخ سے
ہی باتریوں پر گولہ باری شروع ہوئی تھوڑی دیر میں ادھر سے توپوں کی پوزیشن
درست کرلی گئی اور دوپہر ہوتے ہوتے اُدھر کی توپوں کو خاموش ہونا پڑا۔
باغی گولندار بڑی ہمت اور جولی سے اب تک لڑتے رہے اور اب بھی اُن کا
ولولہ وہی تھا اور اُنھوں نے کچھ نہ کچھ ترکیب ایسی کی کہ وقفہ دے کر آہستہ آہستہ
فیر کرتے رہے نمبر (۱) باتری کے بائیں ٹکڑے نے کشمیری دروازے پر اپنا
کام شروع کردیا لیکن یہ انتظام صرف عارضی اور اُس وقت تک کے لئے تھا
جب تک کہ چار توپیں ایک دوسری باتری میں جو زیادہ نزدیک تھی پہنچ جائیں
غنیم نے دفعتہً ہی باتریوں پر دن ہی دن میں حملہ کردیا مگر ادھر سے ایسی باڑیں
ماری گئیں کہ دشمن کو بڑا نقصان اُٹھا کر پلٹنا پڑا۔ شام کو تمام دشمن
نے ہلکی توپوں سے گولے مارے اور راکٹ بھی چلائے مگر اُنھیں کچھ کامیابی
نہیں ہوئی۔ آٹھویں تاریخ قدسیہ باغ میں ایک باتری قائم کرنے کی غرض
سے درختوں کا صفایا کردیا گیا لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ یہ کوئی مناسب موقع
نہ تھا۔ نمبر ۲ سیج بیٹری کے دو حصے کیے گئے اور کام شروع کیا گیا لیکن شب
گزشتہ اس بات کا تجربہ ہوچکا تھا کہ ایک ہی رات میں باتری بنانا ہو سکتا ہے کردیا

نیمچ کے رسالے کے پرخچے اُڑا دیئے گئے۔ ۲۶ کی صبح کو باغیوں نے پھر شہر
سے نکل کر کیمپ پر اسی مغالطے میں حملہ کیا کہ اُن کو فوج کے واپس آجانے کی
خبر نہ ملی تھی اور وہ اپنی جگہ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ میدان خالی ہی پالیں گے۔ اس کے بعد
غنیم کی طرف سے اور کوئی حملہ اُس وقت تک نہیں ہوا جب تک انگریزوں کی طرف
سے محاصرہ کر کے توپ خانہ نہیں لگا دیا گیا۔ اب آخری حصہ اس معرکے کا آگیا۔
اگست کے سارے مہینے انجنیروں کو دم لینے کی فرصت نہ تھی وہ محاصرے کی طیاری
میں لگے ہوئے تھے۔ گیبین[1] فیشین[2] Gabion, fascine سین باند (
اور محاصرے کے لیئے دوسرے طرح طرح کے سامان طیار کر رہے تھے اور فیروزپور سے
فوج آنے کا انتظار تھا۔ ۲۷ اگست کو ایک بیٹری (توپ خانہ) سمی ہٹوس
کی بائیں طرف سبزی منڈی میں محاصرے کی باتریوں کی حفاظت کے لیئے قائم کی گئی
سامنے کا میدان جھاڑ جھنکاڑ سے صاف کیا گیا اور پیمایش اراضی کا کام شروع
کیا گیا۔ ۴ ستمبر کو محاصرے کی توپیں گزر کرتی ہوئی آن پہنچیں جن کو ہاتھی کھینچ رہے
تھے لیکن معاً ہاتھیوں کے بدلے بیل جوت دیئے گئے کیوں کہ ہاتھی آگ سے ڈرتا ہے
اور آتشبازی کی اس وقت منہ پھیر لیتا ہے۔ لیکن بیلوں کو اس کا احساس کم ہوتا ہے
اس کے بعد چند دنوں تک امدادی فوجوں کی آمد کا تانتا بندھ گیا جن میں متعدد جگہوں سے فوجیں
آئیں مہاراجگان جموں اور جھنید کی کنٹنجنٹ بھی آگئیں اب کہیں جا کر اس طرف
کے لشکر کی تعداد بارہ ہزار ہوئی لیکن اتنی بات البتہ ضرور تھی کہ دیسی ریاستوں کی
فوجیں عمدہ حالت میں نہ تھیں نہ اُن کے پاس عمدہ ہتیار تھے۔ ۶ کی رات کو سمی ہٹوس
کی باتری کو ہتیار بانٹ دیئے گئے اور ساتویں کی رات کو غنیم کو چونکانے کے لیئے
توپیں داغنی شروع کر دیں نمبر ا سیج بیٹری (محاصرے کے توپ خانے) کو دو حصوں
میں منقسم کیا گیا۔ اس موقع پر کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں سے ریت کے تھیلے
بھر لیتے۔ اس لیئے پہلے ہی سے تھیلے بھر بھر کر طیار کر لیئے تھے مٹی بھی نالوں اور
دروں میں سے لا کر گیبنیوں میں بھری تھی۔ گیبینوں اور فیس سینو کے حمل و

[1] بچاؤ کے بن بید سے کے ٹوکرے جن میں مٹی بھر دی جاتی ہے اور خندق کھودتے وقت دشمن کی گولہ باری
سے بچاؤ کے لیئے کام آتے ہیں۔ [2] جھاؤ کا گٹھا جو رسی یا ڈوری سے کس کر باندھا جاتا ہے اور اس سے خندق پاٹی جاتی ہے۔ ۱۲

کے لیئے آنے والی تھی اُسے رستے ہی میں روک لیں۔جب یہ حالت کھلی تو فوراً
نکلسن صاحب کی کماں میں فوج کا ایک زبردست دستہ روانہ کیا گیا جو صبح
کے چار بجتے ہی نکل کھڑا ہوا اور پچیسویں تاریخ آزاد پور کی طرف چلا جو
پیم پاری سے بہر کے پل کے اس پار ہے اور پھر جنوب و مغرب کی طرف کی سڑک پر
ہولیا۔تنبیہ کہتا تھا کہ اب برس کر بھیرہ برسوں گا۔جدھر دیکھو جل تھل تھا
سڑک تمام دلدل ہوگئی تھی۔کیچڑ کے سبب سے قدم دھرنا محال تھا۔برابر
سات گھنٹے کی محنت شاقہ کے چلنے کتنا ؟ کل نو میل۔آخر کار اُتر پڑے
اور گرد و نواح کی ٹٹول شروع کی معلوم ہوا کہ نجف گڑھ کے پاس ابھی پانچ
میل اور آگے دشمن پڑا ہوا ہے۔یہ خبر پاتے ہی فوج آگے بڑھی لیکن
بیچ میں ایک ایسا گہرا نالہ حائل تھا کہ اس کے پار ہوتے ہوتے شام کے
پانچ بج گئے اور پھر بھی اسباب وغیرہ پیچھے ہی رہا۔اس کے بعد کوئی
تاخیر نہیں ہوئی جھٹ پٹ کام بن گیا۔دشمن ایک محافظ باغ کی بائیں جانب
پڑا ہوا تھا۔اس لیئے دا ہنا رخ سواروں کے توپ خانہ سے روک لیا
باقی سواروں کے ساتھ اصل لشکر نے باغ پر حملہ کیا۔نکلسن صاحب نے
اس وقت ایک مختصر سی تقریر کی اور چلیانوالے کی لڑائی یاد دلائی کہ اس
معرکے کے وقت جب تک کہ بالکل پاس نہیں پہنچ لیئے کس طرح فیر کرنے کو روک
رکھا تھا اور اس موقع پر بھی وہی طریقہ اختیار کرنا مناسب ہے۔غرض یہ کہ
توپیں دغنے لگیں فوج آگے بڑھی پاس پہنچ کر ایک دم باڑ ماری شروع
کی اور آناً فاناً میں باغ لے لیا۔تب فوج سمٹ آئی۔تیرہ توپیں ہاتھ آئیں اور
غنیم دلی کی طرف نوک دُم بھاگا۔یہ مقابلہ غنیم کی فوج کے ایک حصے سے
ہوا۔جو رسالہ نیمچ سے آیا تھا وہ بڑے اطمینان سے ٹہلتا ہوا
آرہا تھا اور اسی سبب سے پیچھے رہ گیا تھا وہ آنے نہ پایا تھا کہ ادھر
سے حملہ ہوگیا۔دن بھر کے تھکے ماندے رات کو وہیں میدان میں پڑ رہے
دوسرے دن سویرے کچھ ناشتہ کر کے نکلے اور ظفر و منصور اپنے کیمپ میں
شاموں شام آن پہنچے۔اسی طرح سوتے او پر کچھ جانوں کی قربانی کے بعد

نے جب یہ حالت دیکھی تو بلا انتظار مزید کے کارروائی شروع کر دی بارہویں تاریخ کو پو پھٹتے ہی لڈلو کیسل کے پاس جو دشمن پڑے تھے سواروں نے اُن کو ورڑ بڑا لیا بہتوں کو تہ تیغ کر چار توپیں چھین لیں لیکن خالی خولی نہیں ادھر بھی سو آدمی کام آئے۔ بایں ہمہ دشمن کی ہمت ذرا بھی پست نہ ہوئی شام ہوتے ہی بانوں کی بوچھاڑ شروع کی اور ساری رات گولیاں مارتے اور مٹکاف ہوس کے پکٹ کو پریشان کرتے رہے غرض یہ حالت ایک ہفتہ تک رہی تب کہیں تیرہویں کی صبح کو جاکر اُن کا ہاتھ رکا۔ ایک ہفتے بعد دشمن نے دریا پار بھاری بھاری توپوں کا توپ خانہ جمایا جو ادھر کی توپوں کی زد سے بالکل محفوظ تھا۔ ادھر کی گولہ باری کی وجہ سے کاکس ریفلز کو اپنا کیمپ ہٹانا پڑا جو باؤلٹے کے نیچے شہر کی جانب پہاڑی پر تھا۔ ۱۴ اگست کو نکلسن صاحب کا کالم بینڈ بجاتا ہوا بڑے جوش خروش سے داخل ہوا۔ اسی تاریخ آدھی رات کے وقت ہاڈسن صاحب چند سواروں کو لے کر رہتک کی طرف نکل گئے وہاں بھی کچھ مقابلے ہوئے جن میں ان کو اچھی کامیابی رہی بالآخر چوبیسویں تاریخ یہ پارٹی واپس آگئی چوں کہ ہاڈسن صاحب کی پارٹی کے اچھے برے کی کچھ خبر نہ ملی اُن کی طرف سے ایک گونہ تردد تھا۔ اُنیسویں تاریخ کو نکلسن صاحب ایک چھوٹا سا کالم لے کر اُن کی تلاش میں نکلے لیکن کثرت بارش سے ایک قدم بڑھانا مشکل تھا اور جلد ہی شور بور ہو کر پلٹ آئے اور کوئی بات قابل ذکر پیش نہیں آئی روز شام کو بینڈ بجا کرتا تھا اور کچھ پارسی سوداگر دو ہزار درجن بیر کی بوتلیں لے کر آگئے تھے جس کی بدولت قدرے غم غلط ہو گیا۔ لیکن یہ سکون بالکل عارضی تھا اور ایسا ہی تھا جیسا کہ کسی بڑے آنے والے طوفان کے قبل ہوتا ہے۔ چوبیسویں نے نیا گل کھلایا پھر غنیم بہ تعداد کثیر بڑی طیاری سے سامنے آیا۔ جن کی تعداد چھ ہزار تھی اور سولہ توپیں ان کے ساتھ تھیں۔ ان کا رخ جنوب کی طرف تھا اور غالباً ان کا منشا اس چکر کاٹنے سے یہ تھا کہ فوج کی آمد کے سلسلے کو کاٹ دیں اور جو فوج محاصرے

رات بڑی سخت گولہ باری ہوتی رہی۔ ادھر سے اس حصے کی کوشش کی جاتی تھی
لیکن باغیوں کو کیونکہ وہاں تازہ بتازہ امداد ملتی آتی تھی۔ شور و غل، بگلوں کی
آواز اور بندوقوں کے کڑاکے ساری رات بلکہ اگلے دن کے بڑے حصے میں
بھی رہے تب کہیں جا کر کے جان بچی کہ معاملہ ٹھنڈا پڑا اور غنیم نے پیش قدمی
موقوف کی۔ اگرچہ دشمن کی طرف کا یہ حملہ سب سے زیادہ شدید تھا مگر کیمپ
کے لوگوں نے مورچہ بندی اور حدبندی نہایت عمدگی سے طیار کر لی تھیں
یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ اتنے بڑے معرکے میں کل چھیالیس آدمی زخمی ہوئے جن میں
سے صرف دس ہی مرے لیکن دشمن کا بہت بڑا نقصان ہوا صرف ایک ہی
مقام پر (۲۰۰) لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ اس سخت ناکامی اور جانوں کے
نقصان کا دشمن کو ایسا دھکا بیٹھا کہ تین دن تک سانس نہ لیا اور خاموش
رہے لیکن چھٹی اگست کو پھر توپ خانے کے داہنے حصے پر حملہ آور ہوئے
اور پھر منہ کی کھائی۔ اس حملے کی آڑ اور اگلی رات کے دھوکے میں دشمن کو اتنا
موقع ملا کہ انھوں نے ایک بڑا بھاری توپ خانہ کشن گنج میں جما لیا اور
ساتویں کو گولہ باری شروع کی اس کے بعد کچھ عرصے کے لیے خاموش ہو گئے
پھر آٹھویں کو گولے برسانے لگے جس سے سخت پریشانی رہی علاوہ گولوں کے
بان بھی پھینک رہے تھے مگر نشانے پر نہیں پڑتے تھے۔ ساتویں تاریخ
غنیم کے بارود کا کارخانہ اڑ گیا جس سے بہت سی جانیں تلف ہوئیں
اور شہر میں بڑی کھلبلی مچ گئی۔ اسی دن بریگیڈیر جان نکلسن جو پنجاب
کی فوج کے کمانڈر تھے اپنی فوج کے آنے سے پیشتر ہی ڈاک کی تکرم سے
آن پہنچے۔ آتے ہی انھوں نے چوطرف پھر کر موقعی حالت کو بغور دیکھا اور
گیارھویں کو اپنی فوج میں پلٹ گئے۔ غنیم کو چین نہ تھا کچھ نہ کچھ سلسلہ چلا ہی
جاتا تھا۔ آٹھویں کو مٹکاف ہاؤس کے نکٹ پر گولہ باری شروع کر دی اور
روزانہ یہی سلسلہ جاری رہا جو ناقابل برداشت تھا۔ جنرل صاحب نے [illegible]
سے کہہ دیا تھا کہ تمہارے کالم (لشکر) کے آنے کی دیر ہے کہ انھیں کے
دستے اس روز کی ایذا رسانی کا انسداد کیا جائے گا لیکن اب جنرل [illegible]

تاریخ انھوں نے اپنا ارادہ پورا کیا اس دفع بھی حملے کو پسپا کیا گیا اور اُن کا پیچھا بھی کیا گیا مگر زیادہ دور تک نہیں کیوں کہ کمانڈنگ آفیسر کو پہلے ہی اس کا تجربہ ہو چکا تھا اور نہایت قابلیت سے اپنی فوج واپس لائے اور پہلے کی نسبت اس دفعہ نقصان بھی کم ہوا تب بھی اتنی سے اوپر اوپر لوگ کام آئے۔ بائیسویں اور اکیسویں کو غنیم پھر حملہ آور ہوا لیکن دونوں جانب سے کوئی سخت کارروائی عمل میں نہیں آئی۔ اس قسم کی روزانہ جھڑپوں کا صرفہ بالکل بیجا تھا اس لیئے آیندہ کے لیئے ایسے متفرق حملوں کا ارادہ بالکل ترک کر دیا گیا اور یہ بات ٹھیری کہ شہر کے محاصرے کی طیاری کرنی چاہیئے۔ تیئیسویں کو دشمن اپنی توپیں کشمیری دروازے کے باہر نکال لایا اور پہاڑی کے بائیں حصے کی طرف گولہ باری کرنے لگے گو ادھر سے ہلکی توپوں سے جواب دیا جانے لگا مگر کوئی مفید نتیجہ مرتب نہیں ہوا۔ ادھر سے ایک مختصر سا لشکر کلّہ بکلّہ جواب دینے کو بھیجا گیا اور قریب تھا کہ وہ دشمن کی توپیں چھین لیتے لیکن ایک قسم کی غلط فہمی اور کچھ کم ہمتی کی وجہ سے کامیابی نہ ہوئی۔ اس کے بعد چند دنوں تک مینہ کی جھڑی لگی رہی جس کی وجہ سے طرفین ساکت رہے۔ چھبیسویں کو پنجاب سے کچھ اور باغی آن ملے لیکن انھوں نے کچھ دن آرام لیا اور ۳۱ کو اُن کا ایک بڑا لشکر کیمپ کے ٹھیک عقب میں آن پہونچا اور اُن کے ساتھ کُل سامان مرمت اور درستی کا بھی تھا جو شکست شدہ پلوں کی درستی کے واسطے لائے تھے کہ ٹھیک ٹھاک کر کے کیمپ کے پاس آجائیں گے۔ اگرچہ بارش موسلا دھار تھی مگر وہ اس حالت میں بھی اپنا کام برابر مستعدی سے کیئے چلے جاتے تھے۔ پہلی اگست کو بقرعید تھی جو مسلمانوں کا بڑا بھاری تہوار ہے۔ دشمنوں نے پل پورا کر لیا تھا اور بعض اُس پر سے عبور بھی کر آئے تھے کہ یکایک نجف گڑھ کا نالہ دو دن کی متواتر بارش سے ایسا چڑھ آیا تھا کہ وہ سارے پل کے شہتیروں کو بہالے گیا اور باغیوں کو شہر کی طرف لوٹ جانا پڑا۔ لوٹتیوں کو شہر کی طرف سے ایک بڑا بھاری لشکر آتا ہوا انھیں ملا پھر دونوں مل کر چلے اور ٹیل کے سرے پر آن کر حملہ کیا۔ یہ حملہ مغرب کے وقت شروع ہوا اور ساری

توپ خانے کے ہندوستانی گھڑ سواروں سے توپیں علیحدہ کر لی گئیں۔ کئی عہدہ دار اس طرز عمل پر معترض ہوئے لیکن سر جان لارنس اپنے اس حکم کی تعمیل پر مصر تھے اور کچھ شک نہیں کہ وہ سر بسر صواب تھے۔ ۱۸ جولائی تک سنّاٹا رہا غالباً غنیم بھاری نقصانات اٹھانے سے ٹھنڈا پڑ گیا تھا لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اسی دن پھر یہ لوگ میدان میں آ گئے اور پھر سبزی منڈی ہی پر آن پہنچے۔ انگریزی فوج ان کو کچھ مال نہ سمجھتی تھی لے محابا بالکل فصیل کے قریب جا کر دھنس گئے ادھر سے انھوں نے بندوقوں کی ایسی باڑ ماری کہ دو سو سے اوپر ہی اوپر لوگ کھیت گئے جن میں کرنل نیول چیمبرلین خود بھی مجروح ہوئے اُن کے بائیں ہاتھ کا قیمہ ہو گیا۔ ۱۸ جون کو جھانسی کے باغی بھی آن پہنچے یہ خبر بھی معلوم ہوئی کہ مدراس سے سر پیٹرک گرانٹ کو طلب کر کے عساکر بنگال کا کمانڈر ان چیف مقرر کیا گیا۔ اس وجہ سے میجر ریڈ نے جن کی صحت درست نہ تھی رخصت بیماری لے لی اور اپنا چارج کرنل ولسن بنگال کے توپ خانے کے افسر کو عارضی طور پر برگیڈیر جنرل مقرر کر کے دے دیا۔ چوں کہ دوسرے عہدہ دار ولسن صاحب سے سینیر (مرتبے میں بڑے) تھے اس حق تلفی سے ایک ناراضگی پیدا ہوئی چنانچہ ایک دو عہدہ دار اسی غصے میں کیمپ چھوڑ کر چلے بھی گئے۔ یہ بھی اعتراض تھا کہ کرنل ولسن وہی عہدہ دار ہیں جن کی تن آسانی سے باغی میرٹھ سے سلامت نکل کر چلے ہوئے لیکن بات یہ تھی کہ بہ لحاظ قابلیت کے سینیر ریک میں یہی سب سے زیادہ اس خدمت کے لیے موزوں تھے چنانچہ رفتہ رفتہ انھوں نے آگے چل کر اپنا اعتماد بھی قائم کر لیا۔ میجر جنرل ریڈ سترھویں کی صبح کو پہاڑ پر چلے گئے اُن کے ساتھ ایک بدرقہ علی پور تک گیا انھیں کے ساتھ چند اور بیمار بھی گئے۔ جھانسی سے آئے ہوئے باغیوں نے علی پور پر دھاوے کا ارادہ کیا تھا مگر اس بدرقہ کی وجہ سے وہ اس ارادے سے باز رہے اس حملے سے اُن کا منشا یہ تھا کہ ہمارے تعاقب کو ضرور انگریزی فوج متوجہ ہوگی اور کیمپ میں میدان خالی رہے گا ہم کو اچھا موقع ملے گا۔ لیکن انھیں

تو ضرور نتیجہ اُن کے مفید ہوتا - ۵ رجولائی کو سر ہنری برنارڈ نے ہیضے سے انتقال کیا یہ عساکر دہلی کے دوسرے کمانڈر ہیضے کی نذر ہوے - برنارڈ صاحب در حقیقت اعلیٰ کمانڈر نہ تھے کیوں کہ جنرل انسن کی جگہ میجر جنرل ٹی ریڈ سی بی مقرر ہوے تھے اور اگر چہ وہ دلی پر اجتماع افواج سے پہلے علی پور پہونچ گئے تھے مگر انھوں نے سارا کاروبار برنارڈ صاحب ہی کے تفویض کر دیا تھا اب انھوں نے میدان جنگ کی کمان اپنے ہاتھ میں لی لیکن اصلی کمانڈر اجیٹن جنرل کرنل نیول چیمبرلین تھے - ۸ رجولائی کو نہر اور نجف گڑھ کے نالے پر کئی پل اُڑا دیئے گئے اور کیمپ سے تین میل پرے نالے پر کا پل جو باسی کہلاتا تھا یہ بھی اڑا دیا گیا - انجنیروں کے ساتھ ایک معقول بدرقہ تھا مگر غنیم سے کہیں مقابلہ پیش نہیں آیا - لیکن جب یہ لوگ اُس طرف گئے ہوے تھے تو یہاں غنیم نے سبزی منڈی کے ناکوں پر ایک بڑے زور شور کا حملہ کیا جو پسپا کیا گیا - انگریزوں کی طرف جانوں کا نقصان ہوا مگر تھوڑا لیکن دشمن کی طرف کے بہت سے لوگ قتل کیئے گئے - نویں تاریخ کو سواروں کے نئے قاعدہ رسالے کا بھانڈا پھوٹا اور صاف طور پر کھل گیا کہ این ہم بچۂ شیر است - اس رسالے کے کچھ سوار لشکر کے میمنہ کے سرے پر پہرول پر تھے انھوں نے کیا دغا بازی کی کہ کچھ باغی سواروں کو گھسا لیا جنھوں نے ایک دم جنرل کی مونڈ کے پاس جو بکٹ تھا اُس پر حملہ کر دیا بندوقچیوں کی ایک ترپ اس غیر متوقع حملہ کے مقابلے کو جا پونہچی اور اگر چند منٹ اس وقت ہمت نہ کرتے اور دست بدست لڑائی میں نہ بھڑ جاتے اور توپچی اپنی پھرتی اور مستعدی سے کام نہ لیتے تو خدا جانے کیا آفت ٹوٹ پڑتی بہر حال حملہ آور سواروں کا بڑی مشکل اور نقصان کے بعد دفعیہ ہوا اور وہ بھاگ کھڑے ہوے - ادھر یہ معرکہ درپیش تھا اُدھر فصیلوں پر سے برابر گولے چل رہے تھے اور غنیم کا ایک جم غفیر سبزی منڈی کی طرف جمع ہونا شروع ہوا اُن کو منتشر کرنے میں اُن کا جو کچھ نقصان ہوا سو ہوا اس طرف کے نقصان کی بھی بھاری تعداد تھی یعنی (۲۱۳) آدمی ضائع ہوے - نئے قاعدہ سوارول کے کچھ لوگ نکال دیئے گئے اور جو رہے اُن کے ہتیار چھین لیئے گئے اور

لختہ دونا نہ ملکہ بھیڑ ہونے لگی تو آنکھیں کھلیں اور عملی طور پر ثابت ہو گیا کہ
ان کی اصلی حالت کے اندازہ کرنے میں بڑی غلطی کی گئی تھی وہ فی الواقع
جان پر سے اٹھ کر لڑنے والے اور بڑے جیوٹ تھے۔ فوج کے علاوہ دوسرے
انگریزوں کی بستی پلید تھی لوٹ مار سے وہ حواس باختہ تھے۔ گو ان کو باغیوں
سے کوئی ہمدردی نہ تھی مگر وہ خود اپنی اپنی مصیبت میں گرفتار تھے ایسی حالت
میں کیا خاک امید ہو سکتی تھی کہ وہ کسی قسم کی مدد کر سکتے اُن کو اپنی ہی جان
سنبھالنی دوبھر تھی۔ باوجود ان تمام باتوں کے بھی جنرل نے خدا کا نام لے کر
حملے کے لیئے تیسری جولائی کی صبح ٹھیرا ہی دی۔ دوسری جولائی کو یہ راز کھلا
کہ جس ہندوستانی فوج نے اب تک رفاقت کی اُن میں سے بھی بعض لوگوں
میں باغیانہ خیالات موجزن ہیں اور کسی طرح اُن پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا
کہ ثابت قدم رہیں گے اور یہ بات بالکل خلاف عقل ہوگی کہ کیمپ کی حفاظت
کے لیئے ان کو پیچھے چھوڑ دیا جائے اور گوروں کو شہر کی پیچ در پیچ گلیوں میں
لے جا کر کٹوا دیا جائے۔ اس کے علاوہ غنیم کو اس بات کی خبر بھی لگ گئی
کہ ادھر سے فلاں تاریخ اور فلاں وقت حملہ ہونے والا ہے چنانچہ وہ تیسری تاریخ
مقابلے کو نکل کھڑے ہوئے لیکن یہاں انہیں اسباب سے پہلے ہی وہ ارادہ ملتوی
کر دیا گیا تھا۔ دن ڈھلے غنیم نے علی پور کی طرف اس غرض سے حملہ کیا کہ
انگریزوں کا سلسلۂ امداد منقطع کر دیا جائے غنیم کو پہلے سے معلوم ہو گیا تھا
کہ ادھر سے فوج کا ایک دستہ آرہا ہے علی پور پر دھاوا کیا اور بہت آسانی
اور فراغت سے گاؤں پر قبضہ کر لیا لیکن خیر یہ گزری کہ ادھر سے بھی فوج کے
آنے والے دستے کو پہلے ہی اس خطرے سے آگاہ کر دیا گیا تھا اور پرے ہی
روک دیا تھا کہ وہیں ٹھیرے رہو۔ غنیم میں اتنی جرأت نہ تھی کہ اور آگے بڑھ کر
اُس سے دو بدو ہو جاتے اور نہ اتنی سکت تھی کہ وہیں جمے رہتے دوسرے
دن دلی کو پلٹ آئے۔ واپسی کے وقت ان لوگوں کو تھوڑی بہت سزا
بھی ملی۔ غنیم کو یہ ایسا عمدہ موقع ملا تھا کہ اگر اس وقت اُن میں کوئی قابل
اور تجربہ کار جنرل ہوتا اور جس ارادے سے کہ وہ نکلے تھے اگر اسے پورا کر لیتے

کی توپوں کی زد اتنی دور نہیں پہنچ سکتی تھی۔ دو دن بعد پنجاب کی طرف سے پہلی امدادی فوج سے وہیں ڈُہری منزلیں مار کر عین وقت پر کیمپ میں مدد کو آن پہنچی۔ چونکہ ۲۳ جون ۱۸۵۷ء کو پلاسی کی لڑائی کو پورے سو برس ہوتے تھے اور مشہور یوں کر رکھا تھا کہ بس اس دن انگریزوں کی حکومت کا خاتمہ ہو جائے گا اس لیئے اس دن غنیم خاص اہتمام سے سبزی منڈی میں جی توڑ کر لڑا۔ یہ دن قیامت کا دن تھا۔ دھوپ ایسی سخت تھی کہ گورے تاب نہ لاسکتے تھے اور نڈھال ہوگئے تھے۔ آفتاب کی شعاعوں کی ایسی سخت چکاچوند تھی کہ آنکھ سامنے نہیں ہوسکتی تھی اور سب سے بڑھ کر پیاس کی ایسی مار تھی کہ حلق میں کانٹے پڑے جاتے تھے اور زبانیں نکلی پڑتی تھیں۔ تین دفعہ سبزی منڈی کے باغوں میں سے دشمنوں کو نکالا۔ اسی کارزار میں سارا دن نکل گیا اور کوئی صورت کامیابی کی نظر نہ آئی۔ شاموں شام سبزی منڈی میں ایک سرائے اور ایک مندر پر قبضہ ہوا اور فوراً ایکٹ لگا کر لشکر کی حفاظت کی گئی اور اس سارے دن کی دوا دوش اور محنت اور ایک سو ساٹھ جانوں کے نقصان کا یہ معاوضہ ملا۔ ۲۷ جون کو برسات کا پہلا مینہ برسا اور اسی دن ٹمکاف ہوس کے بکٹوں۔ پہاڑی کے توپ خانوں اور سبزی منڈی کے ناکوں پر وقتِ واحد میں ہر طرف سے حملے ہوئے مگر سب پس پا کیئے گئے۔ تین دن کے بعد کیمپ کے میمنہ پر حملہ ہوا اور وہ بھی ناکام رہا۔ ۲۸ جون اور پہلی اور دوسری جولائی کو کیمپ میں اور امدادی فوج آئی لیکن جتنی امداد ادھر پہونچی تھی اس سے زیادہ اُدھر آئی کہ پہلی جولائی کو رُہیل کھنڈ کے باغیوں کا بھر گیڈ بینڈ بجاتا جھنڈے اُڑاتا بختا ور سنگھ توپ خانے کے صوبہ دار کی کمان میں جمنا کے اس پار اُتر آیا۔ اب دشمن کی تعداد پندرہ ہزار تک پہونچ گئی تھی اور ادھر ساڑھے پانچ ہزار ہی تھے۔ اب تو بڑی نا امیدی کا سامنا تھا سول کے عہدہ دار پچھتانے لگے کہ پہلے ہی ہم نے دلی کو ایک دم دھاوا کرکے کیوں نہ لے لیا۔ درحقیقت اُنھوں نے باغیوں کی کچھ حقیقت نہ سمجھی اور سمجھے کہ نہ یہ فنون حرب سے واقف ہیں اور نہ ان میں ہمارے مقابلے کا دم ہے لیکن اب

لے ایلے ایک توپ خانے کی محافظت کے لیئے حملہ کیا تھا جو کشن گنج کی
سرائے سے شروع ہوا جو شہر کے اُس پار ایک مرتفع مقام پر واقع تھی۔
اس میں پوری کامیابی ہوئی اور فی الوقت دشمن نے سکوت اختیار کیا مگر
ستوطویں جون کو نصیر آباد سے تازہ دم فوج کا آجانا غضب ہوا۔ باغیوں
کو اس سے بڑی تقویت ہو گئی اور پھر سالوٹے ہو کر چڑھ آنے کی طیاری
کرنے لگے چنانچہ اُنیسویں تاریخ اُنھوں نے حملہ کر ہی دیا۔ یہ حملہ چوں کہ
پوری طیاری اور بندوبست سے کیا گیا تھا بڑی ٹیڑھی کھیر تھا۔ غنیم نے
سبزی منڈی کے باغوں کے درختوں کی ایسی آڑ پکڑی کہ اُن کا پتہ
چلانا بھی مشکل تھا۔ ابھی غنیم کے جماؤڑے کی ٹوہ ہی لی جا رہی تھی کہ وہ
اختر لونی باغ کی طرف سے جو برٹش کیمپ کے عقب میں تھا نظر آئے اور
آتے ہی ایک شدید گولہ باری شروع کی۔ جھٹپٹے کا وقت ہو گیا تھا۔
جلدی جلدی کر کے رسالے کو جمع کیا گیا جو خود گڑبڑ میں تھے۔ فوج کو سارا
دن کم کیسے گزر گیا تھا اسی انتظار میں کہ خدا جانے کس وقت کام
پڑ جائے اور ابھی ابھی دن بھر کے تھکے ماندے کمریں کھول کھول کر اپنے ڈیروں
پر گئے تھے۔ اس وجہ سے کچھ دیر کے لیئے غنیم کی خوب بن آئی اندھیرے
میں کئی توپیں اور گولندار پکڑ لیئے اور رسالہ پر ایسی گولہ باری کی کہ اُن کو
سنبھلنا مشکل ہو گیا۔ جب یہ حالت دیکھی تو پھر پیدل فوج نکالی گئی تب
کہیں دشمن آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگا اور بتدریج توپوں کی آواز بند
ہوئی۔ خدا خدا کر کے صبح ہوئی تو دشمن کا کہیں پتہ نہ تھا مگر تھوڑی دیر بعد
آن پہنچے۔ اودھر سے اُن کو توپوں کے منہ پر دھر لیا اور جلدی ہی وہ پھر
شہر میں گھس گئے۔ اس معرکے میں انگریزوں کی طرف کے قریب قریب
سو آدمی ضائع ہوئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ غنیم پھر عقب سے آجائے اس
لیئے اُس طرف دو بھاری بھاری توپیں لگا دی گئیں۔ اکیسویں جون کو
جالندھر اور پھلور سے باغیوں کے آجانے سے غنیم کو اور مدد پہنچ گئی
یہ لوگ دریائے جمنا کے پل پر سے بلا مزاحمت عبور کر آئے کیوں کہ انگریزوں

تب کہیں غنیم ہٹا - ادھر انجنیر لوگ غنیم کی گولہ باری کا جواب دینے کے لیئے مورچے بنا رہے تھے اور توپوں کا ٹھیک ٹھاک کر رہے تھے - اس ایک دن میں انگریزوں کے مختصر لشکر میں (۱۸۳) لوگ مارے جانے سے جو نمایاں کمی ہو گئی تھی اُس کا نعم البدل دشمن کی چھبیس توپیں ہاتھ آنے سے ہوا - غنیم کے بھی بہت سے لوگ مارے گئے اور بہتوں نے سراسیمہ ہو کر اپنے اپنے گھروں کی راہ لی لیکن دلی میں کوئی مہینے بھر سے جماوڑا شروع تھا اور بہت سے باغی اکٹھے ہو گئے تھے نویں تاریخ پھر ان لوگوں نے میسرہ پر حملہ کیا لیکن پس پا ہوئے اور اس وقت کور آف گائیڈز نے جو پانسو اسّی میل کی لمبی مسافت بائیس دن میں طے کر کے آج ہی صبح کو پونہچے تھے بڑی مدد دی - دسویں اور گیارہویں تاریخوں میں اور کئی حملے ہوئے لیکن بارہویں تاریخ کو اچانک طور پر دشمن نے بڑے زور شور کا حملہ میسرہ پر کیا اور یوں سمجھو کہ انگریزی کیمپ میں دَرّا لیتے چلا گھسے لیکن نصیبہ ور تھا عین وقت پر مدد آن پونہچی اور دشمن کا تعاقب ایسی شدومد سے کیا گیا کہ انگریزوں نے مٹکاف ہاؤس پر قبضہ کر اپنے پکٹ کے پہرے چڑھا دیئے - اسی دن میمنہ پر بھی حملہ ہوا مگر دشمنوں کو کامیابی نہیں ہوئی اور ایک چپہ بھر زمین نہ لے سکے اسی طرح تیرھویں اور چودھویں کو بھی دشمن کو ناکامی کا سامنا رہا - اس اثنا میں ہندو راؤ کے مکان - رسد گاہ اور جنرل کی ٹیکری پر توپیں چڑھانے کا کام بڑی مستعدی سے جاری تھا لیکن یہاں توپ خانہ لگانے سے خاطر خواہ کوئی مفید نتیجہ نہیں نکلا برخلاف اس کے غنیم کی بھاری بھاری توپیں برابر دنادن چل رہی تھیں جنھوں نے ہندو راؤ کے مکان کو چھلنی کر دیا - بارھویں کی شب میں شہر پر گولہ باری کرنے کا ارادہ تھا لیکن پکٹوں سے فوج سمٹنے میں تاخیر ہو جانے کی وجہ سے یہ قصد ملتوی رہا - اکثر لوگ اس گولہ باری کے خلاف تھے انھوں نے تو اس تاخیر کو مغتنمات سے سمجھا لیکن جو لوگ ہتیلی پر سرسوں جمانا چاہتے تھے وہ البتہ دل مسوس کر رہ گئے لیکن اگر واقعی اس رات کو انگریز تقدیم کرتے تو بہت نقصان کے ساتھ پسپائی کا خطرہ بھی ساتھ لگا ہوا تھا - سترہویں کو انگریزوں

دو چار ہاتھ جب کہ لب بام رہ گیا۔ اسی دن سر شام جداحد اکر کے میرٹھ سے لشکر روانہ ہوا اور غازی الدین نگر پونہچا۔ جو اب غازی آباد کہلاتا ہے غازی آباد میں ۳۰ مئی کو اور اس سے اگلے دن دو دن باغیوں سے معرکہ رہا اور ان کو اچھا سبق ملا کہ بڑے نقصان سے پس پا ہوے۔ ۴ جون کو انگریزی فوج نے رسالے کے لشکر سے مل جانے کی غرض سے علی پور کی طرف کوچ کیا جو دلی سے تیرہ میل جمنا کے سیدھے کنارے پر واقع ہے۔ اب کمان سر ہنری برنارڈ کے ہاتھ میں تھی۔ چھٹی تاریخ پھلور سے اور ساتویں کو میرٹھ سے لشکر آن پہونچا صرف ان کے آنے ہی کی دیر تھی سب نے مل کر دلی کی طرف کوچ کیا۔ ۸ جون کو یہ مختصر لشکر جس میں سات سوار۔ ڈھائی ہزار پیدل اور بائیس توپیں تھیں اپنے کیمپ سے نکلا اور ابھی تو ہیں پہنچی تھی کہ بھاولی کی سرائے پر دشمن کی گولہ باری کی رد میں آن ڈٹا۔ ایک مختصر سی لڑائی ہوئی انگریزوں کی طرف سے ایک زور شور کا حملہ ہوا اور دشمنوں کو سنگینوں کی نوکوں پر دھر توپیں چھین لیں۔ پیچھے سے سوار گھیر اڈال کر پہنچے اور دشمن کو پوری طرح منتشر کر دیا۔ اگرچہ کوئی قطعی راے قرار نہ پائی تھی لیکن پھر بھی آگے وار بڑھتے بڑھتے دشمن کو پیس پاکر کے پہاڑی لے ہی لی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اگر اسی دن اور آگے بڑھ جاتے تو شہر فتح ہو جاتا اور محاصرے کی مصیبت سے بچ جاتے۔ مستقبلات کے اندازہ لگانے میں لوگ یوں ہی غلطیاں کیا کرتے ہیں۔ موقعی حالت کا اندازہ بھی ضرور ہے دس میل تو یہ لوگ چل کر آئے تھے اور دو معرکے سر کر چکے دسویں جون کو ایک دن کے لیئے اور وہ بھی جھلستی ہوئی دھوپ میں کیا کچھ کم کام تھا ؟ ۔ پھر غنیم کا تاؤ بھاؤ وہی تھا ذرا ابھی ڈھیل نہ تھی فصیلوں سے برابر گولے پر گولے تاک تاک کر برسائے جاتے تھے۔ شروع شروع مختلف مقامات سے دشمن نے گولہ باری کی دوپہر کے بعد سے کئی حملے ہوے مگر پہلا حملہ داہنی جانب ایسا ہوا کہ انگریزی لشکر جو نصب خیام میں مصروف تھا اور تیسری لڑائی کی طیاری کر رہا تھا ان کو اپنا کام بند کرنا پڑا۔ گولہ باری برابر جاری تھی کہ رات نے آن لیا

پھونک دیا تھا۔ سٹکاف ہاؤس کی عالی شان عمارت کو حیدر اول کے لوگوں نے پھونک دیا ۔ یہ بھی ایک خدا کی قدرت تھی کہ انبالے کا تار کھلا ہوا تھا جو دلی کے کچھ حال کی خبر وہاں دی جا سکی ۔ وہاں جو جنرل تھا وہ بڑا کاہل آدمی تھا۔ شملے میں اُس زمانے میں تار نہ تھا نہ وہ گورنر جنرل کا مستقل گرمائی مقام تھا بلکہ گورنر جنرل یا کمانڈر انچیف گرمیوں میں بطور تفریح وہاں چلے جایا کرتے تھے۔ انبالے کے جنرل نے تار کی نقل دے کر فوراً اپنے بیٹے کو شملے دوڑایا ۔ جنرل دی آنریبل جارج اینسن کمانڈر انچیف کوئی ایک مہینے سے شملے میں تھے اور پہاڑ پر چڑھتے وقت اُنھیں بھی کچھ اُڑتی پڑتی خبر اِس مفسدے کے آغاز کی لگی تھی اب جو اُنھوں نے یہ تار دیکھا تو وہ چونک پڑے مگر پھر بھی وہ یہ نہیں سمجھے تھے کہ یہ معاملہ ایسی خطرناک صورت اختیار کرے گا ابھی وہ اسی پس و پیش میں تھے کہ میرٹھ سے تفصیلی حال کا خط آ گیا تب تو اُنھوں نے ایک لمحے کی تاخیر روا نہ رکھی اور فوراً شملے کے پاس داغ شاہی ۔ اور سپاٹو اور کسولی سے تین یورپین پلٹنوں کو روانگی کا حکم دیا ۔ اسی کے ساتھ ایک عہدہ دار پھلور میں فوج طیار کرنے کو بھیجا گیا اور سیر مور کے گورکھوں کو بھی جو اپنی عمدہ کارگزاریوں کی بدولت بڑی ناموری حاصل کر چکے تھے اور دہرہ دون میں تھے میرٹھ بھجوا دیا ۔ جنرل اینسن بھی خود اُسی دن یعنی چودھویں تاریخ کو امدادی فوج کی کمان خود اپنے ہاتھ میں لینے کی غرض سے اُتر آئے ۔ مہاراجہ صاحب پٹیالہ نے تھانیسر پر قبضہ کرنے کے لیے فوج بھیج دی اس کے بعد انبالہ ان کی سپردگی میں دیدیا گیا ۔ مہاراجہ جیند نے اپنی فوج کرنال پر بھیج دی اور دوسرے رؤسا نے اپنی اپنی فوجیں رستوں کی حفاظت پر متعین کر دیں کیوں کہ اب سپاہیوں کے لشکر کا کچھ بھروسہ باقی نہ رہا تھا چند دن حمل و نقل سامان ۔ گولی بارود کی فراہمی ۔ سامان رسد ۔ سامان خورونوش و دانے چارے کے جمع کرنے میں لگے کیوں کہ پہلے سے تو کوئی طیاری کی نہیں گئی تھی جب سامان ٹھیک ٹھاک ہو گیا تو فوج کے چھوٹے چھوٹے دستے کر کے کرنال کی طرف بڑھایا گیا ۔ یہاں ایک بڑا سانحہ گزرا کہ جنرل اینسن نے جو لشکر کی روح رواں تھے ہیضے سے ۲۷ مئی کو انتقال کیا ۔ قسمت تو دیکھیے کہ کہاں ٹوٹی ہے کمند

عبارتنک تطرہ آتا تھا بالآخر فوج کے آنے کی آس ٹوٹ گئی۔ تب سگنل دیا گیا اور بارود کو فتیلہ دیا گیا۔ پھر کیا تھا میگزین دن سے آسمان کی طرف اُڑا اور اپنے ساتھ بہت سے ملوائیوں کو بھی لے اُڑا اور ایسا دھمکا ہوا کہ سارا شہر لرز گیا اور لوگوں کے کلیجے دہل گئے۔ دھماکے کی آواز جوں ہی کشمیری دروازے کے میگزین کو
سے گالوں
میں پہنچی کہ اُن
لوگوں میں ہلچل
پر لگی اور اس کے
ساتھ ہی ملوائیوں
لے چھاؤنی
کا رُخ کیا
کشمیری دروازے
کی طرف انگریز

کشمیری دروازہ

زیادہ رہتے تھے یہیں صاحبانِ انگریز اور میم صاحبوں نے پناہ لی تھی ان سب پر گولیاں برسنے لگیں ان سب کا ستراؤ ہو جاتا اگر جرالے کی کچہری پاس نہ ہوتی کیوں کہ سپاہیوں کا غول کا غول جرانہ لوٹنے کو اُدھر ٹوٹ پڑا اور ان لوگوں کو جو دل بھر موت کے منہ میں تھے بھاگ کھڑے ہونے کا موقع ملا۔ یہ سب فلیگ سٹاف کی تنگ حدود میں جمع ہوئے اور نہایت اضطراب سے میرٹھ سے فوج آنے کا انتظار کرتے رہے اور میرٹھ کی سڑک کی طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ دیکھتے تھے اور سب کی ٹکٹکی اُدھر ہی بندھی ہوئی تھی۔ ان کے گرد سپاہیوں کی چھاؤنی تھی جن کے نرغوں کا حال خدا ہی بہتر جانتا تھا اب ان لوگوں کو ادھر اُدھر اپنے حال پر چھوڑیئے اور ذرا شہر کی خبر لیجیے کہ کیا گزری۔ سارے شہر پہ تلنگے اور ان کے ساتھ شہر کے بدمعاش چھائے ہوئے ہر طرف لوٹ رہے تھے اور جہاں جو انگریز پایا گیا اس کے ٹکڑے اُڑا دیئے۔ آسمان پر دھوئیں کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ سارے بنگلوں کو

اثنا میں یورپین لوگ کچھ کلارک اور کچھ پنشنر جو دریا گنج میں رہتے تھے شہر والوں کے نرغے میں گھرے ہوئے تھے جن کی پشتی پر بلوائی تھے - ان لوگوں نے چن چن کے ایک ایک کو تہ تیغ کیا اور گھر کے گھر صاف کر دیئے - جن کو پکڑ لیا تھا اُن کو بھی پانچویں دن نقارخانے کے صحن میں ایک چھوٹے سے حوض کے پاس ایک درخت کے نیچے عدم آباد کو پہنچا دیا - میگزین کے افسر انچارج لفٹنٹ جارج ولوبی تھے اُن کے پاس توپ خانے کے چند کنڈکٹر اور نان کمیشنڈ افسر تھے اور ہاں نیٹو انفنٹری کا ایک گارڈ بھی تھا جو بظاہر حاضر تھے مگر دراصل وہ بھی باغی تھے ولوبی صاحب نے جان لیا تھا کہ اگر میرٹھ سے کچھ مدد آ گئی (جس کی توقع تھی) تو خیر ورنہ یہ سارا گولا بارود اور توپ خانہ باغیوں کے ہاتھ لگے گا - اس لیئے اُنھوں نے ہلکی ہلکی توپوں کو موقع یہ لگا دیا کہ اگر بلوائی حملہ کر بیٹھیں تو کچھ تو اُن کو جواب دیا جائے اور آخری تدبیر یہ بھی کر لی تھی کہ باروت کی قطاریں پھیلا دی تھیں کہ اگر معاملہ دگرگوں ہو جائے تو سارا ساما ان حرب دشمنوں کے ہاتھ میں دینے سے یہی بہتر ہوگا کہ اسے اُڑا دیا جائے کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسلی ہندوستانی گارڈ اور خلاصیوں کو بھی ہتیار بانٹ دیئے لیکن وہ کب ٹکنے والے تھے موقع ملتے ہی وہ سب کے سب سٹک گئے اب لے دے کے صرف نو تن یورپین رہ گئے جن پر سارا دارمدار تھا اور جو اپنی جانیں ہتیلی پر لیئے ہوئے تھے کریں تو یہ اور نہ کریں تو یہ - یہ سب طیاریاں تو چشم زدن میں ہو گئیں لیکن معاملہ کچھ ٹھنڈا پڑ گیا تھا - بات یہ تھی کہ قلعہ والے میرٹھ کی طرف تاک لگائے منتظر بیٹھے تھے اور بڑے ششش و پنج میں تھے اُن کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ قدم آگے بڑھائیں اُن کو ڈر لگا ہوا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارا پیچھا دبائے گوروں کی فوج چلی آ رہی ہو تو پھر کیا ہوگا اور اگر وہاں سے کوئی نہ آیا تو پھر ہم میدان مار لیں گے کہ اتنے میں ایک سانڈنی سوار یہ خبر لایا کہ میدان خالی ہے کوئی آ رہا نہیں رہا - یہ خبر معلوم ہونا تھی کہ بلوائی تو تلے بیٹھے ہی تھے ایک دم ٹوٹ پڑے - جب بلوائی سر پر چڑھ آئے تو یہ نو جانیں کیا کر سکتی تھیں - مگر پھر بھی کئی دفعہ حملہ آوروں کو فصیلوں سے پسپا ہونا پڑا بعض بلوائی زخمی بھی ہوئے - میرٹھ کی طرف سے تانتا تھا گرد

کی موج نہ رکھی جائے اس لیئے ریگیڈیر گریوز لے معاً چوں بنگال ہیڈوالفینڑی کو دو توپیں دے کر بلوہ رفع کرلے کو بھیجا دیا ۔ تقریباً جتنے سول کے عہدہ دار تھے سیمن فریزر صاحب کمشنر۔ مسٹر ہچنسن کلکٹر۔ مسٹر تھیافلس مٹکاف مجسٹریٹ سب اکٹھے ہوکر بلوائیوں سے اتمام حجت کرنے کے لیئے گئے ان کے ساتھ قلعے کے کپتان ڈگلس صاحب بھی تھے جو قلعے کے گارڈ پر متعین تھے ۔ وہ بھی ان باغی پہلے ہی راج گھاٹ دروازے سے جو قلعے کے نیچے ہی شہر میں داخل ہوگئے تھے ان سب لے بہت نرمی اور استمالت سے باغیوں کو سمجھایا لیکن اُن کے سر پہ شیطان سوار تھا وہ کب سننے والے تھے اس مختصر پارٹی پر ٹوٹ پڑے یہ لوگ پس پا ہوکر قلعے کے لاہوری دروازے کی طرف ہٹے ۔ مٹکاف صاحب خدا جانے کس طرح بچ کر نکل گئے باقی رہ گئے تین انگریز ۔ فریزر ۔ ہچنس اور کپتان ڈگلس تینوں سخت طور زخمی ہوئے انھیں قلعے میں لائے یہاں باغیوں اور ملازمان شاہی لے ان کا کام تمام کردیا ۔ پھر سپاہی مکانوں میں گھس آئے اور پادری جننگ صاحب کو مع اُن کی بیٹی اور ایک لیڈی کے جو اُن کے ہاں مہمان تھی قتل کرڈالا ۔ ادھر تو یہ سانحہ گزرا اب اُدھر کی سنیئے کہ بنگال کی لائٹ انفنٹری کشمیری دروازے پہنچی جہاں کہ اڑتیسویں بنگال لیفٹ انفنٹری کا گارڈ پہلے سے کھڑا تھا ۔ کرنل رپلی آگئے تھے اور دوسرے عہدہ دار اُن کے ساتھ تھے یہ لوگ کشمیری دروازے کے احاطے میں سے گزر رہے تھے کہ میرٹھ کے بلوائیوں میں سے کچھ لوگ ان پر اچانک ٹوٹ پڑے اور کرنل کو مع چار دوسرے عہدہ داروں اور یورپین سارجنٹ میجر اس طرح پاپیوں کو کاٹ کر دھر دیا جو عہدہ دار بچ رہے اور رجمنٹ کا ڈاکٹر اپنی جان لے کر بھاگ نکلے غرض یہ کہ فوج نے اپنے افسروں کی ذرا بھی مدد نہ کی مگر شکر یہ ہو کہ بدوقتوں میں مار رہا تھا ورنہ خدا جانے کیا ستم ڈھاتے بہر حال یہ سب بھی بلوائیوں میں جاملے اس وقت نو بج چکے تھے اور چار بجے تک سول لیئر اور چھاؤنی میں کچھ گڑبڑ نہ تھی ۔ چھوٹی موٹی ٹکڑیاں موج کی کشمیری دروازے سے لے کر چھاؤنی تک آجارہی تھیں لیکن شہر میں بلوے کے فرو کرنے کو ایک شخص بھی نہ گیا ۔ اس

کارتوس وہ برسوں سے بلا حیل وحجت چلا رہے تھے دفعۃً اُنھوں نے عین پریڈ کے وقت اُن کے کاٹنے سے سرتابی اور تمردی کی جو فوجی قواعد کی رو سے سخت ترین جرم ہی - یارلوگوں نے جن کی طینت میں بدی ہوتی ہی محض خبث باطن سے یہ شہرت دی کہ ان کارتوسوں میں گائے کی اور سور کی چربی ہماری ذات بگاڑنے اور ایمان کھونے کو قصداً ملائی گئی ہی - یہ شوشہ چھوڑنا تھا کہ ایک دم لوگ بہک گئے اس پر طرہ یہ ہوا کہ لوگوں کو ہوئی سزا بلکہ علی عیَن الاشہاد اُن کے بیڑیاں بھی ٹھوکی گئیں - بس - ع سمند ناز پہ اک اور تازیانہ ہوا - کھلم کھلا غدر ہوگیا - ع خوے بدرا بہانہ بسیار - چاہیئے یہ تھا کہ دلی کی طرف جو لوگ بڑھے تھے یورپین فوج اُن کا تعاقب کر کے سد راہ ہوتی لیکن جنرل نے تمام چنانچہ اسی الزام میں وہ آگے چل کر کمان سے اُتار دیئے گئے - لیکن اس جنرل کی ناعاقبت اندیشی کی بدولت نہ صرف دلی کے انگریزوں کی جان پر بنی بلکہ آناً فاناً سارے ہندوستان میں انگریزوں کے پیر اُکھڑ گئے - دلی کے گرد نواح میں ایک اودھم مچ گئی شہر پر باغیوں نے قبضہ کر لیا اور سمجھے کہ موجودہ پوربیوں کا خاتمہ کر کے ان کو نیست نابود کر دیں گے - یورپین اور وفادار ہندوستانیوں کی فوج نے (جو پنجاب میں تھی اور جن کا ایسے نازک وقت میں ٹل ہٹنا ایک بڑے خطرے کی بات تھی) انگلینڈ کے تازہ وارد ایک متنفس سولجر کی مدد کے بغیر بھی نہ صرف دلی فتح کر لی اور غدر کی کمر توڑ دی بلکہ لکھنؤ کے سر کرنے میں بھی مدد دی جو دلی کے معرکے سے بھی اہم تھا - ۱۱ مئی کی صبح تک دلی میں کوئی غیر معمولی بات تھی نہ کسی قسم کا خطرہ تھا - گرمی کے دن تھے اور کچہریاں صبح کی تھیں علی وفق العادہ کاروبار جاری تھا کہ دفعۃً یہ خبر گوش زد ہوئی کہ باغی میرٹھ سے آن پہنچے اور آتے آتے اُنھوں نے جمنا کے کشتی کے پل اس پار جو ٹول چوکی تھی جلا دی - اُن کو روکنے کے لیئے کلکتہ دروازہ بند کر دیا گیا ہو تھیا فلس مٹکاف صاحب مجسٹریٹ فوراً چھاؤنی کو جو ریج (پہاڑی) کے پیچھے تھی بریگیڈیر سے امداد کے لیئے دوڑے - گوروں کی فوج تو دلی میں سرے سے تھی ہی نہیں اول تو یہ کہ یہاں کی آب وہوا ناقص تھی دوسرے یہ کہ دلی کے بادشاہ کی خواہش تھی کہ دلی میں گوروں

یہی لوگ قومی لیڈر سمجھے جاتے ہیں - اُن کو اُس امن کی قدر نہیں جو ہمیں برٹش راج میں میسر ہے - جس کی ایک ادنیٰ مثال وہ آزادی ہے جو ہر کس و ناکس کو حاصل ہے اور جو جی میں آتا ہے آئیں بائیں شائیں کہہ گزرتے ہیں - اور ملک کے دلوں میں ناراضگی کا تخم بوتے ہیں - کیا دور مغلیہ میں یہ ممکن تھا کہ کانگریس کے پلیٹ فارم پر چڑھ کر اس طرح کھلے خزانے اعلیٰ ترین حکام وقت کی چھیچا لیدر کرتے - تو یہ تو زبان کھنچوالی جاتی اور کھال میں بھس بھروا دیا جاتا - یہ برٹش گورنمنٹ ہی کا تحمل و وقار ہے جو الٹ کر پوچھا تک بھی نہیں - لوگ مجھے خوشامدی کہیں گے کہا کریں جو بات حق تھی میں نے کہدی -

من آنچہ شرط بلاغ است با تو می گویم　　تو خواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال

میں نہیں کہتا کہ برٹش گورنمنٹ اسقام سے پاک ہے اس میں کچھ اسقام ضرور ہیں مگر یہ اتنے نہیں جتنے کہ اس کے سر منڈھے جا رہے ہیں - اگر ان ساری شکایتوں کو ہم تسلیم بھی کرلیں تو بھی ہم کو اس امن عامہ اور آزادی کی قدر کرلی چاہیئے جو کہ اس عہد میں حاصل ہے اور بقا و قیام سلطنت موجودہ کے لیئے جس میں سراسر ہمارا ہی فائدہ ہے وفادارانہ کوشش کرنا ہر اس بہی خواہ رعایا کا فرض عین ہے اور یا ایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم [1] حکم الٰہی کا بھی یہی منشا ہے - اب رہا معاملہ طلبی حقوق کا تو اول تو یاد رکھیئے کہ "بن مانگے موتی ملیں اور مانگے ملے نہ بھیک" مانگیئے - مانگنے کو کون منع کرتا ہے مگر مانگنے کی طرح یہ کہ ہم خود آپ میدان میں نکل کھڑے ہوں - یہ مانگنے کا مستحسن طریقہ نہیں ہے - دنیا جہان میں حق مانگا جاتا ہے نہ بایں کر - یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا آمدم بر مطلب - دسویں مئی ۱۸۵۷ء کا وہ منحوس دن تھا جب میرٹھ کی متعینہ فوج کے سپاہی بگڑ گئے وہاں اپنے افسروں کو نہایت سفاکی سے تہ تیغ کیا لٹیروں کی کیا کمی وہ تاک میں لگے ہوئے تھے موقع پا کر میرٹھ میں خوب لوٹ مار کی بنگلوں کو جلا کر خاک سیاہ کردیا - وہاں سے اس بلا نے وہاں سے دلی کا رخ کیا اور کھلا سرم کی طرح یہاں آن دھمکے - پہلے سے کیا آگ سلگ رہی تھی اس کے بہت سے اسباب بیان کیے جاتے ہیں مگر فوری اشتعال کی وجہ یہ ہوئی کہ [illegible] انفیلڈ [illegible] کارتوس سپاہیوں کو مختلف میعاد کی آئیں ان میں سور اور گائے کی چربی لگی ہوئی تھی

[1] مسلمانو! اللہ کا حکم مانو اور رسول کا اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں - ۱۲

زمانہ کوچ کا بس آگیا ہے وقتِ رحیل — قیامت آنے میں ہرگز نہ اب رہی ہے ڈھیل
جو نفخ صور لیئے ہاتھ میں ہے اسرافیل — ہے کس میں جان کہو کیا کریں گے عزرائیل
حدوثِ حشر سے پہلے ہے اپنا کام تمام — قیامت آئی اگر بعد اپنے تو کس کام
ہزار شکر وہی آئے حاکم دوراں — کہ جن کے عدل سے بنے کار تیغ و تیغ زباں
غریب آن بسے پھر وطن میں ہو شاداں — خزاں میں از سر نو ہے بہار کا ساماں
فلک یہ عدل سدا اُن کا پائدار رکھے — قرار ایسا اُنھیں دے نہ ٹلے قرار رکھے

غدر کے مفصل حالات لکھنے کے لیئے ایک جداگانہ کتاب درکار ہے یہاں ہم بہت اختصار سے اُن واقعات کا اظہار کرتے ہیں - لڑائی دراصل دو بادشاہوں میں کسی ملک کے فتح کرنے پر ہوا کرتی ہے یہ تو صرف فوجی پربیوں کی بغاوت تھی جس نے دلّی کو جڑ بنیاد سے ہلا دیا اور ایسا برباد کیا کہ آج تک پنپ نہ سکے - غدر کی آگ قریب قریب سارے ہندوستان میں پھیلی مگر دہلی چوں کہ دارالسلطنت تھا اور نام کو برائے نام ہی سہی مگر آخر بادشاہ تو تھا ہی اس سبب سے دلّی خوب دلی گئی اور ایسی پچی کہ الٰہی توبہ - ابھی غدر کے دیکھنے والے کچھ لوگ باقی ہیں اُن سے جب ہم اس کی تباہی اور لوٹ مار کا حال سنتے ہیں تو بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں - خدا دشمن کو بھی وہ دن پھر نہ دکھائے - یہ تو ایک ادنیٰ سے فوجی بلوے کا مآل ہوا جس میں ایک طرف بگڑی ہوئی تھوڑی سی فوج تھی اور دوسری طرف انگریز - پھر آقا اور نوکر حاکم اور محکوم کی لڑائی بھی کوئی لڑائی ہے مگر دیکھیئے کیسی ہل چل پڑ گئی - ہے دو بادشاہوں کی ٹکر خدا کی پناہ اُس کے تصور سے دل کانپ جاتا ہے - خداوند فرماتا ہے

إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً

پس سلطنت کا طمع و قمع بازیچۂ اطفال نہیں - جانیں تلف ہونے کے علاوہ بھیک کا ٹھیکرا ہاتھ میں آجاتا ہے - ہم چند سال سے نہایت افسوس سے ہندوستان میں بے چینی کے آثار دیکھ رہے ہیں - یہ شورش زیادہ تر لکھے پڑھے آدمیوں کی پھیلائی ہوئی ہے اور

سلہ بادشاہ جب کبھی کسی شہر (کو بزور فتح کرکے) اُس میں داخل ہوا کرتے ہیں تو (اُن کا دستور ہے کہ) اُس کو خراب اور وہاں کے معزز لوگوں کو ذلیل کردیا کرتے ہیں - ۱۲

ہر پارہ پارہ جگر کیسی دل فگاری ہے بجائے اشک جو آنکھوں سے خوں جاری ہے
سماں ہوا تھا جو مہتاب باغ کا گلشن نہ گل شگفتہ نہ ہے عندلیب و گل نہ چمن
کہاں وہ نرگس شہلا ہے بستاں نہ سمن روا ہوا کہیں اس کو کہ ہو وہ دشت محن
چمن سے سرو کو آزاد کر نکال دیا گلے میں قمری کے دیکھا کہ طوق ڈال دیا
وہ کیا ہوئے جو یہاں تھے امیر ابن امیر تھی جن سے شوکت و عظمت ہر ایک کی توقیر
جبین عجز جھکاتے وہاں صغیر و کبیر سمجھ کے فخر کھڑے رہتے در پہ جم غفیر
یہ کیسا پردۂ ناموس چاک چاک ہوا ملے وہ خاک میں دل سب کا غم سے چاک ہوا
ہمیشہ عطر جو پوشاک میں لگاتے تھے بدلتے شام و سحر جوڑے اور پہناتے تھے
تھی نکہت ایسی کہ اُس سے نہ تاب لاتے تھے محل ہو گل کف افسوس ملتے جاتے تھے
وہ دیکھو پیرہن آلودہ خاک پھرتے ہیں کہاں ہے جیب گریبان چاک پھرتے ہیں
گلے میں پھولوں کا گلدستہ سدا پڑا رہتا اور عطر گل بھی پھر اُس پہ سدا لگا رہتا
وہ زلف حسن سے کہ ناگ بھی پیچ کھا رہتا شمیم عطر گریباں میں دل پھنسا رہتا
اب اس گلو میں ہے طوق رسن بجائے سمن ہے چاک چاک گریباں ہر ایک پیرہن
جو نازک ایسے اُٹھاتے نہ گل کو جان کے بار سحر نسیم گل اُن کے گلے میں دیکھا نہ ہار
رہا نہ عطر گریباں نہ زلف عنبر بار چلی ہیں سر پہ رکھے بار ہائے لعبت نہار
وہ پاؤں رہ میں کانٹے ہیں اور ہے رہ سنگ پڑے ہیں چھالے جنھیں بار تھا حنا کا رنگ
قدم جو رکھتے نہ تھے فرش پر پلنگ سے اُتر رہے نہ پاؤں وہ گلی کوچوں میں پھریں دردر
جگر کے ٹکڑے ہیں دیکھ اُن کو ماند دل مضطر ستم ہے ایسی ہوئی تھی کبھو بلا کس پر
بجائے عیش شب و روز اس کا رونا ہے اب اُن کو فرش میں خاک کا بچھونا ہے
وہ نازنیں کہ نزاکت بھی دیکھ گھبراوے کہ جن کے بستر گل پر سے بید اُٹھا دے
گمان میں جو نہ ہو کیا خیال میں آوے لکھا ازل کا جو تقدیر سامنے لاوے
پکڑ کے زلف کیا قتل اُن کو کھلے سر صبا کے جھونکے سے ہوتے تھے جو پریشاں تر
رہا نہ کوئی نکلا کوئی گریباں چاک کسی کا دیدۂ گریاں کسی کے سر پر خاک
ہر ایک سید سالار اں تھا ناد دل غمناک تھی دشمنوں کی بھی ہر سمت سے آنکھیں نمناک
قدم جو اُٹھتا تھا حسب قدم اُٹھاتے تھے ہزاروں ٹھوکریں کھاتے تھے گرتے جاتے تھے

یہاں کے جتنے تھے اوباش مل کے اُن کے سات
کہاں بتائیں تمھیں زر کے ہاتھ آنے کی بات

مگر یہ شرط ہی گر آئے کچھ ہمارے ہات
برائے نام نکالی یہ لوٹنے کی بات

جو اونچا گھر کوئی تکتے تو اُس پہ چڑھ جاتے
ڈینگی اس میں ہیں یا یہ کہ سے گھر وہ لٹوا لیتے

وہ بے نیازہی دیکھی جو اُن کی کج رائی
جفا و جور و ستم کی نہ واں ادا بھائی

عذاب جب ہوا نازل زمین تھرائی
پھر اُن کے ساتھ ہی دلی پہ اک بلا آئی

عتاب آوے تو اُس پر وبال آتے ہیں
گناہ کردہ و ناکردہ کا شمار نہیں

یہ جوق جوق جو دہلی میں جمع تھے ظالم
لڑے پھر اُن سے ہمیشہ جو اُن کے تھے حاکم

کٹے ہزاروں نہ باقی رہا کوئی سالم
جو اس میں بھید تھا اُس کا خدا ہی ہی عالم

پڑی جو گولی تو بے دین بھاگے اور ترسا
جب آسمان سے مینہ اُن پہ آگ کا برسا

اکڑ کے پنجوں کے بل جو زمین پر چلتے
جو سیدھی بات کرے اُن سے اُس کو وہ دلتے

تفنگ و تیغ کو چمکاتے ہر گھڑی ملتے
نشے میں لاف وہ کرتے تو سن کے سب جلتے

ہوے تھے جو کہ مقابل میں لے سنان و سیوف
دماغ جھڑ گیا اُن کا رہا نہ باقی کیف

کہاں وہ شوکت و حشمت کہاں وہ جاہ و وقار
کہاں وہ مکنت رفعت و عظمت سرکار

کہاں وہ قدرت و ثروت و عیش لیل و نہار
کہاں وہ فرحت و عشرت و وصلت دلدار

بکا ہی یاس ہی حرماں ہی چشم پرنم ہی
فغاں ہی آہ ہی نالہ ہی جوشش ماتم ہی

ستم کہ بادِ مخالف خزاں کو لائی ہی
بیان کیا کروں اُس کا کہ پھٹی چھاتی ہی

جو اہل قلعہ تھے ثروت یہ اُن کی جانی ہی
کہ ساتھ اُن کے یہاں سب کی شامت آئی ہی

ہمارا سینۂ و دل چاک ہو گیا افسوس
یہ کیسا لاکھ کا گھر خاک ہو گیا افسوس

اُجڑ گیا چمن آرائے گل رخاں افسوس
رہا نہ گلشن و گل اور باغباں افسوس

وہ قدر داں تھا کہوں کیسا قدر داں افسوس
کہ جس کی یاد میں کرتا ہی اک جہاں افسوس

چلی ہی باد خزاں ہی خزاں کی طغیانی
خدا ہی جانے کہ آفت ہی اور کیا آنی

کہاں وہ تاج کا مالک کہاں ہی وہ دربار
کہو کدھر گئی دیوان خاص کی وہ بہار

اب اُس کے دیکھے جو اُجڑے ہوے در و دیوار
یہ دل میں آئی کہ سر پھوڑ اور چیخیں مار

تتمۂ نوٹ صفحۂ گزشتہ۔ ہی جوش گریہ سے یہ حال چشم سائل کا ٭ جو قطرہ اشک کا ٹپکے سو ہی لہو دل کا
مگر اس مصرعہ میں ۱۲۷۳ ہجری نکلتا ہی۔ ۱۲

غدر نے یہ بھی نہ رکھا اور بالکل برباد کر دیا اب وہ دہلی ہی نہیں رہی۔ شہر کا کلام موجود ہے۔ مگر وہ نہیں جن سے دہلی دہلی تھی۔ ۵

غالبؔ مردہ کی مانند ہے دہلی طالب   وہ عدم میں ہیں جو کہلاتے تھے جانِ دہلی

باب چوتھا غدر ہندی ۱۸۵۷ء ۱۲۷۳ھ

ہر ایک گھر میں یہ شور و بکا ہے دہلی کا   فغاں کہ نام و نشاں کیا مٹا ہے دہلی کا
عجیب حال یہ جس نے سنا ہے دہلی کا   دلِ دو نیم ہے وہ ماجرا ہے دہلی کا
خلا نگر وہ جو پامال پاک جہاں ہو گئے   ہماری آنکھوں سے کیونکر یہ جوں عیاں ہو گئے
یہ شہر وہ تھا کہ بست جام جم اسے کہتے   سمجھتی جن کو وہ رشکِ ارم اسے کہتے
یہ شہر وہ تھا کہ بحر کرم اسے کہتے   بجا تھا چشمۂ فردوس ہم اسے کہتے
اسی کے لینے کا شائق ہر ایک سرور تھا   یہ شہر وہ تھا کہ سرتاج ہفت کشور تھا
سمجھ میں آتا نہیں کیسے یہ بلا آئی   عدول حکمی کی دل پر جو موج سی چھائی
کہیں یہ کس سے کہو کس کی تھی یہ گمراہی   ہوا ہے رشتیِ اعمال کی یہ رسوائی
بلا یہ پوربی میرٹھ کی جو یہاں لائے   عمل ہمارے مجسم جو سامنے آئے
انھیں کے آتے ہی دہلی میں قتل عام ہوا   جو سروران حکومت تھے ڈھونڈ کر مارا
وہ بیچے پھولوں کی بد پتی سے جن کو ذبح کیا   گیا زمیں سے فلک تک یہ شور واویلا
خدا کا خوف نہ آیا وفا کو چھوڑ دیا   ستم یہ دیکھ حیا نے حیا کو چھوڑ چلا
جو ظلم آنکھوں سے دیکھا کہا نہیں جاتا   سنا جو کانوں سے اس کو لکھا نہیں جاتا
لسان نقش ازل تو مٹا نہیں جاتا   کرے بیاں جو اس کا سنا نہیں جاتا
ہوا ہے جانی تھی رے اوس جس کے گلشن میں   ڈھاک پھانکتے پھرتے ہیں جنگل و بن میں
یہ سرکشی ہوئی میرٹھ کی فوج سے جس دم   نہ کارتوس کو کاٹا ہوئی تھی جو برہم
یہاں وہ آئی تو آیا تھا سب کا ناک میں دم   جو افسر ان کے تھے پہلے کیا سر ان کا قلم
ہوئے جو قتل وہ دیوان عام سے آگے   فرنگی چھوڑ زمیں آسماں کو بھاگے

۵ تاریخ غدر مصداق ماعی

یہ ابتدائی بلا تھی جو پوربی لائے   تھی سولھویں رمضان کی جو شہر میں آئے
اخیر مصرع میں تاریخ و سال کو پائے   جو اس کو دیکھے وہ آنکھوں سے خوں بہائے

چلا گیا۔ یہ آخری فتح تھی جو سلطنت مغلیہ کو حاصل ہوئی۔ اس کے بعد فتح عنقا ہوگئی اور اقبال میں زوال آیا۔ صوبے باغی ہوکر خودسر ہوگئے جس نے جو پایا دبا بیٹھا جو ہاتھ لگا لے اُڑا۔ دلی لوٹ مار کرنے والوں کا آئے دن کا ٹھکانا ہوگئی۔ مرہٹوں نے زور پکڑا اور دست تظلم دراز کیا۔ سلطنت کی تمام شان وشوکت غارت ہوگئی اور اس کے ساتھ دلّی بھی برباد ہوئی۔ [illegible] میں احمد شاہ ابدالی نے پانی پت میں مرہٹوں کو کھلی شکست دے کر گو اُن کی بڑھتی ہوئی قوت کا انسداد کیا مگر اُن کا جور و تعدی لوٹ مار کم نہ ہوا۔ ہزاروں آدمی ہلاک ہوئے۔ سیکڑوں سربرآوردہ تہ خاک ہوئے۔ بھرے پُرے گھر پٹ پڑ گئے۔ یہاں تک کہ دیوان عام کی چاندی کی چھت گلا ڈالی گئی۔ موتی مسجد میں جو دُرِ آبدار کا چھپا بیگمات عصمت سمات نے لٹکایا تھا نوچ کھسوٹ ڈالا گیا۔ جہاں تک ہوسکا لوگوں سے زر و مال چھینا جھپٹا گیا۔ اسی اثنا میں غلام قادر کور باطن نے ۱۷۸۹ء میں چشم و چراغ سلطنت حضرت فردوس منزل شاہ عالم ثانی کی آنکھیں نکال لیں اور نہ صرف قلعہ بلکہ شہر اور اس کے گرد و نواح میں وہ وہ ظلم کیے جن کی تحریر سے قلم کا کلیجہ شق ہے اور تقریر میں زبان ناطقہ بند۔ سندھیا نے اُس نمک حرام کو سزا اسے سخت دی اور بادشاہ کو اپنی حفاظت میں لے لیا۔ اس کے بعد مادھوجی سیندھیا سے جو خدمات لائقہ ظہور میں آئی تھیں وہ مختار کل ہوگیا تمام شہر اور محل میں اسی کا طوطی بولنے لگا۔ حضور بہ سبب نابینائی کاروبار سلطنت سے دست کش ہوگئے۔ ملک مرہٹوں کے قبض و تصرف میں آگیا اور موے پر سو دُرے کا مصداق ہوا۔ آخر کار تا بکے ؟۔ لارڈ لیک نے ۱۸۰۳ء میں دلی کو فتح کیا اور مرہٹوں کے نرغے سے بادشاہ کو چھڑا کر ایک لاکھ پچیس ہزار روپیہ ماہوار کی پنشن مقرر کردی۔ قلعہ پر اختیار بدستور رہا اور داب و آداب سلطنت میں کوئی فتور نہ آیا۔ بڑے بڑے راجہ نواب اس درگاہ کا حلقۂ ارادت کان میں ڈالے رہے اور یہاں سے عطائے خطاب کو فخر سمجھتے رہے سکہ سب ریاستوں میں بادشاہ ہی کا جاری رہا اور نذرانے اور تحفے تحائف اور خراج بدستور پہنچتا رہا۔ گو عالمگیری شان وشوکت کے مقابلے میں اب کچھ بھی نہ رہا تھا اور نرا لفافہ ہی لفافہ تھا مگر جو کچھ تھا بسا غنیمت تھا۔ ۱۸۵۷ء کے

بھی دھوکا کھایا یعنی روشن اختر کو محمد شاہ کے لقب سے تخت نشین کیا اور اُس کی
ماں کا کچھ انتظام نہ کیا - یہ عقل مندی کی علاوہ جوہر عفت عصمت کے آئین ملک داری
میں عاقلہ اور تیز فہم تھی سیدوں کا اقتدار دیکھ کر اور اُن کی حکومت سمجھ کر اس کو
اپنے بیٹے کی طرف سے خوف پیدا ہوا - عرصۂ دراز کی خفیہ چالاکیوں اور پوشیدہ
سازشوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ دونوں بھائی جو ہر وقت بادشاہ اور شہر پر کراما کاتبین
کی طرح مسلط رہتے تھے ایک دوسرے سے جدا ہو کر دور دراز مقامات میں پھینک
دیئے گئے اب کیا تھا جگ لوٹا اور روپیٹی اب تو درباری امرا کا وار چل گیا اور
دونوں بلطائف الحیل ہلاک کیئے گئے - اس شہر نے بھی یکسو ہو کر رونق پکڑنی
شروع کی اور محمد شاہ کی رنگیلی طبیعت نے تھوڑے ہی عرصے میں اس شہر
کو رشک ریاض رضوان کر دیا - دور دور کے صوبہ دار اپنے صوبوں میں نائب
چھوڑ کر خود دلی میں بادشاہ کے ساتھ رنگ رلیاں منانے کے لیئے رہنے لگے -
دارالخلافہ میں امن سا ہو گیا تھا کہ پھر بُرے دن آئے یعنی نادرشاہ نے افغانستان
سے پنجاب پر تسلط کر کے ادھر کا رخ کیا اور قتل قاصد کا بہانہ کر کے بہ تعجیل
تمام دلی کے قریب آ پہنچا - محمد شاہ نے بھی اپنے امرا یعنی مصاحب اور
عیش پسند نازک مزاج آدمیوں کو لڑائی پر بھیجا مگر نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہیے تھا
یعنی شکست کھائی اور پھر اپنی بیوقوفی سے قتل عام کرایا - دوپہر شہر میں کشت و خون
کا بازار گرم رہا - لہو کی ندیاں نالے بہ گئے - دو ڈیڑھ لاکھ آدمی قتل ہوتے
باقی کے ملک تباہ اور خود شکستہ حال ہو گئے - نادرشاہ سلطنت مغلیہ کے خزانے
کو خالی اور دلی کو بے چراغ کر کے واپس چلا گیا اور اس شہر کی دولت اور امارت
پر ایسی کاری ضرب لگا گیا کہ عرصے تک سنبھلنا دشوار ہو گیا - نادرشاہ کے انتقال
کے بعد اُس کے افسر فوج احمد خاں دُرانی نے بچے کچھے مال پر ہاتھ صاف کرنے
کا ارادہ کیا اور پنجاب سے اُتر کر سرہند تک آ گیا - ادھر سے شاہزادہ احمد شاہ
اور وزیر قمرالدین وفادار سپاہیوں اور جاں نثار بہادروں کی ایک جماعت
ساتھ لے کر اُسے روکنے کو روانہ ہوئے چنانچہ مقام مذکورہ پر ایسی منہ کی کھائی
اور شکست فاش ہوئی کہ وہ خیال دل سے نکل گیا اور اپنا سا منہ لے کر واپس

تنزل سلطنت کے ساتھ ہی اس کی بھی ایسی مٹی خراب ہوتی ہو کہ بادو شاید رعایائے شہر کا معرض تلف میں آنا - زر و مال کا برباد جانا تو ہو ہی مگر فوج غنیم کی دست درازیوں سے گدھے کے ہل پھر جاتا بھی داخل تعجبات نہیں ہو - چنانچہ یہی حال دلی کا بھی ہوا دار الخلافۂ ہندوستان کے بلند لقب سے مفتخر کی گئی - مذہبی علمی - اخلاقی اعتبار سے قابل قدر مانی گئی - فن تعمیر میں یکتا تسلیم کی گئی - دولت و ثروت و حسن و خوبی میں یکتا سمجھی گئی - غرض یا بہ ایں شور اشوری یا بہ ایں بے نمکی اس کی شہرت اس کے لیئے باعث ادبار اور اپنی دولت کے سبب یہ محسود روزگار رہوئی - ؎

گل و گلچیں کا گلہ بلبل خوش لہجہ نہ کر ... تو گرفتار ہوئی اپنی صدا کے باعث

ہندوستان کی تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈالیئے اور دلی کے حال زار پر آنسو بہایئے - اہل ہنود کے عہد کی تو خبر نہیں ہاں مسلمانوں کے تسلط کے وقت سے تو اس پر آفتیں ہی رہیں یہاں تک کہ حضرت فردوس مکانی صاحبقران ثانی شاہ جہاں بادشاہ نے دلی کو از سر نو آباد کیا اور عالی شان سلطنت مغلیہ کا اسے پایۂ تخت قرار دیا - بڑے بڑے امراے ذی شان اور راجگان بلند مکان وہاں آکر مقیم ہوے - فضلاے دہر و کملاے عصر کا مرکز بنی - شہر رونق پذیر رشک دہ فلک پیر ہو گیا - خلد مکانی شہنشاہ عالمگیر کے عرصۂ دراز کے قیام دکن نے پھر اس کی رونق میں تھوڑا تزلزل ڈالدیا تھا مگر وہ دفع ہو گیا اور شہر بدستور آباد رہا - بعد انتقال عالمگیر تینوں بیٹوں میں معرکہ آرائی ہوئی مگر بجز ایک خفیف جنگ کے سارے جھگڑے دور دراز مقامات پر ہوتے رہے - جہاں دار شاہ کی عقل مندی نے خاندان کو اپنا دشمن بنالیا چنانچہ اس کا چچا زاد بھائی فرخ سیر اسے قید کر کے تخت پر بیٹھا اور اسی وقت سے اس شہر پر وبال آیا اور زوال شروع ہوا - سیدوں اور اہل دربار کی باہمی مخالفت نے بھی بہت سی جانیں لیں یہاں تک کہ فرخ سیر بھی ان دونوں بھائیوں سید حسن علی اور سید عبد اللہ کے دست تظلم سے نہ بچا - اس کے بعد دو تین بادشاہ مثل رفیع الدولہ - رفیع الدرجات وغیرہ ایسے ہوئے جن کی شان میں بجاے بادشاہ کے تمثال بادشاہ کہنا زیادہ درست ہو - اس بادشاہ گردی نے بہتیرے گھروں کے چراغ گل کر دیئے مگر ہر بات کی آخر کچھ انتہا بھی ہو ایک مقام پر سیدوں نے

اُٹھانا پڑا۔ لارڈ صاحب موصوف نے مرزا محمد قریش کی جانشینی تو تسلیم کرلی لیکن ساتھ ہی اس کے یہ قید لگا دی کہ بہادر شاہ کی وفات کے بعد وہ بادشاہ متصور نہ ہوں گے ملکہ برسے شہزادے ہی شہزادے مانے جائیں گے یعنی اس نام کی بادشاہت کا بھی خاتمہ ہوگیا اور اس پر یہ بھی طرہ ہوا کہ رپنشن گھٹ گھٹا کر صرف پندرہ ہزار روپیہ ماہانہ پر آن ٹکا۔ زینت محل کی اس دفعہ بھی کچھ نہ چلی وہ ہاتھ ملتی کی ملتی رہ گئیں۔

قسمت تو دیکھنا کہ کہاں ٹوٹی ہے کمند دو چار ہاتھ جب کہ لب بام رہ گیا

غرض یہ کہ برٹش گورنمنٹ نے ایسا انتظام کردیا تھا کہ سلسلہ سلاطین مغلیہ ہمیشہ کے لئے از خود القط ہوگیا تھا لیکن تقدیر میں ابھی ایک گردش اور لکھی تھی جس سے بادشاہان تیموریہ کے طول طویل سلسلے کا خاتمہ ایک ایسے غیر متوقع طریقہ پر ہوا جس کا کسی کو وہم و گمان بھی نہ تھا۔ اس غیبی گولے کا حال جس نے سلطنت مغلیہ کے چیتھڑے بکھیر دیئے اور رہے سہے نام کو بھی ملیامیٹ کردیا آگے آئے گا۔

دہلی کی بربادی

ہائے دہلی وہ رسے دل شدگانِ دہلی
آپ جنت میں ہیں اور دل نگرانِ دہلی

وہی جلوہ نظر آتا ہے تصوریر میں
مٹ گئی پھر بھی یہ باقی ہے نشانِ دہلی

کل یوم ہو وہ شان کی ہے جلوہ گری
کیا ہوا گر نہ رہی شوکت و شانِ دہلی

تھیں جو انہار بہشتی کی حکایت ہرسو
وہی ہیں ہوئیں اب اشکِ روانِ دہلی

گرنہ کہویں کہ یہ دلی ہے تو ہر گز نہ پڑے
دلی والوں کو بھی دلی یہ گمانِ دہلی

دلی اس ہر تن سے تمام تن مٹے جان گیا جاک
سات سے جا چکے ہو لوگ تھے جانِ دہلی

کون سے پردے سے نکلے ارم ذات عماد
ابھی موجود ہیں دو چار مکانِ دہلی

ربع مسکوں سے زیادہ ہے بہت وسعت میں
چاندنی چوک کہ واقع ہے میانِ دہلی

شیفتہ اور ستائش کے نہیں ہم خواہاں
یہی بس ہے کہ کہیں ہم یہ زبانِ دہلی

کسی ملک کا دارالخلافہ ایک شہر کے لیئے ہے تو موجب فخر اور باعث ترقی و امارت مگر اس کے ساتھ بیش بھی ضرور ہی۔ سلطنت جب تک سنبھلی ہو تو خیر خیر ہی ورنہ

لارڈ ڈلہوزی گورنر جنرل نے
کے لیئے ایک کمیٹی قائم کی گئی جس میں
شامل تھے۔ ان کی اتفاق رائے
بعد مرزا فخرو برائے نام بادشاہ ہوں اور
سنہ ۱۸۵۲ء میں ایک معاہدہ دستخط اور
بیگم نواب زینت محل اپنے بیٹے
زور دے رہی تھیں اور بادشاہ
ہی نہ آیا کہ گورمنٹ میں اس امر کی
تدبیر کنند بندہ و تقدیر زند خندہ۔
۱۰ر نومبر سنہ ۱۸۵۶ء کو مرزا اس
انتقال کیا۔ علاماتِ
مسموم ہونے کی تھیں
کہ اس میں کچھ کار سازی
جولائی سنہ ۱۸۵۶ء کو مرزا فخرو
اور لارڈ کیننگ گورنر جنرل کو

تازہ کیا۔ اس اہم مسئلہ پر غور کرنے
ولی عہد مرزا فخر الدین بھی
سے یہ قرار پایا کہ بادشاہ کی وفات کے
قطب میں جا کر رہا کریں چنانچہ اسی مطابق
مہر سے مکمل ہو گیا۔ بادشاہ کی آرزو
جواں بخت کی جانشینی کرنے کے
کو بھی ہموار کر لیا تھا لیکن وہ موقع
تحریک کی جاتی مصرعہ
بیگم صاحبہ تنگ دل ہو گئیں
منکشف صاحب نے
مرگ تا تاتی زہر سے
بعض لوگ شبہ کرتے ہیں
بیگم صاحبہ کی تھی۔ اور
بھی زہر سے جاں بحق ہو سے
از سرِ نو جانشینی کے مسئلہ کو

لارڈ ڈلہوزی

لارڈ کیننگ

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ۔ ابو ظفر تاریخ میلاد او ست۔ یک لک روپیہ ماہانہ برائے مصارف او از کمپنی مقرر بود۔ مولوی امام بخش صہبائی تاریخ جلوس گفتہ:۔

از نشۂ دولت بہادر شاہی	شد پر ز مئی طرب ایاغ دہلی
بنشست بہ تختِ دولتِ روز افزوں	زیبست بفر و ازو دماغ دہلی
تاریخِ جلوسِ آں شہِ والا قدر	آمد بلبِ خرد "چراغ دہلی"

بادشاہ یازدہ پسراں داشت (۱) مرزا دارا بخت میراں شاہ (۲) مرزا شاہرخ کہ از ذکیۃ النساء بیگم بنت مرزا اسلیمان شکوہ تولد شدہ بود۔ (۳) مرزا فتح الملک مشہور بہ مرزا غلام فخر الدین۔ (۴) مرزا عبد اللہ۔ (۵) مرزا اسد جو۔ (۶) مرزا فرخندہ شاہ (۷) مرزا قریش۔ (۸) مرزا بختاور شاہ۔ (۹) مرزا ابو النصر مشہور بہ مرزا بلاقی۔ (۱۰) مرزا مہدی۔ (۱۱) مرزا خضر سلطان۔ بیت سکہ

بسیم و زر زدہ شد سکہ بفضل الہ	سراج دین ابو ظفر شہ بہادر شاہ ۱۲

کے پاس ہی فصیل کو ڈھا کر اندر لے لیا تھا۔ ۱۸۲۰ء میں سر ڈیوڈ اختر
لے۔ کے۔ سی۔ بی۔ کا معزز خطاب پایا یہ کمپنی کے پہلے ملازم تھے جن کو یہ
ہوا اور یہ دلی کے ریذیڈنٹ ہو کر آئے۔ لفٹنٹ راڈنی بلیین نے علی
کی نہر کی کل پر آری کرائی جو مدت سے اٹی پڑی تھی۔ شہر میں جا بجا پانی
جس سے لوگوں کو بڑا آرام ہو گیا۔ ۱۸۲۹ء میں سینٹ جیمس گرجے کی
ہوئی۔ ۱۸۳۲ء میں دلی صوبۂ ممالک مغربی و شمالی میں شامل کی گئی
مسٹر ولیم فریزر گورنر جنرل کے ایجنٹ مقرر ہوئے اور ۲۲ مارچ ۱۸۳۵
قتل ہوئے جس کا تفصیلی حال حصۂ دوم میں بیان ہوا ہے۔ اسی سال ماہ اکتوبر
کے نواب صاحب کو بہ سازش قتل مذکورۂ بالا پھانسی دی گئی۔
کی وفات کے بعد مسٹر طامس تھیافلس مٹکاف جو مددگار ریذیڈنٹ
جج مرحوم کی جگہ مقرر ہوئے اور دلی میں رہ پڑے اور تا دم مرگ برسر
انھوں نے ولایت سے اپنا کل سامان مع کتب خانے کے منگوا کر اسی
کوٹھی کو خوب سجایا۔ ۱۸۴۵ء کو مسٹر مٹکاف سر طامس ہو گئے۔ ان کو چارلس
کی بیرونٹسی وراثتہً ملی۔ صاحب آخر الذکر بھی دلی کے رزیڈنٹ رہ چکے
ان ہر دو صاحبان کے والد پہلے بیرونٹ تھے جو ایسٹ انڈیا
ڈائرکٹر تھے۔ ۱۸۳۷ء میں اکبر شاہ ثانی نے انتقال کیا اور اپنے باپ کے
میں جگہ پائی اب تخت پر ابوظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ ثانی خاتم ال
گورگانی اسی سال تخت نشین ہوئے جس سال میں
معظمہ وکٹوریا تخت پر جلوہ افروز ہوئیں۔ جس سلط
پر صرف نام ہی نام کا بادشاہ رہ جائے اس کی تو ریہ
جانشینی کا مسئلہ ہمیشہ کھٹکتا تھا اور جب و
نے ۱۸۴۹ء میں انتقال کیا تو اس

بہادر شاہ

سلہ عہد سلطنت قریباً بیس دو سال قمری بروز جمعہ جمادی الثانیہ ۱۲۵۳ھ ... ۱۸۳۷ء
سلہ ولادت بہادر شاہ تاریخ ۲۰ شعبان ۱۱۸۹ھ روز سہ شنبہ از بطن لال بائی ...
(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

گھر کو آپ آگ لگائی ع اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے ۔ شہزادے صاحب کرتے تو کر بیٹھے مگر خمیازہ بھی انھیں ہی بھگتنا پڑا فوراً نظر بند کرکے الہ آباد بھیجدیئے گئے اور وہیں کثرتِ شراب خواری سے چل بسے ۔ ۱۸۰۹ء میں بادشاہ کی ذات خاص اور خاندان کی پنشن بڑھا کر ایک لاکھ کر دی گئی اور شاید اسی توفیر سے بادشاہ نے مثمن برج بنایا ۔ اسی زمانے میں فصیل شہر کی درستی بھی بڑے زور شور سے ہو رہی تھی چنانچہ ۱۸۱۱ء میں غازی الدین خاں کے کالج کو جو اجمیری دروازے

نوٹ (۲) صفحہ (۶۸۸) وفات شاہ عالم بادشاہ ۔ بعمر ہشتاد و دو بتاریخ ۷ رمضان ۱۲۲۱ھ (۱۹ نومبر ۱۸۰۶ء) برحمت ایزدی پیوست ۔ مدت سلطنت او کہ صرف نامی بود (۴۸) سال قمری و پنج ماہ بود از آں جملہ ۱۲ سال درصوبہ بہار و الہ آباد گزرانیدہ و ہفدہ سال با چشم بینا بہ شاہ جہان آباد بسر بردہ و نوزدہ سال کور شدہ بر تخت نشستہ بعد وفات لقبش "فردوس منزل" قرار یافت ۔ تاریخ وفاتش مولوی امام بخش صہبائی گفتہ :-

(۱) حضرتِ فردوس منزل شاہ عالم بادشاہ — رفت ازیں دار فنا و کرد در جنت مقام
سالِ تاریخ وفاتِ آں شہ عالی گہر — دل ز روے نالہ گفتا ہفتم شہر صیام

(۲) چو شاہ عالم رفت ازجہاں بدار بقا — بلند شد بفلک آہ و زار در غم او
زمانِ رحلت او خواستم چو از ہاتف — ندائے "آہ دریغا شنیدم از ہر سو"

(۳) شاہ عالم بادشہ چوں شد سوئے خلد بریں — عالمے شد در غم او زار و غمگین حزیں
سالِ تاریخ وفاتش چوں ز ہاتف خواستم — خامہ من زد رقم "شد جائے او خلد بریں"

نوٹ (۱) صفحہ (۶۹۰) ۔ ابو النصر معین الدین محمد اکبر شاہ ثانی ۱۲۲۱ھ ۔ ولادت او شب چہار شنبہ ۷ رمضان ۱۱۷۳ھ از بطن مبارک محل بوقوع آمدہ و بعد وفات پدر بعمر (۴۸) سالگی بر تخت نشست ۔ مولوی امام بخش صہبائی تاریخ جلوس گفتہ :-

بہر چو کرد لباس خلافت اکبر شاہ — بشرف دولت و اقبال و عزت ناموس
سروش غیب ز روے بدیہہ بیگانگاہ — "جہیز عشرت پرویز" گفت سال جلوس
بلیت سکہ بسیم و زر زدہ خوش سکۂ جہانبانی — چراغ دودۂ تیموری اکبر ثانی

روز افزوں تھا۔ مرتے کو ماریں شاہ مداراں کے مصداق ڈاکٹر مرزا جہانگیر نے
مسٹر آرچی بولڈ سیٹن برٹش ریذیڈنٹ پر طمنچہ ٹھونک دیا گویا اپنے

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ۔ اُن کم ہمتوں نے دروازے بے محابا کھول دیئے۔
دلی کی چھاؤنی کی فوج بھی اُن سے مل گئی جو جو ظلم و ستم نہ ہونے تھے وہ ہوئے۔
شہر میں "خلق خدا ملک بادشاہ حکم سپاہی ہا" کی دہائی پھری۔ تلنگوں کے عوامانی
کی فرعونیت کا یہ حال تھا کہ ہر ایک اُن میں کا فرعون بے سامان تھا جس کا یہ قول تھا
"جس پہ ہم جاسی کے سر پہ تمنڈا رکھ دیئی وہی باس سا ہو جائی"۔ یعنی جس شخص کے
سر پر ہم جوتی رکھ دیں گے وہی بادشاہ ہو جائے گا۔ کوئی کہتا تھا "تم معکو سائر
کے گولی مار دو دوسرے سنی کا باس سا کر دی جائی" یعنی بادشاہ کو گولی مار کر
دوسرے کسی کو بادشاہ کر دیں گے۔ پس جس کل چاہا اس بگڑی ہوئی فوج نے
بادشاہ کو بٹھایا اور جس کروٹ چاہا لٹایا کیوں کہ بادشاہ لاچار اور بے بس ان کے
ہاتھ میں پھنسے ہوئے تھے عمر بھی اُن کی چوراسی برس کی تھی۔ سچ پوچھیے تو تلنگے
نہ تھے دہلی کے لیئے عموماً اور خاندان تیموریہ کے لیئے خصوصاً بلائے ناگہانی تباہی
اور بربادی بلکہ موت کے فرشتے تھے کیوں کہ خود تو ساڑھے چار مہینے برسات کا موسم
قلعۂ معلّٰی کے عالی شان محلوں میں جیسے کاٹ وہاں ہوئے مگر ملبہ اس کا دلی والوں
کی جان پر پڑا۔ لاکھوں جانیں گئیں ہزاروں خانماں برباد ہو گئے۔ لوگوں نے اپنے اپنے
پیر جوب نکالے۔ خاندان شاہی تباہ و تاراج ہو گیا۔ تمام عورت مرد دربدر خاک بسر
ہو گئے۔ لٹیروں نے لوٹ کر کھکھ کر دیا لنگوٹی بندھوا دی۔ نہ کوئی پوچھے کو بات نہ
پکڑے کو ہاتھ رہا۔ شہزادوں اور شہزادیوں کی بڑی درگت سی فاقہ کشی اور گداگری
کی نوبت آئی تب گورنمنٹ نے ان کی پانچ پانچ روپے ماہوار کر دی گویا حلق میں
ٹکڑا ڈال دیا (ماخوذ از سوانح دہلی مصنفہ شاہزادہ مرزا احمد اختر گورگانی [illegible])
رقت کا ایک سدا اور سن لیجیے دلی میں آج کل جو شہدے کہلاتے ہیں اور سیاہ رات میں
پلنگ اٹھاتے ہیں ان میں سے اکثر شاہی خاندان کی نسل کے ہیں جو اس حال کو پہنچے
کہ شہزادے سے شہدے کہلائے۔ اب بھی ان کی زبان پر تمت کی قسم چڑھی ہوئی ہے بات بات
میں سچ ہو کہ "اگر غلط بات میں جھوٹ کہتا ہوں تو تخت نصیب نہ ہو" — ۱۲

اکبر شاہ ثانی شاہ عالم کے فرزند دلبند جانشین ہوئے - نام کے اکبر تھے مگر
دراصل یہ باپ سے بھی زیادہ جکڑ بند میں تھے - ان کے عہد میں انگریزوں کا غلبہ

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ - اور انصاف چکایا جائے اُن قواعد اور ہدایات سے جو سرکار
انگریزی نامزد کرے - حضور پرنور کو ایک دیوان اور کچھ معمولی اہلکار مقرر کرنے کی اجازت
دی جائے کہ وہ دفتر کلکٹری میں موجود رہیں اور تمام آمدنی جمع شدہ اور اخراجات کی حضور کو
اطلاع دیتے رہیں اور حضور کی دل جمعی کر دیں کہ آمدنی میں کسی قسم کا تغلب ہوا ہے
یا نہیں - عدالتہائے انصاف خواہ فوجداری خواہ مذہبی خواہ دیوانی دہلی اور اُس کے
متعلقات کے باشندوں کے لیئے شرع محمدی کے مطابق قائم ہوں - عدالت فوجداری
کا کوئی حکم جو قید میعادی کثیر یا سزائے موت پر مشتمل ہو بغیر مرضی حضور عمل میں نہ لایا جائے
اور تمام مقدموں اور احکام مقدمہ کی اطلاع ہر روز حضور کو دی جایا کرے - علاوہ
جاگیر مذکورہ دیگر قطعات دور دراز حضور کی تعمیل طلب ضروریات کو پورا کرنے کے
لیئے رزیڈنٹ دہلی کے خزانے سے ہر مہینے رقوم ذیل حضور کو خرچ جیب خاص کے لیئے
دی جایا کریں - حضور پر نور - ولی عہد صاحب علاوہ جاگیر - حضور کے عزیز صاحبزادے
مرزا عزت بخش - حضور کے اور دو نابالغ خورد صاحبزادوں کو فی - حضور پر نور کے
پچاس چھوٹے لڑکے لڑکیوں کو کل - شاہ نواز خاں جنرل ایلچی حضور - سید رضا خاں قریب حضور و گورنمنٹ
گورنمنٹ کو (میزان کل ایک لاکھ ...) اگر جاگیر حضور کے اخراجات پورے نہ کر سکے یا اُس میں
کمی ہو جائے تو حضور کی ذات خاص کی تنخواہ ایک لاکھ تک بڑھائی جا سکتی ہے - علاوہ
رقوم مذکورہ بالا دس ہزار روپیہ سالانہ حضور کو چند تیوہار کے اخراجات کی غرض سے
دیا جائے - - - - وغیرہ وغیرہ شرح دستخط وفرلی بارلو اڈوٹی - امورات مذکورہ
تقریباً سب کے سب منظور ہو گئے - حضور کی تنخواہ میں بیس ہزار کی توفیر ہو گئی یعنی ایک
لاکھ قرار دی گئی علاوہ اس کے دس ہزار روپیہ سالانہ مرمت قلعہ و مکانات کے
لیئے ملنے لگے - اس گئی گزری ٹوٹی پھوٹی حالت میں دہلی کی متزلزل حالت کچھ کچھ سنبھل گئی
کہ یکایک ۱۲۷۳ھ میں قضایا سے کارتوس کا نافہموں نے جھگڑا مچایا غدر ہو گیا جس کی
تاریخ غالب نے (غدر ہندی) کہی - تلنگوں کی فوج نے بغاوت کی تھوڑا سا لڑ بھڑ کر
وہاں سے فرار ہو کر دہلی میں آ گھسی جو نجیب سرکاری شہر کے دروازوں پر محافظ تھے

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

لہ یہ نوٹ صفحہ ۹۶ میں لکھا گیا ہے

قطب صاحب میں میٹھی نیند جا سوئے ۔ دنیا کے مصائب و آلام سے نجات پائی سنہ
قفس تن میں ۔ گھبرائیو اے طائر روح   جو گرفتار رہا اک روز رہا ہوتا ہے

تکملہ نوٹ صفحۂ گذشتہ ۔ جلے اور پریشانی میں ڈالتے اگر حضور پر ان کے قبضے میں
رہتے جانس و السن تو غضب مخالفت کرتا ۔ اس مضمون کے حوالے کے لئے گورنر جنرل
باجلاس کونسل جناب کی توجہ ہمارے ۱۳ر جولائی سنہ گذشتہ کے مراسلے کے اس کاغذ
کی طرف جس پر نشان الف دیا ہوا ہے اور اس مراسلے کے بہترویں پیرے کی طرف مبذول
کرانا چاہتے ہیں جس میں اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ حضور شاہ عالم کو فرانسیسی اہلکاروں
کی حفاظت میں لیے اور اس کو ان کی ہدایت پر چلنے کی حالت میں قوت انگریزی کو
شکست کرنے کا منصوبہ ہو رہا تھا ۔ اب تخت دہلی کمپنی کے ہاتھ میں آگیا اور اس قسم کے
منصوبے اب بڑی دقت میں پڑ گئے ۔ گورنر جنرل اس کے علاوہ ان مصائب کو دیکھ کر
جو فرانسیسیوں اور مرہٹوں کے ہاتھ سے شہنشاہ اور خاندان تیموریہ پر پڑ گئے ہیں ۔ وہ مفلسی و ادبار
شکستہ حالی میں مبتلا ہیں خاص کر شہنشاہ کی یہ حالت سقیم چشم انسانی سے نہیں دیکھی
جا سکتی اس لیئے گورنر جنرل شہنشاہ موصوف کو اپنی حفاظت میں لے کر ان کی بقیہ
زندگی امن و آسایش میں گزروانا چاہتے ہیں ۔ اصول مذکورہ پر خیال کر کے سرکار انگریزی
نے عنان توجہ اس طرف مبذول کی ہے کہ شہنشاہ اور خاندان شاہی کی پرورش کے لئے
ایسا معقول انتظام کیا جائے کہ وہ ہر طرح اپنی عظمت و شوکت رعب و داب شاہی کو
قائم رکھ سکیں خاطر خواہ زندگی سے بہرہ ور رہیں اور وفادار اور دوست سلطنت انگلشیہ
کے رہیں جو ان کے لیئے ایک امر ضروری ہے ۔ خاندان شاہی تک انگریزی حفاظت پھیلا
میں ہم کو حضور معین گھور شاہ عالم کے بطور شہنشاہ ہند کے حقوق کی نگہداشت کرنی اور
ان کی حکومت کو رجواڑوں سے تسلیم کرانے میں ہم کو کوئی دقت نہ پڑے اس لیئے
گورنر جنرل کا ارادہ ہے کہ تنخواہ کے ساتھ ہی اختیارات کا تصفیہ بھی ضروری ہے ۔
گورنر جنرل نے مفصلۂ ذیل امور پر کاربند ہو کر آئندہ انتظام سوچا ہے :-
کہ دریائے جمنا کے داہنے کنارے کے قطعات زمین جس قدر گرد و نواح دہلی میں شامل
ہو سکتے ہیں خاندان شاہی کے قائم رکھنے کی غرض سے دے دیئے جائیں ۔ وہ قطعات
ریزیڈنٹ دہلی کے چارج میں سمجھے جائیں اور حضور کے نام سے آمدنی جمع کی جائے

(بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ)

میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے شاہ عالم بادشاہ کے لیئے ساٹھ ہزار روپیہ ماہانہ مقرر[۵۱]
کردیا اور اس کے علاوہ تیس ہزار روپیہ ماہانہ اقربائے شاہی کے لیئے بھی ماہوار
مقرر ہوئی نیز کچھ اراضی بھی دی گئی جس کا محاصل بادشاہ کو ملتا تھا۔ ماسوا اس کے
دس ہزار روپیہ سالانہ تیرتیو ہاروں کے لیئے مقرر ہوا۔ اندرون شہر اور نیز اراضی
مقبوضۂ شاہی میں قصاص کا فتویٰ بلا منظوری بادشاہ کے نافذ نہیں ہوتا تھا۔
اب سب جاجو کر مغلیہ بادشاہ کا بس یہ اختیار رہ گیا تھا بشرطیکہ اسے اختیار
کہہ بھی سکیں۔ ۱۸۰۶ء میں شاہ عالم[۵۲] نے انتقال کیا اور احاطۂ درگاہ حضرت

۵۱ بعد فتح دہلی جو انتظام نواب گورنر جنرل بہادر ہند نے حضور شاہ عالم کی پنشن اور دیگر اخراجات
کے متکفل ہونے کے لیئے سوچا تھا اور جو بعد تھوڑی سی ترمیم کے منظور بھی ہوگیا وہ مفصلہ ذیل
خط سے بخوبی معلوم ہوگا جو مکاتبات لارڈ ولزلی سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ از گورنر جنرل اجلاس
کونسل بخدمت شریف انجمن پوشیدۂ صاحبان کورٹ آف ڈائرکٹرز۔ فورٹ ولیم (کلکتہ)
۱۲ر جون ۱۸۰۵ء۔ حضور پر نور فیض گنجور صاحبان گورنر جنرل کونسل حضور کی کمیٹی کو وہ انتظام
بھیجا ہے جو شہنشاہ فلک بارگاہ شاہ عالم کے آیندہ گزارے۔ خاندان شاہی کی
پرورشس اور شہنشاہ موصوف کے کاروبار لائقہ کے انصرام کے لیئے سوچا گیا ہے اور
جن اصولوں پر انتظام مذکور مبنی ہے وہ معرض بیان میں آئیں گے۔ اس گورمنٹ کی ہرگز یہ
خواہش نہیں ہے کہ حضور پر نور کو حریفوں سے محفوظ رکھنے اور پنشن دینے کے عوض میں
شاہی اختیارات حاصل کرلے اور اُن کے وسیلے سے ہندوستانی صوبوں اور ریاستوں
پر کوئی حکومت جتائے اور شہنشاہ موصوف کو اُن صوبجات پر جو وسیع سلطنت مغلیہ میں
شامل تھے یا ہیں بطور شہنشاہ ہندوستان کے کوئی حق جتائے یا رئیسوں کو تعظیم کرانے سے
روکے۔ جو فوائد کہ گورنر جنرل نے شہنشاہ کو دشمنوں کے نرغے سے نکالنے اور تخت دہلی
پر متمکن کرنے اور اُن کو اور اُن کے خاندان کو حفاظت میں لینے سے سوچے ہیں وہ ہمارے
۱۳ر جولائے سنہ گزشتہ کے مکاتبے سے منکشف ہوگئے ہوں گے یعنی مرہٹے بالعموم
اور فرنچ بالخصوص شہنشاہ کے نام سے بہت حق جتا کر اور بہانے کرکے املاک انگلشیہ کو
(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

۵۲ اس نوٹ کو صفحہ ۹۲ میں دیکھیئے۔

کر دیا گیا کہ ادھر سے پورا اطمینان ہو گیا۔ ۱۱ اکتوبر کی شب میں محصورین کی غنیم کی
ماتو پوں پر دھاوا کیا جس کے سبب سے غنیم کو ادھر متوجہ ہونا پڑا۔ اب دشمن نے اجمیری دروازے
اور اس دروازے اور
ترکمان دروازے
کے بیچ میں حرم پردے
یعنی گرکس کی دیوار
ہوران پر گولہ باری
شروع کی لیکن ادھر
تھی وہی تدبیر کارگر
ہوئی جو سیلے برج
پرتھوی تھی اور غنیم
کے طرف سے شہر
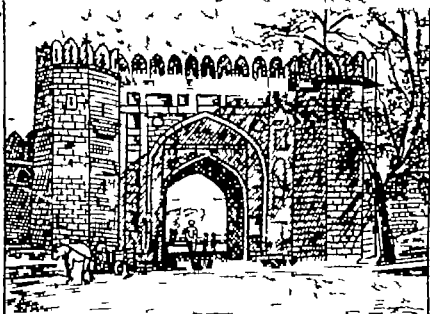
اجمیری دروازہ

میں داخل
نہ ہوسکا ۱۴ اکتوبر
کے آخری
حملے کے بعد
غنیم کو ریواڑی
کی طرف پس پا
ہونا پڑا اس واقعہ
سے تین دن
بیشتر کمانڈر آف

ترکمان دروازہ

آگرے سے امدادی
فوج نے کراں پہنچے تھے۔ اگر غنیم اس وقعہ میں وقت واحد میں کئی جگہ
سے حملہ کر دیتا تو غالب ہی کہ دشمن کی فتح ہو جاتی لیکن اس سے یہ سمجھا جائے
کہ اس کہنے سے ہمارا مقصد کسی طرح اس دلیرانہ مقابلے کی تنقیص ہے۔ ۱۸۰۳ء

بات تو ہوئی کہ ان لوگوں کی طرف سے بے اطمینانی ہوگئی مگر باقاعدہ فوج میں سے ایک متنفس نے بھی ان کا ساتھ نہ دیا لیکن وہ تھے ہی کتنے جو مرہٹوں کے اتنے بڑے لشکر کے منہ پر آسکتے۔ بہرحال مرہٹوں کا ٹڈی دل لشکر ۸ اکتوبر کو آن ہی پونہچا اور ایسا زور کاہلا کیا کہ ان لوگوں کو پیچھے ہٹتے ہٹتے شہر پناہ کے اندر پناہ ملی۔ اس نوبت پر کمانڈر ان چیف کا ایک مراسلہ صاحب رزیڈنٹ کو اس مضمون کا پونہچا کہ جب تک ہم اور امدادی فوج بھیج سکیں مناسب یہ ہی کہ موجودہ لشکر سے قلعہ ہی قلعہ کو سنبھالے رہو۔ کرنل برن ایک بڑے کلے جبڑے کے سردار تھے اور فوج میں اُن کا عہدہ بھی رزیڈنٹ سے اوپر تھا انھوں نے قطعی طور پر اس حکم کی تعمیل سے انکار کردیا کہ میرے پاس نہیں آیا مجھ پر اس کی تعمیل واجب نہیں ہے۔ کرنل صاحب نے فصیل شہر تک کی حفاظت اپنے ذمے لی۔ غنیم نے توپ خانہ باتریوں میں لگا دیا۔ شہر کی فصیل پرانی اور غیر محفوظ تھی۔ جا بجا متعدد شگاف ہوگئے۔ غنیم کا معرکہ جنوب مشرق کے کونے میں نیلہ برج پر تھا جو بعد میں بڑھا بڑھو کر ٹھیک ٹھاک کرلیا گیا اور اب ولزلی بیسچین (مورچہ) کہلاتا ہے۔ ادھر فصیل کے ڈھیم کے ڈھیم گرنے لگے اور کوئی سو گز تک فصیل ٹوٹ گئی لیکن فوراً اس کے پیچھے مٹی کا پشتہ باندھ دیا گیا اور جس قدر جلد گولہ باری سے نقصان ہوتا تھا اُتنی ہی پھرتی سے اس کی درستی بھی کردی گئی۔ غنیم کا ارادہ ادھر سے حملہ کرنے کا تھا لیکن اُن کو موقع نہ ملا اور اتنی مہلت مل گئی کہ یہ حصہ ایسا مضبوط

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ۔ در غایت صفا و کمال نزاہت مرتب شد۔ تاریخ۔

بہارِ گلشنِ فضل و کرم غضنفر خاں ــ کہ تازہ شد ز سحابِ سخاش گلبن خود
جہاں فروز مہی آسمانِ مجد و عُلا ــ کہ گوے نیکی ز ابنائے روزگار ربود
بنائے مسجد عالی اساس طرح انداخت ــ کہ آسماں بدرش خم شود برائے سجود
نوشت بر ورق دہر خامہ تاریخش ــ خلیل واحد سبحاں بنائے کعبہ نمود

چوں خلیل و واحد از اخوان شیخ عبد السبحان بودند بلطف ایں تاریخ ظاہر است شیخ عبد السبحان در ۱۰۸۹ھ فوت شد تاریخ "آں شیخ عبد السبحان" یافتہ اند ۔ ۱۲
۱۰۸۹ھ

سبب دلی سے تین میل ہٹ کر متھرا کی سڑک پر جمائی گئی - کرنل مسن کے لشکر کے چند لوگ جو غنیم کے ہاں قید تھے بڑی بری اور تباہ حالت میں آئے جن کے ناک کان وغیرہ کاٹ لیئے تھے اُن کی زبانی معلوم ہوا کہ غنیم بھی پاس ہی آن پہنچا ہے - یہ سنتے ہی فوج بے قاعدہ اور بھیلوں کی جماعت کے بہت سے لوگ بھاگ گئے اور جو رہ گئے وہ بدل گئے لیکن ان اشرار کو قرار واقعی سزا دی گئی - ان کے نوسر غنے تو فوراً توپ کے منہ سے باندھ کر اڑا دیئے گئے لیکن اس شورش سے اتنی

تتمۂ نوٹ صفحۂ گذشتہ - شہر میں کئی درگاہیں اور مسجدیں راقم کے نانا کے بھائی مولوی عبدالرب صاحب مرحوم مشہور واعظ نے یہاں بستی کے وسط میں ایک بہت بڑی اور عالی شان جامع مسجد شہر کے بیچوں بیچ میں بنوائی ہے - یہاں کے بزرگان دین میں **قدسی انصاری** مشہور ہیں جن کا اصلی نام شیخ عبدالکریم ہے صاحب وجد و حال تھے - علوم و فنون میں کامل دستگاہ رکھتے تھے - سنہ ۱۰۲۴ھ میں وصال ہوا - "**شمع ارشاد حق**" تاریخ وفات ہے

شیخ بدیع الدین - شیخ احمد صاحب سرہندی کے مریدوں میں سے ہیں - سنہ ۱۰۴۲ھ میں انتقال کیا اور اپنی مسجد کے صحن میں دفن ہوئے - تاریخ یہ ہے بشرطیکہ دال کو بے نقط پڑھیں - ؎

شمع مزار او ہمہ نور و صفا باد	دلہائے زائران ز تین ع رق نور باد
تاریخ رحلتش چو ز ہاتف سوال کرد	قطب جہاں گذشت ز عالم جواب داد

مسجد سہارن پور - در مراۃ جہاں نما مسطور است کہ فردوس مکانی اکبر شاہ در زمان دولت خود مسجدے عالی در بلدۂ سہارنپور برائے شیخ عبدالستار تعمیر ساختہ دو سہ دیہہ وقف خدمت آں فرمودہ بودند - مسجد مذکور بمرور دہور و انقضائے ایام و شہور خراب و ویران شدہ بود و در اوائل سلطنت شاہ جہاں بادشاہ شیخ عبدالسبحان صبی (؟) از احفاد شیخ عبدالستار بود وراں مسجد خراب با جماعۂ از فقرا و اصحاب سکوت اختیار نمودہ بفقر و فاقہ و عبادت و ریاضت شاقہ می گذرانید - در سنہ ۱۰۶۰ھ کہ مرتبہ ثانی عنصر جہاں بہ فوجداری آں سیاں دوآب کامیاب گردید روزے بخدمت شیخ عبدالسبحان آمدہ مسجد را خراب و ویران دیدہ از بانی و سال بنائے او پرسید و کتابہ را کہ بر سنگ کندہ بود خوانده متاثر گردیدہ آب در دیدہ گردانیدہ ہماں روز برائے تعمیر مسجد بہ پیشکاراں تاکید نمود تا اندک مدت مسجد

(بقیہ نوٹ صفحۂ آیندہ)

نشان ہزیمت فرما سکے۔ اس لڑائی نے سیندھیا کے لشکر کا تو قلع قمع کر دیا لیکن
ابھی ایک بڑے مہرے سے نپٹنا باقی تھا یعنی مرہٹہ سردار جسونت سنگھ ہولکر سے۔ سنہ ۱۸۰۴ع
میں ہلکر نے انگریزوں کی فوج کو جو کرنل ملنسن کی سرکردگی میں تھی شکست دی
اور چونکہ خود موسم بارش کا تھا فوراً کوئی دوسرا لشکر مقابلے پر نہ بھیجا جا سکا۔
ہلکر بڑھتے بڑھتے متھرا تک آن پہنچا جس کے ساتھ چار پلٹن اور دو سواروں
کی رجمنٹیں تھیں۔ متھرا سے وہ اپنا کل لشکر جس میں ستر ہزار نفر اور ایک سو تیس توپیں
تھیں لے کر دلی پر چڑھا۔ کہتے ہیں ان کے ہاتھ میں ایک گورا سپاہی پکڑ گیا۔ لشکر کے
سردار رنگ رلیاں منا رہے تھے اور عورتیں اڑ رہی تھیں کہ اس گورے کو ایک اونٹ
سے پیچھے گلا گھونٹ کر مار ڈالا۔ دلی کے قلعے میں صرف دو پلٹنیں اور چار کمپنیاں ہندوستانی
سپاہیوں کی تھیں اور یورپین ایک بھی نہ تھا۔ دو رجمنٹیں بے قاعدہ سواروں کی
سیندھیا کے پرانے لشکر میں سے کوئی چار سو تلنگے اور ایک بھیڑ انجیبوں کا جن کے
پاس ٹوٹے پھوٹے وار بندوقیں تھیں۔ یہ کل کائنات تھی۔ جھٹ پٹ موجودہ فوج میں توفیر
کی گئی۔ شاہجہان کے وقت کی قلعہ کی فصیل ٹوٹ پھوٹ گئی تھی۔ بہت سی جگہ کنگورا تک
باقی نہ تھا۔ خندق اٹ گئی تھی۔ مکانات قلعہ تک ایسے آن لگے تھے کہ غنیم دھر ادھر
فصیل تک آ سکتا تھا۔ شہر کے باشندے انگریزوں سے متوحش تھے۔ قلعے والے تو
خلاف تھے ہی۔ اس چھوٹے سے لشکر میں سے بھی آٹھ کمپنیوں کو قلعہ کی حفاظت کے
لیے مخصوص کرنا پڑا۔ رزیڈنٹ کرنل اختر لونی تھے اور فوجی کمانڈر کرنل برن تھے
جو سہارن پور سے مع اپنی پلٹن کے طلب کر لیے گئے۔ غرض جو فوج جمع ہو سکی

ل دلی سے براہ ریل (۱۱۰) میل ہے۔ جو ایک خوش قطع سرسبز شاداب شہر ہے جو برابر ترقی
کر رہا ہے اور پھیلتا چلا جاتا ہے۔ اس وقت پچاس ہزار کی آبادی ہے۔ یہاں زراعتی فارم اور
بوٹینیکل باغ ہیں جن میں ہر قسم کے درخت بڑے اہتمام اور خوش سلیقگی سے لگائے
گئے ہیں۔ اور یہ ریلوے کا جنکشن ہے۔ یہاں کے لکڑی کے کھدے ہوئے منقش
صندوقچے تپائیاں وغیرہ ایک عمدہ دستکاری ہے۔ کتے بھی یہاں کے بہت مشہور ہیں
[illegible] ایسے ہوتے ہیں کہ بہت آسانی سے پہچانے جاتے ہیں
(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

سب دیتے ہیں۔ مرہٹوں کا جتھا ایسا قوی تھا کہ آپس کے صلح ناموں کی بنا پر دونوں مل جل کر ملک پر حکومت کر سکتے اور بقول ہڈسن کے دو میں سے ایک یا ہم ہی یا تم۔ اور نتیجہ جو ہوا وہ سب پر ظاہر ہے کہ مرہٹے مدار دہو گئے اور انگریز راج رہے ہیں۔ دنیا میں یہی ہوتا چلا آیا ہے کہ زبردست غالب اور کم زور مغلوب ہو جاتا ہے۔ یہاں ان پولیٹیکل اسباب کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ جن وجوہ سے سیندھیا مرہٹوں کے مرکز ہونے سے الگ ہو گیا۔ یورپ میں جنگ فرانس۔ سیندھیا کے لشکر میں فرانسیس عہدہ داروں کی ہتات یہ سب باتیں کم وسیں وقیع واہم تھیں جن سے انگریزوں کے لیئے رستہ صاف ہو گیا۔ سب سے زبردست اور طاقتور عنصر کمپنی کی بھاری بھرکم فوج تھی اور اگر یہ ساز وسامان کسی مسلمان بادشاہ یا ہندو راجہ کو میسر ہوتا تو وہ بھی یہی کرتا جو کہ کمپنی نے کیا یعنی کبھی اپنے مقبوضات کی توسیع سے باز نہ رہتا۔ بڑا عظیم الشان معرکہ جنرل لیک کا ہے جو بھاگم بھاگ ۱۱ ستمبر ۱۸۰۳ء کو شہر دہلی کے محاذی جمنا کے مشرقی کنارے موضع پٹپڑ گنج کے وسیع میدان میں جو اس زمانے میں پانی سے بھرا ہوا تھا ایک دم نمودار ہو گئے۔ مرہٹوں کا بیندرہ ہزار کا لشکر قلعہ سے اُس کے مقابلے پر اترا۔ انگریزوں کی فوج میں ایچ۔ ایم۔ ستائیسویں ڈریگونر۔ چھہتریں پیدل۔ دو رجمنٹ نیٹو کیولری اور سات رجمنٹ نیٹو پیدل اس طرح جملہ چار ہزار نو سو بھری تھی۔ گو یہ تعداد فوج کی مرہٹوں کے لشکر کے مقابلے میں بالنسبتہ کم تھی مگر اس کمی کی تلافی اُن کی آراستگی۔ جنرل کی قابلیت سے پوری ہوتی تھی تین بجے صبح سے سات بجے شام تک ایسی گھمسان کی لڑائی رہی کہ مرہٹوں کے چھکے چھوٹے بکھیر دیئے۔ ۱۴ ستمبر کو انگریزی ظفریاب فوج شہر میں داخل ہو گئی۔ دو دن کے بعد جنرل لیک دیوان خاص میں نابینا بادشاہ کے حضور میں باریاب ہوئے اور ڈگمگاتی ہوئی مغلیہ سلطنت کی طرف سے بڑے لمبے چوڑے خطابات صمصام الدولہ اشجع الملک خان دوراں جنرل جرار ڈیلک بہادر فتح جنگ" اور خلعت فاخرہ سے سرفرازی ہوئی۔ کرنل اخترلونی کمپنی کے ڈپٹی ایڈجوٹنٹ (اجیٹن) جنرل دلی کے رزیڈنٹ مقرر ہوئے۔ بطور امتیار خاص نواب گورنر جنرل بہادر کشور ہند نے ہر رجمنٹ کو کہ جو اس جنگ میں شریک تھی اعزازی

مگر یہ امر مشتبہ ہے کہ قطب صاحب میں جو لوہے کی لاٹ پر ایک گولے کا نشان ہے وہ نشانہ بھی انھیں ذات شریف کا کام ہے۔ مثل مشہور ہے کہ بد اچھا بدنام برا۔ اب تو ہر برائی کا کام ہے غلام قادر کے سر نے دھڑک اسی طرح منڈھا جاتا ہے جیسے کہ ہندوؤں کے مندروں کا ڈھانا۔ بتوں کو ناقص کرنا اورنگ زیب سے منسوب کیا جاتا ہے۔ اوائل ۱۷۸۸ء میں شاہ عالم کو از سر نو تخت پر بٹھلایا گیا لیکن وہ صرف نام کا بادشاہ تھا نو لاکھ سالانہ پنشن مرہٹوں سے ملتی تھی وہ بھی کبھی ملی کبھی نہیں۔ ایسٹ انڈیا کمپنی بھی دو ہزار روپیہ ماہانہ کی پنشن دیتی تھی اس طرح وہ دو طرف سے دباؤ میں تھا۔ اس کے علاوہ نذر اور چھوٹے چھوٹے رؤسا کی پیش کش کی آمدنی تھی حتی کہ انگریز عہداروں کو بھی نذر دینی پڑتی تھی اور چھوٹے خلعتوں کی سرفرازی بھی ہوتی تھی۔ سالہا سال تک بادشاہ امن کی زندگی بسر کرتا رہا کیوں کہ گوالیار کے مادھوجی سندھیا کے پاس جو قلعہ کا پٹیل تھا ایک آراستہ اور شاندار لشکر فرانسیسی جرنیل ڈی بائین De Boigne کے تحت میں تھا جس کی وجہ سے کوئی ادھر کا رخ نہ کرتا تھا اور دلی امن وامان میں تھی۔ اگرچہ مرہٹوں کی فوج کے یورپین افسروں نے بہت سے معرکے کیئے مگر ان کا کچھ تعلق دہلی سے نہیں ہے۔

باب تیسرا۔ کایا پلٹ سولی جان کمپنی کے تحت میں

حکم قضا وقدر سے پچھلی بساط الٹ کر سرزمین ہند پر ایک نئی طاقت دی آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی کی نمودار ہوئی جو کہنے کو تو پہلے پہل ایک پرائیوٹ فرم (بنج کی دکان) تجار کی تھی جس کے لیسنس کے بدون انگریز ہندوستان میں تجارت کے مجاز نہ تھے لیکن آگے چل کر وہ اسٹیٹ کے زیر نگرانی آگئی اور قوم انگریز کی قایم مقام بن گئی۔ کمپنی اور سلاطین مغلیہ کے مقبوضات میں ایک فرضی حد فاصل تھی۔ مغل بادشاہ کی حالت نزاع کی تھی اور کمپنی کی حالت نشو ونما اور ترقی کی۔ بادشاہ میں ان کی روک تھام کی سکت باقی نہ رہی تھی اور یہ تازہ دم لوگ تھے ان کی پینگ کو کون روک سکتا تھا۔ شدنی امر کو کون روک سکتا ہے نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ کمپنی زور پکڑ گئی وہ بڑھتے گئے یہ ہٹتے ہٹتے قلعہ کی چاردیواری کے اندر سمٹ آئے۔ دنیا کا قاعدہ ہے کہ زبردست کا ستہ

تتمہ نوٹ صفحہ گزشتہ حق ہے فیصلہ ہے ورنہ خدا جانے اُس کی قبر پر کیسی کچھ بوچھاڑ لعنت ملامت کی ہوتی۔ ۱۲

بھڑکتے ہوئے شعلوں کو بجھایا اور بادشاہ کو قید سے نکالا لیکن بہت دنوں تک
غلام قادر کا پیچھا کسی نے نہیں کیا۔ آخر کار مرہٹوں کے پاس اور امداد بھی فوج کثرت
سے آگئی۔ غلام قادر میرٹھ کے قلعہ میں قلعہ بند تھا وہاں سے وہ بیک بینی و دو
گوش بھاگا اور جو کچھ مال متاع لے سکا اپنے گھوڑے پر دھر لیا چونکہ رات تھی اندھیری
اس کا گھوڑا جا کر لاؤ کے ڈھلوان گڑھے میں گرا۔ گھوڑا تڑپ کر نکل گیا مگر غلام قادر
گرا اور بے ہوش ہو گیا اسی حالت میں رات بھر پڑا رہا صبح کو گرفتار ہو گیا اور متھرا
میں سیندھیا کے کیمپ کو روانہ کر دیا گیا۔ وہاں پہنچنے پر اسے گدھے پر دُم
کی طرف منہ سوار کر کے بر بازار پھرایا گیا۔ غلام قادر نے گالیاں دینی شروع
کیں تو اس کی زبان جڑ سے کاٹ لی گئی پھر اندھا کر کے ناک۔ کان۔ ہاتھ
پاؤں سب کاٹ کر اسی حالت سے اُسے شاہ عالم بادشاہ کے حضور میں بھیجا گیا
لیکن جو لوگ اسے لے جانے پر مامور تھے وہ خود جلتے ہوئے بیٹھے اُنھوں نے
رستے ہی میں اسے ایک درخت سے اُلٹا ٹانگ دیا یعنی سر نیچے اور دھڑ اوپر
رمی تو پہلے ہی سے تھا دم نکل گیا۔ پاپ کٹا۔ مر گئے مردود جن کی فاتحہ نہ درود
اب لوگوں نے اس پر حاشیے چڑھائے اور طرح طرح کی باتیں گھڑ لیں جن میں
کی ایک یہ ہے کہ ایک کالا کتا آیا۔ اس کی نعش سے جو خون بہا تھا وہ چاٹنے لگا پھر
معاً کتا اور نعش دونوں غائب ہو گئے۔ خدام درگاہ حضرت قطب صاحب غلام قادر
کی قبر مجلس خانے کے صحن میں بتلاتے ہیں لیکن اعتبار نہیں آتا کہ ایسے بداعمال
اور بدکردار کو ایسے متبرک مزار کے قرب و جوار میں جگہ دی گئی ہو۔ لوگ کہتے ہیں

ل مجھ سے بھی ایک خادم نے یہی کہا تھا کہ یہ قبر غلام قادر اور اس کی بیوی کی ہے مگر بعد میں
دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ دراصل وہ قبر ضابطہ خان اور اُن کی بیوی کی ہے۔ غلام قادر
کی قبر کا قطب صاحب میں کہیں پتہ نہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کی قبر دلی میں مدرسہ والی
مسجد کے پاس ہے جس مقام پر کہ اب انفکشس ہاسپٹل (دواخانہ امراض متعدی) ہے اللہ کی سرج ... کے
میں اُن قبروں میں سے کسی ایک میں یہ بھی گڑا ہوا ہے۔ سچ کہا ہے کہ "بانہ ظالم خراب کم بعد از
خرابی جانہائے بسیار" ایسا لے پتہ ہے کہ اس کا آخری ٹھکانا بھی معلوم نہیں ہے۔ بدنامی ہمیشہ اس کے ساتھ
(بقیہ نوٹ برصفحہ آئندہ)

پونہچا ناہے - اول اول تو بادشاہ کے اندھا کر دینے کی خبر دبی دبائی رہی لیکن جوں ہی یہ خبر مشہور ہوئی لوگ تھرا گئے اور شہر کو چھوڑ چھوڑ کے بھاگنے لگے کیوں کہ مرہٹے جو خدا خدا کر کے دفع ہوئے تھے پھر آن دھمکے - گو مرہٹے شہر میں داخل ہو چکے تھے مگر پھر بھی غلام قادر صاحب قلعہ میں تشریف فرما تھے - اب غلام قادر کے ہلنے پر کوئی نہ تھا نوبت بہ ایں جا رسید کہ فصیل شہر کے پاس غلام قادر کی خبر لینے کو ایک بڑا بھاری لشکر جمع ہوا - غلام قادر نے جب دیکھا کہ بلا طور نرغے میں گھر گیا ہوں تو محل میں اُس نے ایک بارود کے میگزین کو آگ دے کر اُڑا دیا اور رات کے وقت سلیم گڑھ کی طرف کے دروازے سے نکل اپنے لشکر میں جو شاہدرے میں پڑا ہوا تھا جا ملا - مرہٹوں نے پھر قلعہ پر قبضہ کر لیا اور بہ مشکل تمام محلات کے

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ -

شاہ تیمور کہ دارد بہ نسبت با من | زود باشد کہ بیاید بہ مددگاری ما
مادھوجی سیندھیہ فرزند جگر بند من است | ہست مصروف تلافی ستمگاری ما
آصف الدولہ و انگریز کہ دستور من اند | چہ عجب گر بنمایند مددگاری ما
راجہ و راؤ زمیندار امیر و چہ فقیر | حیف باشد کہ نہ سازند بہ غمخواری ما
نازنینان پری چہرہ کہ ہمدم بودند | نیست جز محل مبارک بہ پرستاری ما
گرچہ ما از فلک امروز حوادث دیدیم | باز فردا دہد ایزد و سر سرداری ما

تاریخ کور شدن شاہ عالم بادشاہ - ہاتفے گفت با سر نالہ کور کردند شاہ عالم را

بعد ازیں مرہٹہ ہا تعاقب غلام قادر خاں نمودہ او را در ماہ ربیع الاول سنہ ۱۲۰۲ھ دستگیر ساختہ بسزائے کہ لائق آں بود رسانیدند یعنی اول ہر دو چشمش بر آوردہ و گوش و بینی و دست و پائے او بریدہ بہ شاہجہان آباد فرستادند اما در اثنائے راہ بمرد و تاریخش این است

کور چوں کرد شاہ را قادر | ایں ندا از سما رسید یکبار
سر و پائے غلام قادر را | ببرد بر فگن سر بازار

(سنہ ۱۲۰۲ھ)

ہر چہ بعد از کور شدن بادشاہ چند سال در شاہجہان آباد بر تخت شاہی متمکن بود ولی نام حرف بر است نام بود زیرا کہ از زمان محمد شاہ بسبب ضعف سلطنت و نا اتفاقی امرا و صوبہ داران اطراف دست خود کشیدہ [illegible] خلیفہ شدند و رتبہ بادشاہی و گروہ اہل تخت خود تخت ہر دو از خاندان تیموریہ نامے نگذاشتند (از مفتاح التواریخ) ۱۲

ستال نہ ملے گی کہ ایک معدوم البصر شخص بھی بادشاہت پر قایم رکھا گیا شاہ عالم کی سلطنت کے
زمانے کے حالات آگے چل کر بیان ہوں گے سردست غلام قادر خاں کو آخری عمل
ملاحظہ ہو ملاحظہ گزشتہ - ہفتم ذی القعدہ سنہ مذکور ہیچ روہیلہ مارا و مرد تار سیہ بادشاہ
سوار شدہ ہر دو چشمش را از نوک خنجر برآوردند بعداراں ہیراں نمک حرام تا یک ماہ دیگر
دست تظلم بر اولاد تیموریہ دراز داشتہ و آنچہ کہ مال و زر توانست بدست آوردہ بخوف
مرہٹہ ہا تاریخ ۱۲ ربیع الثانی فرار نمودہ بطرف غوث گڑھ شتافت - بعدازاں انگی او مرہٹہ ہا
بہ شاہجہان آباد آمدہ بادشاہ را بدستور قدیم بر تخت نشانیدند و از سر نو نام سکہ و خطبہ
مقرر شد چنانچہ سکہ از تاریخ ۱۲۰۲ھ در تمامی ممالک ہندوستان جاری بود بیت سکہ اش
اینست - سہ حامی دین محمد سایۂ فضل اله سکہ زد بر ہفت کشور شاہ عالم بادشاہ
بالجملہ مرہٹہ ہا بادشاہ را بر تخت نشانیدہ تعاقب غلام قادر خاں نمودند - گویند کہ درین ایام
بادشاہ از طبع رسا و دل پر درد خویش این چند ابیات انشا فرمودہ - سہ

صرصر حادثہ برخاست پئے خواری ما	داد بر باد سر و برگ جہاں داری ما
آفتاب فلک رفعت شاہی بودیم	رد در شام ... آہ سیہ کاری ما
چشم ما کندہ شد از دست فلک تہہ شد	تا نبینم کہ کند غیر جہاں داری ما
داد اعدای بچہ شوکت شاہی برباد	کیست محرم جز ات ما کہ کند یاری ما
بود جانکاہ بو مال جہان ہیچو من	دفع از فضل الٰہی شدہ بیماری ما
کردہ بودیم گناہے کہ سزایش دیدیم	ہست معروف کہ بخشد گنہگاری ما
کردہ سی سال نظارت کہ مرا داد سلو	رو و تریاقہ پاداشن ستمگاری ما
عہد و پیماں بمیاں دادہ نمودند دغا	مخلصاں خوب نمودند وفاداری ما
شیر دادم و ... افعی بچہ را پروردم	عاقبت گشت ہمہ گرفتاری ما
حق طفلاں کہ نہ سی سال فراہم کردیم	کردہ تاراج و نمودند سبکباری ما
قوم مغلیہ و افغان ہمہ یاری دادند	بسکہ گشتند ہمہ گرفتاری ما
ایں کدارا دو ہمداں کہ بدو تیغ زد	بانی جور و ستم شد بدل انگاری ما
مل محمد کہ ز مرداں بشرارت کم نیست	چہ قدر کرد و کالت پئے آزاری ما
نامرادے و سلیماں و دل بیگ لعیں	ہر سہ بستند کمر بہر گرفتاری ما

دوسرے ہمراہی رُہیلے نے قدح کیا۔ دغاباز غلام قادر اب تو تڑاخ پر اُتر آیا اور یوں گویا ہوا کہ "بول۔ اب تجھے کیا سوجھتا ہے؟" شاہ عالم۔ "مجھے وہ قرآن پاک دکھلائی دے رہا ہے جو تیرے اور میرے درمیان ہے۔" خیر جو نہ ہونا تھا وہ ہوا۔ بادشاہ کو مکحول کرنے کے بعد پھر سلیم گڑھ کے قید خانے میں لے جا داخل کیا۔ اسلامی حکومت کی حالت انحطاط اور ضعف حکومت اسی سے بداہتہً ظاہر ہے کہ دلی کی تاریخ میں ایسی کوئی

تتمۂ نوٹ صفحۂ گزشتہ۔ در شروع ۱۱۹۹ھ بزور زر و چاپلوسی عہدۂ وکیل مطلق را از شاہ عالم بادشاہ بہ مادھوراو پیشوا دہانید و خود نائب او گشتہ جملہ کار سلطنت را و نیز حکومت قلعۂ دہلی و اکبرآباد بدست خود آورد چنانچہ بادشاہ را بجز نامے نگذاشت چون سہ سال برین گذشت فتنہ ہا ہر طرف برپا گشت غلام قادر خاں پسر ضابطہ خاں افغان فرصت را غنیمت شمردہ در شروع ۱۲۰۲ھ لشکرے از افاغنہ جمع ساختہ شاہجہان آباد را محاصرہ نمود و بادشاہ را چناں تنگ ساخت کہ عاجز آمدہ او را بحضور خود طلبید و خلعت امیر الامرائی بدو بخشید بعد ازاں غلام قادر خواست کہ مرہٹہ را بہر نوعے کہ تواند از ملک بدر سازد و پس ازاں بے مزاحمت غیرے بکار ملک پردازد چنانچہ بادشاہ را نیز بہانہ بریں معنی راضی ساخت و بعد از چندے مبلغ بے قیاس برائے مصارف سپاہ از بادشاہ طلبید۔ چوں بادشاہ می دانست کہ از دست ایشاں نخواہد شد و زر ہم نیز برباد خواہد رفت در دادن مبلغ مذکور راضی نشد غلام قادر خاں ازیں سخن پیچ و تاب خوردہ خاموش ماند اما روز دیگر کہ ۲۲ ماہ شوال سنہ مذکور بود چندے از افاغنہ قوی ہیکل را ہمراہ خود آوردہ اول بادشاہ را مع نوزدہ شاہزادگان کہ پسران و نبیرگان بادشاہ بودند دستگیر ساختہ مقید نمود و شہزادہ بیدار بخت ابن احمد شاہ بادشاہ مرحوم را از محبس برآوردہ موسوم بہ بیدار شاہ ساختہ بر تخت نشانید و سکہ بنام او مسکوک ساخت و ایں بیت براں ثبت گردانید ؎

سکہ زد در ہند از فضل الہ — حامی دین نبی بیدار شاہ

بعد ازاں آں نمک حرام جفا کیش انچہ کہ مال و زیور بود و جواہر ہرچہ از خزانۂ بادشاہی و چہ از پردہ نشینان محلسرائے شاہی بانواع زجر و توبیخ کہ توانست بدست آورد۔ دریں ہنگامہ بادشاہ و دیگر شاہزادگان و بیگمات تا چندروز بے آب و دانہ و خور ماندند بلکہ چندے از ایشاں از فاقہ کشی جان دادند بالجملہ بعد فضیحت بسیار و اذیت بے شمار از ستم پیشۂ تاریخ

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

خلعت کے ساتھ ایک مرصع سپر اور وزارت سے سرفراز کیا اور قرآن بیچ میں لاکر وفاداری کا قول و قرار ہوگیا۔ پھر جو بادشاہ کے سامنے آئے تو اپنی فوج کی تنخواہ کا ناجائز مطالبہ کیا۔ بادشاہ نے قبول نہ کیا۔ یہ بپھرے ہوئے تو تھے ہی جو مدرا بہانہ بنایا جھٹ بادشاہ کو نہتا کرکے قید کرلیا اور سلیم گڈھ کے قید خانے سے ایک منحوس شہزادے بیدار بخت کو تخت پر بٹھلا دیا۔ غلام قادر نے بادشاہ کے شعروں کی بے ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ بڈھے بادشاہ کو طرح طرح کی ناگفتہ تکالیف دینے لگا۔ محلات کی بیگمات کے زیورات چھین لیئے۔ چپے تھائے ہوئے بڑائے نام بادشاہ کو یہ کیا سمجھتا تھا۔ رعونت یہاں تک پہنچی کہ آپ بادشاہ کے برابر۔ انسے رانو بھڑا کر تخت پر بھی بیٹھتے تھے حقہ بھی پیا دھوئیں دھوان بادشاہ کے منہ کی طرف چھوڑتے

۵ نشۂ دولت کا بداطوار کو جس آن چڑھا سر پہ شیطان کے اک اور بھی شیطان چڑھا

لوگ دل ہی دل میں اوٹتے تھے مگر دم بخود تھے کیا کرسکتے تھے ؎

ناسزائے راچو بینی بختیار عاقلاں تسلیم کردند اختیار

غلام قادر کا نام اب تک بھی اس کی بدکرداری کی وجہ سے برائی سے لیا جاتا ہے۔ اسی حد پر اس کا جور و ستم ختم نہیں ہوا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اس خبیث نے ایک اور ناشایستہ حرکت کی۔ اس بدمعاش نے بادشاہ کو دیوان خاص میں گھسٹوا منگوایا اور نہایت سختی سے بادشاہ سے خزانۂ شاہی کا پتہ پوچھنے لگا بادشاہ بے چارہ سوائے اس کے کیا کہتا کہ میرے پاس کوئی خزانہ نہیں ہے۔ ؎

ای زر تو دست بر دست آرا گرم تا کی بما بدایں بار ار

اور یہ بات سچ بھی تھی کیوں کہ اگر بادشاہ کے پاس کچھ روپیہ ہوتا تو وہ ظروف طلائی کیوں گلواتا جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ اس مردود پاجی نے بادشاہ کے ساتھ بڑی سخت کلامی کی اور جو نہ کہنا تھا وہ کہا صبر کی بھی ایک حد ہوتی ہے بادشاہ کے ہاتھ سے بھی صبر کی باگ چھوٹ گئی۔ جس طرح بپھرا ہوا شیر شکار پر چست کرتا ہے یہ ظالم تخت پر سے چھلانگ مار بادشاہ پر جھپٹا اور بادشاہ کو گرا کر دبوچ لیا اور خود اپنے ہاتھ سے خنجر سے بادشاہ کا ایک ڈیلا نکال لیا دوسرا ایک بدرو برادر رسال ایک

۱۵ کور شدن شاہ عالم بادشاہ ۔ بعد کشتہ شدن امیر الامرا اور اسباب جان بادشاہ (بقیہ نوٹ صفحہ آیندہ)

ترقی مدارج کا خواہاں ہوا ۱۷۸۸ء میں قلعہ کے سامنے شاہ درہ (جمنا پار دہلی سے چار میل) میں لشکر ڈال دہلی پر حملہ کی طیاری کرنے لگا۔ قلعہ سے گولے برسنے لگے۔ غلام قادر کب چوکنے والا تھا گولوں کا جواب گولوں سے دینے کے علاوہ اُس کے پاس ایک چلتا ہوا نسخہ دام و درم کا تھا کہ ع زر بر سر فولاد نہی نرم شود۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مغل اُدھر سے اُوٹ اُدھر آن ملے۔ مرہٹے نلے یار و مددگار رہ گئے اور شہر سے لوگ دُم بھاگے۔ غلام قادر خاں حضوری میں باریاب ہوئے۔ بادشاہ نے چھوٹتے ہی پوچھا کہ تمھاری یہ کیا حرکت تھی؟ غلام قادر نے آئیں بائیں شائیں جواب دیدیا اور بادشاہ کو اپنی نیازمندی اور عقیدت کا یقین دلا کر امیر الامرائی کے منصب جلیلہ کا طلبگار ہوا۔ بال ہٹ۔ تریا ہٹ اور راج ہٹ مشہور ہیں۔ بادشاہ آخر بادشاہ ہی تھا اڑ گیا۔ غلام قادر خاں کا دماغ سڑ گیا تھا وہ بادشاہ کو کب خاطر تلے لاتا تھا تیسرے دن امیر الامرا کے محل میں جا کر ڈٹ گیا۔ خدا جانے بادشاہ کیا کچھ کر بیٹھتا کہ سر دھنے کی شہر و بیگم بادشاہ کی مدد کو آن پونہچی اور غلام قادر کو جمنا پار اُتار دیا۔ سے ۵ نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے ہیں لیکن ؛ بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے ریواڑی کے ایک امیر نے تازہ دم فوج سے مدد دی اور شاہ عالم نے بہت سے طلائی ظروف گلوا کر بہت کچھ دے دلا کر بڑا بھاری لشکر غلام قادر خاں کی سرکوبی کے لیئے جمع کیا۔ غلام قادر نے دوبارہ گولہ باری شروع کی جن میں کے بعض گولے دیوان خاص میں آکر گرے۔ عارضی صلح ہو گئی غلام قادر علی گڈھ اور وہاں سے آگرے چلا گیا۔ شاہ عالم کو مہلت ملی اور بہت بڑا لشکر جمع کر لیا جب لشکر کی طرف سے اطمینان ہوا تو لشکر کشی کی شروع شروع میں ایک چھوٹی سی فتح ہوئی اس کے بعد معاملہ درہم برہم ہو گیا۔ غلام قادر اور اُس کے معاونوں کو آگرے کے پاس مرہٹوں نے شکست دی لیکن غلام قادر پھر دہلی پر حملہ کرنے کے لیئے اپنے پرانے ٹھکانے شاہ درے میں آن پونہچا۔ بادشاہ کی خدمت میں دوبارہ باریاب ہوا۔ مرہٹوں نے پھر اسے پسپا کیا۔ پھر اُمنڈ کر آیا اور قلعہ پر گولہ باری شروع کی اور مغلوں کو دے دلا کر اُدھر سے توڑ لیا اور ہندوؤں کو پھر ہٹنا پڑا۔ غلام قادر پھر باریابی کی غرض سے تھوڑی سی فوج کے ساتھ قلعہ میں تشریف لائے۔ بادشاہ نے

جو سیندھیا کے تحت تھے۔ مرہٹوں نے قلعہ میں اپنی فوج گھسا سیندھیا مہاراج
نے پٹیل کا لقب لیا۔ لیکن غلام قادر اپنے گھمنڈ میں تھا وہ اپنے غرّے میں
مرہٹوں کو کب خاطر تلے لاتا تھا مرہٹوں سے لڑنے پر اتر آیا اور اپنے کیے اور
تکملۂ نوٹ صفحۂ گزشتہ۔ منقوش است۔ تاریخ

چوں میرزا نجف خاں رفت از جہاں　　ہاتف گفت اُو شد واصل رحمت حق

سوانحہ کہ بعد وفات نواب نجف خاں بظہور آمدہ۔ چوں مرزا فوت شد [۱۱۹۶] شاہ عالم
بادشاہ عہدۂ امیر الامرائی بہ افراسیاب خاں کہ پسر خواندہ مرزا بود بخشید و او را مخاطب
بہ شرف الدولہ نواب افراسیاب خاں ساخت۔ از سفارش او محمد الدولہ از حبس
رہائی یافت۔ بعد چندے مرزا شفیع کہ او نیز پسر خواندۂ مرزا بود و بعد وفاتش دختر اول
بحبالۂ نکاح خود آوردہ بود افراسیاب خاں را از دہلی بدر ساخت و منصب امیر الامرائی
سرفراز بادشاہ گرفت۔ بعد از چند سال و یک ماہ مرزا شفیع در ڈیگ از دست اسمٰعیل بیگ
برادر محمد بیگ خاں ہمدانی بتاریخ ۲ ذی قعدہ ۱۱۹۷ھ کشتہ شد۔ ؎

نجف خاں نماند و نجف خانیش　　نہ افراسیاب و نہ ہمدانیش
نماند دریں دہر مرزا شفیع　　شود حاکم نور فصل ربیع

بعد شہادت مرزا شفیع افراسیاب خاں بار دیگر بخلعت امیر الامرائی سربلندی حاصل ساخت۔
در ماہ جمادی الاولیٰ ۱۱۹۸ھ میرزا جہاں دار شاہ پسر بزرگ بادشاہ از جور افراسیاب خاں گریختہ
در لکھنؤ کہ دراں ایام لارڈ ہیسٹنگز گورنر جنرل دراں شہر تشریف آوردہ بود آمد و بعد چندے
ہمراہ صاحب موصوف تا بنارس رفتہ دراں بلدہ سکونت اختیار نمود و برائے مصارف او پنج لک
روپیہ سالانہ از طرف نواب آصف الدولہ مقرر شد۔ افراسیاب خاں بتاریخ ۱۸ ذی الحجہ سنہ مذکور
بہ اشارۂ زین العابدین خاں برادر مرزا شفیع کشتہ شد۔ بعد وفاتش مادھوجی سیندھیا نزد
بادشاہ رسیدہ شاہ را بر آں آورد تا منصب وکیل مطلق بر مادھو راؤ پیشوا مرحمت فرمودند و خود مادھوجی سیندھیا
نائب او گردید۔ بعد ازیں جملہ کار سلطنت بدست ایشاں ماند تا آنکہ غلام قادر خاں لعین بسر مائلہ
سر بر آورد و ذوالحجہ کہ از دست ایں ستم پیشہ بر سر اولاد تیموریہ رسید ظاہر و مشہور است قدرے از آں حال در مقام خودش
رقم خواہد یافت۔ و پیش از کور شدن بادشاہ مرزا جہاں دار شاہ برائے دیدار پدر خود تا شاہجہاں آباد آمدہ بود لیکن چوں
استقامت خود دراں جا مصلحت ندیدہ عیال و اطفال خود را ہمراہ گرفتہ بنارس رفت و بعد چندے بتاریخ ۲۴ شعبان دراں بلدہ فوت کرد

اُس کی جگہ ہوئے - اسی سال شاہ عالم نے اپنے آپ کو مرہٹوں کی سپردگی میں دیدیا

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ - مرزا فرستادند کہ چوں وریں ولا دو کمپوے انگریزی ملازم رکاب شدہ اند لازم است کہ ہر قدر ملک کہ بدست آوردہ ازاں بقدر تنخواہ دو کمپو جدا ساختہ حوالۂ ملازمان سرکار نمایند - غرض مجد الدولہ ایں بود کہ اگر نجف خاں اطاعت فرمان کند نصف ملک او

در تنخواہ خود ہر رفت واگر حکم حضور بجا نخواہد آورد
لیکن چوں عنایت لارڈ ہیسٹنگز گورنر
از اکبرآباد بہ شاہ جہان آباد آمدہ مجد الدولہ را حسب

وفات مرزا نجف خاں مولدش اصفہان
متوسلان پادشاہ ایران بعد بدست نادر شاہ افتاد
مرزا محسن برادر بزرگ نواب صفدر جنگ از طرف محمد شاہ
مستخلص ساخت - خواہر مرزا نجف خاں در حبالہ
آمد و مرزا نجف خاں دہ سالہ بود کہ ہمراہ ایشاں

چار پلٹن انگریزی فرستادہ لشکر او برہم زند
جنرل بحال او بود ہیچ نشد و نواب معتوب شد در ہموں سال
ایں پادشاہ کہ از دست او بجاں آمدہ بود مقید ساختہ
است او را خواہر بود از یک بطن چوں مرزا از
مقید بود تا وقتیکہ نواب عزت الدولہ
بادشاہ بہ ایلچی گری نزد نادر شاہ در ایران رفت ایشاں را
نکاح عزت الدولہ بود داخل شدہ ہمراہ شوہر بہ شاہجہان آباد
در ہند آمد - بعد وفات عزت الدولہ ہمراہ

وارن ہیسٹنگز گورنر

نواب محمد قلی خاں کہ پسر او بود در الہ آباد استقامت پذیرفت - چوں نواب شجاع الدولہ عم زادۂ خود محمد قلی خاں را در ۱۱۷۴ھ از دغا مقید ساختہ در قلعۂ جلال آباد کہ بیرون شہر لکھنؤ است محبوس کرد - مرزا ندکور با چند رفقاء خود گریختہ پیش قاسم علی خاں ناظم بنگالہ رفت و چندے ہمراہ او گزرانیدہ بعد برہم خوردن لشکر قاسم علی خاں بسعی منیر الدولہ داخل ارکان شاہی یعنی در سلک ملازمان شاہ عالم بادشاہ (کہ دراں ایام بہ الہ آباد بودند) گشتہ باسہ ہزار نفر سوار و پیادہ اوقات خود بسر می نمود - چندے تحصیل کوڑہ جہان آباد ہم تعلق باد بود - در ۱۱۸۵ھ ہمراہ شاہ عالم بہ شاہ جہان آباد رفت و چوں دراں جا کارہائے نمایاں از دست او بظہور رسیدہ بخطاب ذو الفقار الدولہ نواب نجف خاں بہادر غالب جنگ ممتاز شد و بعد ازاں بہ عہدۂ امیر الامرائی رسیدہ سر عزت بر فلک سود آخر بتاریخ ۸ رجمادی الاخری سنہ ۱۱۹۶ھ در عمر چہل و نہ سالگی در شاہ جہان آباد فوت کرد متصل درگاہ شاہ مرداں کہ زمینے برائے خود خریدہ بود مدفون گردید - عزیزی ایں مصرعہ در تاریخ وفات او گفتہ - ع ایں قدم گاہ شہ مرداں نجف آباد کرد و "ایں تربت نجف" بر تربت او

۱۱۹۶ (بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

۱۱۹۶

مختصر یہ ہیں کہ ۱۷۷۴ء میں نجف خاں نے برساتا کی لڑائی میں جاٹوں کی جولیس بلا دیں اور آں کا رو رہورہ بالکل ڈھا دیا۔ اگلے سال ڈیگ کا زبردست قلعہ بھی فتح کرلیا۔ ۱۷۷۷ء میں ضابطہ خاں کے روہیلوں سے پانی پت پر مقابلہ ہوا لیکن لڑائی غیر قطعی رہی۔ آپس میں معاہدہ ہوکر آمنے سامنے کی شادیاں ہوکر صلح ہوگئی۔ ۱۷۷۹ء میں نجف خاں نے میرٹھ پر سکھوں کو کھلی شکست دی اور اس طرح نجف خاں شاہی غنیموں کے مقابلے میں تین لڑائیاں جیتا لیکن زندگی اور موت کی لڑائی کو نہ جیت سکا۔ ۱۷۸۲ء میں قضا کے ہاتھوں شکست کھائی۔ اس کا مرنا تھا کہ سلطنت مغلیہ کے سوکھے ہوئے درخت کا رہا سہا ٹھنڈ بھی باقی نہ رہا نجف خاں صفدر جنگ کے مقبرے کے پاس علی گنج میں دفن ہوا۔ اس کے مقبرے کا ذکر حصۂ دوم میں ملاحظہ ہو۔ نجف خاں کے مرنے کی مصیبت کیا کم تھی کہ اگلے ہی برس بڑا سخت قحط پڑا۔ ۱۷۸۵ء میں ضابطہ خاں نے انتقال کیا اور غلام قادر خاں

لہ جنگ کردن نواب نجف خاں با جاٹ وغیرہ۔ در ایامیکہ نواب شجاع الدولہ قلعۂ اٹاوہ را از دست ہری پنڈت وغیرہ برآوردہ بہ تنبیہ جنگ حافظ رحمت خاں در اٹاوہ متوقف بود نواب نجف خاں قلعۂ اکبرآباد را کہ بہ تصرف راجہ نول سنگھ جاٹ بود محاصرہ نمودہ داد تہور دادہ ۱۱۸۷ھ مفتوح ساخت۔ عزیزی تاریخ فتح گفتہ "مبارک فتح قلعۂ اکبرآباد"۔ وجنگ نواب شجاع الدولہ در شروع سال ۱۱۸۸ھ با حافظ رحمت خاں ۱۱۸۸ھ وقوع آمدہ بعد ازاں در ۱۱۸۹ھ مرزا نجف خاں قلعۂ ڈیگ را محاصرہ نمودہ می جنگید کہ درین اثنا راجہ نول سنگھ در قلعہ فوت کرد۔ برادر خوردِ او راجہ رنجیت سنگھ کہ در لشکر نواب بود صرفات را در خود شیدہ از لشکر گریخت و داخل ڈیگ شدہ رسید حکومت نشست و بعد ازاں با نواب جنگ نمود آخر عاجز آمدہ و در ماہ صفر سنہ مذکور قلعہ را خالی ساختہ خود گریختہ بہ بھرت پور رفت۔ تاریخ این فتح ع "شکل گول ماں وسال طوکن" شکل گول بصورت نقطہ می شود و شکل ماں بصورت ہندسۂ ہو و شکل سماں "و" ماہ ک بصورت دو الف (۱۱۸۹) چوں نجف خاں ہر قدر ملک کہ از دست جاٹ وغیرہ برآورد۔ داخل بہ تصرف خود داشت سابقاں مجد الدولہ در ۱۱۹۳ھ بادشاہ را ازاں آوردن باز پابند نام
(بقیہ و نسبہ صفحہ آئندہ)

ہاتھ سے ہو گیا تھا - لیکن تقدیر نے اور ہی کچھ گل کھلایا ابھی اقبال سامنے تھا - مرہٹوں نے آگے بڑھ کے لیا - عزت و احترام سے اپنے کیمپ میں لے گئے - مرہٹے نہیں چاہتے تھے کہ اسے زبردست مہرے سے بگاڑ لیں - گو اس سے پیشتر مرہٹے نجف خاں پر چڑھائے بیٹھے تھے اور اسے نیچا دکھانے کی فکر میں تھے مگر ع عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ دفعۃً ایسی کایا پلٹ کیوں ہو گئی لیکن اس کا اصلی سبب کچھ بھی رہا ہو ہوا یہی جو لکھا گیا - اس کے بعد بہت سے واقعات اور بہت کچھ رد و بدل عمل میں آئے جس کی تفصیل بہت طویل ہے - چند سال تک بڑا انقلاب رہا جس کے اہم واقعات

شجرۂ خاندان ہفت پیشوایان

(۱) بالاجی وسوا ناتھ ساکن سسری وردھن بندرچال

۱۷۱۴ — ۲۰

(۲) باجی راؤ بلال اول
۱۷۲۰ — ۴۰

اپنا جی آپا (فاتح بسین)

سداسیو راؤ المعروف بہ بھاؤ صاحب ۱۷۶۱ء میں پانی پت میں مارا گیا

(۳) بالاجی باجی راؤ
۱۷۴۰ — ۶۱

رگھوناتھ راؤ
المعروف بہ راگھوبا
۱۷۷۳ — ۷۴

وسواس راؤ
پانی پت میں مارا گیا

(۴) مادھو راؤ
۱۷۶۱ — ۷۲

(۵) نارائن راؤ
جس کو راگھوبا نے مار ڈالا
۱۷۷۲ — ۷۳

(۶) مادھو راؤ نارائن
خودکشی کر کے مرا
۱۷۷۴ — ۹۵

امرت راؤ

(۷) باجی راؤ دوم
دسمبر ۱۷۹۶ء [illegible]

چمنا جی آپا

دھوندو جی پنت عرف نانا صاحب
فرزند متبنیٰ جو ۱۸۵۷ء میں بغاوت کر کے روپوش ہو گیا

لڑائیاں ہوتی رہیں آخر کار شاہی فوج پسپا ہو کر پہلے ہمایوں کے مقبرے میں آئی
اور پھر دریا گنج میں۔ بادشاہ نے نجف خاں کو معزول کر کے ضابطہ خاں کو وزارت
سے سرفراز کیا۔ نجف خاں کابلی دروازے کے باہر فرید خاں کی سرائے میں
جا بیٹھا۔ نجف خاں کو جب کچھ امید باقی نہ رہی تو ناچار صلح پر راضی ہو کر جان سے

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ۔ مصارف بادشاہ از طرف نواب شجاع الدولہ مقرر شدہ بود حوالۂ
مرہٹہ ہا نمود اما دست مرہٹہ ہا بر آں ملک نہ رسید و از آں وقت باز بہ تصرف نواب مذکور در آمد
الحاصل بعد ازیں معاملہ سہ سرداران مرہٹہ سیاجی پیشوا و مہاجی پٹیل سیندھیا و تکوجی
ہولکر از بادشاہ رخصت شدہ بارادۂ تسخیر ملک افاغنہ علی محمد خانی بر آمدند و نواب نجف خاں
را بر سہ ہزار روپیہ یومیہ مقرر کردہ ہمراہ خود بردند و عبور دریائے گنگ نمودہ تاخت و تاراج
شروع نمودند چندیں بریں نہ گذشتہ بود کہ خبر از دکن رسید کہ نارائن راؤ پیشوا را کشتند و
رگھوناتھ راؤ مشہور بہ راگھوبا کہ عموی او بود بر مسند نشانیدند و نارائن راؤ پسر بالاجی
پیشوا بود کہ بعد فوت برادر خود یعنی مادھو راؤ پیشوا بر ریاست آبائی رسیدہ پیشتر گردیدہ بود
و بسعی رگھوناتھ راؤ عموی خود در ماہ جمادی الاولیٰ ۱۱۸۶ھ کشتہ شد۔ القصہ سرداران مرہٹہ
ازیں واقعہ مشوش شدہ بہ نواب شجاع الدولہ نوشتند کہ حالا ما دریں جا توقف نمی توانیم کرد
اگر شما شصت لک روپیہ بما دہید ملک میاں دوآب کہ از افاغنہ گرفتہ ایم بشما بسپاریم
لیکن چوں شصت لک روپیہ برائے خرچ راہ ما یاں وفا نخواہد کرد چہل لک از روہیلہ ہا
باید دہانید و اگر افاغنہ مدد از زر مسطور اندیشہ نمایند شما متعرض حال نشوید بنوعیکہ
توانیم از ایشاں خواہیم گرفت۔ چوں نواب بر حالی افاغنہ راضی نبود حافظ رحمت خاں
را طلب داشتہ استصواب نمودہ او را راضی ساخت و حافظ رحمت اللہ خاں گفت کہ
بالفعل تا یک کرور روپیہ از زر خود مرہٹہ ہا دہید شصت لک بحساب خود و چہل لک بحساب ما
نویسید بعدہ ایں مبلغ را بہ تدریج سر انجام نمودہ بخدمت ارسال خواہد داشت۔ نواب
زر مذکور حوالہ مرہٹہ ہا نمود آنہا زر گرفتہ بملک خود کہ دکن باشد در سنہ ۱۱۸۷ھ روانہ شدند [illegible]
پس بعد نواب نجف خاں بملازمت نواب شجاع الدولہ بہرہ اندوز گردیدہ بسفارش ایشاں
مختاری مہمات سلطنت و نیابت وزارت گردید اختیار نامہ ساخت بیس دہلی آمدہ مجد الدولہ را کہ مشیر بادشاہ بود دخل
محض معزول و حسام الدولہ را حسب الایمائے بادشاہ محبوس ساخت بعد ازاں بہ تسخیر ملکہا کہ جاٹ بہ تصرف خود داشتند مشغول گردید
(بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ)

کرسمس کے دن ۱۷۷۱ء میں شہر میں داخل ہوا۔ مرہٹوں نے اس سبب سے بھی کان نہیں ہلائے کہ شاہ عالم کو ایسٹ انڈیا کمپنی کا زور تھا اور انگریزی لشکر ہی دلی کی سرحد تک بادشاہ کو پونہچا گیا تھا۔ مرہٹوں نے اب روہیلکھنڈ میں ضابطہ خاں کا پیچھا لیا اُس کے بال بچے اور خزانہ سب مرہٹوں کے ہاتھوں میں پھنس گئے۔ ضابطہ خاں کا بیٹا غلام قادر بادشاہ کے حضور میں حاضر ہو گیا بادشاہ نے اسے اپنے پیٹ میں کیا گھسایا گویا ایک سانپ پالا۔ ضابطہ خاں نے اب مرہٹوں سے دوستی گانٹھی

شاہ عالم

کہ ان کے دباؤ سے وزارت مل جائے گی۔ مرہٹے ضابطہ خاں کی کمک کو دلی پر لشکر چڑھالائے۔ متھرا کی سڑک پر تغلق آباد کے قریب بدرپور پر چھوٹی موٹی

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ۔ برآوردہ بود مرہٹہ ہا زر از ضابطہ خاں گرفتہ باز باو سپردند و بر باقی ملکہا تسلط خود ہا داشتند تا حدیکہ ضابطہ خاں با تکوجی ہولکر وعدۂ زر بمیاں آوردہ معرفت او طالب منصب امیر الامرائی و میر بخشی گری گردید۔ چوں بادشاہ را گوشۂ چشمی با مرزا نجف خاں بود می خواست کہ در جلدوے جاں فشانی ہاکہ ازو بظہور رسیدہ بود عہدۂ میر بخشی گری ہم بہ او مرحمت نماید ایں سخن مقرون بہ اجابت نہ شد و تکوجی ازیں حرف رنجیدہ شدہ مستعد جنگ گردیدہ و بادشاہ نیز بر سر غضب آمدہ نواب نجف خاں را تا ہر قدر سوار و پیادہ کہ بہم رسد نوکر داشتہ با مرہٹہ ہا محاربہ نماید۔ مرزا نجف خاں ہم چناں کرد و بجنگ پیوست آخر مرزا موصوف ہزیمت یافت و مرزا حسن برادر خورد نواب محمد قلی خاں کہ عزیز مرزا نجف خاں بود دریں جنگ از ضرب گلۂ توپ کشتہ شد۔ **فوت رستم** تاریخ وفات اوست۔ ایں واقعہ در ۱۱۸۶ھ بوقوع آمدہ بعد ہزیمت مرزا مذکور مرہٹہ بادشاہ را برآں آوردند تا ضابطہ خاں را خلعت امیر الامرائی بخشند بادشاہ لاچار شدہ ہمچناں کرد بعد ازاں مرہٹہ ہا بادشاہ را چناں عاجز ساختند کہ ملک کوڑہ و جہاں آباد و الہ آباد و کڑہ کہ برائے

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

تو دیکھا کہ یہاں مرہٹوں کا تیس ہزار کا لشکر پڑا ہوا ہے لیکن اُن سے ہی سمجھوتا
ہوگیا اور وہ بادشاہ کے شہر میں داخل ہونے پر رضامند ہوگئے اور بادشاہ

تکملۂ نوٹ صفحۂ گزشتہ۔ ایامِ بیماری بود پیشکش فرستادہ از یامدل خود بعفو
جہت علاج بیماری عذر خواہ شد و دو روز بعد از ورود بادشاہ مسافر ملک بقا گردید۔
تاریخ وفات۔ کہ بہ گریہ خلایق نالہ و افغان ملائک آہ کشند از وفات احمد خان
اگر از عدد وفات احمد خان عدد لفظ آہ کم کردہ شود تاریخ برآید۔ بعد وفات احمد خان
پسرش دلیر ہمت خان بہ مسند حکومت نشستہ پیشکش گران بہا بحضور بادشاہ فرستاد و خطاب
مظفر جنگ یافت و بادشاہ بعد از قیام (۲۲) روز از انجا کوچ نمود و بعد طی منازل و مراحل
روز عید رمضان داخل شاہ جہان آباد گردید و چون از ضابطہ خان پسر نجیب الدولہ حرکاتِ
ناپسندیدہ صادر شدہ بود۔ بادشاہ چند روز بعد ورود خود برائے استیصال و انہدام
فرقۂ روہیلہ کمر ہمت بربست و بہ استمداد مرہٹہ ہا تا شش ماہ جنگ و جدل در پیش داشت
تا آنکہ ضابطہ خان سر برہنہ پا برہنہ فرار نہاد و پیش نواب شجاع الدولہ شتافت
زن و فرزند ضابطہ خان ہمہ اسیر مرہٹہ شدند و قلعۂ پتھر گڑھ کہ ضابطہ خان دران متحصن شدہ بود
مفتوح گردید۔ چون بادشاہ بعد انہدام ضابطہ خان و مغلوب شدن افاغنہ و روہیلہ با نصرت
و فیروزی داخل شاہ جہان آباد گردید۔ شایق شاعر تاریخ داخل شدن دہلی گفتہ:۔

صد شکر خدا کہ شہ ہند از سر نو — شادی و نشاط و آب و تابی آمد
گوئی کہ سحاب فیض در مزرعۂ خشک — زمین دعاے مستجابی آمد
یعنی کہ بفضل حق ز فتح و نصرت — دارائے جہان ملک ستانی آمد
زینت دہِ تاج و تخت شاہ عالم — با دولت و بخت و کامیابی آمد
تاریخ ورود او ز ہاتف جستم — گفتا کہ ز شرق آفتابی آمد

چون درین مہم از دستِ مرزا نجف خان کارہائے نمایان بوقوع پیوستہ بود بادشاہ (۱۱۸۶)
بعد مراجعت عہدۂ امیر الامرائی بہ مرزا بخشیدہ بہ خطاب ذوالفقار الدولہ مرزا نجف خان
بہادر غالب جنگ مخاطب ساخت۔ اگرچہ بادشاہ را ملکے وسیع بود و معلوم ساختن فرقۂ
افاغنہ و روہیلہ بدست آمدہ بود لیکن روز بروز کارش رو بہ تنزل داشت و فتنہ و فساد
ہر طرف در ملک برخاستن گرفت زیرا کہ اکثر ملکہا بادشاہ از دست ضابطہ خان و رہیلہ

(بقیہ نوٹ صفحۂ آیندہ)

انتقال کیا ان کا بیٹا ضابطہ خاں باپ کی جگہ وزیر ہوا سکھوں سے متفق ہو گیا
اور بدر کر دیا۔ اسی کے دوسرے برس تھوڑا سا لشکر لئے ہوئے شاہ عالم دلی میں
داخل ہوئے۔ شاہی فوج کا سپہ سالار ایک ایرانی شہزادہ خاندان شاہی سے تھا
نجف خاں نامی تھا جس کا ذکر آگے چل کر آئے گا۔ شاہ عالم جب دلی آیا تو

سانحۂ وفات نجیب الدولہ و روانہ شدن شاہ عالم از الٰہ آباد بطرف شاہجہان آباد
و دیگر حالات۔ چوں راجہ جواہر سنگھ مالک قلعہ ڈیگ وغیرہ در ۱۱۸۲ھ فوت کردہ برادر
اخیانیش را ورتن سنگھ دہ ماہ و سیزدہ روز حکمرانی کردہ از دست روپانند گوسائیں
کشتہ شد۔ بعدش برادر او راجہ نول سنگھ بر وسادۂ حکومت نشست۔ و در ایام حکومت
او شاید کہ در ۱۱۸۳ھ سرداران مرہٹہ یعنی نراین راؤ برادر کوچک مادھو راؤ پیشوا و سیر
بالاجی و تکوجی ہولکر و مہاجی سیندھیا بہ جمعیت ہشتاد ہزار سوار از دکن در اکبرآباد رسیدند
و جنگ اول با راجہ نول سنگھ کہ ملک یک کرور و پنجاہ لک در تصرف داشت واقع گردید و
بر راجہ ظفر یافتہ زر دل خواہ ازو گرفتند و ملک او بہ او ارزانی داشتند۔ بعد ازیں ایام نجیب الدولہ
خواست کہ فرقۂ سکھ را کہ در ملک میانہ دو آب فتنہ و فساد برپا ساختہ بودند بہ امداد مرہٹہ ہا
قلع سازد بہ ایں ارادہ در خیمۂ ایشاں آمدہ خواست کہ بہ اتفاق ایشاں بہ سر آں فرقہ برود
کہ ناگاہ بیمار شد ناچار پسر خود ضابطہ خاں را ہمراہ مرہٹہ گذاشتہ خود بطرف روہیلکھنڈ شتافت
و در اثنائے راہ تا بہ ہاپڑ رسیدہ بود کہ در ماہ رجب ۱۱۸۴ھ فوت شد۔ لاشش او را در نجیب آباد
(ضلع بجنور۔ سہارنپور سے (۵۹) میل اور مراد آباد سے (۶۱) میل ہے) بردہ دفن کردند
و ضابطہ خاں بعد فوتش بہ دہلی رفت۔ چوں مرہٹہ ہا رخ بطرف شاہجہاں آباد آوردند
ضابطہ خاں مشوش شدہ شہر را گذاشتہ بہ سکرتال رفت و مرہٹہ ہا میدان را خالی یافتہ بر دہلی متصرف
شدند و ملک میانہ دو آب را کہ مابین دریائے گنگ و جمن است و از مدتے بہ قبضۂ روہیلہ ہا بود
نیز گرفتند۔ بعد ازاں عرائض بحضور شاہ عالم بادشاہ کہ در الٰہ آباد تشریف داشتند ارسال
نمودند کہ آمدہ بر ملک موروثی خود قابض شوند بادشاہ کہ از مدتے بہ امید استمداد از صاحبان
انگریز در الٰہ آباد اقامت داشتند چوں دید کہ کسے بہ مدد او نمی رسد لاچار در ۱۱۸۵ھ مطابق ۱۷۷۱ء الٰہ آباد و
کوڑہ بہ منیر الدولہ تفویض نمودہ و نواب نجف خاں و حسام الدولہ را ہمراہ گرفتہ از الٰہ آباد کوچ نمودہ
متوجہ دار الخلافۂ شاہجہان آباد گردید۔ چوں بہ فرخ آباد رسید نواب احمد خاں بنگش کہ در آں

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

اور محاصرہ اٹھانا پڑا۔ ۱۷۶۶ء میں سکھوں نے دلّی پر یورش کی۔ اس وقت ایک افغان نواب نجیب الدولہ وزیر تھا اُس نے اب چوتھی مرتبہ احمد شاہ ابدالی کو بلایا۔ اُس کے سہ کو بھونک ہی چکا تھا۔ جھٹ آن دھمکے۔ مگر جیر گرری کہ پانی پت سے آگے قدم نہ دھرا اور وہیں سے بیرنگ واپس گئے اور اب کی دفعہ ہمیشہ کے لیے یہ ذات شریف ہندوستان سے تشریف لے گئے۔ اس کے بعد سکھوں کا زور زورا ہوا اور افغانوں کو اُن کی حد سے بڑھنے نہ دیا۔ ۱۷۷۰ء میں نواب نجیب الدولہ نے

تکملۂ نوٹ صفحہ گزشتہ۔ از اکبرآباد جہت بہادہ بود۔ در ابتداے سلطنت محمد شاہ فوت کردہ بعد او پسرش بدن سنگہ قلعۂ ڈیگ را تعمیر نمود۔ در ایامیکہ نادر شاہ در دہلی آمدہ بود بدن بود بعد وفاتش پسر او راجہ سورج مل بجاے او نشست۔ راو رکو چک او پرتاب سنگہ نام داشت کہ قلعۂ کمبھیر بنا نمودہ۔ سورج مل درزمان احمد شاہ بادشاہ رفاقت صفدر جنگ اختیار نمود و ملک بسیار بسند بادشاہی یافت و بعد از رفتن صفدر جنگ بہ سمت صوبہ خود بسبب ضعف سلطنت اکثر جاہا بسر شمشیر بدست آوردہ بود۔ بعد کشتہ شدن بھاؤ و روانگی شاہ ابدالی قلعۂ اکبرآباد را تسخیر نمودہ و در ڈیگ عمارتہاے عالی تعمیر ساختہ و پسران او کہ اصغر جنگ و ستار بدل را در آنہ کردہ بود بنابر تخریب مکانات شاہی در قلعۂ اکبرآباد بود بدیر دا اعتقد سورج مل سوبارام جاٹ را صوبۂ دارالخلافہ اکبرآباد داد و او ہم نیادہ تر در تخریب آں شہر پرداخت سورج مل عالیچۂ نادرہ و دو دروج کیواڑ سنگ یشب را کہ شاہ جہاں بادشاہ بہ صرف دو ہزار روپیہ ساختہ بود مع قریب (۹۸) ضرب توپ کلاں از قلعۂ اکبرآباد برداشتہ در قلعۂ ڈیگ و بھرت پور گذاشت القصہ چوں سورج مل کشتہ شد پسرش راجہ جواہر سنگہ بعد از چند اوقات جہت انتقام خون پدر ملہار راؤ مرہٹہ نواب عماد الملک را ہمراہ گرفتہ بالشکر عظیم دہلی را تا چار ماہ محاصرہ نمودہ می جنگید تا آں کہ نجیب الدولہ عاجز آمدہ بار عرضی بحضور احمد شاہ ابدالی فرستادہ شاہ را از کابل حرکت داد۔ چوں جواہر سنگہ آمد آمد لشکر احمد شاہ را شنید مشوش شدہ بتوسط ملہار راؤ مرہٹہ با نجیب الدولہ مصالحہ کردہ بہ ڈیگ معاودت نمود۔ ایں سانحہ در اواخر ۱۱۷۹ھ و آغاز ۱۱۸۰ھ دہ ایامیکہ نواب شجاع الدولہ و شاہ عالم بادشاہ دوم برائے کمک نواب قاسم علی خاں بطرف بنگالہ رفتہ بودند بوقوع پیوست۔ ۱۲

—۱

لشکر مشتہ کہ بعد از جنگ دیر سے پونہچا۔ یہاں جاٹ صاحب کا سر نیزے پر چڑھا ہوا دیکھا۔ آسے اوسان خطا ہو گئے اور ہواس جاتے رہے۔ لشکر میں بھاگڑ پڑ گئی۔ سورج مل کے بیٹے نے تب ملہار راؤ ہولکر کو گانٹھا۔ اُس کے بھروسے اور اُسی کے بل بوتے پر دلی کا محاصرہ برابر تین مہینے تک کیئے پڑے رہے۔ ہولکر اور غنیم کے من سمجھوتا ہو گیا اُس نے اپنا رستہ لیا۔ اُس کا پیٹھ موڑنا تھا کہ انھوں نے بھی اپنا بستر الپیٹا

تکملۂ نوٹ (۱) صفحۂ (گزشتہ) بعد جلوس بادشاہ مدتے در بنگالہ با نوابان نواب جعفر علی خاں جنگ متواتر داشت تا آں کہ شب سہ شنبہ ۸ ارذی قعدہ سنہ مذکور در پٹیا بہ وقتیکہ میر صادق مشہور بہ میراں پسر نواب میر جعفر علی خاں در خیمہ خوابیدہ بود برق بر او افتاد و جاں داد بعد و فاتش قاسم علی خاں کہ داماد نواب جعفر علی خاں بود نائب او گردید و بعد از چند گاہ قاسم علی خاں بارُوسائے انگریز منعقد شدہ نواب جعفر علی خاں را کہ پیر و ضعیف شدہ بود معزول گردانیدہ و خود در ۱۱۷۴ھ برمسند ریاست نشستہ مالک آں ولایت گردید۔ من بعد ملازمت شاہ عالم بادشاہ حاصل نمودہ برائے مصارف بادشاہ از صوبۂ بنگالہ (۲۴) لک روپیہ سالانہ مقرر نمود۔ بادشاہ ازاں جا کوچ کردہ بطرف الہ آباد تشریف بردند و بتاریخ ۲ ذی حجہ سنہ مذکور ہمراہ شجاع الدولہ کہ بعد فتح بر مرہٹہ و روانہ شدن شاہ ابدالی بطرف قندھار بہ استقبال او شتافتہ بود در شہر الہ آباد رسیدند و بخوف جاٹ و مرہٹہ دہ سال دیگر دراں شہر بسر بردہ در ۱۱۸۵ھ بہ شاہ جہاں آباد تشریف بردند۔

لہ صفحۂ ہذا احمد شاہ ابدالی بعد استیصال افواج مرہٹہ نجیب الدولہ را خلعت امیر الامرائی مرحمت فرمودہ جہاں دار شاہ را بجائے پدر او ولی عہد ساختہ با نصرت و فیروزی بہ طرف کابل و قندھار مراجعت نمود۔ بعد رو انگیش حکم نجیب الدولہ در شاہ جہاں آباد رواں شد در ۱۱۷۷ھ شاید کہ در ماہ جمادی الثانیہ راجہ سورج مل جاٹ کہ مالک ڈیگ و کمھیر و بھرت پور بود و بعد چندے قلعۂ اگرہ در شاہ جہاں آباد آمدہ با نجیب الدولہ جنگ و پیکار آغاز نہاد تا آنکہ روزے از ضرب گلۂ بندوق کشتہ شد۔ ایں سورج مل پسر بدن سنگہ جاٹ است و او پسر چوڑامن جاٹ است کہ در عہد اورنگ زیب رہزنی می کرد و از ہمیں پیشہ متمول گردیدہ بنائے قلعۂ بھرت پور کہ چاروہ کردہ

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)

جا پہنچے ۔ گئے کیا یوں کہو کہ موت گھسیٹ کر لے گئی ۔ وہاں پوچھا تھا کہ اچانک بسے میں گھر گئے ۔ اگر اتنے ہی پر خیر گزرتی تو غنیمت تھا ۔ مارے گئے ۔ ان کا

تکملۂ نوٹ (۱) صفحۂ گزشتہ) ریست محل مشہور بہ لال کنور واقع شدہ ۔ شہزادہ علی گوہر موصوف عماد الملک غازی الدین خاں رحیں حیات پدر از شاہ جہاں آباد گریختہ و نواب محمد قلی خاں را از الہ آباد ہمراہ گرفتہ بہ تسخیر ملک بنگالہ رفتہ بود ۔ دراں ایام سنہ چند از انگریزاں از طرف کمپنی کوٹھی ہائے تجارت در کلکتہ و عظیم آباد داشتند شاید کہ یک و نیم سال پیش از ورود شاہزادہ درمیان نواب سراج الدولہ حاکم بنگالہ و رؤسائے انگریز خصوصتے دست داده بود کہ باعث خرابی و بربادی او شدہ و جنگے درمیان ایشاں واقع گردیدہ کرنیل کلائیو کہ سردار انگریزاں بود با یک ہزار گورہ ہائے ولایتی و دو ہزار ہندوستانی در میدان پلاسی کہ از مرشد آباد دیا زدہ کروہ فاصلہ دارد مستعد جنگ شدہ با وجود آں کہ ہمراہ نواب قریب پنجاہ ہزار سوار و پیادہ و پنجاہ ضرب توپ بود ہزیمت یافتہ و تاب مقاومت در خود ندیدہ از میداں جنگ گریختہ و ایں معاملہ تاریخ ۵ شوال سنہ ۱۱۷۰ھ بوقوع آمدہ بود و بعد ازیں سراج الدولہ گرفتار شدہ تاریخ ۱۵ از شوال سنہ مذکور بہ ایمائے میر صادق مشہور بہ میراں پسر میر جعفر علی خاں بہ قتل رسیدہ بعد ازاں صاحبان انگریز میر جعفر علی خاں را کہ نائب نواب مذکور بود بجائے او بر مسند ریاست نشاندہ بودند کہ یک سال و نیم بعد ازیں با خراج شاہزادۂ موصوف در صوبۂ بہار رسیدہ بہ ارادۂ تسخیر بنگالہ محاربہ و محاولہ پیش داشت دریں اثنا خبر شہادت پدر خود بدو رسانیدند شاہزادہ فی الحال بصلاح امرا کہ ہمراہ بود بتاریخ ۴ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۱۷۳ھ در حوالی عظیم آباد (پٹنہ) اورنگ فرماں روائی آراستہ جلوس نمود و خود را بہ لقب شاہ عالم ملقب ساخت بعد ازاں خلعت وزارت بہ نواب شجاع الدولہ صوبہ دار اودھ و خلعت امیر الامرائی بہ نجیب الدولہ فرستاد

میر اولاد علی ذکا تاریخ جلوس گفتہ ۔

(۱) رسے شاہ عالی گہر عدل گستر | باو تاج و تخت و نگیں شد مسلم
برون آر سالِ جلوس ہمایوں | ز سلطان ہندوستان شاہ عالم ۱۱۷۳
(۲) رقیبِ حق چو شد عالی گہر شاہ عالم | پئے سالِ جلوس بر ظہورِ ربانی ۱۱۷۳

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

دلی چھوڑ کر لکھنؤ چلا گیا تھا) بلوا بھیجا اور خود سلطنت سے دست کش ہوگیا۔
ابو المظفر جلال الدین سلطان عالی گوہر باپ کے قتل کی خبر پانے پر شاہ عالم ثانی[1]
(۱۱۷۳ھ-۱۷۵۹ء) کے لقب سے بادشاہ ہوئے لیکن دس برس تک دلی نہ گئے اور
الہ آباد ہی میں برائے نام سلطنت کرتے رہے۔ (۲۶) لاکھ روپیہ سالانہ ایسٹ انڈیا
کمپنی سے ملتا تھا انھوں نے اسے ہی غنیمت سمجھا۔ شاہ عالم کے بیٹے مرزا
جواں بخت مرہٹوں کے تنجے میں گرفتار مرہٹوں کے دیئے ہوئے کچھ
علاقے پر قانع دلی میں براج رہے تھے۔ اواخر ۱۷۶۳ء میں سورج مل جاٹ
نے پہلے تو آگرے پر قبضہ کرلیا اور تخت سلطنت مغلیہ پر تشریف فرما ہوئے۔
قدرت خدا دیکھئے کہ تخت ایسے نااہل کی تاب نہ لاسکا اُس کا سینہ اُسی وقت
شق ہوگیا۔ وہاں سے جاٹ صاحب دلی سے (۱۸) میل ورے غازی الدین نگر

تکملہ نوٹ (۲ صفحۂ گزشتہ) گردیدہ دراں جنگ بسیارے از سرداران مرہٹہ بتاریخ
۷ جمادی الثانیہ سال مذکور کہ مطابق ماہ جنوری ۱۷۶۱ء بود کشتہ شد گویند کہ تا شصت
کروہ خون مرہٹہ ہا بشش آب زمیں رواں بود۔ چوں شاہ ابدالی بعد قتل و تاراج فتح بزرگ
نمود میر آزاد تاریخ آں گفتہ۔

شاہ بھاؤ را پس از دتا بکشت کرد در انجام و در آغاز فتح
مصور نائے خامہ تاریخش نواخت شاہ دُرانی نمودہ باز فتح

بعد ایں فتح احمد شاہ ابدالی تا چند ماہ در شاہجہان آباد متوقف بودہ بپاس آں کہ دختر محمد شاہ بادشاہ
موسومہ بہ حضرت بیگم از بطن صاحبہ محل بحبالہ نکاح خود داشت و دختر عالمگیر ثانی کہ بپسر خود شاہزادہ
تیمور میرزا عقد بستہ بود سلطنت ہندوستان بر شاہ عالم بادشاہ کہ دراں ایام طرف بنگالہ تشریف
داشتند مقرر ساختہ و جہاں دار شاہ را ہمچناں بجائے پدر بہ ولی عہدی گزاشتہ و خلعت وزارت
بہ نواب شجاع الدولہ پوشانیدہ و از سر نو عہدۂ امیر الامرائی بہ نجیب الدولہ بخشیدہ بتاریخ ۱۹
شعبان سال مذکور بطرف قندھار مراجعت فرمود و "مراجعت قندھار نمود" تاریخ اوست و نواب
شجاع الدولہ بعد رفتن شاہ ابدالی از دست شاہ عالم بادشاہ بطرف مشرق روانہ گردید۔

[1] شاہ عالم ابن عزیز الدین عالمگیر ثانی ... بتاریخ ... [illegible]

عالمگیر ثانی کو ولی عہد کو (جو عماد الدین خاں کے ڈر سے خواص کی جان کا لاگو ہو گیا تھا

تکملہ نوٹ (۲) صفحۂ (گزشتہ) و چوں کہ عماد الملک جبر بیداد بر گلوئے بسیار سے از سکان شہر پیر زادہ بود ہر کس ملکہ خادماں او نیز از و کدورت بر دامن دل داشتند چنانچہ وقیع و شریف باتحیب خاں پیوستند و شو سلاں بادشاہی روزے بار و اہل متفق شدہ برائے تنخواہ خود بر عماد الملک ہجوم کردند و بہ اشارۂ نجیب الدولہ در حویلی او در رفتہ ہر چہ از نقدہ جنس و اسباب و فیل و توپ خانہ یافتند بہانۂ تنخواہ خود بغارت بردند و عماد الملک بکمال حسرت واند وہ پیش سورج مل جاٹ رفتہ در قلعۂ بھرت پور مختفی گردید بعد ازاں در شاہجہاں آباد حکم نجیب الدولہ بر آب و نان در رواں شد۔ مختصر ایں کہ چوں شاہ ابدالی تا بہ انترویدرسید سعد اللہ خاں پسر علی محمد خاں روہیلہ و نجیب الدولہ و نواب احمد خاں بنگش فرخ آبادی و حافظ رحمت خاں و دوندے خاں کہ ملک ایشاں در میاں انترید واقع شدہ خود بارا بہ شاہ ابدالی رسانیدہ شرف ملازمت اندوختند القصہ چوں لشکر شاہ با لشکر دتا سیندھیا مقابل شد و جنگ کناں بجانب شاہ جہاں آباد رجع القہقری مودہ بہ میداں بادلی کہ در سواد شاہ جہاں آباد واقع است رسید و ابدالیاں اطراف دیار فرو گرفتند و جنگے عظیم در میاں آمد آخر کار دتا با سائر فوج از اسپاں فرود آمدہ در ستیزہ قایم کرد تا آں کہ با جمیع ہمراہیاں علف تیغ بے دریغ ابدالیاں گردید۔ ایں واقعہ در ماہ جمادی الاخری سنہ ۱۱۷۳ھ بہ وقوع آمدہ و میر غلام علی آزاد ایں تاریخ گفت۔ تاریخ

کرد سلطان عصر درانی قتل دتا بہ تیغ دشمن کاہ

گفت تاریخ ایں ظفر آزاد نصرت بادشاہ عالی جاہ

چوں خبر کشتہ شدن دتا سیندھیا بہ سداشیو بہادر برادر زادۂ بالاجی پیشوا در دکن رسید با فوجے عظیم رہ گرائے ہندوستان گردید و در غائبانۂ احمد شاہ ابدالی در شاہ جہاں آباد رسیدہ اول شہر را تاخت و تاراج نمود و قلعہ را نیز بعد جنگ مفتوح ساخت من بعد بتاریخ بست و ہشتم صفر سنہ ۱۱۷۴ھ شاہ جہاں ثانی را کہ قریب یک سال بر تخت نشستہ بود معزول ساختہ مرزا جواں بخت را کہ خلف شاہ عالم بادشاہ بود بخطاب جہاں دار شاہ بولی عہدی پدر کہ در بنگالہ بود بر مسند فرماں دہی نشانید و بعد فتوح معرکۂ احمد شاہ ابدالی (بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ)

طرف بڑھے۔ اس خوفناک لشکر کے مقابلے پر احمد شاہ پچاس ہزار سپاہ لے کر بڑھا مرہٹوں کا لشکر تعداد میں بے شک زیادہ تھا اور ادھر کا کم مگر دونوں میں فرق تھا کہ ادھر کا لشکر زیادہ باقاعدہ اور آراستہ تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پورے دو مہینے تک مرہٹوں کا لشکر نرغے میں گھرا رہا۔ رسد گھٹنے لگی اور قحط کی بھیانک صورت نظر آنے لگی آخرکار مرہٹوں کو میدان میں نکلنا پڑا۔ جاٹ تو چمپت ہو گئے۔ ہولکر میدانِ جنگ سے رفو چکر ہو گیا۔ رہ گئے مرہٹے مسلمانوں نے اُن کو گھیر لیا اور تکا بوٹی کر کے رکھ دیا۔ بڑا بھاری قتل عام اور ہوا جس کا کچھ حد و حساب نہیں۔ اس طرح پانی پت کی تیسری[۱] لڑائی میں جو ۱۳ر جنوری ۱۷۶۱ء کو ہوئی ہندوؤں کا خواب سلطنت ایک بار دہوائی منصوبہ ہوا ہو گیا۔ گو ان کا لشکر بے شمار تھا مگر بات کیا تھی کہ یک دلی اور ایک مت نہ تھی ہر شخص اپنے اپنے جھنڈے کی خیر مناتا تھا۔ کسی سردار کی فوج تن وہی سے نہ لڑتی تھی مبادا تباہی اور بربادی ہو اور بہتوں نے اپنی فوج معرکۂ جنگ سے بہ خیال اپنے اپنے علاقوں کی حفاظت کے نکال لی یہ وجہ ہندوؤں کی بڑی شکست کی ہوئی۔ پھر دلی پر احمد[۲] شاہ کا قبضہ ہو گیا لیکن وہ

[۱] - پانی پت میں تین لڑائیاں ہوئی ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:-

(۱) بابر نے ابراہیم لودھی کو شکست دی ۱۵۲۶ء -

(۲) بیرم خاں اور اکبر نے ہیمو کو شکست دی ۱۵۵۶ء -

(۳) احمد شاہ ابدالی نے مرہٹوں کو شکست دی ۱۷۶۱ء -

[۲] آمدن احمد شاہ ابدالی مرتبہ سوم در شاہ جہان آباد - چوں نمک حراماں بہ اشارہ عماد الملک تیغ جفا بر گلوے عالمگیر ثانی رانده و شہزاده محی الملت کہ پسر کام بخش ابن خلد مکاں بود برائے نام بر تخت جہانبانی نشانیده ملقب بہ شاہ جہان ثانی نمودند عماد الملک مہدی قلی خاں کشمیری بحراست او گزاشتہ خود بعنایت و رفاقت دتا [illegible] و جنکوجی کہ نجیب الدولہ را در سکرتال حسب اشارت او محاصره نموده بودند شتافت و معاملہ نجیب الدولہ بر صلح قرار یافتہ بود کہ عن قریب رسیدن احمد شاہ ابدالی گوش زد عالمیاں گردید دتا سیندھیا خبر شاہ ابدالی شنیده صلح را ناتمام گزاشتہ بالشکر خود کہ دراں وقت ہشتاد ہزار سوار جرار ہمراه خود داشت بمقابلۂ احمد شاہ ابدالی رواں شد و چوں کہ

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

پارسا ہیں ہو گیا سو ہو گیا۔ بادشاہ بے چارہ عالمگیر اُسے بھی کہہ سن کر اُن کے
پاس چلنے کو آمادہ کیا۔ بادشاہ کو پہلے ہی سے فقرا اور بزرگانِ دین کی خدمت
میں بڑا اعتقاد تھا۔ ایسے صاحبِ کرامت کی آمد سن کر فوراً تیار ہو گیا۔ کوٹلے میں
پہنچا۔ فقیر وقیر تو وہاں خاک بھی نہ تھا فقیر کے بدلے ملک الموت البتہ تھا۔ پہلے ہی
سے وہاں کسی کو لگا رکھا تھا بادشاہ کے وہاں پہنچتے ہی خنجر مار کر اُس کا کام
تمام کر دیا اور سر بھی کاٹ لیا اور جمنا کی ریتی میں اُس تن بے سر کو پھینک دیا نعش
کو وہاں سے اُٹھایا اور ہمایوں کے مقبرے میں لے جا کر دفن کر دیا۔ احمد شاہ ابدالی
فوراً دارالخلافہ کی طرف بڑھا۔ غازی الدین اُس کو آتے دیکھ بھاگا جس کو آخر کار
سنہ ۱۷۸ء میں سورت کی انگریزی پولیس نے پکڑوایا۔ حج سے غازی الدین واپس آیا
مگر پھر جانشین رہا اور سنہ ۱۸۰۰ء میں انتقال کیا۔ غازی الدین کے جل دیئے۔ بادشاہ
کے قتل کا انتقام کس سے لیا جائے۔ لہٰذا بلا خصوصیت بے گناہ رعایا دھر لی گئی۔
پہلے ہی احمد شاہ کی تشریف آوری سے لوگ بھاگ گئے تھے اور سارا شہر
سنسان پڑا تھا۔ پھر بھی احمد شاہ کا حکم قصابانہ سات دن کے قتل عام اور
غارت گری کا صادر ہوا اور اس کے بعد احمد شاہ قلعہ میں کافی فوج چھوڑ کر خود
انوپ شہر ضلع بلند شہر چلا گیا اب مرہٹے اور جاٹ دونوں کی مل بھگت ہو گئی اور مسلمانوں
کو دودھ کی مکھی کی طرح نکال کر پھینک دینے کا ارادہ کر لیا۔ پہلے معرکے میں درانیوں
سے شکست کھائی مگر پھر سمٹ کر آئے اور درانیوں کو پسپا ہونا پڑا پھر کیا تھا مرہٹے
اور جاٹ دلّی میں بے تحاشا گھس آئے اور اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ قلعہ کے
سارے محلات میں جو کچھ بادشاہ اور احمد شاہ کی دست بُرد سے بچ کھچ رہا تھا لوٹ
کر صفایا کر دیا۔ بابر کی نسل سے کچھ زیادہ باقی نہ رہا تھا مگر انھوں نے دیوانِ خاص
کی چاندی کی چھت اُدھیڑ دی۔ دیواروں اور ستونوں میں جو عقیق زمرد وغیرہ
قیمتی پتھر جڑے ہوئے تھے جس جس کے بڑی بے دردی سے تیشوں سے
اُکھاڑ اُکھاڑ کر سب کھرچ لے گئے۔ پھر یہ لوگ ایک ٹڈی دل لشکر کے ہمراہ
سواروں کا ایک بڑا بھاری توپ خانہ۔ دس ہزار فرانسیسیوں سے قواعد
سیکھے ہوئے پیدل۔ اور مزید دو لاکھ بے قاعدہ افواج کا لے کر پانی پت کی

تھی - عالمگیر کے چوتھے سنہ جلوس میں ۲۳ جون ۱۷۵۸ء کو پلاسی کی مشہور لڑائی ہوئی - عالمگیر غازی الدین سے ایسا تنگ ہوگیا کہ مرتا کیا نہ کرتا چپ بیٹھا رہا - درانی کو بلانے کا کچھ انتظار نہ تھا کیوں کہ وہ پہلے ہی غازی الدین خاں کے لاہور والے معرکہ پر خار کھائے بیٹھا تھا - غرض یہ کہ درانی درانہ دلی سے بیس میل کے اندر آن پہنچا غازی الدین اُس کے مقابلے کو بڑھا لیکن نجیب الدولہ اور تمام رہنے کے بن بادشاہ سلامت کی ریشہ دوانیوں کی بدولت لشکر نے ساتھ نہ دیا - لوگ تھوڑ تھوڑ کر بھاگنے لگے - غازی الدین خاں نے جب یہ حال دیکھا تو اُس نے بھی اپنا رخ بدل دیا اور احمد شاہ کے پیٹ میں گھس گیا اور اُسے کچھ ایسا شیشے میں اُتارا کہ وہ اسی کا کلمہ پڑھنے لگا - الغرض ۲۰ جنوری ۱۷۶۰ء کو احمد شاہ دار الخلافہ میں داخل ہوا اور تمام حکومت اپنے دست قدرت میں لی اور لوگوں سے اس سختی اور ظلم سے روپیہ اگلوانا شروع کیا کہ اُن کو نادر شاہ کا وقت یاد آگیا - احمد شاہ دو مہینے دلی میں رہا پھر متھرا اور برج کے ملاقوں کو جاکر لوٹا - دلی میں غازی الدین خاں کا ڈنکا بدستور بج رہا تھا - عالمگیر دل ہی دل میں پچھتا رہا تھا کہ کرنے کیا گیا اور ہوا کیا مفت میں غازی الدین خاں سے کھلی دشمنی مول لی - غازی الدین بڑا قسی القلب تھا اب کھلے خزانے مظالم پر اُتر آیا - بہت سے مرہٹے بھرتی کر لیے جن کی تنخواہ مختلف علاقوں کی آمدنی سے ادا ہوتی تھی - ۱۷۵۹ء میں ہندوستان میں احمد شاہ ابدالی پھر آن دھمکے - اس دفعہ غازی الدین کو بھی اس ناخواندہ مہمان کا آنا اکھرا - غازی الدین نے خیال کیا کہ زمانے کا لیل و نہار یکساں نہیں رہتا جب تک میری چلتی ہی چلتی ہے معلوم نہیں کل کو کیا ہو بہتر یہ ہے کہ جھٹ پٹ عالمگیر کا کام تمام کر دیا جائے - چال یہ چلا کہ جھوٹ موٹ یہ شگوفہ چھوڑ دیا کہ فیروز شاہ کے کوٹلے میں کوئی بڑے صاحب کشف و کرامت بزرگ تشریف لائے ہیں - فقیر کیا ہیں

تکملہ نوٹ (۱) صفحہ گزشتہ پیش از قتل بادشاہ بحکم عماد الملک از ہموں نمک حراماں شہید شدہ بود چنانچہ عزیزی تاریخ شہادت او و بادشاہ ہم باین عنوان گفتہ تاریخ سنی بلخ و شیعی کشمیر + قاتل جان شاہ و ابن وزیر مدت سلطنت ۵ سال - ۶ ماہ - ۴ یوم - مدت عمر ۶۰ سال - لقب بعد وفات - عرش منزل ۱۲

دلی کے اطراف کے چند اضلاع پر محدود رہ گئی۔ پنجاب جا ہی چکا تھا۔ دکن اور
اودھ دونوں خود مختار سلطنتیں ہو گئیں باقی جو ملک زیادہ سارے کا سارا مرہٹوں
کا تھا یا ایسٹ انڈیا کمپنی کے مقبوضات کے حق میں دن دونی رات چوگنی ترقی

تکملہ نوٹ (۱) صفحۂ گزشتہ او خانہ اورا محاصرہ نمود۔ شاہزادہ موصوف کہ توانست بعد کرہ شدن
بہ دکن و میر جعفر تا آنکہ بسعی پٹیل راؤ مرہٹہ از آں حبس صحیح سالم برآمد قریب ہشت ماہ ہمراہ
نجیب الدولہ گزرانید بعد ازاں از خوف عماد الملک بطرف مشرق رفت و چندے در الہ آباد
کہ نیابت آں صوبہ از ہنگام نواب صفدر جنگ بنام نواب محمد قلی خاں برادرزادۂ او بود توقف
بود و بعد ازاں محمد قلی را امیدوار وزارت ساختہ در شروع سال ۱۱۷۲ھ با فوجے عظیم بہت
تسخیر ملک بنگالہ موصوف ہمراہ خود گرفت۔ دریں سال رگھوناتھ راؤ مرہٹہ و دتا سیندھیا بایماے
عماد الملک نجیب الدولہ را در سکرتال محاصرہ کردہ اورا تنگ نمود۔ تاریخ ایں معاملہ یافتند
شیری را شکار آہو کرد۔ و چوں دریں عملہ مرہٹہ ہا بسیار شدند ہندو و مسلمان از دست ایشاں
عاجز آمدہ ۱۱۷۲ باتفاق نواب شجاع الدولہ صوبہ دار اودھ و دیگر امرا عرض داشت بہ احمد شاہ
ابدالی فرستادند و کمک خواستند کہ تشریف آوردہ و متفق شدہ ایں فرقہ سلے دیں را
مستاصل گردانند۔ چنانچہ احمد شاہ ابدالی ازیں مژدہ مسرور گردیدہ در ۱۱۷۳ھ رخ توجہ
بسمت ہندوستاں آورد۔ چوں آمد آمد او گوش زد خواص و عام گردید عماد الملک بہ
خیال بے ادبی ہا کہ نسبت عالمگیر ثانی ازو بظہور آمدہ بود علاوہ نجیب الدولہ را کہ دست گرفتہ
احمد شاہ ابدالی بود از دہلی بدر ساختہ بود متخوف شدہ خان خواجہ بیگ خان ملمی و مہدی علی خاں
کشمیری را کہ بتسیر امور دولت او بودند اشارہ فرمود تا ایشاں عالمگیر ثانی از در بحکمت در
آوردہ بہ تاریخ ۸ ربیع الثانی ۱۱۷۳ھ بکشتند و جسدش را از بالا بطرف دریا
بر ریگ جہاں افگندند۔ بعد شش پہر بعض کساں لاش را برداشتہ در مقبرۂ ہمایوں مدفون
ساختند۔

تاریخ وفات

شاہ عالی نسب عزیز الدین | کشتہ بود در جوار رحمت جائے
گفت ہاتف چو رفت در جنت | اودر عرش سبک گردائی وائے

وچوں انتظام الدولہ خان خاناں پسر قمر الدین خاں وزیر کہ خالوئے عماد الملک بود دیہم
(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

ان کی بادشاہت بالکل ہی جوجری تھی نام کے بادشاہ بیتحت اور کام کے بادشاہ غازی الدین خاں - صفدر جنگ سنہ ۱۱۶۷ھ میں انتقال کر گئے غازی الدین اب اور بے کھٹکے ہو گئے ملک پر ملک نکلنا چلا جاتا تھا سلطنت اب گھٹتے گھٹتے

(تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ) ۲ ارشعبان سنہ ۱۱۸۸ھ درگزشت - دنشعر یہا - ہ - ہی - تاریخ وفات

بربست چوں مجاہد دیں رخت زندگی — برکس دُرِ سرشک بمژگانِ خویش سُفت
ہاتفِ براے سال وفاتش بصد بکا — سال وفات سال وفات ہائے ہائے گفت

(نوٹ ۱ صفحۂ گزشتہ) عالم گیر ثانی - درسال ۱۰۹۹ھ ازبطن انو بیبائی تولد شدہ بود - بعد معزول ساختن احمد شاہ عزیز الدین، کہ شصت ہفت سالہ بود و از زندان فرخ سیر مقید بود از حبس برآوردہ بتاریخ ۱۰ ارشعبان سنہ ۱۱۶۷ھ موسوم بہ عالمگیر ثانی نمودہ براے نام بر تخت نشانیدند تاریخ جلوس

(۱) برسریر سلطنت سلطان عزیز الدین نشست — کارہاے دین و دولت جملہ تا ظرخواہ شد
سال تاریخ جلوسِ او خرد کا تحریر کرد — بادشاہِ ہند عالمگیر عالی جاہ شد
(۲) شاہ والا نژاد عالمگیر — از ازل نامور بالتفیض آمد
گشت چوں جلوہ گر بر بے سریر — گفت تاریخ "مظہر ایزد" ۱۱۶۷

بیت سکّہ:-

بزر زد سکّۂ صاحبقرانی — عزیز الدین عالمگیر ثانی

در سنہ ۱۱۷۰ھ احمد شاہ ابدالی مرتبۂ دوم تا بہ شاہ جہاں آباد آمد غنیمت بے شمار از دہلی و آگرہ بردہ و دختر محمد شاہ را در حبالۂ نکاح خود آوردہ و عالم گیر ثانی نیز دختر خود را بہ پسرش تیمور میرزا منسوب ساختہ وقت روانگی احمد شاہ ابدالی حسب خواہش عالم گیر ثانی عہدۂ امیر الامرائی بر نجیب خان نجیب الدولہ مرحمت ساخت بعد روانگی او عماد الملک کہ از خوف احمد شاہ بطرف فرخ آباد رفتہ بود از انجا نواب احمد خان بنگش را ہمراہ گرفتہ بامداد رگھوناتھ راؤ مرہٹہ و ہولکر و ردلی آمدہ و بعد محاربہ و مقاتلہ نجیب الدولہ را از شاہجہان آباد بدر نمودہ و جملہ کار سلطنت را بدستور سابق بدست خود آوردہ بادشاہ را محض بے دخل ساخت و احمد خان بنگش بجلدوے خدمت ہاے او عہدۂ امیر الامرائی بخطاب بخشی الملک احمد خان بہادر غالب جنگ در یافت بعد ازاں عماد الملک در پے ہتک حرمت شاہزادہ عالی گوہر خلف عالم گیر ثانی کوشیدن گرفت بلکہ در سنہ ۱۱۷۳ھ برآمد مقید ساختن

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)

سے اس بادشاہ کا نام ایسا غائب ہوا کہ یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ کب اور کیوں کر مرا اور کہاں دفن ہوا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ قدم شریف میں دفن ہوا اور سر سید نے لکھا ہے کہ عماد الملک نے پکڑا اور اندھا کر کے قید کر دیا بعد چند مدت کے ۲۷ شوال ۱۱۸۹ھ کو مر گیا اور ہمایوں کے مقبرے میں مدفون ہے۔ احمد شاہ کے بعد جہاں دار شاہ کا بیٹا عزیز الدین عالمگیر ثانی (۱۷۵۴ء تا ۱۷۵۹ء) میں تخت نشین ہوا[1]

صفدر جنگ از استماع این خبر مضطرب شدہ از شہر بدر رفتہ مستعد جنگ شد عماد الملک ظاہراً مددگار و رفیق نواب بود آخر در شہر رفتہ نگاہ داشت و فوج مستعد گردید و نجیب خان عمر خیل را کہ داماد دوندے خان علی محمد خانی بود درین جنگ شریک خود ساختہ و این ہمان نجیب خان است کہ ہنگام تشریف پذیرفتن شاہ عالم بادشاہ در الہ آباد بخطاب نجیب الدولہ میر بخشی و امیر الامرائی سر بر آوردہ بود مختصر این کہ نواب صفدر جنگ در ماہ رجب ۱۱۶۶ھ شروع بہ محاربہ و مقاتلہ آغاز کرد و شور جل جاٹ رفیق نواب صفدر جنگ بود شہر کہنہ را تاراج نمود و این سانحہ بجاٹ گردی مشہور است و راجہ اندر گوشائیں کہ یکے از سرداران صفدر جنگ بود درین جنگ کارستانہ کردہ بطور کہ می رفت از کشتہ ہا می ساخت آخر بتاریخ ۷ از شعبان زمورچہ کالا پہاڑ بضرب گلولۂ بندوقے کشتہ شد۔ صفدر جنگ تا چند ماہ ہنگامۂ کارزار گرم داشت آخر چون دید کہ روز بروز مردمان لشکر او بطمع زر بطرف ثانی رفتہ شریک می شدند چارہ جز این ندید کہ صلح نمودہ بصوبۂ خود کہ اودھ بود برود — چنانچہ عرض داشت بحضور والا فرستاد و صلح نمودہ بطرف اودھ و الہ آباد روانہ شد۔ تاریخ صلح۔

شکر اللہ کہ حادث و صفدر جنگ — صلح کردند با وزیر و شاہ
ہاتف غیب سال تاریخش — گفت الصلح خیر قال اللہ

بعد روانگی صفدر جنگ جملہ کاروبار روائی بدست عماد الملک شد بعد از ۱۱۶۶ چندے میان او و بادشاہ کدورتے بہم رسید عماد الملک وزارت را از انتظام الدولہ گرفتہ بادشاہ را در اواخر جمادی الثانیہ ۱۱۶۷ھ محبوس کردہ بتاریخ دہم شعبان چشم او را و چشم مادرش را کہ جمیع فتنہ ہا ازو زائیدہ بود میل کشیدہ عالمگیر ثانی را بر تخت نشانید۔ مدت سلطنت احمد شاہ شش سال و چند ماہ بود و بعد معزولی بست سال در حبس ماندہ تاریخ

[1] اس کی ... (بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ)

یہاں دلی میں ان دونوں پارٹیوں میں زور آزمائیاں ہو رہی تھیں آخر نتیجہ یہ ہوا کہ تورانی
پارٹی کو غلبہ ہوا۔ ۱۷۵۳ء میں صفدر جنگ نے کھلی بغاوت کی اور مجبور ہو کے سورج مل
جاٹ کو اپنی مدد کو بلایا۔ غازی الدین نے ۱۷۵۴ء میں مرہٹوں سے مل کر جاٹوں کا خوب مقابلہ
کیا۔ غازی الدین نے جاٹوں کے توڑ کے لیے مرہٹوں کی مدد لی اور جاٹوں کو بلوا کر آپس
باہمی کو متفق ہی ان سے لڑا دیں گے چنانچہ اس ترکیب سے جاٹوں کا زور ٹوٹ گیا
قلع قمع ہو گیا۔ غازی الدین بھرت پور سے لڑ رہا تھا۔ بادشاہ کو خبر پہنچی
کہ وہاں ایسا کیا ہو رہا ہے اور غازی الدین کی شرارت ہے خود بدولت اس جنگ میں
تشریف لے گئے مدد کو گو در حقیقت منشا کچھ اور ہی تھا یعنی غازی الدین کو
زک دلانا۔ چنانچہ بادشاہ کا ایک خط ... کے نام کا غازی الدین کے ہاتھ لگا
غازی الدین کے ہمدرد و معاون ملہار نے بادشاہ پر حملہ کر کے شاہی کیمپ کو لوٹ لیا
بادشاہ سر پر پاؤں رکھ کر دلی بھاگا۔ غازی الدین بھی پیچھے پیچھے پہنچا اور
تھوڑی سی مقاومت کے بعد شہر کے دروازے کھولنے پڑے اور غازی الدین
نے شہر میں گھس کر قبضہ کر لیا۔ امراء کی ایک مجلس شوریٰ اس غرض سے منعقد
ہوئی کہ بادشاہ کی اس ناشائستہ حرکت کی دریافت کریں کہ اپنے ہی خیر خواہ پر
ہاتھ صاف کیا۔ سب نے مل کر بادشاہ کی معزولی کی رائے دی جس کی تعمیل
فوراً کر دی گئی لیکن پہلے ایسا کئی دفعہ ہو چکا ہے کہ معزول بادشاہ پھر لوٹ پیٹ کر
تخت پر قابض ہو گئے ہیں اس لیے ضرور تھا کہ اُن کو اس قابل نہ رکھا جائے کہ
پھر سلطنت کا خواب دیکھیں اور اس لیے مکحول کرنے کا طریقہ اختیار کیا جاتا تھا۔
جس کے دو طریقے تھے۔ ایک تو یہ نشتر چبھو کر بصارت معدوم کر دی جاتی تھی
مگر اس سے آنکھ بدروپ ہو جاتی تھی دوسرا طریقہ یہ تھا کہ سلائی کو خوب گرم کر کے
آنکھ میں پھرا دیتے تھے۔ ان دونوں میں سے کوئی بھی طریقہ اختیار کیا گیا ہو
بہر حال بادشاہ کو مکحول کر کے سلیم گڑھ میں قید کر دیا[1]۔ اس کے بعد سے صفحہ تاریخ

[1] احمد شاہ بادشاہ از گفتہ عماد الملک غازی الدین خاں نواب صفدر جنگ را معزول ساختہ خدمت وزارت بہ نواب انتظام الدولہ پسر قمر الدین خاں مرحمت فرمود۔ نواب
(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

پاس دکن کی طرف بھجوا دیا کیوں کہ وہاں ناصر جنگ کے بھائی سے ملک چھین لیا تھا تاکہ یہ لوگ جاکر ملک مغصوبہ واپس دلا دیں۔ یہاں دہلی میں نظام الملک کا ایک پوتا غازی الدین خاں حامی رہ گیا تھا اس نوجوان نے صفدر جنگ وزیر اور اودھ والوں کی پارٹی کے مقابلے میں بڑے زور و شور سے اپنی آن بان قائم رکھی

(بقیہ نوٹ نمبر (۱) صفحہ گزشتہ)

دہاں حال رایات بلند ست	چنیں گوید روا لا دستگاہی
رسیم ریر پا فرقم فلک سا	اراں من بود سہ تا بماہی
عادت کے وایں دولت جو کوہے	تلاش ست ما کو نیست واہی
بہ تنبیہ عدو وسے فرستاد	کہ سار دکشتی او را تباہی
رسید ایں فوج واں صف ارجاز	شکستے ز عدو آمد کماہی
برآمد از رہا ہم سال تاریخ	مبارک باد فتح فوج شاہی

۱۱۶۲

چندے بعد ازیں سانحہ اعاعنہ و اتسیاں بہ امتزاج مظفر جنگ را، عد پیود و نواب نظام الدولہ ناصر جنگ را بتاریخ ۱۷ محرم ۱۱۶۴ھ بہ تیغ جور ذوہ شہید ساختند شہادت او قریب قلعۂ جنجی بہ فاصلہ بست کروہ از پھولچری واقع شدہ لاش او را در خلد آباد (اورنگ آباد) آوردہ پائیں مرقد شاہ برہان الدین غریب زیر مرقد نواب آصف جاہ زیر خاک سپردند۔ مدت حکومت او پنج سال و چند روز بود و میر غلام علی آزاد ایں تاریخ در وفات او گفتہ۔

(۱) نواب عدل گستر و عالی جناب رفت	در صحبت بدا و تیغ حوادث شتاب رفت
در عہد ہم زماہِ محرم شہید شد	تاریخ گفت نوحہ گرے آفتاب رفت ۱۱۶۴
(۲) نواب آفتاب جہاں تاب معدلت	محشور با جناب حسین ابن فاطمہ
تاریخ خواستم ز برائے شہادتش	ارشاد کرد پیر خرد "حسن خاتمہ" ۱۱۶۴

و حافظ محمد اسعد مکی ایں تاریخ یافتہ "انہ لشھید واللہ لعن قاتلہ ۱۱۶۴" میر غلام علی آزاد می نویسد کہ بعد شہادت نواب موصوف اعاعنہ و انصاری یعنی فرانسیس ہدایت محی الدین خاں کہ مشہور بہ مظفر جنگ بود بسرداری بر داشتند و ابتدائے تسلط نصاری در ممالک اسلام احداث مظفر جنگ است او نیز دو ماہ بعد از شہادت نواب ناصر جنگ از دست ہماں اعاعنہ بتاریخ ۱۷ ربیع الاول سنہ مذکور در جنگ کشتہ شد

تخت نشین ہوا اور قلمدان وزارت جو اودھ کے خاندان میں متوارث ہو گیا تھا
صفدر جنگ کو ملا۔ نظام الملک بہادر نے اس سلطنت کے اوائل میں
(۱۰۴) برس کی عمر میں انتقال کیا۔ اب رہیلوں نے پھر سر اٹھایا صفدر جنگ نے
اُن کا سر توڑنے کو مرہٹوں اور جاٹوں کو بلوایا مگر اُن کی تنخواہ دینے کی سوائے اس کے کوئی
سبیل نہ تھی کہ جو ملک فتح ہوتا اُس کا محاصل انھیں کو لگا دیا جاتا اس وجہ سے
سلطنت کا زور روز بروز اور گھٹتا چلا جاتا تھا۔ ۱۷۵۲ء میں پھر احمد شاہ درانی چڑھ آیا
پھر ہندوؤں سے مدد لینی پڑی لیکن بادشاہ نے لاہور اور ملتان کے دو صوبے دے دلا کر
اُسے راضی کر لیا۔ ہندو لشکریوں کا دلّی میں اس طرح رہنا بہت خطرناک تھا
کیوں کہ ہمیشہ وہ تنخواہ بروقت نہ ملنے سے شورش بپا کرتے رہتے تھے اور اندیشہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو
کہ شہر کو گھیر لیں اس لیے ان کو نظام الملک مرحوم کے صاحبزادے ناصر جنگ[۵] کے

(تکملہ نوٹ نمبر (۱) صفحہ گزشتہ)

بہ پرسش انتظام الدولہ و بخشی گری سوم بہ نواب عبدالمجید خاں مجدالدولہ مرحمت فرمود
مادر بادشاہ کہ اودھم بائی نام داشت بخطاب نواب بائی و بعد چندے بہ نواب قبلۂ عالم صاحبہ
زمانی ملقب گردید و جاوید خاں خواجہ سرا کہ از قدیم ضابطہ بندگی از نواب بائی داشت
بسفارش الیشان بخطاب نواب بہادر نامور گردید و برادر نواب بائی کہ مان خاں نام
داشت بہ منصب شش ہزاری و خطاب معتقد الدولہ شہرۂ آفاق شد۔ تاریخ جلوس

چو آں شاہ جواں بخت از سر تخت — چو خورشید از فلک بنمود جلوہ
خرد سال جلوسش بر لب آورد — سپہر سلطنت افزود جلوہ ۱۱۶۰

۱۱۶۱

۵ - نواب نظام الدولہ ناصر جنگ - پسر دوم نواب نظام الملک است -
بعد وفات پدر در ۱۱۶۱ھ در دکن بر مسند ریاست نشست - چوں در ۱۱۶۳ھ برائے دفع
مظفر جنگ ہمشیرزادۂ خود کہ یاغی شدہ بود بہ ملک ارکاٹ رفت و مظفر جنگ بہ اعانت
فرانسیس مصاف داد و شکست یافتہ دستگیر شد و ناصر جنگ لشکرے بر نصاریٰ بہ
پھولچری فرستاد و ایشاں را شکست فاحش داد - ایں تاریخ فتح شد -

جواں بختے نظام الدین دولت — کہ دارد منصب عالم پناہی

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

نواب قدسیہ بیگم نے کشمیری دروازے کے باہر ایک باغ مع عمارات کے بنوایا تھا جو اب تک موجود ہے۔ محمد شاہ کی جگہ اُس کا بیٹا احمد شاہ (۱۷۴۸ء تا ۱۷۵۴ء) میں

(تکملہ نوٹ نمبر (۱) صفحہ گزشتہ) تاریخ

بہر سالِ رحلتش چوں کردم از ہاتف سوال　　　با قلوبِ ریش گفتا "فوت صفدر جنگ کرد"

۱۱۶۷

نوٹ (۱) صفحۂ گزشتہ - سورشاہزادۂ احمد شاہ و امرائے سلطنت در نواحی سرہند تشریف داشتند کہ محمد شاہ در شاہجہان آباد بتاریخ ۲۷ ربیع الثانی سہ شنبہ ۱۱۶۱ھ (۱۷۴۸ء) داعی اجل را لبیک گفتہ برحمت ایزدی پیوست - نواب قدسیہ بیگم ملکہ زمانیہ دختر محمد فرخ سیر زوجہ محمد شاہ بود باتفاق نواب عمادی الدین خان امیرالامرا خلعت نواب آصف جاہ و جاوید خان خواجہ سرا و دیگر امرا اظہار ایں واقعہ را باعث فتنہ انگاشتہ تا ورود شاہزادہ پنہاں داشتند شاہزادہ از سرہند بالیغار متوجہ دارالخلافہ گردید - عزیزی ایں مصرعہ تاریخ گفتہ - ع ہائے رفت از جہاں محمد شاہ - تاریخ

شد ملک حشم و روشن اختر آنکہ از او　　　چو آفتاب جہاں جملگی فروغ گرفت

چو شد بجادۂ فردوس زیں سرائے سپنج　　　سرود ہاتف غیبی کہ "گو بہشت رفت"

۱۱۶۱

مدت سلطنت وے - ۲۹ - سی - عمر - ۴۹ - ۶ - بی محمد او نہایت لطیف و نفیس متصل قبر پدرش در پائیں مزار نظام الدین اولیا درون حریم است - لقب او بعد وفات "فردوس آرام گاہ" قرار یافت -

سلہ مجاہد الدین محمد ابو النصر احمد شاہ - در سال ۱۱۳۹ھ از بطن نواب اودھم بائی ولادت یافتہ و در حین وفات پدر خود در سرہند بود و بعد رسیدن خبر وفات محمد شاہ نواب صفدر جنگ در پانی پت بتاریخ دوم جمادی الاولی ۱۱۶۱ھ چتر شاہی و لوازم جلوس آراستہ از بدر شہزادہ گزرانید و مبارک باد سلطنت معروض داشت - شہزادہ فرمود کہ وزارت بشما مبارک است بعد از اں بدہلی تشریف آوردند - خلعت وزارت بہ نواب صفدر جنگ و میر بخشی گری از انتقال آصف جاہ بہادر کہ یک ماہ بعد از جلوس او فوت کردہ بود بہ صلابت خان ذوالفقار جنگ و بخشی گری دوم از انتقال نواب قمر الدین خان

سپہ سالار بن کر گئے مگر وہ ناکامیاب رہے اور جلدی واپس چلے آئے۔
افسوس کہ اس معرکہ میں نواب قمرالدین خاں وزیر اعظم جب نماز میں مصروف تھے کہ گولی لگنے سے شہید ہوئے۔ وزیر کا مرنا کیا تھا گویا بادشاہ کا داہنا ہاتھ ٹوٹ گیا۔ ایسا صدمہ ہوا کہ بادشاہ غش کھا کر گرا اور روح[۱۵] پرواز کر گئی۔ یہ سانحہ اپریل ۱۷۴۸ء میں ہوا۔ مدت سلطنت (۲۹) سال اور درگاہ حضرت نظام الدین اولیا میں دفن ہوا۔ جنتر منتر اسی بادشاہ کے عہد میں بنا ہے اور اسی بادشاہ کی بیگم

(تکملہ نوٹ نمبر (۱) صفحۂ گزشتہ)

با نواب قمرالدین خاں" بعد کشتہ شدن نواب موصوف پسرش معین الملک و نواب صفدر جنگ ۱۱۶۱ سوار شدہ متوجہ معرکہ گردیدند چنانچہ از ہر دو جانب آتش قتال اشتعال یافت و تا تاریخ ۲۸ ماہ مذکور ہمیں آتش در کار بود تا آنکہ افواج شاہ ابدالی تاب مقاومت نیاوردہ بجانب کابل و قندھار آوردند۔ شہزادہ احمد شاہ و امرائے ہندوستان بر واقعۂ نواب قمرالدین خان تعاقب را مناسب ندیدہ برکنار دریائے ستلج اقامت گزیدند عزیزی تاریخ فتح گفتہ "فتح خداساز"
۱۱۶۱

نوٹ (۱) صفحۂ گزشتہ۔ **منصور علی خاں صفدر جنگ**۔ خواہر زادہ و داماد نواب برہان الملک سعادت خان ست۔ بعد وفات برہان الملک در ہنگام ورود نادر شاہ در دہلی اتفاق شدہ در شروع سال ۱۱۵۲ھ بہ خزانہ نادر شاہی دو کرور روپیہ بہ طریق پیشکش داخل ساختہ خلعت صوبہ اودھ از حضور محمد شاہ حاصل نمودہ و در زمان احمد شاہ بادشاہ بعہدۂ وزارت سرفراز گشتہ در ۱۱۶۶ھ از بادشاہ مرخص گشتہ از دہلی بطرف صوبہ اودھ رفت چوں در پاپڑ گھاٹ کہ سہ منزل از لکھنؤ فاصلہ دارد رسید از شدت دانہ بزرگے کہ مثل برہان الملک برآوردہ بود بتاریخ ۱۷ ذی حجہ درگزشت۔ لاش او را برائے چندے در گلاب باڑی کہ در فیض آباد است بہ طریق امانت تفویض زمیں کردند و بعد از اں روانہ شاہ جہاں آباد نمودند۔ روضۂ او بر شارع قطب است۔ عمارتیست عالی و باغے دارد پر از گلہائے رنگین و می گویند کہ در تعمیر آں سی لک روپیہ صرف شدہ۔ تاریخیکہ بر مقبرہ کندہ است بہ ضمن بیان مقبرہ در جلد دوم مذکور شدہ است و تاریخ دیگر این ست۔

۱۵ اس نوٹ کو صفحۂ آئندہ پر دیکھیے ۱۲

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

میں ہندوستان پر کیا اس کے مقابلے پر نواب منصور علی خاں صفدر جنگ

(تکملۂ نوٹ (۱) صفحہ گزشتہ)
متوطن ہرات است او را حسین خاں قندھاری در قندھار محبوس ساختہ بود نادر شاہ او را مستخلص ساختہ بہ ایران فرستاد و دراں جا بر مقید بود تا آں کہ نادر شاہ در ۱۱۶۰ھ کشتہ شد و احمد خاں باوصف ارادۂ فاسد قزلباش از مردانگی خود از خیمہ بعین صحیح و سالم برآمدہ وارد قندھار شد۔ قندھار و دیگر ملک ہا را در مدت قلیل متصرف شدہ تاج شاہی بر سر نہاد و ملقب بہ احمد شاہ ابدالی گردید بعد ازاں بہ ارادۂ تسخیر ہندوستان از دریائے اٹک عبور نمودہ تا حدت کماں وارد لاہور شد۔ شاہ نواز خاں حاکم آں جا چندے با او محاربہ داشت آخر در ماہ محرم ۱۱۶۱ھ گریختہ بہ دہلی رفت و لاہور بقبضت بہ تصرف شاہ دُرّانی درآمد۔ بعد ازاں شاہ افواج عظیم نگاہ داشتہ عازم دہلی گردید۔ چوں محمد شاہ از چند مدت علیل و کسل مند بود از شنیدن خبر آمد آمد احمد شاہ ابدالی مضطرب گردید و پسر خود احمد شاہ را با وزیر الممالک قمر الدین خاں و نواب ابو المنصور خاں صفدر جنگ و دیگر امرائے عظام و سپاہ عظیم برائے مقابلہ از شاہجہان آباد رخصت فرمود۔ چوں شہزادہ احمد خاں از سرہند گذشتہ بر کنار دریائے ستلج رسید ابدالی با سی ہزار سوار از راہ لودھیانہ داخل سرہند شدہ تاریخ ۱۲ ربیع الاول ۱۱۶۱ھ آں شہر را تاراج نمودہ بکر دستِ شمشیر در کشتہ شد۔ شہزادہ را چوں خبر وصول ابدالی بہ سرہند رسید عناں توجہ بجانب سرہند تافت (سرہند شہریست در وسط راہ دہلی و لاہور۔ پنجاہ کروہ از دہلی بفاصلہ گویند کہ نام قدیمش سہرند است۔ چوں سلاطین غزنیہ از غزنی تا سہرند متصرف بودند سہرند بزبان روز خلائق شد۔ صاحبقراں ثانی کہ کابل تا قرا باغ غزنی در تصرف داشت حکم کردہ کہ سرہند را بنام قدیم سہرند می نوشتہ باشند) مختصر ایں کہ بہ جا کردہ ابدالی مستعد قتال گردید و قریب شانزدہ روز جنگ توپ درمیاں ماند و تاریخ ۲۲ ربیع الاول روز جمعہ سنہ مذکور جنگ میداں مصمم فرمودند و نواب اعتماد الدولہ قمر الدین خاں وزیر اعظم درمیاں خیمہ بہ ارادۂ ایں کہ بعد خواندن وظیفہ سوار شوند نشستہ بودند کہ ناگاہ گلولۂ تفنگ از غنیم آمدہ بہ پہلوے نواب وزیر خورد و جاں بحق تسلیم نمودند ... شد

سلہ اس نوٹ کو صفحہ آیندہ پر دیکھیے۔

بہتر ہے - نظام الملک نے تو جھوٹا ہوا زہر پیا اور لوٹ پیٹ کر اٹھ کھڑے ہوئے مگر سعادت خاں مرہی گیا - اب قمر الدین خاں جن پر بادشاہ کو بڑا بھروسہ تھا وزیر ہوئے لیکن یہ وقت ایسا تھا کہ سلطنت کو گھن لگ چکا تھا اور لاعلاج حالت کو پونہچ گئی تھی کہ صوبہ جات بنگال - بہار - اوڑیسہ اور رہیلکھنڈ سب اپنی اپنی جگہ خود مختار ہوگئے تھے - رہیلکھنڈ کے باغی سردار کو تو بادشاہ نے پوری شکست دی مگر پھر بھی اُس کا ملک قبضے میں نہ آسکا - نادرشاہ کی بلا خدا خدا کرکے ٹلی تھی کہ - ؎

ہر دم زمانہ داغ دگر گونہ می دہد یکبار داغ نیک ناشدہ داغ دگر دہد

کہ شمال سے ایک دوسرا حملہ درّانی افغان احمد شاہ[1] ابدالی نے ۱۷۴۷ء

(بقیہ نوٹ نمبر (۱) صفحہ گزشتہ)

مبادا کہ رفتہ رفتہ ایں شعر بگوش شاہ رسد و باعث قتل جمعے گردد بہ تعجیل حک نمودند بعد از وفاتش مردم چیز ہاے پوچ در تاریخ وفاتش گفتند فی النار والسقر مع الجل و البد ۱۱۶۰

(نوٹ نمبر (۲) صفحہ گزشتہ)

(نوٹ (۲) صفحہ گزشتہ) نواب برہان الملک سعادت خاں - اسمش محمد امین بود در زمان شاہ عالم بہادر شاہ از ایران در ہند آمدہ چندے ہمراہ نواب سربلند خاں صوبہ دار گجرات گزرانیدہ رفتہ رفتہ در عصر محمد شاہ بہ صوبہ داری اودھ و بخطاب نواب برہان الملک سعادت خاں سرفرازی یافتہ در محاربہ نادرشاہ حاضر بودہ بعد از جنگ بتاریخ ۹ ذی الحجہ سنہ ۱۱۵۱ھ یک شب پیش از قتل نادرشاہی در شاہجہان آباد از درد زخمے کہ خوردہ بود و ہم از شدت درد دنبلہ جان بجان آفریں سپرد و بعضے از مورخاں نوشتہ اند کہ زہر خوردہ بمرد و در شاہجہان آباد مدفون گردید گویند کہ از گفتن او نادرشاہ از میدان قتال کرنال بہ بہانہ ضیافت در قلعہ داخل شدہ والا ارادۂ نادرشاہ چنیں نہ بود - تاریخ وفات سعادت بزیادت یک عدد "سعادت نمک حرام بمرد" ۱۱۵۲ بعد وفاتش منصور علی خاں کہ داماد او بود بخطاب نواب صفدر جنگ بر مسند امارت نشست - ۱۲

[1] احمد شاہ ابدالی مشہور بہ شاہ درّانی - احمد خاں ابدالی خلف محمد زماں خاں سلاوی (بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

نادر شاہ کے دلی آنے کے محرک ہوئے تھے۔ وہ اس درجہ ملول ہو کر نادر شاہ کے سامنے سے ہٹ گئے اور اس پر آمادہ ہو گئے کہ اس سے عرقی سے زہر کھا لینا

(تکملۂ نوٹ نمبر (۱) صفحۂ گزشتہ)

در جملۂ جواہرات کہ نادر شاہ ہمراہ برد الماسے بود مسمی بہ دریائے نور بوزن (۲۲) قیراط که قیمتش زیادہ از یک کرور روپیہ بود آں دست بدست بوارثان نادر شاہ رسیدہ شاہ شجاع الملک بادشاہ کابل آنرا در ہنگامیکہ از بادشاہی معزول شدہ در لاہور رحل اقامت انداختہ بود در ۱۲۲۹ھ بدست رنجیت سنگھ راجۂ لاہور بعوض یک دنیم لک روپیہ مروجہ۔ سکۂ نادر شاہ این بود ؎

(۱) ہست سلطان بر سلاطین جہاں شاہ شاہان نادر صاحب قراں

(۲) خاتم شاہ نجف رسیدۂ تاج نگیں بادشاہ دادگستر نادر ایران زمیں

بر مہر ؎ نگیں دولت دیں رفتہ بود چوں از جا بنام نادر ایراں قرار داد خدا

بعد چندے روز حسب خواہش نادر شاہ صبیہ سلطان یزدان بخت پسر سلطان مراد بخش ابن شاہ جہاں بادشاہ را بہ عقد نکاح نصیر اللہ پسر نادر شاہ در آوردند و پیش از قتل شدن نادر شاہ از بطن او پسرے تولد شدہ بود موسوم بہ تیمور میرزا۔ نادر شاہ بعد از قتل و غارت محمد شاہ را باز بر تخت نشانیدہ تاریخ ۷ از محرم ۱۱۵۲ھ از شاہجہان آباد کوچ کردہ رخ توجہ بسوے ایران نمودند۔ بعد مراجعت از ہندوستان مزاج نادر شاہ در آخر عمر صفات سفاکی و بیباکی و طغیان و غضب و عصب عود نمودہ بر روز بہ اندکی گناہے چشم مردم را برمی آورد و غصہ کشتی حیات ہمہ را گرداب مغارق می کرد تا آں کہ شب سیزدہم جمادی الاولی ۱۱۶۰ھ در حوالی بلدۂ قوچوں کہ از مشہد بہ فاصلۂ سہ منزل است ملازمان او بہ اغوائے علی قلی خاں برادر زادہ اش محمد قلی تفنگ و طہمسپ و نصر ساشمشیر و کارد کارش تا حد رسانیدہ عزورشاہی و عالم پناہی و خیال سرداری از سرش بدر آوردند و سرش را بریدہ پیش علی قلی خاں فرستادند و بعد از بہ روز حسب الامر علی قلی خاں لاش نادر از مقتل بر داشتہ در مشہد بردند و در پا تر دہم بعد از قتل در مقبرۂ کہ قبل از وفات برائے خود ساختہ بود دفن کردند۔ گویند کہ بعد از اتمام عمارت مذکور طریقے بر دیوار مقبرہ این شعر نوشتہ بود ؎

در ہیچ پردہ نیست و نباشد نوائے تو عالم پر است از تو و خالیست جائے تو

(بقیہ نوٹ صفحۂ آیندہ)

نظام الملک دکن کو واپس ہو کر خود مختار ہو گئے ۔ روایت مشہور ہے کہ ان دونوں حضرات کو نادر شاہ نے بوجہ اُس مخالفانہ طرز عمل کے خوب آڑے ہاتھوں لیا جو

تکملہ نوٹ نمبر (۱) صفحہ گذشتہ) بعد بر آمدن از دربار ہر سہ امیر مشورہ نمودند کہ چوں آبرو نماند تحصیل ایں قدر زر خطیر بہ عقل نمی آید بہتر این ست کہ کاسۂ زہر ہلاہل نوشیم ۔ برہان الملک قبول این معنی نمودہ زہر نوشید و آصف جاہ از روے فراست وحسب جاہ زہر نخورد چوں این مقدمہ شایع گشت ۔ برہان الملک را تجہیز و تکفین نمودہ در مقبرۂ سیادت خاں کہ برادرش بود دفن کردند ۔ الحاصل شب سیوم جماعۂ از اجلاف شہر آوازہ انداختند کہ محمد شاہ کار نادر شاہ را تمام کردہ وسرش از تن جدا ساختہ وایں بہانہ ہجوم کردہ بر سپاہ نادر شاہ ریزش کردند و بسیار سے را بقتل آوردند نادر شاہ ازیں وجہ دہشت اثر بہ غضب شدہ صبح آں سوار شدہ در مسجد نواب روشن الدولہ اقامت گزیدہ حکم قتل عام دادہ فرمودند کہ ہر کرا در لباس ہندی یابند خواہ ہندو خواہ مسلماں جامۂ حیات را از تنش برکشند و شہر را تاخت وتاراج نمایند چنانچہ تا چہار ساعت از روز تا یرہ قتل وغارت مشتعل بود و قریب بست ہزار کس بقتل آمدند و نقود و جواہر بسیار بدست سپاہ ایران افتاد اگرچہ غرض والی ایران ہرگز نبود کہ چنیں قتل عام بعمل آید لیکن چوں مفسدیان شہر خود این فسادر بپا کردند ناچار قتل عام بظہور آمد ۔ مختصر ایں کہ یک ونیم پہر از روز باقی بود کہ بہ طبق استدعاے محمد شاہ حکم شد کہ امان بدہند ۔ بعد از رفع ہنگامۂ قتل و غارت سید جاں نثار خاں کہ داماد نواب قمر الدین خاں وشاہ نواز خاں را کہ بواسطہ حفظ ناموس عیال خود ایستادگی نمودہ و بسیار سے از مردم نادر شاہ را کشتہ بودند بحضور طلب داشتہ شال در گلو انداختہ از تیغ بے دریغ بعالم عقبیٰ فرستاد بعد ازاں حکم شد کہ از مردم متمول و والی دار کہ از آفت تاخت وتاراج سالم ماندہ اند نصف مال گرفتہ داخل سرکار نمایند ۔ چنانچہ مردم نادر شاہ از اغرۂ اشراف شہر بہ انواع زجر و توبیخ و ضرب وشلاق نقد و جنس بسیار وصول آوردند ۔ بعد ازاں نواب شیر جنگ را براے آوردن خزانہ برہان الملک بصوبۂ اودھ نزد نواب ابوالمنصور خاں داماد نواب برہان الملک روانہ نمود چنانچہ مومی الیہ دو کروڑ روپیہ آوردہ حوالہ نادر شاہ نمودہ مشمول اشفاق گشت و نادر شاہ از خزانہ بادشاہی نیز آنچہ کہ تواست بگرفت ۔ مختصر ایں کہ آنچہ از نقود و اجناس و جواہر و آلات وطلا و نقرہ و تخت طاؤسی کہ شاہجہان بادشاہ بہ صرف یک کروڑ روپیہ مرتب ساختہ بود و دیگر صندلیہا و تخت ہاے مرصع کہ نادر شاہ ہمراہ خود برد ۔ الشمس خداے تعالیٰ بہتر می داند گویند کہ زیادہ از ہشتاد کروڑ خواہد بود (بقیہ نوٹ بصفحہ آئندہ)

کو دیا زمی سے استعمال کیا لیکن زہر کی سی علامتیں نمودار تھیں ۔

تکملہ نوٹ نمبر (۱ صفحہ گزشتہ) نخستین نواب برہان الملک سعادت خان با قلیلے
از سواران و پیادہ رو بہ جنگ آوردہ مجروح شدہ اسیر گردید و نواب امیر الامرا خان
دوران و نواب مظفر خان برادر خورد او با بسیارے از سپاہ کشتہ شدند و ہزیمت
در سپاہ ہندوستان راہ یافت ۔ روز دیگر نادر شاہ معرفت نواب برہان الملک پیغام
صلح بہ محمد شاہ فرستاد و بعد از رد و بدل بسیار قرار بریں یافت کہ فرماں روائے ہندوستان
آمدہ با والی ایران ملاقات نماید و بداں نقد و جنس مضایقہ نفرماید خلاصہ ایں کہ نواب نظام الملک
آصف جاہ بخدمت نادر شاہ رفتہ عہد و پیمان مستحکم نمودہ برفتن بادشاہ راضی شد چنانچہ روز دیگر
محمد شاہ بہ خیمہ نادر شاہ رفتہ ملاقات نمودند و نادر شاہ تا بیرون خیمہ استقبال فرمودہ ہر دو کس
در خیمہ بر یک مسند نشستند و بعد تواضع و تکریم نادر شاہ گفت الحال کہ شما ایں جا تشریف آوردید
سلطنت بشما مبارک لیکن بداں نقد و جنس مضایقہ نباید فرمود ۔ بادشاہ از نادر شاہ رخصت
شدہ بہ خیمہ خود مراجعت نمود و دو روز دیگر بہ اعلام و پیغام گزشت ۔ چوں بعد کشتہ شدن
نواب خان دوران برہان الملک می خواست کہ عہدۂ امیر الامرائی بنام او مقرر شود و محمد شاہ
کہ نظام الملک را آں عہدہ سرفراز ساختہ بود بنابراں برہان الملک آزردہ خاطر شدہ
بہ نادر شاہ گفت کہ دولت و خزانہ بادشاہی در شاہجہان آباد از حد و حساب بیروں ست
اگر شما بہ طرف دہلی تشریف برید ہمہ نقد و جنس معہ بدست شما خواہد آمد ۔ چنانچہ نادر شاہ
بہ بہانہ ضیافت بتاریخ ۸ ذی حجہ سنہ مذکور ہمراہ محمد شاہ بدار الخلافت تشریف آوردند ۔ نواب برہان الملک
تا غروب آفتاب در قلعہ حاضر بود روز دیگر قریب بہ صبح ۹ ذی حجہ (۱۹ مارچ ۱۷۳۹ع) سنہ ۱۱۵۱ھ بسبب زخمے کہ خوردہ
بود و ہم از شدت درد دبیلے کہ از چند ماہ او را عاجز ساختہ بود بعالم جاودانی شتافت و بعضے نوشتہ
اند کہ زہر خوردہ مرد چنانچہ در نسخہ عبرت نامہ تصنیف میر محمد قاسم مسطور است کہ چوں در تحصیل زر تعویق
واقع شد نادر شاہ برہان الملک و آصف جاہ و اعتماد الدولہ را بسرا پردہ طلب داشتہ تقید شدید
در تحصیل زر فرمود ۔ امرائے مذکور اظہار نمودند کہ بالفعل سرانجام آں مبلغ کہ دہ کرور روپیہ است نمی تواند
شد لیکن ہر قدر کہ وصول آواند تقصیر نخواہیم کرد ۔ بنا بریں برہان الملک از غیظ تف انداخت
و بر خسارہ اعتماد الدولہ و آصف جاہ سیلی ہا زدہ مورد عتاب گردانید (بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

گئے تیرھویں تاریخ پھر شورش بپا ہوئی مگر کم شہر کی گلیاں مُردوں سے اٹ گئی تھیں جہاں دیکھو نعشوں کے ڈھیر کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ نعشوں کو اُٹھانے اور گلیوں کو صاف کرنے میں کئی دن لگے۔ سُنہری مسجد کے گرد کئی برس تک پرندہ پر نہیں مارتا تھا اور ایسا بھیانک سماں تھا کہ آدمی پاس نہ پھٹکتا تھا دن کو بھی اُدھر سے گزرتے ہوئے ڈر لگتا تھا چنانچہ دریبہ کا دروازہ **خونی دروازہ** اب تک اسی نام سے مشہور ہے جہاں سے کہ پہلے قتل شروع ہوا تھا۔ تاوان جنگ اور فدیۂ قتل کی مقدار کے تعین میں کئی دن لگ گئے۔ نادرشاہ کا چار کروڑ روپئے کا مطالبہ تھا۔ محمد شاہ کو بدستور بادشاہت پر قرار رکھا مگر ساتھ ہی نادرشاہ نے کہہ دیا کہ نظام الملک سے خبردار رہنا۔ نادرشاہ کے بیٹے کی شادی اورنگ زیب کی پوتی سے رچائی گئی۔ سارا شہر تو مبتلائے مصیبت و آلام تھا مگر وہی مثل ہوئی کہ زبردست مارے اور رونے نہ دے لوگوں نے اوپری دل سے جشن شادی میں شرکت کی غرض دھوم دھام رہی۔ اورع در پس ہر گریہ آخر خندہ الیست کا مضمون صادق آیا خدا خدا کرکے وہ دن آیا کہ ۵ مئی کو نادرشاہ دلّی سے دفع ہوا۔ فارس کا رُخ کیا اور پہلی منزل شالامار باغ میں ہوئی۔ مال مغروقہ کا تخمینہ اسّی کروڑ روپئے کا کیا جاتا ہے اور نادرشاہ **تخت طاؤسی** جو لے گیا وہ اس کے علاوہ رہا۔ دریائے سندھ کے مغرب کا علاقہ بھی نادرشاہ[۱] کو دینا پڑا۔ مال و دولت کے ساتھ سب ملا کر دو لاکھ جانیں بپڑا ہو گئیں۔ دلّی کے باشندوں کو نادرشاہ نے نچوڑ لیا اور ناک چنے چبوا دئے جب لوگوں نے سُنا کہ یہ بلا دفان ہوئی تو جان میں جان آئی۔ محمد شاہ نے ان بلائے بے درماں سے کچھ بھی سبق نہ لیا۔ اودھ کے سعادت[۲] خاں نے ۹ مارچ ۱۷۳۹ء

[۱] نادرشاہ کا مفصل حال اس کتاب کے حصۂ دوم میں آچکا ہے اب اور کچھ حالات مفتاح التواریخ سے نقل کئے جاتے ہیں۔ نادرشاہ در اواخر ۱۱۵۱ھ بہ عزم تسخیر ہند متوجہ آں سمت گردیدہ چوں خبر رسیدن او بہ محمد شاہ رسانید ید باتمامی امرا اعیان مملکت و لشکر و توپ خانہ کہ از حد و حساب بود از شاہجہاں آباد برآمدہ در دشت کرنال کہ چہار منزل است مقر قتال مقرر نمودند و بتاریخ ۱۴ ار ذی قعدہ سنہ مذکور جنگ شروع گردید (بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

عزت و احترام سے لیا جو ایک بادشاہ ذی جاہ کے شایاں تھا۔ لیکن نادرشاہ نے محمد شاہ کو امورات سلطنت کی طرف سے بے اعتنائی اور پست ہمتی کا طعنہ دے کر آڑے ہاتھوں ضرور لیا مگر ساتھ ہی اس کے یہ بھی اطمینان دلایا کہ میرا مدعا آپ سے سلطنت منتزع کرنے کا نہیں ہے تاہم تاوان جنگ کی ادائی تک میرا قصد دارالسلطنت دہلی پر رہنے گا۔ ۹ مارچ ۱۷۳۹ء کو پہلے محمد شاہ شہر میں پہنچا اور اُس کے پیچھے نادرشاہ قلعہ میں داخل ہوا۔ محمد شاہ صرف شاہ برج میں رہے اور نادرشاہ بھیل کر سارے قلعہ پر دخیل تھا۔ نادرشاہ نے سخت حکم دیدیا تھا کہ باشندگان شہر سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے لیکن دسویں تاریخ شام ہی شام پہاڑ گنج میں بنیوں سے کچھ دنگا فساد ہو پڑا اور اس کے ساتھ ہی نادرشاہ کے مارے جانے کی افواہ بھی اُڑا دی۔ پھر کیا تھا دنگے فساد نے خطرناک بلوے کی صورت اختیار کر لی۔ نادرشاہ دوسرے دن صبح ہی اُس بلوے کے فرو کرنے کو قلعہ سے نکل چاندنی چوک میں کوتوالی چبوترے کے قریب روشن الدولہ کی سنہری مسجد میں پہنچا۔ بلوائیوں میں سے کسی نے نادرشاہ پر گولی چلائی مگر زندگی تھی بال بال بچ گیا یہ ہونا تھا کہ نادرشاہ برہم ہوگیا اور فوراً قتل عام کا حکم نادری صادر فرمایا۔ جوہری بازار سے پرانی عیدگاہ تک اور جامع مسجد کے پاس چتلی قبر سے لے کر تیلی واڑی کی منڈی میں مٹھائی کے پل تک قیامت برپا تھی صبح کے آٹھ بجے سے شام کے تین بجے تک مسلسل لوٹ مار غارت گری اور قتل کا بازار گرم تھا محمد شاہ نے اپنا سفیر نادرشاہ کی خدمت میں بھیجا کہ وہ جا کر عذر معذرت کرے تب کہیں جا کر قتل سے ہاتھ رکا مگر کب جب کہ ایک لاکھ سے اوپر اور جانیں تہ تیغ ہو چکی تھیں جن میں آٹے کے ساتھ گھن بھی پس گیا اور بہت سے ناکردہ گناہ مرد عورتیں اور بچے بھی تلوار کے گھاٹ اتار دئے گئے

(تکملۂ نوٹ نمبر (۱) صفحۂ گذشتہ) جو رحمت سنگھ نے اپنی کسی رانی کے لئے بنوایا تھا یہاں ایک چھوٹا تالاب بھی جہانگیر کے عہد کا ہے جس کے بیچ میں ایک سنگ مرمر کا برج بنا ہوا ہے جس کی بنیاد سویٹ ملدیو ہے یہاں پادریوں کی چار سوسائٹیاں ہیں۔ امریکن میتھوڈسٹ ایپس کوپل کل۔ چرچ آف انگلینڈ۔ امریکن پریسبٹیرین۔ انڈین فیمیل نارمل سکول اینڈ انسٹرکشن سوسائٹی۔ ۱۲

کی جانب ہی تو ناچار نادر شاہ کی اطاعت قبول کر لی۔ نادر شاہ نے محمد شاہ کو اُسی

(تکملہ نوٹ نمبر (۱) صفحہ گزشتہ) شان دار چبوترے پر بنا ہوا ہی جو چھاونی سے چند سو قدم ہی۔ درگاہ کی عمارت سنگ سرخ اور سنگ مرمر کی بہت خوشنما ہی اس کے علاوہ اور بھی قریب وجوار میں کئی گنبد ہیں جن میں سے سب سے زیادہ مشہور پاک دامن کی درگاہ ہی جو تمام لاہور میں سب سے زیادہ مقدس اور متبرک مقام خیال کیا جاتا ہی۔ پاک دامن صاحب نے نوّے سال کی عمر میں ۱۲۸۵ء میں انتقال فرمایا۔ گنبد بہت پرانا سیدھا سادا اینٹوں کا بنا ہوا ہی جو تیرہ یا چودہ فیٹ مربع ہی۔ اس مقبرے کے گرد بہت پرانے عجیب وغریب درخت ہیں جن کی نسبت مشہور ہی کہ آٹھ سو برس برس کے ہیں لاہور سے (۵) میل شاہدرے میں دریائے راوی کے سیدھے کنارے پر جہانگیر بادشاہ کا مقبرہ ہی۔ لاہور سے سڑک گھنے اور بڑے درختوں اور راوی پر کے قدیم پل پر سے گزرتی ہی۔ یہ مقبرہ بھی ایک بڑے محاط باغ کے اندر ہی جو سولھا سو مربع فیٹ کا سارا ویرانہ اور جنگل ہی۔ اس کا دروازہ پچاس فیٹ بلند اور بڑی شان کا سنگ سُرخ اور سنگ مرمر کا بنا ہوا ہی۔ مقبرے کا چبوترا دو سو فیٹ مربع چوڑی کی سیلون کا ہی۔ چاروں کونوں پر سر بفلک نہایت سڈول سو فیٹ اونچی مینارین ہیں جو بڑے بڑے بھاری پتھروں کی بنی ہوئی ہیں۔ چبوترے کے گرد نہایت نفیس سنگ مرمر کی جالیوں کی دیوار تھی جس کا پتھر رنجیت سنگھ اُکھڑوا کر لے گیا اور اُسی کی جگہ ایک سڑیل سی دیوار کھنچوا دی جو اب موجود ہی۔ میناروں کی ایک گیلری پر سے لاہور اور راوی کے وادی کی خوب سیر دکھلائی دیتی ہی۔ بمقابلہ کشادہ چبوترے اور نہایت اونچی میناروں کے بیچ کا گنبد چھوٹا نظر آتا ہی۔ قبر کا تعویذ نہایت شفاف سنگ مرمر کا ہی جس پر نود نہ نام باری تعالیٰ کے منقش ہیں۔ جہانگیر بادشاہ کے مقبرے کے مغرب میں ایک دروازہ ہی اُس کے اندر آصف جاہ کا مقبرہ ایک اُبھار باغ کے اندر جو کچھ نقاشی اور رنگین اینٹوں کا کام اس کا اب باقی رہ گیا ہی۔ اُس سے معلوم ہوتا ہی کہ یہ مقبرہ کاشانی کام کے اعتبار سے سب سے بڑھا ہوا تھا۔ اس کے مغرب میں بڑا بھاری گنبد نور جہاں کا ہی جو سب سے زیادہ خراب وخستہ حالت میں ہی لاہور سے (۲۲) میل شیخو پورے کی بستی ہی جس میں جہانگیر کے بنائے ہوئے قلعہ کے کھنڈر ہیں اور ایک بڑا بھاری اینٹوں سے چنا ہوا محل ہی (بقیہ نوٹ برصفحہ آئندہ)

کوئی مستقل رائے قائم نہ ہوئی محمود شاہ نے دیکھا کہ نظام الملک کا رجحان نادر شاہ کی

(تکملہ نوٹ (۱) صفحہ گزشتہ) (جہانگیر) نے سوایا - جس مقبرے کا گنبد نیلا نیلا چمک رہا ہے وہ شیخ موسیٰ آہن گر کا ہے یہ مقبرہ کسی زمانے میں سارے کا سارا رنگین ٹائیلوں سے آراستہ تھا جوات قریب قریب ساری کی ساری اکھاڑ لی گئی ہیں اس سے کئی سو گز کے فصل سے اور ایک چھوٹا گنبد ہے اس کی دیواروں پر اب تک ٹائیلز موجود ہیں ایک اور عمارت ہے جو برجی کی ہے جو بہترین نمونہ رنگین ٹائیلوں کے کام کا ہے یہ اصل باغ کا دروازہ ہے جس کے دو کاریز نیلی اور سبز اینٹیں لگی ہوئی ہیں یورپین طرز کی ساری عمارتیں "مال" میں ہیں پنجاب یونیورسٹی مع سینیٹ ہال قابل دید عمارت ہے اورینٹل کالج لاہور گورنمنٹ کالج - سنٹرل ٹریننگ کالج - میڈیکل کالج - لا سکول - ہائی سکول - اسلامیہ کالج میو ہاسپیٹل (جس میں (۱) مریضوں کے بستروں کی گنجائش ہے) میو سکول آف آرٹس لاہور میوزیم - یہ ساری عمارتیں دیکھی جائیں۔

لاہور سے قریب چھ میل کے شالامار کا وہ مشہور باغ ہے جس کا آوازہ تمام دنیا میں ہے جس کا داخلی دروازہ بڑا شاندار ہے باغ کے گرد ایک بلند دیوار کا احاطہ ہے جس کے چاروں کونوں پر برج سے ہوئے ہیں باغ کی زمین ڈھلواں ہو کر تین چبوترے سائے ہیں جن میں سیڑھیاں ہیں یہ باغ شاہ جہاں بادشاہ نے ۱۶۳۷ء میں سوایا تھا بیچ میں ایک بڑا تالاب ہے جس میں سے چو طرف نہریں دوڑتی اور باغ کو سیراب کرتی ہیں۔ تالاب کے بیچ میں ایک جزیرہ بھی بنا ہوا ہے باغ میں چاروں طرف بے شمار فوارے ہیں عمارات بہت پرانی اور بوسیدہ ہو گئی ہیں اور کس مپرسی کی حالت میں ہیں، لیکن جب کبھی یہ ملع آباد رہا ہوگا تو ضرور رشک ارم ہوگا اسی کے اردگرد اور بہت سے باغ ہیں وہ بھی اسی اچھی جگہ اچھے ہیں ان میں سب سے بہتر شالامار باغ سے کوئی نصف میل پر گلابی باغ ہے جو ۱۶۵۵ء میں بنا تھا اس کا دروازہ بہت عالی شان اور خوب صورت ہے جس میں رنگین ٹائلیں کثرت سے لگی ہوئی ہیں میاں میر کی چھاؤنی لاہور سے تین میل ہے یہاں انگریزی فوج گوروں اور ہندوستانیوں کی رہتی ہے - یہ مقام اورنگ زیب کے زمانے کے ایک بزرگ حضرت میاں میر کے نام پر آباد ہوا ہے جن کا گنبد وسط شہر میں سنگ مرمر کے ایک (بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

پائی لیکن رزم گاہ ہی میں پڑے رہے۔ چند دن پریشانی اور تذبذب کی حالت میں گزرے

(تکملہ نوٹ نمبر (۱) صفحہ گزشتہ) ایک کنول کا بڑا پھول بنا ہوا ہے جس کے گرد اور گیارہ چھوٹے پھول ہیں یہی سمادھ ہے جہاں رنجیت سنگھ مع اپنی گیارہ رانیوں کے جلائے گئے تھے۔ حضوری باغ کے پھاٹک کے باہر ہی سکھوں کے پانچویں گرو ارجن سنگھ کا مندر ہے جنھوں نے گرنتھ آدینہ... کی تھی اور جو روزانہ رنجیت سنگھ کے سمادھ پر پڑھی جاتی ہے۔ شہر میں اور بھی کئی بڑی اور عمدہ مسجدیں ہیں وزیر خان کی مسجد شاہ جہاں کے وزیر نے ۱۶۳۴ء میں بنوائی تھی۔ اس کی دیواریں بھی رنگین ٹیلوں سے آراستہ ہیں۔ اس کا صحن (۱۳۰ فٹ) مربع ہے۔ دالانوں میں تمام کلام مجید کی آیتیں منقوش ہیں میناروں میں اسّی سیڑھیوں کا چکّر دار زینہ ہے۔ مینار پر سے شہر کا خوب تماشا نظر آتا ہے مسجد کے صحن میں عبد العشاق کا مزار ہے۔ جس کے گرد ہمیشہ لوگوں کا مجمع رہتا ہے اور سارے شہر کی خبر یہاں سن لو اور بیوپار بھی خوب ہوتا ہے مسجد کی چوطرف کی گلیاں دیکھنے کے قابل ہیں مکانوں کے برآمدے اور چوکھٹیں بڑی نقاشی سے آراستہ ہیں۔ لاہور میں سب سے عمدہ قابل دید مکان مستی پھاٹک کے پاس راجہ ہربنس سنگھ کا ہے جو جہانگیر کی سلطنت کا بنا ہوا ہے سنہری مسجد ایسی پرانی نہیں ہے۔ ۱۷۵۳ء میں بنی ہے اس کا موقع محل بہت اچھا ہے۔ اس کے تین سنہری گنبد دھوپ میں اپنی چمک سے نظر کو خیرہ کرتے ہیں مسجد کے پیچھے ایک بہت بڑی بھاری سیڑھی دار باولی ہے۔ ہیرا منڈی کے وسیع میدان میں بڑا اژدحام خلایق کا رہتا ہے۔ افغان کشمیری اور دوسری پہاڑی اور وسط ایشیا کی مختلف اقوام کے لوگ کثرت سے رہتے ہیں۔ بازاروں میں خاک بہت اُڑتی ہے۔ مال کے قریب انار کلی کا مقبرہ ہے۔ جس میں اب سینٹ جیمس کا گرجا ہے۔ انارکلی دربار اکبری کی ایک بیگم تھی جس پر شہزادہ سلیم کی نگاہ تھی۔ راست و دروغ برگردن راوی۔ کہتے ہیں کہ جب یہ راز فاش ہوا تو اکبر نے اُسے زندہ گڑوا دیا (لیکن اکبر جیسے دانش مند اور رحم دل بادشاہ سے ایسا فعل مجھے تو بعید معلوم دیتا ہے) قبر کا تعویذ جو مقبرے کے بیچ تھا اُسے یہاں سے نکال کر پیچھے کے ایک کمرہ میں ڈلوا دیا ہے۔ یہ تعویذ نہایت نفیس سنگ مرمر کا بہت نقش و نگار سے آراستہ ہے جس پر نو دو نہ نام باری تعالیٰ کے کندہ ہیں اور ایک کتبہ بھی اس مضمون کا ہے کہ انار کلی کی یادگار میں یہ مقبرہ شہزادہ سلیم (بقیہ نوٹ برصفحہ آئندہ)

کی صورت اختیار کرلی جس میں محمد شاہ کی فوج سے جس کی تعداد دو لاکھ تھی شکست

(دیکھو نوٹ نمبر (۱) صفحہ گزشتہ) عجیب غریب اور سادہ زرہ۔ تلواریں بندوقیں اور بریں ہیں
اکبر کے محل کی چھت پر سے عجیب پُرلطف نظارہ ہوتا ہے ایک طرف تو سارا شہر پیش نظر ہے
اور دوسری طرف پنجاب کا سرسبز شاداب وسیع میدان جس میں جابجا گنبد چمکتے ہوئے ہیں اور
کہیں کہیں گاؤں نظر آتے ہیں۔ دریائے راوی کو دیکھو تو وہ اس میدان میں اس طرح بل کھاتا
ہوا علا جاتا ہے جیسے چاندی کا تختہ بچھا ہوا ہے قلعہ میں اور دوسری عمارتیں دیوان خاص
اور خواب گاہ کلاں ہیں یہ دونوں جب ایسی حالت پر قائم ہوں گی تو بڑی عمدہ
اور شاندار ہوں گے اب جب کہ ان پر ادھار چند سفیدی کی تہیں چڑھ گئی ہیں
تو ان کے نقش ونگار کیا باقی رہ سکتے ہیں علاوہ اس کے فوجی بارکوں کے واسطے کافی جگہ
کاٹنے کے لئے ان کا بہت سا حصہ گرادیا گیا۔ اب بحر قلعہ سے روشنائی دروازے سے
باہر نکلنے کے بعد داہنی طرف حضوری باغ کا دروازہ ملتا ہے موجودہ خراب وخستہ
حالت میں ہے البتہ کبھی یہ باغ بے نظیر رہا ہو گا اس کے بیچ میں ایک نہایت نفیس اور خوبصورت
سنگ مرمر کا پولیس ہے اس باغ کی داہنی جانب ایک بڑی فصیل کی دیوار کے بیچ میں بڑا
عالی شان دروازہ ہے جس میں سے عہد اکبری میں قلعہ میں جایا آیا کرتے تھے مگر اب بند کردیا گیا ہے
اس دروازے کے برج بے نظیر ہیں باغ کی بائیں طرف جامع مسجد کی ویران عمارت
ہے جس میں رنجیت سنگھ نے اپنا سلاح خانہ رکھا تھا اب سرکار انگریزی نے یہ مسجد
مسلمانوں کو دے دی ہے مگر اب بھی اس کی حالت کچھ درست میں ہے اس کا صحن (۳۲۰)
مربع ہے ہرے بھرے سایہ دار درختوں سے بھرا ہوا ہے مسجد کی سنگ سرخ کی عمارت
درختوں کی سبزی میں بڑی بہار دیتی ہے۔ صحن باغ سے بائیس سیڑھیاں چڑھ کے
مسجد میں داخل ہوتے ہیں سب سے نیچے کی سیڑھی تو سو فیٹ لمبی ہے اس کے
مینار جو ڈیڑھ سو فیٹ بلند ہیں وہ آسمان سے باتیں کرتے ہیں یہ مسجد بھی ہندوستان
کی نادر عمارتوں میں ہے مسجد کی شاندار مگر بے رونق عمارت کے پاس ہی ایک
زرق برق عمارت رنجیت سنگھ کے سمادھ کی ہے۔ جس کا اندرونی حصہ نہایت عجیب وغریب
طور پر مختلف شیشوں سے سجایا گیا ہے جس کے بیچ میں ایک مرتفع چبوترہ ہے (دیکھو نوٹ نمبر ۲ صفحہ آیندہ)

بیٹھے رہے - تب لوٹ مار شروع ہوئی اور اس لوٹ مار نے آگے چل کر جنگ

(تکملۂ نوٹ نمبر (۱) صفحۂ گزشتہ)
کا رقبہ (۶۴۰) ایکڑ ہے جس کے گرد ایک بھدی سی اینٹوں کی دیوار تیس فیٹ اونچی کھنچی ہوئی ہے - اس کے گرد خندق بھی جو حال میں پاٹ دی گئی اور اُس پر باغ لگا دیا گیا - شہر لاہور کی فصیل کے بارہ دروازے ہیں - موجودہ شہر قدیم شہر کے منہدمہ میدان پر بنا ہوا ہے - گلیاں تنگ اور چکردار ہیں اور گلیوں کا ایسا جال بچھا ہوا ہے کہ گویا بھول بھلیاں ہو گیا ہے - مکانات عالی شان اور بعض بہت آراستہ ہیں - بازار بھیڑ سے گھیچ پیچ گرد آلود اور متعفن ہیں لیکن مال تجارت سے پُر اور بہار خوب ہے - انگریزوں کی بستی شہر کی فصیل کے باہر جنوب رخ پر ہے - شارع عام جو مال کہلاتا ہے تین میل لمبی سڑک ہے جس کی دونوں طرف کچہریاں - کوٹھیاں - اور خوب صورت دُکانیں اور گرجے بنے ہوئے ہیں - یہیں مال پر کئی عمدہ ہوٹلیں ہیں - زمانہ قدیم کی عمارتوں میں **قلعہ** اور اُس کے گرد کے مکانات ہیں قلعہ میں بہت کچھ کاٹ چھانٹ کی گئی ہے اُس کی پہلی حالت باقی نہیں رہی اب جو کچھ باقی رہ گیا ہے اُس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ قلعہ دلّی اور آگرے کی ٹکر کا نہ تھا - قلعہ میں داخل ہونے کا دروازہ **روشنائی دروازہ** بڑا عالی شان ہے جس کے دالان بھی بڑے دل کش اور کاشانی ٹائیلوں سے آراستہ ہیں - اس قسم کی رنگین اینٹیں پہلے وسط ایشیا میں کثرت سے مستعمل تھیں جن کو پہلے پہل پنجاب میں ایرانی ہی لائے - بائیں طرف کی پہلی عمارت **موتی مسجد** ہے جسے جہانگیر بادشاہ نے ۱۵۹۵ء میں بنایا تھا - چوں کہ اس میں ایک مدت دراز تک انگریزی سرکار کا اسٹرانگ روم رہا ہے اور تہ بر تہ سفیدی کی چڑھی ہے اس وجہ سے بالکل ستیاناس ہو گیا - اس سے تھوڑی دور آگے بڑھ کر زنانہ حال کا بنایا ہوا اسکھوں کا مندر رہی ہے - اس کے بعد اکبر کے محل کا کچھ بچا کھچا حصہ ہے جس میں شاہ جہاں اور اورنگ زیب نے بھی توسیعات کی تھیں - دالانوں میں اینٹ کی ٹائلیں لگی ہوئی ہیں جن پر سیر و شکار کی اور کچھ دوسری تصویریں بنی ہوئی ہیں **شیش محل** بھی یہیں ہے جو ۱۳۰×۱۰۰ کی چورس عمارت ہے - اسی میں ۱۸۴۹ء میں پنجاب کی سلطنت برٹش گورنمنٹ کے سپرد کی گئی - **نولکھا** کا پویلین اور تمام تر سنگ مرمر کا ہے جس میں پچیکاری کا نہایت نفیس کام ہے - **سلاح خانے** میں قدیم اور نادر ہتیار گرو گوبند سنگھ کی ڈھال - تبر - دیوار سے آویزاں ہے اور نہایت

(بقیہ نوٹ نمبر ۱ صفحۂ آیندہ)

ہوئے مگر چند دنوں تک دونوں طرف سے لڑائی نہ ہوئی وہ اُدھر اور یہ ادھر جا موجود

(بقیہ فٹ نوٹ نمبر (۱) صفحہ گذشتہ)
پہنچتے پہنچتے اس درے کی بلندی سطح زمین سے ستر و سو میٹ ہو گئی ہے۔ درۂ خیبر میں داخل ہونے کے لیئے امیران سرحدی کے پروانے کی ضرورت ہے۔ یہاں چرچ مشنری سوسائٹی ۱۸۵۳ء سے قایم ہے جس میں کئی کئی پادری ہیں اور ایک کتب خانہ ہے جس میں ہر قسم کی چار ہزار کتابیں ہیں اور کئی سکول ہیں اور اب تو ایک کالج بھی بن گیا ہے پبلک میں ایک مشہور اسٹیٹیوٹ ہے جس میں ریڈنگ روم اور لکچر ہال ہے چرچ آف انگلینڈ زنانہ مشنری سوسائٹی میں دو لیڈیاں تعلیم دیتی ہیں اور دو علاج معالجہ کرتی ہیں ان کے لیئے گورکھتری میں جو شہر میں سب سے اونچا مقام ہے مکانات بنے ہوئے ہیں اور ہسپتال بھی ہے جو ڈچس آف کناٹ کے نام نامی سے موسوم ہے اور جناب ممدوحہ کی تشریف آوری کی یادگار میں جب کہ آپ نومبر ۱۸۸۳ء میں تشریف لائی تھیں بنائی گئی ہے۔ یہاں فوج بھی رہتی ہے۔

(بقیہ فٹ نمبر (۱) صفحہ گذشتہ)
سلہ لاہور۔ دلی سے راہ ریل (۳۵۶) میل ہے۔ لاہور صوبہ پنجاب کا دار السلطنت ہے۔ لفٹنٹ گورنر کا مستقر یہی ہے۔ میاں میر کی چھاونی ملا کر ڈیڑھ لاکھ کی آبادی ہے جس میں سے چھیاسی ہزار مسلمان ہیں۔ لاہور ایک قدیم شہر ہے لیکن جو کچھ عروج اسے ہوا سلاطین مغلیہ کے زمانے میں ہوا اُس زمانے میں اس کی شان و شوکت اور وسعت کا کیا پوچھنا اب سے دگنی تگنی آبادی تھی۔ اکبر نے قلعہ کو وسعت دی اور مستحکم کیا اور شہر کے گرد ایک مضبوط فصیل بنوائی جس کا کچھ حصہ اب تک بھی باقی ہے اسی کو آگے چل کر رنجیت سنگھ نے اپنے نام سے منسوب کر لیا۔ جہانگیر نے خوابگاہ، موتی مسجد، انارکلی کا مقبرہ اور خود اپنا مقبرہ بنوایا جو مشہور اور بہت خوبصورت عمارتوں میں ہے۔ جامع مسجد اورنگ زیب کی بنوائی ہوئی ہے موجودہ شہر لاہور میں ہر جگہ رنجیت سنگھ کا اثر نمایاں ہے۔ اس کے وقت کی عمارتوں میں صرف ظاہری ٹیم ٹام ہے مگر اُن میں خوش مذاقی نہیں اور فن کی حیثیت سے ایک عمارت کے کوئی خوبی اور ندرت ہے۔ رنجیت سنگھ کے شہر

رنجیت سنگھ

لاہور کو پہلے ہی ایسا کر دیا تھا کہ تم زیادہ معترض نہ ہونا اس لیئے دونوں لشکر بالمقابل

(بقیہ نوٹ (۱) صفحہ گزشتہ)
افغانستان ایران اور ترکستان کے مابین تجارت کی ایک بہت بڑی منڈی تھی — مگر اب تو وہ صرف تجارتی مال کے درآمد و برآمد کا ایک بڑا مقام ہو کر رہ گیا ہی۔ یہاں بڑی گہما گہمی ہی کہ ہر ملک اور خطے کے لوگ نظر آتے ہیں اور پشاور گویا افغانوں ہی کا شہر معلوم دیتا ہی۔ افغان بڑے تنومند اور گٹھے ہوئے ہوتے ہیں ان کے میلے کپڑے اور پوستین شاید ہی کبھی دھلتی ہوں — یہ لوگ پشاور سے گزر کر ہندوستان کے مختلف اور ناحیہ یا اور دوسرے دور مقاموں میں پہنچتے ہیں — یہ لوگ نکمے گھوڑے — خام ریشم — قرمز — ادویہ میوے — انگور کی پٹاریاں — اور اپنے ملک کی انواع و اقسام کی پیداوار لیئے پھرتے ہیں پشاور کی مشہور چیزیں چھری چاقو اور ہتیار ہیں اور یہاں کی لنگیاں بہت عمدہ ہوتی ہیں اور چونکہ ہر دیار کا آدمی یہاں ہی ہر قسم کی چیز یہاں میسر آتی ہی — پشاور کا یہ شہر قریب اُس مشہور درۂ خیبر کا مشرقی دہانہ ہی جس مقام نے تاریخ ہند میں بڑا حصہ لیا ہے خصوصاً ان لڑائیوں میں جو انگریزوں اور افغانستان کے درمیان ہوئی ہیں بڑے معرکے کا مقام رہا ہی — یہ درہ زمانۂ دراز سے تجارت — فتوحات یا جنگ کے لیئے ہندوستان میں داخل ہونے کا دروازہ رہا ہی — درہ جمرود کے قلعہ سے شروع ہوتا ہی جو پشاور سے دس میل ہی — یہ گھاٹی یہیں سے سات ہزار فیٹ اونچے پہاڑوں ہی پہاڑوں میں چکر کاٹتی سانپ کی طرح بل کھاتی (۳۳) میل تک چلی گئی ہی — جمرود کا قلعہ ایک سو فیٹ اونچی پہاڑی پر بنا ہوا ہی اس قلعہ کی پتھر کی بہتری فصیل ہی اور یہ قلعہ بہت مضبوط اور مستحکم ہی — جمرود سے تین میل پر ایک چھوٹا سا گاؤں قدم نام کا پہاڑ کی چوٹی پر بنا ہوا ہی اور یہیں سے درۂ خیبر میں جانے کا رستہ ہی — گھاٹی کے دو طرفہ پہاڑ جوں جوں آگے بڑھو سمٹتے سے چلے آتے ہیں — نصف میل ہی میں ڈیڑھ سو فیٹ کی چوڑان رہ گئی ہی اور اس سے آگے ایک میل پر تو صرف تیس گز چکلا رستہ ہی اور دو طرفہ ساٹھ فیٹ سے لے کر سو فیٹ تک اونچے پہاڑ سر پر کھڑے ہیں — جمرود سے ساڑھے چھ میل پر علی مسجد ہی یہاں گھاٹی کا عرض صرف پندرہ فیٹ ہی رہ گیا ہی اور پہاڑوں کو دیکھو تو آسمان سے جا لگے ہیں ایک ہزار سے تیرہ سو فیٹ تک کی بلندی ہو گئی ہی بلندی کی کل

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)

موقع ہوا کیوں کہ انتظام الملک کے لیے صوبہ داران پشاور[1] و

[1] پشاور دلی سے براہ ریل (۵۳۷) میل ہے۔ شہر اور چھاؤنی ملا کر اسی ہزار کی آبادی ہے۔ یہ شہر بہت قدیم اور تاریخی مقام ہے جو سلطنت ہند کی سرحدی زمین متنازعہ پر واقع ہے۔ یہاں کے حالات کا کھوج لگاؤ تو آریں زمانے تک پہنچیں گے۔ سکندر اعظم کی فتوحات میں پشاور کا ذکر ہے۔ آٹھویں صدی عیسوی پشاور افغانوں کے قبضے میں آگیا اس کے بعد وہ لگاتار کوئی ہزار فاتحین کے مقبوضات میں رہا تا آنکہ ۱۸۴۹ء سے برٹش گورنمنٹ کی سلطنت میں آگیا۔ شہر کے گرد کچی فصیل سکھوں کے جنرل ایوی ٹبیل (ایک اٹیلین سیاح) کی بنائی ہوئی ہے جس کے سولہ دروازے ہیں جو غروب آفتاب کے ساتھ بند کر دیئے جاتے ہیں۔ یہاں کا بڑا بازار وہ ہے جس کی سڑک کابلی دروازے میں سے نکلتی ہے۔ یہ بازار (۵۰ فٹ) چوڑا ہے جس کے دو طرفہ دکانیں ہیں۔ یہ بازار بہت آباد ہے بڑی بھیڑ بھاڑ اور چہل پہل رہتی ہے۔ اس بازار سے اور دو طرفہ چھوٹی چھوٹی گلیاں نکلتی ہیں اور بہت سی گلیوں میں عمدہ عمدہ مسجدیں ہیں۔ ایک بڑی عمارت جو گور کھتری کے نام سے مشہور ہے پہلے بدھ لوگوں کی خانقاہ تھی اس کے بعد ہندوؤں کا مندر رہا اور اب سرائے ہے جس میں وسط ایشیا کی ہر قوم کے عجیب و غریب شکل و لباس کے لوگ بھرے رہتے ہیں۔ اس سرائے کی چھت پر سے پشاور کی ساری پہاڑی گھاٹیوں اور برف سے ڈھکے ہوئے اونچے اونچے پہاڑوں کا بڑا پر لطف نظارہ ہوتا ہے۔ فصیل کے قریب ہی ایک چوپہل گڑھی پہاڑ پر بنی ہوئی ہے جو بالا حصار کہلاتی ہے۔ اس کے چاروں کونوں پر چار برج اور بہت سا سامان جنگ اور بڑی بڑی توپیں چڑھی ہوئی ہیں۔ دیواریں اینٹوں کی ہیں جو قریب سو فیٹ کے بلند ہیں۔ حوالی شہر میں بھاتا ماری اور باغبان میں متعدد باغات ہیں جن میں انواع و اقسام کے میوہ جات۔ بہی۔ انار۔ بیر۔ لیموں۔ آلو۔ سیب وغیرہ کثرت سے ہوتے ہیں۔ پشاور کے شمال میں باغ شاہی کی ایک بڑی عمدہ سیرگاہ ہے۔ شہر کے مغرب میں دو میل پر چھاؤنی اور محکمہ جات سیول شہر کے گرد و نواح میں دیہاتوں کا ایک سلسلہ تھا جن میں کے بہت سے گر گرا گئے اور تھوڑے سے رہ گئے ہیں۔ پشاور موقعی لحاظ اور ریلوے کے خاتمہ پر واقع ہونے سے ہندوستان (امپیریل گزیٹیر آف انڈیا)

لوگوں نے بہت اُبھارا کہ عبد اللہ خاں سے فرخ سیر کے قتل کا بدلہ لے لیکن محمد شاہ آخر بادشاہ تھا کسی سے انتقام لینا بادشاہوں کی شان کے خلاف ہے محمد شاہ اپنی دریا دلی کو کام میں لایا اور صاف انکار کر دیا کہ ایک بھائی پہلے ہی قتل ہو چکا تھا یوں بھی اب زور گھٹ گیا تھا۔ ۱۷۲۱ء میں بادشاہ نے نواب نظام الملک کو دہلی طلب فرمایا۔ ظاہر یہ کیا کہ مملکت کا شیرازۂ نظم درست کرنے کے لیئے بلایا ہے اور اصلی غایت اُن کا زور توڑنا تھا۔ نظام الملک بڑا دانا تھا اپنی جگہ سنبھل سنبھال کر آیا بیس ہزار کا باڈی گارڈ ساتھ لایا۔ محمد شاہ دبک گیا اور اپنے ارادے سے باز رہا۔ محمد شاہ خان دوران خاں کی مٹھی میں تھا اور اُسی کے صلاح مشورے پر چلتا تھا۔ نظام الملک کی کچھ چلتی نہ تھی انھوں نے بھی دخل دہی چھوڑ دی اور کبیدہ خاطر دکن کو چپ گئے۔ بادشاہ کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لیئے نظام الملک نے مرہٹوں کو آنکھ دے دی۔ مرہٹے ہندوستان کے شمالی صوبہ جات پر حملے کے لیئے آمادہ ہو گئے مگر محمد شاہ کے کان پر جوں نہ چلی تا آں کہ باجی راؤ پیشوا دلی کے قریب چھ میل پر کالکا تک آن پونہچا جہاں میلا ہو رہا تھا۔ مرہٹوں نے شاہی لشکر کو شکست دی مگر سعادت خاں نے اُن کو منہ بھرائی دے دلا کر واپس کیا۔

نظام الملک پھر طلب ہوئے۔ پھر اُن کی نہ چلی اور اُن کے صلاح مشوروں پر پھبتیاں اُڑنے لگیں اس لیئے نظام الملک نے سعادت خاں کو گانٹھا اور دونوں نے مل کر ایران کے بادشاہ نادر قلی خاں عرف نادر شاہ کو بلوایا کہ وہ بھی تو رنگیلے محمد شاہ کو ہوش میں لائے۔ وہاں کیا دیر تھی وہ تو ہندوستان کے نام پر اُدھار کھائے بیٹھا تھا ۱۷۳۹ء میں چھپن ہزار سواروں کا جرار لشکر لے کر چل پڑا۔ محمد شاہی فوج بھی دلی سے نکل کر کرنال (دلی سے (۷۵) میل) کے میدان میں جا پڑا۔ نادر شاہ کو کسی سخت مقابلے کا

نادر شاہ

حسین علی خاں آگرے کے قریب مارا گیا۔ محمد شاہ نے دیکھا کہ اب موقع اچھا ہے
وہیں سے دلی پلٹ گیا تاکہ حسین علی کے دوسرے بھائی کا بھی فیصلہ کرے لیکن
عبداللہ خاں بادشاہ کے مقابلے پر نکلا مگر شکست پائی اور متھرا کے شمال میں
کوئی بیس میل پر بمقام شیر گڈھ قید کر لیا گیا۔ اسی حالت میں اسے دلی لائے اور
یہاں آنے کے بعد وہ انھیں زخموں سے جو لڑائی میں پہنچے تھے مر گیا۔ محمد شاہ کو

(تکملہ نوٹ صفحہ ۱) صفحہ گذشتہ

یہاں کے مشہور مقامات ریزیڈنسی - بیلی گارڈ - ہیں جو میجر بیلی ریزیڈنٹ نے ۱۸۱۶ء میں بنوائے تھے۔ ریزیڈنسی کے پاس ہی گرجا ہے جس میں سیحر صاحب مدفون ہیں۔ مچھی بھون یہ نام اس سبب سے پڑا کہ بادشاہان اودھ کا شاہی نشان مچھلی تھا۔ چھتر منزل اس میں اب یونائیٹڈ سروس کلب ہے۔ اودھ ایگری ہارٹی کلچرل سوسائٹی کا باغ۔ سکندر باغ جس کے وسیع احاطے میں غدر میں دو ہزار سپاہی قتل کیے گئے اسی باغ کے پاس مارٹینیر کالج جو میجر جنرل کلاڈ مارٹن نے بنوایا۔ جنھوں نے ۱۸۰۰ء میں انتقال کیا اور کالج ہی کے تہ خانے میں دفن ہیں۔ ونگفیلڈ پارک جو نہایت نفاست سے پھولوں اور کیاریوں سے آراستہ ہے۔ بنارسی باغ۔ قیصر باغ۔ امین آباد پارک۔ نجف اشرف۔ موتی محل۔ قدم رسول۔ خورشید منزل۔ لال بارہ دری۔ موسیٰ باغ۔ عالم باغ۔ دل کشا۔ جامع مسجد جس کی بلند مینارین دور دور سے نظر آتی ہیں بلحاظ نفاست عمارت اور عظمت وشان کے امام باڑے کے بعد اسی کا نمبر ہے۔ دریائے گومتی پر چودہ دروں کا اینٹوں سے بنا ہوا پل جو سنہ [illegible] میں نواب آصف الدولہ نے بنوایا تھا ایک عجیب وغریب عمارت ہے۔ یہاں گوروں کی فوج بھی ہے۔ لکھنؤ میں ہر قسم کا سامان بافراط اور نہایت نفیس ملتا ہے۔ یہاں کا عطر۔ تمباکو۔ خربوزہ۔ آم۔ سب ہی چیزیں لاجواب ہیں۔ ہر قسم کا ریشمیں پارچہ۔ چوڑیاں۔ زیرپائیاں۔ سلم جوتے۔ گوٹا کناری۔ چکن۔ ٹوپیاں۔ سونے چاندی کے زیورات۔ پیتل اور چاندی کے ظروف غرض کون سی چیز ہے جو لکھنؤ میں نہیں ملتی۔ اب کہ اجاڑ کہلاتا ہے یہ حال ہے تو جب بادشاہت قائم ہوگی اور شہر بھرپور آباد ہوگا اور ہر چیز رونق پر ہوگی تو کیا کچھ ہوگا۔ اب بھی ان بڈھوں سے پوچھیے جن کی آنکھوں نے لکھنؤ کو لکھنؤ کی اصلی حالت میں دیکھا ہے کہ کیا کچھ تھا واقعی یہ شہر زمانہ شاہی میں بہشت بریں تھا اور اب تو اجڑا دیار ہے۔ ۱۲

۱۷۲۰ء میں محمد شاہ سید حسین علی خان کو ساتھ لے کر نظام الملک کے بندوبست کو چلا۔

(تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ)
و ہولکر را با افواج مرہٹہ ہمراہ گرفتہ تا بہ اورنگ آباد رسیدہ بود کہ بقضائے الٰہی بمرگ مفاجات این سرائے غرور را پدرود نمود این واقعہ ہفتدہ روز از داخل شدن اورنگ آباد یعنی بتاریخ ۷ ذی حجہ سال مذکور واقع شدہ رفقائے اولاش اورا بہ شاہجہان آباد آوردہ بخاک سپردند واین غازی الدین را پسرے بود میر شہاب الدین نام کہ بعد وفات پدر بسعی وسفارش نواب صفدر جنگ بخطاب عماد الملک غازی الدین خاں بہادر ملقب گشتہ عہدۂ امیر الامرائی یافت واین ہماں عماد الملک است کہ بادشاہ خود را کحول ساختہ عالم گیر ثانی را قتل نمود۔ (از مفتاح)

(نوٹ ۵ صفحہ گزشتہ) لکھنؤ۔ دلی سے براہ مراد آباد بذریعہ ریل (۳۰۲) میل ہے۔ لکھنؤ ایک ایسا بڑا اور مشہور تاریخی مقام ہے کہ اس کے لیئے ایک جداگانہ کتاب چاہیئے۔ ۱۸۵۷ء کے غدر میں دلی کی طرح یہاں بھی بڑا معرکہ رہا۔ جن صاحبوں کو شوق ہو وہ کے صاحب کی تاریخ غدر کی جلد سوم اور ہملٹن صاحب کی لکھنؤ کی گیئڈ دیکھیں۔ صوبہ اودہ کا یہی دار السلطنت ہے اور ہندوستان کے شہروں میں کلکتہ۔ مدراس اور بمبئی کے بعد چوتھا نمبر اسی کا ہے۔ چھاونی ملا کر تین لاکھ کی آبادی ہے۔ ۱۷۳۲ء میں نواب سعادت علی خاں صوبہ دار نے لکھنؤ کی جداگانہ سلطنت قائم کی۔ اس شہر کی رونق اور عظمت چوتھے نواب آصف الدولہ کے وقت سے ہوئی۔ انھوں نے حسین آباد کا مشہور امام باڑہ دس لاکھ کے صرف سے بنوایا جس کا وسیع ہال ۱۶۲ × ۵۴ ہے اور کل عمارت اندر سے ۲۶۳ × ۱۴۵ ہے۔ یہ عالی شان عمارت ۱۷۸۴ء کے قحط میں بطور رلیف ورک کے بنوائی گئی تھی۔ ۱۷۹۸ء میں نواب اودھ نے نصف سلطنت بمعاوضہ فوجی حفاظت کے انگریزوں کے حوالے کر دی جس کی یہ تاریخ ہے:۔

۵

خود بخود این دور دورنگی گرفت — ملک نواب فرنگی گرفت۔

۱۸۰۱ء کے عہد نامہ کی رو سے ملک اودھ برٹش گورنمنٹ کی پوری نگرانی میں آگیا اور بالآخر نواب کی بدانتظامی کی وجہ سے ۱۸۵۶ء میں انگریزی عملداری میں شامل کر لیا گیا۔ غدر میں ریذیڈنسی کا محاصرہ اور انگریزوں کا باغیوں سے مقابلہ کرنا ایک بڑا عظیم الشان معرکہ تھا

(اس نوٹ کو صفحہ ۲ مابعد میں ملاحظہ)
لکھنو میں اپنی ایک جداگانہ سلطنت ہی قایم کرلی تھی۔ سلطنت کے دوسرے سال

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ)
راتائب خود مقرر ساختہ بود مدار الخلافت تنافت نصل علی خان تاریخ رسیدان او چنین در سلک نظم کشید۔

۵

صد شکر دات دیں پناہی آمد — رونق دہ ملک بادشاہی آمد
تاریخ رسید بس بگوشم ہاتف — گفت آیت رحمت الٰہی آمد

نظام الملک در معارئہ نادرشاہی کہ در ۱۱۵۱ھ واقع شدہ حاضر بود۔ از آثار خیر اوست شہرپناہ برہان پور کہ در ۱۱۴۱ھ ساساختہ۔ وفاتش سی ہفت روز بعد از وفات محمد شاہ یعنی بتاریخ ۴ جمادی الآخری ۱۱۶۱ھ در برہان پور واقع شدہ عمرش (۱۰۴) سال سیدہ گویند کہ وقت بر داشتن لاش عرنوار خلق برخاست کہ زمین و آسمان در گریہ آمد امرائے عظام جنازہ اش را دوش بدوش بہ میدا لیے رسانیدند و نماز ادا کردہ در روضۂ شاہ برہان الدین غریب محلہ آباد ضلع اورنگ آباد روانہ ساختند و پایان مرقد او بخاک سپردند۔ میر غلام علی آزاد تاریخ وفات او در متوجہ ہشت یافتہ۔ چون نظام الملک و نواب اعتماد الدولہ قمر الدین خان وزیر محمد شاہ بادشاہ در ہمین سال یکے بعد دیگرے وفات نمودند تاریخ ایشان ہم میر موصوف چنین گفتہ:۔ تاریخ

(۱) سہ رکن مملکت ہندار جہاں رفتند — ما جنیف سہ دو تر یگانہ ار کف دہر
برائے رحلت این ہر سہ یافتم تاریخ — بماند شاہ و رہاں ماو وزیر و آصف دہر

(۲) گشتت تاریخ چون کشیدم آہ — ۱۱۶۱ فوت شاہ و وزیر و آصف جاہ

۱۱۶۱
وقت وفات شش پسر اوماندہ بودند یکے نواب امیر الامرا غازی الدین خان فیروز جنگ دوم میر احمد ناصر جنگ سوم صلابت جنگ چہارم نظام علی خان پنجم بسالت جنگ ششم مغل علی خان۔ چون کہ در حین وفات او پسر دوم ناصر جنگ ہمراہ بود بعد وفاتش بخطاب نواب ناظم الدولہ بہادر ناصر جنگ ملقب گردیدہ بجائے پدر بر مسند ریاست نشست و برادر بزرگ او نواب غازی الدین خان بہادر بر عہدۂ امیر الامرائی قانع شدہ پیش بادشاہ دہلی ماندا ما بعد گذشتہ سال نواب ناصر جنگ خواست تا بہ دکن رفتہ بہ ریاست آبائی خود قابض گردد مار ان ارا دہ شاہ سند صوبہ داری دکن حاصل ساختہ بتاریخ ۲ ربیع ۱۱۶۶ھ از بادشاہ رخصت شدہ عازم مقصد

وہ حیدر آباد میں بالکل خود مختار بن بیٹھے تھے - صوبہ دار اودھ نے تو

(تکملہ نوٹ ۱ صفحہ گزشتہ)

و آخر قابض جمیع صوبجات آنجا گشت اور ابرادرے بود میر بہاء الدین نام پسرش میر محمد امین خاں در آوان دولت عالم گیر بادشاہ بحسب ایماے عم زادۂ خود غازی الدین خاں فیروز جنگ در ۱۱۰۵ھ وارد ہندوستان گردیدہ بود در وقت محمد شاہ در ۱۱۳۲ھ حسین علی خاں را کشتہ برادرش قطب الملک سید عبد اللہ خاں را اسیر ساختہ بہ منصب وزارت کل بلندی گرا شد بعد وفاتش کہ بتاریخ ۲۹ ربیع الاول ۱۱۳۳ھ واقع شدہ وزارت بنام نظام الملک کہ دراں وقت بر علاقۂ صوبہ داری خود در دکن بود مقرر شد چوں در ۱۱۳۴ھ نظام الملک حسب الطلب محمد شاہ از دکن بہ شاہجہاں آباد آمدہ بہ خلعت وزارت و خطاب آصف جاہ بہادر سربلندی یافت میر عبد الجلیل بلگرامی قصیدۂ بزبان فارسی و عربی و ترکی و ہندی گفتہ ازاں جملہ چند بیت ترقیم می یابد :-

قصیدہ

بہار آمد و واکرد غنچہ بند قبا — گرہ ز خاطر بلبل کشود فیض صبا

فزود حسن چمن از سحاب گوہر بار — چنانکہ شان وزارت ز عمدۃ الوزرا

نظام ملک ملک افتخار اہل کرم — قوام دین و دول آفتاب مجد و علا

بود نہ حسن وزارت بہ از نظام الملک — کہ نقش ثانی بہتر کشد نگار آرا

ہزار شکر کزو مسند وزارت یافت — ہماں کہ یافت بن عار ز دم عیسیٰ

قلم نوشت براے وزارتش تاریخ — وزیر کشور ہند آصف دوام بقا ۱۱۳۴

ہزار یکصد و سی و چہار نص نشاط — دو گونہ جوہر تاریخ ازو شود پیدا

۱۱۳۴

در عربی — نَظَمْتُ فِی الْعَرَبِیِّ الْفَصِیْحِ تَارِیْخًا — حَلٰی وِزَارَتُہٗ سَاکِبُ الرَّبِیْعِ لَنَا

در ہندی — اسیس و بکیا کبھی ہکروی سحل یوں سنبت — رہے جگت میں اٹل پاس یہ وزیر سدا ۱۱۳۴

بعد ازیں چوں در ۱۱۳۶ھ نظام الملک از بادشاہ شکستہ خاطر شدہ بطرف دکن شتافت بہ تغیر نظام الملک بہ میر فاضل خلف نواب محمد امین خاں مرحوم بخطاب اعتماد الدولہ زبیر الممالک نواب قمر الدین خاں بہادر نصرت جنگ مرحمت فرمودند و چوں باز در ۱۱۵۰ھ محمد شاہ بادشاہ خبر آمد آمد نادر شاہ شنیدہ او را بہ مبالغۂ تمام از دکن طلب حضور فرمود او خلف الصدق خود نواب نظام الدولہ ناصر جنگ بہادر

چلی گئی ۔ صوبہ دار دکن نظام الملک برائے نام بادشاہ کے تحت تھے مگر دراصل

(بقیہ نوٹ نمبر ا صفحہ گزشتہ)
ایشاں چنانچہ حالاہم بدستور سابق جملہ مہمات سلطنت و ضبط و نسق ملک و مال باختیار خود ہا
داشتند اما محمد شاہ کہ بادشاہ عاقل و دانا بود ایں ہمہ سلوک ناکی ایشاں را دیدہ حصہ رنجش خاطر
داشت تا آنکہ بعد از چندے قابو یافتہ ہر دو را برستِ عدم حوالہ نمود ۔

له صفحہ پہلو اس نظام الملک آصف جاہ بہادر خلف نواب غازی الدین خاں فیروز جنگ
است قلیچ خاں سبت دراصل نام قلیچ خاں عابد خاں بود در زمان شاہ جہان بادشاہ
در ہند آمدہ بخطاب قلیچ خاں و خدمت صدر الصدوری و منصب پنج ہزاری سرفرازی یافتہ
در عہد عالمگیر بتاریخ ۲۴ ربیع الاول ۱۰۹۸ھ وقت محاصرۂ قلعۂ گولکنڈہ در دکن بضرب
گولۂ توپ کشتہ شد و پسرش شہاب الدین خاں کہ دختر سعد اللہ خاں وزیر شاہجہانی
بعقد نکاح خود داشت بخطاب غازی الدین خاں بہادر فیروز جنگ ممتاز گردیدہ در ایام
سلطنت بہادر شاہ صوبہ دار گجرات گشتہ در ۱۱۲۸ھ انتقال نمود پسرش نظام الملک در عہد
ستاب بخطاب نواب نظام الملک ملقب گردید و در سال اول جلوس فرخ سیر بمنصب

نواب نظام الملک آصف جاہ

ہفت ہزاری و صوبہ داری دکن ممتاز گشت و در عہد رفیع الدرجات بہ صوبہ داری مالوہ سربلند گشت
حاصل ساختہ و در ابتدائے عہد محمد شاہ با سادات بارہ برد و خاتمہ بعض صوبۂ دکن تسلط یافت
(بقیہ نوٹ صفحہ آیندہ)

روشن اختر محمد شاہ[۵] کو (اکتوبر ۱۷۱۹ء تا ۱۷۴۸ء) تخت پر بٹھایا۔ یہ بھی بالکل مجہول تھا۔ اس کے زمانے میں سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے ہندو مسلمان اور غیر ملکی طاقتیں سب اٹھ کھڑی ہوئیں جس کا آخری نتیجہ یہ ہوا کہ سلطنت انگریزوں کے ہاتھ میں

محمد شاہ

سلہ ابو الفتح ناصر الدین محمد شاہ بادشاہ غازی ولد جہاں شاہ ابن شاہ عالم بہادر شاہ بشب جمعہ ۲۳ ربیع الاول ۱۱۱۴ھ در نواحی دار السلطنت غزنی از بطن نواب قدسیہ بیگم ولادت یافتہ و بسلطان روشن اختر موسوم گردیدہ و بعد وفات رفیع الدولہ قطب الملک سید عبد اللہ خاں وزیر اعظم اورا از شاہ جہاں آباد کہ دراں جا مع مادرش از ہنگام وفات پدر خود جہاں شاہ و جلوس جہاں دار شاہ محبوس بود طلب داشتہ بتاریخ ۱۵ ذی قعدہ ۱۱۳۱ھ درسن ہفدہ سالگی در اکبر آباد بر تخت شاہی نشانیدند و محمد شاہ موسوم ساختند۔ تاریخ جلوس:۔

(۱) شہ کشور ستانی روشن اختر آنکہ در عالم — گواہ آمد فروغ بخت را نام ہمایونش

دریں بودم کہ گویم نظم تاریخش کہ از ہاتف — سریر آرائے جاہ و دولت آمد سال تاریخش

(۲) بہر تاریخ جلوسش از خرد کردم سوال — گفت آمد سایۂ حق آفتاب بحر و بر ۱۱۳۱

وجشن جلوس کہ بروز یکشنبہ ۹ شوال ۱۱۳۲ھ بعد کشتہ شدن سید حسین علی خاں ۱۱۳۱ وقید شدن برادرش نواب عبد اللہ خاں سرانجام یافتہ صرف برائے ساعت نیک بود۔ تاریخ جلوس:۔

روشن اختر بود اکنوں ماہ شد — یوسف از زنداں بر آمد شاہ شد

اگرچہ دریں زمان اشرفی ہائے محمد شاہی بسیار یافتہ می شود و بر ہیچ یکے بیت سکہ مرقوم نیست اما گویند ایں بیت سکۂ او بود۔ بیت سکہ

زفضل حق شہنشاہ محمد شاہ دیں پرور — دریں عالم زدہ سکہ ز مہر و ماہ روشن تر

چوں از عہد فرخ سیر جملہ کار فرماں روائی باختیار سادات بارہہ بود و عزل نصیب ہم بدست

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)

میٹھا تھا کہ وہ بھی اپنے بھائی کی طرح مرگیا یہ دونوں ہمایوں کے مقبرے میں مدفون ہیں ۔ ان سیدوں نے بادشاہت کا کھیل خاصا کھیلا رفیع الدرجات ۔ رفیع الدولہ ۔ نیکوسیر ۔ ابراہیم ۔ تھوڑے سے عرصے میں چار بادشاہ گھڑ لیئے ۔ ہر ایک کا زمان سلطنت مابین ۱۸ر فروری اور ۲۷ر اگست ۱۷۱۹ء تھا ۔ ابراہیم ۱۷۲۰ء میں تخت کا دعوی دار ہوا اور یکم اکتوبر سے ۸ر نومبر تک کی تھوڑی سی مدت میں اپنا سکہ بھی مضروب کردیا جو بہت کم یاب ہے ۔ ان سیدوں نے

(دیکھو صفحہ گذشتہ)

بخشی الملک را اجازت داد ۔ تاکشد لشکر ظفر بر جیم
آں امیر جماعت امرا ۔ چوں حسین علی ہزبر سلیم
کرد نہضت بدولت از دہلی ۔ فضل حق ہم عناں ظفر ہمدم
آمد و قلعہ را محاصرہ کرد ۔ ہمچو انگشت و حلقۂ خاتم
فتح قلعہ بزور تیغ نمود ۔ ایں چنیں می کنند اہل ہمم
کرد عبدالجلیل در تاریخ ۔ قلعۂ آگرہ گرفت رقم

۱۱۳۱

چوں شاہ جہان ثانی بیر بدستور برادر خود مریض و ضعیف بود لہٰذا سلطنت سہ ماہ و چند در مرض اسہال تاریخ ۲۰ ذی قعد سال مذکور در اکبر آباد از تخت شاہی بہ تختہ تابوت نزول فرمودہ سر بالیں خواب عدم نہاد لاش او را نیز در دہلی بردہ در روضۂ قطب الدین بختیار کاکی قریب تربت برادر او دفن کردند ۔ از انجا کہ فرخ سیر و رفیع الدرجات و رفیع الدولہ در عرصۂ ہفت ماہ در ہمیں سال فوت شدند تاریخ ہر سہ ایں است :۔

کردند سہ بادشاہ یک سال وفات ۔ فرخ سیر و دگر رفیع الدرجات
بعد از ہمہ شد از جہاں رفیع الدولہ ۔ تاریخ عیاں نوشتہ شد زیں حرکات

۱۱۳۱

(۲۸ فروری ۱۷۱۹ء) اور رفیع الدولہ[۱] شاہجہان ثانی (۲۸ مئی ۱۷۱۹ء) کو تخت پر بٹھلایا۔
رفیع الدرجات مدقوق تھا چند ہی مہینوں میں مرگیا اس کے بعد رفیع الدولہ چند ماہ تخت پر

(تکملہ نوٹ نمبر ا صفحۂ گزشتہ)

رضواں بدر بہشت اقدام کناں گفتا خلد بریں مقام و ماوا
۱۱۳۱

[۱] شمس الدین رفیع الدولہ محمد شاہ جہان ثانی برادر کلان رفیع الدرجات۔ بعد وفات رفیع الدرجات نواب قطب الملک عبداللہ خان و برادرش امیر الامرا سید حسن علی خان نظر ایں کہ تمشیت امور سلطنت و رتق و فتق مملکت بغیر از نام یکے از شاہزادگان تیموریہ صورت نمی پذیرفت عافیت خود ہا دراں دیدہ برادر کلانش یعنی شاہ رفیع الدولہ را موافق وصیت برادرش از محبس برآوردہ بتاریخ ۲۰ رجب ۱۱۳۱ھ تاج شاہی برسرش گزاشتہ و موسوم بہ شاہجہان ثانی نمودہ بر تخت نشانیدند و بعد چندے امیر الامرا سید حسن علی خاں بادشاہ را ہمراہ گرفتہ بر سر سلطان نیکو سیر ایں شہزادۂ محمد اکبر پسر خورد عالمگیر بادشاہ کہ در اکبرآباد ہزاری متر سین و صفی خاں قلعہ دار او را بر تخت شاہی نشانیدہ بودند نہضت فرمودند و قلعہ را بعد محاصرۂ چند روز در ماہ رمضان سال مذکور مفتوح ساختہ و سلطان نیکو سیر را بدست آوردہ باز در محبس فرستاد و میر عبد الجلیل بلگرامی قصیدۂ غرا در تہنیت فتح قلعہ انشا کردہ چند بیت ازاں قصیدہ مع تاریخ نوشتہ می شود

مژدہ ای دوستاں کہ در عالم — نقد شد نسیۂ بہار ارم
نونہال طرب ببار آورد — گلفشاں گشت خاطر خورم
کہ امیر سر آمد امرا — کرد تسخیر قلعۂ اعظم
ایں ظفر از مواہب عظمی ست — ہر زماں واجب است ذکر نعم
پسر اکبر آں کہ در افواہ — یافت نیکو سیر بعکس علم
بود در حصن آگرہ محبوس — ہمچو مفہوم ممتنع بعدم
داشت عیشے و کنج عافیتے — خاطر آسودہ تر ز صید حرم
از پدر داشت ارث لیکن شدن — فتنہ انگیخت در کمال عظم
خسرو دیں پناہ شاہجہاں — آب و رنگ بہار فضل و کرم

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

کا ایک اہم واقعہ قابل ذکر ہی کہ ۱۷۱۶ء میں بادشاہ بیمار رہوا - علاج کے لیئے ایک سکاٹ لینڈ کا ڈاکٹر ہیملٹن گیبرل طلب کیا گیا جس کے علاج سے صحت کامل ہوگئی - بادشاہ نے اپنی صحت کی خوشی میں ڈاکٹر سے کہا کہ مانگو کیا مانگتے ہو - ڈاکٹر ڈاکٹر ہی نہ تھا بلکہ اپنی قوم کا فدائی تھا اُس نے منفعت ذاتی پر قومی بہتری کو ترجیح دی اور عرض کیا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی سے جو محصول درآمد لیا جاتا ہی اُس کی معافی کا فرمان علیحضرت لسان مرحمت فرمایا جائے اور اُس کے معاوضے میں کوئی سالانہ رقم یکمشت مقرر ہو - جس کا مطلب یہ تھا کہ اس کمپنی کے حقوق تسلیم کر لیئے جائیں اس مراعات نے کمپنی کے پاؤں جما دیئے اور آگے چل کر اس سے بڑے مفید اور اہم نتائج مترتب ہوئے - فرخ سیر کو انہیں سیدوں نے ۱۷۱۹ء میں قتل کروا دیا اور انہیں نے یکے بعد دیگرے جلد جلد دو کم سن لڑکوں رفیع الدرجات

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ)
چون فرخ سیر ایام سلطنت جہاندارشاہ را بیرون داخل سنہ جلوس خود نمودہ بود چنانچہ از تاریخ وفات بہادرشاہ تا روز جلوس ۔ ۔ ۔ میشود و از روز فتح یافتن بر جہاندارشاہ صرف ۔ ۔ ۔ مدت (۴ م ۵) سال - لقب او بعد وفات معلوم نیست اما بعض او را شاہ شہید نوشتہ اند - ۱۲

سلطان شمس الدین محمد ابوالبرکات رفیع الدرجات - چون سید عبداللہ فرخ سیر را مکحول ساختہ مقید نمود سلطان رفیع الدرجات ابن شاہزادہ رفیع الشان ولد بہادرشاہ را بتاریخ ۹ ربیع الثانی سنہ ۱۱۳۱ھ از قلعۂ سلیم گڑھ کہ دران محبوس بود برآوردہ برائے نام در دہلی بر تخت شاہی نشاند لیکن جملہ کاروبار بدست سادات بارہہ بود - سکہ - زد سکہ بہند با ہزاران برکات شاہنشہ بحر و بر رفیع الدرجات

تاریخ جلوس

(۱) بنشست بہ تخت چون رفیع الدرجات　　　گوئی ز عرش سر کشید از عرفات
پیر خرد ش چو دید با فر و شکوہ　　　تاریخ آمد لقب رفیع الدرجات

(۲) کہ ناگاہ و اضح رقم کرد و گفت　　　مبارک جلوس شہنشاہ حق ۱۱۳۱

چون رفیع الدرجات مریض و ضعیف الجثہ بود چنانچہ بعد سلطنت ۳ م ۶ ی بتاریخ ۱۹ رجب سال مذکور وفات یافت و در روضۂ خواجہ قطب الدین مدفون گشت - نام مادرش نور النسا بود تاریخ وفاتش - چون جان شہنشاہ رفیع الدرجات　　　رہ جست بسایۂ ہمای طوبیٰ

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

ملحول کیا گیا اور پھر قتل - یہ بھی ہمایوں کے مقبرے میں مدفون ہی - اس کے زمانِ سلطنت

(تکملۂ نوٹ صفحۂ گزشتہ)

دریں دریا شناوری تا ببینید تلاش دست و پائی تا ببینید

میر احسن ایجاد که به تسوید نامہ فرخ سیر مامور بود و معالی خاں خطاب یافتہ این تاریخ از دواج گفتہ ؎ زباغ مہاراجہ جسونت سنگہ بمشکوے دولت در آمد گلے

۱۱۲۷

بالجملہ بعد چند سال درمیان بادشاہ و سید عبد اللہ خاں عداوت و نزاع بہم رسید چنانچہ عبد اللہ خاں برادر خود سید حسین علی خاں را کہ در دکن بود طلب داشت چوں او در شاہ جہان آباد رسید ہر دو برادراں بتاریخ ۸ ۲ ربیع الاول ۱۱۳۱ھ ۱۹ فروری ۱۷۱۹ء کہ ہمدراں روز بوقت صبح کسوف واقع شدہ بود بملازمت بادشاہ در قلعہ رفتند و بند و بست خود نمودہ مردم معتبر از نوکران خود جابجا نشانیدند و بعد از دہ روز بتاریخ ۸ ربیع الثانی سال مذکور ہر دو برادران مردم خود را در حرم بادشاہ کہ در انجا فرخ سیر از بیم ایشاں پنہاں شدہ بود فرستادہ بہ فضیحت تمام بیروں کشید و بر تر پولیۂ قلعہ بردہ چشمش از نور باصرہ معدوم الفروغ ساختہ محبوس نمود - رفیع الدرجات بن شاہزادۂ رفیع الشان ولد عالم شاہ بہادر شاہ را بجاے او نشانیدند - مرزا بیدل ایں تاریخ در عزل فرخ سیر گفتہ - ؎

دیدی کہ چہ باشاہ گرامی کردند صد جور و جفا ز راہ خامی کردند

تاریخ چو از خرد بجستم فرمود سادات بوی نمک حرامی کردند

۱۱۳۱

و میر عظمت اللہ بلگرامی بے خبر تخلص در جواب تاریخ مذکور چنیں انشا نمودہ - ؎

بادشاہ سقیم انچہ شاید کردند از دستِ حکیم ہر چہ آید کردند

بقراطِ خرد نسخۂ تاریخ نوشت سادات دواش انچہ باید کردند

۱۱۳۱

فرخ سیر دو ماہ بعد از معزولی خود بتاریخ ۱۲ رجمادی الثانیہ سال مذکور حسب ایماے عبد اللہ خاں در زنداں بقتل رسید - لاش او را در مقبرۂ ہمایوں دفن کردند - تاریخ جلوس و معزولی ؎

(۱) سالِ جلوس و عزلتِ فرخ سیر ز عقل چوں من سوال کردم او گفت ناگہاں

۱۱۵۲

یک بار بیست و شش و دگر بار نوزدہ از نام او بدر کن و تاریخ او بداں

۱۱۵۲ - ۲۶ = ۱۱۲۶ (سال جلوس) ۱۱۵۰ - ۱۹ = ۱۱۳۱ (سال معزولی)

(۲) چو جوید کسے عزل و ذلتش بگو جدا رفت از اسم فرخ سیر

۱۹

۱۱۵۰ - ۱۹ = ۱۱۳۱

عزیزی (۳) فاعتبروا یا اولوالابصار

۱۱۳۱

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)

دونوں سیدوں سے چھڑانا چاہا جو اُس پر بالکل چھا گئے تھے تو اُلٹا قید میں پھنس گیا۔

(تکملۂ نوٹ صفحۂ گزشتہ)

* چونکہ حیدر روز بعد از جلوس فرخ سیر سال ۱۱۲۵ھ شروع گردید لہذا این تاریخ دیگرست تاریخ

بفرخ سیر تاجور لا شریک   خدایا ابد باد فرخ اریک

بیت سکہ: سکہ زد از فضل حق بر سیم و زر   پادشاہ بحر و بر فرخ سیر ۱۱۲۵

در شروع سال ۱۱۲۸ھ جشن کتخدائی فرخ سیر با دختر مہاراجہ اجیت سنگھ بہ جلوس سنگھ راٹھور میان آمد گویند این چنین طوی عظیم الشان از شاہان پیشین کم جلوۂ ظہور نمودہ۔ میر عبد الجلیل بلگرامی مثنوی رنگین بہ نظم آوردہ و داد سخنوری دادہ خصوص در مقامے کہ اسمائے پردہائے ہندی (راگوں کے نام) در ضمن الفاظ فارسی آوردہ و لے تصنع سحر حلال بکار بردہ (چونکہ مثنوی طویل تھی ہم نے چھوڑ دی صرف چند شعر بطور نمونے کے لکھ دیئے۔ ع

چو سیدو ل نماید حسن آہنگ   زدا ز چہرۂ ہر یار رسا رنگ

اگر تا پور یا خسرو بیاک اند   ز این نغمہ از حسرت ہلاک اند

چنان از نغمہ دل بر سینہ می زد   کہ بی اہمال کوس حرمی زد

باستیعاے لذات ترانہ   تراکا بی ست این جشن ترانہ (وغیرہ وغیرہ)

ولت گر بمقام عیش پیداست   ز نار سار راہ راست پیداست

کہ ہر پردہ از عشرت فزائی   چو معشوق مرقع دلربائی

بہ این لذت چو راہد آشنا شد   سارنگ گاہ از وی قضا شد

معنی نغمۂ چون بادہ انگیخت   بجام بادۂ گل اصفہان ریخت

بہار نغمہ چون در جلوہ ہی شد   ز ارمیعن لوا سرو سہی شد

ز مطرب بی نوا در ثمین است   بمعنی گنج باد آورد این است

اگر آن این وگر این آن نداند   بنظم من ز معنی در نماند

جگر چون دانۂ یاقوت سفتم   کہ نام پردہ ہا در پردہ گفتم

کہ تا ہر سامعے از نارسائی   بموسیقی ندارد آشنائی

نگردد گر بحسن صنعت آگاہ   ز حسن نظم گیرد حظ دلخواہ

مغل را راگ ہندی آشنا نیست   بہ بحر و حسن ہندی آشنایست

(بقیہ نوٹ زیر صفحۂ آئندہ)

اس کی قبر بھی ہمایوں کے مقبرے کے چبوترے پر ہے۔ بادشاہ گر سیدوں نے جہاندارشاہ کے بھتیجے فرخ سیر کو ۱۷۱۳ع ۱۱۲۵ھ کو تخت پر بٹھلادیا۔ یہ بالطبع جیر تھا۔ جب اس نے اپنا پچھاان

(تکملۂ نوٹ نمبر ۲ صفحۂ گزشتہ)

دل چاک چاک گشت وجگر داغ داغ شد	این غم کہ گشت زہر از و انگبینِ ہند
از صفدرے کہ از قلمِ تیغ بار ہا	تحریر کرد نسخۂ فتح مبینِ ہند
از دستِ ابنِ ملجمِ ثانی شہید شد	کوے ز کوفہ ہست گلِ ماتمینِ ہند
تا کربلا و تا نجف و تا مدینہ رفت	سیلاب خونِ دیدۂ و آہِ امینِ ہند
ای دوستانِ آل و محبّانِ اہل بیت	غمگیں شوید بہرِ حسینِ حزینِ ہند
تا حق اہل بیت رسالت ادا شود	بر رغم این جماعۂ منصوبہ بینِ ہند
از کلکِ من بمرثیۂ سیدِ شہید	این چند بیت ریخت چو درِّ ثمینِ ہند
رضوان حق چو سبزہ قرینِ ضریح او	تا ہست حسنِ سبزہ بہ گیتی قرینِ ہند
سال شہادتش قلم واسطی نوشت	قتل حسین کرد یزید لعینِ ہند

محمد امین خاں کہ بعد شہادت حسین علی خاں و اسیر شدن قطب الملک عبد اللہ خاں ۱۱۳۲ بعہدۂ وزارت و خطاب اعتماد الدولہ ممتاز گردیدہ بود پس از دو ماہ و چند روز یعنی در ربیع الاول ۱۱۳۳ھ وفات نمود۔ "محمد امین خان ہم مرد" تاریخ او یافتہ اند۔

ل۵ صفحہ ہٰذا معین الدین محمد فرخ سیر۔ ولادت او در ۱۰۹۸ھ بوقوع آمدہ۔ نام مادرش صاحبۂ نسوال بود۔ چوں بتاریخ ۱۰ ذی قعدہ ۱۱۲۴ھ برجہاں دارشاہ فتح یافت در اکبر آباد بر تخت فرمانروائی جلوس نمود بعد ازاں در شاہجہاں آباد رفتہ جہاں دارشاہ و امیر الامرا ذو الفقار خاں را بقتل رسانید۔ و راجہ سبھ چند دیوان امیر الامرا مذکور را بدست آوردہ زبانش ببرید و بسیارے از امرائے جہاں دارشاہ واگرفتہ بجاں کشت و اعزالدین پسر جہاں دارشاہ و عالی تبار پسر اعظم شاہ و ہمایوں بخت برادر خورد خود را معدوم البصر گردانیدہ درحبس فرستاد و خلعت وزارت بہ سید عبد اللہ خاں و خلعت امیر الامرا بہ برادرش سید حسین علی خاں مرحمت فرمود۔ تارِیخ جلوس۔

شاہِ فرخ سیر کہ افسرِ او	آفتابِ سپہرِ مملکت است
گفت ہاتف کہ سالِ سلطنتش	آفتابِ کمالِ سلطنت است
	۱۱۲۴

(باقی نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

[ب]ادشاہ کو شکست دی وہ بھاگا مگر پکڑا گیا اور دلی کے قلعے میں ۱۲۱۱ھ میں قتل کیا گیا

(بقیہ نوٹ صفحۂ گذشتہ)
[ا]مام حسن و حسین رضی اللہ عنہما یکے بزہر و دیگرے بتیغ شہید شدند الا ہمیں فرق شد کہ
[بر]ادر خورد اول و بعد از و برادر بزرگ بشہادت رسیدند و گویند کہ پیش از وقوع واقعہ حسین علی خان
[بخ]واب دید کہ سید الشہدا امام حسین بہ حسین علی خان می فرماید بَلَغَ وَعَدُوَّكَ وَعَلَتْ
[ب]عَدُوُّكَ - یعنی رسید وعدۂ تو و غالب شد دشمن تو - بعد شہادت حسین علی خان حساب
[ک]ردند ہر یک فقرہ تاریخ بود با صنعت تقلیب یعنی بلغ وعدک را قلب کنند علت عدوک گردد
[چ]وں یک ماہ و چند روز بعد ازیں واقعہ سال دیگر شروع گردید عیدی دیگر تاریخ شہادت او
[...]ند "محرم حسین تازہ شد" یافتہ و میر عبد الجلیل بلگرامی واسطی در شہادت حسین علی خان این مرثیہ گفت

آثار کربلاست عیاں از حسین ہند — زد جوش خون آل نبی از زمین ہند
شد ماتم حسین علی تازہ در جہاں — سادات گشتہ اند مصیبت نشین ہند
سیلی ست زیں مقابلہ بر آسمان عرب — در خون گریہ سرخ شدست آستین ہند
گیتی چرا سیاہ نگردد ز دود غم — خاموش شد چراغ نشاط آفرین ہند
ہندا ایں چنیں مصیبت عظمیٰ ندیدہ است — دیدیم داستان شہور و سنین ہند
از داغ دل زند چرا خاں با شکوہ حق — این ہست نوبہار گل آتشین ہند
ماہی در آب می تپد و مرغ در ہوا — از شیون عظیم امیر مہین ہند
فرزند مصطفیٰ خلف الصدق مرتضیٰ — کز روئے فخر بود مکانش نگین ہند
رستم نشان حسین علی خان شہید شد — از حیدرے کہ بود جہان در کمین ہند
تیغش بروز معرکہ خصم تیرہ بخت — چون برق می شگافت صف آہنین ہند
دریا دلی کہ بود ز ابر عطاییش — شادابی بہار بہشت برین ہند
از مہر بر فلک زدہ عالی حباب او — در ترک تازِ حادثہ حصن حصین ہند
منقاد او شدند اراں سرکشان دہر — کز داغ کردنش لقب او سرین ہند
سدار شہادتش تن بے روح گشتہ است — یعنی کہ بود او نفس واپسین ہند
عالم چو قیر در نظر خلق شد سیاہ — افتاد تا ز ماتم او بر آں نگین ہند
گردوں ز احتراق ہمہ تن اشک گشتہ است — در اعتبار ماتم رکن رکین ہند
(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

نجیب الطرفین تھے اس تذلیل کی تاب نہ لا سکے۔ دونوں اُٹھ کھڑے ہوئے اور

(تکملۂ نوٹ نمبر ۲ صفحۂ گذشتہ)

این ہر دو برادراں از سادات بارہہ بودند سید عبد اللہ خاں از عہد بہادر شاہ صوبہ داری الہ آباد و حسین علی خاں بہ صوبہ داری بہار سرفرازی داشتند۔ محمد فرخ سیر ہر دو را ہمراہ خود آوردہ بود و از سعی ایشاں بر جہانداد شاہ غالب آمدہ و سید عبد اللہ خاں بخلعت وزارت و خطاب قطب الملک بہادر یار وفادار ظفر جنگ و سید حسین علی خاں بخلعت امیر الامرائی ممتاز گردیدہ در عہد محمد شاہ حسین علی خاں کہ برادر خورد بود حسب اشارہ محمد شاہ در اثنائے راہ دکن از دست میر حیدر خاں کاشغری کہ یکے از رفقائے نواب محمد امین خاں بود بتاریخ ۷ ذی قعدہ ۱۱۳۲ھ کشتہ شد و قطب الملک بتاریخ ۱۴ محرم ۱۱۳۳ھ اسیر گشتہ چند سال در محبس بود اسیر شدن قطب الملک بدیں نمط است کہ او بعد شہادت حسین علی خاں بہ برادر اعیانی خود سید نجم الدین علی خاں کہ بحراست دہلی قیام داشت نوشت کہ یکے از شاہزادہ ہا را از محبس برآوردہ بر تخت نشاند چنانچہ ۱۱ ذی حجہ ۱۱۳۲ھ سلطان رفیع الشان را بر تخت دہلی اجلاس دادند۔ بہ تفاوت دو روز قطب الملک نیز بہ شاہجہان آباد رسید و ۱۴ محرم مقابلہ با محمد شاہ بادشاہ واقع شد بعد یورش افواج محمد شاہی و وقوع جنگ صعب قطب الملک بہ مقابلہ محمد شاہ خود را از فیل انداخت و زخم شمشیر بر دستش رسید۔ حیدر قلی خاں بر سر او رفتہ او را بر فیل خود گرفت و پیش بادشاہ آورد۔ بادشاہ جاں بخشی نمودہ بزنداں فرستاد و دراں جا ماند تا آں کہ او را بتاریخ سلخ ذی حجہ ۱۱۳۵ھ زہر دادند۔ بالجملہ بعد شہادت حسین علی خاں نواب اعتماد الدولہ نواب امین خاں لاشش او را در اجمیر فرستاد و دراں جا مدفون است و قبر قطب الملک در شاہجہان آباد است۔

نہر پٹ پڑ گنج۔ واقع شاہجہان آباد کہ از نالۂ آبی حکم کربلا داشت۔ قطب الملک در زمان فرخ سیر در ۱۱۲۹ھ ایں نہر را از اصل نہر شاہجہانی بریدہ آوردہ و آں خطہ را بوفور آب احیا نمود۔ میر عبد الجلیل بلگرامی تاریخ آں گفتہ:۔

بحر جود و فیض قطب الملک عبد اللہ خاں	نہر خیرے کرد جاری آں وزیر محتشم
بہر آں عبد الجلیل واسطی تاریخ گفت	نہر قطب الملک مد بحر احسان و کرم

بعد برہم خوردن دولت سادات مردم دو فرقہ شدند۔ جمعے ایشاں را بہ نیکی یاد می کردند و گروہے بہ بدی۔ چنانچہ روایت کردہ اند کہ ایں ہر دو برادر مثل ہر دو جد بزرگوار خود حضرت

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)

اور ذوالفقار خاں نامی ایک شخص کی مدد سے کامیاب ہوا جس کو اس نے اپنا
وزیر اعظم کر کے ایسا با اقتدار کر دیا تھا کہ بادشاہ تو صرف نام کا رہا جو کچھ کرتا دھرتا تھا یہی وزیر
کرتا تھا۔ بادشاہ سلامت کے سر پر ایک طوائف کے عشق کی بلا سوار تھی جس کے پیچھے یہ دیوانے
اور ع بنگال بدو بخشم سمرقند و بخارا را۔ پر عمل کر رہے تھے اُس کے عزیز و اقربا کو سر پر تو
چڑھا ہی لیا تھا، بڑھاتے بڑھاتے آسمان پر چڑھا دیا۔ غیرت دار امرا کو ان قوم ساقوں کا عروج ناگوار گزرا
اور ناگوار گزرنے کی بات ہی تھی کہ موری کی اینٹ چوبارے چڑھی۔ دو بھائی عبداللہ[۲] اور حسین علی
تکملہ بقیہ صفحہ گزشتہ
برساں بہادرہ واحسا وایشاں را رس در پاے سہ ریشت فیل یکے ایں صوب، میرے
آں عدو ب آویختہ باتاں و شوکت تمام سوئے شہر کوچ کرد چوں بدہلی رسید بر تخت نشست
وایں سانحہ روز جمعہ ۲۲ ذی الحجہ سنہ مذکور بوقوع آمدہ۔ چوں ہمدریں سال ۱۱۲۴ھ ہجری بود
بہادر شاہ و ہم جہاں دار شاہ ہر دو فوت کردہ بودند ایں تاریخ اوست ۔ تاریخ

بہادر شہ و ہم جہاں دار شاہ　　　یک سال یں ہر دو جانی رفت
سر مملکت دور کردہ سروش　　　بہادر رفت و جہاندار گفت

مدت سلطنت جہاں دار شاہ از روز وفات پدرش تا روز ہزیمت در اکبرآباد ۱۱۲۴ھ دو ماہ و ... بود و وفات
عمرش س م ی ولقب او بعد وفات خلد آرامگاہ قرار یافتہ۔ مقبرۂ او در دہلی در
روضۂ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی است ۔

[۱] امیر الامرا ذوالفقار خاں۔ ابن نواب آصف الدولہ اسد خاں بہادر است تاریخ ولادت
او ایں ست ع زرح اسد رومود آفتاب۔ چوں تاریخ ۲۳ ذی حجہ ۱۱۲۴ھ۔ حکم محمد فرخ سیر
ہمراہ جہاں دار شاہ بہ قتل رسید پدرش در غم فرزند در عمر نود سالہ وکسرے وسلے خواسی ایں
تاریخ در شہادت او گفت ۔ ؎

ہاتف چشم غریباں با دو چشم خوں فشاں　　　گفت "ابراہیم اسمٰعیل را قرباں نمود"

اصل نام اسد خاں ابراہیم مرزا بود و اسم ذوالفقار خاں محمد اسمٰعیل۔ اسد خاں ۱۱۲۴ سادر سنہ ۱۱۲۹ھ
در عمر (۹۴) سالہ فوت شد و در مدت العمر ہفت بادشاہاں را دیدہ ۔

[۲] قطب الملک سید عبداللہ خاں وزیر اعظم و برادرش امیر الامرا سید حسین علی خاں۔
(بقیہ برصفحہ آئندہ)

تھوڑے دنوں سلطنت کرنے پایا۔ اس کو تخت کے لیئے اپنے بھائیوں سے لڑنا پڑا

(بکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ)
عظیم الشان کشتہ شد تخت وخزانہ بدست جہاں شاہ افتاد لیکن چوں امیرالامرا ذوالفقار خاں را منظور بود کہ معزالدین جہاں دارشاہ را بر تخت نشاند چنانچہ بعد از سہ روز باز آتش قتال و جدال شعلہ افروز شد و رفیع الشان و جہاں شاہ مع پسرش فرخندہ اختر کشتہ شدند و معزالدین جہاں دارشاہ بے مزاحمت غیرے در آخر ماہ صفر ۱۱۲۴ھ در لاہور بر تخت سلطنت نشست و بعد چندے سلطان محمد کریم پسر عظیم الشان را نیز بدست آوردہ بصلاح ذوالفقار خاں بکشت۔ اہل وفا تاریخ جلوس او از تاریخ ۱۸ محرم سنہ مذکور کہ روز وفات بہادر شاہ است نوشتہ اند **بیت سکہ**

بزد سکہ و ملک چوں مہر و ماہ   شہنشاہ غازی جہاندار شاہ

عظیم الشان کہ از زمان عالم گیر بادشاہ بہ صوبہ داری ملک بنگالہ سربلندی داشت و مدتے در شہر پٹنہ برائے نظم و نسق آں دیار استقامت گزیدہ آں شہر را بہ عظیم آباد موسوم ساختہ بود و در جنگ محمد اعظم حاضر بود و در محاربۂ جہاں دارشاہ کشتہ شد چوں قریب نہ ماہ بریں گزشت خبر رسیدن فرخ سیر ابن عظیم الشان از طرف بنگالہ برائے انتقام خون پدر و برادر خود سلطان محمد کریم گوش زد خاص و عام گردید جہاں دارشاہ پسر بزرگ خود اعزالدین را با لشکرے عظیم سمت او فرستاد۔ فرخ سیر کہ سید حسین علی خاں صوبہ دار ملک بہار و برادرا و سید عبداللہ خاں صوبہ دار الہ آباد را کہ سادات بارہہ بودند بہ صد منت و سماجت ہمراہ خود گرفتہ با فوج عظیم بسوئے آگرہ روانہ گردید چوں در انجا رسید با جہاں دارشاہ باز محاربہ دست داد و آخر جہاں دارشاہ نیز بتاریخ ۱۷ ذی قعدہ سنہ مذکور از میدان معرکہ گریختہ ریش و بروت خود تراشیدہ بہ طرف شاہ جہاں آباد شتافت۔ چوں فتح نصیب فرخ سیر گردید بتاریخ ۱۸ ماہ مذکور در اکبرآباد بر تخت سلطنت جلوس نمود و بعد چندے بطرف شاہ جہاں آباد کوچ کرد چوں در خضر آباد کہ یک کروہ از دہلی فاصلہ دارد رسید نواب آصف الدولہ یعنی اسد خاں مع پسرش امیرالامرا ذوالفقار خاں نصرت جنگ کہ بعد ہزیمت پیش پدر آمدہ بود طلب داشت اگرچہ ذوالفقار خاں نمی خواست کہ پیش فرخ سیر رود لیکن پدرش او را تشفی کردہ دلاسا دادہ بہ توقع عفو تقصیر و امید سرفرازی ہمراہ خود پیش فرخ سیر آورد و فرخ سیر اسد خاں را رخصت فرمود و ذوالفقار خاں ہمراہ جہاں دارشاہ بہ قتل رسانید و بعد ازاں سرہائے ایشاں را از تن جدا ساختہ

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

بڑی بھاری لڑائی ہوئی - دونوں طرف کے لوگ ملاکر (۶۵) کہے جاتے ہیں نتیجہ اس لڑائی کا شہزادہ معظم کی فتح ہوئی اور یہی شاہ عالم بہادر شاہ (۱۷۰۷ء) کے نام سے تخت نشین ہوا - تیسرے بھائی کام بخش نے چاہا کہ شاہ عالم سے سلطنت چھین لے لیکن ناکام ہا زخمی ہوا اور اسی حالت میں چل بسا - اس بادشاہ کے عہد میں کوئی نمایاں کام نہیں ہوا اور سکھوں کے مقابلے کی مہم میں ۱۷۱۲ء میں بمقام لاہور وفات پائی - نعش دلی لائی گئی اور قطب صاحب کی درگاہ میں مدفون ہے - اس کے بعد جہاندار شاہ[1] (۱۷۱۲-۱۳ء) میں بادشاہ ہوا جو بالکل ہی

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) آگاہی یافت بالشکر عظیم از کابل روے سوے ہندوستان آورد و نامہ برادر خود فرستاد و ہر چند خواست کہ از جنگ و جدل باز ماند و ملک وسیع را درمیاں خود ہا تقسیم نماید لیکن چوں تقدیر ایں چنیں بود کہ جلوس سلطنت بنام بہادر شاہ راست گردد محمد اعظم شاہ قبول نفرمود و بارادۂ جنگ از احمد نگر کوچ نمود - چوں بہادر شاہ با لشکر خود قریب اکبر آباد رسید درمیاں دھولپور کہ دوازدہ کروہ از آگرہ واقع است تلاقی فریقین دست داد و جنگ شروع گردید چنانچہ دریں معرکہ محمد اعظم شاہ با دو پسران خود یکے محمد بیدار بخت و دیگر سلطان والا جاہ با بسیارے از امرا کشتہ شدند و ایں واقعہ بتاریخ ۱۸ ربیع الاول روز یکشنبہ ۱۱۱۹ھ بوقوع آمد - تاریخ شہادت ایں ست - تاریخ -

(۱) شہزادہ دیوانہ و مست از در دم　　حقا کہ نبود بہیچ از رستم کم
دیدند سر و تنش جدا چوں از ہم　　گفتند ہمہ ہائے محمد اعظم
(۲) چوں شہزادۂ اعظم رفت از جہان فانی　　آواز غیب آمد کز جنت المکانی
بود مثل کربلا شد میداں رزمگاہش　　تاریخ نوا ران شد بشتہ کربلا ثانی
۱۱۱۹

[1] معز الدین محمد جہاندار شاہ - پسر شاہ عالم بہادر شاہ - ولادت او در ۱۰۷۱ھ بوقوع آمدہ نام مادرش نظام بائی بود چوں پدرش سر بخواب عدم نہاد جنگے عظیم در لاہور میاں جہاندار شاہ و عظیم الشان و جہاں شاہ و رفیع الشان کہ پسران بادشاہ مرحوم بودند واقع شد یعنی جہاندار شاہ و رفیع الشان و جہاں شاہ باتفاق امیر الامراء ذوالفقار خان یک طرف شدہ برسر عظیم الشان کہ خود را مالک سلطنت می شمرد دست مروع بمحاربہ نمودند - چوں
(بقیہ نوٹ صفحہ آیندہ)

باپ سے دارا کو شکست دی تھی اپنے بھائی شہزادہ محمد اعظم صوبہ دار دکن سے

(تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ)
پیوست جیب پسر سومی او رفیع الشان با دو پسران خود یعنی رفیع المرتبات و رفیع الدولہ ونیز پسر چہارم او خجستہ اختر جہاں شاہ با پسر خود فرخندہ اختر و عالی تبار ابن اعظم شاہ و دو پسران محمد کام بخش ولد عالم گیر یعنی محی السنۃ و یکے دیگر سے نشستند و محمد کام بخش برادر خورد بہادر شاہ بود و از پدر خود ملک بیجاپور یافتہ بود ۔ چوں در سنہ ۱۱۲۰ھ سکہ و خطبہ بنام خود کرد بہادر شاہ لشکر عظیم ہمراہ خود گرفتہ برسر او رفت چوں قریب حیدرآباد رسید او نیز باسپاہے کہ داشت بجنگ آورد و کشتہ شد و بہادر شاہ بتاریخ ۲۱ محرم سنہ ۱۱۲۴ھ در لاہور بیمار شد و بجوار رحمت ایزدی پیوست

تاریخ وفات

از وفاتش سنہ سہ رویے یاشند — فیض و فضل و نعمت و عدل و کرم
یعنی اگر از ہر یک لفظ مصرعہ آخر حرف اول آخر گرفتہ میاں گزشتہ کنند تاریخ برآید ۔

دیگر گفت سنہ پاک اے تقی ناگاہ — شد بروں از جہاں بہادر شاہ

مدت سلطنت از روز وفات خلد مکان تا روز وفات بہادر شاہ ۵ س ۔ م ۔ ی ۱۱۲۴ و اگر از وفات اعظم شاہ گرفتہ شود ۴ س ۔ ۱۰ م ۔ ی میشود عمرش ۷۱ س ۔ م و نقش بعد وفات "خلد منزل" قرار یافتہ ۔ مجراو کہ سراسر از سنگ مرمر ساختہ اند در سوق مسجد در جوار مزار خواجہ قطب الدین بختیار کاکی واقع است و ایں مسجد نیز از سنگ مرمر تعمیر نمودہ ایں بادشاہ است و ایں بیت بر بالین مزار او کندہ است ۔۵

درخور است اسم با مسمیٰ — شاہ عالم را بود جنت جزا

متصل مجراو قبہ عالی گوہر شاہ عالم بادشاہ نیز واقع است ۔ (ازمفتاح التواریخ مصنفہ مسٹر طامس ولیم بیل) مسٹر ونسنٹ سمتھ صاحب اس بادشاہ کی نسبت لکھتے ہیں کہ بہادر شاہ اول نیک طبیعت اور فیاض دل تھا لیکن اس میں قوت کی کمی تھی جس کی ایسے متلاطم زمانے میں ضرورت تھی ۔ اس کا نام خلائق کی زبان پر عام طور پر شاہ بے خبر چڑھا ہوا تھا ہم بھی بے خبر ہیں کہ یہ لقب کس صلے میں ملا تھا اور ان کے ہاتھ کہاں سے لگا ۔۱۲

۵ شہزادہ محمد اعظم شاہ پسر سوم عالم گیر بادشاہ است بتاریخ ۱۲ شعبان سنہ ۱۰۶۳ھ از بطن بانو بیگم بنت شاہنواز خاں پذیرفتہ چوں ہنگام وفات خلد مکان برادر بزرگ او محمد معظم یعنی شاہ عالم بہادر شاہ در کابل تشریف داشتند چنانچہ محمد اعظم شاہ بہ اتفاق اعیان مملکت بتاریخ دہم ذی الحجہ بروز عید الضحیٰ سنہ ۱۱۱۸ھ دوازدہ روز بعد از وفات پدر در احمدنگر بر سریر سلطنت نشست چوں بہادر شاہ ازیں حال (بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

سلطنت مغلیہ کے آخری دَور پر ایک اجمالی نظر

اورنگ زیب کا مرنا تھا کہ اُس کا بیٹا شہزادہ معظم[1] کابل سے یلغار کرکے آن پہنچا اور آگرے کے قریب موضع جاجو اُسی مقام پر جہاں اس کے

[1] قطب الدین شاہ عالم بہادر شاہ خلف دوم عالمگیر۔ بتاریخ سلخ رجب ۱۰۵۳ھ از بطن نواب بائی کہ ہندو زادہ بود در برہان پور تولد پذیرفتہ و بہ محمد معظم موسوم گردیدہ و در ایام شاہزادگی بخطاب بہادر شاہ مامور شدہ ۔ بعد از کشتہ شدن برادر سومی او اعظم شاہ در جنگ تاریخ ۱۹ ربیع الاول روز یکشنبہ ۱۱۱۹ھ بجائے پدر در آگرہ بر تخت سلطنت نشست و بہ شاہ عالم موسوم گردید و خلعت وزارت بہ منعم خان بخطاب خانخانان و عہدۂ وکیل مطلق بہ اسد خان و عہدۂ بخشی گری بہ پسرش ذوالفقار خان بخطاب امیر الامرا مرحمت نمودند و تاریخ جلوس زبان خود فرمودند "ما آفتاب عالم تابیم" و دیگرے ایں مصرعہ یافتہ ع شاہ عالم مالک دادار جہاں۔ (۱۱۱۹)
و فضل اللہ درویش در تاریخ جلوس گفتہ "اللہ با معظم" ۔ و عزیزی گفتہ ۔ تاریخ

کن سر اعظم جدا وانگہ بخواں　　زیب امیر شاہ عالم بادشاہ
(۱۱۱۹ — ۱ — ۱۱۲)

تاریخ از مرزا بیدل

جلوس معدلت انوار بادشاہ زمن　　بایں مربع اسرار دادہ اند نشاں
شگون راحت زداں جلال قدرت شاں　　ہماں خلیفۂ رحمان معظم دو جہاں

وچوں کہ ایام جلوس او از ہنگام وفات عالمگیر یعنی از ماہ ذیقعدہ ۱۱۱۸ھ می شمارند چنانچہ شخص دیگر ایں تاریخ کہ از آں سنہ مذکور استخراج می یابد بسلک نظم کشیدہ ۔ تاریخ

نشست چوں بسریر جہاں بہادر شاہ　　رسید مژدۂ دولت بعالم بالا
ز شکر ملک آوردہ سر بروں ہاتف　　بگفت سال جلوسش نظام ملک ولا (۱۱۱۸)

بہادر شاہ مردے بود عالم و فاضل و با مروت و صالح و عابد و کثیر الاولاد از کمال عزم و شجاعت او جمیع نوکران و زمینداران و حکام قریب و بعید مطیع و فرماں بردار بودند در عہد او ہمہ شہزادگان مطلق العنان و فارغ البال می زیستند چنانچہ بعدہ شہزادگان بدست راست و چپ او می نشستند بدست راست پسر بزرگ او معز الدین جہاندار شاہ با سہ پسران خود یعنی اعز الدین و عزیز الدین و یکے دیگرے و پسر دومی او عظیم الشان با سہ پسران خود یعنی محمد کریم و فرخ سیر و ہمایوں بخت مع بیدار دل پسر بیدار بخت ابن محمد اعظم شاہ

عظیم الشان — رفیع الشان — جہاں شاہ — (۸) معز الدین جہاندار شاہ ۱۷۱۲-۱۳ فرخ سیر کے ہاتھ سے مارا گیا

(۹) فرخ سیر (قتل کیا گیا) ۱۷۱۳-۱۹ ولد عظیم الشان

محمد ابراہیم

(۱۰) رفیع الدرجات چھ ماہ ۱۷۱۹ء سلطنت کرکے وفات پائی۔

(۱۱) رفیع الدولہ (۳) ماہ ۱۷۱۹ء سلطنت کرکے مرا۔

(۱۴) ابو العادل عزیز الدین محمد عالمگیر ثانی ۱۷۵۴-۵۹ قتل کیا گیا

(۱۲) ابو الفتح نصیر الدین روشن اختر محمد شاہ (۱۷۱۹-۴۸)

(۱۳) مجاہد الدین ابو النصر احمد شاہ (معزول و مکحول) ۱۷۴۸-۵۴

(۱۵) مرزا عبد اللہ عالی گوہر شاہ عالم مرہٹوں نے ۱۷۶۱ء میں سلطنت کو درہم برہم کر دیا۔ یہ بادشاہ انگریزوں کی حفاظت میں رہتا تھا۔

(۱۶) ابو النصر معین الدین محمد اکبر شاہ ثانی ۱۸۰۶-۳۷ –

(۱۷) ابو ظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ ۱۸۳۷-۵۷ ۱۸۵۷ء کے غدر میں رنگون جلاوطن کیے گئے اور وہیں ۱۸۶۲ء میں انتقال کیا۔

سلاطین مغلیہ میں اورنگ زیب تک کے حالات ہم نے زیادہ تفصیل سے لکھے ہیں کیونکہ سلطنت اسلامی کا یہی زمانہ عروج و کمال کا تھا اور بمصداق ہر کمالے را زوالے اورنگ زیب کیا مرا گویا سلطنت مغلیہ کی روح پرواز کر گئی اس کے بعد ڈھانچا ہی ڈھانچا رہ گیا لہذا اب کسی شرح و بسط سے واقعات کے لکھنے کی چنداں ضرورت نہ رہی اس وجہ سے آیندہ کے حالات میں بالکل اختصار مد نظر رکھا گیا ہے اور سلطنت مغلیہ کی مدھم روشنی اور ٹمٹماتے ہوئے چراغ کی جھلملاہٹ اجمالاً دکھلائی گئی ہے۔

مرزا عسکری گورنر سیوات
ہندال گورنر سنبھل
مرزا کامران گورنر کابل
(۲) ہمایوں
۱۵۳۰-۴۰ ، ۱۵۵۵-۵۶ء
مرزا محمد حکیم بادشاہ کابل
(۳) ابوالفتح جلال الدین اکبر ۱۵۵۶-۱۶۰۵ء
دانیال (باپ کی حیات میں فوت ہوا) تین بیٹے جن میں سے دو عیسائی تھے
مراد (باپ کی حیات میں فوت ہوا) ایک بیٹا
(۴) ابوالمظفر نورالدین جہانگیر ۱۶۰۵-۲۷ء
شہریار
جہاں دار
(۵) محمد شہاب الدین شاہ جہاں ۱۶۲۷-۵۸
سلطان پرویز
(۱) ابن سلطان خسرو (قید ہوا اور اسی میں مرا)
داور بخش عرف بلاقی اور داور
اور بہت سے بچے جن میں جہاں آرا بیگم اور روشن آرا بیگم دو صاحبزادیاں تھیں
مراد بخش (مقتول)
(۶) ابوالمظفر محی الدین شاہ اورنگ زیب عالمگیر ۱۶۵۸-۱۷۰۷
شجاع بنگال اور تین بیٹے
محمد دارا شکوہ (مقتول) سلیمان مقتول اور تین بیٹے
اکبر معزور
سلطان کام بخش ۱۷۰۸ء میں قتل کیا گیا
محمد اعظم ۱۷۰۷ء میں قتل ہوا
(۷) قطب الدین شاہ عالم بہادر شاہ ۱۷۰۷-۱۲
محمد سلطان (قید میں ۱۶۷۶ء مرا)
عظیم الشان
رفیع الشان
جہان شاہ
(۸) معز الدین جہاندار شاہ (فرخ سیر کے ہاتھ سے مارا گیا) ۱۷۱۲-۱۳

شایستہ خاں سے مرہٹوں کی مڈبھیڑ	سنہ ۱۶۶۳ء
فرانسیسیوں کی ہندوستانی کمپنی کی بنیاد۔	سنہ ۱۶۶۴ء
شاہ جہاں کی وفات اور شایستہ خاں کا اراکان کو فتح کرنا	سنہ ۱۶۶۶ء
امتناع بت پرستی	سنہ ۱۶۷۲ء
سیواجی کی بادشاہت کا باقاعدہ اعلان	سنہ ۱۶۷۴ء
جزیہ کی تجدید	سنہ ۱۶۷۹ء
سیواجی کا انتقال	سنہ ۱۶۸۰ء
راجپوتوں اور شہزادہ اکبر کا بلوہ۔	سنہ ۱۶۸۰—۸۱ء
اورنگ زیب کا دکن کی کمان اپنے ہاتھ میں لینا	سنہ ۱۶۸۱—۸۲ء
بیجاپور کا فتح کرنا۔ شایستہ خاں کا انگریزوں کو بنگال سے بدر کرنا	سنہ ۱۶۸۶ء
فتح گولکنڈہ۔ سلطنت مغلیہ کی سب سے بڑی توسیعات	سنہ ۱۶۸۷—۹۱ء
سنبھاجی پسر سیواجی کا قتل	سنہ ۱۶۸۹ء
جارج چارناک کی کلکتہ کی بنا	سنہ ۱۶۹۰ء
یونائیڈ ایسٹ انڈیا کمپنی	سنہ ۱۷۰۲—۸ء
احمد نگر کو اورنگ زیب کی مراجعت	سنہ ۱۷۰۶ء
اورنگ زیب کی وفات	سنہ ۱۷۰۷ء

شجرۂ خاندان مغلیہ

امیر تیمور

|

چار پشتیں

|

(۱) ظہیر الدین محمد بابر (بادشاہ فرغانہ ۱۴۹۴ء فتح دہلی سنہ ۱۵۲۶ء وفات سنہ ۱۵۳۰ء

ربانی بسبب این جنگ و جدل که کار بانہ اولوالعزم تواند بود بر سعدی را بہ مقتضائے شریعت غرا
مرا سے واجبی داریم و اعلیٰ حضرت از مہر پدری روا داکرہ انہا نموا آنہا بوده آخر الامر مشاہدہ
حال نکبت مآل آنہا تارک السلطنت شدہ اورنگ سلطنت را کہ بعنایت الٰہی از زور ازل
بنام نامی ما زینت یافتہ بود ما را خلف الصدق دانستہ بخشیدند خدا شاہد حال این معنی است
وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا این ہمہ محض برائے رضائے خدا و بہم سائے خدا کردیم اگرچہ ترسان و بیم کار
کہ دیدۂ ظاہر و باطن آنہا از فروغ خرد دور است سخنان بے اصل تہمت دہند چہ توان کرد
؎ بعذر و توبہ توان رستن از عذاب خدائے ولیک می نتوان از زبان مردم رست
و این کہ از شورش سیوا قلمی بود عجب است کہ این قسم مقدمات در مجلس آں محسنہ جامد ان
مذکور می شود قطع نظر از آں کہ ایشاں از صغرسن و خوردسالی کہ موسم نادانی است ہر عبارت
دبینش نداشتہ باشند دراں ولایت قحط دالس مندان واقع است و پیش ایشاں سے بیت
کہ نظر بر حالت و مہلت داشتہ سخن معقول پردازد ہرگاہ لشکر ایران و توران را یارا آں
نباشد کہ با فواج بحر امواج دم مساوات تواند زد سیوا و سوائے او داخل کدام حساب است و
اگر دراں موش پیشہ در سوراخ بیاباں و کوہستاں جائے گرفتہ پیشۂ دزدی پیش گرفتہ باشند
چہ عجب ؎ گرچہ تمکس زور و بازو نمود ❊ طعمۂ سیمرغ نخواہد بود۔ لائق آں است کہ
در آغاز و انجام ہر کار لوازم ہوشیاری و دور اندیشی بظہور آورد در خاطر دریا مقاطر می رسد
کہ شور بختاں فرنگ کہ باعث آزار رعوز داں ایراں می شوند کشتی سکوت آں گر
در گرداب ہلاکت اندازیم و پرتو رایات ظفر طراز بر ساحت آں دیار انداختہ بہ ملاقات یکدگر
خوش وقت گشتہ متوجہ مقصود شویم ہمیشہ در جمعیت کامیاب باشند؁ ۔

اورنگ زیب کی سلطنت کے اہم واقعات

شاہ جہاں کی معزولی اور اورنگ زیب کی بے قاعدہ جانشینی ——— جولائی ؁۱۶۵۸ء
اورنگ زیب کی باقاعدہ تخت نشینی ——— مئی ؁۱۶۵۹ء
چارلس دوم کا ایسٹ انڈیا کمپنی کو جایا ٹریڈیا پرتگیزوں کا انگریزوں کو مبمئی جہیز میں دے دینا ——— ؁۱۶۶۱ء
آسام پر میر جملہ کی چڑھائی ——— ؁۱۶۶۲-۶۳ء

؎ ان دونوں خطوں میں کوئی تاریخ درج نہیں ہے۔ ۲۔

خاطر آنرا از التفات بسوی اغیار پاک گردانند تا سخنان ردّ و قبول و آفرین و نفرین عوام کالانعام گردیده
خرد از نور تحقیق بی‌نصیب است مستغنی و بی پروای سازد ع چراغ مهر را غم نیست از باد ـ الحمد لله
که از آغاز صبح شعور تا این ایام که غایت ارتفاع آفتاب رشد است در باطن حق مواطن ما غیر از
حق شناسی و رعایت ارباب اسلام و هدم بنیان کفر و ظلام دیگر نگذشته و مدام از لذات نفسانی
احتراز داشته بادشاهی را پاسبانی خلایق که امانت خالق اند دانسته‌ایم و بمقتضای رعیت پروری
و عدالت گستری محصول مبلغی که مقدار آن از اندازهٔ شمار بیرون است و از قدیم الایام در ممالک محروسه
بصیغهٔ زکوٰة و راهداری و نگاهبانی وغیره که در سرکار مواخذ می‌شد و باین علت تکلیفات کلی بحال سوداگران
و معابران و اهل حرفه می‌رسید بیک قلم معاف فرمودیم اکنون جماعت مذکور آسوده خاطر بوده زبان
خود را به دعای دولت سرگرم می‌دارند و از برکت این نیت هر اراده که مکنون خاطر بود بوجه احسن جلوهٔ ظهور
نمود و هر کس جانب دولت خداداد ما بد دید نقش هستی او از صفحهٔ روزگار زود زائل گردید شاهد حال
این معنی حرکت پدر شماست که قدر عافیت ندانسته گامی چند برافراشته بود که خار ناکامی در پایش او
شکست و از عمر و جوانی بی بهره رفت احسانها حضرت صاحبقرانی در بارهٔ بزرگان شما بر پیش طاق
روزگار ثبت است راه ناشکری رفتن و در راه چاه کندن سست چون نتائج حسن نیت را پایان
نیست اکنون بمطلب گرائیده می‌شود مکتوب مرسله که نگاشتهٔ دبیران تنگ حوصله و منشیان کم ظرف
بود ورود نمود همان وقت بخاطر رسیده بود که چندی از یرم دلان را برباد پایان اندیشهٔ غبار
صرصر کردار که از سرعت سیر چون آفتاب در نیم روز بشام می‌رسند سوار کرده با جمعی از تیراندازان که
پیوسته پیغام قضا در ترکش شان آرام گزین و پیک اجل در خانهٔ کمان آنها گوشه نشین است
بسوی آن والا دودمان رخصت فرمائیم تا جواب مکتوب بد اسلوب بزبان شمشیر تیز خون ریز ادا نمایند
اما رعایت خاندان نبوی و مروت موروثی و توجهات صاحبقرانی نگذاشت که به محض لغزش
زبانی که نتیجهٔ خوردسالی و نادانی است یک بار سر رشتهٔ روابط قدیم گسیخته شود لهذا در جواب نامه
فهرستی از وقائع احوال خود نوشته می‌شود این که از کشتن برادران و بی دخلی اعلی حضرت مغفرت
قربت رقم پذیر خامه ساخته بود بر همگنان ظاهر و باهر است که دارا شکوه پاس دین مبین نکرده
آوارهٔ بادیهٔ گمراهی بود و همیشه کمر عداوت با اهل اسلام و امرای عظام بسته بتخصیص با براهمن حقیقی
پسند می‌داشت و همچنین شجاع از غرور در حضور پدر هوس نشینی کرده بقصد برادران لشکر کشی
نمود و مراد بخش از بادهٔ غفلت مدهوش بوده هنگامهٔ ظلم و بیداد گرم می‌داشت ما بتوفیقات

اکثر جا مفسداں سرکش آں سلیماں وش را ناتوان و نلے سرانجام پنداشتہ غبار آشوب بلند ساختہ اند و بعضے از ممالک را در تصرف آوردہ متوطنین و متردین آں ولایت را تصدیعہ می دہند سرکردۂ آنہا سیوا نام کافریست کہ ہیچ کس شناسائے نام ونشان او نبودہ الحال بلے سرانجامی سامی باعث سرانجام آں گمنام شدہ خروج نمودہ اکثر قلعہ جات کوہ شکوہ بہ تصرف خود آوردہ سپاہ آں سلطنت پناہ را زیر تیغ بلے دریغ کشیدہ بسیارے را اسیر نمودہ ملک را تاراج کردہ دعوی ہمسری بہ آں والا دودمان دارد و آں خلافت مآب پدر گیری را عالمگیری نام نہادہ از کشتن برادراں کہ وارث ملک بودند خاطر جمع کردہ سررشتۂ قدردانی و جہانبانی وداد و دہش را از دست دادہ بصحبت جماعتے کہ افسوں خوانی وسوسۂ شیطانی را شیوۂ حق دانی می پندارند مشغول اند لہذا در سرکار ردو عابا ختہ بحیلہ و فریب باری بردہ اند ال کہ معرکہ مردانگی پیش آید شمشیر و مضطر گشتہ تنبیہ مفسداں وضبط ہندوستاں بار اخاطر مقدور ایشاں سپردست از انجا کہ بعنایت الہی وامداد ائمہ معصومین توارث دبایدگان شیوۂ دودمان ماست اعانت آں سلطنت پناہ مسطور است چنانچہ از امداد جد ما ہمایوں تا دوبارہ ہندوستان مسلط شدہ بودند و محمد خاں والی توران چراغ دولت خود را فروغ کوکب بخت ما از روشن ساختہ و ریو لا کہ آں وارث تخت ہمایوں را در ماندگی رو آوردہ ہمت وغیرت سلطنت چناں اقتضا می کند کہ ما خود بنفس نفیس با سپاہ ظفر پناہ بیاوری وارث آں سروری متوجہ شویم و بملاقات یکدگر کہ آرزوئی دیرینہ است محظوظ گردیم و آں اشرار عرب آثار از شمشیر ذوالفقار کردار سرادادہ رعایا را از مفسداں نجات بخشیدہ دعاگوئے خود گردانیم اللہ تعالیٰ از نا ہمواری روزگار اماں دارا د والسلام۔

اورنگ زیب کا ڈیفنس (تردیدی) جواب

جواب نامۂ مسطور کہ اورنگ زیب نوشتہ

سبحان اللہ قدرتیکہ جمیع ذرات ہستی و موجودات بلند و پستی پرتو آفتاب عالمتاب ذات اوست ونقش ونگار صفحۂ روزگار امواج دریائے بیکنار صفات اوست . بیت خود از درون و برون جلوہ کرد و من بمیاں بہ بوسایہ مو ستادم کرد و سوچراغ آمد۔ اما از انجا کہ کارخانۂ حکمت بمصلحت منحصر است بحجاب و روابط واسباب چشم عالمیاں انداختہ خود را از نظر ظاہر بیناں محجوب ساختہ و برگزیدگان خود را در خلوت سرائے خود راہ دادہ دیدۂ دل ایشاں را از جمال خود روشن می سازد و صفحۂ خاطر

پر لشکر کشی کرنا الزام ہو تو فرد جرم میں سب سے اول اکبر اعظم کا نام آنا چاہیئے جس نے سب سے پہلے چیتوڑ پر چڑھائی کی اور اُس وقت تک اس ارادے سے باز نہ آیا جب تک راجہ زادیاں اُس کی حرم میں نہ آئیں۔ اگر ہندوؤں کو بڑے معزز عہدے نہ دینا خلاف انصاف ہو تو یورپ کی نسبت کیا کہا جائے کہ جس نے آج تک اپنی قوم کے سوا کسی کو وزارت یا سپہ سالاری کے عہدے پر ممتاز نہیں کیا۔ اب رہا باپ کا قید کرنا اور بھائیوں کا قتل وہ واقعات ایسے پیش آئے تھے کہ پولیٹیکل لحاظ سے ناگزیر تھے جس کی تفصیل مولینا شبلی کے رسالے میں بہت وضاحت سے کی گئی ہے۔ ہماری کتاب بڑھتی چلی جاتی ہے اس ڈر سے ہم نے ہاتھ کھینچ لیا۔ ناظرین جن کو اورنگ زیب کی طرف سے کسی قسم کی بدظنی ہو اُس رسالے کو کہ مسکت ہے دیکھ کر اپنے شکوک رفع فرما سکتے ہیں۔

ایک نادر مراسلت مولینا نے تو بڑی چھان بین کی ہے مگر خاکسار کے ہاتھ بھی ایک نادر پرانی قلمی کتاب لگی جس میں بادشاہ ایران کا الزامی خط اور اورنگ زیب کا معقول و برجستہ تردیدی جواب ہے۔ لہذا مجرم کی زبانی اُس کی کہانی بڑا لطف دیتی ہے۔

رند و صوفی ہمہ سرمست گزشتند و گزشت ٭ قصۂ ماست کہ در کوچہ و بازار بماند

بادشاہ ایران کا آفلنسو (الزامی) خط نامہ سلیمان بادشاہ ایران کہ بہ عالمگیر اورنگ زیب فرماں روائے ہندوستان نوشتہ:۔ ستایش آفریں جہاں آفرینے را کہ از یک سخن کُن نہ فلک را بانجمن انجم بچرخ آوردہ ہفت طبق زمین را بہ ایں ہمہ وقار و تمکین بر روئے آب ساکن گردانیدہ و از قطرۂ آبی صورت انسان را کہ اشرف المخلوقات است از نہاں خانہ بطون بشہرستان ظہور جلوہ گر ساختہ و بمحض عنایت بے غایت خلعت فاخرۂ خلافت را در بر سعادت پرور ما پوشانیدہ زمام التیام و انتظام طبقات انام بدست اختیار و قبضۂ اقتدار ما سپردہ پس انصاف آن ست کہ ما نیز قدر ایں عنایت خاص دانستہ بمصداق اَحْسِنْ كَمَا اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ با خلق خدا بہ اخلاص سلوک نمائیم و ہرگاہ ستم رسیدگی و شکستگی احوال مغلوبان و مظلومان ظاہر شود تعلل و تغافل را برکنار نہادہ براعنیت و پرداخت قلوب دردمنداں شرائط مساعی بتقدیم رسانیم دریں ایام از تقریر صادر و وارد بظہور پیوستہ کہ در ممالک ہندوستان

ہے کہ شاید کسی محرم کی بہ ہو گی - باپ کو قید کیا - بھائیوں کو قتل کرایا - دکن کی اسلامی سلطنتیں
مٹا دیں - ہندوؤں کو ستایا - بت خانے ڈھائے - مرہٹوں کو چھیڑ کر تیموری سلطنت
کے ارکان متزلزل کر دیئے - اگر غیر سلطنتوں کا تسخیر کرنا جرم ہے تو مجرموں کی صف میں
سکندر اعظم اور نپولین اعظم کو سب سے آگے کھڑا کرنا چاہیئے - اگر مرہٹوں کی بغاوت
کا دبانا گناہ ہے تو پہلا مجرم شاہجہان صاحب قران ثانی ہے - اگر راجپوت ریاستوں
(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) گولکنڈہ کے سوتھ کسٹل کے عجائب خانے میں رکھے ہوئے ہیں
ایرانی قالینوں سے یہاں کی کساد بازاری ہو گئی ہے مگر ہندوستان بھر میں ورنگل جیسے قالین کہیں
نہیں بنتے - بیدر کا بدری کام - کریم نگر کا مندیے کا تار کا کام - نادیر کے سیلے
اور اورنگ آباد کے چاندی سونے کے زیورات اور دست کے سک رتن - پیٹھن (ضلع اورنگ آباد)
کی ساڑیاں - اور قسم قسم کی بعض چیزیں مختلف مقامات میں ملتی ہیں - حیدرآباد کے سرح طرف
نکلی جامس صنعت کے بہت نفیس ہوتے ہیں جو لندن کی ایسٹرن سٹائیس میں کثرت سے ملتے ہیں
پرانے ہتیار زرہ وغیرہ فراہم کرنے کے لیئے سارے ہندوستان میں حیدرآباد سے بڑھ کر کوئی مقام
نہیں ہے - چوں کہ سرکار نظام میں فوج باقاعدہ و بے قاعدہ کی تعداد کثیر ہے اور قانون اسلحہ رائج
نہیں سارے ہندوستان بلکہ وسط ایشیا تک کی لڑنے بھڑنے والی اقوام ساری کی ساری
یہاں سمٹ آئی ہیں اور وہ اپنے ساتھ ہر قسم اور ہر ملک کے ہتیار لائیں - اس سبب
سے ڈھال تلوار - چھرے - خنجر - بانک - کٹار - پیش قبض - جلیبیہ - توڑے دار بندوقیں
قرابین - طمنچے - برچھے - گپتیاں - کلہاڑیاں - تیر - کتے - خود - زرہ - جوشن -
جس قسم کا ہتیار چاہو بازاروں میں کثرت سے ملتے ہیں - اصلی بھی اور نقلی بھی -
مشن کا کام بھی تمام ریاست میں جاری ہے تو پادری اور تیں سو اُن کے ممبر
(۲۸) اسکول اور چودہ سو طلبا ہیں - حیدرآباد - سکندرآباد - ہنمکنڈہ -
نلگنڈہ - میدک - کریم نگر - نظام آباد - اور تمام بڑے بڑے مقامات میں
پادریوں کی کثرت ہے اور چوں کہ سرکار عالی میں کسی ذات یا فرقے کی قید نہیں مسلمانوں
کے علاوہ یہود - پارسی - عیسائی - سب کے معابد کو کافی امداد دی جاتی ہے - اور
فرماں روایان دکن نے اسی لئے بغیر تعصب سے اپنی وسیع ریاست میں ایک
بے نظیر مثال ریلیجس ٹالریشن (مذہبی تعدیل) کی قائم کی ہے - (دار لکچر سک انڈیا مع ستیئی ہرلید) ۱۲

اُن کا کوئی نام بھی نہیں لیتا ۔ ؎ طالع شہرت رسوائی مجنوں بلند است * ورنہ طشت من او ہم ز بام افتاد ۔ اورنگ زیب کی نسبت جو فرد قرار داد جرم لگائی گئی ہے وہ اتنی لمبی

تتمہ نوٹ صفحہ گزشتہ ۔ حیدر آباد زبردست سلطنت الٰہی کی ایک موجودہ یادگار ہے ۔ اس میں مشرقی شان و شوکت ۔ عظمت و حیرت نمایاں ہے اور وہ الف لیلہ کی داستان کا ایک ورق ہے ۔ حیدر آباد کبھی انگلینڈ کے پنجے میں نہیں آیا نہ یہاں بابو کلرکوں کا جمگھٹا ہے نہ کالجوں اور ہائی سکولوں کے طلباء کی بھیڑ بھاڑ بلکہ یہاں تو جدھر دیکھو جواں مردوں کا دنگل ہے جہاں بندوقیں تلواریں ۔ خنجر اور جنبئے جھلمل جھلمل کر رہے ہیں ۔ یہاں کے امیر کبیر ۔ ایک ایک رئیس اور جاگیر دار بجائے خود حاکم مستقل ہیں جن کے محلات اور مکانات شہر میں ہیں اور وہ اپنے علاقوں اور جاگیروں میں حکم رانی کرتے ہیں ۔ سول سروس اور فوج دونوں میں اعلیٰ اعلیٰ عہدوں پر شمالی ہند کے منتخب لوگ مامور ہیں ۔ یہاں کی مہمان نوازی حد و حساب سے باہر ہے ۔ شاہی کارخانے میں کسی بات کی کمی نہیں ۔ انگریزوں اور ہندوستانیوں میں کہیں گہرا میل ملاپ دیکھا گیا ایسا کہ ایک دوسرے کے ہاں بے تکلف آتے جاتے ملتے جلتے اور دعوتیں اڑاتے ہیں ۔ ایسا خلط ملط مسلمانوں کی سوسائٹی میں سارے ہندوستان میں اور کہیں نہیں ہے ۔ انگریزوں کے کلب میں ہندوستانی ممبر ۔ نظام کے فوجی عہدہ دار سکندر آباد کے برٹش عہدہ داروں کے میس ہاؤس میں برابر آتے جاتے اور دعوتیں کھاتے ہیں ۔ غرض کسی قسم کی مغائرت نہیں ہے ۔ حیدر آباد کے ہندوستانی جنٹلمین یورپین طرز پر رہتے اور اُن کے مستورات اور طریقوں سے خوب واقف ہیں اور خوب فراٹے سے انگریزی بولتے ہیں ۔ یہاں کی تجارت بالعموم وہی ہے جو کہ دکن کے اور شہروں میں ہے لیکن ایک دو چیزیں یہاں کی مصنوعات کی خاص تذکرے کے قابل ہیں ۔ ۔ ورنگل آباد کا ہمرو اور مشروع چونکہ مسلمانوں کو خالص ریشم کا استعمال شرعاً ممنوع ہے لہٰذا ریشم اور سوت ملا کر یہ کپڑا نہایت نفیس اور مختلف اقسام کا بنایا جاتا ہے ۔ کمخواب اور کم خواب بھی بہت بنتا ہے ۔ حیدر آباد کی شطرنجیاں (دریاں) بھی مشہور ہیں لیکن اس کے لیے خاص کر ورنگل مشہور ہے ۔ پہلے پہل ورنگل کے قالین ۱۸۵۱ء کی نمائش میں پیش کیے گئے تھے جو نہایت نفیس تھے اُن کی بافت عجب نازک تھی کہ ایک مربع فٹ میں بارہ ہزار دھاگے تھے ۔ رنگ بھی عجیب نظر میں کھبنے والے اور موزوں تھے ۔ ان نادر قالینوں پر فی گز پچاس روپیہ صرفہ بیٹھا تھا ۔

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

ساری صفاتِ حسنہ ملیامیٹ ہوسکتی ہیں۔ لوگوں نے عصا کو چھوڑ چھاڑ [illegible]
سلے چارے کو مورچے پر دھر لیا ہے ورنہ اس سے بڑھ بڑھ کر لوگوں نے کام کیے

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ۔ پھر کر دونوں بستیاں مل جائیں گی۔ حیدرآباد کے
مغرب کوئی (۷) میل پر گولکنڈے کی پرانی اور ویران بستی اور قدیم قلعہ ہے جس کا
ذکر دوسری جگہ آچکا ہے۔ قدیم زمانے میں دکن میں گولکنڈے کی بھی بڑی طاقت و سلطنت
تھی جو خاندان بہمنیہ کی باقیات الصالحات تھی۔ اورنگ زیب نے ۱۶۸۷ء میں فتح کر کے
دلی کے تحت کر لیا۔ یہ قطب شاہیوں کا پایۂ تخت ۱۵۱۲ء سے ۱۶۸۷ء تک رہا۔ گولکنڈے
کے مشہور ہیرے جو زبان زد خاص و عام ہیں اُن کو یہاں صرف تراش کر جلا دی جاتی تھی
یہ ہیرے دراصل سرحدی مقام پرتیال میں دستیاب ہوتے تھے۔ جس مقام پر گولکنڈہ
واقع ہے وہ ایک پتھریلا اور خشک خطہ ہے جس میں بہت بڑے بڑے گول ڈھیم سنگ خارا کے
ایک کے اوپر ایک عجیب و غریب طرح سے ادھر ادھر دھرے ہوئے ہیں۔ اس میدان
کے بیچ میں ایک پہاڑی پر جو قریب ڈھائی سو فیٹ کے اونچی ہے گولکنڈے کا بے رونق
قلعہ ہے۔ اس کوہ کے دامن میں ایک سلسلہ نہایت عالی شان گنبدوں اور مقبروں کا
ہے۔ یہ سارے گنبد جنگلی جھاڑی اور گھاس سے بے رونق ہو گئے تھے۔ نواب سر سالار جنگ
اول مرحوم نے ان سب کو صاف کروا کر ضروری مرمت کرا کے ایک شکل نکال دی۔
یہ سارے گنبد ہیں یکساں ہی وضع کے مگر قد و قامت میں چھوٹے بڑے ہیں اور سب مربع
چبوتروں پر بنے ہوئے ہیں اور گنبدوں کے چاروں کونوں پر ایک ایک برجی ہے۔ یہ سب
سنگ خارا کے ہیں جس پر پچیکاری اور کاشانی کام رنگ برنگ کا تھا جس میں کا کچھ کچھ
اب بھی باقی ہے۔ سب سے عمدہ اور بڑا مقبرہ محمد قلی قطب شاہ بانی چار مینار و مکہ مسجد کا ہے
جو (۱۸ [illegible]) بلند ہے۔ اس گنبد کا قبہ ساٹھ فیٹ اونچا ہے۔ اس کے پتھروں اور ستونوں میں نقاشی
کا عمدہ کام ہے اس پر تمام رنگین ٹائلز تھیں جس سے اس کی خوبی کا اندازہ ہو سکتا ہے جن میں
سے اب بھی کہیں کہیں کوئی کوئی ٹائل باقی رہ گئی ہے۔ اگرچہ حیدرآباد میں بمقابلہ دیگر مقامات
ہند کے قدیم عمارات ایسی نہیں ہیں جو دوسرے مقامات سے ہمسری کر سکیں تاہم یہ شہر نہایت
خوش نما اور دل آویز ہے اور دیگر رؤسا کے پایۂ تخت سے اپنی آن بان میں نرالا ہے۔ بڑودہ
میسور۔ اندور۔ ہندوانی ریاستوں کے شہر ہیں اور اسی وجہ سے ہندوانی طرز کے ہیں لیکن

(بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ)

ڈرروانی شکل کہ اُس کی ہمارے سامنے پیش کی گئی - وہ انسان تھا فرشتہ نہ تھا اگر تمام ترخوبیوں کے ساتھ اُس میں ایک آدھ برائی بھی ہو تو کیا اُس سے اُس کی

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ - کا زینہ ایسا ہی کہ سارے ہندوستان میں اس کا جواب نہیں ہر ایک سیڑھی نہایت شفاف سنگ خارا کی ایک ہی سلگ کٹی ہی - ساری عمارت از سر تا پا آراستہ و پیراستہ اعلیٰ درجے کے ساز و سامان سے ہندوستانی پسند اور مذاق کے موافق سجی ہوئی ہی - احاطۂ رزیڈنسی میں عمدہ باغ ہی اور گرد نہایت مستحکم فصیل نما احاطہ ہی جس کے دو بڑے عالی شان اعلیٰ درجے کے دروازے ہیں - رزیڈنٹ جو صاحب عالی شان کے نام سے خطاب کیئے جاتے ہیں اس مکلف مکان سے علیحدہ ایک اور کوٹھی میں رہتے ہیں رزیڈنسی کا ایک دوسرا مکان بلارم میں بھی ہی وہاں بھی رزیڈنٹ صاحب اکثر رہتے ہیں - جہاں نما اور فلک نما کے دو عالی شان محل کیا بلحاظ اُن کی عظمت و شان کے اور کیا بلحاظ آراستگی اور نفاست کے حیدرآباد کی نہایت مشہور عمارتوں میں ہیں - میر عالم کا وسیع تالاب دو میل لمبا ہی جو ایک تختۂ آب شفاف کا بڑی نفیس تفرج گاہ ہی جس میں کشتیاں پڑی ہوئی ہیں - اس کا بند اکیس بھاری اور مضبوط محرابوں کا ہی - تالاب کے مغرب میں ایک پست پہاڑی پر جنگل عجیب و غریب سبزہ زار ہی - اس پہاڑی کے اوپر محبوب علی کی درگاہ بڑا دل چسپ مقام ہی جس پر کسی زمانے میں لاجوردی ٹائلز لگی ہوئی تھیں - یہاں سے اطراف کا بڑا عمدہ منظر مدنظر ہوتا ہی - حسین ساگر کا تالاب حیدرآباد سے سکندرآباد کے رستے میں سڑک کے برابر یہ وسیع تالاب دو تین میل تک سڑک کے برابر برابر پھیلا ہوا ہی اس کا نہایت مستحکم اور فراخ بند ایک عجیب بے نظیر سیرگاہ ہی لوگ شام کو کثرت سے اس پر ہوا خوری کرتے ہیں اور گرمیوں میں تو بڑے لطف کا مقام ہی سڑک پر طرح طرح کی گاڑیوں اور موٹروں کا ہجوم رہتا ہی - حیدرآباد کے سارے امرا اور رؤسا کو یہاں دیکھ لو - ایسی سیرگاہ تمام ہندوستان میں اور کہیں نہیں ہی - اس تالاب کے کنارے کنارے ریل دوڑتی ہی - حضور عالی نے اس تالاب کے کنارے بھی ایک بڑا عالی شان محل بیگم پیٹ میں بنوایا ہی اور ایک سلسلہ امرا کے محلات اور کوٹھیوں کا چلا گیا ہی - چند دنوں میں آبادی بڑھتے بڑھتے بیگم پیٹ سے سکندرآباد تک کا میدان عمدہ اور نفیس طرز جدید کے محلات اور کوٹھیوں سے

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

کے حالات میں ضمناً الرایات سے سرویا کی تردید کرتے آئے ہیں لہذا اب اس بحث میں پڑنا تحصیل حاصل ہے۔ خلاصہ یہ کہ اورنگ زیب ہر گز ایسا نہ تھا جیسی

تکملۂ نوٹ صفحۂ گزشتہ۔ مسندداروں سے کھچا کھچ بھرے رہتے ہیں اور سات ہزار آدمیوں کی اس میں سمائی ہے۔ شہر کے بیچوں بیچ میں چوراہے پر چار مینار کی مشہور عمارت ہے جس کے چار اونچے اونچے مینار ہیں۔ یہ عمارت سنہ ۱۶ء کے قریب بنی تھی جس کے چاروں طرف ایک ایک بڑی محراب اور اوپر کئی مدرسے ہیں جس میں پہلے مدرسہ تھا اور اب سٹور ہے۔ اس عمارت کے چار مربعے سو سو فیٹ کے ہیں اور میناروں کی بلندی (۱۲۵) ہے۔ یہ مقام شہر کی ناف میں بڑی رونق کا مقام ہے۔ جامع مسجد یا مکہ مسجد ایک بڑی عظیم الشان عمارت ہے اس کے مینار بہت خوب صورت اور سو فیٹ بلند ہیں۔ ستون سب سنگ خارا کے ایک ہی ایک ٹکڑے کے ہیں یہ بھی محمد قلی قطب شاہ کی بنائی ہوئی ہے جو سنہ ء میں بنی تھی۔ نواب سر سالار جنگ کی ڈیوڑھی بارہ دری جال کے طرز کی ایک وسیع اور نفیس عمارت مع چینی خانہ وغیرہ کے جس کے گرد خوش نما باغ اور اصطبل اسپان اور ہاتھی خانہ ہے۔ حیدرآباد کے سیر و سیاحت میں بڑے بڑے باغ اور اُن میں عالی شان محلات۔ بارہ دریاں۔ تفریح گاہیں۔ تالاب۔ پُل اور نفیس سڑکیں ہیں جیسے سردار نگر جہاں رمنوں میں پالتو ہرن اور بارہ سنگے گھومتے پھرتے ہیں۔ ریلوے سٹیشن کے پاس باغ عامہ ایک نہایت وسیع دلکش اور آراستہ باغ ہے جس کے بیچ میں ایک لوہے کا بنگلہ دیکھنے کے قابل ہے۔ علی ہذا بشیر باغ کی عالی شان عمارت اور باغ دیکھنے کے قابل ہے۔ ایک سے ایک بڑھ کر امرا کی ڈیوڑھیاں کثرت سے ہیں جو سب آراستہ اور سجی سجائی ہیں۔ رزیڈنسی کی عالی شان اور وسیع عمارت چادر گھاٹ میں ہے۔ ہندوستان بھر کی عمدہ عمارتوں میں سے ایک یہ بھی ہے۔ موسی ندی کے کنارے پر یہ عمارت بنی ہوئی ہے۔ رزیڈنسی کی عمارت سنہ ۱۸ء میں تمام تر ہندوستانیوں کے ہاتھ کی بنائی ہوئی ہے۔ شمالی رخ پر ایک بڑا نفیس برآمدہ ہے جس میں (۲۲) سیڑھیاں سنگ خارا کی ہیں۔ سب سے نیچے کی سیڑھی ساٹھ فیٹ لمبی ہے جس کے دونوں جانب بہت بڑے بڑے پتھر کی کٹہرے دار سیڑھیاں ہیں۔ ہال ۶۰×۳۳ اور ساٹھ فیٹ اونچا ہے اور بہت سے کمرے اسی مناسبت سے وسیع ہیں۔ رزیڈنسی کے برآمدے

(بقیہ نوٹ برصفحۂ آئندہ)

اپنی طرف سے نہیں گھڑی بلکہ جو کچھ لکھا کانٹے کی تول ٹھونک بجا کر لکھا اور ہر قول کی سند میں بیشتر یورپین مورخین کی سند پیش کی ہے۔ ہم چوں کہ اورنگ زیب تکھار نوٹ صفحہ گزشتہ۔ شامل ہے۔ سکندر آباد کے علاوہ شہر میں گھڑی اور بلارم کی چھاؤنیاں بھی ہیں۔ بلدۂ حیدر آباد کے گرد چھ میل کے دور کی ایک پختہ اور مورچہ دار فصیل ہے جس کے تیرہ شان دار دروازے ہیں۔ اندرون فصیل شہر کی آبادی ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے اور بیرون شہر دو لاکھ اکتیس ہزار جملہ تین لاکھ پچپن ہزار۔ حیدر آباد پتھریلی زمین اور پہاڑیوں کے متفرق بڑے بڑے ڈھیموں میں واقع ہے نشیبی حصۂ زمین میں بڑے بڑے تالاب ہیں۔ شہر میں جس تالاب سے پانی آتا ہے اُس کا دور بیس میل کا ہے۔ شہر کے اندر عمارتیں کسی خاص تذکرے کے قابل نہیں لیکن بازاروں میں بڑی رونق ہے۔ چوں کہ حیدر آباد سب سے بڑی ریاست ہے یہاں ہر قوم و ملت کے لوگ جمع ہیں اور یہاں کی سروس میں تمام ہندوستان سے چن چن کر نہایت لائق اور قابل لوگ جمع کیے گئے ہیں ترک۔ عرب۔ افغان۔ زنجباری۔ بخاری۔ رُہیلے۔ حبوش۔ سکھ۔ راجپوت۔ راٹھور۔ مرہٹے۔ پارسی۔ مدراسی۔ اور ہر قسم کے اہل ہنود کثرت سے موجود ہیں۔ حیدر آباد کا شہر اب روز بروز ترقی کر رہا ہے اور اُس کی وسعت بڑھتی جاتی ہے اور ایک نئے تعمیر ہونے کی وجہ سے خاص بلدے میں آثار قدیمہ موجود نہیں ہیں۔ حضور پر نور کا محل مبارک چو محلہ کہلاتا ہے جس کے تین عظیم الشان اور بہت وسیع مربع صحن چاروں طرف عمارتوں سے گھرے ہوئے ہیں۔ شاہی عمارتوں کا کیا کہنا۔ اس کے علاوہ ایک جدید محل بھی فرماں روا جہاں نے تعمیر کرایا ہے جو کنگ کوٹھی کہلاتا ہے اور شہر کے باہر ہے یہ عمارت بھی اپنی وسعت آراستگی اور شگفتگی کی وجہ سے دور دور مشہور ہے۔ اس کے گرد کی ساری عمارتیں اسی میں مل کر ایک چھوٹا سا شہر ہو گیا ہے۔ یہ عمارت طرز جدید کی ہے اور یورپین اسٹائل سے بڑے اعلیٰ پیمانے پر سجی ہوئی ہے اور اب اسی میں حضور اقدس رونق افروز رہتے ہیں یہ کوٹھی دراصل نواب کمال خاں کی تھی اُنھوں نے اعلیٰ حضرت کی نذر گزرانی اس کی ہر اینٹ پر کمال خاں کے نام کے حروف تہجی کے ک لکھے ہوئے ہیں کسی کو خوب سوجھی کمال خاں کے ک کے کو کنگ کوٹھی کے ک سے تعبیر کیا۔ چو محلے کے وسیع صحن قسم قسم کی جمعیت ملازمین۔ چوبدار۔ مردھوں۔ ملازمین۔ حشم خدم۔ امراء رؤسا۔ جاگیرداروں

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)

اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر

داستانِ عہدِ گل را بشنو از مرغِ چمن
زاغہا آشفتہ تر گفتند ایں افسانہ را

اورنگ زیب کے ڈیفنس میں شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی مرحوم و مغفور نے ایک چھوٹا سا رسالہ لکھ کر بڑا کام کیا

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ — دنوں بعد اکتوبر ۱۷۲۳ء میں آصف جاہ نے وزارت سے استعفا دیا جو معناً خود مختاری کی سیڑھی تھا۔ بادشاہ نے بادل ناخواستہ استعفا منظور کیا اور نائب السلطنت کا سب سے اعلیٰ خطاب دیا لیکن اس کے پیٹھ پیچھے بادشاہ نے حیدرآباد کے مقامی صوبہ دار کو لکھ دیا کہ جس طرح بھی ہو آصف جاہ کو گرا کر تم خود ملک دکن پر متصرف ہو۔ مبارز خاں دل و جان سے اس کے انصرام کی طرف متوجہ ہوا اور ایک زبردست لشکر فراہم کیا۔ آصف جاہ نے صلح مصلحت کی گفت شنود کو ڈھیل دے کر کئی مہینے گھلا دیئے اور اس اثنا میں مبارز خاں کے طرف داروں میں پھوٹ ڈلوانے کی کوشش کی گئی۔ آخر کار آصف جاہ کھلم کھلا میدان جنگ میں اتر آیا اور اکتوبر ۱۷۲۴ء میں مبارز خان کو لڑائی میں شکست ہوئی اور مارا گیا گویہ لڑائی محمد شاہ کی اشتعالک پر ہوئی تھی مگر بادشاہ اپنا پہلو بچاتا رہا اور اپنی لاتعلقی ظاہر کرتا رہا۔ آصف جاہ اس مکاری سے واقف تھا اس نے نہ صرف مبارز خاں کا سر کاٹ کر دلی بھجوایا بلکہ ایک چرکہ یہ بھی دیا کہ اپنی جانب سے بادشاہ کو اس بلوے کے فرو ہونے پر مبارکباد بھی عرض کی۔ اب آصف جاہ مستقلاً حیدرآباد دکن میں ٹک گئے اور ایک خود مختار سلطنت کی بنا ڈالی جس پر بہ افضال الٰہی آج تک اُن کی اولاد حکمراں ہے اور یہی حیدرآباد کے نظام کہلاتے ہیں۔ شجرۂ خاندان آصفیہ حیدرآباد دکن

خواجہ عابد قلیچ خاں صوبہ دار اجمیر

میر شہاب الدین المعروف بہ غازی الدین خاں صوبہ دار گجرات

(۱) میر قمرالدین خاں فتح جنگ نظام الدولہ نظام الملک آصف جاہ

۱۷۴۸-۱۶۷۱ء اورنگ زیب کے زمانے میں عروج پایا اور محمد شاہ کے وزیر تھے ۱۷۱۳ء میں صوبہ دار دکن مقرر ہوئے اور خاندان مغلیہ کے زوال کے بعد ۱۷۲۴ء میں خود مختار ہوئے (تاریخ وفات ۱۷۴۸ء)

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

لیکن اگر آج اورنگ زیب زندہ ہوتا تو یقیناً اُس کا طرزِ عمل اور ہی ہوتا۔

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ۔ داؤد خاں کو گولی لگی اور وہ جاں بحق ہوا۔ ۱۷۱۶ء میں حسین علی نے ان مرہٹوں کا پیچھا لیا لیکن بالکل شکست کھائی۔ حسین علی اور اُس کے بھائی عبداللہ خاں وزیر دکن دونوں نے فوج جمع کرکے فرخ سیر پر چڑھائی کی کیوں کہ اُن کو معلوم ہو گیا تھا کہ بادشاہ حسین علی کے قتل کے درپے ہے اور یہ ایک اتفاقی بات تھی کہ سر سے ٹل گئی۔ دسمبر ۱۷۱۸ء میں یہ لوگ دلی پر جا چڑھے اور بادشاہ کو ایسا دبایا کہ ان کے مطالبات کو قبول کر لیا جس سے ان کا حوصلہ یوماً فیوماً بڑھتا گیا یہاں تک کہ قلعہ اور محل شاہی میں اُن کی فوج کا دخل ہو گیا۔ فروری ۱۷۱۹ء میں فرخ سیر کو معزول کیا گیا اور دو مہینے کے بعد انہیں دونوں بھائیوں کے حکم سے فرخ سیر قتل کیا گیا۔ ان دونوں بھائیوں نے جو دو سید کہلاتے تھے **رفیع الدولہ** کو تخت پر بٹھلایا جو چند ہی مہینوں میں مر گیا۔ اس کی جگہ (۱۷۱۹-۴۸ء) میں **محمد شاہ** آخری خود مختار بادشاہ دہلی کا ہوا۔ اس کی سلطنت کا پہلا اہم بالشان واقعہ ان دونوں سیدوں کا قلع قمع تھا جو **آصف جاہ** اور **سعادت خاں** دونوں کی امداد سے ہوا (یہی سعادت خاں آگے چل کر اودھ کے خاندان کا بانی ہوا)۔ آصف جاہ نے جب ملک کی حالت ابتر اور محمد شاہ کو دیکھی تو اُسے فوج جمع کرنے کا بہانہ ملا اور اُس نے یہ بھی دیکھ لیا کہ دلی میں رہتے اُس کا چراغ نہیں جل سکتا اس لیے سیدھے دکن کی طرف متوجہ ہوا کہ یہاں اچھی طرح اپنے پاؤں جمالے گا۔ سیدوں کے خلاف میں اس کی تدابیر کارگر ہوئیں۔ اکتوبر ۱۷۲۰ء میں حسین علی قتل ہوا اور اسی سال کے اختتام پر عبداللہ خاں نے شکست کھائی اور محمد شاہ نے اُسے قید کر لیا۔ لیکن محمد شاہ کی طاقت روز بروز گھٹتی چلی جاتی تھی جنوری ۱۷۲۲ء میں آصف جاہ دہلی پہنچے اور وزارت کا قلمدان اُن کے سپرد ہوا۔ آصف جاہ نے معاملہ بالکل درہم برہم پایا۔ دربار کی حالت ابتر۔ بادشاہ مع اپنے مصاحبین کے عیش و نشاط میں مدہوش۔ چند مہینے وزارت لشتم پشتم چلی خود غرضوں نے چاہا کہ کسی طرح آصف جاہ نکل جائے۔ آصف جاہ کو صوبہ دار گجرات کی بغاوت فرو کرنے کو دھکیل دیا۔ وہ صاحب تدبیر تھے جلد کامیاب ہو کر [illegible] آیا اور گجرات کے زرخیز ملک کا سلطنت میں اور اضافہ ہوا۔ اس فتح کے تھوڑے ہی

(بقیہ نوٹ صفحہ آیندہ)

غرض اس بارے میں جو کچھ اورنگ زیب نے کیا وہ بلحاظ مقتضائے زمانہ درست تھا۔ اُن دنوں یورپ کا کوئی بادشاہ بھی ہندوستان پر حکمراں ہوتا تو وہ بھی یہی کرتا جو کہ اورنگ زیب نے کیا

(تکملہ نوٹ صفحہ گذشتہ) جھگڑا پڑا۔ آخر الذکر کو فتح ہوئی اور بہادر شاہ کے لقب سے وہ بادشاہ ہوا۔ شہزادہ کام بخش نے مخالفت کی۔ بہادر شاہ نے بہت کچھ چاہا کہ معاملہ روبراہ ہو جائے اور مراعات بہت کچھ کی مگر کوئی صورت نہ بنی اور آخر کار حیدر آباد کے پاس فروری ۱۷۰۸ء میں لڑائی ہوئی جس میں کام بخش نے شکست پائی اور زخمی ہو کر مر گیا۔ بہادر شاہ نے تب مرہٹوں سے ایک عارضی صلح کر لی اور اس طرح تا ختم مدت سلطنت ۱۷۱۲ء تک دکن میں امن و امان رہا۔ شہزادہ اعظیم کے متوسل ذوالفقار خاں کو وائسرائے اور داؤد خاں ایک پٹھان سردار کو جس نے اورنگ زیب کے زمانے میں نمایاں کارگذاری کی تھی انتظام مملکت تفویض کیا گیا۔ بہادر شاہ کی وفات کے بعد اُس کے بیٹوں میں پھر تخت سلطنت کے لیئے تنازع برپا ہوا۔ بڑے بیٹے جہاں دار شاہ کی نااہلیت کی وجہ سے دوسرے بیٹے عظیم الشان کو ترجیح دی گئی لشکر اور امرا اس کے پیچھے پر تھے۔ لڑائی ٹھن گئی عظیم الشان پسپا اور قتل ہوا اور جہاں دار شاہ بلا غل و غش بادشاہ ہو گیا۔ سب سے پہلا کام اُس نے یہ کیا کہ چن چن کر شہزادوں کو جو ہاتھ لگا قتل کروایا۔ عظیم الشان کا صرف ایک لڑکا فرخ سیر صوبہ دار بہار سید حسین علی کی آڑ میں بچ رہا تھا۔ ان دونوں میں آگرے کے قریب ۲۸ دسمبر ۱۷۱۲ء کو لڑائی ہوئی اور یکم جنوری ۱۷۱۳ء کو فرخ سیر تخت پر بیٹھا اور امرا و رؤسا کو سرفرازیاں ہوئیں جن میں ایک بڑے مرتبے کا امیر اور بڑا ... ٹیہ ... میں چین قلیچ خاں بھی تھا اُس کو نظام الملک آصف جاہ کا خطاب ملا۔ ذوالفقار خاں کا سر ذوالفقار سے اُڑا دیا گیا اور دکن کی صوبہ داری سید حسین علی کو ملی۔ لیکن بادشاہ اس کے زور زورے سے کھٹکا ہوا تھا اور چاہتا تھا کہ کسی طرح اس سے اپنا پیچھا چھوڑائے۔ اس لیئے بادشاہ نے داؤد خاں کو لکھا کہ اگر تم کسی طرح اس کا کام تمام کر دو تو تم کو دکن کی صوبہ داری دی جائے گی۔ داؤد خاں کو منہ مانگی مراد ملی کہ اپنے مربی ذوالفقار خاں کے قتل کا بدلہ لے۔ جھٹ برہان پور پہنچ اپنی صوبہ داری کا اعلان کر دیا اور حسین علی کے میدان میں آنے کا انتظار کرنے لگا۔ دونوں میں ایک بڑی سخت لڑائی ہوئی اور قریب تھا کہ داؤد خاں کے ہاتھ میدان رہے کہ

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

انگلستان میں بہیرے بادشاہوں نے ایسے لوگوں کو مروا دیا جو اُن کے اپنے مرتبے کے سے تھے

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) سر زمین دکن پر قدم دھرا۔ شاہ جہاں نے اپنے بیٹے اورنگ زیب دکن کا صوبہ دار کر کے بھیجا۔ قطب شاہیہ خاندان کے وزیر اعظم میر جملہ سے سبب اُس کے بیٹے کے مناقشہ ہو گیا جب معاملہ نہ سلجھا تو اُس نے مغلیہ بادشاہ کا دامن پکڑا۔ اورنگ زیب کی سفارش پر اس کے باپ نے میر جملہ کی طرف داری کی اور عبداللہ قطب شاہ کے نام ایک فرمان جاری کیا لیکن عبداللہ قطب شاہ کو شاہ جہاں کی اس قسم کی مداخلت اس کی خود مختار سلطنت کے اندرونی انتظام میں ناگوار گزری اُس نے میر جملہ کی کل جائداد قرق کر لی اور اُس کے بیٹے محمد امین کو قید کر دیا۔ شاہ جہاں کو جب خبر ملی کہ اس کے حکم کی یہ بے توقیری کی گئی تو اس نے اورنگ زیب کو لکھوایا کہ تلوار کے زور سے فرمان شاہی کی تعمیل کرائے۔ اورنگ زیب یہ چال چلا کہ بظاہر اپنے بیٹے سلطان محمد کو اپنے بھائی شاہ شجاع کی لڑکی سے شادی کرنے کو جا رہا ہے اور پلٹ پڑا حیدر آباد پر۔ اورنگ آباد دار السلطنت دکن سے بنگال کی سڑک گونڈوانے کے جنگل سے بچنے کے لیے مسلی پٹم پر سے چکر کاٹ کر جاتی ہے اس وجہ سے حیدر آباد کے قریب سے گزر ہوا۔ عبداللہ قطب شاہ اورنگ زیب کی مہمان داری کا انتظام کر رہا تھا مگر اورنگ زیب مہمان کے لباس میں دشمن بن کر آیا اور بادشاہ کو اس طرح اچانک گھیر لیا کہ اسے مشکل سے حیدر آباد سے (۷) میل قلعۂ گولکنڈہ کے پہاڑی قلعہ میں جا کر پناہ لینے کے سوائے مفر نہ تھا۔ اس طرح حیدر آباد کو خالی پا کر خوب لوٹا اور جلا بھی دیا۔ عبداللہ شاہ نے جہاں تک ممکن تھا صلح کی کوشش کی لیکن مغل تنے ہی رہے اور کسی طرح محاصرہ نہ اٹھایا۔ عبداللہ شاہ نے آخرکار مجبور ہو کر اپنی لڑکی سلطان محمد کو دی اور بہت کچھ نقد اور جواہرات جہیز میں دیں اور سالانہ خراج کی پہلی قسط یک کروڑ روپیہ پیشگی کی اور دو سال میں ادا سے بقایا کا وعدہ کیا۔ میر جملہ نے مغلوں کی ملازمت اختیار کر لی اور اورنگ زیب کا واہاہا تھم گیا۔ عبداللہ شاہ نے ۱۶۷۲ء میں انتقال کیا اور اس کا داماد ابوالحسن تانا شاہ تخت نشین ہوا اس کا مفصل حال اوپر آ چکا ہی سالوس پر ایک بہادر ہردل عزیز بادشاہ تھا جس کے محاسن اب تک دکن میں زبان زد خلایق ہیں۔ اورنگ زیب کی وفات (۱۷۰۷ء) تک حیدر آباد میں کوئی اہم واقعہ پیش نہیں آیا۔ شہزادۂ اعظم اور معظم میں تخت کا

(بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ)

جو نشست و برخاست وہ آج کل کے نقطۂ نظر سے قابلِ اعتراض سمجھا جاتا ہے مگر اُس زمانے میں ساری دنیا کا یہی حال تھا چنانچہ
(تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ) سات میل کے فاصلے پر منتقل کی اور ایک شہر دریائے موسیٰ کے کنارے آباد کیا۔
پہلے اس کا نام بادشاہ نے اپنی چہیتی بی بی بھاگ متی کے نام پر بھاگ نگر رکھا اور اُس کی وفات کے بعد
حیدر آباد نام بدل دیا۔ ۱۵۸۹ء سے گولکنڈہ اور حیدر آباد دونوں کے تاریخی واقعات کا چولی دامن کا
ساتھ ہے۔ نئی دار السلطنت کی بنا کے بعد ہی محمد قلی نے اپنے ہمسر حد راجاؤں سے وہ لڑائیاں کیں جو
ابراہیم شاہ بادشاہ سابق کے عہد میں شروع ہوئی تھیں پھر آغاز کر دیں۔ اس بادشاہ نے
دریائے کرشنا کے جنوب میں اپنی فتوحات کو وُسعت دی اور گنڈی کوٹہ کے مستحکم قلعہ کو فتح کر لیا
اور فوج کے ایک دستے نے شہر کڑپہ کو لوٹ ڈالا۔ اس کی بعض افواج حدود بنگال تک جا پہنچیں
اور محمد قلی نے اوڑیسہ کے راجہ کو شکست دی اور شمالی سرکار کا بہت سا حصہ فتح کر لیا۔ ۱۶۰۳ء
میں بادشاہ ایران شاہ عبّاس کا سفیر حیدر آباد میں ایک مرصع تاج اور بہت سے تحائف
لے کر آیا۔ یہ سفیر حیدر آباد میں دل کشا محل میں چھ برس رہا اور سالانہ تیس ہزار روپیہ پاتا تھا
جب وہ واپس جانے لگا تو اُس کے ساتھ ایک امیر بہت سے تحائف لے کر گیا جس
میں پٹن (ضلع اورنگ آباد) کی ساختہ کم خواب بھی تھی۔ یہ تھان پانچ برس میں بن کر طیار ہوا۔
۱۶۱۱ء میں محمد قلی نے (۳۴) سال کی سلطنت کے بعد انتقال کیا۔ اس بادشاہ کے عہد کی بڑی
بڑی عمارتیں الٰہی محل۔ محمدی باغ۔ نوبت گھاٹ محل۔ چار مینار۔ جامع مسجد ہیں۔
بادشاہ کو منظور تھا کہ بلدۂ حیدر آباد کی آبادی مشہد مقدس کی طرح کی ہو۔ لہٰذا بجائے روضۂ
منورہ حضرت امام علی ابن موسیٰ رضی علیہ الصلوٰۃ والسلام چار مینار کی عمارت جس کا ارتفاع
(۶۲) گز ہے اور جس پر مسجد اور حوض آبِ مصفا ہے تین لاکھ روپیئے کے صرف سے بنائی گئی
تاریخ بنائے حیدر آباد و چار مینار یا حافظ ہے (۱۰۰۰ھ)۔ میر ابو طالب محاسب جیب خاص لکھتا ہے
کہ اس بادشاہ نے کارہائے رفاہ عام میں (۲۴۰۰۰۰۰) روپیہ صرف کیا۔ اور (۳۲۰۰۰۰)
روپیہ سالانہ خیرات و مبرّات میں صرف ہوتے تھے۔ بادشاہ کی فیاضی کی تقلید
امرا بھی کرتے تھے اور اسی وجہ سے سلطنت قطب شاہیہ کے عہد کی عمارتیں
دکن کی دوسری اسلامی سلطنتوں پہ سبقت لے گئی ہیں۔ محمد قلی کے بعد اُس کا
بیٹا عبد اللہ قطب شاہ بادشاہ ہوا۔ مغلوں نے شاہ جہاں کے عہد میں
(۱۰۶۸ھ-۱۶۲۷ء) جو پانچواں بادشاہ خاندان مغلیہ کا تھا (بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

بیٹتے اُسے لے کر جھروکوں کے نیچے سے نکلے۔ بادشاہ کی نظر بھی پڑ گئی اس نے پوچھا یہ کس کی میت ہے۔ اُنھوں نے جواب دیا فن موسیقی کی ہم اُسے گاڑنے لے جا رہے ہیں۔ بادشاہ نے فرمایا کہ برائے خدا ذرا گہرا گاڑنا کہ کہیں پھر نہ اُبھر آئے ممکن ہے کہ اورنگ زیب دل ہی دل میں پچھتاتا ہو کہ اس نے باپ بھائیوں کے ساتھ ایسا سلوک کیوں کیا اسا ہی ہندو رعایا کو کیوں دشمن بنالیا۔ اُس نے کسی کو اپنے عہد کی تاریخ لکھنے کی اجازت نہ دی تھی۔ کچھ حالات خفیہ طور پر خافی خاں نے لکھے تھے جو اورنگ زیب کی وفات کے بعد سامنے آئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اورنگ زیب کو ساری عمر میں کبھی خوشی نصیب نہ ہوئی بلکہ اخیر عمر میں تو بہت کبیدہ خاطر رہتا تھا۔ اس کے وقت میں سلطنت مغلیہ کی وسعت اتنی تھی کہ اس سے پیشتر اتنی کبھی نہ ہوئی تھی بیجاپور اور گولکنڈے ان دونوں سلطنتوں کا ایک نیا صوبہ بنایا گیا اول اول ان صوبوں کے حاکم نواب یا صوبہ دار کہلاتے تھے بعد نظام دکن کہلانے لگے۔ حیدر[1] آباد دکن ان کا دار الحکومت تھا۔ اور نگ زیب پر جو الزام متعصب ہونے کا ہے اس کی تردید اوپر آچکی ہے اُس نے ہندو عیسائیوں اور شیعوں سے

[1] حیدر آباد دکن۔ رقبہ (۸۲۶۹۸) مربع میل۔ آبادی (۱۲۴۷۴۶۷۶) محاصل (... ۵ ۴۸) سلامی (۲۱) توپ۔ رئیس ہز اگزالٹڈ ہائینس حضور اقدس و اعلیٰ بندگان عالی متعالی مظفر الممالک رستم دوراں ارسطوئے زماں نظام الملک نظام الدولہ میر عثمان علی خاں بہادر فتح جنگ آصف جاہ سابع۔ جی سی ایس آئی۔ جی سی بی۔ بلدۂ حیدر آباد فی حدہ دنیا کے حالات لکھنے کے لئے ایک بڑا کتاب کی ضرورت ہے۔ دریا کی سمائی کوزے میں کس طرح ہو سکتی ہے لیکن بہت مختصر طور پر ذکر کیا جاتا ہے تا کہ اتنا بڑا شہر چھوٹا نہ جی آئی پی ریلوے کے واڑی جنکشن سے (۱۱۵) میل نظام گارنٹیڈ سٹیٹ ریلوے ہے۔ جو (۳۲۸) میل لمبی ہے دوسری لین چھوٹی پٹڑی کی حیدر آباد گوداوری ویلی ریلوے حیدر آباد سے منماڈ تک (۳۹۲) میل لمبی ہے۔ ہندوستان کی ریاستوں میں حیدر آباد کا سٹیٹ سب سے بڑا ہے اور جیسا سٹیٹ بڑا ہے ویسا ہی یہاں کا حکمران بھی سب مختار گورنمنٹوں میں اعلیٰ درجے کا ہے ہنٹر گزیٹیر میں حیدر آباد کے متعلق یہ لکھا ہے۔ اس شہر کی بنا ۱۵۸۹ء میں قطب شاہ محمد قلی خاندان قطب شاہیہ گولکنڈے کے پانچویں بادشاہ کے عہد میں پڑی۔ محمد قلی نے بسبب قلت آب و ہوا کے اپنی دار السلطنت گولکنڈے سے (بقیہ نوٹ صفحہ آیندہ)

حاصل کرنا ضرور ہندوؤں کی بد دلی اور منافرت کا باعث ہوگا باوجود اس کے بھی وہ اپنے مذہبی
احکام سے سر مو تجاوز نہ کر سکا۔ اس میں کسی کو کلام نہیں کہ وہ بڑا متقی اور پرہیزگار تھا
اور اس کے دل میں خدا کا خوف بہت تھا اور اس بات میں بھی کسی کو اختلاف نہیں کہ اس سے غالباً
بلکہ سخت غلطیاں ہوئیں۔ اس کی اپنی متشکی طبیعت فراخ حوصلگی کی کمی۔ غلط اصول کی پابندی نے ایسی
باتیں پیدا کر دیں جو بالکل اس کے قابو سے باہر تھیں۔ اس کے سپاہیوں کی بزدلی
سپہ سالاروں کا تزلزل ارادہ۔ مرہٹوں کی اٹھان وجہ غارتگری۔ یہ چند اسباب ایسے تھے
جو سلطنت مغلیہ کے زوال کے باعث ہوئے۔ بادشاہ کی ہر کوشش
میں ناکامیابی کا اڑنگا لگا رہتا تھا مگر اس کی ناکامیابی بھی کچھ معمولی بات نہ تھی مرا ہاتھی
بھی سو من کا ہوتا ہے۔ وہ ناکامیابی بھی کچھ عجیب آن بان کی تھی۔ اس بگاڑ میں بھی
شان و شوکت قائم تھی۔ اورنگ زیب شروع ہی سے غلط رستے پر پڑا تھا لیکن
اس بات میں وہ مستحق تعریف ہے کہ ایک مرتبہ جس ڈھرے پر وہ پڑ لیا تھا بس اسی پر
جما رہا اور کبھی بال برابر بھی اس سے نہ ہٹ سکا۔ اورنگ زیب کی بڑی قابل ستائش بات
یہ تھی کہ وہ اپنے کانشنس کے خلاف نہ کرتا تھا اور اس کے ہر کام میں مذہب کی
چاشنی ضرور ہوتی تھی۔ اورنگ زیب بڑا پاکدامن اور پرہیزگار تھا۔ شراب
کے پاس نہ پھٹکتا تھا نہ عیاشی کی لت تھی۔ اپنے ذاتی مصارف میں روپیہ ضائع
نہ کرتا تھا۔ بلکہ اپنے ہاتھ سے ٹوپیاں سی سی کر اپنی روزی کماتا تھا۔ نہایت سادہ
لباس پہنتا تھا شاید ہی کبھی کوئی چاندی سونے کا زیور پہنتا ہو تو پہنتا ہو۔ اکبر کی طرح
مردانہ ہمت رکھتا تھا۔ کیسی ہی خطرناک مہم ہو ڈر تو کجا ذرا سی جھجک بھی نہ تھی سخت
گیر ضرور تھا۔ رعب داب بہت تھا۔ سلطنت کے کام میں کسی کی رتی برابر
خاطر مروت نہ کرتا تھا۔ خود اس کے بیٹے تھرانے رہتے تھے۔ ان میں سے
ایک کا تو یہ حال تھا کہ جب اس کا خط آتا تھا تو سہم جاتا تھا اور رنگ فق
ہو جاتا تھا۔ اگر کوئی اس کے حکم سے سرتابی کرتا تو کبھی اسے معاف نہ کرتا۔ تمام
جنگی افسر اور ملکی کارپرداز اس کے نام سے لرز جاتے تھے۔ ناچ گانے
سے بڑی نفرت تھی۔ تخت پر بیٹھتے ہی تمام ارباب نشاط کو نکال باہر کیا جو اس
کے باپ کے زمانے سے ملازم تھے۔ ان لوگوں نے ایک جنازہ بنایا اور روتے

معرض خطر میں مبتلا کیا تھا گویا تمام انتظام کی ابتری حد اب ہو چلی تھی - اس کے علاوہ اورنگ زیب کی سلطنت کی ناکامیابی کے اور اسباب بھی بیان کیے جا سکتے ہیں لیکن جتنا کہ ہم لکھ آئے ہیں نتیجہ نکالنے کے لیے وہ بھی کافی ہے

اورنگ زیب کا کیرکٹر

اورنگ زیب کے ارادے کی استقامت اس کی ہمت اور مستعدی اس درجے بڑھی ہوئی تھی کہ ممکن نہیں کہ ہم اس کی تعریف سے باز رہ سکیں اس کا سن پینسٹھ برس سے متجاوز تھا جب اس نے بالذات دکن کی معرکۃ الارا کارزار شروع کی - اس عمر میں جب کہ آرام و آسائش ایک ضروری چیز ہے اس قسم کی ہمت تکالیف اور مصائب انگیز کرنے کی ایسی سپاہی کی مثال کہیں اور دیکھنے میں نہیں آئی - تمام لڑائیوں میں وہ بالکل سیدھی سادی سپاہیانہ زندگی بسر کرتا تھا - زمین پر سوتا تھا اور متواتر کئی کئی دن کے روزے رکھتا تھا باوجود ان تمام صعوبتوں کے بھی سلطنت کی چھوٹی سی چھوٹی بات بھی اس کے پیش نظر رہتی تھی اور کیا محال کہ بدون اس کے خاص حکم کے کوئی تنکا ادھر سے ادھر ہو جائے - پیرانہ سالی سے گو کمر جھک گئی تھی مگر دل ہی جوان تھا تمام عرائض اور استغاثوں کو ٹھنڈے دل - اطمینان خاطر اور خوش دلی سے سنتا تھا - وہ دل اور دماغ کسی کو بھی بیکار و معطل نہ رکھتا تھا اور اس وجہ سے اس کی کوئی قوت کند نہ تھی نہ اس کے طبائع کی کسی سیر رگ میں ڈھیل آنے پائی تھی - اس بڑھاپے میں بھی اس کے دماغ اور تن بدن کی چستی اور پھرتی درحقیقت تعجب خیز تھی - ہم اوپر ان چند امور کا ذکر کر آئے ہیں جو ناکامیابی کی طرف منجر ہوئے تھے - اس کا شکی مزاج - بیٹوں سے بدگمانی (کیوں کہ اس کو اپنا وہ سلوک یاد تھا جو وہ خود اپنے باپ شاہ جہاں سے کر چکا تھا الملک یعقیس علے النفس) سارے کلی اور جزوی امور کا بار خود اٹھانا (جو کسی انسان کے بل بوتے کی بات نہیں ہے) یہ اسباب بھی ناکامیابی کے مد و معاون تھے - اس کا مذہبی غلو ایک ایسا نازک مسئلہ ہے جس میں بہت کچھ اختلاف رائے پیدا ہو گیا ہے بایں ہمہ حق بات چھپی نہیں جاتی اور یہ اعتبار کہنا پڑتا ہے کہ اس کی طبیعت میں بیباکانہ سنگ دلی نہ تھی - ان تمام خوبیوں کے ساتھ مراد اور دارا اور اس کے بچوں کے ساتھ جو سلوک کیا گیا وہ ناقابل معافی ہے - ہندوؤں سے بالعموم اور سکھوں سے بالخصوص کد و کاوش یہ بھی اس کی بڑی غلطی تھی کہ جس ان دنیا میں اور مگر بچوں سے سنتر - اورنگ زیب ایسا نادان نہ تھا کہ نہ جانتا ہو کہ جزیہ کا محصول دوبارہ

یہی باتیں ایسی تھیں کہ ہندو اورنگ زیب کو اپنا دشمن سمجھنے لگے اور یہی سبب تھا کہ راجپوت کھنچ گئے اور اورنگ زیب بڑی طاقت ور قوم کی امداد سے محروم ہو گیا۔ سیواجی جس سے اورنگ زیب بڑی نفرت کرتا تھا اور جسے وہ صرف لٹیروں کے ایک سرغنے سے زیادہ نہ سمجھتا تھا اُسی کو مرہٹے بہ مقابلے متعصب اورنگ زیب کے خدا کا اوتار۔ ہندو مذہب کا بڑا حامی و مددگار مانتے تھے۔ اورنگ زیب کو سنیوں میں ایسا غلو تھا کہ بیجاپور اور گولکنڈے کے شیعہ سٹیٹ بھی اُس سے اسی طرح برگشتہ ہو گئے تھے جیسے کہ ہندو راجہ۔ یہی سبب ہوا کہ مغلیہ لشکر کے دکن میں جا کر پرخچے اڑ گئے ورنہ یہی لوگ مرہٹوں کو مسل کر دھر دیتے۔ بادشاہ کے مزاج میں ایسا شک و شبہ تھا کہ اُس کو کسی پر اعتماد ہی نہ تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قابل اور معتمد لوگوں کے دل ٹوٹ گئے اور وہ اپنی اپنی جگہ رک گئے اور اُن کی جگہ نااہلوں کو ملی۔ اورنگ زیب کی سلطنت مدت بہت طول و طویل تھی مگر اُس نے عصائے سلطنت کو اُس وقت قوت سے پکڑا جب کہ خود اُس میں سکت باقی نہ رہی تھی۔ اُس کے عہد سے دار عیش و آرام کے بندے ہو گئے اور اُن میں قوت انتظامی جیسی کہ اُن کے بزرگوں میں تھی باقی نہ رہی تھی اور دیانت و امانت سے اپنے فرائض کے ادا کرنے میں قاصر ہو گئے تھے۔ دکن کی مدت ہائے دراز کی جنگوں کی وجہ سے شاہجہاں کے وافر خزانے کا ایک بڑا حصہ صرف ہو گیا تھا اور سلطنت کی فینانشل حالت بالکل ڈگمگا گئی تھی۔ فینانشل حالت کا

(بقیہ نوٹ صفحہ ۵۹۳) چتوڑ میں (۶۳) امبیر (جےپور) میں (۶۶) مندر ڈھائے گئے یعنی صرف ان دو علاقوں میں ایک سال کے اندر (۲۵۲) مندر ڈھوائے گئے۔ اس پر سے اکتالیس برس کے زمانے میں تمام سلطنت میں منہدمہ مندروں کی کیا تعداد ہوگی کون بتلا سکتا ہے۔ (از مآثر عالمگیری الیٹ اینڈ ڈاسن باب ہفتم صفحہ ۸۸) میں نے بھی دکن میں بمقام غار ہائے الیورہ اور ہمپی (بیجانگر) کے مندروں میں دیکھا ہے کہ کوئی بُت ایسا باقی نہیں ہے جس کے ناک کان نہ کاٹ لیئے گئے ہوں اور کسی نہ کسی طرح اُس سے بد نما اور ناقص نہ کر دیا گیا ہو۔ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ یہ کام خود اورنگ زیب کا ہو مگر اس میں بھی کلام نہیں کہ وہ بت پرستی کا بڑا دشمن تھا اور بمصداق اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِہِمْ عمال وقت نے ایسا کیا ہوگا کہ ؎ بہ نیم بیضہ کہ سلطان ستم روا دارد زنند لشکریانش ہزار مرغ بہ سیخ۔ ۱۲

اسباب ظاہر ہیں محتاج بیاں نہیں۔ جن کی صراحت جا بجا اوپر آچکی ہے لیکن یہاں سب ابواب کو یکجا کر کے مختصراً بیاں کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اورنگ زیب کا طرز عمل اس طرح کا تھا کہ گویا وہ صرف مسلمانوں کے سنی فرقے ہی کا بادشاہ تھا اور وہ تمام عقائد اور مذاہب کا جو ہندوستان میں رائج ہیں حامی اور محافظ نہیں تھا۔ اکبر کو اس بات کا بخوبی احساس تھا کہ ایسی سلطنت کی حکومت جس کی آبادی کا جز و اعظم اہل ہنود ہیں بدوں تمام رعایا کی شرکت و امداد کے دیرپا نہیں ہو سکتی۔ اورنگ زیب نے بھی اپنی سلطنت کے بڑے حصے میں تمامی مذاہب کے لوگوں کے ساتھ غیر طرفدارانہ انصاف رکھا لیکن اپنی سلطنت کے آخری حصے میں اپنے مقررہ اصول سے منحرف ہو گیا اور اسلام پر بھی مُنہ[1] آنے لگا۔ جہانگیر اپنے باپ کے معتدلانہ اصول پر عمل رہا اور ہندوؤں کے بہت سے مندر اور عیسائیوں کے گرجے بنوا دیئے۔ البتہ شاہجہان نے عیسائیوں کو ہلکان کرنے اور مندروں کو زمین کے برابر کر دینے کی بُرائی جابرانہ پالیسی اختیار کی۔ اورنگ زیب اس سے بھی ایک ہاتھ بڑھ گیا خصوصاً ۱۶۷۸ء کے بعد جب کہ راجہ **جسونت سنگھ** نے انتقال کیا اور اس کے ہم وطن اس کی طاقت و امداد سے محروم ہو گئے تب بادشاہ نے ۱۶۷۹ء میں پھر غیر مسلموں پر جزیئے کا وہ ناگوار ٹیکس لگا دیا جس کو اکبر نے اپنی دانشمندی سے موقوف کر دیا تھا۔ اورنگ زیب نے ہندوؤں کے مقامات مقدس کی برباد کرنے کی پالیسی کو حد غایت تک پہنچا دیا اور ہزارہا مندروں کو مسمار[2] کروا دیا۔

[1] مسٹر ونسنٹ سمتھ لکھتے ہیں کہ As to violate his avowed principles of heaping insult upon Islam (مگر صاحب موصوف نے اس بات کی صراحت نہیں کی کہ اورنگ زیب سے ایسی کون سی حرکت سرزد ہوئی جو اسلام کی توہین کی باعث ہو۔ اورنگ زیب تو اسلام پر مٹا ہوا تھا اور ادھر اس قدر جھکا ہوا تھا کہ دوسری طرف یعنی اہل ہنود ریر ریر کرنے لگے تھے۔ اس رائے کا نتیجہ تو یہ ہوا۔ ع

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم ۔ ادھر کے ہوئے نہ ادھر کے ہوئے

[2] ۷۹-۱۶۷۸ء میں راجپوتانے میں بڑی بربادی ہوئی۔ اودے پور اور اس کے قریب دو ارائیں (بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

دغدغہ لگا رہتا تھا اب دو طرفہ مطلع صاف تھا اور نرے مغل ہی مغل رہ گئے۔ دونوں سلطنتوں کی افواج بے روزگار ہو گئیں وہ لٹیروں میں جا ملے جن کے گروہ کو اور بھی تقویت ہو گئی اور ان سب نے مل کر وہ لوٹ مار شروع کی کہ توبہ ہی بھلی۔ اس بدنظمی کی ذمہ داری لوگ مغلوں کے سر دھرتے تھے اور یہ الزام دہی حق بہ جانب بھی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ کثرت سے مرہٹوں سے جا ملے۔ اورنگ زیب کی عمر کا بڑا حصہ دکن کے انتظام بٹھانے ہی میں گزرا مگر آتش زنی تلوار زنی اور غارت گری نے تمام ملک دکن کو تباہ کر دیا۔ بات یہ ہو کہ دہلی سے بُعد مسافت۔ رستوں کی دقت اور مخدوشی۔ حمل ونقل سامان کی مشکلات یہ سب باتیں دکن کو پوری طرح زیر کرنے میں حائل تھیں اور اتنی دور سے اس زمانے میں کہ نہ ریل نہ تار نہ سڑکیں نہ ندی نالوں پر پل نگرانی جیسی کہ چاہیئے نہیں ہو سکتی تھی۔ مختصر یہ کہ موقع ایسا بینڈا تھا کہ دکن رہا تاہم مغلیہ بالائی ہند کا ایک جزو بن نہیں سکتا تھا۔ اورنگ زیب کو ان باتوں کو خود سمجھ لینا چاہیئے تھا مگر یہاں بھی مذہب کا روڑا اٹکا ہوا تھا اورنگ زیب گوارا نہ کر سکتا تھا کہ بیجاپور اور گولکنڈے پر شیعوں کی بادشاہت رہے اور اس سے بڑھ کر مرہٹوں کی طاقت پکڑتے جانا اس کی آنکھوں میں خار تھا۔ مسٹر الفنسٹن لکھتے ہیں کہ۔ ان لڑائی جھگڑوں میں مغلوں اور مرہٹوں کے بالمقابل لڑائی کے ڈھنگ خوب کھل گئے اور یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ کون سا فریق فائدے میں رہا۔ عہد اکبری کے زمان دراز کا امن وامان۔ اس کے نرمی اور اعتدال کا طرز عمل۔ ہندوؤں سے گہرے میل جول نے شمالی ہند کے فاتحین کی پالیسی کو بہت نرم کر دیا تھا۔ جہانگیر کے زمانے کی کس مپرسی۔ لاپروائی اور تغافل۔ شاہ جہاں کے وقت کی ڈھیل۔ یہ باتیں انتظام اور فوجی سپرٹ کے لیئے سازگار نہ تھیں اور جس زمانے کا حال ہم لکھ رہے ہیں اب ان دونوں باتوں میں بھی تنزل آ گیا تھا۔ امراء کے کروفر۔ عیش پسندی اور امیرانہ ٹھاٹ کا اثر فوج تک پہنچا تھا اور یہاں تک نوبت پہنچ گئی تھی کہ اگر میدان جنگ میں بھی ان کے عیش وآرام میں کچھ کھنڈت پڑتی تھی تو وہ ناک بھوؤں چڑھاتے تھے۔ اگر یہ حالت بابر کے زمانے میں ہوتی تو کبھی اس قسم کے لشکر کی کمان نہ لیتا۔

اورنگ زیب کی ناکامیابی کے اسباب

اورنگ زیب کی ناکامیابی کے

زمانِ حیات ختم ہو گیا مگر وہ کم بخت ختم نہ ہوئیں اور ہمیشہ آئے دن ایک نہ ایک تازہ مصیبت کا (تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ) دل کے شکوک رفع کر لیں۔ بھائیوں کو مروا ڈالنا باپ کو قید رکھنا یے شک بڑا ہی بہت سنگین الزام ہیں لیکن اس بارے میں اورنگ زیب ہی کو کیوں دھر لیا۔ کرے ڈاڑھی والا پکڑا جائے مونچھوں والا۔ پولیٹکل مصلحتوں کے مقابلے میں یہ کوئی انوکھی بات نہیں لوگوں نے اس سے بڑھ بڑھ کر کام کیئے ہیں مگر کوئی مُنہ سے بھاپ بھی نہیں نکالتا اور وہی مثل ہو کہ کسی کے کیئے گھی کے گھڑے اور کسی کے کیئے پتھر پڑے۔ بہر حال اُس کی زندگی بالکل تکلفات سے مبرا تھی اُس کو اپنی آرام و آسایش کا بالکل خیال نہ تھا۔ ؎

اے ذوق تکلف میں ہے تکلیف سراسر آرام سے ہیں وہ جو تکلف نہیں کرتے

اُس کا مقولہ تھا کہ بادشاہ کا وجود محض رعایا کی خدمت گزاری اور آرام و آسایش کے لیئے ہے۔ درباری شان و شوکت اور دھوم دھام سے وہ سخت کارہ تھا۔ اکبر کی طرح اس میں مذہبی ڈھیل نہ تھی۔ بت پرستی کا جانی دشمن تھا جو کچھ کام کرتا تھا اُس میں مذہبی جھلک کا عنصر غالب رہتا تھا اور یہی وجہ مغلیہ سلطنت کے زوال کی ہوئی اگر ایسے خدا ترس اور نیک دل بادشاہ میں تعصب نہ ہوتا اور مذہبی تعدیل ہوتی تو سلطنت مغلیہ کا اور ہی رنگ ہوتا۔ جس ملک میں مختلف المذہب لوگ ہوں ضرور ہو کہ اُن کے مذہبی معاملات میں دست اندازی نہ کی جائے اور جب تک اکبر کی سی پالیسی نہ اختیار کی جائے جو عین مین برٹش گورمنٹ کی پالیسی بھی ہو ایسے ملک میں حکومت چل نہیں سکتی۔ ہر شخص کو اپنے عقاید مذہبی کا اختیار ہو۔ جتنا وہ چاہے اپنے آپ کو مذہبی قیود میں جکڑے کوئی منع نہیں کرتا مگر دوسروں کے مذہب میں مداخلت زیبا نہیں اور اورنگ زیب کی یہ ایسی غلطی تھی کہ جس کو کوئی اُٹھا نہیں سکتا

مدت شہزادگی دہ روز کم از چہل سال۔ مدت سلطنت از غرہ ذی قعدہ روز جلوس ۱۰۶۸ھ تا ۲۸ ذی قعدہ ۱۱۱۸ھ۔ مدت عمر ۹۱ سال۔ بحساب قمری و بحساب شمسی شہزادگی ۳۸ سال ۹ ماہ۔ سلطنت ۴۸ سال ۷ ماہ ۲۸ یوم۔ عمر ۸۸ سال ۷ ماہ ۲۲ یوم۔ لقب حضرت خلد مکان (از مفتاح) تاریخہائے وفات "حکم عالمگیر رفت" "رُوحٌ و ریحانٌ و جنّۃ نعیم"۔ آفتاب عالم تاب من ع۔ برفت از جہاں بادشاہے ولی "دخل الجنۃ"۔ ؎ از خرد کردم طلب چوں سال نقل آں ولی گفت۔ عالمگیر اورنگ اسم رادا دزیب ۱۱۱۸

چو پرسیدم از عقل سال وفاتش بگفتا کہ عالمگیر از جہاں رفت ۱۱۱۸

مرزا محمد شیرازی تخلص عالی کہ در سنہ ۱۱۰۰ھ بخطاب نعمت خاں و داروغگی باورچی خانہ ۱۱۱۸ نعمت فراوان اندوختہ بود و بعد وفات عالمگیر از شاہ عالم بہادر بخطاب نواب دانشمند خاں عالی سرمایہ مباہات

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)

آسے گے چل کر ایسی کچھ الجھنیں پڑ گئیں کہ سلجھائے نہ سلجھیں مشکلات میں کیسی کر اورنگ زیب کا
(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) قبر کو دہلی میں دیکھیے اور اکبر کی سکندرے میں۔ بڑی بھائیں بھائیں کر رہی ہیں
سرکار نظام وہ حمیر سرکار ہے کہ بلا لحاظ مذہب و ملت بزرگان دین کی درگاہوں اہل ہنود کے معابد کے لیے معتدبہ
معافیاں ہیں عرس اور جاترا ہوتے ہیں اور یہ تو بادشاہ کا مرا ہی جو بہ ہو کم ہے خداوند کریم اس سلطنت کو دن دونی
رات چوگنی برکت دے اور قایم ودایم رکھے جو مُردوں کے نام کو زندہ کر رکھا ہے۔ اورنگ زیب شاہزادگی کے
زمانے میں بطور سپہ سالار کے ملک دکن بلخ اور بدخشاں میں بہت رہا اور متواتر فتوحات حاصل کرتا رہا
اس وجہ سے وہ اپنے تمام بھائیوں میں ممیز، ممتاز اور تجربہ کار تھا چالیس سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ زمانہ
شاہزادگی سے مالی اور فوجی امور کا کافی تجربہ حاصل تھا۔ امور سلطنت کی تفصیلات میں ایسی کافی دستگاہ
رکھتا تھا کہ تخت پر بیٹھنے کے بعد ہر اعتبار سے وہ اس اہم ذمے داری کے شایاں اور موزوں تھا
خوش رو اور وجیہ دبلا پتلا اور پستہ قد تھا۔ لباس اور طرز زندگی بالکل سادہ اور فقیرانہ تھا۔ ہمیشہ سفید
ململ پہنتا تھا۔ ہوشیار و عقیل شجاع۔ فن سپہ گری میں مشتاق۔ مدبر اور بیدار مغز۔ محتاط۔ پابند مذہب
عالم باعمل۔ عامل حدیث۔ ہمیشہ تلاوت کلام مجید میں مصروف رہتا تھا۔ شاہجہاں کی طرح نہ مزاج
میں عیش و نشاط تھا۔ شراب چھوتا تھا بلکہ غذا بھی بہت سادی اور بہت کم کھاتا تھا۔ کبھی رقص و سرود
نہ دیکھتا اور نہ سنتا۔ بیت المال کی ایک کوڑی کو ہاتھ نہ لگاتا تھا۔ کیا ایسے ایثار کی اور کوئی مثال
پیش کی جا سکتی ہے؟ کلام مجید لکھ لکھ کر اور ٹوپیاں کاڑھ کاڑھ کر ذاتی مصارف کا انصرام کرتا تھا۔
ٹوپیاں کاڑھنے سے پانچ روپیے مہینے کی بچت ہوتی تھی اور یہی رقم اپنے تجہیز و تکفین کے واسطے
لگا رکھی تھی۔ کلام مجید کی کتابت سے قریب ساڑھے تیرہ سو کے نکلا وہ غربا میں تقسیم کر دیا گیا۔ محنتی
جفاکش اور بڑا محتاط تھا۔ مسلمان بادشاہوں میں ایسا اولوالعزم کوئی بادشاہ نہیں گزرا۔ روزے
نماز اور احکام شرع شریف کا ہمدردسے پابند تھا۔ آخری وقت تک کبھی ایک وقت کی نماز بھی قضا
نہیں ہوئی مرتے دم تک تسبیح ہاتھ سے نہ چھوٹی۔ دم نکل گیا مگر تسبیح ہاتھ میں ہی رہی۔ کٹا سُنی اور
مذہبی رنگ میں ڈوبا ہوا تھا کوئی امر خلاف شرع نہ کرتا تھا اور اسی واسطے لوگ اُسے متعصب کہتے ہیں۔
مذہب کی پاسداری کرے تو متعصب کہلائے مذہب کی طرف سے ڈھیل دے تو عیش پسند۔ انسان کو
دنیا میں کسی طرح چین نہیں۔ بھائیوں کے مروانے اور باپ کو قید میں رکھنے کے دو بڑے الزام
اورنگ زیب کی گردن پر ہیں مولانا شبلی اور دوسرے مصنف مورخین نے اس کی خوب تردید کی ہے
جن کو اس مسئلے پر حال ہو دیکھنا ہو رسالہ "اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر" ملاحظہ فرمائیں اور ایسے

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

اور دشواری سے مغلوب کرکے ایک بڑی حد تک اپنی دیرینہ آرزو پوری کرلی لیکن

(تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ) جس میں قبر کے غلاف وغیرہ رہتے ہیں۔ دروازے کے ٹھیک داہنی جانب قبر ہے جو اورنگ زیب کی وصیت کے موافق بالکل سیدھی سادی اور کچی ہے۔ اُس پر مثل دوسرے بادشاہوں کے کوئی گنبد وغیرہ نہیں ہے۔ ؎

مونسِ مادر لحد فضل خدا تنہا بس است سایۂ از ابر رحمت قبر پوشِ آبس است

مغربی جانب جو سنگ مرمر کی جالی لگی ہوئی ہے وہ پانچ فیٹ اونچی ہے جس کے آٹھ دلے ہیں۔ چار دروازے سے اس طرف اور چار اُس طرف۔ اس کے اوپر اسی قدر بلند نصف دائرے کی چوبی جالی ہے۔ دروازہ ساگوان کی لکڑی کا ہے۔ قبر کا چبوترا سنگین ہے جس کے بیچوں بیچ میں چھ انچہ اونچی مٹی کی قبر ہے جس پر مولسری کا درخت سایہ کیے ہوئے ہے۔ چبوترے کے گرد شامیانہ تاننے کے پتلے پتلے کھم ہیں عرس یا کسی اور خاص موقع پر شامیانہ لگایا جاتا ہے اور مغرق غلاف قبر پر یوں سادہ دنوں میں صرف ایک سفید چادر پڑی رہتی ہے۔ یہیں ایک حجرے میں اورنگ زیب کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک پارہ کلام مجید کا رکھا ہوا ہے جس کو دیکھ کر آنکھیں روشن ہوجاتی ہیں وہ بڑا خوش نویس تھا۔ مشہور ہے کہ شہزادہ اعظم نے اپنے باپ کے کئی عرس خود کیے اور کئی سال تک نواب حمید الدین خاں قبر پر جاروب کشی کرتے رہے گو قبر ایک مٹی کا ڈھیر ہے مگر اللہ اکبر اس کچی قبر میں وہ کشش ہے کہ لاکھ پکی قبریں اور گنبد اُس پر سے صدقے کیے گئے تھے۔ اس سادگی میں جو بناؤ ہے وہ ظاہری ٹیم ٹام میں کب ہوتا ہے ؎

نہیں محتاج زیور کا جسے خوبی خدا نے دی کہ جیسے خوش نما لگتا ہے دیکھو چاند بن گہنے

خدام اور چوبدار وغیرہ ہر وقت حاضر باش رہتے ہیں اور اب بھی درگاہ روبرو۔ ادب سے تفاوت سے آداب بجا لاؤ حسب دستور پکارتے ہیں۔ قبر پر باوجود اس سادگی کے خداداد شان وشوکت اور جلال ہے کہ آج تک بھی ہر شخص پر جو زیارت کو جاتا ہے جو حالت رعب وداب کی طاری ہوتی ہے وہ وہی جانتا ہے جو وہاں گیا ہے خاکسار کو بارہا جانے کا اتفاق ہوا ہے اور اس واقعی کی میں بھی تصدیق کرتا ہوں۔ والیسرائے تک بھی وہاں جاکر ٹوپی اتار کر مودب کھڑے ہوجاتے ہیں۔ سرکار عالی نظام کی طرف سے اخراجات عرس ولنگر وغیرہ کے لیے کئی مواضع جاگیر ہیں۔ کثرت سے خدام اور چوب دار اب تک موجود ہیں۔ لنگر بھی روزانہ جاری ہے جس پر ایک عہدہ دار امین بالغوز نام سے مع عملہ مقرر ہے۔ اورنگ زیب کی کچی قبر کی اس وقت تک جو عزت اور احترام ہے یہ بات ہند کے کسی بادشاہ کو میسر نہیں ہمایوں کی

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

بے کس آمدیم و بے کس رفتیم۔ سر برہنہ آمدیم در فتیم۔ ہمرہ تابوت نشان و مورچال وغیرہ لوازمۂ شاہانہ نماند۔ حمید الدین خاں کہ صادق الاعتقاد است تابوت را بدرگاہ شاہ برہان رساند و جائے قبر بدستور درویشان دفن کنند۔[1] اس کے بعد اپنے فرزندوں کو کچھ نصیحتیں کی ہیں اور آخر میں جیب خاص کے روپیوں کا مصرف تبلایا ہے۔

اورنگ زیب کی وفات

۱۷۰۷ء

دار السلطنت سے سالہا سال کی غیر حاضری کی وجہ سے دوسرے مقامات کی کل بگڑ گئی اور بلوے شروع ہو گئے۔ راجپوت اور جاٹ اُٹھ کھڑے ہوئے اورنگ زیب کا وہاں پہنچنا ضرور تھا مگر دکن کی زمین نے اُس کے پاؤں پکڑ لیے تھے۔ مٹی یہاں کی تھی جاتا کیسے۔ بڑھاپے نے آن دبایا تھا اس پر سلطنت کی سنگ دستے داری۔ گھن لگ گیا۔ ۱۷۰۶ء میں شکستہ خاطر ملول اور منقبض احمد نگر کو چلا اور برابر یہی کہتا رہا کہ احمد نگر آخر سفر اور یہی ہوا بھی۔ قحط اور وبا کے دورے کئی دفعہ ہوئے لشکر لوٹ گیا واپسی میں مرہٹوں نے ستایا۔ اورنگ زیب زیادہ تر ان مصیبتوں کے جھیلنے کو زندہ نہ رہا۔ ۱۲ شوال ۱۱۱۸ھ کو موت اُسے گھسیٹ کر احمد نگر لے گئی بادشاہ کا مزاج معلی جادۂ اعتدال سے منحرف ہوا مگر پھر چندے ... ٹھہر گئی۔ اوائل ذی قعدہ میں پھر مرض کا اشتداد ہوا اور بالآخر ۴ مارچ ۱۷۰۷ء روز جمعہ و بروایتے ۱۳ فروری کو بحساب قمری پچاس برس دو مہینے اٹھائیس دن (۲۸ ذی قعدہ ۱۱۱۸ھ) اور بحساب شمسی سلطنت کے پچاسویں برس میں بمقام احمد نگر اس دار فانی سے ملک جاودانی کی راہ لی۔ سن شریف بحساب قمری ۹۰ سال یوم اور بحساب شمسی (۸۸) سال تھا۔ اُس کے احشاء احمد نگر میں مدفون ہوئے اور نعش دولت آباد کے متصل خلد آباد (جو عموماً روضہ کہلاتا ہے) ضلع اورنگ آباد دکن مملکت سرکار عالی نظام میں دفن کی گئی۔ احمد نگر سے خلد آباد (۳۵) کوس ہے۔

[1] بعد وفات دوسرے دن شاہزادۂ اعظم نعش خلد آباد لایا اور حضرت زین الدین قدس سرہ کی درگاہ شریف کے گوشۂ جنوب و غرب میں دفن ہوا۔ سہ

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

اور کس لیئے دنیا میں آیا تھا افسوس کہ مجھ سے کوئی کام مخلوق خدا کی بہتری کا نہ ہوا میرا ٹھکانا کہاں ہوگا اور اس عاصی سرتاپا آلودۂ گناہ کے ساتھ کیا سلوک ہوگا اب میں دنیا میں سب سے رخصت ہوتا ہوں اور سب کو خدا کی حفاظت میں دیتا ہوں میرے نامور اور سعادت مند لڑکوں کو آپس میں لڑائی جھگڑا نہ کرنا چاہیئے نہ لوگوں کو بندگان خدا میں قتل روا رکھیں ۔ میری (ساری) عمر رائگاں گئی۔ اگرچہ خدا ہمیشہ میرے دل میں رہا مگر پھر بھی اپنی تیرہ چشمی سے اس پاک نور کو نہ پہچان سکا آیندہ کے لیئے مجھے کوئی امید باقی نہیں۔ تپ نے مفارقت کی ہے۔ اب صرف پوست (و استخواں) باقی رہ گیا ہو لشکر میں بدلی پھیل گئی ہے۔ وہ بددل اور بے یار و مددگار ہیں جیسے کہ میں اعدا سے دور اور دل کو چین نہیں جب میں نے ہی آس توڑ دی تو دوسروں سے کیا امید رکھ سکتا ہوں؟ ۔ تم میری آخری وصیت پر عمل کرو۔ ایسا نہ ہو کہ مسلمانوں کا خون ہے اور اُن کی موت کا وبال اس ہیچ کارہ کی گردن پر رہے ۔ میں بڑا گنہگار ہوں اور نہیں جانتا کہ کیا (کیا) عذاب میرے مقدر میں ہو۔ دنیا میں آتے وقت کچھ میں اپنے ساتھ نہیں لایا مگر گناہوں کے بوجھ کی بھاری گٹھری سر پر لیئے جاتا ہوں۔ ؎

آئے تھے حب تو لائے تھے کیا ساتھ واں سے ہم

حرماں و یاس لے کے چلے ہیں یہاں سے ہم

میں تم کو اور تمہارے بچوں کو خداوند عالم کی حفاظت میں دیتا ہوں اور تم سے رخصت ہوتا ہوں۔ والسلام علیکم"۔

اورنگ زیب کا وصیت نامہ

آورنگ زیب نے ایک وصیت نامہ لکھا تھا جس کا اقتباس یہ ہے:

سلہ یہ ترجمہ میں نے انگریزی عبارت کا کیا ہے اصل کلام تو مجھے ملا نہیں ورنہ اس میں کچھ ادبی لطف ہوتا۔ ؎ اتر تو لوٹے لیاقت نے تیری۔ بیاں کچھ نہیں میری عرض معاف ہے۔ اصل عبارت غالباً فارسی ہوگی۔ فارسی سے انگریزی اور پھر انگریزی سے اردو جس کلام کے تین تین ترجمے ہوئے ہوں اُس میں اصل عبارت کا لطف کب باقی رہ سکتا ہے تاہم مقصود اصلی فوت نہیں ہوتا۔ دل پر چوٹ اب بھی لگتی ہے۔ مس المصنف

پہلے پہونچ جاتی تھیں۔ اورنگ زیب کی سواری کا حال نکولائو منکی ایک یورپین سیاح نے اپنی کتاب "سٹوریاڈو موگر" یعنی عہد مغلیہ کی داستان میں لکھا ہی یہ شخص ۱۶۵۳ء سے ۱۷۰۸ء تک ہندوستان میں رہا ہی اور چوں کہ وہ اورنگ زیب بادشاہ کے دربار میں خاص طور پر باریاب تھا اور علاج معالجہ بھی کرتا تھا اُس کا لکھنا قابل اعتبار ہی منکی نے شاہی سفر کا یہ حال اُس وقت کا لکھا ہی جب کہ بادشاہ کشمیر جا رہا تھا اور منکی بھی تین دن تک لشکر کے ساتھ تھا بعد وہ دہلی پلٹ آیا۔ شاہی سواری کے حالات دیکھنے سے آج لوگوں کی آنکھوں کے سامنے وہ سماں پھر جاتا ہی یہ تو سفر کا حال ہی اور سچ ہی کہ بادشاہوں کا سفر بھی ہر قسم کے آرام و آسایش کا ہوتا تھا ؎

منعم بکوہ و دشت و بیاباں غریب نیست　　ہر جا کہ رفت خیمہ زد و بارگاہ ساخت

لیکن اسی پر سے اندازہ کیا جا سکتا ہی کہ جب سواری کا جلوس مستقر دار السلطنت میں اور خاص کر کسی تہوار یا جشن کے موقع پر برآمد ہوتا ہوگا تو کیا کچھ چہل پہل ہوتی ہوگی اور شاہی محلات میں کس قسم کا ساز و سامان اور کر و فر ہوگی ؎

ہم نے مانا صحبتیں اگلی فسانہ ہو گئیں
اے فلک یہ تو بتا دے وہ فسانہ کیا ہوا؟

(یہ مضمون مترجمہ راقم اخبار تہذیب نسواں ۱۰ و ۱۷ و ۲۴ اپریل ۱۹۱۵ء میں چھپا تھا۔

اورنگ زیب کا آخری کلام

اورنگ زیب کی طرز و روش اور پالیسی پر گو کیسی ہی سخت نکتہ چینی کیوں نہ کی جائے لیکن آخری کلام دیکھ کر پتھر کا دل بھی اُس کا موم ہو جاتا ہی۔ یہ وہ کلام ہی جو بستر مرگ پر اس شہنشاہ فلک بارگاہ نے اپنی زبان فیض ترجمان سے اپنے بیٹوں کو مخاطب کر کے فرمایا تھا اور وہ یہ ہی۔ جب میں پیدا ہوا تو میرے گرد لوگوں کا مجمع تھا اور اب میں تن تنہا ہوں میں نہیں جانتا کہ میں کیوں زندہ ہوں

اورنگ زیب بادشاہ کا بڑھاپا

فرودگاہ مقرر کی جاتی تھیں ان لوگوں کی فرودگاہیں شاہی احاطے سے مناسب فاصلے پر رکھی جاتی تھیں۔ شاہی کیمپ اکثر وسط میں ہوتا تھا جس کے اطراف ستونوں کا احاطہ گھیر کر سرخ کپڑا منڈھ دیا جاتا تھا اور یہ دیوار اس قدر بلند ہوتی تھی کہ باہر سے نظر نہ آوے اس کے اطراف خندق کھودی جاتی تھی اور چاروں طرف توپیں لگا دی جاتی تھیں۔ پھاٹک کے دونوں طرف ایک سو تیس قدم کے فصل سے دونوں جانب نو نو گھوڑے ہر وقت ساز و ساماں سے طیار کھڑے رہتے تھے دروازے کے سامنے نوبت کا بلند دمدمہ بنایا جاتا تھا۔ شاہی خیام میں بعض خیمے دربار عام کے لیئے مخصوص تھے جن کے کھموں پر چاندی کا خول چڑھا رہتا تھا۔ ایک بہت بلند ستون پر ایک قندیل لٹکائی جاتی تھی کہ جو لشکری لوگ پیچھے رہ گئے ہوں اور دیر ہو گئی ہو وہ اس روشنی کو دیکھ کر سیدھے قیام گاہ پر آ جائیں۔ تمامی امرا کے خیمے ضرور ہے کہ شاہی خیموں سے پست ہوں اگر کوئی ڈیرہ اونچا ہو جاوے تو قطع نظر اس کے ڈیرے کے ٹکڑے ٹکڑے اڑا دیئے جائیں اس امیر کی بھی خیر نہیں۔ جب بادشاہ سلامت کوچ کے لیئے ڈیرے سے برآمد ہوتے تھے تو شاہزادگان و امرا سب آداب بجا لاتے تھے اور جسے کچھ عرض معروض کرنا ہوتا تھا نہایت ادب سے کرتا تھا اور مختصراً اُسے جواب بھی جب ہی دے دیا جاتا تھا وہیں سے ہی یہ لوگ سواری بادشاہی کی رکاب میں ساتھ ہو لیتے تھے اور جب فرودگاہ پر پہنچ جاتے تھے تو پھر آداب بجا کر رخصت ہوتے تھے اور آپنے اپنے ٹھکانے پر چلے جاتے تھے۔ اگر رستے میں بادشاہ سلامت کا ارادہ شکار کھیلنے کا ہوتا تھا تو بادشاہ کے ساتھ شکاری اور چند سوار رہتے تھے باقی لشکر آہستہ آہستہ چلا رہتا تھا اگر شکار کھیلنے کو طبیعت چاہی تو شکار جانے کے لوگ الگ ہو جاتے تھے۔ جب سواری بادشاہی کیمپ سے نظر آتی تھی تو فوراً نوبت نقارے شادیانے بجنے لگتے تھے اور جب تک بادشاہ سلامت مع الخیر والعافیت اپنے خیمے میں رونق افروز نہ ہو لیں بجتے رہتے تھے اور توپیں بھی سر ہوتی تھیں اندر داخل ہوتے ہی بیگمات آداب بجا لاتی تھیں اور مسرل مبارک عرض کرتی تھیں۔ اگرچہ بیگمات سب سے آگے نکلتی تھیں لیکن پھر بھی وہ قریب کے راستے سے سب سے

جو کسے بادشاہ امیر یا غریب سب کو لکڑیوں سے مار مار کر راستے سے ہٹا دیتے تھے
جیساکہ ان چوب داروں کا دستور ہے۔ مجھے ایک یورپین کی یہ تحریر دیکھ کر تعجب ہوا
کہ ایک دن وہ زنانی سواری کے ایسے قریب جا پونہچا کہ اُس نے ایک خصیل کو
روشن آرابیگم پر مورچھل ہلاتے ہوے دیکھا جو بالکل ناممکن ہے۔ کیوں کہ شاہزادی تو
شاہزادی امرا کی بیگمات کا بھی ایسا سخت پردہ ہے کہ اُن کی جھلک بھی دیکھنا
ناممکن ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ خود پردے میں سے رہ گزروں کو جھانک سکتی
ہیں۔ روشن آرابیگم کی سواری کے پیچھے بہت سے خواجہ سرا گھوڑوں پر سوار
ساتھ رہتے تھے اور بہت سے پیدل بھی سواری کے اردگرد گھیرے رہتے
تھے روشن آرابیگم کے ہاتھی کے پیچھے اور تین ہاتھی اسی قسم کی عماریوں کے
مغرق پردے پڑے ہوے رہتے تھے اور پیچھے وارکو بہت سی پالکیاں نالکیاں
جن پر طرح بطرح کے سنہرے پردے رہتے تھے۔ روشن آرابیگم کی مصاحبوں
اور سہیلیوں کی رہتی تھیں۔ ان کے بعد ساٹھ ہاتھیوں پر زنانے محلات کی اور
مستورات رہتی تھیں اور اُن کی عماریاں بھی پردہ دار ہوتی تھیں روشن آرابیگم
کی عماری کے بعد اور تین پالکیاں بادشاہ کے محلات کی مع اُن کے حوالی موالی
ملازمین وغیرہ کے رہتی تھیں اس سواری کی پوری تفصیل بیان کرنے میں بہت
طوالت درکار ہے خلاصہ یہ کہ سلاطین مغلیہ تزک واحتشام شان وشوکت کا کوئی
دقیقہ اُٹھا نہیں رکھتے ہم کو یہ لکھنا باقی رہ گیا کہ کوچ کرنے سے کم سے کم
ایک دن پہلے محلات شاہی کا منتظم مع چند انجنیروں کے آگے جاکر شاہی کیمپ
کی جگہ کا انتخاب کرکے وہیں ڈیرے اُتروا اتا تھا۔ شاہی فرودگاہ کے لیئے بہترین
اور پُرفضا مقام کا انتخاب کیا جاتا تھا کیمپ کی تقسیم اس عمدگی سے کی جاتی تھی کہ
لشکر آنے کے بعد کچھ گڑبڑ نہ ہو ہر ایک کے لیئے علیحدہ علیحدہ جگہ پہلے ہی سے مقرر
کردی جاتی تھی۔ سب سے پہلے بادشاہی احاطہ گھیرا جاتا ہے جس کا دَورمیں
سے بارہا پانو یا نسو قدم کا ہوتا تھا بادشاہ کے احاطے کے پیچھے ایک کمان
بنائی جاتی تھی جس میں سے زنانے کیمپ کا رستہ ہوتا تھا اور زنانے احاطے کی
بڑی احتیاط مدنظر رہتی تھی اس کے بعد شاہزادوں اور دوسرے امرا کی

ڈھال جو رہتے تھے کے پاس خنجر پانچوں کے پاس کمان چھٹے کے پاس تیروترکش اور اسی طرح باقی سواروں کے پاس اسی قسم کا سامان رہتا تھا مگر سب کمخواب کے غلافوں میں بند ان ہتیاروں کے بعد باڈی گارڈ کے لوگ ان کے بعد تین خاصہ کی پالکیاں اور شہزادوں کی متعدد پالکیاں پالکیاں تام جھام مونڈھا بوجہ ان کے بعد جو میں سوار جن میں سے آٹھ کے پاس شہنائیاں نفیری آٹھ کے پاس توتی اور قرنے اور آٹھ کے پاس نوبت نقارے رہتے تھے ان کے بعد پانچ ہاتھی ہودج اور عماری کسی ہوئی ساتھ رہتے تھے ان کے بعد اور تین ہاتھی جن میں سے بیچ والے پر چاندی کا پنجہ جس کے بید پر معرق وصلی چڑھی رہتی تھی اور دونوں ہاتھیوں پر بھی ایک ایک علم رہتا تھا اور ایک ہاتھی پر نشان جس پر کلمۂ طیبہ منقوش رہتا تھا اور ایک ہاتھی پر میزان عدل اور ایک ہاتھی پر ایک گمر مچھ جس کا جسم سفید کپڑے کا بنا ہوتا تھا جو ہوا کے ساتھ حرکت کرتا اور دور سے عین میں ر بدہ معلوم دیتا تھا جس سے مراد تھی کہ سلطان البرین والبحرین ایک اور ہاتھی پر برچھا تھا جو علامت فتح و نصرت تھی اور ایک ہاتھی پر ایک بڑی بھاری مچھلی گر مچھ کی طرح بنی ہوئی جس کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں - یہ تمام ہاتھی زیورات گھنٹوں مغرق جھولوں سے آراستہ رہتے تھے جن کے ہوادت اور گرکے کاری بھی ور دولی سے آراستہ رہتے تھے ان کے بعد اور بارہ ہاتھی نوبت اور نقارے لدے ہوئے رہتے تھے - اس لشکر کے ختم ہونے کے بعد تھوڑے فصل سے روشن آرا بیگم کی سواری رہتی تھی شاہزادی کی سواری کا ہاتھی سب سے بڑا تھا اور اس پر کی عماری تخت نما اور مسقف سونے کی تھی جس میں بے شمار جواہرات جڑے ہوئے تھے اور دور سے جگمگاتی تھی اس عماری کا خاص نام تیامر تھا عماری کے پیچھے ڈیڑھ سو ہائیں اصیلیں اناثیں دائیں بھو بھو گارڈ میں اردا بیگنیا سب رنگ رنگ کے برقعوں سے سر سے پاؤں تک ڈھکی ہوئی عمدہ اور نفیس گھوڑوں پر سوار ہاتھوں میں ایک ایک چھڑی لئے ہوئے زنانی سواری کے ساتھ رہتی تھیں شاہزادی کے ہاتھی کے آگے چار ہاتھی نشان کے پیچھے رہتے تھے جن کے ساتھ بہت سے چوب دار پیادے اور پیدل رہتے

رہتے تھے ہاتھیوں کے پیچھے خاصے کے نور اس گھوڑے کا رچوبی زین پوش پڑے ہوئے زیورات سے آراستہ رہتے تھے۔ اس کے بعد دو سوار رہتے تھے ایک کے ہاتھ میں نشان کا جھنڈا رہتا تھا جس پر کلمہ لکھا رہتا تھا اور دوسرا ڈنکا بجاتا تھا۔ پیدل لوگوں کا کیا ٹھکانا تھا۔ بادشاہ کی سواری کے ساتھ متعدد عہدہ دار مثلاً چوب دار بلم دار گرز بردار مورچھل بردار نقیب پیادے بھاٹ مردھے وغیرہ اپنی اپنی لال سبز رنگ برنگ کی وردیوں میں ہٹو بڑھو کہتے ہوئے بھیڑ کو چیرتے پھاڑتے چلے جاتے تھے۔ بادشاہ کی سواری کے پاس بھی بہت سے سوار چاندی کے بلم لیئے ہوئے لوگوں کو ہٹانے کے لیئے ساتھ رہتے تھے کئی آدمی عطریات وبخورات اور انواع واقسام کی خوشبوئیں لیئے ہوئے ساتھ رہتے تھے۔ بہت سے لوگ آگے آگے سڑک پر چھڑکاؤ کرتے جاتے تھے۔ سواری کے ساتھ چند عہدہ دار مقامی جو حالات راستہ ندی نالہ دیہات قسم زمین آبادی وغیرہ سے کامل واقف ہوتے تھے رہتے تھے جن کا یہ کام تھا کہ اگر بادشاہ سلامت کبھی پوچھ بیٹھیں کہ یہ کون سا صوبہ ہے کس کا علاقہ ہے گاؤں کا کیا نام ہے تو فوراً پیش گاہ خداوندی میں عرض کردیں یہ لوگ کل مقامی حالات کی پوری خبر رکھتے تھے چھوٹے سے چھوٹے گاؤں کے حالات بھی ان کی نوک زباں رہتے تھے۔ ہر گاؤں کا محاصل کیا ہے یہ بھی معلوم رہنا ضرور تھا چند لوگ رسیاں لیئے ہوئے راستہ ناپتے چلتے تھے بادشاہ سلامت کے ڈیرے سے ناپنا شروع ہوتا تھا اگلا آدمی زمین پر نشان کرتا جاتا تھا اور پچھلا آدمی جب اس نشان پر پہنچتا تھا تو ایک دو پکارتا جاتا تھا اور ایک منشی نوٹ کرتا جاتا تھا اگر بادشاہ سلامت نے کبھی دریافت فرمایا کہ ہم کتنا چلے تو فوراً عرض کردیا جاتا تھا کیونکہ یہ لوگ جانتے تھے کہ کتنی رسیوں کا ایک کوس ہوتا ہے۔ ایک آدمی ریت گھڑی ساتھ لیئے رہتا تھا اور رستے سے برابر گھنٹہ بجاتا چلا جاتا تھا ان سب کے پیچھے بادشاہ کی سواری آہستہ آہستہ چلتی رہتی تھی آگے آگے ایک اونٹ پر بہت سا سفید کپڑا ساتھ رہتا تھا کہ اگر راستے میں کوئی گھوڑا وغیرہ یا آدمی مرجائے تو فوراً اس پر چادر ڈال کر چاروں کونوں کو پتھروں سے دبا دیتے تھے کہ نظر نہ پڑے۔ بادشاہ کے پیچھے دس سوار خاصے کی بندوقیں لیئے جن پر کمخواب کے غلاف ہوتے تھے رہتے تھے ایک کے پاس شاہی برچھا دوسرے کے پاس شاہی تلوار تیسرے کے پاس

سدتی لیئے ہوئے رہتے تھے۔ سو اونٹوں پر سراپے اور خلعت لدے رہتے تھے۔
تیس ہاتھیوں پر انواع واقسام کے ہتھیار تلواریں خنجر جمدھر بچھوے کٹاریں تیغ قبض قرولی وغیرہ
ہمہ وقت طیار رہتے تھے کہ جب یاد ہو یا کسی کو سرفرازی ہو تو فوراً حاضر کئے جائیں۔ یہ تمام
ہتھیار نہایت قیمتی اور ان کے قبضوں پر جواہرات جڑے رہتے تھے علاوہ اس کے
زیورات بگلوس سرپیچ کنٹھے بالابھوج سد نورتن مردانے زیورات اور زنانے طلائی
مرصع زیورات بیش قیمت جواہرات ہیرے موتی لعل یاقوت زمرد نیلم انواع واقسام کے وافر
تعداد میں ہر وقت موجود رہتے تھے۔ جا بجا راستہ درست کرنے کے لیئے ایک ہزار مزدور
پھاوڑے کدال اور ٹوکریاں لیئے ہوئے لشکر کے ساتھ رہتے تھے ان کے عہدہ دار
جیسے آجکل کے انجنیئر گھوڑے پر سوار ساتھ رہتے تھے جن کے ہاتھوں میں خود چاندی سونے
کی کدال یا پھاوڑا بطور اعزاز کے رہتا تھا۔ جب مقام پر پہنچتے تھے تو تمام خیام سراپردے
قرینے سے لگا دیئے جاتے تھے اور اطراف میں توپ خانہ جما دیا جاتا تھا خاص کر بادشاہ سلامت
کے ڈیروں کے اطراف جمعیت اور توپ خانے کا زیادہ انتظام رہتا تھا۔ اورنگ زیب
طور دولت چھ بجے صبح کے برآمد ہوتے تھے اور تخت رواں پر سوار ہوتے تھے جس کو
بارہ کہار اٹھاتے تھے۔ اس کے علاوہ تین پالکیاں بھی ساتھ رہتی تھیں کہ جب چاہیں کسی
ایک پالکی میں سوار ہو جائیں پالکیوں کے علاوہ خاصے کے پانچ ہاتھیوں پر ہودج اور
عماریاں سونے چاندی کی کسی رہتی تھیں بادشاہ سلامت کے برآمد ہوتے ہی باڈی گارڈ ساتھ
رہتا تھا اور ایک ہلکا توپ خانہ جس میں سو توپیں ہوتی تھیں جن کو دو دو گھوڑے کھینچتے
تھے بادشاہ کے پیچھے سے برآمد ہوتے ہی نوبت نقارے ڈنکے بوق قرنا سب قسم کے جنگی
باجے بجنے لگتے تھے اور بادشاہ تخت رواں پر رونق افروز ہو جاتے تھے۔ سب سے
آگے شیخ میر مرحوم کا لڑکا دس ہزار سواروں کے ساتھ رہتا تھا میمنہ یعنی سیدھے
ہاتھ کو اللہ وردی خان کا بیٹا حسن علی خان رہتا تھا جس کے ساتھ آٹھ ہزار سوار رہتے
تھے۔ میسرہ یعنی بائیں طرف محمد امین خان آٹھ ہزار سواروں کے ساتھ رہتا تھا ان کے
بعد شکاری سواروں کا گروہ رہتا تھا جن کے ہاتھوں پر باز شاہین چرغ بہری شکرا اور
ہر قسم کے شکاری پرندے رہتے تھے۔ بادشاہ کی سواری کے سامنے دو ہاتھی نشان کے
رہتے تھے ان کے پیچھے چار ہاتھیوں پر ماہی مراتب اور آفتاب گیری اور سرنشان

بادشاہ کی سواری

پچھلی رات تین بجے سے کوچ بول دیا گیا تھا۔ پہلے توپ خانہ کا سلسلہ شروع ہوا۔ جو کسی طرح ختم ہی نہ ہوتا تھا۔ توپ خانے میں گھوڑے اور بیل جتنے رہتے تھے اور اس کا تانتا دور تک چلا جاتا تھا۔ توپ خانے کے پیچھے ایک خوش نما کشتی گاڑی پر لدی رہتی تھی۔ کہ اگر کہیں ندی نالہ آجائے تو کام آسکے۔ اس کے بعد بار برداری کے بڑے ڈنڈے اسباب و سامان کی بے شمار گاڑیاں ٹھساٹھس بھری ہوتی تھیں جب صبح ہو جاتی تھی تو توپ خانہ پیچھے رہ جاتا تھا اور سواروں اور پیدل کا لشکر قرینہ سے جم جاتا تھا اسی طرح ٹٹو۔ گھوڑے خچر لدو بیل کا کچھ شمار نہ تھا دو سو اونٹوں پر تو صرف نقد روپیوں کا خزانہ لدا ہوا ساتھ رہتا تھا۔ ہر اونٹ پر دو سو چالیس سیر وزن لادا جاتا تھا اور سو اونٹوں پر اسی وزن کے حساب سے اشرفیاں بار رہتی تھیں۔ ڈیڑھ سو اونٹوں پر صرف شیر کے شکار کے بھاری بھاری مضبوط جال لدے رہتے تھے اسی اونٹوں تیس ہاتھیوں بیس چھکڑوں پر دفتر شاہی بار رہتا تھا۔ اس کے علاوہ پچاس اونٹ صرف آبدار خانے کے ہوتے تھے جن میں سے ہر ہر اونٹ پر دونوں طرف ایک ایک ظرف شاہی آب خاصہ کا ہوتا تھا۔ لشکر کے ساتھ امرا اور شاہزادگان اپنے اپنے لوازمہ کے ساتھ ہوتے تھے۔ بادشاہ کے ساتھ آٹھ خچروں پر چھوٹے چھوٹے ڈیرے لدے ہوئے رہتے تھے جو راستے میں وقت ضرورت جہاں کہیں بادشاہ سلامت گھڑی دو گھڑی وقفہ فرمانا چاہتے تھے یا کسی ضرورت سے اترتے تھے آناً فاناً لگا دیئے جاتے تھے دو خچروں پر خاصہ کا لباس ہوتا تھا اور ایک خچر پر عطریات اور بخورات اور انواع و اقسام کے پھول۔ دربار شاہی کا یہ قاعدہ تھا کہ جب بادشاہ سلامت کا مقام اٹھتا تھا تو ایک دن پہلے ہی دس بجے شب کو شاہی باورچی خانہ آگے چلا جاتا تھا۔ باورچی خانے کا غلہ اور رسد پچاس اونٹوں پر ہوتا تھا اور پچاس دانہ خوری کی گائیں صرف دودھ کی ساتھ رہتی تھیں بکروں ہینڈھوں اور مرغیوں کی تو کون گنتی تھی۔ اسی طرح متعدد باورچی داروغہ وغیرہ رہتے تھے جن کے ساتھ جدا جدا اطعمہ لذیذہ کا سامان ہوتا تھا اور ہر شخص ایک خاص قسم کا خاصہ طیار کرتا تھا اور وہ رکابدار کہلاتا تھا۔ مطبخ کے اوپر ایک امیر مقرر تھا جس کا کام تھا کہ شاہی خاصہ کی قابوں پر سرپوش ڈھک کر مخمل کی تھیلیوں میں بند کر کے مہر لگا کر گذرانتا تھا۔ دو سو قلی ٹوکریوں میں چینی کے

سنبھالنے پر مجبور کیا اور اُن کی ایک سپاہیانہ قوم بن گئی۔ چوں کہ سکھوں کی تعداد کم تھی گرو گوبند کا اصلی مدعا حاصل نہ ہوسکا اور کئی مسلسل لڑائیوں کے بعد اورنگ زیب نے سکھوں کو شکست دی۔ گرو جی مارے گئے اور اُن کے بہت سے پیرو تہ تیغ ہوئے گرو جی کے بیٹوں اور ماں سب کو بڑی بے رحمی سے مروا دیا گیا جو بچے اُنھوں نے ہمالیہ کے پہاڑوں میں جا کر سر چھپایا اور اورنگ زیب کی وفات کے بعد واپس آئے پنجاب میں ان کا ایک بہا سردار بندہ سنگھ اُٹھ کھڑا ہوا اور اُس نے سرہند کو اپنی اقامت گاہ بنایا اور دیوانہ وار مغلوں کی زیادتیوں کا انتقام لینے پر تُل گیا۔ اس نے سلطنت مغلیہ میں آتش زنی خوں ریزی اور غارت گری اس درجے پھیلائی کہ دار السلطنت معرض خطر میں تھا لیکن ۱۷۱۱ء میں سکھوں کے جوشیلے سردار کو میدان کارزار سے بھاگنا پڑا اور اُس نے پنجاب سے شمال میں سرمور کے پہاڑوں میں پناہ لی۔

سکہ اور مُہر | سکے پر یہ بیت منقوش تھی۔ بیت۔
سکہ زد در جہاں چو بدر منیر شاہ اورنگ زیب عالم گیر
اور اشرفی پر بجائے بدر منیر کے مہر منیر لکھا جاتا تھا۔ مہر اس شکل کی تھی:۔

یا فتاح | یا واسع
یا رافع | یا نافع

ابو المظفر محی الدین محمد اورنگ زیب بہادر بادشاہ غازی

صاحبقران ابن امیر تیمور
میران شاہ ابن سلطان
محمد شاہ ابن سلطان
ابو سعید شاہ ابن سلطان
عمر شیخ شاہ ابن المظفر
بادشاہ ابن بابر
بادشاہ ابن ہمایوں
بادشاہ ابن اکبر
بادشاہ ابن جہانگیر
ابو المظفر جہاں ابن ... صاحبقران
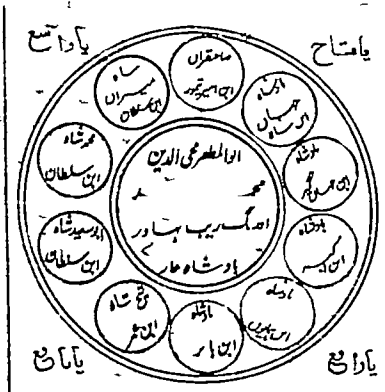
حقوق دیئے گئے۔ نرمی اور جوش اور گرونانک کے موثر اور دلپذیر مواعظ نے پیروؤں کے ایک بڑے گروہ کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ گرونانک کے ارشادات ہمیشہ ہمیشہ یاد رہیں گے۔ یہ پاکباز اور امن پسند فرقہ دس گروؤں کی تعلیم و تلقین میں خوب پھلا پھولا۔ گرونانک نے بت پرستی اور تعصب کی جڑ کاٹ دی اور اپنے پیروؤں کے مذہبی اصول اور اخلاقی پاکبازی کو وسعت دی۔ تیسرے گرو امر داس نے اپنے فرقے کو بے کار سنیاس سے باز رکھا۔ گرو ارجن نے ملکی جتھے بندی کی۔ گرو ہر گوبند نے فوجی روح پھونکی اور گرو گوبند سنگھ نے سکھوں کو ایک جداگانہ نبرد آزما فرقہ بنایا جن کے سر میں اپنی ایک جداگانہ حکومت قایم کرنے کی دھن سما گئی۔ بابر اور اس کے جانشینوں نے ان سے کوئی تعرض نہیں کیا کیونکہ یہ لوگ امن دوست تھے نہ جزیہ ادا کرنے میں چون چرا کرتے تھے نہ کسی کو ستاتے تھے۔ لیکن اورنگ زیب نے ہندوؤں کے ساتھ انھیں بھی لپیٹ لیا۔ مسلمان حکام وقت کی دست درازیوں نے امن پسند سکھوں کو گو دگود کر گرو گوبند سنگھ کے زمانے میں جب وہ ۱۶۷۵ء میں گدی پر بیٹھا۔ ہتیار

(بقیہ نوٹ صفحہ ۵۷۵) خدا کی وحدانیت اور کسر نفسی تھی۔ پہلے تمام مذہبی کتب سنسکرت میں تھیں راما نند نے اس خیال سے کہ عام لوگوں کو مسائل سے واقفیت ہو ملکی زبان میں مذہبی کتب کی اشاعت کی۔ نوٹ ۵۲ صفحہ ۵۷۵) راما نند کا ایک چیلہ کبیر سکندر لودھی کے وقت میں ایک نیچ قوم کا شخص تھا۔ کبیر نے اپنے مرشد کے مذہب کو اور رونق دی۔ راما نند کا مقصد یہ تھا کہ ہندوؤں کے مختلف فرقے سب ایک ذات ہو جائیں کبیر چاہتا تھا کہ ہندو اور مسلمانوں کا تفرقہ مٹ کر ایک مت ہو جائیں۔ کبیر کے نزدیک مسلمانوں کے اللہ اور ہندوؤں کے رام میں کوئی فرق نہ تھا۔ گو نام دو ہیں مگر ذات واحد ہے۔ ؎

ای تیر غمت را دل عشاق نشانہ خلقے بتو مشغول تو غائب زمیانہ

گہ معتکف دیرم و گہ ساکن مسجد یعنی کہ ترا می طلبم خانہ بخانہ

بھگتی مرگ یعنی خدا صرف فنافی اللہ ہونے سے مل سکتا ہے۔ جو ڈھونڈھے سو پائے۔ بھگت کبیر کا یہ مذہب ایسا مقبول عام تھا اور اس کی ذات ایسی نفع رساں خلایق تھی کہ اب تک بھی ہزاروں کبیر پنتھی شمالی ہند میں موجود ہیں۔ گرو نانک بابر بادشاہ کا ہم عصر تھا اور اسی نے کبیر کے معتقدات میں اور وسعت دی اور اس سے بھی زیادہ جامع مذہب کی بنیاد ڈالی جس میں کسی ذات اور کسی فرقے اور مذہب کی قید باقی نہیں رہی ۔۱۲

امن نصیب ہوکر سوں دور تھا وہی غارت گری وہی لوٹ مار پھیلی ہوئی تھی۔ ملک دکن میں بدنظمی اور اندھیر تھا۔ اورنگ زیب کی کوشش امن قایم کرنے کی خاطر خواہ پوری نہ ہوتی تھی۔ مرہٹوں کو شکست پر شکست ہوتی تھی وہ نقصان پر نقصان اٹھاتے تھے مگر برابر لوٹ مار کا بازار گرم تھا اور جہاں تک ممکن تھا پیچھے کیئے جاتے تھے۔ آخرکار اورنگ زیب نے تنگ ہوکر دکن کی تسخیر کا خیال چھوڑ دیا جس کی بدولت اتنی خون ریزی اور ایسی مصیبت ہوتی تھی مگر حاصل حصول کچھ نہ ہوا۔

سکھ

مرہٹوں کے علاوہ سکھوں کی ایک نئی قوم پنجاب میں پیدا ہوگئی تھی۔ پندرھویں صدی کے اختتام پر بابر کے زمانے میں ایک نیک مرد گرو نانک نام تھا۔ ہندو مسلمانوں کو آپس میں لڑتا دیکھ کر اس کا دل کڑھتا تھا اس نے کچھ باتیں ہندو مت کی لیں کچھ مسلمانوں کے مذہب سے اخذ کیں اور دونوں کو ملا کر ایک نیا پنتھ چلایا۔ بہت سے لوگ اس کے پیرو بن گئے جو سکھ یعنی چیلے کہلاتے ہیں۔ گرو نانک کبیر[1] کے معتقدات میں رائج تھے خدا کی وحدانیت ازلی اور موجود واور اک سے قایم رہنے والا ہوا باری تعالیٰ کی تعلیم کی تعریف کو بالکل واعلیٰ سب کو یکساں نے رامانند اور میں چودھویں صدی وسعت دی اور اس کا ابدی اور بالذات ہونا ہیم باہر اور ساہد الآباد تک ان صفات ذات جماعت کی اٹھا دیا اور ادنیٰ مذہبی اور پولیٹیکل

گرو نانک

[1] ہندوؤں کا بڑا ریفارمر سنکرا چاریا ۷۴۳ء میں تھا اس کے تین سو برس بعد رامانج ابھار پایا ہوا۔ چودھویں صدی میں ایک بڑا اکھاری ریفارمر رامانند رامانج کا پیرو اس چیلہ تھا جس نے شمالی ہند میں بھگتی عقیدے کی بہت ترویج دی۔ اس کی تعلیم کا ماحصل وشنو اوتار کے نام سے
بقیہ نوٹ صفحہ آیندہ

کم سن لڑکا سیواجی خورد جسے اورنگ زیب ساہو کہتا تھا، باپ کے قتل کے بعد اورنگ زیب کے محل میں پرورش پانے لگا اورنگ زیب اُس سے محبت سے پیش آتا تھا قید کا صرف نام ہی نام تھا۔ البتہ اورنگ زیب کی زندگی تک وہ نکل نہ سکا اُس کا مرنا تھا کہ ذوالفقار خاں کے مشورے سے شہزادہ محمد اعظم نے اُسے اس وجہ سے چھوڑ دیا کہ مرہٹوں میں غیر مستحق دعوی دار حکومت پیدا ہو گئے تھے اور راجا رام کی بیوہ تارہ بائی نے جو اپنے صغر سن بیٹے کی طرف سے حکومت کر رہی تھی بڑی شورش برپا کر رکھی تھی۔ ساہو اگر چھوڑ دیا جائے گا تو وہ خود تارا بائی سے سلطنت لے گا اور ان لوگوں کی آپس کی لڑائی سے مرہٹوں کو مغلیہ علاقے میں دست اندازی کا موقع نہ ملے گا۔ غرض ساہو بادشاہ کی اطاعت قبول کرنے پر چھوڑ دیا گیا اور جیسا سوچا گیا تھا وہی صورت پیش آئی کہ ساہو کے چھوٹتے ہی بہت سے مرہٹے تارا بائی کی طرف سے ٹوٹ کر ساہو سے آن ملے۔ ساہو نے تارا بائی کو شکست دی اور ۱۷۰۸ع میں ستارے میں تخت پر بیٹھا اور راجہ بن گیا۔ سیواجی کا ایک اور بیٹا راجا رام تھا وہ ہاتھ نہ لگا اور برابر لوٹ مار پر تُلا رہا۔ کبھی اس قلعہ میں جا چھپتا تھا کبھی اُس میں آخر کار وہ جنجی میں قلعہ بند ہو گیا۔ اورنگ زیب کو تین برس کامل اس قلعہ کا محاصرہ کرنا پڑا تب کہیں ۱۶۸۹ع میں قلعہ فتح ہوا جنجی سے راجہ رام ستارے بھاگ گیا اور وہاں بہت سا لشکر جمع کر لیا لیکن مرہٹوں میں آپس پھوٹ پڑ گئی۔ ستارے کے فتح ہو جانے اور راجہ رام کے انتقال نے جو ۱۶۹۸ع میں ہوا اور بھی مرہٹوں میں کمزوری پیدا کر دی۔

تارا بائی

سنبھاجی کے قتل نے مرہٹوں کو بے سر کر دیا۔ رہا ساہو اوّل تو بچہ اور پھر قید کوئی سر دھرا نہ رہا۔ سنبھاجی کے قتل کے چند سال بعد راجہ رام کی بیوہ تارا بائی نے مرہٹوں میں از سر نو روح پھونک دی اور مغلیہ علاقے میں دھڑلے سے لوٹ مار کرنے لگی اور اس شدت سے غارت گری شروع کی کہ بادشاہ اپنے کیمپ میں بیٹھے کا بیٹھا رہا اور مرہٹوں نے اُس کا خزانہ لوٹ لیا۔ اورنگ زیب کو وہ متانت اور بڑا اولوالعزم تھا برابر مرہٹوں کی خبر لیتا رہا اور چار سال کے عرصے چن چن کر جتنے بڑے بڑے قلعے تھے سب ہی توڑ لیے۔ بہت سے محاصرے مہینوں اور برسوں رہے لیکن چاہو کہ ایک میں

نہ پیچھے پکما اُن کا قدم کہیں ٹکتا نہ تھا۔ یہ تو مرہٹوں کا حال تھا۔ برخلاف اس کے مغلیہ لشکر کا حال تھا وہ تھا ہی تو لشکر شاہنشاہی وہ کچھ لٹیروں کی ٹکڑی تھوڑی تھی۔ ان کا نام غیر بھاری بھرکم تھا جس کا حمل و نقل کچھ آسان نہ تھا۔ ایک قیام گاہ شاہی کو لو تو وہ تین تین میل تک پھیلی پڑی رہتی تھی۔ ایک ہم عصر سیاح نے شاہی کیمپ کے متعلق لکھا ہے کہ "وہ پچاس لاکھ جانوں کا شہر رواں تھا" عہدہ دار لوگ آرام طلب۔ عیش پسند اور نکمے ہو گئے تھے گورنمنٹ کی طاقت ور اور زبردست کوششیں بالکل ناپائدار اور غیر مستقل تھیں۔ ان میں حرکت لیں برکت اور چہل پہل تو بے شک تھی مگر سرگرمی اور قابلیت مفقود تھی۔ سلطنت ایسی وسیع ہو گئی تھی کہ اُس کی سنبھال مشکل تھی۔ جدھر دیکھو ڈھیل۔ عہدہ دار ایسے بددیانت اور خائن کہ جن کی نظیر نہ ملے۔ بھلا ایسی گورنمنٹ کیوں کر بن سکتی تھی جس کے اعضاء اور جوارح ایسے ہوں۔

سنبھاجی کا قتل اور ساہو کی قید

ایک وقت ایسا تھا کہ مغلیہ لشکر کی فتح پر فتح ہونے لگی اور اورنگ زیب نے سیواجی کے بیٹے سنبھاجی کو ۱۶۸۹ء میں گرفتار کر لیا اور چوں کہ اورنگ زیب اس کی طرف سے بھرا ہوا بیٹھا تھا اُسے طرح طرح کی تکالیف پہنچانے کے بعد اسی سال میں قتل کر کے اپنا دل ٹھنڈا کر لیا۔ سنبھاجی کا[1]

[1] سنبھاجی پسر ساہوجی مرہٹہ بھوسلا در عہد عالمگیر بادشاہ مدتے در ملک دکن فتنہ ہا برپا ساختہ بسیارے از ملک بدست آوردہ بود آخر در ۱۰۶۷ھ بدست مردمان عالمگیر افتادہ روانۂ قلعہ گردید و در آنجا مقید ماند و بعد از محبوسی سہ ماہ و نہ روز بتاریخ ۲۲ صفر ۱۱۰۱ھ وضع خود تغیر دادہ با پسر خود سنبھا از انجا گریخت و در دکن رسیدہ باز ہنگامہ آرائی و فساد آغاز کرد۔ تاریخ گریختن او حافظ ہدایت اللہ یک ساتی بیک پرستان در شاپور یافتہ۔ وچوں در ۱۰۹۱ھ پسر تن سنبھاجی از پدر رنجیدہ پیش دلیر خاں کہ یکے از امرائے عالمگیری بود آمد و در قید افتاد۔ عنایت اللہ وکیل شہزادہ محمد اعظم شاہ در تاریخ اوایں مصرعہ یافتہ۔ ع۔ ناری ورزند سنبھا شد اسیر بعد از چند وفات سیواجی کہ بتاریخ ۲۴ ربیع الآخر ۱۰۹۱ھ واقع شدہ او پیر باز بدیں ہنگامہ فساد گرم داشت تا آنکہ باز گرفتار گشتہ حسب الحکم عالم گیر بادشاہ در ۱۱۰۰ھ کشتہ شد تاریخ قتل تا فرے جہنمی رفت یافتہ اند۔ (از مفتاح)۔۱۲

بعد غنیم نے جو ملک اُس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا پھر لے لیا۔ مغلوں کی آرام طلبی کے مقابلے میں مرہٹوں کے پاس عیش و آرام پھٹکنے بھی نہ پاتا تھا۔ وہ سختیاں جھیلنے کے عادی تھے اُن کی ہڈی مری ہوئی تھی اور اُن کا طرز زندگی بالکل سیدھا سادہ تھا کوئی بات بھی اُن کو اکھرتی نہ تھی۔ ان کی ٹکڑیاں کبھی مغلوں کے باقاعدہ لشکر کے سامنے ٹک نہ سکتی تھیں مگر یہ لوگ جھٹ پھیل جاتے تھے اور جس کے جدھر سینگ سمائے پہاڑوں کے دروں اور گھاٹیوں میں گھس جاتے تھے۔ اگر مغلوں کا کوئی فوج کا دستہ اُن کے پیچھے جاتا تو اُن میں کے سارے سوار ایک ایک کر کے کوئی ادھر کوئی ادھر ہو جاتا۔ کسی گھاٹی یا اسی قسم کے کسی ایسے قلب اور محفوظ مقام کی آڑ پکڑ لیتے کہ جہاں اُن پر حملہ کرنے کا موقع نہ ملتا۔ ناچار مغلیہ فوج ناکام اور دل شکستہ تھکے ہارے پلٹتے تھے۔ ایسی حالت میں اُن کے گھوڑے بھی تھک کر چور ہو جاتے تھے۔ تب مرہٹے اپنی کمین گاہ سے گھوڑے کداتے بجلی کی طرح آن گرتے تھے اور مغلیہ فوج کو سنبھلنے تک کا موقع نہ دیتے تھے اور چاروں طرف سے حلقہ ڈال کر توڑے دار بندوقوں کی باڑ پر رکھ لیتے تھے اور جو کوئی مغلیہ لشکر سے بچھڑا ہوا اکا دکا مل گیا تو برچھیوں پر دھر لیتے تھے۔

مرہٹوں کی لڑائی کا رنگ ڈھنگ

مرہٹے کبھی کھل کر مقابلے پر جم کر نہ لڑتے تھے کہ اُن کی ساری طاقت ایک ہی وقت میں صرف ہو جائے بلکہ اُن کا ڈھنگ جنوبی افریقہ کے بوئیروں کی طرح تھا۔ کبھی رسد کا سلسلہ بند کر دیتے تھے۔ کہیں ایلچیوں کو پکڑ لیتے تھے غرض ہر طرح مغلوں کو پریشان کرتے تھے۔ مرہٹے مضبوط اور ٹھگنے یابوؤں پر چھلاوے کی طرح ابھی یہاں تھے ابھی وہاں۔ مغلوں کا لشکر ہمیشہ مرہٹوں کے مقابلے میں ناکامیاب رہا اور چونکہ مرہٹے اپنے کھانے پینے کا سامان اور ضروری اسباب ہمراہ رکھتے تھے انھیں کسی باقاعدہ ٹرانسپورٹ کی ضرورت ہی نہ پڑتی تھی۔

مغلیہ لشکر کی خامی

مرہٹوں کی پھرتی اور خانہ بدوشی کی یہ حالت تھی کہ وہ بالکل اُٹھاؤ چولھا تھے نہ آگے ناتھ

زیب النسا بیگم سے جو بادشاہ کی صاحب رائے تھیں مدد نہیں دی۔ بادشاہ نے پوچھوایا کہ آخر کار کیا سبب جو زیب النسا نے مدد نہ دی۔ تھی تو وہ عورت ذات مگر مردانہ اُدھر جواب دیا کہ کون سی خوشی کی بات تھی جو میں مدد دیتی۔ آپ نے اس کو نسارڑا کام کیا ہے جو سر اوار شاہنشاہی ہو۔ حضرت پہلے شاہنشاہ سے تھے کہ آپ کے تابع فرمان کئی بادشاہ مثل ابوالحسن تانا شاہ اور سکندر عادل شاہ کے تھے اور آپ کے مطیع ومنقاد اور باج گزار تھے۔ لقب شاہنشاہی آپ پر سجتا تھا اور اب دیکھئے کہ آپ نے سب کو دودھ کی مکھی کی طرح نکال باہر کیا اور اب صرف حضرت کی ذات مقدس تن تنہا رہ گئی پس مرتبہ شاہنشاہی سے گھٹ کر بادشاہ رہ گئے۔ مالک الملوک کے رتبے سے اُتر کر ملک رہ گئے۔ پس یہ کون سی بات مبارک باد دینے کی ہے۔ جہاں پناہ خود غور فرمائیں۔ بادشاہ یہ معقول جواب سن کر بہت متاثر ہوا اور کہا کہ فی الواقع زیب النسا جو کچھ کہتی ہو درست کہتی ہے۔ ؎

چو زنے از برائے مرد اکمل است تواں گفت زن را کہ او اکمل است

مرہٹوں سے آئے دن کا جھگڑا

اورنگ زیب نے دو سلطنتوں کو چوپٹ کر دیا لیکن مرہٹوں کی شورش بدستور قائم تھی اور اورنگ زیب کی زندگی کے باقی ماندہ برس اسی ٹلچان میں رایگاں گئے۔ وہ ان جھگڑوں میں ایسا گتھا رہا کہ شمالی ہند میں جانے کی نوبت ہی نہ آئی اور یہ طول طویل مدت دکن میں یوں ہی گنوائی۔ اس میں کلام نہیں کہ چھوٹی موٹی فتوحات ہوتی رہیں مگر جتنا ملا نہیں اُتنا کھویا۔ بڑے بڑے بھاری نقصان اُٹھانا پڑے۔ ۱۶۹۸ء سے لے کر ۱۷۰۱ء تک شاہی لشکر کو ملہ رہا لیکن اس کے

بقیہ نوٹ صفحہ ۵۷۰) دواتیں سینیرویٹ وغیرہ بہت نفیس بنتے ہیں۔ یہاں کی بڑی بھاری تجارت چوڑیاں ہیں جس سے بڑا حصہ آبادی کا اپنی روزی پیدا کرتا ہے۔ ترچناپلی کا تماکو کچھ بہت اچھا نہیں ہوتا اس لئے ڈِنڈیگل ضلع مدورا سے جہاں کثرت اور عمدہ تماکو ہوتا ہے درآمد کیا جاتا ہے۔ لیپ سِکٹ لوتھرن۔ وزلین میتھوڈسٹ اور کئی قسم کے مشن خاص ترچناپلی اور اس کے نواح میں ہیں۔ (ارکیچر سک انڈیا) ۱۲

ہوئیں ۔ داد و دہش کا دروازہ کھل گیا سب امرانے مبارک باد کی نذریں دیں لیکن

(تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ) قلعہ اور اُس کے گرد و نواح اور دریا کے پیچ و خم کا بہترین نظارہ دیکھنے کا مناسب وقت صبح سویرے کا ہی۔ ترچناپلی ایک ہموار اور مسطح میدان پر واقع ہی اور سوائے فرچ راکس کے پہاڑی سلسلے کے جو چالیس فیٹ اونچا ہی اور اسی میں گولڈن راک (سنہری چٹان) سو فیٹ اونچی ہی اور سری رنگم کے مندروں پر سے نظر گزرتی ہوئی تاملائی کے لمبے پہاڑی نیلے نیلے زنجیرے پر منتہی ہوتی ہی جو شمال کی طرف ہی۔ پہاڑی چٹان کے گرد جو حصار تھا اور جس میں بڑے بڑے معرکے گزرے ہیں (۵۸) برس کا عرصہ ہوا کہ وہ سب ڈھا ڈھو دیا گیا اور اب سوائے بالا حصار اور ایک چھوٹے سے مندر کے جو پہاڑ کی چوٹی پر ہی اور کچھ باقی نہیں رہا۔ بالا حصار پر چڑھنے کے لیئے پہاڑوں میں کاٹ کر ایک رستہ بنایا ہی جس میں منقش ستون ہیں جن کے سروں اور کنگنی پر بھی کام بنا ہوا ہی۔ اس مسقف حصے سے نکلنے کے بعد پہاڑ میں سیڑھیوں کا ایک اور سلسلہ تراشا ہوا ہی۔ ۱۸۴۹ء میں بہت سے لوگ مندر میں پوجا کرکے لوٹتیوں کو جب اس پٹے ہوئے حصے میں پونہچے تو کچھ ایسی دھکا پیل شروع ہوئی کہ (۲۵۰) آدمی کچل کر مر گئے۔ یہ سیوکا مندر گنپتی کے نام کا ہی۔ یہاں ایک بڑا ننندی (بیل) ہی جس پر چاندی کا پتر منڈھا ہوا ہی جس میں شیو۔ پاربتی۔ سکندا اور گنپتی کی مورتیں بنی ہوئی ہیں۔ قلعہ کی قدیم خندق کو پاٹ کر وسیع سایہ دار سڑک بنا دی ہی۔ چٹان سے تھوڑے ہی فصل پر بجانب جنوب نواب کا محل ہی جس کو درست کرکے اب اس میں کچہریاں ہیں۔ چٹان اور صدر دروازے کے بیچ میں ایک نہایت خوب صورت ٹپہ کلم (تالاب) ہی جس میں پختہ سیڑھیاں اور بیچوں بیچ میں ایک نہایت خوب صورت مندر بنا ہوا ہی۔ تالاب کے جنوب و مشرق کے کونے میں جو مکان بنا ہوا ہی کہتے ہیں کہ کلیئو اُسی میں رہا کرتا تھا۔ اس کے دروازے کے دونوں طرف پتھر کا ایک ایک ہاتھی بیٹھا ہوا ہی۔ ترچناپلی کے بنے ہوئے طلائی اور جڑاؤ زیورات مشہور ہیں گو دلّی کی طرح انگریزی طرز کے نتیجے سے وہ اصلی خوبی باقی نہیں رہی لیکن پھر بھی یہاں کی صناعی بے نظیر ہی۔ زنجیریں۔ ہار۔ چوڑیاں۔ یہاں کی کاری گری کا بہترین نمونہ ہیں۔ نہایت نفیس چھپی ہوئی ململ۔ سوتی اور ریشمین پارچہ جات انواع و اقسام کے بنتے ہیں۔ اس نواح میں ایک قسم کا سیپ کی طرح کا پتھر ہوتا ہی جو سنگ مرمر سے ملتا جلتا ہی اس کی

خدا نے یہ دن دکھایا جس کی خوشی میں بڑا بھاری جشن کیا۔ امرا و ارکان سلطنت کو سرفراز کیا

(تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ) سنہ ۱۸۹۱ع کی مردم شماری ۹۴۴۴۸ اور عام شماری (ر ۳۶۲۱)۔ ضلع کا مستقر و ج کا ہیڈ کوارٹر اور ریلوے کا بڑا مرکز ہے۔ دریائے کاویری کے داہنے کنارے پر جو یہاں بہت عمیق ہے سمندر سے (۵۶) میل دور واقع ہے۔ یہ بڑا تاریخی مقام ہے۔ جنوبی ہند کے راجگان کے خاندانوں میں اس شہر کا ذکر تاریخ صدی قبل مسیح سے پایا جاتا ہے۔ جو ایک معرکۃ الآرا مقام رہا ہے اور بہ اوقات مختلف پانڈو راجاؤں کے زمانے میں راج دھانی بھی رہا ہے۔ سولھویں صدی کے آخر میں مدورا کے نائک راجاؤں کے قبضے میں آگیا۔ قلعہ اور شہر کا بڑا حصہ پہلے راجہ وسوناتھ کے عہد میں بنا ہے۔ کوئی سو برس بعد راجہ چوکا نائک مدورا سے یہاں اپنی راج دھانی اٹھا لایا اور وہ عمارت جو آج نواب محل کہلاتی ہے اسی کی بنائی ہوئی ہے۔ کرناٹک کی لڑائیوں میں اس شہر نے بڑا بھاری حصہ لیا ہے۔ سنہ ۱۷۵۱ع میں فرانسیسیوں نے یہاں کا محاصرہ کیا لیکن کلائیو نے جب آرکاٹ پر قبضہ کر لیا تو فرانسیسیوں کو یہاں سے ہٹنا پڑا لیکن لڑائی کا مرکز ترچناپلی کا نواح ہی تھا جس کا محاصرہ متواتر کئی مہینے تک جاری رہا جس کا انتہائی معرکہ میجر لارنس اور ایم لالی کی لڑائی تھی جو جنرل ڈیوپلے کی کمان میں جاری تھی اور جس کا خاتمہ ایک حیدرودہ صلح پر ہوا۔ ہندوستان کی تاریخ کی ہر کتاب میں ترچناپلی کے مشہور محاصرے کا ذکر ہے جس کا حال نہایت عمدگی سے آرمز ہسٹری آف ملٹری ٹرانزیکشنز آف دی برٹش نیشن ان ہندوستان فرام سنہ ۱۷۴۵ع میں درج ہے۔ اس کتاب کو مسٹر ہگس ماتھم کتب فروشان مدراس نے سنہ ۱۸۶۱ع میں دوبارہ چھاپا ہے۔ ترچناپلی کی بڑی بھاری چٹان اور ایک بڑا ڈیم پیش (Gneiss) قسم کے پتھر کا ہے (علم طبقات الارض میں ایک قسم کے پتھر کا نام ہے جس میں کوارٹز (بلوری پتھر) فلڈسپار اور ابرق کی ملونی ہوتی ہے)۔ یہ گراں ڈیل چٹان ایک مسطح میدان میں اکیلی کھڑی ہے اور (۲۷۳ فٹ) اونچی چلی گئی ہے۔ یہ قلعہ نما چٹان شہر کے ہر حصے سے نظر آتی ہے۔ خصوصاً دریا کی طرف سے اس کا نظارہ بہت صاف ہے اور ہندوستان کے عجائبات نادرہ میں یہ بھی مستثنیٰ ہے۔ یہ گرمیوں میں اس قدر تپتی ہے اور اس میں سے ایسی بھاپ نکلتی ہے کہ اسی کی وجہ سے جیسی گرمی اس شہر میں پڑتی ہے ہندوستان کے کسی شہر میں نہیں ہوتی۔ اس لیئے

(بقیہ نوٹ برصفحہ آیندہ)

کہ پیشتا پیشتر ... سر ملک دکن پر دانت تھا اور خود بھی بارہا اپنی سعی میں ناکام رہا تھا۔ اب

(تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ) دروازے اور مندر کے بیچ میں شیو کا بڑا بیل ہے جو نندی کہلاتا ہے۔ وہ ایک منڈپ کے نیچے بیٹھا ہوا ہے اور یہ تمام جگہ بہت عمدہ نقش و نگار سے آراستہ اور درختوں کے جھنڈ میں ہے۔ بیل کی مورت تھوتنی سے پٹھے تک ۱۹ فٹ پیٹھ پر کی جھکلان تک ۔ سر تک کی بلندی ۱۲ فٹ ۔ مدھاؤ تک ۱۰ فٹ ۔ پیٹھ تک ۔ ۵ ۔ یہ بیل سینیٹ (syenite) قسم کے ایک ہی پتھر میں تراشا ہوا ہے۔ اور چونکہ اس پر روزانہ تیل کی مالش ہوتی ہے اس وجہ سے ایک سیاہ خاص قسم کی چمک پیدا ہو گئی ہے اور اب پتھر کا نہیں معلوم دیتا بلکہ دھات کا۔ کہتے ہیں کہ جس ڈھیم میں سے یہ بیل تراش کر نکالا گیا ہے وہ چار سو میل کے فاصلے پر سے لایا گیا تھا۔ اس عالی شان مندر کے شمال میں پاربتی کا ایک چھوٹا سا مندر ہے اور ایک بہت ہی خوب صورت مندر شیو کے (جو جنگ کا اوتار ہے) چھوٹے بیٹے سُبرمانیا کا ہے۔ یہ بہ نسبت بڑے مندر کے بہت بعد کا بنا ہوا ہے۔ اور غالباً پندرھویں صدی کا ہے۔ اس میں جو کام تراشا ہوا ہے وہ نہایت عجیب و غریب اور بہت ہی نازک اور نفیس ہے۔ طاقوں میں جو کئی مورتیں دھری ہیں وہ سبرمانیا کی مختلف شکلیں ہیں۔ اس مندر کے باہر وار دیوار سے لگا ہوا ایک حوض ہے جس کے بیچ میں ایک ٹونٹی لگی ہوئی ہے۔ دیو کو اشنان کرانے کا پانی اسی ٹونٹی میں سے نکل کر حوض میں جمع ہوتا ہے اور اہل ہنود اس پانی کو بڑا متبرک خیال کر کے پیتے ہیں۔ اندر کے صحن میں دالان ہیں جو اس مندر کا سب سے پہلا بنا ہوا حصہ ہے۔ (۲۱۶) کوٹھڑیوں میں سنگ سیاہ کے لنگم دھرے ہوئے ہیں اس مندر میں بڑے پرانے پرانے بت اس مندر کی تعمیر سے صدیوں پہلے کے دھرے ہوئے ہیں۔ مندر کے احاطے ہیں اور متعدد چھوٹے چھوٹے مندر کثرت سے ہیں لیکن ان میں کوئی خاص بات ذکر کے قابل نہیں ہے۔ یہاں کے برنجی اور نقرئی ظروف اور ان پر کا کام اور نقش و نگار دیوتاؤں کی مورتوں کے نقش و نگار بہت بے نظیر ہوتے ہیں۔ ریشمیں پارچہ جات چھینٹیں دریاں ۔ قالین ۔ کُٹّی کی مورتیں اور کھلونے یہاں کی مشہور چیزیں ہیں۔ اس ضلع میں بادریوں کا کام کثرت سے پھیلا ہوا ہے اور (۲۵) سٹیشن ہیں ۔ وزلین مشن کا سکول اور کالج نیگاپاٹم میں ہے۔ نوٹ ۵۲ صفحہ ۵۶۵) ترچناپلی ۔ مدراس پریزیڈنسی میں مدراس کے بعد سب سے بڑا شہر یہی ہے اور ہندوستان کے سارے شہروں میں اس کا نمبر پچیسواں ہے

اورنگ زیب کا سوال اور اُس کی بیٹی زیب النسا کا برجستہ جواب

اورنگ زیب جب قطب شاہی اور عادل شاہی دونوں گھرانوں کا کھوج کھو چکا تو بہت ہی مسرور ہوا

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) سنگ خارا کا ہی ۲۴ لمبا اور ۱۰ چوڑا اور تین فیٹ سطبر جس کے چو طرف جانوروں کی لڑائیوں کے نقشے کھدے ہوئے ہیں۔ دربار ہال کے جنوب رخ کا عالی شان دالان غور سے دیکھنے کے قابل ہی۔ ستونوں کے درمیان منقش محرابیں جواب سنگو کے کام سے بند کر دی گئی ہیں پہلے کھلی ہوئی تھیں ان کے سبب سے دربار ہال خوب کشادہ ہو گیا ہی۔ اسی ہال میں بڑی بڑی ملکی کونسلیں ہوا کرتی تھیں۔ تانجور کا بڑا مندر اپنی اہمیت میں ہندوستان بھر کے سارے مندروں سے اس اعتبار سے بہتر ہی کہ وہ بحیثیت مجموعی بلحاظ ساخت نہایت مکمل ہی۔ اس کے دو صحن ہیں۔ بیرونی ڈھائی سو فیٹ مربع ہی اور اندرونی ۲۵۰ x ۵۰۰ فٹ اور اسی کے اندر مندر ہی جو چودھویں صدی کے اوائل زمانے کا بنا ہوا ہی مندر کا درمیانی قبہ اپنی قسم کا ہندوستان میں سب سے نفیس ہی جس کی اونچائی (۸۲ فٹ) اور عرض میں (۹۶ فٹ) مربع ہی اور اسی میں مندر کا بڑا اور اصلی بت ہی۔ یہ قبہ اس حساب سے بنایا ہی کہ دوپہر کے وقت سایہ صرف کے چبوترے سے متجاوز نہیں ہوتا۔ اس قبہ کا بالائی مدور حصہ پتھر کا ایک بڑا بھاری ڈھیم ہی اور روایت مشہور ہی کہ پانچ میل ڈھلوان اور پھسلواں رستہ بنا کر اس بڑے بھاری پتھر کو بڑی محنت سے لڑھکا لڑھکا کر اوپر چڑھایا ہی۔ اس کے چبوترے کے کگر میں ایک کتبہ ہی جس میں ان بزرگ لوگوں کے نام لکھے ہیں جن کی امداد سے یہ عمارت بنی برآمدہ اور صدر دروازہ دونوں اس عالی شان عمارت کے لایق اور بہت ہی عجیب و غریب ہوے ہیں۔ دروازے پر کا قبہ اس مندر کا سب سے پرانا حصہ ہی جو وری راجیس ورن کے نام پر بنایا گیا ہی۔ یہ نام بھی شیو کے ناموں میں کا ایک نام ہی۔ یہ حصہ ۱۳۳۰ء میں کھیورم کے ایک راجہ نے بنایا تھا جس نے جنوبی ہند میں (۱۰۸) مندر بنوائے تھے مگر تانجور کا مندر ان سب میں بڑا تھا۔ دروازے پر ایک بڑا بھاری دوار پال یعنی دربان کی مورت کھڑا ہی جس کے چار ہاتھ ہیں۔ دو ہتھیاروں کو سنبھالے ہیں اور دو ہاتھ سے منع کر رہے ہیں۔

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

سر ۱۶۹۱ء میں خراج وصول کیا گیا یعنی یوں سمجھو کہ مغلیہ سلطنت جنوب کی طرف اتنی اور بڑھ گئی۔

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) ہندوستان کا سب سے بڑا اور قدیم راج تھا۔ تانجور نہ صرف پولیٹیکل حیثیت سے ایک مشہور مقام ہی بلکہ ایک بہت بڑا مرکز علوم اہل ہنود کا بارہ سو برس سے ہی مسافر بنگلہ قلعہ کے پاس بنا ہوا ہی۔ یہاں کا **قلعہ۔ محلات** اور مندر جنوبی حصۂ ہند میں اپنا جواب نہیں رکھتے قلعہ سارے شہر کو گھیرے ہوئے ہی اور تانجور کے نائیکر راجاؤں کا بنایا ہوا ہی جس کو آگے چل کر مرہٹوں نے بہت کچھ بڑھایا ہی۔ قلعہ میں ایک بہت عمدہ تالاب۔ مندر اور ایک چھوٹا سا گرجا پادری **شوارٹز** (Schwartz) کا بنایا ہوا ہی۔ جس کی قبر کا نہایت خوب صورت تعویذ مشہور بت تراش فلیکسمین کی دستکاری کا عدیم المثال نمونہ ہی۔ ایک برج پر بڑی بھاری توپ ہی جو **راج گوپال** کے نام سے مشہور ہی۔ یہ توپ آہنی پتوں کی بنی ہوئی ہی جو اچھی طرح برنجی حلقوں سے وصل کردیئے گئے ہیں۔ لمبان توپ کی ۲۵ فٹ ہی اور بیرونی دوَر ۳ فٹ ۲ انچ اور دہانے کا قطر ۲ فٹ ۔ یہ **وشنو نائیکر** خاندان کے کسی راجہ کی بنائی ہوئی ہی۔ یہ توپ جب سے بنی ہی صرف ایک دفعہ چلی تھی وہ بھی کب جب کہ منادی کرادی گئی تھی کہ لوگ شہر خالی کردیں۔ اس میں فلیتہ دو میل لمبا لگایا گیا تھا جو چالیس منٹ میں توپ کے کان تک پونہچا۔ غرض یہ کہ بخیر و خوبی توپ داغی گئی۔ یہ توپ سارے قلعے کی جان و مال کی محافظ سمجھی جاتی ہی اور جب کوئی خطرہ پیش آتا تھا تو اس کی پوجا کی جاتی تھی۔ محل کی عمارت بڑے رقبے میں پھیلی ہوئی ہی۔ اس میں دیکھنے کی چیزیں **سات منزلہ برج**۔ نائیکر راجاؤں کا **ہال** (جو ڈیڑھ سو برس کے بعد حال میں کھود کر نکالا گیا ہی) **سلاح خانہ** اور نائیکر دربار **ہال** ہیں۔ سات منزلہ برج دور سے بہت بھلا معلوم دیتا ہی لیکن پاس سے دیکھنے میں وہ بات نہیں رہتی۔ یہ سراسینک اور یورپین (مسلمان اور انگریزوں) طرز عمارت کی ایک بھدی نقل ہی۔ اس کو سرفوجی اول نے بنایا تھا اور ۱۵ برس میں بن کر طیار ہوا دربار ہال ایک عمدہ چوکون عمارت ہی جو نہایت نفیس اور خالص نائیکری طرز تعمیر کا مکمل نمونہ ہی جو اس زمانے میں موجود ہی اور بمقابلہ مدُورا کی عمارتوں کے اس میں صرف یہی ندرت ہی کہ اس کی طرز بالکل ٹھکی ہی۔ اس ہال میں نہایت شان دار مورت مرہٹوں کے سب سے بڑے راجہ **سیواجی** کی ہی جو چنتری کی بنائی ہوئی ہی۔ یہ اُسی بڑے اور قدیم پتھر پر نصب کی گئی ہی جس پر کہ راجگان بیٹا کر بیٹھ کر دربار کیا کرتے تھے۔ یہ ایک بڑا بھاری ستون

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

یس یا ہوا پڑا اور نوبت بہ ایں جا رسید کہ محاصرہ اٹھانے کی ٹھن گئی لیکن ایک دغاباز نے سازش کرکے قلعہ کا دروازہ کھول لشکر کو اندر گھسالیا اور گولکنڈہ ستمبر ۱۶۸۷ء میں فتح ہو گیا اور اس طرح خاندان قطب شاہی پونے دوسو برس کی حکمرانی کے بعد صفحۂ دنیا سے نیست و نابود ہو گیا۔ ان فتوحات اور مابعد کی کارروائیوں سے مغلیہ عہدہ داروں کو تقویت ہو گئی اور مقبوضات میں وسعت ہوتے لگی تانجور[ملہ] اور ترچناپلی تک سے

(بقیہ نوٹ صفحۂ گزشتہ) قلعۂ دولت آباد میں جس مکان میں تاناشاہ قید تھا وہ چینی محل کہلاتا ہے۔ اب کھنڈر رہ گیا ہے۔ بس چار دیواری باقی ہے۔ ۱۶۸۷ء میں اورنگ زیب نے تاناشاہ کو قید کیا تھا۔ یہ وہی بادشاہ ہے جس کی نسبت شاہجہاں نے لکھا تھا۔ ؎

اہ فرستادہ بابوالحسن — امتہ اللہ جانا حسن

عمارت کی وضع قطع اور چینی کے باقی ماندہ کام سے پایا جاتا ہے کہ یہ عمارت کسی زمانے میں نہایت نفیس اور خوش نما ہوگی۔ سہن قریب میں ایک بڑا حوض ہاتی حوض کے نام سے مشہور ہے۔ یہ حوض بہت بڑا اور اس قدر گہرا ہے کہ اس میں ہاتی ڈوب جاتا تھا لیکن اب خشک ہے۔ سلطنت قطب شاہی کے ممالک مفتوحہ جن پر (۲۱) سرکار پر جو (۳۵۵) پرگنوں پر منقسم تھی سال کا محاصل ایک کروڑ پینسٹھ لاکھ روپیہ تھا۔ (از واقعات مملکت بیجاپور و تاریخ بیجا نگر)

نوٹ صفحہ ہذا [ملہ] تانجور۔ اس مشہور شہر کی مردم شماری ساٹھ ہزار ہے اور یہ حصۂ ملک جنوبی ہند کہلاتا ہے۔ یہ دریائے کاوری کے ڈیلٹا (دریا کی دوشاخیں پھٹ کر جو زمین بیچ میں نکل آتی ہے) پر واقع ہے اور ایک نہایت آباد اور سرسبز و شاداب مقام ہے جہاں نہروں کا جال بچھا ہوا ہے اور کثرت سے ناریل کے گھنے باغ ہیں۔ اس زرخیز ضلع میں مندروں کی تعداد تین ہزار سے اوپر ہے اور خاص کر تانجور کا مندر ہندوستان بھر کے سارے مندروں میں سب سے بہتر ہے۔ بڑا بھاری اینکٹ (بند) جو کاوری دریا پر باندھا گیا جس میں سے ساری نہروں میں پانی جاتا ہے وہ راجگان چولا خاندان نے تیسری صدی میں بنایا تھا۔ وہ ایسا مضبوط ہے کہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا ایک ہی پتھر کا ڈھیم ہے۔ اس کی لمبائی (۱۰۸۰) اور چوڑائی ساٹھ فیٹ ہے اور عمق (۱۸) ہو کاوری کی ایک شاخ کے پوری جکاں میں دوڑتا ہوا ہے۔ تانجور کے انجیری بے مثل کام دیکھنے کے قابل ہیں۔ تانجور چولا خاندان کا راج دھانی تھا جو دسویں اور چودھویں صدی میں

(بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ)

بند کردیا۔ مغلیہ لشکر قحط اور طاعون سے تپ جھپنے لگا۔ بادشاہ کے حکم سے جو حملہ کیا گیا تھا اُس میں

(تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ) ادا ہوتے تھے۔ اعزاز و اکرام میں کسی قسم کا فرق نہ تھا۔ اورنگ زیب جب حیدر آباد اور گولکنڈے کے انتظام سے فارغ ہو کر ۱۰۹۹ھ میں بیدر واپس ہوا تو تاناشاہ کو جاں نثار خاں کے ہمراہ قلعۂ دولت آباد میں بھیج دیا۔ تاناشاہ کی عمر کی تقسیم یوں ہے۔ (۱۴) سال طفلی (۱۴) سال تحصیل علم۔ (۱۴) سال حاضرباشی بخدمت مرشد خود۔ (۱۴) سال سلطنت۔ (۱۴) سال مقید بدولت آباد۔ بحالت قید تاناشاہ کے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام بندہ سلطان تھا وہ سن رُشد کو پونہچ گیا تھا۔ دربار میں آنے جانے لگا تھا۔ اورنگ زیب نے جب لوگوں کا رجحان اس کی طرف دیکھا تو اُسے بھی نظربند کر دیا۔ اس کے بعد پتہ نہیں چلتا کہ اس غریب لڑکے کا کیا حشر ہوا ۱۲ ربیع الثانی ۱۱۱۱ھ جمعرات کے دن تاناشاہ نے وفات پائی اور قلعہ دولت آباد سے باہر حضرت سید راجو قتال حسینی قدس سرہٗ اپنے مرشد کے زیر سایہ آسودہ ہے۔ درگاہ کے احاطے میں بہت سی قبریں ہیں خدا جانے وہ کن کن بزرگوں کی ہیں۔ چاردیواری کے دروازے کی مغربی جانب تاناشاہ کی قبر بتلائی جاتی ہے۔ لیکن عبرت کا مقام ہے کہ جو شخص صاحب تاج و تخت تھا آج اُس کی قبر پر گنبد تو کجا معمولی سے معمولی کتبہ بھی نہیں۔ ــہ

مخسپ ای دل سخن بپذیر آخر ز چندیں رفتہ عبرت گیر آخر

لوگ کہتے ہیں کہ تاناشاہ اورنگ زیب کی چال بازی سے مرا۔ عام روایت یہ ہے کہ عالمگیر اس امر کے درپے ضرور تھا کہ کسی نہ کسی طرح تاناشاہ کو صاف کر دے۔ تاناشاہ نے بھی سُنا کہ اُس کے قتل کی فکر ہو رہی ہے۔ تاناشاہ تھا بڑا امرد۔ اورنگ زیب سے کہلا بھیجا کہ میرے مارنے کے لیئے تردد کیوں ایک گھوس کو جو عموماً کثیف ہوتی ہیں اور اُن کے کپڑوں میں سے موت اور گوبر کی بو آتی ہے کہیئے کہ میرے سامنے سے نکل جائے بس مجھے مار ڈالنے کو کافی ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اسی سبب سے یہ کہاوت لوگوں کی زبان پر چڑھی ہوئی ہے کہ وہ فلاں شخص کا تو ایسا داغ ہے جیسے کہ تاناشاہ کا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ اسہال کبدی سے انتقال ہوا۔ حیدرآباد میں تاناشاہ کی دو یادگاریں ہیں۔ چار محل اور گوشہ محل۔ چار محل کے کچھ حصے میں باروت تھی اس سے برباد ہوا باقی موسی ندی بہالے گئی۔ ــہ

اشک آں ہم صبر و طاقت از دلِ بیتاب برد پارۂ او سوخت آتش پارۂ او آب برد

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

قلعی کھلی کہ گولکنڈے کے قلعے کو فتح کرنا کوئی منہ کا نوالا نہ تھا۔ مرہٹوں نے سامان رسد

(تکملہ نوٹ صفحہ گذشتہ) گرفتار ہوا تانا شاہ بڑا مستقل مزاج تھا۔ جب قلعہ میں افواج مغلیہ داخل ہوئیں اور دارو گیر کی مہیب صدا تانا شاہ کے کانوں تک پہنچی تو دیوان خاص سے محل خاص میں چلا گیا اور رمق برابر اضطراب بھی اُس کے چہرے سے ظاہر نہ تھا۔ خاصہ بردار کو حکم دیا کہ خاصہ چنا جائے۔ اس عرصے میں روح اللہ خاں اور مختار خاں امرائے عالمگیری تانا شاہ کے اسیر کرنے کو پہنچے۔ تانا شاہ اُن سے خاطر مدارات سے پیش آیا اور اپنے پاس بٹھا کر ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگا۔ خاصہ چنا گیا اطلاع ہوئی۔ تانا شاہ نے ان دونوں سے بھی کہا بسم اللہ آیئے۔ مختار خاں اور دوسرے لوگ دسترخوان پر جا بیٹھے لیکن روح اللہ خاں سے نہ رہا گیا اس کی زبان سے بے اختیار نکلا کہ بھلا یہ بھی کوئی وقت کھانے کا ہے یہ تو قیامت ٹوٹ رہی ہے اور آپ کو کھانے کی سوجھی ہے۔ تانا شاہ نے مسکرا کر کہا کہ اجی اگر سچ پوچھو تو کھانے کا یہی وقت ہے۔ چودہ برس ہیں لطف ربّ العزت شہریار رہا۔ اب امر ربّ جلیل یہ ہوا کہ یہاں کی حکومت ایک خلیفۂ عادل کے سپرد ہو تو عذر اور ناراضی کا کیا محل ہے۔ غم و الم کرنا داخل بے عقلی اور گنہگاری ہے۔ آج وہ دن ہے کہ میرے سلطنت کے بار گراں سے نجات پائی اور اس عظیم ذمہ داری کے بوجھ سے شانے ہلکا کیا۔
ع۔ این بار گراں بود ادا شد چہ بجا شد۔ اب یہ بوجھ دوسرے کی گردن پر ہے وہ جانے اور اس کا کام۔ ٹھنڈے دل سے اور پیٹ بھر کے تو آج ہی کھاؤں گا ورنہ آج تک میں کھانا نہیں کھاتا تھا بلکہ کھانا مجھ کو کھاتا تھا۔ القصہ نہایت اطمینان سے خاصہ تناول کر کے امراء کے حلقے میں قیدیوں کی طرح شہزادے کے پاس گیا جو قلعہ کے دروازے میں خیمہ لگائے منتظر بیٹھا تھا تانا شاہ آداب بجا لایا۔ شہزادہ جیسا کہ بادشاہوں کا قاعدہ ہوتا ہے کمال عزت و احترام سے پیش آیا اور سر تک ہاتھ لے جا کر سلام لیا۔ سلطان ابوالحسن نے نزدیک پہنچ کر ایک بیش قیمت زمرد کی تسبیح جو ہاتھ میں تھی شہزادے کو نذر گزرانی اور کہا۔ ع۔ برگ سبز است تحفۂ درویش۔ شہزادہ اور ابوالحسن بالکل قریب ہو کر باتیں کر رہے تھے تسبیحی نے ابوالحسن کی طرف دیکھ کر آواز دی "باادب و بہ عادت باشید" شہزادے نے تسبیحی کی طرف غصے سے گھور کر کہا۔ خاموش! یہ سلطان ہیں۔ اورنگ زیب نے تانا شاہ کو کبھی اپنے سامنے نہیں بلایا بلکہ علیحدہ خیمے میں ساتھ ساتھ رکھتا تھا لیکن جو امور اپنے ایک معزز بادشاہ کے شایاں حال تھے سب بار

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

حفاظت کا معقول بندوبست کر لیا اور جب ۱۶۸۷ء میں محاصرہ شروع ہوا تو مغلیہ لشکر کی بھی

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ)

اس خبر کے سنتے ہی اوسان باختہ ہو کر حیدر آباد سے گولکنڈے کے قلعے میں متحصن ہو گیا۔ اس وقت کی ہل چل نہ پوچھو کہ کیا تھی۔ ہزاروں اشراف اپنی بیبیوں کا ہاتھ پکڑ پکڑ کر نکل کھڑے ہوئے اور بے خانماں ہو کر جدھر منہ اٹھا نکل گئے اور شہزادہ معظم کا حیدر آباد پر تسلط ہو گیا۔ پانچ چھ کروڑ روپیہ لوٹ میں ہاتھ آیا۔ تانا شاہ نے اپنے ایلچی شہزادے کے پاس بھیجے اور اپنے عجز و نیاز کا اظہار کیا اور قصورات کی معافی چاہی۔ اُس وقت شہزادے نے غارت گروں کا انتظام کر کے فتنہ و فساد کو فرو کیا اور تانا شاہ پر رحم کھا کر شرائط صلح اپنے والد بزرگوار کی خدمت اقدس میں بغرض شرف منظوری گزرانیں۔ وہ شرائط یہ تھیں کہ "ایک کروڑ بیس لاکھ روپیہ علاوہ معمولی نذرانے کے تانا شاہ ادا کرے اور اونا اور اُس کے بھائی اکنا کو وزارت و امارت کے عہدوں سے معزول کرے اور قلعہ جات سیرم اور ملکھیڑ بادشاہ کی نذر گزرانے تو بادشاہ تانا شاہ کے جرموں کو معاف کرے گا۔" اونا کے اختیارات کم کرنے میں ابھی گفتگو ہی ہو رہی تھی کہ چند امرا نے ان دونوں بھائیوں کو قتل کر کے اُن کے سر کاٹ کر شہزادے کے پاس بھیج دیئے۔ یہ صلح شہزادے نے بڑی نرمی اور رحم دلی سے کی تھی مگر بادشاہ عالم گیر کو یہ گری پڑی صلح ناگوار گزری۔ جب شہزادے کی عرضی اور مادنا اور اُس کے بھائی کے سر سامنے آئے تو بادشاہ نے اوپری دل سے صلح تو منظور کر لی اور سعادت خاں کو جو خان جہاں کی دیوانی پر مامور تھا نذرانے کے وصول کے لیئے تعینات کر دیا مگر در پردہ شہزادہ اور خان جہاں دونوں معتوب ہوئے۔ بالآخر شرائط صلح کی عدم تکمیل کی وجہ سے عالم گیر نے ۱۶۸۷ء میں گولکنڈے پر پھر فوج کشی کی۔ تانا شاہ نے آٹھ مہینے تک خوب مقابلہ کیا اور قلعہ کو سنبھالے رہا مگر امرا و افسران فوج عالمگیر سے جا ملے تھے نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ فتح عالم گیر کی رہی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ دوران محاصرے میں اتنی توپیں سر ہوئیں تھیں کہ تمام عالم دھواں دھار اور تیرہ و تار ہو جاتا تھا۔ دن اور رات میں تمیز نہیں ہو سکتی تھی۔ بعض مورخ لکھتے ہیں کہ افواج کے گزرنے کے لیئے مٹی سے بھر کر جو تھیلے خندق میں ڈالے گئے تھے ان میں سے پہلے پچاس ہزار تھیلیوں کے منہ خود عالم گیر نے اپنے ہاتھ سے سیئے تھے۔ بعض بعض مقامات پر سرنگیں بھی اڑائی گئیں لیکن ان میں سے کوئی تدبیر بھی چنداں کارگر نہ ہوئی بلکہ قلعہ محض سازش سے فتح ہوا۔ عبدالرزاق لاری مع اپنے لڑکوں کے اخیر تک وفادار رہا اور اخیر دم تک مقابلہ

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

سر پر آن کھڑی ہوئی تب اُس کی آنکھیں کھلیں اور کہتے ہیں کہ اُس نے ایسے تمام مشاغل
لایعنی کو یک قلم ترک کر دیا اور طرز روش بالکل بدل کر سادہ لوح ہو گیا۔ شہر حیدر آباد کی

(تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ) اکنا جیکا ران دونوں کی مدد سے تخت پر بیٹھا۔ جب کہ وزیر نے بادشاہ
دباؤ ڈالنا شروع کیا تو اسے معزول کر کے قلمدان وزارت مادنا کے سپرد کیا گیا۔ ۱۰۸۶ھ/۱۶۷۶ء میں
سیوا جی مرہٹے نے حیدر آباد پر حملہ کیا اور حسب دلخواہ تانا شاہ سے عہد نامہ لکھوا لیا۔ بیجاپور کے
لشکر نے بھی یہ حال دیکھ کر حیدر آباد پر چڑھائی کر دی مگر بیجاپوریوں کو شکست ہوئی۔ کہتے ہیں کہ تانا شاہ
بڑا عیاش تھا۔ مادنا سخت متعصب ہندو تھا اس نے بادشاہ کو کاروبار سلطنت میں غیر متوجہ پا کر
اسلام کو ضعیف کر دیا۔ شہر کے باہر بت خانے بنائے اور شرفائے اسلام کی علانیہ توہین کرتا تھا اس
کی وجہ سے لوگ اس سے بددل تھے۔ اسی وجہ سے ابراہیم بیگ سپہ سالار فوج اس برہمن کا
سخت دشمن تھا اور یہی وجہ اس سلطنت کے زوال کی ہوئی۔ عالمگیر بادشاہ ۱۰۹۳ھ/۱۶۸۲ء میں بیجاپور
اور گولکنڈے کی سلطنتوں کی تسخیر کے لیئے دکن کی طرف متوجہ ہوا اور اس کی فوج جب کہ ۱۰۹۷ھ/۱۶۸۶ء
میں فتح بیجاپور میں مصروف تھی تو اس حالت میں خان جہاں بہادر اور دیگر سرداروں کو حیدر آباد
کے متعلقہ قلعوں کو فتح کرنے کو بھیجا۔ جب تانا شاہ کو خبر ہوئی کہ خان جہاں ملکھیڑ تک آن پہنچا
تو اس نے خلیل خان عرف ابراہیم بیگ کو روکنے کے لیئے بھیج دیا ان دونوں میں سخت لڑائیاں
ہوئیں۔ جب خان جہاں کی سپاہ لڑتے لڑتے گھٹ گئی تو بادشاہ نے شہزادہ معظم کو اس
کی مدد کے لیئے بھیجا۔ دکنیوں اور مغلوں میں کئی معرکے ہوئے بالآخر لشکر عالمگیری کی فتح رہی
جب زیادہ عرصہ اس لڑائی میں لگ گیا تو عالمگیر نے بیٹے پر تشدد کر کے عتاب فرمایا۔ شہزادے
نے تانا شاہ کے سپہ سالار کو لکھا کہ توقف جنگ کے سبب میں شاہی عتاب میں ہوں اس لیئے
بہتر ہے کہ اب جتنا ملک بادشاہی تصرف میں آ گیا ہے اس سے آپ ہمیشہ کے لیئے دست بردار ہو جایئے
تو عفو تقصیرات کے لیئے پیشگاہ خداوندی میں عرض کی جائے۔ تانا شاہ تو اس بات پر راضی ہو گیا
مگر امرا نے نہ مانا اور کہا کہ جو ملک ہماری سلطنت میں شامل ہے وہ ہمارے دم شمشیر اور نوک سنان سے
وابستہ ہے۔ آخر شہزادے نے دکنیوں پر حملہ کیا۔ طرفین سے خوب بہادرانہ مقابلے ہوئے۔ اد
دیوان کو موقع ملا اس نے تانا شاہ کو باور کرایا کہ ابراہیم شہزادے سے ملا ہوا ہے۔ اس پر بادشاہ کا ارادہ
کر قتل پر آمادہ ہو گیا مگر ابراہیم کو بھی خبر لگ گئی وہ ۱۰۹۶ھ میں شہزادہ معظم سے جا ملا۔ تانا شاہ

اُس کی خبر لینا بھی ضرور تھا۔ جب ابو الحسن تاناشاہ کو اُڑتی پڑتی خبر پونہچی کہ موت

(بقیہ نوٹ صفحہ ۵۵۹) مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ وَّکُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ کَرِیْمٍ۔ شخصے دیگر "ذُھِقَ الْبَاطِل وَجَاءَ الْحَقُّ" تاریخ یافت و منشی عبدالمعالی این دوبیت در تاریخ گفتہ :۔

ای شاہ جہاں پناہی کردی	فتح عجب از لطف الٰہی کردی
از مصرعۂ تاریخ شنو مژدۂ نو	فتح الیالی ز بادشاہی کردی

از مرزا ایزد بخش رسا زبانِ کلک با من گفت بنویس مبارک باد فتح حیدرآباد
۱۱۰ + ۹۸۸ = ۱۰۹۸
در تعمیہ یعنی اگر عدد زبان کلک را کہ حرف (ک) است با عدد لفظ (من) یکجا کردہ با عدد مصرعۂ آخر جمع نمایند تاریخ بر آید۔

عزیزی	مدد جو از علی آنگاہ برگو	مبارک باد فتح حیدرآباد ۱۱۰ + ۹۸۸ = ۱۰۹۸
ایضاً	ابو الحسن داشت جا بچار محل	بدر رشش کرد زاں مکاں تقدیر
	چوں بروں رفت او بجاش نشست	شاہ اورنگ زیب عالم گیر

یعنی اگر از عدد چار محل عدد ابو الحسن را خارج کردہ انچہ باقی ماند با عدد مصرعۂ اخیر جمع نمایند تاریخ ۱۰۹۸ھ بر آید و چار محل عمارتیست در حیدرآباد دکن کہ ابو الحسن آنرا در ۱۰۹۴ھ تعمیر ساختہ بود۔ تاریخ بنایش (بیت)

خشت اول چو برزمیں انداختند	ہاتفے گفت "یا امام رضا"

میر عبدالکریم المخاطب بہ ملتفت خاں کہ بہ امیر خاں مشہور است در فتح قلعۂ گولکنڈہ کہ حصار کردہ از حیدرآباد است این مصرعۂ تاریخ یافتہ ع۔ فتح قلعۂ گولکنڈہ مبارک باد۔ و این تاریخ مرزا عبدالقادر بیدل برشتۂ نظم کشیدہ :۔ شاہ عالم گیر یعنی حضرت اورنگ زیب آنکہ دارد تکیہ بر شمشیر او فتح و ظفر

عزمش از اقلیم دہلی کرد آہنگ خروج	تا کند بنیاد شاہانِ دکن زیر و زبر
اولیں سالے کہ فتح ملک بیجاپور بود	در غل و زنجیر رفت اسکندر از طوق و کمر
تاخت بر گلکنڈہ رایاتِ ظفر سالِ دوم	ہمچناں بر قلب قطب الملک طوفاں داد سر
کشف از روئے جمل در دیدۂ اہل حساب	سالِ فتح اولیں "جمشید نصرت جلوہ گر"
خواستن روشن شود آئینۂ فتح دوم	داد شوخیہاے او راکم دریں مصرع خبر
ہست یک معنی کہ تعبیر از دو تاریخش کند	"اعظم مطلوب" و "فتح بادشاہ نامور"

نوٹ صفحہ ہذا لے سلطان ابو الحسن تاناشاہ (۱۰۸۳ھ تا ۱۰۹۸ھ) سید مرتضیٰ وزیر اور مادنا۔
(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

روپیہ پیسے سے مدد دیتا تھا اور کفار سے ساخت باخت رکھتا تھا اس وجہ سے

(تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ) عالمگیر بادشاہ حیدرآباد را فتح کرد و والی آنجا سلطان ابوالحسن گریختہ بطرف قلعۂ گولکنڈہ رفت میرزا محمد شیرازی کہ عالی تخلص می کرد تاریخ این فتح گفتہ بنظر بادشاہ گذرانید و بمرحمت خلعت سرفراز گردید۔ تاریخ۔

از نصرت بادشاہ غازی | گردید دل جہانیان شاد
آمد بقلم حساب تاریخ | شد فتح جنگ حیدرآباد

فتح قلعۂ گولکنڈہ و حیدرآباد۔ بعد فتح حیدرآباد افواج بادشاہی قلعۂ گولکنڈہ را کہ سلطان ابوالحسن درانجا متحصن شدہ بود محاصرہ نمودہ می جنگید چنانچہ درین جنگ عابد خان کہ منصب صدارت داشت و پیر مشہور۔ قلیج خان صدر الصدور بود تاریخ ۲۴ ربیع الاول سنہ ۱۰۹۸ھ زخم گولۂ توپ از مرکب عمر بیک خرام عالم دیگر آخرت رفت و پسر او کہ شہاب الدین نام داشت
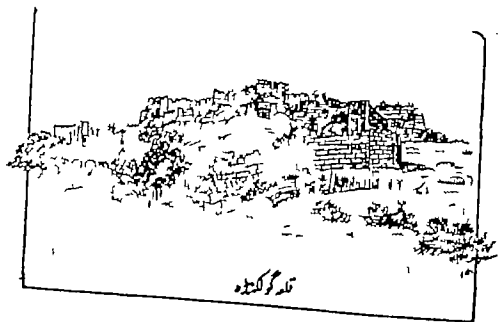
قلعہ گولکنڈہ

بخطاب غازی الدین خان بہادر فیروز جنگ مخاطب گردید۔ مدت محاصرۂ قلعۂ گولکنڈہ از ابتدائے ۲۵ ربیع الاول لغایت ۲۴ ذی قعدہ سنہ ۳۰ جلوس مطابق ۱۰۹۸ھ ہشت ماہ بود۔ چون قلعۂ مفتوح شد ابوالحسن در قید افتاد و در قلعۂ دولت آباد تا بحیات محبوس ماند۔ شعراء پایہ تخت تاریخہا یافتہ اند از آن جملہ برگزیدۂ علمائے دانشمند مولوی غلام نقشبند این آیت در تاریخ یافت فاخرجہم
(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

اور عادل شاہی سلطنت پونے دو سو برس کے رنگ برنگ کے عہد کے بعد صفحۂ دنیا سے مٹ گئی اور بیجا پور کا شہر ایسا ویران ہوا کہ آج تک بھی وہ پنپ نہ سکا۔

گولکنڈے کا محاصرہ اور فتح[1]

۱۶۸۷ء

بیجا پور پر اورنگ زیب کا دانت مدتوں سے تھا آخرکار اُسے لیا پر لیا۔ اب دوسرا معرکہ گولکنڈے کا درپیش تھا۔ وہاں کا بادشاہ وسپردہ مرہٹوں کو

بقیہ نوٹ صفحہ ۵۵۷ ونام ایں توپ ملک میدان است و علی عادل شاہ بیجاپوری از احمد نگر آورده بود بر شرزہ برج بتاریخ ۱۵ صفر ۱۰۴۲ھ نصب کرد و تا حال موجود است۔ عالم گیر بعد فتح بیجاپور عبارت ذیل بر کتبۂ بالا مستزاد فرمود :-

(۳۰ جلوس والا مطابق ۱۰۹۷ھ)

شاہ عالمگیر غازی بادشاہِ دین پناہ — آں کہ داد عدل داد و ملک شاہاں را گرفت
فتح بیجاپور کرد و بہرِ تاریخِ ظفر — رونمود اقبال و گفتہ ملک میدان را گرفت
۱۰۹۶ + ۱ = ۱۰۹۷ھ

توپ کا نام ملک میدان مشہور ہے اور اس قطعہ سے ملک میدان معلوم ہوتا ہے۔

تاریخِ دیگر از تندبادِ قہر شاہِ دیں پناہِ دادگر — از گلستان دکن خاشاکِ اعدا پاک رُفت
ایزد بخشش رسا۔ تا بہارِ گرد شمشیرش بہر کوہ و زمیں — غنچہ ہائے حصن بیجاپور ہمچو گل شگفت
از برائے ضبط سالش ہاتف از فکر رسا — شد کلید باغ بیجاپور قفل شاہ گفت
۱۰۹۷
دیگر از رسا مطلع از پئے تاریخ چناں می جستم — کہ شود شاہ زماں را سبب مسروری
شد نصیبم ز حق ایں مصرعۂ برجستہ رسا — فتح ملک دکن و قلعۂ بیجاپوری
دیگر از رسا ز تیغ شاہِ عالمگیر غازی — شنیدم ملک سلم[۱۰۹۷] پُر ز رشد فتح
پئے فتح دکن سے پائے اخراج ط ۹ — ز شتم ملکِ بیجاپور رشد فتح
۱۱۰۶ - ۹ = ۱۰۹۷ھ

نوٹ صفحہ ہذا [1]۔ فتح حیدرآباد۔ والی ایں دیار سلطان ابو الحسن قطب الملک کہ در عوام بہ تانا شاہ مشہور است از نجیب زادہائے دیار ایران بود از ہمدان در لباس فقر بہ سیاحت آمدہ چوں والی حیدرآباد قطب الملک عبد اللہ شاہ را پسرے نبود بر قطنت وذکائے او مفتوں شدہ او را بداماد گرفت بعد فوت عبد اللہ شاہ ارکان سلطنت ابو الحسن را قطب الملک خطاب کردہ بحکومت گرفتند چوں در سنہ ۱۰۹۸ھ

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)

اور شاہی فوج نے شہر کو دھڑی کر کے لوٹا۔ بادشاہ بیچارہ گولکنڈے کے قلعے میں دبک گیا۔ ۱۶۸۵ء میں شہزادے نے ایسی رم تسر الطیر صلح کر لی جو ادب کے نقطۂ خیال سے درست نہ تھیں اس واسطے شہزادے کو واپس طلب کر لیا گیا۔

بیجاپور کی فتح[۱]
۱۶۸۶ء

اس وقت تو گولکنڈے کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا گیا اور ایک دوسرے شہزادے شہزادۂ اعظم کو بیجاپور کی فتح کے لیے متعین کیا گیا۔ شہزادے کے بس کی یہ مہم نہ تھی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا تب بادشاہ نے خود جا کر محاصرہ کیا

[۱] چوں عالمگیر بادشاہ در ۱۰۹۷ھ قلعۂ بیجاپور را کہ در دکن است محاصرہ نمودہ بر اہ دخول آذوقہ پر خصسان بستہ برج و بارۂ قلعہ را از ضرب توپ منہدم ساخت و خندق را انباشتہ حوا کہ اندرون قلعہ در آید کہ والی آں جا سکندر عادل شاہ از خواب غفلت بیدار گشتہ تاریخ ۴ ذیقعدہ روز دوشنبہ غازی الدین خاں بہادر فیروز جنگ را شفیع خود ساختہ قلعہ را حوالۂ اولیائے دولت نمود و خود بملازمت بادشاہ شتافتہ مشمول عنایات شاہانہ گشت میرزا معز الدین موسوی تاریخ ایں فتح عظمیٰ بسلسلۂ نظم کشید اما یک عدد کم می شود۔ تاریخ

کار و بار ملک بیجاپور | کز نقصان موش کمش گفت
کرد از بس حمایت[۱] کفار | بادشاہ جہاں بر و آشفت
لشکرے بر سرش گماشت کہ شد | جا بجا ش طاق گشت اسم جفت
شد چو عاجز سکندر عادل | خاک درگاہ را بمژگاں رفت
سال تاریخ از خرد جستم | فتح اسکندری مبارک گفت

[۱] سیواجی کی طرف اشارہ ہے

و محمد علی جواہر کہ علم تخلص داشت ایں تاریخ در تعمیہ یافت ع ز دوے فصل بیجاپور شد فتح ۱۰۹۷

چوں اندرون قلعہ رفتند در انجا یک توپ عظیم الشان یافتند ایں توپ را برہان نظام شاہ والی احمد نگر در ۹۵۶ھ مطابق ۱۵۴۹ء در قلب آوردہ بود (طول ۱۴۔ ۴ - قطر دہانہ ۲۔ ۴ - کان کے پاس کا قطر ۴ - ۲ - وزن چارسو من پختہ رسی) ایں عبارت بر آں منقوش بود۔

در عمل محمد بن حسن رومی

ابو الغازی نظام شاہ خادم اہل بیت رسول اللہ سنہ ۹۵۶

پر نفس نفیس شروع کیا جس کا بڑا مقصد سلطنت ہائے گولکنڈہ اور بیجاپور کا معدوم کرنا تھا کہ اور اسی کے ساتھ مرہٹوں کی چیرہ دستی کا انسداد بھی مد نظر تھا اور سارے دکن کو مفتوح کرکے سلطنت مغلیہ میں شامل کرنا اصلی غرض و غایت تھی۔

ہندوؤں سے برتاؤ

شہنشاہ اورنگ زیب کی غیر مسلم رعایا کی ایذا رسانی کی خود سرانہ اور غلط پالیسی کے سختی سے تتبع نے ملک داری کی مشکلات میں بڑی پیچیدگیاں ڈال دیں۔ پہلی دکھتی چوٹ تو یہ تھی کہ دکن میں بھی جزیہ[1] کے گراں ٹیکس کی بقایا کے وصول کے لیے سخت سخت احکام جاری کیے اور صرف تین ہی مہینوں میں مقامی عہدہ داروں نے برہان پور سے چھتیس ہزار کی معتدبہ رقم نچوڑ لی۔ اس پر طرہ یہ کہ مرتے کو ماریں شاہ مدار یہ منادی کی گئی کہ کوئی ہندو پالکی یا عربی گھوڑے پر بدون حصول اجازت نہ بیٹھے۔ اس میں شک نہیں کہ ایسے ہی ایسے ناجائز حکموں کی وجہ سے تمام اہل ہنود اورنگ زیب کے دشمنوں سے جا ملے لیکن اورنگ زیب کو جب بھی کچھ خیال نہ ہوا اور وہ اپنی پالیسی میں ایسا ثابت قدم تھا کہ کوئی بات اسے اس کے جادے سے ذرا بھی نہ سرکا سکتی تھی۔

گولکنڈے کے معاملات

الغرض اورنگ زیب جب دکن میں پہنچا تو اس نے گولکنڈے کے معاملات بہت درہم برہم دیکھے۔ وہاں کا بادشاہ ابوالحسن تانا شاہ عیش و عشرت میں پڑ گیا تھا اور سلطنت کے کاروبار سے اسے کوئی تعلق باقی نہ رہا تھا بلکہ سارے معاملات دو ہندو مادنّا اور اکنّا کے ہاتھ میں تھے وہی سیاہ و سفید کے مالک تھے۔ اورنگ زیب اس طرح ہندوؤں کا دخیل امور سلطنت ہونا کب روا رکھ سکتا تھا اس نے اپنے بیٹے شہزادہ معظم کو اصلاح حال کے لیے بھیجا۔ شہزادے تو آخر شہزادے ہی تھے کچھ وقت تو انھوں نے شاہانہ ٹھاٹ اور امیرانہ عیش میں گنوایا۔ پھر حیدرآباد پر حملہ کیا

[1] جزیہ کی ناگواری کی بڑی وجہ تفریق مذہب تھی اور ٹیکسوں کی جو کہو تو اس زمانے میں بھی کچھ کمی نہیں انکم ٹیکس، میونسپل ٹیکس، واٹر ٹیکس، وھیل ٹیکس، چنگی، چوکیدارہ، روشنی بتی اور خدا جانے کیا کیا بیسیوں قسم کے ٹیکس ہیں۔ مگر مرگ انبوہ جشنے دارد کوئی کان بھی نہیں ہلاتا کیوں کہ ان میں کسی قسم کی تفریق نہیں ہے۔ کسی مذہب کی تخصیص ہے نہ کالے گورے کی تفریق ۱۲

حکمت عملی میں اس کے حریفوں میں سے کوئی بھی سبقت نہیں لے جا سکتا تھا اور نہ کوئی قوت فیصلہ ۔ زور ۔ صلابت و طاقت میں اس سے برتر تھا۔ جب وہ اپنی بات پر آتا تھا تو کوئی اس سے سر بر نہ ہو سکتا تھا۔ مگر کے مقابلے میں وہ عیاری کو ترجیح دیتا تھا۔ دور اندیش راست بازی کا نہ تھا اور اسی وجہ سے سیواجی بھی بڑا بیباک تھا۔ مرہٹے اسے ہندو دھرم کا حامی ۔ گئو ماتا اور برہمنوں کا محافظ اور خدا کا اوتار سمجھتے تھے سیواجی کے جو طرف دار ہیں وہ چاہتے ہیں کہ اسے ہر قسم کے اوصاف سے متصف کریں اور جو لغزشیں اس سے بہ حیثیت انسان ہونے کے سرزد ہوئی ہیں وہ اس کے ساتھیوں کے سر تھوپ دیں۔

سنبھاجی

سیواجی کا بیٹا سنبھاجی طرز و روش اور عادات میں باپ سے بالکل مغایر تھا اس کا رنگ ڈھنگ ہی اور کچھ تھا۔ باپ کے اوصاف میں سے ایک بات بھی اسے ورثہ میں نہ ملی۔ یہ اپنا سارا وقت لہو و لعب میں برباد کرتا تھا۔ بچپن ہی سے اس کے مزاج میں سخت گیری مضمر تھی اس وجہ سے لوگ اس سے بددل ہو گئے تھے اور اگر مرہٹوں میں سیواجی کی پھونکی ہوئی تازہ دم روح رواں قومیت کی موجزن نہ ہوتی تو اس نا اہل لڑکے کی بدولت مرہٹوں کا کبھی کا خاتمہ ہو جاتا۔ اورنگ زیب اگر پہلے ہی بیجاپور اور گولکنڈے سے موافقت کر لیتا تو سنبھاجی کبھی کا نیست و نابود ہو جاتا لیکن مشکل یہ تھی کہ اورنگ زیب اپنے سامنے سنبھاجی کی کچھ حقیقت نہ سمجھتا تھا اور جانتا تھا کہ اس کا مار لینا کون سی بڑی بات ہے۔ سب سے مقدم تو بیجاپور اور گولکنڈے کے معاملات ہیں جو سارے جھگڑے ہیں اُن سے کھٹکتا ایک ٹیڑھی کھیر ہے۔

اورنگ زیب کا دکن کی کمان اپنے دستِ قدرت میں لینا

۱۰۸۱ھ کے اختتام پر یعنی سیواجی کی وفات کے ایک سال بعد ملک نے مہمات دکن کا انصرام

سلہ اور شاید اب بھی ہے میں کہتا ہوں کہ اس زمانے کا لیل و نہار اس سے مختلف نہ تھا، ترجمہ فرق صرف اتنا ہے کہ اب تہذیب اس کی ٹٹی کی آڑ میں شکار کھیلا جاتا ہے اور جب کھلے عام یہ معاملہ تھا۔ اس بارے میں چال بازی [illegible]
مکاری ۔ عیاری ۔ دھوکا بازی دغا و فریب نے جیسی باقاعدہ روش اختیار کی ہے کبھی نہ کی تھی ایسے معاملے اس بارے میں [illegible]

جتھا بلم اور ہتیاروں کے زیادہ تر برچھوں سے مسلح رہتے تھے۔ فوج بالکل باقاعدہ تھی اور نہایت سختی سے فوجی قوانین کی پابندی کرائی جاتی تھی۔ کوئی سوار لشکر میں کسی عورت کو ساتھ رکھنے کا مجاز نہ تھا اور اگر کسی نے اس حکم کی خلاف ورزی کی تو بس اس کی سزا موت تھی۔ اس خاص معاملے میں سیواجی کا لشکر مغلوں کیا بلکہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی افواج سے بھی بڑھا ہوا تھا کہ اُن کے ساتھ عورتوں کی لار لگی رہتی تھی۔ مرہٹوں کا اولین فرض غارت گری تھا۔ جو مال بذریعہ لوٹ کے ملتا تھا وہ سب کا سب راجہ کا ہوتا تھا۔ گایوں۔ کاشتکار پیشہ اور عورتوں سے کوئی مزاحمت نہیں کی جاتی تھی۔ علاوہ بری فوج کے سیواجی کے پاس ایک بحری بیڑہ چار ہزار سپاہیوں کا ساحل پر تھا جو وقتاً فوقتاً امداد دیتا تھا۔

سیواجی کی وفات ۱۶۸۰ء

قلعۂ اول ہیں گولکنڈہ اور بیجاپور دونوں کا یکے بعد دیگرے مغلوں نے محاصرہ کیا لیکن ناکامیاب رہے۔ سیواجی نے سنہ ۱۶۸۰ء میں بیجاپور سے صلح نامہ کرلیا اور راج گڑھ واپس چلا آیا۔ اُسی سال یکایک اُس نے (۵۳) سال کی عمر میں انتقال کیا۔ اگرچہ شروع میں اُس کی حیثیت بالکل معمولی تھی لیکن وہ وہ شخص تھا جس نے کہ مرہٹوں میں ایک قومی روح پھونک دی اور مغلوں سے کلہ بکلہ لڑا۔ کدھر مغل اور کہاں سیواجی مگر قومی جوش۔ ہمت اور جواں مردی اُس کے ایسے جوہر تھے کہ زبردست سے زبردست غنیم کو بھی وہ خاطر میں نہ لاتا تھا۔ سیواجی ایک انمٹ ناموری اور شہرت اپنے پیچھے چھوڑ گیا۔ وہ درحقیقت ہندوؤں میں بڑا مشہور نامور گزرا ہے۔ وہ ایک غیر معمولی اور بڑا بہادر شخص تھا جس نے ایک نئی قوم اور طاقت ور سلطنت کی بنیاد ڈالی۔

سیواجی کا کیرکٹر

سیواجی ماں کے پیٹ سے سرداری کی قابلیت لیئے پیدا ہوا تھا۔ جس زمانے میں اُس نے نشوونما پائی وہ زمانہ مکاری۔ چال بازی اور دغابازی کا تھا اور جبر کا مقابلہ جبر سے کیا جاتا تھا۔ چال بازی توڑ جوڑ اور

ملے اور اب کب نہیں ہے بلکہ مع شئی زاید ۹-۱۲

مذہب ہندو تھا اور اگرچہ جاہل محض تھا حتیٰ کہ اپنا نام بھی نہ لکھ سکتا تھا لیکن خدا نے اُس کو دماغ اچھا دیا تھا۔ وہ اپنے مذہب کے اصول اور روایات سے خوب واقف تھا اس لئے اس کی حکومت کا رنگ ہندوانی رنگ میں رنگا ہوا تھا۔ اس نے اپنی عقل رسا کی بدولت بڑی مفید اور کار آمد اصلاحیں کیں۔ سیواجی کی انتظامی قابلیت کی تفصیل اگر معلوم کرنی چاہو تو گرینٹ ڈف کی تاریخ مرہٹہ پڑھو۔ سیواجی پر جس کا جو جی چاہے الزام دھر دے مگر اس میں کسی کو کلام نہیں کہ وہ اپنی رعایا پر ماں اور باپ سے زیادہ شفیق اور مہربان تھا۔ اُس کو عورت ذات کا بڑا خیال تھا۔ اس نے کبھی عورتوں کے ساتھ بدسلوکی روا نہ رکھی اور جب کبھی جنگ میں عورتیں پکڑی گئیں اور اُن کو بلا کسی قسم کی تکلیف دہی یا ایذا رسانی کے ہیم کے سپرد کر دیا۔ ملکی نظم و نسق کا یہ ڈھنگ تھا کہ آٹھ وزرا کی ایک کونسل بنائی تھی جو ہمیں اصول دھرم شاستر کی پابندی کرتے تھے۔ ان میں کا وزیر اعظم پیشوا کہلاتا تھا۔ کونسل کے دوسرے ممبر علیحدہ علیحدہ مختلف صیغہ جات مال۔ فوج وغیرہ کا انتظام کرتے تھے۔ مرہٹوں کے ملک کی تقسیم اضلاع میں تھی اور ہر ضلع میں کافی تعداد عہدہ داروں کی مقرر رہتی ہر گاؤں میں ایک مکھیار رہتا تھا جو پٹیل کہلاتا تھا۔ اعلیٰ درجے کے مقامی عہدہ دار دلیس ادھیکاری۔ تعلقہ دار اور صوبہ دار کہلاتے تھے۔ وزرا عموماً فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں رکھتے تھے اور مال کا کام اُن کے نائب یعنی کارباری کرتے تھے۔ بندوبست مالگزاری اراضی سالوار ہوتا تھا۔ عدالتی کاموں کا انصرام پنچایت کے ذریعے سے ہوتا تھا۔

برّی اور بحری فوج

فوج کا سب سے بڑا عہدہ دار سپہ سالار کہلاتا تھا جس کے بعد علی الترتیب اور عہدے دار ہوتے تھے۔ لوگوں کی تنخواہ نقدی میں دی جاتی تھی۔

اوائل میں سیواجی اپنی پیدل فوج کی بھرتی مغربی گھاٹ اور کاکن سے کیا کرتا تھا جہاں کے لوگ بڑے پھرتیلے اور بندر کی طرح چھلانگیں مار کے پہاڑوں پر چڑھ جاتے تھے۔ سیواجی پہاڑی قلعوں میں رہا کرتا تھا۔ سیواجی نے بتدریج سوار لشکر بھی بھرتی کر لیا جو اس کی فوج کا بڑا زبردست اور طاقتور حصہ تھا۔ یہ لوگ

جما دیا اور بتلا دیا کہ اُجڈ اور اکھڑ رعایا پر کس طرح حکومت کی جا سکتی ہے۔ وہ ایک پکا اور پابند

(بقیہ نوٹ صفحہ ۵۵۱) جن کی قیمت فی کمل پچاس روپیہ سے سو تک ہوتی ہے۔ یہ چک کی وضع کے بھی بنتے ہیں۔ معمولی کمل دس روپیہ یا پانچ کو ملتا ہے وہ اوڑھنے۔ بچھانے کے علاوہ بارش کے بچنے ایسا واٹر پروف ہے کہ اوڑھ لینے کے بعد پانی کی ایک بوند بھی اندر نہیں آ سکتی۔ قلعہ کی دوہری فصیل ہے ایک اوپر دوسری نیچے سنگ خارا کی نہایت مضبوط بنی ہوئی ہیں۔ فصیل کے آگے خندق ہے پہاڑ کی چوٹی پر قلعے کی عمارت ہے جس کے اندر ایک عجیب وغریب سنگ خارا کا ستون (۲۶۳ فٹ) اونچا ہے جس پر بہت کچھ نقش ونگار کا کام ہے۔ پستون ایک شیو کے مندر کے متعلق ہے جو اسی قلعہ میں قدیم زمانے کا بنا ہوا ہے۔ قلعہ کے اندر سول کے عہدہ دار رہتے ہیں اور ملٹری سٹور اور میگزین بھی ہے۔ اس پرانے قلعہ کے علاوہ ایک اور قلعہ بھی ایک پہاڑ پر جس کی بلندی (۵۰۰ فٹ) ہے زمانہ دراز کا بنا ہوا ہے جس پر سے سارا شہر نظر آتا ہے اور قلعہ بھی بسبب اپنی بلندی کے بہت دور سے دکھلائی دیتا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب یہ قلعہ طیار ہوا تو حیدر علی خاں بادشاہ میسور نے فرانسیسی انجنیر کو جس نے یہ قلعہ بنایا تھا قلعہ کے دروازے پر پھانسی دے کر لٹکوا دیا کیوں کہ یہ قلعہ ایسا بے موقع بنایا تھا کہ ایک پاس کی پہاڑی کی زد میں تھا۔ ۱۸۰۰ء میں سرکار عالی نظام نے بلھاری سرکار انگریزی کے سپرد کر دی۔ شہر بلھاری دو بڑے حصوں میں منقسم ہے۔ بروس پیٹ اور قول بازار۔ ان دونوں حصوں کے درمیان ایک بڑا ابھاری تالاب ہے۔ بروس پیٹ میں ایک وسیع قطع اراضی لوابکر کاشن کے علاقے میں ہے جس میں ۱۸۲۴ء میں ایک گرجا۔ مدرسہ۔ اور کتب خانہ اور عیسائیوں کے بہت سے مکانات بن گئے ہیں۔ قول بازار میں بھی ایک گرجا ہے جو ۱۸۶۸ء میں بنا ہے۔ دو کمرے سکول کے اور بہت سے مکانات عیسائیوں کے ہیں۔ قلعہ میں بھی ایک خوب صورت گرجا ہے جو بلھاری کے رئیس نے بنوا دیا ہے۔ یہاں متعدد مدارس ہیں جس میں وارڈلا انسٹی ٹیوشن مشہور ہے۔ زنانہ مشنری سکول بھی ہیں۔ قول بازار میں سینٹ لازرس چرچ ۱۸۶۶ء۔ انڈسٹریل سکول۔ سینٹ فلومنز سکول۔ وغیرہ وغیرہ ہیں یورپ کی عظیم الشان جنگ کے ترکی قیدیوں کا بڑا ابھاری کیمپ بھی بلھاری ہی میں تھا۔ (از واقعات ۔۔ ہماریو ر و پکچر سک انڈیا) ۱۲

مذہب ہندو تھا اور اگرچہ والد [illegible] اُس کو دماغ اچھا دیا تھا [illegible] اور [illegible]

نظام

گو سیواجی نے اپنی زندگی بطور قزاقوں کے سرغنے کے شروع کی تھی مگر جب اس کے پاؤں خوب جم گئے تو اُس نے اپنی حکومت کا سکہ

(تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ) سکول بہت مشہور رہا اور جس طرح عمدہ عمدہ سکول کی افراط ہے اسی طرح گرجاؤں کی بھی بہتات ہے۔ غرض یہ شہر زیادہ تر انگریزوں کا مسکن ہوا اور جیسی انگریزیت کی افراط بنگلور میں ہے ہندوستان کے اور کسی شہر میں نہیں۔ علاوہ عوض آب وہوا موسمی میوجات اور ترکاریوں کی وہ افراط ہے کہ دور دور یہاں میوے اور ترکاریاں جاتی رہتی ہیں۔ (امپیریل گزٹ انڈیا)

نوٹ ۵۵ صفحہ ۵۴۱ بلھاری سدرن مرہٹہ ریلوے کے گنٹکل جنکشن سے دو گھنٹے کا ریل کا رستہ ہے۔ مدراس پریذیڈنسی کے ضلع کا مستقر ہے۔ آبادی ساٹھ ہزار جس میں ۲/۳ ہندو ہیں۔ دومیل پر چھاؤنی ہے جہاں گوروں اور ہندوستانیوں کی فوج ہے جس کی تعداد تین ہزار ہے۔ شہر ایک چٹیل میدان پر بسا ہوا ہے جہاں درخت کا نام نہیں البتہ جابجا پہاڑوں کے ڈھیم کھڑے ہیں بعینہ ایسے جیسے کہ سمندر میں جزیرے ہوتے ہیں۔ ان گنڈوں میں سے ایک (۵۰فٹ) اونچا اور کوئی دومیل کے حلقے میں پھیلا ہوا ہے اسی پر ایک نہایت مضبوط اور معمولی توپ کے مقابلے میں ناممکن التسخیر قلعہ قدیم زمانے کا بنا ہوا ہے جو شہر سے دومیل ہے غلہ اور روئی کے تجارت کے کاروبار کی بڑی بھاری منڈی ہے۔ متعدد پیچ روئی کے موٹے نکالنے اور گٹھے باندھنے کے ہیں اور ایک گھرنی بھی ہے۔ یہ شہر پہاڑی کے دامن میں آباد ہے اور اسی وجہ سے درختوں کے سایے سے محروم ہے لیکن اس کمی کو قدرت نے ایک خاص قسم کی جھاڑدار جھاڑی سے پورا کیا ہے جو فلومس انڈیکا (*Phlomes Indica*) یا پتھر والا درخت کہلاتا ہے جس میں سایہ کے علاوہ خوشبودار پھول بھی لگتے ہیں۔ یہاں کی پیداوار اور صنعت السی۔ کرڑ۔ شکر۔ چوڑیاں۔ چوبی کام کے صندوق۔ چھپی ہوئی چھینٹیں۔ زری کی ساڑیاں بدرے۔ سب سے زیادہ یہاں کے کمبل مشہور ہیں اور فی الواقع تمام ہندوستان میں کہیں ایسا نفیس کمبل نہیں بنتا کہ جس کے کوٹ پتلون اچھا اور کوٹ بنیں۔ ان کی بناوٹ ٹوئیڈ اور بانات کا مقابلہ کرتی ہے بلکہ دیرپائی میں اس سے بھی زیادہ ہے۔ یہ کمبل ایسے بار یک اور نفیس ساخت کے ہوتے ہیں کہ بانس کی پھکی یا لوہے کے اندر ڈال کر دوخت ہوتے ہیں

بقیہ نوٹ صفحہ ا

آخرکار بہت سے ہندو مارے گئے بلوہ فرو ہوا اور جزیہ لگایا گیا۔

(تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ) پرانا شہر جہاں ہندوستانیوں کی آبادی ہے اس کا رقبہ ۲ ۱/۲ مربع میل اور آبادی پینسٹھ ہزار۔ بازار تنگ اور بے قاعدہ ہیں مگر بہت سے الدار تجار کے مکانات عمدہ عمدہ ہیں۔ شہر میں اچھی چہل پہل اور تجارت بھی خوب ہے۔ چھاؤنی بڑی وسیع اور بارہ مربع میل کے رقبے میں پھیلی ہوئی ہے اور آبادی قریب قریب ایک لاکھ کے ہے۔ یہیں ریذیڈنسی کی عالی شان اور وسیع عمارات اور محکمہ جات کا سلسلہ ہے **سنٹرل جیل** ہندوستان کی بہترین عمارات میں سے ہے **سنٹرل کالج**۔ مہاراجہ کا شاندار نیا محل۔ بارکیں۔ ریس کورس۔ پریڈ گراؤنڈ۔ پبلک پارک۔ خوب صورت **ٹرینیٹی چرچ**۔ میوزیم (عجائب خانہ) **رومن کیتھولک چرچ**۔ **وزلین چیپل**۔ یورپین عہدہ داروں اور خوش باشوں کے خوش نما بنگلے اور کوٹھیاں۔ لال باغ کا **بوٹینیکل گارڈن**۔ بینڈ سٹینڈ۔ سینٹ جانز ہال۔ جس پر یورپین پنشنر سولجروں کے کثیر التعداد مکانات ہیں اور باقی کل ضروریات جو ایک اول درجے کی چھاؤنی کے لیئے درکار ہیں۔ ایک اول درجے کا ڈاک بنگلہ اور دو مشہور ہوٹلیں بنبورنگ اور کبنز۔ قلعہ جو سال جلوس اول نواب حیدر علی خاں میں از سر نو سنگ بست بنایا گیا تھا اس کو بڑے بڑے تاریخی واقعات سے تعلق ہے۔ وہ کوٹھری جس میں سر ڈیوڈ بیرڈ سنہ ۱۷۸۰ء میں بیلی سے شکست پا کر قید رہے اب تک موجود ہے۔ یہ کوٹھری بارہ فیٹ مربع ہے اور ایسی پست ہے کہ کھڑے ہو تو سر چھت کو لگے۔ بنگلور میں ہر قسم کی دستکاری اور صنعت کاری جو ہندوستانی شہروں میں ہوتی ہے یہاں بھی ہے۔ ہر قسم کے ریشمین پارچہ جات۔ زردوزی کپڑے۔ زیورات۔ چرمی کارخانے یہاں کی خاص دستکاری ہے۔ زیادہ تر بیوپار ڈوڈا بیٹ میں ہوتا ہے۔ یہاں کے جیل میں دریاں اور قالین ایرانی اور ترکی وضع کے بہت عمدہ بنتے ہیں۔ یہاں کے عجائب خانے میں ہلی بیڈ کے مشہور مندروں کے نہایت اعلیٰ درجے کی حکاکی کے پتھر موجود ہیں۔ ہلی بیڈ تیرھویں صدی میں بلالہ خاندان کے راجگان میسور کا راج دھانی تھا۔ جو میسور سے بجانب شمال (۱۰) میل کے فاصلے پر ہے۔ یہاں کے مندر تمام ہندوستان کے مندروں پر فوقیت لے گئے ہیں اور ایک بہترین نمونہ فن تعمیر کا ہیں۔ بنگلور میں متعدد کالج اور سکول ہیں۔ زنانہ مدارس بھی ہیں کئی سکول مشنریوں کے ہیں جن میں بشپ کاٹن کا

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

ں کے توڑنے کے لیئے اورنگ زیب نے کچھ آیات کلام مجید کی لکھ کر جھنڈوں پر لگائیں۔

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) پاتال تک سرنگ کا راستہ بنا ہوا ہے۔ کہتے ہیں کہ مندر کا خزانہ یہیں ہے جس پر
نات قابض ہیں اور کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ باؤلی کا پانی کبھی خشک نہیں ہوتا اس وجہ سے اس کا خالی
رنا بہت مشکل ہے اور جب تک باؤلی خالی نہ ہو اس تہ خانے والے مندر کو کون جا سکتا ہے۔ سنہ ۱۸۷۷ء
یں پانی بہت اتر گیا تھا تب سٹاف افسر کے ایک ماتحت نے آکر اس مندر کو دیکھا تھا وہ کون جانتا ہے
ور تیلی یہ ایسی جان سے گزر کون جا سکتا ہے۔ قلعے کے اندر ٹیپو سلطان کے رہنے کے محلات بھی
یں۔ جنوب و مشرق میں یورپین لوگوں کا قبرستان جس میں اکثر رجمنٹ کے افسر اور سولجروں کی
بریں ہیں جو ۱۸۰۶ء کے بلوے میں مارے گئے تھے۔ قلعے سے (۲۵۰) گز مغرب کی طرف حضرت
مقام کی درگاہ ہے۔ قلعہ کے مغرب میں پون میل کے احاطے ہیں ٹیپو سلطان کے خاندان کے
گوں کی قبریں ہیں جن میں دس قبریں بڑے بڑے امرا کی ہیں اور چار سو معمولی۔ اس قبرستان کا
یک معمولی سا احاطہ کھنچا ہوا ہے۔ آج کل عمارتوں ہی کی سنبھال مشکل ہے قبرستان کو کون پوچھتا ہے۔ گورنمنٹ
نے (۱۵) ایکڑ زمین قبرستان کے لیئے چھوڑ دی ہے جس میں سے تین ایکڑ میں تو قبریں ہیں اور باقی میں زراعت
ہوتی ہے۔ اگرچہ یہ زمین اسی واسطے چھوڑی گئی ہے کہ اس کے محاصل سے قبرستان کی نگہداشت ہو لیکن
ر مدد پیٹوں سے بچے تو مردے کو ملے۔ قلعے سے ڈیڑھ میل ایک مسلمان طوائف کی قبر ہے جسے
یک مسلمان قلعہ دار نے اسی مندر میں سترھویں صدی کے آخر میں مار ڈالا تھا اسی تاریخ سے مندر کا
روبار موقوف ہو گیا اور جو مرابہ تھا وہ بھی لٹ لٹا گیا۔ موضع وتلا پاڑی میں ایک بہت پرانا
ڑا مندر ہے جو قلعۂ ویلور کی تعمیر سے پہلے کا ہے۔ مشہور ہے کہ خاندان چولا کا راجہ اس زمانے میں
دلوتی ریڈی آیا اسی موضع میں رہتا تھا۔ (از واقعات مملکت بیجاپور) نوٹ ۳۵ صفحہ ۱۴۱ ۵
ر لی شمالی آرکاٹ کے ضلع میں ویلور کے پاس یہ قلعہ ہے۔ (نوٹ ۳۶ صفحہ ۵۴۱ ۵) بنگلور۔
شہر تمام ہندوستان میں بڑا خوش نما اور بہت دلکش ہے۔ میسور کے تختہ مرتفع کے وسط میں سطح
سمندر سے ۳۱۱۳ فٹ بلند ہے۔ یہاں کی آب و ہوا خوش گواری اور اعتدال میں مشہور ہے اور خاص کر
یورپیوں کے لیئے تو اور بھی موافق ہے۔ اوسط ٹمپریچر (۷۶) درجے اور اوسط بارش (۳۴) انچ
ہے۔ اوسط اموات فی ہزار ہندوستانی بستی میں (۱۷) اور چھاؤنی میں (۱۵) ہے۔ سطح میں ہموار
بجز چند مقامات کے وہ بھی کچھ تھوڑی سی اونچان ہے۔ جابجا متعدد خوب صورت تالاب جھلکتے ہیں

(بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ)

عام خیال یہ تھا کہ ان لوگوں کے پاس کوئی جادو یا منتر ہی جو کسی طرح قابو میں نہیں آتے لہٰذا

(تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ) قلعہ بومتی ریڈی کا بُت بھی ہی۔ مندر کے احاطے کے اندر بائیں ہاتھ کو کلیان منڈپ ہی جس میں پہلے ہر سال دیو کی شادی کے وقت دیو کو لاکر بٹھلاتے تھے۔ اس منڈپ کے ستونوں پر بے نظیر نقش و نگار اور تصویریں تراشی ہوئی ہیں۔ منڈپ کی دوسری جانب سیڑھیوں کے پاس بہت سے پتھر کے ستون کھڑے ہیں جن پر انواع و اقسام کی بے شمار تصویریں جانوروں اور دیوتاؤں کی بنی ہوئی ہیں جن کے دیکھنے کے بعد انسان محو حیرت رہ جاتا ہی کہ پتھر کو موم کر دیا ہی۔ کس محنت اور کتنے صرف اور کس قدر مدت میں یہ کام ہوا ہوگا اور کیسے کاریگر ہوں گے جنھوں نے ایسی نادر تصاویر بنائیں۔ آج بھی جب کہ زمانہ اس قدر ترقی کر گیا ہی ہم اس کہنے پر مجبور ہیں کہ اب یہ فن ہی ہندوستان سے مٹ گیا۔ جب اس کی ضرورت نہ رہی تو عمارتوں کے بنانے والے بھی نہ رہے۔ ایک شیر زرہ مُنہ پھاڑے کھڑا ہی اُس کے منہ کے اندر ایک گولہ ہی جسے ہاتھ ڈال کر جتنا چاہو پھراؤ مگر گولا نکل نہیں سکتا۔ چھت کو دیکھیے تو نظر اوپر کی اوپر ہی رہ جاے نظر ہٹانے کو دل نہ چاہے۔ خیر سارے نقش و نگار اور تصویریں جو ہیں سو ہیں مگر تین حلقے طوطوں کے بنائے ہیں جو سر کے بل جھول رہے ہیں اور چونچ پنجوں میں کنول کے پھول کی پنکھڑیاں پکڑے ہوئے ہیں۔ ایک ایک طوطا الگ الگ پتھر میں تراشا ہوا ہی جس کی خوب صورتی کا بیان قلم سے ادا ہونا ناممکن ہی ہاں دیکھنے سے تعلق رکھتا ہی صرف جان ڈالنا باقی ہی۔ تمام ہال متعدد ستونوں پر ٹکا ہوا ہی اور کوئی ستون ایسا نہیں جس میں دیدہ ریزی کا کام نہ کیا گیا ہو۔ خلاصۂ کلام یہ کہ مندر کا کوئی پتھر ایسا نہیں جس میں کچھ نہ کچھ ندرت نہ رکھی گئی ہو اور اس قابل ہی کہ اُن کاریگروں کے ہاتھ چوم لیے جائیں اور ان پتھروں کو سونے میں تول دیا جاسے۔ مندر کے چاروں طرف لمبے لمبے دالان دور تک چلے گئے ہیں جن میں صدہا ستون ہیں اور کوئی ستون بھی نقاشی اور تصویروں سے خالی نہیں اور پھر معمولی تصویریں نہیں بلکہ وہ تصویریں کہ جن کو دیکھ کر یہ معلوم ہوتا ہی کہ اب بولیں کہ بولیں۔ احاطے کے چاروں طرف چار منڈپ بنے ہوئے ہیں وہ بھی تصاویر سے آراستہ ہیں۔ شمال و مغرب کے کونے میں جو منڈپ ہی اُس کے سامنے ایک قابل دید باؤلی ہی کہ اُس میں سطح آب سے ملی ہوئی ایک کھڑکی رکھی گئی ہی جس کے اندر جانے سے معلوم ہوتا ہی کہ بالائی عمارات کے علاوہ تہ خانے میں بھی ایک کشادہ مندر ہی۔ اس میں بھی متعدد کمرے ہیں اور یہاں سے

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

اور ایسا رو رکھ کر شاہی فوج کا دستہ جو ان کے مقابلے پر گیا تھا اُس کو شکست دی۔

(تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ) اتار لیا۔ اس عدر کی خبر رانی بیٹ میں کرنل گلیسپی کماڈنگ افیسر
ڈریگون کو پونہچی اور نو بجے دن کے وہ ساتویں پلٹن الفنٹری کے ایک دستے کو لے کر یلغار پہنچے
اس کمک کے آتے ہی یہاں کا رنگ بدل گیا۔ بلوائیوں کے چھکے چھوٹ گئے اور تھوڑی دیر
میں بلوہ فرو ہو گیا۔ ساڑھے تین سو سپاہیوں کے قریب اس بلوے میں مارے گئے اور ان کے
سرغنہ توپ کے منہ سے اڑا دیئے گئے اور پہلی اور تیئسویں دونوں رجمنٹیں توڑ دی گئیں
یہاں کا عمدہ اور قدیم قلعہ جو تخمیناً ۱۰۴۳ء کا بنایا ہوا ہے باوجود متواتر محاصروں کے اب بھی
اچھی حالت میں ہے جس کی فصیل میں بندوقوں اور تیر کمانوں کی نشان اندازی کی جگہیں بنی ہوئی
ہیں کیونکہ یہ قلعہ توپ کے عام طور پر رواج پانے کے پہلے کا بنا ہوا ہے۔ قلعہ کی عمارت قریب قریب
مربع شکل کی ہے کوئی پون میل لمبی اور اس سے کچھ کم چوڑی جس کے گرد ایک نہایت پختہ فصیل اور
ایک چوڑی خندق ہے۔ قلعہ میں متعدد بڑے بڑے مضبوط برج اور مورچے ہیں۔ قلعہ کا صدر دروازہ
بڑا عالی شان ہے جس کے پٹ بہت بھاری اور مستحکم ہیں۔ دروازے تک ایک چکر دار سڑک ہے
اور خندق پر ایک تعلق دار پُل ہے جسے جب چاہو گھسیٹ لو اور جب چاہو پھیلا دو۔ خندق میں بیس
کے اندر سور یا کنڈ تالاب سے پانی آتا ہے۔ فصیل میں گھڑے گھڑے بڑے بڑے سڈول
پتھر ہیں جو گچ سے جمے ہوئے ہیں۔ صرف اوپر کی منڈیر اینٹوں کی ہے جس میں بندوق مارنے
کی جھانکیاں ہیں۔ قلعہ کے اندر شمالی و مشرقی کونے میں ایک نہایت قدیم اور عمدہ مندر ہے جو جینی
مندر کے مندروں میں ایک بے نظیر عمارت ہے جو مدتوں بطور سلاح خانے کے استعمال کیا
جاتا تھا۔ وجہ یہ بتاتے ہیں کہ اس مندر میں ایک قتل ہوا تھا جس کے سبب سے وہ ناپاک ہو گیا اور
جب سے اس میں پوجا پاٹ بند ہو گیا۔ مندر کا گوپرم (قبہ) سات منزلہ اور سو فیٹ بلند ہے۔
اس میں نیچے سے اوپر تک بے نظیر نقش و نگار اور طرح بطرح کی دستکاری اور صناعی کی
گئی ہے۔ سارا گوپرم تصویروں اور مورتوں سے لدا ہوا ہے اور مندر کا دروازہ بھی بڑا
عالی شان ہے۔ یہ شیو کا مندر ہے جس کا نام جلی کنٹیسور ہے لمبی ستیہ جی یالی میں براجتے ہیں۔
مندر کے دروازے کی دونوں طرف دو دوار پال (دربان) بہت بڑے اور ایک ہی پتھر کے
تراشے ہوئے کھڑے ہیں اور گوپرم کے اندر عجب دیکھنے کے قابل اور ست ہی ست ہیں اسی میں پانی
(بقیہ نوٹ صفحۂ آئندہ)

ایک شخص کے ساتھ ایک مغلیہ عہدہ دار نے بے جا برتاؤ کیا تھا جس پر یہ لوگ بگڑ گئے

(تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ) کئی کئی حملے زور شور کے کیئے گئے لیکن لفٹننٹ پار کمانڈنگ کی دلیرانہ مقاومت کے سبب سے بیڑا پار لگا اور بار بار فرار :: یدن کو پس پا ہونا پڑا ۱۰ - ار جولائی سنہ ۱۸۰۶ء کو ڈھائی بجے شب کے ہندوؤں کی ہندوستانی فوج یورپینوں پر بدل گئی - جو دو کمپنیاں (۶۹) رجمنٹ کی تھیں (جو ولش رجمنٹ کی دوسری پلٹن کے نام سے مشہور ہیں) دس افسر اور (۱۱۵) آدمی علاوہ زخمیوں کے مارے گئے - غدر کا سبب ایک نئی پگڑی تھی جو فوج کی ٹوپیں میں دی گئی تھی اور ایک جدید صلیب بیج کشش تھا جو ہندوستانی فوج کو دیا گیا تھا - لوگوں نے سمجھا کہ اس بہانے سے ان کا مذہب ٹال کر ان کو عیسائی بنانا مقصود ہے - یہ ساری آگ ٹیپو سلطان کے خاندان کے لوگوں کی بھڑکائی ہوئی تھی جو ویلور میں بطور رخور رہتے تھے - قلعہ میں ہندوستانی فوج کی پہلی پلٹن کی چھ کمپنیاں تھیں اور تئیسویں رجمنٹ کی دوسری پلٹن سب ملاکر پندرہ سو سے کچھ زیادہ نفری تھی - ۱۹ ار جولائی کی شب میں جو لوگ پہروں پر چڑھے ہوئے تھے وہ سو ر اتفاق سے پہلی رجمنٹ کے سپاہی تھے اور یہی رجمنٹ جزو اعظم سازش کی تھی - صبح سویرے ہی چند اشرار خفیہ طور پر یورپین گارد پر اچانک جا چڑھے اور ان کے ساتھ پہروں پر چڑھے ہوئے سپاہی بھی شامل ہو گئے اور تمام انگریزوں کو قتل کر ڈالا - وہاں سے نکل کر بلوائیوں کی ایک پارٹی پریڈ کے میدان میں پہونچی جہاں تئیسویں رجمنٹ قواعد کر رہی تھی ان کو بھی اپنے ساتھ شریک ہونے کی ترغیب دینے لگے اور او نگھنے کو ٹھیلتے کا بہانہ یہ سب ناعاقبت اندیش بھی ان کے پیچھے ہو لیئے اور ایک جم غفیر نے یورپین بارکوں کو گھیر لیا اور بے خبر سوتے ہوئے یورپینوں پر گولیوں کا مینہ برسانے لگے اور گھروں میں گھس گھس کر ایک ایک کو بلا امتیاز عورت اور بچوں کے جولاتہ تیغ کرنے لگے - جو لوگ جان بچا کر بھاگ نکلے انھوں نے نہایت دلیری اور شجاعت سے ان بلوائیوں کا مقابلہ کیا اور قلعہ کے دروازے پر ڈٹ گئے جس کی وجہ سے بلوائی قفلی دار پل کو نہ کھول سکے ادھر تو یہ کشت و خون ہو رہا تھا ادھر بلوے کے سرغنوں نے ٹیپو سلطان کے بیٹے فتح حیدر کی بادشاہت کا اعلان کر کے قلعہ میں جھنڈا بھی بلند کر دیا - یورپین فوج یہ دیکھ کر فوراً نکل پڑی اور انھترویں رجمنٹ کے ایک سو لجر نے جرأت کر کے یہ چڑھ کر جھنڈے کو

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

ست نامی

یہ فرقہ ہندوؤں کا تھا جو دلّی کے قریب نارنول میں رہتے تھے یہ لوگ بالعموم تاجر اور زراعت پیشہ تھے۔ ان میں سے کسی

(تکملہ نوٹ صفحۂ گذشتہ) اور غالباً فارسی بُت کن کا بگڑا ہوا ہے۔ کیونکہ اکثر پگوڑوں کی ایک طرف دیول (مندر) کی شکل ہی ہوتی تھی۔) لے کر محاصرہ اُٹھا لیا۔ سنہ ۱۷۰۸ء میں مغلوں کے جنرل داؤد خاں کے جانشین سعادت اللہ خاں نے ویلور اور اُس کا ملحقہ ملک اپنے بھائی غلام علی خاں کو جاگیر دے دیا جس کا پوتا مرتضیٰ علی خاں عرصۂ دراز تک قلعہ پر قابض رہا۔ آخر کار سنہ ۱۷۶۳ء میں انگریزی اور نواب محمد علی خاں کے مشترکہ لشکر نے تین مہینے کے محاصرے کے بعد قلعہ فتح کر لیا۔ سنہ ۱۷۶۹ء میں نواب حیدر علی خاں نے ویلور کے دس دس میل چاروں طرف کے سارے گاؤں اور زراعت کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا (یہ واقعہ میسور کی دوسری لڑائی کے نام سے مشہور ہے) دو برس بعد حیدر علی خاں نے باقاعدہ طور پر قلعہ کا محاصرہ کرنا چاہا لیکن وادی والش کے قلعہ کی تسخیر میں ناکامیابی کی وجہ سے اس ارادے سے تو باز رہا مگر چاروں طرف ناکہ بندی کر کے تمام رستے بند کر دیئے۔ ویلور کے قلعہ میں جو انگریزی فوج زیر کمان کرنل راس لیںگ کے تھی بھوکی مرنے لگی۔ آخر کار بمشکل تمام ۳ نومبر سنہ ۱۷۸۱ء کو سر آیر کوٹ نے تھوڑی سی رسد بھجوا دی۔ لیکن اس امداد سے کیا ہو سکتا تھا کہ اسی اثنا میں انگریزوں کو ستولن گڑھ کے قریب پالو بیٹ میں ناکامیابی کی خبر ملی اور برسات بھی شروع ہو گئی تھی مجبوراً انگریزی فوج کو مدراس چلا جانا پڑا اور حیدر علی کے لیئے میدان خالی ہو گیا اس نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ ۲ جنوری سنہ ۱۷۸۲ء کو انگریزی فوج پھر میدان جنگ میں آئی اور گیارھویں مارچ ایک دستہ فوج کا جو رسد لایا تھا قلعہ میں جا گھسا جہاں کی باقی ماندہ فوج رسد کی قلت سے جاں بلب تھی۔ سنہ ۱۷۹۰ء میں جب میسور کی تیسری جنگ ہوئی تو انگریزوں کی فوج ویلور میں جمع تھی۔ ویلور کے لیئے باستثنار اُس بلوے کے جو سنہ ۱۸۰۶ء میں ہوا در حقیقت یہ لڑائی بالکل آخری جنگ تھی۔ سنہ ۱۷۸۰ء کے معرکے میں اس قلعہ اور یہاں کے توپ خانے نے ایسا کام دیا کہ فرانسیسی جو چڑھ آئے تھے اُن کے دانت کھٹے کر دیئے تب جا کر معلوم ہوا کہ یہ قلعہ کیسا مضبوط ہے اور اس کا فتح کرنا کس قدر دقت طلب تھا۔ سجاؤ گراؤنڈ جو اب سیسبریل کے نام سے مشہور ہے سرار بیٹ ملندی اور جس پر ایک گرجی سی ہوئی ہے

بقیہ آئندہ

فرشتے نے اُٹھار کھی تھی ۔

(تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ) بعض دو ہزار فیٹ مرتفع ہیں - اس کی تین بلند چوٹیاں مرتضیٰ گڑھ گجیرا ؤ گڑھ اور سستجاراؤ گڑھ ہیں - یہ بھی پہلے محصور تھیں - مرتضیٰ گڑھ سب سے شمالی کونے والی گڑھی آخری مسلمان صوبہ دار ویلور کی بنائی ہوئی ہے اور بقیہ دو گڑھیاں جس میں سستجاراؤ گڑھ آخری جنوبی سمت پر ہے مرہٹوں کی بنائی ہوئی ہیں - شہر ویلور ان پہاڑیوں کے دامن میں آباد ہے جس کے اطراف شہر پناہ تھی جس کا سلسلہ پہاڑی قلعوں سے جا ملتا تھا اور وہاں سے پالار ندی دوسرا حصار تھا - آب و ہوا یہاں کی بہت صحت بخش ہے لیکن چونکہ پہاڑ دن بھر تپتے رہتے ہیں راتیں قیامت کی ہوتی ہیں اور ایسے جھونکے گرم ہوا کے آتے ہیں کہ توبہ قبول نہیں ہوتی - بیان کیا جاتا ہے کہ بھدرا چلم (جو دریائے کرشنا پر واقع ہے) کا رہنے والا ایک شخص بومی ریڈی یا بومی نایڈو براجازت ایک راجہ کے جو چولا خاندان کا تھا وہ پہلے پہل سنہ ۱۲۹۵ء میں ویلور میں آکر رہا اور اس کے بیٹے نے یہاں کے قلعہ کی بنیاد ڈالی لیکن بلحاظ طرز عمارت اور خصوصاً اینٹ کی منڈیر اور اس کے جھروکوں کو دیکھ کر ہم کو ہزار حصے یہ صناعی ایٹلین انجنیروں کی معلوم دیتی ہے اور ظن غالب یہ کام کسی یورپین انجنیر کا ہے اور یہ تو یقینی بات ہے کہ قلعہ کی تعمیر کے بہت عرصے بعد اضافہ ہوا ہے - تعلقہ گوڈیا ٹھم میں جو مندر کی دیوار پر ایک کتبہ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چودھویں صدی کے وسط میں یہ قلعہ بنا تھا نہ اس کے اندر کا مندر - یہاں کے لوگوں نے قلعہ کی قدامت کے بیان میں محض مبالغہ کیا ہے - سنہ ۱۵۰۰ء کے قریب ویلور پر نرسنگ رای راجہ بیجانگر کا تسلط ہوگیا لیکن سترہویں صدی کے درمیان بادشاہ بیجاپور نے چھین لیا اور مسلمانوں کی حکومت ویلور میں عرصہ تک رہی آخر کار تکوجی راؤ مرہٹے نے مسلمانوں کو بے دخل کیا اور سنہ ۱۶۷۷ء میں عبداللہ خاں قلعہ دار نے قلعہ مرہٹوں کے حوالے کردیا - سترھویں صدی کے اختتام پر اورنگ زیب کے مشہور جنرل ذوالفقار خاں نے قلعہ کا محاصرہ برابر دو سال تک رکھا اور آخر کار سنکوجی مرہٹہ قلعہ دار سے ڈیڑھ لاکھ پگوڈا (یہ ایک طلائی سکہ ہے جو انگریزی میں پیگوڈا لکھا جاتا ہے مگر صحیح لفظ پگوڑا ہے - یہ سکہ پہلے پہل راجہ کنتھی رای نے سنہ ۱۶۳۸-۵۹ء میں چلایا - اس کی اصلی قیمت سپیے کلدار ہے ہندو اس کو ورہا کہتے ہیں جس کے معنے جنگلی سور کے ہیں جو وشنو کا اوتار ہے جو جیسور کے راجاؤں کا نشان سلطنت تھا - پگوڈے کی اصطلاح پرتگالیوں کی گھڑی ہوئی ہے

(بقیہ نوٹ برصفحہ آئندہ)

فرو کرنے کا ایک بڑا کام میں آگیا۔ سوائے اس کے دلّی کے قریب ہی ایک رشتہ تمامیوں کے

تکملہ نوٹ صفحہ گذشتہ) رہتے ہیں وکٹ رما کے دیول کے اندر بے شمار ستون اور مت سے
کھدے ہیں۔ قلعہ کا اندرونی دیوارہ تہری پچ دسے کی دیوار ادن سے محفوظ ہے۔ دروازے کے
اندر جانے کے بعد سیدھی جانب کلیان محل ہے اور بائیں طرف نہایت خوبصورت زنانہ حمام کی
دلکش عمارت ہے۔ اس سے اور آگے بڑھ کر ایک نہایت بڑا سنگ بست تالاب ہے جس کی ایک
جانب پختہ گھاٹ بنا ہوا ہے یہاں بھی غلّے کا گودام ہے اور یہ تمام حصہ قلعہ کا پوری طرح محفوظ اور محصور ہے
اور اسی طرح رانی جگہ بھی جو راجہ کے رہنے کا مقام تھا خاص طور پر مستحکم اور محفوظ بنایا گیا ہے۔
سنگتراشی میں کوئی خاص چیز دیکھنے کی نہیں ہے مگر پہاڑوں کے کنڈوں میں جو مکردار سیڑھیاں
تراشی ہیں وہ بجائے خود ایک عمدہ نظارہ گاہ ہیں۔ اس پہاڑی کی چوٹی پر بھی ایک چھوٹا سا مندر
ہے کچھ گرا پڑا حصہ دربار ہال کا باقی ہے جس کی محرابیں اور کھڑکیاں اب تک موجود ہیں۔ غلط ہے
کہ یہ قلعہ راجگان بیجانگر کا بنایا ہوا ہے اور پھر جس جس کا قبضہ رہا وہ اپنے حوصلے اور مروت کے موافق
ترمیم و تعمیر کرتا گیا۔ اس قلعہ کے استحکام کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ ذوالفقار خاں کو
(جو اورنگ زیب کا صوبہ دار تھا) پورے سات برس اس کے سر کرنے میں لگے۔ (از واقعات
مملکت بیجاپور) نوٹ ۵۴ صفحہ ۱۴۵ ویلور۔ ویلور کی آبادی (۴۶ ہزار ۹ سو) نفوس ہے جو ضلع شمالی
آرکاٹ کا مشہور مقام ہے مدراس (ڈائمنڈ) سے (۸۲ ۱/۲) میل۔ کاٹ پڈی جنکشن سے ۴
میل (۲) ویلور سے چھ میل ربع آبادی لوگوں کی ہے جو سلاطین
بیجاپور اور گولکنڈہ کی افواج کی نسل سے ہیں۔ یہ مقام سطح سمندر سے (...) بلند اور پالار ندی
سے جانب جنوب ایک میل ہٹ کر ہے۔ قدیم بستی ولّا پاڑی میں تھی جو اب مضافات ویلور میں
ہے جس کو اب ولا پاڑی کہتے ہیں یہاں ببول بکثرت سے تھا۔ اردو زبان میں ولّا ببول کو
کہتے ہیں اسی وجہ سے یہ نام پڑا۔ شہر ویلور کو سای ویلور ضلع گوداوری کے آگے ویلور
سے ربع القاس کے لئے کہتے ہیں۔ ویلور میں ایک ایسا مستحکم میتیں اور باقاعدہ قلعہ بنا ہوا ہے
کہ جس کی نظیر اس جنوبی حصہ ہند میں نہیں ہے۔ یہاں پہلے چھاؤنی بنی تھی مگر اب اٹھ گئی۔ لیکن
اب بھی ایک حیثیت سٹاف افسران و می لڑکوں کی پلٹن تقسیم کرے کو رہتا ہے جو مختلف مقامات پر رہتے
ہیں۔ شہر کی مشرقی جانب پہاڑوں کا ایک ایسا خوش نما سلسلہ ہے جو سارے شہر پر چھایا ہوا ہے جس میں

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

بند رہی کیونکہ اورنگ زیب کو افغانستان کے شمال مغرب کی طرف ایک بغاوت کو

(تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ) لیکن چھ سال کے بعد پھر اُنھیں کا قبضہ ہو گیا اس واقعہ کے چند سال پیشتر انگریز فورٹ سینٹ جارج بنا چکے تھے۔ بادشاہ بیجاپور کی جانب سے ۱۶۷۷ء میں گنجی کا قلعہ دار اور حاکم محمد خان تھا۔ اُس کی خواہش تھی کہ انگریز اس نواح میں اپنے کارخانے قایم کریں جس پر سے ۱۶۹۰ء میں مدراس کے برٹش عہدہ داروں نے اُس قطعۂ زمین کے خریدنے کی کارروائی کی جہاں پہلے زمانے کا ایک محصور قلعہ تھا اور اب فورٹ سینٹ ڈیوڈ ہے سنہ ۱۷۵۰ء میں فرانسیسیوں نے گنجی کے قلعہ کو فتح کر لیا دو سال کے بعد انگریزوں نے حملہ کیا مگر ناکامیاب رہے لیکن آگے چل کر ناکہ بندی کر لی اور آخر کار محصورین نے قلعہ حوالہ کر دیا۔ اس کے بعد حیدر علی کے ملک کرناٹک پر حملہ (سنہ ۱۷۸۰ء) کرنے تک کوئی تازہ واقعہ پیش نہیں آیا۔ قلعہ کے دو عظیم الشان دروازے ہیں۔ (۱) پھلچری دروازہ۔ (۲) آرکاٹ یلو یلور دروازہ۔ یہ دونوں دروازے قدیم ہیں لیکن اب تو فصیل توڑ کر سڑک ڈال دی گئی ہے قلعہ کے تین طرف پہاڑ ہیں جن کو فصیل اور برجوں سے محصور کر لیا ہے اور جابجا برجوں پر توپیں چڑھی ہوئی تھیں اور بندوقوں کے سر کرنے کی جانکیاں بنی ہوئی ہیں۔ قلعہ کی بلندی پانسو سے چھ سو فیٹ تک ہے۔ فصیل کا عرض ساٹھ فیٹ اور خندق کا (۸۰) ہے۔ یہ پہاڑیاں کشناگری کے شمال میں۔ چندراین کے جنوب میں اور راجہ گری کے مغرب میں ہیں۔ کشناگری سے فصیل برجوں اور وسیع خندق کا سلسلہ اس طرح شروع ہوا ہے کہ بقیہ دونوں پہاڑیاں بھی گھر گئی ہیں جس سے ایک مثلث نما محاط ہو گیا ہے جس کا دور قریب تین میل کے ہے۔ یہ قلعہ کا حصۂ زیریں ہے علاوہ اس کے تینوں مرتفع پہاڑیاں بجائے خود ایک ایک قلعہ ہیں۔ علاوہ اس فصیل کے جو اطراف دوڑی ہوئی ہے ہر پہاڑی کی جدا جدا بھی حفاظت کی گئی ہے خصوصاً راجگری کی جس پر تہری فصیل یکے بعد دیگرے ہے قلعہ کا نظارہ اچھی طرح کرنے کے لیئے مناسب یہ ہے کہ شارع عام پر سے ہم فصیل پر چڑھ کر پھلچری دروازے کا رستہ لیں جس کے بلند برج پر سے سارا قلعہ نقشے میں معلوم دیتا ہے۔ ویسے ہی چندراین کی طرف اور آگے بڑھ جائیں اور سیڑھیوں پر چڑھ کر دیکھیں تو راجگری سامنے ہے۔ سب سے نمایاں وتنکٹ رمنا کا مندر ہے۔ اُس سے آگے بڑھ کر کلیان محل۔ غلے کی کوٹھا اور پھر قلعے کے اندرونی حصے میں داخل ہونے کا

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

مقابلے میں کوئی نمایاں کارگزاری نہیں دکھلائی۔ اورنگ زیب کا مزاج تھا شکی اسے گمان ہوا کہ کہیں ایسا تو نہیں ہوا کہ یہ دونوں سیواجی سے مل گئے ہوں ورنہ اس ڈھیل کے کیا معنے۔ اورنگ زیب نے سیواجی کی گرفتاری کے لیے تقدد شروع کیا اور اس طرح پھر لڑائی تازہ ہو گئی۔ سیواجی نے چھوٹتے ہی قلعۂ سنگھ گڑھ پر قبضہ کر لیا اور دوبارہ سورت کو لوٹ ڈالا۔ پھر ربدا پار اتر کر ملک خاندیس میں چوتھ قایم کی یعنی جس اضلاع سے چوتھ (چہارم حصۂ مالگزاری) وصول ہو جاتا تھا وہ غارتگری سے محفوظ رہتے تھے اور ۱۶۷۲ء میں ایک بڑے بھاری مغلیہ لشکر کو پسپا کیا اور ۱۶۷۴ء میں اپنی راجدھانی رائے گڈھ میں بڑی دھوم دھام سے اپنی بادشاہت کا اعلان کیا۔ جنوبی ہند میں جہاں اُس کے باپ اور بھائی کی جاگیریں تھیں اس نے میسور اور کرناٹک کے سارے قلعے مثلاً جنجی[1]۔ ویلور۔ آرنی۔ بنگلور اور بلھاری سے لیے اور اٹھارہ مہینے کی مہم کے بعد پونا میں واپس آیا۔ اس کے علاوہ مغلوں کے خلاف امداد دینے کے صلے میں بادشاہ بیجاپور نے سیواجی کو اور ایک علاقہ تفویض کر دیا۔ اس کے بعد چند سال تک کھلم کھلا لڑائی

[1] صوبۂ مدراس میں سب سے مشہور قلعہ جنجی کا ہے جسے جیجی بھی کہتے ہیں جو اسٹیشن ٹنڈی وانم سے (۱۶) اور مدراس سے (۹۷) میل ہے۔ لیکن بہت سے لوگوں نے اس قلعے کا نام بھی نہ سنا ہوگا حالانکہ بلحاظ اس کے مضبوط اور عالی شان عمارت اور شاندار فصیل اور برجوں کے اب بھی قابل دید ہے کیونکہ گورنمنٹ کی طرف سے اس کی نگہداشت ہوتی رہتی ہے۔ اس مقام پر پہنچنے کا بہترین رستہ ریل کا ہے۔ ریل سے اتر کر پانچ چھ گھنٹے میں گھوڑ گاڑی پر پہنچ جاتے ہیں۔ رستے میں بھی کئی عمدہ عمدہ مندر اور سنگ مرمر کی مورتیں ملتی ہیں۔ سڑک کا رستہ بھی ہے لیکن پل وغیرہ ناقص ہونے سے خراب ہے۔ قلعہ کا منظر دور سے کچھ سہانا نہیں ہے۔ پہاڑ پر بڑے بڑے گنڈ (ڈھیم) دیکھ کر وحشت ہوتی ہے۔ یہ قلعہ سولھویں صدی میں راجگان بیجانگر کا سب سے مضبوط اور نامور قلعہ تھا جس کی راجدھانی ضلع بلھاری میں یہ مقام ہمپی تھا لیکن اس سے پیشتر کے حالات کہیں دستیاب نہیں ہوتے ۱۶۷۷ء میں مرہٹوں نے فرانسیسیوں کو پانڈی چری (پھلچری) سے بے دخل کر (لفٹ ورٹ صفحہ آ ۲ ۲)

لوٹنا ہی ایک بڑی بھاری گستاخی تھی۔ سیواجی کو قابو میں لانے کو لگی وجہ لہذا دونوں کو واپس بلا لیا اور راجہ جے سنگھ کی تعیناتی دکن کی مہم پر ہوئی۔ اورنگ زیب جیسے زبردست بادشاہ کے سامنے حقیقۃً سیواجی کی کوئی حقیقت نہ تھی وہ چاہتا تو چٹکی بجاتے میں مسل کر دھر دیتا لیکن اس میں بھی اورنگ زیب کی ایک حکمت مضمر تھی۔ وہ یہ کہ سیواجی کی ڈوری اس لیئے ڈھیلی چھوڑ دی گئی تھی کہ وہ خود اُچھل کر کرے اور دوسرے اس میں یہ بھی مفاد تھا کہ آئے دن کی لوٹ مار اور لڑائی سے بیجاپور اور گولکنڈہ دونوں سلطنتوں کی قوت ٹوٹتی چلی جاتی تھی۔ راجہ جے سنگھ نے آہن بہ آہن کوفتن سیواجی کا بُری طرح پیچھا لیا ناچار ہو کر اُس نے ڈگ ڈال دیئے اور اس پر آن اُترا کہ بیس قلعے اس شرط سے دیتا ہوں کہ باقی ماندہ قلعے میرے قبضے میں چھوڑ دیئے جائیں اور پیشگاہ شہنشاہی سے ایک جاگیر کی سرفرازی ہو۔ راجہ جے سنگھ نے سیواجی کو بہت اونچ نیچ سمجھائی اور خوب شیشے میں اُتارا اور بادشاہ کی حضوری میں دہلی جانے پر آمادہ کر دیا وہ بھی سمجھ دار آدمی تھا مان گیا۔ مگر آن بان والا آدمی تھا شرط یہ لگائی کہ دربار میں میری عزت اور شان کے موافق اعزاز کیا جائے ایسا نہ ہو کہ میری تذلیل ہو۔ جے سنگھ نے اطمینان دلایا۔ سیواجی دلی پونہچا۔ افسوس ہے کہ اورنگ زیب نے ایک بہادر اور جری دشمن کو رام کرنے کا موقع ہاتھ سے کھو دیا اور جیسی مدارات اُس کی کرنی چاہیئے تھی اُس میں کمی کی۔ سیواجی بڑا غیور تھا وہ عمر بھر اپنی اہانت کو نہ بھولا۔ خیر دربار کا معاملہ چھوڑیئے۔ آگے چل کر باپ بیٹے دونوں نظر بند کر دیئے گئے لیکن وہ ایک مٹھائی کے ٹوکرے میں چھپ بیٹھ کر ایسے نکل گئے کہ سارے پہرے والوں کے جونڑوں کے پیاز کاٹ گئے۔ اورنگ زیب بھی ہاتھ ملتے کا ملتا رہ گیا۔ اس طرح سیواجی اپنی جان سلامت لے کر ۱۶۶۶ء میں راج گڑھ میں آن پونہچا۔ اورنگ زیب کی سلطنت میں یہ زمانہ بڑے عروج کا تھا۔ جدھر دیکھو سوائے بیجاپور کے فتح ہی فتح تھی۔ جے سنگھ بھی بیجاپور کی گتھی کو نہ سلجھا سکا۔ اس وجہ سے اورنگ زیب نے اُسے واپس بلا لیا اور وہ واپسی میں رستے ہی میں مر گیا۔ شہزادہ معظم اور جسونت سنگھ کو دوبارہ پھر دکن بھیجا گیا۔ اُنھوں نے بیجاپور اور گولکنڈے سے صلح نامہ کر لیا اور اس طرح ۱۶۶۸ء میں تمام مُلک میں عارضی امن و امان قایم ہو گیا مگر شہزادہ معظم اور جسونت سنگھ نے سیواجی کے

شائستہ خاں (اورنگ زیب کے ماموں) صوبہ دار دکن نے سیواجی کو ہموار کرنے کی بہت کچھ کوشش کی لیکن سیواجی راہ راست پر نہ آیا اس وجہ سے اورنگ زیب نے شائستہ خاں کو بنگال کی صوبہ داری پر بدل دیا اور دکن کی صوبہ داری پر شہزادہ معظم کو اور اس کے ساتھ راجا جسونت سنگھ کو بھیج دیا۔ اورنگ زیب کے مزاج میں شک دشبہ ایسا تھا کہ وہ کسی صوبہ دار کو جمنے نہ دیتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ کسی کو کرنے دھرنے کچھ نہ بن پڑتی تھی۔ سیواجی نے اسی اثنا میں سورت پر حملہ کر دیا اور انگریزوں کی کوٹھی کو چھوڑ کر سارے شہر کو جو اب تک تھا لوٹ ڈالا۔ سیواجی کے باپ نے
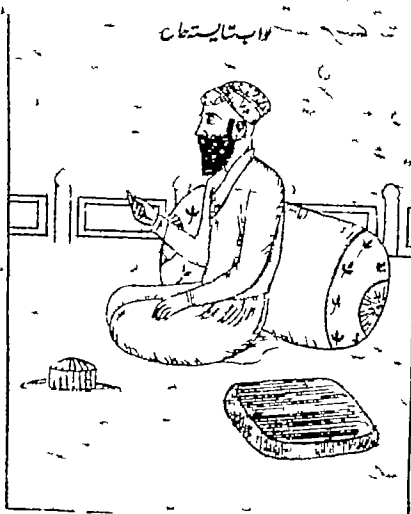
۱۶۶۴ء میں انتقال کیا۔ سیواجی نے تانجور فتح کر لیا اور راجہ کا خطاب لے کر اپنا سکہ بھی چلا دیا۔ سیواجی کی ایسی دست درازی اور خود مختاری اورنگ زیب کو برہم کر دینے کو کافی تھی۔ سورت جہاں سے حاجی مکے جایا کرتے تھے اس کا

ایک اور دھم مچادی سیوا جی مغلیہ علاقہ میں مداخلت کرنے سے ہمیشہ کتراتا رہا اور ۱۶۴۹ء میں شاہ جہاں کے ملازمین کے زمرے میں داخل ہو گیا۔ لیکن ۱۶۵۷ء میں دکن میں جو لڑائیاں ہو رہی تھیں یہ ایک بہتر موقع اس کے ہاتھ آیا اور پہلی ہی مرتبہ اس نے مغلیہ علاقے پر تاخت کی مگر اسے اپنی غلطی کا احساس جلد ہی ہو گیا اور اورنگ زیب سے ملاپ کر لیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ اورنگ زیب خود سلطنت کی خانہ جنگیوں میں منہمک تھا۔

سیواجی اور افضل خاں

سیواجی نے اب بیجاپور کی گورمنٹ کو آئے دن کی لوٹ مار سے بہت پریشان کرنا شروع کیا۔ آخر ایک بڑے لشکر کے ساتھ افضل خاں اس کی مدافعت کے لیئے روانہ کیا گیا۔ سیواجی یہ چال چلا کہ وہلۂ اول ہی میں اوپری دل سے اطاعت کا اظہار کیا اور افضل خاں سے ایک دوستانہ ملاقات کا ڈھنگ ڈالا اور اندر پردہ اس پر ایک دم حملہ آوری کا بندوبست کر لیا۔ سیواجی بظاہر بہت ڈرتا ڈرتا افضل خاں کے سامنے آیا اور جب حسب قاعدہ بغل گیر ہونے کو جھکا تو اس نے پنجے میں جو شیر کے ناخنوں کی طرح کا فولادی پنجہ چھپا رکھا تھا جسے باگ نکھ کہتے ہیں ایک دم بھو دیا اور اپنے خنجر سے وہیں کے وہیں اس کا کام تمام کر دیا۔ افضل خاں کا مرنا تھا کہ بیجاپور کے لشکر میں کھلبلی پڑ گئی اور منتشر ہو گیا اور سیواجی کے سبیلئے رہی سہی روک ٹوک بھی اٹھ گئی تو اس نے بیجاپور کے علاقے میں پہلے سے بھی زیادہ غارت گری شروع کی تب بیجاپور کا بادشاہ خود اس کے مقابلے پر نکلا اور اس زور سے دبایا کہ قریب قریب سارا ملک واپس چھین لیا لیکن بیجاپور کے علاقے میں اور دوسری جگہ کچھ ایسی شورشیں مچی ہوئی تھیں کہ بادشاہ کو ادھر متوجہ ہونا پڑا۔ بادشاہ کا پیٹھ موڑنا تھا کہ سیواجی پھر تگڑا بن گیا اور وہ تمام حصہ ملک جو اس کے ہاتھ سے ابھی ابھی نکلا تھا لے لیا۔ جب چھینا چھپٹی کی یہ نوبت ہوئی تو آخر کار دونوں میں مصالحت ہو گئی اور ایک بڑا حصہ ملک کا سیواجی کے قبضے میں چھوڑنا پڑا۔ بیجاپور سے تو یوں معاملہ طے ہوا مگر مغلوں سے نپٹ لینا آسان نہ تھا ان کا مقابلہ ایک بڑا زبردست مقابلہ تھا۔ سیواجی کو جو کامیابی بیجاپور میں ہوئی اس سے اس کا حوصلہ بے حد بڑھ گیا اس نے دکن میں مغلیہ مقبوضات پر دست درازی شروع کی

سنبھالا تھا کہ وہ بہت سے وحشی اور من چلے لوگوں کا سرغنہ بن گیا اور قلعوں کے توڑنے پر اس نے بھی اپنی ایک جداگانہ قوم قایم کی۔ یہ سب لوگ جوان مرد اور سیواجی کی طرح جان باز تھے۔ ابھی سیواجی کی عمر انیس ہی سال کی تھی کہ ۱۶۴۶ء میں اُس نے تورنا کے پہاڑی قلعہ پر قبضہ کر لیا جو پونا کے جنوب میں واقع ہے اور اپنے باپ کے خلاف رائے (جس کو بیجاپور سے سرزنش کی گئی تھی) سنگڑھ اور پورندھر کے قلعوں پر یکے بعد دیگرے قبضہ کر لیا۔ سیواجی نے چوں کہ اپنی ماں کے پاس پرورش پائی تھی جو بڑی پابند مذہب تھی اس لیے سیواجی میں ماں کا اثر زیادہ تھا۔ سیواجی کی ماں نے خواب میں بھوانی دیوی کو دیکھا تھا جس نے سیواجی اور مرہٹہ قوم کے لیے بشارت دی تھی سیواجی بھی ان تمام مذہبی باتوں کا معتقد تھا اور اُس نے اپنی قوم کو مسلمانوں کے جوے سے آزاد کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا۔ ۱۶۴۸ء کے قبل تو سیواجی کی طرف کچھ توجہ نہیں کی گئی لیکن جب اُس نے بیجاپور کا خزانہ شاہی رستے میں جاتے ہوئے لوٹ لیا تب جا کر معلوم ہوا کہ اُس نے تو کئی پہاڑی قلعے بھی لے لیے ہیں۔ اس طرح ۱۶۴۹ء سے کوکن ۱۶۵۹ء تک اُس نے کے جنوب میں ملک کے ایک بڑے حصے پر قابض ہو گیا۔ شاہ جی کو فوراً قید کر لیا گیا۔ سیواجی نے شاہ جہاں سے چارہ جوئی کی۔ آخر کار شاہ جہاں کی سفارش پر بادشاہ بیجاپور کو شاہ جی کو چھوڑنا پڑا۔ اس کے بعد سیواجی کا حوصلہ یوماً فیوماً بڑھتا ہی گیا اور ۱۶۵۶ء میں پہاڑی قلعہ لیا۔ کل وہ اس طرح

سیواجی

(بقیہ نوٹ صفحہ ۵۳۶) جن میں سے تین پہلے پیشوایان ذیل کے مشہور اور نامی گرامی ہو گزرے ہیں:- (۱) بالاجی وسواناتھ (۱۷۱۳-۱۷۲۰ء) (۲) باجی راؤ (۱۷۲۰-۱۷۴۰ء)۔ (۳) بالاجی راؤ (۱۷۴۰-۱۷۶۱ء)۔ سیواجی کی تصاویر وقتاً فوقتاً چھاپی گئی ہیں لیکن اُن کی صحت میں کلام ہے۔ گرینٹ ڈف صاحب لکھتے ہیں کہ سیواجی کا حلیہ کہیں لکھا ہوا موجود نہیں ہے اور نہ اُس کی کوئی تصویر کولہاپور یا ستارے میں ہے۔

کام آئی۔ شروع ہی سے اس کی پرورش سپاہیانہ طریقے پر کی گئی تھی۔ ذرا ہوش

(تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ) کچھ بہتر نہیں کہا جا سکتا۔ سیواجی کی وفات کے بعد اس کا بیٹا **سنبھاجی** راجہ ہوا لیکن افسوس ہے کہ اس نے سیواجی کا نام ڈبو دیا۔ ایسے نامور باپ کا ایسا نالائق بیٹا! سنبھاجی اپنے وزیر **کالوشاہ** کے ہاتھ میں کٹھ پتلی کی طرح ناچتا تھا۔ سوائے عیش و عشرت، لہو و لعب کے اُسے خبر نہ تھی کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ اورنگ زیب نے سنبھاجی کو قید کر لیا اور بہت تکلیف دے دے کر ۱۶۸۹ء میں قتل کر دیا۔ اس کے بعد سنبھاجی کا شیر خوار بچہ **سیواجی خورد** (جسے ہم **ساہو** کہتے تھے) برائے نام راجہ ہوا۔ اس نابالغ کی پرورش اس کا چچا **راجہ رام** کرتا تھا۔ تھوڑے ہی دنوں بعد اورنگ زیب نے ساہو اور اس کی ماں دونوں کو قید کر لیا۔ ساہو کے چلے جانے کے بعد راجہ رام نے حکومت شروع کی۔ اس زمانے میں دو ستارے بن رہا تھا اس نے کھمبا راؤ دھابوری کو **گجرات** اور **پرا سواجی بھونسلے** کو برار میں چوتھ وصول کرنے کو بھیجا۔ یہی دونوں مورث اعلیٰ خاندان **گائیکواڑ** کے ہیں جو اب بڑودے میں حکمران ہیں اور **بھونسلے** خاندان کی حکومت ناگپور میں ہے۔ راجہ رام کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا **سیواجی** سوم راجہ ہوا جس کی ریجنٹ اس کی ماں تارا بائی تھی۔ یہ عورت بڑی شیر دل تھی۔ اس نے مرہٹوں کی کمزور حالت کو پھر سنبھال دیا اور اس طرح جرأت اور استقلال سے لوٹ کا سلسلہ شروع کر دی کہ شہنشاہ دہلی انگشت بدنداں رہ گیا۔ ایک مرتبہ بامبالغہ اس نے بادشاہ کو اس کے کیمپ میں گھیر کر اس کی آنکھوں کے سامنے خزانہ شاہی لوٹا اور بادشاہ سے کچھ بن نہ پڑا آخرکار اورنگ زیب نے زچ ہو کر ساہو کو قید سے چھوڑ دیا جو پھر ستارے میں حکومت کرنے لگا۔ تارا بائی اس بات سے راضی نہ ہوئی اور ساہو سے کشت و خون پر آمادہ ہو گئی لیکن ساہو کے ساتھ سب تھے اور تارا بائی بیچاری کا اکیلے رہ جانے سے کچھ چل نہ سکا۔ مرہٹوں کی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ ساہو ستارے میں رہنے لگا اور سیواجی سوم کولہاپور میں (۱۷۱۲ء) سیواجی کے بعد مرہٹوں کی روح رواں چلی گئی۔ ساہو نے **بالاجی وِسوا ناتھ** کو جو ایک باخبر آدمی تھا اپنا وزیر پیشوا مقرر کیا۔ سیواجی کا خاندان روز بروز گرتا چلا جاتا تھا اور پیشواؤں کی جڑ مضبوط ہوتی جاتی تھی نتیجہ یہ ہوا کہ سیواجی کا خاندان معدوم ہو گیا اور پیشواؤں کا دور دورہ شروع ہوا۔ اگرچہ ساہو نے چالیس برس سلطنت کی (۱۷۰۷-۱۷۴۸ء) لیکن برائے نام۔ دراصل پیشواؤں ہی کی گورنمنٹ تھی

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

پہاڑی ملک کے چپے چپے سے واقف ہو گیا تھا اور یہ واقفیت آگے چل کر اس کے بہت

(تکملہ نوٹ صفحہ گذشتہ) تنخواہ یاب باقاعدہ سواروں کا لشکر تھا۔ اس کی بحری طاقت بھی کم نہ تھی۔ اس کے پاس ایک بیڑا جہازوں کا تھا جس کے ذریعے سے وہ چار ہزار سپاہیوں کو لے جا سکتا تھا سلطنت کا سب سے بڑا حکم ران حاکم وقت وہ خود تھا۔ اس کے بعد وزیر تھا جو پیشوا کہلاتا تھا۔ راجہ کا پرائیوٹ سکرٹری "منتری" سپہ سالار "سیناپتی" تھا۔ حکمرانی پر دو عہدہ دار تھے ایک فنانس کا وزیر دوسرا محاسب۔ پنڈت راؤ امور مذہبی کا اعلیٰ عہدہ دار تھا۔ عدالتی اعلیٰ عہدہ دار نیا یا دیس کہلاتا تھا۔ سب ملا کر آٹھ وزیر تھے جو اشٹ پر دھان کہلاتے تھے۔ لغام دیہی پٹیل مالی عہدہ دار۔ کلکرنی یا پٹواری مقدی حساب تھے۔ ان کے اوپر یکے بعد دیگرے دیسائی دار۔ تعلق دار اور صوبہ دار تھے۔ تصفیہ تصاحب احکام دھرم شاستر پنچایت کے ذریعے سے ہوا کرتا تھا۔ افسوس ہے کہ سیواجی کی عمر نے وفا نہ کی۔ اس نے (۵۳) برس کی عمر میں ۱۶۸۰ء میں رائے گیر میں انتقال کیا۔ سیواجی میں درحقیقت بہت سی خوبیاں تھیں۔ مسلمان مورخین لکھتے ہیں کہ وہ قرآن مجید کا بڑا پاس ادب اور مساجد کا احترام ہمیشہ مد نظر رکھتا تھا اس کا سلوک عورتوں اور بچوں کی ضعیف صنف سے ہمیشہ قابل تعریف رہا ہے۔ اس کا نام ابد الآباد تک تاریخ ہند میں نمایاں رہے گا کہ یہ بانی مبانی مرہٹوں کی سلطنت کا تھا۔ سیواجی کی غیر معمولی ذہانت اور جرأت کے حالات سن کر دل میں ایک جوش آفریں کا موج زن ہوتا ہے۔ سیواجی سے پہلے مرہٹوں کا کوئی جتھا نہ تھا اور جو جہاں اکا دکا تھا وہ آپس میں ہی لڑ کے مرتے تھے۔ سیواجی نے اس کو منظم کیا اور اُن میں مردانگی کی تازہ روح پھونکی اور ایسی قلب ماہیت کر دی کہ تمام ہندوستان مرہٹوں کے نام سے لرزتا تھا۔ ہندو مسلمانوں سے مغلوب تھے۔ حتیٰ کہ راجپوت بھی ان کے ذلیل تھے ان کے دلوں میں سے بھی جوش مردانگی جاتا رہا تھا۔ سیواجی گوارا نہیں کر سکتا تھا کہ اس کی قوم مسلمانوں کی غلام ہی رہے۔ ایسی مردہ حالت میں سیواجی کا ان کو ابھارنا ایک ایسی مثال ہے جس کی نظیر تاریخ میں مل نہیں سکتی۔ سیواجی میں جہاں ساری خوبیاں تھیں ایک عیب بھی تھا کہ وہ بڑا چالاک اور عیار تھا لیکن ہمارے خیال میں سیواجی کی اس میں کچھ خصوصیت نہیں اَلْحَرْبُ خُدْعَةٌ لڑائی ایک چھل ہے۔ مذہبی کام ہی اس کا خواص ہے۔ اس کے علاوہ اس کا سختی سے چوتھ وصول کرنا بھی اس کے کیرکٹر پر ایک دھبہ ہے جس ملک سے اس کا لشکر گزرتا تھا جبراً چوتھ وصول کر کے اس کو تباہ کر دیتا تھا۔ یہ طرز عمل دوسرے الفاظ میں لٹیروں کی عادت ہے۔

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

اور تعلقات بڑھتے گئے۔ جوں کہ اُس کا بچپنا انھیں پہاڑوں میں گزرا تھا وہ ان پیچیدہ

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ

عادل شاہیوں نے ناچار سیواجی سے صلح کرلی اور تمام دکن کا ملک پونے سے لے کر دریائے کرشنا تک
اُسے چھوڑ دیا اور پھر اُس سے متعرض نہ ہوئے۔ سیواجی کی جرأت اب بہت بڑھ گئی اور اُس کی
اولوالعزمی کی کوئی حد نہ رہی۔ اب اُس نے مغلوں کے مقبوضات پر یورش کرنے کا مصمم قصد کرلیا
اورنگ زیب سے اُسے سخت نفرت تھی۔ اُس نے مسلمانوں کے تعصب کی مہیب شکل پیش کرکے
تمام مرہٹوں کے دلوں میں تازہ روح پھونک دی۔ اورنگ زیب نے سیواجی کی روک تھام کے لیے
اپنے ماموں شائستہ خاں کو دکن بھیجا۔ ایک دن سیواجی چند چیدہ لوگوں کے ساتھ پونے میں اس طرح
داخل ہوا جیسے کہ کوئی برات آئی ہو۔ کسی کو کانوں کان بھی خبر نہ ہوئی۔ رات ہوتے ہی یہ سارا
کا سارا دھاڑا مغل کیمپ میں باورچی خانے کی طرف سے جا گھسا۔ شائستہ خاں بے خبر پڑا سوتا تھا
گڑبڑ سن کر ہڑبڑا گیا اور بھاگنا چاہا۔ کھڑکی میں سے رسی ڈال کر نیچے اتر ہی رہا تھا کہ کسی نے ایسی
تلوار ماری کہ شائستہ خاں کے ہاتھ کی دو اُنگلیاں صاف اڑ گئیں مگر جان بچ گئی۔ تب سیواجی کے
لوگ مشعلیں روشن کرکے باہر نکلے اور دترانے اپنے قلعۂ رائے گیر میں جو پونے کے قریب ہی جا داخل
ہوئے۔ اورنگ زیب نے دوبارہ راجہ جے سنگھ کے ساتھ فوج بھیجی۔ جے سنگھ نے سیواجی کو
کسی نہ کسی طرح قابو میں کرلیا اور دہلی بھجوایا لیکن جب سیواجی مع اپنے پنج سالہ لڑکے کے دہلی
پونہچا تو اورنگ زیب نے سخت غلطی کی کہ کشادہ پیشانی سے پیش نہ آیا اور دونوں کو نظر بند کردیا
لیکن سیواجی بھلا کب پھنس سکتا تھا۔ ایک رات جب چاندنی چھٹکی ہوئی تھی سیواجی اور اُس کا بیٹا
دونوں مٹھائی کے ٹوکروں میں بیٹھ کر نکل گئے اور سیدھے متھرا پونہچے۔ سیواجی سنیاسی کا بھیس بدل کر
منزل بمنزل چلتا ہوا اپنے ملک میں آن پونہچا اور تازہ دم ہوکر دوبارہ سر اُٹھایا۔ جتنے قلعے اُس کے
قبضے سے اس اثنا میں نکل گئے تھے سب ایک ایک کرکے واپس لے لیے۔ اورنگ زیب نے اب
تیسری مرتبہ سیواجی کے مقابلے پر لشکر کشی کی لیکن کچھ بن نہ پڑا اور اورنگ زیب کے ایما سے مغلوں
کے سپہ سالار نے صلح کرلی اور راجہ کا خطاب بھی دیا گیا۔ چند سال بعد بیجاپور اور گولکنڈہ بھی دب گئے
اور اُسے چوتھ دینی قبول کی۔ جب سیواجی چاروں طرف سے فتح یاب ہوا تو ۱۶۷۴ء میں اس نے
بمقام رائے گیر تاج شاہی زیب سر کیا اور اپنے نام کا سکہ بھی جاری کیا۔ سیواجی کا انتظام ملک داری
بتلا رہا ہے کہ وہ ایک بڑا دانشمند مدبر تھا۔ سیواجی کی فوج معمولی نالیقی اور آخور کی بھرتی نہ تھی بلکہ معقول

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

جوں جوں ہوش سنبھالتا گیا اُس نواح کے لٹیرے سرداروں سے اس کی شناسائی

(تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ) سیواجی کا اعتقاد زیادہ تر بھوانی دیوی پر جم گیا۔ سیواجی کی ماں بھی اپنے بچے کے ساتھ ہی رہتی تھی اور چوں کہ وہ بڑی دانش مند تھی اور یہ ظاہر ہے کہ بچوں کی پہلی تعلیم گاہ ماں ہی کی گود ہوتی ہے۔ وہ ہمیشہ اپنے بچے کو بڑے بڑے بہادروں کے نمایاں کارناموں کی کہانیاں سنایا کرتی تھی مغل عرصۂ دراز سے ملک دکن پر داںت لگائے ہوئے بیٹھے تھے۔ ہندو اس کے مآل کار سے ناواقف نہ تھے کہ ایسا ہوا تو ان کی مذہبی آزادی میں بڑا فرق آجائے گا۔ سیواجی کے کان لڑائیوں اور فتوحات کے قصے سن سن کر بھر گئے تھے جس کا گہرا نقش بچپنے سے اس کے دل پر جم گیا تھا۔ چوں کہ وہ بڑا اولوالعزم تھا ابھی وہ اُنیس ہی برس کا تھا کہ ۱۶۴۶ء میں اس نے ایک چھوٹی سی فوج پیدل اور سواروں کی اکٹھی کر کے اطراف کے کئی قلعے فتح کر لیئے اور خود بھی چند قلعوں کی تعمیر کی۔ سیواجی نے بیجاپور کے علاقے کے دو قلعے تورنا اور پورندھر فتح کر لیئے اور رائے گیر میں اپنے رہنے کے لیئے ایک قلعہ بنایا تھا۔ بادشاہ بیجاپور کا اس نے بہت سا خزانہ لوٹ لیا تھا۔ بادشاہ نے اس کے مقابلے پر افضل خاں سپہ سالار کو مقرر کیا اور اس نے بیڑا اٹھایا کہ اس پہاڑی چوہے کو زندہ یا مردہ جس طرح بھی بن پڑے گا پکڑ لاؤں گا۔ سیواجی ایسی کچی گولیاں کھیلے ہوئے نہ تھا وہ خوب جانتا تھا کہ باقاعدہ جنگ میں وہ کبھی سر برہو نہیں سکتا۔ سیواجی ایک پولیٹیکل چال چلا۔ افضل خاں کے آنے کی خبر سن کر اس نے پیغام سلام صلح کا شروع کیا اور کہا کہ میری کیا طاقت ہے جو بادشاہ بیجاپور کا مقابلہ کر سکوں اور افضل خاں سے کہلا بھیجا کہ آپ پرتاب گڈھ کے قلعے میں مجھ سے تنہا مل کر بات چیت کریں۔ افضل خاں دام میں آگیا۔ ادھر سے افضل خاں پونہچا اُدھر سے سیواجی آتا ہوا نظر آیا۔ دیکھا تو نہتا تھا لیکن سفید جامہ نیچے کے اندر زرہ پہنے ہوئے تھا اور تلوار بھی دبی ہوئی تھی اور بائیں ہاتھ پر بیچھوے فولادی سپر بچھوا پڑا ہوا تھا۔ سیواجی آتے ہی افضل خاں کے قدم چومنے کو جھکا۔ افضل خاں اُسے اُٹھانے اور بغل گیر ہوتے کی غرض سے جھکا۔ سیواجی کو موقع ملا اس نے بیر نمہ افضل خاں کے پیٹ میں بھونک دیا جس سے وہ وہیں ڈھیر ہوگیا۔ ادھر افضل خاں کا کام تمام ہوا اُدھر سیواجی کی فوج جا بجا اِدھر اُدھر چھپی ہوئی تھی عادل شاہی لشکر پر ٹوٹ پڑی جن کو بھاگتے ہی بنی اور میدان سیواجی کے ہاتھ رہا۔ اب سیواجی کے واسطے میدان صاف تھا بے کھٹکے لوٹ مار کرنے لگا۔

(بقیہ نوٹ در صفحۂ آیندہ)

فرزند دوم تھا۔ شاہ جی بادشاہ احمد نگر کا ملازم تھا۔ پھر بادشاہ بیجا پور کی ملازمت میں پونے کا صوبہ دار ہو گیا۔ سیواجی ۱۶۲۷ء میں پیدا ہوا۔ اس کا بچپنا پونے میں گزرا۔ اس کے باپ شاہ جی کی جاگیرات مغربی گھاٹ کے پہاڑی جنگلوں میں تھیں اور سیواجی

(تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ) چھوٹے موٹے فوج کے دستے کو رستے میں لوٹ لینا۔ گاؤں میں گھس پڑنا لوٹنا اور جلا دینا۔ آج یہاں کل وہاں۔ غرض چاروں طرف ان کی لوٹ مار آئے دن رہتی تھی۔ ان کے پاس تازہ دم گھوڑے رہتے تھے آناً فاناً منزلوں نکل جاتے تھے مغلوں کا لشکر کسی طرح ان کو پکڑ نہ سکتا تھا۔ جس سپاہی کو دیکھو اس کا کھانا خورجی میں موجود۔ ضروری کپڑے بھی ساتھ نہ ان کو رسد کی ضرورت تھی نہ کسی اور سامان کی ہیک۔ بنی دو گوش بچھڑے چھانٹ سے تھے۔ مغلوں کا لشکر بھاری بھرکم۔ سامان جنگ سے آراستہ اُن کی نقل و حرکت کچھ آسان کام نہ تھا۔ صرف شاہی کیمپ ہی کا دو رتین میل کا ہوتا تھا اور سارے لشکر کو دیکھو تو ٹڈی دل جہاں تک نظر کام کرتی تھی سپاہیوں اور گھوڑوں سے پٹا پڑا تھا جن کی تعداد دس دس لاکھ تک پونہچتی تھی۔ امرا آرام طلب عیش و نشاط کے بندے بھلا ان سے کب ہو سکتا تھا کہ مرہٹوں کی طرح چھلاوا بن جائیں کہ ابھی یہاں تھے ابھی دیکھو تو پچاس کوس کے فاصلے پہ لوٹ رہے ہیں۔ مغلوں کے زوال کے ساتھ مرہٹوں کا عروج پورے سو برس رہا۔ ان کا ملک شمال میں سورت سے لے کر جنوب میں گوآ تک اور مشرق میں ناگپور اور حیدرآباد سے مغرب میں بحیرۂ عرب تک تھا۔ ان کی قوم میں سیواجی ایک بڑا نامی گرامی سردار نکلا۔ سیواجی کی پیدایش کا وہی زمانہ ہے جب کہ شاہ جہاں تخت پر بیٹھا یہ ذات کا چھتری تھا۔ اس کے باپ شاہ جی کی جاگیرات احمد نگر کے علاقے میں تھیں جس کا صدر مقام پونا تھا۔ ملک دکن کے مسلمان بادشاہ مذہبی تعصب سے بالکل مبرّا تھے وہ نہ صرف اپنی ہندو رعایا کو انعامات جاگیرات اور مناصب فراخ دلی سے دیتے تھے بلکہ اہل سیف اور اہل قلم کے مراتب جلیلہ پر بھی ممتاز کرتے تھے۔ شاہ جہاں نے احمد نگر فتح کر لیا تھا اس وجہ سے شاہ جی کا تعلق بیجا پور سے ہو گیا تھا۔ بادشاہ بیجا پور نے شاہ جی کو ملک کرناٹک کی مہم سر کرنے کے لیے متعین کیا اور اس کے صلے میں تانجور میں ایک اور جاگیر دی اس وجہ سے شاہ جی کو پونا چھوڑنا پڑا۔ شاہ جی نے اپنے صغر سن بیٹے سیواجی اور اپنے سٹینٹ کو داداجی کونڈ دیو برہمن کے سپرد کیا اور خود تانجور میں جا کر رہنے لگا۔ داداجی نے سیواجی کو مذہبی اور فن سپاہ گری کی بہترین تعلیم دلائی۔

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

احمد نگر۔ بیجاپور اور گولکنڈے میں سواروں کے زمرے میں ملازم تھے جب ہی سے لوگوں کی نظریں ان پر پڑنے لگی تھیں اور ان کا شمار اچھے سواروں میں ہونے لگا تھا۔

سیواجی[1] کی ابتدائی زندگی کے حالات

سیواجی جس کو اورنگ زیب پہاڑی چوہا کہا کرتا تھا وہ نامور شخص تھا جس نے دکن میں اپنی حکومت قایم کرنے کے لیے زبردست مغلیہ بادشاہوں کے مصوبوں کو ملیامیٹ کر دیا۔ یہ شاہ جی بھونسلے کا

---

[1] سیواجی۔ مرہٹے نہایت جفاکش اور بہادر قوم ہے بمبئی پریزیڈنسی میں مغربی گھاٹوں میں رہتے ہیں۔ ان کی بڑا اعلا نکڑیاں تھیں جو مختلف مقامات میں اپنے اپنے سرداروں کے ساتھ رہا کرتی تھیں ان کے سردار کسی نہ کسی قلعہ میں رہتے تھے جن کے پاس تھوڑے بہت گاؤں ہوتے تھے۔ یہ لوگ عموماً زراعت کرتے تھے اور جب زراعت سے فارغ ہوجاتے تھے تو بہت سے لوگ بادشاہان احمد نگر اور بیجاپور کی فوج میں بھرتی ہوجاتے تھے۔ یہ لوگ ہمیشہ اچھی نسل کے میانہ قد یابوؤں پر سوار ہوا کرتے تھے تلوار اور برچھے باندھتے تھے۔ بادشاہ احمد نگر کے لشکر میں ایک شخص مالوجی تھا جس کے ایک چھوٹا سا لڑکا شاہ جی تھا۔ مالوجی کو مسلمان مقدس بزرگ سے عقیدت تھی انھیں کے نام پر مالوجی نے اپنے بیٹے کا نام بھی شاہ جی رکھا۔ ایک دن مالوجی لوک جی جادھوراؤ ایک مرہٹے سردار کے ہاں دعوت میں گیا شام کے وقت لوک جی اپنی سہ سالہ لڑکی جی جی بائی کو گھٹنے پر لیے بیٹھا تھا اور دوسرے گھٹنے پر اس نے شاہ جی کو بٹھا لیا۔ اس طرح دونوں کو کھلا رہا تھا اور مذاقیہ طور پر بے اختیار اس کے منہ سے نکلا کر دیکھو یہ کیسا اچھا جوڑا ہے اتنی بات کہہ کر وہ خود سو گیا۔ شاہ جی کا باپ اڑ گیا کہ لڑکی میری ہو چکی تم مجمع عام میں قول ہار چکے۔ لوک جی یہ سن کر آگ بگولا ہوگیا اور کہا کہ جب ہوش ہوا تو دیکھو کہ میں دیوگیری کے یادو راجاؤں کی نسل سے ہوں اور شاہ جی کا باپ وہ تو ایک معمولی مرہٹہ ہے میرا اس کا کیا مقابلہ ہے ہم وہ بات سچ ہوئی کہ ہر شخص کا جوڑا عرش پر سے اترتا ہے آگے چل کر شاہ جی کی شادی جی جی بائی سے ہو کر رہی اور ۱۶۲۷ء میں سیواجی پیدا ہوا۔ اورنگ زیب کے زمانے میں سلطنت مغلیہ کا زوال شروع ہوا اور مرہٹوں کی طاقت بڑھنے لگی۔ یہ لوگ جم کر لڑنے کے عادی نہ تھے بلکہ لٹیروں کی طرح گیٹرے تھے۔ رسد روت

(بقیہ نوٹ صفحہ آیندہ)

آرام و آسایش کو قربان کر دیتے ہیں اور اپنی ذات کو بے دھڑک خطرے میں ڈال دیتے ہیں اور اپنی جان اور فائدے کے سامنے عزت کی کچھ پروا نہیں کرتے معمولی نیچ ذات کے مرہٹوں کا تو یہ حال ہے جس کا ذکر اوپر آیا لیکن برہمن مرہٹے کے متعلق اتنی بات اور قابل تذکرہ ہے کہ یہ لوگ عاد تاً بڑے عقل مند اور چال باز ہوتے ہیں اگرچہ کچھ مرہٹے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۵۱۹) زمین کے اندر اندر یہاں آن پہنچی ہے مگر نکلی دونوں ایک ہی جگہ سے ہیں۔ گوداوری میں اشنان کرنے سے ہر قسم کا پاپ دُھل جاتا ہے۔ رام کو گوتم رشی نے اسی سرچشمۂ آب حیات اور باعث نجات کا پتہ دیا تھا۔ جلاوطنی کے زمانے میں رام چندر جی مدتوں یہاں رہے ہیں۔ دریا کے دونوں کناروں پر آبادی ہے۔ صدہا مندر۔ شوالے۔ دھرم سالے اور خوش نما گھاٹ بنے ہوئے ہیں۔ یہاں یوں تو ہمیشہ زائرین کا مجمع لگا رہتا ہے مگر خاص کر ہر بارھویں سال بہت بڑا ازدحام خلائق کا ہوتا ہے۔ یہاں کا دیول پنجاوتی جو پانچ بڑ کے درختوں کے سایہ میں بنا ہوا ہے بہت مشہور ہے۔ وجہ تسمیہ ناسک کی یہ ہے کہ لچھمن نے سُرپناکھا کی ناک یہیں کاٹی تھی اس کے علاوہ شیو اور بالارام کے دو مندر نہایت مشہور اور خوب صورت قابل دید ہیں پنچاوتی کے دیول میں ایک رام کُنڈ بھی ہے جس میں رام بہ نفس نفیس اشنان فرماتے تھے۔ ناسک بلحاظ خوشی آب و ہوا کے ایک مشہور مقام ہے جو (۲۹۰۰ فٹ) سطح سمندر سے بلند ہے سے بلند ہے۔ ناسک سمندر سے صرف ساٹھ میل دور ہے اور سمندر کی فرح بخش ہوا کے جھونکے یہاں بھی محسوس ہوتے ہیں۔ ترکاریاں اور میوہ جات خصوصاً انگور کثرت سے ہوتے ہیں۔ تانبے اور پیتلی ظروف کی بڑی بھاری نکاسی ناسک سے ہوتی ہے۔ ناسک سے چھ میل پر گوداوری کے کنارے گنگا پور میں بھی چھ مندر ہیں اور یہاں ایک قابل دید آبشار بھی ہے۔ ناسک سے بیس میل دریائے گوداوری کے منبع پر ترمبک مقام بہت متبرک خیال کیا جاتا ہے۔ ناسک سے پانچ میل بمبئی کی سڑک پر غار ہائے لینا بھی دیکھنے کے قابل ہیں۔ ڈاکٹر بھی فیلسن کا دار الصحت (سینی ٹیریم) عورتوں اور بچوں کے لیئے ریلوے سٹیشن کے قریب بنا ہوا ہے جس میں سولہ چھوٹے چھوٹے مکان یورپینوں کے لیئے۔ چھ ہندوؤں کے چار پارسیوں کے۔ دو دیگر اقوام کے لیئے ہیں شہر سے ڈیڑھ میل مہارن پور میں پادریوں کی عمارتیں۔ پولیس ٹریننگ سکول اور ہندوؤں کا ایک سینی ٹیریم ہے سٹیشن کے قریب انجنیرا نامی پہاڑی ایک تفریح گاہ صحت بخش اور ٹھنڈا مقام ہے جہاں گرمیوں کے موسم میں بہت سے لوگ جا کر رہتے ہیں۔ (از واقعات مملکت بیجا پور) ۱۲

کیا ہوتا ہے لیکن مرہٹوں کو بس نتیجے کی دُھن لگی رہتی ہے اور کسی بات کا خیال نہیں ہوتا اور ان لوگوں کو اس بات کی پروا ہوتی ہے کہ ہم اپنے مدعا کو کن ذرائع سے حاصل کرتے ہیں۔ اپنے مطلب پر پہنچنے کے لیئے وہ اپنی فہم و فراست پر زور دیتے ہیں اور اپنے

(تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ) اور دوسرے سرکاری دفتر جات ہیں۔ ایک میونسپل ہائی سکول ہے اسی کے متصل انباماتی کا مندر ہے جس کا رتھ بڑی بت جاترا کے وقت شہر میں پھرایا جاتا ہے۔ یہ مندر ڈیڑھ سو فیٹ مربع سنگ سیاہ کا بنا ہوا ہے۔ اس کا قد (۷۰ فٹ) بلند ہے یہ مندر اندر اور باہر سے تمام تر نقش و نگار سے آراستہ ہے اور ڈیوڑھی پر جو کتبہ ہے وہ ۱۲۶۱ھ کے مطابق ہے۔ یہاں کا بڑا گھنٹہ پرتگیزوں کا بنایا ہوا ہے۔ محل کا نقارخانہ ایک عجیب و غریب عمارت ہے۔ شہر کے گرد ایک بڑی مضبوط فصیل تیس فیٹ اونچی مع ایک چوڑی خندق کے ہے فصیل میں بہت سے مورچے اور چھ دروازے ہیں جن پر آہنی کیلیں ہاتھیوں کی ٹکر روکنے کو جڑی ہوئی ہیں۔ دروازوں پر تعلق دار پُل ہیں۔ محل وسط شہر میں ہے اور یہیں سے بڑی بڑی سڑکیں نکلی ہیں۔ شہر کے نواح میں راجاؤں کے مدفن اور متعدد مخالط باغوں میں ہیں۔ پنھالہ اور پاون گڑھ کے پہاڑی قلعے اور جوتیبا کی پہاڑی شہر سے دس میل ہیں اور یہ مقامات شائقین آثار قدیمہ کے لیئے عالی اور دلچسپ ہیں۔ جوتیبا کی پہاڑی پر کئی غار بدھ کے زمانے کے ہیں اور بہت سے مندر بھی ہیں۔ بارھویں صدی میں پنھالے کا قلعہ ایک بڑا مضبوط قلعہ تھا۔ اسی قلعے کی مستحکم فصیل کے اندر سیواجی نے دو بہت غلے کے انبار خانے ۱۳۰×۷۰ فیٹ طول و عرض اور ۳۰ فٹ اونچے بنائے تھے جو اب بھی موجود ہیں۔ قلعہ کا ایک دروازہ تین دروازہ کہلاتا ہے اس پر بہت کچھ نقاشی کا کام ہے۔ سادوبا مندر کسی زمانے میں قلعہ دار کا تھانہ تھا۔ یہاں دو تین مقبرے اور ایک پندرھویں صدی کا بنا ہوا تالاب ہے۔ اس تالاب میں بہت سی عورتیں مرہٹوں کی لڑائی کے زمانے میں انگریزوں کی فوج کے ڈر کے مارے ڈوب مریں۔ پنھالے کا قلعہ سیواجی کو بہت پسند تھا اور وہ اکثر یہاں رہا کرتا تھا۔ (امپیریل گزٹیر انڈیا)

نوٹ ۵ صفحہ ۵۱۹ - ناسک - بمبئی سے (۱۱۷) میل ہے ریلوے سٹیشن شہر سے (۵) میل ہے۔ مغربی حصۂ ہند میں ناسک کا وہی مرتبہ ہے جو بنارس کا شمالی ہند میں ہے۔ وہاں گنگا بہتی ہے یہاں گوداوری۔ اہل ہنود گوداوری کو گنگا سے کم نہیں سمجھتے اور اُن کا عقیدہ ہے کہ دونوں کا منبع ایک ہی ہے۔ گنگا زمین کے اندر بہتی ہے اور گوداوری

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

عقل دنیاوی کی کمی کی ہے۔ ایک راجپوت سپاہی جب تک اُس کی ذات کو بٹہ نہ لگے
اُس کو اس بات کی کچھ پروا نہیں ہوتی کہ جس جنگ میں وہ شریک ہے اُس کا انجام

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ محمد شاہ اساس سطح را کند برآمد بالطسل از حصن ستارہ
از ہر دو مصرعۂ آخرین از روے حساب جمل تاریخ جداگانہ برمی آید و چوں حروف منقوطہ یا غیر منقوطہ بیت
را بگیرند ہماں تاریخ حاصل آید۔ **تاریخ**:۔

جشن سہ بارہ گیر بفتح ستارہ گڈھ — نظارہ کن جوانب واطراف بوستاں
ایں بیت را بہ تعمیہ گیرد اگر کسے — تاریخ بالنقط شود از لفظ او عیاں

یعنی لفظ "جشن" راکہ سہ بارہ حساب کنند (۱۰۵۹) شود "اطراف بوستاں" حرف ب و ن
است کہ عدد آن (۵۲) میشود۔ مجموعہ (۱۱۱۱) الفاظ جشن۔ ب۔ ن کہ ہر یکے ازاں حرف
منقوطہ است ازاں تاریخ برآید۔ **تاریخ**:۔

چو سیوا و سنبھا و راما بگیتی — ز تیغ شہنشاہ گشتند پارہ
الفہاے ایں راجہ ہا را بیک جا — نوشتیم تاریخ فتح ستارہ

از زیب النسا بیگم بنت عالمگیر:۔

از معجزۂ پیمبر شق القمر عیاں شد — اعجاز خسروی بیں شق ستارہ آمد

نوٹ ۵ ص ۵۱۹ ۔ کولھاپور بمبئی پریزیڈنسی کا ایک سٹیٹ ہے۔ رقبہ (۳۲۱۷) مربع میل
آبادی (۸۳۳۴۴۱) محاصل (۵۷۳۰۰۰۰) ہز ہائینس سر چھتر پتی مہاراج۔ سلامی (۲۱)
توپ شہر کولھاپور کی آبادی چالیس ہزار۔ یہاں کے راجہ راجہ رام فرزند غور و سیواجی کی
اولاد سے ہیں۔ کولھاپور کا شہر سارے دکن میں قدیم مندروں کے سبب سے مشہور
ہے۔ اس شہر کی بناے ابتدائی کا سبب ہی مہا لکشمی دیوی کا مندر ہے لوگ اسی دیوی کی خاطر یہاں آن بسے
کولھاپور کی قدامت کی تصدیق بدھ زمانے کے آثار قدیمہ سے ہوتی ہے۔ خصوصاً ایک بلوری
صندوقچی ایک درختوں کے جھنڈ میں دستیاب ہوئی ہے جس کے ڈھکنے پر تیسری صدی قبل
م کا کتبہ ہے۔ کولھاپور کے پاس ہی چھوٹے مگر بہت پرانے مندر گرا ویرہ میں دبے ہوئے
نکلے ہیں جو کسی پرانے وقتوں میں اس نواح کا راج دھانی تھا۔ قلعہ سنہ ۱۵۶۰ع میں سلاطین
بیجاپور کا بنایا ہوا ہے۔ جس میں ایک دروازہ اور مربع محل کی عمارتیں ہیں۔ محل کے محاذی خزانہ

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

جفاکش ۔ سختی کے متحمل اور ثابت قدم ہوتے ہیں۔ اگرچہ ان میں راجپوتوں کی سی خودداری اور شان وشوکت نہیں مگر وہ اُن کی طرح آرام طلب بھی نہیں اور نہ اُن میں

تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ) مادہ تاریخ ہائے فتح آں رسالہ را بہ گلزار فتح شاہ ہند وطوطی نامۂ میروری شاہ عالم گیر موسوم ساختہ درخدمت بادشاہ گزرانید وموردتحسین بادشاہانہ گردیدواتفاق این کار عبارت "گلزار شاہ ہند" "طوطی نامہ میروری شاہ عالمگیر" ہر تاریخ استخراج می یابد۔ چندے ازاں تاریخ نوشتہ میشود۔

چوتہ ابہام زیر شعر آورد	بود اسم اعظم درشمارہ
قلاع کفر ستہ مفتوح الحال	زتیغ او عدد ستہ پارہ پارہ
زانگشتاں ستہ زد ابہام	برا بر چار الف کردم نظارہ
بعینہ بود شکل سال ہجری	پئے تاریخ تسخیر ستارہ
ہمیں تاریخ گفتش اختراعیست	ستہ از عبدالجلیل ایں آشکارا

وایں قطعۂ تاریخ را "استاد" گوید کہ بصورت اعداد سال ہجری بیان نمودہ۔ ہر چہار را بادشاہ را چہار الف کہ صورت اعداد سال ہجری تصور نمودہ بر ابہام را شکل سہ کہ سال چہار الف مویسد۔ قطعۂ دیگر بہ تعمیہ اے۔

چو شاہ عالم گیر آفتاب عالم تاب	کہ تیغ اوست بگیتی کلید فتح الباب
ستارہ قلعۂ کفار را محاصرہ کرد	بعزم آنکہ نماید بناے کفر خراب
چناں ز لرزہ آمد زمیں ز ہیبت او	کہ کوہ گشت چو دریا و قلعہ شد گرداب
فتح ستد پئے تاریخ فکر می کردم	برآمد از تہ دریاے فکر دُر خوش آب
چو از دروں ستارہ جہود شرک برفت	طلوع کرد درو آفتاب عالم تاب

چوں از اعداد لفظ "ستارہ" اعداد لفظ "جہود" بدر کردہ شود واعداد الفاظ "آفتاب عالم تاب" میفزاید تاریخ برآید۔ تاریخ ۔ کہ ازاں چہار مرتبہ تاریخ استخراج می یابد ۔

چو محی الدین محمد شاہ غازی	ستارہ فتح فرمود از اشارہ
رقم کردم بکلک فکر بیتے	کہ دو ستہ چار تاریخ آشکارہ
بود ہر مصرعہ اش تاریخ مفتوح	ہماں عاطل ہماں ستہ در ستارہ

(بقیہ نوٹ ص۔ آیندہ)

ہیں۔ گو خوبصورت نہ ہوں مگر ڈیل ڈول کے سڈول۔ سارے کے سارے چالاک

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ) ہیں بطور سینی ٹوریم (صحت بخش مقام) کے استعمال کیئے جاتے ہیں۔ (از سردار محمدی بیگم۔ لونی۔ بعد تغیر مناسب مطبوعہ تہذیب النسواں ۲۲ اگست ۱۹۱۹ء)

نوٹ ۵ صفحہ ۵۱۹۔ ستارا۔ واتھر سے انگلا اسٹیشن ستارا روڈ ہے جہاں سے دس میل پر یہ شہر ہے۔ یہ ضلع ہے اور شہر کی آبادی تیئیس (۲۳) ہزار ہے۔ یہ شہر بہت صاف شفاف چوڑی چوڑی کشادہ سڑکوں کا دامن کوہ میں بسا ہوا ہے۔ پہاڑ پر ایک قلعہ ستارہ فصیلوں۔ مورچوں اور برجوں کا ہے۔ اسی پر سے ستارا نام پڑا ہے سطح سمندر سے (۴۳۲۰ فٹ) مرتفع ہے اور سمندر کی ہوا کے جھونکوں کی وجہ سے بہت خوشگوار مقام ہے۔ پانی وافر اور شیریں ہے جو ایک تالاب سے آتا ہے۔ یہ تالاب قریب ہی ایک پہاڑ پر ہے۔ پانی نہر کے ذریعے سے لایا گیا ہے جو چار میل لمبی ہے۔ مرہٹوں کا قدیم محل ایک بھیانک عمارت ہے جس میں کوئی خاص بات نہیں ہے ان لوگوں کا مسکن ہے جن کو مکانات کے تکلفات کی ضرورت نہ تھی۔ ایک نیا محل بھی اسی کے پاس ہے جو بڑی بھاری عمارت ہے جس کا ایک ہال ۱۶۰ فٹ × ۵۰ کا ہے اور دو کار پر بہت کچھ نقش و نگار اور ہندوانی تعماویر ہیں۔ پیشواؤں کے قدیم خاندان کا ایک راجہ اسی محل کے پاس اور ایک مکان میں رہتے ہیں جن کے پاس خاص سیواجی کے ہاتھ کی تلوار ہے اور راجگان ستارہ کے زیور آلات اور پرانی چیزیں بطور یادگار کے موجود ہیں۔ قلعہ بہت پرانا ہے جسے سنہ ۱۱۹۲ء میں پنہالے کے راجہ نے بنایا تھا۔ قلعے کے اندر کی اب کوئی عمارت باقی نہیں ہاں فصیل اور دروازے جوں کے توں کھڑے ہیں۔ باہر کا لفافہ درست ہے اندر کچھ بھی نہیں قلعہ پر سے مہادیو اور سہادری پہاڑوں کا پرلطف منظر نظر آتا ہے۔ ستارے کی مصنوعات ہاتھی دانت کا کام ریشمین کپڑے۔ زری کی ساڑیاں وغیرہ ہیں۔ ستارے سے تین میل دریائے کرشنا اور بینا کے سنگم پر ماہولی ایک پرفضا اور متبرک مقام ہے جہاں ستارے کے مردے جلائے جاتے ہیں۔ ان دونوں دریاؤں کے کنارے پندرہ بیس خوشنما مندر ہیں جن میں ایک کوئی ہندو بیوہ کا بنا ہوا ہے اور یہی بلحاظ صنعت کے سب سے بہتر اور نفیس ہے۔ جب ستی کا طریقہ جاری تھا تو اسی موضع میں آن کر عورتیں ستی ہوتی تھیں۔ (از پکچر سک انڈیا)۔ چون عالمگیر بادشاہ در ذیقعدہ سنہ ۱۱۱۱ھ قلعہ ستارہ گڈھ را فتح نمود میر عبدالجلیل بلگرامی واسطی تخلص در یک شب

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

مرہٹوں سے کے حسب ذیل لکھے ہیں وہ بہت خوب ہیں۔ "یہ لوگ پست قد۔ مضبوط گٹھیلے ہوتے

(تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ) اس وجہ سے کہتے ہیں کہ باغ کے نیچے ندی میں اس پار سے اس پار تک ایک بڑی بھاری پتھر کی دیوار پانی کو روکنے کے لیئے کھینچی گئی ہے اور اس قسم کی دیوار کو "سد" کہتے ہیں۔ اس دیوار پر سے پانی بڑے زور سے گرتا ہے۔ یہ ایک قسم کا آبشار ہے جس کا نظارہ سراسر لطف ہے۔ یہ دیوار تخمیناً دو لاکھ کے صرف سے تعمیر ہوئی ہے۔ ایک عالی ہمت اور فیاض دل پارسی نے سوا لاکھ کا عطیہ دیا بقیہ رقم میونسپلٹی نے لگائی۔ اس کے کنارے دور تک شاہوتی باغ ہے۔ صبح شام ہر طبقے کے ہزاروں آدمی یہاں کی پُر فضا سیر سے محظوظ ہونے کی غرض سے آتے ہیں۔ یہاں تک بنگلوں ہی بنگلوں کا سلسلہ چلا گیا ہے اور بہت سے بنگلے اس ندی کے کنارے کنارے ہی سے ہوئے ہیں۔ سد گارڈن سے ایک میل پر دکن کالج ہے شہر کے باہر بھانبرڈے میں سائنس کا کالج ہے اور کرکی (کھڑکی) میں زراعت کا کالج ہے۔ اسی جگہ فوجی کیمپ ہے جو احاطہ بمبئی میں رایل ارٹلری (شاہی توپ خانہ) کا صدر مقام ہے۔ یہاں گولی باروت اور سامان حرب کے بڑے بڑے کارخانے ہیں جو تمام پریذیڈنسی (صوبے) میں سامان جنگ بہم پہنچاتے ہیں۔ یہ مقام پونے سے چار میل اور بمبئی جاتے وقت پونے کے بعد ہی ملتا ہے۔ اس باغ سے تین میل پر یروڈا کی بستی ہے یہاں دو عمارتیں مشہور ہیں (۱) یروڈا اسنٹرل جیل (۲) سر آغا خاں بہادر بالقابہ کی کوٹھی۔ جسے کوٹھی کہنا ہے محل ہے وہ تو محلوں کا محل ہے اور اسی وجہ سے یروڈا پیلیس کہلاتا ہے۔ یہ ایک شاہانہ عمارت ہے جس کی نفاست اور آراستگی کے لیئے آغا خاں کا نام کافی ہے کوٹھی کے شایان باغ بھی ہے۔ پونے میں یہ عمارت اپنی نوعیت کے لحاظ سے بے مثل مانی ہے اور در حقیقت ہے بھی لا جواب۔ ریلوے اسٹیشن سے چار میل گنیش کھنڈ میں گورنمنٹ ہؤس اور بوٹینیکل امپریس گارڈن ہے۔ ایوان گورنری میں درباریوں اور شاہانہ جلسے ہوا کرتے ہیں۔ باغ میں ہر قسم کے درختوں کے پودے ہیں۔ ترکاریوں اور پھولوں کے بیج اور پودے بہمہ اقسام کے یہاں ملتے ہیں۔ پونے سے چند میل ہندو زنانہ یونیورسٹی ہے جس کا اہتمام پروفیسر کاروے کے ذمے ہے اور دن بدن ترقی پا رہی ہے۔ سنگھ گڑھ اور پورندھر کے دو مشہور قلعے جو علی الترتیب پونے سے دس اور بیس میل (بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ)

مرہٹوں کا بیان

الفنسٹن صاحب کو مرہٹوں کے حالات سے بخوبی واقفیت تھی اس لیئے اُنھوں نے جو حالات

(تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ) شاید ہی اور کہیں ایسے باغ نکلیں تو نکلیں۔ برسات کے موسم میں تو عجیب نکھار اور بہار ہوتی ہے کہ ع زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم۔ کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست! اس زمانے میں یہاں بڑی ہی دل فریبی کے سامان مہیا کیئے جاتے ہیں۔ کوٹھیوں اور باغیچوں میں اس خوش اسلوبی اور نقاشی سے روشنی کا انتظام کیا جاتا ہے کہ زمین رشک ارم بن جاتی ہے اور گویا آسمان پر سے تارے اُتر کر زمین پر لوٹنے لگتے ہیں۔ پھر کوٹھی کے مالک کا یہ شوق کہ میری ہی کوٹھی سب سے زیادہ نکھرے سجی ہو، رنگ برنگ کی روشنی میں قسم قسم کی گلکاری اور بیل بوٹے کہیں کوٹھی والے کا اپنا نام کہیں دعائیہ کلمات اور اشعار غرض اپنے اپنے شوق وذاق کے مطابق اپنی رنگینی طبع کا اظہار دل کھول کر کرتے ہیں۔ جلسوں اور پارٹیوں اور پکنک کے چرچے بھی یہاں خوب رہتے ہیں۔ یہاں کا سٹیشن بھی بہت بڑا ہے جو کئی راہوں کا جنکشن ہے۔ اسٹیشن کے باہر ہی دو بڑی بڑی ہوٹلیں ہیں ایک **پونا ہوٹل** دوسری **راج محل**۔ یہیں ایک بڑے احاطے کے اندر ہز ہائنس **سر آغا خان** بہادر کا بنگلہ ہے۔ مکین کے نام سے مکان کا اندازہ کر لیجئے ع حاجت مشاطہ نیست روئے دل آرام را۔ ہز ہائنس کے بنگلے کے گرد آپ کے اعزہ اقربا کے بنگلے ہیں وہ بھی اپنی اپنی جگہ بڑی بڑی عمارتیں ہیں۔ نیپیر روڈ پر نیپیر ہوٹل کی شاندار عمارت ہے جس میں اکثر امرا اور رؤسا آن کر اُترتے ہیں اس کا احاطہ بہت وسیع ہے اور اس ہوٹل کا انتظام بڑے اعلیٰ پیمانے پر ہے یہیں **صدر ڈاک خانہ** اور **تار گھر** ہیں کو پر کی کمپنی ہے جو ہر قسم کے پھل پھلاری۔ پھولوں کے تخم اور پودے فروخت کرتی ہے **سالون روڈ** پر ایک بہت بڑا شفاخانہ ہے جسے عام طور پر **سالون ہاسپٹل** کہتے ہیں اس کے دو حصے ہیں ایک مردانہ دوسرا زنانہ۔ دونوں ہر طرح کے سامان سے آراستہ ہیں۔ مریضوں کی صحت کے جو سامان ہو سکتے ہیں وہ سب یہاں ہیں۔ اسی کے پاس ایک **ڈاکٹری سکول** بھی ہے۔ اس ہسپتال کے محاذی **بلیئی بنک** کی بڑی عمارت ہے جس میں روپیئے پیسے کا کھیل ہے۔ بنڈ روڈ کی طرف ایک باغ ہے جو بنڈ گارڈن کے نام سے مشہور ہے۔ یہ باغ ملا۔ مٹھا کے کنارے واقع ہے۔ اس کو بنڈ گارڈن (بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

یہ لوگ کاشتکاروں کی سی امن زندگی بسر کرتے تھے۔

(تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ) اورنگ زیب کے وقت کی بڑی بڑی توپیں بطور یادگار کے سجی ہوئی ہیں جن پر اس بادشاہ کا اسم گرامی اور کچھ آیات کلام مجید منقوش ہیں۔ یہ اس وقت نایاب اور لاثانی چیزیں مانی جاتی ہیں کیوں کہ اب تمام دنیا میں ایسی توپیں میسر نہیں آسکتیں۔ یہاں سے تھوڑی ہی دور **پولو گراؤنڈ** ہے جہاں ہمیشہ پولو ہوا کرتا ہے۔ صدر کے باہر **ریس گراؤنڈ** یعنی گھوڑ دوڑ کا بہت وسیع میدان ہے جس میں ہر سال اگست و ستمبر میں بڑی بھاری گھوڑ دوڑ ہوتی ہے جو تمام ہندوستان میں مشہور ہے۔ اس کا احاطہ سوا میل سے زیادہ ہے اور اس میں ایک دو منزلہ عمارت تماشائیوں کے بیٹھنے کی بنی ہوئی ہے۔ گورنر صاحب بہادر بمبئی اور تمام معزز و ممتاز یوروپین اور ہندوستانی حکام یہیں رونق افروز ہوتے ہیں۔ احاطے کے اطراف تماشائیوں کا ایسا ہجوم عظیم ہوتا ہے کہ تل دھرنے کی جگہ نہیں رہتی اگر تھالی پھینکو تو سروں ہی سروں پر چلی جائے۔ علاوہ اس کے موٹر۔ فٹن۔ لینڈو۔ ٹمٹم تانگوں حتی کہ بیل گاڑیوں کی ریل پیل بھی ایک لطف انگیز کشمکش ہے۔ ریس گراؤنڈ کے سامنے ایک بڑا وسیع میدان ہے جسے **کوئنیز گارڈن** کہتے ہیں اس میں بعض سڑکیں۔ روشیں۔ انواع و اقسام کے درخت اور طرح طرح کے پھول۔ بڑے بڑے حوض تالاب ہیں جن کا دل فریب منظر نظر کو محظوظ اور دل کو مسرور کرتا ہے۔ باغ کیا ہے جنت کا ٹکڑا لا کر یہیں پر رکھ دیا ہے۔ ہمہ لوگ کثرت سے یہاں سیر و تفریح کو آتے ہیں۔ **اسٹیشن**۔ یہ پونا کا شمالی حصہ ہے جو لطافت صفائی۔ پُرفضا باغات اور خوش نما عالی شان کوٹھیوں کے خصوصیت رکھتا ہے۔ اس حصے کے خاص خاص مقام **بنڈر روڈ۔ نیپیر روڈ۔ سالون روڈ۔ اسٹیشن روڈ** وغیرہ ہیں۔ یہاں صرف اہل ثروت کی بڑی بڑی کوٹھیاں ہیں۔ ان میں بڑے بڑے رئیسوں۔ نوابوں۔ انگریزوں۔ پارسیوں۔ امیروں۔ مہاراجوں کی بود و باش کا بڑے ٹھاٹ کا انتظام ہے۔ پونے میں بنگلے کرایے پر کم مل سکتے ہیں جن کی سجاوٹ اور نظر فریبی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ ہر کوٹھی کے سامنے حسب حیثیت باغ ضرور ہوتا ہے اور جس کے سامنے سلواری میں یہاں کے لیموں کا حصہ ہے۔ سیکڑوں قسم کے پھولوں۔ بیل بوٹوں۔ گملوں سے کیاریاں اس خوش اسلوبی اور خوش سلیقگی سے سنواری جاتی ہیں کہ بمبئی مات ہے (بقیہ نوٹ صفحہ آیندہ)

پناہ گاہ کا تھا جنگی میدان میں اُترنے سے پہلے اُن کی نہ کوئی قوم تھی نہ جتھا

(تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ) پاربتی کی پہاڑی کے دامن میں ایک باغ بھی ہے جس کو پیشوائی زمانے سے ہیرا باغ کہا جاتا ہے۔ اس باغ کے وسط میں پیشوا کا ایک تفریحی محل بھی کھڑا ہے جس کو اب ٹموَن ہال کہتے ہیں۔ کھڑک واسلا جو پونا سے دس بارہ میل کے فاصلے پر واقع ہے نہایت پر فضا جگہ ہے۔ اکثر لوگ یہاں سیر کے لیئے جایا کرتے ہیں۔ یہ ایک بڑا تالاب ہے یہیں سے تمام شہر اور چھاؤنی کو پانی پونہچتا ہے اور بڑے بڑے قطعات زمین کو شاداب کرتا ہے۔ اس تالاب پر ایک بڑا الکڑی کا پُل ہے۔ تالاب کے پاس ایک سرکاری بنگلہ ہے جس میں ہوا خوری کی غرض سے اکثر لوگ ٹھیرتے ہیں۔ یہاں چند یورپین لوگوں کے بنگلے بھی ہیں۔ صدر کیمپ یہ شہر پونا کا مشرقی حصہ ہے اور نئی طرز پر آباد ہے۔ اس میں ہر قوم کے لوگ رہتے ہیں۔ اس حصے میں تجارت کے بڑے مقام مین اسٹریٹ اور شولاپور بازار ہیں۔ جہاں شہر پونا کے تینوں حصے کے لوگ خرید فروخت کرتے ہیں۔ خصوصًا کیمپ اور اسٹیشن کو اشیاے یاحتیاج یہیں سے ملتی ہیں۔ کچھ دنوں سے بھوانی پیٹ کا بہت بڑا پیٹ بھی اسی کیمپ میں شامل کر لیا گیا ہے جس میں اکثر خوش حال لوگوں کے مکانات اور بنگلے ہیں۔ سنٹرل مسلم زنانہ سکول جس کی انسپکٹرس مولوی رفیع الدین احمد صاحب کی صاحب زادی ہیں۔ اس میں مسلم نادار لڑکیوں کی مفت تعلیم ہوتی ہے۔ پارسیوں کا ٹٹ ہال جس میں پارسیوں کی شادی غمی کی تمام رسمیں ادا ہوتی ہیں اور عربوں کی مشہور قیمتی گھوڑوں کی پاگا بھی اسی پیٹ میں ہے جس میں گھوڑ دوڑ کے گھوڑے بھی ہوتے ہیں۔ یہودیوں کی سنی گاگ (معبد) بھی کیمپ میں ہی ہے جس کی عالی شان عمارت صرف پختہ اینٹوں کی بنی ہوئی ہے اور اسی وجہ سے عام طور پر اسے لال دیوی کہا جاتا ہے۔ اس کی بلند میناروں پر چاروں طرف بڑی بڑی گھڑیاں لگی ہوئی ہیں جن کی آواز چو طرف دور دور جاتی ہے۔ اسی حصے میں کانونٹ سکول کی عمارت ہے جو دو حصوں پر منقسم ہے۔ ایک حصے میں مردانہ تعلیم کا انتظام ہے دوسرے میں زنانہ اس میں دو گرجے بھی ہیں۔ تعلیم کا انتظام رومن کیتھولک فرقے کی طرف سے ہوتا ہے۔ یہیں ٹریچر اینڈ کو کی بڑی بھاری دکان ہے جس میں ادویہ اور آلات سائینس کے سوا جو چاہو ملتا ہے اس دکان کے آگے بجانب شمال پریڈ جم خانہ ہے جہاں ہر قسم کے کھیل اور کرکٹ میچ ہوتے ہیں۔ ایک جگہ

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

جو وسیع اور ناہموار میدان ہے یہی کانکن کہلاتا ہے اور یہی ایک مناسب موقع مرہٹوں کی

(تکملہ نوٹ صفحہ گذشتہ) مقامات قابل دید ہیں جو گذشتہ زمانے کی یادگار اور نئی روشنی کے
پر تو کو نمایاں کرتے ہیں۔ بدھوار پیٹ میں باجی راؤ پیشوا کا محل ہے جسے باجی راؤ کا باڑا
کہتے ہیں یہ دو ڈھائی سال اول کا بنا ہوا ہے۔ یہیں انگریزوں اور پیشواؤں کا صلح نامہ ٹیپو سلطان
کے خلاف ہوا تھا۔ انگریزوں نے ۱۸۱۸ء میں اس پر قبضہ کر لیا۔ ۱۸۲۷ء میں یہ
محل آتش زدگی سے برباد ہو گیا اور اب صرف پیشوائی زمانے کی چار دیواری باقی رہ گئی
ہے۔ حال میں اس احاطے کے اندر معمولی اور خفیفہ کی عدالتیں بن گئی ہیں۔ اس پیٹ میں دو پرائیوٹ
سکول بھی ہیں جنہیں گورنمنٹ سے گرانٹ ملتا ہے۔ (۱) نیو انگلش سکول۔ (۲) پونا نیٹو انسٹیٹیوشن
سدا شیو پیٹ میں جو این مموریل ہال ہے جس میں کتب خانہ ہے اور متفرقہ امور پر بڑے بڑے نامور یورپین پروفیسر
لکچر دیتے ہیں۔ سٹی میں صرف ایک گورنمنٹ سکول ہے اور وہ اسی پیٹ میں ہے جو پونا ہائی سکول کہلاتا ہے۔ اس ہائی سکول سے دریا دور
مرہٹی دھرمیا کیلر ٹریننگ کالج ہے اس کالج سے دو میل پر شہر کے باہر مغرب کی طرف مشہور فرگسن کالج ہے اس کالج کے پرنسپل
نامور ہندو لیڈر مسٹر پرانجپے سینیئر رینگلر ہیں۔ بدھوار پیٹ تمام شہر میں بڑی تجارت
کی منڈی ہے یہاں نیٹو جنرل لیبریری کی بڑی پختہ سنگین عمارت ہے اور ایک سکول ہے
جو نوتن مرہٹہ ودیالے کے نام سے موسوم ہے۔ منگلوار پیٹ میں ایک بڑی زنانہ
ہسپتال ہے جس میں مستریوں کی طرف سے سینکڑوں کا مفت علاج کیا جاتا ہے شکروار پیٹ
میں دیکھنے کے قابل اگر کچھ ہے تو ایک مارکٹ ہے جسے رے مارکٹ کہتے ہیں جو ۱۸۸۶ء میں
بمبئی کے گورنر لارڈ رے کے نام نامی پر بنا ہے۔ اسی پیٹ کے خاتمے پر شہر سے
باہر کچھ فاصلے پر ایک پہاڑی ہے جسے پاربتی کہتے ہیں اس پر ہندوؤں کا ایک عظیم الشان
مندر باجی راؤ پیشوا کا بنا ہوا ہے۔ یہ مقام بڑا پر تکلف اور قابل دید ہے اگرچہ ہندوؤں کا
تیرتھ گاہ ہے مگر سینکڑوں آدمی روزانہ پوجا پاٹ کے علاوہ سیر و تفریح اور ورزش کے
خیال سے اوپر جایا کرتے ہیں کیوں کہ یہاں سے تمام پونا اور کھڑک واسلے کا نظارہ بخوبی
نظر آتا ہے اور دوربین سے تو نہایت صاف دکھائی دیتا ہے۔ علاوہ اس کے یہ جگہ خود نہایت
پر لطف ہے اور اوپر چڑھنے کے لیے سینکڑوں پختہ سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں اس پہاڑی کے
پیچھے ایک نہر جاری ہے جو کھڑک واسلے کے تالاب سے آتی ہے۔ (بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

اور ڈھلان تمام ملک دکن میں خلیج بنگالہ تک چلا گیا ہی گھاٹوں اور سمندر کے درمیان

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) ہڈیاں چورا چورا ہو جاتی ہیں۔ وہیں قریب میں اوپر وار ایک اور جزیرہ تھا
جہاں پادریوں کے فتوے کے موافق لوگوں کو زندہ آگ میں ڈال کر جلا دیتے تھے۔ جن کے
لیئے یہ سزا تجویز کی جاتی تھی اُن کو دارالقضا سے نکلتے اور شیطان کا لباس پہنا کر لاتے
تھے اور جلاد کے حوالے کر دیتے تھے۔ بازاریں سور کے گوشت کے سوا اور کسی قسم کا
گوشت کاٹنے کی ممانعت تھی جو ہندو اور مسلمان دونوں کے لیئے ایک غضب کا سامنا تھا۔
ایک اور سیاح لِنس کوٹن (Linschoten) جو ۱۵۸۳ء سے ۱۵۸۹ء
تک ہندوستان میں رہا ہی وہ بھی پادریوں کی اِن کوئی زیشن (Inquisition)
کے مظالم لوگوں کے قید کرنے اور تکلیف دہی کی تائید کرتا ہی۔ مخفی مبادکہ عیسائیوں کے
رومن کیتھولک کے فرقے میں ان کوئی زیشن پادریوں کی اُس مقدس جماعت کا
نام ہی جو برگشتہ اور مرتد لوگوں کے افعال اور مذہبی الزامات کی تحقیقات اور سزادہی کے
واسطے مقرر کی جاتی ہی۔ (از واقعات مملکت بیجاپور) نوٹ ۵۲ صفحہ ۵۱۹۔ شہر پونا دکن کا
ایک بڑا اور مشہور شہر ہی جو بمبئی کے مشرق میں براہ جی آئی پی ریلوے (۱۹۱) میل ہی مُولا
اور موٹھا ان دو دریاؤں کے سنگم پر آباد ہی۔ پیشواؤں کے زمانے میں دارالخلافہ
رہنے اور اس سے قبل بھی اسلامی حکومت کا مرکزی مقام ہونے کی وجہ سے اس شہر کو
بہت کچھ تاریخی وقعت حاصل ہی۔ آبادی کے لحاظ سے گو اس وقت ایک لاکھ سے زیادہ
نہیں لیکن بلحاظ تجارت اور مرکز علم کے بڑا مقام سمجھا جاتا ہی۔ سطح سمندر سے تقریبًا اٹھارہ سو
فیٹ بلند ہونے سے آب و ہوا معتدل اور جون سے ستمبر تک (جو علاقہ بمبئی میں شدت
بارش کا زمانہ ہی) خوش گوار ہوتی ہی اسی وجہ سے گورنمنٹ بمبئی کا برساتی صدر مقام اور بمبئی پریزیڈنسی کی فوج کا ہیڈ کوارٹر ہی ملک کے
ہر گوشے سے بڑے بڑے امرا اور روسا برساتیں یہاں آکر کرتے ہیں۔ اس سبب سے اس شہر کی رونق اور اہمیت اور بڑھ گئی ہی یہ شہر آبادی کے لحاظ سے
تین حصوں میں منقسم ہی (۱) سٹی یعنی شہر۔ (۲) صدر بازار۔ کیمپ یا لشکر۔ (۳) سٹیشن شہر کا
حصہ ہی پونا کا بہت بڑا حصہ ہی۔ جو اس وقت تک پرانی طرز پر مغرب کی طرف آباد ہی اور پیشواؤں کا
آباد کیا ہوا ہی اس لیئے یہاں زیادہ تر آبادی ہندوؤں کی ہی اور انہیں کے محاورے کے مطابق
محلوں کے نام بھی شکروار پیٹ وغیرہ ہیں۔ ان محلوں میں بعض بعض (بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

بندھیاچل کے کوہی سلسلے کے برابر برابر پھیلا ہوا ہی اور اگر ہم ایک خط مستقیم کھینچیں تو وہ گوا بندر سے ہوتا ہوا چاندے پر ختم ہوگا جو دریائے وردا پر واقع ہی (الفنسٹن صفحہ ۱۲۵) - تیرھویں صدی میں یہی حصۂ ملک یادو خاندان کے راجاؤں کا مرکز تھا - مرہٹواڑی کے مشہور شہر پونا - ستارا - کولھاپور ناسک ہیں - مرہٹوں کی اصلی طاقت کا ملجا ماوی مغربی گھاٹ تھے جن کا کراڑا

سلہ بندر گوآ - مدراس سے (۵۷۸) میل ہی - گوآ سے سات میل پانجم ہی جو پرتگالیوں کا دارالسلطنت ہی یہ بہت عمدہ قابل دید مقام ہی جہاں خوش نما عمارات ہیں - گوئے میں قدیم زمانے کے گرجے ہیں جن میں سے سینٹ کے ای ٹاؤ اور بام جیسز کے دو گرجے اب بھی اچھی حالت میں ہیں - بام جیسز کے گرجا میں سینٹ فرینسس زیویر کا مزار ہی جو گوا میوں کا بڑا مقدس پادری تھا جس نے جزیرۂ ملاکا میں وفات پائی اور جس کی نعش یہاں لاکر ایک نقرئی تابوت میں رکھی گئی ہی جس کی زیارت کے لیئے لوگ دور دور سے آتے ہیں - بندر گوآ کا منظر - جہازوں کی کثرت - باغات کی بہتات - یہ سب چیزیں قابل دید ہیں - گوآ میں مال تجارت بہت کثرت سے آتا ہی اور بہت بڑی تجارتی منڈی ہی کیسل راک یہاں سے ساڑھے تین میل ہی - یہ مقام بری گینز اگھاٹ کی چوٹی پر ہی اور سطح سمندر سے (۱۹ / ۷) بلند ہی - یہاں سرکار انگریزی کا کسٹمز ہوس اور نمک کا محکمہ ہی - کیسل راک سے کالم (جو گھاٹ کے دامن میں ہی) تک کا منظر اور دودھ ساگر کی آبشار قابل دید ہی - ان مقامات کے متوازی سمندر کے کنارے ریل دوڑتی ہی - فریز نامی سیاح نے سنہ ۱۶۷۵ء میں گوآ کے ہولناک مظالم کا چشم دید حال لکھا ہی کہ میں ایک دن صبح کو اس مقام پر گیا جہاں کہ پادریوں کا دارالقضا ہوا تھا - وہ دارالقضا کیا تھا ایک مقتل تھا - بازار کے بیچوں بیچ ایک بڑا بھاری اونچا انچ سولی کی طرح کا کھڑا کیا گیا تھا جس پر ایک چرخ لگا ہوا تھا - اس تک پہنچنے کے لیے سیڑھیاں سی ہوئی تھیں جس کو سٹراپیڈو (strappado) کہتے ہیں جس کے ذریعے سے سزا دیجاتی تھی یہ طریقہ ہی کہ ایک بڑا شہتیر بلندی پر لگا ہوا ہی اس پر آدمی کو گھسیٹ لیتے ہیں اور پھر وہاں سے اسے گرا دیتے ہیں - اتنی اونچائی پر سے گرتے ہی آدمی کی (بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)

کردی۔ اس ممانعت کی وجہ سے اورنگ زیب کی سلطنت کے صحیح صحیح واقعات دستیاب نہیں ہو سکتے اور اسی وجہ سے ہم ایک گونہ تاریکی میں پڑ گئے ہیں اور جو حالات لوگوں نے در پردہ لکھے تھے وہ بھی بادشاہ کی وفات تک پبلک کے سامنے نہ لائے جا سکے۔

اورنگ زیب دکن میں

سنہ ۱۶۵۷ء میں جب کہ اورنگ زیب دکن یعنی خاندیس۔ برار۔ تلنگانہ اور احمد نگر کا صوبہ دار تھا تو اُس نے ایسا ڈھنگ ڈالا تھا کہ اگر تخت کا جھگڑا نہ پڑ جاتا اور اُسے اس شدید ضرورت سے دارالسلطنت کی طرف نہ بھاگنا پڑتا تو وہ گولکنڈے اور بیجاپور کو کبھی کا فتح کر لیتا اور اس طرح تمام ملک دکن کو اپنے باپ کی سلطنت میں شامل کر دیتا۔ اورنگ زیب کے بادشاہ ہونے کے کئی سال بعد اُس کو اپنا پرانا میدان کارزار یاد آیا۔ وجہ اُس کی یہ ہوئی کہ دکن میں ایک نئی طاقت مرہٹوں کی نمودار ہوئی۔ پہلے تو ان کو بے حقیقت سمجھ کر کوئی توجہ نہیں کی لیکن یہ لوگ دیکھتے ہی دیکھتے ایسے طاقت ور اور زبردست ہو گئے کہ مغلیہ فوج سے لڑے اور ایسے لڑے کہ اُن کے دانت کھٹے کر دیئے۔ صورت حال ایسی بگڑ گئی کہ اس پیرانہ سالی میں اورنگ زیب کو سالہا سال سر کھپانا پڑا مگر لاحاصل کیوں کہ اسی جھمیلے میں اورنگ زیب کا بے یار و مددگار تن تنہا پردیس میں حالت دل شکستگی احمد نگر ملک دکن میں خاتمہ ہو گیا۔ اُس کی مٹی وہیں کی تھی جہاں کا

جدید العہد مرہٹے

قبل اس کے کہ ہم اورنگ زیب کی اُن لڑائیوں کا ذکر کریں جن کا سلسلہ ملک دکن میں برابر چھبیس برس تک (سنہ ۱۶۸۱-۱۷۰۷ء) جاری رہا ہم کو مرہٹوں کی طاقت کا کھوج لگانے کے لیے زمانہ گزشتہ کی طرف عود کرنا پڑے گا اور شیواجی اُس کے بانی مبانی کی لیف کا خلاصہ پیش کرنا ہوگا۔ مرہٹے مہاراشٹر (مرہٹواڑی ملک) کے قدیم لوگ قوم ہندو رہے ہیں۔ ان کا ملک مغربی گھاٹوں میں ... پہاڑ اور دریائے نربدا کے جنوب میں

اپنے ارادے کا ایسا پکا تھا کہ اس سے ایک بال برابر بھی اپنے اصول موضوعہ سے جنبش نہ کی۔ اگرچہ صلحنامہ ہو چکا تھا مگر پھر بھی راجپوتوں کو کوئی اطمینان نہ تھا اور راجپوتانے کا ایک بڑا حصہ اورنگ زیب کی سلطنت کے اختتام تک برسر بغاوت ہی رہا۔

تاریخ نویسی کی ممانعت[۱]

سنہ ۱۱ جلوس میں اورنگ زیب نے ایک عجیب و غریب حکم دیا۔ شاہی وقائع نگار کا عہدہ برخاست کر دیا اور خانگی لوگوں کو بھی اشاعت تاریخ کی ممانعت

(بقیہ نوٹ صفحہ ۵۱۴) چھبیس ہزار نفری ہے۔ اودیپور سے چوبیس میل پر ناتھ دوارا ہے جہاں کا مندر دستو کا ہے اور سارے ہندوستان میں بڑا متبرک مقام مانا جاتا ہے۔ یہاں کی مُت اورنگ زیب گردی میں متھرا سے لایا گیا تھا۔ ناتھ دوارے سے اور آگے آٹھ میل پر راج سمندر کا عالی شان تالاب ہے جس کا بند کوئی دو میل لمبا سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے۔ اس بند کے بیچ میں کنکرولی کی بستی ہے یہاں بھی ناتھ دوارے کی طرح کا ایک قدیم مندر ہے۔ اودیپور کے جنگلوں میں لاکھ کی پیداوار کثرت سے ہوتی ہے جسے بھیل لوگ اکٹھا کرتے ہیں اور زیورات میں بھرنے میں کثرت سے کام آتی ہے۔ ماخوذ از ریکچر سک انڈیا صفحات ۵ تا ۹)

[۱] یہ ممانعت غالباً اسی قسم کی ہوگی جیسے آج کل سنسر یا آمیتل کیتھولک یا الیسٹی ایڈ پریس کے ہے تک گورنمنٹ جہاں میں یہ کرے کوئی خبر شائع نہیں ہو سکتی۔ حتیٰ کہ تار بھی سنسر کے پاس کئے بغیر نہیں جا سکتا۔ خطوط ڈاک میں کھولے اور پڑھے جاتے اور ان پر سنسر کی مہر لگائی جاتی ہے جب آگے بڑھ سکتے ہیں۔ پریس ایکٹ جسے (Gagging Act) یعنی قانون زبان بندی بھی کہتے ہیں وہ بھی اسی قبیل کا ہے جیسے کہ تاریخ نویسی کی ممانعت۔ یہ سلاطین کی پالیسی اور امور مملکت میں ماورتہا کی سمجھ سے باہر۔ وقتی ضرورتوں کے لحاظ سے ملک میں امن قائم رکھنے کو اگرچہ ایسے احکام جاری کرنے پڑتے ہیں۔ اورنگ زیب نے اگر بلحاظ مصالح ملکی تاریخ لکھنے کی ممانعت کی تو اس میں کوئی اعتراض کی بات نہیں پائی جاتی۔ ۱۲

جھیل چکی تھی اور اورنگ زیب نے بالکل لاپروائی سے راجپوتوں کی امداد کی بڑی بھاری قوت کو برباد کردیا۔ آیندہ جو مشکلات دکن میں پیش آئیں اس وقت اورنگ زیب کو اس (ناقابل تلافی) نقصان کا احساس بھی ہوا لیکن وہ ایسا مستقل مزاج اور

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) چھوٹے سے چھوٹا اور کم تر سے کم تر درجے کا بھی بلحاظ صناعی کے کم نہیں ہے سب سے عمدہ منڈپ سنگرام سنگھ اودیپور کے مشہور مہاراج کا ہے جو ۱۷۳۲ء میں یہیں اپنی اکیس رانیوں کے ساتھ جلائے گئے۔ اس مٹھ کی طیاری میں انواع و اقسام کی دستکاری میں اور صناعی دکھلائی گئی ہے۔ یہ منڈپ (۵۶) ستونوں کا ہے جس کے وسط میں ایک مثمن برج بنا ہوا ہے اور برج کے آٹھ ستون نقش و نگار کے نفیس کام سے آراستہ ہیں فرگسن صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ (۴۷۰) پر ان مکانوں کا ایک باب ہی علیحدہ کیا ہے جس میں پوری صراحت اور نقشے بھی بنائے ہیں۔ مختصر یہ کہ یہاں کی ساری عمارتیں ایک عجیب و غریب نادرالوجود جمگھٹا ہے اور اس سے بہتر کوئی قبرستان خیال میں بھی نہیں آتا۔ شہر کے جنوب رخ پہاڑی پر ایک قلعہ بنا ہوا ہے جو اکلن گڑھ کہلاتا ہے۔ اس پہاڑ کے دامن میں گوبھر دن بلاس نام کا ایک محل مہاراجہ صاحب کی سیرگاہ کا بنا ہوا ہے۔ اودیپور سے بارہ میل شمال کی طرف اکلنجی کی تنگ گھاٹی ہیں اور بہت عمدہ مندر مہادیو جی کا ہے جو میواڑ کے لوگوں کا خاص دیوتا ہے یہ مندر اور دالان سنگ مرمر کا ہے۔ اس کی خدمت بجائے پروہتوں اور پجاریوں کے خود مہاراجہ صاحب جو شیو کے قایم مقام ہیں ادا فرماتے ہیں۔ یہاں ایک خوشنما جھیل ہے جس کے اطراف پہاڑ ہیں جس کے کنارے کنارے متعدد مندر مختلف قسم کے ہیں۔ اکلنجی کے پرلے سرے پر ایک بڑا دروازہ ہے جس کی دونوں طرف اونچی دیوار کھچی ہوئی ہے۔ مہارانا صاحب اودیپور علاوہ ایک بڑی ریاست کے حکمران ہونے کے اہل ہنود کے اعتقاد میں بڑے مقدس اور قابل پرستش شخص ہیں وہ سورج بنسیوں کے قایم مقام ہیں وہ رامائن کے ہیرو کی زندہ یادگار ہیں جن کا سلسلہ بلا فصل رام چندر جی تک پہونچتا ہے۔ مہارانا صاحب کے تحت میں اکیاون رئیس اور ہیں جن کو وہ حقوق حاصل ہیں جو راجپوتانے کے دوسرے امرا کو نہیں ہیں۔ یہ لوگ بڑی شان و شوکت سے رہتے اور اپنی اپنی جمعیت جداگانہ رکھتے ہیں۔ مشہور ہے کہ ان لوگوں کی آمدنی بیس لاکھ کی ہے اور مہاراجہ صاحب کی پینتیس لاکھ۔ فوج کی تعداد

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

نہ تھا اور راجہ **جسونت سنگھ** کا بیٹا مارواڑ کا راجہ تسلیم کر لیا گیا۔ لیکن آتش فساد

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) سر بفلک محلات۔ مندر۔ مٹھ۔ پھول باغ۔ فوارے۔ نارنگی لیموں کے
باغ۔ ان اعتبارات سے دنیا کے نہایت دلکش اور نفیس شہروں میں ہے۔ راجہ کے محل
کی کیفیت **ٹاڈ صاحب** اپنی کتاب **تاریخ راجستان** میں یوں لکھتے ہیں
کہ "یہ ایک سلسلہ ہے دلکش عمارتوں کا جو باقاعدہ بنی ہوئی ہیں یہ عمارتیں سنگ خارا اور سنگ مرمر
کی ہیں جن کی بلندی زمین کے اوپر کم سے کم سو فیٹ ہے۔ چاروں کونوں پر چار ہشت پہل
برج ہیں جن پر ممٹیاں بنی ہوئی ہیں۔ اگرچہ یہ عمارتیں وقت واحد میں نہیں بنیں بلکہ متفرق اوقات
میں مگر اس خوبی سے بنائی ہیں کہ طرز عمارت میں کسی قسم کا فرق نہیں آیا اور ہندوستان میں ایسی
شاندار اور عجیب وغریب اور کوئی عمارت نہیں ہے۔ یہ محل جھیل کے کنارے پہاڑی
سلسلے پر بنا ہوا ہے۔ اس کا رو کار مشرق کی طرف ہے اور ملا ایک دالان ہے جس میں تہری قطار ستونوں
کی ہے برابر چلا گیا ہے۔ دالان کی دیوار کی بلندی پچاس فیٹ ہے۔ اسی کی ملا میں رانا کا اصطبل ہاتھی گاڑی
ہاتھی گھوڑے۔ پیدل وغیرہ سب کے رہنے کی جگہ ہے۔ دالان کی چھت پر سے شہر اور
وادی سب نظر آتے ہیں اور آگے جا کر نظر پہاڑوں سے رک جاتی ہے لیکن محل کے اوپر سے
دیکھو تو جھیل اور پہاڑ سب نظر آتے ہیں اور کوئی چیز نظر کی سد راہ نہیں ہوتی" جھیل کے
اطراف اور بہت سے محلات ہیں اور اس کی سطح پر جو متفرق جزیرے ہیں ان پر بنے ہوئے
ہیں۔ اس جھیل میں صرف مہارانا صاحب ہی کی کشتیاں چلتی پھرتی ہیں۔ ہر جزیرہ بجائے خود ایک
باغ ہے۔ جس میں بڑے بڑے محل اور مندر بنے ہوئے ہیں جا بجا اپنی جگہ ایک دلکش
مقام ہے۔ ان میں سب سے بہتر **جگ مندر** ہے جو شاہجہان بادشاہ کے لیے خاص کر بنایا
گیا تھا۔ اس نے جب اپنے باپ جہانگیر سے بغاوت کی تھی تو وہ چند روز اسی عالی شان محل
میں رہا تھا۔ شہر کی فصیل کے گرد قلعوں کا ایک سلسلہ ہے اور ہر قلعے کی طرف ایک ایک
سڑک دوڑی ہوئی ہے جس سے بڑی خوش نمائی ہو گئی ہے۔ شہر سے دو میل پر مرگھٹ ہے جہاں
مہاراجہ اور رانیاں اور ان کے خاندان کے لوگ پھونکے جاتے ہیں یہ سلسلہ جب سے
اودے پور راج دھانی قرار پایا ہے سنہ ۱۵۰۸ء سے جاری ہے یہاں ایک عمدہ باغ میں جہاں طرح طرح کے
پھولوں کے تختے کھلے ہوئے ہیں سیکڑوں چھوٹے بڑے سمادھ ہیں جن میں سے
(بقیہ نوٹ برصفحہ آیندہ)

وہاں سازشوں اور بدنظمیوں کا بازار گرم تھا۔ ۱۶۷۳ء میں سیواجی نے بیجاپور پر چڑھائی کی اور اپنے مقبوضات کو خاطر خواہ وسعت دی اور ۱۶۷۴ء میں دوبارہ اُس نے تاج پوشی کی رسم بڑی دھوم دھام سے کی اور اپنے آپ کو مطلق العنان راجہ ہونے کا اعلان کیا۔ سیواجی نے خاندیس۔ برار اور کرناٹک کے ملکوں کو لوٹ ڈالا اور اپنے باپ کے ملک کا بڑا حصہ جو جنوب ہند میں تھا لے لیا۔

راجپوتوں کی بیگانگی

کچھ عرصہ کے بعد رانائے میواڑ[۱] (اودے پور) نے ایک شریفانہ صلح کر لی جس میں جزیہ کے ناگوار محصول کا کچھ ذکر

(بقیہ نوٹ صفحہ ۵۰۵) فیکس انڈیکا (Ficus Indica) قسم کے ہیں جن میں جڑ سے اوپر چار فیٹ پر ایک کا دور ساٹھ فیٹ ہے۔ شہر کا ایک بہت عالی شان اور خوب صورت دروازہ ہے جس کی محراب چالیس فیٹ بلند ہے (ماخوذ از کیننز پکچرسک انڈیا صفحات ۴۹ تا ۱۱۴)

[۱] نوٹ صفحہ ہذا جو دھپور میواڑ کہلاتا ہے۔ مہارانا سر فتح سنگھ بہادر یہاں کے راجہ ہیں جن کی اکیس توپ کی سلامی ہے۔ ہندوستان کے بعض راجہ مہاراجہ ایسے خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں جن کی قدامت کا پتہ لگانا مشکل ہے۔ مہارانا صاحب اودے پور کا خاندان بھی بڑا معزز اور قدیم ہے۔ جاپان کے بادشاہ کی طرح یہ بھی اپنے آپ کو سورج کی نسل سے ہونے کا فخر رکھتے ہیں۔ رقبہ (۱۲۶۹۴) مربع میل۔ آبادی ۱۲۸۱۲۸۴۔ محاصل (۲۶۴۰۰۰۰)۔ شہر کی آبادی چالیس ہزار۔ ساری ریاست کے ملک کا منظر بڑا دل کش ہے خصوصاً راج دھانی کے قریب اراولی پہاڑوں کے نظارے کو لوگ کشمیر کے برابر بتلاتے ہیں۔ اس سٹیٹ میں تالاب اور جھیلیں کثرت سے ہیں۔ اودے پور سے بیس میل پر **ڈھیبار تالاب** ہے جو نو میل لمبا اور پانچ میل چوڑا ہے اور اکیس مربع میل میں پھیلا ہوا ہے۔ اس کا بند بارہ سو فیٹ لمبا۔ (۹۵) فیٹ چوڑا اور بنیاد میں پچاس اور اوپر پندرہ فیٹ ہے۔ یہاں پہاڑی قدیم تین بڑی قومیں ہیں۔ **بھیر۔ مینے۔ بھیل**۔ اودے پور کا شہر اپنے عالی شان محلات جھاڑیوں سے لدی ہوئی پہاڑیوں۔ جگنا تھ کے بڑے بھاری مندر۔ راجپوت رئیسوں کے

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

پیچیدہ ہوگئے تھے اُدھر کی خبر لینا مقدم تھا۔ ۱۶۶۷ء میں بیجاپور کے بادشاہ نے انتقال کیا۔

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) تماشہ دیکھتی تھیں جو دیوان خاص میں ہوتا تھا۔ ہال آف وکٹری کے اوپر جس مندر میں روشنی کا مندر سا ہوا ہے جو اسم بامسمّیٰ ہے اور چمک دار اور بھڑکیلے شروع رکھو اور بے نظیر پچیکاری کے کام سے اب بھی بڑا جگمگا رہا ہے۔ اس کار و کار سطح جھیل اور سنسان پہاڑوں کی طرف ہے جدھر شفاف سنگ مرمر کی نقش نگار کی جالیں اور بارک ستون ہیں۔ اگر محل کا یہ حصۂ قید عام سمجھا جائے تو تصوریں بھی اس سے بہتر جیل خانہ نہیں ہو سکتا۔ ایک بڈھا راجپوت جو یہاں کا محافظ ہے کہتا ہے کہ جب راجہ یہاں رہتے تھے تو بعض اوقات زنانہ ہو جاتا تھا اور مرد پھٹک نہ سکتا تھا اور ساری عمارت بس عورتوں کے لیئے مخصوص کر دی جاتی تھی۔ ابھی اس مقام کو کامل حالی نہیں کہہ سکتے۔ صدر دروازے کی بغلی میں نشیب کی طرف دیوی کا مندر ہے اور یہاں عموماً ایک بکرا چڑھایا جاتا ہے۔ درگا کے تہوار میں بھینسوں اور بکروں کے ریوڑ کے ریوڑ چڑھائے جاتے ہیں۔ پہلے کہتے ہیں کہ انسان کو بلیداں چڑھاتے تھے۔ کالی دیبی کی مورت تمام کالی اور لال مندر کے اندر ایک تاریک حجرے میں چبوترے پر بیٹھی ہے جس کی مرٹانا آنکھیں چمکتی ہیں۔ گلے میں کھوپریوں کا ہار پڑا ہوا ہے چبوترے کے نیچے ریت کا ایک ڈھیر اور اندر ٹوٹے برتن کی ٹھکوے اور ایک چرڑا کتہ دھرا ہوا ہے۔ راجپوت پجاری وہاں موجود تھے جو اپنے منتر پڑھتے اور گھنٹیاں بجاتے تھے۔ جیپور دستکاری اور صناعی کا ایک بڑا مرکز ہے۔ میناکاری کا کام۔ شال پشمینے کی چادریں۔ پیتل۔ مورچھل۔ سنگ مرمر۔ لکڑی اور ہاتھی دانت کا منقش کام۔ چھپے ہوئے انگوچھے۔ چھینٹیں اور ہر قسم کے زیورات جس بازار میں یہ موایک چہل پہل دہ ہر شخص اپنے کام میں لگا ہوا ہے۔ جیپور کی میناکاری کا کام بڑا مرکیلا۔ خوشنما اور مضبوط ہوتا ہے اس قسم کا نفیس کام دنیا بھر میں اور کہیں نہیں بنتا۔ جیپور ہی کی قریب سانبھر نام کی ایک بڑی جھیل طول میں بیس میل اور گہراں میں چار فیٹ سے زیادہ نہیں ہے۔ اگرچہ اس کا ایک کنارا جیپور کے علاقہ میں ہے اور دوسرا جودھپور کے مگر سرکار انگریزی نے اس کا ٹھیکہ لے لیا ہے۔ اوسط ہر آدمی کی چار ہزار ٹن سالانہ ہے یہیں کا نمک سارے راجپوتانے میں استعمال ہوتا ہے اور ہندوستان کے دوسرے حصص میں بھی کثرت سے جاتا ہے۔ سانبھر لیک سے وقت ملے تو داود یہ تھول کے شہر نارنل کو بھی دیکھ سکتے ہیں یہاں کئی عمدہ مندر اور ایک تالاب ہے۔ یہاں بہت سے درخت (بقیہ نوٹ برصفحہ آیندہ)

زیادہ موقع راجپوتانے میں امن قایم کرنے کا نہ ملا کیوں کہ دکن کے معاملات زیادہ

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) تین تنگ اور گھونگٹ دار دروازے ہیں جن میں آخری کے آگے
ایک بہت بڑا انگرا جار چوک ہے۔ سر ایڈون آرنلڈ نے اپنی کتاب انڈیا ریوزیٹڈ
میں امبیر کا نقشہ یوں کھینچا ہے۔ ایک نفیس نقار خانہ جس کے برنجی دروازے اور سنگ مرمر کے
نقشی بغلی حجرے ہیں سے دوسرے صحن میں پہنچتے ہیں جس کا فرش سنگ مرمر اور سنگ سرخ کا ہے
جس کے گرد ایسی شان دار عمارتیں ہیں کہ با ید و شاید۔ ان عمارتوں میں سے ایک دیوان خاص
ہے جس کے ستون سنگ مرمر اور سنگ سرخ کے ہیں۔ جس کی اندرونی دیواریں جالی دار اور منقش
پتھر کی ہیں۔ چھت بے نظیر رنگ آمیزی سے سجائی گئی ہے۔ اس صحن کی دوسری طرف ایک
عالی شان مردانہ دروازہ ہے جس کی نسبت یہ رائے قایم کی گئی ہے کہ ساری دنیا میں اس سے
بہتر کوئی دروازہ نہیں ہے۔ درحقیقت یہ دروازہ رنگ آمیزی۔ مال مسالا۔ نقاشی گل کاری
صنعت۔ دستکاری۔ غرض ہر اعتبار سے بہت ہی پسندیدہ ہے اور اس کی خوبی حیطۂ بیان
سے خارج ہے۔ یہ بے نظیر ایوان اپنی نفاست کے لحاظ سے بہشت بریں کا دروازہ ہونے کے
قابل ہے۔ اس میں داخل ہو کر ہم ایک سرسبز اور ٹھنڈے سایہ دار باغ میں پہنچتے ہیں۔ جو مندر
میں نہایت شفاف سنگ مرمر کے ڈلے لگے ہوئے ہیں جن میں پچیکاری سے پرند۔ پھول
پتے۔ لاجواب رنگ برنگ کی نقاشی جو عربوں کی وجہ سے ایرابسک (Arabesque)
کہلاتی ہے [illegible] بندی اور زرافشانی سے بڑی جھلملا رہی ہے جس کا خاص دستکاری
کے لیے جیپور مشہور ہے۔ یہاں حمام کے کمرے بھی ہیں جو زرد رنگ کے مٹیالے سنگ مرمر کے
ہیں۔ اس شہر خوشنما اور خوش منظر وادی میں منبت کاری کی جالیاں۔ حجرے جن میں بستیوں
مندروں۔ سیر و شکار اور مذہبی سین عجیب و غریب نقاشی سے ہنبٹ کیے گئے ہیں سب دیکھنے
کے قابل ہے۔ ایک کمرے میں عجیب صنعت دکھلائی ہے کہ اس کی ساری دیواروں اور محرابوں میں
ابرق کی تختیاں بھورے رنگ کے نقش و نگار میں بڑی خوب صورتی سے جائی ہیں جس سے
چاند کا سا نظروں میں پھر جاتا ہے۔ اب ہم پھرتے پھراتے اُس زمانے کے نفیس کمروں میں پہنچتے ہیں
جس کے گرد اونچی پردے کی دیوار ہے جس میں جالیاں لگی ہوئی ہیں۔ صدر دروازے کے اوپر ایک نادر
زر نگار چھوٹا سا کمرہ ہے جو [illegible] اگ مندر کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں سے رانیاں دربار کا

(بقیہ نوٹ برصفحہ آئیندہ)

دلوں سے کدورت کا غبار دُھلا نہ تھا اور کبیدۂ خاطر تھے۔ لیکن اس وقت اور نگ زیب کو

(بقیہ نوٹ صفحۂ گذشتہ) جس دالانے کا سر دل ہیبت ناک دیوؤں کے سر پر ٹکا ہوا ہے اس کے نیچے ایک مندر ہے جس میں سوائے ہندو کے اور کوئی نہیں جا سکتا۔ سنگ مرمر کے ایک سائبان کے نیچے تین مورتیں پارس ناتھ کی ہیں جس کے سامنے بہت اور چھوٹی چھوٹی مورتیں سنگ سیاہ کی ہیں۔ یہ شہر میں اور بہت سے بڑے بڑے مندر ہندو اور جینیوں کے ہیں اگر جلدی لگائیں تو دو تین گھنٹوں میں سب کو دیکھ سکتے ہیں۔ جیپور میں سب سے زیادہ قابل دید مقام امیر کی قدیم دارالحکومت کا ہے۔ ہوٹل سے شہر میں ہو کر سڑک جاتی ہے جس کے دونوں طرف راجپوت امرا کے محلات اور باغات ہیں۔ اس کے بعد ایک عمدہ جھیل ملتی ہے جس کے بیچ میں ایک ویران محل ہے جس میں بدون کشتی کے نہیں جا سکتے۔ اس تالاب میں بہت بڑے بڑے مگرمچھ ہیں جو کنارے پر پڑے دھوپ کھاتے رہتے ہیں۔ اس تالاب سے دو میل آگے بڑھ کر اور ہوٹل سے چھ میل پر اس پہاڑ کا دامن ہے جس پر امیر کا شہر بسا ہوا ہے جس کی چڑھائی دو میل کی ہے۔ سارا شہر انسان سے خالی پڑا بھائیں بھائیں کر رہا ہے۔ اس ویرانے میں بھی کہیں کہیں فقیر۔ گوسائیں۔ سنیاسی خالی مکانوں میں پڑے نظر آتے ہیں۔ ہندوستان میں اسی طرح کئی بستیاں ویران ہو گئی ہیں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ شہر بساتے کیوں ہیں پھر اجاڑتے کیوں ہیں۔ اور پھر اجاڑنا بھی ایسا کہ بستی کی بستی کو بھی اپنے ساتھ لے جائیں۔ اصلی وجہ کیا تھی آج کون جان سکتا ہے۔ وہ زمانہ گیا۔ اب محض قیاسی وجوہ اپنی اپنی سمجھ کے مطابق لوگ گھڑ لیتے ہیں۔ مگر دل لگتی ٹھکانے کی بات کوئی کہتا نہیں۔ یہ محل ایک مجموعہ ہے مسلمانوں کے زمانۂ بعد کی دستکاری کا۔ یہ محل ایک عجیب و غریب پر فضا مقام پر بنایا ہے۔ ایک بلند پہاڑ کے ڈھلاؤ پر بالکل جھیل کے اوپر ایک نہایت مستحکم قلعہ سا ہوا ہے۔ گرد کی پہاڑیوں پر بھی چھوٹے چھوٹے قلعے سے ہوئے ہیں جن کا سلسلہ بڑے قلعے سے بہت فصیلوں سے ملا دیا گیا ہے۔ محل کا قدیم باغ جو اب ویران ہے وہاں تک جھیل میں چلا گیا ہے ایک بڑا عجیب و غریب مقام ہے اس کا سرد و لالہ گھنے گھنے درختوں کے گنبد سمید اور بھوری عمارتوں میں ایک خوش نما عکس ڈالتے ہیں۔ جھیل کے سپاٹ پانی کے مسطح اور وسیع تختے پر ان کا عکس ہو ایسا سین ہے کہ اس کا بیان قلم سے ناممکن ہے اور جس نے وہ قدرت کا تماشہ گاہ دیکھا ہے اس کا نقش دل سے مٹائے مٹ نہیں سکتا۔ محل میں داخل ہونے کے

(بقیہ نوٹ برصفحہ آیندہ)

چلتا ہی۔ اگرچہ اورنگ زیب کو اس وقت ایک حد تک کامیابی ہوئی لیکن راجپوتوں کے

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) ہندو دیوتاؤں کی مورتیں بڑی خوب صورتی سے کھدی ہوئی ہیں اور سنگ مرمر کے دلوں پر سواروں گھوڑوں ہاتھیوں اور طرح طرح کی تصویریں بنی ہیں سورج مندر اور گلتا مندر یہ بھی دیکھنے کے قابل ہیں۔ سورج مندر ایک ساڑھے تین سو فیٹ اونچی پہاڑی پر بنا ہوا ہی جو ہوٹل سے ڈھائی میل ہی۔ رستہ بھی خراب ہی۔ مندر میں بھی کوئی خاص بات نہیں ہی لیکن پہاڑی کے نیچے کا سپاٹ میدان۔ جے پور کے باغات اُن میں جھلکتے ہوے مینار البتہ ایک دل آویز نظارہ ہی۔ راجپوتانے کی ریت کیوں کر شہر کو گرد بار کرتی ہی یہ بات بھی یہیں محسوس ہوتی ہی۔ ایک گرد کی بستی کے مکانات اور باغات ریت میں دبے ہوئے بالکل اجاڑ پڑے ہیں۔ پہاڑیوں پر سے ریت کے بگولے کے بگولے آندھی کی شکل میں آ آ کر بیسیوں فٹ اونچی تہیں جم گئی ہیں اور سارا گاؤں ریت سے اٹ گیا ہی۔ سورج مندر سے سڑک بالکل نشیب کی طرف ایک تنگ و تاریک گھاٹی میں سے گزرتی ہی جو پچیس فیٹ چوڑی ہی جس کے ختم پر کئی قدیم مندر اور دو عمیق تالاب ہیں۔ ان مندروں سے اہل ہنود بڑا اعتقاد رکھتے ہیں اور جاترا کے زمانے میں مجمع کثیر ہوتا ہی۔ دوسرے تالاب کے نیچے اور کچھ چھوٹے چھوٹے مندر اور پجاریوں کے مکانات ہیں جس کے بعد سپاٹ میدان ہی جس میں اکاڈکا ٹیلے کھڑے ہیں جن میں سے بعض پر قدیم زمانے کے حصار بنے ہوے ہیں۔ جیپور سے سات میل سنگانیر کا قدیم محل اور مندر ہی۔ اس شہر میں داخل ہونے کا ایک دروازہ ہی جس کے آگے دو سہ منزلہ ترپولیے شکستہ حالت میں ہیں۔ کرشنا اور سیتارام کے دو مندروں کے بعد محل ملتا ہی جس کی شکل اب ایک وسیع کھنڈر کی رہ گئی ہی۔ البتہ چیدہ چیدہ متفرق ٹکڑے عمارت کے بعض بعض حصے رہ گئے ہیں جو دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں ان میں سے ایک مندر کے کواڑوں کی جوڑی صندل کی لکڑی کی ہی جس پر ہاتھی دانت کا کام ہی اُس کے آگے ایک بہت خوش نما ڈیوڑھی ہی۔ یہ مندر ایک باغ میں واقع ہی جو تباہ حالت میں ہی اور ٹوٹے پھوٹے کچھ فوارے بھی ہیں۔ محل کے آگے سنگانیر کا مندر ہی جو نویں صدی میں بنا تھا۔ یہیں ایک طاق میں ایک بھدی سی مورت بھوجاجی کی ہی جو ہزاروں برس کی پرانی بتلائی جاتی ہی۔ اس مندر کا صدر دروازہ سنگ مرمر کا ہی۔ اندر کا صحن ۶۰×۴۰ کا ہی۔ یہاں ستونوں کی قطاریں ہیں جن پر بڑے عمدہ نقش و نگار بنے ہوے ہیں جن کے سروں پر دیوتاؤں کی مورتیں ہیں۔ دوسرا دروازہ جو اندر وار ہی وہ بھی سنگ مرمر کا ہی اور اُس پر بے شمار نقش و نگار ہیں

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

بلیٹ کرآنا نصیب نہ ہوا ۱۷۰۶ء تک اس کے وہاں بقید حیات رہنے کا پتہ

(بقیہ نوٹ صفحۂ گزشتہ)
روبہ انحطاط تھیں پھر زندہ کی جا رہی ہیں ستر ایکر کا وسیع پبلک گارڈن جس میں ساتات کے علاوہ وحوش وطیور خانہ بھی ہے۔ میو ہاسپٹل کی عالیشان عمارت باغ کے اس دروازے کے سامنے ہے جو شہر کی طرف ہے۔ یہ عمارت تمام سنگ سپید کی ہے جس کے سامنے ایک اونچا گھنٹہ گھر کھڑا ہے۔ اس شفاخانے میں ۳۰ مریضوں کے بستروں کی گنجایش ہے۔ باغ کے وسط میں میوزیم عجایب خانہ ہے جو ہندوستان کی جدید نہایت نفیس عمارتوں میں سے ہے۔ جس میں یورپین اور ہندوستانی دستکاری اور صنعت کاری کے اعلیٰ درجے کے نمونے موجود ہیں۔ پرانی اور قدیم چیزوں کا بھی نادر مجموعہ ہے۔ ہر قسم کا طیار شدہ پارچہ۔ دریاں۔ پتھر کی نقاشی۔ پیتل۔ چاندی اور سونے کے کام۔ شیشہ۔ میناکاری زیورات۔ قدرتی پیداوار۔ انواع واقسام کی اشیا ہندوستان کے کونے کونے سے بہ صرف زر کثیر فراہم کی گئی ہیں۔ ہزار ہا آدمی ان عجائبات کو دیکھنے چلے آتے ہیں۔ اوسط ان لوگوں کا جو ٹرنسٹیل کٹکھر میں سے سال بھر میں گزرتے ہیں ڈیڑھ لاکھ ہے۔ اس باغ کی تعمیر وترتیب میں چار لاکھ روپیہ صرف ہوا ہے اور اس کی نگہداشت کا سالانہ صرفہ تیس ہزار روپیہ ہے۔ اس میں لارڈ میو گورنر جنرل (۷۲-۱۸۶۹ء) کا ایک نہایت نفیس برنجی بت کھڑا ہے۔ وحوش خانہ جوبلی دروازے کے پاس ہے جس میں علاوہ انواع واقسام کے وحوش وطیور کے دس بارہ بڑے بڑے شیر ببر اور بنگال ٹیگر ہیں۔ مہاراجہ کا اصطبل بھی قابل دید ہے جہاں انواع واقسام کی جدید اور قدیم طرح کی گاڑیاں اور تین سو گھوڑے۔ پچاس ہاتھی اور بہت سے شکاری چیتے ہیں۔ مگر مچھوں کا تماشا دیکھنا ہو تو فصیل سے ملی ہوئی ایک اتھلی جھیل ہے جہاں سیکڑوں مگر مچھ پلے ہوئے ہیں جن میں گائے بیل کی اوجھڑی کے بچے پھینک پھینک کر کھلائے جاتے ہیں۔ چیلیں بھی خوب منڈلاتی پھرتی ہیں اور جوں ہی چیا پھینکا کہ اوپر ہی اوپر اُچک لیتی ہیں یہ بھی ایک نیا تماشا ہے۔ شہر کے شمال مشرق پر فصیل کے باہر راجاؤں کے سماد اور مقطع نہایت سایہ دار باغوں میں سے ہوئے ہیں۔ یوں تو سارے جیپور میں مندروں کی کثرت ہے مگر ان باغوں میں بہت ہیں۔ سب سے بہتر سدیپ راجہ جے سنگھ سوائی کا ہے جو تمام تر نہایت نفیس اور شفاف سنگ مرمر کا ہے۔ اور ہشت پہلو آٹھ عمدہ نقشی ستونوں پر استادہ ہے۔ تمام کارنس ...

(بقیہ نوٹ برصفحۂ آیندہ)

وہیں کے وہیں دب دبا گئیں ۱۶۸۱ء میں نوجوان شہزادہ اکبر نے اس کو ایسا جلا وطن ہوا کہ پھر

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) سنگ مرمر کی ہے۔ اس سے آگے **چندا محل** سات منزل خاص راجہ صاحب کی اقامت گاہ ہے۔ ان مقامات میں تب تک کوئی ایسا ہی بڑا آدمی نہ ہو کسی ناکس کا گزر ممکن نہیں (یہاں پرندہ بھی پر نہیں مارسکتا اور ہوا بھی بپامیِ ادب دب کر چلتی ہے) اس محل کے کمرے محلات شاہی کی طرح آراستہ وپیراستہ اور زرق برق ہیں۔ جو چیز زیادہ تر دیکھنے کے قابل ہے وہ اس محل کی چھت پر سے (جو آسمان سے باتیں کرتی ہے) گرد ونواح کا نظارہ ہے (مگر وہاں تک رسائی گویا معراج ہے) نیچے کے ایک کمرے میں اکبر بادشاہ کے عہد کا ایک مصلا اور مذہب فرمان بطور یادگار کے محفوظ رکھا گیا ہے۔ محل کی سیر سے دل سیر نہیں ہوسکتا ذرا باغ کو دیکھ کر دل باغ باغ کیجیے اور اگر مہاراجہ صاحب کا بینڈ جو یورپین بینڈ ماسٹر کے تحت ہے نغمہ سرائی کر رہا ہے تو لطف دوبالا ہے۔ تمام وسیع صحن اور دیوان خاص کی سیڑھیوں پر مہاراجہ صاحب کے بے شمار ملازمین اپنی زرق برق وردیوں سے سجے سجائے ہر طرف پھرتے نظر آئیں گے اسی صحن کے بیچ والے چوک میں سے ایک بازار نکل گیا ہے جہاں ان حشم وخدم کی سب ضروریات ملتی ہیں۔ محل کے صدر دروازے کے باہر ایک سر بفلک مینار براج رہا ہے جو **الیشوری مینار سورگ سٹول** کہلاتا ہے جس کے معنے ہیں کہ آسمان سے باتیں کرتا ہے۔ اس مینار پر چڑھنے کی ممانعت ہے لیکن محل کی چھت پر کے نظارے سے اس مینار پر کا نظارہ کچھ زیادہ بہتر نہ ہوگا۔ **مہاراجہ کالج** ایک عمدہ عمارت ہے جس کا افتتاح سنہ ۱۸۴۴ء میں ہوا۔ شروع شروع میں (۴۴) طالب العلم تھے اور اب ہزار سے بھی اوپر ہیں۔ پندرہ انگریزی داں ماسٹر۔ بارہ مولوی اور چار پنڈت سٹاف میں ہیں اور بھی کئی ہائی سکول راجپوت بچوں کے لیے ہیں۔ (۳۴) ابتدائی مدارس اور ایک زنانہ سکول ہے جس میں سات سو سے لے کر آٹھ سو تک لڑکیاں ہیں۔ ایک بہت بہتر سکول نیمتی کے مکان میں ہے جو پہلے یہاں کا وزیر تھا یہاں کی عمدہ عمارتوں میں ایک **سکول آف آرٹس** ہے جس میں متعدد ٹکنیکل کلاسیں۔ ڈرائنگ نجاری۔ لوہاری۔ طلع سازی۔ نقاشی۔ دھاتوں کا گلانا اور ڈھالنا۔ سنہری رپیلی کام گلکاری۔ نگینہ سازی۔ جڑات۔ میناکاری۔ گھڑی سازی لکڑی اور پتھر پر نقش کاری۔ زردوزی پارچہ بافی وغیرہ وغیرہ ہر قسم کی صنعت اور دستکاری جو انگریزی عمل داری میں مشینوں کی اجرا کے بعد سے

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

خواب دیکھنے لگا لیکن اورنگ زیب کی ڈپلومیسی بہت زبردست تھی ساری باتیں

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) روئی کے موٹے نکالنے کی چرخیاں - جہاں سے اناج پچھوڑتا نکلیہ روئی کے چرخ - تارکشی کی چکریاں - چرسے - موچی اور صدہا قسم کے دستکار اور اُن کے اوزار کی کھٹا کھٹ کا شور و غل ایک عجیب طرح کی مصروف بکار زندگی کا سین دکھلاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص پیٹ کے دھندے میں لگا ہوا ہے اور سب اپنے اپنے کام سے لگے ہوئے ہیں - یہاں ایک مسافر بنگلہ اور کئی ہوٹلیں ہیں جن میں سب سے بہتر قیصر ہند ہوٹل ہے - امبیر کے قدیم اور مہاراجہ کے محلات اور اصطبل دیکھنے کے لیئے پاس لینا چاہئے - مہاراجہ کا محل اور مارکٹ اُن دو بڑی سڑکوں کے جنکشن پر ہے جو سارے شہر کے ساتویں حصے میں پھیلی ہوئی ہیں - محل کا بڑا عالی شان دروازہ جو سرل ڈیوڑھی کہلاتا ہے وہ کالج کے مقابل اور شہر کے بیچوں بیچ میں ہے - محل کا وہ حصہ جو بازار میں سے نظر آتا ہے نہایت خوشنما ہے ہوا محل کہلاتا ہے جس کا بیان سر اڈون آرنلڈ یوں کرتے ہیں کہ ایک شاندار نفیس اور خوبصورت نظارہ - گلابی سنگ بست نو منزلہ اور نازک آگے بڑھے ہوئے نشیمن - جالی دار کھڑکیاں - ایک کے اوپر ایک عجیب وغریب طرز عمارت کی ایک مخروطی شکل کا گویا ایک ہوائی پہاڑ ہے نہایت شاندار جس کا حسن کی ہزارہا جالیوں اور سنہری ملمع کی ہوئی محرابوں میں سے ہندوستان کی سرد ہوا اڑے بڑے اونچے محلات پر سے گذرتی ہوئی آتی ہے - الہ دین کا جادو بھی ایسا عجیب وغریب و نادر محل سکونت نہ بنا سکتا تھا - نہ اس کے مقابلے میں (Peri Banou) پیری بانو کا چاندی سونے کا محل اس سے زیادہ نازک اور دلکش تماشہ بنانے محل کا ایک حصہ ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ بے نظیر عمارت نہایت غور سے دیکھنے کے قابل ہے - محل کے دروازوں سے گذر کر پہلے چوک میں اُن پانچ رصد گاہوں میں جو راجہ جے سنگہ مشہور ہندو ہیئت و ریاضی داں نے گذشتہ صدی میں بنائی تھیں یہ سب سے بڑی رصدگاہ ہے - اس میں مقیاس - قسی دوائر العظام - دوائر ظل - اصطرلاب - ارتفاع معلوم کرنے کے ستون - دیوار دور ربع دائرہ (Mural quadrants) نہایت عالی شان - ملند - پختہ سنگ بست صاف شفاف ستھری استرکاری کیئے ہوئے جن پر درجہ صدی کے خطوط منقوش ہیں - اس کے بعد دیوان خاص کی وسیع عمارت سر تا پا

(بقیہ نوٹ صفحہ آیندہ)

مقابلے پر بھیجا گیا تھا وہ چلا تو گیا مگر راجپوتوں کی تلواروں کی چھاؤں میں سلطنت کا

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) مورچے ہیں جن پر پرانے زمانے کی توپیں چڑھی ہوئی ہیں۔ جے پور نفیس بازاروں اور اپنی چوڑی اور کشادہ سڑکوں کے سبب اور شہروں پر سبقت لے گیا ہے۔ صدر بازار کی سڑک (۵۵) چوڑی اور چھوٹی موٹی گلیاں تک بھی ۲۸ چوڑی ہیں جو زاویہ قائمہ بناتی ہوئی سیدھی نکل گئی ہیں بازاروں میں کثرت سے قوی ہیکل اور توانا اور خوش حال لوگ نظر آتے ہیں جو بنگال اور بمبئی کے عوام کی طرح سوکھے ہوئے فاقہ زدہ نہیں ہیں۔ دولت کی جھلک ہر جگہ نظر آتی ہے۔ فوارے کے پاس چوک جہاں کا لطف اور مجمع ساری دنیا کے نظاروں میں کا ایک عجیب و غریب نظارہ ہے۔ چو طرف دکانیں میوہ جات۔ ترکاریوں۔ اناج۔ کشمیر۔ کانپور۔ مینچسٹر کے خوش نما پارچہ جات سے بھری پڑی ہیں۔ ہزارہا کبوتر غول کے غول فرش پر ہر ہر دکان کے سامنے غٹرغوں غٹرغوں کرتے پھر رہے ہیں۔ بازار میں وہ رونق اور بھیڑ بھاڑ کہ کھوے سے کھوا چھلتا ہے گو سڑکیں چوڑی ہیں مگر پیدل۔ سجے جاے ہاتھی سانڈنی سوار۔ اونٹوں کی قطارہ کی قطار۔ سفید گدھے۔ بیل گاڑیاں۔ راجپوت امرا کی سواری کے ساتھ کی پیدل جمعیت۔ گھوڑے سنہری مغرق زین پوشوں سے آراستہ۔ اس پر بانکا ترچھا سوار تلوار لٹکتی ہوئی خنجر کمر میں پستول لگا ہوا۔ ڈھال پس پشت بندوق ایک طرف غرض سر سے پا تک اوپچی بنا ہوا گھوڑا نچاتا کداتا ہوا شانوں کو تولتا ہوا چلا جاتا ہے۔ سائیس ساتھ ساتھ دوڑ رہا ہے اور چلاتا جاتا ہے۔ ہٹ جانا صاحب۔ بچو صاحب۔ یا مہاراجہ کے نوکر ہیں کہ چیتوں اور یوز بچوں کے گلوں میں زنجیریں ڈالے آنکھوں پر سبز اطلس کی کامدار ٹوپیاں چڑھی ٹہلانے کے واسطے لئے پھرتے ہیں۔ ایک عجب طرح کی ہیل پہل۔ گہما گہمی اور رونق ہے جس کا بیان قلم سے ناممکن ہے ہاں جس نے دیکھا ہے اس کی آنکھیں ڈھونڈتی ہیں۔ گھروں پر ہلکے پیازی رنگ کی استرکاری سورج کے جب مقابل آتا ہے تو عجب پر لطف چمک پیدا ہوتی ہے۔ چھتوں پر عورتیں اور بچے رنگارنگ کے لباس پہنا زیوروں سے لدے گرد ان کے طوطوں۔ کبوتروں اور کوّوں کے جھلڑ کے جھلڑ اڑتے اور منڈلاتے ہوئے کبھی یہاں اترپڑتے ہیں کبھی وہاں۔ نیچے دکانوں میں کام والے اپنے کام میں مصروف ہیں۔ عورتیں چکی پیستی جاتی ہیں اور اپنی سُریلی آواز میں لہک لہک کر گاتی اور اپنی محنت کو ہلکا کرتی جاتی ہیں۔ رنگریز دکانوں کے سامنے کھڑے دو طرف دوپٹے کو پکڑے جھولا دیکر سکھا رہے ہیں۔ کوئی دکان پر بیٹھا حجامت بنوا رہا ہے کوئی نالی میں کھڑا پیتل کے گھڑے سے چھپا چھپ نہا رہا ہے۔

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

جے پور[1] (امیر) بدستور وفادار رہا۔ شاہزادہ اکبر اورنگ زیب کا چھوٹا بیٹا جو باغیوں کے

[1] جے پور ایک بہت مشہور مقام ہے جو راجپوتانے کی خود مختار ریاستوں میں ایک بہت عظیم الشان سٹیٹ ہے۔ رقبہ (۱۵۵۷۹) مربع میل۔ مردم شماری (۲۶۳۶۶۴۷) محاصل۔ لو۔ (۷۰۹۵۹۰) راجہ کا نام۔ مہاراجہ دھیراج سر سوائی مادھو سنگھ۔ سلامی (۲۱) توپ۔ جے پور کا منظر نہایت دلکش اور بے نظیر ہے۔ سارے ملک میں اونچے اونچے پہاڑوں کی قطاریں دور تک چلی گئی ہیں اور جا بجا عجیب و غریب صورت کی چوٹیاں ابھری ہوئی ہیں۔ خشک ریتلے صحرا کے ہیں جن میں چھوٹے چھوٹے ندی نالے مدغم ہو جاتے ہیں۔ سب سے بڑے صحرا کے شمالی طرف پر کہیں کہیں دور دور تک آگے سے سطح زمین تہ و بالا ہو کر چھلکر یلو یا کوبالٹ (ایک قسم کی دھات) تانبا اور نکل کے معدن نکل آئے ہیں جو جیور کے ایملنگ (مینا جیسی) لگانے میں کام آتے ہیں۔ تامڑا۔ یاقوت۔ شب چراغ وغیرہ کے قیمتی جواہر ملک میں ملتے ہیں وہ اس نوع کی مصنوعات میں بہت کام آتے ہیں۔ یہاں کا خاندان بڑا قدیم ہے جس کا بانی اجودھیا کا راجہ رام چندر تھا اور ۹۶۷ء میں اس خاندان کی بنا پڑی تھی۔ مہاراجہ حال پینتیسویں پشت میں ہیں۔ راجہ حال کے والد راجہ ہندوستان کے رئیسوں میں بڑے ہی حوصلہ اور وسیع الخیال تھے جنہوں نے تمام محصول اور مالیہ اور بڑی عظیم الشان کے اخراجات یک قلم موقوف کر کے اسی روپے کو مفید کاموں اور رفاہ خلائق کے امور میں لگایا۔ سارے سٹیٹ میں ان کا نام بڑی نیک نامی سے یاد کیا جاتا ہے۔ راجہ صاحب کی فوج ایک ہزار توپ خانہ۔ ساڑھے چار ہزار سوار اور سولہ ہزار پیدل ہیں۔ ملک کی آمدنی کا قریب نصف حصہ جاگیرات و مندرات کے لگ لگتا ہے۔ جے پور کا شہر خوب صورتی میں ہندوستان میں اپنی نظیر نہیں رکھتا وہ ایک نہایت پسندیدہ مقام ہے جو سطح سمندر سے پندرہ سو فیٹ بلند ہے۔ آب و ہوا نہایت عمدہ اور خوشگوار ہے۔ راجپوتانہ کی تمام راج دھانیوں میں یہ سب سے بہتر اور ہندوستانی شہروں میں یقیناً سب سے عمدہ ہے۔ یہ شہر پہاڑوں کے گھیرے میں ہے جن پر عمدہ عمدہ قلعے بنے ہوئے ہیں جن میں سب سے بڑا نہار گڑھ ہے۔ شہر کے گرد ایک نہایت مستحکم برجی دار فصیل ہے۔ فصیل بیس فیٹ اونچی اور نو فیٹ چوڑی ہے جس میں سات دروازے مع گھونگٹ کے ہیں۔ فصیل میں جا بجا برج اور

(بقیہ نوٹ برصفحہ آئندہ)

بلوے کا شعلہ بھڑک اٹھا - مارڈ وارڈ اور میوارڈ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے مگر

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) ہیں مہاراجہ جودھانے سنہ ۱۴۵۹ء میں اپنے نام پر یہ شہر بسایا تھا اور جب ہی سے یہ راج دھانی رہا ہے - ہندوستان کے خوش منظر شہروں میں کا ایک جودھ پور بھی ہے جو چار سو فیٹ بلند بھر بھرے پتھر کی پہاڑی پہ بنا ہوا ہے جس پر ایک شان دار قلعہ آٹھ سو فیٹ بلند کھڑا ہے جس کا طول و عرض ۵۰۰ × ۲۰۰ گز ہے - دیوان یعنی بڑے ہال کی عمارت کے ہزار ستون ہیں جو ایک وسیع اور خوش نما عمارت ہے - بالا حصار پر سے گرد کا منظر بڑا پر لطف ہے شہر کے گرد ایک مضبوط فصیل ساٹ میل دور کی ہے جس میں سات دروازے ہیں - بازاروں میں سڑک کے دو طرفہ عمدہ عمدہ مکانات راجہ کے محلات امراء اور ٹھاکروں کی حویلیاں ہیں جن میں بعض بعض بڑے متمول ہیں - کئی خوب صورت پختہ گھاٹوں کے تالاب ہیں جن کی سیڑھیاں لب آب تک ہیں اور جن کے گرد جگمگاتے ہوئے مندر اور کنوئیں ہیں - حوالی شہر میں مہا مندر ہے کوئی پاؤ میل فصیل شہر کے باہر بہت دور سے اس کا خوب صورت قبہ نظر آتا ہے - یہ مندر اندر سے بہت آراستہ ہے اس مندر کے پاس دو محل بھی ہیں - ایک بڑے وسیع محل میں مہاراجہ کا پڑو بہت بڑی شان شوکت سے رہتا ہے دوسرے میں ایک اور ریشمی کا سماد ہے جس کے سادپر مغرق شامیانہ تنا ہوا ہے اور کوئی شخص یہاں سو نہیں سکتا - حوالی شہر میں تین میل پہ ایک اور عمدہ مقام مندور کا ہے جو راجپوتوں کی عمل داری سے بھی پہلے ماڑواڑ کی قدیم دار السلطنت تھا - جس ٹیکڑی پر یہ مقام آباد ہے جودھ گیر کہلاتی ہے - یہاں راجاؤں اور امراء کے مقابر ہیں اور کئی عجیب وغریب مورتیں بڑے بڑے سورماؤں کی ہیں - اور آگے بڑھ کر کچھ عمدہ باغات ایک گہری اور شفاف جھیل کے گرد ہیں اس سے تین میل اور آگے ایک اور جھیل بال سمندر نام کی نصف میل لمبی ہے جس میں سنگ سرخ کے کراڑے کھڑے ہیں اور کنارے کنارے تاڑ کے درختوں کی باڑھ ہے - اجیت سنگھ کا ویران محل گو کھنڈر ہے اور چمگادڑوں اور سانپ بچھوؤں کا مسکن ہے مگر پھر بھی دیکھنے کے قابل ہے - اس میں ٹی کی بھاری بھاری مورتیں دیوتاؤں اور رشیوں کی ہیں -

لڑائے ہوئے تھے سب بھڑک گئے اور سیواجی کی طرف جھک پڑے جو ہندوؤں کی ساری قوم کی بڑی تیج کرتا تھا۔

جزیہ اورنگ زیب کی سلطنت کا زمانہ خونریزی کے دھبے سے آلودہ نہیں ہے وہ صرف ہندوؤں کو پریشان کرنے ان کے مذہب میں دست اندازی اور توہین کرنے ان پر دباؤ ڈال کر مسلمان کرنے ہی کو بڑا کام سمجھتا تھا۔ اسی پالیسی کے اصرار میں اس نے راجہ جسونت سنگھ متوفی کے بچوں کو گرفتار کر لیا تھا جس سے ظاہری قیاس تو یہی ہوتا ہے کہ وہ انھیں مسلمان کرنا چاہتا تھا یا کم سے کم یہ کہ انھیں مسلمانوں کی طرح اٹھانا چاہتا تھا۔ (۱۶۷۸ء؟) اور پھر اگلے سال ۱۶۷۹ء میں حالاں کہ سب ہی نے تو منع کیا مگر اورنگ زیب نے کسی کی نہ سنی اور جزیہ جسے اکبر نے اپنی انتہا دانش مندی سے ۱۵۶۵ء میں موقوف کر دیا تھا دوبارہ جاری کر دیا۔

راجپوتوں کی بغاوت راجہ جسونت سنگھ نے کابل میں ۱۶۷۸ء میں انتقال کیا۔ راجپوتوں میں کھلبلی تو پہلے ہی سے مچ رہی تھی اور دھیمی دھیمی آگ سلگ رہی تھی راجہ ایک بیوہ اور دو بچے چھوڑ کر مرا۔ اورنگ زیب نے ان بچوں کو لے لینا چاہا لیکن راجہ کے ایک جری سردار درگا داس نے کسی نہ کسی طرح وہاں سے نکال کر لڑکوں کو جودھپور[1] پہنچا دیا۔ مگر اورنگ زیب کی اس دست درازی سے راجپوتانے میں ایک سخت

[1] جودھپور ہی کو مارواڑ بھی کہتے ہیں۔ راجپوتانے میں ایک بہت بڑا اسٹیٹ ہے۔ اس کا انتہائی طول تین سو اور انتہائی عرض (۱۲) میل ہے۔ رقبہ (۳۴۹۶۳) مربع میل ہے مردم شماری (۲۰۵۷۵۳) محاصل چھیاسٹھ لاکھ۔ راجہ کا نام ہز ہائینس مہاراجہ سر پرتاب سنگھ ہے اور سترہ توپیں سلامی کی ہیں۔ مارواڑ جنکشن سے دارالحکومت (۴۴) میل ہے۔ سارا میدان ریتیلا ہے جابجا جھاڑی دار پہاڑیاں چھ سو سے ہزار فیٹ تک اونچی موجود ہیں۔ ان میں سے بعض کی چوٹیوں پر مندر بنے ہوئے ہیں۔ ایک پہاڑی کا نام ڈونی کہلاتی ہے اس کی بلندی ہی ایک سو ہزاری اتنی ساہو ہے زمین کم حیثیت اور کم پیداوار کی ہے البتہ دریا ئے لونی کے وادی کے علاقے میں پیداوار اچھی ہوتی ہے۔ یہ دریا مارواڑ اور جودھپور کے بیچ میں ہے یہاں میں سوائے ٹھاکروں کے مکانات کے جھونپڑیاں ہی جھونپڑیاں نظر آتی ہیں۔ یہی ٹھاکر جاگیردار کی (بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

امن کے بیس سال

آسام اور آراکان کی مہموں سے ہندوستان میں کچھ بدامنی نہیں ہوئی بلکہ پورے بیس سال تک بلا کسی قسم کے بلوے یا فساد کے تمام شمالی ہند میں کامل اطمینان کی حالت رہی البتہ صرف تین سال تک (۷۵-۱۶۷۲ء) افغانی جرگوں نے دریائے سندھ کے پار کچھ شورش برپا کر رکھی تھی اور اورنگ زیب کو خود اپنے سپہ سالاروں کے کام کی نگرانی کو جانا پڑا لیکن سرحد شمال مغرب کی جھڑپوں سے ہندوستان کے امن عامہ میں کوئی خلل نہیں آیا۔

مذہب اہل ہنود پر دست درازی

سرحدی جنگ سے زیادہ اہم معاملہ وہ نمایاں تبدیلی تھی جو اورنگ زیب کے طرز عمل سے ۱۶۷۲ء میں ظاہر ہوئی۔ اس سے قبل اورنگ زیب کے پاؤں ایسے نہ جمے تھے کہ اپنے دلی منشا کا پوری طرح اظہار کرسکتا لیکن اب جب کہ کافی طور پر چوطرف سکہ بیٹھ گیا تو اورنگ زیب نے بت پرست رعایا کی خبرلی اور بت پرستی کی بیخ کنی شروع کی۔ اس نے اپنے صوبہ داروں کو بے دھڑک حکم دے دیا کہ ہندوؤں کی تعلیم گاہیں اور معابد بے محابا ڈھا دیئے جائیں اور بت پرستی کی تعلیم اور بتوں کی پرستش کا انسداد سختی سے کیا جائے۔ لیکن لوکل حالت اس بات کی مقتضی نہ تھی کہ ایسے احکام کی پوری پوری تعلیم ہوسکے۔ پھر بھی شاہی حکم تھا اور وہ بھی اورنگ زیب کا کچھ ہنسی ٹھٹا نہ تھا ایک حد تک ان احکام کی تعمیل ہوئی رہی ہوئی جس کا ایک بدیہی ثبوت مسجد کے وہ بلند مینار ہے ہیں جو بنارس میں لب دریائے گنگ کھڑے ہیں یہ مسجد مندر کو منہدم کرکے بنائی گئی ہے۔ جاترا اور میلوں کی موقوفی۔ باجے گاجے اور ناچ رنگ کی بندش شعرا اور مصنفین کی زبان بندی۔ تاریخ نویسی کی ممانعت۔ یہ سب احکام بھی جاری کیئے گئے۔ البتہ جاتریوں پر کوئی خاص محصول نہیں لگایا گیا کیوں کہ ایسا محصول جس کا ماخذ بت پرستی ہو اورنگ زیب کے نزدیک ناجائز تھا۔ یہ سارے اسباب ایسے اکٹھے ہوگئے تھے کہ ہندو مسلمانوں میں مغایرت کا میدان روز بروز وسیع ہوتا جاتا تھا۔ راجپوت رئیس جو کئی پشت سے وفاداری سے جان

اور اراکان کی دو لڑائیاں بھی قابل ذکر ہیں۔ میر جملہ اورنگ زیب کا وہ قابل جرنیل تھا جس نے دکن کی مہموں میں بڑے نمایاں کام کیے اور پھر شجاع کے مقابلے میں اس نے بڑا کام دیا۔ اس کی بے چین طبیعت نے بیٹھنے نہ دیا اب بے دھڑک آسام جا چڑھا۔ میر جملہ کو اس مہم میں ناکامیابی ہوئی اور وہاں سے واپس آتے ہی اس نے ۱۶۶۳ء میں انتقال کیا۔

اراکان کے ایک حصے کی فتح

اسی سال نواب شائستہ خاں جو دکن میں مرہٹوں کے ہاتھ سے تنگ آگیا تھا میر جملہ کی جگہ بنگال بھیج دیا گیا۔ بنگالے پر شائستہ خاں نے تیس برس حکومت کی۔[1] یہ وہی شائستہ خاں ہے جس نے ۱۶۸۶ء میں انگریز تاجروں کو اپنے علاقے سے بدر کر دیا تھا اور اس سے پہلے بھی ۱۶۶۱ء میں اسی نے پرتگیزوں اور دوسرے بحری قزاقوں کو جو چٹاگانگ کے اطراف کثرت سے بکھرے ہوئے تھے صاف کر دیا تھا۔ اسی نواب نے اراکان کے راجہ پر چڑھائی کی جو بدمعاشوں کا حامی تھا۔ راجہ ایسا تنگ ہوا کہ اس نے چٹاگانگ کا علاقہ حوالے کر دیا۔

---

[1] ہندوستان کے مشرقی کنارے پر سب سے پہلے انگریزوں کی تجارتی کوٹھی ۱۶۲۵ء میں آرمگاؤں ضلع نلور مچھلی پٹن ضلع کرشنا میں بنی اور چند سال کے بعد ۱۶۳۳ء میں بالاسور اور دوسرے غیر معروف مقامات پر (پپلی پور اوڑیسہ) میں بنیں۔ ۱۶۵۱ء میں ایک کوٹھی ہگلی میں بعلہ جس خدمات کی ڈاکٹر گیبریل بوٹن کے بیج جس نے صوبہ دار بنگال کے گھر میں بڑے معرکے کا علاج کیا تھا۔ چارناک سے جو ہگلی کی کوٹھی کا صدر تھا ۱۶۸۶ء میں کلکتہ میں ایک اور شاخ کھولنی چاہی لیکن نواب شائستہ خاں کی دشمنی کی وجہ سے وہاں سے اسے بھاگنا پڑا اور مدراس میں جا کر پناہ لی پھر ۱۶۹۰ء میں اورنگ زیب سے دوبارہ حاصل کر کے ایک چھوٹی سی کوٹھی قائم کی گئی جو بڑھتے بڑھتے آج کلکتہ جیسا مشہور مقام ہو گیا جو برٹش انڈیا میں درجۂ دوم کا شہر ہے۔ شائستہ خاں ۱۶۶۳ء میں دکن سے بنگال بدلا گیا جس ۱۶۹۴ء میں آگیا لیکن سال اور حساب عمر ہی ترانوے سال کی عمر میں آگرے میں انتقال کیا۔

اس بات کا الزام اورنگ زیب کے سر منڈھنا کہ اُس نے اپنے بھائیوں کو مارا نری زبردستی ہے۔ اورنگ زیب نے اگر بجائے اپنی دوستی قبول کرنے کے دوسروں کو تہ تیغ کیا تو کون سی انوکھی بات کی۔ رہی باپ کی معزولی وہ دارا شکوہ کی شکست کا ایک لازمی نتیجہ تھا کیوں کہ دارا شکوہ اپنے مُسن باپ کی مرضی کے موافق سلطنت کا کل کاروبار اپنے ہاتھ میں لے چکا تھا اُس شکست کے بعد وہ اس قابل نہ رہا تھا کہ بادشاہت کے اہم و سترگ امور اُس کے ہاتھ میں چھوڑے جا سکتے۔ رہا شاہ جہاں وہ خود اس قابل نہ رہا تھا کہ سلطنت کا بار اُٹھا سکے لہذا ناچار معزولی کی نوبت آگئی مگر پھر بھی اورنگ زیب باپ کی جان کا لاگو نہیں ہوا ہاں یہ ضرور ہوا کہ اُس کی آزادی سلب کی گئی اور اہتمام سختی سے کیا گیا۔ دارا شکوہ کو خود ہی بڑی بھاری ناکامیابی ہو چکی تھی اس کے بعد اُس کے ساتھ وحشیانہ سلوک بیشک بالکل بیجا تھا جس کی وجہ اورنگ زیب نے اُس کی لا مذہبی عقائد اسلام سے ایسا تنفر و انحراف جو حد کفر تک پونہچتا ہو بیان کی ہیں۔ اورنگ زیب کا بڑا بھائی دارا شکوہ ایک آزاد خیال آدمی تھا جس سے اورنگ زیب جو مذہبی رنگ میں رنگا ہوا تھا بہت کھٹکتا تھا اور اورنگ زیب کے نقطۂ خیال سے وہ ایسے ہی ذلت آمیز سلوک کا سزاوار تھا۔ اورنگ زیب کی ہر بات میں مذہبی جھلک تھی وہ دنیا کو دین کی عینک سے دیکھتا تھا۔ اُس کی مذہبی راسخ الاعتقادی کی وجہ سے ہندوؤں سے یگانگت اور یک جہتی کا منصفانہ برتاؤ اُس کی نظر میں کچھ وقعت نہ رکھتا تھا۔ اس نے سپین کے بادشاہ فلپ دوم کی سی وہ پالیسی اختیار کی تھی جو اُس نے نذرلینڈ کے لوگوں کے ساتھ مرعی رکھی تھی۔ اُس بادشاہ کی طرح یہ بھی بڑا متشکی تھا اور مرد یا عورت کسی باشندہ کسی پر اس کا بھروسہ نہ تھا۔ اورنگ زیب کی تقدیر میں کسی سے لہنا نہ تھا وہ بہتیرا اپنی طرف سے کسی پر جان چھڑکے مگر سوائے ایک اُس کے پوتے بیدار بخت کے اور کوئی اُس سے اچھائی کا معاوضہ نہ کرتا تھا۔

آسام پر میر جملہ کی چڑھائی

اورنگ زیب کی سلطنت کے شروع زمانے میں بجز اُن لڑائیوں کے جو تخت سلطنت لینے کے واسطے ہوئیں آسام

ضلع میں ایک مقام پر دیکھا کہ دو سو سے زیادہ پختہ مینار تیں یا چار گز اونچے بنے ہوئے تھے جن میں سے ہر ایک میں تیس سے کر چالیس تک لٹیروں کی کھوپڑیاں گچ میں چنی ہوئی تھیں جب چند مہینے کے بعد اس کا گزر اسی مقام پر پھر ہوا تو دیکھا تو ساٹھ مینار سے اور بن گئے تھے ان میناروں میں اگر کم سے کم تعداد تیس سروں کی بھی رکھی جائے تو ۲۶×۳ = ۷۸ کے۔ اس طرح صرف ایک ہی مقام کے صوبہ دار نے تھوڑے سے دنوں میں آٹھ ہزار آدمیوں کے سر اڑوا دیئے تو اس قتل کا کیا ٹھکانا ہے۔ یہ بات کچھ تعجب کی نہ تھی کہ بڑے بڑے شہروں کے پاس اس قسم کے منارے کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح اور بہت سے ہمعصر مورخین کی شہادت بھی شاہجہاں کی گورنمنٹ کی بدنظمی کے متعلق پیش کی جا سکتی ہے جو کہ (خاص کر) اوائل زمانِ سلطنت میں تھی۔ سنہ ۱۰۵۸ھ = ۱۶۴۸ء کے مابین البتہ سعد اللہ خاں وزیر نے اس بدنظمی کی ایک حد تک اصلاح کی جس کے لیئے سعد اللہ خاں بہ نسبت اس کے "عاقبت اندیش بادشاہ

(بقیہ نٹ صفحہ ۴۹۶) نکلے۔ ان کوئیں کی گرد کی منڈیر پر

Sacred to the perpetual memory of a great company of Christian people, chiefly women and children, who near this spot were cruelly murdered by the followers of the rebel Nána Dhundu Panth of Bithur, and cast, the dying with the dead, into the well below, on the XV day of July, MDCCCLVII

ترجمہ: مقدس دوامی یادگار ایک بڑی تعداد عیسائی لوگوں کی جن میں زیادہ تر عورتیں اور بچے تھے جن کو اس جگہ کے قریب بٹھور کے نانا دھونڈو پنتھ باغی اور اس کے ہمراہیوں نے بے رحمی سے قتل کیا اور مردوں کے ساتھ مرتے ہوؤں کو بھی اس کوئیں میں ۱۵ جولائی ۱۸۵۷ء کو ڈال دیا۔ گورنمنٹ نے یہاں ایک بہت بڑا عمدہ لیس باغ بنوا دیا ہے جس کے بیچ میں یہ یادگار ہے۔ میموریل گارڈن۔ اور وہ گھاٹ جہاں دیگر قتل کیئے گئے تھے ستی چورا گھاٹ کہلاتا ہے تاریخی مقام ہیں۔ ایک نہر کانپور سے بہاؤ نکالی گئی ہے جو لوگ وقت کی مدد نہیں جانتے وہاں تجارت ادھر سے بھی کثرت سے لاتے ہیں تھوڑے پانی کے لگ جاری ہیں ... آبادی بکثرت ہے

یقین کیا جاتا ہے کہ جو سلطنت اتنی بہت سی سفاکیوں اور اتنے بہت سے بے گناہوں کے قتل کے بعد حاصل کی گئی ہو کبھی پنپ نہیں سکتی" اورنگ زیب کا نہایت مطعون ذاتی کیرکٹر درحقیقت شاہ جہاں کے بڑے پسندیدہ کیرکٹر سے اعلیٰ (وارفع) تھا جو دغاباز۔ سنگ دل۔ عیاش اور حریص[۱] تھا۔ عدل و انصاف جس کے لیئے اس کا شہرہ ہے وہ کسی طرح اُس کے باپ کی وحشیانہ تند خوئی سے بہتر نہ تھا۔ پیٹر منڈی شاہ جہاں کے اوائل زمانِ سلطنت (۱۶۳۲ء) کا نقشہ یوں کھینچتا ہے کہ "جب ہم پٹنہ میں تھے تو سفر خواہ وہ بحری ہو یا خشکی کا غیر محفوظ تھا کیوں کہ یہ ملک کیا بلکہ سارا ہندوستان باغیوں اور لٹیروں سے بھرا ہوا تھا" صوبہ دار بدنظمی کا دفعیہ بالعموم قتل عام سے کیا کرتے تھے جن سے کوئی مواخذہ بادشاہ کی طرف سے نہیں کیا جاتا تھا۔ منڈی صاحب نے کانپور[۲] کے

---

[۱] انگریزی کے الفاظ یہ ہیں Who was treacherous, cruel, sensual and avaricious. (انگریزی مورخین کے منہ سے جیسے کچھ پھول جھڑے ہیں بجنسہ ہم نے نقل کر دیا کہ نقل کفر کفر نباشد۔ ہم پر کچھ الزام نہیں۔ [۲] کانپور ایک ضلع ہے جس کا رقبہ (۲۳۰۷) مربع میل ہے۔ یہاں چار ریلیں ملی ہیں۔ ای آئی آر۔ اودھ رُہیلکھنڈ۔ بمبئی بڑودہ اور جی آئی پی۔ یہ ایک بہت بڑا سول اور ملیٹری سٹیشن ہے جو گنگا کے جنوبی کنارے پر آباد ہے۔ کانپور ایک بڑا بھاری مرکز تجارت کا ہے جہاں بہت سے کارخانے ہیں جن میں سے مشہور۔ وولن ملز۔ میور ملز۔ ایلجن ملز۔ کانپور کاٹن ملز۔ کوپر ایلنز بوٹ اینڈ لدر ایکوئپمنٹ فیکٹری۔ گورنمنٹ ہارنس فیکٹری۔ نارتھ ویسٹ ٹینری۔ کانپور شوگر ورکس۔ ایمپائر فلور اور جننگ ملز۔ اس کے علاوہ متعدد ہندوستانی بڑے بڑے کارخانے چرمی سامان کے ہیں۔ اپر انڈیا چیمبر آف کامرس کا مستقر یہی ہے اور غلہ اور روئی کی بڑی بھاری منڈی ہے۔ کئی اچھی ہوٹلیں ہیں۔ کئی ملوں کو ریل کی شاخ بھی جاتی ہے۔ کلکٹر گنج میں پورب لین کا مال گودام ہے۔ کانپور میں بڑا تاریخی مقام میموریل ویل یعنی وہ یادگاری کنواں ہے جس میں مقتولین غدر کی نعشیں ڈالی گئی تھیں۔ اس کنوئیں کے گرد ایک نفیس احاطہ ہے جس کے بیچ میں ایک فرشتے کا مجسمہ کھڑا ہے۔ دروازے کی محراب پر یہ کتبہ ہے These are they that came out of great tribulation (یہ وہی لوگ ہیں جو بڑی مصیبت سے

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

اس فقرے نے لوگوں کو مغالطے میں ڈالا ہے کہ "شاہ جہاں اپنی رعایا سے ایسا
غیر معمولی نرمی کا سلوک کرتا تھا کہ جیسے باپ" اس قول کی مزید تائید الفنسٹن صاحب کی
تحریر سے ہو گئی۔ انہیں اقوال کے بھروسے پر شاہ جہاں کے ذاتی کیرکٹر کی
عمدگی اور اس کے نظم و نسق کی مرضی انتظامی قابلیت کی تعریف استحقاق سے زیادہ کر
یہ لوگ جھک پڑے ہیں اور نگ زیب پر بالعموم ملامت کی بوچھاڑ اس وجہ سے کی جاتی ہے کہ
اس نے حصولِ تخت کے لیئے اپنے بھائیوں کو قتل کر کے رستہ صاف کیا
دراں حالیکہ شاہ جہاں کا طرز عمل بھی ٹھیک اسی طرح کا تھا لیکن وہ حرف گیری اور مطاعن
سے صاف بچ گیا۔ یہ اپنا اپنا لہنا ہے کسی کے لیئے گھی کے گھڑے اور کسی کے لیئے
چھر پڑے۔ الفنسٹن نے شاہ جہاں کو یہ امتیاز بخشا ہے کہ "اس کی زندگی ہر قسم کے داغ دھبے سے مبرا
تھی" (لیکن) بجائے مورخین داخلی واقعات کو ان سے بہتر جانتے ہیں۔ ٹیورنیر کی (قلم سے) اگرچہ یہ
فقرہ نکلا ہے مگر (آگے چل کر) اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ "شاہ جہاں نے ... ان تمام لوگوں کو جو اس کے
بھتیجے کی طرفداری میں ملوث تھے قتل کروا ڈالا اور اس کی سلطنت کا شروع زمانہ ایسے ایسے مظالم کے سبب
مشہور ہو گیا ہے جس کی وجہ سے اس کی یادگار میں بڑا دھبہ لگ گیا ہے" ڈچ مصنف وان ڈن
بروک Van den Broeck (ڈی لاٹ میں) نے ۱۶۲۹ء
یا ۱۶۳۰ء میں لکھا ہے کہ "نئے بادشاہ کا طرز عمل ابھی بخوبی ظاہر نہیں ہوا لیکن

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۹۴) می شود و اشرف خاں ایں بیت گفتہ۔ ع

سالِ تاریخ فوت شاہ جہاں — رضی اللہ گفت اشرف خاں
دیگر۔ چوں شاہ جہاں خدیو قدسی ملکات — بر داشت عزم عقبیٰ تخت حیات
جستم ز خرد سالِ تاریخش را — گفتا خردم شاہ جہاں کرد وفات
دیگر۔ ہر تاریخ وصالش ز خرد کردم سوال — گفت سید ل بسریر قرب یزداں جا کرے
دیگر از عبد الرحمٰن۔ آنکہ فردوس آشیاں آمد — ثانی صاحب قراں آمد
شاہ گیتی پناہ شاہ جہاں — چوں ز دنیا شدہ بقصر جناں
از رجب ماہ بود بست و ششم — کہ رسالی شدہ بچرخ ہم
سال تاریخ رحلتش رضواں — زود رقم زد کہ شد شاہ جہاں
روضۂ او بہ اکبر آباد است — ہمچو فردوس عرش بنیاد است

یہ سکہ امیروں اور منصب داروں کے انعام کے لئے مقرر تھا عوام میں رائج نہ تھا چنانچہ شاہجہاں نامے میں مرقوم ہے کہ "در سال سی و یکم جلوسی بتاریخ سوم جمادی الثانی ۱۰۶۷ھ کہ روز شرف آفتاب بود مبارز خاں بعنایت خلعت، و اسپ بازین نقرہ و فیل مغرز گشتہ بہ تنبیہ ... ترروانہ شد و ہمت خان بخطاب ... افغانہ پالصندی یہ منصب دو ہزاری و ہزار سوار و اسپ و علم و جاگیرداری دولن سری نگر و سلطان نظر برادر سیف خاں بمنصب ہزاری شش صد سوار و بعنایت خلعت و اسپ بازین مطلا و انعام پانزدہ ہزار روپیہ و یک مہر صد تولگی و یک روپیہ ہمیں وزن مفتخر و مباہی گردیدہ رخصت یافتند"

شاہ جہاں کی وفات

شاہ جہاں نے بحالت قید چہتر برس کی عمر میں یکم فروری ۱۶۶۶ء[1] کو انتقال کیا اور تاج گنج میں اپنی پیاری بیوی کے پہلو میں دفن ہوا۔

شاہ جہاں کا کیرکٹر اور ملکی انتظام

سن تو سہی ہے خلق میں تیرا فسانہ کیا
کہتی ہے تجھ کو خلقِ خدا غائبانہ کیا

اکثر مورخین زمانِ حال عہد شاہ جہانی کی شاندار سربفلک عمارتوں کی خوبصورتی اور نزاکت کو دیکھ عالم تحیر میں پڑ گئے ہیں ٹیورنیر سیاح کے

[1] شب دوشنبہ ۲۶ رجب ۱۰۷۶ھ بہ مقام اکبرآباد وفات یافت۔ ایام شاہزادگی (۳۶) سال و یازدہ ماہ قمری و ایام سلطنت تا آخر روز شعبان سنہ ۱۰۶۸ھ ... انکو ایام معزولی و محبوسی از غرہ رمضان سنہ الیہ تا روز وفات ... چنانچہ مجموعہ عمر آں سریر آرائے سلطنت ... بودہ و بحساب سال شمسی (۷۴) سال و (۱۸) روز می شود۔ لقب او بعد وفات "اعلیٰ حضرت فردوس آشیانی" قرار یافت و بر مرقد او کہ یک تخت از سنگ مرمر است ایں عبارت مرقوم است: "مرقد منور و مضجع مطہر بادشاہ رضواں دستگاہ خلد آرام گاہ اعلیٰ حضرت علیین مکانی فردوس آشیانی صاحبقران ثانی شاہجہاں بادشاہ غازی طاب ثراہ وجعل الجنت مثواہ در شب بست و ششم شہر رجب سنہ ہزار و ہفتاد و شش ہجری از جہان فانی بنزہت گاہ جاودانی انتقال کردند" شعرائے نکتہ سنج در تاریخ او نظمہا گفتہ اندازاں جملہ یکے ایں ست ع زعالم سفر کردہ شاہِ جہاں۔ اما یک عدد زیادہ
(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

حالت ۔ قایم ستھے تو بالئا باعتبار مجموعی حیثیت کے اُن کا حواب دنیا کے پردے پر اور کہیں نہ تھا۔ چند سال کے پہلے لارڈ کرزن کی وسیرالٹی کے زمانے میں آگرے اور دلّی اور بہت سے مقامات کی مغلیہ عمارتوں کی بہت کچھ سنبھال کی گئی اور ایک سلسلہ دوامی نگہداشت کا قایم کیا گیا جس کے سبب سے ان قابل یادگار عمارتوں کا جو سارے ہندوستان کو فخر ہو بہت کچھ انتظام ہوگیا۔ انڈو پرشن (ہندوستانی اور ایرانی) طرز کی نقاشی کا کام جو اس عہد میں کیا گیا ہے وہ نہایت نفیس اور اعلیٰ درجے کا ہے جس میں متعدد دلکش مرقعوں اور تصاویر کا سلسلہ بھی ہے۔ ۱۰۴۶ھ میں شہر شاہ جہان آباد کی فصیل پتھر اور گارے کی بنوائی گئی لیکن بارش میں وہ ٹک نہ سکی لہذا پھر پختہ کرادی گئی جو اب بھی شہر کے گرداگرد جا بجا موجود ہے۔ شاہ جہاں ۱۰۵۳ھ میں کشمیر جاتے جاتے دلّی ہو کے گزرا تھا اور ادھر ہی سے اگلے سال واپس بھی ہوا دلّی اور آگرے کے درمیان دارا شکوہ کے لڑکا پیدا ہوا۔ پوتے کے پیدا ہونے[1] کی خوشی میں بادشاہ نے اُس عجیب و غریب تخت طاؤسی پر پہلے پہل جلوس فرمایا جو سات برس میں طیار ہوا تھا۔

سکہ | شاہ جہاں بادشاہ نے سوائے مروجہ سکوں کے ایک عجیب و غریب اشرفی بوزن دو صد مہر مسکوک کرائی چنانچہ ایک اس قسم کی اشرفی جو ۱۰۶۴ھ سنہ ۲۸ جلوس میں مضروب ہوئی تھی اب بھی لندن کے عجائب خانے میں محفوظ ہے اس کے دو طرفہ حسب ذیل ابیات ہیں۔

سکہ زد بر دو صد مہر از فضل الٰہ ثانی صاحبقران شاہ جہاں دین پناہ تا کہ ز رباد ہر نقش سکہ اش عالم فروز تا شود از پرتو او رسید سکہ اش سرد ماہ

داد ملک از صدق بوبکر شکوہ [illegible] اسلام قوی دست شد از عدل عمر دین تازہ شد از حرم و حیائے عثمان از علم علی یافت ولایت زیور

(۱)

شہاب الدین
صاحب قران ثانی
شاہ جہاں بادشاہ غازی

سکہ بر مہر دو صد مہری

(۲)

لا الہ الا اللہ
محمد الرسول اللہ
ضرب دارالخلافہ شاہجہان آباد

از صدق ابو بکر شد
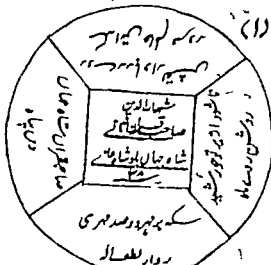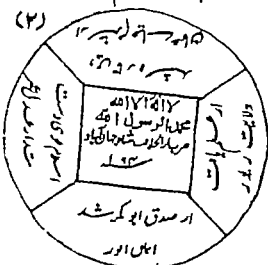
[1] تاریخ ۲۲ رمضان ۱۰۵۳ھ در خانہ دارا شکوہ از بطن دختر سلطان پرویز فرزندے بوجود آمد بہ سلیمان شکوہ موسوم گردید کہ بہ تکرار یکبار تاریخ ولادت میر ازاں نام مستخرج می گردد۔

شاہ جہاں کا سب پر تفوق

گو کم وبیش سب سلاطین مغلیہ کو فن تعمیر کا عمدہ مذاق تھا مگر شاہ جہاں ان سب پر سبقت لے گیا۔ ساری مغلیہ عمارتوں کی جان یا سب کا سرتاج تاج گنج ہے جس کی تعمیر میں مسلسل بائیس برس تک ہزارہا آدمی لگتے رہے۔ آگرے کے قلعے میں اس نے ایک نہایت عالی شان اور پرتکلف محل بنوایا شاہ جہان آباد کا شہر اسی کا بسایا ہوا ہے لال قلعہ اور اس کے اندر کے نادر محل ۱۰۴۸ء میں اسی نے بنوائے۔ جب وہ محلات اپنی اصلی

ؔ دیوان خاص قلعۂ اکبر آباد۔ چوں در سنہ ۱۰۴۰ھ دیوان خاص اندرون قلعۂ اکبر آباد بحکم شاہ جہاں تعمیر یافت این ابیات اندرون آں منقوش نمودند ؎

ازیں دل کشا قصر عالی بنا	سر اکبر آباد شد عرش سا
بود کنگرش از جبین سپہر	نمایاں چو دندان سین سپہر
سجودے دریں سراے سرور	کند سر نوشت بد از جبہ دور
شرافت سیکہ آید در شان او	سعادت در آغوش ایوان او
رہ جور از بیش و کم بستہ است	بزنجیر عدلش ستم بستہ است
بنازم بزنجیر کز عدل شاہ	ہمہ چشم شد در رہ دادخواہ
بر احوال مردم چنان بر حساب	کہ دارند چہ بینند شبہا بخواب
درا یوان شاہی بعہد اخنشام	چو خورشید بر چرخ بادا مدام
چو ایوان او عالم آراے شد	سر خاک از آسماں سائے شد
شہنشاہ آفاق شاہ جہاں	کہ نازد باو روح صاحبقران
باین رونق وزیب وزینت مکاں	ندیدہ بروے زمیں آسماں
بود صحن بامش چو سیما کے مہر	بزیرش فتادہ چو سایہ سپہر
بتاریخ اندیشہ آدر درو	در فیض شد باز از چار سو
چنیں گفت طبع حقایق شناس	سعادت سراے ہمایوں اساس
	۱۰۴۰ھ

تاریخ قصر از طالب کلیم ؎

پیش دولت سراے شاہ جہاں	طاق کسریٰ جبیں نہد بر خاک
بہر تاریخ قصر او بدعا	قدسیاں گفتہ اند از دل پاک
طاق ایوان بادشاہ جہاں	باد محراب انجم و افلاک
	۱۰۴۰ھ

ہوا ہے وہ بھی اپنے طرز میں لاثانی ہے۔ جہانگیر کے عہد کی اور کئی عمارتیں لاہور میں موجود ہیں۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۹۰) کوشش کرتی ہے کہ ارزانی ہو مگر فری ٹریڈ کی پالیسی نے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے ہیں۔ دست اندازی سے متعذر رہنے کا سودا ہے۔ گھی اگر تولوں پر آجائے تو بھی مواخذہ نہیں کیا جا سکتا حالت موجودہ میں زیادہ تر طمع۔ احتکار اور لالچ کا شمول ہے۔ پہلے قرار داد نرخ اشیاء میں یہ امر مختاری کب تھی۔ اس کے علاوہ ہندوستان کی پیداوار ہندوستان ہی میں کھپ جاتی تھی۔ گھی کہاں گیا کھچڑی میں اور کھچڑی کہاں گئی پیاروں کے کلیجے میں اب اکسپورٹ (برآمد) نے گھر کس نکال دیا۔ ؎ مردند خاقہ مسر بانان　　علوہ بہ جان دیگراں شد

ایک بارش نہیں دس بارشیں ہوں طوفان نوح بپا ہو جائے۔ پانی سے جل تھل بھر جائیں۔ پیداوار اُمنڈ جائے مگر ارزانی نہیں ہوتی۔ ہوتی نظر آتی ہے۔ کیوں کہ اس گرانی کا سبب کمی پیداوار نہیں ہے بلکہ پیداوار کا حمل و نقل ہے اسی وجہ سے گورنمنٹ نے مجبور ہو کر کنٹرولر آف ووڈسٹفس ایک نیا عہدہ دار قایم کیا اور غلہ کی درآمد برآمد کی روک تھام کی ہے جب یہ درجہ ایں رہ صاحب نے کیا تھا۔ ولسنٹ سمتھ صاحب شاہجہاں کے تو ذخیرہ خزانے کو ظلم و جبر کا نتیجہ بتلاتے ہیں اور رام پرشاد کھوسلا اپنی تاریخ میں جس کی ترتیب مسٹر واتھس ایم۔ اے نے کی ہے اس صفحہ (۱۹۱) میں لکھا ہے کہ

"This clearly speaks of the prosperity of the people, in as much as these treasures were not accumalated by oppression. On the contrary Shah Jahan was much loved by his subjects as a lenient and beneficent sovereign"

اس کا ماحصل یہ ہے کہ شاہجہاں نے جو بے شمار خزانہ چھوڑا یہ رعایا کی فارغ البالی کا ثبوت بین ہے خصوصاً جبکہ یہ خزانہ ظلم سے جمع نہیں کیا گیا تھا برخلاف اس کے شاہجہاں کو اس کی رعایا عزیز رکھتی تھی کیوں کہ وہ ایک رحم دل فیض رساں بادشاہ تھا" اب اس کے ساتھ As system of organised brigandage (وہ ایک سلسلہ تھا قزاقوں کے جتھے کا) کو ملایئے اور ٹھنڈے دل سے فیصلہ کیجئے کہ سچی بات کون سی ہے۔ ولسنٹ اسمتھ صاحب کی باتیں دہری جائیں اور آڑائی جائیں اور پھر یہی کتاب داخل نصاب تعلیم ہے۔ اس سے طلبا کے دلوں پر وقعت سلاطین مغلیہ کا جتنا ہوگا ظاہر ہے ۱۲

جو عام طور پر پسند کی جاتی ہیں۔ آگرے کے پاس سکندرے میں اکبر کا مقبرہ جہانگیر نے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۸۹)

اب اُن کا نام نشان بھی نہ رہا۔ سونا اُچھالتے چلے جاؤ کوئی پوچھتا بھی نہیں۔ ذرائع آبپاشی کی وہ توفیر کہ آج جنگل میں منگل ہے۔ چھکڑے کی جگہ ریل کی ریل پیل ہے زمین کی طنابیں کھنچ گئیں مہینوں کے سفر دنوں میں پورے ہونے لگے۔ سفر صورت سقر سے وسیلۃ الظفر ہو گیا۔ ہرکاروں کی جگہ تار برقی نے لی منٹوں میں ہندوستان کے اس سرے سے اس سرے تک خبر دوڑنے لگی۔ رعایا کو وہ آزادی ملی کہ جس کا خواب وخیال بھی نہ تھا۔ ہر شخص اپنے گھر میں مگن ہے۔ امیر شال دوشالے میں فقیر اپنی گدڑی میں۔ کوئی نہیں پوچھتا کہ تمھارے منہ میں کے دانت ہیں۔ برٹش گورمنٹ کی رعایا پروری۔ امن وآسایش کا کیا کہنا اس زمانے کی برکات لاتحصی ولاتعد ہیں۔ یہ سب کچھ ہے اور مغرور ہے ان کا اعتراف نہ کرنا کفران نعمت ہے مگر دنیا کا خمیر کچھ ایسا بگڑا ہے اور آوے کا آوا ہی اوندھا ہے کہ مرغی جوں جوں موٹی ہوتی جاے دُم سکیڑتی جائے رعایا پہلے سے زیادہ سقیم الحال ہے اور اس امر بدیہی سے انکار بے کار۔ گرانی اشیاے مایحتاج ایسی سخت ہے سخت قحط اُس کے آگے مات۔ اب بھی بڈھے ٹھڈے روپیے کا چار سیر گھی کھانے والے موجود ہیں میرے بچپنے میں بھی تین سیر کا گھی تھا اب گھی کی نوبت چھٹانکوں پر آگئی تیل بھی اب گھی کی برابری کرنے لگا کہاں چار سیر کدھر تین پاؤ کا۔ روئی ابھی چند سال پیشتر چوسیری تھی اب چہ وصاچھٹانک۔ گوشت چھ پیسے سے آٹھ آنے سیر پر پونہچا۔ ؎ تمناے گوشت مردن بہ۔ از تقاضاے زشت قصاباں۔ سنا کرتے تھے اب سچ ہو گیا۔ گوشت نہ کھائیں گے دال کنبے پال ہی سہی مگر وہ گوشت سے بھی بڑھ گئی۔ روپیہ کی دو سیر اور دال بہ دال نہ ہوئی وبال ہوئی۔ آٹا پیسے ڈاکتا ہے پن سیرا ہو گیا۔ کپڑے کی جگہ لتے لگ گئے کپڑے کی قیمت چوگنی ہو گئی یا یوں کہو کہ روپیہ چار آنے کا رہ گیا۔ غریبوں کے پیٹ کو روٹی نہیں تن ڈھکنے کو کپڑا نہیں۔ بارش معمول پر جیسی ہوتی تھی اب بھی ہوتی ہے۔ زمین کچھ بدلی نہیں۔ پیداوار پہلے سے بھی وافر۔ پھر کیا بلا ہے جو جھیلے جھیلی نہیں جاتی۔ غریبوں کی تو بری گت ہے سو ہے امیروں کا بھی بس لفافہ ہی لفافہ دیکھ لو بلا کتر بیونت کیے اُن کو بھی پگڑی سنبھالنا مشکل ہے۔ ؎ میر صاحب زمانہ نازک ہے۔ دونوں ہاتھوں سے تھامیے دستار۔ موجودہ سچی سچی حالت تو یہ ہے۔ اب رہے اس کے اسباب۔ یہ ایک بڑا مسئلہ پولٹیکل اکانمی کا ہے جس کے لیے ایک جدا گانہ کتاب درکار ہے اور ہماری سمجھ سے باہر ہے۔ ہم تو اپنا دل یہ کہہ کر ٹھنڈا کر لیتے ہیں کہ زمانے کا لیل ونہار بدل گیا۔ گورمنٹ ہم چند

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

میں عمارتوں کا ایک طول طویل سلسلہ ہے جس کی تعمیر ۱۵۶۹ء میں شروع کی گئی اور

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) در تہنیت اربع یعنی اول طلوع نوروز دوم وقوع عید فطر و سوم شیوع تسدوم تحستہ لروم بادشاہ مارا کلاف و چہارم تولد ماتش سلیمان شکوہ این قصیدہ نظم کردہ بپایۂ سریر اعلی معروض داشت۔ قصیدہ۔

محستہ مقدم نوروز و عشرۂ شوال — رسانده امده تحفہ‌ہائے عیش ہر سر سال
یکیتم مردم دارالخلافہ عید نویست — عبار موکب شاہ جہاں جہاں ہلال
شرف پذیر و نوروز درچنین عیدے — کہ بادشاہ نشیند بہ تخت استقلال
بوصف تخت مرصع گہر نثار گشتیم — مدالعجب کہ عمر حصر وطول مقال
ہزار سیلان یاقوت و صد ہزار لعل — سر بنائی گرفت است تا نمود جمال
تواں ز آتش یاقوت آں مجمع افروخت — کہ بر بادر سداآتش ز ب ر دال
فتادہ پرتو یاقوت و لعل بر الماس — چنانچہ عکس چراغاں بتدبات لال
بہ اندازۂ دیگر ہر آنچہ خواہی ہست — رشان و شوکت و فر و شکوہ جاہ و جلال

قصیدہ در حد قبول یافتہ و کلیم بہ میران عنایت خسروی سنجیدہ شد مبلغ پنج ہزار و پانصد روپیہ کہ ہم سنگ بر آمد انعام شد و شاعرے دیگر در تمام آں سریر ملاقت ع۔
سریر ہمایوں صاحبقرانی یافتہ ۔ گوید کہ تختے بداں قیمت و رعنائی و زیبائی بر رائے ہیچ عصرے کسے ندیدہ و نشنیدہ۔ بیت۔ ثانیش چشم دہر ندیدہ — ہر چند نظارہ کرد احول
وایں سریر خلافت در دودمان تیموریہ تا زمان محمد شاہ بادشاہ ماند وقتیکہ نادر شاہ فتح ہندوستان نمود ایں را ہمراہ غنائم ساختہ بہ ایران برد۔ (صفحہ ۲۸۱) رعایا کے پیسے ڈالے کی جو کچھ توقع ۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے۔ ع آفتاب آمد دلیل آفتاب ۔ ہمیں کو وہیں میدان دنیا کی کایا پلٹ ہو گئی ڈارک ڈیز (تاریک زمانہ) جا کر برئیٹ ڈیز (روشن زمانہ) آ گیا۔ جہالت اور بدتمیزی ختم تہذیب اور سولیزیشن اور ریلیجس ٹالریشن (تعدیل مذہب) سب کچھ نعمتیں زمانۂ حال میں برس رہی ہیں لیکن رعایا پہلے سقیم الحال تھی اب واقعات اور بدیہیات سے انکار ہو نہیں سکتا باوجودیکہ بدنظمی خوش نظمی سے مل گئی۔ ظلم عدل و انصاف سے ایسا کہ شیر بکری ایک گھاٹ پانی پینے لگے۔ رستے جو ڈاکوؤں قزاقوں ٹھگوں اور لٹیروں سے بھرے پڑے تھے

شاہجہاں کے زمانۂ مابعد کے بنائے ہوئے تاج گنج میں بھی نہیں۔ فتح پور سیکری

(بقیہ لوٹ صفحہ گزشتہ)

فلک روزے کہ می گردش نکمل ۔۔۔ زرِ خورشید را بگداخت اول
بحکمِ کار فرما صرف شد پاک ۔۔۔ بہ مینا کاریش مینائے افلاک
جز ایں تخت از زر و گوہر چہ مقصود ۔۔۔ وجودِ بحر و کاں را حکمت این بود
ز یاقوتش کہ در قیمت بہا نیست ۔۔۔ لبِ لعلِ بتاں را دل بجا نیست
برائے پایہ اش عمرے کشیدہ ۔۔۔ گہرا فسر بسر خاتم ندیدہ
بخرچش عالم از زر شد چناں پاک ۔۔۔ کہ شد از گنج خالی کیسۂ خاک
بساند گر فلک خود را بپایش ۔۔۔ دہد خورشید و مہ را رونمایش
سرافرازی کہ سر بر پایہ اش سود ۔۔۔ ز گردوں پایۂ بر تخت افزود
خراجِ بحر و کاں پیرایۂ او ۔۔۔ پناہِ عرش و کرسی سایۂ او
ز انواعِ جواہر گشتہ الواں ۔۔۔ خراجِ عالمے ہر دانۂ آں
ز اطرافش بود گلہائے مینا ۔۔۔ فروزاں چوں چراغِ طور سینا
چو می گردد از فرازش کوتہی دست ۔۔۔ نگین خویش جم بر پایہ اش بست
شبِ تار از فروغِ لعل و گوہر ۔۔۔ تواند صد فلک را داد اختر
دہد شاہِ جہاں را بوسہ بر پائے ۔۔۔ ازاں شد پایۂ قدرش فلک سائے
کند شاہ جہاں بخش و جواں بخت ۔۔۔ خراجِ عالمے را چرخ یک تخت
خداوندے کہ عرش و کرسی افراخت ۔۔۔ تواند قدرتش تختے چنیں ساخت
اثر باقیست تا کون و مکاں را ۔۔۔ بود بر تخت جا شاہِ جہاں را
بود تختے چنیں ہر روز جایش ۔۔۔ خراجِ ہفت کشور زیر پایش
چو تاریخش زباں پرسید از دل ۔۔۔ بگفت اورنگ شاہنشاہ عادل

وقتیکہ صاحبقراں ثانی از سفر اول کشمیر معاودت نمود و در قرب مستقر الخلافت اکبرآباد رسید ساعت در آمدن شہر و جلوس بر تخت موصوف باختیار اختر شناساں روز جمعہ ۲ شوال سنہ ۱۰۴۴ھ مقرر شد و تا رسیدن ساعت در نزدیکی شہر توقف نمودند۔۔۔ بعد ازاں بادشاہ بتاریخ مقرر داخل شہر شدند و براں تخت مرصع جلوس فرمودند و تا نوروز جشن عالی انعقاد یافت و چوں قرب ہماں ایام یعنی در ماہ صیام سلیمان شکوہ پسر شاہزادہ محمد دارا شکوہ متولد شدہ بود ملک الشعرا ابوطالب حکیم [۱۰۴۴ ہجری، تاریخ ۲۵ ۱۶۳۴ء]

(بقیہ حاشیہ آیندہ)

اپنے صرف سے بنوایا تھا جو سادگی ہمایوں کے مقبرے میں پائی جاتی ہے وہ

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) صاحب موصوف یہ بھی مشورہ دیتے ہیں کہ اگر تخت یا پھر اس کا کوئی حصہ بھی اصلی ہو تو
سرکار اور رؤسا اور باشندگان ہند کو دلی کے لیئے اسے لے لینا چاہیئے۔ وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ
جو قیمت بیان کی جاتی ہے اگر وہ اصلی قیمت سے گھٹی ہوئی بھی مانی جائے تو مسرور ہوگا کہ تخت جیسا کہ وہ
موجودہ اصلی تخت کا ایک حصہ ہوگا (نہ کہ سالم) ماخوذ از ٹائمز آف انڈیا ار ستمبر ۱۹ء۔ اب
اس خبر کی تردید خود ٹائمز نے کر دی ہے اور دوسرے سے اس واقعہ کو بے اصل بتاتا ہے کہ بادشاہ
ایران کو ایسی کیا ضرورت پڑی تھی جو اس تخت کو فروخت کرتا یہ بھی لوگوں نے ایک شگوفہ چھوڑ دیا ہے۔
مفتاح التواریخ میں تخت طاؤسی کا حال بہت خوبی سے لکھا ہے لہذا یہاں ہم بجنسہ نقل کر دیتے ہیں۔
این تخت مرصع موسوم بہ تخت طاؤسی بود سقف آن تخت از درون بیشتر میناکار و تختے مرصع دار
بیرون بہ لعل و یاقوت و چتر آن مرصع بمعرق ساختہ بر ترین اساطین زمرد نگار بر افراختہ و بالائے
آن دو پیکر طاؤس مشکل بہ انواع جواہر و در میان ہر دو طاؤس درختے مرصع بہ لعل و الماس و زمرد و مروارید
تعبیہ نمودہ و برائے عروج بہ پایہ زینہ مرصع بجواہر آبدار ترتیب دادہ و این تخت بصرف
زیادہ از یک کرور روپیہ ترتیب یافتہ و در عرصۂ ہفت سال صورت اتمام پذیرفتہ و از جواہر کہ در این
تخت نصب کردہ بودند لعلے بود در وسط آن بقیمت یک لک روپیہ کہ شاہ عباس صفوی بمصحوب
زنبیل بیگ رسم ارمغانی بجہانگیر بادشاہ فرستادہ بود و او در صلہ فتح دکن بہ پسر خود شاہجہان
بخشیدہ و این لعل دوازدہ مثقال وزن داشت و بر آن خاص میرزا الغ خان بیگ بود و میرزا مذکور بہ
خط نسخ بر آن لعل این عبارت کندہ بود "الغ بیگ ابن میرزا شاہرخ بہادر بن امیر تیمور گورگان"
و چون بمرور روزگار بسلسلۂ صفویہ منتقل گشت نقر نمودہ شاہ عباس بخط نستعلیق بر آن "صاحبقرانی
ولایت عباس" کندہ بودند۔ چون بہ جہانگیر بادشاہ رسید نام خود را با سامی نام پدر بر آن حکاکت ساخت
و الحال باسم شاہجہان بادشاہ مزین گشتہ بر آن تخت تعبیہ شد۔ شعرائے پایہ تخت اکثر آبدار در
تعریف این سریر بے نظیر پرداختہ و صور جان روزگار بے از ان اشعار در تاریخ ماہ ایران ساختہ
دوام صاحبقران ثانی این مثنوی حاجی محمد جان قدسی کہ خاتمش بتاریخ است بصفائے سرمدان
تخت کتابہ نمودہ بودند۔ سعد

زہے فرخندہ تخت بادشاہی کہ شد سامان بتائید الٰہی

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ)

۱۱

دلی میں موجود ہی جو ۱۵ سہ جلوس اکبری میں نواب حاجی بیگم صاحبہ ہمایوں کی بیگم نے

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) کہ حال کے تخت ایران میں اُس کا کچھ حصہ لگا دیا گیا ہے۔ ایک خط میں جو لاٹ صاحب ٹائمز کو لکھا ہی وہ لکھتے ہیں کہ اُن کو اندیشہ ہے کہ تخت طاؤسی کی کہانی بالکل ایک ڈھونگ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نادر شاہ کو ۱۷۴۷ء میں قتل کرنے کے بعد ہی تخت توڑ پھوڑ ڈالا گیا۔ اور اُس کے باقی ماندہ ٹکڑے یوسف علی بادشاہ کے تخت میں لگا دیئے گئے جو طہران کے محل شاہی کے عجائب خانے میں دھرا ہی جس کی تصویر یہ ہی۔

تخت طاؤسی جیسا کہ اب ہی
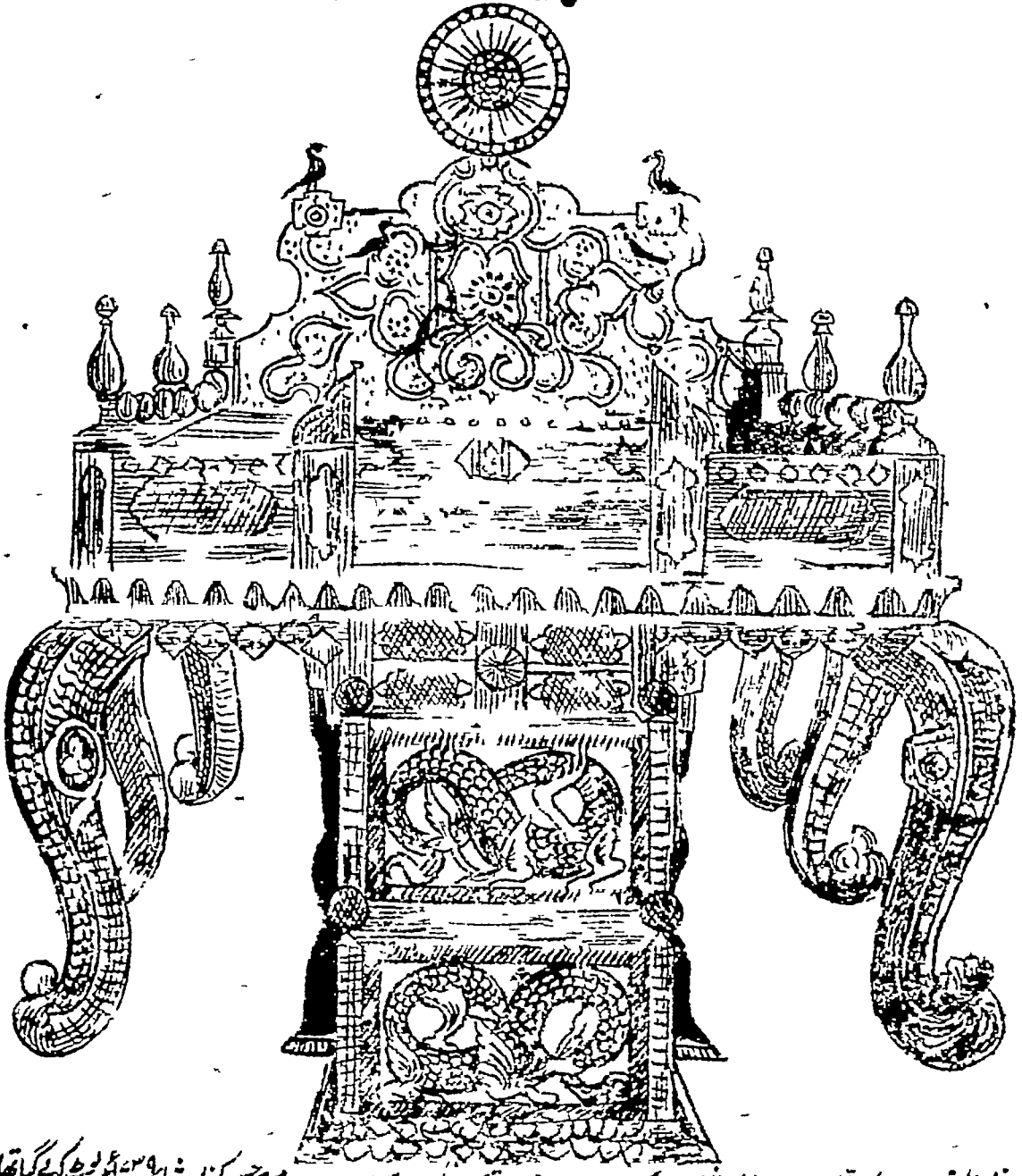
فتح علی شاہ ایران کا تخت جو اب محل شاہی کے عجائب خانے میں تخت طاؤسی کے نام سے موسوم ہی جس کو نادر شاہ ۱۷۳۹ء میں لوٹ کرلے گیا تھا

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

لکھا ہے کہ (A system of organised brigandage) "وہ ایک سلسلہ تھا قزاقوں کے جتھے کا" اس فقرے میں سچائی کا عنصر پایا جاتا ہے۔ (ماخوذ از ہسٹری آف لاسٹ سمہ صفحہ ۲۱)

آرکی ٹکچر

یہ بات متفق علیہ ہے کہ عہد مغلیہ میں سب سے بہتر عمارتیں شاہجہاں ہی کے وقت کی بنی ہوئی ہیں۔ گنبدوں کا بنانا کچھ ہندوستان کی ایجاد نہیں ہے بلکہ ایرانی طرز کی تقلید ہے شروع شروع کی عمارتیں جوں کہ ہندو کاریگروں کے ہاتھ سے بنی تھیں اُن میں وہ عمدگی اور نزاکت نہیں پائی جاتی جو آیندہ میل کر فلورنٹائین (پچیکاری) طرز سے پیدا ہو گئی ہے یہ طرز اٹلی کے یورپین صناعوں سے شاہ جہاں نے لیا ہے۔

اوائل زمانۂ مغلیہ کی عمارات

بابر اور ہمایوں دونوں کو فن تعمیر کا عمدہ مذاق تھا اور انھوں نے بھی عالی شان عمارتیں بنوائی تھیں لیکن امتداد زمانہ سے اب اُن میں کی کوئی بھی باقی نہیں رہی۔ اکبر کو بھی عمارتوں کا بڑا شوق تھا چنانچہ قدیم مغلیہ طرز کا ایک عظیم الشان مقبرہ اُس کے باپ ہمایوں کا

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ)

شکل کا تھا اور ۶×۴ فٹ تھا۔ جس کے چار پایے ۲ سے ۲۵ انچ تک اونچے خالص سونے کے تھے جس پر بارہ ستونوں کا شامیانہ تنا رہتا تھا۔ کٹہرے پر مختلف قسم کے جواہرات اور موتی جڑے ہوئے تھے (۱۰۸) بڑے لعل تخت میں جڑے ہوئے تھے اور (۱۱۶) زمرد لیکن ان میں سے اکثر زمرد مرم دار تھے۔ شامیانے کے بارہ ستونوں پر بیش قیمت بڑے بڑے موتیوں کی قطاریں جڑی ہوئی تھیں اور ٹیورنیر اسی حصے کو بہت بیش قیمت خیال کرتا ہے۔ قیمت کا اندازہ ساڑھے اکسٹھ لاکھ پونڈ تھا اس تخت کو نادر شاہ ۱۷۳۹ء میں لوٹ کر لے گیا اور افواہ یہ ہے کہ وہ شاہ فارس کے خزانے میں اب بھی موجود ہے لیکن لارڈ کرزن سابق وائسرائے ہند جنھوں نے ایک عرصے تک ملک فارس میں سیاحت کی ہے اور انھوں نے ایک کتاب پرشیا بھی لکھی ہے جس کا اردو ترجمہ خیابان فارس مولوی ظفر علی خاں صاحب بی۔ اے نے کیا ہے۔ لاٹ صاحب نے شاہ فارس کے موجودہ تختوں کو ملاحظہ فرمایا ہے لکھتے ہیں کہ تخت طاؤسی میں کا اب کچھ بھی باقی نہیں رہا بجز اس کے

(بقیہ نوٹ برصفحہ آیندہ)

آراستگی اور شانِ وشوکت دیدنہ شنیدتھی ۔ کروڑوں روپیہ مشہور تختِ طاؤسی[له] پر صرف ہوگیا اس تمام بے محابا تجمّل واحتشام کا صرفہ غریب رعایا ہی کے سر منڈھا گیا جن کو سینکڑوں حکام اپنے مظالم سے پیسے[۵۲] ڈالتے تھے ۔ ایک ذی علم ہندو مورخ نے سلطنت مغلیہ کی نسبت

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۸۳) کہنے والے کہیں گے کہ یہ صرفہ جائز ہوا وروہ فضول ۔ مگر غور سے دیکھیں تو ایسا خرچ جس سے ایک ایسی عمارت بناکر کھڑی کردی جاے جو دنیا کے سات عجائبات میں کی ایک ہو چھ بیوقوفیوں کے ساتھ ساتویں یہ بھی سہی لیکن ایسے خرچ کو فضول کہنا محض فضول گوئی ہے ۔ ع ۔ بریں عقل ودانش بباید گریست ۔ اگر شاہ جہاں نے اپنی دریادلی سے یہ عمارتیں نہ بنائی ہوتیں تو آج سیکڑوں برس کے بعد اس کا نام بھولے سے بھی کسی کی زبان پہ نہ آتا ۔ اس سے بہتر دوامی یادگار کیا ہوسکتی ہے جس کی بدولت لاکھوں آدمی برسوں تک اپنے دھندے اور روزی سے لگ گئے ۔ کلکتہ کی وکٹوریا میموریل بھی ایسی قبیل کی عمارت ہے جس کی لارڈ کرزن جیسے بیدار مغز والیسراے نے طرح ڈالی اس پر کسی کو اعتراض نہیں ۔ ~~

ہم جو کچھ لوبیں تو کہلائیں سڑی ۔ آپ چپ ہوں تو تغافل ٹھیرے
سو سنیں گو کہیں پپیہے بو لیں ۔ کان کی بات مری غل ٹھیرے
تم جسے چاہو چڑھا لو سر پر ۔ ورنہ یوں دوش پہ کاکل ٹھیرے ۱۲۰

[له] نوٹ صفحہ ہذا تخت طاؤسی کا ذکر حصۂ دوم میں ہے ۔ اس موقع پر صرف اتنا اور لکھنا ہے کہ روئٹرنے ۸ ستمبر ۱۹۱۹ء کو ایک تار دیا کہ لندن ٹائمز کو قسطنطنیہ سے معلوم ہوا کہ وہاں یہ افواہ ہے کہ ٹرکش گورنمنٹ بہت سے زر وجواہر مع مشہور تخت طاؤسی کے فروخت کرنا چاہتی ہے ۔ اخباروں میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس کی قیمت ساڑھے سات لاکھ پونڈ لگ گئی ہے ۔ تخت طاؤسی کے متعلق تار آیا ہے اس میں کچھ غلط مبحث ہوگیا ہے ۔ اول تو اس تخت کے موجود ہونے ہی میں کلام ہے اور طہران میں بھی اس کی موجودگی میں شبہ ہے پھر قسطنطنیہ میں اس کا پہونچ جانا بھی ایک عقدۂ لاینحل ہے ۔ یہ تخت دہلی کے قلعہ کے دیوان عام کے ایک کونے میں پچھیت کی دیوار سے ملا ہوا رکھا رہتا تھا ۔ چونکہ اس پر دو مور جواہرات کے ایسے بنے ہوے تھے کہ اصلی رنگ معلوم ہوتے تھے اس واسطے تخت طاؤسی کہلاتا تھا ۔ ٹیورنیر فرانسیسی جوہری نے اس تخت کو ۱۶۶۵ء میں دیکھا ہے وہ اسے ایک پلنگ کی

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

رعایا برایا کی فارغ البالی کا یہ خصوصؔ صاحب کہ معلوم ہو کہ خزانہ رعایا پر سختی یا ظلم و جبر سے نہیں پر کیا گیا بلکہ اس کے برعکس شاہ جہاں اپنی رعایا پر بڑا مہربان اور شفیق تھا۔ اُس کا سلوک رعایا سے بڑی نرمی کا تھا وہ ایک میں بخش و میں رساں بادشاہ تھا اُس نے تیس برس سلطنت کی۔ یہ اُس کی بڑی حوش نصیبی اور خوش نیتی سمجھنی چاہیئے کہ اس عرصہ مدت میں کوئی ارضی یا سماوی مصیبت پیش نہیں آئی۔ شاہ جہاں کی سلطنت میں اگر کوئی قابل افسوس بات ہو تو صرف یہ ہو کہ ساری عمر عیش میں گزری مگر آخری دن قید میں گزرے گو وہ قید قید فرنگ نہ ہو مگر ایک بادشاہ کے لیئے معمولی سی معمولی سلب آزادی بھی بہت بڑی بات ہے۔

شاہ جہاں کا تمول

شاہ جہاں نے جو بے شمار دولت اکھٹی کی وہ مدرجہا اُس دام جراے سے جو اکبر چھوڑ گیا تھا بہت زاید تھی درحقیقت اُس کی مقدار غیر معمولی تھی۔

دھیر اس کا کم سے کریڈٹ جو شاہ جہاں کو انصافاً دیا جانا چاہیئے وہ یہ ہو کہ وہ فضول خرچ مسرف اور الکھ لٹ نہ تھا) ایک جرمن سیاح مین ڈیلسلو Mandalslo نے ۱۶۳۸ء میں لکھا ہو کہ اس کو معتبر ذرائع سے معلوم کہ "معلیہ خزانہ رتمول جواہرات وطلائیں ہر ارہلیں[1] روپئے سے زیادہ ہی زیادہ تھا۔ الغرض خزانے کی صحیح تعداد کچھ بھی رہی ہو نتیجہ یہ ہو کہ اس کی مجموعی تعداد بلاشک و شبہ حیرت انگیز تھی جس سے معلوم ہوا کہ شاہ جہاں کے پاس بے حد و بے شمار دولت تھی"۔ عمارتیں بنانے کا اُسے جبلی شوق تھا جس میں اُس نے اس دولت کو نہایت بلند حوصلگی اور فراخ دلی سے صرف کیا اور نہایت بیش قیمت عمارتیں ہوائیں تاج گنج اور اُس کی ملحقہ عمارتوں میں چار کروڑ سے کچھ زیادہ صرف ہوا اور دہلی کی عمارات کا خرچ بھی اسی طرح مسرفانہ[2] تھا۔ دربار کا ساز و سامان۔

[1] لیں دس لاکھ کا ہوتا ہے۔ [2] لِلنَّاسِ فِيمَا يَعْشِقُونَ مَذَاهِبُ - یعنی ہر شخص کی پسند جدا جدا ہے۔ ع۔ سب کی ہے نوا الگ الگ سب کا ہے رنگ جدا جدا۔ شاہ جہاں کو عمارتیں ہی بنانے کی دُھن تھی جس کے سامنے دھن دولت کچھ نہ تھی۔ اس کو اسراف یعنی فضول خرچی سے تعبیر کیا قدر والئی عالم بالا معلوم شد۔ مگر ایسی مبارک فضول خرچی تو بادشاہوں کی اولوالعزمی کے شایان ہے اب جو کچھ دلی میں ہی ہے وہ کیا ہے کیا اس پر کروڑوں روپیہ صرف نہ ہوگا۔
(بقیہ نوٹ برصفحہ آئندہ)

اور سنگ مرمر کے سر بفلک محلات اور دہلی شاہ جہاں آباد کے قلعے کی بچی کھچی عمارتیں یہ سب اس بادشاہ کی مستقل اور بہترین یادگاریں ہیں۔ علاوہ ان شاندار اور پرشکوہ عمارتوں کے اور بہت سے کار خیر نفع رسانی خلائق کے اس بادشاہ نے چھوڑے ہیں مثلاً ویسٹرن جمنا کینال۔ مشہور تخت طاؤسی[1] جس میں بقول بعض سات کروڑ روپیہ صرف ہوا تھا۔ ان تمام عمارتوں اور آرائشوں میں خزانے کے خزانے خالی ہو گئے اور خدا جانے کیسی برکت اور کیسا متمول اور کیا حسن نیت تھی کہ پھر خزانہ بھرپور کا بھرپور سونے اور چاندی کے زیورات کے سوا بادشاہ کی وفات کے وقت چوبیس کروڑ کی گراں قدر رقم خزانۂ عامرہ میں نقد موجود تھی۔ خزانہ شاہی کی ایسی وافر موجودت کھلا ثبوت

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۸۱) مصفا عدیل آں برروے کار نیامدہ وازبد وظہور عالم معہد سراپا منور ومجلا نظر نظیر آں جلوۂ ظہور رنداوہ بفرمان خاقان سلیمان احتشام وسلطان خلیل احترام چہرہ افروز مسلمانی بانی مبانی جہانبانی شہنشاہ عرش بارگاہ ظل اللہ خلائق پناہ موسس ارکان خلافت۔ مرصص بنیان عدل ورافت۔ کہ بیمن قدمش زمین را بر آسماں ہزاراں ناز وازو فور نعمتش آسماں را بازمین فراواں نیاز تخت ودولت را از عشق خدمتش دوام بیداری۔ ملک وملت را با جمال طلعتش کمال بیداری با دیا شر ... از خاک درگاہ فلک جاہش دریوزہ گری۔ آتش دوزخ از آب شمشیر دشمن کاہش وظیفہ خوری

بنائے مملکت زد استواری اساس عدل را ز و پایداری
مدام از چشمۂ تیغ ظفر خیز کند پیمانۂ کفار لبریز
جنابش را فلک خدمتگزاری جبینش را سحر آئینہ داری

قطب آسمان دیں پروری بحر شریعت نوازی مرکز دوران عدل گستری مملکت طرازی ابوالمظفر شہاب الدین محمد صاحب قران ثانی شاہجہاں بادشاہ غازی بنا یا فتہ ودر عرض ہفت سال بصرف سہ لک روپیہ واخر سال بست وششم جلوس اقبال مانوس مطابق سنہ ہزار شصت وسہ ہجری پیرایۂ انجام ورسر وتاج احتشام بر سر گرفتہ از وبیہال ہمیامن نیت حق طویت ایں بادشاہ دیں پناہ ہم گناہ را توفیق اداے طاعات واقتناے حسنات روز افزوں کناد واجر دلالت وہدایت ... آنرا روزگار فرخندہ آثار ایں حق گزین حقیقت آگاہ عاید گرداناد آمین یارب العالمین۔

[1] نوٹ صفحہ ہذا) تخت طاؤسی کا مفصل حال حصۂ دوم کتاب ہذا میں ملاحظہ فرمائیے۔ ۱۲

آثار ماہ گزر نے کے آج بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ کل ہی بن کر طیار ہوئی ہے۔

شاہجہاں کے دربار کی بہار

شاہ جہاں کے دربار کی شان وشوکت کی کوئی حد وانتہا نہ تھی۔ اس زمانے کے ایک مورخ کامل خاں نے دربار شان وشوکت وعظمت ودبدبہ وسطوت حشم خدم۔ حالی موالی۔ کیمپوں اور محلات شاہی کا

شاہ جہاں بادشاہ

ایک نہایت دل آویز سین دکھلایا ہے۔ شان وشوکت۔ رعب داب میں وہ اگلے بادشاہوں سے کہیں زیادہ بڑھ گیا تھا۔ فن تعمیر میں جو اُسے مذاق سلیم اور خاص سلیقہ اور ملکہ تھا اُس کی مدیحی ثبوت مشہور روزگار اُس کی پیاری بیوی کا مقبرہ تاج گنج قلعۂ آگرہ کی موتی مسجد[1]

[1] ایں مسجد کہ اندرون قلعۂ اکبرآباد است سراسر از سنگ مرمر است بحکم شاہجہاں بادشاہ تعمیر تا در ۱۰۶۳ھ باختتام رسیدہ۔ ایں کتابہ اندرون مسجد مرقوم است:- گویا یک کعبۂ نورانی و بیت المعمور ثانی کہ صبح درحقیقت صفائی آں شامیست تیرہ وخورشید از فروضیائے آں حقیقت تیرہ۔ کرسی پایۂ اساس عرش بدوش۔ گنبد نفیس بارش با رواق فردوس ہم آغوش میان عالی شان تبیان لمسجدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی۔ ودرِ دروۂ سپہر اقتدارش ترجمان فاستوی و هو بالافق الاعلیٰ۔ ہر گلدستہ اش دستۂ نوری بانوار کوکب آراستہ۔ یا فوارۂ فیضی از چشمۂ آفتاب جستہ۔ ہر کلس زرینش شمع فروغ بخش قنادیل آسمانی۔ ہر محراب نور آگینش ہلال نوید رسان عید جاودانی۔ سر اطراف قلعۂ لعل فام مستقر الخلافت اکبرآباد کہ بارہ در ہیں حصار سبع مستدار برستہ است گوئی ہالہ ایست ودر بدر منور کہ رمضان سی رحمت رہائیست مبین۔ یا دائرہ ایست گرد مہر انور کہ برتر شیخ اصطلاح کرامت لشامت متمس۔ ہما ماہشتی تفریست و الاکاریک نوے لالاکر از سرآغاز معمورۂ دنیا مسجدے سراسر از سنگ مر

(بقیہ بر صفحہ آیندہ)

موجود ہیں دوسرے کے بطن سے اگر اولاد ہوجائے گی تو وہ دعوے دار سلطنت ہوگی اور دوسری بات مجھے یہ کہنی ہے کہ میرا مقبرہ ایسا نادر اور عمدہ بنوانا کہ خلائق اس کے دیکھنے کو دور دور سے آئے۔ مجھ کو اور تم کو دعائے خیر سے یاد کرے۔ بادشاہ اپنی بیوی کی آخری تقریر سُن کر بے اختیار رونے لگے اور اشک رشتۂ آہ میں پرونے لگے اور زبان سے بے اختیار یہ شعر پڑھنے لگے۔ ؎

عاقبت چشم ترم از گریہ خواہد شد سفید　　خانہ ویراں می شود چوں طفل باشد خانہ دار

غرض یہ کہ بادشاہ نے دونوں باتوں کا اقرار کیا اور اپنے وعدوں کو جیسا کہ حق تھا پورا کیا۔[1] اس نے پھر اور شادی نہ کی اور ممتاز محل کے مزار پُر انوار پر تاج گنج جیسی بے مثل عمارت بنائی جو آگرے میں جمنا کے کنارے واقع ہے اور اس حُسن و خوبی سے بنوائی کہ باوجود

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۷۸)

برین بقعہ پاک والا مقام　　ترشح کناں ابر رحمت مدام

اگر مجرم آرد برین در پناہ　　شود او چو مغفور پاک از گناہ

اگر عاصی آرد برین روضہ روے　　کند نامۂ خویش را شست وشوے

ز رقت بہ نظارۂ این مزار　　شود چشم خورشید و مہ اشک بار

نمود این عمارت بنا روزگار　　کہ ظاہر شود قدرت کردگار

[1] نوٹ صفحہ ہذا ۔ نسنٹ سمتھ صاحب یہاں بھی نہ چوکے وہ لکھتے ہیں کہ "شاہجہاں کے کل سولہ بچے تھے جن میں سے چودہ ممتاز محل کے بطن سے تھے۔ جب تک وہ زندہ رہی (بے شک) بادشاہ کی بڑی چہیتی بیوی رہی لیکن اس کی وفات کے بعد شاہجہان نامناسب عیش و آرام میں ملوّث ہوگیا ع ہیرے کہ دم زعشق زند بس غنیمت است) اور امور عظام سلطنت کی انجام دہی کی قابلیت اس سے بالکل سلب ہوگئی"۔ اس مضمون کا عنوان انھوں نے menmualitys of Shahjahan یعنی شاہجہاں کی عیاشی قائم کیا ہے۔ چوہتر برس کی عمر اور عیاشی کا اتہام! بوڑھے منہ مہاسے لوگ چلے تماشے یا بڑھی گھوڑی لال لگام۔ کوئی بات بھی سن و سال سے اچھی لگتی ہے۔ اس سن و سال میں کیا عیاشی کرتا ہوگا۔ اگر عیاشی سے یہ مراد ہے کہ وہ ممتاز محل پر لٹو تھا تو یہ کون سی بڑی بات تھی۔ صاحبان انگریز اپنی بیویوں کے کیسے پاؤں مرید ہوتے ہیں۔ ؎

کالے گورے پہ کچھ نہیں موقوف　　دل لگانے کا اور ہی ڈھب ہے

مبارک اور قابل فخر ہے وہ قوم جو اپنی عورتوں کی عزت کرتی ہے۔ ۱۲

بیویوں کا قاعدہ ہی ایسے شوہر کو بہت چاہتی تھی۔ چودہ برس کے سہاگ کے بعد جب اُس
کی وفات کا وقت آیا تو شاہجہاں سے کہا کہ میرے بعد اور شادی نہ کرنا کہ چار پسر تمہارے
بجان و دل پرمودہ و بعد ازان دہر آرا بیگم تولد شد بیگم صاحبہ پہلی ساتھ
درگذشت و این واقعہ بتاریخ ۱۷ ذی قعدہ سنہ ۱۰۴۰ھ در برہان پور واقع شدہ و در باغ زین آباد
برہان پور برسم امانت مدفون گردیدہ و از ان جا در اکبرآباد آوردہ تا ششماہ سپرد این روضہ منورہ چونکہ
کہ زمین افتادہ بود امانت داشتند و کو اعد نقشہ مقبرہ ہر یک استادی آوردند چون یکے از ان پسند
بادشاہ شد تحسین بموجب آن نقشہ چوبین طیار کردند بعد مطابق آن نقشہ روضہ کہ در اکبرآباد بر کنار دریا
جمن واقع است و حالا بہ "تاج محل" اشتہار دارد بموجب وصیت آن بانوے والا گہر بانواع سنگ ہاے
بیش قیمت در عرصہ ہفت سال تصرف پنجاہ لک روپیہ تعمیر ساخت و شاہجہان بادشاہ بعد وفات
خود درین روضہ کہ یکے از عجائبات روزگار است در پہلوے بیگم مرحومہ مدفون گردید۔ بعد فوت بیگم صاحبہ
شاہجہاں لفظ "غم" در تاریخش یافتہ و بیدل خان در تاریخ وفات این ابیات انشا فرمود۔ شعر

زین جہاں رفت چو ممتاز محل — در جنت زحق حور کشاد
بہر تاریخ ملایک گفتند — جاے ممتاز محل جنت باد

در اندرونی و بیرونی دروازہ ہاے این روضہ عالی آیات قرآنی بخط طغریٰ منقوش است
و در باب اندرونی روضہ طغریٰ نویس نام خود و سال اختتام آن مرقوم ساختہ العبد الحقیر
امانت خان شیرازی سنہ ۱۰۴۸ ہجری مطابق دوازدہم سنہ جلوس مبارک۔ بر مرقد بیگم صاحبہ
کہ از سنگ مرمر است یا حی یا قیوم مرقوم است و پائین تعویذ طرف جنوب این چند کلمہ منقوش است
مرقد منورہ ارجمند بانو بیگم مخاطب بہ ممتاز محل توفیت فی سنہ ۱۰۴۰ و شاہجہان نیز در وصف
این مکان بہشت نشان ابیات ذیل انشا نمودہ۔ بمصداق کلام الملوک ملوک الکلام در ذیل درج
کردہ شد۔

زہے مرقد پاک بلقیس عہد — کہ بانوے آفاق را گشتہ مہد
منور مقامے چو باغ بہشت — معطر چو فردوس عنبر سرشت
بصحنش ز عطار معنبر بخور — بکاروب مژگان دہش رفتہ حور
جواہر نگارست دیوار و در — جو تارہ و در چو آب گہر
عمارت گر این مقدس جناب — سرشتہ ز فیض آور دو آب

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

کہتے ہیں کہ شاہ جہاں نے ایک مرتبہ دلّی جاکر محلات دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تھی - اورنگ زیب نے بھی تعذر نہ کیا مگر شرط یہ لگادی کہ براہ خشکی نہ جائیں ہاں کشتی پر چلے جائیں - شاہ جہاں نے کہا کہ یہ شرط ہے تو میں جاتا ہی نہیں - اورنگزیب کو خطرہ تھا کہ اگر منزل بہ منزل براہ خشکی گئے تو بہت ممکن ہے کہ بادشاہ کو دیکھ کر کوئی جوش اُٹھ کھڑا ہو اور کوئی تازہ فتنہ وفساد برپا نہ ہو جائے

ممتاز محل شاہ جہاں کی شادی ایک ایرانی خاتون **ممتاز محل**[1] سے ہوئی تھی جو مشہور زمانہ **نورجہاں** کی بھتیجی تھی - ممتاز محل جیسا شریف

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۷۷) کعبۂ دارین سلطان انبیاے کائنات - قبلۂ دین رہبر موجودات - شفیع ملل احمد مجتبیٰ - رحمت عالم کعبۂ اصفیا - سرور دوسراے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علی صدر رسل و آلہ وسلم

[1] (نوٹ صفحہ ہذا) بنت نواب آصف خاں است کہ او برادر نورجہاں بود اصل نام او ارجمند بانو بیگم الملقب بہ ممتاز محل و ممتاز زماں عرف تاج بی بی است - ولادتش در ۱۰۰۰ھ واقع شدہ و در ۱۰۲۱ھ در سلک ازدواج شاہجہاں بادشاہ در آمدہ و نوزدہ سال و چند ماہ در مشکوے خسروی ماندہ و چند پسران و دختران از و متولد شدہ و چندے از ان فوت شدند ہنگام وفات بیگم چہار پسران و چہار دختران بودند از پسران یکے محمد دارا شکوہ کہ بادشاہ او را ولی عہد ساختہ بودند در خدمت خود می داشتند - دوم سلطان محمد شجاع کہ صوبہ دار بنگالہ بود و از نیک تدبیر و ہمت و مروت تمامی ملک را سرسبز و آباد داشتہ کار تجارت کمپنی انگریز در زمان او بخوبی اسرانجام یافتہ - سوم اورنگ زیب عالمگیر کہ صوبہ داری دیار دکن بدو حوالہ بود - چہارم سلطان مراد بخش کہ صوبۂ گجرات و ٹھٹھہ و بھکر وغیرہ بدو تفویض بود و از دختران یکے انجمن آرا - دوم گیتی آرا سوم جہاں آرا چہارم دہر آرا کہ پیش از تولد ندرون شکم مادر نالیدہ بود در روزیکہ تولد شد بہان روز بیگم صاحبہ وفات یافتہ و قصہ اش بدین عنوان ست کہ روزیکہ دہر آرا بیگم در شکم مادر نالید آواز نالہ او ہمہ خادمان و دختران کہ حاضر بودند شنیدند و خوف شدہ در ورطۂ حیرت مستغرق شدند و ہر لحظہ در دزہ بر می آمد و باز کم می شد و طفل اندرون شکم می نالید ہر چند کہ دایہ گان محل و دانایان و واقفان بہ معالجہ کوشیدند سودے نداشت بیگم صاحبہ از حیات خود مایوس شدہ بادشاہ را نزد خود طلبید و گریہ و زاری نمود و فرمود کہ ظاہر ست کہ چوں فرزند در شکم بنالد مادرش زندہ نماند اکنون کہ نصیب ما شدہ عنقریب مسافر عدم می شوم لیکن مراد و وصیت است اول این کہ حق تعالیٰ شمارا چہار پسران و چند دختران عطا فرمودہ است برائے نام و نشاں ہمیں کافیست چناں کنی کہ نسل دیگر از کسے پیدا نشود و باہم جنگ و جدل ننمایند - دوم آنکہ بر مرقد من چناں عمارتے تعمیر نمائی کہ بر منصۂ ظہور نایاب و کمال لطیف و غریب باشد - بادشاہ ہر دو وصیت را

(بقیہ نوٹ صفحہ آیندہ)

کہیں باہر آنے جانے کی اجازت نہ تھی اور کہا جاتا ہو کہ قید میں جو تکالیف مستلزم ہیں ان سے

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) برادر نورجہاں بیگم تولد پذیرفت وایں تحفہ ملک الشعرا ابوطالب کلیم بعد جلوس فرمودن عالمگیر بر اورنگ خلافت در تاریخ ولادت او گفتہ سہ

داد ایزد بپادشاہ جہاں	خلفے ہمچو مہر عالم تاب
تاج صاحب قرآن ثانی یافت	گوہرے زانکہ نیست حساب
نامش اورنگ زیب کرد فلک	تخت زیں پایہ گشت عرش جناب
چوں بایں مژدہ آفتاب افراخت	افسر خویش بر ہوا چو حباب
طبع در باب سال تاریخش	زود گفتم آفتاب عالم تاب ۱۰۲۸

چوں در ۱۰۴۶ بتاریخ بست و سوم ماہ ذی الحجہ روز دوشنبہ عقد ازدواج اورنگ زیب با دختر شاہ نواز خاں ابن نواب آصف جاہ منعقد گردید طالب کلیم تاریخ ایں جشن بدیں سان نظم آوردہ سہ

جہاں کرد ساماں بزم نشاطے	کہ کلبانگ عیشش بگردوں رسیدہ
قراں کرد سعدین دولت بجشنے	کہ زانساں قران چشم انساں ندیدہ
یک رتبہ اورنگ زیبا آنکہ تختش	سرافرازانہ جا وید دیدہ
نہال برومند شاہے کہ دولت	چو اقبال در سایہ اش آرمیدہ
فلک گفت تاریخ جشن زفافش	دو گوہر بیک عقد دوراں کشیدہ ۱۰۴۶

و شاہنواز خاں مذکور اعظم امرائے شاہجہانی بود کہ بہ منصب پنج ہزاری پنج ہزار سوار و سہ ہزار دو اسپہ سرفرازی داشت و از طرف دارا شکوہ در جنگ عالمگیر معرکہ مصاف آراستہ بشہادت رسید

جلوس ۔ در ابتدائے ماہ رمضان ۱۰۶۸ھ اورنگ زیب در حالت بیماری پدر با برادر بزرگ خود محمد دارا شکوہ محاربہ متواتر نمودہ او را منہزم ساخت و پدر خود شاہجہاں را محبوس کردہ عنان سلطنت و فرماں روائی بدست خود آورد و پس از دو ماہ بتاریخ غرہ ذی قعدہ روز جمعہ سال مذکور موافق ۲۳ جولائی ۱۶۵۸ء در عمارت دلکشا بہ باغ فیض بنیاد اعزآباد معروف شالا ماربکان مکھلی بھون در عمر چہل سالگی بر سریر سلطنت جلوس فرمودند و بار دوم در ساعت نیک اختیار کردہ لوازم جشن خسروانہ ترتیب دادہ روز یکشنبہ ۲۴ رمضان ۱۰۶۹ھ بر اورنگ شاہی نشست تا از تاریخ نہم رمضان سال گزشتہ کہ بر دارا شکوہ

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

ایسی شراب پلائی کہ وہ بدمست ہو گیا۔ اورنگ زیب کو غصہ آیا اور کہا کہ ایسا شرابی سلطنت کے کب قابل ہو سکتا ہو اُسی وقت مراد کو پابہ زنجیر کر کے اول تو سلیم گڈھ میں قید رکھا۔ پھر گوالیار کے قلعے میں بھیج دیا۔ وہیں ۱۶۶۲ء میں قتل کروا دیا **شجاع** کا حال اوپر آچکا ہو کہ اراکان بھاگ گیا تھا وہاں کے حاکم نے اُس کو مال بچوں سمیت قتل کروا دیا۔ اس طرح میدان بالکل صاف ہو گیا ایک باپ کا دم باقی تھا اُسے بھی نظر بند کر رکھا تھا اب اورنگ زیب نے کھلے بندوں اپنی بادشاہت کا اعلان کیا۔

اورنگ زیب کی بادشاہت کا اعلان ۱۶۵۹ء

چاروں بھائی تخت سلطنت کے لیئے برابر پانچ سال تک آپس میں لڑتے رہے۔ اب جب اورنگ زیب کا مدِمقابل کوئی نہ رہا تو اُس نے اپنی بادشاہت کا اعلان کیا۔ شاہجہاں کی سلطنت جو یقیناً ہندوستان کی تمام سلطنتوں سے کامیاب تھی اُس کا خاتمہ ایسا افسوس ناک ہوا۔ شاہجہاں کے عہد میں ملک دکن ہی معرکہ کارزار رہا لیکن اپر انڈیا میں تو بالکل امن الامن رہا اور ایک اچھی گورمنٹ کی برکات سے مستفید ہوتا رہا سچ کہا ہو کہ دنیا دار مکافات ہو۔ شاہ جہاں نے جیسا کیا تھا ویسا ہی اُس کے آگے آیا۔ اُس نے اپنے باپ سے بغاوت کی تھی اور اپنے سگے بھائیوں اور اُن کی اولاد کو قتل کیا تھا۔ دیکھو تو مغلیہ خاندان کے اول دو بادشاہوں کے حالات میں کتنا فرق ہو بابر نے اپنے بیٹے پر اپنی جان قربان کر دی۔ ہمایوں نے بھائیوں کے ہاتھ سے کیا کیا دکھ اُٹھایا مگر ہمیشہ اُن کی خطا بخشی کی حالانکہ وہ اُس کی جان کے دشمن تھے۔ شاہجہاں اور اورنگ زیب دونوں نے اپنے باپ سے بغاوت کی اور بھائیوں کو قتل کردایا۔ الغرض مئی ۱۶۵۹ء میں اورنگ زیب کی تخت نشینی کے مراسم پوری طرح ادا ہوئے۔ مسن شاہجہاں محل میں نظر بند تھا

ﷺ ابو المظفر محی الدین محمد اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ غازی شب یکشنبہ ۱۵ ذی قعدہ ۱۰۲۷ھ ۲۴ اکتوبر ۱۶۱۹ء ارجمند بانو بیگم ملقب بہ ممتاز محل بنت نواب آصف خان (بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

۹ جون ۱۶۵۸ء کو باپ کو معزول کر کے نظربند کر دیا اور جیتے جی بادشاہت چھین لی اور یوں سمجھنا چاہیئے کہ گو وہ اس کے بعد بھی اور آٹھ برس زندہ رہا مگر سلطنت تو آج کی تاریخ سے ہی گئی - اب اورنگ زیب بے کھٹکے ہو گیا اور کھل کھیلا -

مراد کا قتل ۱۶۶۰ء ایک دن اورنگ زیب نے مراد کو شب کے وقت کھانے کی دعوت دی انہیں اسے خبر نہ تھی کہ یہ دعوت دعوتِ اجل تھی -

سلہ از انجاکہ شاہجہاں پسر بزرگ خود دارا شکوہ را ولی عہد خود ساختہ بود بنا براں دیگر برادرانش خصوص اورنگ زیب پسر سومی بود مدام با وی عداوت می داشتند تا وقتیکہ ۱۰۶۸ھ پادشاہ بیمار شد دارا شکوہ نظم ونسق سلطنت بطور خود ساختہ راہ آمد و رفت اخبار از ہر دیار مسدود نمود و بسبب آں اختلال بسیار در امور سلطنت افتاد و عالم گیر در دکن بود و در ہمت وجوانمردی گوے سبقت از برادران دیگر می ربود و مدام خیال بادشاہی در سر داشت فرصت را غنیمت انگاشتہ نواب شائستہ خاں امیر الامرا و دیگر امرا را موافق ساختہ لشکرے عظیم از اورنگ آباد بر سر دارا شکوہ کہ در قلعہ اکبر آباد بود فراہم آورد جنگ اول بتاریخ ۷ رمضان در موضع قریب دھول پور کہ دہ کروہ از اکبر آباد واقعست با دارا شکوہ رو نمود و تا چند روز ہمیں آتش در کاسہ بود تا آں کہ دارا شکوہ منہزم گشتہ بجانب اکبر آباد شتافت واز انجا نیز شکست خوردہ بدہلی رفت واز انجا از خوف عالم گیر سوے لاہور و بھکر روانہ شد و اورنگ زیب بہ اکبر آباد رسیدہ در راہ رافالی بتاریخ ۱۷ رمضان سنہ مذکور پدر خود را بطور نظر بند محبوس نمودہ مالک تخت و تاج گردید -

تاریخ ایں معاملہ مولف مفتاح التواریخ بطریق تعمیہ گفتہ :-

گرد محبوس پدر را چو شہ عالم گیر	دل من گفت کہ حیف ایں چہ شرر می بینم
داد ایں حافظ شیراز بشارت بدلم	مشکل اینست کہ ہر روز بتر می بینم
گفتم اے خواجہ بفرما یکے تاریخش زانکہ	ہمہ آفاق پر از فتنہ و شر می بینم
ہیچ شفقت نہ برادر بہ برادر دارد	ہیچ مہرے نہ پسر را بہ پدر می بینم
بے تامل سر آہے بکشید و فرمود	پسراں را ہمہ بدخواہ پدر می بینم

یعنی اگر از عدد مصرعہ آخر کہ (۱۰۶۹) می شود عدد الفاظ تامل و عدد سر آہ کہ الف باشد و ہر دو (۴۴۲) می شود خارج نمودہ آید تاریخ سنہ ۱۰۶۸ھ بر آید ۱۲

اورنگ زیب اب بھی مراد کو سبز باغ دکھلاتا رہا اور برابر یہی کہتا رہا کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں مراد کے لیئے مجھے بادشاہت کی ہوس نہیں میں تو فقیر ہوں کہ ایک کونے میں بیٹھ کر یاد الٰہی میں اپنا وقت گزارنا چاہتا ہوں۔ بھولے مراد نے سیدھے اورنگ زیب کے قول کو سچ سمجھ لیا اور مطمئن ہو گیا۔

نقاب اُلٹ گیا
شاہجہاں کی نظربندی

اس لڑائی کے تیسرے دن اورنگ زیب آگرے میں داخل ہوا اور اپنے باپ سے میل ملاپ کی سلسلہ جنبانی کی اور اپنی آمادگی اطاعت و فرماں برداری و رضا جوئی پدر بزرگوار پر ظاہر کی لیکن شاہجہاں اورنگ زیب کی کوری طبیعت سے واقف تھا وہ کب ان خالی خولی چکنی چپڑی باتوں میں آنے والا تھا۔ تم ڈال ڈال تو میں پات پات۔ قصہ مختصر انجام یہ ہوا کہ اورنگ زیب نے

بقیہ نوٹ صفحہ ۴۷۲) راجہ او را در ۱۰۶۹ھ گرفتار ساختہ نزد عالمگیر سپرد و بعد در قلعۂ گوالیار محبوس نمود و دیگرے سپہر شکوہ کہ ہمراہ پدر دستگیر شدہ بود او نیز دراں قلعہ مقید بود۔
این تاریخ تعمیہ در شہادت دارا شکوہ از مصنف مفتاح التواریخ است۔ ؎

عقل پائے ادب گرفت و گفت — قتل دارا شکوہ شد تاریخ
۱۰۶۹=۱-۱۰۷۰

واین تاریخ در شہادت او از محمد الواصلین است۔

آنکہ شاہ بلند اقبال است — رتبہ اش در مقام ابدال است
شاہ دارا شکوہ نامش بود — در کمالات شیخ جامش بود
جمعہ و عشرۂ مہ عاشور — بود در وصال آں مغفور
سال تاریخ قتل آں شہ دیں — شد رقم صاحب بہشت بریں
مرقد آں قتیل عشق الٰہ — ہست در گنبد ہمایوں شاہ

واین اشعار از دارا شکوہ است کہ ہنگام شہادت از زبانش برآمدہ —

روزے کہ شود اذا السماء انفطرت — و انجم کہ بود اذا النجوم انکدرت
من دامن تو بگیرم اندر عرصات — گویم صنما بای ذنب قتلت (۱۲)

کفر کا فتویٰ لگا کر واجب القتل قرار دیا اور ستمبر ۱۶۵۹ء میں قتل کر دا دیا گیا۔ اس میں شک نہیں کہ دارا اپنے دادا کی طرح مذہب کی طرف سے متشکی ضرور تھا مگر ع خوئے بدرا بہانۂ بسیار۔ مذہب کی آڑ محض جان لینے کا ایک بہانہ گھڑ لیا تھا ورنہ در اصل مطلب سعدی دیگر اصلی منشا یہ تھا کہ چوں کہ دارا تخت کا بڑا اجید دعوی دار تھا کیوں کہ سب میں بڑا تھا اور ہر وقت بادشاہ کی حضوری میں باریاب رہتا تھا اگر وہ مروا دیا جائے تو ہمیشہ کے لیئے پاپ کٹ جائے۔ دارا کا سر کاٹ کر جب اورنگ زیب کے سامنے لایا گیا تو ایک فوری جوش کی وجہ سے آبدیدہ ہو گیا اور ہمایوں کے مقبرے کے چبوترے پر دفن کیا گیا۔ ؎

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ — ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

سلہ این شہزادہ خوش خلق و فقیر دوست صاحب تحقیق و آزاد مشرب بود دست بیعت به ملا شاه خلیفۂ شاہ میر لاہوری دادہ بود و جان و دل ایثار مرشد کردہ شب و روز ہمتش مصروف تحقیق معارف بود ہرگاہ از برادر خود عالمگیر شکست یافتہ فرار بر قرار اختیار کرد و طرف ولایت ٹھٹہ گریخت عالم مردم در پے او فرستاد مدتے در بحر حیرانی و سرگردانی مستغرق بود آخر ازانجا بصوب گجرات رفتہ و جمعیتے بہم رسانیدہ تا بہ اجمیر آمد و جنگے عظیم میان او و عالمگیر رو نمود و باز شکست خوردہ فرار گردایں واقعہ در ماہ جمادی الاولی ۱۰۶۹ھ رو داده بعد ازاں بطرف بھکر رفتہ ارادہ داشت کہ بہ قندھار رود کہ بتاریخ ۲۹ رمضان سال مذکور بدست ملک جیون گرفتار گشت و او را مع پسرش سپہر شکوہ بحضور عالمگیر فرستاد۔ بتاریخ ۲۰ ذی الحجہ روز شنبہ بدہلی رسیدند و حسب الحکم عالمگیر بقلعۂ خضر آباد کہ قریب دہلی است محبوس شدند و چوں از رسیدن دارا شکوہ شورشے عظیم در شہر پیدا شدہ بود حکم شد او را قتل نمایند چنانچہ در شب ۲۱ ذی الحجہ ۱۰۶۹ھ و بقول دیگر بتاریخ غرۂ محرم سنہ ۱۰۷۰ھ مردمان سخت جان در مجلس رفتہ آں بے چارہ را شہید نمودند و نعش او را بموجب اشارۂ عالمگیر بہ مقبرۂ جنت آشیانی ہمایوں بادشاہ نقل کردہ در تہ خانہ کہ زیر گنبد مرقد آں حضرت است و شاہزادۂ دانیال و شاہزادۂ مراد پسران عرش آشیانی جلال الدین محمد اکبر آں جا مدفون اند دفن نمودند او را دو پسران بودند از بطن نادرہ بیگم بنت سلطان پرویز یکے سلیمان شکوہ کہ بعد شکست پدر گریختہ در ملک راجۂ سری نگر متواری بود

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

کا یہ نتیجہ ہوا کہ ان دونوں نے بادشاہ کو اس ارادے سے باز رکھا۔ اگر شاہجہاں
ہمت بھی کرتا اور دارا اور شائستہ خاں کی خود غرضانہ صلاح پر نہ چلتا تو کچھ شک نہیں کہ آئندہ
کے بہت سے مصائب سے محفوظ رہتا اور ہزارہا جانوں کا مفت خون نہ ہوتا۔ معمر
بادشاہ کی صورت میدان جنگ میں دیکھ کر لوگ ضرور اس کی طرف ٹوٹ پڑتے اور
سالوسلے ہو کر کمر ہمت چست کر کے بادشاہ کا پارٹ لیتے ہی لیتے اور اغلب تھا
کہ بادشاہ کی باقی ماندہ زندگی آرام میں سے گزرتی لیکن دارا کو اپنی ناعاقبت اندیش اور بونگی
صلاح کی بدولت یہ دن دیکھنا پڑا۔ اس نے مقابلے پر جو لشکر سلیمان کی سرکردگی
میں گیا ہوا تھا دارا نے اس کی واپسی کا بھی انتظار نہ کیا اور اس کی شومی تقدیر اسے
کشاں کشاں میدان جنگ میں گھسیٹ لائی اور دونوں لشکر آگرے سے نو میل پرے
سموگڑھ مقام پر بالمقابل ہوئے جہاں ایک بڑی ہیبت ناک اور گھمسان لڑائی ہوئی۔

دارا کی شکست ۱۶۵۸ء

فتح ڈگمگا رہی تھی کبھی ایک طرف پلڑا جھکتا تھا کبھی دوسری
طرف اگرچہ دارا کی فوج تعداد میں زیادہ تھی لیکن بڑا
فرق تھا دونوں کے کمانڈروں میں ایک طرف دارا تھا
اور دوسری طرف دانش مند۔ جنگ آزمودہ اور بہادر اورنگ زیب اور شیر دل
مراد۔ دونوں طرف سے بہادری اور جواں مردی کے حیرت خیز معرکے ہو رہے
تھے آخر کار دارا کے ہاتھی پر ایک بان کا گرنا کیا تھا گویا برق صاعقہ تھی۔ دارا ہاتھی
سے اتر گھوڑے پر سوار ہو گیا جو ایک نہایت خطرناک غلطی تھی۔ اس کی فوج کی
نظروں سے سردار کا اوجھل ہونا تھا کہ ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے
اور دلاوروں کا جی چھوٹ گیا۔ بے تحاشا بھاگڑ مچ گئی۔ مراد اور اورنگ زیب کی
کھلی فتح ہوئی۔ دارا بیچارہ آگرے کی طرف چلا مگر پھر بھی اس کا پیچھا سختی سے
کیا گیا یہ دارا اس غیر متوقع شکست سے ایسا ملول کبیدہ خاطر اور شرمسار تھا کہ
باپ کے سامنے نہ جا سکا کہ کیا منہ لے کر جاؤں۔ دلی کی طرف پلٹا مگر پھر بھی تعاقب
میں ڈھیل نہ پڑی غنیم پیچھا دبائے چلا آتا تھا۔ آخر کار دارا کو کچھ میں پکڑ ہی لیا
اور کچھ دنوں ہمایوں کے مقبرے کے پاس **خضر آباد** میں قید رکھا۔ پھر اسے
ذلیل سے ذلیل کپڑے پہنا کر ہاتھی پر سوار کرا کے گلی در گلی گشت کرایا گیا اور اس

اطمینان ہوگیا تھا اور بادشاہ کو تن درستی بھی ہوگئی تھی۔ بادشاہ نے میدان جنگ میں خود جانے کا ارادہ کیا۔ لیکن دارا کی تند خو اور خود سر طبیعت اور شائستہ خاں[1] (شاہ جہاں کے برادر نسبتی) کی چال بازیوں (جو بالکل اورنگ زیب کے ہاتھ بک گیا تھا)

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۶۹) آہنی پُل ہے۔ یہ دریا گوالیار اور دھول پور کی ریاستوں میں حد فاصل ہے۔ اس دریا کے دونوں جانب ایک عجیب وغریب بیہڑ ہے۔ اس دریا کے شمالی کنارے پر دھول پور کا شہر آباد ہے۔ یہ ریاست راجپوتانے میں ہے (۱۱۵۵) مربع میل سٹیٹ کی آبادی ۲۶۳۱۸۸ نفوس ہے اور آمدنی بارہ لاکھ سالانہ کی۔ مہاراجہ صاحب کو پندرہ توپوں کی سلامی ہے۔ مشہور مقامات میں ایک مسجد ہے جسے شاہ جہاں بادشاہ نے ۱۶۳۴ء میں بنوایا تھا اور یہیں ایک گنبد کسی بزرگ سید صاحب کی درگاہ کا ہے۔ یہ شہر راجہ دھولن دیو نے اوائل گیارہ صدی عیسوی میں بسایا تھا۔ بابر بادشاہ نے اس شہر کا ذکر کیا ہے کہ ۱۵۲۶ء میں فتح کیا تھا۔ ہمایوں نے بحالت شہزادگی شہر کی آبادی کو دریا کی زد سے محفوظ رکھنے کے لیئے اور ذرا شمال کی طرف ہٹا دیا تھا اکبر کے زمانے میں شہر کو ایک حد تک محصور کر کے ایک محافظ سراے بنائی گئی۔ شہر کا نیا حصہ اور محلات راجہ حال کے دادا رانا کرت سنگھ نے بنوائے تھے۔ ماہ اکتوبر کے آخر میں ایک بڑا بھاری میلا سرد پڑا کا یہاں پندرہ دن تک رہتا ہے جس میں علاوہ ایک کثیر تعداد تجارتی مال کے مویشی اور گھوڑے وغیرہ بھی فروخت ہوتے ہیں۔ دھول پور سے دو میل پر ایک جھیل ہے جو "مچ کُند دیو" کے نام سے موسوم ہے اور اوتار کرشنا سے منسوب ہے۔ ریلوے سٹیشن کے پاس سٹیٹ کے علاقہ کی بڑی بھاری پتھر کی کان ہے۔

[1] پسر نواب آصف خاں بہادر است از ہنگام شاہجہاں و بسیر شن عالمگیر بعہدۂ وزارت سربلندی داشت اصل نامش ابوطالب است در عمر (۹۳) بتاریخ ۱۶ شوال ۱۱۰۵ھ رحلت نمود۔ تاریخ وفات از مخبر الواصلین۔

مصدر فیض و کرم شائستہ خاں	گوئے نکوئی ازیں آفاق برد
سالِ نقلِ آں امیر باکرم	گفت ہاتف اہل خیر و داد مرد ۱۱۰۵
دیگر بود نواب امیر الامرا	عمدۃ الملک شہنشاہ زماں
خان شائستہ ابو طالب نام	قرۂ باصرۂ آصف خاں
سالِ نقلش تباسف گفتم	آہ نواب سخی شد زجہاں ۱۱۰۵
دیگر۔ چو شد شائستہ خاں سوے ہر دو کش	بجاں غم داد شد تاریخ نوتش ۱۱۰۵ (۱۲)

رتی رتی کی خبر دیتی رہتی تھی اور اسی نے اورنگ زیب کو خبر دی تھی کہ بادشاہ کی حالت بہت خطرناک ہے۔ دارا چونکہ دربار میں باپ کے پاس موجود تھا اس لئے اُسے عمدہ مواقع حاصل تھے وہ بادشاہ کی صحیح حالت کو پوشیدہ رکھتا تھا اور کوشش کرتا تھا کہ بات چھوٹنے نہ پائے لیکن دوسرے بھائیوں کے جاسوس بھی لگے ہوئے تھے اور سارے کن سوئیاں لیتے رہتے تھے۔ شجاع نے مارا مار لشکر جمع کرلیا اور دارالسلطنت کی طرف اُمڈا چلا آرہا تھا۔ اورنگ زیب بڑا مآل اندیش تھا اس کی نظروں کے سامنے آیندہ کے واقعات کا پورا نقشہ کھنچا ہوا تھا کہ کیا نوبت ہونے والی ہے۔ اورنگ زیب کا عندیہ تھا کہ پہلے شجاع اور دارا لڑ بھڑ لیں اور جب دونوں کی قوت میں ضعف آجائے تو پھر ان کی خبر لوں گا۔

اورنگ زیب کی ڈپلومیسی

اپنی پوزیشن مضبوط کرنے کے لئے اورنگ زیب ایک بڑی گہری چال چلا کہ چھوٹے بھائی مراد کو ایک بہت چکنا چپڑا خط لکھا اور اس طرح مخاطب کیا جیسا کہ کوئی بادشاہ وقت کو لکھتا ہے اور ایسی بڑی عقیدت کا اظہار کیا اور لکھا کہ ہرگز ہرگز [illegible] کا ذرا سا [illegible] تم نہ ملنے پائے۔ مراد بے چارہ سیدھا سادا آدمی تھا وہ پیچ کی باتوں کو کیا جانے اورنگ زیب کے پھندوں میں آگیا اور اس طرح ان دونوں بھائیوں کے لشکر مالوے مقام پر ملے۔ اس اثنا میں دارا بھی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیکار نہیں بیٹھا رہا۔ اس کے بیٹے سلیمان نے بنارس کے قریب شجاع کو ایسی بھاری شکست دی کہ اُس نے بنگال ہی میں جاکر دم لیا۔ ۱۶۵۸ء میں مراد اور اورنگ زیب کے مقابلے پر راجہ جسونت سنگھ کو ایک بڑا بھاری لشکر دے کر بھیجا گیا لیکن اورنگ زیب اور مراد کے مشترکہ لشکر نے [illegible] میں راجہ کو شکست دی۔ اورنگ زیب نے فتح پر پہلے تو فضل باری تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا اور پھر معتقد کرم داشتن مراد کو خوش کرنے کو اس کو اسی کی قابلیت اور جرأت کا نتیجہ ظاہر کیا اور مراد کی آؤ بھگت بالکل شاہانہ طور پر کرنے لگا جس سے یہ اظہار مقصود تھا کہ گویا بس تم بادشاہ ہو ہی گئے۔ بعد اس کے فتح یاب لشکر دریائے چنبل[۱] کی طرف بڑھا۔ شاہجہاں کی صحت کی طرف سے اب

[۱] جی آئی پی ریلوے کے سٹیشن ہیتم پور اور دھول پور کے بیچ میں دریائے چنبل کا بڑا اہم

نوٹ [۱] کے لئے دیکھو صفحہ (۴۷) - ۱۲ (بقیہ نوٹ بر صفحہ ۱۰۰)

کہ چاروں بھائیوں میں یہی سب سے زیادہ قابلیت بادشاہت کی رکھتا تھا شاہ جہاں کی دونوں بیٹیوں نے بھی اُن سازشوں میں جو شاہجہاں کی بیماری کی حالت میں اُٹھ کھڑی ہوئی تھیں بہت بڑا حصہ لیا ہے۔

جہاں آرا بیگم[لہ] اور روشن آرا بیگم یہی بڑی شہزادی تھی اور اسے شاہجہاں بہت چاہتا تھا اور بادشاہ کے مزاج میں بڑی دخیل اور بارسوخ تھی یہ دارا کی پکی طرف دار اور حامی تھی۔ دوسری صاحب زادی روشن آرا بیگم کی یہ بات نہ تھی وہ اورنگ زیب سے ملی ہوئی تھی

لہ ان دونوں بہنوں کا حال حصہ دوم کتاب ہذا میں ملاحظہ فرمایئے **مسجد جامع اکبرآباد۔** ایں مسجد عالی کہ متصل دروازہ قلعۂ اکبرآباد است تعمیر ساختہ جہاں آرا بیگم دختر سومی شاہ جہان بادشاہ است کہ بہ صرفہ پنج لک روپیہ درعرصۂ پنج سال در ۱۰۵۸ھ صورت انجام یافتہ۔ طولش (۱۳۰) ذراع وعرض صد ذراع وفضائے صحن ہشتاد ذراع مشتمل برسہ گنبد عالی بر سنگ وپنجاہ ایوان است وایں کتابہ بخط طغرا بہ گرد محراب دروازۂ اندرونی آں عمارت عالی بر سنگ مرمر مرقوم است اما بعضے عمارت آں در ایام غلبہ مرہٹہ وجاٹ بضرب گولہ ہائے توپ زائل گشتہ ومسجد نیز جابجا شکستہ بود بحکم صاحبان انگریزیہ باز مرمت گردید۔ **کتابہ۔** ایں مسجد بیست تشریف خدا پرستان روے زمین را و معبدیست منیف عبادت گزیں را منظریست نور افزا دیدہ وران عبادت آئیں را وسکینیت دلکش عارفان حقیقت بین راکہ بامر رفیع القدر نواب فلک جناب خورشید احتجاب آفتاب بہت نقاب عفت۔ رسیدۂ نسا ز زمان۔ صاحبۂ نسوان دوران۔ ملکۂ جہاں مالکۂ جہان ناموس العالمین اعز اولاد امیر المومنین۔ جہاں آرا بیگم۔ درعہد سعادت عہد۔ صاحب عصر والی دہر ظل ظلیل حضرت سبحان خلیفہ خلیل اللہ یزدان۔ باعث امن وامان۔ بادشاہ ہفت اقلیم برآرندۂ تخت ودیہیم۔ حارس ملک وملت قامع جور وبدعت۔ بادشاہ دین پناہ شہنشاہ حق آگاہ مظہر کرم وجود برگزیدہ حضرت معبود۔ فرماں فرمائے بحر وبر داور عدل گستر۔ رافع لوائے بر واحسان جہانیان ملک ستان مقنن قوانین رعیت پروری وپیرو دہ نوازی۔ ابوالمظفر شہاب الدین محمد صاحب قران ثانی شاہجہاں بادشاہ غازی بمبلغ پنج لک روپیہ کہ تقریب ہفدہ ہزار تومان رائج ایران وبست وپنج لک خانی نافذ توران باشد در عرصۂ پنج سال صورت انجام پذیرفتہ ایزد بے نیاز دادار سازایں بنا رفیع راچوں بیت المعمور پا بدار وایں اساس منیع راچوں کاخ فلک برقرار دارد۔ است آثار بانیہ مبانی خیرات عام مراسم خیرات عاید گرداناد وتم فی سنہ ۱۰۵۸

دلکش تقریر اور عمدہ اخلاق کے پیچھے ایک سرد اور بے حس دل تھا۔ وہ اپنے مزاج پر پورا قابو اور اپنی خواہشات پر کامل اختیار رکھتا تھا۔ ان دو صفات نے اُسے ایک کامیاب عیار اور ایک زبردست ملک دار بنا دیا تھا۔ میدان جنگ میں اورنگ زیب کی دلیری اور جواں مردی اپنا دیرپا اثر چھوڑتی تھی۔ اس کے مذہبی خلوص اور غلو نے تمام راست باز مسلمانوں کے دل مٹھی میں لے لیے تھے آگے چل کر ہم اورنگ زیب کے پیچیدہ اور بہت گہرے کیرکٹر کو پوری وضاحت سے بیان کریں گے فی الحال اتنا معلوم کرنا کافی ہے

بیک هزار و سه و شصت رفته بود از هجرت — که دست یار کشید از عمارتش استاد

باہتمام مرید دری جلیل اللہ موسوی باہتمام رسید

در اوائل عملداری کمپنی بہادر یعنی در ۱۸۰۱ء کرنیل کیٹ این مسجد را تعمیر ساختہ مکان بود و باش خود مقرر نمود و بعد از دو سال در ۱۸۱۱ء باز بحکم کمپنی بہادر بصورت اصلی مبدل ساختہ شد و تا امروز موجود است و مسلمانان بدستور قدیم روز عیدین دراں نماز می گزارند۔ الہ آباد میں متعدد بڑے بڑے گرجا، کئی سکول، ہسپتال اور سنٹرل جیل ہے۔ آب رسانی کا بھی بڑا کارخانہ ہے۔

(نوٹ متعلق صفحہ (۴۵۶) سلہ مع پانچ اورنگ زیب و شہزادہ سلطان شجاع سلطان شجاع پسر دوم شاہجہان بود ولادتش روز یکشنبہ ۲۴ جمادی الاولی ۱۰۲۵ھ بمقام اجمیر وقوع یافتہ بعد ہزیمت دارا شکوہ بہ ارادۂ جنگ لشکرے فراہم آورد و از سمت بنگالہ کہ صوبہ داری آں ولایت بہ او تعلق داشت نہضت فرمود و عالمگیر آں خبر شنیدہ بعزم دفع او با فواج قدیم کوچ نمود و در کھجوہ کہ پانزدہ کروہی از الہ آباد فاصلہ دارد و تلاقی فریقین دست داد جنگے عظیم روی نمود و سلطان شجاع شکست خوردہ بطرف بنگالہ گریخت این فتح بتاریخ ۱۹ ربیع الاول ۱۰۶۹ھ وقوع یافتہ و ضمیر شاعر کہ ہمراہ آں مہم موجود بود در ہمین گرمی معرکہ تاریخ این فتح معلوم نمودہ از نظر پادشاہ گذرانید دو ہزار روپیہ صلہ آں یافت۔ سہ

ای خرد توسعد تبارک بادا — پیوستہ ترا تاج مبارک بادا
ختم زپے شگون فتحت تاریخ — دل گفت ستود فتح مبارک بادا
۱۰۶۹

بعد فتح حسب الحکم عالمگیر پسر بزرگ او سلطان محمد و میر جملہ خانخانان سلطان شجاع را تعاقب نمودند و سلطان بیچارہ از بنگالہ گریختہ در اراکان رفت و بعد از سرگردانی و پریشانی چند سال راجۂ آں دیار او را مع عیال و اطفال بر کشتی سوار نمودہ غرق دریائے فنا ساخت و این واقعہ در ۱۰۷۱ھ بوقوع آمد ۱۲

میں اپنی بہادری سے تہلکہ ڈال دیتا تھا مگر شراب کی بوتل پر فدا تھا۔ گجرات کا صوبہ دار بھی تھا

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) کہ آن را ہندوان پاتال پوری می نامند و دران جا درختے ست کہ ہیچ شاخ
و برگ ندارد و ہندوان آن را اکھی بر می گویند و ظاہر می نمایند کہ این درخت از لکھہا سال ہوا ست
و تا روز قیامت خواہد ماند۔ منقول است کہ جہانگیر بادشاہ این درخت را بریدہ طبق آہنی کلان بر سر آن
نہادہ بود و بعد از چند مدت طبق آہنی را شکستہ باز سر بر آوردہ واللہ اعلم بالصواب و درین قلعہ
عمودیست سنگین کہ ہندوان آن را اکھشے بٹ می گویند طولش سی بیست و سطری آن ۲ ½ دست
کتبہ و بعد باتواریخ خط ہندی کہ آن را کسے خواندن نمی تواند اما درین ایام تحقیق شد کہ این ستون
ساختہ راجہ اسوک است کہ ۲۴۰ سال قبل مسیح منقوش گشتہ و بران فرامین و احکام و سوانح
جنگ زمانہ راجہ موصوف نقش گردیدہ چنانچہ در دیگر اقطاع ہند عمودہائے ہمین راجہ موجود اند۔
این عمود را اکبر بیل کمشٹ ہنگام مرمت قلعہ فرود آوردہ بود تا چہل سال اندرون قلعہ افتادہ ماند و بار بحکم
والیسرائے بہادر در سنہ ۱۸۳۸ء استادہ کردہ شد و تصویر شیرے از سنگ تراشیدہ بر بالائے آن
عمود نصب کردہ اند و سوائے خط ہندی وغیرہ کہ بران عمود منقوش است جہانگیر بادشاہ در اوائل
سلطنت خود نام آبائے خود تا صاحب قران بخط فارسی بران عمود حسب ذیل نقش کنانیدہ بود
پہلی سطر۔ ابن سلطان ابو سعید ابن سلطان محمد مرزا ابن میرانشاہ ابن تیمور
صاحبقران شہریور ماہ موافق ربیع الثانی دوسری سطر
نورالدین محمد جہانگیر بادشاہ غازی ابن اکبر بادشاہ غازی ابن ہمایون بادشاہ غازی
ابن بابر بادشاہ ابن عمر شیخ مرزا۔ تیسری سطر کتبہ عبداللہ مشکین رقم۔ و بزیر این قلعہ
از یک سمت دریائے گنگ روان است و از جانب دیگر دریائے جمن آمدہ بآن دریا ملحق گشتہ و
چون این مقام پرستش گاہ بزرگ ہندوان ست در ماہ ماگھ گروہ ہائے ہندوان مرد و زن از دیار قریب
و بعید بہ تعداد کثیر جمع شدہ تا یک ماہ درین جا غسل می نمایند و موجب رستگاری خود می فہمند و مردن درین
مقام موجب نجات ابدی می دانند۔ چنانچہ در زمان سلف اکثرے از ہندوان سنگ بر دست و پا بستہ
بدریا غرق می شدند و بعضے خود را پارہ پارہ می ساختند۔ گویند کہ در زمان پیشین درین جا درخت
ہر کس کہ خود را از آن درخت بریدے ہر حاجتے کہ داشتے در جہان دیگر مراد خود رسیدے از عہد
شاہجہان این رسم موقوف گردید و برخے از دستہ سر خود را از تن جدا می نمودند و برین سوال تعزیہ
نکنند برسم جاری ست کہ امروز دگر او در زمان ملایان آن شہر جاری ست کہ او در سلطنت ہمایون بادشاہ
(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

اُس میں سما گیا یا آسمان کھا گیا۔

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) اور ۲۳ فٹ اونچا ہے یعنی ہال ۹۴ فٹ × ۴۹ فٹ طول و عرض میں اور ۳۲ فٹ اونچا ہے۔ چاروں کونوں پر چار برجیاں اوپر والی برجی سے چھوٹی ہیں۔ کالج کے شمال میں ایک وسیع کمپونڈ کے ایک ستون سنگ سرخ کا ۲۱½ فٹ اونچا کھڑا ہے جو موضع بلادپور پرگنہ جہانج ضلع غازیپور میں ملا تھا اور جس کو یہاں مسٹر طامسن سابق لفٹنٹ گورنر ممالک مغربی و شمالی نے اپنے صرفے سے نصب کرایا۔ اس پر ایک شاستابا کتبہ گپتا کے زمانے کی طرز تحریر کا ہے جس کا ترجمہ صفحہ (۴۲۱) غازیپور نامہ میں درج ہے۔ کالج کے مشرق جانب نقش و نگار کے بہت سے پتھر رکھے ہیں جو سارناتھ کرپا کنڈ اور دیگر قرب و جوار کے مقامات سے لا کر رکھے گئے ہیں۔ سول لینز کی مشہور عمارتیں یہ ہیں راجہ کالی شنکر کا اسیلم (محتاج خانہ) اندھوں اور مجذوموں کے لئے جس کا خرچ راجہ صاحب ممدوح کے عطیہ اور گورنمنٹ گرانٹ سے چلتا ہے سنٹرل جیل اور ضلع کا جیل خانہ کمشنر صاحب اور ایجنٹ گورنر جنرل کی کچہری۔ کلکٹر ضلع اور دوسرے حکام کی کچہریاں۔ جوائنٹ تحصیل۔ میونسپلٹی ضلع کے انجینیر اور پولیس کی کچہریاں بھی اسی کمپونڈ میں ہیں۔ جس میں اب پولیس کی کچہری ہے پہلے اسی میں ریزیڈنسی تھی اور اب اس میں بہت کچھ توسیعات کی گئی ہیں۔ سشن جج اور دوسری دیوانی کی کچہریاں یہیں ہیں لندن مشن سکول کی ایک بڑی عمارت ہے چھاؤنی میں دو کمپنیاں گوروں کی اور ایک پلٹن ہندوستانیوں کی رہتی ہے۔ ان کی بارکیں اور سول و فوجی عہدہ داروں کی کوٹھیاں۔ ہوٹل ڈی پیرس اور کلارک صاحب کی ہوٹل یہ دو ہوٹلیں ہیں۔ گرجا اور صدر بازار بھی چھاؤنی ہی میں ہیں یہ پرل بوٹ۔ بابو موتی چند رئیس عظمت گڈھ نے ایک کشتی صاحبان انگریز کی سیر و سیاحت اور گھاٹ کا تماشہ دیکھنے کو رکھ دی ہے۔ مہاراجہ صاحب بنارس ایک بڑے بیدار مغز روشن خیال رئیس ہیں جن کا اسم مبارک مہاراجہ سر پربھو نارائن سنگھ جی سی آئی ای ہے۔ تیرہ توپوں کی سلامی ہے۔ آپ کی ریاست ممالک متحدہ آگرہ و اودھ میں ہے رقبہ (۸۶۵) مربع میل۔ مردم شماری (۳۶۳۹۹۴) آمدنی سالانہ سولہ لاکھ اسی ہزار سنہ ۱۹۱۱ء میں راجہ صاحب حال کو اس کا سٹیٹ مع اختیارات گورنمنٹ نے تفویض کر دیا۔ ۵۲ الہ آباد۔ یہ ایک بڑا سول ملٹری سٹیشن ہے جس کے شمال میں گنگا اور جنوب میں جمنا ہے۔ ممالک متحدہ آگرہ و اودھ کے لفٹننٹ گورنر اور جنرل کمانڈنگ الہ آباد بریگیڈ کا مستقر ہے یہاں توپ خانہ گوروں اور ہندوستانیوں کی فوج رہتی ہے سنٹرل اور گرینڈ دو ہوٹلیں ریلوے سٹیشن کے قریب ہی ہیں۔ قدیم شہر بڑا سٹیشن ریلوے سٹیشن کے جنوب میں ہے الفریڈ پارک یہاں کا ایک نفیس باغ ہے جو سنہ ۱۸۶۷ء میں تیار ہوا۔ دولتی مدرسہ

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

سرگردانی میں یا کسی اور مخفی طریقے سے ہلاک ہوئے اور یہ خبر نہ لگی کہ زمین پھٹی اور شجاع کٹتا چلا جاتا ہے۔ متبرک کنوؤں میں یہ ہیں **گیان باپی یا گیان کپ**۔ (بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) مابین مسجد اور رنگ زیب اور بشیشور کے مندر کے جس میں شیو کا استھان سمجھا جاتا ہے **امرت کنڈ یا کپ** جس کا پانی امراض کے لیئے شفا ہے اور کوڑھ کو بھی مفید ہے۔ **ناگ کنڈ**۔ یہ بے شک بہت قدیم ہے اور شہر کے شمال مغرب میں جہاں یہ کنڈ ہے وہ محلہ بھی اسی نام سے مشہور ہے۔ یہاں ہر سال جاترا ہوتی ہے اور سانپ کے کاٹے سے محفوظ رہنے کے لیئے اس میں لوگ اشنان کرتے ہیں۔ تالابوں میں سے جو پاک مانے جاتے ہیں تین قابل ذکر ہیں۔ (۱) **مانی کرنیکا**۔ اسی نام کے گھاٹ کے پاس۔ تمام جاتریوں کو اس میں اشنان کرنا لازم ہے۔ (۲) **پسیچ موچن**۔ تمام بنارس کے باشندے سال بھر میں ایک دفعہ ضرور یہاں اشنان کرتے ہیں اور جاتری لوگ بھوت پریت سے محفوظ رہنے کے لیئے اس میں نہاتے ہیں۔ (۳) **اگستیا کنڈ**۔ **عمارات حالیہ**۔ حال کی بنی ہوئی عمارتوں کی تعداد بہت کم ہے **پرنس آف ویلز کی ہسپتال** بڑی سڑک پر ہے جو چھاؤنی سے راج گھاٹ کو جاتی ہے دیناناتھ گولا کے محلے میں ہے جس کا سنگ بنیاد ۱۸۷۶ء میں شاہنشاہ ایڈورڈ ہفتم آنجہانی نے بہ حیثیت شاہزادہ ویلز کے رکھا تھا۔ اس ہسپتال کا افتتاح ۱۸۸۱ء میں **لارڈ رپن** گورنر جنرل ہند نے فرمایا۔ اس عمارت کا روکار جنوب کی طرف ہے۔ نصف عمارت فرد! وٹ پیشنٹز (وہ مریض جو باہر سے آکر دوا لے کر چلے جاتے ہیں) کے لیئے ہے اور بقیہ نصف عورتوں اور بچوں کے لیئے۔ **ٹمون ہال** ہندوانی اور گاتھک طرز کی ایک نہایت خوشنما عمارت مہاراجہ **وزیانگرم** نے بنوائی ہے جو ایک باغ کے سامنے بنا ہوا ہے۔ اس میں ایک نفیس ہال مجالس اور جلسوں کے لیئے بنا ہوا ہے اور ایک خوبصورت صحن کے گرد چند کمرے بنے ہوئے ہیں جن میں سپیشل مجسٹریٹ اجلاس کرتے ہیں۔ اس ٹمون ہال کی چھت پر سے سارے شہر کا عمدہ نظارہ ہوتا ہے لیکن شہر کی گلیاں کچھ ایسی پیچ در پیچ اور گھٹتی ہوئی تنگ و تاریک ہیں کہ جا بجا نظر بھٹک جاتی ہے **گورنمنٹ کالج** - ایک بڑی بھاری عمارت گاتھک طرز کی ہے جس کے روکار پر چنار کا پتھر لگا ہوا ہے - یہ عمارت ۱۸۵۳ء میں بن کر طیار ہوئی جس میں صرف گورنمنٹ کا صرفہ (۱۲۶۹۰) پونڈ کا ہوا یورپین اور ہندوستانی رؤسا کے چندے اس کے علاوہ ہیں - چندہ دہندگان کے اسمائے گرامی کا کتبہ یہاں لگا ہوا ہے - بعض لوگ کہتے ہیں کہ برٹش گورنمنٹ نے ایسی نفیس کوئی عمارت آج تک ہندوستان میں نہیں بنائی - یہ عمارت میجر کٹوئی مرحوم مشہور ماہر فن تعمیر نے بنائی تھی - بیچ کی برجی ۷۵ فٹ اونچی ہے۔ صدر ہال ۶۰ فٹ × ۳۰ فٹ

(بقیہ نوٹ برصفحہ آیندہ)

وفادار ہمراہی اور ایک عورت پہاڑوں میں بھٹکتے پھرتے دکھلائی دیتے تھے وہ یقیناً اسی
قصہ (شاملو گرستہ) متعلقہ تالاب شہر کے جنوبی سرے پر ہے جس کو مرہٹی رانی بھوانی نے پچھلی صدی
میں بنوایا تھا۔ چونکہ یہ حصہ شہر کی گنجان آبادی سے الگ ہے اور اس طرف زمین ارزاں ملتی ہے اس لیے
یہاں ایک عمدہ تالاب بنا دیا گیا اور احاطہ بھی اس کا بہ نسبت دوسرے مندروں کے جہاں جانے کی
قلت ہے بہت وسیع ہے۔ جانب مغرب مندر دروازہ ہے اور سڑک کے کنارے ہی ایک جدید نوبت خانہ
ہے جس کے عمدہ تراش کے بارہ ستون ہیں اور چاروں طرف سے کھلا ہوا ہے۔ نوبت خانے کے دونوں
طرف مگر سڑک پر سے ہٹے ہوئے اور دو چھوٹے مندر ہیں ان دونوں مندروں کے درمیان دو
پتھر کے ستون ہیں ایک مندر کے دروازے سے بائیں ہاتھ کی طرف دس فیٹ سے کچھ اوپر
اونچا جس پر ایک بہت بڑا شیر چوتڑوں کے بل بیٹھا ہوا ہے۔ دوسرا ستون قربان گاہ ہے جو کوئی
دو فیٹ اونچا دروازے کے عین محاذ میں ہے اسی پر قربانی کیے ہوئے مویشیوں کے سر رکھے
جاتے ہیں۔ جس کے اندر مورت کے سامنے دو شیر اصلی سے بھی زیادہ بڑے سے موٹے ہیں اور
گنبد کے نیچے جس میں بڑا عمدہ نقاشی کا کام ہے اصلی مورت ہے۔ گرد کے دالانوں میں اور بہت
سی مورتیں ہیں۔ یہاں مندروں کی بڑی کثرت ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ ان کی وجہ تیس ہزار کی ہے جو حقیقی
تعداد سے کچھ زیادہ معلوم دیتی ہے **مقدس گھاٹ۔ تالاب اور کنوئیں**۔ مندروں کے
ماسوا بنارس میں بہت سے گھاٹوں۔ کنوؤں اور تالابوں کا بھی بڑے مقدس مقامات میں شمار کیا
جاتا ہے جہاں لوگ کثرت سے جا کر اشنان کرتے ہیں۔ بڑے بڑے پرانے قصے اور روایتیں
صدیوں پہلے کی ان مقامات سے منسوب کی جاتی ہیں لیکن گھاٹوں کو دیکھو تو ان میں سے کوئی بھی اتنا پرانا
نہیں معلوم دیتا۔ دریا ہمیشہ ان کو کاٹتا رہتا ہے اور کوئی گھاٹ بھی چند پشتوں سے زیادہ نہیں ٹھیر سکتا
یوں تو بہت سے گھاٹ ہیں مگر بڑے اور مشہور مفصلہ ذیل ہیں (۱) **آسی سنگم**۔ جو آسی اور گنگا
کے جنکشن پر شہر کے جنوبی سرے پر بنا ہوا ہے۔ (۲) **دساشوامید**۔ چونکہ برہما کے ارشاد کے موافق یہاں دس گھوڑوں کی قربانی کی تھی لہذا یہ نام پڑا۔ (۳) **منی کرنیکا گھاٹ**
جہاں مردے جلائے جاتے ہیں (۴) **پنچ گنگا گھاٹ**۔ کہتے ہیں یہاں پانچ دریا ملے ہیں یعنی
جمنا۔ کیرنا۔ ندی۔ سرسوتی۔ گنگا۔ لیکن اب صرف گنگا ہی گنگا دکھلائی دیتی ہے (۵) **برنا سنگم**
جہاں برنا اور گنگا ملی ہے۔ ان کے سوا اور قابل ذکر گھاٹ یہ ہیں کدار گھاٹ۔ ناگپور کے راجہ کا
گھاٹ۔ اور مہاراجہ سیندھیا کا گھاٹ۔ اگرچہ اکثر سیڑھیاں مضبوط نہ ہونے سے

دی اور آخر کار وہ سراسیمہ ہو کے اراکان کو بھاگا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اُس کے ساتھ تین

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) منہدم کر کے لب دریا تک سیڑھیاں بنائی ہیں۔ اب یہ مسجد یوں ہی بے کار پڑی ہے جو کچھ خوش نما یا بہت بڑی بھی نہیں ہے۔ لیکن اس کی مناریں البتہ بنارس میں ایک نادر چیز ہیں اور نہایت عمدہ اور نزاکت سے بنائی گئی ہیں۔ ان کی بلندی باوجودیکہ ۱۴۷ فٹ ہے لیکن ایسی ستونوں ہیں کہ جڑ میں بھی قطر صرف (۸ فٹ) ہے اور دوسری مسجد گیان باپی کہلاتی ہے جو بشیشور کا مندر ڈھا کر اسی جگہ بنائی گئی ہے۔ اس مسجد کے محاذ کے ستون کسی مندر کے لا کر لگائے ہیں۔ ہندو لوگ اب مسجد اور کوئیں کے درمیانی صحن کو اپنا کہتے ہیں اور مسجد میں جانے کا صرف ایک ہی رستہ چھوڑا گیا ہے جو دیوار کے کونے میں ہے مسجد اور مندر دونوں کے قرب کی وجہ سے دونوں فرقوں میں ہمیشہ جھگڑا برپا رہتا ہے۔ **مان مندر کی رصدگاہ**۔ غیر مذہبی قدیم عمارتوں میں امبیر کے راجہ جے سنگھ کی سنہ ۱۶۹۳ء کی بنوائی ہوئی یہ رصدگاہ ہے۔ پنڈت باپو دیو شاستری۔ سی آئی ای۔ نے اس عمارت اور یہاں کے آلات کا جواب بالکل مرمت ہی ایک عمدہ بیان لکھا ہے۔ **زمانہ مابعد کے ہندوؤں کے مندر**۔ اس ضمن میں بہت سے مندر اور کنوئیں دریا کے کنارے گھاٹ پر بنے ہوئے ہیں جن میں سے ہر ایک ہندوؤں کے بے شمار دیوتاؤں میں سے کسی نہ کسی ایک سے منسوب ہے اگرچہ سب پرانے ہیں لیکن بیشتر اُن میں کے یا تو دوبارہ یا از سرِ نو مسلمانوں کے عہد کے بعد بنے ہیں۔ مندروں میں سب سے زیادہ مقدس اور متبرک **بشیشور کا مندر** ہے جو شیو کے نام پر معنون ہے بنارس کا بڑا دیوتا بشیشور ہی ہے بنارس کے تمام لوگ اور ہر سال ایک جم غفیر زائرین کا آکر اُس کی پرستش کرتے ہیں۔ یہ مندر کچھ بہت بڑا نہیں ہے۔ صرف (۵۱ فٹ) اونچا ہے۔ اس کی عمارت میں بھی کوئی خاص بات نہیں ہے۔ انگریز اسی کو گولڈن ٹمپل یعنی سنہری مندر کہتے ہیں کیوں کہ اس کے صحن میں کا بڑا قبہ اور چوٹی پر تانبے کا پتر سنہری ملمع کیا ہوا منڈھا ہوا ہے۔ کوئی پچاس برس ہونے آتے کہ پونا کے راجہ راؤ نے **بھیروں ناتھ** کا جدید مندر قدیم مندر کی عمارت کو منہدم کر کے ایک جدید طرز کا بنوایا۔ **اَنّا پُرنا** کے مندر میں چوں کہ سدابرت بٹتا ہے کثرت سے لوگ جاتے ہیں۔ یہ عمارت بھی گزشتہ صدی کے آخر میں پونا کے راجہ صاحب ہی نے بنوائی ہے۔ اس کے گنبد اور ستونوں پر نقاشی کا عمدہ کام ہے۔ اس کے صحن کے کونوں میں گوری شنکر، ہنومان اور گنیش کے چھوٹے چھوٹے مندر ہیں۔ **آدی بشیشور کا مندر** بشیشور کے مندر سے ڈیڑھ سو گز کے فصل سے ہے اس کی عمارت ساٹھ فیٹ اونچی ہے اور ایک بڑا قبہ بھی ہے۔ **درگا کا مندر**۔ یہ مندر اور اُس کا

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

بھی ہوگیا لیکن اورنگ زیب کے قائل جرنل میر جملہ نے اسے شکست

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) کے نام سے مشہور ہے اس کے سات در ۳۳ اور تو ۳۳ اچوڑے ہیں پلی پڑیں رستے (۲۰ فٹ) لمبے ہیں بیچ کا رستہ گاڑیوں کے لئے ہے اور دوسرے دو رستے دو طرفہ کناروں پر پیدلوں کے لئے۔ جہاں موجودہ شہر بنارس کا اب آباد ہے اسی مقام پر آریوں کے زمانے میں ایک بستی تھی چھٹی صدی میں گوتم بدھ نے اپنے مذہب کی اشاعت کا مرکز اسے ہی قرار دیا تھا اور وہ خود سارناتھ میں رہتا تھا جہاں اب بھی بڑی بڑی بھاری یادگاریں بودھ مذہب کی پھیلی پڑی ہیں۔ یہ مقام آٹھ سو برس تک بودھ مذہب کا صدر مقام رہا لیکن تقریباً ۸۰۰ء میں یہاں کے لوگوں نے پھر اپنے قدیم مذہب پر عود کیا۔ مسلمانوں کے مختلف خاندانوں کے بادشاہوں کی حکومت یہاں چھ سو برس تک رہی اور ۱۷۷۵ء سے انگریزوں کا قبضہ ہوا۔ قلعہ راج گھاٹ میں اب بھی کہیں کہیں بدھ مذہب کے لوگوں کی عمارتوں کی باقیات پائی جاتی ہیں۔ انہیں عمارتوں کے مال مسالے سے مسلمانوں نے ایک مسجد بنا کر کھڑی کر دی ہے۔ بہت سے پتھروں کے نقش و نگار سے ثابت ہوتا ہے کہ راج گھاٹ کا قلعہ جس میں سابقاً ہندو راجہ رہتے تھے پہلے بدھوں کی دہاریعنی عبادت خانہ تھا۔ شہر کے مختلف مقامات اور خاص کر شمالی حصے میں بدھ زمانے کی عمارتوں کے آثار موجود ہیں اور اغلب ہے کہ آئندہ کھدائی میں اور بھی بدھوں کے عبادت خانے ملیں۔ ہندوؤں کے عہد متوسط کی چند ہی عمارتیں اپنی اصلی حالت پر قائم ہیں جن میں کی ایک بڑی عمارت شہر کے شمالی حصے میں بریدھ کل کا مندر ہے۔ یہ مندر روایات کے لحاظ سے بہت قدیم پایا جاتا ہے اور اس سے شفائے امراض و درازی عمر کی کرامات منسوب کی جاتی ہیں۔ اس کی تعمیر کے صحیح زمانے کا تو کچھ پتہ چلتا نہیں مگر یوں دیکھنے میں بہت قدامت کا پایا جاتا ہے۔ قدیم زمانہ اہل ہنود اور حکومت کی پست مسلمانوں کے عہد کی یادگاریں زیادہ ملتی ہیں۔ اہل ہنود کے زمانے کی عمارتوں کی اور کمی اس تعمیر کے موجودہ مندروں کے محض معمولی حیثیت کے ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اورنگ زیب نے چن چن کر بڑے بڑے مندروں کو مسمار کروا دیا تھا اور نئے مندروں کے بنانے میں عہد اسلامی میں ہندوؤں کو ہر قسم کے دقتوں کا سامنا تھا۔ جب مسلمانوں کی سلطنت میں ضعف آگیا تب کہیں جا کر موجودہ مندر نئے مسالے لگا کر مندروں کے زمانے کے ملبے سے بنائے گئے۔ بیچ گنگا گھاٹ کے پاس جو مادھو داس کی ڈیوڑھی مشہور ہے اس کے سوائے ہوئی دو بڑی مسجدیں ہیں ان میں سے ایک پہاڑ کی چوٹی پر بنائی گئی جس کی بری بھاری
(بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ)

اُن کی آپس میں کشمکش رفع ہو جائے گی۔ اُس کو خبر نہ تھی کہ جیسا کہ اس کے خاندان میں اوپر سے ہوتا چلا آیا ہے اس کی زندگی کے آخری دن بھی اس کے بیٹوں کے آئے دن کے بلووں سے تلخ ہو جائیں گے۔

شاہ جہاں کے بیٹے شاہ جہاں سے سلطنت چھیننے پر اس کے چاروں بیٹے آمادہ تھے۔ داراشکوہ سب میں بڑا اُس کے بعد شجاع۔ اورنگ زیب اور مراد۔ فرانسیسی حکیم اور سیاح برنیئر نے ان شہزادوں کے کیرکٹر کی ایک چبھتی ہوئی تصویر حسب ذیل کھینچی ہے:۔

داراشکوہ "وہ داراشکوہ ایک بلند نظر۔ فیاض دل شہزادہ تھا۔ لیکن وہ بڑا من چلا اور مغرور تھا کہ وہ کبھی کسی کی صلاح پر کاربند ہوتا تھا اور نہ اپنی رائے کی مخالفت کی برداشت کرسکتا تھا۔ اُس کی تیز مزاجی اور مذہبی خیالات کی آزادی نے اُس کے بہت سے دشمن پیدا کر دیئے تھے"۔ یہ شہزادہ بڑا بہادر صاف دل اور سخی تھا۔ شکل صورت کے اعتبار سے بھی بہت خوب تھا۔ یہ بھی اکبر کی طرح ہندوؤں پر مہربان تھا مگر مسلمان امراء اس سے ناخوش تھے۔ شاہ جہاں کی صحت خراب ہونے سے تمام کاروبار سلطنت کا حقیقۃً دارا کے ہاتھ میں تھا۔ شاہجہاں اسی کو ولی عہد کرنا چاہتا تھا اور اسی سبب سے اپنے پاس رکھا تھا اور دوسرے بیٹوں کو دور دور کے صوبوں پر بھیج دیا تھا لیکن مشیت ایزدی اس کے خلاف تھی۔

شجاع بنگال کا صوبہ دار تھا اور (اپنے دادا جہانگیر کی طرح) بڑا شرابی اور عیش و عشرت کا بندہ تھا۔ اس میں جواں مردی۔ فہم و ذکا اور ملک داری کسی بات کی کمی نہ تھی۔ لیکن اس کی تباہ کن کم زوری اس کی دیوانہ وار عیاشی تھی۔ علاوہ اس کے چوں کہ وہ شیعہ تھا اکثر سنی مسلمان اُس سے متنفر تھے۔ اس نے بنگال میں بہت ہاتھ پاؤں مارے اور بنارس[۱] ۔ الہ آباد[۲] اور جونپور پر قابض

[۱] یہ شہر ہندوؤں کا بڑا مقدس مقام ہے جو دریائے گنگا کے بائیں شمالی کنارے پر واقع ہے جس پر ریل کا پل ساتویں میل پر (۳۵۰۰ فٹ) لمبا بنا ہوا ہے۔ یہ پل ڈفرن برج (بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ)

عارضی صلح کرا کے اپنے بیٹے محمد معظم کو وہاں چھوڑ چلتا ہوا۔ اس وقت دکن کے لوگ بڑی تباہی کی حالت میں تھے دکن کے بادشاہوں نے ایسے ایسے ملک اس غرض سے اجاڑ دیئے کہ غنیم کو اب دوبارہ تک میسر نہ آئے اور جو کچھ باقی بچ رہا تھا وہ مغلوں کی فوج نے لوٹ کھسوٹ کر صفائی کر دی۔ بارش نہ ہونے سے کئی سال تک خوفناک قحط رہا اس پر تاریخ یہ ہوا کہ وبا پھیل گئی اور ہزار دل مصیبت کے ماروں کو سمیٹ کر لے گئی۔ باپ ابھی جھول ہی رہا تھا کہ شجاع نے بنگال میں مراد بخش نے گجرات میں شاہی خطاب لے لئے اپنے نام کے سکے بھی مضروب کر دیئے جواب بھی کہیں کہیں موجود ہیں لیکن اورنگ زیب بڑا گہرا اور بجتا ملتا تھا اُس نے ایسی کوئی خفیف الحرکاتی نہیں کی۔ بادشاہ کی شدید علالت سے تمام ملک میں ایک عام ہل چل مچ گئی اور تمام کاروبار بند ہو گئے۔ جداجد اگر کے بادشاہ کو صحت ہوئی تب داراشکوہ بادشاہ کو کشتی میں سوار کرا کے آگرے لے گیا۔

شاہجہاں کے ارادے

شاہ جہاں گو صحت یاب تھا مگر اُس کی حالت نا امیدی کی رہی پھر چاروں بیٹوں نے حصول تخت کے لئے ایک اودھم مچا دی اور ان میں سے ہر شخص اپنی اپنی جگہ بادشاہ بن جانے کی سخت تریں کوشش کرنے لگا اور مرنے مارنے پر تل گئے کہ تخت ملے یا تختہ یعنی ادھر یا اُدھر کچھ فیصلہ ہو جائے۔ جب تخت کے لئے تدادوش میں جان ہی کیوں نہ جائے۔ ایک دن مرنا ضرور ہے تو نام کر کے کیوں نہ مریں۔ سلاطین مغلیہ کی تاریخ ماضیہ نے یہ سبق دے دیا تھا کہ بادشاہوں کے بیٹوں کی جانیں ہمیشہ معرض خطر میں رہتی تھیں۔ ان میں سے ہر ایک بخوبی جانتا تھا کہ تخت کا دعوی دار بن کر لڑنا کچھ بازیچہ اطفال نہ تھا نہ صورت ناکامیابی سر جائے گا یا ساری عمر قید میں بسر کرنا ہوگا۔ شاہ جہاں کے آخری سالوں میں سلطنت کا کاروبار اس کے آرام و آسائش پر حاوی انحصار ہوتا تھا اور سلسلہ کی اہم دستگیر و مددگاری ایک سبلا جانگ کو ہو گئی تھی۔ وہ خود چاہتا تھا کہ اپنی سلطنت کو چاروں بیٹوں میں تقسیم کر دے۔ اُس کو اُمید تھی کہ چاروں بیٹوں کو اگر علی حدہ علی حدہ صوبے دیئے جائیں گے تو

بادشاہ کا اُس پر عتاب ہوا اور قید کیا گیا۔ اول تو میر جملہ نے اپنے بیٹے کی رہائی کے لئے بہت کچھ عرض معروض کیا لیکن پذیرا نہ ہوا تب میر جملہ بددل ہو گیا اور ادھر سے لوٹ اُدھر اورنگ زیب سے جا ملا۔ اورنگ زیب کی سفارش پر **شاہجہاں** نے عبداللہ شاہ کو فرمان بھیجا کہ میر امین قید سے چھوڑ دیا جائے لیکن یہاں اس کی بھی کچھ پروا نہ کی گئی۔ سنہ ۱۶۵۶ء میں شاہجہاں نے اپنے تیسرے بیٹے اورنگ زیب کو ایک بڑا بھاری لشکر دے کر ملک دکن کی تسخیر کو روانہ کیا۔ اورنگ زیب نے آتے ہی اچانک گولکنڈے کا محاصرہ کر لیا۔ عبداللہ شاہ نے جب دیکھا کہ معاملہ بے ڈھب ہے فوراً میر امین کو چھوڑ دیا اور اُس کی جائداد بھی واپس دے دی اور خود بھی بادشاہ کی اطاعت قبول کر لی علاوہ اس کے اپنی بیٹی کی شادی اورنگ زیب کے بیٹے **سلطان محمد** سے کر دی۔ اس کے بعد **بیدر** کا قلعہ فتح ہوا۔ یہ واقعہ ۱۶۵۶ء کا ہے جب میر جملہ شاہجہاں کے دربار میں داخل ہو گیا۔ اسی زمانے میں محمد عادل شاہ بادشاہ بیجاپور نے انتقال کیا۔ اس بادشاہ کے **داراشکوہ** سے گہرے تعلقات تھے اس وجہ سے اورنگ زیب کھٹکا ہوا تھا۔ عادل شاہ کا مرنا کیا تھا گویا ایک دیرینہ آرزو پوری ہوئی اور ایک کانٹا سا کھٹک رہا تھا جو نکل گیا۔ محمد عادل شاہ ثانی کی تخت نشینی میں تنازع برپا تھا دو شہزادیاں بھی جدا جدا دعویٰ دار تھیں اس لئے اورنگ زیب کو دست اندازی کا اچھا موقع ہاتھ لگا۔ عادل شاہ نے اپنی طرف سے صلح کی بہتیری کوشش کی لیکن اورنگ زیب کے دل میں تو یہ ٹھنی ہوئی تھی کہ جس طرح بھی بن پڑے بیجاپور لیا جائے اس سبب سے اُس نے ۱۶۵۷ء میں پھر شہر بیجاپور کا محاصرہ کر لیا اور کچھ شک نہیں کہ بیجاپور اس دفعہ ضرور فتح ہو جاتا لیکن اس نازک وقت میں آگرے میں ایک بڑا سانحہ پیش آیا اور اورنگ زیب کی ساری توجہ اُس طرف منعطف ہو گئی۔

شاہجہاں کی شدید علالت

۱۶۵۷ء

شاہجہاں کا مزاج شکوہ فالج سے دفعتاً جادۂ اعتدال سے منحرف ہو گیا بہت سارا خون نکالا گیا جب کہیں جان میں جان آئی اور دوبارہ زندگی ہوئی۔ باپ کا بیمار پڑنا تھا کہ چاروں بیٹے چاروں طرف سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اورنگ زیب جھٹ پٹ بیجاپور سے ایک

فورٹ سینٹ جارج تعمیر کیا۔ ملک بنگال میں بھی ایک کمپنی نے ایک چھوٹی سی کوٹھی بنالی جو دریائے گنگا کے دہانے پر **کلکتہ** سے تیس میل شمال کی طرف **ہگلی** میں واقع تھی۔ اکبر اور جہانگیر دونوں عیسائیوں اور اُن کے مذہب سے ہمدردی رکھتے تھے اور جہانگیر نے اس میں یہ بھی مفاد مد نظر رکھا تھا کہ یورپ میں تجارت سے ملک کو فائدہ پہنچتا ہے۔ **پرتگیزوں** نے ہگلی میں ایک قلعہ بنالیا تھا لیکن اِن لوگوں نے عطیات سلطانی کی قدر نہ کی بحری قزاقی اور لونڈی غلاموں کی تجارت شروع کردی اور اُن کی شوخ چشمی یہاں تک بڑھی کہ ممتاز محل کی جناب میں گستاخی کی۔ ملکہ کا جیسا کچھ عروج اور درجہ تھا محتاج بیان نہیں اُس نے اُن کو قرار واقعی سزا دلوائی۔ ملکہ کی وفات کے دوسرے برس ۱۶۳۲ء میں شاہجہاں کے ایک عہدہ دار نے پرتگیزوں کے قلعہ پر گولہ باری کی اور دس ہزار آدمی مارے گئے یا تو بارود سے اڑائے گئے یا غرق کیے گئے یا آگ میں جلائے گئے۔ ان میں سے چار ہزار یا پانچ ہزار قیدی آگرے بھی لائے گئے تھے اور یہاں اُن کو طرح طرح کا عذاب دیا گیا۔ برنیر لکھتا ہے کہ اُن کے مصائب کی نظیر زمانہ حال میں ڈھونڈے نہیں مل سکتی[1] لیکن اس میں شک نہیں کہ وہ مستحق بھی اسی کے تھے۔ شاہجہاں نے آگرے کے گرجا کی مٹی کروا دی لیکن اصلی عمارت برقرار رکھی جو اب تک موجود ہے۔

میر جملہ گولکنڈہ اور بیجاپور دونوں اپنا اپنا خراج پابندی سے ادا کرتے چلے آئے تھے۔ **میر جملہ** جواہرات کا ایک تاجر تھا وہ اپنی دانائی اور فراست کی وجہ سے **عبداللہ قطب شاہ** بادشاہ گولکنڈے کا وزیر ہو گیا۔ میر جملہ تو ایک مقامی جنگ میں پھنسا ہوا تھا اُس کا بیٹا **میر امین** ایک آوارہ وش نوجوان تھا۔

[1] اسیرانِ جنگ کے ساتھ عمدہ سلوک کرتے ہم نے کسی کو نہ دیکھا۔ سدا بے رحمی اور سفاکی کی جو کہو تو اب ہم نے بچشم خود یورپ کی جنگ کو گو نہیں دیکھا مگر وہاں کے مظالم اور قتل اور غارت گری۔ آتش زنی۔ لوٹ مار۔ بم باری۔ زہریلی گیس کے پھینکوں اور طرح طرح کے نو ایجاد مہلک آلوں تارپیڈو اور ہوائی جہازوں سے ملکوں کے اجاڑنے کے حالات جو سنے تو حوادث شمس کو بھی دور عدم نہ دکھلانے ملنا پر رو گئے ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ آج جو جو کلیں انسان کی جان لینے کی چل پڑی ہیں اُن کا اس زمانے میں وجود بھی نہ تھا ۱۲

پکڑ کر کھا نہ جائیں۔ ماں باپ اپنے اپنے بچوں کو کاٹ کاٹ کر کھا نے لگے تھے تمام زمین پر مردوں ہی مردوں کا ستھراؤ تھا مسٹر منڈی کو ایک چھوٹا سا ڈیرہ لگانے کی بھی جگہ نہ ملتی تھی قصبوں میں جہاں دیکھو ہر عمر کے مرد عورتوں کے مُردوں کی ٹانگیں گھسیٹ گھسیٹ کر ننگے مادر زاد باہر پھینک دیتے تھے اور وہیں وہ پڑے سڑا کرتے تھے رستے نعشوں سے ایسے اَٹے گئے تھے کہ رستہ چلنا مشکل تھا سورت سے لے کر برہان پور تک یہی حال تھا۔ وبا کا وہ حال تھا اور تڑا تڑی کا وہ بازار گرم تھا کہ ایک سورت ہی سورت کی یہ صورت حال تھی کہ اکیس انگریز تاجروں میں سے سترہ مر گئے۔ یہاں خلق اللہ پر یہ مصیبت گزر رہی تھی اور وہاں برہان پور کے شاہی کیمپ میں ہر چیز اَٹی چلی تھی ع کجا دانند حال ما سبکساران ساحلہا۔ منڈی تو لکھتا ہے کہ گورنمنٹ کی طرف سے کوئی بندوبست نہ تھا مگر بادشاہ نامے میں لکھا ہے کہ بہت سے محتاج خانے کھولے گئے تھے اور ڈیڑھ لاکھ روپیہ بیس ہفتوں میں خیرات کیا گیا اور گیارہواں حصہ مالگزاری کا بھی معاف کر دیا گیا۔

ہندوؤں کے مندروں کا مسمار کرنا ۱۶۳۲ء

شاہ جہاں ایک متعصب[۱] مسلمان تھا اکبر اور جہانگیر کی پالیسی کے خلاف اس نے ۱۶۳۲ء میں ساری مملکت میں نو تعمیر شدہ مندروں کے انہدام کا حکم دیا۔ صرف ایک بنارس کے ضلع میں (۷۶) مندر ڈھائے گئے۔ دوسرے مقامات کا حال معلوم نہیں۔

فورٹ سینٹ جارج کی تعمیر

شاہ جہاں کے عہد میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے مشرقی ساحل پر مدراس میں زمین خرید کر کے

[۱] جہاں کسی بادشاہ نے اپنے مذہب کی ذرا بھی پچ کی کہ تعصب کا الزام دھر گیا۔ یہ تو بتلائے کہ مذہب کا حامی کون بادشاہ نہیں ڈیفنڈر آف دی فیتھ کے کیا معنے ہیں؟ ونسنٹ سمتھ صاحب صاحب قلم ہیں جو چاہیں لکھیں اُن کی گرفت کر کون سکتا ہے۔ مسٹر ارسکین لکھتے ہیں کہ اکبر کی طرح یہ بھی ہندو مسلمان دونوں کو برابر سمجھتا تھا.... راجپوت اس کو اچھا خاصا راجپوت سمجھتے تھے ہماری کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ متضاد اقوال کیسے ہیں۔ اور ان میں سے کس کی بات قابل وثوق ہے۔ ایک آسمان پر چڑھا دیتا ہے تو دوسرا زمین میں گاڑ دیتا ہے جتنے منہ اتنی باتیں رہی اصل حقیقت وہ خدا ہی بہتر جانتا ہے ۱۲۔

قبضہ کرلیا اور اس طرح یہ ملک ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مغلوں کے قبضے سے نکل گیا۔ اس دفعہ پھر بھی اورنگ زیب کو محاصرے کے لئے بھیجا گیا تھا لیکن کوئی مفید نتیجہ مترتب نہ ہوا۔ تب اورنگ زیب کو دکن کا صوبہ دار مقرر کرکے بھیجا گیا۔ داراشکوہ کا بادشاہ کے حضور میں بڑا رسوخ اور عروج تھا۔ اورنگ زیب سے اُس سے لاگ ڈانٹ پہلے ہی سے تھی وہ چاہتا تھا کہ قندھار کی مہم پر میں جاؤں اور فتح کی شہرت اور ناموری حاصل کروں لیکن کہ اُس کا لشکر بہت کمال آراستہ و پیراستہ تھا۔ دارا نے اپنی ساری قوت صرف کردی اور ایک ایک ہی توڑ کوشش کی لیکن کچھ ایسی بے کل ہو گئی تھی کہ کسی کے سنوارے نہ سدھری غرضیکہ معاملہ کسی طرح درست نہ ہوا اور دارا کو بھی نقصان اُٹھانے کے بعد ۱۶۵۳ء میں بحالت مجبوری محاصرہ اُٹھانا پڑا۔

اس کے بعد دو سال تک بادشاہ **ٹوڈرمل** کی مجوزہ سکیم مالگزاری اراضی کی ترمیم میں مصروف رہا۔ وزیر باتدبیر **سعد اللہ خاں** علامی نے ۱۶۵۵ء میں انتقال کیا جس کی نسبت **الفنسٹن** صاحب لکھتے ہیں کہ "جتنے وزرا ہندوستان میں گزرے یہی سب سے زیادہ لایق اور سب میں راست باز تھا"۔ اگر اس دانش مند وزیر کی حیات مستعار اور چند دن وفا کرتی تو جو آفتیں دکن میں آگے چل کر آئیں اور جو بنا تھیں زوال سلطنت مغلیہ کی وہ شاید ظہور پذیر نہ ہوتیں۔

گجرات کا ہولناک قحط ۳۲-۱۶۳۰ء

دکن کی لڑائیوں کے شروع شروع کے زمانے میں صوبۂ گجرات اور خاندیس میں ۳۲-۱۶۳۰ء میں ایک ایسا ہولناک قحط پڑا کہ الہی توبہ۔ اس قحط کا ذکر بادشاہ نامے اور **پیٹر منڈی** کے سفرنامے میں بھی ملتا ہے۔ منڈی اسی زمانہ قحط میں صورت سے آگرے ہوتا ہوا پٹنہ گیا تھا اور اسی رستے واپس آیا۔ وہ لکھتا ہے کہ لوگ اس ڈر سے سفر نہیں کرتے تھے کہ کہیں رستے میں اُن کو

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۵۲) کوری باشی است۔ ع۔ اولیں فتح صاحب قرانی۔ دوگیر شاہ قرآں سیرچیں بالتزع۔ علی کشاد در قندھار ع دست عنایت آمد و گشود۔ ع آمد کلید ملک شہ مقدقند ہار۔ بعد ازیں در ۱۰۲۲ھ شہزادۂ اورنگ زیب و در ۱۰۶۲ھ شاہزادۂ داراشکوہ پسران شاہ جہاں بادشاہ برائے تسخیر این قلعہ بقندھار رسیدند و بے نیل مقصود مراجعت نمودند ۱۲

مہم کو چھوڑ چھاڑ وہ بلا اجازت واپس چلا آیا تب اُس کے معاوضے میں اورنگ زیب بھیجا گیا۔ اگرچہ لڑائی کا طور امید افزا تھا لیکن اورنگ زیب کی دانش مندانہ رائے یہ قرار پائی کہ گو اس وقت عارضی فتح ہو بھی جائے مگر بلخ پر مستقلانہ قبضہ رکھنا ناممکن اور غیر ضروری دونوں ہی۔ اورنگ زیب کی صلاح کے موافق شاہ جہاں نے فوج کی واپسی کا حکم دے دیا۔ لیکن واپسی کے وقت بڑی مصیبت کا سامنا ہوا۔ ایک بڑی تعداد لشکر کی برف میں ہلاک ہو گئی اور اس بڑے بھاری لشکر میں سے بہت ہی تھوڑے لوگ پلٹے اور وہ بھی ۱۶۴۷ء میں جب کابل پونہچے تو ادھ مو ئے تھے۔ دوسرے ہی سال ۱۶۴۸ء میں پھر ایرانیوں نے قندہار پر[۱]

(بقیہ نوٹ برصفحہ ۷۵۱)

گشت در تسخیر عالم ثانی صاحبقران | ایزد او را کرد در کشورستانی کامیاب
در دلش عزم جہانگیری چو شبے گر گذرد | گیرد اقبالش جہان را صبح پیش از آفتاب
سال ایں تاریخ جستم از عقل دانشور تغییر | گفت با طبعش ز راہ تعمیہ کای نکتہ یاب
والی توران برآر از ملک توراں بعد ازاں | ثانی صاحبقران با آں بجایش کن حساب

و چوں نذر محمد خاں زر و قبیلہ و املاک را بجا گزاشتہ راہ خود پیش گرفتہ بود چنانچہ تاریخ آں مرزا عبدالرزاق ..... کتاب مجموع الصنائع خوب گفتہ:-

شد ز بلخ و بدخشاں نذر محمد خاں | زر و قبیلہ و املاک را گذاشت دراں

یعنی چوں از اعداد بلخ و بدخشاں اعداد نذر محمد خاں بدال مہملہ بدر رود اعداد زر و قبیلہ و املاک امروزہ شود تاریخ بر آید۔ نذر محمد خاں پس از چند اوقات در ہند آمدہ بعد از استقامت چند سال در ہندوستان روانہ مکہ شدہ در اثنائے راہ در نواحی سمنان سلخ جمادی الثانیہ ۱۰۶۱ھ فوت کردہ۔

[۱] در ۱۰۵۹ھ شاہ عباس ثانی صفوی بادشاہ ایران قلعہ قندہار را فتح ساختہ از دست مردمان شاہجہاں بادشاہ برآورد و ارباب طبع سلیم را در فتح ایں قلعہ شدید البنیان تواریخہا بخاطر رسیدہ در رشتہ نظم و بیان کشیدہ از انجملہ ایں مصرعہ از خان ذی شان مرتضیٰ قلی خان (بقیہ برصفحہ آیندہ)

ایک عہدہ دار تھا ایک لاکھ روپیہ بطور خود **قندھار** حوالہ کر دیا اور خود بھی شاہجہاں کی اطاعت قبول کر کے شاہی ملازمت میں شامل ہو گیا۔ علی مردان خاں کو پیشگاہ سلطانی سے بڑا مرتبہ سرفراز ہوا۔ اس نے ہی آسائش کے لیے شروع شروع بعض نہریں کھدوائیں جن میں سے **مغربی نہر جمنا** اب تک بھی اس کے فی الخیری کی ایک عمدہ یادگار باقی ہے۔

بلخ اور بدخشاں کی مہم[۱] سنہ ۱۶۴ ء

علی مردان خاں نے سنہ ۱۶۴۴ء میں **بلخ** پر لشکرکشی کی۔ اس کے پیچھے ہی **شہزادے مراد** کو بطور شریک کے امداد بھیجا گیا۔ جو **بدخشاں** کے اس پہاڑی خطہ پر جو بلخ کے مشرق میں ہے قابض ہو گیا لیکن خدا جانے کیا بات ہوئی کہ

[۱] قلعہ جلال آباد۔ شہر جلال آباد جو کنار دریائے اٹک است برائے آبادی آں جلال الدین محمد اکبر شاہ در سنہ ۹۷۸ھ بوقت مراجعت از کابل بہ شمس الدین خان حکیم زادہ بود او در عرصہ دو سال آباد ساختہ بفاصلہ سہ کروہ از شہر جلال آباد چار باغ کہ آنرا باغ صفا و باغ وفا نیز گویند موجود است و ایں باغ را بابر بادشاہ در سنہ ۹۱۴ھ احداث ساختہ بود شاہجہاں بادشاہ در سنہ ۱۰۴۵ھ قلعہ در جلال آباد تعمیر نمودہ بود حالا مسمار است الا سنگے کہ بر آں تاریخ آں قلعہ مرقوم است در مسجد جلال آباد امروز موجود است۔ وہو ہذا۔

بحکم شاہجہاں اہتمام خان چو نہاد | بروئے ساخت دریں بنائے خیر مآل
ز آسمان و زمان تا اثر بود پیدا | مباد جوئی ایں قلعہ در شکنج زوال
حساب سال بنایش ز عقل می جستم | بدار سید بگوشم کہ بنائے فرخ فال"

تاریخ فتح بلخ و بدخشاں۔ چوں در سنہ ۱۰۵۶ھ شاہجہاں با جمعیت لشکر بسوار متوجہ قندھار شد بلخ را فتح ساخت و محمد خان والی توران مغلوب شدہ گریخت بعری شیرازی ایں ابیات در تاریخ گفتہ۔

شکر للہ کز عنایات خداوند جہاں | کرد فتح ملک توران سرور مالک رقاب
بادشاہ غازی عادل شہنشاہ جہاں | آنکہ کرد او را جہاں از جملہ شاہان انتخاب

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

کی تاریخ میں بڑا حصہ لیا ہے اور جو ملک عنبر کے علاقے کا ایک بڑا نامور سردار تھا اس نے احمد نگر کے تخت پر اپنی طرف سے ایک اور شہزادے کو بٹھا مغرب کی طرف کا جو ملک نکل گیا تھا وہ سارے کا سارا پھر لے لیا اور دکن کی بدنظمی کی پھر وہی حالت ہو گئی جو کہ پہلے تھی۔ مجبوراً شاہ جہاں کو دوبارہ ۱۶۳۵ء میں دکن جانا پڑا آئے دن کی یورشوں سے تنگ آکر محمد عادل شاہ نے ۱۶۳۶ء میں صلح کر لی اور بعوض ایک خطیر سالانہ خراج کے احمد نگر کی مملکت کا ایک بڑا حصہ مغلوں کی طرف سے اس کو دیا گیا اس طرح ۱۶۳۷ء میں احمد نگر کی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔ شاہ جی نے بھی مطیع ہو کر شاہی فوج کی ملازمت اختیار کر لی۔ گولکنڈے کے بادشاہ نے بھی اطاعت قبول کر کے ادائی خراج کا معاہدہ کر لیا اس طرح دکن کا قرار واقعی انتظام کر کے شاہجہاں ۱۶۳۷ء میں واپس آگیا۔

قندھار پر قبضہ ۱۶۳۷ء شاہ جہاں ابھی دکن ہی میں تھا کہ جس سال (۱۶۳۷ء) احمد نگر فتح ہوا علی مردان خاں[۱] نے جو شاہ فارس کا

بقیہ نوٹ صفحہ ۴۴۹

بندۂ بس بزرگ روحانی — یعنی پرویز عبد سلطانی
فرماں شدہ حکم او مرتب — در روز رواں شو و شبا شب
چوں سکۂ لعل او نمودند — ماہی دم آتش فزودند
موئے سر اوش شانہ کردند — در حال ورا روانہ کردند
آمد بدیار دولت آباد — مجموع برادراں شدند شاد
بنیاد عمارتے بکردند — بستند میاں کساں کہ مردند
بنیاد بنائے او سہ سال است — زیں حرف چو بگذری وبال است
تاریخ منار دولت آباد — در شصد و چہل و نہ شد آباد ۶۴۹
ایں عمارت چو دستۂ گل شد — زام پرویز بن قزلقل شد

[۱] تاریخ پل علی مردان خاں۔ ایں پل قریب دریائے سرخاب است مابین قندھار و لپشاور و آں را نواب علی مردان خاں وزیر شاہجہاں در ۱۰۵۴ھ تعمیر ساختہ و بر لوح ایں ابیات مرقوم است۔

در زمان ثانی صاحبقراں شاہ جہاں — بادشاہے دادگستر ظل وہاب وحید
خان عالیشان علیمرداں شد از بہر خدا — بانی ایں پل بفال فرخ و بخت سعید
سال تاریخش چو جستم از خرد داد ایں جواب — بانی ایں پل علیمرداں شد از لطف حبیب ۱۰۵۴

کر کے گوالیار کے قلعے میں جو سٹیٹ پرزن تھا بھیج دیا۔ احمد نگر کی چول تو یوں بیٹھ گئی رہا بیجاپور ابھی قابو میں نہیں آیا۔ اگرچہ مہابت خاں نے اپنی پوری قوت صرف کر دی مگر کوئی صورت کامیابی کی نظر نہ آئی۔ اس ہزیمت ایک شخص شاہ جی بھونسلے نامی مرہٹے سردار نے فائدہ اٹھایا جس کے خاندان نے آگے چل کر ہندوستان

(بقیہ فٹ نوٹ گذشتہ)

اور جنوب کی طرف ایک مسجد ہے جس کے طرز سے معلوم ہوتا ہے کہ حبشیوں کے کسی بڑے سردار کو کالی
مسجد کے نام سے مشہور تھا توڑ کر بنائی ہے چنانچہ مینار کی بائیں جانب اب بھی اس مسجد کا کچھ
حصہ باقی ہے۔ مسجد مع مسجد کے درمیانی حصے میں ہے اس مسجد پر ایک بہت پرانا کتبہ بالودہ
میں مسجد کی شمالی دیوار میں نصب تھا جو اکھاڑ کر رائل ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی میں بھیج دیا گیا
اور اب تو مسجد کے دروازے پر یہ شعر کندہ ہے ؎

ایا سلطان علاء الدین قطب شاہ — مبارک باد ایں فرخندہ بنیاد

مسجد کے جنوب رخ مینار کی حد میں ایک بڑے پتھر پر یہ اشعار کندہ ہیں:- ؎

بودست یکے بزرگ شاہے — بر مسند سلطنت چو ماہے
بس محتشم و غیور و دانا — کس را چہ مجال لا و الّا
در حرمت او کہ کس نگوید — جمشید سخن نہ بر کس گوید
انگشت بہ ہیبت نامش — چو جام جم دیدہ جاہ جامش
دارد لشکرے کہ بر ملک نیست — در حلقۂ بندہ راست لیکن نیست
سلطان علاء الدین ست نامش — شمشیر تتار انگیں کلامش
بودست یکے نگر ملازم — در حضرت شہ ستادہ دائم
لعل جو شکر دو چشم پر نور — بستہ کمرے چو لے ستادہ از دور
سلطان کر مرد نگاہ کردے — صد نوع دعائے شاہ کردے
رو رسے نگر ستش بسوئے خود خواند — لطفش بنمود دیر ہشامد
گفتا کہ محمان دو دل جو دماروشایم[1] — دیں دولت آباد را بکعبہ دادیم
یا رب کہ بدیں دولت آباد بماند — تا روز قیامت بدل شادمانی

[1] نقل رام علیل ماخوذ بیت اشعار کی ذمہ داری ہم پر نہیں۔ من المصنف۔ ۱۲ (العہ تو شہ ہمایندہ)

قتل کرکے ایک کم سن بچے کو برائے نام تخت پر بٹھلا شاہ جہاں کی اطاعت قبول کرلی۔ عادل شاہ نے ناواجب بیباکی سے مغلیہ لشکر کا مقابلہ کیا تھا ضرور ہوا کہ اس حرکت کا اُسے مزا چکھایا جاتے لہذا بیجاپور کا محاصرہ کرلیا گیا لیکن بیجاپور کے لشکر کے پیادوں کے مدافعتی حملوں اور زبردست مقاومت کی وجہ سے مغلوں کو سردست کوئی کامیابی نہیں ہوئی اور ناچار محاصرہ اٹھانا پڑا مہابت خاں کو دکن کا صوبہ دار کرکے وہیں چھوڑ دیا۔ فتح خاں نے کروٹ لی اور بیجاپور کا ساتھ چھوڑ الگ ہوگیا تب مہابت خاں نے دولت آباد کا محاصرہ کیا اور ۱۶۳۳ء میں فتح کرلیا فتح خاں نے بھی اطاعت قبول کرلی اور احمد نگر کے صغیر سن بادشاہ کو ۱۶۳۳ء میں قید

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۴۷) ملک عنبر کا گنبد عمارت کے گنبدوں میں بڑا شان دار اور نمایاں ہے۔ یہ گنبد ملک عنبر نے اپنی زندگی ہی میں بنوا لیا تھا۔ احاطہ کے اندر آٹھ نو درخت کرنی کے ہیں اور گنبد کے نظر واسطہ بہت سی قبریں ہیں جو ملتی چلی جاتی ہیں۔ بارہ دری کی مشرقی دیوار کے باہر ایک بلند چبوترے پر مسجد بنی ہوئی ہے۔ مسجد بہت بے مرمت ہوگئی تھی حال میں سرکار عالی نظام کی جانب سے اس کی خاطر خواہ مرمت کرادی گئی ہے۔ ملک عنبر کا گنبد مدتوں انبار خانہ دستور بنا رہا لیکن اب اُس میں سے سامان اٹھادیا گیا (ماخوذ از واقعات مملکت بیجاپور جلد سوم صفحہ ۲۰۹)۔

سلہ دولت آباد کے قلعہ کا مختصر سا نوٹ اوپر آچکا ہے قلعہ کے اندر ایک چھوٹی سی مسجد بھی جو اب ویران ہے اس مسجد میں علاء الدین دوم غالباً سلطان احمد شاہ بہمنی کا بھائی تھا جس کا زمانہ سلطنت (۱۴۳۵-۵۷ء تھا) کا بنایا ہوا ایک بلند مینار سو فیٹ اونچا ہے جس کا دور نیچے سے ۷۰ فٹ ہے یہ مینار قلعہ دولت آباد کی فتح کی یادگار میں بنایا گیا تھا۔ اس کے نیچے چوبیس حجرے ہیں مینار کے اوپر کلس چڑھا ہوا ہے۔ مینار کے بیچوں بیچ ایک برآمدہ بھی بنا ہوا ہے جس کے اطراف ایک عمدہ کٹہرا ہے۔ یہ مینار بیدر کے خواجہ جہاں وزیر کے مدرسہ کے مینار کی طرح مینا کاری لاجوردی سنہری کہکشاں کی طرح کے رنگوں کا ایرانی کام کا تھا۔ وہ رنگ ڈھنگ اور چمک دمک سب جاتی رہی اب اُس کا صرف کچھ نشان باقی رہ گیا ہے۔ مینار کے شمال میں دیوان خانہ

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

کو کمک دی تھی اس بات پر مغلوں کا جنرل اعظم خاں بگڑا بیٹھا ہی تھا اب اس نے
خبر لی حالاں کہ بانی مبانی فساد کا مر چکا تھا۔ بیجاپور کا بادشاہ محمد عادل شاہ اب تک ان معاملات سے
الگ تھلگ تھا اب اس نے بھی دیکھا کہ میرے ہمسائے کا گھر جلا ہوشیار مغلوں کی بلا اس کے سر پر بھی آنے والی تھی اس
لیے بمصداق ع۔ دو دل یک شود بشکند کوہ را۔ وہ آگے چلکر احمد نگر والوں سے مل
گیا کہ ہم دونوں مل کر مغلوں کی ٹکر سنبھال لیں گے مگر احمد نگر میں خود سازشوں کا بازار
گرم تھا۔ ملک عنبر کے بیٹے **فتح خاں** نے جو مدتوں سے قید تھا۔ **نظام شاہ** کو

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) جلال الدین بخارا، محمد الدین، شمس الملک اور مبارک غوری چاروں بزرگوں کے مزار ایک بڑے پختہ
چبوترے پر بنے ہوئے ہیں جس کے نیچے تہ خانے میں سلاطین نظام شاہیہ میں سے کسی کی قبر
چبوترے کے آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پر پہلے کسی زمانے میں گنبد ہوگا اسی چبوترے کے مغرب میں ملک عنبر کا گنبد ہے جس کا زمانہ
(۱۶۲۶-۱۵۴۶) کا ہے اور جو مرتضیٰ نظام شاہ ثانی کا زر خرید غلام تھا چند حبشیوں کے ساتھ مرتضیٰ نظام شاہ بحری کے ہاں جرگہ ملازمین
میں شامل ہو کر خداداد عقل و شجاعت کی بدولت مرتضیٰ نظام شاہ کی مملکت کو سپاہ مغلیہ کی تاخت و تاراج سے محفوظ رکھا
اور رفتہ رفتہ حسن تدبیر اور زور تقدیر سے سلطنت نظام شاہیہ کا وزیر ہو گیا۔ ملک عنبر فن سپہ گری
و لوازم سرداری میں یگانۂ روزگار تھا۔ ملک کی آبادی میں ساعی اور رعایا کی بہبودی میں سرگرم تھا
اوّل درجے کا عادل و منصف متقی اور پرہیزگار تھا۔ **اورنگ آباد** کو جس کا قدیم نام **کھڑکی**
ہے اسی نے سنہ ۱۰۱۹ھ میں آباد کیا ملک عنبر نے ۲۹ شعبان سنہ ۱۰۳۵ھ / ۱۶۲۶ء میں اسی سال کی عمر میں وفات
پائی روضے (خلد آباد) میں حضرت منتجب الدین اور حضرت سید یوسف معروف بہ راجو قتال حسینی
کی درگاہوں کے درمیان جگہ پائی۔ عرس وغیرہ کے لیے پہلے **عنبر پور** (جو اب بگڑ کر انبڑ کہلاتا
ہے اور ضلع اورنگ آباد کی ایک تحصیل ہے) [illegible] تھی اب وہ بھی نہ رہی ملک عنبر کی بنائی ہوئی کئی
عمارتیں اب بھی موجود ہیں اورنگ آباد میں دو مسجدیں ایک چوک کی پشت پر اور دوسری نواب
پورہ میں یہ دونوں "کالی مسجدیں" مشہور ہیں۔ تیسری یادگار جامع مسجد ہے جس کے تین درجے ملک عنبر
کے بنوائے ہوئے ہیں اور دو اورنگ زیب کے۔ چوتھی یادگار وہ نہر ہے جو اورنگ آباد کے گوشہ شمال
و مشرق سے پہاڑوں میں سے کاٹ کر لائی گئی ہے اور فصیل شہر سے دو مقامات پر تقسیم ہو گئی ہے۔
پانچویں یادگار اورنگ آباد کا **کھڑکی** (کھڑکی) دروازہ ہے۔ اورنگ آباد کی عمارتوں میں **رابعہ دورانی**
کے مقبرے کے بعد اس عالی شان دروازے کا نمبر ہے۔ **کالا چبوترہ** جس پر اب جوتیوں کی
گرد اڑائی جاتی ہے ہاتھیوں کا تماشا دیکھنے کے واسطے ملک عنبر ہی کا بنوایا ہوا ہے۔ (بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

تخت پر بیٹھتے ہی اُس نے اپنے سگے بھائی **شہریار** دو چچیرے بھائیوں اور دو بھتیجوں کو قتل کروا دیا تاکہ اُس کے سوا تخت و تاج کا کوئی دعوی دار باقی نہ رہ جائے۔ اگرچہ شاہجہاں کی سلطنت کا آغاز ایک گونہ بے رحمی کے ساتھ ہوا تاہم اُس نے ملک کا انتظام بڑی خوبی سے کیا اور وہ **جہانگیر** سے بدرجہا بہتر نکلا۔ وہ نہ جہانگیر جیسا کاہل اور عیش پسند تھا اور نہ اتنا شرابی تھا۔ اکبر کی طرح یہ بھی ہندو مسلمان دونوں کو برابر سمجھتا تھا تمام رعایا برابر اس کے حسن سلوک سے بہت خوش تھی۔ راجپوت تو اس کو اچھا خاصا راجپوت ہی سمجھتے تھے اور خوشی سے اس کے ساتھ ہوکر اُس کے دشمنوں سے لڑے۔

دکن کے معاملات

یہ اطمینان کی حالت تھوڑے ہی دنوں رہی کہ دکن کے صوبہ دار سپہ سالار **خان جہاں** لودھی نے بغاوت کی مغلیہ لشکر جو اُس کی سرکوبی کو کیا تھا خان جہاں نے بعض مرہٹہ سرداروں کی مدد سے اُسے شکست دی اور دکن کی حالت پہلے سے بھی زیادہ مخدوش ہو گئی اگر خان جہاں اپنے ساتھ کے سلاطین کو ملانے میں کامیاب ہو جاتا تو شاہ جہاں کی سلطنت کی حالت بہت خطرناک ہو جاتی۔ جب دکن کے مطلع پر ایسی گھنگھور گھٹا چھا گئی تو بادشاہ نے اپنے بڑے زبردست سپہ سالار **مہابت خاں** کو اس کے مقابلے پر روانہ کیا اور چند روز بعد خود بھی بہ نفس نفیس میدان جنگ میں جا پہنچا اور خان جہاں کے چھکّے چھڑا دیئے۔ خان جہاں اب جابجا چھپتا پھرتا تھا۔ اُس نے آخرکار **بیجاپور** میں جاکر سر چھپایا لیکن **عادل شاہ** بادشاہ بیجاپور نے رخ نہ دیا اور مدد دینے سے صاف انکار کر دیا۔ جب ادھر سے مایوسی ہوئی تو خان جہاں نے **بندیل کھنڈ** کا رخ کیا لیکن وہاں کے سرداروں نے بھی کانوں پر ہاتھ دھرے جب کسی طرف سے سہارا نہ ملا اور سب خان جہاں کو ادھر میں چھوڑ چھاڑ الگ ہو گئے تب بھی وہ اکیلا بڑے دم خم سے لڑتا رہا اور آخرکار دس برس کی متواتر لڑائی کے بعد **کالنجر** میں موت نے اُس کی مردانگی اور ہمت کا خاتمہ کر دیا۔ **احمد نگر** کے بادشاہ **نظام شاہ** کو ایک نئی مصیبت کا سامنا ہوا **ملک عنبر**[1] پر اس سلطنت کا دارومدار تھا اُس کے مرنے سے بڑی گڑبڑ مچ گئی یہ تو معلوم ہی کہ نظام شاہ نے خان جہاں

---

[1] دولت آباد کے قریب **خلد آباد** میں ایک بڑا چبوترا ہے جس پر مولانا فرید الدین ادیب
(بقیہ نوٹ برصفحہ آئندہ)

میں ترکی خون کی بہ نسبت راجپوتی خون زیادہ تھا۔ اُس کی ماں راجپوتنی تھی اور باپ بھی نصف راجپوت تھا۔ تخت نشینی کے وقت سارے ملک میں امن و اماں اور سکون و اطمینان تھا اس لیئے شاہ جہاں کو بڑی بڑی عمارتیں بنانے کا کافی موقع ملا۔ تیس برس کے دوران سلطنت میں اس بادشاہ نے وہ وہ شہر آباد کیئے اور مسجدیں اور مقبرے بنوائے کہ جن کا ثانی ہندوستان میں نہیں۔ آگے چل کر ہم بعض بعض اُن مشہور عمارتوں کا ذکر کریں گے جن کی وجہ سے شاہ جہاں کے نام نامی نے تمام دنیا میں ایک ابدی شہرت حاصل کی ہے

رقعہ بیت معمورہ ہست تسمیع شاہ جہاں سخہا این دو بار دو بیت

رفت از ل آمد از دلم چہ ما ن ۰ ۱ | افضل دعا ز ہمہ نگاہ نگار

کند تو لد شاہ جہاں سپاہ سیا ن ۱

چوں جہانگیر بادشاہ ودیعت حیات سپرد شاہجہاں در دکن اقامت داشت بعد سہ ماہ و ہشت روز از وفات پدر ارادہ مراجعت نمودہ بتاریخ ۲ جمادی الثانیہ ۱۰۳۷ھ در سن سی و ہفت سالگی در دارالسلطنت اکبر آباد بر سریر فرمانروائی جلوس فرمودہ۔

شعرائے نکتہ سنج و فصلائے والا طبع تاریخ جلوس او در سلک نظم کشیدند ازاں جملہ از میر عبدالرشید این تاریخ است

برشدہ بر تخت باقبال بخت | شاہ جہاں ثانی صاحبقراں
آں شہ دیں پرور کز یمن او | گشت جہاں عشرت پانچ جہاں
تاج جہاں خورم و سرسبز شد | از کرم بادشہ کامراں
عصر لقا یوسف معنی وجود | عالم پیرار نظیر او جواں
آمدہ تاریخ جلوسش رقیب | شاہ جہاں باشد شاہ جہاں

تاریخ از محمد صالح — تا بود از آدم و عالم نشاں | شاہ جہاں باشد شاہ جہاں ۱۰۳۷

تاریخ از شیخ تقی — بادشاہ زمانہ شاہ جہاں | خورم و شاد و کامراں باشد ۱۰۳۷

حکم او در خلائق عالم | ہمچو حکم قضا رواں باشد

ہر سال جلوس او گفتم | تا جہاں باد در جہاں باشد

مدرکنا کاشی — بادشاہ عرب شاہ جہاں | کز معاونش ظہر تاباں آمدہ ۱۰۳۷

الملک للہ دریادہ پیو — سال تاریخ جلوسش عرش گفت | وارث ملک سلیماں آمدہ

وسعدی گیلانی این مصرعہ گفت ظل شاہ جہان دادہ ملت او ش دار زینت شرع

سپاہ حق بحق دار داد۔ دو قسم بیت دیگم سخن۔ ہم تاریخ می آید ۱۲

شاہ جہاں ۱۶۲۸-۵۹ء

ابوالمظفر شہاب الدین شاہ جہاں صاحب قران ثانی کا جشن تاج پوشی بڑی دھوم دھام سے ہوا۔ شاہ جہاں کی رگوں

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) از چار دہ گذر کن تا عقل بہ تو خواند　　تاریخ مولدش را "صاحبقیران ثانی"

دیگر

زعدلِ شاہ نورالدین جہانگیر　　منور گشت از مہ تا بماہی
بہ این شاہنشہی با دانش وداد　　کہ درگاہش کند عالم پناہی
خدا از بس کرم شہزادۂ داد　　برا نداز در رسوم داد خواہی
بہ تخت بادشاہی چوں نشیند　　کند نہ آسانش بارگاہی
بعہد دولتش آسودہ گردید　　ز بس عدلش رعایا و سپاہی
شود شاہ جہاں از لطفِ یزداں　　دہد بخت بلندش زیں گواہی
چو او بر سر نہد افسر بماند　　شہاں را رتبۂ صاحب کلاہی
بدور انش نہ بیند دیدۂ مہر　　ز امر نافذش روے مناہی
جہاں افروز شد چوں شاہ خورم　　بعمر دل فروز پادشاہی
خرد تاریخ سالِ مولدش را　　رقم زد "ظلِ جاوید الٰہی"

ایں قصیدہ ایست کہ از ہر مصرعہ تاریخ تولد بر می آید:۔

۱۰	خدا وجود بقا داد و عالم و امکاں	برائے شاہ جہاں بادشاہِ کُل جہاں ۱۰۰۰
۱۰۰۰	زلطف یزداں و زعدل و جود ہفت اقلیم	بود بافسر و باگاہ ازیں سلیماں شاں ۱۰۰۰
۱۰۰۰	زجود شاہ جہاں بادشاہ ملک آرائے	پدید از دُرِ شاہوار صدف عماں ۱۰۰۰
۱۰۰۰	زجام قوت او بادیا حیات آید	مدام بادۂ مالطاف و قدرت یزداں ۱۰۰۰
۱۰۰۰	نشاط شادی و کام طرب ہمہ والہ	بپادشاہ چو آں بادشاہ کام رساں ۱۰۰۰
۱۰۰۰	بداد وجود و باحساں شہنشہ آفاق	علیم و عالی و دانا نواز ملک ستاں ۱۰۰۰
۱۰۰۰	بود نجو گو ہزاراں صاحب قرآں کہ بدور	بودہ چو آں صاحب قران ہیچ قراں ۱۰۰۰
۱۰۰۰	بذہن ثانی او ایں پناہ ملک بود	کہ صد قراں زند ایں بے ہمال از قراں ۱۰۰۰
۱۰۰۰	ہزار سال چو از ہجرت آمدہ بوجود	شہنشہے کہ بود زندگی عالمیاں ۱۰۰۰
۱۰۰۰	ہزار قرن بماناد آنکہ ہر دم از و	بود بعہد جہاں صد ہزار جاں شاداں ۱۰۰۰

ہوا لیکن ع تہی دستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل - کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را
شہریار تو پہلے ہی سے لوگوں میں **ناشدنی** کے نام سے مشہور تھا آصف خان کے ایک
ہی سانٹے میں اُس کے چار رہے کے چھکے چھوٹ گئے اور پسپا ہوا سو ہوا۔ خیر غریب کی
آنکھیں بھی نکلوا ڈالیں اسی کے ساتھ نور جہاں کی ساری امیدیں خاک میں مل گئیں اور
دنیا سے کچھ ایسا دل ہٹا کہ بالکل اُدھر سے منہ موڑ یادِ الٰہی اور کار ہائے خیرات و مبرات
میں لگ گئیں۔ شاہجہاں نے نہ صرف شہریار کو بے کار کر دیا بلکہ اسی طرح جن جن
لوگوں کی نسبت دعوی داری سلطنت کا خیال تھا سب کو چُن چُن کر قتل کر دیا مگر یہ کام
کچھ ایسے چھپاتے ہوئے کہ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوئی اور اس وجہ سے مورخین کے
بیانات میں مقتولین کے نام اور یہ کہ وہ کس طرح مرے یا مارے گئے اختلاف ہے۔
لیکن یہ بات یقینی ہے کہ شہریار اور شاہ جہاں کے دوسرے نوجوان چچیرے بھائی سب[1] مارے
گئے۔ شاہ جہاں نے جب اپنے تمام ہم سروں کو بے سر کر دیا تب فروری ۱۶۲۸ء کو
تخت نشین[2] ہوا

[1] سب سے بڑے شاہزادے خسرو کا کیا انجام ہوا اوپر ذکر آ چکا ہے۔ دوسرے شہزادے پرویز
نے اپنے باپ کی وفات سے ایک سال پہلے انتقال کیا۔ ایک شہزادہ جس کا نام جہاندار تھا
وہ بچپن ہی میں مر چکا تھا۔ ۱۲

[2] خلف سوم محمد جہانگیر بادشاہ است ولادتش بتاریخ ۲۸ ربیع الاول سنہ ۱۰۰۰ھ (۵ جنوری ۱۵۹۲ء) روز چہار شنبہ
در لاہور از بطن نواب جودھ بائی دختر راجہ بھگوان داس راجہ جودھ پور بوقوع آمدہ و شہزادہ خرم
موسوم گشتہ و چون پدرش در ۱۰۲۶ھ بنا بر تسخیر ولایت دکن فرستاد او را بخطاب شاہ جہان ملقب
ساخت بعد آن کہ بر سریر فرمان دہی نشست درین ابیات و قطعات در تاریخ تولد او گفتہ اند اہل علم
یکے از سخنوران این قطعہ انشا نمودہ کہ بعد از رفع آحاد از عبارت صاحبقران ثانی کہ مسودہ می شود
تاریخ تولد استخراج می باید۔ **قطعہ**

ساعتے زماں نمی شود بیکار — اسکندر بحشمتین صاحبقران ثانی
دیں پرور معظم شاہ جہاں کہ باشد — از عدلش ہویدا فر جہان ثانی
بعد دیگر عالم از نقد مس چون رسید — می تافت از جبینش نور جہانبانی
از چار دہ بباید دیگر چو او خدیوے — کار قرین ملکش تائید آسمانی

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

نکال دیتا تھا کہ فوراً کام بن گیا۔ مسٹر الیٹ لکھتے ہیں کہ اوائل زمانہ سلطنت میں بارہ احکام جاری کیے تھے جو دیکھنے کو تو کاغذ پر بہت خوش نما معلوم دیتے تھے لیکن ان پر عمل دخل خاک بھی نہ تھا۔ کپتان ہاکنز اور ٹیری صاحبان لکھتے ہیں کہ "لوٹ مار۔ اندھیر اور بدنظمی اس زمانے کا دستور تھا لیکن باوجود ان تمام باتوں کے لوگ مالا مال اور خوش حال تھے۔" (ماخوذ از تاریخ رام پرشاد مکھ سلاصہ ۱۴۶) سچ ہے الحق یعلو ولا یعلیٰ یعنی حق بات نگلی نہیں جاتی ع عیب مے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو۔ جہانگیر کے کریکٹر کی بہت بڑی تصویر مسٹر ہاکنز اور ٹیری نے کھینچی ہے لیکن اُن کی زبان سے بھی آخر میں کہنے کو تو ایک چھوٹا سا فقرہ نکلا مگر وہ ایسا جامع اور مانع ہے کہ سارے عیب دُھل گئے جہانگیر اس سے بھی بدرجہا بدتر ہوتا جیسا کہ ہم کو دکھلایا گیا ہے لیکن جب اُس کے عہد میں رعایا مالا مال اور خوش حال تھی تو اس سے بڑھ کر کسی بادشاہ کے لیے کیا کامپلی منٹ ہو سکتا ہے مبارک ہے وہ بادشاہ جس کے سایہ میں رعایا امن چین اور سکھ سے رہے کہ بادشاہ کی اعلیٰ ترین صفات نہیں بلکہ اس کے فرائض اولیں میں یہ بات داخل ہے کہ خلق خدا جو اُس کے ہاتھ میں دی گئی ہے۔ اُس کو وہ خوش رکھے اور اس کے سوا سب حشو و زوائد ہیں۔

شاہ جہاں
۱۶۲۸-۱۶۵۸ء

جہانگیر کی وفات کے وقت اُس کے دو بیٹے موجود تھے۔ شاہزادہ خرم یعنی شاہ جہاں جو ان دونوں میں بڑا اور اپنے سارے خاندان میں سب سے زیادہ لائق تھا اُس وقت دور دراز فاصلے پر دکن میں تھا۔ چھوٹا شہریار لاہور میں تھا۔ آصف خاں جس کی لڑکی ممتاز محل کی شادی شاہجہان سے ہوئی تھی وہ تو بوجہ دامادی کے اسی کی جانشینی کا آرزومند تھا۔ لیکن شاہ جہان کے آنے میں دیر تھی آصف خان نے جو شاہجہاں کا ہمیشہ سے خیر خواہ تھا محض اس خیال سے کہ تخت خالی نہ رہے شاہ جہاں کے آنے تک عارضی طور پر خسرو کے بیٹے داور بخش عرف مرزا بلاقی کو تخت پر بٹھلا دیا۔ بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ جہانگیر نے اسی کو ولی عہد مقرر کیا تھا۔ آصف خاں نے ایک تیز رو قاصد کے ذریعے سے شاہ جہاں کو خبر دی چنانچہ شاہجہاں چل پڑا اور حکم دیا کہ مصلحت وقت یہی ہے کہ سب سے پہلے شہریار کو قتل کر دیا جائے۔ شہریار نے جو نور جہاں کا لاڈلا تھا اس کے زور پر لاہور میں فوج جمع کر لی اور اس ارادے میں تھا کہ نور جہاں کی مدد سے وہ کامیاب

علاوہ حرکات کی ایک عجیب و غریب معجون مرکب تھا۔ جہانگیر کو اپنے انصاف پر بڑا ناز تھا۔ وہ جب کبھی کسی بڑے امیر پر قتل کا فتویٰ صادر کرتا تو کہا کرتا تھا "خدا نہ کرے کہ میں ایسے معاملات میں شاہزادوں کی پاس خاطر ملحوظ رکھوں۔ رہے امیر امرا وہ انصاف کے سامنے کس شمار قطار میں ہیں" لیکن اس انصاف میں خونریزی اور بے رحمی کا عنصر غالب رہتا تھا جس میں شاذ و نادر رحم کی جھلک نظر آتی تھی۔ مثلاً سیکڑوں آدمیوں کو بلا پس و پیش تیز دھار دار سولیوں پر چڑھوا دیتا تھا۔ اُسے اپنی بیویوں اور اولاد کی بے انتہا محبت تھی ان میں سے کسی کے گزر جانے کا بڑا صدمہ ہوتا تھا۔ گر ہرن کے شکار میں شکاریوں کی بدقسمتی سے اتفاقاً شکار دور ہی بگڑا تو بس ان کی شامت آگئی اور بن موت مر گئے اُن کو یہیں کٹوا دیتا تھا اور ذرا بھی رحم نہ آتا تھا۔ جہانگیر کو مناظر قدرت اور فنون کا بڑا مذاق تھا۔ وہ خود نقاشی میں عمدہ مہارت رکھتا تھا اور گلہائے رنگا رنگ کی سیری دیکھ کر بہت خوش ہوتا تھا۔ ڈھاک کی کلی کو کہا کرتا تھا کہ "اس کی کلی ایسی خوش نما ہوتی ہے کہ بس دیکھے ہی جاؤ نظر ہٹانے کو دل نہیں چاہتا" ایڈورڈ ٹیری جو سر طامس رو کے پادری تھے کہتے ہیں کہ اگرچہ بادشاہ بالالتزام اپنے قول کے ایفا کا خیال نہ رکھتا تھا لیکن پھر بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ آزاد تجارت۔ امن و امان کی زندگی۔ بادشاہ اور رعایا کے دلوں میں وقعت یہ سب باتیں انگریزوں کو اسی بادشاہ کے عہد میں نصیب ہوئیں۔ بہر حال جہانگیر کی سلطنت اور اُس کی زندگی کے حالات کو جس طرز سے آج تک مورخین نے بیان کیا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ بہتر سلوک کے مستحق ہیں۔ (ترجمہ تاریخ وسنٹ سمتھ صفحہ ۹۶-۹۲)

جہانگیر کا زمانہ سلطنت کسی نمایاں کام کے لیے مشہور نہیں ہے۔ مسٹر کین لکھتے ہیں کہ "وہ بادشاہ یا انسان دونوں میں سے کسی ایک کا بھی عمدہ نمونہ نہ تھا۔ رہا نظم و نسق ملک میں اور بھی زیادہ ہیٹا تھا" ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ تمام سلطنت میں بدنظمی پھیلی ہوئی تھی اوپر سے نیچے تک رشوت خواری کا بازار گرم تھا۔ سر طامس رو نے ایک واقعہ کا ذکر کیا ہے جو دربار کی ناگفتہ بہ حالت پر روشنی ڈالتا ہے۔ ایلچی صاحب کا کچھ کام بادشاہ سے اٹکا ہوا تھا۔ ہر چند کوشش کی مگر بدون وزیر کی مٹھی گرم کرنے کے کام نہ نکلتا تھا

ف یہ وہی جہانگیر اور پرویز یا مہابت خاں (؟) کا معاملہ ہے جس کی بدولت نورجہاں بیگم پاکدامن پر شرمناک اور بیہودہ حرکت کی تہمت رکھی گئی جس کا ذکر ہم نورجہاں کے بیان میں کر آئے ہیں ۱۲

جہانگیر کا کیرکٹر

جہانگیر کی نسبت یہ کہنا امر واقعی ہے کہ وہ ایک دانش مند شہزادہ تھا اُسے بچپنے میں لاڈ نے ستیاناس کر دیا تھا۔ بڑا ہوا تو ضدی اور نگر اور تلون القلب ہوا۔ اگر مخالفت نہ کی جاے تو بڑی اچھی طبیعت کا تھا اور جو کام چاہو اُس سے بآسانی نکال سکتے تھے لیکن جب بھڑک جاتا تھا یا ضد چڑھ جاتی تھی تو پناہ بخدا وہ ایک ایسا خونخوار درندہ تھا کہ الامان۔ محمد بن تغلق کی طرح یہ بھی متضاد صفات کا مرکب تھا۔ ہم کو جہانگیر کے حالات بخوبی اس وجہ سے معلوم ہیں کہ وہ اپنی اُنیس سالہ سلطنت کے وقائع ایک مستند کتاب میں چھوڑ گیا ہے مزید براں اور بھی ہندوستانی اور یوروپین مورخین نے اس کے حالات قلمبند کئے ہیں اور اس کی مختلف حالتوں کی قد آدم تصاویر کا تو کچھ حد و شمار ہی نہیں جو نہایت عمدہ دستکاروں نے بنائی تھیں۔ اس لئے ہم جہانگیر کو اُس اصلی روشنی میں دیکھ سکتے ہیں جیسا کہ وہ درحقیقت تھا۔ ایشیائی مطلق العنان بادشاہت کا نمونہ۔ نرمی اور سنگدلی انصاف اور تلون مزاجی۔ تہذیب و شایستگی اور وحشیانہ بے رحمی۔ فہم سلیم و عقل رسا اور خفیف الحرکاتی

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۳۹) سلطان شہریار۔ پسر خورد جہانگیر بادشاہ بود و دختر نورجہاں بیگم کہ از نطفۂ شیر افگن خان بود درحبالۂ نکاح او آمدہ بعد وفات جہانگیر نورجہاں بیگم خواست تا داماد خود سلطان شہریار را بر سریر سلطنت بنشاند۔ آصف خاں برادر نورجہاں ایں معنی را قبول نکردہ سلطان داوربخش را بادشاہ ساختہ روانہ طرف لاہور شدند و سلطان شہریار کہ در لاہور بود بشنیدن خبر انتقال جہانگیر شنیدہ بتحریک زن دست تصرف بخزائن و سایر کارخانجات بادشاہی دراز کردہ ہر کس را ہر چہ خواست می داد و بفراہم آوردن لشکر پرداخت در عرصۂ یک ہفتہ ہفتاد لاک روپیہ بہ منصب داران قدیم و جدید دادہ لشکر از آب گزرانید از آں طرف آصف خاں داوربخش را بر فیل سوار کردہ روے بعرصۂ کارزار نہادہ در سہ کروہے شہر لاہور تلاقی فریقین دست دادہ در حملۂ اول شکست بر لشکر شہریار افتاد و او فرار نمودہ بقلعہ در آمد۔ آصف خاں او را بدست آوردہ قید نمود و او را بعد از چندے حسب الحکم داوربخش ہر دو چشمش از نور باصرہ معدوم الفروغ ساختند۔ شاہزادہ کہ طبع موزوں داشت تاریخ ایں واقعہ کہ در سنہ ۱۰۳۷ دست دادہ خود بہ نظم آوردہ۔ تاریخ

ز نرگس گلاب ازچہ نتواں کشید	کشیدند از نرگسانم گلاب
اگر از تو پرسند تاریخ آں	بگو در گو رشد دیدۂ آفتاب" ۱۰۳۷ھ

مقبرے میں جو دریائے راوی کے شمالی کنارے پر ہے دفن کیا گیا۔

قطعۂ تاریخ فوت شہنشاہ جہاں شاہ جہانگیر — کہ میت عدل او سا آسمان رفت
چو نور الدین محمد بود نامش — ازاں از رفتنش نور جہاں رفت
چہ گویم نام وی کز حاتم طے — بعہد ہمتش نام و نشاں رفت
گلستان جہاں بے آب و رنگ است — بہار ذات او چوں در خزاں رفت
ازیں ماتم سراچوں رخت بربست — جہاں غمگیں شدہ او کامراں رفت
چو تاریخ وفاتش جست کشفی — خرد گفتا "جہانگیر از جہاں رفت"

درین تاریخ یک عدد کم می شود۔ عمر بوقت تخت نشینی ۳۷ س ۲۰ م ۲۷ ی۔ مدت سلطنت ۲۲ س ۸ م ۱۶ ی۔ عمرش ۵۹ س ۱۱ م ۱۲ ی۔ جہانگیر را پنج پسران و دو دختران بودند۔ خسرو پرویز خرم۔ جہاندار۔ شہریار۔ ازاں میاں خسرو پرویز جہاندار در حین حیات پدر فوت شدند و شہریار ہمراہ داور بخش و گرشاسپ پسران سلطان خسرو و طہمورث و ہوشنگ فرزندان شاہزادہ دانیال بعد وفات جنت مکانی (جہانگیر) بسعی آصف خاں حسب اشارۂ شاہجہاں بشہادت رسیدہ و بہ نہاں خانۂ عدم شتافتند۔ سلطان داور بخش عرف مرزا بلاقی پسر شہزادہ سلطان خسرو بود و چونکہ جہانگیر بادشاہ فوت کرد شاہجہاں بطرف دکن بود بنا بر آں آصف جاہ و اعظم خاں وزیر جہت انتظام ملک سلطان داور بخش را از محبس برآوردہ در لاہور بادشاہ ساختند و مکنون ضمیر شاں بود کہ بوقت رسیدن شاہ جہاں از دکن او را بر سریر سلطنت نشانند۔ عزیزی تاریخ جلوس داور بخش گفتہ اما یک عدد کم می شود۔ ؎

چو شد سلطان داور بخش از بخت — نشان جود بر روے تخت والا
پے تاریخ فکر سر بدم بالش — خرد تاریخ گفتا "تخت بالا"

چوں سہ ماہ و چند روز بریں گزشت و آمد آمد شاہ جہاں از دکن گوش زد خاص و عام گردید دولت خواہان بادشاہی روز یکشنبہ ۲۲ جمادی الاولی ۱۰۳۷ھ در ایوان دولت خانۂ لاہور خطبہ بنام شاہ جہاں خواندند و حسب نوشتۂ شاہجہاں مرزا بلاقی را دستگیر ساختہ محبوس نمودند و بروز چہارشنبہ ۲۶ جمادی الاولی سنہ الیہ آصف خاں مع دیگر کساں حتہ کردۂ بالا راہی عدم ساختند۔ ؎

شد سریر جہاں بادشاہ داور بخش — چو رخت بست ز عالم سیاہ شد گلشت
سپہر چادر نیلی بسر کشید و گفت — نماند مالک اقبال یاورے دولت

(از قطعۂ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

جہانگیر بادشاہ کی قبر بمقام شاہدرہ لاہور

درد جا شل بدر تابندہ بولو سے بے بہا چو در یتیم
پی تاریخ او ربفکر شدم ہدوسے جستم از خدا سے کریم
تا فلک تختگاہ خورشید است گفت ماند سر بر شاہ سلیم

ہم نامی پیش از جلوس شاہ سلیم و بعد آں نور الدین محمد جہانگیر بادشاہ غازی

ابیات جہانگیر بادشاہ ہمیشہ باد منور بنور مہر الٰہ سریر حضرت سلطان سلیم اکبر شاہ
چوں شاہ سلیم وارث تخت نگیں بر تخت نشست بست گیتی آئیں
شد اسم مبارکش جہانگیر چو ذات از نور عدالت لقبش نور الدین

جہانگیر کی وفات سنہ ۱۶۲۷ء

جہانگیر کو کشمیر بہت پسند تھا اور وہ کشمیر ہی میں موسم گرما بسر کیا کرتا تھا لیکن اس مرتبہ اُس کی صحت بہت خراب تھی اور کشمیر کی آب و ہوا سے بھی کچھ فائدہ نہ ہوا ضیق النفس کے سخت مرض میں وہ مبتلا تھا۔ اکتوبر سنہ ۱۶۲۷ء میں کشمیر سے واپسی میں بیماری کا اشتداد ہوا اور (۵۹) برس کی عمر میں (۲۲) برس کی سلطنت کے بعد یکایک اتوار کے دن ۸ صفر سنہ ۱۰۳۷ھ (۲۸ اکتوبر ۱۶۲۷ء) کو انتقال کیا اور لاہور کے قریب شاہدرہ میں ایک نہایت شاندار

لہ جنرل صاحب نے اس شعر کو یوں نقل کیا ہے۔ مسند با صفا و نور ضیا گوہر بے بہا چو در یتیم میں نے دیکھا نہیں جو تصحیح کر سکوں۔ ۱۲۰

۵۲ در سنہ ۱۰۳۶ھ بطرف کابل تشریف بردند از انجا بکشمیر رفتند و در انجا بیمار شدہ کوچ سوے لاہور نمودند و در اثناے راہ انتقال نمودند نعش او را تجہیز و تکفین نمودہ بطرف لاہور روانہ ساختند و بشاہدرہ در آں طرف آب لاہور در باغے کہ نور جہاں بیگم اساس نہادہ بود نجاکش سپردند و بر مرقدش ایں آیات قرآنی مرقوم است:- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ھو الغفار لذنوبہ قال اللہ تبارک و تعالیٰ قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسھم تا انہ ھو الغفور الرحیم کل نفس ذائقۃ الموت و انما توفون اجورکم یوم القیٰمۃ فمن زحزح عن النار و ادخل الجنۃ فقد فاز و ما الحیٰوۃ الدنیا الا متاع الغرور فقل رب اغفر وارحم و انت ارحم الراحمین سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون و سلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین۔ مرقد منورۂ اعلیٰ حضرت غفران پناہ نور الدین محمد جہانگیر بادشاہ توفی سنہ ۱۰۳۷ھ۔ تاریخ ہاے وفات۔ ع جہانگیر از جہاں عزم سفر کرد۔

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

ایسٹ انڈیا کمپنی کا تاجر ہندوستان میں موجود تھا جو بادشاہ کے ہم نوالہ اور ہم پیالہ تھا۔ اس نے ہیج ۔ ٹمک جوردی مک و ان پاشکستی پر عمل کیا کہ بادشاہ کے حوخوار اور ظالمانہ طرز عمل پر اظہار تنفر کیا ہو۔ اسی زمانے میں مسر ڈرٹی اور طامس کوریاٹ نامی دو انگریز اور بھی ہندوستان میں تھے۔ ۱۶۱۵ ؁ء ہی میں دو اور انگریز رچرڈ شیل اور جان کر و تھر اصفہان کو جاتے جاتے دلی سے گزرے تھے انھوں نے لکھا ہو کہ یوں کہ بادشاہ تہلے درار تک دار الخلافہ سے غیر حاضر رہتا ہو اس لئے رعایا مفلس اور مفلوک ہوگئی ہو۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کا ایک شخص ولیم فنچ بھی تھا جو ۱۶۱۱ ؁ء میں لاہور جاتے جاتے دلی سے گزرا تھا۔ اس نے تواپنے سفر کا ایک روزنامچہ بھی لکھا ہو جزواٹ ڈیچ ین کو جو اکبر کے زمانے میں آگرے میں تھا چھوڑ کر غالباً فنچ پہلا یورپین تھا جس نے دلی دیکھی۔

جہانگیر کا تخت یہ تخت سنگ موسیٰ کا ہو جس کو اکبر بادشاہ نے اپنی وفات سے تین برس پہلے ۱۶۰۳ ؁ء میں شاہزادہ سلیم کے واسطے بنوایا تھا جو اب تک موجود ہو اور قلعۂ اکبر آباد میں دیوان خاص کے شمال میں شاہجہاں کے محل کے بالا خانے پر دریا کے رخ کٹہرے کے پاس دھرا ہو۔ افسوس ہو کہ سل کے عرض میں اس سرے سے اس سرے تک ایک دراڑ پڑ کر دو ٹکڑے ہو گیا ہو معلوم نہوا کہ یہ نقص کب اور کس بے احتیاطی سے ہوا اس تخت کا طول ۱۰ف - ۷ انچ اور عرض ۹ف - ۷ ۱/۲ انچ ہو سل کی سطری چھ انچ - پایوں کی بلندی ۱ف - ۴ انچ پتھر کی ساخت میں لوہے کی آمیزش کی وجہ سے ایک جگہ سرخی جھلکتی ہو - عام طور پر مشہور کی جاتی ہو کہ اس تخت سے دو مرتبہ خون رواں ہوا لیکن جنرل کننگھم صاحب اپنی رپورٹ میں اس روایت کو ساقط الاعتبار قرار دیتے ہیں - اس تخت کے گرد اشعار ذیل کندہ ہیں:-

ابیات اکبر شاہ۔ بادشاہے کہ تیغ او سازد — چوں دو پیکر سپہر عدو دو نیم

باشد ایں تختگاہ فرخندہ — تکیہ گاہ خدایگاں کریم

تک خسرواں پایہ ملک

مہر دو مہر را عیار زر و سیم

بھاگ کر کسی قریب کے شہر میں پناہ لی اور اپنے قصوروں کی معافی چاہی - اس کی درخواست اس شرط پر منظور ہوئی کہ وہ شاہزادۂ خورم کا مقابلہ کر کے اُسے شکست دے - معاملہ رفع دفع ہوا - آصف خاں قید سے چھوٹا - مہابت خاں اجمیر کو چلے جہاں شاہزادہ خورم تباہ و خستہ حال پڑا تھا - ایسے وقت میں شہزادہ پرویز کی موت نے خورم کو خورسند کر دیا اور از سر نو اُس کی ہمت بندھ گئی اور اس نے یہ منصوبہ گانٹھا کہ اگر مہابت خاں کو منت سماجت سے ہموار کر لوں تو پھر حسب سابق مجھے دکن کی حکومت مل جائے گی - ع - تدبیر کند بندہ و تقدیر کند خندہ - یہاں یہ لوگ ابھی اسی ادھیڑ بن میں تھے کہ جہانگیر کی موت نے صورت واقعہ بالکل بدل دی -

انگریزوں کے حق میں مراعات تجارت اور سر طامس رو سفیر کی آمد

ایسٹ انڈیا کمپنی کا پہلا چارٹر - ملکہ الزبتھ کے زمانے میں ۱۶۰۰ء سال کے یوم آخر پر لندن کی تجارتی کمپنی کو ہندوستان میں تجارت کرنے کا ملا - پرتگیزوں اور ڈچوں نے اپنے سے بہ مقابل انگریزوں کی دخل دہی کی سخت مخالفت کی لیکن اس کا تصفیہ ۱۶۱۲ء اور ۱۶۱۵ء کی بحری لڑائی سے ہوا جو بندر سورت کے قریب سوالی پر پرتگیزوں سے ہوئی اور جس میں انگریزوں نے اُنھیں شکست دے کر خلیج فارس میں بندر ہرمز پر قبضہ کر لیا - کرامول نے حسب صلح نامہ ۱۶۵۴ء پرتگیزوں سے مشرقی تجارت پر انگریزوں کا حق تسلیم کرا لیا - انگریزوں کی پہلی تجارتی کوٹھی سورت میں ۱۶۰۸ء میں کھولی گئی - ۱۶۱۲ء میں بادشاہ جہانگیر نے سورت - کھمبایت - گوگو اور احمد آباد میں کوٹھیاں بنانے کی پروانگی دی - ۱۶۱۵ء میں شہنشاہ دہلی کی طلب پر جیمس اول بادشاہ انگلستان نے سر طامس رو کو اپنا سفیر بنا کر بھیجا - دربار شاہی میں سر طامس کی بڑی عزت توقیر اور خاطر تواضع ہوئی اور سفیر مذکور چار برس تک حاضر باش رہا - روابط و ارتباط کی پینگ بڑھنے لگی - بادشاہ اور سفیر میں ایک گونہ یگانگت اور موانست پیدا ہو گئی - سر طامس نے جو حالات دربار کے لکھے ہیں اُن سے بہت کچھ معلومات کا اضافہ ہوتا ہے اور وہ دلچسپ بھی ہیں - سر طامس کے پہلے سے ایک اور یورپین جنٹلمین کپتان ولیم ہاکنز

فرصت جان کر راجپوتوں کی فوج سے گھیرا ڈال دیا اور بادشاہ کو اپنی حراست میں لیا۔ ؎

کس نیاموخت علمِ تیر از من ... کہ مرا عاقبت نشانہ نکرد

نورجہاں کو اس ازغیبی گولے کا سخت صدمہ ہوا لیکن اس نازک وقت میں بھی اس نے اپنی دوربینی اور دانائی کو جانے نہ دیا۔ وہ مہابت خاں کے پنجے سے نکل کر ایک چھوٹی سی کشتی میں سوار ہو کر دریا پار پہنچ اپنے بھائی سے جا ملی۔ وہاں پہنچ کر اس نے شاہی فوج کو بہت سخت سست کہا اور افسروں کو بلا کر لعنت ملامت کی کہ تم نے جیتے جی بادشاہ کو دشمنوں کے حوالے کر دیا۔ تمام فوج کو طیار کیا خود تیر کمان لے کر ہودے میں بیٹھی۔ دیکھا تو کشتیوں کا پل پہلے ہی غنیم نے جلا دیا تھا۔ سب سے پہلے اس نے اپنا ہاتھی دریا میں ڈالا۔ ایک طرف سے جہاں پانی کم تھا فوج نے دریا کو بمشکل عبور کیا پانی کی رَو تیز تھی۔ جا بجا گڑھے تھے۔ بہت سے لوگ ڈوب گئے۔ بارود سب بھیگ کر بیکار ہو گئی۔ جو بچ کھچ رہے اُن میں اتنا دم نہ رہا کہ دم خم والے راجپوتوں کا مقابلہ کر سکیں۔ تاب نہ لا کر فوج بھاگ کھڑی ہوئی۔ نورجہاں کا ہاتھی زخمی اور فیل بان مارا گیا شہریار کے بچے جو اس کے ساتھ ہودے میں تھے زخمی ہوئے۔ مجبوراً نورجہاں نے اپنے تئیں مہابت خاں کے حوالے کیا اور جہانگیر کے ساتھ قید میں چلی گئی۔

قید کے زمانے میں نورجہاں نے مہابت خاں پر یہ ظاہر ہونے دیا کہ وہ اس قید سے ناراض ہیں۔ نورجہاں کے تریا چرتر سے مہابت خاں پر ایسا روغن تارا کہ وہ اس کی حفاظت کی طرف سے بالکل غافل ہو گیا۔ نورجہاں نے چند ملازم ایسے رکھے جو افغانیوں کو بادشاہ کی حمایت میں اُٹھنے کے لیئے اُبھارتے تھے۔ مہابت خاں راجپوتوں کا بہت گرویدہ تھا۔ یہ بات افغانوں کو ناگوار تھی اس لیئے سارے افغان اُدھر سے ٹوٹ کر اِدھر آن ملے۔ ایک دن موقع پا کر نورجہاں اُٹھ کھڑی ہوئی۔ فوج تو اس کے ساتھ تھی ہی اور مہابت خاں خوابِ خرگوش میں تھا غرض یہ کہ اپنے ساتھ بادشاہ کو بھی قید سے نکال لائی۔ نورجہاں اگر چاہتی تو مہابت خاں کے پُرزے اُڑا دیتی لیکن ایک مجبوری یہ تھی کہ اس کا ہاتھ پتھر کے تلے دبا ہوا تھا کہ اس کا بھائی آصف خاں مہابت خاں کے پاس قید تھا اور مصلحت وقت یہ تھی کہ زخمی شیر کو اور بھڑکا دیا جائے مبادا کوئی اور خطرناک حالت پیدا ہو جائے۔ مہابت خاں

لیکن دو مرتبہ پہلے وہ زک پا چکا تھا اب کے دلی کی طرف بڑھا اور فرید آباد میں جو دلی سے (۹) میل ہی آکر ٹھیرا۔ جہانگیر اس وقت دلی ہی میں تھا چونکہ جنگ کے واسطے طیار نہ تھا گھبرا گیا لیکن عین وقت پر مدد پہنچ جانے سے ہمت بندھ گئی بیٹے کی سرکوبی کو باپ چلا اور تغلق آباد میں دونوں طرف کے لشکروں کا مقابلہ ہوا لیکن لڑائی غیر قطعی رہی بہر حال شہزادے کی فوج بکھر گئی اور اُس کو بھاگتے ہی بن پڑی۔ شاہجہاں بہت سرگردان اور پریشان ہو گیا تو آخر کار ۱۶۲۵ء میں راہ راست پر آیا اور باپ سے میل ملاپ کر لیا۔

مہابت خاں کا بلوہ | مہابت خاں کا ذکر اوپر آچکا ہے وہ کابل کا گورنر تھا۔ اُس کا اصلی نام زمانہ بیگ تھا جو سلیم کی شہزادگی کے زمانے میں اُس کا ہمدم اور مصاحب تھا۔ جہانگیر جب بادشاہ ہوا تو بہ مقتضائے ؎

قدر یاران خود را بیفزا اے قدر — کہ ہرگز نہ آید ز پرورده غدر

سب سے پہلے اپنے یار وفادار زمانہ بیگ کے مراتب بڑھائے اور مہابت خاں کا خطاب دے کر بیش قرار منصب مقرر کیا۔ یہ شخص روز بروز عروج پکڑتا جاتا تھا۔ نور جہاں بڑی پالیٹیشن تھی وہ نہیں چاہتی تھی کہ کوئی شخص حد سے زیادہ بڑھ جائے۔ اس کی بڑھتی ہوئی قوت سے نور جہاں کھٹک گئی اور چاہتی تھی کہ کسی نہ کسی طرح اس کو نیچا دکھاؤں۔ سوچتے سوچتے اُس نے یہ چال چلی کہ اس پر صوبہ داری بنگال کے زمانے میں کچھ تغلب تصرف کرنے کا الزام منڈھ کر اسے دربار میں کھنچوا بلایا۔ مہابت خاں کچی گولیاں کھیلے ہوئے نہ تھا وہ بھی بڑا کائیاں تھا نور جہاں کی چال بازی کو فوراً سمجھ گیا ؎

بے خودی بے سبب نہیں غالبؔ — کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

مہابت خاں کے دل میں بھی نور جہاں کی ہیبت بیٹھی ہوئی تھی پہلے تو ٹالے بالے دیتا رہا لیکن آخر کار چلا اور اپنے کیل پرزے درست کر کے پانچ ہزار جرار راجپوت ساتھ رکھ لیئے کہ خدا جانے کیا اتفاق پیش آئے اور بیٹھے بٹھائے اونٹ کس کل بیٹھے۔ جب وہ پہنچا جہانگیر کابل جا رہا تھا اُس کا کیمپ دریائے جہلم کے کنارے پڑا تھا۔ کشتیوں کا پل بندھا ہوا تھا شاہی فوج دریا پار ہو چکی تھی۔ بادشاہ مع چند ساتھیوں کے باقی رہ گیا تھا۔ مہابت خاں کو پورا یقین تھا کہ وہ ذلیل و خوار کیا جائے گا اور اُس کی مٹی پلید ہو گی۔ پس اُس نے موقع کو

کے لیے کسی ہوشیار کار آزمودہ جنرل کی ضرورت ہے میری نظروں میں اس کام کی سرانجام دہی بجز شاہجہاں کے اور کوئی نہیں کر سکتا لہذا اُسی کو بھیجنا چاہیئے۔ شاہجہاں تاڑ گیا کہ دال میں کچھ کالا ہے اور جانے سے صاف انکار کر دیا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ کھلم کھلا بغاوت کا اعلان کر دیا۔ شاہی لشکر اس کے مقابلے پر روانہ کیا گیا لیکن شاہجہاں مقابلہ پر نہ آیا اور مانڈو کی طرف ہٹ گیا اور چوں کہ آگے چل کر اس کے معین و مددگار صوبہ دار گجرات اور خان خاناں نے ساتھ چھوڑ دیا اور شاہجہاں نہتا رہ گیا تو مجبوراً اس کو اپنا منصوبہ بدلنا پڑا اور اس نے دوسری طرف رُخ کیا اور بنگال اور بہار داب بیٹھا شاہزادہ پرویز اور مہابت خاں دونوں اس مہم پر بھیجے گئے۔ شاہجہاں اکیلا سربہ نہ ہو سکا بُری طرح شکست پائی۔ پہلے تو مشرقی کنارے پر مچھلی بندر کی طرف بھاگا بعد دکن کا رستہ لیا۔ وہاں ملک عنبر نے اسے بڑی آؤ بھگت سے لیا۔ بااین ہمہ شاہجہاں سے کچھ کرتے دھرتے نہ بن پڑا۔ بادشاہ وقت سے مقابلہ کچھ آسان کام نہ تھا۔ ناچار بادشاہ کے سامنے سر اطاعت خم کیا۔ بادشاہ نے اس شرط پر معافی دی کہ شاہجہاں اپنے دونوں بیٹوں دارا اور اورنگ زیب کو بطور یرغمال دربار شاہی میں بھیج دے۔

دکن کی مہم اور شہزادہ خسرو کی وفات

دکن میں آئے دن کچھ نہ کچھ شورش برپا رہتی تھی وہاں کا قطعی طور پر بند و بست کرنے کے لیے جہانگیر نے شاہزادہ خورم کو شاہجہاں کا خطاب دے کر دکن کو بھجوایا۔ اس خطاب کے صاف یہ معنی تھے کہ وہی ولی عہد قرار پایا۔ بادشاہ خود بھی اس کے پیچھے ہی دکن میں پہنچا مگر تب تک شہزادہ ملک عنبر کو شکست دے کر احمد نگر خالی کرا چکا تھا۔ پھر بادشاہ گجرات ہوتے ہوئے ۱۶۱۸ء میں آگرہ واپس آگیا۔ ۱۶۲۰ء میں پھر ملک عنبر نے سر اٹھایا اور پھر شاہجہاں نے اُسے شکست دی۔ اسی زمانے میں شہزادہ خسرو نے جسے شاہجہاں نے سفارش کر کے قید سے چھڑا دیا تھا۔ وفات پائی۔

شاہجہاں کی آخری بغاوت

۱۶۲۳ء میں پھر شہزادہ خورم نے دارالخلافہ آگرے پر قبضہ کرنے کے قصد سے بغاوت کی

رام پرشاد کھوسلا کی تاریخ میں نورجہاں کی ساری باتیں لکھ لکھا کر ایک سرسری سی چھوڑ دی ہے کہ "بادشاہ پر نورجہاں کے رسوخ نے ایک عمدہ اثر ڈالا تھا لیکن جہانگیر کی ۱۶۱۱ء کے آخری زمانے میں اُس نے اپنے اقتدار کے استعمال کا برا طریقہ اختیار کیا۔ دربار میں رشوت ستانی کا بازار گرم ہوا اور ملکہ نے خود رشوت لینے کی مثال قایم کی" ص ۱۶۹ بھلا نورجہاں کو دیکھیئے اور رشوت۔ توبہ توبہ اُسے کس بات کی کمی تھی۔ اب اُس رشوت کا حال بھی سُنیئے۔ جب سر طامس رو نے ہندوستان میں تجارت کی اجازت چاہی تو بادشاہ نے جواب دیا کہ ملکہ سے کہو وہی ملک کی فرماں روا ہے۔ اس سبب سے لازم آیا کہ نورجہاں کے بھائی آصف جاہ کو ایک بیش قیمت جڑاؤ زیور نذر کیا جاے۔ نذر گزرنے پر سر طامس کا مدعا حاصل ہو گیا یعنی ہند میں تجارت کی اجازت مل گئی (منقول از مارسڈنز ہسٹری) اگر اسی کا نام رشوت ہے تو اس تہذیب اور آزادی کے زمانے میں روے زمین کی کوئی سلطنت اس عیب سے پاک اور اس الزام سے بری نہیں۔ نورجہاں والیہ سلطنت اور رنگین کی رشوت! چہ خوش۔ مختصر یہ کہ یہ ہرگز رشوت نہیں بلکہ محض ایک ذریعہ اظہار شکریہ اور امتنان کا ہے۔ نورجہاں کے بھائی نے سر طامس سے قرار داد نہ کیا ہوگا کہ اگر تم زیور دو تو تمھارا کام ہو جاے گا بلکہ سر طامس نے اپنی غرض کے لیئے سو خوشامدوں سے پیش کیا ہوگا اور اُس کا قبول ہو جانا ہی سر طامس کی بڑی عزت افزائی اور کامیابی تھی۔

شاہزادہ خورم کی بغاوت

نورجہاں نے اپنی جڑ مضبوط کرنے کے لیئے اپنی بھتیجی یعنی آصف خاں کی بیٹی مشہور زمانہ ممتاز محل لیڈی آف دی تاج کی شادی جہانگیر کے تیسرے بیٹے شاہزادہ خورم سے کر دی علاوہ انہیں اپنی ربیبہ لڑکی (لگیلا) کی شادی جو پہلے شوہر سے تھی جہانگیر کے سب سے چھوٹے بیٹے شہریار سے کی۔ پہلے تو نورجہاں دل و جان سے شہزادہ خورم کی ممد و معاون تھی کہ بھتیجی داماد تھا لیکن دکن میں اُس نے بڑی نمایاں فتوحات حاصل کیں اور اُس کا بڑا شہرہ ہو گیا اور نورجہاں کچھ کھنچ گئی اور اب وہ اپنے سگے داماد شہریار کی طرف جھکی۔ شہزادہ پرویز بیرباپ کا منہ چڑھا اور لاڈلا تھا وہ اس لاڈ کے گھمنڈ میں سلطنت کا خیالی پلاؤ پکا رہا تھا۔ نورجہاں چاہتی تھی کہ کسی نہ کسی طرح شاہجہاں جو ہر بات کی ٹوہ لیتا رہتا تھا آنکھوں سے اوجھل ہو جاے اس لیئے اُس نے جہانگیر کو یہ پٹی پڑھائی کہ قندہار حال میں ایرانیوں سے فتح کیا گیا ہے اس کے انتظام

اور لاوارث لڑکیوں کی ماں بن کر کنیا دان دیتی ان کی شادیوں کا خرچ اٹھاتی ان کو جہیز اپنی طرف سے دیتی۔ کہتے ہیں کہ کم سے کم پانسو لڑکیوں کی شادی اس نیک نہاد ملکہ نے اپنے صرف سے کرائی۔ امورات خانگی میں اس کے سلیقے کا کیا پوچھنا اس کی طبیعت میں خاص جدت تھی۔ زیور۔ لباس اور کھانوں اس نے طرح طرح کی ایجادیں کیں گلاب کا عطر اسی نے نکالا۔ اس کی طبیعت میں شوخی اور ظرافت کوٹ کوٹ کر بھری تھی غرض بڑی چلبلی طبیعت پائی تھی۔ شعر وسخن کا بھی مذاق سلیم تھا کبھی کبھی برجستہ اشعار کہتی تھی۔ گھوڑے کی سواری اور فنون سپہ گری میں بھی اسے کافی دستگاہ تھی۔ ایک بار بادشاہ شکار کھیلنے گیا نور جہاں ساتھ تھی۔ ہانکے والوں نے پہلے ہی سے چار شیر گھیر رکھے تھے۔ بادشاہ کی اجازت سے دو شیروں کو اس نے گولی سے مارا اور دو کو تیروں سے گرا دیا۔ اس کی پھرتی جواں مردی اور قادر اندازی نشانہ ماری سے لوگ دنگ رہ گئے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ ہزار اشرفیاں نچھاور کی جائیں اور ایک انگشتری جس کی قیمت ایک لاکھ روپیہ تھی بیگم کو پہنائی۔ شاہ جہاں کی تخت نشینی کے بعد نور جہاں کی وہ بات نہیں رہی اور نہیں رہ سکتی تھی۔ وہ رونق جہانگیر کے دم کے ساتھ تھی لیکن پھر بھی شاہ جہاں بڑی خاطر مدارات سے پیش آتا تھا اور ڈھائی لاکھ روپیہ سالانہ اس کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ لیکن نور جہاں کا دل ٹوٹ چکا تھا اور دنیاوی عیش وعشرت سے اس کی طبیعت ہٹ گئی تھی۔ جہانگیر کے انتقال کے بعد وہ گیارہ برس جی اور سفید کپڑوں سے رنڈاپا کاٹا۔ بہتر برس کی عمر میں ۱۶۴۶ء میں لاہور میں سفر آخرت اختیار کیا اور اپنے شوہر کے قریب ایک علیحدہ گنبد میں دفن ہے جو اب بہت خستہ حالت میں ہے اس کے مقبرے کی خراب وخستہ حالت یاس وحسرت اور بیکسی کی ایک مدہ تصویر ہے اس پر نہایت دردناک اشعار تحریر ہیں منجملہ ان کے ایک شعر یہ ہے۔ ؎

بر مزار ما غریباں نے چراغے نے گلے
نے پر پروانہ سوزد نے صدائے بلبلے

یہ اشعار دنیا کی بے ثباتی ظاہر کرتے ہیں اور ان لوگوں کے لیئے جو دنیا کے عیش وعشرت میں غرق ہیں نہایت سبق آموز ہیں۔ ہم نے نور جہاں کے خلاف کوئی بات کسی تاریخ میں نہیں دیکھی مگر۔ ؎

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد
عیب نماید ہنرش در نظر

ترا دیدہ و یوسف را شنیدہ — شنیدہ کی بود مانند دیدہ

اُس کے حسن و جمال کو گو وہ اب (۳۴) سال کے عمر میں زوال پر تھا مگر پھر بھی بڑے کمال پر تھا۔ اُس کی حاضر جوابی۔ سلیقہ مندی اور دیگر خصائل حمیدہ کو دیکھ کر جہانگیر نے شادی کی کئی بار درخواست کی مگر وہ یہی کہہ کہہ کر ٹال دیتی تھی۔ ع یاں وہ نشے نہیں جنھیں ترشی اُتار دے۔ لیکن بادشاہ کا اصرار جب حد سے گزر گیا تو وہ سمجھی کہ در یا میں رہنا اور مگر مچھ سے بیر۔ بجز اسی میں ہے کہ ہاں کر لوں۔ ؎

رنج سے خوگر ہوا انسان تو مٹ جاتا ہے رنج — مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں

چنانچہ (۶) سنہ جلوس ہی سنہ ۱۶۱۱ء میں نہایت دھوم دھام۔ تزک و احتشام سے امید دیرینہ بر آئی اور جہانگیر نے شاہی شان و شوکت سے اپنی شادی رچائی۔ ؎

این کہ دیدی مراتب جز ویست — کار کلی ہنوز در قدر است

شادی کے بعد مہر النسا کا وہ مرتبہ تھا کہ سلاطین مغلیہ کی کسی بیگم کو نصیب نہیں ہوا محل میں داخل ہوتے ہی نور محل خطاب ملا اور نور جہاں ہوئیں۔ دن دونی رات چوگنی ترقی ہوئی۔ امور سلطنت کا کُل کاروبار اسی کے ہاتھ میں آگیا۔ فرامین شاہی پر اس کے دستخط۔ سکے پر بادشاہ کے ساتھ اس کا نام۔ دربار میں جھروکے میں یہ موجود عرائض یہ لے اور حکم بھی یہی لکھے۔ باپ اعتماد الدولہ کو قلمدان وزارت ملا بھائی آصف خاں کو اعلیٰ منصب۔ غرض کہ اس کے اقتدار کی کوئی حد نہ رہی۔ جو کچھ وہ چاہتی تھی کرتی تھی۔ اُس کی مرضی ہی قانون تھی۔ بادشاہ کی طبیعت پر اسے پورا قابو حاصل تھا بغیر اس کی مشورت و صلاح کے وہ کچھ نہ کرتا تھا اور اکثر کہا کرتا تھا کہ امور سلطنت کے انجام دینے کے لیئے نور جہاں کافی ہے۔ بجز ایک جام شراب کے مجھ کو اور کسی چیز کی ضرورت نہیں ؎

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو — اک گونہ بے خودی مجھے دن رات چاہیئے

اس نے بادشاہ کے مزاج میں بڑا بھاری تغیر پیدا کر دیا۔ جہانگیر کی شراب خواری کو گھٹایا۔ اُس کی تند مزاجی کو دھیما کیا۔ غرض جتنی باتیں قابل اعتراض تھیں تا بہ امکان ان کی اصلاح کی۔ اپنی دانش مندی اور حسن تدبیر سے بادشاہ کو راہ راست پر لگا لائی۔ وہ مظلوموں کی پناہ گاہ۔ درد مندوں کی چارہ ساز۔ بے آسوں کی آس۔ ہر شخص کی ملجا و ماویٰ تھی ہنسی ایسی کہ ہاتھ میں ہڈی نہیں۔ داد و دہش وہ کہ اس ہاتھ سے اُس ہاتھ کو خبر نہیں۔ غریب

ایسے کاری زخم لگائے کہ وہ بھی جاں بر نہ ہو سکا۔ گورنر کا قتل کوئی معمولی بات نہ تھی علاوہ بریں وہ بادشاہ کا دودھ شریک بھائی بھی تھا۔ شاہی لشکر نے مہرالنسا کے محل پر گھیرا ڈال دیا مہرالنسا قید کر کے جہانگیر کے روبرو دربار میں حاضر کی گئی۔ محل میں رہنے کا حکم ہوا۔ زندگی کے دن کاٹنے لگی۔ شاد باید زیستن ناشاد باید زیستن۔ ؎

بلبل ہوں صحن باغ سے دور اور شکستہ پر پروانہ ہوں چراغ سے دور اور شکستہ پر

وہ بھی شریف زادی تھی۔ جس سے اس کا کلیجہ بدھ گیا تھا اس کی وفادار اور غمگسار بیوی تھی۔ کیسے ممکن تھا کہ وہ شیر افگن کی تصویر کو اپنے دل سے مٹا دیتی۔ کیونکر ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے شوہر کے قاتل کی طرف رخ دیتی جس کی سفاکی سے وہ سہاگن سے رانڈ ہو گئی۔ برسوں وہ اپنے شوہر کے سوگ میں ملول اور کبیدہ خاطر رہی۔ گو جہانگیر کا میلان

جہانگیر بادشاہ ۔ نورجہاں بیگم

طبع ادھر تھا مگر یہاں مہرالنسا کی سرد مہری کے سوا کچھ نہ تھا۔ لیکن بُری طرح آن پھنسی تھی اس جنجال سے نکلنا محال تھا۔ اسی حالت میں چار برس اور بروایتے کامل چھ برس گزرے روتے بیٹھے سے دل کی بھڑاس نکل چکی تھی۔ غم والم کے امتداد میں زمانہ کے امتداد نے ڈھیل ڈال دی تھی۔ کچھ اوپر والوں نے اونچ نیچ سمجھایا۔ منت سماجت کی بڑ ھاوے چڑھاوے دیئے آخر کار تا کجا وہ بھی سمجھدار تھی انجام کار اس کی پیش لنگر تھا رم پڑ گئی۔ جہانگیر کے دل میں مہرالنسا کی محبت نے اسی وقت سے گھر کر لیا تھا جب کہ وہ شیر افگن کی منگیتر تھی لیکن اب جب کہ وہ مستقل طور سے محل شاہی میں رہنے لگی۔ مصداق۔ ؎

(اور واقعی آگے چل کر رنگ بھی کیسا لایا کہ باید و شاید) تم جھٹ پٹ اپنی لڑکی کی شادی کردو۔ چھٹی ہوئی۔ چنانچہ مہرالنسا کی شادی شیر افگن خاں سے ہو گئی اور وہ اپنے دولہا کے ساتھ بنگال کو چلتی ہوئی۔ یہ سونے کی چڑیا ہاتھ سے نکل گئی اور میاں سلیم ہاتھ ملنے کے ملتے رہ گئے۔ اب وہ وقت آگیا کہ دنیاں بیٹے کو تو ال اب ڈر کاہے کا" یعنی شاہزادہ سلیم۔ شہنشاہ جہانگیر ہو گئے۔ مہرالنسا اور شیر افگن تو ایک طرف سارے ہندوستان کی باگ اُس کے دست قدرت میں تھی۔ آخر شاہنشاہ تھا۔ جو چاہتا اور جس طرح چاہتا چشم زدن میں کر سکتا تھا۔ سلیم کے دل میں مہرالنسا کی آگ جو سلگ رہی تھی قوت واقتدار نے اُسے بھڑکا دیا۔ جہانگیر نے شیر افگن کے توڑ پر قطب الدین کو بنگال کا صوبہ دار کر کے بھیجا جو حضرت سلیم چشتی رح کا داماد اور خود بادشاہ کا رضاعی بھائی تھا۔ اُس کے پاس فرمان پر فرمان جانے لگے کہ جس طرح بھی ہو شیر افگن کو اس بات پر آمادہ کردے کہ وہ مہرالنساء سے دست بردار ہو جائے۔ شیر افگن آسم باسمی سپاہی تھا شیر دل لومڑی یا بھیگی بلی نہ تھا۔ شرافت کا خون اُس کی رگوں میں موج زن تھا ہاتھ بیچے تھے ذات نہیں بیچی تھی۔ کوئی اپنی کالی کلوٹی بیوی کو بھی اس ذلیل اور نامردانہ طریقے سے نہیں چھوڑتا چہ جائے کہ یہ حسن کی دیوی اور نور کی پتلی۔ ملی ملائی نعمت الٰہی کو اپنی پست ہمتی سے چھوڑ بیٹھتا۔ معاملہ نے طول پکڑا۔ ادھر سے سختی ادھر سے ہٹ بادشاہ کشیدہ خاطر ہو گیا اور وہ بات سچ ہو گئی کہ دنیا کے سارے جھگڑے بکھیڑے تین زیبوں پر محدود ہیں۔ زن۔ زر۔ زمین پس یہ معاملہ زن کا تھا۔ ابھی تک دور دور سے گفتگو تھی اب دوبدو کی نوبت آئی۔ طلبی پر طلبی اور تقاضے پر تقاضا جانے لگا۔ شیر افگن اپنی جگہ ڈٹا بیٹھا تھا صاف بدل گیا اور کہا "جاؤ میں نہیں آتا" تا چار قطب الدین بردوان پہنچا اور ایک ناخواندہ مہمان یہ قضائے مبرم کی طرح سیدھا شیر افگن کے گھر جا دھمکا مان نہ مان میں تیرا مہمان۔ طرفین سے سخت کلامی پر تُل گئے :- ؎

آپ سے تم تم سے تو ہونے لگی	سخن کی جب گفتگو ہونے لگی
لطف کیا جب دوبدو ہونے لگی	چاہیئے پیغام بر دونوں طرف

نوبت بہ ایں جا رسید کہ شیر افگن نے غیظ آلود ہو کر خنجر آبدار کمر سے کھینچ قطب الدین کو ٹھنڈا کر دیا۔ یہ دیکھتے ہی شاہی سپاہی جو قطب الدین کے ساتھ تھے شیر افگن پر ٹوٹ پڑے اور

ہندوستان پونہچا دیا۔ جب یہ ایرانی دلی میں پونہچا تو اسی سوداگر کے ذریعے سے اس کی رسائی اکبر کے دربار میں ہوئی۔ آدمی تھا ہوشیار۔ چرب زبان اور اکبر جیسا قدردان۔ بکشادہ پیشانی قدردانی کی۔ معقول خدمت ملی۔ باپ اور بھائی دونوں کی بن آئی۔ دن دونی رات چوگنی ترقی کی پینگ بڑھنے لگی۔ غیاث نے جلد اعتبار اور عروج پایا۔ چند ہی دنوں میں میر خزاین کا معزز عہدہ پایا۔ ان کا رسوخ بڑھتا گیا۔ مہرالنسار کی ماں بلا روک ٹوک محل شاہی میں آنے جانے لگی مہرالنسار بھی کبھی کبھار ماں کے ساتھ چلی جاتی تھی۔ جب یہ لڑکی جوان ہوئی تو اس کی خوب صورتی اور دانائی حاضر جوابی سلیقہ اور اعلیٰ قابلیت کا چرچہ ہونے لگا۔ ع۔ کسب کمال کن کہ عزیز جہاں شوی۔ غرض یہ کہ مہرالنسار کی آمد و رفت جب محل شاہی میں ہونے لگی۔ لڑکی تھی نایاب سلیم کی نگاہ پڑی بے تاب ہوگیا۔ ؎

جب نظر سے نظر دوچار ہوئی ، ایک برچھی جگر کے پار ہوئی

دل گیا ہاتھ سے نگاہ کے ساتھ ، صبر رخصت ہوا اک آہ کے ساتھ

اس لڑکی کی نسبت علی قلی خاں نامی ایک امیرزادے سے قرار پاچکی تھی جس کا باپ ایران میں شاہ اسمٰعیل کے ہاں ایک اعلیٰ عہدے پر ملازم رہ چکا تھا اور وہ خود بردوان علاقۂ بنگالے کا حاکم تھا۔ یہ شخص بڑا جری تھا۔ اس نے ایک ہی ضرب شمشیر سے شیر کے دو ٹکڑے کرڈالے تھے تب ہی سے شیر افگن خاں کا خطاب ملا تھا سلیم نے قرار تھا کہ کسی نہ کسی طرح اس لڑکی سے جو نہایت حسن اور نازنین جن صورت اور سیرت دونوں سے آراستہ اور پیراستہ تھی اور دلی بھر کی نوجوان عورتوں میں بس یہی ایک ان صفات سے متصف تھی اپنی شادی ہوجائے۔ مگر کوئی صورت بن نہ پڑتی تھی آخر کار دل کڑا کرکے مہرالنسا کے باپ سے خواستگاری کی مگر اس نے جواب دیا کہ صاحب عالم! قصور معاف۔ خانہ زاد قول ہار چکا ہے اور قول مرداں جان دارد مجبور ہوں اور خواستگار معافی۔ مگر جہانگیر کا عشق ایسا سرسری نہ تھا کہ وہ اسی بات پر ختم ہوجاتا۔ یہ انکار اصرار کا تازیانہ ہوا۔ شدہ شدہ اکبر کے کانوں تک یہ افسانہ عشق پونہچا۔ اکبر کے دل نے گوارا نہ کیا کہ ایک ایسی لڑکی کے لیئے جو دوسرے کی ہوچکی دباؤ ڈالے صاف انکار کردیا اور مرزا غیاث کو بلاکر تاکید کردی کہ میاں یہ معاملہ رنگ لانے لگا

لیئے تاریخ کے صفحات پر چھوڑ جاے گی اور اس کا نام ہمیشہ عزت اور فخر کے ساتھ
لیا جاے گا۔ ہندوستان کا سفر ابھی بہت باقی تھا۔ منزل مقصود دور۔ ہوا سرد تیز
پہاڑی درے برف سے اٹے ہوے۔ زاد راہ ندارد۔ ٹٹو اول ہی کا مریل تھا کھانے
نہ ملنے سے وہ بھی ٹہل گیا۔ غیاث کی بیوی اول ہی دبلی پتلی اور کمزور اوپر سے زچہ
چل نہ سکتی تھی۔ لڑکی کو چھوڑا اور ادھر سے منہ موڑا اور آگے کو چلی مگر پاؤں تھے کہ
اُٹھتے نہ تھے۔ دل تھا کہ کھنچا چلا جاتا تھا۔ ایک ایک پاؤں سو سو من کا تھا۔ قدم آگے
دھرتی تھی مگر مڑ مڑ کر اپنی نور نظر کو دیکھتی جاتی تھی اور آنسوؤں کی لڑیاں جاری تھیں۔
آخر ایسا معلوم ہوا کہ کسی نے پیر پکڑ لیئے۔ آخر کار وہاں سے نہ چلا گیا اُس نے اپنے
شوہر سے بے قرار ہو کر کہا۔ "دیکھنا بی! مجھ سے تو چلا نہیں جاتا۔ ایک تو میں مریض دوسرے
زچہ تیسرے فاقہ اُس پر پیدل چلنا۔ اس سے تو بہتر ہے کہ یہیں مر رہیں کہ ہماری مصیبت کا
تو خاتمہ ہو۔ چلتے چلتے یہ وقت آیا مگر ابھی ہم کچھ بھی دور نہیں آے۔ خدا کے واسطے تم
جھپٹ کر جاؤ اور میری بچی کو اُٹھا لاؤ۔ جو ہم پر گزرے گی وہ اُس معصوم پر بھی گزرے گی
مجھ سے کب ہو سکتا ہے کہ اس ننھی سی جان کو جنگل بیابان لق و دق میدان میں چھوڑ دوں
جہاں سانپ بچھو اور درندوں کا ڈر ہے خدا معلوم وہ بچی بچی بھی ہے یا ختم ہو گئی۔ باپ کی بھی
آخر مامتا تھی۔ کہنے کی دیر تھی پلٹا اور آنا فانا میں جہاں لڑکی کو ڈال گیا تھا پہنچا۔ دیکھا تو وہاں
ایک ملک التجار اُترا ہوا ہے لڑکی کو ان لوگوں نے اُٹھا لیا اور وہیں ایک سانپ دو ٹکڑے
ہوئے پڑا ہے۔ پوچھا۔ معلوم ہوا کہ جب اس تاجر کا گزر ہوا تو اتفاقاً اُس کی نظر پڑ گئی دیکھا
کہ ایک لڑکی چاند کا ٹکڑا۔ چندے آفتاب چندے ماہتاب جھاڑی میں پڑی منہ
میں ہاتھ لیئے ہاتھ پاؤں مار رہی ہے اور ایک بڑا سا کالا ناگ اپنا ہیبت ناک پھن پھیلاے
اُس پر جھوم رہا ہے اور قریب ہے کہ اسے ڈس لے تاجر نے فوراً سانپ کو مار ڈالا اور
بچی کو اُٹھا کلیجے سے لگا لیا یہ ہیں میرے مالک کی قدرت کے کھیل ؎

از یں قطرہ لولوے لالہ کند وزیں سرو آں قد بالا کند

وہ یوں جان کو بچاتا اور اس طرح غیروں سے پلواتا اور بے کسوں اور بے بسوں کی مدد کرتا ہے
ملک التجار کا دل ان کی داستان مصیبت سنکر موم ہو گیا۔ اور کمال مہربانی و لطف
و عنایت سے پیش آیا۔ اُس نے ان کی کفالت اپنے ذمے لی اور بیوی بچوں سمیت

تلاش معاش کے لئے ہندوستان روانہ ہونے پر مجبور ہوا۔ چنانچہ اُس نے اپنی بیوی کو کہ حاملہ تھی اور قطع منازل سے معذور تھی ایک مریل ٹٹو پر سوار کیا اور آپ پاپیادہ ساتھ ہولیا۔ ان بے تقدیر ہندوستان کا رُخ کیا۔ چند دن کے بعد یہ قافلہ قندھار پہونچا اثنائے راہ میں یہ لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام مہرالنسا قرار پایا۔ مصائب کی انتہا ہوچکی تھی صعوبت سفر اور اس پر دو دو تین تین دن کے کڑاکے کے فاقے اور سفر سر پر سوار ایسی حالت میں کاہے کی جان و مال تھی اس لڑکی کی پرورش دوبھر معلوم ہوئی۔ یہ لڑکی جنگل بیابان میں پیدا ہوئی ماں باپ خستہ حال اسے کہاں کہاں لئے پھرتے۔ نہ پلے رقص ورر دسے ماندں۔ عجب خلجان تھا۔ ناچار ماں نے کلیجے پر پتھر رکھا اور اس حور صورت موہنی مورت کلیجے کے ٹکڑے کو ایک دیدہ پر نم سڑک کے کنارے ایک جھاڑی کے نیچے لٹاکر چھوڑ دیا اس خیال سے کہ دوسرے دن اسی رستے سے ایک قافلہ گزرنے والا ہے کیا عجب ہے کہ کسی بندۂ خدا کی نظر پڑ جائے اور اسے ترس آجائے اور وہ اٹھالے۔ اس مصیبت کے وقت میں اس لڑکی کا پیدا ہونا عذاب جان ہوگیا اور بڑی منحوس قدم معلوم دیتی تھی کہ ماں باپ کی مصیبتوں میں اس نے آکر اور اضافہ کر دیا انہیں کیا خبر تھی کہ یہ معصوم ننھی سی جان اس قدر باکمال ہوگی کہ ایک دن قیصر ہند کے مرتبے پر پہونچے گی اور اپنی فراست اور دانائی کا نقشہ ہمیشہ ہمیشہ کے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۲۳) دریائے عکس واقع است اندروں وبیروں روضہ آیات قرآن بخط طغری مرقوم است تیغ ما فارسی نیست و نام طغری رئیس عبدالحی قریشی بود در ۱۰۳۴ھ باتمام رسانیدہ اصل تربت اعتماد الدولہ در وسط روضہ از سنگ زرد منقش کردہ تربتے دیگر است از ہماں سنگ و بربالائے سقف مدور گنبد تربت نقلی است کہ آں ہم یک قطعہ سنگ مرمر است وسوائے ایں تربت با چار تربت دیگر اندروں روضہ مذکور است کہ از سنگ مرمر ساختہ اند آنہا ہیچ یکے از ایں تربتہا چیرے موشتہ اند و نواب یمین الدولہ آصف خاں پسر کہ آصف جاہ ہم خطاب داشت در زمان شاہجہاں بادشاہ در اواخر ماہ شعبان سنہ ۱۰۵۱ھ در غم ماتم خواہر خود کہ معینہ بالتزام داشت در عمر (۶۲) سالگی در لاہور فوت کردہ و نورجہاں بیگم در ۱۰۵۵ھ ایں جہاں را پدرود نمودہ مرقدش در لاہور است۔ پہلوے مقبرۂ جہانگیر بادشاہ و ہیچ نوشتہ ندارد۔ نورجہاں بیگم را خواہرے بود منیجہ بیگم زوجۂ قاسم خاں کہ از امرائے جہانگیری و شاعرے لطیفہ پرداز و سخن ساز بود۔ اصل قاسم خاں از تبریز است۔ ۱۲

رکھتا ہے۔ اس واقعہ پر بخوبی عبور حاصل کرنے کے لیے ہم کو چند سال پیچھے ہٹنا پڑے گا یعنی وہ زمانہ کہ جب اکبر نے **عبادت خانہ** کھولا تھا۔ نورجہاں کا دادا **خواجہ محمد شاہ** ترکستانی ایران کا وزیر اعظم تھا اور دوسرے رشتہ دار بھی اعلیٰ عہدوں پر تھے۔ خواجہ محمد شاہ کے بعد اس کے بیٹے **مرزا غیاث** کا ستارہ کچھ ایسا گردش میں آیا کہ نان شبینہ تک کو محتاج ہو گیا۔ وہ ایک بڑا جید منشی تھا لوگوں نے کہا کہ ہندوستان میں ایسے لوگوں کی ضرورت ہے۔ بالآخر تنگ آ کر اپنے وطن مالوف کو خیرباد کہنے اور

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) روزے بعد فراق چند روزہ وقت ملاقات از فرط نشاط اشک شادی از چشم بیگم صاحبہ رواں شد بادشاہ فرمود ع۔ گوہر ز اشک چشم تو غلطیدہ می رود۔ بیگم صاحبہ مصرع ثانی فی البدیہہ گفت ع۔ آبیکہ بے تو خوردہ ام از دیدہ می رود۔ این **رباعی** ہم از دست:-

چوں بردارم درخ بہ تیغ زگل فریاد بر خیزد   زنم بر زلف اگر شانہ زسنبل وا دبر خیزد

باین حسن و کمالاتی چو در گلشن گزر سازم   زجان بلبلان شور مبارکباد بر خیزد

وقتے ملک الشعرا **طالب آملی** معتوب بادشاہ بود در حالت محبوسی این **بیت** بہ بیگم نوشت:-

زشرم آب شدم آب را شکستے نیست   بحیرتم کہ مرا آبروئے از چہ شکست

بیگم بدیہہ نوشتہ فرستاد کہ "ز یخ لبت شکست" بالجملہ چوں بیگم در سلک مناکحت بادشاہ در آمد از قدوم میمنت لزوم خود شبستان خسروی را منور ساخت پدرش خواجہ ایاس کہ بخواجہ غیاث ہم مشہور بود از الطاف خسروی بمرتبہ وزارت رسید و بخطاب **اعتماد الدولہ** سربلندی حاصل ساخت و پسرش **ابوالحسن** بپایہ بلند سرفرازی یافتہ بخطاب **اعتقاد خاں** و میر سامانی و بعدازاں بخطاب **آصف خاں** معزز شدہ در ۱۰۵۱ھ جلوس شاہجہاں فوت کرد و صبیہ آصف خاں **ارجمند بانو بیگم** در عقد مناکحت شاہزادہ **مرزا خورم** یعنی **شاہجہاں بادشاہ** در آمدہ بہ **ممتاز محل** مخاطب گشت و دختر نورجہاں بیگم کہ از **شیر افگن خاں** بود با **سلطان شہریار** پسر خورد جہانگیر بادشاہ منسوب گردید و اعتماد الدولہ در ۱۰۳۰ھ در اکبرآباد فوت کرد و صاحب اقبال نامۂ جہانگیری می نویسد کہ در ہنگامیکہ جہانگیر بادشاہ نوبت دوم در ۱۰۳۰ھ بعد وب کشمیر تشریف می بردند اعتماد الدولہ ہمراہ بود چوں نزدیک قلعۂ **کانگڑہ** رسید بیمار شدہ در ماہ ربیع الاول سال مذکور جاں بجاں آفریں سپرد و مقبرۂ او در اکبرآباد است و گنبد عالی و روضۂ رفیع بر تربت او عمارت یافتہ بسنگہائے رنگا رنگ و این عمارت عالی و باغ آں سمت اکبرآباد بر کنار

مہرالنسا[1] کی شادی تھی جو سنہ ۱۶۱۱ء میں ہوئی۔ چونکہ یہ بیگم آگے چل کر بنفسہا سلطنت کا کاروبار چلانے لگی اور سیاہ و سفید کی مالک ہوگئی اس لیے یہ واقعہ ایک خاص اہمیت

[1] چون سلطنت ہندوستان بجہانگیر بادشاہ رسید از مدتے آتش عشق آن دختر در سینہ او شعلہ می زد رسید شیر افگن خان را از بردوان صوبۂ بنگالہ کہ جاگیر او بود بحضور طلب داشت و دریے آن شد کہ او را بحیلتے بکشد و آن دختر را تصرف خود آرد چنانچہ یک مرتبہ شیر افگن خان را فرمان آورد تا با شمشیر و تیر با شیر شرزہ مقابلہ کرد و آن شیر را کشت و از آن روز بہ شیر افگن خان مشہور شد مرتبۂ دیگر بادشاہ اشارہ فرمود تا پیل دمان را او سلامتش آوردند و آن جوان مردانہ نیز بشمشیر بکشت بعد ازان از بادشاہ رخصت حاصل نمودہ بمحل جاگیر خود رفت در سنہ ۱۰۱۹ھ قطب الدین خان کوکہ را کہ برائے کشتن شیر افگن خان بصوبہ داری ملک بنگالہ سرفرازی یافتہ کشتہ و تنے چند از ہمراہیانش بقتل رسانیدہ خود نیز بدست ایشان شہادت یافت بعد ازان بادشاہ دختر او را بدربار طلب داشتہ بعقد نکاح خود در آورد و نامش کہ پیشتر ازین مہرالنسا بود بہ شرف النسا و نور جہان بیگم مبدل ساخت و چندان محبت والفت با او داشت کہ تمام امور و مہام سلطنت بقبضۂ اقتدار او کرد۔ نور جہان بیگم در مرتبہ ذات غایت عمدہ و ساق عالی و باوجود دیگر گونہ دستور ہمی جامہ خوبی بر لباس عالم ممتاز اکثر با جودہ بائی کہ زوجۂ جہانگیر و ہمشیرۂ راجہ مان سنگہ بود ساختہ می داشت اگرچہ از بیگم اشعار دلپذیر بسیار است و مخفی تخلص او است اما در ایامیکہ ستارۂ دنبالہ دار در ماہ محرم سنہ ۱۰۲۸ھ طلوع شدہ این بیت خوب گفتہ۔ ت ستارہ نیست این طول سر زلف ملک بشماری نشستہ کمر بستہ در رہ۔ و وقتے بسلخ رمضان پس از رویت ہلال این مصرعہ بر زبان بادشاہ کہ شراب بسیار دوست می داشت گذشت مص۔ ہلال عید بر اوج فلک ہویدا شد۔ بیگم فی الحال مصرعۂ دوم بدیہہ رسانید مص کلید میکدہ گم گشتہ بود پیدا شد۔ بادشاہ تحسین کرد و این ابیات ہم از دست:۔

ت نور جہاں گرچہ بصورت زن است
در صف مردان زن شیر افگن است

رباعی کشادہ غنچہ اگر از نسیم گلزار است
کلید قفل دل ما تبسم یار است
بگل نشا سرو دیگر گونہ عارض و زلف
دل کسے کہ بکس داد گرفتار است

ت دل بصورت ندہم تا شدہ سیرت معلوم
بندۂ عشقم و ہفتاد و دو ملت معلوم
نام ما ہول قیامت مکش از دل ما
ہول ہجران گذرانیدیم و قیامت معلوم

روزے بادشاہ پیراہنے با تکمۂ لعل پوشیدہ بود بیگم این بیت بدیہہ گفت۔

ت ترا نہ تکمۂ لعل است بر لباس حریر
شدہ است قطرۂ خون منت گریبان گیر

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)

تصویر نور جہان بیگم بیٹی غیاث بیگ اعتماد الدولہ

نور جہاں بیگم مع اپنی سہیلیوں کے

خاطر مدارات سے جو شاہاں اُن کے علو مرتبت کی تھی پیش آیا اور اسی وجہ سے انھوں نے بادشاہ کی اطاعت قبول کر لی۔ جہانگیر نے ان دونوں باپ بیٹوں کے قد آدم سنگ مرمر کے مجسمے بنوا کر آگرے میں باغ کے اندر جھروکے کے پاس لگوا تھے۔ افسوس ہے کہ امتداد زمانے کی وجہ سے اب یہ دل آویز یادگار باقی نہیں رہی۔

کانگڑے کی فتح | ایک دوسری عظیم الشان فتح کانگڑے[۵] کے مشہور قلعے کی بھی جو پنجاب میں ہے اور جسے اکبر بھی فتح نہ کر سکا تھا وہ سنہ ۱۶۲۰ع میں عہد جہانگیری میں فتح ہوا۔ جہانگیر اس فتح پر جتنا ناز کرتا کم تھا۔ بعد فتح بادشاہ خود وہاں گیا اور قلعہ میں ایک بیل ذبح کر کے ہندوؤں کے مقدس مقام کو ناپاک کیا اور وہیں ایک مسجد بنائی۔

طاعون | سنہ ۱۰ جلوس ہیں پنجاب میں طاعون کی مہلک وبا پھوٹی جس کا نام بھی پہلے کوئی ہندوستان میں نہ جانتا تھا۔ یہ وبا دلّی سے لے کر کشمیر تک ہندوستان کے بیشتر مقامات میں پھیل گئی۔ اس میں بھی جو ہے اسی طرح مرتے تھے جیسے کہ اب اس طاعون سے مر رہے ہیں جس کا منحوس قدم ہندوستان میں سنہ ۱۸۹۶ع سے پھر آیا ہے اور اب تو اس نے اپنے ڈیرے ہندوستان میں ڈال دیئے ہیں اور اب سال گزشتہ سے ان کے یار غار مسٹر انفلوانزا نے آن کر طاعون سے بھی زیادہ تہلکہ ڈال دیا اور ہندوستان میں جھاڑو پھیر دی۔ ع شامت اعمال ما صورت نادر گرفت۔ اب خدا کے فضل سے برٹش گورنمنٹ کے بابرکت عہد میں ہر طرح کا امن امان ہے۔ لوٹ مار نہیں۔ جنگ و جدال نہیں تو یوں خلق خدا سمٹتی چلی جاتی ہے۔ اب دیکھیے ہندوستان کب ان بلیات سے نجات پاتا ہے؟

نور جہاں بیگم | جہانگیر کی سلطنت کا سب سے مہتم بالشان واقعہ جس نے بادشاہ کی کیفیت پر ایک دائمی اثر ڈالا ایک ایرانی لیڈی

---

[۵] وادی کانگڑہ۔ کوہ ڈلہوزی شملہ کے درمیان یہ وادی ہے۔ جس کا قدرتی منظر ساری دنیا کے بہترین مناظر میں شمار ہوتا ہے لیکن موسم سرما میں ہاں گزر نہیں ہو سکتا۔ ۱۲

ملک عنبر ایک بڑا قابل سپہ سالار تھا جس نے خان خاناں کو شکست دی تھی۔ ملک عنبر نے بعض مرہٹہ سرداروں سے جو جا بجا زور پکڑتے جاتے تھے ساخت باخت کر لی تھی اور مرہٹوں کی طرح چھاپے مارنے شروع کر دیئے تھے چنانچہ آگے چل کر اسی اورنگ زیب کا بھی ناک میں دم کر دیا تھا۔ جہانگیر نے سب سے پہلے خان خاناں کی جگہ خان جہاں لودھی کو مقرر کیا جہانگیر کے عہد میں گو عارضی طور پر شہر احمد نگر قبضہ ہو گیا تھا مگر کوئی مفید نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔

بنگال | **عثمان خاں** نامی ایک افغان نے بنگال میں سر اٹھایا جو اکبر کے زمانے سے شورہ پشتی کر رہا تھا۔ اس کا خاتمہ ۱۶۱۲ء میں باغی کے قتل پر ہوا۔

میواڑ | **امر سنگھ** میواڑ (اودے پور) کا سرپیرا راجپوتوں کے فرقے کا بڑا سر گروہ رئیس تھا جس کے آبا و اجداد نے مہابلی اکبر وغیرہ سے ہمسری کا دعوی کیا تھا اور کبھی ان کے آگے سر نہ جھکایا تھا۔ سال جلوس (۹) ۱۶۱۴ء میں شاہزادہ خرم نے اسے زیر کیا۔ شاہزادے نے اس کا ایسا پیچھا لیا کہ اس کا ناک میں دم آ گیا اور اس قدر تنگ آ گیا کہ آخرکار ہتھیار ڈال دیئے وہ اور اس کا بیٹا **کرن سنگھ** دونوں شہزادے کے پاس آئے۔ شہزادہ بڑی

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۲۰ کا) ریلوے سٹیشن سے بھی نظر آتی ہیں۔ شہر کے گرد فصیل دو ہزار مربع میل پر علاوہ بادشاہی قلعے کے کھنڈروں میں اب صرف ایک ترکی حمام متعلق زنانہ محل بطور نمونے کے باقی رہ گیا ہے۔ جو اچھی حالت میں ہے جس کی چھت گنبددار ہے اور فرش سنگ مرمر کا ہے اور ایک مسطح چبوترے پر سے جو شکم دریائے تاپتی میٹ لمبا ہو دریائے تاپتی کا ہلکی خوش منظر ہوتا ہے جو محل کی دیوار سے لگی ہوئی لہریں مارتی ہے اور اسی کے عقب میں اسیر گڑھ کا مشہور قلعہ ہے۔ برہان پور کی اچھی مناکاری بھی ہوتی اور روپہلی تارکشی اور بیش قیمت کمخواب اور ریشمی پارچہ جات ہیں اور یوں سوتی کپڑا بھی اچھا بنتا ہے۔ ریلوے سٹیشن سے قریب ہی پانچ منٹ کے رستے پر لال باغ (نوابان برہان پور کی مشہور تفریح گاہ ہے۔ بہت سے مسلمان بزرگان دین کے مزار ہیں جنوری سے اپریل اور اگست سے اکتوبر تک رہتے ہیں جس میں سب سے بڑھ کر حضرت برگٹ شاہ بھکاری کا عرس ہے جس میں پانچ ہزار سے کر دس ہزار تک کا مجمع ہوتا ہے۔ ڈاک خانہ شہر برہان پور میں قلعے کے اندر ہے اور سٹیشن کے پاس روئی کے بیج اور صاف کرنے کی فیکٹریاں ہیں اور شہر کے اندر بھی کئی روئی کی کمپنیاں ہیں۔ ۱۲۰

آجائے اور دوسرے یہ کہ جنوبی ہند پر پورا تسلط میسر آسکے۔ لیکن افسوس ہے کہ ان دونوں امور میں کامیابی نہ ہوئی۔ اس کا لشکر کبھی دریائے اٹک سے آگے نہ بڑھا۔ دوسرے دورجب فتح نصیب ہوئی وہ قندھار تھا جسے ساما؟ کے شروع زمانے ہی میں ایرانیوں سے لے لیا تھا لیکن ۱۶۲۱ء کے اواخر میں پھر وہ ہاتھ سے نکل گیا۔

دکن دکن میں اگرچہ احمدنگر اکبر کے عہد میں سنہ ۱۶۰۰ء میں مفتوح ہو گیا تھا لیکن ملک عنبر ایک حبشی وزیر نے پھر چھین لیا اور ایسا دبایا کہ شاہی لشکر ہٹتے ہٹتے برہان پور میں جا کر رکا۔ سنہ ۱۶۱۰ء میں دکن کی حالت تشویش ناک ہو گئی تھی۔

سلہ بمبئی سے (۳۱۰) میل بمبئی پریزیڈنسی کے اختتام اور صوبۂ وسطی (سنٹرل پراونسز) کے شروع پر واقع ہے۔ شہر ریلوے سٹیشن سے تقریباً تین میل دریائے تاپتی کے قریب واقع ہے۔ اس شہر کو سنہ ۱۴۰۰ء میں ناصر خاں خاندیس کے پہلے خودمختار بادشاہ نے بسایا تھا دو سو برس بعد اکبر بادشاہ نے فتح کیا۔ سنہ ۱۷۲۰ء میں آصف جاہ نظام الملک نے دکن پر قبضہ کر لیا اور برہان پور ہی میں رہنے لگے اور یہیں ۱۷۴۸ء میں وفات پائی چنانچہ آپ کا مقبرہ بھی یہیں ہے۔ ۱۷۶۰ء میں پیشواؤں کا قبضہ ہوا ان سے ۱۷۷۸ء میں مہاراجہ سندھیا نے لے لیا۔ ۱۸۰۳ء میں انگریزی فوج نے بسرکردگی جنرل ولزلی (جو بعد میں ڈیوک آف ولنگٹن ہو گئے) لیا اور سورج انجن گاؤں کے صلح نامے کی بموجب دوسرے ہی برس پھر مہاراجہ موصوف کے تفویض کر دیا گیا۔ سنہ ۱۸۶۰ء میں سرحدی شمول وخروج میں برہان پور برٹش گورنمنٹ کے قبضے میں آگیا جب سے سنٹرل پراونسز کے ضلع نماڑ کا سب ڈویژن ہے۔ سنہ ۱۶۱۴ء میں سر طامس رو جیمس اول بادشاہ انگلستان کا سفیر یہیں شاہزادہ پرویز پسر جہانگیر بادشاہ صوبہ دار برہان پور کی خدمت میں باریاب ہوا۔ یہاں ٹیورنیر سیاح بھی دو مرتبہ ۱۶۴۱ء اور ۱۶۵۸ء میں آیا تھا وہ لکھتا ہے کہ یہ بہت بڑا شہر ہے مگر بہت ویران اکثر مکان خس پوش ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ اس شہر میں بڑا بیوپار کپڑے کا ہوتا ہے جو دور دور ملکوں۔ فارس۔ ٹرکی۔ مسکوویا۔ پولینڈ۔ عربستان۔ قاہرۂ اعظم اور دوسرے مقامات پر جاتی ہے۔ شہر میں آب رسانی کا کافی انتظام تھا۔ پانی نہایت ستھرا ملتا تھا اور پانی پہنچانے میں بڑی قابلیت فن انجنیری کی صرف کی ہے اب تک بھی شہر کے گرد آٹھ نہروں کے نشان موجود ہیں۔ شہر میں دو نفیس مسجدیں ہیں جن کی بلند مینار درختوں کے جھنڈوں میں سے سر ابھارے

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)

مجمع و عام پہنچی ہوئی تھی، تو خسرو کو ایک ہاتھی پر سوار کر کے ان میں سے ایک ایک شخص کا نام بآواز بلند پڑھ پڑھ کر سناتا تھا کہ یہ فلاں ہیں اور وہ فلاں یعنی اور چڑکا دیا۔ خسرو کی بصارت کو نقص کر کے دور کے ایک قلعہ میں قید کر دیا۔ جہاں وہ سولہا برس قید رہنے کے بعد ۱۶۲۲ء قید زندگی سے آزاد ہوا۔ سرکاری روایت یہ ہے کہ وہ قولنج کے درد سے مرا لیکن اس امر کے یقین کرنے کے کافی وجوہ ہیں کہ خسرو اپنی موت سے نہیں بلکہ اس کے سوتیلے بھائی شاہزادہ خورم (شاہجہاں) کے حکم سے گلا گھونٹ کر اس کا کام تمام کیا گیا۔ شاہجہاں نہیں چاہتا تھا کہ سلطنت کا اور کوئی دعوے دار سد راہ ہو اس لیے اُس نے اپنا رستہ صاف کر لیا۔ ؎

شربت سلطنت زمان جہاں شیرین است — کہ شہان از پی او جان برادر ریزند
خون آزردہ دلان راز پی ملک مریز — کہ ترا نیز ہمان جرعہ بساغر ریزند

خسرو کی بغاوت کے متعلق ۷ رمئی سنہ ۱۶۰۶ء روز چہار شنبہ کے ذیل میں جہانگیر اپنی ترک میں لکھتا ہے کہ "ملحاظ مملکت اس باغ سے جہاں کہ میں مقیم تھا لاہور تک سڑک کے دو طرفہ میں نے کھمبے گڑوا دیئے تھے اور حکم دے دیا تھا کہ باغیوں اور ان کے شرکا سب کو ان پر لٹکا کر سولی دے دی جائے۔ اس طرح ان لوگوں میں سے ہر ایک شخص کو غیر معمولی سزا دی گئی۔"

لڑائیاں

جہانگیر اگرچہ کیا بہ اعتبار عقل و دانش اور کیا بلحاظ اخلاق اپنے باپ سے کم تھا لیکن وہ کچھ نادان نہ تھا۔ جو سلطنت اسے وراثت میں ملی تھی اس نے بلا کسی قسم کی مزید سعی و کوشش کے بخوبی اپنے قابو میں محفوظ رکھا۔ اوائل زمان سلطنت میں وہ کابل گیا اور کچھ برس بعد وہیں ایک بلوہ اٹھ کھڑا ہوا تھا اُسے فرو کیا۔ ہندوستان کے اندرونی صوبے اپنی اپنی جگہ منتظم حالت میں سمجھے کوئی زیادہ الچل اُن میں نہیں ہوئی تاہم اوقات مختلف میں راجپوتانہ۔ بنگال اور دکن بلکہ کانگڑہ اور کابل پر فوج کشی کرنی پڑی۔

جہانگیر کا مطمح نظر

جہانگیر کے باپ کو اور خود اسے بھی بالذات دو باتوں کی بڑی تمنا اور آرزو تھی۔ ایک تو یہ کہ اپنی آبائی مملکت کو جو دریائے آکسس (سیحون) کے اُس پار تھی وہ کسی نہ کسی طرح پھر ہاتھ

اصلاحات کی طرف توجہ کی کہ چنگی کے محصولات عائد کرنے میں بڑی بڑی خرابیاں تھیں
اُن سب کو رفع کیا اور یہ بھی حکم دیا کہ فوجی لوگ لوگوں کے مکانات مسکونہ میں نہ رہا کریں۔ وحشیانہ
سزائیں ناک کان کاٹنا یک قلم بند کردیں۔ اگرچہ خود بدولت شراب کے دل دادہ تھے
لیکن بہت سختی سے شراب اور تمامی منشیات کے انسداد کے احکام جاری کیے
لوگوں کی دادرسی بلا روک ٹوک ہونے کی غرض سے ایک طلائی زنجیر لٹکائی گئی جو
زنجیر عدل کہلاتی تھی۔ یہ زنجیر تیس گز لمبی تھی جس میں ساٹھ گھنٹیاں سونے کی
لٹکتی تھیں۔ وزن ان میں چار من۔ ایک سرا اس کا شاہ برج شاہی چیمبر میں لٹکتا تھا
اور دوسرا جمنا کے کنارے اکاس دیہ میں جوں ہی کسی نے زنجیر ہلائی فوراً بادشاہ کو خبر
ہوجاتی تھی۔ اگرچہ جہانگیر کو مذہب کی طرف کوئی خاص توجہ نہ تھی مگر بعض اوقات
بظاہر وہ اپنے آپ کو بڑا پکا مسلمان ظاہر کرنے کی کوشش کرتا تھا پھر بھی اس کے
نزدیک مذہب ایک دوسرے درجے کی چیز تھی۔ اکبر کا ایجاد کردہ سن شمسی قمری کے
ساتھ ساتھ برتا جاتا تھا اس سبب سے اس کے زمانہ کے واقعات میں سنوں کا خلط
مبحث ہوگیا ہے۔ جہانگیر اکبر کی طرح ہندوؤں پر مہربان تھا اور بہ حیثیت مجموعی اس کا عہد بھی
مغتنمات سے تھا۔

سلطان خسرو کا بلوہ

تخت نشینی کے چار مہینے بعد تک معاملات اچھی طرح
چلتے رہے لیکن کھچڑی سازشوں کی اکبر کے
زمانے سے پک رہی تھی اور آگ آہستہ آہستہ سلگتے سلگتے بلوے کی شکل میں بھڑک
اٹھی اور ۱۶۰۶ء میں جہانگیر کا بڑا بیٹا سلطان خسرو آگرے سے بہ ارادۂ بغاوت
نکل کھڑا ہوا۔ باپ بیٹوں کی باہمی ناچاقی نے ایسی جڑ پکڑی تھی کہ زیادہ دنوں تک نبھ
نہ سکی خسرو نے لاہور پر قبضہ کرلیا لیکن جہانگیر نے اس کا تعاقب کیا اور ایک ہی مہینے
میں مزاج بحال کردیا۔ خسرو کو کھلی شکست ہوئی۔ وہ دریائے چناب پار ہوکر کابل کی
طرف نکل جانا چاہتا تھا کہ گرفتار ہوگیا اور بادشاہ کے حضور میں پا بہ زنجیر کرکے لایا گیا
جہانگیر اول ہی سے بُزدل تھا اب نفرت اور بڑھ گئی اور غیظ و غضب کی کچھ انتہا نہ رہی
جن لوگوں نے خسرو کا ساتھ دیا تھا اُن میں سے سات سو آدمی اور یہ روایت ہے
تین سو ہاتھیوں کے پیروں تلے روندوائے گئے اور جب کہ ایک واویلا اور

شاہی حاصل کرنے میں بڑا زور مارا اور خسرو اور مان سنگھ دونوں نے بنگال کی طرف نکل جانے کا قصد کیا لیکن لوگوں کے سمجھانے بجھانے سے آخر کار راہ راست پر آ گئے اور لوگوں نے نئے بادشاہ جہانگیر کے قدموں میں ان کو ڈال کر شکر رنجی کو رفع دفع کرا دیا۔ بہر حال شاہزادہ سلیم تقریباً ستائیس برس کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ جس شخص کا بچپنا عیش و نشاط میں گزرا ہو اور جس کی عیش ناکی۔ سنگ دلی اور بے رحمی کے افسانے زبان زد خاص و عام ہوں اس سے کسی بڑے کام کی توقع نہیں کی جا سکتی ہے لیکن تخت پر بیٹھتے ہی کچھ ایسا بار سلطنت پڑا کہ ایک دم اپنا طرز عمل بدل دیا گویا پچھلی زندگی کا ورق الٹ دیا اور بالکل کایا پلٹ ہو گئی اس سے امید بندھی کہ اچھے دن آئے۔ پہلے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۱۴) راہوں تقطیع کنندہ لت بسرت ہمی آید سرود کنعش ساید مدکہ عبدالرحیم خانخاناں طرح مولانا جامی را کہ مصرعہ از الست۔ ع۔ بہر یک گل زحمت صد خار می باید کشید۔ تتبع نمودہ۔ بادشاہ ایں مطلع را بدیہہ فرمودند۔ ؎

ساغر مے بر رخ گلزار می باید کشید ابر بسیار است مے بسیار می باید کشید

سکہ آگرہ۔ سکہ زد در شہر اکبر خسرو گیتی پناہ شاہ نور الدین جہانگیر ابن اکبر بادشاہ

سکۂ احمد آباد۔ سکہ زد در احمد آباد از عنایات الہ روپے زر را ساخت نورانی بہ رنگ مہر و ماہ

در مہرہائے صد تولہ و پنجاہ تولہ و بست تولہ و دہ تولہ ایں ابیات بحکم شاہی آصف خاں نقش نمود در یک روئے آں ایں بیت سکہ شد ...... زر رقم دو شاہ نور الدین جہانگیر طرف دیگر سکہ شد چو نور دریں سکہ نورانی جہاں "آفتاب مملکت" تاریخ آں دور ما بین مصراعہا کلمہ در میان ہر دو مصرعہ ضرب مقام و سنہ ہجری و سنہ جلوس و سکۂ نور جہانی کہ عوض مُہر معمول است صورتش دہ درہم دو زیادہ۔ بر آں ایں بیت قرار گرفت ۔

روپے زر را ساخت نورانی بہ رنگ مہر و ماہ شاہ نور الدین جہانگیر ابن اکبر بادشاہ

طرف دیگر ایں بیت بود۔ بحکم شاہ جہانگیر یافت صد زیور بنام نور جہاں بادشاہ بیگم زر

اگرچہ خطبہ بنام نور جہاں نبود لیکن سکہ منقش گردید۔ بادشاہ چنداں محبت و الفت بہ نور جہاں داشت کہ امور سلطنت و مہام مملکت بقبضۂ اقتدار او کرد و فرامین بنام امرا مالک محروسہ صادر می شد ایں مُہر بہاں ثبت می گردید۔

نور جہاں گشت بحکم الہ ہمدم و ہمراز جہانگیر شاہ

اور اپنے خسرو خان زماں کی مدد سے جو اکبر کا سب سے منہ چڑھا سپہ لار تھا تاج

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) سلیم رفتہ لوازم خدمت بہ تقدیم رسانیدند و برسائر امرا و ارکان دولت ظاہر کہ با وجود پسر ارشد اکبر تمشیت مہم چوں حال بدیں منوال و بعد از آگرہ فرار نمودہ تا حد لاہور رفت و جمع از جنود چغتائی و نیرہ بختان ہزارہ و افغان و راجپوت وغیرہ ذالک از ہر طرف بہ پیوستند تا قریب ہزار کس بر سر شاہزادہ جمع شدند کہ طلیعۂ شاہ سلیم نمایاں شد۔ شاہزادہ عطفہ عناں نمود از طرفین حربے بہ نہایت صعب بوقوع پیوست شاہزادہ شکست فاحش یافتہ فرار اختیار نمود و بر کنار آب لاہور کشتی باناں او را شناختہ بقلیچ خاں حاکم لاہور خبر دادند۔ خان مذکور او را برفق ملائمت و بعہدات دل خواہ نزد خود آوردہ بعد از وصول موکب شاہی بہ نظر بادشاہ رسانید و بادشاہ مظفر و منصور مراجعت نمودہ ۲۰ رجادی الثانی ۱۰۱۴ھ در دار الخلافت اکبر آباد در سن (۳۸) سالگی بر سریر سلطنت جلوس فرمودند۔ سید محمد کرمانی ایں تاریخ جلوس گفت:-

شہ بلند مکاں بحر جود اکبر شاہ | برفت و طفل تمنا بدہر ماند یتیم
بجائے او خلف او نشست شد تاریخ | بجائے اکبر شہ بادشاہزادہ سلیم

و چونکہ قیاصرۂ روم نیز سلطان سلیم نام داشت خود را جہانگیر نام نہادند و چونکہ در ایام شاہزادگی از دانایان ہند شنیدہ بود کہ بعد از اکبر شاہ نور الدین نامی مالک تخت و تاج گردد بنا براں لقب خود نور الدین ساخت و ایں تاریخ از کشفی است:-

شاہ جہانگیر چو از فر بخت | گشت فروزش گر عالم چو مہر
گفت خرد سال جلوس سعید | شاہ جہانگیر نقیب سپہر

و ایں تاریخ بہ تعمیہ از مکتوب خاں داروغۂ کتاب خانہ و نقاش خانہ است ۱۰۱۴ھ

صاحب قران ثانی شاہنشہ جہانگیر | با عدل و داد بنشست ... بر تخت کامرانی
اقبال و تخت و دولت فتح و شکوہ و نصرت | پیش کمر بخدمت بستہ بشادمانی
سال جلوس شاہی تاریخ شد چو بنہاد | اقبال سر بپائے صاحب قران ثانی

در تذکرۂ کلمات الشعراء آمدہ سرخوش مرقوم است کہ بادشاہ با وجود ... تمام شعر خوب می فہمید چنانچہ روزے شاعرے قصیدۂ در مدحش ہمیں کہ مصرعۂ اول خواند ع- ای تاج دولت بر سرت از ابتدا تا انتہا- فرمودند از وزن و تقطیع خبرداری گفت نہ- فرمودند اگر عروض داں می بودی گردنت می زدم شاعر بخود رماند کہ آیا چہ خطا واقع شد بیشتر طلبیدہ فرمودند کہ ایں مصرع

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

سلطان خسرو نے جو جودھ بائی کے بطن سے تھا اپنے ماموں راجہ مان سنگھ

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ)

۹۹۳ ہجری گوید کہ می زیبد آں مہ پارہ را — از پی زیب و جمال زہرہ سارم گوشوارہ ۹۷

دایۂ ابر بہار از مہربانی ہائے فضل — سرہ باغل ہم زمان گو ہر بلو لو کردہ بار

از کلام او بیان حال معنی مستفاد — در کمال او بنائے دین و دنیا استوار

بر دنیا ہا از ہجوم قہر آرد الاماں — با عدو گاہ ار زبان رمح گوید الفرار

موکب منصور وی زانجا کہ راند عالیے — یمں گویند از یمین یاسیر دانند از یسار

حکم آں کلکے کہ دارد حکم بر آب روان — بر سپیدی با سیاہی می رود لیل و نہار

ای چو منبع لا یزالی آفتاب ملک و دیں — یا یہ افزائے معالی سایۂ پروردگار

والی والا علم عالم دل و کیواں سریر — والی والامعالی عادل عالی تبار

مالک ملک جہاں ای بادشاہ بحر و بر — با محباں مہربانی از کریماں یادگار

شاہ صبح عدل و دادی ماہ شام جاہ و گاہ — برق گاہ عزم و حزمی کوہ گاہ بردبار

صبح عدل و احساں معدن از لطف و کرم — تا بہاک ما دل و دیں پرورد بہ ہیر گار

حامی دیں بنی ای باہی آثار بد — والی علیا علم کافی کرم کوہ وقار

زرکہ بمودت ماند آبے از حیات پیش حیات — با وجودت می لغزید خود از ابر بہار

بادشاہا سلک لولوے نفیس آوردہ ام — ہدیہ از کان گرامی باز جوی و گوش دار

کس ندارد ہدیۂ زیں اگر دارد کسے — ہر کہ دارد گو بیا چیزے کہ آرد گو بیار

یک یک ابیات فرد کسکے عجب آمد — ہر یکے جوے زوی مقصود دریائے دو بار

مصرع اول ز روے سال جلوس بادشاہ — از دویم مولود نور دیدۂ عالم بیار

تا بود باقی حساب روزہائے ماہ و سال — وان حساب از سال و ماہ و روز و دوران ہم شمار

شاہ ما پایندہ باد و باقی آں شہزادہ ہم — روزہائے بے حساب سالہائے بے شمار

وداں وقتیکہ اکبر شاہ مریض بود شاہزادہ سلیم دریں ایام بعزم ملاقات پدر از الہ آباد بہ آگرہ آمدہ بود در کنار آب اقامت داشت کہ اکبر تبعا رش اکثر امرا و اعیان دولت بسلطنت سلطان خسرو ولد شاہزادہ سلیم کہ در خدمت جد امجد حاضر بود تعلق داشتند شیخ فرید کہ از امرائے معتبر آں سلسلہ بود و یک دو نفر دیگراں از ارکان دولت مخالفت جمہور را اعتبار نمودہ بخدمت شاہزادہ

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

جہانگیر بادشاہ

رانی جودھ بائی جہانگیر کی راجپوت بیگم

نورجہاں جہانگیر کی بیگم

ممتاز محل

شاہ جہاں

انضمام ۱۵۹۵ء۔ چاند بی بی سے احمد نگر پر مقابلہ ۱۵۹۵ء۔ ہندوستان کا قحط ۱۵۹۵-۹۸ء شاہزادۂ مراد کی وفات ۱۵۹۹ء۔ احمد نگر کی فتح ۱۶۰۰ء۔ قلعۂ آسیر گڈھ کی فتح ۱۶۰۱ء۔ شاہزادہ سلیم کی بغاوت اور ابوالفضل کا قتل ۱۶۰۲ء اکبر کی وفات اکتوبر ۱۶۰۵ء۔

جہانگیر ۱۶۰۵-۲۷ء | اکبر نے اپنی وفات سے کچھ دنوں پہلے ہی شہزادہ سلیم کو ولی عہدی کے لیئے نامزد کردیا تھا سلیم کی ماں راجپوتنی تھی اس وجہ سے یہ بھی نصف راجپوت تھا سلیم کے دونوں بھائی مراد اور دانیال اکبر کی حیات میں ہی مرچکے تھے لیکن اس کے بیٹے

لہ پیدائش روز چہارشنبہ ۱۷ ربیع الاول ۹۷۷ھ ۔ تاریخ ولادت "دُرِ شہوار لجۂ اکبر" "گوہر برج اکبر شاہی" "شاہِ عاقبت محمود" ۲۹ ستمبر ۱۵۶۹ء بعض شعرا نے ایک الف بڑھا کر "ظل الٰہی" ۹۷۷ھ اور "سلطان مسند شاہنشاہی" ۹۷۷ھ ۔ خواجہ حسن مروی نے ایک قصیدہ (۱۳) بیتوں کا کہہ کر حضور اکبر بادشاہ میں گزرانا جس کا صلہ دو لاکھ تنکہ ملا جس کے ہر پہلے مصرع سے تاریخ جلوس اور دوسرے سے تاریخ تولد جہانگیر نکلتی ہے:-

۹۶۳ للہ الحمد از پی جاہ و جلال شہریار	گوہر مجد از محیط عدل آمد در کنار ۹۷۷
" طائرے از آشیان جاہ وجود آمد فرود	کوکبے از اوج عز و ناز گردید آشکار "
" گلبنے این گونہ نمو ند بر دور چمن	لالۂ زینگونہ نشگو از میان لالہ زار "
" شاد شد دلہا کہ باز از آسمانِ عدل و داد	باز دنیا زندہ شد کز چہرِ ایام بہار "
" آں ہلال برج و قدر وجود و جاہ آمد برون	واں نہال آرزوے جان شاہ آمد ببار "
" شاہ تسلیم و فا سلطانِ ایوان صفا	شمع جمع بے دلاں کام دل امیدوار "
" عادل کامل محمد اکبر صاحب قران	بادشاہِ نامدار و کامجوے کامگار "
" کامل و داناے قابل اعدل شاہاں بدہر	اعدل اعلیٰ عاقل بے عدیل روزگار "
" سایۂ لطف الٰہ آں لائق تاج و نگیں	بادشاہِ دیں پناہ آں عادل عالم مدار "
" مجلس دیر اسماد چار ہیں واں عود سوز	موکب دیر اسماکہ رامح آمد نیزہ دار "
" نبیرہ برج وجودی گوہر دریاے جود	از ہواے اوج دلہا شاہبازو جاں شکار "
" مقدم مولودی افزود زیب شہ اگر	الوم لا افزودے زیب دُرِ شاہوار "

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

ان پر بابات سے کے خلاف رہتے تھے۔ میدان جنگ میں کھل کر ہوا میں لہراتے تھے
چتر توغ۔ ایک قسم کا علم تھا مگر علم سے چھوٹا کپی قطاس (سرا گائے یعنی پہاڑی گائے کی دم) کے
گچھے اس پر طرہ۔ تمن توغ اسے لمبی چتر توغ ہی سمجھو اس سے دہرا اونچا ہوتا تھا۔ یہ دونوں
شہزادوں کے لیے خاص تھے جھنڈہ۔ وہی علم پلٹن اور رسالے رسالے کا الگ ہوتا تھا
بڑا معرکہ ہوتو تعداد بڑھا دیتے تھے نقارے کے ساتھ الگ ہوتا تھا۔ گورکہ عربی میں
دمامہ کہتے ہیں۔ ایک نقارخانے میں کم وبیش اٹھارہ جوڑیاں ہوتی تھیں نقارہ
کم وبیش بیس جوڑیاں۔ دہل۔ کئی ہوتے تھے۔ کم سے کم چار بجتے تھے کرنا۔ سونے
چاندی اور پیتل وغیرہ سے ڈھالتے تھے۔ چار سے کم نہ بجتی تھیں۔ سرنا۔ ایرانی
اور ہندوستانی کم سے کم نو نغمہ سرائی کرتی تھیں نفیر۔ ایرانی ہندوستانی فرنگی ہر قسم کی
کئی نفیریاں نغمہ ریزی کرتی تھیں۔ سنگ گائے کے سینگ کی وضع پر تانبے کا
سینگ ڈھال لیتے تھے اور دو بجتے تھے سنج (جھانجھ) تین جوڑیاں بجتی تھیں پہلے چار گھڑی
رات رہے اور چار گھڑی دن رہے نوبت بجا کرتی تھی۔ اکبری عہد میں ایک آدھی ڈھلے
بجنے لگی کہ آفتاب چڑھاؤ کے برج میں قدم رکھتا ہے۔ دوسرے طلوع کے وقت۔" (دربار اکبری)

سلطنت اکبری کے اہم واقعات

ہمایوں کی وفات اور اکبر کی تخت نشینی جنوری ۱۵۵۶ء۔ پانی پت کی دوسری
لڑائی ہیمو کی شکست اور وفات نومبر ۱۵۵۶ء۔ پنجاب پر تسلط ۱۵۵۶ء۔ اکبر کا امور
سلطنت کو اپنے ہاتھ میں لینا مارچ ۱۵۶۰ء۔ جزیہ کی موقوفی ۱۵۶۵ء۔ چتوڑ کا
محاصرہ ۶۸-۱۵۶۷ء۔ فتح پور سیکری کی بنا ۱۵۶۹ء۔ گجرات کی فتح ۱۵۷۳ء
سورت کی فتح۔ گجرات کے بلوے کا فرو کرنا۔ قلعۂ آگرہ کی تکمیل ۱۵۷۳ء۔ دربار
میں ابوالفضل کی باریابی۔ حاجیوں پر محصول کی معافی ۱۵۷۴ء۔ بنگال اور بہار
کی فتح۔ داؤد شاہ کی وفات ۷۶-۱۵۷۴ء۔ راجپوتوں کی شورش۔ گوگنڈے
کی لڑائی ۱۵۷۶ء۔ اکبر کی خلافت کا فتویٰ ۱۵۷۹ء۔ محمد حکیم کی وفات اور
کابل پر تسلط ۱۵۸۵ء۔ لاہور بطور دارالخلافہ ۹۸-۱۵۸۵ء تا حد بیربل کی شکست
یوسف زئیوں کے مقابلے میں ۱۵۸۶ء۔ فتح کشمیر ۸۷-۱۵۸۶ء۔ فتح سندھ
۱۵۹۰ء۔ سلاطین دکن کی جانب سفیروں کا جانا ۱۵۹۱ء۔ قندھار کا

خوشبو خانہ وغیرہ تمام کارخانے ہر گوشے پر خوشنا چوک - پھر اپنے اپنے رتبے سے امرا دونوں طرف - غرض لشکر اقبال اور بارگاہ جلال ایک چلتا ہوا شہر تھا - جہاں جا کر اترتا تھا عیش و عشرت کا میلہ ہوتا تھا جنگل میں منگل ہو جاتا تھا - چار چار پانچ پانچ میل تک دوطرفہ بازار لگ جاتے تھے - سارا لاؤ لشکر اور سامان مذکور ایک طلسمات کا شہر آباد ہو جاتا تھا اور گلال بار بیچ میں قلعہ نظر آتا تھا -

شکوہ سلطنت جب دربار آراستہ ہوتا تھا - بادشاہ با اقبال اورنگ سلطنت پر جلوہ گر ہوتا تھا **اورنگ** ہشت پہلو موزوں اور خوش نما تخت تھا - گنگا جمنی عنصروں سے ڈھلا ہوا - دریا نے دل - پہاڑ نے جگر نکال کر پیش کش کیا - لوگ سمجھے کہ الماس - لعل - یاقوت اور موتیوں سے مرصع ہے :- ؎

بایست انجم از پی ترصیع تاج و تخت نازم فروتنی کہ جواہر قرار یافت

سر پر چتر زرکار و زرتار جواہر نگار - جھالروں میں مروارید و جواہرات جھلمل جھلمل کرتے تھے سواری کے وقت سات چتر سے کم نہ ہوتے تھے کوتل ہاتھیوں پر چلتے تھے سایہ بان بیضوی تراش گز بھر بلند - دستہ چتر کے برابر اور اسی طرح زربفت اور مخمل زرباف سے سنگارتے تھے - جواہرات اور مروارید ٹکے ہوتے - چالاک خاص بردار رکاب کے برابر لیے چلتے تھے - دھوپ ہو تو سایہ کر لیتے تھے اور اسے **آفتاب گیر** بھی کہتے تھے **کوکبہ** - چند سونے کے گولے صیقل اور جلا سے مبارک ستاروں کی طرح دغدغا پیش گاہ دربار میں آویزاں ہوتے تھے اور یہ چاروں بادشاہ کے سوا کوئی شاہزادہ یا امیر نہ رکھ سکتا تھا - **علم** سواری کے وقت لشکر کے ساتھ کم سے کم پانچ علم ہوتے تھے -

لہ شاہی لوازمے - ایسی مراتب کا اب زمانہ نہ رہا اب تو افسانہ رہ گیا پس اس زمانے میں ان کی خیالی تصویر بھی ذہن میں جمنا مشکل ہے اسی وجہ سے ہم نے ایک جھلک دکھلادی ہے - یورپ کے سلاطین میں بھی یہ تبدیل ہیئت یہ سب کچھ ہے جیسے ریگلیا Regalia کہتے ہیں جس میں بہت سی چیزیں ہیں مگر بڑی تاج - Orb دکو ستارہ Sceptre (سپٹر) عصا شمشیر عدل - ممبر Ampula (امپیولا) سر میں تیل لگانے کا ایک ظرف جس پر پرند کی شکل بنی ہوئی ہوتی ہے) وغیرہ وغیرہ بہت سی چیزیں ہیں جو زیادہ تر تاج پوشی کے وقت کام آتی ہیں اور پرانی رسموں کی وہاں بھی سختی سے پابندی کی جاتی ہے - ہندوستان کے لوازمہ یہ ہیں اور یورپ کے وہ - ہر ملک کے وہر رسمے - مگر بات ایک ہی ہے - ہر گلے را رنگ و بوے دیگر است - ۱۲

اس پر سائبانی کرتے تھے اور قناتیں انھیں خوش نما تراش سے تقسیم کرتی تھیں۔ اس خلوت خانہ کو **ایچکی خانہ** کہتے تھے۔ مناسب انداز سے ہر مقام پر ایک **صحت خانہ** یعنی پاخانہ ہوتا تھا۔ اسی سے ملا ہوا ایک گلیمی پردہ سرا۔ ڈیڑھ سو گز مربع۔ اس کی جڑیں بھی اسی طرح قنتوں سے تلے دار پیچ میں بارگاہ وسیع۔ ہزار فراش اسے سجاتے تھے۔ بہتر کمروں میں تقسیم اوپر پندرہ گز کا شہتیر اس کے اوپر **قلندری** کھڑی کرتے تھے۔ خیمے کی وضع کی ہوتی تھی اوپر مومجامہ وغیرہ۔ اس کے پچاس شامیانے بارہ گزے داس پھیلائے کھڑے تھے یہ دولت خانۂ خاص تھا۔ اس کا دروازہ بھی زنجیر قفل کنجی سے محفوظ ہوتا تھا۔ بڑے بڑے امیر سپہ سالار بخشی بے اجازت نہ جا سکتے تھے ہر جیسے اس بارگاہ کو نیا سنگار ملتا تھا۔ اور باہر رنگین یقیمی بوقلموں فرش اور پردے جس کھلا دیتے تھے۔ اس کے گرد ساڑھے تین سو گز کے فاصلے پر طنابیں کھنچتی تھیں۔ تین تین گز پر ایک ایک چوب کھڑی ہوئی۔ جا بجا پاسباں ہشیار یہ **دیوان خانۂ عام** کہلاتا تھا۔ ہر جگہ پہرے دار۔ اخیر میں جا کر بارہ طناب کے فاصلے ایک طناب ساٹھ گز کی **نقار خانہ**۔ اس میدان کے بیچ **اکاس دیا** روشن ہوتا تھا۔ اکاس دیئے کئی ہوتے تھے۔ ایک یہاں اور ایک سراپردے کے آگے کھڑا کرتے تھے۔ چالیس گز کا طولانی ستون ہوتا تھا اسے پندرہ طنابیں تانے کھڑی رہتی تھیں دور تک روشنی دکھاتا تھا اور بھولے بھٹکے وفاداروں کو اندھیرے میں وہ دولت کا رستہ بتاتا تھا اس کے دائیں بائیں کا حساب لگا کر اور امرا کے خیموں کے پتے لگا لیتے تھے۔ سو ہاتھی۔ پانسو اونٹ۔ چار سو چھکڑے۔ سو کہار پانسو معبدار اور احدی۔ ہزار فراش پانسو بیلدار۔ سو سقے۔ پچاس نجار۔ رہتے میمہ دوز مشعلچی تیس چرم دوز۔ ڈیڑھ سو حلال خور اس آباد شہر کے ساتھ چلتے تھے۔ پیادے کا مہینا تین روپیے سے تیم روپے تک۔ ڈیڑھ ہزار گز کے ہموار خوش نما قطعۂ زمین پر بارگاہ خاص کا سامان پھیلتا تھا۔ تین سو گز گول فاصلہ دے کر دائیں بائیں پیچھے پہرہ دار کھڑے ہوتے تھے۔ پشت پر بیچوں بیچ سو گز کے فاصلے پر **مریم مکانی** گلبدن بیگم اور بیگمات اور شہزادہ دانیال۔ دائیں شاہزادۂ سلطان سلیم (جہانگیر) بائیں پر شاہ مراد پھر دار الٹھ کر توشہ خانہ۔ آبدار خانہ

ستونوں پر تانتے تھے۔ کبھی گرد کے چار کو لگا دیتے تھے تو خلوت خانہ ہو جاتا تھا کبھی ایک طرف کبھی چاروں طرفیں کھول کر جی خوش کرتے تھے۔ **اٹھ کھمبا**۔ سترہ شامیانے جدا اور ملے ہوئے سجاتے تھے۔ آٹھ آٹھ ستونوں پر **خرگاہ** شیخ ابوالفضل کہتے ہیں مختلف وضع کی ہوتی ہیں۔ یک دری اور دو دری ۔۔۔۔ بید وغیرہ لچکدار درختوں کی موٹی موٹی اور پتلی پتلی ٹہنیاں سکھاتے ہیں اور چھوٹی بڑی موقع موقع سے کاٹ کر ایک مدور ٹٹی کھڑی کرتے ہیں۔ بلند قد آدم۔ اس پر ویسی ہی موزوں اور متناسب لکڑیوں سے بنگلہ چھاتے ہیں۔ اوپر سوٹے موٹے صاف عمدہ اور خوش رنگ نمدے منڈھتے ہیں۔ اندر بھی دیواروں پر گل کاری کے نمدے اور قالین سجاتے ہیں اور ان کی پیٹوں سے حاشیے چڑھاتے ہیں یہ سب انھیں کی دستکاری ہوتی ہے۔ چوٹی پر گز بھر مدور روشن دان کھلا رکھتے ہیں۔ اس پر ایک نمدہ ڈال دیتے ہیں۔ برف پڑنے لگی تو یہ نمدہ پھیلا رہا ورنہ کھلا رکھتے ہیں جب چاہا لکڑی سے کونا الٹ دیا لطف یہ ہے کہ اس میں لوہا بالکل نہیں لگاتے لکڑیاں آپس میں پھنسی ہوتی ہیں جب چاہا کھول ڈالا۔ گٹھے باندھے۔ اونٹ گھوڑوں گدھوں پر لادا اور چل کھڑے ہوئے۔

حرم سرا بارگاہ کے باہر موزوں مناسب چوبیں چوبیں راؤٹیاں۔ ۱۰×۶ گز طول و عرض بیچ میں قناتوں کی دیواریں۔ اس میں بیگمات اترتی تھیں۔ کئی خیمے اور خرگاہ اور کھڑے ہوتے تھے اس میں خواصیں اترتی تھیں۔ آگے سائبان زر دوزی۔ زربفتی۔ مخملی بہار دیتے تھے۔ اس سے ملا ہوا سراپردہ **گلیمی** کھڑا کرتے تھے یہ ایسا دل بادل تھا کہ اس کے اندر کئی خیمے اور لگاتے تھے۔ اردو بیگنیاں اور عورتیں ان میں رہتی تھیں۔ اس کے باہر **دولت خانۂ خاص** تک سو گز عرض کا ایک صحن سجاتے تھے کہ **مہتابی** کہلاتا تھا۔ اس کے دونوں طرف بھی پہلی طرح **سراچہ** سماں باندھتا تھا۔ دو دو گز پر چھ گزی چوب کھڑی گز بھر زمین میں گڑی۔ سروں پر برنجی قبّے۔ اُسے اندر باہر دو طنابیں تانے رہتی تھیں۔ چوکی دار برابر پہرے پر حاضر۔ اس خوشی خانے کے بیچ میں ایک **صُفّہ** (چبوترا) اس پر چار چوبہ **شامیانہ**۔ اس پر رات کو جلوس فرماتے تھے۔ خاصان درگاہ کے سوا کسی کو اجازت نہ تھی کہ باریاب ہوں۔ گلال بار سے ملا ہوا اتیس گز قطر کا دائرہ کھینچتے تھے۔ بارہ حصوں میں تقسیم کرتے تھے۔ گلال بار کا دروازہ ادھر لگاتے تھے۔ بارہ شامیانے بارہ گز کے

ایک قلعہ تھا۔ اس میں مضبوط دروازہ قفل کنجی سے کھلتا تھا۔ سو گز سے سو گز یا زیادہ حضور کی بجاد
ہی یا اس کے شرقی کنارے پر بارگاہ۔ بیچ کے استادوں پر دو کڑیاں۔ چوبی کمروں
میں تقسیم ہر ایک کا چوبیس گز طول۔ چودہ گز عرض دس ہزار آدمی پر سایہ ڈالتی تھی۔
ہزار پھرتیلے فراش ایک ہفتے میں سجاتے تھے۔ چرخیاں۔ پہیے وغیرہ جر
ثقیل کے اوزار زور لگاتے تھے۔ لوہے کی چادریں اسے مضبوط کرتی تھیں
فقط سادی بارگاہ جس میں مخمل زربفت۔ کمخواب۔ زربفت کچھ نہ لگائیں دس ہزار
کی لاگت میں کھڑی ہوتی تھی اور کبھی اس سے بھی زیادہ بوجھ دیتی تھی۔ بیچ میں چوبیں
راؤٹی دس ستونوں پر کھڑی ہوتی تھی۔ ستون تھوڑے تھوڑے زمین میں گڑے ہوتے
سب باہم برابر مگر دو اونچے۔ ان پر ایک کڑی۔ اوپا دو پیچے داسہ مضبوطی کرتا تھا
اس پر کئی کڑیاں۔ ان پر لوہے کی چادریں کہ سادگی انہیں وصل کرتی تھی۔ دیواریں
اور چھتیں درسلوں اور بانس کی کھپچیوں سے بنی ہوئیں۔ دروازے دو یا ایک۔ نیچے کے
واسے کے برابر چبوترہ۔ اندر زربفت و مخمل سجاتے تھے باہر بانات سلطانی۔ انہیں
نواڑیں اس کی کمر مضبوط کرتی تھیں۔ گرد سراپردے۔ اس سے ملا ہوا ایک چوبیں محل
دو منزلہ۔ اٹھارہ ستون اسے سر پر لیے کھڑے رہتے تھے۔ چھ چھ گز بلند چھت
تختہ پوش اس پر چوگرے ستون۔ نرمادگیوں سے وصل ہو کر بالاخانہ سجاتے تھے۔
اندر باہر اسی طرح سے مددگار کرتے تھے۔ لڑائیوں میں اس کا پہلو شبستان اقبال سے
لگا رہتا تھا۔ اسی میں عبادت الٰہی کرتے تھے۔ یہ پاک مکان ایک صاحب دل تھا۔
ادھر کا رخ خلوت خانۂ وحدت پر ادھر کا نگار خانۂ کثرت پر۔ آفتاب کی عظمت
بھی اسی پر بیٹھ کر ہوتی تھی۔ پھر اول حرم سرا کی بیبیاں دولت دیدار حاصل کرتی تھیں۔
پھر باہر والے حاضر ہو کر سعادت کے ذخیرے سمیٹتے تھے۔ دوروں کے سفر میں
ملازمت بھی یہیں ہوتی تھی۔ اسی کا نام دو آشیانہ منزل تھا اور اسی کو جھروکہ
بھی کہتے تھے۔ زمیں دوز۔ طرح طرح کے انداز پر ہوتے تھے۔ ایک کڑی بیچ
میں یا دو۔ بیچ میں پردے ڈال کر الگ الگ گھر کر دیتے تھے۔ عجائبی۔ نو تناب
چار چار ستونوں پر لا کر کھڑے کرتے تھے۔ پانچ چھ گوشے۔ چار حجرے اور کہیں تخت
بھی ہوتے تھے ایک ایک کڑی بیچ میں۔ منڈل۔ پانچ شامیانے ملے ہوئے چار چار

زردوزی ٹوپ وہ اور اُن کے بیل کشمیری شالیں مخمل و زربفت کی جھولیں اوڑھے۔ بیلوں کے
سروں پر سنگوٹیاں کلغیاں اور تاج۔ سینگ مصوروں کی قلم کاری سے قلمدان کشمیر پاؤں میں
جھانجن۔ گلے میں گھنگرو چھم چھم کرتے چلے جاتے تھے۔ شکاری کُتے کہ شیر سے
منہ نہ پھرائیں شکار کی بو پہ پتال سے پتہ نکال لائیں۔ پھر خاصے کے ہاتھی آتے۔
ان کے زرق برق کا عالم اللہ اللہ۔ آنکھوں کو چکا چوند آتی تھی۔ یہ خاص الخاص جاتے
تھے ان کی جھلابور جھولیں۔ موتی اور جواہر ٹنکے زیوروں میں لدے پھندے۔ قوی ہیکل
سینوں پر سونے کی ہیکلیں لٹکتی۔ سونے چاندی کی زنجیریں سونڈوں میں ہلاتے جھومتے
جھامتے خوش مستیاں کرتے چلے جاتے تھے۔ سواروں کے دستے پیادوں کے
قشون (رجمنٹیں) سپاہ ترک کے ترکی اور تاتاری لباس وہی جنگ کے سلاح ہندوستانی
فوجوں کا اپنا اپنا بانا کیسریٔ دگلے۔ سورما راجپوت ہتھیاروں میں اونچے بنے۔ دکھنیوں
کے دکھنی سامان۔ توپ خانے آتش خانے اُن کی فرنگی و رومی وردیاں۔ سب اپنے
اپنے باجے بجاتے۔ راجپوت شہنائیوں میں کڑکے گاتے اپنے نشان لہراتے
چلے جاتے تھے۔ امرا و سردار اپنی اپنی سپاہ کو انتظام سے لئے جاتے تھے جب سامنے
پہنچتے سلامی بجالاتے۔ دمامے پر ڈنکا پڑتا سینوں میں دل دہل جاتے۔ اس میں حکمت
یہ تھی کہ فوج اور لوازمات فوج اور ہر شئی کی موجودات ہو جائے کوتاہی ہو تو پوری ہو جائے
قباحت ہو تو اصلاح میں آجائے۔ ایجاد مناسب اپنی جگہ پائے۔ (از دربار اکبری)

سفر میں بارگاہ کا کیا نقشہ تھا؟

جب دورے کا سفر یا شکار کا لطف منظور نظر ہوتا تھا تو مختصر لشکر اور ضروری شکوہ
سلطنت کے اسباب ساتھ لئے جاتے تھے۔ لیکن چاروانگ ہندوستان کا شہنشاہ
چالیس لاکھ سپاہ کا سپہ سالار۔ اُس کا اختیار بھی ایک عالم کا پھیلاؤ تھا۔ آئین اکبری میں
جو لکھا ہے آج کے لوگوں کو مبالغہ نظر آتا ہے۔ مگر یورپ کے سیاح جو اُس وقت یہاں آئے
اُن کے بیان سے بھی حالات مذکورہ کی تصدیق ہوتی ہے۔ بارگاہ کی شان و شکوہ کاغذی
سجاوٹ میں کب آسکتی ہے۔ شکار میں اور پاس کے سفر میں جو انتظام ہوتا تھا اُس کا
نقشہ یہ ہے۔ **گلال بار**۔ یہ چوبی سراپردہ۔ خرگاہ کی وضع کا ہوتا تھا۔ تسموں سے
مضبوطی کی جاتی تھی۔ سرخ مخمل۔ بانات۔ قالینوں سے سجاتے تھے۔ گرد عمدہ احاطہ

رہ گیا۔ (از دربار اکبری)

سواری کی سیر

سلطنت کی شکوہ اور دولت و حشمت کے انبوہ جشن سالگرہ اور جشن جلوس پر بہار دکھاتے تھے۔ بارگاہ جلال آراستہ۔ تخت مرصع زریں و سیمیں چبوترے پر جلوہ گر۔ تاج اقبال میں ہما کا پر۔ چتر جواہر نگار سر پر۔ زربفت کا شامیانہ۔ موتیوں کی جھالر۔ سونے روپے کے استادوں پر تنا۔ ابریشمیں قالینوں کے فرش۔ در و دیوار پر شالہائے کشمیری۔ مخملہائے رومی۔ اطلسہائے چینی لہراتے۔ امرا دست بستہ دو طرفہ حاضر۔ چوبدار۔ خاص بردار اہتمام کرتے پھرتے ہیں۔ ان کے زرق برق لباس۔ سونے روپے کے سیروں اور عصاؤں پر باناتی اور سقرلاطی غلاف۔ طلسمات کی پتلیاں تھیں خدمت کرتی پھرتی تھیں۔ شادی و مبارکبادی کی چہل پہل اور عیش و عشرت کی ریل پیل ہوتی تھی۔ بارگاہ کی دونوں طرف شہزادوں اور امیروں کے خیمے۔ باہر دونوں طرف سواروں اور پیادوں کی قطار۔ بادشاہ دو سرلی راؤٹی (جھروکے) میں آ بیٹھتے۔ اس پر زردوزی خیمہ۔ سایۂ اقبال کا شامیانہ۔ شہزادے۔ امرا۔ سلاطین آتے۔ انہیں خلعت و انعام ملتے۔ منصب بڑھتے۔ روپئے اشرفیاں سونے چاندی کے پھول اولوں کی طرح برستے۔ یکایک حکم ہوتا کہاں نور برسے۔ فراشوں اور خواصوں نے مقیش اور لامقیش کتر کر جھولیوں میں بھر لیا ہے اور صندلیوں پر چڑھ کر اڑا رہے ہیں۔ نقارخانے میں نوبت جھڑ رہی ہے۔ ہندوستانی۔ عربی۔ ایرانی۔ تورانی۔ فرنگی باجے بجتے ہیں۔ غرض گہما گہمی تھی اور ناز نعمت کے لیئے صلائے عام تھا۔ اب دولہا کے سامنے سے عروس دولت کی برات گزرتی ہے۔ نشان کا ہاتھی آگے اس کے بعد اور ہاتھیوں کی قطار۔ پھر ماہی مراتب اور نشانوں کے ہاتھی۔ جنگی ہاتھیوں پر فولادی پاکھریں۔ پیشانیوں پر ڈھالیں۔ بعض کے مستکوں پر دیوزادی نقش و نگار۔ بعض کے چہروں پر گینڈوں اور بھینسوں اور شیروں کی کھالیں کلّوں سمیت چڑھی ہوئی۔ ہیبت ناک صورت ڈراونی مورت سونڈوں میں گرز۔ برچھیاں تلواریں لیئے۔ سانڈنیوں کا سلسلہ جن کے سو سو کوس کے دم۔ گردن کھنچی۔ سینے تنے۔ جیسے لقا کبوتر۔ پھر گھوڑوں کی قطاریں۔ عربی ایرانی ترکی ہندوستانی آراستہ پیراستہ ساز و یراق میں غرق۔ چالاکی میں برق۔ اچھلتے مچلتے کھیلتے کودتے شوخیاں کرتے چلے جاتے تھے۔ پھر شیر پلنگ چیتے گینڈے ہرن جنگل کے جانور سیدھے سدھائے شائستہ۔ چیتوں کے چھکڑوں پر مخمل زرنگار جھول گلوبند۔ آنکھوں پر

کبوتر بھی ہاتھ سے گیا مگر شہزادے کا دل اس انداز پر لوٹ گیا۔ پوچھا تمھارا کیا نام ہے؟ عرض کی **مہرالنسا خانم** پوچھا تمھارے باپ کا کیا نام ہے؟ عرض کی **مرزا غیاث** حضور کا ناظم بیوتات ہے۔ کہا کہ اور امرا کی لڑکیاں محل میں آیا کرتی ہیں۔ تم ہمارے ہاں نہیں آتیں؟ عرض کی۔ میری اماجان تو آتی ہیں مجھے نہیں لاتیں۔ ہمارے ہاں لڑکیاں گھر سے باہر نہیں نکلا کرتیں آج بھی بڑی منتوں سے یہاں لائی ہیں۔ کہا تم ضرور آیا کرو ہمارے ہاں بڑی احتیاط سے پردہ رہتا ہے کوئی غیر نہیں آتا۔ وہ سلام کر کے رخصت ہوئی۔ جہانگیر باہر آگیا مگر دونوں کو خیال رہا۔ تقدیر کی بات ہے کہ پھر جو مرزا غیاث کی بی بی بیگم کے سلام کو محل میں جانے لگی تو بیٹی کے کہنے سے اُسے بھی ساتھ لے لیا۔ بیگم نے دیکھا بچپن کی عمر۔ اُس میں ادب قاعدے کا لحاظ۔ سلیقہ اور تمیز اُس کی بہت بھلی معلوم ہوئی۔ باتیں چیتیں پیاری لگیں۔ بیگم نے بھی کہا کہ اسے تم ضرور لایا کرو۔ آہستہ آہستہ آمدورفت زیادہ ہوئی۔ شہزادے کا یہ عالم کہ جب وہ ہاں کے پاس آئے تو وہاں موجود۔ وہ دادی کے سلام کو جائے تو یہ وہاں حاضر۔ کسی نہ کسی بہانے سے خواہ مخواہ اُس سے بولنا بات چیت کرنا تو اُس کا طور ہی کچھ اور۔ نگاہوں کو دیکھو تو انداز ہی کچھ اور۔ غرض بیگم تاڑ گئیں اور خلوت میں بادشاہ سے عرض کی۔ اکبر نے کہا مرزا غیاث کی بی بی کو سمجھا دو چندروز لڑکی کو یہاں نہ لائے اور مرزا غیاث سے کہا کہ لڑکی کی شادی کردو۔ جب **خان خاناں بھکر** کی مہم پر تھا تو **طہماسپ قلی بیگ** ایک بہادر نوجوان شریف زادہ **ایران** سے آیا تھا اور مہم مذکور میں کارنمایاں کر کے اُس کے مصاحبوں میں داخل ہو گیا تھا۔ وہ شریف نواز شرافت پرست اُسے ساتھ لایا تھا اور حضور میں اُس کی خدمتیں عرض کر کے دربار میں داخل کیا تھا۔ اُس نے شجاعت اور دلاوری سے دربار سے **شیر افگن خاں** کا خطاب حاصل کیا تھا۔ بادشاہ نے اُس کے ساتھ نسبت ٹھہرا دی اور جلدی ہی شادی کر دی۔ یہی شادی اُس نوجوان نامراد کی بربادی تھی۔ تدبیر میں کوتاہی نہیں ہوئی۔ تقدیر سے کس کا زور چل سکتا ہے؟ انجام اس کا یہ ہوا کہ جو نہ ہونا تھا سو ہوا۔ شیر افگن خاں موت کا شکار ہو کر جہاں مرگ دنیا سے گیا۔ مہرالنسا بیوہ ہوئی۔ چندروز کے بعد جہانگیری محلوں میں آکر **نورجہاں بیگم** ہو گئی۔ افسوس نہ جہانگیر رہے نہ نورجہاں رہی۔ ناموں پر دھبّہ

بیبیاں آکر سلام کرتیں۔ نذریں دیتیں۔ بچوں کو سامنے حاضر کرتیں۔ ان کی نسبتیں حضور
میں قرار پاتی تھیں اور حقیقت میں یہ بھی آئین سلطنت کا ایک جزو تھا۔ کیوں کہ یہی لوگ اجزائے
سلطنت تھے۔ شطرنج کے مہروں کی طرح باہم تعلق رکھتے تھے اور آپس میں ایک ایک
روسا ایک کو پوچھ رہا تھا ان کے باہمی محبت اور عداوت۔ اتفاق اور اختلاف اور
ذاتی نفع و نقصان کے اثر بادشاہ کے کاروبار پر پڑتے تھے۔ ان کی نسبتوں کے معاملے
خواہ اس جشن پر خواہ کسی اور موقع پر ایک مبارک تماشا دکھاتے تھے۔ کبھی دو امیروں
میں ایسا بگاڑ ہوتا تھا کہ دونوں یا ایک ان میں سے راضی نہ ہوتا تھا اور بادشاہ چاہتے
تھے کہ ان میں بگاڑ نہ رہے بلکہ اتحاد ہو جائے۔ اس کا یہی علاج تھا کہ دونوں گلے ایک
ہو جائیں۔ جب وہ کسی طرح نہ مانتے تھے تو بادشاہ کہتے تھے کہ اچھا یہ لڑکا یا لڑکی ہمارے
تمہیں اس سے کچھ کام نہیں۔ وہ یا اس کی بی بی خانہ زادی سے کہتے۔ حضور!
لونڈی بھی اس بچے سے دست بردار۔ آخر حضور ہی کے سائے پالا تھا۔ محنت بھر پائی۔
باپ کہتا۔ کرامات! بہت مبارک۔ مگر خانہ زاد کو اب اس سے کچھ واسطہ نہیں۔ غلام
حق سے ادا ہوا۔ بادشاہ کہتے بہت خوب۔ ہم نے بھی وصول پایا۔ کبھی بیگم بیاہ کا
ذمہ لے لیتیں کبھی بادشاہ لے لیتے اور شادی کا سرانجام اس طرح ہوتا کہ ماں باپ سے
بھی نہ ہو سکتا۔ دنیا کے معاملات سخت نازک ہیں۔ کوئی بات ایسی نہیں جس کے فوائد کے ساتھ
نقصان کا کھٹکا لگا نہ ہو۔ اسی آمد و رفت میں سلیم (جہانگیر) کا دل زین خاں کوکہ کی بیٹی پر
آیا اور ایسا آیا کہ قابو ہی میں نہ رہا۔ غنیمت ہوا کہ اس کی ابھی شادی نہ ہوئی تھی اکبر نے خود
شادی کر دی۔ لیکن قابل عبرت وہ معاملہ ہے جو کہیں سال بزرگوں سے سنا ہے یعنی یہی
مینا بازار لگا ہوا تھا۔ بیگمات بڑی پھرتی تھیں۔ جیسے باغ میں قمریاں یا ہریاول میں ہرنیاں
جہانگیر ان دنوں نوجوان لڑکا تھا۔ بازار میں پھرتا ہوا چمن میں آ نکلا۔ ہاتھ میں کبوتر کا جوڑا تھا سامنے کوئی پھول
کھلا ہوا نظر آیا کہ عالم سرور میں بہت بھایا۔ چاہا کہ توڑ لے۔ دونوں ہاتھ رکے ہوئے تھے نہیں ٹھہر گیا سامنے سے
ایک لڑکی آئی شہزادے نے کہا کہ لو ذرا ہمارے کبوتر تم لے لو ہم وہ پھول توڑ لیں لڑکی نے دونوں کبوتر لے لیے شہزادے نے
کیاری میں جا کر چند پھول توڑے۔ پھر کر آیا تو دیکھا کہ لڑکی کے ہاتھ میں ایک کبوتر ہے۔
پوچھا کہ دوسرا کبوتر کیا ہوا؟ عرض کی۔ صاحب عالم! وہ تو اڑ گیا۔ پوچھا۔ ہیں۔ کیوں کر
اڑ گیا؟ اس نے ہاتھ بڑھا کر دوسری مٹھی بھی کھول دی کہ حضور یوں اڑ گیا۔ اگرچہ دوسرا

خود۔ زرہ۔ بکتر۔ چار آئینہ سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق۔ تصویر کا عالم کھڑے ہیں۔ خاص شہزادوں کے سوا کسی کو بیٹھنے کی اجازت نہیں۔ اول شہزادوں نے پھر امرائے درجہ بدرجہ نذریں دیں۔ سلام گاہ پر گئے وہاں سے تخت گاہ تک تین جگہ آداب و کورنش بجالائے۔ جب چوتھا سجدہ کہ "آداب زمین بوس" کہلاتا تھا ادا کیا تو نقیب نے آواز دی کہ "آداب بجالاؤ۔ جہاں پناہ بادشاہ سلامت جہاںپناہ بادشاہ سلامت" ملک الشعرا نے سامنے آکر قصیدہ مبارکباد پڑھا۔ خلعت و انعام سے سربلند ہوا۔ برس میں دو دفعہ تلادان ہوتا تھا۔ (۱) نوروز۔ سورج کی تحویل کی گھڑی ہوتی۔ بادشاہ بارہ چیزوں میں تلتا تھا۔ سونا۔ چاندی۔ ابریشم۔ خوشبوئیاں۔ لوہا۔ تانبا۔ جست۔ توتیا۔ گھی۔ دودھ۔ چاول۔ ست نجا۔ (۲) جشن ولادت۔ قمری حساب سے ۵ رجب کو ہوتا تھا۔ اس میں چاندی۔ قلعی۔ کپڑا۔ بارہ میوے۔ شیرینی۔ تلوں کا تیل۔ سبزی۔ سب برہمنوں اور عام فقیروں غریبوں کو بٹ جاتا تھا۔ (از دربار اکبری)

مینا بازار یا زنانہ بازار ترکستان میں دستور ہے کہ ہفتہ میں دو دفعہ یا ایک دفعہ شہروں اور اکثر دیہات میں بازار لگتے ہیں۔ بادشاہ نے اسے اصلاح و تہذیب کے ساتھ رونق دی۔ آئین اکبری میں لکھا ہے کہ ہر مہینے معمولی بازار کے تیسرے دن قلعے میں زنانہ بازار لگتا تھا۔ جب جشن نوروزی کے آداب و آئین شان و شکوہ میں اپنے خزانے خالی کر لیتے اور آرائش اور زیبائش کی بھی ساری دستکاری خرچ ہو چکتی تو ان ایوانوں میں جو درحقیقت ایجاد اور عقل و شعور کے بازار تھے۔ زنانہ ہو جاتا تھا۔ وہاں محلات کی بیگمات آتی تھیں کہ ذرا ان کی آنکھیں کھلیں اور سلیقے کی آنکھوں سے سگھڑاپے کا سرمہ لگائیں۔ امرا اور شرفا کی بیبیوں کو بھی اجازت تھی جو چاہے آئے اور تماشہ دیکھے۔ دکانوں پر تمام عورتیں بیٹھ جاتی تھیں۔ سوداگری اور سودا زیادہ تر زنانہ رکھا جاتا تھا۔ خواجہ سرا قلماقنیاں۔ اردہ بیگنیاں۔ اسلحہ جنگ سجے۔ انتظام کے گھوڑے دوڑاتی پھرتی تھیں۔ عورتیں ہی پہروں پر ہوتی تھیں۔ مالیوں کی جگہ مالنیں چمن آرائی کرتی تھیں۔ اس کا نام خوشروز تھا۔ نیک نیت بادشاہ آپ بھی آتا تھا۔ اپنی رعیت کی بہو بیٹیوں کو دیکھ کر ایسا خوش ہوتا تھا کہ ماں باپ بھی اتنا ہی خوش ہوتے ہوں گے۔ جہاں مناسب جگہ دیکھتے تھے بیٹھ جاتے تھے۔ بادشاہ بیگم۔ بہنیں۔ بیٹیاں پاس بیٹھتی تھیں۔ امرا کی

نقارنگ کی آوازیں سناتا تھا۔ ممالک روم و فرنگ کی عمدہ صنعتیں اور انوکھی دستکاریاں جادو کا
کام اور اچنبھے کا تماشا تھیں اُنھوں نے تھیٹر کا ہی سما باندھا تھا۔ جس وقت ملو ستا ڈاگر بیٹھے
موسیقی فرنگ نے مبارک باد کی نغمہ سرائی شروع کی۔ باجے بج رہے تھے۔ فرنگی ساعت
ساعت رنگ رنگ کی شکل کر آتے تھے اور غائب ہوجاتے تھے۔ پرستان کا عالم نظر آتا تھا

نوروز سے لے کر اٹھارہ دن تک ہر ایک امیر نے اپنے اپنے ایوان میں ضیافت
کی حضور رونق افروز ہوئے اور بے تکلف اور دوستانہ ملاقات سے محبت و اتحاد کی
میاد دلوں میں استوار کی۔ امرا نے اپنے رتبے کے بموجب پیشکش گذرانی۔ ارباب طرب
اور اہل نشاط کے طوائف۔ کشمیری۔ ایرانی۔ تورانی۔ ہندوستانی۔ گویئے ڈوم ڈھاڑی
میراثی۔ کلاونت۔ گائک۔ نائک۔ سیردائی۔ ڈومنیاں۔ پاتر۔ کنچنیاں ہزار در ہزار
جمع ہوئیں۔ دیوان خاص اور دیوان عام سے لے کر بازاروں کے نقارخانوں تک جا بجا
مقامات تقسیم ہوگئے تھے۔ جدھر دیکھو راجہ اندر کا اکھاڑا تھا۔

جشن کی ریت رسوم

روز جشن سے ایک دن پہلے مبارک ساعت شبھ لگن
میں ایک سہاگن بی بی اپنے ہاتھ سے دال دلتی
اسے گنگاجل میں بھگوتی۔ پیٹھی پیس کر رکھتی جشن کی ساعت قریب آئی۔ بادشاہ نہانے
کو گئے۔ رنگین جوڑا۔ ساعت اور ستاروں کے موافق حاضر۔ جامہ پہنا۔ کھڑکی دار پگڑی
راجپوتی انداز سے باندھی۔ مکٹ سر پر رکھا۔ کچھ اپنا خاندانی کچھ ہندوانی گہنا پہنا۔ جوتشی
اور نجومی اسطرلاب لگائے بیٹھے ہیں۔ جشن کی ساعت آئی۔ برہمن نے ماتھے پر ٹیکا لگایا۔
جواہر نگار کنگن ہاتھ میں باندھ دیا۔ کوئلے دہک رہے ہیں۔ خوشبوئیاں طیار ہیں۔ لیجئے
اُدھر ہون ہونے لگا۔ چوکے میں کڑاہی چڑھی ہے۔ یہاں اس میں بڑا اپڑا اور وہاں بادشاہ
نے تخت پر قدم رکھا نقارۂ دولت پر چوٹ پڑی۔ نوبت خانے میں نوبت بجنے
لگی کہ گنبد گردوں گونج اٹھا۔ خوانوں اور کشتیوں پر زرنگار تورہ پوش پڑے۔ موتیوں
کی جھالر لٹکتی امراسیئے کھڑے ہیں۔ سونے روپے کے بادام پستے وغیرہ میوہ جات
روپئے اشرفیاں۔ جواہر۔ اس طرح نچھاور ہوئے جیسے اولے برستے ہیں۔ دربار
ایک مرقع قدرت الٰہی کا تھا۔ راجوں کے راجہ مہاراجہ اور بڑے بڑے ٹھاکر کہ
فلک سے سر نہ جھکائیں۔ ایرانی تورانی سردار کہ رستم و اسفندیار کو خاطر میں نہ لائیں۔

اُسے آراستہ کرکے اپنی قابلیت اور علو ہمت کا نمونہ دکھائے۔ ایک طرف دولت خانۂ خاص تھا وہ خدمت گاران خاص کے سپرد ہوا کہ آئینہ بندی کریں۔ **سبھا منڈل** کہ جلوہ گاہ خاص تھا سجایا گیا اور تمام مکانات کے در و دیوار کو پرتگالی بانات رومی و کاشانی مخمل۔ بنارسی زربفت و کمخواب سیلے دوپٹے تاش تمامی۔ گوٹے ٹھپے۔ پیماک مقیش کے خلعت پہنائے۔ کشمیر کی شالیں اُڑھائیں۔ ایران و ترکستان کے قالین پا انداز میں بچھائے۔ ملک فرنگ اور چین اور ماچین کے رنگا رنگ پردے۔ نادر تصویریں۔ عجیب و غریب آئینے سجائے شیشہ اور بلور کے کنول۔ مردنگ قندیلیں جھاڑ فانوس قمقمے لٹکائے۔ شامیانے تلنے آسمانی خیمے بلند کیے۔ مکانات کے صحنوں میں بہار نے آکر گلکاری کی اور کشمیر کے گلزار کو تراش کر فتح پور اور آگرے میں رکھ دیا۔ اسے مبالغہ نہ سمجھنا جو اس وقت ہوا اُس سے بہت کم ہو جو آج لکھا گیا۔ جب عالم ہی اور تھا وہ اصل حال تھا جو آج خواب و خیال ہے۔ وہ وہ سامان جمع ہوئے تھے کہ عقل دیکھتی تھی اور حیران تھی۔ اگلے وقتوں کے امرا کو بھی ہر قسم کی عجیب و غریب اور عزیز الوجود چیزوں کا شوق ہوتا تھا اور جس قدر یہ سامان زیادہ ہوتا تھا اس سے اُن کا سلیقہ اور ہمت و حوصلے کا اندازہ کیا جاتا تھا۔ اگرچہ یہ اوصاف عموماً امیری کے لازمے تھے مگر قاعدہ ہے کہ ہر شخص کو بمقتضائے طبیعت خاص خاص قسم کی چیزوں کا یا مختلف صنائع اور بدائع میں سے ایک دو کا دلی شوق ہوتا ہے بلکہ بعضوں کے عہدے اور منصب اشیائے خاص کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ چنانچہ **خان خاناں** اور **خان اعظم** کے ایوان ملک ملک کے صنائع و بدائع سے ایک کامل نمائش گاہ بنے ہوئے تھے جن کے در و دیوار فصل بہار کی چادر کو ہاتھوں پہ پھیلائے کھڑے تھے اور ستون ایک باغ کو بغل میں دبائے تھا۔ اکثر امرا نے اسلحہ حرب کے عمدہ عمدہ نمونے دکھائے تھے کہ ہندوستان سے جمع کیے تھے اور اور ملکوں سے منگائے تھے۔ **شاہ فتح اللہ** نے اپنے ایوان میں علوم و فنون کا طلسم باندھا کہ ہر بات میں نکتہ اور حکمت میں باریکی پیدا کی تھی۔ گھڑیال اور گھنٹے چل رہے تھے۔ علم ہیئت کے آلات۔ کُرے۔ ربع مجیب۔ اسطرلاب نظام فلکی کے نقشے اور اُن کی مجسم مورتوں میں سیارے اور افلاک چکر مار رہے تھے۔ جر اثقال کی کلیں اپنا کام کر رہی تھیں۔ علم کیمیا اور علم نیرنجات کے شعبدے ساعت بساعت رنگ بدل رہے تھے دانایان فرنگ موجود تھے بیلان (دہلوں) کا خیمہ کھڑا تھا۔ ارغنوں (ارگن) کا صندوق

اس کے لیے بھی قاعدے مقرر تھے۔ داروغہ منشی۔ چوکیدار تعینات تھے۔ کسی طوائف کے گھر رہتا یا اُسے اپنے گھر لے جاتا اُس کا نام درج رجسٹر ہوتا۔ بے اس کے پرندہ پر نہ مار سکتا تھا۔ رنڈیاں نئی نوچی نہ بسا سکتی تھیں۔ پھر بھی اندر ہی اندر کام ہو جاتے تھے پتہ لگ جاتا تو دارو گیر ہوتی۔ رنڈی سے پوچھا جاتا کہ یہ کام کس کارگزار کا تھا۔ اُن کو بتلانا پڑتا۔ امیر کو خلوت میں بلا کر خوب لعن ملامت کی جاتی۔ بلکہ بعضوں کو قید بھی کر دیا۔ اس روک تھام سے علانیہ فسق و فجور میں بہت کچھ کمی ہو گئی۔ لوگ اس کوچے میں جاتے ضرور تھے کہ چوری چوری سے گیا تو گیا ہیرا پھیری سے بھی گیا مگر قدم پھونک پھونک کر رکھتے تھے کہ خبر ہو گئی تو بُری گت بنے گی۔

جشن نوروزی

نوروز ایک عالم افروز دن ہے کہ ایشیا کے ہر ملک اور ہر قوم کے لوگ اسے عید مناتے ہیں اور بالفرض کوئی بھی نہ مانے تو موسم بہار ایک قدرتی جوش ہے کہ اپنے وقت پر خود بخود ہر دل میں ذوق شوق پیدا کرتا ہے۔ یہ امر کچھ انسان یا حیوان پر منحصر نہیں بلکہ اُس کا اثر ہر شے میں جان ڈال دیتا ہے اتنا ہے کہ مٹی میں سرسبزی اور سبزی میں گل کاری کرتا ہے۔ بس اسی کا نام عید ہے۔ ترک چنگیزی کہ کچھ مذہب نہ رکھتے تھے اور جاہل محض تھے باوجود اس کے ادنیٰ صاحب مقدور سے لے کر امرا و بادشاہ تک اس دن گھروں کو سجاتے تھے خوان بنا لگاتے تھے سب مل کر لوٹتے لٹاتے تھے اور اسے سال بھر کے لیے مبارک شگون سمجھتے تھے ایرانی پہلے سے بھی مانتے تھے۔ زرتشت نے آکر اس پر مذہبی سکہ لگایا کیوں کہ اس کے خیالات کے بموجب آفتاب سب سے روشن دلیل خدا شناسی اور حق جوئی کی ہے۔ ہندو بھی اس خیال میں اُن سے متفق ہیں خصوصاً اس جہت سے کہ ان کے بعض مہاراجگان جلیل القدر کے جلوس اور اکثر بڑی بڑی کامیابیاں اسی دن ہوئی ہیں۔ اکبر کو انھیں فرقوں سے تعلق تھا اس لیے وہ بھی نوروز کے دن جشن شاہانہ کے سامان فصل بہار کی شان دکھاتا تھا اور سلطنت کا نور برساتا تھا۔ چوں کہ وہ ہندوستان میں اور ہندوؤں میں اُسے رہنا اور گزارا کرنا تھا اس لیے ان کی ریت رسوم کی بھی بہت باتیں داخل کر لی تھیں دیوانِ عام و خاص کے گرد (۱۲) ایوان عالی شان تھے جن کی عمارت کو خوش نما اور بیش بہا پتھر کی سنگین لگا کر رنگین کیا تھا۔ ایک ایک ایوان ایک ایک امیر نامور کو عنایت ہوا کہ ہر عالی حوصلہ

آرام کرتا تھا لیکن بہت ہی کم سوتا تھا۔ اس کی نیند بالعموم تین گھنٹے ہوتی تھی بلکہ اکثر رات بھر جاگتا رہتا تھا۔ علی الصباح ضروریات سے فارغ ہوکر نہا دھوکر دو گھنٹہ یاد الٰہی میں مصروف رہتا اور آفتاب کے ساتھ دربار میں طلوع ہوتا تھا۔ وہاں خاص وعام ادنیٰ و اعلیٰ سب کی عرض معروض سنتا۔ جب اس سے فارغ ہوتا اصطبل فیل خانہ۔ شتر خانہ۔ آہو خانہ وغیرہ میں جاکر جانوروں اور کارخانوں کو دیکھتا تھا۔ پھر دوپہر کا کھانا کھاکر تھوڑی دیر قیلولہ کرکے پھر بارگاہ عدالت کو آراستہ کرتا اور سوتے وقت بھی علمی کتابیں سنا کرتا تھا۔

فرش پچیسی | محل خاص اور دیوان خاص (فتح پور سیکری) کے درمیان میں ایک سنگین فرش ۲۱۷ ½ × ۱۵۱ ہے جو پچیسی کا فرش کہلاتا ہے۔ یہ دیوان خاص کے فرش سے بلند اور محل خاص کے فرش سے نیچا ہے۔ اس کے مشرقی اور مغربی کنارہ پر دالان و دالان تھے جن کا اب بہت تھوڑا حصہ باقی رہ گیا ہے۔ فرش کے درمیان ایک بہت بڑا نقشہ پچیسی کا بنا ہوا ہے۔ جس کے بیچوں بیچ سنگ سرخ کا ایک معمولی تخت (چوکی) ۴ × ۴ × ۳ فٹ بنا ہوا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ بادشاہ اس تخت پر بیٹھ کر پچیسی کھیلا کرتے تھے اور پچیسی کے خانوں میں بجائے گوٹوں کے غلام یا لونڈیاں سرخ اور سبز زرد اور سیاہ لباس میں ہوتی تھیں جو صرف اشارے سے ایک خانے سے دوسرے خانے میں جیسا ہتا پڑے منتقل ہوتی رہتی تھیں۔ [1]

مردم شماری | ۹۸۹ھ میں حکم ہوا کہ تمام جاگیردار۔ عامل۔ شق دار وغیرہ وغیرہ سب مل کر دفتر مردم شماری نام بنام بقید پیشہ و حرفہ مرتب کریں۔

خیر پورہ۔ دھرم پورہ | شہروں اور منزلوں میں جابجا دو دو مقام مقرر ہوئے کہ ہندو مسلمان وہاں کھانا کھائیں اور آسائش و آرام پائیں۔ مسلمانوں کے لئے خیر پورہ ہندوؤں کے لیئے دھرم پورہ۔

شیطان پورہ | بازاروں کے کوٹھوں پر بازاری عورتیں اتنی نظر آنے لگیں کہ آسمان پر اتنے تارے بھی نہ ہوں گے۔ بازاروں سے ان کے ڈیرے ڈنڈے اٹھا کر شہر کے باہر ایک جگہ بسایا اور شیطان پورہ نام رکھا۔

لہ پھر جب یہ ہے تو آنکھ مچولی میں کیا قباحت ہے ؟ سے زندگی زندہ دلی کا نام ہے۔ مردہ دل خاک جیا کرتے ہیں۔ ۱۲

نہ ہوتے تو کیا ہوتے۔[1]

آنکھ مچولی یہ سنگ سرخ کی نہایت مضبوط عمارت فتح پور سیکری میں ہے جو نشست گاہ ارتال اور دیوان خاص سے ملی ہوئی ہے۔ اس کی نسبت مختلف روایتیں مشہور ہیں جن میں سب سے زیادہ یہ مشہور ہے کہ اکبر یہاں بیگمات کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلا کرتا تھا مگر یہ محض گھڑت معلوم ہوتی ہے کیوں کہ عقل سلیم اس بات کو ہرگز قبول نہیں کرتی کہ اکبر سا بیدار مغز بادشاہ بیگمات سے آنکھ مچولی کھیلنے کے واسطے دیوان خاص کے قریب اور بیگمات کے محلوں سے بالکل علیحدہ یہ عمارت بنواتا۔ اکبر کیا رنگیلا **محمد شاہ** یا پیا **واجد علی شاہ** تھا کہ اپنا عزیز وقت اس طرح ضائع کرتا۔ قرینہ اور طرز عمارت اس بات پر دال ہے کہ یہ عمارت کسی دفتر کی تھی یا خزانے کی۔

تقسیم اوقات ذرا اس کی تقسیم اوقات کو دیکھو اور پھر خیال کرو کہ یہ بیہودہ روایت کہاں تک صحیح ہو سکتی ہے۔ وہ شام کو تھوڑی دیر آرام سے کر کے علماء و حکماء کے جلسے میں آتا تھا۔ یہاں مذہب کی خصوصیت نہ تھی ہر طریق اور قوم کے صاحب علم جمع ہوتے تھے۔ ان کے مباحثے سن سن کر معلومات کے خزانے کو معمور کرتا تھا۔ گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے کے بعد جو عرضیاں حکام و عمال نے بھیجی ہوں انہیں سنتا تھا اور خود حکم مناسب صادر کرتا تھا۔ آدھی رات کو یاد الٰہی میں مصروف ہوتا اس کے بعد

[1] گنگ محل پر مجھے اپنے بچپن کا ایک چشم دید واقعہ یاد آیا۔ ضلع اعظم گڑھ میں ریڈ صاحب مہتمم بندوبست تھے جو آگے چل کر گورنمنٹ صوبہ متحدہ کے چیف سکرٹری ہو گئے تھے۔ میرے والد مرحوم وہاں بندوبست کے ڈپٹی کلکٹر تھے۔ ریڈ صاحب ان انگریزوں میں سے تھے جو اپنے حسن اخلاق سے ہندوستانیوں کو گرویدہ کر لیتے ہیں۔ مجھ پر بڑی شفقت بدرجہ فرماتے تھے میں اکثر اُن کی کوٹھی پر جایا کرتا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ اُن کے ہاں کوئی سولہ سترہ برس کا ایک لڑکا تھا جو خاکروب کا کام کرتا وہ گونگا تھا۔ بچوں کو ہر بات کی کرید ہوتی ہے میں نے معلوم کیا کہ ریڈ صاحب ایک دن شکار کو گئے جنگل میں ریچھ کی کھوہ پر اُن کو تین بچے خوش فعلیاں کرتے نظر آئے غور سے دیکھا تو اس میں ایک آدمی کا بچہ بھی تھا جو ریچھ کے بچوں کی طرح چاروں ہاتھ پاؤں سے چلتا تھا انہوں نے فوراً اُسے پکڑوا لیا وہ کوئی تین چار برس کا تھا۔ بالکل وحشی جانور۔ انسان کی شکل سے خالی بولتا کچھ نہ تھا۔ صاحب نے اُسے پالا پرورش کیا۔ جب وہ بڑا ہوا تو وہی عائیں عائیں کرتا تھا بول نہ سکتا تھا۔ ریچھ کسی بچے کو اٹھا لایا اور اپنی گود میں اپنے بچوں کے ساتھ اسے پالا۔ کیا خدا کی قدرت ہے۔ خونخوار درندے جانور سے کس طرح پلوایا ہے۔ یہ اُس کی قدرت کے کھیل ہیں۔ ۱۲

سنہ ۱۰۳۵ھ میں بمقام آگرہ رحلت کی۔

عہد اکبری کی بعض نادر ایجادیں

گوئے آتشیں - اکبر کو چوگان بازی کا بہت شوق تھا۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ کھیلتے کھیلتے شام ہو گئی۔ بازی ابھی تمام نہ ہوئی اس لیئے سنہ ۹۷۷ھ میں ایک ایسی گنبد نکالی کہ اندھیرے میں شعلے کی طرح بھاتی معلوم ہوتی تھی گیند تو لکڑی کی ہوتی تھی مگر اوپر کچھ ایسا مسالا لگاتے تھے کہ وہ جگمگا اُٹھتی تھی جیسے آج کل کی ریڈیم ڈایل کی گھڑی۔ ہندسوں پر فاسفورس چڑھا دینے سے رات کو وہ ہندسے روشن ہو جاتے ہیں۔ جب ایک دفعہ اُسے آگ دے دیتے تھے تو چوگان کی چوٹ اور چھٹنے یا لڑھکنے سے بجھتی نہ تھی - واہ! - رات کی بہار دن سے زیادہ ہوتی تھی

چار ایوان یا عبادت خانہ سنہ ۹۸۳ھ میں فتح پور میں اس نام کا ایک نفیس مکان طیار ہوا - یہ گویا ایک اسمبلی روم علماء و عقلاء کا تھا جس میں مسائل مذہبی - مہمات سلطنت - مقدمات ملکی پیش ہوتے تھے اور جو کتابی یا عقلی اختلاف ان میں ہوتے تھے وہ یہاں کھل جاتے تھے - اصلی غرض تو اس کی یہی تھی مگر ہوا برعکس کہ آپس کے رشک و اختلاف باہمی کے سبب سے ان میں پھوٹ پڑ گئی۔

گنگ محل - گفتگو ہوئی کہ انسان کی طبعی اور مادری زبان کیا ہے؟ - خدا کے ہاں سے کیا مذہب کر آئے ہیں اور پہلے کیا کلمہ ان کی زبان سے نکلتا ہے۔ سنہ ۹۹۰ھ میں اس کی تحقیق کے لیئے شہر سے الگ ایک وسیع عمارت بنوائی۔ تقریباً بیس بچّے پیدا ہوتے ہی ماؤں سے لے لیئے گئے اور وہاں جا کر رکھا انا ئیں پالنے والی - دائیں - خدمت گزار - کیا عورتیں کیا مرد سب گونگے ہی رکھے کہ گفتگوے انسانی کی آواز تک کان میں نہ جائے - آرام و آسایش کے سامان کمال فارغ البالی کے ساتھ موجود تھے - مقام کا نام **گنگ محل** تھا۔ چند سال کے بعد اکبر وہاں گیا۔ خدمت گاروں نے بچوں کو لا کر آگے چھوڑا - چھوٹے چھوٹے بچّے چلتے پھرتے کھیلتے کودتے بولتے بھی تھے مگر بات کا ایک لفظ سمجھ میں نہ آتا تھا۔ جانوروں کی طرح غائیں غائیں کرتے تھے - گنگ محل میں سپلے تھے گونگے

جہاں ای برادر نماند بکس | دل اندر جہاں آفریں بند وبس
شد از عدل شاہ اکبر کامگار | بسان بہشت بریں روزگار
جہاں گشت خرم بدوران او | زمین و زماں شد بفرمان او
وسے دہر سے مہربانان گسل | رکیں مہر او کرد بیروں زدل
بتاثیر سے مہری ایں جہاں | رواں شد سوے عالم جاوداں
بہ الفت ہمیشہ بحق شاد باد | بہ عالم قدس آباد باد

روضے کے نیچے اصل قبر ہے۔ اس کے مشرق میں ایک دوسرے حجرے میں سنگ مرمر کی ایک قبر ہے جس کے گرد آیات کلام مجید منقوش ہیں۔ اور پائین کی طرف ہذا القبر آرام بانو کندہ ہے۔ اس سے چند قدم کے فاصلے پر ایک پختہ کنواں ہے مگر خشک۔ اکبر کی قبر کے مغرب میں اور ایک حجرے میں سنگ مرمر کی قبر مع آیات قرآنی اور گل بوٹوں کے نہایت خوشنما ہے اس کے پائینتی ہذا القبر شکر النسا بیگم لکھا ہے۔ یہ دونوں بیگمیں اکبر بادشاہ کی صاحبزادیاں تھیں۔ ان کے سوا اور ایک دختر شاہزادہ خانم تھی۔ آرام بیگم نے ۱۰۳۳ھ میں بائیس سال کی عمر میں جیسی دنیا میں آئی تھیں ویسے ہی سفر آخرت اختیار کیا۔ یہ اکبر کی بڑی چہیتی بیٹی تھی۔ شکر النسا بیگم کی قبر کے پاس ایک اور قبر سنگ مرمر کی سلیمان شکوہ پسر عالم شاہ بادشاہ کی ہے۔ جو محمد اکبر شاہ ثانی کا بھائی تھا جس نے ۲۹ ذی قعدہ ۱۲۵۳ھ میں آگرے میں انتقال کیا اور اکبر شاہ کے روضے میں مدفون ہوا۔ قبر سنگ مرمر کی ہے جس پر یہ قطعہ اور عبارت کندہ ہے:۔

اللہ محمد علی فاطمہ حسن و حسین

چو شہزادہ رحلت سلیمان شکوہ | ز دار فنا سوے ملک بقا
بسال دو صد الف و پنجاہ و سہ | ذی قعدہ بست و نہم زیں سرا
وراں دم بہاتف ندا ایں رسید | بگو "کرد بر شاہ رحمت خدا"

لوح مورخہ مرشد زادہ مرزا سلیمان شکوہ بہادر ابن محمد شاہ عالم بادشاہ غازی ۱۲۵۳

اس کے علاوہ اور بھی چند قبریں ہیں جن پر کچھ لکھا ہوا نہیں ہے ان میں سے کوئی ایک سی شاید رقیہ سلطانہ بیگم دختر مرزا ہندال اور منکوحۂ کلاں اکبر بادشاہ کی ہے جو دس

دو عالم ز فیض ازل آفرید
یکے کرد پنہاں و دیگر پدید

بخشیدہ آنگاہ سرا سپنج
بشاہان با افسر و تاج و گنج

کہ از عدل ایشاں شود روزگار
شگفتہ تر از باغ در نوبہار

رہ داوری را چو گیرند پیش
شناسند بیگانہ را ہمچو خویش

شہے کو چنیں زیست در روزگار
بود سایۂ ذات پروردگار

ز صد صد فزوں بود شصت و دو سال
کہ شاہ اکبر آں سایۂ ذو الجلال

ببالاے زرینہ مسند نشست
کہ بر تخت او گشت افلاک پست

جہاں را بیاراست از عدل و داد
دل اہل عالم از و گشت شاد

بپایۂ تختش از ہر گروہ
شدہ جمع مردان صاحب شکوہ

بمہر ار فگندے نظر سوے خاک
بگوہر شدے بہتر از جان پاک

گرفتے بیک حملہ ملکے برزم
بیاپاے ابر و بداد سے ببزم

چو لطف خدا لطف او عام بود
بہر کار چشمش بانجام بود

بدرگاہ او ہر کہ بردی پناہ
چو اندیشہ رفتے ز ماہی بماہ

چناں پر شد آوازہ اش در جہاں
کہ در دل نگنجید راز نہاں

بپرداخت آں گونہ روے زمیں
کہ کرد آفرینش جہاں آفریں

بگیتی دو افزوں ز پنجاہ سال
چنیں کرد شاہی ز روے جلال

چو از عدل آباد کرد ایں جہاں
سوے آں جہاں رفت روشن رواں

شہ ہفت کشور ازیں پیش بود
کنوں ہشت جنت مسخر نمود

بنزد خرد مند ہشیار دل
سرائیست ایں عالم آب و گل

مجو مہر از چرخ نہ سپہر
کہ با کس بپایاں نبرداست مہر

سپہر است پر کینہ مہرش مدار
کہ با کینہ در مہر ناید بکار

جہاں ہست مانند موج سراب
ازاں تشنہ دل کی شود کامیاب

نہ پیوست پیماں کس روزگار
کہ نشکست آں را بہنگام کار

نماند بگیتی کسے جاوداں
ز دست اجل کس نبرد ست جاں

چہ خوش گفت آں کامل نکتہ سنج
کہ از گوہر دانش اندوخت گنج

بگیتی ز فیض ازل بادشاه — بود سایۂ نورِ ذاتِ اله
چو از دہر آں سایہ گردد نہاں — فتد سایۂ دیگر اندر جہاں
بدینساں بود تا سما حامکار — نه فرسودہ گردد گردش روزگار
زمانہ دگرگوں شود ہر نفس — نگردد یکے گونہ با ہیچ کس
فلک رتبہ شاہ اکبر عرش گاہ — کہ از ہیبتش کوہ گشتے چو کاہ
نشستے چو بر تخت شاہنشہی — گرفتے جہاں فرّ ظلِ الٰہی
فروزندۂ افسر و تخت بود — کریم و رحیم و جوان بخت بود
دلِ روشن و جان آگاہ داشت — جہاں خورد و داد و گرفت و گذاشت
بباغ جہاں تخم نیکی بکشت — بر آں گرفت از ریاضِ بہشت
روانش چو انوار خورشید و ماہ — فروزندہ باد از نورِ اله

شمالی رویہ دروازے پر۔ شاہ اکبر زروے دانائی — کرد ظاہر ز دہرِ فانی دست
دولتش بود بے زوال از آں — دل بدنیاے بازوال نبست
مرغ روحش چو بود طائر عرش — رفت بر آشیانِ خویش نشست

اسی دروازے کی پیشانی پر۔ طاقے کہ از رواق ہمہ چرخ برتر است
روشن ز سایہ اش رخ تابندہ اختر است
ایں طاق زیب منظر ہفت کشور است — از روضۂ منورۂ شاہ اکبر است

اکبر کی قبر کا بالائی تعویذ جو زینہ چڑھ کر کھلے چبوترے پر ہے وہ ایک ہی سنگ مرمر کے ٹکڑے سے بنا ہے۔ اُس پر کوئی گنبد ہے نہ چھت۔ تعویذ قبر کے چاروں طرف ننانوے نام باری تعالیٰ کے نہایت خوش نما بیل بوٹوں میں کندہ ہیں۔ سرہانے اللہ اکبر پائینتی میں جلّ جلالہ۔ تربت کے گرد جو چار دیواری ہے اس پر سنگ سیاہ سے اشعار کندہ ہیں۔

بنامِ شہنشاہ ملکِ قِدم — کہ ذاتش مبرا بود از عدم
ہمہ بادشاہانِ روے زمیں — ازو صاحبِ تاج و تخت و نگیں
کند از عدم آشکارا وجود — بود ذات او مظہر عدل و جود
ز لطفش کہ و مہ طلبگار کام — بود درگہش قبلۂ خاص و عام
نگارندۂ جوہر آب و خاک — طرازندۂ گوہر جان پاک

یہ مصرع مشہور ہے۔

ع۔ الف کشیدہ ملائک ز فوت اکبر شاہ   اور ایک ع۔ بادشاہِ عالم جاوید اکبر شاہ

اکبر نے بحساب قمری (۵۲) سال ۱۰۱۵-۱=۱۰۱۴ ... کی۔ عزیزی سنے یہ مصرع وفات کا کہا ع۔

پنجاہ و دو سال حکم راند اکبر شاہ ۔

تاریخیں۔ (۱) جلال الدین محمد شاہ اکبر | ز دنیا گشت سوے خلد راہی
چوں رضوان دید حیران شد کہ این کیست | ندا آمد و دیکے ظل الٰہی
(۲) شاہ گیتی ستان جلال الدین | کہ چو او در جہاں ندارد یاد
رخت بربست زیں سرائے فنا | ماند ز ویادگار دانش و داد
ہر کسے سال فوت او می جست | لجہ ام ایں گہر بساحل داد
فوت اکبر شہ است تاریخش | جائے او در جوارِ رحمت باد
(۳) شاہِ اکبر جلالِ دولت و دیں | کہ ز داز قدر بر فلک خرگاہ
ماہی عمر او فتاد بشست | تو بتفتیش در گزشت از پنجاہ
نخل شاہیش چوں ز پا افتاد | گشت تاریخ فوت اکبر شاہ

۱۰۱۵-۱=۱۰۱۴

	س	م	ی
شاہزادگی کا زمانہ روز ولادت سے ہمایوں کی وفات تک	۱۳	۸	۷
مدت سلطنت	۵۱	۳	۱
عمر بحساب سال قمری	۶۴	۱۱	۸

سکندرے کی عمارت سنگ سرخ اور سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے جو ایک وسیع احاطے کے اندر ہے۔ اس احاطے کے چار دروازے ہیں جن میں سے تین بند طرف ایک بڑا دروازہ سمت جنوب کا کھلا ہوا ہے اس دروازے کے دو طرفہ اشعار منقوش ہیں جن کا پڑھا جانا بوجہ بلندی کے دشوار ہے۔ پہلی بیت یہ ہے۔ ؎

مرحبا خورم فضائے برتر از باغِ بہشت   مرحبا عرش بریں عالی بنا بر تربتے

ابیات اندرون دروازہ کلاں

بفرماں شاہنشہ ذوالجلال | کہ باشد سر شاہنشاہیش بے زوال
شد آراستہ آں چناں روضہ گار | کہ حیراں شد اندیشہ ہوشیار

یعنی ہمارا مفید مختصر اور کلی یہ ہے کہ مسلمان بادشاہوں میں مشکل ہے کہ ہم ایک شخص بھی اکبر کے جوڑ کا نکال سکیں حقیقت یہ ہے ایسا بادشاہ کوئی نہیں گزرا جس نے خود ہی سلطنت کی بنیاد ڈالی ہو اور پھر آپ ہی اس کو مستحکم بھی کیا ہو۔ اکبر کی تعریف میں کرنل میلسن سے بڑھ کر کیا لکھا جا سکتا ہے جو انھوں نے اپنی اس مفید و مختصر کتاب کے خاتمہ پر لکھی ہے جو اکبر جیسے عظیم الشان شاہنشاہ کی سوانح عمری ہے

اگرچہ اکبر کے یورپین ہم عصر سلاطین اپنے اپنے ملکوں میں بڑے عالی مرتبہ گزرے ہیں جب کہ اکبر ہندوستان کے نظم و نسق کی جڑ جما رہا تھا ملکہ الزبتھ انگلستان کی حکمراں تھی اور ہنری چہارم فرانس میں لیکن ان سے مقابلہ کرنے میں بھی اکبر کے لیے کوئی جھجکنے کا موقع نہیں ہے۔ اس کی شہرت کی بنیاد اس کے کام ہیں جو اس کے بعد بھی باقی رہتے ہیں۔۔ جب ہم اس زمانے پر نظر کرتے ہیں جس میں کہ اکبر نے کیا (دوسرا) اور طریقے جن کو اس نے حصول مقاصد کے لیے رواج دیا تو ہم کو پھر اس سے گریز نہیں کہ اکبر کو ہم ان لوگوں میں کا ایک فرد سمجھیں کہ جن کو خدا کسی قوم کے نازک وقت میں (خاص اسی غرض سے) بھیجتا ہے کہ وہ پھر اس (قوم) کو اس امن و اعتدال کی راہ پر لگائے کہ صرف وہی ایک یقینی طریقہ لاکھوں نفوس کی فارغ البالی کا ہے۔[1]

اکبر کا آخری ٹھکانا

اکبر سکندرے کے ایک باغ میں آسودہ ہے جو آگرے کے غرب میں تین کوس پر ہے۔ یہ روضہ خود اکبر نے اپنی زندگی میں بنوایا تھا جس کا نام **بہشت آباد** قرار پایا۔ اکبر کے روضے کا حال تاریخ آگرے سے متعلق ہے مختصر یہ کہ جیسا جلیل القدر بادشاہ تھا ویسا ہی عالی شان روضہ بھی ہے۔ قلم میں طاقت کہاں جو اس کا نقشہ کھینچے۔ زبان میں ایسی گویائی کہاں جو ایک شمہ اس کی لطافت اور ندرت کا بیان کر سکے شائقین خود جا کر اس سرزمین پر آنکھیں بچھائیں یا کتابوں میں دیکھ کر دل بہلائیں میں سوائے اس کے کیا کہہ سکتا ہوں ؎

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم ۔۔۔ کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

اتنے بڑے بادشاہ کے مرنے پر بے شمار مرثیے اور لاتعداد تاریخیں ہوئیں۔ ان میں سے

[1] دیکھو صفحہ (۱۶۴) تاریخ ہند رام پرشاد کھوسلا اور من موہن ۱۲

اکبر بادشاہ کی قبر بمقام سکندرہ آگرہ
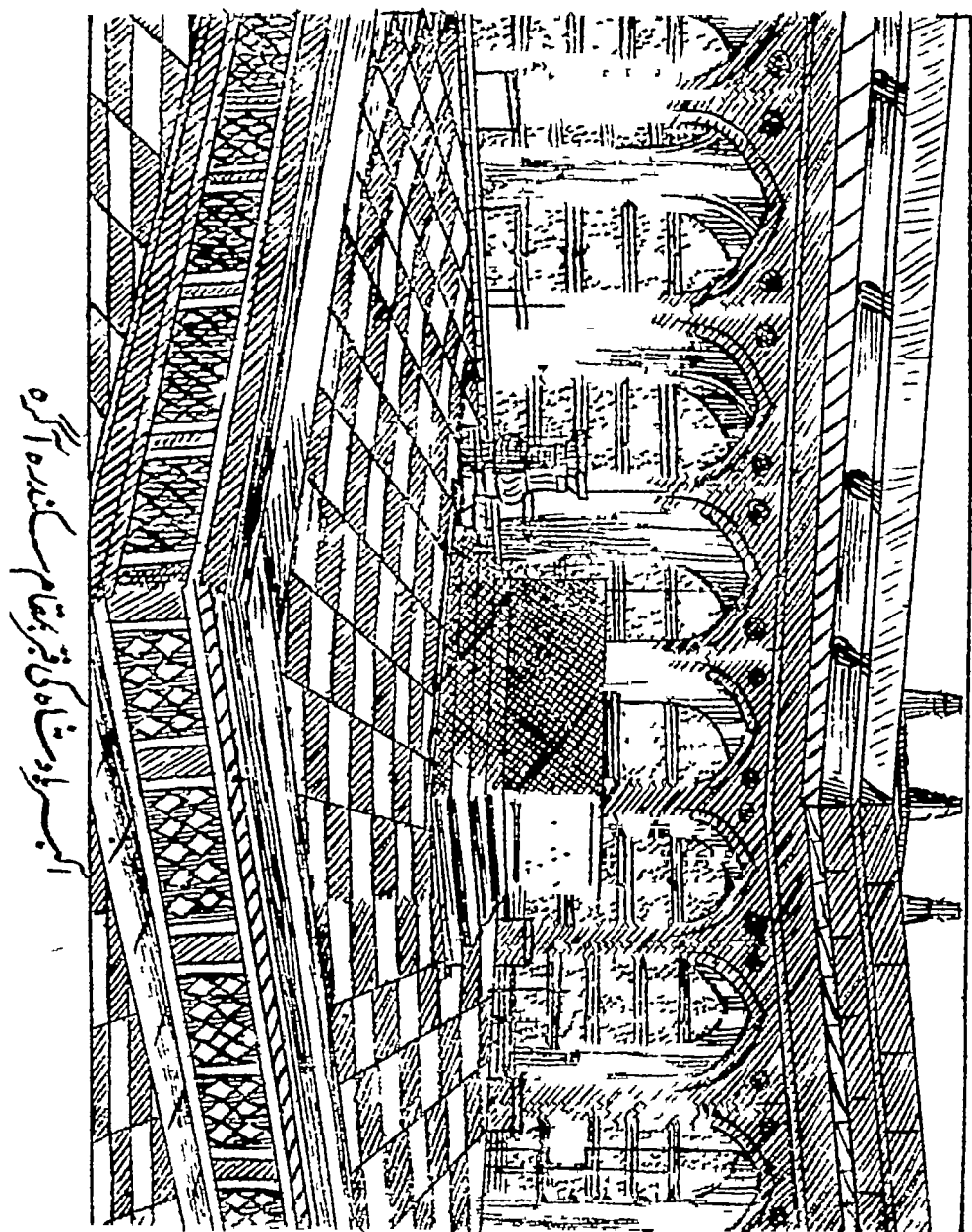
اور کرارے پن کو جانے نہ دیتا تھا۔ کوئی چیز ایسی نہ تھی جس میں وہ درانہ آ سکتا تھا خواہ وہ معاملات جنگ ہوں یا نظم و نسق (مملکت) یا فنون حرفت۔ اس کا مزاج کبھی قابو سے باہر نہ ہوتا تھا لیکن (مصداق اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ غَضَبِ الْحَلِیْمِ) کبھی کبھی جب بپھر جاتا تھا تو پناہ بخدا۔ چونکہ فطرتاً شریف الطبع دردمند اور مہربان تھا اس وجہ سے ہمیشہ عفو (ودرگزر) پر تُلا رہتا تھا۔ کسی نے کیا سچ کہا ہے کہ وہ بڑوں میں بڑا اور چھوٹوں میں چھوٹا تھا۔ اُس کے خیالات کی تہ کو پہنچنا کوئی آسان کام نہ تھا اگرچہ وہ دل میں بات رکھنے اور کپٹ سے بالکل) آزاد تھا تاہم وہ حقیقتہً محتاط اور خود دار تھا۔ اکبر کی تصویر گو صرف ایک خاکہ ہے مگر نہایت عمدہ ہے۔ اکبر کی فتوحات اور نظم و نسق کے کارنامے تاریخ کے صفحوں پر صاف طور پر نمایاں ہیں۔ سلطنت مغلیہ کا اصلی بانی (رمبانی) اکبر ہی تھا اور اُس نے حکومت کی بنیاد ایسی مستحکم قایم کی جس کو کوئی اُس کی زندگی تک ہلا نہ سکا۔ وہ ایک پختہ مدبر کی طرح وسیع خیالات رکھتا تھا وہ ملازمین کا انتخاب۔ اُن سے کام لینا اور اُن کا رکھ رکھاؤ خوب جانتا تھا۔ تمامی مذاہب کی آزادی یہ اُس کی اپنی (ایجاد کردہ) پالیسی تھی جسے یورپ یا اسلامی ملک ایشیا میں اُس زمانے میں کوئی جانتا بھی نہ تھا۔ وہ پرشان تعریف جو ورڈزورتھ (یورپ کے ایک مشہور شاعر) نے ایک ہیرو کی کی تھی جو اب عالم گمنامی میں ہے وہ بجنسہٖ اکبر اعظم پر صادق آتی ہے:-

'Yet shall thy name, conspicuous and sublime,
Stand in the spacious firmament of time,
Fixed as star; such glory is thy right.'

اکبر کا کیرکٹر قند مکرر | اکبر جیسے عظیم الشان بادشاہ کے کیرکٹر نگاری کا پورا پورا حق تو ادا نہیں ہو سکتا جب تک کہ اسی بحث پر ایک جداگانہ کتاب

لہ حلیم آدمی کے غصے سے خدا کی پناہ یعنی اول تو حلیم آدمی کو غصہ آتا نہیں اور جو آجاتا ہے تو پھر بہت آتا ہے۔

نوٹ اوپر کی دونوں سرخیاں ہم نے سمتھ صاحب کی تاریخ ہند سے ترجمہ کی ہیں دیکھو صفحات (۱۰۸) تا ۱۹۰) کتاب انگریزی ۱۲

لہ جو دات کا بیان محتوی ہو اٹیلین زبان کے پروپیچی اور بارٹولی کے مختلف جملوں کے ترجمے پر۔

لہ تیرا نام (نامی) جو نمایاں اور عظیم الشان ہے وہ زمانے کے وسیع آسمان پر تارے کی طرح قایم رہے گا۔ ایسی (عظمت و) شان (در حقیقت) تیرا حق ہے (یعنی تجھے شایاں ہے) ۱۲

دیدہ دانستہ مذہب اسلام کی اہانت۔ اس زمانے میں اُسے افیون کھانے کی بُری لت پڑ گئی تھی اور غالباً اسی سے اُس کی زندگی گھٹ گئی۔ جوانی میں وہ بعض اوقات اعتدال سے زیادہ شراب پی جاتا تھا۔ جزوائٹ اکبر کے حالات کا سب سے بہتر خاکہ پیش کرتے ہیں اور وہ بجا طور پر اکبر کی سرگرمی اور عدل و انصاف رسانی کی تعریف کرتے ہیں۔ اُس زمانے کا انصاف بھی وحشیانہ اور ظالمانہ تھا کہ لوگوں کو عموماً سولی پر چڑھایا جاتا تھا۔ ہاتھیوں سے اُن کے ٹکڑے اُڑوائے جاتے تھے۔ اُن کے ہاتھ پاؤں کاٹے جاتے تھے۔ لیکن اکبر جہانگیر اور شاہجہاں کی طرح ایسے ہولناک مناظر کا دیکھنا پسند نہ کرتا تھا۔ اکبر میں سب سے بڑھ کر نقص اُس کی خود پسندی کا تھا جس کی تصدیق مورخ بدایونی کی تحریرات سے ہوتی ہے۔ وہ اپنی اس تھک پر جول کی وجہ سے وقتاً فوقتاً جہل حرکات کر بیٹھتا تھا۔ اکبر کے خلاف میں جو کچھ کہنا تھا کہا جا چکا لیکن باایں ہمہ یہ بات بالکل صحیح ہے کہ اکبر بڑے بڑے بادشاہوں میں کا ایک تھا جس کا مقابلہ ہندوستان بھر میں صرف اسوکا سے کیا جاسکتا ہے اور وہ اپنے ہم عصر یورپ میں سلاطین ملکہ الزبتھ انگلینڈ (۱۶۰۳-۱۵۵۸ء) اور ہنری چہارم فرانس (۱۶۱۰-۱۵۹۳ء) سے پوری طرح ہم سری کرسکتا تھا۔ اُس کے جسمانی قوی غیر معمولی طاقت کے تھے۔ اُس کی دلیری ایسی ہی بے دھڑک تھی جیسی کہ سکندر اعظم کی۔ اُس کے گجرات کے معرکے اور اُس کا احمد آباد کا دورہ سفر بے شک بڑے بہادرانہ کام تھے۔

اکبر کی کہانی جزوائٹ کی زبانی

ترجمہ کی قلت سے ہم اس دلچسپ بیان کے نقل کرنے سے مجبور ہیں

جو مونسرٹ جزوائٹ کے پادری نے اکبر کی نسبت ۱۵۸۰ء میں لکھا ہے جب کہ اُس کی عمر چالیس سال تھی تاہم چند فقرے لکھنے سے باز بھی نہیں رہا جاتا۔ اکبر کی غذا صدرجہ بالکل معمولی اور سادی تھی۔ وہ صفات حسنہ۔ شعور وافر۔ دانش مندی۔ فراست (و کیاست) کا مجموعہ تھا اور غایت درجے کا سمجھ دار تھا۔ علاوہ ازیں وہ شائستہ و صلح۔ نیاس۔ خوش اطوار اور مہرباں تھا۔ مع ہذا وہ اپنی بھاری ہم کے سے (خودداری)

ایک مصر عیسی مسیح کے اُس کیتھولک فرقے کا پادری جس کی انگوٹھی اس نے پلائے ۱۵۳۶ء میں ڈالی تھی۔

چھ قلعوں میں وافر خزانہ جمع تھا۔ تیسرے دن راجہ مان سنگھ اور خان اعظم نے باپ بیٹوں میں اوپری دل سے ملاپ کروا دیا۔

اکبر کا کیرکٹر

سلطان محمد تغلق یا جہانگیر بادشاہ کی طرح اکبر کو صفات متضاد کا مرکب تو نہیں کہہ سکتے تاہم اُس کا خاصۂ طبعی پیچ دار ضرور تھا اور اُس کی تہ کو پہنچنا کچھ آسان بات نہ تھی۔ بہر حال وہ انسان تھا فرشتہ نہ تھا۔ کمزوریاں اور نقائص جو لازمۂ بشریت ہیں اُس میں بھی تھیں۔ اکثر مورخین نے جو اکبر کی تصویر کھینچی ہے تو ہمارے کا سارا روشن رخ دکھلایا ہے جس میں سایہ کی جھلک تک نہیں جو یقیناً صحیح نہیں۔ اوائل زمان سلطنت میں یعنی بیرم خاں کے زوال کے بعد اس کے مشیر اچھے نہ تھے۔ خصوصاً ملا پیر محمد جس نے مالوے میں بڑا ستم ڈھایا اگر بظاہر اُس سے کچھ پرسش بھی نہیں کی گئی۔ اختتام مدت سلطنت پر جب کہ اکبر چالیس برس تک اختیارات غیر محدود برت چکا تھا اُس کی فیاضانہ طبیعت ایک خاص حد تک بگڑ گئی تھی اور چند نامناسب حرکات اُس سے سرزد ہوئیں مثلاً

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۸۸) آں گل رعنا کہ بود آراستے گلشن صد دریغ

عندلیباں را برنگ و بو او دل شاد شد

چاک پیراہن شد از خار قضا در باغ غم

ہم زمیں بگریست ہم از آسماں فریاد شد

شد قبا بر قامت مردم قبا در ماتمش

شاہ خسرو را ببوئے خلد چوں ارشاد شد

آں تن نازک کہ بروے بود پیراہن گراں

در تہ خاک جفا افسوس استعداد شد

شد غریق رحمت حق چوں دلی پاک بود

خاص درگاہ خدا و ہمدم او تاد شد

سلبی ارشد سال فوتش قیص الیق باز گو

صفۂ جنت ز جان پاک او آباد شد

بعد وفات خسرو مرزا خورم کہ برادر سوم بود خواست کہ سلطان پرویز را نیز کہ برادر دوم ۱۰۳۶ھ بود بکشد تا بے نکلش غیرے ابدر قوت پدر بر تخت نشیند لیکن شہزادہ پرویز از قضائے الٰہی در ۱۰۳۵ھ فوت شد خسرو را دو پسران بود نام یکے داور بخش دوم گرشاسپ وایشاں حسب الارشاد مرزا خورم یعنی شاہجہان بادشاہ در ۱۰۳۷ھ جلوس او یعنی ۱۰۳۷ھ بقتل رسیدند۔ **سلطان پرویز** پسر دوم جہانگیر در کابل متولد شدہ مادرش کہ صاحب جمال نام داشت دختر خویش زین خاں کوکہ بود در عمر (۳۸) سالگی بتاریخ ششم ماہ صفر ۱۰۳۵ھ در دکن فوت کرد معتمد خاں صاحب جہانگیر نامہ بدیہہ ایں تاریخ گفتہ "وفات شاہزادہ پرویز" ۱۲

۱۰۳۵

خزانۂ عامرہ اور قلعہ پر راجپوت سواروں کے زبردست پہرے لگا دیے۔ خزانہ میں دو سو ملین (ایک ملین دس لاکھ کا ہوتا ہے) روپیہ تھا اور اس کے علاوہ اور دوسرے

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) رو علامت واں سہ در است بر چہار طرف و ترتے کہ بلندی سقف است نقلی است از سنگ مرمر ساختہ اند و گنبدے بر آں تعمیر یافتہ۔ تاریخ در رباعی کہ بر لوح مزار او گرد ایں حرف مرقوم است این است۔ تاریخ بر لوح مزار شاہ بیگم۔

چوں مرح فلک رنگروش خود آشفت | در زیر زمیں آئینہ جود ۔ نہفت
تاریخ وفات شاہ بیگم جستم | از غیب ملک بخلد شد بیگم گفت

رباعی گرد تربت مذکور۔ بیگم کہ بعفت و رحمت آراست | تا اقلیم عدم روز عرت آراست[۱]
سبحان اللہ زہے کمال عصمت | کز حسن عمل چہرۂ حست آراست

در روضہ کہ در وسط باغ بمقابل دروازہ کلاں ست می گویند کہ ہشیرۂ سلطان خسرو ایں عمارت را در ساے مرں خود تعمیر ساختہ بود لیکن وفاتش جاے دیگر وقوع آمدہ ایں عمارت ہمچناں خالیست۔ اشعار بسیار اندرون گنبد بخط نستعلیق مرقوم است اما چندے ازاں اشعار بوجہ کہن سالگی زائل شدہ اند۔ مصرعۂ اول ازاں اشعار ایں ست ۔ع خوم آں روز کہ بارحت ازیں جا بریم۔ و تاریخ تعمیر آں عمارت کہ مشتمل بر سہ بیت بود بر پیشانی دروازہ آں روضہ کندیدہ بود۔ آنا بیت مطلع بسبب امتداد ایام زائل گشتہ دو بیت دیگر ایں ست ۔

سرو ملائک رحمت ہیشہ نور نثار | رسیدہ مژدۂ خلد بریں بمرکز خاک
خود ز سال بنائش بصد فکرت | نوشت ما قلم اختراع روضۂ پاک[۱۴۲]

در روضہ کہ اندرون احاطۂ مذکور بسمت مشرق است مرقد سلطان خسرو است و اشعار تاریخ وفات او کہ اندرون روضہ قریب گنبد مرقوم است اینست ۔

آہ افسوس آسماں را سیرت بے داد شد | آرزے آرے کارچوں بظلم آمد داد شد
زندگی روحیہ بیروں از دیار جزمی | دید چوں بنیاد عالم را خراب آباد شد
اہل او ماتش اندا آگاہ از فلک کا عدت او | ہر کا دو شعلہ خاکسترش برباد شد
گلشے ہر جا کہ می برگ ریز اندر بہاست | ملل ایں باغ بودں مصلحت ارباد شد
گل مداری را اطراوت چیست کا عرغادرگ | از پی چاک قامد سوزن فولاد شد
چوں ملب رانم حدیثے راکہ می سوز دیہ آہ | مشکل است اما جہاں تا ہست ایں معتاد شد

(بقیہ نوٹ برصفحہ آئندہ)

شاہزادۂ خسرو[۱] کے طرف داروں نے کچھ دبی زبان سے اس کا نام پیش کیا
لیکن راجہ رام داس نے شہزادۂ سلیم کے جانشینی پر زور دیا اور جھٹ

---

[۱] سلطان خسرو فرزند بزرگ جہانگیر بادشاہ بود ولادتش در لاہور سنہ ۳۳ ج اکبر شاہی
رمضان سنہ ۹۹۶ھ دست دادہ مادرش کہ ہمشیرۂ راجہ مان سنگہ بود جودھ بائی نام داشت
وچوں کہ سلطان خسرو داماد اعظم خاں وزیر اکبر شاہ بود چنانچہ بعد وفات اکبر شاہ راجہ
مان سنگہ و اعظم خاں ہر دو متفق شدہ خواستند کہ خسرو را بر تخت نشانند اما جہانگیر پسر را
بعد از جنگ بدست آوردہ محبوس نمود بعد ازیں نیز سلطان خسرو از پدر باغی شدہ سر بشورش
برآوردہ بود و مردمان شاہی حسب الحکم بادشاہ او را با ہمراہیانش بدخشی پسر مرزا شاہ رخ
و حسن بیگ و عبد الرحیم گرفتہ و مسلسل بہ زنجیر نمودہ بحضور فرستادند۔ بادشاہ خسرو را در حبس نگاہ داشتند
و حسن بیگ را در پوست گاؤ و عبد الرحیم را در پوست خر و بعضے بسواری خر تشہیر گردانیدند و
دیگراں را کہ رفیق شاہزادہ بودند در دیہ و جوانب شہر بردار کشیدند۔ مدتے شہزادہ محبوس
ماند آخر از خوف پدر از اکبر آباد گریختہ بہ الہ آباد رفت و در آنجا رخت اقامت انداخت تا آنکہ
در سنہ ۱۰۳۱ھ بتاریخ ۱۳ ربیع الاول درگذشت۔ مزارش در الہ آباد بفاصلہ یک کروہ غربی از قلعہ
موجود است در باغے کہ مشہور بباغ "سلطان خسرو" است و گرد باغ مذکور چہار دیواری
است سنگین کہ حسب الحکم جہانگیر بادشاہ از باقی ماندہ چونہ و مصالح قلعہ تعمیر یافتہ۔ اما در بعضے تواریخ
مرقوم است کہ در ایامیکہ شاہ جہاں یعنی مرزا خرم حسب الحکم پدر بہ تسخیر ولایت دکن رفت برادر خود
خسرو را نیز ہمراہ خود برد و در آں دیار در سنہ ۱۰۳۱ھ او را شہید کرد و در جہانگیر نامہ نیز مسطور
کہ او در دکن بعارضۂ قولنج فوت کرد۔ اگر ایں سخن راست باشد مزارش در شہر الہ آباد چگونہ
تعمیر یافت اما چوں باز در ہموں کتاب مسطور است کہ بعد تکفین و تدفین حسب الحکم بادشاہ نعش او را
جہت احقاق شہادت او از قبر برآوردہ بودند شاید کہ بعد ازاں روانۂ الہ آباد کردہ باشند۔ زیراکہ
قبر مادرش در آنجا بود۔ بالجملہ اندرون احاطۂ مذکور چہار روضہ با گنبدہائے عالی شان ہستند۔
یکے خورد کہ بطرف مغرب است معلوم نیست کہ آں مدفن کیست۔ بعضے گویند کہ ایں روضۂ
بی بی تنبولن است۔ گنبد دوم عمارتیست سنگین گویند کہ ایں مزار جودھ بائی مادر سلطان خسرو است
سوداے بر مزاج او استیلا یافتہ افیون خوردہ خود را ہلاک ساختہ۔ اصل تربت او اندرون
(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)

فوتِ اکبر شہ[1]

گرامی تنش پاک شستند ز آب
معطر بکافور و مشک و گلاب
کفن جامہ کردند و تابوت جائے
سپردندش بعفو خدائے
رختش بہ تختہ در انداختند
باسکندریش وطن ساختند
درو خیمہ کردند بروے فراز
بخاکش سپردند و گشتند باز

قمری حساب سے (۶۳) برس کا سن اس پر بادشاہت کا بوجھ اور وہ بھی لیے غیر منتظم ملک کا۔ آئے دن کے رگڑے جھگڑے۔ انگریزی مثل ہے کہ Uneasy lies a head who wears a crown (جس سر پر تاج ہوتا ہے اس کو کبھی چین نصیب نہیں ہوتا) اس پر طرہ یہ کہ اولاد کا دُکھ۔ دو بیٹے کیا مرے کہ دونوں بازو ٹوٹ گئے ایک جو رہے وہ قریب ایسی حالت میں کیسا ہی ہاڑ ہوتا تو گھول جاتا۔ اکبر کو کوئی خاص مرض نہ تھا اس دل کا آزار ضرور تھا۔ ؎

آتش دوزخ میں یہ گرمی کہاں
سوزِ غم ہائے نہانی اَور ہے

اکبر کے گرد پریشاں حال درباریوں کا ہجوم تھا جن سے ان کا مالک آن کی آن میں ہمیشہ ہمیشہ کو چھوٹا جاہتا تھا۔ ان کی ساری امیدیں خاک میں ملنے والی تھیں۔ جب چہار شنبہ ۱۲ جمادی الثانیہ ۱۰۱۴ھ ۱۶ اکتوبر ۱۶۰۵ء (۵۲) برس کی طول طویل مدت سلطنت کے بعد آگرے میں انتقال کیا۔ ؎

آفاق از مصیبت او سینہ چاک شد
حلقے بمرد وریں غم جانکاہ خاک شد

شہزادہ سلیم بھی اس وقت موجود نہ تھا اسے باپ کا آخری دیدار بھی نصیب نہ ہوا۔ ع۔ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

[1] "فوت اکبر شہ" میں اکبر کی وفات کا سال ۱۰۱۴ھ نکلتا ہے۔
[2] ناظرین یاد رکھیں کہ سلاطین مغلیہ کی وفات کے بعد ان کو ان تعظیمی القاب سے یاد کیا کرتے ہیں۔ بابر کو فردوس مکانی۔ ہمایوں کو جنت آشیانی۔ اکبر کو عرش آشیانی۔ ۱۲

علو ہمتی ۔ انصاف رسانی (اور معدلت شعاری) اب تک گیتوں اور قصوں میں زندہ ہیں۔

غریب شہر سخنہائے گفتنی دارد

آس اہم معاملہ پر جس کہ بڑے بڑے مستند ارباب قلم فرسائی کر چکے ہیں میرا کچھ عرض کرنا چھوٹا منہ بڑی بات ہے۔

لیکن امر حق نگلا نہیں جاتا۔ انگریزوں نے اکبر کے مذہب کا خاکہ جیسا اڑایا ہے وہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ مسلمان مورخین نے بھی اس بارے میں کچھ کمی نہیں کی اس لیے مسلمانوں کے اقوال نقل کرنا بے سود ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ اس سارے قضیۂ نامرضیہ کا لب لباب یہ ہے کہ اکبر ایک وسیع الخیال۔ بلند نظر بالکل بے تعصب اور اعتدال پسند بادشاہ تھا اور اپنی تمام رعایا پرجا کو بلا قید مذہب ملت یکساں سمجھتا تھا وہ مذہبی رکاوٹوں کو دور کر کے سب کو ملا دینا چاہتا تھا لیکن یہ بات فطرت الہی کے خلاف ہے۔ مذہبوں کا اختلاف تا قیامت رہے گا۔ دنیا میں چاہے لاکھوں مباحثے ہوں مگر دین کی تفریق نہ مٹی ہے نہ مٹے گی۔ اکبر ایسا نادان نہ تھا کہ وہ ایسی موٹی بات بھی نہ سمجھتا ہو پھر بھی وہ نیک نیتی سے اُس مغایرت کو دور کرنے کی کوشش کرتا تھا جو ایک مذہب والے کو دوسرے سے ہوتی ہے کہ آپس میں کٹے مرتے ہیں اور اس مدعا کا حصول اُس وقت تک ممکن نہ تھا جب تک کہ وہ اعتدال کی پالیسی اختیار نہ کرتا اور اعتدال کی پالیسی جب ہی بار ور ہو سکتی ہے کہ ہم دوسرے مذہب والوں کا دل نہ دکھائیں۔ اکبر کی مذہبی پالیسی کا فیصلہ دو لفظوں میں ہے **مرنج و مرنجاں** اور اسی پر ہم اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔

اکبر کی زندگی کے آخری دن

قید حیات و بند غم اصل میں دونوں ایک ہیں موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

اکبر کو ریاضت جسمانی اور مردانہ وار کھیلوں کا بہت شوق تھا وہ ایک بڑا جری سوار تھا اور بے دھڑک ہر کسی معرکے اور محل خطر میں جا گھستا تھا۔ دشمنوں کے ساتھ جو وہ عالی ظرفی کا برتاؤ کرتا تھا ہمیشہ ہمیشہ یاد رہے گا۔ اس کے نجی تعلقات بھی مخلصانہ اور وفادارانہ تھے وہ اپنے بچوں کا لاڈ بہت اٹھاتا تھا ہم یہ ذکر کر چکے ہیں کہ اولاد کی طرف سے وہ خوش نصیب نہ تھا۔ دو شہزادے دانیال اور مراد شراب کی بھینٹ چڑھے اور شہزادہ سلیم نے باپ کے مقابلے میں بغاوت کی تھی وہ بھی آپ سن چکے۔ مگر واہ رے اکبر وہ ہمیشہ برائیوں کو بھول جاتا تھا۔ اور عفو و درگزر اُس کے خمیر میں داخل تھا۔ اکبر کی زندگی کے آخری دن سلیم کی بے عنوانیوں کی وجہ سے بہت تلخی سے گزرے۔

الیون کبھی کھائی نہیں“۔ دونوں راوی انگریز۔ دونوں کے بیان میں اثبات ولفی کا فرق۔ اب ناظرین فرمائیں کہ کیا کہتے ہیں؟ لیکن یہ باتیں سب تو سب ان میں سے اگر ایک بھی سچ ہو تو اکبر جیسے سمتھ صاحب نے مکذب اور دشمن اسلام کہا ہو میرے نزدیک بھی ایسا شخص کبھی مسلمان ہو نہیں سکتا۔

ہیول صاحب کی معتدل رائے

ای۔ بی۔ ہیول صاحب کی کتاب آگرہ اینڈ تاج کے صفحات (۲۳) تا (۲۵) سے ہم ذیل کا اقتباس کرتے ہیں۔ ”اکبر نے ایک اعتدال پسند دین کی بنیاد ڈالی تھی مسلمانوں کی مار موقوف کرکے اس کی بجائے ایک زیادہ وسیع اصل کی مار قایم کی گئی تھی جو زیادہ تر ہندوؤں سے ماخوذ تھی۔ دین الٰہی نے لوگوں کے دلوں میں جگہ نہیں پکڑی اور اکبر کی وفات کے ساتھ ہی ساتھ اس کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اکبر نے مرتے وقت ایک پکے مسلمان کا سا عقیدہ اختیار کیا تھا لیکن یہ بات پایۂ تصدیق کو نہیں پہنچی۔ اکبر کے مذہبی نظام میں ایک سیاسی حیلہ موودار تھی۔ اس کی تمام پالیسی کا دارومدار اس امر پر تھا کہ وہ مختلف مذاہب اور عقاید اور فرقوں کو ملا دینا چاہتا تھا۔ وہ ہمیشہ اپنے اس مدعا کو ہر بات میں پیش نظر رکھتا تھا۔ وہ اپنے وزرا اور امرا بلا لحاظ مذہب وملت اور بلا کسی تخصیص کے اپنی رعایا میں سے چن لیتا تھا۔ اکبر نے راجپوتانے کے ہندو خاندانوں میں شادی بیاہ بھی کر لیا تھا۔ وہ روزانہ انصاف رسانی کے لیئے دربار میں بیٹھتا تھا اور ہارون الرشید کی طرح بعض اوقات تبدیل لباس کرکے تن تنہا عوام میں پھرتا تھا تاکہ اسے رعایا کے اصلی حالات معلوم ہوں اور وہ حکام کی بدانتظامیوں کی روک تھام کر سکے۔ متعصب مسلمانوں میں لامحالہ اس کے دشمن پیدا ہو گئے تھے لیکن اسی کے دانش مندانہ اور تمامی رعایا سے معتدلانہ سلوک اور اس کی منصفانہ پالیسی کی بدولت اکثر حصص (ملک) سے دشمنی کو بے کار کر دیا تھا۔ یہ امر یقینی ہے کہ اکبر سے پہلے یا اس کے بعد بھی کوئی بادشاہ اپنے حصول مقصد میں ایسا کامیاب نہیں ہوا۔ وہ اب بھی ہندوستان کے ایک اولو العزم حکمرانوں میں سے شمار کیا جاتا ہے۔ اس کے جنگی اور شکار کے قابل قدر کارنامے۔ اس کے دانش مندانہ اور ظریفانہ اقوال۔ اس کی درباری شان وشوکت۔ اس کی

کرنل میلیسن اور ا[illegible]ر

نام نیک رفتگاں ضائع مکن
تا بماند نام نیکت برقرار

کرنل صاحب ٹھیرے فوجی سردار جن کی قلم تلوار کا کام کرتی ہی۔ اس سے تو وِنسنٹ سمتھ صاحب ہی بساغنیمت تھے۔ رحمت بر نباش اول۔ کرنل صاحب نے اکبر کا تسمہ باقی نہیں چھوڑا۔ آپ نے اکبر کی سوانح عمری لکھی ہو اس کے صفحہ (۱۷۶) پر جو ریمارک کیئے ہیں اس کا ترجمہ لکھتا ہوں "اکبر کثرت سے نماز پڑھنے۔ روزہ رکھنے خیرات دینے اور حج کا مخالف تھا (اب اس کی لامذہبی میں کون سی کسر رہ گئی) گو یہ مخالفت ممانعت کی حد تک نہیں پونہچتی تھی۔ ختنہ کی رسم سے مسلمان باز نہیں رکھے جا سکتے تھے لیکن اکبر نے حکم دے دیا تھا کہ جب تک لڑکے کی عمر بارہ برس کی نہ ہو یہ تقریب نہ کی جاسے۔ ہندوؤں کی خاطر سے وہ گاؤکشی کا بھی مخالف تھا بلکہ اس کے بعکس اس نے سور کے ذبح اور اس کے جواز کا فتویٰ دے رکھا تھا (یعنی جو چیز نص قرآنی سے حرام قطعی ہو اسے حلال کر دیا یعنی حکم خدائی کو اکبری عدالت اپیل نے منسوخ کر دیا۔ عیاذاً باللہ) مسلمان کتوں کو نجس سمجھتے ہیں چنانچہ اس زمانے کے متعصب مسلمان بھی یہی رائے رکھتے ہیں (مگر نہ اتنا ناپاک جیسا کہ سور) لیکن اکبر نے کتے کو پاک ٹھیرا دیا۔ مسلمانوں میں شراب حرام ہو لیکن اکبر اعتدال سے شراب کے استعمال کا مؤید تھا" (شراب تو چوری چھپے بہت سے مسلمان پیتے ہیں البتہ یہ بات کہ گناہ کریں اور اس پر اصرار اور جسارت نہایت مذموم ہی) خاکسار عرض نہیں کر سکتا کہ یہ باتیں کہاں تک سچ ہیں اور ان کا ماخذ کیا ہی۔ صاحب بہادر کی قلم سے مترشح شدہ بات کی تردید بھلا کالے منہ کا کوئی نیٹو کیا کر سکتا ہی اور کرے گا تو منہ کی کھائے گا لیکن ناظرین بارسٹن صاحب کی رای ان کی کتاب حکایات ہند کے صفحہ (۹۸) پر ملاحظہ فرمائیں جو کرنیل صاحب ہی کی طرح گورے چمڑے کے اور ان ہی کی ٹکر کے ہیں۔ اس فقرے کو ہم بجنسہ نقل کر دیتے ہیں:-

"Akbar did not eat much food and scarcely ever drank any wine, nor did he eat opium"

(ترجمہ) "اکبر کی غذا بہت کم تھی۔ اس نے شاید ہی کبھی شراب پی ہو

قابلیتوں کی بدولت نام پایا۔ جب اکبر چتوڑ کا محاصرہ کیے پڑا تھا اُس کے کانوں تک
فیضی کا شہرہ پہنچا اور اُسے طلب فرما لیا۔ فیضی کی قابلیت نے بادشاہ کو بہت
اپنا گرویدہ کر لیا اور ملک الشعرا بنے۔ فیضی کی قابلیت نہایت اعلیٰ درجے کی
تھی۔ اُس نے رامائن اور مہابھارت کے کچھ حصے اور دیگر کتب کا
سنسکرت سے ترجمہ کیا۔ سات برس تک اکبر کے دربار میں فیضی ایسی شان دار
عالمانہ زندگی گزار کر دنیا سے رخصت ہوا۔ فیضی ہی نے اپنے بھائی ابوالفضل کو بھی
دربار میں باریاب کرایا۔ ابوالفضل کو جو فیاضانہ تعلیم اُس کے باپ نے دی تھی اُس سے
اُس کا دائرۂ معلومات بہت وسیع ہو گیا تھا۔ اُس کے وسیع خیالات اور نظر مالعہ نے
اکبر کے دل پر اثر کیا اور جیسا آدمی وہ چاہتا تھا اُسے مل گیا۔ ابوالفضل جلد ہی دنوں
میں اکبر کا دلی اور موقر دوست بن گیا اور اکبر کی دلی خواہش کسی ہم درد اور ہم خیال
مصاحب کے ملنے کی پوری ہو گئی۔ اکبر امور عظام میں جنھیں وہ تنہا یا اُس کے
درباری سلجھا نہ سکتے تھے ایسے امور میں وہ ابوالفضل سے مشورہ اور مدد لیتا تھا۔
ابوالفضل اکبر کی ناک کا بال تھا۔ اُن کا باہمی ارتباط اور دوستی معمولی قسم کی نہ تھی اور
مشہور ہے کہ اکبر کا ابوالفضل پر ایسا بھروسہ تھا کہ بادشاہ کے لیے دوا دارو بھی اپنے
ہاتھ سے ہی بناتے تھے۔ اور سچ بات یہ بھی ہے کہ ابوالفضل نے بھی جاں نثاری
میں کچھ کمی نہیں کی۔ ابوالفضل اور بادشاہ کے درمیان جو یگانگت اور اعتماد کا گہرا
تعلق تھا اس سے دربار کے دوسرے امرا حسد کرنے لگے تھے کہ ایک معمولی
شخص کو جو کس مپرسی کی حالت میں کسی کونے کھدرے میں پڑا تھا۔ بادشاہ نے
اس قدر سر چڑھا لیا اور سلطنت کے سب سے اعلیٰ مرتبے پر پہنچا دیا۔ ابوالفضل کے
غیر معمولی عروج کی ایسی آگ بھڑکی کہ شہزادہ سلیم نے اُسے قتل کروا دیا۔ چوں کہ
اکبر میں خود علم کی کمی تھی اُسے ابوالفضل جیسے شخص کا میسر آ جانا اکبر کے لیے ہر طرح
سے ایک قابل قدر نعمت تھی۔ اکبر کے مذہبی خیالات پر انھیں دونوں بھائیوں نے
دہریت کا رنگ چڑھایا اور اسی میں یہاں تک غلو ہوا کہ ایک نیا مذہب بنا کر کھڑا کر دیا
(اقتباس از تاریخ ہند مصنفہ رام پرشاد کھوسلا اور من موہن صفحہ ۱۴۵ تا ۱۵۲)

کے آخری دنوں بہت سی باتوں میں عملاً ہندو ہو گیا تھا۔ اُس نے ہندوؤں
کی بہت ہی باتیں اختیار کر لی تھیں مثلاً ڈاڑھی منڈوانا۔ گائے کے گوشت سے
پرہیز رکھنا بلکہ زیادہ تر ہر قسم کے گوشت سے بھی۔ اس نے بہت سے قواعد
ایسے جاری کیے جن کی جڑ ہندوانی طریقے کی تھی اور ستی ہونے کی اجازت دے
دی بشرطیکہ عورت کی رضامندی متحقق ہو۔ لیکن بایں ہمہ واقعات تھوڑا سا ثبوت
اس بات کا بھی ملتا ہے کہ اکبر نے بستر مرگ پر باقاعدہ طور پر اسلامی عقیدے کا
اقرار کیا" (تاریخ ونسنٹ سمتھ صاحب صفحہ ۱۷۵ تا ۱۸۷) "اکبر نے مذہب اسلام کو
کبھی استقام سے پاک نہیں پایا۔ کسی شخص منفرد کی رائے اُس کے نزدیک قطعی نہ تھی
اُس کو ہندوؤں کی وہ ثابت قدمی جس سے وہ (باوجود تکالیف اور دوسرے نقصانات
محصولات وا قسا مہا کے جو وہ ہمیشہ سے مسلمانوں کی حکومت میں جھیلتے آئے)
اپنے مذہب پر قایم رہے تھے۔ بہت پسند تھی۔ اکبر کا خیال تھا کہ ان کے مذہب میں
کچھ نہ کچھ بات تو ایسی ہے جس کی وجہ سے یہ لوگ اپنے عقیدے پر اس خلوص سے
قایم ہیں اور یہی حال عیسائیوں۔ پارسیوں اور دیگر اقوام کا تھا۔ کیا یہ ہی کہ
مذہب اسلام محض اس وجہ سے کہ وہ بادشاہ وقت کا مذہب ہے جبراً ان لوگوں کے
سر منڈھا جائے۔ ہر حال میں ہر شخص کی گو کہ شکلیں مختلف ہوں مگر ایک ہی قادر مطلق
کی عبادت کرتا ہے۔ یہ وہ مشکلات تھیں جو شروع سے اکبر کے دل میں کھٹکتی تھیں
وہ ہمدردی کا متلاشی تھا۔ لیکن درباری حلقہ کے کسی مسلمان میں بھی اس کا وجود
نہ تھا بلکہ وہ مذہبی معاملات میں اس قسم کی کاوش کو ایک گناہ کبیرہ سمجھتے تھے۔ اکبر کو
اپنے درباری امراء کے تعصب مذہبی سے نفرت ہو گئی تھی جو دوسرے مذاہب
کے لوگوں سے تکلیف دہ حقارت سے پیش آتے تھے۔ لیکن جلد ہی اکبر کے
ہاتھ ایک موقع آیا کہ ایک بزرگ **شیخ مبارک** جو عربی نژاد تھے راجپوتانے
میں آن رہے تھے۔ وہ بڑے ذی علم آدمی تھے۔ جن کا دل زمانے کے
تعصبات کی وجہ سے ہٹ گیا تھا۔ ان کے دو بیٹے **فیضی** اور **ابوالفضل** تھے
جن کی تعلیم خود اُن کے عالم وفاضل باپ نے نہایت وسیع پیمانے پر دی تھی۔
فیضی ایک بڑا طبیب ۔ بڑا عالم اور بڑا شاعر تھا۔ ابوالفضل نے اپنی علمی اور پولیٹکل

اور حشو و زوائد کس قدر تھا اگرچہ اکبر کبھی بھی اس بات کا فیصلہ نہ کر سکا کہ ہم سر مذہبوں میں سچا کون سا تھا لیکن اس نے بالکل صاف طور پر فیصلہ کر لیا تھا کہ اسلام جھوٹا ہے اور یہ عقیدہ اس کا تقریباً ۱۵۷۹ء سے تھا اور اسی سال میں اس نے سر برآوردہ علمائے اسلام سے ایک فتویٰ لکھوالیا تھا کہ بادشاہ مذہبی معاملات میں احکام صادر کرنے کا مجاز ہے۔ اس فتوے کے بعد سے وہ علانیہ اسلام کا دشمن ہو گیا اور اس نے بہت سے ایسے احکام جاری کئے جو صریح اس کی مذہبی آزادی کے اصول کے خلاف تھے مثلاً نماز جماعت اور اذان موقوف کر دی گئی۔ روزے ع سد مختصر یہ کہ جیسا بدایونی نے لکھا ہے کہ "تمام احکام و ہدایات اسلام خواہ وہ خاص ہوں یا عام سب میں شک و شبہ کیا جاتا تھا اور ان کی ٹھٹول اڑائی جاتی تھی" مسلمانوں کے مذہبی احساس کی کھلی توہین کی جاتی تھی۔ مثلاً یہ کہ مسجدوں کو اصطبل بنا دیا اور حضرت رسالت پناہی کی نسبت برا خیال قایم کیا گیا۔ ایسے عقاید رکھنے کے بعد تعجب ہے کہ اکبر تخت کیسے قایم رہا۔ لیکن جب ایسا نہیں ہوا تو اس سے بڑھ کر اس کی بے انتہا ذاتی قوت اور لوگوں کے دلوں پر قبضہ (و قدرت) رکھنے کا کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ اگر انگریزی گورنمنٹ ان میں سے ایک بات بھی کر بیٹھے تو وہ ایک ہفتہ بھی نہ ٹک سکے۔ جب اکبر کو کسی مذہب سے تشفی نہ ہوئی تو اس نے پرانے مذاہب سے عمدہ عمدہ باتیں چن کر ایک نیا مذہب کھڑا کرنے کا ارادہ کیا۔ اکبر کی یہ صریح حماقت تھی کہ اسے تیقن تھا کہ وہ بادشاہت کے زور پر ایسی ایک ایجاد کھڑی کر سکتا ہے جو موجودہ مذاہب کے قایم مقام ہو اور اس مذہب کو تمام سلطنت کے لوگ ایک باہمی اتحاد کی بندش کی طرح قبول کر لیں گے۔ یہ ایک دیوانوں کا سا خواب تھا اس کا نیا مذہب توحید کے ساتھ (ساتھ) بادشاہ کو نیم خدا یا زمین پر خدا کا قایم مقام قرار دیتا تھا۔ اس نے اس مذہب کا نام توحید الٰہی یا دین الٰہی رکھا تھا۔ خاص خاص ان الوقت درباریوں نے اس مذہب کو قبول کر لیا اور چار قول حق کی پابندی (اس مذہب میں) ضرور تھی کئے کہ اکبر کی ملازمت میں وہ جان و مال آبرو و دین سب قربان کر دیں گے لیکن دربار کے باہر تو یہ سراڈھونگ (ڈھونگ) تھا جو اس کے موجد کے ساتھ بلکہ شاید اس سے کچھ پہلے ہی مر گیا۔ اکبرایک دگی

کافر اور نیچری کیا کیا کہلائے - پھر اُس زمانے کا کیا کہنا جس میں مذہبی قیود اور پابندیاں
بمقابلہ زمانہ حال کے بہت تھیں - غرض یہ کہ یہ حضرات خود ڈوبے سے تھے تو ڈوبے سے
تھے اکبر کو بھی لے ڈوبے ان کی صحبت نے اکبر کے عقیدے کو جو پہلے ہی سے
ڈھلمل یقین تھا اور بھی متزلزل کر دیا - بچپنے میں تو اکبر حافظ شیرازی کے کلام
کی بدولت صوفیانہ رنگ میں ڈوبا ہوا تھا لیکن اہل ہنود سے بچپن سے گہرا سابقہ
رہا اور وہ ازدواج کی شکل میں پھولا پھلا - مغایرت یگانگت اور قرابت سے بدل گئی
ان وجوہ سے ضرور ایک حد تک اُس کا رجحان ہندو مذہب کی طرف پایا جاتا ہے اور اسی
کشمکش کا نتیجہ تھا کہ وہ کسی مذہب پر بھی بالاستقلال قایم نہ رہ سکا - وہ عیسائی - ہنود -
مسلمان - جینیوں غرض یہ کہ ہر قوم وملت کے مذہبی مباحثوں کو بڑے شوق ذوق
سے سنتا تھا مگر صاف طور پر وہ کبھی بھی کسی ایک مذہب کا پیرو نہ بنا - **جزوِاٹ**
عقیدے کے دو پادری سنہ ۱۵۷۰ء میں بنگال میں وارد ہوئے تھے اُن کا اس
ملک میں آنا تھا کہ اکبر نے مذہب عیسوی کی چھان بین شروع کی - چوں کہ طبیعت
میں کرید تھی بس اسی کی دُھن لگ گئی - اکبر نے پرتگیزوں کو بندر گوا میں لکھا
کہ تمھارے مذہبی علما کو بھیجو - اُنھوں نے منہ مانگی مراد پائی - ایک چھوڑ تین تین
مشن پیاپے بھیج دیئے - یہ لوگ سنہ ۱۵۸۰ء سے ۱۵۸۲ء تک اور سنہ ۱۵۹۰ء سے
سنہ ۱۵۹۱ء اور سنہ ۱۵۹۵ء سے تا اختتام دور اکبری بلکہ اس کے کچھ بعد تک بھی
دربار میں حاضر باش رہے - اکبر بڑی گہری چال کا آدمی تھا اُس کی میٹھی میٹھی
باتوں سے انھیں یقین ہو گیا کہ ہم نے میدان مار لیا اور اکبر کو عیسائی بنا لیا لیکن حقیقت
نفس الامر یہ تھی کہ وہ صرف ان کو ٹٹولتا تھا - اُس نے کبھی ان کی باتوں پر کان نہ دھرا
ونسنٹ سمتھ صاحب نے اکبر کی مذہبی کیریکٹر (طرز) کی ایک بہت بُری اور مسلمانوں کا
دل دکھانے والی تصویر کھینچی ہے - مسلمانوں کا ماثور اُذکُروا مَوتاکُم بِالخَیر یعنی
تم مرے ہوئے لوگوں کا ذکر بھلائی سے کرو اور صاحب بہادر نے اکبر کو بالکل
بالکل جہنمی قرار دیا ہے - لیکن نقل کفر کفر نباشد میں ایک مورخ کی حیثیت سے اُس کو
آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں اور ساتھ ہی ساتھ دوسرے یورپین مورخوں کی
رائے بھی عرض کروں گا جس سے ناظرین خود فیصلہ کر لیں گے اصلیت کس حد تک ہے

"السلطان الاعظم الخاقان المعظم الخلیفۃ المتعالی خلد اللہ ملکہ و سلطانہ و ابد عدلہ و احسانہ"
اور دوسری طرف یہ رباعی ملک الشعرا کی تھی:- رباعی

این نقد روان گنج شاہنشاہی ۔ باکوکب اقبال کند ہمراہی
خورشید پرورش اناں روکہ بدہر ۔ یابد شرف از سکۂ اکبر شاہی

اور بعض سکوں پر ذیل کی رباعی بھی تھی:- رباعی

این سکہ کہ دست بخت بادا پربار ۔ پیرایہ نہ سپہر و ہفت اختر باد
زرین نقدیست کار از وچوں زرباد ۔ در دہر رواں بنام شاہ اکبر باد

نگین شاہنشاہی

مولانا مقصود مہر کن سے بڑی صنعت اور ندرت سے سطح فولادی پر نام نامی مالا بادشاہ جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی خط رقاع میں کندہ کر کے حد نستعلیق فارسی میں بادشاہ کا نام اور اس کے گرد یہ رباعی موجب رضائے خداست کس ندیدم کہ گم شد از راہ راست نقش کیا تھا۔

اکبر کی مذہبی انجمنیں

ہر کس طالب یار اند چہ ہشیار چہ مست
ہمہ جا خانہ عشق است چہ مسجد چہ کنشت

اکبر کی کیفیت میں ایک بڑا نازک مرحلہ مذہبی عقائد کا ہے۔ مذہب اس خاص تعلق کا نام ہے جو بندے اور اس کے خالق کے درمیان ہے۔ جس کو سوائے خدا کے اسکا کوئی حاکم نہیں سکتا۔ مذہبی معاملات میں بادشاہ کو احتساب کا حق حاصل نہیں ہے مگر حضرت انسان ہر سلسلے میں دخل در معقولات کے عادی ہیں اسی وجہ سے مورخین نے بے نیاز آسمان کے قلابے ملائے ہیں اور جس کو دیکھو وہ ایک نئی بات کہتا ہے قصہ مختصر اکبر پر مورخین نے تو اس باب میں اکبر کی بڑی مٹی پلید کی ہے اور ایسی ایسی باتیں گھڑی ہیں کہ اسلام سے تو وہ یقیناً خارج ہو گیا لیکن اصلی یہ ہے کہ انتہا کہنے تو بھی بے شک تھا۔ اکبر کو اسلام کا مخالف و دشمن اور شریعت کے احکام کا توڑنے والا ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ فیضی اور ابوالفضل آزاد خیال لوگ تھے دونوں بھائی اکبر کے مقرب تھے۔ اس خیال کے آدمی اس تہذیب اور آزادی کے زمانے میں بھی دہریہ اور کافر کہلاتے ہیں۔ سید احمد خاں مرحوم و مغفور نے سا اُن کی کیا

سکہ شیر شاہ
سکۂ اکبر
سکۂ جہانگیر
سکہ اورنگ زیب

دستے تھی جو اکثر جھوٹی تعداد نفری بتلانے کے عادی تھے۔ اکبر نے اس امر میں بہت کچھ اصلاح کی۔ فوج مستقل کی تعداد بہت کم تھی۔ اکبر کے آخری عہد میں پچیس ہزار کی تعداد تھی جن میں سے ۱۲۰۰۰ سوار باقی گولنداز اور پیدل تھے۔ جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کا طریقہ ۱۵۷۳ء سے قطعاً مسدود کر دیا گیا۔ خزانۂ عامرہ کی بڑی آمدنی زر مالگزاری تھی جو نقدی اور بٹائی دونوں شکلوں میں وصول ہوتی تھی۔ ۱۶۰۰ء میں اراضی مالگزاری کی تخمینی تعداد (۱۹) ملین پونڈ تھی۔ جنگی اور متفرق آمدنی بھی اسی سے لگ بھگ تھی لیکن اس تعداد کی صحت میں کلام ہے۔

ٹکسال اور سکے

ٹکسال کی بڑی بھاری عمارت فتح پور سیکری میں ہے جو باہر سے ۲۴۴ × ۲۳۰ فٹ ہے۔ چاروں طرف ۵۴-۵۴ چوڑے والان در والان ہیں۔ جن کے در محراب دار اور چھت جدا جدا گنبدوں کی ہے۔ مشرق و مغرب میں چودہ چودہ اور شمال جنوب میں تیرہ تیرہ در ہیں۔ اس عمارت کا افتتاح ۹۸۵ھ میں ہوا تھا۔ پہلے ٹکسال کا اہتمام چودھریوں کے سپرد تھا پھر مہتمم مقرر کیے گئے چنانچہ آگرہ اور فتح پور کی ٹکسال کے داروغہ خواجہ عبدالصمد شیریں رقم مقرر ہوئے۔ چار یاری روپیہ سب سے پہلے اسی ٹکسال میں مسکوک ہوا تھا۔ اکبری سکے کئی قسم کے اور مختلف وزنوں کے تھے جن میں سے بعض یہ تھے۔

(۱) روپیہ وزن ۱۱½ ماشہ ایک طرف کلمۂ طیبہ۔ حاشیہ پر بمصداق ابی بکر۔ بعدل عمر۔ بحیائے عثمان۔ بعلم علی۔ دوسری طرف جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ۔ ضرب دار السرور فتحپور ۹۸۹۔ (۲) روپیہ وزن ۱۱½ ماشہ۔ حاشیہ کٹا ہوا (سنہ ۹۹۲) (۳) پیسہ۔ وزن ایک تولہ ۸ ماشہ ۷ سرخ۔ ایک طرف دار الضرب فتحپور۔ دوسری طرف مہر الٰہی ۸ ہم۔ ملک الشعراء فیضی کی یہ رباعی بھی مسکوک تھی۔ ایک طرف یہ بیت تھی:۔

خورشید کہ ہفت بحر از و گوہر یافت　　سنگ سیاہ از پرتو آں جوہر یافت
کان از نظر تربیت او زر یافت　　واں زر شرف از سکۂ شاہ اکبر یافت

بیچ میں۔ اللہ اکبر جل جلالہ۔ اور دوسری طرف یہ رباعی منقوش تھی:۔

ایں سکہ کہ پیرایۂ امید بود　　با نقش دوام نام جاوید بود
سیمائے سعادتش ہمیں بس کہ بدہر　　یک ذرۂ نظر کردۂ خورشید بود

سال الٰہی اور مہینا اس کے بیچ میں تھا اور ایک دوسرے سکے میں ایک طرف

پٹھان بادشاہوں کے زمانے کے مقابلے میں اب محصولات کا بوجھ بہت ہلکا اور کم ہو گیا تھا۔ اوائل زمان سلطنت یعنی ۹ سنہ ع میں جب کہ اکبر بالکل جوان تھا اور اس کی عمر صرف (۲۲) سال تھی اور بیشتر اس کے کہ فیضی اور ابوالفضل جیسے آزاد خیال کے لوگوں کا اثر پڑا ہو اکبر نے لفظ (خود جزیہ) کا محصول جو صرف ہندوؤں سے لیا جاتا تھا بالکل موقوف کر دیا۔ یہ محصول چوں کہ قومی تفریق پر مبنی تھا ہندوؤں کو بہت شاق تھا اس کی موقوفی نے اکبر کی ہردل عزیزی کو بہت ترقی دی اور غیر مسلمان اور غیر مذہب والوں کی تفریق اٹھ کر یکسانیت نے نہایت عمدہ اثر پیدا کیا۔ اسی طرح تیرتھ اور جاتراؤں کے جانے والوں سے جو محصول لیا جاتا تھا وہ بھی چھوڑ دیا گیا جس سے صاف ظاہر ہے کہ اوائل زمان سلطنت ہی میں اکبر کی پالیسی یہ تھی کہ ملک میں خوش حالی اور تہذیب کو ترقی دیئے بغیر سلطنت کا استحکام ایک امر محال ہے۔

منصبداران — عالانہ عہدہ داروں کا شمار فوجی افسروں کے زمرے میں ہوتا تھا خواہ وہ کسی خدمت پر مامور ہوں اور یہ لوگ منصبدار کہلاتے تھے۔ جن کے مدارج (۳۳) تھے جن کی تفریق بلحاظ تعداد اس جمعیت کے تھی جو ان کو رکھنی پڑتی تھی جمعیت کی تعداد دس ہزار سے لے کر دس نفری تک تھی۔ منصبداروں کی تنخواہ بلحاظ ان کے مدارج کے مقرر تھی اور عملاً ان کو اس تعداد میں جمعیت نہیں رکھنی پڑتی تھی جیسا کہ ان کے منصب کے لوازمہ میں ہوتا ہے۔ اعلیٰ درجہ کے منصب خاندان شاہی کے واسطے مخصوص تھے۔ منصبداروں کا طریقہ فارس کے ملک سے لیا گیا ہے جس کی باقاعدہ ترتیب اکبر کے عہد میں ۷۴-۱۵۷۳ء میں کی گئی۔ بہت سے امراء کو معافی اور مشروط بالخدمت میں قرار حاصل کی جاگیریں تھیں۔ علماء اور مشائخین اور بزرگان دین کو معافیات تھیں جو سیورغال کہلاتی تھیں۔

فوج اور فنانس — اکبر ایک عرصے سے ان خرابیوں اور بدنظمیوں کے مطلع تھا جو تنخواہ جاگیر سے مستلزم تھیں اکبر نے اس بد ساطریقہ کو یک قلم مسدود کر کے فوج کی تنخواہ نقدی مقرر کر دی تھی۔ جمعیت بیشتر سواروں کی تھی جن کی فراہمی منصبداروں اور جاگیرداروں کے

اراضی جاری کرنے سے مدبران ملک کے زمرے میں بہت مشہور ہے۔ اس کی صلاح وتدبیر سے اکبر نے مالگزاری کے قواعد جاری کیئے اور کل ملک کی اراضی کی پیمایش بندوبست اور تشخیص جمع قرار پائی۔ یہ بندوبست پہلے یکسالہ ہوا بعدوہ سالا میعاد کا۔ پیداوار کے لحاظ سے زمین کے آٹھ درجے قرار دیئے گئے تھے اور انھیں مدارج کے لحاظ سے زرلگان کا قرارداد کیا جاتا تھا۔ بٹائی کا طریقہ جس میں کچھ غلہ سرکار لیتی تھی اور باقی کاشتکار اور زمیندار کا ہوتا تھا یہ طریقہ یک قلم موقوف کرکے نقدی سسٹم جاری کیا گیا۔ تحصیلداروں۔ محصلوں۔ کامداروں۔ شق داروں۔ محصولداروں۔ عالداروں کی تنخواہیں مقرر ہوگئیں۔ اس سے یہ فائدہ ہوکہ رعایا سال بسال ایک رقم مقررہ داخل کرکے بےغم ہوجاتی تھی۔ تحصیلداروں۔ محصلوں۔ پیادوں اور مذکوریوں کی آئے دن کی بھینٹ پوجا سے رعایا چھٹ گئی اور طرح طرح کے جو محصولات اور بیگاریاں رعایا سے وصول کی جاتی تھیں سب موقوف کردی گئیں۔

ملک کی تقسیم کل ملک ذیل کے پندرہ صوبوں میں تقسیم کیا گیا جن میں سے بارہ ہندوستان میں تھے اور تین دکن میں۔ آگرہ۔ احمدآباد گجرات۔ اجمیر۔ الہ آباد۔ بنگالہ مع اوڑیسہ۔ بہار۔ دہلی۔ کابل بشمول کشمیر۔ لاہور مالوہ۔ ملتان بشمول سندھ۔ اودھ۔ احمدنگر۔ جو پوری طرح شاہجہاں کے زمانے میں فتح ہوا۔ برار۔ خاندیس یا داندیس۔ صوبے سو سے زیادہ سرکاروں یعنی ضلعوں میں تقسیم تھے اور اضلاع کی اندرونی تقسیم پرگنوں اور محالوں اور دستوروں میں تھی مثلاً آگرے کے صوبے میں تیرہ سرکار اور (۲۰۳) پرگنے تھے۔ سرکار آگرے کا رقبہ (۴۸۶) مربع میل تھا جس میں (۳۱) پرگنے اور چار دستور تھے۔ ہر صوبے میں ایک ایک سپہ سالار ہوتا تھا جو صوبہ دار کہلاتا تھا۔ صوبہ دار یا تو شاہی خاندان سے ہوتا تھا یا کوئی بڑا معتبر امیر ہوتا تھا جس کے اختیارات بہت وسیع ہوتے تھے۔ صوبہ دار کے ماتحت ایک دیوان ہوتا تھا جو صیغۂ مال کا ذمہ دار تھا۔ ایک فوجدار ایک کوتوال۔ ایک میرعدل یعنی منصف اور ایک قاضی رہتا تھا۔

رعایا کی عام حالت جزیہ وغیرہ محصولات کی موقوفی اکبر کے عہد میں رعایا ایسی خوش حال اور فارغ البال تھی کہ پہلے کبھی ایسی نہ تھی

ہمے شمس پرست خوانند و جمعے دہریہ دانند واللہ اعلم بالصواب"۔

راجہ ٹوڈرمل

راجہ ٹوڈرمل ذات کے ٹنڈن گوت کے کھتری اور لاہرپور علاقہ اودھ کے رہنے والے تھے۔ بیوہ ماں نے بڑی تنگ دستی اور افلاس کی حالت میں پالا تھا۔ اول عام متصدیوں کے زمرے میں ملازم ہوئے لیکن اپنی لیاقت اور کارگزاری کی بدولت بہت جلد ترقی پاکر دیوان کل کے عہدے پر سرفراز ہوئے۔ یہ پہلے ایک عرصے تک شیرشاہ کی سرکار میں رہ چکا تھا۔ بڑا اچھا محاسب تھا۔ بندوبست اراضی اور مالگزاری کے اصول و فروع کا بڑا واقف کار اور ماہر تھا کہ دربار اکبری میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا۔ فن سپہ گری میں کمال رکھتا تھا اور ایک اعلیٰ درجے کا سپہ سالار تھا۔ چتوڑ۔ رن تھنبور۔ سورت۔ گجرات۔ بنگالہ۔ خیبر اور پشاور وغیرہ کی مہموں پر بھیجا گیا اور صوبہ دار بھی رہا۔ ان معرکوں میں سپہ گری اور سرداری کے خوب جوہر دکھائے ۹۹۰ھ/۱۵۸۲ میں بادشاہ کا جشن ضیافت اپنے گھر میں سرانجام دیا۔ اکبر جیسے قدردان اور وفاداروں کا کارساز تھا اس کے گھر آیا اس کی عزت ایک سے ہزار ہو گئی۔ ۹۹۲ھ/۱۵۸۴ میں منصب چار ہزاری عطا ہوا۔ روز دوشنبہ ۱۱ محرم ۹۹۸ھ/۱۵۸۹ کو بمقام لاہور انتقال کیا۔ دنیا کا یہی چلن ہے کہ جب کوئی آدمی سربرآوردہ ہو جاتا ہے تو اس کے سو دشمن دو دوست ہو جاتے ہیں۔ زندگی میں تو منہ سے بھاپ نکالنے کی مجال نہیں زبان کاٹ لی جائے مرنے بعد دل کے پھپھولے پھوڑتے ہیں۔ ٹوڈرمل جیسے بالیاقت اور یگانۂ عصر کی نسبت کسی دل جلے نے یہ تاریخ کہی ہے جسے لکھتے ہوئے بھی ہمیں شرم آتی ہے۔ اسی قسم کی تاریخ بیجانگر کے مشہور وزیر باتدبیر رام راج کی بھی ہے "نعم دین مرگ بین" کہہ سکتے ہیں کہ یہ لوگ ہندو تھے مسلمانوں نے دل کی بھڑاس نکالی لیکن اسی طرح کسی دل جلے ہندو نے بھی اورنگ زیب کی وفات کا مادہ "مبتلا مرا" ۱۱۱۸ھ سے نکالا ہے۔

ٹوڈرمل آنکہ ظلمتش آفاق را گرفت — چوں شد سوئے جہنم گشتند خلق خرم
تاریخ رفتنِ او از پیرِ عقل جستم — شادی کناں بگفتا ہو رفت در جہنم

اکبری عہد کے بہت سے آئین و قواعد اور دفتر دیوان کے دستور العمل ان سے منسوب ہیں کہ ان میں بعض پر عمل ہوتے چلے آتے ہیں۔ ٹوڈرمل کا نام پہلے پہل ہندوستان

ابوالفضل

راجہ بھگوانداس

راجہ ٹوڈرمل

راجہ مان سنگہ

شہنشاہ جہاں را در وفاتش دیدہ پرنم شد سکندر اشک حسرت ریخت کافلاطون عالم شد

اکبر نے شیخ عبد الرحمن ولد ابو الفضل کو اور چند امرا کے ساتھ بھیجا اور راجہ کا قلع قمع کر دیا۔ امرائے اکبری کے دلوں کا حال اس نکتہ سے کھلتا ہے کہ **کوکلتاش** نے تاریخ لکھی۔ سے

یفعل اللہ ما یشاء یحکم اللہ ما یرید تیغ اعجاز نبی اللہ سر باغی برید

یعنی اگر لفظ سر باغی جو حرف ب ہے اس کے دو عدد خارج کر دو تو تاریخ نکلتی ہے۔ مگر ابو الفضل نے خود خواب میں کہا ہے کہ میری تاریخ تو بندہ **ابو الفضل** ہے۔ اور ایک تاریخ صاحب مفتاح التواریخ کی ہے:-

سر آہ و آرام چوں برکشیدم ابو الفضل جان داد تاریخ گفتم

ابو الفضل نے اپنی ساری عمر اکبر کی خیر خواہی اور وفاداری میں بسر کی اور وہ اکبر کا بڑا مورد عنایات تھا۔ عالم جید ہونے کے علاوہ ایک سورما سپاہی اور فنون حرب سے کامل ماہر اور ایک بڑے دالو کھات کا جنرل تھا۔ یہ سب سے اعلیٰ جنگی عہدے پر پہنچا اور بڑھتے بڑھتے وزارت کے جلیل القدر عہدے سے سرفراز و ممتاز ہوا۔ ابو الفضل کی زندہ یادگار **اکبر نامہ** اور **آئین اکبری** موجود ہیں۔ آئین اکبری کی تعریف حد بیان سے باہر ہے۔ آئین اکبری میں صرف آئین و قوانین کا ذکر ہے بلکہ دربار اکبری کی شکل ہو بہو نہایت حسن و خوبی سے سامنے کھڑی کر دی ہے۔ ممالک محروسہ کا مفصل بیان اور امور سلطنت کی پوری پوری تشریح کی ہے۔ غرض یہ کہ عہد اکبری کے نہایت دلچسپ اور مفصل حالات اس میں درج ہیں ۔۔۔ میں اگر آئین اکبری نہ لکھی جاتی تو اکبری عہد کے کارناموں اور سلطنت کے ضوابط اور قوانین سے آج ہم اسی طرح ناواقف ہوتے جیسے اس سے پہلے عہد کے بادشاہوں کے آئین و قوانین کے حال سے ہیں۔ ہندوستان میں اسلامی عہد کی کوئی تاریخ اس سے بہتر نہ پہلے لکھی گئی نہ اس کے بعد کسی نے لکھی۔ شیخ کی انشا پردازی اور مطلب نگاری کی آج تک دھوم ہے اور ہندوستان میں اب تک وہ سب سے بڑا انشا پرداز مانا جاتا ہے۔ بالعموم لوگ ابو الفضل کو کفر سے منسوب کرتے تھے چنانچہ صاحب مفتاح التواریخ لکھتے ہیں کہ تکفیر شیخ زبان زد خاص و عام است بعضے بکیش برہمن او را منسوب کنند۔

اور دوست میں تمہارے علاج کے لیے حکیم کو ساتھ لایا ہوں" تم بولتے کیوں نہیں ہو" وہاں بولتا کون؟ اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی جب جواب نہ ملا تو بادشاہ نے نہایت رنج والم سے اپنی پگڑی زمین پر پٹک دی اور چیخیں مار مار کر رونے لگا۔ فیضی کی مشہور تصانیف یہ ہیں ا۔ تفسیر سواطع الالہام بے نقط۔ موارد الکلم بے نقط در علم اخلاق۔ انشائے فیضی۔ دیوان تباشیر الصبح۔ مرکز ادوار۔ سلیمان و بلقیس۔ نل دمن۔ ہفت کشور۔ اکبرنامہ۔ ترجمہ لیلاوتی وغیرہ بعض تاریخ نویس ان کی کل تصانیف ایک سو ایک بتلاتے ہیں۔ مرتے وقت کتب خانے سے (۴۳۰۰) جلدیں بعض صحیح کی ہوئی برآمد ہوئیں۔ مذہب کے متعلق مفتاح التواریخ میں لکھا ہے کہ چون شیخ مذہب مقیدنہ بود این مصرعہ در تاریخ وفات او گفتہ اند۔ ع۔ فلسفی و شیعی و طبعی و دہری۔ تاریخ وفات۔

شیخ فیضی کہ فیض بے حد داشت اگرچہ در رہ علم خود موحد بود
در رہ دین فساد پیدا کرد در ہوائے ارباب شرع مفسد بود
زان سبب خامہ قضا و قدر نوشت آنکہ شیخ ملحد بود

ابوالفضل ۶ محرم ۹۵۸ھ/۱۵۵۱ء کو پیدا ہوا۔ برس سوا برس کی عمر میں صاف باتیں کرنے لگا پندرہ برس کی عمر میں زیور علم سے آراستہ ہو کر درس دینے لگا۔ ۹۸۱ھ/۱۵۷۳ء میں حسب الطلب مقام فتح پور دربار اکبری میں حاضر ہوا۔ مزاج شناسی۔ ادب۔ خدمت اور اطاعت گزاری علم و لیاقت سے اس طرح اکبر کا دل ہاتھ میں لیا کہ ہر وقت روئے سخن انہیں کی جانب ہوتا تھا اول بیستی (بیس سواروں کا افسر) کا منصب عطا ہوا ۹۹۳ھ/۱۵۸۵ء میں ہزاری اور سنہ ۱۰۰۶ھ میں دو ہزاری اور سنہ ۱۰۱۰ھ میں پچاس ہزار روپیہ نقد انعام سرفراز ہوئے۔ اسی سال آسیر میں ایسی کارگزاری دکھائی کہ اس صلے میں ۱۰۱۱ھ/۱۶۰۲ء میں حسب الطلب دکن سے دارالخلافہ کو روانہ ہوئے اس وقت شاہزادہ سلیم باپ سے بگڑا بیٹھا تھا اور وہ یہ سب کارستانی ابوالفضل ہی کی سمجھتا تھا اور سارے خلل کی جڑ سمجھ کر ناراض تھا اور راجہ نرسنگ راؤ بندیلہ کے ذریعہ سے اسے قتل کروا دیا جس کا مفصل حال ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ اکبر کو اس واقعۂ جانکاہ سے سخت صدمہ ہوا۔ ع۔ ہم سے اک بار ہی چھٹا ایسا کہ جی چھوٹ گیا۔ ۵

جان قربان ہوئی۔ سلیم اس بات کو دیکھ نہ سکتا تھا کہ اس کا باپ اُس سے زیادہ غیروں پر اعتماد کرے۔ جوں جوں دن گزرتے تھے سلیم کے دل میں حسد کی آگ زیادہ بھڑکتی چلی جاتی تھی۔ آخرکار سلیم نے اُسے قتل کرا کے ہی چھوڑا۔

فیضی بڑا عالم و فاضل تھا۔ فارسی اور سنسکرت دونوں زبانوں کا استاد مانا جاتا تھا کئی کتابوں کا ترجمہ کیا۔ فیضی اپنے بھائی کے کام میں بھی بڑی امداد دیتا رہتا تھا۔ فیضی شیخ مبارک ناگوری کا بڑا بیٹا تھا۔ ۹۵۴ھ ۱۵۴۷ء میں بمقام آگرہ پیدا ہوا۔ باپ نے ابوالفیض نام رکھا اور خود تعلیم و تربیت دی۔ فیضی نے بہت جلد جملہ علوم عقلی و نقلی میں جو ایشیا میں مروج تھے کمال حاصل کیا۔ ۹۷۴ھ ۱۵۶۶ء میں جب کہ اکبر نے چتوڑ پر چڑھائی کی تھی کسی تقریب سے دربار میں اس کا ذکر ہوا۔ اکبر نے فوراً طلب فرمایا۔ فیضی حاضر ہوا۔ اُس وقت حضور جس بارگاہ میں تھے اُس کے گرد جالی کا کٹہرہ لگا تھا۔ یہ اس کٹہرے کے باہر کھڑے کیے گئے۔ اُنھوں نے خیال کیا کہ اس طرح کلام کا مزہ نہ آئے گا۔ اُسی وقت یہ قطعہ موزوں کر کے پڑھا: قطعہ

بادشاہا درون پنجرہ ام از سر لطف خود مرا جادہ
زاں کہ من طوطی شکر خایم جائے طوطی درون پنجرہ بہ

اکبر اس بلاغت کلامی سے مسرور ہوا اور پاس آنے کی اجازت دی۔ جو قصیدہ اُنھوں نے اول دربار میں پڑھا اُس میں تین کم دو سو شعر ہیں۔ مطلع یہ ہے:

سحر نوید رساں قاصد سلیمانی رسید ہمچو سعادت کشادہ پیشانی

جو شہزادہ پڑھنے کے قابل ہوتا تھا اکبر فیضی ہی کو اس کا استاد مقرر کرتا تھا۔ ۹۹۰ھ ۱۵۸۲ء میں آگرہ کا پہاڑ کا تنجیر تحقیقات معانی کی خدمت ان کے سپرد ہوئی۔ ۹۹۶ھ ۱۵۸۸ء میں ملک الشعرا کا خطاب مرحمت ہوا۔ ۹۹۹ھ ۱۵۹۱ء میں راجی علی خاں حاکم خاندیس کی سفارت پر بھیجے گئے جہاں سے ۱۰۰۱ھ ۱۵۹۲ء میں واپس ہوئے۔ ۱۰ صفر ۱۰۰۴ھ ۱۵۹۵ء کو ضیق النفس اور تپ دق کے مرض میں مبتلا ہو کر پچاس سال کی عمر میں انتقال کیا۔

آدھی رات کا سماں تھا کہ اکبر کو خبر پہنچی کہ فیضی اس جہان سے رخصت ہونے والا ہے۔ اکبر اُسی وقت گھبرایا ہوا حکیم علی کو ساتھ لے کر فیضی کے پاس پہنچا۔ بیمار کے پلنگ کے پاس دوزانو بیٹھ کر اس کا سر اُٹھا کر کہنے لگا شیخ جی!

اور حق پوچھو تو اُن کے چٹکلوں اور چہلوں کا وہی وقت تھا کہ خلوت خاص اور مقام بے تکلف ہوتا تھا۔ ۹۹۴ھ میں مہم سواد اور باجوڑ پر زین خاں کوکہ سپہ سالار بناکر بھیجے گئے۔ انھوں نے وہاں سے امداد کے واسطے لکھا۔ دربار میں تحریر درپیش تھی کہ کون امیر بھیجا جائے۔ ابوالفضل سے درخواست کی کہ فدوی کو بھیج دیا جائے۔ بیربل نہ معلوم مسخرے پن سے یا اس خیال سے کہ بادشاہ مجھے جدا نہ کریں گے معت کرم داشتن کا مضمون ہو جائے گا۔ جھٹ بول اُٹھے کہ غلام کو بھیج دیا جائے۔ چوں کہ ان کا پیمانۂ حیات لبریز ہو چکا تھا۔ بادشاہ نے قرعہ ڈالا۔ موت کے فرشتے نے اس ہی کا نام پیش کردیا۔ اکبر کو اگرچہ ایک دم کو اس کی جدائی گوارا نہ تھی مگر نہ معلوم کس طرح اجازت دی اور اپنے خاصہ کا توپ خانہ ساتھ کیا اور بڑی محبت سے رخصت کیا اور کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا "بیربل جلد آنا" غرض بے چارے آفت کے مارے گئے۔ آگے داستان طول طویل ہے۔ حاصل کلام یہ کہ لاڈلے راجہ محلوں کے شیر تھے مرد شمشیر نہ تھے۔ مہم بگڑی سو بگڑی یہ بھی اس گھڑی کے گئے کہ پھر لوٹ کر آنا نصیب نہ ہوا اور ماہ ربیع الاول ۹۹۴ھ میں یوسف زیوں کے ہاتھ سے مارے بھی گئے تو ایسے کہ لاش تک کا پتہ نہ لگا۔ اکبر کو ایسا رنج ہوا کہ دو دن برابر کھانا نہ کھایا۔ ان کے لطائف کثرت زبان زد ہیں مگر ثقاہت سے گرے ہوئے ہیں۔ ایک پہیلی اُن کی لکھی جاتی ہے۔ باتوں کا صرف اس سے ہی اُن کی لیاقت اور متانت کا کھوٹا کھرا پرکھے گا۔ پہیلی۔ (مال پُوا)

گھی میں عرق سوا میں میٹھا۔ بن بیلن وہ بیلا ہے کہیں بیربل سنیں اکبر۔ یہ بھی ایک پہیلا ہے

فیضی اور ابوالفضل

مسلمان امیروں میں اکبر کے سب سے بڑے معتمد شیخ ابوالفیض فیضی اور شیخ ابوالفضل تھے۔ فیضی اکبر کے ۱۲ سنہ میں ملازمت شاہی میں داخل ہوا۔ اس کے چھ برس بعد ابوالفضل جو صرف اٹھارہ برس کا گبرو جوان تھا حضوری میں باریاب ہوا اور درباریوں کے زمرے میں شامل کر لیا گیا۔ یہ دونوں بھائی اکبر کے داہنے بائیں ہاتھ تھے وہ دل و جان نثار تھے اور اکبر ہی کا کلمہ پڑھتے تھے۔ اکبر بھی ان کی بڑی خاطر مدارات کرتا تھا اور جان سے عزیز جانتا تھا اور اسی حلاوت عقیدت پر ابوالفضل کی

اکبر کے بڑھاپے کے زمانے کی شکل ہے۔ اس کے داہنی طرف ہندو راجہ ہیں جن کی طرف وہ دیکھ رہا ہے ان میں سے دوسرا اور تیسرا مان سنگھ اور ٹوڈرمل ہیں باقی سب مسلمان امرا ہیں۔ اکبر کی بائیں جانب دوسرا اور تیسرا فیضی اور ابوالفضل ہیں یہ دونوں بھائی اکبر کے نہایت ہی معتمد خیرخواہ تھے۔ جیسا دکھائی دے رہا ہے کہ خود اکبر اس کے اخلاص مند ابوالفضل کے سوا اور تینوں ہندوؤں کی ڈاڑھیاں نہیں ہیں باقی سب مسلمانوں کی ڈاڑھیاں ہیں اکبر کے ہاتھ میں ایک بیچوان حقے کی نے جو اس کے آگے رکھا ہوا ہے۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ راجہ بھگوان داس اور راجہ مان سنگھ دونوں فوج اکبری کے سپہ سالار اور صوبہ دار تھے۔ مان سنگھ پہلے بنگالے کا صوبہ دار ہوا پھر بہار کا پھر دکن کا اور آخر کابل کا۔ اس نے اڑیسہ کا ملک فتح کر کے ملکات اکبری میں شامل کیا۔ اکبر کو اپنے فوجی افسروں میں سب سے بڑھ کر بھروسہ راجہ مان سنگھ ہی پر تھا۔

مہیش داس المعروف بہ راجہ بیربل

کوئی برہمن کہتا ہے کوئی بھاٹ کالپی کا رہنے والا تھا۔ بدایونی نے اس کا نام گرامی برہم داس لکھا ہے۔ ابتدا میں دوسرے بھاٹوں یا منگتا برہمنوں کی طرح کبت پڑھ پڑھ کر بھیک مانگتا پھرتا تھا۔ اس کے بعد راجہ رام چند ریکھٹہ کی سرکار میں نوکر ہو گیا۔ جب قسمت نے زور مارا تو ابتدائے جلوس میں کہیں اکبر سے ملاقات ہو گئی۔ گویا پارس ہاتھ لگا۔ خدا جانے کیسی شبھ گھڑی تھی کہ دن دونی رات چوگنی ترقی ہونے لگی اور اکبر کے مزاج میں ایسا دخل پیدا کیا کہ ایک جان دو قالب کا مضمون ہو گیا۔ یہ وہی شخص ہے جس کے لطائف و ظرائف مشہور و زبان زد خاص و عام ہیں اور بدایونی بھی اس کی ظرافت اور حذاقت کی تعریف کرتا ہے۔ پہلے کب رای اور پھر راجہ بیربل بنے سفارت کا کام بھی وقتاً فوقتاً اس سے لیا جاتا تھا۔ اگرچہ بظاہر دو ہی ہزار کا منصب تھا لیکن عنایت اس قدر تھی کہ کچھ ٹھکانا وار و دوہش کا نہ تھا۔ ہزاروں لاکھوں کے وارے نیارے ہوتے رہتے تھے۔ صاحب السیف والقلم بھی خطاب میں مستزاد ہوا یعنی تلوار اور قلم دونوں کے دھنی سبحان اب باقی کیا رہا۔ اکبر کے بڑے گہرے دمساز اور محرم راز تھے۔ کسی قسم کا پردہ نہ تھا یہاں تک کہ بعض وقت حرم سرا کے اندر بھی بلا لیے جاتے تھے۔

اکثر گاتے بجانے کو بلایا جاتا تھا۔ تصویر کو دیکھو اس میں تان سین اکبر کے سامنے فرش پر بیٹھا ستار بجا کر گا رہا ہے اور وہ توجہ سے سُن رہا ہے۔ یہ ایک بہت پرانی تصویر کی نقل ہے جو اس وقت کھینچی گئی تھی جب اکبر کی عمر اُس وقت سے کم تھی جب کہ اس کی تصویر نورتن کے ساتھ بنی تھی۔ تان سین ایک بڑا مشہور شاعر اور گویا تھا جسکو اکبر نے ریواں کے راجہ کے پاس سے جبراً ملوا لیا تھا۔ ابوالفضل کہتا ہے کہ فن موسیقی کا ایسا باکمال استاد ہزار برس سے ہندوستان میں پیدا نہیں ہوا تھا اور یہ بات واقعی ہے کیوں کہ اب تک بھی گویئے اس کا نام سنتے ہی ادب سے کان پکڑ لیتے ہیں۔ اکبر کے فن تعمیر کے مذاق سلیم اور شوق کی مادی یادگار فتح پور سیکری کی وہ متعدد عمارتیں ہیں جو آج تک بھی عجائبات ہیں۔ رکمتیں ویسٹ سمتھ صاحب یہاں بھی چوٹ کرتے ہیں کہ اکبر نے اس شہر کی تعمیر میں جہاں چند سال ہی دارالسلطنت رہی ایک رقم خطیر برباد کردی۔

نورتن اکبری

اکبر کا دربار تو واقعی دُربار تھا۔ کیسے کیسے یگدہ جواہر اکبر کی قدرشناس نگاہ نے چن کر آسمان سلطنت کو جگمگا دیا تھا۔ اگر سب کا بیان لکھیں تو بس اسی کے ہو رہیں لیکن مصداق مشتے نمونہ از خروارے بڑے بڑے نامی گرامی ارباب کا ذکر جا بجا آ ہی گیا ہے اختیار کا ذکر اور بس سیجیے جو اس چودھویں رات کے چاند کے گرد کے ستارے تھے۔ اکبر کے خاص مصاحبین کو چھوڑ کر بھی اس کے ہم نشیں مشاہیر زمانہ اور بڑے بڑے چند علمائے وقت تھے جن میں کا ایک ایک فرد فرید سلطنت چلانے کی ذاتی قابلیت رکھتا تھا۔ ہندو ہو یا مسلمان کسے باشد۔ ع۔ متاع نیک ہر دکان کہ باشد اکبر کی رکاب اور انتخاب لاجواب تھا۔ اور سچ کہا ہے کہ ع۔ قدر جوہر شاہ داند یا بداند جوہری۔ نقاد بھی تو ایسا ہو جانثار بھی ہوں تو ایسے۔ اکبر نے قدردانی اور عزت افزائی میں بھی حوصلہ شاہی دکھلایا۔ ذروں کو آفتاب بنایا۔ یہی وجہ تھی کہ ہندو مسلمان سب دل و جان سے لینے اوشاہ پر فدا اور جہاں اُس کا پسینہ گرے خون بہانے کو طیار تھے۔ راجہ بکرم کے دربار میں جس طرح نورتن تھے اسی طرح اکبر کے دربار میں بھی تھے۔ سامنے کے صفحے پر جو تصویر ہے اس میں بادشاہ اپنے نورتن کے بیچ درمیان میں بیٹھا ہوا ہے۔ اس تصویر میں

اکبر اور اُس کے نورتن -

کیوں کہ وہ اپنے ظالم چچا کے پاس قید تھا جس نے اس کی تعلیم و تربیت عمداً تغافل کیا۔ ہاں اکبر کو یہ شوق ضرور تھا کہ وہ اوروں سے پڑھوا پڑھوا کر کتابیں سنا کرتا تھا۔ اکبر نے ایک بڑا بھاری کتب خانہ جمع کیا تھا جس میں چوبیس ہزار کے قریب قلمی کتابیں تھیں جن کی قیمت کا اندازہ ونسنٹ سمتھ صاحب ۶۵ ½ لاکھ روپیہ لگاتے ہیں اُس کو نقاشی کا بڑا شوق تھا اور بہت سی عمدہ عمدہ تصویریں اُس کے ہاں جمع تھیں اُس کے دربار میں اٹھارہ مشہور مصور ملازم تھے۔ شعر و سخن کا اچھا مذاق رکھتا تھا اور موسیقی کا بھی دل دادہ تھا۔ کانوں کا رسیا تھا گانا سن کر بہت محظوظ ہوتا تھا۔ تان سین نامی مشہور گویا

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۶۷) کہ دونوں انگریزی سے نابلد محض تھے مگر چوں کہ انگریزی اُن کا اوڑھنا بچھونا تھا ایسی سمجھنے لگے تھے جیسا کہ اُس کا حق ہے۔ پس اکبر کیا گوش زدہ اخر وارو کے کلیئے سے مستثنیٰ تھا اگر ایسا تھا تو بڑا اگٹھل تھا۔ اکبر کی جہالت پر ہزار علمی فضیلت قربان۔ مبلغِ علم کی جو غرض و غایت تھی وہ بوجہ احسن اُسے حاصل تھی۔ لاکھ عالموں کو اس ایک جاہل پر صدقے کیا تھا۔ خیر۔ اکبر لکھ بھی سکتا تھا اور پڑھ بھی سکتا تھا مگر نہ ایسا کہ جیسے فیضی اور ابوالفضل۔ وہ ایسا ہی عالم تھا جیسے کہ سرسید محسن الملک منشی ذکاء اللہ مولوی نذیر احمد حالی شبلی وغیرہم کہ جو دورِ آخری کے مستند علماء و فضلا تھے ان میں سے ایک بھی یونیورسٹی کا ڈگری یافتہ نہ تھا مگر کیا سارے ہندوستان میں کوئی بڑی سے بڑی ڈگری والا خواہ اُس کے نام کے ساتھ ساری اے بی سی ڈی کا دُم چھلا لگا ہو ان کی گرد کو بھی پہنچ سکتا ہے؟ ۔ یک من علم را دہ من عقل باید۔ تو اکبر کی وہ من عقل میں تو کسی بھی کلام نہیں۔ وہ بچپنے ہی میں اچھے اچھوں کے کان کترتا تھا۔ ؎

اس چھوٹے سے سن میں یہ بلا ہو ۔۔۔ پھر دیکھیے آگے آگے کیا ہو

سو آگے چل کر وہ کیا ہوا کسی پر مخفی نہیں۔ اکبر جاہل محض رہا ہو یا عالم متبحر نتیجہ واحد۔ اس جاہل کا ایک قطعہ ہمارے ہاتھ لگا ہے جسے ہم تبرکاً لکھتے ہیں ناظرین دیکھیں اور انصاف کریں کہ یہ جاہل کا قول ہے؟ قطعہ

دوشینہ بکوے می فروشاں ۔۔۔ پیمانۂ مے بزر خریدم

اکنوں ز خمار سرگرانم ۔۔۔ زر دادم و دردسر خریدم

بدگمانی کا خدا بھلا کرے لوگ کہہ دیں گے کہ فیضی یا ابوالفضل سے کہلوا لیا ہوگا اور نام اپنا کر دیا۔ اس کا جواب میرے پاس بھی کچھ نہیں ہے۔ ۱۲

تان سین اکبر کے سامنے گا رہا ہے

کیوں کہ وہ اپنے ظالم چچا کے پاس قید تھا جس نے اس کی تعلیم و تربیت عمداً تغافل کیا۔ ہاں اکبر کو یہ شوق ضرور تھا کہ وہ اوروں سے پڑھوا پڑھوا کر کتابیں سنا کرتا تھا۔ اکبر نے ایک بڑا بھاری کتب خانہ جمع کیا تھا جس میں چوبیس ہزار کے قریب قلمی کتابیں تھیں جن کی قیمت کا اندازہ ونسنٹ سمتھ صاحب ۶۵ ½ لاکھ روپیہ لگاتے ہیں اُس کو نقاشی کا بڑا شوق تھا اور بہت سی عمدہ عمدہ تصویریں اُس کے ہاں جمع تھیں اُس کے دربار میں اٹھارہ مشہور مصور ملازم تھے۔ شعر و سخن کا اچھا مذاق رکھتا تھا اور موسیقی کا بھی دل دادہ تھا۔ کانوں کا رسیا تھا گانا سن کر بہت محظوظ ہوتا تھا۔ تان سین نامی مشہور گویا

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۶۷) کہ دونوں انگریزی سے نابلد محض تھے مگر چوں کہ انگریزی اُن کا اوڑھنا بچھونا تھا ایسی سمجھنے لگے تھے جیسا کہ اُس کا حق ہے۔ پس اکبر کیا گوش زدہ اخر واردو کے کلیئے سے مستثنیٰ تھا اگر ایسا تھا تو بڑا اگھل تھا۔ اکبر کی جہالت پر ہزار علمی فضیلت قربان۔ مبلغ علم کی جو غرض و غایت تھی وہ بوجہ احسن اُسے حاصل تھی۔ لاکھ عالم کو اس ایک جاہل پر صدقے کیا تھا۔ خیر۔ اکبر لکھ بھی سکتا تھا اور پڑھ بھی سکتا تھا مگر نہ ایسا کہ جیسے فیضی اور ابوالفضل۔ وہ ایسا ہی عالم تھا جیسے کہ سرسید محسن الملک نیشنی فرکا الله مولوی نذیر احمد حالی شبلی وغیرہم کہ جو دور آخری کے مستند علما و فضلا تھے ان میں سے ایک بھی یونیورسٹی کا ڈگری یافتہ نہ تھا مگر کیا سارے ہندوستان میں کوئی بڑی سے بڑی ڈگری والا خواہ اُس کے نام کے ساتھ ساری اے بی سی ڈی کا دُم چھلا لگا ہو ان کی گرد کو بھی پہونچ سکتا ہے؟ ۔ یک من علم را دہ من عقل باید۔ تو اکبر کی وہ من عقل میں تو کسی کو بھی کلام نہیں۔ وہ بچپنے ہی میں اچھے اچھوں کے کان کترتا تھا۔ ع

اس چھوٹے سے سن میں یہ بلا ہو — پھر دیکھیے آگے آگے کیا ہو

سواس کے چل کر دہ کیا ہوا کسی پر مخفی نہیں۔ اکبر جاہل محض رہا ہو یا عالم متبحر نتیجہ واحد۔ اس جاہل کا ایک قطعہ ہمارے ہاتھ لگا ہے جسے ہم تبرکاً لکھتے ہیں ناظرین دیکھیں اور انصاف کریں کہ یہ جاہل کا نزل ہے؟ قطعہ

دوشینہ بکوے می فروشاں — پیمانۂ مے بزر خریدم
اکنوں ز خمار سر گرانم — زر دادم و درد سر خریدم

بدگمانی کا خدا بھلا کرے لوگ کہہ دیں گے کہ فیضی یا ابوالفضل سے کہلوا لیا ہوگا اور نام اپنا کر دیا۔ اس کا جواب میرے پاس بھی کچھ نہیں ہے۔ ۱۲

دبے لفظوں وہ باتیں لکھی ہیں۔ اُس کے نزدیک خلاف اَھلُ البَیتِ اَدریٰ بِمَا فِی البَیتِ (گھر کا بھید کچھ گھر والا ہی خوب جانتا ہے) ایک ڈچ مصنف وان ڈن بروک Vanden Broecke (۱۶۲۸-۲۹ء) کی تحریر بہت موثق اور معتبر ہے کہ اُس کا ماخذ سرکاری وقائع ہیں۔ وہ یہ ہے۔ "بادشاہ کے سنبھل جانے کی ابھی توقع تھی کہ شہزادہ سلیم حضوری میں باریاب ہوا۔ بادشاہ اپنی دستار سلیم کے سر پر رکھ دی اور کمر سے وہ تلوار باندھ دی جو کہ اُس کے باپ ہمایوں کی تھی"۔ یہ واقعہ چونکہ سیدھا سادا ہے بالکل قرین قیاس ہے۔ خسرو کی پلاٹ ممکن ہے کہ کچھ جان رکھتی ہو لیکن اس میں ناکامیابی کی بڑی وجہ یہ تھی کہ امرائے جاں نثار اور وفادار جنھوں نے اکبر کا نمک کھایا تھا وہ کانوں پر ہاتھ دھرتے تھے اور ہرگز اس بات کے روادار نہ تھے کہ جس بادشاہ کی ساری عمر ہم تابعداری کرتے رہے اور جاں نثاری کا دم بھرتے تھے اس خاص معاملے میں شاہی منشا کے خلاف ذرا سی بھی سلسلہ جنبانی کریں۔

اکبر کا علمی مذاق

اکبر خود کوئی ذی علم[1] شخص نہ تھا بلکہ ایک زمانہ تو اُس پر ایسا کٹھن گزرا کہ لکھنا پڑھنا تو کیا اُس کی جان کے بھی لالے پڑے ہوئے تھے

[1] ونسنٹ سمتھ صاحب اپنی تاریخ کے صفحہ ۸۷، ۸۸ میں لکھتے ہیں کہ "اکبر اپنے جانشینوں کے دوسرے تیموریوں کی طرح علم دوست اور ہنر پرور تھا۔ لڑکپن میں وہ پڑھنے سے بھاگتا رہتا تھا اور مدت العمر پڑھنے لکھنے سے جاہل (محض) رہا۔ پڑھنا تو کجا وہ اپنا نام تک بھی نہ لکھ سکتا تھا لیکن وہ مداومت کے ساتھ لوگوں سے پڑھوا پڑھوا کر سنا کرتا تھا اور اس طرح اس نے کان کے ذریعے سے ایسا اکتساب کیا کہ بہت سے لوگ آنکھوں سے (بھی) نہیں کر سکتے۔ اُس کا حافظہ حیرت انگیز طور پر قوی تھا اور سمجھ اُس کی بڑی تیز تھی"۔ ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اکبر کی تعلیم باقاعدہ نہیں ہوئی کیونکہ اُسے تحصیل علم کا موقع ہی نہیں ملا۔ سر منڈاتے ہی اولے پڑے۔ لیکن یقیناً وہ ایسا کندۂ ناتراش بھی نہ تھا کہ اپنا نام تک نہ لکھ سکے۔ ہم نے خود سرسید اور نواب محسن الملک مرحوم میں معمولی تحریروں کو دیکھا ہے (بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

سلیم کو بڑھاوے چڑھاوے دیئے ۔ سلیم کی بغاوت انھیں حضرات کی ریشہ دانیوں کا نتیجہ تھا ۔

اکبر کے اولاد اور شہزادہ سلیم کی ولی عہدی

ضرور نہیں کہ دنیا میں سب طرح کا امن و فراغ ایک شخص واحد کی ذات میں جمع ہو جائے ۔ اکبر نے اولاد کی طرف سے سکھ نہ پایا ۔ ناشاد مراد اکبر کی وفات سے پانچ برس پہلے ہی سدھار گیا ۔ **دانیال** وہ بھی ڈیڑھ برس پہلے باپ کو داغ مفارقت دے گیا ۔ دونوں شراب خانہ خراب کی بھینٹ چڑھے ۔ رہا سلیم شراب پر وہ بھی مرا ہوا تھا ۔ مگر اُس نے قوی اچھے پائے تھے جھیل لے گیا ۔ دو بیٹوں نے جوان مرگی کا داغ دیا تو تیسرے صاحب کی اولوالعزمی نے بغاوت کے پردے میں بڈھے باپ کو چین نہ لینے دیا ۔ پیری و صد عیب اکبر کی کمر بیٹھ گئی ۔ افیون کا شغل کرنے لگا جس نے سکھا کر اچور کر دیا ۔ نقاہت اور کمزوری کے آثار آشکارا ہونے لگے ۔ ؎

ہوش و حواس و تاب و تواں داغ جا چکے — اب ہم بھی جانے والے ہیں سامان تو گیا

راجہ مان سنگھ اور دوسرے بلند پایہ امرا جو گورمنٹ کی روح رواں تھے سلیم کے ہاتھ میں اختیارات چلے جانے سے سہمے ہوئے تھے ۔ ان سب نے ایک ایسی گہری چال چلی کہ سلیم کو دودھ کی مکھی کی طرح نکال کر پھینک دینا چاہا اور کوشش اس کی کی کہ اکبر سلیم کے بیٹے خسرو کو اپنا ولی عہد مقرر کرے ۔ لیکن خدائی سلیم کی طرف تھی ۔ ع ۔ دشمن چہ کند چو مہربان باشد دوست ۔ کسی کی کچھ نہ چلی ۔ ؎

نہ کچھ شوخی چلی بادِ صبا کی — بگڑنے میں بھی زلف اُس کی بنا کی

اکبر کے آخری حالات چشم دید کسی نے لکھے نہیں البتہ توزک جہانگیری میں اس کا ذکر ہے جس کی نسبت وِنسنٹ سمتھ لکھتے ہیں کہ اس میں کثرت سے جھوٹ اور بالکل

ؔ۱ یہ قول ونسنٹ سمتھ صاحب کا ہے اور راسٹن صاحب لکھتے ہیں کہ اکبر کی غذا بہت کم تھی ۔ اس نے شاید ہی کبھی شراب پی ہو افیم کبھی کھائی ہی نہیں ۔ دونوں روایتوں میں بعد المشرقین اور آسمان زمین کا فرق ہے ۔ اب فیصلہ کون کرے اور کیوں کر کرے ۔ ۱۲۰

اگر کوئی خدائے تعالیٰ کا کرشمۂ قدرت مشاہدہ کرنا چاہتا ہے تو آفتاب۔ آگ اور ستاروں کو دیکھے۔ جس طرح قدیم آرین قوم کے لوگ ان کی پرستش کرتے تھے تم بھی کر سکتے ہو۔ لیکن اکبر نے کبھی کسی پر ذرا سا بھی دباؤ نہیں ڈالا کہ وہ عقائد میں اُس کے ہم زباں ہو۔ لیکن اَلنَّاسُ عَلٰى دِيْنِ مُلُوْكِهِمْ یعنی لوگوں کی عادت میں داخل ہے کہ جو دین بادشاہ کا وہی ہمارا۔ بہت سے لوگ اکبر کی خوشامد اور اپنا رسوخ بڑھانے کے لیے سمیر یا دعساں دین الٰہی کے کلمہ گو ہو گئے مگر اکبر کا مرنا تھا کہ یہ مذہبی گرم جوشی سرد پڑ گئی اور یہ نیا مذہب بھی اُس کے موجد کے ساتھ دفن ہو گیا۔ اور بھٹکے بھٹکائے لوگ اپنے اپنے ٹھکانے سر آن لگے۔ اکبر کے صلح کل ہونے کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اُس کی کئی بیبیاں مختلف مذاہب کی تھیں ہر بی بی اپنے اپنے طریقے پر چلتی تھی۔ ہندو حرم بیویوں کے مندر الگ پوجاری جُدا۔ وہ اس معاملے میں بالکل آزاد تھیں کہ جس طرح اُن کا دل چاہے اپنے معبود کی پرستش کریں۔ ؎

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد　　کسے را با کسے کارے نباشد

کبھی کبھی تالیف قلوب کے لیئے خود بھی ماتھے پہ تلک لگا لیتا تھا اور گلے میں تار (جنیو) بھی ڈال لیتا تھا۔ جیسا کہ اِس تصویر سے واضح ہے جس میں اکبر ہند والی لباس میں دکھلایا گیا ہے۔ آخر عمر میں اکبر کچھ ضعیف العقل ہو گیا تھا اور اپنے آپ کو کچھ درجۂ انسانیت سے برتر سمجھنے لگا تھا۔ کسی مُلّا نے بادشاہ کی ہجو میں ایک قطعہ کہا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ ”اُس سال تو بادشاہ نے پیغمبری کا دعویٰ کیا ہے سال آئندہ دیکھیئے گا کہ خدائی کا دعویٰ کرے گا“ اکبر کے سکہ پر اللہ اکبر مضروب تھا۔ جس کے ظاہری معنے تو یہ ہیں کہ اللہ بڑا ہے مگر اس کے معنے یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اکبر اللہ ہے۔ چنانچہ فیضی نے ایک نظم میں لکھ ہی دیا تھا کہ اکبر کا دیدار خدا کا دیدار تھا۔ ایسی حالت میں راسخ الاعتقاد اور پکے دیندار مسلمان علما۔ فضلا۔ محدث اور فقہا کیوں کر اکبر کو سراہ سکتے تھے۔ اُن میں سے بعض لوگوں نے

له یہ بات تو کوئی قابل اعتراض نہیں کیوں کہ اَلسُّلْطَانُ ظِلُّ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ کے بھی قریب قریب یہی معنے ہیں اور پھر شعر کا مبالغہ ایک حاشیہ طبعی ہے۔ ۱۲

نام بھی الگ الگ تھے ۔ درست انداز کا ذکر پہلے آ چکا ہے جس سے چتوڑ کے جیمل کو مارا تھا۔ اس بندوق سے اکبر نے اُنیس سو شکار مارے تھے ۔ ڈاڑھی منڈواتا تھا اور ڈاڑھی منڈوں کو پسند کرتا تھا۔ چوں کہ اُس کی کئی بیویاں ہندنیاں تھیں، یہ اُسی کا اثر تھا۔ جوں جوں عمر بڑھتی جاتی تھی اکبر کا دل نرم پڑتا جاتا تھا اکبر کو بڑے بڑے معرکے پیش آئے ۔ کیسی کیسی بھاری بھاری لڑائیاں لڑیں مگر اُس نے کبھی کسی مُلک کو اُجاڑا نہیں اور نہ کسی جگہ کی رعایا کو نوچا کھسوٹا۔ لیکن باپ کے برعکس چھٹپنے میں سلیم نہایت بے رحم تھا۔ ایک دفعہ اکبر نے سنا کہ شہزادے صاحب نے کسی کی جیتے جی کھال کھچوا لی ۔ اکبر کو بڑا افسوس ہوا اور کہنے لگا۔ "تعجب ہے کہ جو شخص مری بکری کی کھال اُترتی دیکھ کر کُڑھے اُس کا بیٹا کیوں کر کسی جیتے جاگتے انسان پر ایسا ظلم و ستم روا رکھ سکتا ہے" اکبر کی تعلیم بالکل معمولی تھی مگر اُس کے مذہبی خیالات بہت وسیع تھے وہ کہا کرتا تھا کہ ہر مذہب میں راستی اور نیکی کا عنصر موجود ہے۔ جو اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتا ہے وہ ہر جگہ اُس کے دیدار سے مشرف ہو سکتا ہے۔ مسلمان مسجدمیں ۔ ہندو مندر میں عیسائی گرجے میں یکساں طور پر اُس کا جلوہ دیکھتے ہیں ۔ اپنی آزاد خیالی اور بے تعصبی کی وجہ سے وہ ہندوؤں پر بڑا مہربان تھا۔ اکبر کے عہد میں ہر شخص کو پوری پوری مذہبی آزادی تھی ۔ ہر شخص مختار و مجاز تھا کہ جو مذہب چاہے اختیار کرے اُس کے سکّے پر یہ شعر کندہ تھا ۔ ؎

راستی موجب رضائے خداست کس ندیدم کہ گم شد از رہ راست

اس کو شوق تھا کہ اپنے دربار میں ہر قوم و ملت کے عالموں اور پیشواؤں کو بلاتا۔ اکثر جمعرات کو مجلس مباحثہ عبادت خانے میں منعقد ہوتی اور یہ لوگ اپنے اپنے مذہب کی تائید میں تقریریں کرتے۔ سُنی ۔ شیعہ ۔ برہمن ۔ پارسی ۔ عیسائی ۔ یہودی سب باری باری سے اپنے مذہب کی صداقت کے ثبوت میں دلائل پیش کرتے مدتوں یہ بحث مباحثہ جاری رہا آخر کار اکبر نے ایک نیا مذہب نکالنے کا ارادہ کیا جس کا نام دینِ الٰہی رکھا۔ جس مذہب کی جو بات پسند آئی وہی اکبر نے دین الٰہی میں لے لی ۔ دین الٰہی کے تعلیمی اصول یہ تھے کہ خدا ایک ہے اور اکبر اس کا خلیفہ ہے۔ اکبر کہتا تھا

چھوڑ کر تیسرا اسٹیشن ہے۔ اس کی قبر ایک غریبانہ وضع کی عمارت ہے اُس کے دل کی روشنی اور نیک نیتی کی برکت ہے کہ آج تک آنتری کے لوگ ہر جمعرات کو وہاں چراغ جلاتے اور چڑھاوے چڑھاتے ہیں:۔ ؎

مجنوں پڑا کے چلے جاتے ہیں صحرا کی طرف ۔ گور مجنوں پہ کہیں آج چراغاں ہوگا
ہاتھ چومیں گے مرے گبر و مسلماں تو ۔ ایک میں دست صنم ایک میں قرآں ہوگا

اکبر کی تصویر

اکبر کی تصویریں جابجا موجود ہیں مگر چونکہ سب میں اختلاف ہے کسی پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے ہم اُس کی تصویر پیش کرتے ہیں جو جہانگیر نے اپنی تزک میں عبارت اور الفاظ سے کھینچی ہے۔ حلیہ یہ تھا۔ لمبا بالا۔ میانہ قد۔ گندمی رنگ آنکھیں اور بھویں سیاہ گورے پن نے صورت کو چمک نہیں دیا تھا۔ نمکینی زیادہ تھی۔ شیر اندام۔ سینہ کشادہ چھاتی اُبھرا ہوا۔ دست و بازو لمبے بائیں نتھنے پر ایک مسّا آدھے چنے کے برابر جو لوگ علم قیافہ میں مہارت رکھتے ہیں اسے بڑی دولت و اقبال کا نشان سمجھتے ہیں۔ آواز بلند تھی گفتگو میں لذت اور قدرتی نمکینی تھی بیچ درج میں عام لوگوں اس سے کچھ مناسبت نہ تھی گفتگو و عادات اس کے صورت حال سے سردار تھی یہ تو وہ تصویر ہے جو بیٹے نے باپ کی کھینچی اب دوسرے مورخوں نے ذرا اس تصویر میں رنگ بھرا ہے وہ ملاحظہ

اکبر بادشاہ

ہو۔ اکبر دلربا تھا اور خوب رو تھا۔ سینہ چوڑا چکلا اور بازو لمبے تھے۔ آنکھیں اور بال سیاہ۔ چہرہ سرخ و سفید تھا مگر بڑی عمر میں سنولا گیا تھا۔ یہ آدھا ایرانی النسل تھا اور آدھا ترک نژاد۔ اسی وجہ سے فارسی اور ترکی دونوں زبانیں خوب بولتا تھا۔ بدن کا گٹھا اور توانا تھا۔ گھوڑے کی سواری کا بڑا شوقین تھا۔ پیدل چلتا تھا تو ایک ایک دن میں تیس تیس چالیس چالیس میل کا سفر طے کر جاتا تھا۔ بندوق کا نشانہ لگانے میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا۔ اُس کے پاس بہت سی بندوقیں تھیں جن کے

انعام اکرام اور پنج ہزاری منصب کا وعدہ کیا۔ راجہ نے خوشی سے منظور کر لیا۔ ہزار سوار اور تین ہزار پیادے لے کر تین چار کوس پر آن لگا اور جاسوسی کے لیے قراول ادھر ادھر پھیلا دیئے کہ خبر دیتے رہیں۔ شیخ کو اس گھات کی بالکل خبر نہ تھی جب دکن سے واپس ہوتے ہوئے کالے باغ میں پونہچا اور دہلی کا رخ کیا تو راجہ کو خبر لگی وہ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ یکایک آ کر ٹوٹ پڑا اور چاروں طرف سے گھیر لیا۔ شیخ اور اس کے رفیق بڑی بہادری سے لڑے مگر دشمنوں کی تعداد بہت تھی اس لیے سب کٹ کر کھیت رہے اور ناحق بیچارہ ابوالفضل قتل ہوا۔ اس کی لاش دیکھی تو بارہ زخم آئے تھے اور ایک درخت کے نیچے پڑا تھا وہاں سے اٹھا کر سر کاٹا اور شہزادے کے پاس بھیج دیا وہ بہت خوش ہوا۔ یہ واقعہ جمعہ کے دن یکم ربیع الاول ۱۰۱۱ھ کو ہوا۔ ابوالفضل نیک سیرت۔ بڑا ذی علم اور وفادار تھا۔ اکبر کو اپنے کل نمک خواروں میں سب سے زیادہ اسی پر اعتماد تھا۔ وہ اکبر کا بڑا بھاری مشیر۔ ایک اعلیٰ درجے کا فلاسفر اور دوست مخلص تھا۔ اکبر نے جب اُس کے قتل کی خبر سنی تو اس قدر صدمہ ہوا کہ دو دن تک دانہ پانی نہ چھوا نہ بستر کو پیٹھ لگائی۔ اکبر کو ابھی خبر نہ تھی کہ یہ حرکت کس کی ہے اور سلیم کی طرف تو شبہ بھی نہ تھا کہ اس سے ایسی ناشایستہ حرکت ظہور میں آئی ہوگی۔ اکبر نے اس قتل ناحق کا انتقام نرسنگ راؤ سے خاطر خواہ لے لیا۔ سلیم نے جو اپنی زندگی کے حالات لکھے ہیں اُس میں اُس نے اس فعل کے ارتکاب کا اقرار کیا ہے اور اس کو وہ ایک کار ثواب سمجھتا ہے۔ رفتہ رفتہ اکبر پر بھی اصلی واقعہ کھل گیا تو بے اختیار کہنے لگا۔ "ہائے شیخوجی بادشاہت لینی تھی تو مجھے مارنا تھا شیخ بے چارے کو کیوں مارا" اس کا جب سر لایا گیا تو یہ شعر پڑھا:۔

شیخ ما از شوق بے حد چوں سوئے ما آمدہ   ز اشتیاق پائے بوسی بے سر و پا آمدہ

باون برس چند مہینے کا سن مرنے کے دن نہ تھے مگر موت نہ دن دیکھتی ہے نہ رات جب آ جائے وہی اس کا وقت۔ ابوالفضل کی قبر اب بھی آنتری میں موجود ہے جو گوالیار سے (۱۴) میل دلی سے بمبئی جاتے ہوئے ستھولی صندل پور

میں داخل ہو گئی تھیں بیچ بچاؤ کو بڑھیں اور اونچ نیچ سمجھا بجھا کر باپ بیٹوں میں میل ملاپ کرا دیا اور سلیم کے لیئے دربار کھل گیا۔ سلیم اب الہ آباد اور بنگالے اور اڑیسے کا صوبہ دار ہو کر اپنے مستقر کو چلا گیا۔

ابوالفضل کا قتل سنہ ۱۶۰۲ء

سلیم نے گو بظاہر عذر معذرت کر لی تھی مگر دل میں وہی دشمنی تھی اس دفعہ اُس نے اور ایک نہایت نازیبا حرکت کی جس کی نسبت وہ جانتا تھا کہ باپ کو اس سے سخت صدمہ پہنچے گا۔ سلیم کو خبریں پہنچ رہی تھیں اور معلوم تھا کہ شیخ میری طرف سے بد دل ہے۔ سوچا کہ اب باپ اور بھی ناراض ہوگا اسے کسی نہ کسی طرح شیخ کا کام تمام کر دینا چاہیئے۔ ابوالفضل کچھ تھوڑی سی جمعیت کے ساتھ کسی اہم معاملہ پر گوالیار کی طرف جا رہا تھا۔ سلیم نے آپ تو الگ رہا مگر بندیل کھنڈ کی ایک چھوٹی سی ریاست اورچھا کے راجہ نرسنگ راؤ بندیلہ کو آ کہہ دی کہ فوراً اور گوالیار کے آس پاس گھات میں لگا رہے اور جہاں موقع پائے سر کاٹ کر بھیج دے اس پر بہت سے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۶۰) رکھتی تھیں۔ بڑی نیک طینت خوش بیان شیریں کلام حاضر جواب باسلیقہ اور صاحب تدبیر تھیں۔ جب خاندان سلطنت میں کوئی معاملہ الجھتا تھا تو انھیں کی دانائی اور عقل کی رسائی اور حسن تقریر سے سلجھتا تھا۔ پڑھی لکھی سخن فہم اور سخن شناس تھیں اور اہل سخن کی قدر کرتی تھیں۔ طبع سلیم کی لہر کبھی شعر بھی کہہ دیتی تھیں اور مخفی تخلص کرتی تھیں ان کی ایک فرد مشہور ہے۔ **بیت**

کاکلت را من ز مستی رشتۂ جاں گفتہ ام   مست بودم زیں سبب حرف پریشاں گفتہ ام

ہمایوں نے مرنے سے چند روز پہلے انھیں بیرم خاں کے ساتھ نامزد کر دیا تھا اکبر نے سنہ ۹۶۴ھ میں اس تجویز کی تعمیل کی۔ یہ شادی بھی تعجب سے خالی نہیں کیوں کہ تزک جہانگیری سنہ ۱۰۲۱ھ میں جہاں ان کے مرنے کا حال لکھا ہے وہاں معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۹۶۱ھ میں پیدا ہوئیں۔ شادی کے وقت تقریباً پانچ برس کی ہوگی۔ اس سے مقصود خانخاناں کا اعزاز اور سلسلۂ رشتہ مضبوط کرنا تھا بیرم خاں کی وفات کے بعد اکبر نے خود سلیمہ بیگم سے نکاح کر لیا۔ اور یہ محل رح بیگم اکبر کی پھوپی گجرات کے رستے حج کو گئیں۔ چار حج متواتر کیے۔ سنہ ۹۹۰ھ میں داخل ہندوستان ہوئیں۔ سنہ ۱۰۲۱ھ عہد جہانگیری میں ساٹھ برس کی عمر میں انتقال کیا۔ ۱۲

ہند پر ایک ایسی حکومت قایم کرے جس میں ملکی اور غیر ملکی۔ ہندو اور مسلمان سب مل کر ملک کی بہبودی میں کافی کوشش کریں اکبر اپنے کو بارگاہ ایزدی کا خلیفہ سمجھتا تھا اور وہ باور کرتا تھا کہ خداوند کریم نے اُسے اسی لیئے پیدا کیا ہے کہ ہندوستان میں ایک ایسی بہتر حکومت قایم کرے کہ جو خود ابنائے وطن سے بھی بن نہ پڑی ہو۔ ۱۶۰۰ء کے قریب باپ کی (۵۸) سال کی طول طویل مدت سلطنت سے تنگ آکر شاہزادہ **سلیم** نے تخت پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا۔ اُس وقت شہزادے کی عمر تیس سال کی تھی یہ اجمیر کا حاکم تھا اور راجہ مان سنگھ اس کا نایب تھا۔ راجہ مان سنگھ بنگالے کا صوبہ دار بھی تھا وہاں ایک افغان رئیس کے باغی ہوجانے کی وجہ سے اُسے وہاں جانا پڑا۔ راجہ مان سنگھ کے جاتے ہی سلیم کے سر پر بھوت سوار ہوا سمجھا کہ باپ تو دکن میں گتھا ہوا ہے اور صوبہ دار بھی دور دراز حصص ملک میں مختلف مقامات پر ہیں اس خیال سے ۱۶۰۱ء میں **الہ آباد** پہنچ اودھ اور **بہار** پر قبضہ کر لیا اور جو کچھ مال خزانہ ہاتھ آیا لے لیا اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ سلیم نے اکبر کے خلاف اس بات کی شہرت دی کہ وہ مذہب اسلام سے برگشتہ ہے۔ **ابوالفضل** کے ہاتھ میں اُس کی باگ ہے جس ناچ نچاتا ہے ناچتا ہے۔ قرآن شریف کی تعلیم کا سدباب کرنا چاہتا ہے۔ ایسے شخص کو بادشاہ ہونے کا کوئی حق نہیں ہے مسلمان اور ہندو سب کو چاہیئے کہ میرا اتباع کریں۔ اکبر نے جب صاحبزادے کی یہ بلند پروازی سنی تو محبت اور نرمی سے بھرا ہوا ایک خط لکھا اور سمجھایا کہ بیٹا! تم ابھی بچے ہو اور نادان ہو۔ اب بھی اگر سنبھل جاؤ تو میں تمھاری خطا سے درگزر کروں گا۔ خط لکھنے کے بعد ہی کوچ در کوچ دہلی پونہچا۔ سلیم نے جرأت تو ایسی کی مگر واہ رے دبدبۂ اکبری کہ کسی نے بھی اُس کا ساتھ نہ دیا اور سلیم اب سمجھا کہ جو کچھ اُس نے کیا واقعی قبل از وقت اور صریح نادانی کی حرکت تھی غنیمت ہے کہ سلیم نے اپنی خطا کا اعتراف کیا اور باپ سے عفو خطا کی خواستگار ہوا مگر کچھ صفائی نہ ہوئی۔ دربار کی باریابی بند تھی۔ آخرکار سلطانہ **سلیمہ بیگم**[1] جو بیرم خاں کی بیوی تھیں اور اُس کی وفات کے بعد محل شاہی

[1] سلیمہ سلطانہ بیگم گل رخ بیگم کی بیٹی تھیں اور ہمایوں کی سگی بھانجی تھی۔ گل رخ بیگم مرزا نورالدین محمد خواجگان کاشغر سے منسوب تھیں۔ یہ بی بی نہایت عالی طبیعت رکھتی تھیں۔ بڑی نیک طبیعت

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

فتح کے بعد اکبر اپنے تیسرے اور سب سے چھوٹے بیٹے دانیال[1] کو دکن میں جنوبی اور مغربی صوبوں پر بطور ویسرائے مقرر کرکے اسی سال آگرے چلا آیا۔ دانیال کی خاطر سے خاندیس کے ملک کا نام دان دیس قرار پایا۔

اکبر کے اصول فتح فتوحات اکبری کی ایک لمبی فہرست ہم اوپر دے آئے ہیں اگر اس پر ہم کچھ ریمارک نہ کریں تو یہ سمجھا جائے گا کہ اکبر صرف ایک قابل بادشاہ تھا جس کی طبیعت میں محاربہ اور مجادلہ کا ولولہ تھا۔ لیکن اس میں کس کو کلام ہو سکتا ہے کہ ایک بلند نظر عالی ہمت بادشاہ کا فرض ہی ہے کہ وہ اپنے مقبوضات کی توسیع میں تا بہ امکان کوشش کرے لیکن فتح مند اکبر کا مطمح نظر محض ہوس ملک گیری سے بہت اعلیٰ و ارفع تھا۔ یہ بات مخفی نہیں ہے کہ اکبر نے اوائل زمان سلطنت سے ہی یہ بات ٹھان لی تھی کہ تمامی ملک

[1] در زمانیکہ اکبر شاہ بارادۂ تسخیر گجرات رفتہ بودند موکب اقبال در حدود سرکار ناگور نزول اجلال فرمودہ قاصدان خجستہ مقدم از اجمیر رسیدند و نوید مسرت افزائے تولد فرزندے ہوش ربایند ولادتش در شب چہار شنبہ دہم جمادی الاولیٰ ۹۷۹ھ بود در اجمیر شریف۔ بقعۂ قدسیہ شیخ دانیال نام درویشے از بطن دختر راجہ بہاری مل کچھواہہ کہ بادشاہ او را نسبت این کہ سان ولادت فردیک رسیدہ بود بخانۂ درویش موصوف گذاشتہ بودند بوقوع آمدہ مولد گرامیش کہ خانۂ شیخ دانیال بود بنابران شہزادہ بسلطان دانیال موسوم گردید۔ سلطان دانیال بعمر (۳۴) جہت افراط شراب درسلخ ذی الحجہ ۱۰۱۳ھ شش وہم ماہ پیش از وفات پدر در برہان پور رحلت نمود۔ او بشکار تفنگ بسیار میل بود یک تفنگ را جنازہ نام کردہ این بیت بران نقش نمودہ بود

ازشوق شکار تو شود جان تر و تازہ ۔۔۔ ہر کس کہ خورد تیر تو افتد بجنازہ

چند مسیح حسرا سکردہ بود۔ نزدیکان از ترس بادشاہ شراب نمیدادند چون دیدند روزگرہست بیتاب مرشد قلی تفنگچی بلدی کردہ گفت کہ اندک شراب بمن رسان او گفت بہیچ طریق بیارم اگر کسے بادمن گشتہ خواہم شد گفت دریہان تفنگ کردہ بیار۔ مرشد قلی تفنگ را از شراب پر کردہ آورد چنان بام تفنگ را بر بالش آمدہ بود حق تعالیٰ بہان لوح کردہ یعنی کہ از آن تفنگ شراب خوردن ہمان بود وجان دادن ہمان۔ تاریخ توقش از لطائف عجائب استخراج می باید۔ دانیال را دو پسر مرزا طہمورث و مرزا ہوشنگ بعد این ہر دو سلطان در عہد جہانگیر مقید بودند ودر ۱۰۳۷ھ بحکم شاہجہان در لاہور بقتل رسیدند ۱۲

قلعوں میں سب سے زیادہ باموقع مستحکم اور مضبوط ہے لے لینا از بس ضرور تھا۔ اوائل سنہ ۱۶۰۰ء میں اکبر نے پہلے برہان پور لیا اور پھر اس قلعے کا محاصرہ شروع کیا جو گیارہ مہینے سے کچھ اوپر ہی اوپر رہا تب کہیں اوائل جنوری سنہ ۱۶۰۱ء میں جو مطابق سنہ ۴۸ الہی کے تھا بڑی مشکل سے فتح ہوا۔ ونسنٹ سمتھ صاحب لکھتے ہیں کہ اکبر اس قلعے کی فتح سے عاجز ہو گیا تھا اس نے طلائی گرز دودھ سے (جسے وہ رشوت کے رکیک لفظ سے تعبیر کرتے ہیں) فتح حاصل کی سنہ ۱۷۶۰ء میں باجی راؤ پیشوا اس پر قابض ہوا اور سنہ ۱۷۷۸ء میں مہاراجہ سیندھیا کے تحت میں آیا۔ سنہ ۱۸۰۳ء میں جنرل ولزلی نے گولہ باری کر کے لیا اور سورج انجن گاؤں کے صلحنامہ کی رو سے دوسرے ہی برس پھر مہاراجہ سیندھیا کو دے دیا گیا۔ پھر سنہ ۱۸۲۰ء میں انگریزوں نے اس وجہ سے محاصرہ کیا کہ یہاں کے قلعہ دار نے آپا صاحب معزول راجہ ناگپور کو یہاں پناہ دی تھی سر جان میلکم نے برابر چوبیس دن گولہ باری کر کے قلعے کو لے لیا تب سے اب تک یہ قلعہ برٹش گورنمنٹ کے قبضے میں چلا آتا ہے۔ برہان پور اور کھنڈوے کے ریلوے سٹیشنوں کے درمیان ریل سے گزرتے ہوئے یہ قلعہ ایک پہاڑ پر الگ تھلگ کھڑا نظر آتا ہے۔ اسی پہاڑ پر بستی ہے جو (۸۵۰ فیٹ) اونچا اور سطح سمندر سے بارہ سو سے لے کر تیرہ سو فیٹ تک بلند ہے اس قلعے کی فصیل ساٹھ ایکڑ زمین کو محاط کیے ہوئے ہے۔ قلعے میں داخل ہونے کے صرف دو ہی رستے ہیں باقی دو طرف اسی فیٹ سے ڈیڑھ سو فیٹ تک کی گہران ہے۔ قلعے میں آبنوشی کے وافر ذرائع ہیں جو کبھی خشک نہیں ہوتے۔

اکبر کی آخری فتوحات

احمد نگر کی فتح پر اکبر کی فتوحات کی طول طویل فہرست کا خاتمہ ہوتا ہے اکبر کو دکن میں اور زیادہ نبرد آزمائی کا موقع نہیں ملا۔ اس کی ساری طاقت صرف ہو چکی تھی۔ جب اکبر کی زندگی کے آخری چار سالوں کی جان توڑ کوششوں کا خیال کیا جاتا ہے تو تکلیف دہ نا امیدی اور ناکامیابی سے دل پر رنج ہوتا ہے۔ آسیر گڈھ کی

آن کھڑی ہوئی جو ایک معرکے میں ہو گیا تھا۔ قلعہ سر نہ ہوا چاند بی بی نے شہزادہ مراد کو برار کا ملک دے دلا کر ٹالا۔

احمد نگر کی فتح ۱۶۰۰ء

چاند بی بی بے چاری قتل ہو چکی تھی کہ ۱۶۰۰ء کے موسم خزاں میں احمد نگر کا دوبارہ محاصرہ اکبر کے سب سے چھوٹے بیٹے **شہزادہ دانیال** نے کیا اور اکبر نے احمد نگر کا ایک جداگانہ صوبہ قرار دیا لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ بڑا حصہ اس ملک کا تب بھی احمد نگر کے مقامی شاہی خاندان کے تحت تھا اور یہ علاقہ تمام و کمال ۱۶۳۷ء عہد شاہ جہان تک مفتوح نہیں ہوا۔

آسیر گڑھ کا محاصرہ اور فتح ۱۶۰۱ء

چاندنی جی آئی پی ریلوے سٹیشن سے جنوبی سے (۴۲۲) میل ہے آسیر گڑھ کا مشہور قلعہ ہے۔ کہتے ہیں کہ اس قلعے کو آسا اہیر نے ۱۳۷۰ء میں بنایا تھا اور اسی کے نام سے مشہور رہا لیکن یہ امر ہنوز تحقیق طلب ہے کہ یہ ہیم کون تھا مگر یہ امر یقینی ہے کہ یہ قلعہ ۱۳۷۰ء میں خاندیس کے بادشاہوں کے قبضے میں آیا۔ اگرچہ اکبر نے ۱۵۹۱ء میں خاندیس کے والی کو ہموار کر لیا تھا مگر وہ زمانہ ایسا تھا کہ ادھر پیٹھ موڑی اور وہاں کچھ کا کچھ ہو گیا اس نے بھی مقامی امرا کا ساتھ دیا اور مخالفت پر تل گیا۔ یہاں کے والی کے قبضے میں آسیر گڑھ کا قلعہ تھا جو برہان پور کے شمال مشرق میں ست پڑے پہاڑ کی ایک شاخ پر واقع ہے اور موقعی حالت کے لحاظ سے ملک دکن کا باب ہے اس لیے اکبر کو بغرض امن راہ و ترقی ملک اس قلعے کو جو ہندوستان کے سارے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۵۵) فتح دے کر روانہ کیا اور مراں روایاں دکن سے لے بھی وہیں روانہ کئے کا بندوبست کیا کہ سب کو اپنے اپنے انجام نظر آنے لگے تھے۔ بیگم مذکورہ نے قلعے کی حالت پر نہایت عالی ظاہر کی کہ امرائے جنگ آزمودہ جو رستمی کا دعویٰ رکھتے تھے سب کی گردنیں خم ہو گئیں۔ محاسن سلطانی کے اوصاف سے آراستہ دیکھ کر خاص و عام نے **سلطان کا تاج** اس کے نام پر رکھا وہ چاند بی بی سلطان مشہور ہوئی اور جب (دوبارہ) اکبری فوج نے احمد نگر فتح کیا تو مر گئی۔ تعجب یہ کہ کسی کو تحقیق نہ ہوا کہ کس طرح مر گئی سادہ دربار اکبری ۱۲

جری شہزادی تھی وخود زرہ پہن ہاتھ میں شمشیر برہنہ لے فصیل کے اُس شگاف پر

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) بڑے بڑے واقعات ہوئے ہیں شہر کے اطراف بارہ فیٹ اونچی فصیل ہے جو ۱۵۶۲ء میں بنی تھی شہر کے مشرق میں نصف میل پر مسلمانوں کا بنایا ہوا وہ قلعہ ہے جو ۱۵۵۹ء میں بنا تھا۔ یہ قلعہ پختہ اور مدور ہے جس کا قطر نصف میل کا ہے اور جس کے گرد ایک گہری خندق اور قفلی دار پل ہے جسے جب چاہو سمیٹ لو اور جب چاہو دراز کردو۔ سر ۱۸۰۳ء میں گورنمنٹ برطانیہ نے اس قلعے کو لے لیا۔ فصیل میں اُس وقت جو شگاف پڑا تھا وہ اب تک بھی موجود ہے اور لارڈ ولزلی اُس وقت کے کمانڈنگ افسر نے جو ایک درخت نصب کیا تھا وہ اب تک بھی سرسبز شاداب ہے قلعے میں اب سلاح خانہ اور کتب خانہ وغیرہ ہے۔ احمد نگر فوجی بریگیڈ کا مستقر ہے۔ یہاں توپ خانہ اور دو پلٹنیں گوروں اور دو دیسی پیدلوں کی رہتی ہیں۔ ضلع کا مستقر ہے۔ عمارات قدیمہ سب تباہ و برباد ہو گئیں۔ سولھویں صدی کی بنی ہوئی ایک مسجد میں کلکٹر صاحب کی کچہری ہے جج صاحب کی کچہری کا مکان بھی ایک نہایت خوب صورت شاہی محل ہے جو ۱۶۰۰ء کا بنا ہوا ہے۔ اسی طرح جیل اور سول ہاسپٹل کی عمارتیں قدیم شاہی زمانے کی ہیں۔ شہر کے باہر اب بھی شاہی زمانے کے ذرائع آب رسانی کے کچھ نشان باقی ہیں۔ شہر سے چھ میل پر صلابت خاں کا مقبرہ ایک پہاڑ پر بنا ہوا ہے جو اب ایلو سینیٹوریم (دارالصحت) کے استعمال کیا جاتا ہے۔ ۱۸۹۹ء کی جنگ بوئر کے بعد میں یہیں بوئر قیدیوں کا کیمپ تھا جو بعد صلح کے برخاست کر دیا گیا۔ اس اثنا میں جو لوگ مر گئے اُن کی یادگار میں ایک ستون بنایا گیا ہے جس کے دو طرف مرنے والوں کے نام کندہ ہیں باقی دو طرف انگریزی اور ڈچ زبانوں میں مناسب حال کتبہ ہے۔ ۵۵ صہ ۳۵۵ (چاند بی بی) برہان الملک کی حقیقی بہن تھی۔ نہایت عفیفہ، پاک دامن۔ دانش مند۔ باتدبیر۔ عالی ہمت۔ دریا دل۔ اسی واسطے **نادرۃ الزمانی** اُس کا خطاب تھا **علی عادل شاہ** بادشاہ **بیجاپور** سے منسوب تھی۔ علی عادل شاہ ابراہیم عادل شاہ کا چچا تھا وہ مر گیا تو ابراہیم عادل شاہ بادشاہ ہوا۔ بیگم مذکور نے جب دیکھا کہ خاندان برباد ہوا اور خاندانی سلطنت گھر سے جاتی ہے تو امرا کو جمع کیا۔ سب کو فہمائش کی۔ آپس کے نفاق کا انجام دکھایا۔ اور جب لشکر اکبری آیا تو بڑی ہمت اور حوصلے سے اُس کا مقابلہ کیا۔ ابراہیم عادل شاہ از روے قرابت اُس کا دیور تھا ایک مراسلت روانہ کی۔ اُس نے **سہیل خاں** خواجہ سرا کو جو نہایت بہادر اور باتدبیر امیر تھا پچیس ہزار (بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

ایرانیوں سے ۱۵۹۵ء میں فتح کرلیا گیا۔

چہل سالہ جنگوں کا نتیجہ | ۱۵۹۶ء تک اکبر تمام شمالی ہند میں خلیج بنگالہ سے لے کر مغرب میں بحیرۂ عرب تک اور علاوہ اس کے مشرق میں دی دریائے سندھ اور بڑا حصہ سلطنت افغانستان کا بھی اس کے مقبوضات میں تھا اب صرف دکن کی فتح باقی رہ گئی تھی لیکن اکبر کی تقدیر میں دتھا کہ یہ مہم عظیم ایک چھوٹے پیالے کے سوا سے پوری طرح سر ہو۔

دکن کے حملے کی طیاری | اکبر مدت سے دکن کے حملے کے منصوبے سوچ رہا تھا۔ دکن کے امراء اور بادشاہوں میں آپس میں یکجہتی نہ تھی اور سب متفق ہو کر کسی آنے والے دشمن کا مقابلہ نہیں کرسکتے تھے۔ ملکی معاملات کے جھگڑوں کے سوا شیعہ سنیوں کی آئے دن کی کھٹ پٹ نے اکبر کے لیئے رستہ صاف کر دیا۔ ۱۵۹۱ء میں اکبر نے اپنے ایلچی دکن کی چاروں سلطنتوں۔ خاندیس۔ بیجاپور۔ گولکنڈے (حیدرآباد) اور احمدنگر کو بھیجے اور اُن سے اطاعت کا خواہاں ہوا۔ خاندیس ایک چھوٹا سا ملاقہ تھا وہاں کے بادشاہ نے فوراً اطاعت قبول کرلی جس کی وجہ سے برہان پور اور آسیرگڑھ پر سے رستہ کھل گیا لیکن دوسری سلطنتوں نے سرتابی کی۔

احمدنگر[1] کا محاصرہ ۱۵۹۵ء | دکن سے کئی خفیہ طلبیاں آئیں اکبر ادھار کھائے بیٹھا تھا دسمبر ۱۵۹۵ء میں اکبر نے اپنے دوسرے فرزند شہزادہ مراد کو احمدنگر کو روانہ کیا لیکن شہر اسے اور افغانیوں میں جو اس مہم میں اس کے ساتھ تھا اَن بَن ہوجانے سے بنا بنایا کام بگڑ گیا۔ چاندبی بی جسے عموماً چاند سلطانہ کہتے تھے بڑی بہادر اور

[1] احمدنگر ایک بڑا فوجی اور سول سٹیشن جی آئی پی ریلوے کی ڈھونڈ منماڑ لین پر ہے۔ مردم شماری قریب چالیس ہزار نفوس کے ہے۔ احمدنظام شاہ نے ۱۴۹۴ء میں آباد کیا تھا اور تاریخ دکن کے واقعات میں چار صدیوں تک احمدنگر میں (بقیہ نوٹ برصفحہ آئندہ)

(بقیہ نوٹ برصفحہ آئندہ)

سنہ ۱۵۸۵ء کو موسم خزاں میں روانہ ہو کر (اٹک بنارس) میں اواخر ماہ دسمبر میں پونہچا۔ اکبر شمالی حصۂ ہند میں نومبر سنہ ۱۵۹۸ء تک رہا اور اس عرصے میں کوئی تیرہ برس تک لاہور دارالخلافہ رہا۔ سنہ ۱۵۸۵ء کے آخر میں لشکر شاہی کے چار ٹکڑے ایک دوسرے میں تھے۔ کچھ تو کابل کی سڑک پر درۂ خیبر کی طرف تھے۔ کچھ ملک پشاور میں یوسف زیئوں بلوچیوں اور کشمیر کی طرف تھے۔ اکبر نے فتح کشمیر کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔ ۱۵۸۶ء میں اُس لشکر کو جو یوسف زیئوں کے مقابلے پر گیا تھا شکست فاحش ہوئی اور اسی میں راجہ بیربل جو اکبر کا سب سے پیارا اور دلی دوست تھا مارا گیا۔ یوسف زیئوں کو بہت سخت سزائیں دی گئیں مگر وہ مطیع نہ ہو سکے۔

کشمیر اور سندھ کی فتح

۱۵۸۶-۸۷ء - ۱۵۸۸ء

بابر کے وقت سے ہر ایک مسلمان بادشاہ کی یہی خواہش رہی کہ کسی نہ کسی طرح کشمیر جنت نظیر کو فتح کر لیں لیکن بابر اور ہمایوں دونوں میں سے کسی کو بھی اتنی مہلت نہ ملی جو وہ کشمیر لے سکتے۔ بابر کا بھانجا حیدر مرزا دوغلات جو تاریخ رشیدی کا مشہور مصنف ہے یہاں کا والی تھا جس نے گیارہ برس ۱۵۴۲ء سے سنہ ۱۵۵۱ء تک بڑی دانش مندی اور فراست سے حکومت کی۔ ۱۵۸۶ء میں کشمیر کے مسلمان بادشاہ نے اکبر کا بادشاہ ہونا برائے نام تسلیم کر لیا اور اکبر کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا۔ اکبر ایسا نادان نہ تھا کہ کشمیر کا سراپا ٹال دیتا اور وہ چاہتا تھا کہ پہلے زیر کوہ میدان صاف کر لوں جب پہاڑوں کی طرف پرواز کروں۔ جب اُس نے ادھر سے اطمینان حاصل کر لیا تو پھر کشمیر پر چڑھائی کی۔ اکبر کے سورما سرداروں نے بدون کسی بھاری اشکال کے ۱۵۸۶-۸۷ء میں کشمیر فتح کر لیا اور اُس وقت کشمیر ہندوستان کا حصہ قرار پا کر کابل کے صوبے میں شامل کر دیا گیا۔ اس کے کچھ دنوں آگے چل کر بڑی سخت اور طویل لڑائی کے بعد صوبۂ سندھ جو جزائر ۱۵۹۱ء میں لیا جا چکا تھا پوری طرح فتح کر لیا گیا۔ اور ملتان کے صوبے میں ملا دیا گیا۔ قندھار بھی

ایک حد تک تمام شورش پسند باج گزاروں کو کلاّ یا جزاً مطیع کر لیا تھا لیکن لڑائی کبھی ہندو مسلمی اور بادشاہی سرداروں کو بنگال اور بہار میں ۱۵۸۶ء تک بہت کچھ کام کرنا پڑا اور ان صوبوں میں پورا امن وامان ۱۵۹۲ء تک نصیب نہ ہوا۔

بنگال اور بہار کی بغاوت ۱۵۷۹ء

۱۵۷۹ء میں بنگال میں ایک بڑی سخت بغاوت شروع ہوئی جس کی دو وجہ تھیں ایک تو یہ کہ حکام وقت نے سختی کرکے لوگوں کی معافیات وعطیات میں بہت کاٹ چھانٹ کردی تھی اور دوسرے اکبر کے مذہبی عقاید جو اسلام کے صریح خلاف تھے۔ اسلام سے مباینت کا تخم تو اوائل عمر سے ہی عقاید صوفیہ کا نتیجہ تھا۔ ابو الفضل کا دربار میں ۱۵۷۴ء میں آنا تھا کہ وہ دبی ہوئی آگ بھڑک اٹھی اور اس پر ۱۵۷۹ء میں اکبر نے علماء سے جبراً فتوی حاصل کیا کہ بادشاہ وقت کو مذہبی معاملات میں دست اندازی کا حق ہے۔ بنگال کے باغی اکبر کی جگہ اس کے سوتیلے بھائی محمد حکیم والی کابل کو تخت پر بٹھلانا چاہتے تھے جو زیادہ پابند شرع اور صحیح الاعتقاد تھا۔ انجام اس ملوے کا یہ ہوا کہ بڑی حکمت عملی سے یہ شورش دب دبا گئی۔

کابل کا انضمام ۱۵۸۵ء

محمد حکیم مرزا بچپنے سے صوبہ کابل کا فرماں روا تسلیم کیا گیا تھا۔ اور کابل پر جداگانہ مسلسل فرماں روا ہوتے ہی چلے آتے تھے جو بادشاہ ہند سے بالکل علیحدہ خودمختار تھے۔ ۱۵۸۲ء میں محمد حکیم مرزا نے اپنے بھائی اکبر کے تخت ہند پر دانت لگایا اور پنجاب پر حملہ آور ہوا لیکن سخت شکست پائی اور اس کو اکبر کی اطاعت قبول کرنے کے سوا مفر نہ تھا۔ حکیم مرزا نے کثرت شراب نوشی سے جولائی ۱۵۸۵ء میں انتقال کیا۔ اس کی موت نے اکبر کے لیئے میدان صاف کردیا اور کابل بھی سلطنت مغلیہ میں شریک کرکے ہندوستان کا ایک صوبہ قرار دیا گیا۔

تیرہ برس تک لاہور اکبر کا دارالسلطنت رہا

حکیم مرزا کی موت اور دیگر چند اور ضروری کی وجہ سے اکبر کو ہند کے شمال ومغرب کی طرف جانے کی ضرورت پڑی۔ اکبر فتح پور سیکری سے

اور تمام ملک اوڑیسہ پر جادو رہا تھا۔ یہ اپنے آپ کو برائے نام اکبر کے زیر اثر سمجھتا تھا۔ جب اس بادشاہ نے ۱۵۷۲ء میں انتقال کیا تو کچھ وقفے کے بعد جو لڑائی جھگڑوں میں گزرا اُس کا بیٹا داؤد شاہ جانشین ہوا جو مغلوں سے برگشتہ تھا۔ یہ اوباش اور بداطوار تھا جس کو سلطنت کے کاروبار سے کچھ سروکار ہی نہ تھا۔ اکبر گو گجرات میں گتھا ہوا تھا مگر اس کی دور بین نگاہ اودھر بھی پڑ رہی تھی اور جوں ہی اس نے مغربی حصۂ ہند کی چول بٹھلا دی اُس نے راجہ ٹوڈر مل کو بجانب مشرق اس مہم پر روانہ کیا۔ ۱۵۷۴ء میں کہ عین موسم بارش تھا اکبر خود اس رزم گاہ پر بمقام پٹنہ پونہچا اور داؤد کو شکست دے کر پٹنے پر قبضہ کر لیا۔ داؤد جان بچا کر اوڑیسے کی طرف بھاگ گیا۔ اکبر اوائل ۱۵۷۵ء میں فتح پور سیکری کو واپس چلا آیا۔ اس کے تھوڑے ہی دنوں بعد بنگال کے بادشاہ کو سر تسلیم خم کرنا پڑا اور خراج بھی دینے لگا لیکن بہت جلد وہ اپنے قول و قرار سے پلٹ گیا۔ دوسرے برس جولائی ۱۵۷۶ء میں داؤد شاہ گرفتار ہوا اور وہیں عہدہ داروں نے اُس کا کام تمام کر دیا۔ بنگال کی خود مختار سلطنت کا اس طرح خاتمہ ہوا۔

راجپوتوں کی شورش گوگنڈے کی لڑائی ۱۵۷۶ء

جس وقت بنگالے میں میدان کارزار گرم تھا تو عساکر سلطانی کو راجپوتانے کی ایک نہایت مخطرناک شورش کو فرو کرنا پڑا جو اودے پور کے رانا پرتاب سنگھ کی سرکردگی میں برپا ہوئی تھی۔ رانا کو راجہ مان سنگھ نے گوگنڈہ مقام پر جو ہلدی گھاٹ بھی کہلاتا ہے اور اودے پور کے شمال میں ہے جون ۱۵۷۶ء میں شکست دی۔ راجپوتوں کو قابو میں رکھنے کے لیے پچاس تھانے پہاڑوں میں بنائے گئے تھے لیکن سچ پوچھیے تو اودے پور کا ملک کبھی پوری طرح مطیع نہیں ہوا۔ بلکہ پرتاب سنگھ نے اپنے کھوئے ہوئے ملک کا بہت سا حصہ اکبر کی وفات سے پہلے ہی رفتہ رفتہ باز یافت کر لیا تھا۔

جنگ ۔۔۔ سال کے نتائج

۱۵۷۶ء میں یعنی پانی پت کی دوسری لڑائی کے بیس برس بعد اکبر اصلی ملک ہندوستان یعنی ہند حیاچل کے پہاڑوں کے شمالی حصۂ ملک میں زبردست بادشاہ بن گیا تھا اور اس نے

سر کیا گیا اور اکبر ۹ اکتوبر (۴۳) دن کے بعد واپس آگیا۔ تاریخ میں ایسی مثال بمشکل سے ملے گی کہ کسی بادشاہ نے اتنی صعوبت سفر اٹھا کر اس قدر مسافت بعیدہ طے کی ہو اور یوں مکمل فتح حاصل کی ہو۔ اسی فتح کی خوشی میں سیکری کو فتح پور کا نام دیا گیا اور یہ مقام ۱۵۸۵ء تک دارالخلافہ رہا۔

بنگال کا بادشاہ داؤد شاہ

جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں بنگالہ کی سلطنت بھی چودھویں صدی سے خودمختار بادشاہوں کی زیر حکومت تھی۔ **سلیمان شاہ** یہاں کا ایک قابل بادشاہ تھا جس کا ایک جرنیل راجو عرف کالا پہاڑ نے جگنا تھ جی کے مشہور مندر کو لوٹا

سلہ چون اکبر شاہ از فتح گجرات تاریخ شدہ در ۹۸۰ھ۔ جہت تنبیہ وتادیب مرزا ابراہیم حسین و مرزا محمد حسین پسران مرزا سلطان محمد کہ ولایت سورت و بروچ و بروده و چانپانیر را در تصرف خود درداشتند و در قلعۂ سورت کہ بر کنار دریائے شور واقع بود متحصن شده بودند از سواد احمد آباد گجرات متوجہ شده در ۲۵ شعبان سنہ مذکور بہ بندر سورت رسیدند و در کنار حوض و سیع نزول فرمودند و این فتح بتاریخ ۲۳ شوال ظہور یافت و اشرف خاں میر منشی در فتح آں قلعہ گفتہ۔

کشور کشائے اکبر غازی کہ بے سخن	مفتاح او قلاع جہاں را کلید نیست
تسخیر کرد قلعۂ سورت بہ حملۂ	ایں فتح جز بیاری بخت سعید نیست
تاریخ فتح شد کہ بکشت قلعۂ گرفت	ایں کار دولت شہ عالم بعید نیست

سلہ در ۹۸۲ھ اکبر شاہ را خبر رسید کہ داؤد شاہ ولد سلیمان کرانی بعد از گذشتن ایدیہ بامراء کلان اندرو لایت بنگالہ فرماں روا شدہ و شہر پٹنہ را کہ اکبر خان زماں علی قلی خاں با ہادہ معمور گردانیدہ بود و جہت تالیع حسینہ ولدی خان را کہ قلعہ رہتاس در تصرف داشت متعہد گردانیدہ بالک ساختہ۔ استماع ایں خبر بادشاہ از اکبرآباد بکشتی سوار شدہ متوجہ آں سمت شدند چوں در بنارس رسیدند عرض رسانیدند کہ بہر کتابش باہر حقدہ مشکل کہ در فتح کردا باشد۔ فال گرفتہ شود بہتر ست۔ سایراں درین رو سید میرک اصفہانی کہ در علم جفر حصہ بلیغ بود امر مالی صورت ایں ماقعہ را از کتب جفر جامع در مجلس بادشاہی بحضور اعیان مملکت استخراج کرد چنانچہ بعد از ترکیب حروف ایں بیت حاصل گشت۔ سلہ

بر بود ی اکبر از بخت ہمایوں	بر دملک از کف داؤد سیروں

بعد ازاں ہم بر یکجاں ظاہر شد۔ القصہ بتاریخ ۱۶ ربیع الثانی ۹۸۲ھ بکشتی سوار شده بجانب بنگالہ گریکت و بعد از چندے ممالک مفتوح شد۔ تاریخ آں فتح را مصرعہ ملک سلیماں رو داؤد و رفت۔ یا فقد۔ ۱۲

...لیے کافی وجہ تھی جس کے بعد وہ مغربی ہندوستان کا سمندر کے کنارے تک
...ک سمجھا جاتا تھا۔ بادشاہ کے ارادے کو گجرات کے امرا کی باہمی کشاکشی سے
...ر تقویت ہو گئی اور بدون کسی بڑی جنگ وجدال کے گجرات فتح[۵] ہو گیا اور وہاں کا
...م ہمت بادشاہ مظفر شاہ ایک کھیت میں چھپا ہوا پکڑا گیا جس کے ساتھ حقارت
...میزی کا برتاؤ کیا گیا اور تیس چالیس روپیہ ماہانہ کا وظیفہ مقرر کر دیا گیا۔ چند سال بعد یہ بھا
...یا اور پھر سر اٹھایا مگر خودکشی سے اپنی جان کا خاتمہ کر لیا۔

...سورت کے بلوے کا ...فرو کرنا۔ ۱۵۷۳ء

سورت کا مشہور قلعہ اوائل ۱۵۷۳ء میں ڈیڑھ مہینے کے محاصرے کے بعد لیا گیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اکبر کو پرتگیزوں سے سابقہ پڑا جنھوں نے ایک سفیر کو آستے بادشاہ کی خدمت میں بھیجا تھا۔

...کھمبایت میں پہلی مرتبہ بادشاہ نے سمندر کا نظارہ کیا۔ جون کے مہینے میں
...اکبر فتح پور سیکری کو واپس آیا اور ابھی پہنچتے دیر نہ ہوئی تھی کہ نومفتوحہ ملک سے
...شورش کی خبر آئی۔ اکبر نے بڑی پھرتی سے فوج تیار کر لی اور اگست میں سیکری
...سے خود روانہ ہوا۔ ایک تیز رو سانڈنی پہ سوار ہو کر احمد آباد تک کہ آٹھ سو میل کا
...فاصلہ نو دن میں جا دھمکا۔ بلوائیوں کے شان گمان میں بھی نہ تھا کہ اس قدر جلد
...اکبر اُن کی سرکوبی کو آن پہنچے گا۔ بڑے کشت و خون کے بعد باغیوں کا

[۵] چوں اکبر شاہ در ۹۸۰ھ بقصد تسخیر گجرات و استیصال فساد مرزا ابراہیم حسین و مرزا محمد حسین
...سر لشورش آوردہ گجرات و نواحی آں را متصرف شدہ بودند رفتہ آں ولایت را فتح نمود۔
...یخ آں نواب خانخاناں این چنیں گفتہ :۔ یوم الاحد ثانی ربیع الاول۔ اتوار ربیع اول کی دوجی
...شاعرے قہر گجرات آمدہ تاریخ یافت چوں بادشاہ ایں تاریخ را شنید شاعر را طلبیدہ پرسید کہ تو ایں چنیں
...بے ادبانہ چرا گفتی او گفت کہ من ایں تاریخ نگفتہ ام بلکہ شاہ گجرات آمدہ گفتہ ام۔ بادشاہ شنیدہ
...را انعام بخشید۔ ملا احمد جہر کن ولد ملا حسین نقشی سکہ بنام بادشاہ کندہ باایں تاریخ
...درانید و سرفرازی ہا گردید :۔

خسروا سکہ گجرات بنام تو زدند	ملک را سایۂ عدل تو تبارک بادا
اے خوش آندم کہ تو تاریخ وی از من پرسی	گو میست سکۂ گجرات مبارک بادا ۹۸۰

دلاوری سے اس کا مقابلہ کیا۔ آخر کار بیجاپور کی سلطنت اکبر کے حوالے کی گئی۔ ۱۵۹۹ء
میں اکبر خود دکن گیا اس نے احمد نگر اور آسیر گڑھ کے قلعے فتح کیے اور
خاندیس کو اپنی قلمرو میں شامل کیا۔ بیجاپور اور گولکنڈے کے بادشاہوں نے
نذریں وسنے کر سفیر بھیجے اور اکبر کے تیسرے بیٹے دانیال کی شادی
بیجاپور کے بادشاہ کی لڑکی سے ہوئی۔

فتح گجرات

چتوڑ کی مہم کے بعد ملک گجرات کی فتح کا عظیم الشان معرکہ تھا
جو مدت سے خود مختار چلا آتا تھا اور جس پر عارضی طور پر ہمایوں
نے ۱۵۳۵ء میں قبضہ کرلیا تھا۔ ہمایوں کی اتنی مداخلت بھی اکبر کی دست اندازی کے

لہ عادل شاہیوں کا پایہ تخت۔ دہلی کے جنوب مشرق میں اس کی سیدھی حد (۷۴۲) میل کے فاصلے پر واقع
ہے۔ جی آئی پی آر کے ہوٹگی جنکشن سے جو شولاپور سے صرف دو اسٹیشن آگے اور بمبئی سے (۲۹۲) میل ہے ساؤتھ
مرہٹہ ریلوے کی چھوٹی لین ملی ہوتی ہے۔ ہوٹگی سے بیجاپور (۵۹) میل ہے۔ اس طرح ریل کے رستے بمبئی سے بیجاپور
(۳۵۱) میل ہے۔ یہاں عادل شاہیوں کی حکومت ۱۴۸۹ء سے ۱۶۸۶ء تک رہی اور نو بادشاہ ہوئے
۱۶۸۶ء میں اورنگ زیب نے قبضہ کیا اور اس طرح سلطنت مغلیہ میں شامل ہوگیا۔ ۱۷۱۳ء تک بیجاپور
اور اورنگ زیب کے صوبہ دار کے ماتحت تھا جس کا مستقر حیدرآباد دکن تھا۔ ۱۷۲۴ء میں جب
نظام الملک نے اپنی خود مختاری کا اعلان کیا تو بیجاپور سلطنت نظام میں داخل ہوگیا پھر مرہٹوں سے صلح
ہوگئی اور ساٹھ لاکھ روپے کے معاوضے میں بیجاپور ۱۷۶۰ء میں پیشواؤں کے قبضے میں دے دیا گیا۔ مرہٹوں نے
اسے بہت تاراج کیا۔ ۱۸۱۸ء میں بیجاپور پر ستارے کے راجہ کا قبضہ ہوا اور اس کے بعد ۱۸۴۸ء میں بیجاپور ستارے
سمیت برٹش گورنمنٹ کے قبضے میں آگیا۔ یہ بہت بڑا تاریخی مقام ہے اور یہاں کی عالی شان عمارات قابل دید ہیں۔
لہ پہلے پہل میں گولکنڈہ ایک چھوٹا سا قلعہ ہندو راجاؤں کے زیر فرمان تھا بعد میں راجگان ورنگل کا اس پر
تسلط ہوا پھر ۱۳۶۴ء سے ۱۵۱۲ء تک سلاطین بہمنیہ گلبرگہ کی حکومت رہی آخر میں زمام سلطنت سلاطین
قطب شاہیہ کے ہاتھ میں آئی جو ۱۶۸۷ء تک رہی اور چھ بادشاہ ہوئے ۱۶۸۷ء میں اورنگ زیب نے لشکر کشی کی اور ابوالحسن
تانا شاہ کو قید کر کے قلعہ دولت آباد میں بھیج دیا اور یہ سارا ملک سلطنت مغلیہ میں شامل ہو کر اس خاندان کا
خاتمہ ہوگیا۔ گولکنڈے کا مشہور قلعہ حیدرآباد دکن سے جانب مغرب پانچ میل پر واقع ہے اس کے حصار کا
دور تین میل سے زائد ہے فصیل میں (۸۷) برج ہیں جن پر اب تک قطب شاہی توپیں چڑھی ہوئی ہیں۔
قلعے کے پہلے آٹھ دروازے تھے لیکن اب صرف چار دروازے ہیں۔ ۱۲

یہاں کا راجہ تھا۔ سلطان نے جب فوج کشی کی تو مدتہائے مدید کے محاصرے
میں بڑی محنتوں اور کوششوں سے فتح پائی تھی۔ میرے والد (اکبر) نے ایک مہینے
بارہ دن میں فتح کر لیا۔ میں نے قلعۂ مذکور کو دیکھا دو پہاڑ برابر برابر ہیں۔ ایک کا
نام رن ہے دوسرے کا تھنبور۔ قلعہ تھنبور پہ ہے دونوں لفظ مل کر رنتھنبور مشہور
ہو گیا۔ اگرچہ قلعہ نہایت مضبوط ہے اور پانی بھی بہت ہے مگر رن بڑی مضبوط فصیل ہے
اور حصار کی فتح اسی پر منحصر ہے۔ چنانچہ والد بزرگوار نے فرمایا کہ توپیں رن پر چڑھا دو
اور قلعے کے اندر کی عمارتوں کو سامنے دھر لو۔ پہلی ہی توپ کو آگ دی تو راے
سرجن کی جو کنڈی پر گولا لگا۔ اس کی ہمت کی بنیاد اکھڑ گئی گھبرا گیا اور قلعہ حوالے
کر دیا۔ قلعے کی تمام عمارتیں ہندوانی طور پہ نیچی ہیں اور مکان بے ہوا اور کم فضا
بنائے ہیں۔ پسند نہ آئے اور دل نہ لگا جی نہ چاہا ٹھیروں۔ ایک حمام نظر آیا کہ
قلعے کے پاس رستم خاں کے ایک ملازم نے بنایا تھا۔ باغچہ اور بالاخانہ بھی ہے
کہ صحرا کی طرف کھلا ہوا ہے۔ ہوا فضا کے لطف سے خالی نہیں اور تمام قلعے میں اس
سے بہتر جگہ نہیں۔ رستم خاں میرے والد کے امرا میں سے تھا اور بچپن سے
نوکری میں تربیت پا کر محرمیت اور قرب خدمت حاصل کیا تھا۔ اس اعتماد کے سبب
سے قلعۂ مذکور اس کے سپرد کیا تھا۔ قلعہ دیکھ کر میں نے حکم دیا کہ یہاں کے قیدیوں کو
حاضر کرو۔ سب کے حال سنے۔ خونی یا جن کے چھوڑنے میں فتنہ و آشوب کا
خطر ہوا اسے تو قید رکھا باقی سب کو چھوڑ دیا اور ہر ایک کو خرچ و خلعت بھی عنایت کیا۔
جب ہندو اکبر کے حامی اور مددگار ہو گئے تو راجپوتوں کی مدد سے اکبر نے ہندوستان
کی افغانی سلطنتیں ایک ایک کر کے سب لے لیں۔ بہار۔ بنگالہ۔ اوڑیسہ۔ کشمیر
سندھ۔ مالوہ۔ گجرات۔ خاندیس۔ کابل اور قندھار سب فتح کر لیے۔ الغرض
اکبر اپنے اخیر زمانہ سلطنت میں کوہ بندھیاچل کے شمال میں کل ہندوستان کا اور
دکن میں خاندیس احمد نگر اور برار کا بادشاہ تھا۔ ایک وقت میں اکبر کو دکن کے فتح
کرنے کا خیال ہوا۔ احمد نگر کے نظام شاہی بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کی
وفات پر سلطنت کے چار دعوی دار پیدا ہو گئے ان میں سے ایک نے اکبر سے
مدد مانگی۔ اکبر نے اپنے بیٹے مراد کو اس کی کمک پہ بھیجا۔ چاند بی بی نے بڑی

ن وا ہ دن کے بیچ میں جاکر کوہِ رَن کی چوٹی پر بسایا تھا۔ اس پہاڑ پر
پتھر ہیں اور درختوں میں چھپے ہوئے۔ رَن پہاڑ کو کہتے ہیں تھنبور
یش یعنی گلشن پوش پہاڑ۔ وہ سارے نام قلعہ تھا مگر حقیقت میں ملک خدائی تھا
کے گرد فصیل کھینچی ہوئی تھی۔ کہیں فصیلیں تھیں کہیں پہاڑوں کی دھاروں پر
فصیلیں تھیں۔ اُس کے محاصرے میں بھی سخت دشواریاں پیش آئیں۔ بے
ان کے کامیابی ممکن نہ تھی چنانچہ اسکا انتظام بھی ٹوڈرمل کو کہ وزیر مطلق
تھا اور قاسم خاں میر بحر کو سپرد ہوا۔ اُس نے کمال عرق ریزی اور
انتظام سے اُسکا بند و بست کیا۔ بہادروں نے دروں میں گھس کر اور
ان پر چڑھ کر اونچے اونچے مقام پیدا کیے جن کی بلندی قلعے کی عمارتوں کو
نظر سے گھورتی تھی۔ اُن پر ساٹھ ساٹھ منی توپیں چڑھائیں۔ ایک ایک
دو دو سو بیل اور سات سات آٹھ آٹھ سو کہاروں نے کھینچا اور اُن
ان کی چوٹیوں اور دھاروں پر مورچوں میں جا دیا کہ جہاں چیونٹی کے پاؤں
تھے۔ ایک ایک توپ پانچ پانچ سات سات من کا گولہ اگلتی تھی جب
کے بادل سے لوہا برسنا شروع ہوا۔ پتھروں کے سینے پھٹ گئے
ہ و نالہ۔ قلعے کے مکانات فرش زمین ہو گئے اور مکاں والے بلبلا اٹھے
ر کا حال دیکھ چکا تھا۔ گھبرا گیا۔ بعض ٹھاکروں اور زمینداروں کو بیچ میں ڈالا
۔ بھوج اپنے دونوں بیٹوں کو دربار میں بھیجا اور یہ بھی کہا کہ کوئی
بھیجے جائے تو میں بھی حاضر ہوں۔ بادشاہ نے حسین قلی خاں کو بھیجا
قلعے کے باہر تک استقبال کو آیا۔ بہت تعظیم و احترام کیا اور قلعے میں لے جاکر
ان نے راجہ کی بھی تسلی کی اور اپنے ساتھ دربار میں لاکر حضور میں پیش کیا
سونے کی کنجیاں اور گراں بہا پیشکش نذر کیں اور تیسرے دن قلعہ سپرد کیا
ی ملتح مشی"۔ جو وجہ تسمیہ اوپر لکھی ہے یہ اکبرنامے سے لی ہے۔ جہانگیر نے شاہ
قات میں اپنے تزک میں لکھا ہے کہ علاء الدین خلجی کے زمانے میں راے تھمیر
ہم لکھتے ہیں کہ اکبر حصار دار کا بھیس بدل کر راجہ مان سنگھ کے ساتھ خود قلعے میں گیا تھا
اگرچہ بات کچھ قرین قیاس نہ ہو مگر مارسٹن صاحب نے اپنی تاریخ ہند میں یہی روایت کی ہے

راجہ سُرجن یہاں کا راجہ تھا۔ اس کے محاصرے میں بھی اکبر کو تعویق پیش آئی اور قلعے کے فتح ہونے کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ راجپوتوں کا دستور تھا کہ محاصرے کے زمانے میں بھی کبھی عارضی طور پر لڑائی موقوف کرکے رات کے وقت طرفین کے آدمی آپس میں ملتے جلتے تھے اور بابکدیگر بات چیت ہوا کرتی تھی۔ ایک رات اکبر کا سپہ سالار راجہ مان سنگہ سُرجن سے باتیں کرنے قلعے میں چلا گیا۔ اکبر بھی عصا بردار کا بھیس بدل کر اس کے ساتھ ہو لیا۔ سرجن دیکھتے ہی تاڑ گیا۔ اُس نے اکبر کے ہاتھ سے عصا لے لیا اور اُس سے نہایت عزت و تعظیم سے جو ایک جلیل القدر بادشاہ کے مرتبے کے شایاں تھی پیش آیا اور صدر مقام پر بٹھلایا۔ اکبر مسکرایا اور فرمایا "کہو بھئی راجہ سرجن! اب کیا ارادے ہیں؟" مان سنگہ نے راجہ کو جواب کی مہلت نہ دی جھٹ کہنے لگا "تم نے کہاں کا بکھیڑا پھیلا رکھا ہے۔ مناسب اور مصلحت وقت یہی ہے کہ میواڑ کے راجہ کا تو تم ساتھ بہت دے چکے اب اسے چھوڑ دو۔ قلعہ بادشاہ کے حوالے کرو اور شاہی دامن عاطفت میں آجاؤ۔" اکبر بولا "اگر تم میری اطاعت قبول کرلو تو ایک کیا ہے ایسے ایسے پچاس رجواڑوں کا تم کو حاکم بنا دوں گا اور راج پاٹ تمہارا ہی رہے گا۔" مان سنگہ کو اتنا موقع کافی تھا اُسے شیشے میں اُتار لیا اور کہا کہ "دیکھو جہاں پناہ کس مہربانی سے تم کو مخاطب فرما رہے ہیں اور کیسی اچھی طرح تم سے پیش آئے۔ بادشاہ سلامت راجپوت راجاؤں کی کیسی عزت افزائی فرماتے ہیں۔" سرجن بھی موقع محل دیکھ کر مان گیا اور سر تسلیم خم کرکے قلعہ کی کنجیاں اُسی آن بادشاہ کے سپرد کردیں۔ دربار اکبری میں قلعہ رنتھنبور کے واقعہ کو ذرا صراحت سے یوں لکھا ہے کہ: شیر شاہ کے بعد اس قلعہ میں اُس کا غلام حاکم تھا۔ اُس نے اکبر کا اقبال طلوع دیکھ کر اپنی حالت پر نظر کی۔ ڈرا کہ مبادا شعاع اقبال سے جل جائے۔ ۹۶۶ھ ۱۵۵۹ء میں رای سرجن کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ سرجن رانا کے عزیزوں میں تھا اُس نے بہت سے مکانات اور محل بنوائے۔ باہر بھی دور دور تک عملداری پھیلائی۔ جب اکبر قلعۂ چتوڑ کی فتح سے فارغ ہوا تو سنہ ۹۷۶ھ میں اکبر نے رنتھنبور کے قلعے پر فوج کشی کی۔ اُس وقت رای سرجن ہاڑا راج کرتا تھا۔ یہ قلعہ راجگان سلف کی

تیں آئیں اور بہت دن لگ گئے اس کو اس سے بھی زیادہ اہم امور درپیش
تھے اس نے دیکھ لیا کہ اس زبردست دشمن کے پیچھے بہت کچھ اوقات عزیز ضائع
کرنا بے ہودہ ہے کوئی امید نہیں کہ یہ قوی اور چالاک دشمن قابو میں آسکے ناچار اس قسم کو
ی کرانی مناسب خیال کیا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ گو اکبر نے لاکھ جتن کیے یہ سرکش
راجہ مطیع ہوا تو کیا معنی دربار تک بھی نہ آیا اور پھر سنبھل کر اپنی طاقت سے اپنے پاؤں
کھڑا ہو گیا اور آج تک بھی اس خاندان کا وہ علاقہ جوں کا توں بحال و برقرار ہے۔

رنتھنبور اور کالنجر ۱۵۶۹ء

۱۵۶۹ء میں اکبر نے راجپوتانے میں رنتھنبور[له] اور بندیل کھنڈ میں کالنجر دو ایسے مشہور قلعے فتح کیے جو سارے ہندوستان میں سب سے زیادہ مستحکم خیال کیے جاتے ہیں۔ میواڑ کے علاقے میں اودے سنگھ کا ایک مضبوط قلعہ رنتھنبور تھی

له چوں رائے سرجن راجہ رنتھنبور را دیگر سرکشی آغاز نہادہ بادشاہ محمد اکبر شاہ بادر ۹۷۶ھ
بارادۂ تسخیر آں قلعہ رفتند و تاریخ سوم شوال سنہ مذکور آں قلعہ را کہ سلطان علاء الدین خلجی با آں
حشمت و جلال بعد از محاصرۂ یک سال دست تصرف بر آں یافتہ بود بمیامن اقبال در یک ماہ مفتوح
ساخت و مولانا شیری ایں تاریخ یافت بیت

قلعۂ کھر چو از دولت بستہ یافت شکست   شہ کفار شکن یافتہ شیری سالش

ہم دریں ایام یعنی در سنہ ۹۷۲ھ عبدالمجید آصف خاں با رانی درگاوتی حاکمۂ گڑھ کٹنگہ کہ مابین سرحد
رنتھنبور و مالوہ و بہار دکن است محاربۂ عظیم نمود چنانچہ رانی دو دم تیر برداشتہ چوں عرصہ را تنگ
دید خود را بخنجر کشت و پسرش کہ شخص بود بعد از چند روز پایمال بقتل رسید و ایں بہائی تیر و سہ و قوت
و امانت۔ ہرگاہ شنیدہ است کہ خیرے بود در شدہ آب معروف سے تا رحم بر دشمنان ارمان اسیر گردید
و برادر و دیگراں چند بار صف جنگ آراستہ غالب آمدہ بود لیکن ایشاں کار را پیش کردہ است۔ و قلعۂ
چوراگڑھ مفتوح گردید ہمچناں کہ رانی و پسرش متعلق بود و جوہر قرار دادہ و یک محفوظ چوب
و ہیمہ و تیمس و امثال آں تعبیہ کردند و در میں وقایع محوطۂ مذکورہ را آتش زدہ خود با بدلان اندا
ختہ خاکستر شدند۔ از عجائبات قدرت آں کہ چوں بعد از چہار روز در آں محوطہ را کشادند دو زن از میاں بر آمدند کہ
چوب بلند گی حائل آنہا گشتہ بود آتش و قایت کردہ بود یکی از آں کہ کملادتی نام داشت خواہر رانی درگاوتی

مگر پھر بھی اخیر دم تک اودے پور کے باحمیت خاندان نے اپنی بیٹی مسلمان فاتحین کو نہ دی پر نہ دی۔ پرتاب سنگہ کی رگوں میں غیرت اور حمیت کا خون جوش زن تھا اور اکبر کے لیئے ایک بڑی مشکل کا سامنا تھا جب اُس نے مان [illegible] کو اودے پور کی مہم سر کرنے کو بھیجا۔ جس طرح اودے سنگہ نے اکبر کی اطاعت قبول نہ کی تھی اسی طرح اُس کے بیٹے پرتاب سنگہ نے بھی جب تک دم میں دم رہا سر نہ جھکایا۔ رانا پرتاب سنگہ نے قسم کھائی تھی کہ جب تک چتوڑ دوبارہ نہ لے لوں گا نہ چاندی سونے کے تھال میں کھانا کھاؤں گا نہ پیال کے بستر [illegible] کر سوا کسی اور بستر پر سوؤں گا نہ ڈاڑھی کو بل دے کر چڑھاؤں گا لیکن کچھ معاملہ ہی ایسا بے ڈھنگا ہو گیا تھا کہ یہ بہادر لڑتے لڑتے مر گیا مگر چتوڑ لینا نصیب [illegible] نہ ہوا۔ خود رانا تو محاصرے کے زمانے میں قلعے میں نہ تھا بلکہ جنگل بیابانوں میں سرگردان پھرتا تھا۔ بعد میں اُس نے ایک نیا شہر گھاٹیوں کے جال میں اپنے باپ کے نام پر بسایا یعنی اودے پور اور وہیں اپنی دار السلطنت منتقل کر لی۔ اودے پور کے رانا آج تک نہ ڈاڑھی کو بل دیتے ہیں نہ چاندی سونے کے تھالوں میں پتے بچھائے بغیر کھاتے ہیں نہ سیج پر پیال بچھائے بغیر بیٹھتے ہیں۔ عام رائے یہ ہے کہ اس معزز خاندان کے لوگوں میں سولھا آنے خالص راجپوتی خون بھرا ہے۔ راجپوتوں کا ایک یہی خاندان ہے جو جائز طور پر فخر کر سکتا ہے کہ ہم نے نہ مسلمان بادشاہوں کی اطاعت قبول کی نہ ڈولے دیئے۔ اگرچہ بہادر رانا کو اُس کے علاقے سے مسلمانوں نے بدر کر دیا تھا اور اُس نے پہاڑوں اور سندھ کے جنگلوں میں پناہ لی تھی لیکن وہ ہمت نہ ہارا تھا۔ بارہا مثل شیر کے ان مقامات سے نکلا اور مغلوں کے لشکروں کو تہ و بالا کر کے بڑی بڑی شکستیں دیں۔ کئی مرتبہ پرتاب سنگہ کا سارا مال و متاع لوٹ کھسوٹ لیا گیا اور بالکل تہی دست بیک بینی دو گوش رہ گیا یہاں تک کہ بال بچوں اور اپنے چند رفقا سمیت فاقہ کشی کی نوبت پہنچ گئی لیکن وہ ایسا ہمت کا مستقل اور دل کا غنی اور [illegible] کا غیور تھا کہ جان پر بن بن گئی مگر مسلمانوں کے سامنے گردن خم نہ کی اور اُن کی اطاعت قبول کرنے کے سامنے وہ مر جانے کو ترجیح دیتا تھا۔ اکبر کو اس مہم میں غیر معمولی مشکلات

حملہ کرتے ہی مرگیا۔ سردار کے مرنے سے محصورین کا دل چھوٹ گیا۔
انھوں نے راجپوتوں کی قدیم رسم کے موافق جوہر کرکے عورتوں اور بچوں
سب کو مار دیا اور پھر کیسریا باسے (زعفرانی کپڑے) پہن تلواریں سونت سونت
کر قلعے سے نکلے اور یہاں تک لڑے کہ آٹھ ہزار سب کے سب کٹ
مرے اور ایک شخص بھی زندہ نہ بچا۔

رانا پرتاب سنگھ

رانا اودے سنگھ نے بیالیس برس کی عمر میں انتقال کیا
اس کے بعد اس کے بیٹے راجستان کے مشہور
رانا پرتاب سنگھ سے معرکہ آرائی پیش آئی۔ گو بہت سے معرکے رہے

ف۱ بدام پرشاد کھوسلا اور مس موہن کی ہسٹری آف انڈیا میں تیر سے مارا جانا لکھا ہے۔

ف۲ چوں محمد اکبر شاہ در ۹۷۵ھ بقصد تسخیر قلعہ چیتوڑ رو بآں سمت شدند و قلعہ را محاصرہ نمودہ
نقب ہا زیر برج قلعہ کندیدہ از باروت معمور نمودند در چہارم سنہ ۹۷۵ ماہ جمادی الاخری
مرکوز دہ باروت آتش دادند۔ برج قلعہ از بیخ و بنیاد با تمامی سپاہ کہ بر سر آں برج کار
زار بودند بہوا گرفتہ متفرق و متلاشی شدند و سنگہا بہ فرسنگہا رفت و ح یاراں قلعہ ایں ہیجا
گردہ بیشتر سینہ موجب استعجاب متعجبان گردید و بعد از چند روز قلعہ مفتوح
و قریب سی ہزار کس از قوم راجپوت کہ در قلعہ بودند بہ قتل رسیدند۔ مرزا اسیری
تاریخ فتح را چنیں یافتہ۔ تاریخ۔

چو گلگونہ ابدیت بادشاہ　　سوئے عزم چیتور کرد مدبیاں
بیک زماں فتح آں قلعہ کرد　　کہ بادا جہانش بزیر نگیں
چو تاریخ پرسیدم از عقل گفت　　مدارو سکے باد فتح چنیں
۹۷۵

وکسے دیگر گفتہ۔　　دل گفت کہ "تک تاز دروی چیتور"

بعد فتح چوں بادشاہ رائے زیارت خواجہ معین الدین چشتی ۲ دیگ بسیار کلاں ترتیب داد
میر قلندر الدولہ کاں ایں تاریخ یافت۔

شاہ دین پرور جمشید سریر　　خسرو عہد محمد اکبر
ساخت بعد از فتح چیتور　　دیگ ریختن وا دریکر
بہر تاریخ دیدار عالم گفت　　دیگ چیتور کن شد یکسر　(۱۲)
۹۷۵

اکبر ہندوانی لباس میں

جیا رانی اور شاہزادہ سلیم (جہانگیر)

رانا پرتاب سنگھ

رانا اُودی سنگھ

بادشاہوں کو زیر کرے۔ اکبر اپنے ساتھ ایک جرار لشکر لے راجپوتانے میں گھس پڑا اور سب سے زبردست راجاؤں سے لڑنا شروع کیا۔ گو یہ راجا اپنی اپنی جگہ بڑے تھے مگر اکبر کے مقابلے پر کیا ٹک سکتے تھے انھوں نے دیکھ لیا کہ یہ ایک شیر دل اور بڑا طاقت ور بادشاہ ہے اس کی سطوت و جبروت سے ایک گونہ خائف ہوئے لیکن ساتھ ہی اس کے یہ لوگ اکبر کی بہادری علو ہمتی اور بلند نظری سے جو ایک بڑے بادشاہ کے شایاں ہے خوش بھی ہوئے کیوں کہ راجپوت اصل نسل کے خود بڑے بہادر ہیں اور وہ بہادر آدمی کی بڑی قدر و منزلت کرتے ہیں۔ ان معرکوں میں اکبر ان پر غالب آیا لیکن کسی قسم کی سختی نہ برتی بلکہ بڑی مہربانی اور حسن سلوک سے پیش آیا اور اُن کے ملک اُنھیں کو دے دیئے البتہ صرف اتنا اقرار لے لیا کہ یہ راجہ اکبر کو اپنا شاہنشاہ تسلیم کریں جس پر وہ سب بخوشی آمادہ ہوگئے لیکن رانا سانگا کا بیٹا اودی سنگھ جو میواڑ کا بڑا بھاری راجہ تھا اکبر کو ڈولا دے کر صلح کرنے پر راضی نہ ہوا۔ اودی سنگھ خود تو اراولی پہاڑوں کی طرف گجرات میں چلا گیا مگر ایک نوجوان شجاع اور دلیر ٹھاکر جے مل کو چتوڑ کی حفاظت کے لیئے چھوڑ گیا جو بدستور سرکشی کر رہا تھا اور کسی طرح قلعے کو حوالے نہ کرتا تھا۔ قلعے کی فوج بڑی جرأت اور استقلال سے اکبر کا مقابلہ کر رہی تھی۔ چتوڑگڑھ سارے راجپوتانے کی ناک اور سب سے مضبوط قلعہ ہے جس میں داخل ہونے کا صرف ایک ہی رستہ ہے جو پہاڑ کاٹ کر بڑا ٹیڑھا میڑھا بنایا ہے۔ اس میں یکے بعد دیگرے چار دروازے ہیں۔ سب سے اول ۱۳۰۳ع میں علاء الدین خلجی نے اس پر چڑھائی کی اور پھر ۱۵۳۳ع میں بہادر شاہ گجرات کے بادشاہ نے لڑائی کی۔ اکبر بھی اکتوبر ۱۵۶۷ع سے فروری ۱۵۶۸ع چار مہینے تک محاصرہ کیئے پڑا رہا لیکن کوئی صورت مہم سر ہونے کی نظر نہ آئی۔ آخر ایک رات اکبر کو خبر ملی کہ جے مل قلعے کی فصیل پر کھڑا اپنے آدمیوں سے ایک شگاف جو فصیل میں ہو گیا بند کر رہا ہے۔ اکبر نے اُسی وقت اپنی سب سے عمدہ بندوق دور انداز منگائی اور شست باندھ کر ایسا نشانہ لگایا کہ جے مل کی پیشانی پر بیٹھا۔

غرض اکبر یلغار پنجاب میں پہنچا پھر حکیم مرزا کی قرار واقعی سرکوبی کرکے نہایت ہمت و استقلال سے اس بھڑکی ہوئی آگ کو بجھایا۔ یہ واقعہ ۹۸۹ھ ۱۵۸۱ء کا ہے۔

ازبک

لوگوں نے یہ ایک غلط افواہ پھیلائی کہ اکبر ازبکوں سے ناراض تھا اور اسی وجہ سے ان پر اعتماد باقی نہ رہا تھا۔ یک جا ہم خان زماں متوحد اور جونپور ازبکوں سے جا ملا اور ان کو ابھار کر بڑی شورش برپا کرا دی جس کے فرو کرنے میں اکبر کو پورے دو برس لگے اور تلاطم میں خان زماں مارا گیا۔

راجپوتوں سے معرکہ آرائی اور چتوڑ کی لڑائی ۶۸-۱۵۶۷ء

ازبکوں کے معرکے کے بعد راجپوتوں سے کیا بھی بری۔ ۱۵۶۷ء میں اکبر نے چتوڑ کے فتح کرنے کا عزم بالجزم کیا۔ اس وقت ہندوستان میں کم سے کم سو راجہ تھے۔

اکبر کا دلی منشا یہ تھا کہ ان کو اپنا دوست بنا کر ان کی مدد سے شمالی ہند کے پٹھان

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۳۹) جب حکیم مرزا کی مہم کا خاتمہ ہوا تو کابل میں پہنچ کر اکبر نے بہت تحقیقات کی۔ سازش کی بو بھی کہیں پختہ نکلی۔ یہی معلوم ہوا کہ کرم اللہ شہباز خان کمبوہ کے بھائی بعض امرا خصوصاً راجہ ٹوڈرمل کی استقلال سے یہ تقیلے سنے تھے۔ اکبر نے اس کے قتل ناحق سے اور اس نظر سے کہ ایسا کاہدان اہل کار ہاتھ سے گیا بہت افسوس کیا اور کہا کرتے تھے کہ جس دن سے خواجہ مر آیا تمام حساب درہم برہم ہو رہے ہیں اور محاسبہ کا سر رشتہ ٹوٹ گیا۔ ایسا محاسب خوردہ گیر نکتہ سنج شخص کم ملتا ہے۔ خواجہ ہزاری منصب تک پہنچے چار برس دیانت کی اور استقلال و استحقاق سے وزارت کی۔ محمد حکیم مرزا برادر علاتی اکبر بادشاہ است بتاریخ ۱۵ رجادی الاولی ۹۶۱ھ ۱۵۵۳ء در کابل متولد شدہ۔ تاریخ ولادت او "الرابع عشر من العاشر" یافتہ اند۔ از طرف برادر خود محمد اکبر شاہ حکومت کابل داشتہ۔ باغوائے خان زماں علی قلی خان باغی شدہ در جمادی الثانیہ ۹۷۳ھ ۱۵۶۶ء بارادۂ تسخیر ہندوستان تا لاہور رسید۔ بعد چون شنید کہ اکبر شاہ لشکر کشی کردہ بر سرمی آید از لاہور باز بکابل مراجعت کرد۔ و در دیار لعمر سی و دو سالگی از کثرت میخوشی در سنہ ۳۰ جلوس موافق شعبان ۹۹۳ھ ۱۵۸۵ء فوت کردہ۔ چون فرزندان مرزا خورد سال بودند فرمان بنام راجہ بھگوان داس و کنور مان سنگھ حاکم پنجاب صادر گشت کہ بکابل رفتہ آن ولایت را بتصرف بندگان درگاہ آرند خود بکابل تشریف بردند

لوگوں کو ہموار کر کے ایک گہری سازش کی تھی اور پنجاب پر قبضہ کیا چاہتا تھا۔
(نوٹ صفحہ ۹۳۳) ؎ اکبر کا سوتیلا بھائی کابل کا حاکم تھا۔ بغاوت کر کے ہندوستان میں آیا اور لاہور تک پہنچ گیا۔ اکبر نے آگرے سے فوج روانہ کی اور پھر آپ بھی سوار ہوا۔ پانی پت پہنچا تھا کہ حکیم مرزا بموجب عادت کے بھاگ گیا۔ اکبر سرہند پہنچا۔ خواجہ شاہ منصور سرہند کے صوبہ تھے۔ ان سے کیا امرا کیا عام اہل دربار مدت سے جلے ہوئے تھے۔ حکیم مرزا کے فرمان اور اُس کے امرا کی طرف سے جعلی خطوط خواجہ کے نام اور کچھ خواجہ کے خط اُس کے نام پر بنا کر پیش کیئے موقع ایسا تھا کہ اکبر کو یقین آگیا اور سمجھا کہ حقیقۃً اُدھر ملا ہوا ہے۔ ٹوڈرمل کی ان سے چشمک تھی تعجب ہے کہ راجہ مان سنگ نے بھی اٹک سے تین خط گرفتار کر کے بھیجے۔ بادشاہ بھی متردد تھے قید کر کے ضامن مانگا۔ ان بیچارے کا ضامن کون ہو۔ مسلمانوں نے ثواب اور ہندوؤں نے پُن کمائے۔ نواح انبالہ منزل کچھ کوٹ پر بے جرم و بے خطا منصور کی میراث خواجہ منصور کے گلے باندھی۔ تاریخ ہوئی "ثانی منصور حلاج" شیخ ابوالفضل نے کئی جگہ اُس کی لیاقت کو عمدہ سارٹیفکٹ دیئے ہیں۔ قتل ۹۸۹ھ کے مقام پر لکھتے ہیں۔ اگرچہ فضیلۂ علمی نہ رکھتا تھا مگر یکا محاسب۔ جانچ کر بات کہنے والا۔ نکتہ فہم۔ خوردہ گیر۔ کاروبار کا بوجھ سنبھالنے والا فصیح بیان۔ خوش کلام۔ خوش وضع۔ خوش نما انداز نیک اطوار تھا۔ کچھ کوٹ کی منزل میں درخت سے لٹکا دیا۔ ملا پیر محمد صاحب خطوں کی گرفتاری کا حال کس خوبی سے لکھتے ہیں۔ صبح کو خدمت راہ سے فرمایا اُس نے منزل کچھ کوٹ میں پھانسی سے لٹکا دیا اور خدائی کا مظلمہ گلے کا پٹہ رہا کہ قیامت تک لٹکا کرے گا۔ اِیَّاکَ وَخِدْمَۃِ الْمُلُوْکِ فَاِنَّھُمْ یَسْتَعْظِمُوْنَ عِنْدَ السَّلَامِ رَدَّ الْجَوَابِ وَیَسْتَحْقِرُوْنَ عِنْدَ الْعِقَابِ ضَرْبَ الرِّقَابِ۔ خدمت سلاطین سے بچنا کہ سلام کرو تو جواب دینا بھی بڑی بات سمجھتے ہیں اور خفا ہوں تو گردن مارنی کچھ بات ہی نہیں۔ ع۔ خوش باش کہ ظالم نبرد راہ بسلامت۔ خیال کرو شاہ منصور کا ذکر ہے اور نشتر کی نوکیں کہاں کہاں چبھوتے جاتے ہیں۔ ہاں اصل نصیحت کا مضمون دل پر نقش کرنے کے قابل ہے۔ ؎

نباشی بکار جہاں سخت گیر — کہ ہر سخت گیرے بود سخت میر
بآساں گزاری دمے می گزار — کہ آساں زید مرد آساں گزار

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

بھائی محمد حکیم مرزا نے جو اکبر سے بارہ برس چھوٹا تھا کابل سے نکالے جانے کے بعد

رقیہ (دٹ صفحہ ۴۳۳) کسمسا کر رہ گئی کہ اس نیاز میں صرف وہی عورتیں شریک ہو سکتی ہیں جو بیوہ یا بیوی ہوں۔ رانی نے بہتیرا اصرار کیا مگر نورجہاں نے کہا کہ نہیں۔ اس نیاز کے قابل آپ ہی ہیں تشریف لے جائیے۔ نورجہاں نے بادشاہ سے اس حقارت کی بہت شکایت کی بادشاہ نے رانی سے پوچھا۔ رانی - میں کیا کروں یہ نیاز ہی ایسی مقدس و مطہر بیوی کی ہے کہ ہم تم نہیں کھا سکتے۔ بات گئی گزری ہوئی۔ باوجود نورجہاں جیسی زبردست مدمقابل کے بیاہتا بیاہی ہونے کی حیثیت سے جو مرتبہ قدرتاً جودھ بائی کو حاصل تھا اس کی تقویت شاہزادہ خورم (شاہجہاں) ولی عہد کی ولادت باسعادت نے بھی ہو گئی۔ یہ جشن کیسا ہوگا اور کیا کچھ انعام اکرام لوگوں کو ملے ہوں گے جس کی زچہ گیریاں آج تک بھی چلی جاتی ہیں جن سے اس وقت کی دولت مندی، فارغ البالی، مشہور ہونے کے پیدا ہونے کی خوشی اور رانی صاحبہ کے میکے کا حال اور وہاں سے تعلقات کی کیفیت کی تصویر آنکھوں کے سامنے کھڑی ہو جاتی ہے۔

(۱) باجے بجے جودھا جی کا راج — للا جی کا مال نہ چھوٹے
تھال بھر موتی جودھ رانی لائیں — وہ بھی نہ لیتے یہ دائی (للا جی الخ)

غرض ساری زچہ گیریاں اسی طرح ہیں کہ شال دوشالے جودھ رانی لائیں اور ہاتھی گھوڑے جودھ رانی لائیں۔ مگر دائی کے جھگڑے میں کوئی چیز نہ آئی وہ جودھا جی یعنی جہانگیر کا آدھا راج پاٹ ہی لینے پر اڑی رہی۔

(۲) [illegible] ترے بال کھولو [illegible] - جھنڈولا آج ہوا
[illegible] راجہ تو پیرن باولی - جھنڈولا آج ہوا
[illegible] بابل [illegible] ہیں جھنڈولا آج ہوا

بیت نصیر الدین حیدر صاحب جو دلی کے خاندان شاہی سے ہیں اپنے مضمون میں لکھا ہے کہ رانی صاحبہ طیب خاطر مسلمان ہو گئی تھیں اور بی بی کی نیاز سے استدلال کیا ہے لیکن یہ بات صحیح نہیں اگر وہ جودھ بائی کا مسلمان ہونا اور مذہب کا خاص تعلق دیکھتیں تو شاید ایسا لکھتیں۔ رہی نیاز یہ بات بھی بہت سے ہندو دیکھے ہوں گے یہ مہر نیاز دیتے ہیں محرم میں تعزیہ داری کرتے ہیں۔ اس سے لازم نہیں آتا کہ وہ مسلمان ہی ہیں پھر جس عورت کا پالا مسلمانوں سے ابتدا سے پڑا ہو اسلام اور ہندویت کا امتیاز و اس کا ماحول ہو جاتا یقیناً اس کو ایسے رسوم حکمی تو قبل باقی نہیں رہ سکتا اور معاملہ آدھا تیتر آدھا بٹیر ہو جاتا ہے اور جودھ بائی کا بھی یہی حال رہا ہوگا کہ نیم ہندو نیم مسلمان ۱۲

مصروف تھا اور دوسری طرف اُسے پنجاب جانا پڑا کہ وہاں اُس کے سوتیلے

(بقیہ نوٹ صفحہ (۳۳۷) سخت بے چین ہوئے اُن پر آنے کے تقاضے شروع کیئے تو اُنھوں نے اپنی مجبوری ظاہر کی۔ اس نامہ و پیام کے مضمون کو کس درد بھرے لہجے میں اس ہندی کے گیت میں ادا کیا ہی:۔

دلی شہر سہاؤنا اور کنجن بسے نیر سب کے کنتھ بٹور کے لے گئے عالم گیر
صاحب کی بنتی کرو اور مَن میں راکھو دھیر اب کے بچھڑے جب ملیں جب ملیں عالم گیر

دلی میں برسات کے موسم میں ایک ملار گایا جاتا ہی اُس میں بھی دلی والی بیویوں کے اسی زمانے کے انتظار کو کیسی اچھی طرح بیان کیا ہی۔ ؎

چھپیر پرانے ہوگئے اور کرکٹ کن لاگے بانس اے ہو اجے پیا آون کہہ گئے آئے نہ بارہ بانس

غرض ان گیتوں سے کھوج نکالنا غلط نہیں۔ بلا شبہ اس سے پہلے بھی شاہنشاہ اکبر نے خود راجہ بہاری مل مہاراجہ جے پور کی بیٹی سے شادی کی۔ جودھ بائی کے علاوہ کچھواہہ خاندان کی ایک دوسری رانی جہانگیر کے حبالۂ نکاح میں آئی مگر جودھا بائی کی شادی میں کچھ اور ہی بات تھی۔ دُنیا کا قاعدہ ہی کہ پھول کے پہلو میں خار ضرور لگا ہوا ہی۔ جہاں آسائش ہی وہاں کاہش بھی ہی۔ رانی جودھ بائی کو جہاں سب کچھ اعزاز تھا وہاں نورجہاں کا گہن بھی لگا ہوا تھا مگر قرائن سے معلوم ہوتا ہی کہ اُس نے اس رقیبانہ منزل زندگی کو بڑے صبر و تحمل استقلال اور بلند حوصلگی سے طی کیا اور سوکناپے کی جلن میں اپنی زندگی کو سوختہ کرنے کے بجاے تہذیبی اور تمدنی معاملات کی دل چسپی میں اپنا وقت گزارا۔ ساتھ ہی اس کے وہ اپنی مشہورۂ آفاق سوکن کے مقابلے میں کبھی ہیٹی بھی نہیں رہی۔ ایک دفعہ کا ذکر ہی کہ جہاں پناہ رانی کے محل میں آئے اور فرمایا "نورجہاں کہتی ہیں کہ میرے منہ سے جو خوشبو آتی ہی وہ کسی اور کے منہ میں نہیں آتی کیا یہ بات سچ ہی؟" مہارانی۔ میرے شاہ نے کوئی دوسری بو نہیں سونگھی جو حضور کے اور غیر کے بوسے دہن میں تمیز کر سکوں"۔ فی الواقع یہ جواب بڑا ترلا سے کا تھا جس کے دینے کی جودھ بائی حق دار تھی اور نورجہاں پر بڑی بھاری چوٹ تھی کیونکہ جہانگیر اُس کا دوسرا شوہر تھا۔ ابد اکبر رانی کی طبیعت کی شوخی۔ ایک دفعہ جو دل میں آئی تو بی بی (یعنی حضرت فاطمہ) کی نیاز کی نورجہاں کو بھی بلایا۔ بیگم بڑے ٹھاٹھ اور کر و فر سے آئیں۔ نیاز طیار ہوئی تو سب بیبیاں شریک ہوئیں مگر نورجہاں دمیں (بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

ایک طرف تو اکبر کو اس وقت ازبکوں کا معرکہ درپیش تھا اور اس کے بندوبست میں

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۲۶) اس شادی میں دونوں قسموں کی یعنی ہندوانی اور مسلمانی رسمیں ادا کی گئیں جب رخصت کا وقت آیا اور دلہن کو پالکی میں سوار کیا تو دلہن کے باپ نے حسب قاعدہ بہت عجز و انکسار کے الفاظ سے اپنے بادشاہ کی تشریف لانے اور اعزاز و احترام سے بیاہ لے جانے کا شکریہ ادا کیا۔ اکبر نے اس عقیدت و وفاداری کا نہایت تلطف آمیز جواب دیا۔ مطلع کے آخری مصرع میں اسی سوال جواب کی طرف اشارہ ہے۔ کیا سماں ہے کہ دلہن پالکی میں سوار باہر دولہا اور دونوں سمدھی کھڑے ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا عزت ہو سکتی ہے کہ اکبر نے ناکی کا (پالکی کی طرح کی ایک سواری ہے جو ترک شاہی میں داخل تھی جس کے چار ڈنڈے ہوتے تھے اور ہر ڈنڈے میں چار کہار لگتے تھے۔ اس پر سونے کا کلس ہوتا تھا اور کچھ چھتر سے ملتی جلتی تھی۔ یہ سواری بادشاہ کی بیگمات اور بہو بیٹیوں کے لیے مخصوص تھی اور بڑی عزت کی سواری سمجھی جاتی تھی۔ دلہنیں اسی میں آتی جاتی تھیں) ڈنڈا خود اٹھایا اور دوسری طرف بیٹے کو لگایا بادشاہ کا جھکنا تھا کہ امرا ٹوٹ پڑے اور کندھا دینے میں سبقت کرنے لگے۔ کہاروں بیچاروں کی نوبت نہ آئی کہ پالکی ہاتھوں ہاتھ شاہی کیمپ میں جا پہنچی۔ اندر سے رانی جودھ بائی کی خوشی انتہائی کہ جس بادشاہ کی شمشیر آبدار کے سامنے چاند اور سورج سر جھکاتے تھے یعنی چندر بنسی اور سورج بنسی [illegible] لڑکی اس کے کندھے پر سوار ہے العظمۃ للہ۔ جہیز کا کیا پوچھنا ہے۔ بے حد و بے شمار تھا کسی چیز کی کمی نہ تھی۔ اور لوازمات کے ساتھ لونڈیاں۔ باندیاں۔ چیریاں۔ گائنیں۔ نائنیں وغیرہ وغیرہ مختلف اہل خدمات کا جم غفیر تھا۔ پھر سہیلیاں اور ٹھاکر زادیاں اس پر طرہ۔ یہ کیا خود ایک چھوٹا سا لشکر تھا اور کیا تھا جو رانی جودھ بائی کے محل کی عالی شان سر بفلک عمارت اب بھی فتح پور سیکری کی بہترین عمارت ہے۔ یہ شادی عام آبادی ہی نہیں ملک کی آبادی ایسی تھی کہ اس کی یادگار میں آج تک عورتوں کی زبان پر یہ گیت چلے آتے ہیں۔ (۱) سکھی ری نورا سر آیا سلطان اکبر (۲) میں تو تمہارے ڈیرے آئی رے ملا دو مختصر ہی جلال الدین کا محمد اکبر کا نام تھا) دوسرا گیت تمام راجپوتانے میں آج تک گایا جاتا ہے۔ بڑے بڑے واقعات کی یادگار میں گیت بنا لینا ہندوستان کا رواج ہے۔ چنانچہ جب تسخیر دکن کے ارادے سے عالم گیر بادشاہ دکن گئے اور وہاں کے مقام نے ایسا طول پکڑا کہ بارہ برس گزر گئے تو وہی سرداروں اور سپاہیوں کے قبائل اور بیوی بچے اپنے اپنے مردوں کے دیکھنے کے لیے

(بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ)

رانا کو چھوڑ کر . راجپوت راجاؤں کا شاہنشاہ بن گیا۔

(بقیہ نوٹ صفحہ (۳۳۴) چاؤ چونچلوں سے یہ راج کماری آئی کسی کو یہ بات نصیب نہ ہوئی۔ رانی جودھ بائی تو رے سہرے پنچوں کی دی ہوئی ایسی بہو تھیں کہ جن کو گھر کی نیو کہتے ہیں۔ شہنشاہ ذی جاہ اکبر اعظم نے خواستگاری کی اور مساوات کے برتاؤ کا وعدہ کیا راجہ نے بھی اسے عزت افزائی سمجھ کر بخوشی قبول کیا۔ جہاں پناہ بنفس نفیس مع شاہزادگان والاتبار و امرائے ذی وقار کے برات چڑھا کر جودھ پور تشریف لے گئے۔ مہمان اور میزبان دونوں والاشان۔ اکبر کے کیمپ کا جلال۔ شادی کی چہل پہل اور گہما گہمی سے جنگل میں منگل ہو گیا اور راجستان کا ریگستان گلزار ارم بن گیا۔ راجہ نے بھی بڑا ٹھاٹ کیا۔ قرب جوار کے رجواڑوں۔ بھائی بھتیجوں اور تمام برادری کو مدعو کیا اور کئی دن تک دو طرفہ جشن شاہانہ اور دھوم دھام کی دعوتیں رہیں۔ راجہ کے محل میں عظیم الشان منڈھا چھوایا گیا جس کا طلائی کلس کوسوں سے جگمگاتا نظر آتا تھا۔ اسی منڈھے میں اس انمول جوڑے کی ریت رسمیں ہوئی۔ وہی منڈھا ہے جو آج تک چلا آتا ہے اور ڈومنیاں گاتیں اور گھر والوں کو آٹھ آٹھ آنسو رلاتی ہیں۔ وہ یہ ہے:-

ہرے ہرے بانس کٹا مورے بابل	نیکا منڈھا چھوا ؤرے
پربت بانس منگا مورے بابل	یا نوں منڈھا چھوا ؤرے
شگنی بجھ می جوتشی	سب ہی بیچ بلاؤ رے
جیسی لاڈلی بیٹی رے بابل	ویسا ہی کاج رچاؤ رے
منڈھے اوپر کلس براجے	دیکھے راجہ راؤ رے
مستک ہاتھی سو بھا دینا	بابل دل دریاؤ رے
سونا بھی دینا روپا بھی دینا	دینا جڑت جڑاؤ رے
ایک نہ دینی سر کو رے کنگھی	میری ساس نند بولی بول رے
نو مہینے گرب میں راکھا	آج نہ راکھی جائے رے
بھائی کو دینی اونچی اٹریا	ہم کو دینا بدیس رے
لے بابل گھر آپنا	ہم تو چلے پیا کے دیس رے
تمہاری رے بیٹی تمہارے محلوں کی چیری	ہم باندی غلام رے
تمہاری رے بیٹی تمہارے محلوں کی رانی	تم صاحب سردار رے

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

قلیل مدت میں اکبر کُل راجپوتانے کا مالک اور اودے پور کے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۳۱) از تذکرۃ الشعراء تصنیف محمد افضل سرخوش ہے

ملیحت بلکت و ہم شیخ اسلام آنکہ در غربت — ز شبلی و جنید آرد بر کسی گوید مثالی
ز بود او عرصۂ دنیائے دوں گوے کمالیت — بہ درویشاں بدرویشی بہ سلطاناں بسلطانی
نیاز خود بقا باقی بود معلوم درویشاں — ازاں شد سال تاریخش بقا باقی زخود فانی

فتح پور سیکری کی نہایت مکمل اور بہترین تاریخ "آثار اکبری" محمد سعید احمد صاحب مارہروی نے لکھی ہے۔ شائقین اُسے ملاحظہ فرمائیں ۱۲

(نوٹ صفحہ ۳۳۰) سلہ جودھ بائی جیسلمیری خاندان کی راج کماری اور خاندان تیموریہ کے ایک شاہنشاہ کی پاٹ رانی ہوا ایک نادر الوقوع قران السعدین ہے کہ مسلمان دولہا اور ہندو رانی۔ رانی جودھ بائی ایک ہندوستانی خاندان کی راج کماری تھی مگر ایک مسلمانی شاہنشاہی خاندان میں بیاہی گئی تو اُس نے اس مذہبی تباین کو اس حسن خوبی سے نباہا کہ جو ایک نہایت فرزانہ اور نیک طینت بی بی کا حق ہے۔ یہ شادی ہندو مسلمانوں کے باہمی پولیٹیکل اور سوشل تعلقات کے لحاظ سے بہت قابل یادگار ہے۔ ایسی ہم رتبہ رانیوں کی طرح اس [illegible] رانی کا وجود مسعود بھی ان دو متضاد قوموں کے بیچ میں ایک ایسا حلقہ بن گیا تھا جو دو بچھڑوں کو آپس میں ملا کر ان کی قوت کو دو چند کر دیتا ہے۔ افسوس کہ جو مفید اور خوش گوار ارتباط و اختلاط کئی سو برس تک ہندو مسلمانوں کو بے انتہا فائدہ پہنچاتا رہا وہ اب ناسمجھی اور خود غرضی کے ہاتھوں کیسا رائگاں ہو رہا ہے۔ جودھ بائی والی جودھ پور کی بیٹی اور راجہ مالدیو کی پوتی تھی۔ اس کا خاندان راٹھور راجپوتوں کا بہترین خاندان ہے۔ رانی کی تاریخ ولادت اور مبلغ علم دونوں کا حال معلوم نہیں۔ ہاں جودھ بائی کے جو حالات گزر چکے ہیں اور اس کا طرز عمل صاف بتلا رہا ہے کہ وہ جاہل محض نہ تھی بلکہ اعلیٰ درجے کی شائستہ سلجھی ہوئی سمجھ کی تیز طبیعت اور حاضر جواب تھی۔ ذکاوت کے ساتھ طبیعت میں چلبلاپن اور متانت میں گندھی ہوئی شوخی بھی تھی وہ بڑی نور کی پتلی نہ تھی بلکہ ناز انداز اور کرشمہ سب کچھ اس میں تھا جو اپنی حریف عالم نور جہاں بیگم جیسی فرزانہ و مشہور زمانہ سوکن کی مد مقابل تھی۔ معیار تعلیم ممکن ہے کہ کم ہو مگر تہذیب اور تربیت میں کسی بات کی کمی نہ تھی۔ یہ رانی اکبر جیسے اولوالعزم شاہنشاہ کی بہو اور جہانگیر کی بی بی تھی۔ یوں تو تیموری خاندان میں کئی رانیاں بیاہ کر آئیں مگر جس نام ست (بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

جو دسلھ بابی سے کردی - یہ انھیں رشتہ ناتوں کا ثمرہ تھا کہ صاحب برس کی

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) بلندی این دروازہ ۱۲۹ فٹ است - دو جائے کہ پیش دروازہ کلاں با عمارات عالی زیب افزائے مسجد بود اعتماد الدولہ نواب اسلام اللہ خاں صوبہ دار بنگالہ آنرا تعمیر ساختہ و لاڈلی بیگم کہ ہمشیرۂ ابو الفضل بود منکوحۂ اوست و مادر نواب اکرام خاں - روضۂ لاڈلی بیگم در اکبر آباد است - و محلہ فتح پور سیکری تعمیر ساختۂ نواب اکرام خان است کہ ہنوز آں مکان با تمام نرسیدہ بود کہ بانی اش فوت کرد و این تاریخ مکانست :-

سالِ تاریخش چو پرسیدم ز عقل ۔۔۔ گفت زیبا منزلِ اسلام خاں

شیخ سلیم چشتی پدرش شیخ بہاء الدین از اولاد شیخ فریدالدین گنج شکر است - شیخ در ۸۸۴ھ متولد شدہ و کلمہ **نجم معرفت** تاریخ ولادت اوست - مدت العمر روزہ طی می داشت و در کوہے متصل موضع سیکری البسر می برد - سہ مرتبہ بحج رفتہ و سال تشریف آوردن او از حج بہ موضع سیکری ۹۷۱ھ است چنانچہ تاریخ آں دریں مصرعہ یافتہ اند ع - ماہِ اوج شرف بہند آمد - اکبر بادشاہ را بایشاں اخلاص و اعتقاد بسیار بود - عمرے دراز یافتہ در ۲۹ رمضان ۹۷۹ھ انتقال نمود -

شیخ ناجی تاریخ وفات حضرت موصوف است - روضۂ او بالائے کوہ فتح پور سیکری در مقابل بلند دروازہ بسمت شمال مایل بہ مشرق واقع است - **کتبہ بر مرقد شریف** -

تاریخ وفات شیخ الاسلام شیخ سلیم چشتی قدس اللہ سرہ العزیز

مغیث ملت و پیر طریق شیخ سلیم ۔۔۔ کہ در کرامت و قربت جنید طیفور است

منور است از و شمع خانوادۂ چشت ۔۔۔ فرید گنج شکر را خلف ترین پور است

دو بیں مباش ز خود فانی و بحق باقی ۔۔۔ کہ سالِ رحلتش اندر زمانہ مشہور است

(اس تاریخ میں در اصل چار شعر ہیں لیکن اس مقام پر صرف تین ہی شعر لکھے ہیں تیسرا شعر تحریر نہیں ہے)

کسے کہ جرعہ کشِ بادۂ محبت اوست ۔۔۔ ہزار کرد تہی خم ہنوز مخمور است

دیگر - چو بار سالکم کنی از ین گزاں کو دوی آید ۔۔۔ خرد گویدسن وصلش نحو وفانی بحق باقی

از مخبر الواصلین - عارفے بے نظیر شیخ سلیم ۔۔۔ مرشد و رہنمائے ہفت اقلیم

از مہ صوم بست و ہفتم بود ۔۔۔ کہ بخلد شد ز دہر نقل نمود

سال ترحیل آں ولی کریم ۔۔۔ ہاتفم گفت بدر خلد سلیم

در فتح پور بر بلندی کوہ ۔۔۔ مرقدِ اوست با علو و شکوہ

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

بڑا ہوا تو اس کی شادی جودھ پور کے راجہ کی لڑکی رانی

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) آورند از آنکہ سلطان نورالدین جہانگیر در موضع سیکری سعادت ولادت یافتہ بود بادشاہ آں موضع را
مبارک و میموں انگاشتہ بنائے عالی در آں مقام نہادند و آں موضع را آگرہ بکثرت جوق گردانیدند چنانچہ
ایں کوہ کہ مارِ دهیان و درندگاں معمور بود در عرصۂ چہاردہ سال پر از عمارات و باغات و منازل و جاہائے خوش و مکانہائے
دلکش گردیدہ بعد از فتح گجرات نام ایں موضع را فتح آباد خیال فرمودہ بودند لیکن بر زبان عالمیان
فتح پور اشتہار یافت **مسجد فتح پور سیکری**۔ ایں مسجد بر بالائے کوہ فتح پور سیکری است
و بمسجد شیخ سلیم چشتی مشہور است و شیخ موصوف از مدرو نیاز والی احمد آباد اکبر بادشاہ کہ
جہت ولادت جہانگیر مقرر کردہ بود بنائے ایں مسجد رفیع در ۹۷۶ھ ۱۵۶۸ء انداختہ در مدت چہار سال
در ۹۷۹ھ پیرایہ اتمام پوشانیدہ شیخ عبدالقادر بداؤنی تاریخ بنایش چنیں یافتہ۔ تاریخ۔

ھٰذِہِ الْبُقْعَۃُ قُبَّۃُ الْاِسْلَامِ رَفَعَ اللّٰہُ قَدْرَ بَانِیْھَا
قَالَ رُوْحُ الْاَمِیْنِ تَارِیْخًا لَا یُرٰی فِی الْبِلَادِ ثَانِیْھَا

و دیگرے "بیت معمورہ آمدہ از آسمان" یافتہ و اشرف خاں میر منشی در تاریخ اتمامش ایں قطعہ گفتہ

در زمانِ شہ جہاں اکبر کہ از و ملک را نظام آمد
شیخ الاسلام مسجدے آراست کہ ز صفا کعبہ احترام آمد
سالِ اتمام ایں بنائے رفیع ثانی المسجد الحرام آمد

۹۷۹

در جہانگیر نامہ مسطور است کہ ایں عمارتیست عالی و از سیاحان روئے زمین استماع افتادہ کہ مثل
ایں مسجد و بنائے رفیع بلادے از معمورۂ جہاں نیست۔ عمارتش از سنگ در نہایت صفا اساس یافتہ۔
پنج لک روپیہ در تعمیر آں صرف شدہ و ایں مسجد بر فراز کوہ سیکری طرف جنوب واقع است در نہایت
ارتفاع و نہایت تکلف و در مقابل دروازۂ کلاں بسمت شمال مائل بمشرق روضۂ شیخ سلیم چشتی است
بلند دروازہ در ۹۸۳ھ تعمیر یافتہ و تاریخ آں ازیں مصرعہ استخراج می یابد مصرع۔ شدہ در شکش طاق سپہر دید
۹۸۳
و بر سنگ دروازۂ مذکور ایں عبارت و آیات در فارسی و عربی منقوش است۔ کتبۂ فارسی اینست۔
حضرت شاہنشاہ فلک بارگاہ ظل اللہ جلال الدین محمد اکبر بادشاہ فتح ملک دکن و دان دیس کہ سابقاً
مسمی بخاندیس بود نمودہ در سنہ ۴۶ الٰہی مطابق سنہ ۱۰۱۰ھ بفتح پور رسیدہ عزیمت آگرہ فرمودند۔

تا نام زمین و آسمان است تا نقش وجود در جہان است
باشد سپہر ہمنشیں باد و آتش جہاں اند قرین باد

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

اسی زمانے میں اکبر نے فتح پور ۔ میکری کی بنا ڈالی ۔ جب سلیم

(بقیہ نوٹ صفحۂ گزشتہ) کہ از بیت اول اسم سلطان سلیم با تاریخ ولادت واز بیت دوم نام سلطان شاہ مراد با تاریخ ولادت استخراج می یابد واز مجموعۂ ابیات بیتے استخراج یافتہ کہ از مصرعۂ اول تاریخ ولادت شاہزادۂ اول واز مصرعۂ دوم تاریخ ولادت شہزادۂ دوم حاصل می شود:۔ تاریخ ۔

سلطان	شہ دید ز مہر ولطف بے پایاں را	در سیم نمودہ آں مہ دوران را ۹۷۷	سلیم
شاہ	دل سوئے شہی کشید کز حسن وجمال ۹۷۸	از چشم نمودناز زاہد داں را ۹۷۸	مراد

بیت استخراج ۔ دی مہر سیم آں مہ دلکش نمود ناز ۹۷۷ لطف بیاں نمود دراں شہد حسن از و

ومولانا قاسم ارسلان قصیدۂ گفتہ کہ از مصراع اول اسم وتاریخ شاہزادۂ سلیم ۹۷۸ واز مصراع دوم نام وتاریخ شاہزادۂ مراد واضح ولائح می گردد ومطلع آں قصیدہ ایں است :۔

ز نور پاک چو سلطان سلیم شد نازل ۔ لوائے شاہ مراد ابن اکبر عادل

ونیز خواجہ حسین مروی قطعہ گفتہ ۹۷۷ کہ از مصرعۂ اول تاریخ ولادت سلطان سلیم واز مصرعۂ ثانی ۹۷۹ تاریخ تولد سلطان مراد ظاہر می گردد ۔ قطعہ

۹۷۷ داد دو شہزادہ بشاہ ایں سپہر — چہرۂ آں ہر دو بہ از آفتاب ۹۷۸
۹۷۷ اول از و ثانی شاہ جہاں — ثانی از دو لبرعالی جناب ۹۷۸
۹۷۷ آں یکے از یمن بشاہ سریر — مژدہ رساں بود لبصد فتح باب ۹۷۸
۹۷۷ آں دگر باعث امن و اماں — مہر زمہ دادہ با و مہد خواب ۹۷۸
۹۷۷ مژدہ کہ مولود زشہ اول است — گفتہ از و مصرعے اول جواب ۹۷۸
۹۷۷ از دو ہیں مصرعۂ ابیات ہم — مولد شہزادۂ ثانی بیاب ۹۷۸
۹۷۷ باد مدام آں شہ و شہزادہ را — جاہ سکندر فرافراسیاب ۹۷۸

شاہزادگان سلیم اور مراد سے پہلے بھی اکبر کو دو توام فرزند ۹۷۲ھ میں ہوے تھے ۔ جو ایک مہینے کے بعد قضا کر گئے ۔ بادشاہ نے ایک کا نام مرزا حسن اور دوسرے کا مرزا حسین رکھا تھا قاسم ارسلان نے ان دو گوہر شاہوار کے تولد کی یہ تاریخ کہی تھی :۔ تاریخ

شد شاہ یگانہ را دو فرزند خلف — آمد دو گہر ز درج مقصود بکف

دوراں پی تاریخ ولادت بنوشت — بنمود دو ماہ روئے از اوج شرف ۹۷۲

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)

شاہزادہ سلیم (جہانگیر) اسی رانی کے بطن سے ۱۵۶۹ء میں پیدا ہوا اور

سلہ - در اکبرنامہ مسطور است کہ اگرچہ واہب العطایا اکبر شاہ را پیش ازیں فرزندے چند عطا کردہ بود لیکن چوں
ہر یکے ازآنہا بعہد عدم در آرمیدہ بودند لہذا مدام بہ درویشاں و گوشہ نشیناں التجا می برد تا شیخ سلیم چشتی
درویشے صاحب حالت در کوہے متصل موضع سیکری کہ حالا فتح پور سیکری اشتہار دارد بسر می برد مردم
آں نواحی از شیخ موصوف اعتقاد تمام می داشتند چوں آوازہ خدا شناسی و ایزد پرستی و ریاضت کشی شیخ
بمسامع بادشاہ رسید چندے از ملازمان ستر اوقات عصمت را بجا بردہ بامید تولد فرزند در قرب جوار
شیخ مذکور آرامش دادند و ہاں بعد ازاں ربیع محل بادشاہی اساس عالی نہادہ ہموارہ در خدا السہار بحش امیدوار
انتظار قدوم دولت افزائی گوہر یکتائی می بردند تا آں کہ بسال چہار دہم جلوسی موافق روز چہار شنبہ
۱۷ از ماہ ربیع الاول ۹۷۷ھ گوہر یکتائی خلافت در منزل شیخ موصوف از نہاں خانۂ صدف بطون
بساحت وجود قدم نہادہ چوں ایں نوید فرح افزا بمسامع بادشاہ رسانیدند ہر نہ حملہ ماثر شکر کہ
صدور تہنیت بظہور آمد آں بود کہ جمیع مسجوناں ممالک محروسہ را از سلاسل قید و مستخلص ساختند و آں
در یکتائے خلافت بمناسبت شیخ موصوف بسلطان سلیم موسوم گردید تا آیدرش ہموارہ بہ نتیجہ یا یا"
مطلب می ساخت و چوں در آں ایام کہ بادشاہ جویائے فرزند بود معاملہ با ایزد خود رفتہ بود کہ چوں ایں
حصول انجام آں آرزو ابواب شکر از دار الخلافہ آگرہ پیادہ بزیارت روضۂ متبرکہ خواجہ معین الدین چشتی
کہ سر چشمۂ اولیائے ہند و از مقرباں درگاہ الٰہی اند رفتہ لوازم اطاعت ایزدی تقدیم رسانند چوں آں یگانہ
گوہر درج خلافت و دست امید آمد ایفائے نذر از ستر ایلاحی گزاری ساختہ در روز جمعہ ۱۲ از شعبان مذکور
از دار الخلافہ آگرہ پیادہ قدم در رہ نہادی مرحلہ پیمائی و بیاباں نوردی نہادند و از راہ فتح پور سیکری در دو ارد
روز بہ بقعۂ قدسیہ خواجہ موصوف کہ در اجمیر واقع است و از آگرہ یک صد و چہل کروہ است رسیدند
و تقدیم شکر و سپاس بجا آوردند و بعد چندے عمارات عالی بنیاد و مساجد و خانقاہ دراں حوالی طرح انداختہ
اساس عبادت نہادند - ولادت سلطان شاہ مراد در سال پانزدہم جلوسی شب پنجشنبہ سوم محرم ۹۷۸ھ
در منزل شیخ سلیم چشتی در فتح پور سیکری بوقوع پیوست - اکبر شاہ بجہت مراسم شکر گزاری ایں عطیہ
عظمیٰ بارادہ زیارت روضۂ خواجہ معین الدین چشتی بصوب اجمیر فرمودند و روزے چند آداب زیارت
بتقدیم رسانیدند و ہم دریں ایام حکم رفعت اساس بایجاد و احداث حصار شہر اجمیر بعد ازاں ہمانجا
در عرصۂ سہ سال جمیع عمارات قلعہ و منزل شاہنشاہی صورت اتمام یافت - خواجہ حسین مروی در ولادت
ایں ہر دو شاہزادہائے بلند اقبال یعنی سلطان سلیم و شاہ مراد مرثیہ رباعی گفتہ (بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

بیٹیاں لیں اور اُن کے باپ بھائیوں اور اعزہ اقربا کو بڑے بڑے عہدوں اور مناصب جلیلہ پر سرفراز کیا۔ یہ وہ پالیسی تھی جس سے ہندو اکبر کے گوشت پوست بن گئے اور بیگانگی یگانگی سے بدل گئی کیوں کہ اس قسم کی قرابت داری سے غیریت کا پردہ اُٹھ جاتا ہے سنہ ۹۶۹ھ میں امبیر (جے پور) کے راجہ بہاری مل کی لڑکی جیا راتی سے شادی کی۔ بہاری مل کا بیٹا راجہ بھگوان داس[1] اکبر کے بڑے جرنیلوں میں تھا بھگوان داس کا متبنیٰ راجہ مان سنگھ[2] ایک بڑے رتبے کا سپہ سالار تھا۔ اکبر کا بڑا بیٹا

[1] راجہ بھگوانداس پسر راجہ بہاری مل کچھواہہ است کہ از عقیدت مندی بپایۂ والا رسیدہ بود و دخترش جودھ بائی نام بعقد مناکحت شاہزادہ سلیم یعنی جہانگیر بادشاہ در آمدہ و راجہ بھگوانداس پنج روز بعد از وفات راجہ ٹوڈرمل در روز عزائے او سوار شدہ بود و پس از مراجعت استفراغ کردہ بعد ازاں حبس بول شدہ بایں درد ۱۶ محرم سنہ ۹۹۸ھ رخت ہستی ازیں جہاں بربست۔ دراں ایام اکبر شاہ در کابل بود چوں خبر فوتش شنید تاسفہا خوردہ کنور مانسنگہ را کہ فرزند رشید او بود بخطاب راجگی و منصب والائے پنج ہزاری عز امتیاز بخشید۔

[2] در تذکرۃ الامرا مرقوم است کہ اول در ششم سال اکبری ہمراہ پدر خود بملازمت بادشاہ رسیدہ بمنصب سر افراختہ در رکاب سعادت خدمت می نمود و در ایام کنوری در اکثر مضافات مصدر ترددات نمایاں شدہ خصوص در سنہ ہفدہم در کارزار گجرات شمشیرہا زدہ و در سنہ ۲۱ در جنگ با رانا پرتاب سنگہ زمیندار اودے پور کارہا نمایاں کردہ چنانچہ ملا عبد القادر بداؤنی در تالیف خود نوشتہ است ع ہندو می زند شمشیر اسلام۔ در سنہ ۲۶ج در تعیناتی شاہزادہ مراد بہ مقابلہ محمد حکیم برادر خورد اکبر شاہ کہ دراں ایام راہ بغی پیمودہ بودند در حدود کابل بحرب صعب پیوستہ ظفریاب گشتہ و در سنہ ۳۰ج بعد فوت مرزا حکیم برائے آوردن واماندہائے مرزا بکابل رفتہ ہمہ را از انجا بسلامت آوردہ در سنہ ۳۱ج برائے تنبیہ افاغنۂ یوسف زئی و بنظم کابل مقرر شدہ در سنہ ۳۲ج بہ نظم بہار از تغیر سعید خاں مباہات اندوختہ در سنہ ۳۴ج بعد فوت پدر بہ منصب پنج ہزاری و بخطاب راجگی سربلند گردیدہ در سنہ ۳۵ج در ایام نظم بہار ترددات نمایاں کردہ بہ تسخیر ممالک اوڑیسہ مکرر ضرب صعب کردہ و بہ تلاشہائے کہ در وہم و خیال نگنجد نمودہ در سنہ ۳۹ج بنظم بنگالہ از تغیر سعید خاں نام برآوردہ در سنہ ۴۲ج درجن سنگھ پسر خود را در صف جنگ عیسیٰ زمیندار بھاتی و از زمینداران ایں کہ بحرب صعب پیوستہ بود بکشتن دادہ در سنہ ۴۴ج بحضور آمدہ پیش کشی از تحائف بنگالہ کہ در حصر نیامد گذرانیدہ و باز بہاں صوبہ رفتہ از سنہ ۴۶ج بنا بر تنبیہ اعدا فیل سوارہ با افواج کثیرہ در آب رودخانۂ بکرم پور و سری پور در حملہ زدہ باہم از طالع بسلامت گذشتہ و موجب حیرت نظارگیاں شدہ بعطائے چار رتبہ سر برافراختہ حضور طلب خلعت شدہ در سنہ ۵۰ج بمنصب ہفت ہزاری بخطاب فرزندی والا رتبہ گشتہ در سنہ ۱ج جہانگیری بہ مہم دکن رفتہ ہمیشہ مصدر احمد شاہ ... در سنہ ۹ج جہانگیری کہ موافق سنہ ۱۰۲۳ است در انجا فوت کردہ در ہمیں سال خان اعظم ... انتقال گردید۔

احمد آباد، گجرات اور مالوے کا صوبہ دار ہوا لیکن سدا کسی کی نہ رہی نہ رہے گی اس عروج کے واسطے زوال مستلزمات سے تھا۔ سنہ ۱۵۹۲ء میں اس کے متعلق شکایات کی تحقیقات شروع ہوئی تو سب چھوڑ چھاڑ مکہ معظمہ کا رستہ لیا وہاں سے دوسرے برس واپس آیا اور اکبر کے عقائد مذہبی کا پیرو ہو گیا۔ جہانگیر کی تخت نشینی کے بعد مرزا عزیز کا ایک خط پکڑا گیا جس میں اس نے اکبر ہی کی شان میں زہر اگلا تھا۔ جہانگیر نے اس نمک حرامی کی علت میں اس کے مناصب اور جاگیرات سب ضبط کر لیں اور قید کر دیا۔ سنہ ۱۶۱۰ء میں پھر بہت کچھ سعی و سفارش سے قصور معاف ہوا اور وہی منصب اور مراتب سابقہ پر سرفرازی ہوئی۔ آخر کار سنہ ۱۶۲۴ء میں (۸۰) برس کی عمر میں دنیا سے رخصت ہوا اور حضرت نظام الدین کی درگاہ کے پاس چونسٹھ کھمبے کی نہایت نفیس عمارت میں دفن ہوا۔

اکبر پر ایک قاتلانہ حملہ سنہ ۱۵۶۳ء

سنہ ۱۵۶۳ء میں اکبر پھر دہلی آیا اور اس مرتبہ کچھ قدرت خدا ہی کا کرشمہ تھا کہ جان سلامت رہی۔ بادشاہ ماہم انگہ کے مدرسے کے پاس سے گزر رہا تھا جو قلعۂ کہنہ کے سامنے ایک باغی امیر کے کسی ملازم نے ایک تیر کمان میں جوڑ کر آسمان کی طرف اس طرح چلایا کہ گویا اس نے کسی پرند کا نشانہ باندھا ہے۔ بادشاہ کے جلوس میں جو لوگ تھے انہوں نے بھی اس تیر انداز کو دیکھا مگر وہ خالی الذہن تھے سمجھے کہ کوئی شخص شکار کھیل رہا ہے لیکن اس ماتدی نے دفعۃً بادشاہ ہی پر تیر مارا جو اکبر کے شانے میں لگا۔ تیر کی شتال اس پر لوگ ٹوٹ پڑے اور دم کے دم میں اس کی تکا بوٹی کر ڈالی اور اس دار و گیر میں کچھ ایسی گڑبڑ مچی کہ دھکا پیلی میں کئی شخص زخمی ہو گئے شکر ہے کہ وہ تیر زہر آلودہ نہ تھا اور تیر بھی اچٹتا ہوا سا لگا تھا۔ زخم ہلکا سا آیا۔ تھوڑے سے دنوں میں غسل صحت ہو گیا۔ ع۔ رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گزشت۔ سنہ ۱۵۷۶ء میں اکبر کابل جانے کے قصد سے برآمد ہوا اور دلی سے گزرا مگر ایک شخص تارا دیکھ کر اس مہم سے دست کش ہو گیا۔

اکبر نے بہاری مل کی لڑکی سے شادی کی سنہ ۱۵۶۲ء

راجپوت خاندانوں میں شادی کرنے کی پہل ہمایوں نے کی اسی طرح اکبر نے بھی راجپوت راجاؤں کی

کے مرتبے کے شایاں نہیں فوراً تلوار نیام میں کر لی اور ڈانٹ کر پوچھا کہ مردود! تو نے یہ کیا غضب کیا؟ ادہم خاں نے بادشاہ کے سامنے ہاتھ جوڑے اور رحم کا خواستگار ہوا مگر اکبر نے ایک ایسا مکا مارا کہ وہ چاروں شانے چت جا پڑا۔ گو اکبر کو ادہم خاں کی کتنی بھی محبت ہو مگر یہ حرکت اُس نے ایسی زبوں کی تھی کہ اس سے درگزر کرنا ممکن تھا فوراً حکم دیا کہ جس مقام پر اس نے اتگہ خاں کو قتل کیا ہے وہیں اسے لے جاؤ اور اسی محل کے کوٹھے پر سے اسے نیچے گرا دو۔ پہلی دفعہ کے گرانے میں وہ سخت جان نہ مرا کچھ جان باقی تھی کہ پھر دوبارہ گرایا گیا جب کہیں اس کا خاتمہ ہوا۔ تھوڑے ہی دنوں بعد ماہم انگہ جوان بیٹے کی موت میں کڑھ کڑھ کر اپنی مقبرے میں دفن ہوئی جس میں ادہم خاں مدفون ہے اور جو پرانی دلی (قطب صاحب) میں ہے۔ مرزا عزیز[1] کوکلتاش اتگہ خاں کو باپ کے مناصب بجز وزارت کے سرفراز ہوئے۔ مرزا کے حالات زندگی بہت مفصل ہم نے حصۂ دوم میں لکھے ہیں۔ یہ بھی اکبر کا بڑا منہ چڑھا تھا بعض بعض وقت یہ بھی بے ڈھنگے ناز کر بیٹھتا اور بات بات پر روٹھ جاتا تھا اس سے بھی بارہا حرکات نامناسب ظہور میں آئے مگر اکبر ہمیشہ درگزر کرتا رہا اور کبھی سخت سزا نہ دی بلکہ ہمیشہ یہی کہہ کر ٹال دیا کرتا تھا کہ مرزا کے اور میرے درمیان دودھ کا دریا حائل ہے۔ مرزا نوبت بہ نوبت

[1] مخاطب بہ اعظم خاں کوکلتاش پسر خورد خان اعظم مشہور بانکہ خاں بود کوکہ وکوکلتاش برادر رضاعی را می گویند نبرا کہ اکبر بادشاہ در خوردگی شیر را در اعظم خاں کہ جیجی نام داشت نوشیدہ بود و با او ہم عمر و ہم بازی بودہ است در ۱۶ از جلوس بخطاب اعظم خاں نام بر آوردہ و بپال پور جاگیر او مقرر شد و در سال ۳۲ از جلوس عقد مناکحت دختر مرزا با شاہزادہ مراد منعقد گردیدہ در ۱۰۰۲ھ سوء المزاجی بادشاہ بطرف خود دریافتہ الادۂ حج کرد با فرنگیان دوستی بہم رسانیدہ از بندر بلاول کہ نزدیک سومنات است بہ جہازے کہ بنام الٰہی با فرزندان خود سوار شدہ بحج رفت۔ شیخ عبدالقادر بدایونی تاریخ روانگی بطرف مکہ یافتہ است

چو پرسیدم بدل تاریخ ایں سال گفتا میرزا کوکہ بحج رفت

بعد از مراجعت در احمد آباد گجرات سکونت نمود و در انجا سال ۱۰۰۲ ۱۹ از جلوس جنت مکانی یعنی جہانگیر بادشاہ در ۱۰۳۳ھ باجل طبعی مسافر دار الملک بقا گردید۔ لاش او را از انجا بدہلی آوردہ متصل روضۂ پدر او خان اعظم آتکہ خان مدفون ساختند و بر قبر او عمارت عالی کہ شصت و چہار ستون دارد و سرتا پا از سنگ مرمر است تعمیر نمودند و آں عمارت حالا بہ چونسٹھ کھنبہ مشہور است۔ ۱۲

ڈبل مرڈر
قتلِ مدغم

بیرم شاہ کی طرح ادہم خاں نے بھی سر اٹھایا۔ یہ بھی اکبری عہد کا ایک
بہت بڑا معتمد جرنیل تھا جو اکبر کا دودھ شریک بھائی بھی تھا۔ اسے
مالوے کی مہم پر باز بہادر کو مطیع کرنے کو بھیجا گیا تھا۔ اس مہم میں
ادہم خاں کو پوری کامیابی ہوئی لیکن اس کی نیت بدل گئی۔ سارا مال و اسباب غنیمت دبا لیا
اور اس سے بھی زیادہ اس نے ایک ذلیل حرکت یہ کی کہ باز بہادر کی
حسین بیوی روپ متی پر دست درازی کرنی چاہی مگر وہ بڑی غیرت دار اور باہمت
عورت تھی بپاس حفظ ناموس اس نے اپنی جان دے دی۔ یہ واقعہ بھی اکبر کے
کانوں تک پہنچا۔ اکبر کو ادہم خاں کے اس سفلہ پن پر بڑا غصہ آیا اس کی سرکوبی کو
خود گیا۔ مال غنیمت کی بابت بادشاہ نے کچھ باز پرس نہ کی مگر ان حرکات پر اسے وزارت
سے معزول کر دیا۔ لیکن ادہم خاں کے کان پر جوں نہ چلی اس سے بھی بڑھ کر
اس نے یہ جرأت کی کہ اس نے اتگہ خاں الملقب خان اعظم شمس الدین محمد خاں
وزیر اعظم کو قتل کر دیا۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ اوائل زمانِ سلطنت میں اکبر اپنی
رضاعی ماں ماہم انگہ سے ملنے کئی دفعہ دلی آیا تھا۔ یہ وہی ماہم انگہ ہے جس کے اثر سے
بیرم خاں وزیر معزول ہوا تھا اور اکبر نے اٹھارہ برس کی عمر میں سلطنت کی باگ اپنے
ہاتھ میں لے لی تھی۔ ماہم انگہ ہی کی خاطر تھی جو ادہم خاں کو مالوے کی کمان ملی تھی اکبر کی
ایک دوسری رضاعی ماں کا شوہر اتگہ خاں تھا جسے داوا کہتے ہیں یہی بادشاہ کا وزیر
باتدبیر تھا جس پر بادشاہ کو حد درجے اعتماد تھا اور اس کے رسوخ ہی کی وجہ سے ادہم خاں
اس سے بہت جلتا تھا۔ ادہم خاں نے آتش رشک و حسد میں اتگہ خاں کو عین دربار
میں قتل کر دیا۔ اکبر شور و غل سن کر محل سے نکل آیا اور نصف تلوار نیام سے کھینچ لی اور چاہتا تھا
کہ ادہم خاں کے دو ٹکڑے کر دے لیکن پھر سوچا کہ خون میں ہاتھ رنگنا ایک بادشاہ

بقیہ نوٹ (صفحہ ۳۲۵) عرصۂ دلکشائے سرپل فرود آمدند روز سوم [illegible] کتاب [illegible]
چوں مردم بیرم خاں را [illegible] دولتی در عارضہ [illegible] بستہ بودند حکم تاراج شد و مردم [illegible] بخشش فرمودند
[illegible] التفات [illegible] و بعد چند روز [illegible] فرمودہ بطرف [illegible] تقدیر [illegible]
تمامی محال جاگیر [illegible] بہادر خاں [illegible] [illegible] ادہم [illegible] خانخاناں [illegible]
رخصت [illegible] بدولت و اقبال [illegible] ۲ ذی الحجہ سنہ ۹۶۷ھ بصوب مستقر الخلافت آگرہ [illegible]
محرم سنہ ۹۶۸ھ [illegible] اقبال بدار الخلافت آگرہ [illegible] ۱۲

سر پھرا آدمی تھا کہ پھر اُٹھ کھڑا ہوا۔ آخر کار اکبر کو خود اس مہم پہ جانا پڑا جب کہیں جا کر وہ دبا

(بقیہ نوٹ صفحۂ گزشتہ) کہ قریب بست کروہ غربی از شہر الہ آباد بفاصلہ دارد رسیدہ عبور گنگ فرمودند علی قلی خان نیز لشکر فراہم آوردہ تا چند روز با بادشاہ محاربہ داشت تا آں کہ بتاریخ غرۂ ذی الحجہ سنہ مذکور روز دوشنبہ علی قلی خان و برادرش بہادر خاں ہر دو در جنگ کشتہ شدند۔ چنانچہ شیخ ابو الفضل در دفتر اول اکبر نامہ کہ در سنہ ۱۰۰۴ھ تصنیف شدہ می فرماید کہ ایں فتح شگرف کہ کارنامۂ روز اقبال روز افزوں تواند بود در عرصۂ قریۂ سنگروں از مضافات جوسے پیاگ کہ دریں ایام بخطاب الہ باس اساس سعادت یافتہ روسے دادہ و آں را مصر جامع ساختہ فتح پور نام نہادند۔ و ایں آں فتح پور است کہ از شہر الہ آباد بفاصلۂ شش کروہ بطرف مغرب واقع است برکنار دریاے گنگ مابین بیگم سرائے و عالم چند و تاریخ ایں فتح دولت آئیں از عبارت "فتح اکبر مبارک" برمی آید و قاسم ارسلان در وفات خان زماں و بہادر خاں ایں قطعۂ تاریخ بطریق تعمیہ یافتہ ۹۷۴ھ قطعہ۔

قتل علی قلی و بہادر ز جور چرخ ۔۔۔ جاناں بپرس از من بیدل کہ چوں شدہ
جستم ز پیر عقل چو سال وفات شاں ۔۔۔ آہے ز دل کشید و بگفتا دو خون شد

در مصرعۂ آخر کلمۂ "آہ" بہ معنی یک عدد است کہ اگر از الفاظ "دو خون شد" دور کردہ شود تاریخ برآید۔ دیگرے گفتہ "قتل دو نمک حرام سبلے دبی" اگرچہ ازیں تاریخ یک عدد زیادہ می شود لیکن چوں ایں واقعہ در سنہ ۹۷۴ھ بوقوع آمدہ مطابقہ ندارد و شخصے دیگر ایں تاریخ گفتہ کہ آں ہم یک عدد زیادہ دارد

چوں خان زماں ازیں جہاں رفت بباد ۔۔۔ بنیاد فلک سراسر از پا افتاد
تاریخ وفاتش ز خرد جستم گفت ۔۔۔ فریاد ز دست فلک بے بنیاد

از جملہ اسیران و قتیلان ایں معرکہ یکے خوش حال بیگ است کہ بحسن سیرت و صورت آراستگی تمام داشت و ایں قطعہ تاریخ اوست:۔ قطعہ

خوشحال کہ بود دیدۂ اہل خرد ۔۔۔ برگشت ز بادشاہ از طالع بد
مقتول چو شد بصحبت خان زماں ۔۔۔ تاریخ آمد ز گل رخ زیبا قد

از کلام ابو الفضل کہ مذکور شد چناں استفادہ می گردد کہ اکبر شاہ الہ آباد را کہ دراں وقت بہ پیاگ اشتہار داشت بہ الہ باس موسوم ساختہ بود چنانچہ او می گوید کہ چوں ایں فتح دولت پیراے روے نمود ہماں روز موکب معلی بصوب الہ باس کہ مجمع ملتقی دو نہر است و دراں حدود غبار انگیز فتنہ بود نہضت والا فرمود و شاہنشاہ ساحت آں زمین بود و مقدس گیتی خداوند صبح دولت دریافت شب را

(بقیہ نوٹ صفحہ آیندہ)

ایسے فراغ و اطمینان کا تھا جیسا کہ آج کل ہم کو ہندوستان میں میسر ہے۔ اکبر کی ساری طول طویل مدت سلطنت میں کبھی تلوار کو نیام میں نہیں کیا گیا اور بڑے بڑے امراء کو کبھی آرام سے بیٹھنا نہ ملا۔ ان معرکوں کے حالات دستانوں قتل نامعلوم اور جنگوں کے افسانوں سے بھرے پڑے ہیں۔ اکبر کو اگرچہ تعصب کا عقیدہ تھا مگر اسی کے ساتھ رحم اور عفو بھی ایسے درجے کا تھا اور کبھی اس نے سختی اور بے رحمی کے کاموں پر مداومت نہیں کی۔ البتہ دیگر امراء اکثر اوقات مغلوں کی جبلی تندخوئی کو کام میں لاتے تھے چنانچہ ملا یونی بھی بلا پیر محمد خاں کی اس خونریزی سے جو اوائل عہد اکبری میں مالوے میں ظاہر ہوئی تھی سہم گیا ہے۔ اکبر کی سلطنت کے زریں کارنامے ان متعدد جنگوں میں نہیں ہیں جو اسی قسم کی لڑائیاں تھیں جیسی کہ دنیا جہان میں ہوتی ہیں بلکہ وہ اکبر کا ذاتی کیرکٹر اور اس کی اوچھی پالیسی ہے۔ جس کے سبب سے آج اس کا نام نامی مثل آفتاب جہان تاب کے روشن ہے۔

بنگال میں شیر شاہ ثانی سے مقابلہ

اکبر کو زمام سلطنت اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے دیر نہ ہوئی تھی کہ اسے بنگال میں شیر شاہ ثانی کی عملداریوں کو رفع کرنا پڑا جس نے سور خاندان کے چند لوگوں کی بیعت میں بڑی شورش برپا کر رکھی تھی۔ اکبر کے ایک بڑے نامور اور معتبر جنرل خان[1] زماں خاں نے اسے شکست دی لیکن وہ عجب طرح کا

[1] امیر الامراء خان زمان علی قلی خان سیستانی و بہادر خاں پسران حیدر سلطان ازبک بودند و برادران شجاعت و سخاوت آراستہ و حیدر سلطان در ملازمت جنت آشیانی (ہمایوں) امتیاز تمام داشت۔ بعد از وفات ہمایوں محمد اکبر شاہ بخدمت بیگ خدمت ہائے اور ولایت شرقیہ جونپور جاگیر این دو برادران مقرر داشتہ آخر ہا بہ حرامی اختیار کردہ فتنہ و فساد در ملک انگیختہ بودند و المعلوم سفری سر برداشتند و از بادشاہ باغی شدہ کسان بطلب مرزا محمد حکیم کہ برادر شاہ بود بکابل فرستادہ داعیہ خطبہ خواندن بنام او داشتند چنانچہ غزالی مشہدی کہ دران ایام بخدمت خان زماں خان ممتاز بود این سجع را یافتہ۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ وارث ملک است محمد حکیم۔ ساران بادشاہ خانخاناں منعم خاں را بحراست ملک کہ آباد گراستہ خود بہ اد جمادی الثانیہ ۹۷۴ھ بر سر محمد حکیم کہ از کابل تا لاہور رسیدہ بود روان شد۔ چون این خبر۔ او رسید از لاہور گریختہ بکابل رفت و اکبر شاہ بادشاہ از آن جا مراجعت نمودہ بر سر علی قلی خان و برادرش زمان خان لشکرکشی نمودہ و ساتھ پور (بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

ایک نہ ایک دن زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لینا ہی تھا۔ لیا اور خوب کیا کہ لیا۔ بیرم خاں کبھی نہ بگڑتا مگر دشمنوں نے کچھ ایسی لگائی بجھائی کی کہ بادشاہ کا دل اس وزیر باتدبیر سے پھاڑ دیا اور اس کی خرابی اور آبروریزی کے درپے ہوگئے اور ایسی حالت میں بیرم خاں کو سوائے اس کے چارۂ کار نہ تھا کہ وہ حفاظت خود اختیاری میں اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے دشمنوں کو نیچا دکھائے ورنہ اُس کا دلی منشا اپنے آقا سے مقابلہ و مجادلہ نہ تھا۔ بیرم خاں سے مطلع صاف ہونے کے بعد لوگوں کی آنکھیں اس طرف لگی ہوئی تھیں کہ دیکھیں نوجوان بادشاہ کیوں کر امور عظام سلطنت کو چلاتا ہے۔ نوجوان بادشاہ۔ ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات۔ پوت کے پاؤں پالنے ہی میں معلوم ہوجاتے ہیں جو مبصر ہیں اُن میں سے کسی کو ذرا بھی شک نہ تھا کہ تخت شاہی پر جو لڑکا براجمان ہے وہ کوئی معمولی شخص نہیں بلکہ اُس کی خداداد قابلیت۔ اعلیٰ درجے کی مہارت فنون سپاہ گری و جنگ۔ بے نظیر تدبر و دقائق پولٹیکل فراست و کیاست یہ سب صفات اللہ تعالیٰ نے اُس میں کوٹ کوٹ کر بھر دی تھیں۔ اکبر نے اپنی دور اندیشی سے آیندہ کا ایک نہایت عمدہ پروگرام اپنے ذہن میں قرار دے لیا تھا۔ آیندہ کی فتوحات۔ نظم و نسق اور سب سے بڑھ کر وہ امور جن سے کہ سلطنت استحکام پاتی ہے۔ ان ساری باتوں کا پورا پورا خاکہ اپنے ذہن میں جما لیا تھا۔ بیرم خاں کی معزولی کے بعد یعنی ۱۵۶۱ء میں براہ راست سلطنت شروع کی۔ پانی پت کی لڑائی کے پانچ برس کے اندر ہی اندر اکبر نے دلی۔ آگرہ۔ پنجاب۔ اجمیر۔ گوالیار۔ لکھنؤ اور جونپور سب مقامات فتح کر لیے تھے۔ اکبر کی لڑائیاں اور فتوحات کے اگرچہ نہایت عظیم الشان معرکے ہیں لیکن ہم اُن کا ذکر بہت اختصار سے کریں گے کیوں کہ اکبر کو جو عظمت اور نام آوری حاصل ہوئی ہے وہ محض ایک فاتح کی حیثیت سے نہیں ہے بلکہ اکبر کے نام نامی نے اُس کے اعلیٰ درجے کے منتظم و مدبر ہونے کی وجہ سے آنے والی نسلوں میں دوامی شہرت حاصل کی ہے۔

اکبر کی فتوحات کے کارنامے

جب ہم کسی بادشاہ کو "بادشاہ منتظم" کہیں تو اُس سے یہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ زمانہ

اونبھیا کی سے بہت گیا تھا اور اس کے علاوہ محلات کی طرف بھی داؤ پیچ لگنے لگا تھا جب معاملہ حد سے بڑھ گیا تو اکبر نے بھی دل میں ٹھان لی کہ کسی نہ کسی حکمت سے بیرم خاں کی سخت گرفت سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہیئے۔ اب وہ زمانہ تھا کہ اکبر کو بذات خود امور سلطنت کی پوری قابلیت حاصل ہو چکی تھی اور اسے اس بات کی ضرورت باقی نہ تھی کہ کسی کا سہارا ڈھونڈے۔ اس لیئے اس نے اچھی طرح سوچ سمجھ کر اعلان کر دیا کہ ہم دولت نے امور سلطنت اپنے دست قدرت میں لے لیئے ہیں اور ہمارے احکام کے سوا اور کسی کے احکام واجب التعمیل نہیں ہیں۔ بیرم خاں کو اپنے حقوق سابقہ کا غرہ تھا اور سر میں اور ہی ہوا بھری ہوئی تھی خلاف توقع ایسی بے اختیاری دیکھ کر اس نے علم بغاوت بلند کیا لیکن امرامیں سے کسی نے اس کا ساتھ نہیں دیا مگر پھر بھی اس نے کچھ فوج جمع کر کے پنجاب پر حملہ کر دیا۔ گو وہ کتنا ہی بڑا پالیٹین ہو مگر اکیلا کر کیا سکتا تھا۔ اگرچہ اکبر ابھی کم سن تھا مگر مقابلہ ایک کہنہ سال تجربہ کار سے آن پڑا اکبر کو ناچار خود جانا پڑا۔ خلاصہ یہ کہ بیرم خاں کو شکست ہوئی جو ہونی ہی چاہیئے تھی۔ بیرم خاں شکست کھا کر پہاڑوں کی طرف بھاگا لیکن گرفتار کر کے یہ بڈھا نوجوان بادشاہ کے حضور میں لایا گیا۔ بادشاہ ایسی عالی ظرفی کو کام میں لایا اور اس کی دیرینہ خدمات اور سابقہ جاں نثاریوں کا خیال کر کے اس کی خطا اپنی دریا دلی سے بخش دی اور بڑی عزت واحترام سے اسے مکہ معظمہ جانے کی رخصت دی۔ یہ عام قاعدہ ہے کہ جب کوئی شخص برسر اقتدار ہوتا ہے تو جہاں ہزاروں ہوا خواہ ہوتے ہیں وہیں دشمن بھی گھات میں لگے رہتے ہیں۔ ایسے شخص کا چپ چاپ نکل جانا آسان بات نہ تھی۔ اس کو اس کے ایک دیرینہ دشمن نے جس کا باپ اس کے ہاتھ سے چند سال پیشتر مارا گیا تھا۔ خنجر بھونک کر ختم کر دیا۔ یہ واقعہ ۱۵۶۱ء میں ہوا۔ اکبر نے اس طرح بیرم خاں کی زبردست گرفت سے نجات پائی لیکن حق بات یہ ہے کہ وہ اولوالعزم شخص تھا جس نے اکبر کو اس کے باپ کی کھوئی ہوئی سلطنت دلوائی جو اس وقت ایک چینوٹیوں بھرا کباب تھی۔ یہ اسی کا دل و دماغ تھا اور اسی کی بہترین صفات کا نتیجہ تھا کہ اس قدر جلد اس نے ملک میں امن وامان قایم کر دیا اور یوں سمجھو کہ پکے پکائے کھانے کا خوان اپنے آقا کے سامنے لا دھرا۔ ہم اس معاملے میں نہ اکبر کا قصور پاتے ہیں نہ بیرم خاں کی خطا۔ اکبر کو

پھونکھیں۔ اکبر کو نہایت ہی تعجب تھا کہ یہ کیا ماجرہ تھا کہ ہمایوں ایک ہی جھڑپ میں بابر کی ساری کمائی کھو بیٹھا اور ایک بہت تھوڑے عرصے میں سارا ملک اُس کے دست قدرت سے نکل گیا۔ بابر کے پوتے کے سر اس بات کا سہرا تھا کہ وہ بات کی گنہ اور رگ کی جڑ کو پہنچ گیا۔ اکبر کے اوائل زمانہ ... میں جب کہ سارا کاروبار بیرم خاں کے ہاتھ تھا اور وہی بالکل سیاہ و سفید کا مالک تھا یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ بالکل بے کار بیٹھا تھا۔ نہیں۔ بلکہ وہ ان معاملات پر کافی غور کرتا رہتا تھا اور آخرکار وہ اس صحیح نتیجے پر پہنچا کہ اگر میں اس خاندان مغلیہ کی بقا اور استحکام چاہتا ہوں تو مجھے اُس مخلوق عالم کا جن کو خالق اکبر نے میرے سپرد کیا ہے حقیقی معنوں میں باپ بننا چاہیئے اور اس زمین میں مجھے اپنی جڑیں مضبوط گاڑنی چاہئیں۔ اور یہی وہ باتیں ہیں جو اس سے پہلے کسی بادشاہ کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں آئیں۔ غرض یہ کہ اکبر کو اس بات کی دُھن لگ گئی کہ ملک میں اتفاق پیدا کرنا۔ اختلاف کے جملہ اسباب کو دور کرنا۔ عقائد مختلفہ اور کالے گورے کے امتیاز کو مٹانا اور جس طرح ممکن ہو اس وسیع سلطنت کو مستحکم کرنا اور سب سے بڑھ کر خلق اللہ کو جن کی تقدیریں میرے دامن دولت سے وابستہ ہیں خوش حال اور فارغ البال رکھنا۔ ایک باخبر بادشاہ کے یہی اہم فرائض ہیں اور یہی وہ سب مشکل امور اور شان دار ذمہ داریاں تھیں جن کا بھاری بوجھ اکبر نے اپنے سر لیا۔ بیرم خاں کا اقتدار حد درجے بڑھ گیا تھا مگر اس پر بھی اُس کی اُمنگ کی کچھ حد نہ تھی اُس کے مزاج میں روز بروز نخوت اور خودسری بڑھتی جاتی تھی۔ اس کی سخت گیری اور کج خلقی سے سارے امرا بددل ہو گئے تھے بلکہ دشمنی کرنے لگتے تھے۔ جب تک کہ ملک میں ایک دانش مند اور تجربہ کار سپہ سالار کی ضرورت تھی بیرم خاں کا وجود ملک کا حفظ و امن قایم رکھنے کے لیئے لازمی تھا کیوں کہ بیرم خاں ہی ایک ایسا شخص تھا جو لشکر کو اپنی مٹھی اور قابو میں رکھ سکتا تھا لیکن اب جب کہ ملک میں چاروں طرف امن و امان کا سکہ بیٹھ گیا تو درحقیقت بیرم خاں کی ضرورت باقی نہ رہی اور اُس کی وہی پالیسی جو پہلے قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی اب جابرانہ اور ظالمانہ سمجھی جانے لگی اور اُس کے سارے کام خودغرضی پر محمول ہونے لگے۔ بیرم خاں نے اکبر کو کئی موقعوں پر ناخوش کر دیا تھا کچھ تو اکبر کا دل بیرم خاں کی زیادہ از ضرورت جمائی

ملک ہند کے مختلف مذاہب اور عقائد کے فرقوں کا جو ایک دوسرے سے مغائر اور
مخالف تھے کبھی خیال بھی نہ آیا کہ ان میں میل جول نہ التیام نہ موانست و یک جہتی کی کہ روح

بقیہ نوٹ صفحہ (۳۰۹) میں تھا (۲) ہزاروں بھوکوں کا انبوہ گرد رہتا تھا۔ (۳) ہیمو سے
ضرورت مند علی اور پیٹ کے بھوکوں کی خوشامد اور جان نثاری کے دعوے سن کر یہ سب باتیں معمولی
اتفاقات زمانہ سے تھے کہ جس سے ہوا بندھ گئی تھی اور لوگوں پر رعب بیٹھ گیا تھا وہ اس بے تابی کی رستی کو
اقبال کار و روشن سمجھ کر سرکے نیاز ہوگیا اور ایسے سخت حکم دینے لگا جنھیں سرشور پٹھان برداشت
نہ کر سکتے تھے۔ شیر شاہ اور سلیم شاہ بھی سخت خدمتیں لیتے تھے لیکن یہ تو سمجھو وہ کون تھے ان
کی سلطنت اپنی قوم کی سلطنت تھی۔ ایک بنیئے کی یہ ادائیاں ہیں جسے چار دن پہلے بازار لشکر
میں پڑچونیئے کی دکان لگاتے دیکھ چکے تھے۔ کون اٹھائے اور کیوں اٹھائے خصوصاً
جب کہ وہ **بکرماجیت** بن جائے۔ وہ پیٹ کے مارے اگرچہ کچھ نہ کر سکتے تھے مگر
دل سے دعائیں کرتے تھے ع۔ جدا شر سے راگیر دکھیر اوراں باستہ۔ آخر وقت پر اس کا
بھید کھلا کہ سب پیٹھ دکھا کر الگ ہوگئے۔ (ملخص از دربار اکبری) ہیمو کے قتل کا واقعہ یکم محرم
(۲) محرم سنہ ۹۶۴ھ میں ہوا۔ ہیمو نے جو مال ریاست شیر شاہ سلیم شاہ اور عادل شاہ کے زمانے میں بہم پہنچایا
تھا سب لوٹ کھسوٹ میں غارت ہوا اسی وجہ سے اس واقعہ کی تاریخ جھنار ریدہا ہیمو تاریخ ۹۶۴
دبیر چرخ ہمہ طرح لقا را ماستوذ گفت رقم زد بہر سال طبع او مگر گفت ہیمو را
تھے جن کی تالیف بہت بڑی بڑی ہمت بھی یہ جو دولت مال و اسباب بے حساب ہاتھ آیا تو مقتولین کے سروں کا ایک مینار سا کھڑا کیا ۹۶۴
ہیمو کے قتل کے متعلق مختلف اقوال ہیں کوئی کہتا ہے کہ اس کا سر بیرم خاں نے قلم کیا کوئی کہتا ہے کہ نہیں اکبر نے جو دماوتی
کہتا ہے کہ اکبر نے اپنی شمشیر کا ایک ہاتھ مارا پس کہیں میں کہ وہ کرنے سے انکار کیا ابوالفضل فیضی اور صاحب
تاریخ داؤدی یہ سب بھی اسی امر پر متفق ہیں کہ اکبر نے خود نہیں مارا لیکن جہانگیر اپنی تزک میں لکھتا ہے کہ اکبر نے اپنے کسی
دہاڑی کو اس کا سر اتار لینے کا حکم دیا۔ احمد یادگار کہتا ہے کہ اکبر نے ہیمو کے ناپاک جسم سے اس کا سر جدا کیا۔ ڈی لائٹ
بھی اسی سے اتفاق کرتا ہے کہ یہ فعل تیغ اکبر نے اپنے ہاتھ سے کیا۔ مسٹر سمتھ نے احمد یادگار اور ڈی لائٹ کے
اقوال کی تائید میں ایک مضمون رائل ایشیاٹک سائٹی کے جرنل سنہ ۱۹۱۶ء میں لکھا ہے میری سمجھ میں نہیں آیا کہ دشمن کا
سر کاٹ لینا اور وہ بیرم خاں کا تاجیلی ہو اکبر نے فعل تیغ کے کرنیالعا سے کیوں تعبیر کیا گیا ایسے واقعات تو
ایسے دنوں بادشاہوں کو پیش آتے ہی رہتے ہیں الغرض حال کا سبب سارا بھی اس بد تر ماتع کا تذکرہ رہا ہے جیسا کہ ہم سب نے
جنگ عظیم سب میں دیکھ لیا کہ یادگاروں کی کیا حالت نہ رہی اور انسانوں کے کیسے ہتھیار برباد کیا گیا کہ تصور سے ریزہ ریزہ
ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ ۱۲

سوائے اس کے کہ فاتح تھے اور کوئی بات اِن سے ظہور میں نہ آئی۔ اُن کو کبھی

بقیہ نوٹ صفحۂ ۳۰۹ کا۔ بادشاہی دسترخوان بچھتا تھا جس پر دوست دشمن کی تمیز نہ تھی۔ سب کو برابر کھانا کھلاتے تھے۔ شیر شاہ نے بھی یہی طریقہ جاری رکھا تھا۔ ہیمو ہندو دھرم تھا وہ بھی ایک وقت سب کو کھانا دیتا تھا۔ ہیمو کی ذات کچھ ہی ہو مگر اُس کے کارنامے بہ آواز بلند نقارے بجاتے تھے کہ وہ اپنی ذات سے عالی ہمت۔ حوصلے والا اور آقا کے لیئے مستعد خدمت گزار اور چست خدمت گار تھا۔ بند و بست اور انتظام۔ چستی اور چالاکی اُس کی طبیعت میں داخل تھی۔ محبت اور عرق ریزی سے دلی شوق رکھتا تھا۔ افسوس کہ اکبر اُس وقت لڑکا تھا اگر ہوش سنبھالا ہوتا تو ایسے شخص کو ہرگز اِس طرح ہاتھ سے نہ کھوتا۔ اسے رکھتا اور دلاسے سے کام لیتا۔ وہ جوہر نکالتا اور عمدہ خدمتیں کر کے دکھاتا جن سے ملک کو ترقی اور بنیاد ملک کو استحکام حاصل ہوتا۔

ہیمو کی ہمت کی ناکامی کے اسباب یہ تھے۔ بادشاہی لشکر کی کمی اور کم سامانی اور اُس کے مقابل میں ہیمو کے لشکر کی کثرت اور فراوانی دستگاہ پر نظر کر کے فانِ زماں کی اِس فتح یابی پر لوگ حیرت کی نظر سے دیکھیں گے لیکن زمانہ شناس اور صورت حال کے نباض صاف کہتے ہیں کہ ایسا ہی ہونا چاہئے تھا کیوں کہ ہیمو باوجود ساری باتوں کے ایک بڑے نکتے سے غافل تھا۔ اسے سمجھنا چاہیئے تھا کہ میں کس لشکر اور کن لشکریوں سے کام لے رہا ہوں۔ یہ نہ میرے ہم قوم ہیں نہ ہم وطن نہ ہم مذہب جو کرتے ہیں یا کریں گے یا پیٹ کی مجبوری یا اُمید انعام یا جان کے آرام کے لیئے کرتے ہیں۔ اور میری میٹھی زبان۔ خوش خوئی۔ درد خواہی اور محبت نمائی اِس کا جزو اعظم تھا۔ پھر یہ ساری باتیں عارضی ہیں۔ یہ کوئی نہیں سمجھتا کہ اِس کی فتح ہماری اور ہماری قوم کی فتح ہے اور ہم مر بھی جائیں گے تو ہماری اولاد اِس کامیابی کی کمائی کھائے گی فتوحات کے مشتاق اور ہمت والے مہاجن کو جن باتوں نے بھلاوے میں ڈالا وہ کیا تھیں ؟ - (۱) خزانہ وافر شیر شاہ اور سلیم شاہ کا اپنے قبضے

(بقیہ نوٹ برصفحۂ آیندہ)

اُن سے مشورہ لیا کرتا تھا اور معلوم ہوتا ہے کہ اکبر کی بالغ نظر شروع سے اُن
نقائص پر پہنچ چکی تھی۔ جو امراء ہمایوں کے نظم ونسق میں تھے۔ بابر اور ہمایوں
(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۰۹) اُس پر جا پڑا۔ لطف یہ کہ ہاتھیوں کے حلقے میں جس پار اُترے
اور کسی کو جرأت ہوئی نہ ہاتھ ہلانے کی مہلت نہ دی۔ افغانوں کا یہ عالم ہوا کہ سر کو
پاؤں کا ہوش نہ جوتی کو پگڑی کا۔ بھاگے ڈوبے۔ قتل ہوئے اور کوڑیوں بچارا
ڈالیا گیا کہ پھر پتہ ہی نہ لگا۔ ساتھ ہی اس کا بیٹا لشکر لے ستمار جمع کرکے
عدلی پر چڑھ آیا اور میدان جنگ میں عدلی کو مار کر اپنے باپ کے پاس پہنچا
دیا۔ آپ ہیمو خود صاحب فوج و لشکر ہو گئے۔ چغتائی مورخ بیٹے کی ذات کو
غنیمت سمجھ کر جو چاہے سو کہیں مگر اس کے قواعد بندوبست درست اور احکام
ایسے چست ہو گئے تھے کہ تیلی دال سے گوشت کو دبا لیا۔ افغانوں میں جو باہم
کشاکشی اور سلسلے انتظامی رہی اُس میں ہیمو ایک جنگی اور با اقبال نامور گیا۔ ممالک
مشرقی میں اس سال مینہ نہ برسا بڑا سخت قحط پڑا۔ دہلی آگرے بلکہ اطراف
شہروں میں قیامت آ رہی تھی۔ ڈھائی روپیہ سیر مکئی کا نرخ تھا اور وہ
بھی ہاتھ نہ آتی تھی۔ ہیمو کی لیاقت اور حسن تدبیر کہ اس حالت میں بھی اُس نے
سپاہیوں کی خورد و نوش کا وہ انتظام رکھا کہ ہزاروں جنگی ہاتھی سب چاول
اور گھی شکر کے ملیدے کھاتے تھے۔ سپاہیوں کا تو کیا کہنا ہے۔ جیسا
مدنا گی آفت آتی ہے تو ہر طرف سے انسان گھر جاتا ہے۔ عدلی افغان تو آگرے
سے لشکر لے کر نکل گیا ادھر اُدھر اپنے رقیبوں کو دباتا پھرتا تھا۔ قلعہ میں
ایک افغان سردار آیا کہ رسد اور سامان جنگ کا بندوبست کرے سامان
کی موجودات لیتا تھا ایک دن صبح کا وقت چراغ لیے حجروں کو دیکھتا پھرتا تھا
کہیں چراغ کا گل جھڑ پڑا۔ کوٹھے بارود کے تھے یا پہلے اس میں بارود
رہ چکی تھی کہ پل بھر میں آدھا قلعہ اُڑ گیا۔ پتھر کی سلیں۔ ستون۔ محرابیں
اُڑ اُڑ کر دریا پار کہیں کی کہیں جا پڑیں۔ ہزاروں آدمی اور جانور اُڑ گئے۔ اسی
زمانے میں اکبر کے قدم مبارک ہندوستان میں پہنچے جب یہ ملک واقع
ہوئے تو ترکوں میں چنگیزی آئین چلا آتا ہے کہ امرا سے سپاہی تک دونوں وقت

(بقیہ نوٹ در صفحہ آئندہ)

اکبر کا بچپنا

اگرچہ اکبر ابھی کم عمر ہی تھا مگر وہ اپنی بساط سے زیادہ فن جنگ میں تجربہ حاصل کر چکا تھا۔ اِس کا باپ مملکت کے امور سترگ میں

بقیہ نوٹ صفحہ ۳۰۹ کے وہ عیش اور بے خبری کو لطف زندگی سمجھتا تھا۔ ہندوستان کے لوگ عجب آفت ہیں۔ عادل شاہ کو عدلی اور عدلی کو اندھلی کہتے تھے اُس نے ہیمو کو ... بنایا اور اُس کے اختیارات کو اور بھی مطلق العنان کر دیا یہاں تک کہ وزیر اور وکیل مطلق ہو گیا۔ ہیمو نے بھی باوجودیکہ ایک بے علم بے حقیقت بنیا تھا مگر لیاقت اور تدبیر کے ساتھ وہ دلاوری دکھائی کہ جس کی اُمید نہ تھی۔ چنانچہ جب کرانی سردار دربار سے کنارہ کش ہو کر بنگالے میں جا بیٹھے تو عادل شاہ خود فوج لے کر چنار پر گیا۔ طرفین نے دریا کے کنارے لشکر ڈالا اور مقابل آن پڑے۔ ہیمو نے ایک دن کہا کہ اگر ایک حلقہ ہاتھیوں کا اور فوج مناسب مجھے مل جائے تو کرانیوں کے دھوئیں اڑا دوں۔ بادشاہ نے سب سامان دیا اور ہیمو نے ان کے انبوہ کو تہ و بالا کر دیا۔ ابراہیم سور عدلی کا بہنوئی تھا اور صاحب فوج و علم و امیر تھا عدلی نے چاہا کہ اُسے گرفتار کر لے۔ عدلی کی بہن نے اپنے شوہر کو خبر کر دی وہ چنار کو بھاگا۔ آگرہ وغیرہ مار کر میانہ ولایت کو دبا کر نشان بادشاہی علم کیا۔ ہیمو فوج جرار اور ہاتھی بے شمار لے کر اِس کے تعاقب میں گیا اور کالپی پر بڑا سخت معرکہ ہوا۔ گو ابراہیم بڑی پامردی سے لڑا مگر ہیمو کے ہاتھوں شکست کھائی۔ ابراہیم بیانے کی طرف آیا اور لشکر جمع کر کے طیار رہا۔ ہیمو پیچھے پیچھے آیا۔ ابراہیم نے دس کوس آگے بڑھ کر میدان کیا۔ یہاں بھی خوب رن پڑا۔ مگر قسمت سے کون جیت سکے۔ ہیموں نے شکست دے کر قلعۂ بیانہ میں قلعہ بند رکھا اور اطراف و جوانب میں خوب لوٹ مار مچائی اتنے میں عدلی کا فرمان پہنچا کہ بہت بھاری بلا کا سامنا درپیش ہے محاصرہ اُٹھا دو اور چلے آؤ۔ وہاں محمد خاں گوڑیہ ایک افغان نامی کے ساتھ مقابلہ تھا اور مقام چھپر کٹہ پر کہ کالپی سے پندرہ کوس ہے دونوں لشکر آمنے سامنے پڑے۔ گوڑیہ کے ساتھ افغانوں کی فوج آراستہ۔ ہاتھی دیو کوہسار اور سامان بے حد و حساب حریف کے اور اپنے بیچ میں دریائے جمن جاری بے فکر پڑا تھا کہ ایک رات ہیمو بے خبر

(بقیہ نوٹ برصفحہ آئندہ)

پر کوئی باقی نہ رہا تب اُسے انتظامات کی طرف توجہ کرنے کا موقع ملا۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۷۰۹ کے سخت عبارتوں میں ادا کرتے ہیں لیکن اس کی لیاقت اور ترقی کی رفتار میں قلم کو کھینچ کر تعریف کے میدان میں لاتے ہیں اس میں شک نہیں کہ وہ دلی کے قریب ریواڑی کا غریب میا قوم کا ڈھوسر تھا۔ جوبنیوں کا ایک رذیل فرقہ ہے وہ گلی گلی لونوں لونوں کی آواز لگاتا پھرتا تھا۔ یہ بھی درست ہے وہ بدن کا حقیر صورت کا کم رو آنکھ نے بھینگا یا کانڑاں تھا۔ لیکن اس کے حسنِ انتظام۔ حسنِ تدبیر اور جنگی فتوحات کو کون چھپا سکتا ہے۔ اس کے اوصاف کی باتیں اور فتوحات کی حکایتیں ضرور سیاہی کے پردے میں رہیں اور برائیوں نے حرف بحرف سیاہی کا لباس پہنا۔ مورخوں کا یہ اعتراض درست ہے کہ اس ذات و صفات پر اس نے اکبر کے سر پر تلوار کھینچی جس کے سر پر سات پشت سے سلطنت کے نشان جھومتے تھے لیکن اس کا کیا جواب ہے کہ سلطنت کسی کی میراث نہیں ہے ع

ہر کہ شمشیر زند سکہ بنامش خوانند۔ اگر دو تین پشت بھی سلطنت اس کے خاندان میں رہ جاتی تو ہم دکھا دیتے کہ کتنے خوشامدی مورخ پیدا ہو جاتے وہ اس کے کارناموں کو کہیں سے کہیں پہنچاتے اور خاندان کے پست سلسلے کو اوتاروں سے جا ملاتے۔ جن قدموں سے وہ ترقی کی سیڑھی پر چڑھا وہ دیکھنے کے قابل ہیں۔ قسمت کی زنجیر اس کو گلی کوچوں سے کھینچ کر سلیم شاہ کے بازار لشکر میں لے گئی۔ رفتہ رفتہ وہاں دکان کھول لی آدمی رسا تھا بازار کا چودھری ہو گیا۔ سلیم شاہ باوجود جباری اور قہاری کے کمینہ مزاج بھی رکھتا تھا اور کم رتبہ لوگوں سے گھل مل جاتا تھا اسے ہم زبانی کا موقع ملنے لگا نا شدہ شدہ بازار کا کوتوال بنا چند روز میں مقدمات و علداری بھی اس کے سپرد ہو گئے۔ نمک حلال با لیاقت سے اور زیادہ محنت اور ہمت دکھائی۔ بادشاہ مرشون افغانوں سے بیزار تھا۔ اس کا توڑنا مد نظر تھا۔ اُسے کام کا بوجھ سہارتا دیکھتا تھا اس لئے خدمتیں دیتا اور منصب بڑھاتا تھا اور بندہ صاحب اقتدار ہوتا گیا۔ اتفاق ہے کہ جب ہمایوں ایران سے کابل میں آگیا اور کامران بھاگ کر اِدھر آیا تو دربار سلیم شاہی سے لالہ ہیمو راسے اُس کے لینے کو گئے۔ سلیم شاہ کے بعد محمد عدلی بادشاہ ہوا

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

قلعہ بند ہو گیا تھا کہیں چھ مہینے کے محاصرے کے بعد راہِ راست پر آیا اور اطاعت قبول کی اور بنگال کو چلا گیا۔ اب ہندوستان میں اکبر کے مقابلے

نوٹ صفحہ ۲۸۰ ۔ سلہ یہ تخت اب تک موجود ہے جو ایک پختہ چبوترے پر اینٹوں کا بنا ہوا ہے۔ زمانہ مابعد میں اس کے گرد باغ اور کچھ نفیس مکانات بنا دیئے گئے تھے جن کا مال مسالا سب ریل کے ٹھیکے داروں کے گئے۔ حال میں اس مقام کی نگہداشت کی جانے لگی ہے اور جو کچھ ان لوگوں کی دست برد سے بچ رہا تھا اُسے محفوظ کر کے ایک تختی لگا دی گئی ہے جس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ مشہور مقام جہاں اکبر جیسا زبردست اور نامور بادشاہ تخت نشین ہوا ہی تھا۔ تاریخ ولادت از مولانا نور الدین:۔

چوں کلک قضا نشان تقدیر نوشت ۔۔۔ آیات ابد را ہمہ تفسیر نوشت

از بہر ولادت شہنشاہ جہان ۔۔۔ تاریخ شہنشہ جہاں گیر نوشت

ملک الشعرا ابوالفیض فیضی نے تخت نشینی کی یہ تاریخ کہی ہے:۔

للہ الحمد کہ آمد بوجود ❊ آنکہ از کون و مکان منتخب است ❊ بادشاہے کہ ز شاہان جہان ❊ اکبرش نام جلال الدین لقب است

شب و روز و مہ و سال میلاد ❊ شب یکشنبہ و پنجم رجب است

صحیح تاریخ تخت نشینی کی روز جمعہ نصف النہار ۲ ربیع الثانی ۹۶۳ھ (۱۵۵۶ء) ہے جب کہ اکبر کی عمر چودہ سال کی تھی جس کے پچیس دن بعد ۲۸ ربیع الثانی (۲۵ فروری) چہار شنبہ کو نوروز ہوا اور اسی سے سال الٰہی اکبر شاہی شروع ہوا جس پر میر عبد الحی صدر امین نے یہ بیت پڑھی۔ سلہ

اگر نور وز عالم رفت برباد ۔۔۔ گل صد برگ مسروری زالبقا باد

اس میں اگر لفظ گل کو بجائے اضافت کے یا سے پڑھیں یعنی "گلے" تو سنہ جلوس بھی نکلتا ہے اور کام بخش اور مصرعہ جلوس خداوند عالم پناہ سے بھی ۹۶۳ ۹۶۳
اور عزیزی نے یہ قطعہ لکھا ہے:۔

از خطبۂ شاہ رفعت منبر شد ۔۔۔ وز سکۂ عدل کار ہا چوں زر شد

منبر شد ۔۔ بہ تخت سلطنت اکبر شاہ ۔۔۔ تاریخ جلوس و نصرت اکبر شد
۹۶۳

نوٹ صفحہ ۳۰۹ سلہ ہیمو بقال۔ تمام مورخ ہیمو کے حال کو سبک الفاظ اور

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

سکندر سور نے پنجاب میں گڑبڑ مچا رکھی تھی اکبر نے مناسب سمجھا کہ سب سے پہلے
اس کا قلع قمع کرنا چاہئے۔ سکندر سوالک کے پہاڑوں میں مانکوٹ میں

بقیہ نوٹ صفحہ ۶۷ ۲ کہ ماچھی واڑے کی لڑائی میں ہمارا باپ مارا گیا تھا ہم نے
اس کا بدلہ لیا۔ لوگ جا کر بیحال دیکھ کر تتر بتر ہو گئے لاش سے خون پڑا بہتا تھا اور
کوئی نہ تھا کہ آکر خبر بھی لے۔ اس نے کس کے کپڑے تک اتار لئے گئے۔ اب
رحمت ہو۔ جوہر کہ خاک کی چادر اڑھا کر ردہ کیا۔ آخر دہلی کے فقرا اور مساکین نے
شیخ حسام الدین کے مقبرے میں کہ مشائخ کبار میں مشہور تھے اور سلطان الاولیا
کے خلفا میں تھے دفن کر دیا۔ یہ واقعہ جمعہ کے دن ۱۴ جمادی الاولیٰ ۹۶۸ھ میں
ہوا۔ شیخ عبدالقادر بداؤنی نے یہ مصرع بطور تعمیہ تاریخ شہادت میں کہا ہے ع
گفت گل گلشن خوبی بماند۔ گل کے اعداد گلشن خوبی سے خارج کرو تو تاریخ برآمد
ہوتی ہے۔ قاسم ارسلان نے یہ تاریخ کہی ہے:-

بیرم بطواف کعبہ چون بست احرام — در راہ شد از شہادتش کام تمام
در واقعہ ہاتفے پی تاریخش — گفتا کہ شہید شد محمد بیرام

نقل۔ ایک شب دربار جام میں ہمایوں بیرم خاں سے کچھ کہہ رہے تھے رات
زیادہ گئی تھی۔ نیند کے مارے بیرم خاں کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ بادشاہ
کی بھی نگاہ پڑ گئی۔ فرمایا۔ بیرم! من بہ تو می گویم تو خواب می کنی۔ بیرم نے کہا
قربان شوم۔ از بزرگان شنیدہ ام کہ در سہ مقام حفاظت سہ چیز واجب
است۔ در حضرت بادشاہان حفظ چشم۔ در خدمت درویشان نگہداری دل۔
در پیش علما پاسبانی زبان۔ در ذات حضور صفات ہر سہ گانہ جمع می بینم۔ فکری
کنم کدام کدام ایشان را نگہ دارم۔ اس جواب سے بادشاہ بہت خوش ہوا۔ دلی
میں جو ایک محلہ ترا ہہ بیرم خاں (اگرچہ بیرم خاں) کے نام سے مشہور ہے وہ
یہی بیرم خاں تھے۔ بیرم خاں کے حالات تمام تر مولانا آزاد کی لاجواب
کتاب دربار اکبری سے کچھ مختصر کر کے لکھے گئے ہیں پھر بھی کئی صفحے گھر گئے
بیرم خانی دریا کو ہم کوزے میں کیوں کر بند کریں طوالت آنکھیں دکھا رہی ہے گو
دربار اکبری کے درخشندہ ستاروں سے کیوں کر چشم پوشی کی جائے ۱۲

کا مقام آگرہ دار السلطنت کے لیئے زیادہ مناسب و موزون خیال کیا گیا۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۱۴۲ کے حوالے کرکے آپ نکل آیا۔ بادشاہ نے پانچ ہزار روپیہ نقد اور بہت کچھ اسباب دیا۔ ماہم اور ماہم والوں کے سوا کوئی شخص نہ تھا۔ جس کے دل میں اس کی محبت نہ ہو۔ حاجی محمد خاں تانی کہ اِن کا مصاحب اور قدیمی رفیق تھا بادشاہ نے اِسے فوج دے کر رستے کی حفاظت کے لیئے ساتھ کیا۔ رستے میں ایک دن کسی بن میں سے گزر ہوا۔ پگڑی کا کنارہ کسی ٹہنی میں اِس طرح اُلجھا کہ پگڑی گر پڑی۔ لوگ اِسے بڑا شگون سمجھتے ہیں۔ اِس کے چہرے پر بھی ملال معلوم ہوا حاجی محمد خاں نے حافظ کا شعر پڑھا۔ ؎

در بیاباں چوں بشوق کعبہ خواہی زد قدم سرزنش اگر کند خارِ مغیلاں غم مخور

یہ سُن کر وہ ملال خوشی کا خیال ہو گیا۔ پٹن گجرات میں پوہنچا یہیں سے گجرات کی مدشروع ہوتی ہے۔ عہد قدیم میں اِسے نہروالہ کہتے تھے۔ موسیٰ خان فولادی وہاں کا حاکم اور حاجی خاں الوری بڑی تعظیم سے پیش آئے اور دھوم سے ضیافتیں کیں۔ اِس سفر میں کچھ کام تو تھا نہیں۔ اِس لیئے جہاں جاتا تھا دریا۔ باغ۔ عمارات کی سیر کرکے دل بہلاتا پھرتا تھا۔ ایک دن شام کے قریب سہس لنگ ان کے تلاؤ میں (یہاں کی مشہور سیرگاہ تھی۔ سہس ہندی میں ہزار کو کہتے ہیں اور لنگ۔ پتھر کو۔ اِس تالاب کے گرد ہزار مندر تھے۔ شام کو جب اِس کے گنبدوں پر دھوپ ہوتی تھی تو اُن کی روشنی اور کلسوں کی چمک کا پانی میں عکس اور کناروں کا سبزہ عجب بہار دیتا تھا اور جب چراغ جلتے اِن میں روشنی ہوتی تھی تو اُس کے عکس جو پانی میں پڑتے تھے تو سارا تلاؤ جگمگ جگمگ کرتا تھا) نواڑے میں بیٹھا پانی پر ہوا کھاتا پھرتا تھا۔ مغرب کے وقت کشتی سے نماز کے لیئے اُترا مبارک خاں لوہانی ایک افغان تیس چالیس افغانوں کو لے کر ملاقات کے بہانے آیا۔ مصافحہ کرنے میں پاس آ کر پشت پر ایک خنجر مارا کہ سینے سے پار نکل آیا ایک اور ظالم نے سر پر تلوار ماری کہ کام تمام ہو گیا۔ اِس وقت کلمہ اللہ اکبر زبان سے نکلا غرض شہادت جس کا وہ بڑا مشتاق تھا نصیب ہوئی۔ لوگوں نے مبارک سے پوچھا کہ کیا سبب تھا جو یہ غضب کیا۔ کہا کہ

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

روابط میں اور استحکام ہوجائے اور اسی لحاظ سے ہندوؤں کو بڑے بڑے
عہدے اور مناصب بھی دیئے اور انھیں خیالات کی بنا پر ہندوستانی جھنڈ ہند

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷ مارے۔ عمامہ سر سے اتار کر گلے میں لپیٹا اور آگے بڑھا۔ جیسے
کے پاس پہنچا تو حسرت کر اکبر بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ لب فرش تک آیا۔ خانخاناں نے
دوڑ کر سر پاؤں پر رکھ دیا اور ڈاڑھیں مار مار کر رونے لگا۔ بادشاہ بھی اس کی گود
میں کھیل کر پلا تھا آنسو نکل پڑے اٹھا کر گلے سے لگا لیا اور اس کی قدیمی جگہ یعنی
دست راست پر پہلو میں بٹھایا آپ اس کے ہاتھ کھولے دستار سر پر رکھی۔ خانخاناں
نے کہا آرزو تھی کہ حضور کی نمک حلالی میں جان کو قربان کروں اور شمشیر مدعائی
جنازے کا ساتھ دیں۔ حیف کہ تمام عمر کی جانفشانی اور جاں نثاری خاک میں مل گئی
اور خدا جانے ابھی قسمت میں کیا لکھا ہے۔ یہی شکر ہے کہ اخیر وقت میں حضور کے
قدم دیکھنے نصیب ہوگئے۔ یہ سن کر دشمنوں کے دل پانی ہوگئے۔ دیر تک تمام دربار
مرقع تصویر کی طرح خاموش رہا کوئی دم نہ مار سکتا تھا۔ ایک ساعت کے بعد اکبر
نے کہا کہ خان بابا اب صورتیں تین ہیں جس میں تمہاری خوشی ہو کہہ دو۔ (۱) اگر حکومت
کو جی چاہتا ہے تو چندیری اور کالپی کا ضلع لے لو وہاں جاؤ اور بادشاہی کرو (۲) اگر
مصاحبت پسند ہے تو میرے پاس رہو جو عزت و توقیر تمہاری تھی اس میں فرق نہ
آئے گا۔ (۳) حج کا ارادہ ہے تو بسم اللہ روانگی کا سامان خاطر خواہ ہو جائے گا۔ جاگیری
تمہاری ہو چکی محاصل تمہارے گماشتے جہاں کہو گے پہنچا دیا کریں گے۔ خانخاناں
نے عرض کی کہ قواعد اخلاص و اعتقاد میں اب تک کسی طرح کا قصور اور فتور نہیں آیا
یہ سارا تردد فقط اس لیئے تھا کہ حضور میں پہنچ کر رنج و ملال کی فریاد کو آپ پہنچوں
الحمد للہ جو آرزو تھی پوری ہو گئی اب عمر آخر ہوئی کوئی ہوس باقی نہیں۔ تمنا ہے تو یہی ہے
کہ آستانۂ الٰہی پر جا پڑوں اور حضور کی عمر و دولت کی دعا کیا کروں اور یہ معاملہ جو
پیش آیا۔ اس سے بھی مطلب فقط یہ تھا کہ فتنہ انگیزوں نے جو الٹے اوپر سے اوپر
باتیں بنا دیا تھا اس شبہ کو خود حضور میں پہنچ کر دور کروں۔ غرض حج کی بات قائم ہو گئی
حضور نے خلعت خاص اور خاصہ کا گھوڑا عنایت کیا۔ منعم خاں دربار سے اپنے خیمے
میں لے گیا جیسے ڈیرے اسباب خراسانے سب لے کر باورچی خانے تک دے بیٹھا
(باقی بر صفحہ آئندہ)

اور یہیں زمین کے پیوند ہوئے - چوں کہ اکبر کی پالیسی ہندوؤں کے دل مٹھی میں لینے کی تھی - جن سے اُس نے رشتہ ناطہ بھی اسی غرض سے کیا تھا - کہ ان

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷۸) عمل سپاہی تھے - قدیمی رفاقتیں تھیں دیر تک دل کے درد کہتے رہے - منعم خاں کی باتوں سے اِسے یقین آیا کہ جو کچھ پیام آئے ہیں واقعی ہیں فقط سخن سازی نہیں ہو - غرض خانخاناں چلنے کو طیار ہوا - بابا زنبور اور شاہ قلی محرم دامن پکڑ کر رونے لگے کہ ایسا نہ ہو جان جائے یا عزت پر حرف آئے - منعم خاں نے کہا کہ اگر زیادہ ڈر ہی تو ہمیں یرغمال میں یہاں رہنے دو خیر یہ پرانی محبت کی شوخیاں تھیں اور رفیقوں نے بھی روکا - پہاڑ کے راجہ اور رانا مرنے مارنے کا عہد باندھے موجود تھے مگر وہ نیکی کا پتلا اپنے نیک ارادے سے نہ ٹلا اور سوار ہو کر چلا - جو فوج اِس کے مقابلے پر دامن کوہ میں پڑی تھی اِس میں ہزاروں ہوائیاں اڑ رہی تھیں کوئی کہتا تھا کہ امرائے شاہی جو یہاں سے گئے ہیں اُنہیں بیرم خاں نے پکڑ رکھا ہو کوئی کہتا تھا ہرگز نہ آئے گا وقت ٹالتا ہی اور سامان بہم پہنچاتا ہو - پہاڑ کے راجہ مدد کو آئے ہیں - کوئی کہتا تھا صلح کا پیچ مارا ہو - رات کو شب خون مارے گا - غرض جتنے منہ اُتنی ہی باتیں ہو رہی تھیں کہ وہ جریدہ لشکر میں داخل ہو گیا - تمام فوج نے خوشی کا غل مچایا اور نقاروں نے دور دور خبر پہنچائی - کچھ میل فاصلے پر حاجی پور دامن کوہ میں بادشاہ کے خیمے تھے - سنتے ہی حکم دیا کہ تمام امرائے دربار استقبال کو جائیں اور قدیمی عزت و احترام سے لائیں - ہر شخص جاتا سلام کرتا تھا اور پیچھے ہو لیتا تھا - وہ شاہ نشان سپہ سالار جس کی سواری کا غل نقارے کی آواز کوسوں تک جاتی تھی اِس وقت چپ چاپ - سکوت کا عالم تھا وہ آگے آگے خاموش چلا آتا تھا - اِس کا گورا گورا چہرہ اُس پر سفید ڈاڑھی ایک نور کا پتلا تھا کہ گھوڑے پر دھرا تھا - چہرے پر مایوسی برستی تھی اور نگاہوں سے ندامت ٹپکتی تھی تمام انبوہ چپ چاپ پیچھے تھا سناٹے کا سماں بندھا ہوا تھا - جب بادشاہی خیمے کا کلس نظر آیا تو گھوڑے سے اُتر پڑا - ترک جس طرح گنہگار کو بادشاہ کے حضور میں لاتے ہیں - اِس نے آپ بکتر سے تلوار کھول کر گلے میں ڈالی - پٹکے سے اپنے ہاتھ

(بقیہ نوٹ صفحہ آیندہ)

سفر کیا اور اس سبب سے دلی بالکل ویران ہوگئی اور اب صرف ہمایوں کے
وقت کے چند بڑے بڈھے باقی رہ گئے۔ جو یہاں رہ پڑے یہیں مرے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷۸) شکست اتکہ خاں پر پڑی اور بادشاہی لشکر پریشان ہوگیا
بادشاہ خود بھی لودھیانہ سے آگے بڑھ چکا تھا۔ اب خواہ شکست کے سبب
سے خواہ اس لحاظ سے کہ ولی نعمت کے سامنے ہو کر لڑنا بات منظور نہ تھا
بیرم خاں اپنے لشکر کو لے کر لکھی جنگل کی طرف پیچھے ہٹا۔ اگر لشکر کو پیچھے
چھوڑ کر لاہور پہنچے کہ دارالسلطنت ہی ایسا ہو کہ وہاں فتنہ طلب لوگ اٹھ کھڑے
ہوں۔ یہاں خاص و عام کو اقبال کی تصویر دکھا کر تسلی دی اور پھر لشکر میں پہنچے
دامن کوہ میں بیاس کے کنارے پر تلواڑہ ان دنوں مضبوط مقام تھا
اور راجہ گنیش وہاں راج کرتا تھا۔ خان خاناں پیچھے ہٹ کر وہاں آیا۔ راجہ
نے بہت خاطر کی اور سب سامانوں کا ذمہ لیا۔ اس کے میدان میں لڑائی جاری
ہوئی۔ ملا صاحب لکھتے ہیں ایک موقع پر لڑائی ہو رہی تھی اکبری لشکر میں سے
راجہ گنیش کہ نہایت سجیلا جوان دلاور اور دیدار و جوامرزادہ تھا میدان میں
زخمی ہو کر گرا۔ بیر مغلی جوان اس کا سر کاٹ کر مبارک باد کہتے لائے۔ خانخاناں
نے دیکھ کر افسوس کیا۔ رومال آنکھوں پر رکھ کر رونے لگا۔ اور کہا یہ سو لعنت ہے۔
اس زندگی پر میری شامت نفس سے ایسے ایسے جوان ضائع ہوتے ہیں۔"
باوجودیکہ پہاڑ کے راجہ اور رانا برابر چلے آتے تھے فوج اور ہر طرح کے
سامان سے مدد دیتے تھے اور آئندہ کے لئے وعدے کرتے تھے مگر
اس نیک نیت نے ایک نہ سنی۔ انجام کا خیال کر کے آخرت کا رستہ صاف
کر لیا۔ اس وقت جمال خاں اپنے غلام کو حضور میں بھیجا کہ اجازت ہو تو فدوی
حاضر ہوا چاہتا ہے۔ ادھر سے مخدوم الملک ملا عبداللہ سلطان پوری مع
چند سرداروں کو لے کر روانہ ہوئے کہ دل جوئی کریں اور لے آئیں۔ ابھی
لڑائی جاری تھی وکیل دونوں طرف سے آتے جاتے تھے۔ خدا جانے تکرار
کس بات پر تھی۔ منعم خاں سے نہ رہا گیا۔ چند امرا اور مقربان بارگاہ کے
ساتھ لے تماشا خان خاناں کے پاس چلا گیا۔ کہن سال سردار تھے کچھ
(بقیہ نوٹ بر صفحہ ...)

ہندوستان کی سلطنت حاصل کی۔ اِس فتحیابی کے بعد دِلّی اور آگرہ پر بلا غل و غش قبضہ کر لیا۔ اگرچہ دِلّی ہندوستان کا پایہ تخت تھا لیکن اکبر نے آگرے کو دار الخلافہ

بقیہ نوٹ صفحہ ۸۲۷ کے پھُسلار ہے ہیں۔ یہ باتیں دیکھ کر اسے ضرور خیال ہوا ہوگا کہ جو ہو سو ہو اِن سِفلوں اور نا اہلوں کو جنھوں نے کچھ نہیں دیکھا ایک دفعہ تماشا تو دکھا دو کہ اِن کی بھی بادشاہ کو معلوم ہو جائے۔ پرگنہ دکدار نواح گنا چور میں (مسٹر بلاک مین لکھتے ہیں کہ کنور پھلور۔ گونا چور کے جنوب مغرب میں تھا۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ یہ لڑائی ماچھی واڑے کے باہر ہوئی۔ جو بلاک مین نے لکھا ہے یہ ملا صاحب کا قول ہے اور یہی ٹھیک معلوم ہوتا ہے۔ دکن کے فرشتہ کو پنجاب کی کیا خبر) کہ جنوب مشرق جالندھر پر تھا۔ خانخاناں کے رفیق تعداد میں تھوڑے تھے۔ مگر مروت اور مردانگی کے جوش نے اِن کی کمی کو بڑھا دیا تھا۔ ہزاروں دلاوروں نے اِس کی قدر دانی کے ہاتھ سے فیض پائے تھے۔ اُن سب کا مول بے گنتی کے آدمی تھے جو رفاقت کے نام پر جان قربان کرنے نکلے تھے۔ وہ خوب جانتے تھے کہ بڈھا جواں مرد ہے اور مرد کا ساتھ مرد ہی دیتا ہے۔ وہ اِس غصہ میں آگ ہو رہے تھے۔ کہ مقابل میں وہ لوگ ہیں جنھیں بوالہوسی نے مرد بنایا ہے۔ جب تلوار مارنے کے وقت تھے تو کچھ نہ کر سکے اب میدان صاف ہے تو نوجوان بادشاہ کو پھسلا کر چاہتے ہیں کہ بڈھے خانہ زاد کی محنتیں برباد کریں سو وہ بھی ایک بڑھیا کے بھروسے پر وہ نہ ہو تو اتنا بھی نہیں۔ اُدھر بڈھے سید یعنی خان اعظم نے بھی فوجوں کی تقسیم کر کے صفیں باندھیں۔ قرآن سامنے لا کر سب سے عہد و پیمان لیئے۔ بادشاہی عنایتوں کا امیدوار کیا سوا تنی ہی اِس بچارے کے پاس کرامات تھی جس وقت سامنا ہوا تو بیرم خانی فوج نہایت جوش و خروش سے آگے بڑھی۔ جب قریب پہنچی تو یک دِلی نے اِن کی جانوں کو اُٹھا کر اِس طرح فوج بادشاہی پر دے مارا گویا بیرم کے گوشت کا ایک ٹکڑا تھا کہ اُچھل کر حریف کی تلواروں میں جا پڑا۔ جو مرنے تھے مرے۔ جو بچے آپس میں ہنستے کھیلتے اور دشمنوں کو ریلتے دھکیلتے چلے۔ فتح و شکست کی ر... مورخین میں اختلاف ہے۔ اکبر اور جہانگیری مورخ کہتے ہیں کہ اخیر میں بیرم خاں نے شکست کھائی۔ خافی خاں کہتے ہیں کہ اِن مصنفوں نے رعایت سے بات کو چھپایا ہے ورنہ

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

اس پر بیرم خاں سے صبر نہ ہو سکا خود ہیموں کا خاتمہ کر دیا۔ اکبر کو بیرم خاں کی یہ
بے باکانہ جرأت سر دربار ناگوار ضرور ہوئی مگر خوں سکا کیسے گھونٹ پی کر رہ گیا
اور زبان سے ایک لفظ نہ نکالا۔ اِس طرح پانی پت کی لڑائی میں مغلوں نے دوبارہ
بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷۸ کی سمجھتا تھا ع۔ اے عاقلاں کنارہ کہ دیوانہ مست شد۔ ان
دونوں کو معہ ٹیرا قید کر کے حضور میں بھیج دیا۔ دوستوں نے یہ نوبت پہنچائی
یہ رنج کچھ تھوڑا نہ تھا۔ اس پر خیال کا قید ہونا اور دشمنوں کے ہاتھ میں جانا غرض نہایت
دق ہوا۔ حیران پریشان غیرت و غصہ میں بھرا ہوا اٹھارہ کے گھاٹ سے ستلج
اترا اور جالندھر پر آیا۔ دربار دہلی میں بعض کی رائے ہوئی کہ بادشاہ خود جائیں۔ بعض
نے کہا کہ فوج جائے۔ اکبر نے کہا کہ دونوں باتوں کو جمع کرنا چاہیئے۔ آگے فوج جائے
پیچھے ہم ہوں چنانچہ شمس الدین محمد خاں اتکہ بھیرہ سے بلوا لیئے تھے۔ انہیں
فوج دے کر آگے بھیجا۔ یہ بھی کوئی جنگ آزمودہ سپہ سالار نہ تھا۔ البتہ نیک طبع
متحمل پیر رسیدہ شخص تھا۔ اہل دربار نے اسی کو غنیمت سمجھا۔ بیرم خاں کو اول
خیال تھا کہ اتکہ خاں پرانا رفیق ہے وہ اِس آگ کو بجھائے گا۔ مگر خان خاناں کا منصب
ملتا نظر آتا تھا۔ وہ بھی آتے ہی ہمدمان حضور میں داخل ہو گئے۔ ماہم کی عقل کا کیا کہنا
صاف پہلو بچا لیا اور بیٹے کو کسی بہانے سے دِلی میں چھوڑ دیا۔ خان خاناں جالندھر
پر قبضہ کر رہا تھا۔ کہ خان اعظم ستلج اُتر آئے اور گناچور کے میدان پر ڈیرے
ڈال دیئے۔ خانخاناں کے لیئے اِس وقت دو ہی پہلو تھے یا لڑنا اور مرنا یا دشمنوں
کے ہاتھوں قید ہونا اور مشکیں بندھوا کر دربار میں کھڑے ہونا۔ خیر وہ خان اعظم کو
سمجھتا کیا تھا۔ جالندھر کو چھوڑ کر لپٹا۔ خانخاناں نے اپنے آقا پر تلوار کھینچی بہت بُرا کیا لیکن
ذرا چھاتی پر ہاتھ رکھ کر دیکھو۔ جو جو خیال اور رنج و ملال اس وقت اِس کے مایوس دل پر
چھائے ہوئے تھے۔ اُن پر نظر نہ کرنی بھی بے انصافی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جو جو
خدمتیں اس نے بابر اور ہمایوں سے لے کر اس وقت تک کی تھیں وہ ضرور اس کی
آنکھوں کے سامنے ہوں گی　　سب سے زیادہ یہ کہ جو گروہ مقابل نظر آتا ہے اس میں اکثر
وہ بڈھے دکھائی دیتے ہیں جو ان وقتوں میں اِس کا منہ تکتے تھے　اور ہاتھوں کو دیکھتے
تھے۔ بالکل کے لڑکے ہیں کہ جنہوں نے ایک بڑھیا کی بدولت نوجوان بادشاہ کو

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

جہاں پناہ اپنی شمشیر ... قہر بار سے اِس کافر کا کام تمام فرمائیں۔ لیکن اکبر کی عالی ظرفی اور بلند نظری نے اِس امر کو گوارا نہ کیا اور فرمایا کہ "مرے ہوئے کو کیا مارنا۔"

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷۸ کے اس نازک موقع پر بدنصیبی کا پیچ تھا اُس وفادار جان نثار نے چاہا تھا کہ اپنی اور بادشاہ کی ناراضی کا پردہ رہ جائے اور عزت کی پگڑی کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر ملک سے نکل جائے مگر قسمت نے بڈھے کی ڈاڑھی لونڈوں یا طفل مزاج بڈھوں کے ہاتھ میں دے دی تھی۔ بدنیت بداندیش نہ چاہتے تھے کہ وہ سلامت جانے پائے۔ غرض جب بات بگڑ جائے اور دل پھر جائیں تو الفاظ وعبارت کا زور کیا کر سکتا ہے۔ البتہ اتنا ہوا کہ جب بادشاہ نے یہ عرضی پڑھی تو آب دیدہ ہوئے اور دل کو رنج ہوا۔ ملا پیر محمد کو بلا لیا اور آپ دلّی کو پھرے مگر حریفوں نے اکبر کو سمجھایا کہ خانخاناں پنجاب کو چلا ہو اگر یہ پنجاب میں جا پہنچا اور وہاں بغاوت کی تو مشکل ہو گی۔ پنجاب ایسا ملک ہے کہ جس قدر فوج اور سامان فوج چاہیں ہر وقت بہم پہنچا سکتا ہے۔ کابل چلا گیا تو قندھار تک قبضہ کر لینا اس کے آگے کچھ دشوار نہیں اور خود نہ کر سکا تو دربار ایران سے مدد لانی بھی اسے آسان ہے۔ ان مصلحتوں پر نظر کر کے فوج کی سرداری شمس الدین محمد خاں اتگہ کے نام کی اور پنجاب کو روانہ کیا۔ سچ پوچھو تو آگے جو کچھ ہوا اکبر کے لڑکپن اور ناتجربہ کاری سے ہوا۔ سب مورخ بالاتفاق لکھتے ہیں کہ بیرم خاں کی نیت میں فساد نہ تھا۔ اگر اکبر شکار کھیلتا ہوا خود اُس کے خیمے پر جا کھڑا ہوتا تو وہ قدموں پر آ ہی پڑتا۔ بات بنی بنائی تھی یہاں تک طول نہ کھینچتا۔ نوجوان کچھ بھی نہ کرتا تھا۔ جو کچھ تھے بڑھیا اور بڑھیا والوں کے کرتوت تھے۔ خانخاناں نے اہل وعیال اور مرزا عبد الرحیم تین برس کے بیٹے کو جو خانخاناں ہو کر اکبری سپہ سالار ہوا تھا تمام نقد وجنس و مال و دولت اور اسباب کے ساتھ بھٹنڈے کے قلعے میں چھوڑا۔ شیر محمد دیوانہ اس کا خاص الخاص ملازم قدیم الخدمت اور ایسا باعتبار تھا کہ بیٹا کہلاتا تھا وہ بھٹنڈے کا حاکم تھا۔ اِس کے بھروسے پر خاطر جمع کر کے دیپالپور کو روانہ ہوا۔ دیوانے نے مال و اسباب سب ضبط کر لیا اور آدمیوں کی بڑی بے عزتی کی۔ خانخاناں کو جب خبر پہنچی تو خواجہ مظفر علی اور درویش محمد اذبک کو بھیجا شیر محمد دیوانے کو سمجھائیں۔ دیوانے کو کتے نے کاٹا تھا۔ بھلا وہ

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

میں تیر لگنے سے زخمی ہوا۔ وہ ہاتھی پر چڑھ کر میدان جنگ سے بھاگا ہی چاہتا تھا کہ گرفتار ہو گیا اور اکبر کے حضور میں لایا گیا۔ بیرم خاں نے اکبر سے معروضہ کیا کہ

بقیہ نوٹ صفحہ ۳۰۶ جل کر خاک ہو گیا۔ ملا کا اس طرح آنا کچھ چھوٹا رنج نہ تھا مگر انھوں نے قناعت نہ کی اس پر داغ بھی دیا یعنی ناگور میں ٹھیر کر خانخاناں کو ایک خط لکھا اس میں طنز کی چنگاریاں تو بہت سی تھیں مگر ایک شعر بھی درج تھا ؎

آمدم در دل اساس عشق محکم ہمچناں   تا نعمت خاں ملا فرسودہ ہمدم ہمچناں

خانخاناں نے بھی ترکی کا جواب ترکی لکھا مگر یہ فقرہ اس میں بہت برجستہ واقع ہوا تھا۔ "آمدن مردانہ آثار رسیدہ توقف کردن زنانہ"۔ ہر چند چوٹیں پہلے سے بھی کر رہا تھا۔ اس لیے یہ فقرہ بھی لکھا۔ مگر مستعد کے ٹکڑ گدا کو چالیس برس نمک کھلا کر امیر الامرا بنایا تھا جو اس سے یہ باتیں سننی پڑیں۔ سخت صدمہ دل پر گزرا۔ چنانچہ اس شکستگی کے عالم میں ایک عریضہ حضور میں لکھا جس کے کچھ فقرے ہاتھ آئے ہیں وہ خون کے قطرے ہیں جو دل افگار سے ٹپکے ہیں۔ ان کا رنگ دکھانا بھی واجب ہے۔

"چون سوختۂ اظہار و آزردۂ حاسداں حقوق خدمت دیرینہ واسطۂ آں دودماں پامال تہمت کفران نعمت در خدمت ولی نعمت گردیدہ و معانداں در حلال دانستن خون داعی فتوی دادہ اند۔ برائے محافظت جان کہ در ہمہ مذہب واجب است۔ می خواہم کہ دو رفاقت خود را ازیں بلیہ نجات دہم۔ بدیں ہیئت (کہ تا ظہار اہل غرض اسباب لیعنی آمادہ می داشتہ) در خدمت آں خدا ؤند (ہر چند نقش الا مراد و بیت اللہ باشد) آمدن کفر می دانم بر عالم ظاہر است کہ در خاندان ما ترکان نمک حرامی بظہور نیامدہ لہذا راہ مشہد اختیار نمودہ ام کہ بعد طواف روضۂ امام علیہ السلام و عتبات نجف اشرف و کربلائے معلی وخواندن فاتحہ در آں مکانہائے شریف برائے بقائے سلطنت و عمر آں ولی نعمت ارسر لو احرام کعبۃ اللہ بندم۔ التماس آنست کہ اگر بندہ را قدر ہر گاہ نمک حراماں واجب القتل می دانند یکے از بندہ ہائے بے نام و نشان را تعین فرمایند کہ سر بیرم را بریدہ برساں علاوہ داں بلائے تنبیہ و عبرت دیگر بدخواہان دولت بحضور بیاورد۔ ؏ گر قبول افتد زہے عز و شرف۔ والا سر داری بوقع سوائے ملائے فارجی کہ از نمک پروردہ ہائے نمک حرام و اخراجی ویدوی است بدیگر یکے از بندہ ہائے درگاہ والا مقرر شود۔"

پانی پت کی دوسری لڑائی ۱۵۵۶ء

اُس لڑائی کا سارا معاملہ بیرم خاں کے سپرد تھا جس کی پیش بینی فراست اور دانش کا یہ ثمرہ تھا کہ اِس جنگ میں اکبر کو فتح ہوئی ہیموں آنکھ

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷۸) اُس پر جرم لگاتے ہیں کہ پٹھان سرداروں کو بغاوت کی ترغیب دی خود فلاں فلاں طریقوں سے بغاوت کے منصوبے باندھے اِس میں علی قلی خاں اور بہادر خاں کو بھی لپیٹ لیا ہی۔ بڑھاپے کی نمک حرامی اور بے وفائی سے خیالات اور کثیف الفاظ سے کاغذ کو سیاہ کیا ہی۔ اِن دردوں کو کون جانے؟ بدنصیب بیرم خاں جانے یا جس ناکام کی بیرم خاں جیسی خدمتیں برباد ہوئی ہوں۔ اُس کا دل جانے۔ کم ظرف دشمن کسی طرح اِس کا پیچھا نہ چھوڑتے تھے۔ چند امیروں کو فوج دے کر بھیج دیا تھا کہ بیرم خاں کو ہندوستان کی سرحد سے نکال دیں جب وہ نزدیک پہنچے تو اُس نے لکھا کہ میری کوئی ہوس باقی نہیں میں سب سے ہاتھ اُٹھا چکا ہوں تو خود جا رہا ہوں تم کیوں تکلیف کرتے ہو۔ وہ سب چلے گئے۔ خانخاناں نے ناگور پہنچ کر خبر پائی کہ مارواڑ کے راجہ ناگور نے گجرات دکن کا رستہ روک رکھا ہی۔ دور اندیشی کر کے ناگور سے رُخ پھیرا اور بیکانیر سے ہوتا ہوا قندھار کے رستے مشہد مقدس کی راہ لی۔ حریفوں نے زمیندار ان اطراف کو لکھا بڑھا شیر ادھ موا ہو گیا۔ اِس کا شکار کرو زندہ نہ جانے پائے جہاں پاؤ کام تمام کر دو۔ ساتھ ہی ہوائی اُڑائی کہ خانخاناں پنجاب کو بغاوت کے ارادے سے چلا ہی۔ دربار سے جو احکام جاری ہو رہے تھے اُنھیں دیکھ دل ہی دل میں گھٹ رہا تھا۔ ایسا دِق ہوا کہ رائے بدل گئی اِن سفاوں کو کیا خاطر میں لاتا تھا صاف کہدیا کہ جن مفسدوں اور بدکرداروں نے حضور کو مجھ سے ناراض کیا ہی۔ اب اُنھیں سزا دے کر بادشاہ سے رخصت ہو کر حج کو جاؤں گا۔ فوج بھی جمع کرنی شروع کی اور امرائے اطراف کو مضامین و حالات مذکورہ سے اطلاع دی۔ ناگور سے بیکانیر آیا۔ راجہ کلیان مل اِس کا دوست تھا۔ اور حق پوچھو تو حریفوں کے سوا کون تھا جو اس کا دوست نہ تھا۔ وہاں آئے دھوم دھام کی ضیافتیں ہوئیں کئی دن آرام لیا اتنے میں خبر آئی کہ ملا پیر محمد تمھیں ہندوستان سے جلاوطن کرنے آتے ہیں۔ دل

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)

کی پانی پت میں ڈھیر ہوئی۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷۸} اور اظہار عقیدت عالم پر روشن ہے ابھی تک ہماری طبیعت سیر و شکار کی طرف مائل تھی کاروبار ملکی تم پر چھوڑ دیئے تھے۔ اب مرضی ہے کہ مہمات خلائق کو خود انجام فرمائیں تم مدت سے ترک دنیا کا ارادہ رکھتے ہو اور سفر حجاز کا شوق ہے یہ نیک ارادہ مبارک ہو۔ پرگنات ہندوستان سے جو علاقہ پسند ہو وہ لکھو تمھاری جاگیر ہو جائے گا۔ گماشتے تمھارے اس کا محاصل جہاں تم کہوگے پہنچا دیں گے۔ یہ پیغام بھیجا اور فوراً خود بھی اُسی طرف کوچ کیا۔ چند امرا کو آگے بڑھایا کہ خانخاناں کو سرحد کے باہر نکال دو جب یہ لوگ قریب پہنچے تو اُس نے اُنھیں لکھا کہ میں نے دنیا کا بہت کچھ دیکھ لیا اور کر لیا اب سب سے ہاتھ اُٹھا چکا مدت سے ارادہ تھا کہ خانۂ خدا اور روضہ ہائے مقدس پر جا کر بیٹھوں اور یاد الٰہی میں مصروف ہوں الحمدللہ کہ اب اِس کا سلسلہ ہاتھ آیا۔ اُس دریا دل نے سر و چشم کہہ کر قبول کیا اور بہت خوشی سے تعمیل کی۔ ناگور سے طوغ و علم۔ نقارہ۔ فیل خانہ۔ تمام اسباب امیرانہ اور شوکت شاہانہ کا سامان حسین قلی بیگ اپنے بھانجے کے ساتھ روانہ کر دیا۔ جھجر کے مقام میں پہنچا۔ اُن کی عرضی جو مضامین پیار اور صدق دل کی دعاؤں سے بھری ہوئی تھی درگاہ میں پڑھی گئی اور حضور خوش ہو گئے اب وہ وقت آیا کہ خانخاناں کے لشکر کی چھاؤنی بھیا نک ہو جاتی تھی۔ جو رفیق دونوں وقت ایک قاب میں کھانے پر ہاتھ ڈالتے تھے۔ بہت اُن میں سے چلے گئے انتہا کہ شیخ گدائی بھی الگ ہو گئے فقط چند رشتہ دار اور وفا کے بندے تھے وہی ساتھ رہے جن میں ایک حسین خاں افغان بھی تھا۔ ابو الفضل اکبر نامے میں کئی ورق کا ایک فرمان لکھتے ہیں جو دربار سے اُس محروم القسمت کے نام جاری ہوا۔ اُسے پڑھ کر بے درد لے جو لوگ صرور نمک حرامی کا جرم لگائیں گے۔ لیکن جس نے بیرم خاں کے خروی حالات کو نظر انصاف سے دیکھا ہوگا۔ اُس کی آنکھوں میں خون اُتر آئے گا بلکہ آتش غصہ سے جگر جلے گا۔ اور دھواں منہ سے نکلے گا فرمان مذکور میں اس کی تمام خدمتوں کو مٹایا ہے اس کے اقربا کی جاں فشانیوں کو خاک میں ملایا ہے اُسے خود سری [illegible] کے الزام لگائے ہیں

بھگا دیا تھا۔ ہیموں پنجاب کی طرف بڑھا چلا آرہا تھا۔ دونوں لشکروں

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷۸} کیوں کہ آخر مجھ سے نقصان نہیں پایا۔ پایا ہی تو فائدہ ہی پایا ہے۔ بیرم خاں خان زماں کے بھائی بہادر خاں کو فوج دے کر مالوے کی مہم پر بھیج چکا تھا دربار کا یہ حال دیکھ کر واپس بلا بھیجا۔ دربار سے اِس کے نام بھی حکم طلب پہونچا۔ یہ دونوں بھائی خانخاناں کے دو بازو تھے مبادا کہ اُٹھ کھڑے ہوں اور یہ بھی خیال تھا کہ ذاتی فائدے کی اُمید پر اُس سے پھریں اور مڑیں۔ اگر نہ مڑیں تو منحرف تو نہ ہوں مگر بہادر خان بچپن میں اکبر کے ساتھ کھیلا ہوا تھا اور اکبر اِسے بھائی کہتا تھا۔ اِس لیئے ہر بات میں اِس سے بے تکلف تھا۔ غالباً اِن کے ڈھب کا نہ نکلا ہوگا۔ اور خان خاناں کی طرف سے صفائی کے نقش بٹھاتا ہوگا اِس لیئے بہت جلد اِسے اِٹاوہ [2] کا حاکم کرکے مغرب سے مشرق میں پھینک دیا۔ شیخ گدائی وغیرہ رفقانے صلاحیں دیں اور خانخاناں نے بھی چاہا کہ آپ حضور میں حاضر ہو اور جو باتیں جرم وگناہ قرار دی گئی ہیں اُن کی عذر و معذرت کرکے صفائی کرے لیکن حریفوں نے یہ بھی نہ چلنے دی۔ اُنھیں یہ ڈر ہوا کہ جب یہ اکبر کے سامنے آیا اپنے مقاصد کو پُر اثر تقریر کے ساتھ اِس طرح ذہن نشین کرے گا۔ کہ جو نقش ہم نے اتنے دِنوں میں بٹھائے ہیں۔ سب مٹ جائیں گے اور بنی بنائی عمارت کو چند باتوں میں ڈھادے گا۔ اکبر کو یہ ڈرایا کہ وہ خود صاحب فوج ولشکر ہے۔ امرا سب اُس سے ملے ہوئے ہیں۔ نمک حلالوں کی تعداد بہت کم ہے۔ اگر وہ یہاں آیا تو خدا جانے کیا صورت ہو۔ بادشاہ ابھی لڑکا ہی تھا ڈر گیا۔ اور صاف لکھ بھیجا کہ آنے کا ارادہ نہ کرنا ملازمت نہ ہوگی۔ اب تم حج کو جاؤ پھر آوگے تو پہلے سے زیادہ خدمت پاؤگے۔ بڈھا خدمت گزار اپنے مصاحبوں کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔ کہ تم کیا کہتے تھے اور میں کیا کہتا تھا۔ اور اب کیا کہتے ہو۔ غرض حج کا ارادہ مصمم کیا۔ اکبر کی خوبیوں کی تعریف نہیں ہوسکتی۔ میر عبد اللطیف قزوینی کہ اب ملا پیر محمد کی جگہ استاد تھے۔ دیوان حافظ پڑھایا کرتے تھے۔ اُنھیں فہمائش کرکے بھیجا اور زبانی پیغام دیا کہ ہمارے حقوق خدمت

(بقیہ نوٹ برصفحہ آئندہ)

قابض تھا جس نے اکبر کے معتمد اعظم تردی بیگ کو شکست دے کر
بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷۸ بڑھاتے جاگیریں اور مددمعاشیں دلواتے۔ صوبہ جات اور
اطراف وجوانب میں جو امرا تھے اُن کے نام احکام جاری کیے شمس الدین محمد
اتگہ کو بھیرہ علاقہ پنجاب میں حکم بھیجا کہ اپنے علاقے کا بندوبست کرکے
لاہور کو دیکھتے ہوئے جلد دلی میں حاضر حضور ہو۔ منعم خاں بھی احکام وہدایات
کے ساتھ کابل سے طلب ہوئے۔ یہ پُرانے سردار کہنہ عمل سپاہی تھے
کہ ہمیشہ بیرم خاں کی آنکھیں دیکھتے رہے۔ ساتھ ہی شہر پناہ اور قلعۂ دہلی
کی مرمت اور مورچہ بندی شروع کردی واہ رے بیرم تیری ہیبت یہاں
خان خاناں نے اپنے مصاحبوں سے مشورہ کیا۔ شیخ گدائی اور چند اشخاص
کی یہ رائے تھی کہ ابھی حریفوں کا پلّہ بھاری نہیں ہوا آپ یہاں سے جریدہ سوار
ہوں اور نشیب و فراز سمجھا کر پھر بادشاہ کو قابو میں لائیں کہ فتنہ انگیزوں
کو فساد کا موقع نہ ملے۔ بعض کی رائے تھی کہ بہادر خاں کو فوج دے کر
مالوے پر بھیجا جائے۔ خود وہاں چلو اور ملک تسخیر کرکے بیٹھ جاؤ پھر جیسا موقع
ہوگا دیکھا جائے گا۔ بعض کی صلاح تھی کہ خان زماں کے پاس چلو۔ پورب
کا علاقہ افغانوں سے بھرا ہوا ہے صاف کرو اور چندروز وہاں بسر کرو۔ خانخاناں
ہر شخص کا ملک زمانے کا مزاج پہچانے ہوئے تھا۔ اُس نے کہا۔ اب حضور کا
دل مجھ سے پھر گیا۔ کسی طرح تھمنے کی نہیں۔ تمام عمر دولت خواہی میں گزاری
اب بڑھاپے میں بدخواہی کا داغ پیشانی پر لگانا۔ ہمیشہ کے لیے منہ کالا کرنا ہے۔
ان خیالوں کو بھول جاؤ۔ مجھے حج و زیارات کا مدت سے شوق تھا۔ خدا نے
خود ساماں کر دیا ہے۔ اُدھر کا ارادہ کرنا چاہیے۔ امرا و رفقا جو ساتھ تھے
اُنھیں خود دربار کو رخصت کر دیا۔ وہ سمجھا اور خوب سمجھا کہ یہ سب بادشاہی نوکر
ہیں۔ انھوں نے اگرچہ مجھ سے بہت فائدے اُٹھائے ہیں۔ بلکہ اکثر میرے
ہاتھ کے بنائے ہوئے ہیں لیکن اُدھر بادشاہ ہے اگر میرے پاس رہے تو بھی عجب
نہیں کہ اُدھر خبریں دیتے رہتے ہوں یا دینے لگیں اور اخیر کو اُٹھ بھاگیں بہتر
ہے کہ ابھی خود اُنھیں رخصت کر دوں۔ وہاں جاکر شاید کچھ اصلاح کی صورت نکالیں

طیاری کرکے فوج سمیت دہلی کو روانہ ہوا۔ دلی پر اسی زمانے میں ہیموں

بقیہ نوٹ صفحہ ۸ ۲۷} اکبر نے ، میں خان بابا کو تمھاری عفو تقصیر سپے لیئے ۔۔ ل
نچہ شقہ لکھا کہ ہم آپ مریم مکانی کی عیادت کو یہاں آئے ہیں اِن لوگوں کا اِس
میں کچھ دخل نہیں ہے اِس خیال سے اِن کے دل بہت پریشان ہیں تم ایک خط اپنی
مہر و دستخط سے اِنھیں لکھ بھیجو کہ اِن کی تشفی خاطر ہو جائے اور اطمینان سے ادائے
خدمت میں مصروف رہیں وغیرہ وغیرہ۔ اتنی گنجائش دیکھتے ہی سب پھوٹ
بہے شکایتوں کے دفتر کھول دیئے۔ شہاب الدین احمد خاں نے اصلی اور
وصلی کئی مقدمے اور مثلیں طیار رکھی تھیں۔ اِن کے حالات حاضر کیئے دو تین فیق
راہی کے لیئے طیار رکھے تھے۔ اُنھوں نے گواہیاں دیں غرض بیرم خاں
کی بد اندیشی اور بغاوت کے ارادے ایسے بادشاہ کے دل پر نقش کر دیئے
کہ اُس کا دل پھر گیا اور ہوا اس کے چارہ نہ دیکھا کہ اپنی حالت کو اُن کی صلاح و تدبیر
کے حوالے کر دے۔ ادھر خانخاناں کے پاس جب شقہ پہنچا اور ساتھ ہی
ہوا خواہوں کے خطوط پہنچے کہ دربار کا رنگ بے رنگ ہے تو کچھ حیران ہوا کچھ پریشان
ہوا۔ کمال عجز و انکساری کے ساتھ عرضی لکھی اور قسم ہائے شرعی کے ساتھ لکھا
جس کا خلاصہ یہ کہ جو خانہ زاد اِس درگاہ کی خدمت و وفا و اخلاص سے کرتے ہیں غلام
کے دل میں ہرگز اُن کی طرف سے برائی نہیں وغیرہ وغیرہ یہ عرضی خواجہ امین الدین
محمود کہ پھر خواجہ جہاں ہوئے اور حاجی محمد خاں سـ تانی اور رسول محمد خاں
اپنے معتبر سرداروں کے ہاتھ روانہ کی اور کلام اللہ ساتھ بھیجا کہ قسموں کا
وزن زیادہ ہو۔ یہاں کام حد سے گزر چکا تھا۔ تحریر کا کچھ اثر نہ ہوا۔ کلام مجید بالائے
طاق اور عجز و نیاز کے امانت دار قید ہو گئے۔ شہاب الدین احمد خاں با ہر وکیل
مطلق ہو گئے۔ ماہم اندر ہی بیٹھی بیٹھی حکم احکام جاری کرنے لگی اور مشہور کر دیا
کہ خان خاناں حضور کی غضبی میں آیا۔ بات منہ سے نکلتے ہی دور پہنچ گئی امرا
اور ملازم دربار جو آگرے میں خان خاناں کے پاس تھے۔ اُٹھ اُٹھ کر دلی کو
دوڑے۔ دامن گرفتہ لوگ۔ اپنے ہاتھ کے رکھے ہوئے نوکر الگ ہو ہو
کر چلنے شروع ہوئے۔ یہاں جو آتا ماہم اور شہاب الدین اُس کا منصب

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

سے اتفاق کیا جو خان بابا کے نام سے زیادہ تر معروف تھا۔ غرض
بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷۸ میں یہی ذکر ایک جلسے میں چھیڑا۔ مرزا شرف الدین
اکبر کے بہنوئی بھی موجود تھے۔ انھوں نے صاف کہہ دیا کہ بیرم خاں نے بدنیت
کر لیا ہے کہ آپ کو تخت سے اٹھا دے اور کامران کے بیٹے کو بٹھا دے۔ خود
غرضوں کی صلاحیں مطابق ہوئیں اور اکبر شکار کو اٹھا آگرے سے جالیسر
اور سکندرہ ہوتے ہوئے خورجہ ہو کر سرائے بگھل میں آن
اترے۔ ماہم نے رستے میں دیکھا کہ اس وقت بیرم خاں سے میدان
خالی ہے۔ بسورتی صورت بنا کر اکبر کے سامنے آئی اور کہا کہ بیگم کا ضعیفی اور
ناطاقتی سے عجب حال ہے کئی خط میرے پاس آئے ہیں۔ حضور کے دیکھنے کو
ترستی ہے۔ بادشاہ کو بھی اس بات کا خیال ہو گیا۔ ادہم خاں اور اکثر رشتہ
کہ مصاحب رتبہ امیر تھے۔ دلی ہی میں تھے اسی عرصے میں ان کی عرضیاں پہنچیں
آخر لہو کا جوش تھا بادشاہ کا دل کڑھا اور دلی کو چلے۔ شہاب الدین پنج
ہزاری امیر اور ماہم کا رشتہ دار تھا۔ اس کی بی بی پایا آغا مریم مکانی کی
رشتہ دار تھی۔ اس وقت دلی کا حاکم تھا۔ دلی پہنچیں تیس کوس رہی ہوگی
کہ وہ بڑھ کر استقبال کو پہنچا اور بہت سے نذرانے پیش کش گزرانے
اور شہاب الدین احمد خاں ہو گیا۔ بعد اس کے خلوت میں گیا۔ کانپتی ہانپتی
صورت بنا کر بولا کہ حضور کے قدم دیکھے رہے طالع مگر اب جاں نثاروں کی
جانوں کی خیر نہیں۔ خان خاناں سمجھے گا کہ حضور کا دلی میں آنا ہمارے اشارے
سے ہوا ہے۔ پس جو مصاحب بیگ کا حال ہوا سو ہمارا ہوگا۔ محل میں ماہم نے بھی
رونا رویا بلکہ اس کے اختیارات اور احکام کی قباحتیں دکھا کر تنکے کو پہاڑ کر
دکھایا اور کہا کہ اگر بیرم خاں ہے تو حضور کی سلطنت نہیں اور سلطنت تو اب بھی
وہی کرتا ہے۔ سر دست تو یہی مشکل ہے کہ وہ سمجھے گا کہ آپ میری بے اجازت
گئے۔ ان کی اشارت سے گئے۔ اتنی طاقت کس میں ہے کہ اس کا مقابلہ کر سکے
یا اس کے غصے کو سنبھال سکے اب شفقت ستانا ہے۔ یہی ہے کہ اجازت ہو جائے
یہ قدیمی خانہ زاد خانۂ خدا کو چلے جائیں وہاں جا کر دعاؤں سے خدمت بجا لائیں گے

(بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ)

کی صلاح کابل جانے کی تھی لیکن اکبر نے اپنے اتالیق بیرم خان کی رائے
بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷۸} سے تھے۔ پہاڑ کٹ گئے تھے دریا پایاب ہو گئے تھے۔ کام
ایسے پیش آتے تھے کہ اور بھی کر سکتے تھے۔ مگر یہ بھی جانتے تھے کہ خانخاناں
کے ہوتے ہمارا چراغ نہ جل سکے گا۔ (۲) وہ اپنے اوپر کسی اور کو بھی نہ دیکھ سکتا
تھا۔ پہلے وہ ایسے مقام میں تھا کہ اُس سے اوپر جانے کو رستہ بھی نہ تھا۔ اب
سڑک صاف بن گئی تھی اور ہر شخص کے ہونٹ بادشاہ کے کان تک پوہنچ سکتے تھے
پھر بھی اِس کے ہوتے بات کا پیش جانا مشکل تھا۔ (۳) عظیم الشان مہموں اور
پیچیدہ معرکوں کے لیئے ایسے بالیاقت شخصوں اور سامانوں کا طیار رکھنا واجب
تھا جن سے وہ اپنی برجستہ تدبیروں اور بلند ارادوں کو پورا کر سکے۔ اِس کے لیئے رُپوں
کی نہریں اور چشمے قابو میں ہونے چاہئیں۔ جاگیریں اور علاقے اب تک اُس کے
ہاتھ میں تھے اب اُن پر اوروں کو بھی قابض ہونے کی ہوس ہوئی لیکن یہ خطر
ضرور تھا۔ کہ اِس کے سامنے قدم جمنے مشکل ہوں گے۔ (۴) اِس کی سخاوت
اور قدردانی۔ ہر وقت بالیاقت اشخاص کا مجمع اور بہادر سپاہیوں کا انبوہ اس
قدر فراہم رکھتی تھی کہ تیس ہزار ہاتھ اِس کے دسترخوان پر پڑتا تھا۔ اسی واسطے
جس مہم پر چاہتا تھا۔ فوراً ہاتھ ڈال دیتا تھا۔ اِس کی تدبیر کا ہاتھ ہر ملک و مملکت میں
پوہنچ سکتا تھا۔ (۵) اسے یہ خیال ضرور ہوگا۔ کہ اکبر وہی بچہ ہے جو میری گود میں کھیلا ہے اور
یہاں بچے کے لہو میں خود مختاری کی گرمی سر سرانے لگی تھی۔ اِس پر حریفوں کی
اشتعالک ہر وقت گرمائے جاتی تھی۔ یہ سب کچھ تھا مگر جو جو خدمتیں اس نے
عقیدت و اخلاص سے کی تھیں اُن کے نقش اکبر کے دل میں بیٹھے ہوئے
تھے۔ ساتھ ہی اُس کے یہ بھی تھا۔ کہ کسی کو نوکر نہ رکھ سکتا تھا۔ کسی کو کچھ
دے نہ سکتا تھا۔ خان خاناں کے متوسل اچھے اچھے علاقوں میں تعینات تھے
جو خاص بادشاہی نوکر کہلاتے تھے وہ ویران جاگیریں پاتے
تھے۔ بھانڈا یہاں پھوٹتا ہے کہ ۹۶۷ھ ۵ سنہ جلوس اکبر اور بیرم خاں مع
اہل دربار آگرے میں تھے۔ مریم مکانی دلی میں تھیں۔ حریف ساتھ لگے ہوئے
تھے اور ہر دم فساد کے منتر اِس پر دم کرتے چلے آتے تھے بہانے لینے کے مقام

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

سے اتفاق کیا جو خان بابا کے نام سے زیادہ تر معروف تھا۔ غرض
بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷۸ میں یہی ذکر ایک جلسے میں چھڑا۔ مرزا شرف الدین
اکبر کے بہنوئی بھی موجود تھے۔ اُنھوں نے صاف کہہ دیا کہ بیرم خاں نے بندوبست
کرلیا ہی کہ آپ کو تخت سے اُٹھادے اور کامران کے بیٹے کو بٹھادے۔ خود
غرضوں کی صلاحیں سطابق ہوئیں اور اکبر شکار کو اُٹھا آگرے سے چالیسہ
اور سکندرہ ہوتے ہوئے خورجہ ہوکر سرائے بگجھل میں آن
اُترے۔ ماہم نے رستے میں دیکھا کہ اِس وقت بیرم خاں سے میدان
خالی ہی۔ لسوڑتی صورت بنا کر اکبر کے سامنے آئی اور کہا کہ بیگم کا ضعیفی اور
ناطاقتی سے عجب حال ہی کئی خط میرے پاس آئے ہیں۔ حضور کے دیکھنے کو
ترستی ہی۔ بادشاہ کو بھی اِس بات کا خیال ہوگیا۔ ادہم خاں اور اکثر رشتہ دار
کہ صاحب رتبہ امیر تھے۔ دِلّی ہی میں تھے اسی عرصے میں ان کی عرضیاں پہنچیں
آخر لہو کا جوش تھا بادشاہ کا دل کڑھا اور دلّی کو چلے۔ شہاب الدین پنج
ہزاری امیر اور ماہم کا رشتہ دار تھا۔ اِس کی بی بی پاپا آغا مریم مکانی کی
رشتہ دار تھی۔ اِس وقت دلّی کا حاکم تھا۔ دلّی پچیس تیس کوس رہی ہوگی
کہ وہ بڑھ کر استقبال کو پہنچا اور بہت سے نذرانے پیش کش گزرانے
اور شہاب الدین احمد خاں ہوگیا۔ بعد اِس کے خلوت میں گیا۔ کابیتی ہوئی
صورت بنا کر بولا کہ حضور کے قدم دیکھے رہیے طالع نمک حرام خاں ستاروں کی
چالوں کی خبر نہیں۔ خان خاناں سمجھے گا کہ حضور کا دلّی میں آنا ہمارے اشارے
سے ہوا ہی۔ پس جو مصاحب بیگ کا حال ہوا سو ہمارا ہوگا۔ محل میں ماہم نے بھی
رونا رویا بلکہ اِس کے اختیارات اور احکام کی قباحتیں دکھا کر تِل کو پہاڑ کر
دکھایا اور کہا کہ اگر بیرم خاں ہی تو حضور کی سلطنت نہیں اور سلطنت تو اب بھی
وہی کرتا ہی۔ سردست تو یہی مشکل ہی کہ وہ کہے گا کہ آپ میری بے اجازت
گئے۔ اِن کی اشارت سے گئے۔ اتنی طاقت کس میں ہی کہ اُس کا مقابلہ کر سکے
یا اُس کے غصے کو سنبھال سکے اب شفقت سے بنا ہے۔ یہی ہی کہ اجازت ہو جائے
یہ قدیمی خانہ زاد خانۂ خدا کو چلے جائیں وہاں جا بسا۔ دعاؤں سے خدمت بجالائیں گے

کی صلاح کابل جانے کی تھی لیکن اکبر نے اپنے اتالیق بیرم خاں کی رائے
بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷۸ سے تھے۔ پہاڑ لٹ گئے تھے دریا پایاب ہو گئے تھے۔ کام
ایسے پیش آتے تھے کہ اور بھی کر سکتے تھے۔ مگر یہ بھی جانتے تھے کہ خانخاناں
کے ہوتے ہمارا چراغ نہ جل سکے گا۔ (۲) وہ اپنے اوپر کسی اور کو بھی نہ دیکھ سکتا
تھا۔ پہلے وہ ایسے مقام میں تھا کہ اس سے اوپر جانے کو رستہ بھی نہ تھا۔ اب
سڑک صاف بن گئی تھی اور ہر شخص کے ہونٹ بادشاہ کے کان تک پہنچ سکتے تھے
پھر بھی اِس کے ہوتے بات کا پیش جانا مشکل تھا۔ (۳) عظیم الشان مہموں اور
پیچیدہ معرکوں کے لیئے ایسے بالیاقت شخصوں اور سامانوں کا طیار رکھنا واجب
تھا جن سے وہ اپنی برجستہ تدبیروں اور بلند ارادوں کو پورا کر سکے۔ اِس کے لیئے رُپوں
کی نہریں اور چشمے قابو میں ہونے چاہئیں۔ جاگیریں اور علاقے اب تک اُس کے
ہاتھ میں تھے اَب اُن پراوروں کو بھی قابض ہونے کی ہوس ہوئی لیکن یہ خطر
ضرور تھا۔ کہ اِس کے سامنے قدم جمنے مشکل ہوں گے۔ (۴) اِس کی سخاوت
اور قدر دانی۔ ہر وقت بالیاقت اشخاص کا مجمع اور بہادر سپاہیوں کا انبوہ اس
قدر فراہم رکھتی تھی کہ تیس ہزار ہاتھ اِس کے دسترخوان پر پڑتا تھا۔ اسی واسطے
جس مہم پر چاہتا تھا۔ فوراً ہاتھ ڈال دیتا تھا۔ اِس کی تدبیر کا ہاتھ ہر ملک و مملکت میں
پہنچ سکتا تھا۔ (۵) اسے یہ خیال ضرور ہوگا۔ کہ اکبر وہی بچہ ہے جو میری گود میں کھیلا ہے اور
یہاں بچے کے لہو میں خود مختاری کی گرمی سرسرانے لگی تھی۔ اِس پر حریفوں کی
اشتعالک ہر وقت گرمائے جاتی تھی۔ یہ سب کچھ تھا مگر جو جو خدمتیں اس نے
عقیدت و اخلاص سے کی تھیں اُن کے نقش اکبر کے دل میں بیٹھے ہوئے
تھے۔ ساتھ ہی اُس کے یہ بھی تھا۔ کہ کسی کو نوکر نہ رکھ سکتا تھا۔ کسی کو کچھ
دے نہ سکتا تھا۔ خان خاناں کے متوسل اچھے اچھے علاقوں میں تعینات تھے
جو خاص بادشاہی نوکر کہلاتے تھے وہ ویران جاگیریں پاتے
تھے۔ بھانڈا یہاں پھوٹتا ہے کہ ۹۶۷ھ ۵ جلوس اکبر اور بیرم خاں مع
اہل دربار آگرے میں تھے۔ مریم مکانی دلّی میں تھیں۔ حریف ساتھ لگے ہوئے
تھے اور ہر دم فساد کے منتر اس پر دم کرتے چلے آتے تھے بہانے کے مقام

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

کرے۔ ایک سگے بیرم خان کے سوا اکبر کے دوسرے سارے امرار
بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷۸ کے مانے سکتے۔ خان پر عجب حالت گزری۔ مارے
مہاوت نے ہاتھی کو دبا لیا اور بیرم خان اس آفت سے بچ گئے۔ اکبر کو خبر
ہوئی۔ مہاوت کو بادشاہ کر بھیج دیا مگر یہ بھیر خان چوکے کہ اسے بھی وہی سزا دی۔
اکبر کو بڑا رنج ہوا اور تھوڑا بھی ہوا ہوگا تو بڑھانے والے موجود تھے۔ قطرے
کو دریا بنا دیا ہوگا۔ غلطی پر غلطی یہ ہوئی کہ بادشاہ کے خاصے کے ہاتھی امرار
کو تقسیم کر دیئے کہ اپنے طور پر انھیں طیار کرتے رہیں۔ خان خاناں
کے دشمن تو بہتیرے تھے مگر ماہم بیگم۔ ادہم خاں اس کا بیٹا۔ شہاب خاں
اس کا رشتہ کا داماد اور اکثر رشتے دار ایسے تھے کہ اندر باہر ہر طرح کی عرض
کا موقع ملتا تھا۔ اکبر ماہم بیگم کا اور اُس کے لواحقوں کا حق بھی بہت مانتا تھا۔ یہ
علامہ بڑھیا ہر دم لگاتی بجھاتی رہتی تھی اور جو اُن میں سے موقع پاتا تھا بات بات
پر اکساتا تھا۔ کبھی کہتے تھے کہ یہ حضور کو بچہ سمجھتا ہے اور خاطر میں نہیں لاتا بلکہ کہتا ہے
کہ میں نے تخت پر بٹھایا جب چاہوں اُٹھا دوں اور جسے چاہوں بٹھا دوں۔ کبھی
کہتے کہ شاہ ایران کے مراسلے اس کے پاس آتے ہیں اور اس کی عرضیاں
جاتی ہیں فلاں سوداگر کے ہاتھ تحفے تحائف بھیجے تھے۔ درباری رقیب جانتے تھے
کہ بابر اور ہمایوں کے وقت کے پرانے پرانے خدمت گزار کہاں کہاں ہیں
اور کون اشخاص ہیں۔ جن کے دل میں خان خاناں کی رقابت یا مخالفت کی آگ سلگتی
ہو اُن کے پاس آدمی بھی بھیجے۔ شیخ محمد غوث گوالیاری کا دربار سے کیونکر
سلسلہ ٹوٹا۔ وہ اُن سب باتوں کو خان خاناں کے اختیارات کا پھل سمجھتے تھے
اُن کے پاس بھی خطوط بھیجے اور برکات انفاس کے طلبگار ہوئے۔ وہ مرشد
کامل تھے نیت خالص سے شریک ہوئے۔ باوجود تمام اوصاف و کمالات اور
دانائی و فرزانگی کے بیرم خاں میں چند باتیں تھیں جو زیادہ تر اس کی تباہی کا سبب
ہوئیں (۱) اولوالعزم صاحب جرأت شخص تھا جو مناسب تدبیر دیکھتا تھا کر گزرتا تھا
اُس میں کسی کا لحاظ نہ کرتا تھا اور اُس وقت تک زمانہ ایسا پایا تھا کہ سلطنت کی نازک حالتوں
اور بھاری مہموں میں دوسرا شخص ہاتھ بھی نہ ڈال سکتا تھا۔ اب وہ وقت نکل گیا

کابل کو واپس جاکر وہاں کی خبر لے اور پھر ہندوستان کا رخ کرے یا یہ

{بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷۸} سپرد کرد۔ ملا کی کیا مجال تھی جو دم مار سکے۔ وہ غرور کا مواد جس نے بہت انسان صورتوں کو بے عقل اور جبلی کر رکھا ہے بلکہ انسانیت اور آدمیت کے رستے سے گرایا اور گراتا ہے۔ جنگل کے بھوتوں میں ملایا اور ملاتا ہے۔ اسی وقت حوالہ کر دیا اور وہی ملا پیر محمد رہ گئے جو کہ تھے۔ پہلے قلعۂ بیانہ کے قید خانے میں بھیج دیا۔ ملا نے بہت سے عذر معذرت کے خط لکھے۔ عجز و انکسار سے بیچ کر سفارش کی مگر قبول نہ ہوئی کہ بے وقت تھی۔ چند روز بعد براہ گجرات مکہ کو روانہ کر دیا اس کی جگہ حاجی محمد سیستانی کو بادشاہ کا استاد اور وکیل مطلق کر دیا کہ وہ بھی ایسا ہی دامن گرفتہ تھا۔ جب بادشاہ کو یہ حال معلوم ہوا کچھ نہ کہا مگر رنج ہوا۔ شیخ گدائی کہ وہ شیخ جمالی کے بیٹے تھے۔ اور مشائخوں میں داخل ہو گئے تھے۔ جس وقت ہمایوں کی سلطنت بگڑی اور خان خاناں پر وقت پڑا تو انہوں نے گجرات میں کچھ رفاقت کی تھی اب انہیں صدارت کا منصب دے کر کل اکابر و مشائخ مہدے سے اونچا بٹھایا۔ خود اُن کے گھر جاتے تھے بلکہ بادشاہ بھی کئی دفعہ گئے تھے۔ اور اس پر لوگوں نے بہت چرچا کیا تھا۔ اور کہتے تھے ع۔ سگ نشستہ بجائے گدائی۔ اب وہ وقت آیا کہ یا تو خانخاناں کی ہر تجویز عین تدبیر تھی یا ہر بات نظروں میں کھٹکنے لگی اور حکموں پر ناراضیاں بلکہ شور و غل ہونے لگے۔ خیر۔ وہ برائے نام وزیر تھا۔ مگر عقل و تدبیر کا بادشاہ تھا جب لوگوں کے چرچے سنے اور بادشاہ کو بھی کھٹکتے دیکھا تو گوالیار کا علاقہ مدت سے خود سر تھا۔ بادشاہی فوج بھی گئی تھی۔ کچھ بندوبست نہ ہو سکا تھا اب اس لیے بادشاہ سے کچھ مدد نہ لی خاص اپنی ذاتی فوج لے گیا۔ اور اپنے جیب خرچ سے لشکر کشی کی۔ آپ جاکر قلعہ کے نیچے ڈیرے ڈال دیئے مورچے باندھے اور حملہ ہائے شیرانہ و شمشیر دلیرانہ سے قلعہ توڑا اور ملک فتح کر دیا بادشاہ بھی خوش ہو گئے۔ اور لوگوں کی زبانیں بھی قلم ہو گئیں۔ ملک مشرقی میں افغانوں کا ایسا سکہ بیٹھا ہوا تھا۔ کہ کوئی امیر اُدھر جانے کا حوصلہ نہ کرتا تھا خان زمان کہ بیرم خاں کا داہنا ہاتھ تھا اور اُس پر بھی دشمنوں کا دانت تھا۔ اس

اس وقت کوئی ملک تھا ہی نہیں۔ اب اکبر کو یہ مشکل مرحلہ پیش ہوا کہ آیا

بقیہ نوٹ صفحہ ۶۷۸ کے) اس کے علاوہ چوں کہ ملا اب وکیل مطلق تھا ہر وقت حضور میں حاضر رہتا تھا۔ سب کی عرضیاں اس کے ہاتھ پڑتی تھیں۔ تمام امرا اور اہل دربار اسی کے پاس حاضر ہوتے تھے۔ البتہ یہ ضرور تھا کہ وہ کم حوصلہ۔ مغرور۔ بے رحم اور کمینہ مزاج تھا۔ اہالی اور اشراف وہاں جاتے تھے۔ اور ذلت اٹھاتے تھے اس پر بھی بہتوں کو بات نصیب نہ ہوتی تھی۔ آگرے سے پونچ کر ملا کچھ بیمار ہوئے۔ خانخاناں خبر کو گئے۔ کوئی ازبک غلام دروازے پر تھا۔ اسے کیا خبر تھی کہ ملا اصل میں کیا ہیں اور خانخاناں کا رتبہ کیا ہے اور دونوں میں قدیمی علاقہ کیا ہے وہ دن بھر میں بہت سے بڑے بڑوں کو روک دیا کرتا تھا۔ اپنی عادت کے بموجب انھیں بھی روکا اور کہا کہ جب تک دعا پونچے ٹھیریں جب بلائیں گے تب جائیے گا۔ ملا آخر خانخاناں کا چالیس برس کا نوکر تھا۔ تعجب پر تعجب ہوا۔ جزبز ہو کر رہ گیا۔ اور زبان سے نکلا ع۔ سبلے خود کردہ را درمان نباشد۔ لیکن یہ آنا بھی آخر خانخاناں کا آنا تھا۔ یا قیامت کا آنا تھا۔ ملا سنتے ہی خود دوڑے آئے اور کہتے جاتے تھے۔ معذور فرمائیے دربان آپ کو پہچانتا نہ تھا۔ یہ بولے بلکہ تم بھی! اس پر کبھی یہ ہوا کہ خانخاناں تو اندر گئے خانی ملازموں میں سے کوئی اندر نہ جا سکا فقط طاہر محمد سلطان میر فراغت نے بڑی دھکا پیل سے اپنے تئیں اندر پونچایا۔ خانخاناں دم بھر بیٹھے اور گھر چلے آئے۔ دو تین دن بعد خواجہ امینا (جو آخیر میں خواجہ جہاں ہو گئے) اور میر عبد اللہ بخشی کو ملا کے پاس بھیجا اور کہا کہ تمھیں یاد ہو گا۔ کتاب بغل میں مارے طلب علمی اور نامرادی کی وضع سے تم قندھار میں آئے تھے۔ ہم نے تم میں قابلیت دیکھی اور اخلاص کی صفتیں پائیں اور کوئی خدمت بھی تم سے اچھی بن آئی۔ چنانچہ بدترین درجہ فقر و طالب علمی سے عرش المراتب خانی و سلطانی اور درجہ امیر الامرائی تک پونچا دیا مگر تمھارا حوصلہ دولت و جاہ کی گنجائش نہیں رکھتا۔ خطر ہے کہ کچھ ایسا فساد نہ اٹھاؤ جس کا تدارک مشکل ہو جائے۔ ان مصلحتوں پر نظر کر کے چند روز یہ غرور کا اسباب تم سے الگ کر لیتے ہیں۔ تاکہ بگڑا ہوا مزاج اور معزز دماغ ٹھیک ہو جائے۔ مناسب ہے کہ علم و نقارہ اور اسباب حشمت سپ

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

بدخشاں کا مرزا سلیمان سے لے چکا تھا۔ غرض اکبر کے پاس
بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷۸ کے ساتھ تھے۔ ایک دن میدان جنگ میں کسی نے آ کے
خبر دی کہ مبارز بیگ مارا گیا۔ ہمایوں نے بہت افسوس کیا اور کہا کاش اس
کی جگہ مصاحب مارا جاتا۔ ہمایوں کے بعد اکبری دور شروع ہوا تو شاہ ابوالمعالی جا بجا
فساد کرتا پھرتا تھا۔ یہ اُس کے مصاحب بن گئے اور مدت تک اُس کے ساتھ خاک اڑاتے
پھرے۔ خان زماں باغی ہو گیا تو اُس کے پاس جا موجود ہوئے۔ بیٹے کو مہردار کروا
دیا۔ آپ عہدہ وارس ہے گئے۔ چند در چند مدو نستوں کے بعد دلی میں آئے۔ خانخاناں
نے اس کے باب میں اصلاح مزاج کی تدبیریں کی تھیں مگر ایک کارگر نہ ہوئی اور وہ
راہ پر نہ آیا تھا نہ آیا اور دارالخلافہ میں فساد کی تخم ریزی کرنے لگا۔ بیرم خاں نے
قید کر لیا اور تجویز کی کہ مکہ کو روانہ کر دے۔ ملا پیر محمد اُس وقت خانخاناں کے مصاحب
تھے۔ اور یہ جوں کے عاشق تھے۔ اُنھوں نے کہا قتل پھر بھی قیل و قال سے لو
یہ ٹھیری کہ ایک پرزہ پر قتل ایک پر نجات لکھ کر مسند تکیہ کے نیچے رکھ دو۔ پھر ایک
پرچہ نکالو پھر جو حکم غیب ہو۔ تقدیر الٰہی یہ کہ پیر کی گردبات یہی نکلی اور مصاحب دلی
میں قتل ہوا۔ امرائے بادشاہی میں غل مچ گیا کہ قدیم الخدمتوں کی اولاد اور خاص
خانہ زاد مارے جاتے ہیں کوئی نہیں پوچھتا۔ تیموری خاندان کا آئین ہے کہ خاندانی نوکروں
کو بہت عزیز رکھتے ہیں۔ بادشاہ کو بھی اس امر کا خیال ہوا۔ مصاحب بیگ کی آگ
ابھی ٹھنڈی نہ ہوئی تھی کہ ایک شعلہ اور اٹھا۔ پیر محمد آپ بڑھتے بڑھتے امیر الامرا
کے درجے کو پہنچ کر وکیل مطلق ہو گئے تھے۔ سنہ جلوس میں بادشاہ مع
لشکر دلی سے آگرے کو چلے۔ خانخاناں اور پیر محمد ایک دن صبح کے وقت کا
شکار کھیلنے چلے جاتے تھے۔ خانخاناں نے اپنے رکابداروں سے پوچھا کہ بھوک لگی ہے کھانے
کے لیے رکاب خانے میں کچھ موجود ہے؟ پیر محمد خاں بول اُٹھے کہ اگر ذرا ٹھیر جائیں
تو کچھ حاضر ہے وہ حاضر ہو۔ خانخاناں نوکروں سمیت ایک درخت کے نیچے اُتر گیا
دسترخوان بچھ گیا۔ تین سو پیالی شربت کی اور سات سو چیزیں کھانے کی موجود تھیں
خانخاناں متعجب ہوا۔ اس سے کچھ نہ کہا پر دل میں خیال رہا۔ ؎

گر تو سے حرف کا در یں مقام   چہ دشمنان حسود ند دوستاں چہ عدو

اور ہندو راجاؤں کا نامی گرامی خطاب بکرماجیت لیا تھا۔ کابل کا

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۸۸ کے اور بیرم خان بھی کچھ نیا امیر نہ تھا۔ پشتوں کا امیرزادہ تھا۔ اس
کے علاوہ اس کی ننھیال کا خاندان تیموری سے رشتہ بھی تھا۔ گکھڑ کی قوم کو قدیم سے
دعویٰ ہے۔ کہ ہم نوشیرواں کی اولاد ہیں۔ جہلم پار سے اٹک تک کی
پہاڑیوں میں یہ لوگ پھیلے ہوئے تھے۔ ہمیشہ کے سرشور تھے اور حکومت
کے دعوے رکھتے تھے۔ اس وقت بھی ایسے ایسے ہمت والے سردار
ان میں موجود تھے۔ کہ شیرشاہ اُن کے ہاتھوں سے تھک گیا تھا۔ بابر و ہمایوں
کے معاملات میں بھی ان کے اثر پہنچتے رہتے تھے۔ ان دنوں میں سلطان آدم
گکھڑ اور اس کے بھائی بڑے دعوے کے سردار تھے اور ہمیشہ لڑتے بھڑتے رہتے
تھے۔ خانخاناں نے سلطان آدم کو حکمت عملی سے بلایا وہ مخدوم الملک ملا عبداللہ
سلطان پوری کی معرفت آیا۔ دربار میں پیش کیا۔ اور خانخاناں نے اسے رسم
ہندوستان کی بموجب دستار بدل بھائی بنایا۔ ذرا اس کی ملک داری کا اندازہ
تو دیکھو۔ خواجہ کلاں بیگ ایک پرانا سردار بابر کے عہد کا تھا اس کا بیٹا
مصاحب بیگ کہ شرارت اور فتنہ انگیزی میں بے اختیار تھا۔ خانخاناں
نے ایک مفسدانہ جرم پر اسے مروا ڈالا۔ اس میں بھی قتل کے بانی ملا پیر محمد تھے
مگر دشمنوں کو تو بہانہ چاہیے تھا۔ بدنامی کا شیشہ خانخاناں کے سینے پر توڑا
اور تمام امرائے شاہی میں غل مچ گیا۔ بلکہ بادشاہ کو بھی اس کے مرنے کا
افسوس ہوا۔ ہمایوں اسے مصاحب منافق کہا کرتا تھا اور اس کی بداعمالیوں
سے نہایت تنگ تھا۔ جب کابل میں کامران سے لڑائیاں ہو رہی تھیں تو یہ نمک حرام
ایک موقع پر ہمایوں کے پاس تھا۔ اور کامران کی خیرخواہی کے منصوبے کھیل رہا
تھا۔ اندر اندر اسے پرچے بھی دوڑا رہا تھا۔ یہاں تک کہ میدان جنگ میں ہمایوں
کو زخمی کروا دیا۔ فوج نے شکست کھائی انجام یہ ہوا کہ کابل ہاتھ سے نکل گیا۔ اکبر
خورد سال۔ پھر بے رحم چچا کے پنجہ میں پھنس گیا۔ اس کا قاعدہ تھا۔ کہ کبھی ادھر
ہوتا تھا۔ کبھی اُدھر چلا جاتا تھا۔ اور یہ اس کا ادنیٰ کمال تھا۔ ہمایوں ایک دفعہ نواح
کابل میں کامران سے لڑ رہا تھا۔ اس موقع پر یہ اور اس کا بھائی مبارز بیگ ہمایوں

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

ان کے پاس چنار میں تھا برگشتہ ہو کر ایک خود مختار راجہ بن بیٹھا تھا
بقیہ نوٹ صفحہ ۷۹۲) تھی۔ جاکاناں نے اس کی زبانی کہلا بھیجا کہ اپنی دولت میں کوئی حلال
خیال میں نہیں آئی کہ خانہ زادوں سے ظہور میں آئی ہو۔ پھر اس قدر بے اعتنائی کا سبب کیا ہے۔ اگر بعض
خیراندیشوں کی طرف سے کوئی بات خلاف واقع حضور تک پہنچی ہے تو ارشاد ہو کہ فدوی اُس کا
عذر کرے۔ یہاں تک نوبت لی پہنچی کہ فدوی کے سمجھے پر ہاتھی چھوڑ دیئے۔ یہی عرض معروض
کے سامنے ایک بی بی محل میں مریم مکانی کی خدمت میں پہنچی دیا ہم نے جو حال تھا وہ
خود ہی بیان کر دیا اور کہا کہ ہاتھی اتفاقاً اُدھر آن پڑے بلکہ قسمیہ کہا کہ پیر کسی نے تمہاری نسبت
نہیں کہا ہے۔ حضور کو کچھ خیال ہے لاہور میں پہنچے تو حکم جاری ہے بیٹوں کو لے کر خانخاناں
کے پاس آئے اور قرآن پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی کہ میں نے خلوت یا جلوت میں ہرگز
تمہارے بارے میں حضور سے کچھ نہیں کہا۔ نہ کہوں گا لیکن خانخاناں کی خاطر جمع اب
بھی نہ ہوئی۔ اکبر کی دلداری کا یہ پہلا امر ہے۔ اسی بات سے معلوم ہوتا ہے کہ سلیمہ سلطان بیگم
ہمایوں کی پھوپھی کی بیٹی کی بیٹی تھی اور اس نے مرنے سے چند روز پہلے اس کی نسبت بیرم خاں
سے ٹھہرا دی تھی۔ اسی موقع پر کہ سنہ ۹۶۴ھ اور سنہ جلوس[۲] تھا اور لاہور سے آگرے
کو جاتے تھے جالندھر یا دلّی کے مقام میں اکبر نے اس کا عقد کر دیا کہ اتحاد کا رشتہ
اور مضبوط ہو گیا۔ بڑی دھوم دھام ہوئی۔ خانخاناں نے بھی جشن شاہانہ کے سامان
کیئے۔ اکبر بموجب اس کی تمنا کے مع امرا کے خود اس کے گھر گیا۔ خانخاناں
نے بادشاہی جاہ بہاروں اور لوگوں کے لئے انعام و اکرام میں وہ دریا بہائے
کہ جو سخاوت کی بستی میں زمانوں پر رہتیں وہ سیلابوں میں آن پڑیں۔ اس شادی میں
بیگمات نے بڑی تاکید سے صلاح دی مگر بیکاری اور مادر اور ٹھہری ترک کو دینے
تئیں امرا کہہ کہہ کر فخر کرتے تھے۔ اس قرابت سے تحت نایاب ہو گئے اور کہا کہ
ایرانی ترکیاں اور ہم بھی ہیں کر۔ اُس کے گھر میں ہماری شہزادی جائے۔ یہ نہیں رہا
گوارا نہیں۔ تعصب کہ پیر محمد خاں نے اس آگ پر اور بھی تیل ٹپکایا۔ ایرانی تورانی
کا بہانہ تھا۔ شیعہ سنی کا افسانہ۔ دراصل رشک۔ وہی منصب اور اُس کے اختیارات
کا تھا۔ آل تیمور اور آل بابر کی انہیں کیا پروا تھی۔ خود نمک حرامیاں کرتے۔ بابر کا
چھ پشت کا ملک برباد کیا۔ ہندوستان میں آ کر ہوتے کے ایسے خیر خواہ بن گئے

[illegible]

ہیموں محمد شاہ سے جو سلطنت کا دعوی دار تھا۔ اس وقت مرزا پور

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۸۷) آدمی تھا رہتا تو بڑے بڑے کام کرتا۔ یہ سب کہنے کی باتیں ہیں۔ جب معرکے کا وقت ہوتا ہی تو عقل چرخ میں آجاتی ہی۔ موقع نکل جاتا ہی۔ تو صلاحیں بتاتے ہیں۔ انصاف شرط ہی۔ اُس وقت کو تو دیکھو کہ کیا عالم تھا۔ شیرشاہ کا سایہ ابھی آنکھوں کے سامنے سے نہ ہٹا تھا۔ افغانوں کے شور و شر سے تمام کشور ہندوستان طوفان آتش ہو رہا تھا۔ ایسے زبردست اور فتح یاب غنیم پر فتح پائی۔ گرداب فنا سے کشتی نکل آئی اور وہ بندھ کر سامنے حاضر ہوا ہی۔ دل کا جوش اِس وقت کس کے قابو میں رہتا ہی اور کسے سوجھتا ہی کہ یہ رہے گا تو اس سے فلاں کارخانے کا انتظام خوب ہوگا۔ غرض فیروزی کے ساتھ دِلّی پہنچے اور ادھر اُدھر فوجیں بھیج کر انتظام شروع کر دیا۔ اکبر کی بادشاہی تھی اور بیرم خاں کی مہربانی۔ دوسرے کا دخل نہ تھا۔ اگرچہ امرا و دربار اور بابری سردار خان خاناں کے بالیاقت اختیاروں کو دیکھ نہ سکتے تھے۔ مگر کام ایسے پیچیدہ پیش آئے تھے کہ اس کے کام میں کوئی ہاتھ نہ ڈال سکتا تھا۔ سب کو اُس کے پیچھے پیچھے چلنا ہی پڑتا تھا۔ اسی عرصے میں کچھ جزوی جزوی باتوں پر بادشاہ اور وزیر میں اختلاف پڑا۔ اِس پر یاروں کا چمکانا غضب۔ خدا جانے نازک مزاج وزیر کئی دن تک سوار نہ ہوا یا قدرتی بات ہوئی کہ کچھ بیمار ہوا۔ اس لیے کئی دن حضور میں نہ گیا۔ موقع وہ کہ سنہ دوم جلوس میں سکندر کوہستان جالندھر میں محصور ہوا۔ اکبری لشکر قلعۂ مانکوٹ کو گھیرے ہوئے تھا۔ خانخاناں کے دنبل نکلا تھا کہ سوار بھی نہ ہو سکتا تھا۔ اکبر نے فتوحا اور لکھنہ ہاتھی سامنے منگائے اور لڑائی کا تماشا دیکھنے لگا۔ یہ بڑے دھاوے کے ہاتھی تھے۔ دیر تک آپس میں ریلتے دھکیلتے رہے اور لڑتے لڑتے بیرم خاں کے خیموں میں آن پڑے۔ تماشائیوں کا ہجوم۔ عوام کا شور و غوغا۔ بازار کی دکانیں پامال ہو گئیں اور ایسا غل مچا کہ بیرم خاں گھبرا کر باہر نکل آیا۔ خانخاناں کو شمس الدین محمد خان آتکہ کی طرف خیال ہوا کہ اس نے کچھ بادشاہ کے کان بھرے ہوں اور ہاتھی بھی بادشاہ کے اشارے سے اُدھر ہو لیے ہوں گے۔ ماہم انکہ لیاقت کی پتلی اور بڑی حوصلے والی بی بی

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

سب کے لیئے بڑھا چلا آتا تھا بلکہ باغی سکندر کی گوشمالی بھی مد نظر تھی۔
بقیہ نوٹ صفحہ ۲۹۰ ۔ ہم کہتے ہیں۔ ہم جلد ایسا کریں گے تو مہمات کا سرانجام کیوں کر
ہوگا اس لیئے یہی مصلحت تھی اگرچہ گستاخانہ جرأت ہے مگر اس وقت حضور معاف فرمائیں
اکبر نے ملا کی بھی خاطر جمع کی اور جب خانخاناں نے حضوری کے وقت عرض کی تو
اس وقت بھی اُسے گلے سے لگایا اور اس کی تجویز پر آفرین و تحسین کر کے فرمایا کہ
میں تو مکرر کہہ چکا ہوں اختیار تمہارا ہے کسی کی پروا نہ کرو کسی کا لحاظ نہ کرو اور حاسدوں
اور خود مطلبوں کی ایک بات نہ سنو جو مناسب دیکھو وہ کرو۔ انشا تھا یہ مصرع پڑھا ع
تو جنت گرد حمت شود ہر دو جہاں دشمن گیرد یہ استقامت دیکھ کر ایک ایک مغل سردار
کہ اپنے تئیں کیکاؤس اور کیقباد سمجھے ہوئے تھا ہوشیار ہو گیا اور دوسری
اور نفاق کا خیال نکال کر سب ادائے خدمت پر متوجہ ہو گئے یہ سب کچھ ہوا۔ اور
اس وقت سب حریف اپنی جگہ بیٹھ بھی گئے مگر دلوں میں زہر کے گھونٹ پی پی کر رہ گئے غرض
پانی پت کے میدان میں ہیموں سے مقابلہ ہوا اور ایسی گھمسان کی لڑائی ہوئی
کہ اکبری سکے کا نقش فتوحات کے تمغوں پر بیٹھ گیا مگر اس معرکے میں جتنی بیرم خاں
کی ہمت اور تدبیر تھی اس سے زیادہ علی قلی خاں کی شمشیر تھی۔ ہیموں زخمی شکستہ
بستہ اکبر کے سامنے لا کر کھڑا کیا گیا۔ شیخ گدائی کنبوہ نے اکبر کو کہا کہ جہاد اکبر
کیجئے۔ ہمت اکبر نے گوارا نہ کیا۔ آخر بیرم خاں نے بادشاہ کی مرضی دیکھ کر
یہ شعر پڑھا۔ ؎

چہ حاجت تیغ شاہی را بخون ہر کس آلودن
تو بنشین و اشارت کن بچشمے یا بہ ابروئے

اور جیسے بیٹھے ایک ہاتھ تھا اُدھر حضرت شیخ محمود نے ایک ہاتھ پھینکا۔ مرتے کو
ماریں شاہ مدار۔ ع۔ اچھا ہوا کہ دل کا یہ ارمان نکل گیا۔ خانخاناں تمہارے
توجہ کو زمانے نے مانا۔ کون تھا جو تمہاری بہادری کو تسلیم نہ کرتا۔ میدان جنگ
میں مقابلہ ہوتا تو بھی تمہارے سینے سے بیچارے کا مار لینا فخر نہ تھا چہ جائیکہ
اس حالت میں نیم جاں مردے کو مار کر اپنی دلاوری اور عالی ہمتی کے دامن پر کیوں
داغ لگایا۔ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ خان خاناں نے اسے زندہ کیوں نہ رکھا جو

اور دِلی پر قبضہ کر چکا تھا۔ اور دلی کی طرف نہ صرف مغلوں سے ...

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷۸) اور کہاں آنا بن مرے مارے ہندوستان نہیں چھوڑا جا سکتا ہے یا تختہ بچہ کی اِس تقریر سے بڈھوں کی خشک رگوں میں جرأت کا خون سر سرایا سکندر کا حکم ہو گیا دِلی کی طرف فتح کے نشان کھول دیئے۔ خانخاناں فرزانگی۔ سخاوت۔ شجاعت کے لحاظ سے یکتا تھا مگر جوہری زمانہ کی دکان میں ایک عجب رقم تھے کسی کو بھائی کسی کو بھتیجا بنا لیتے تھے تردی بیگ کو بھی تقان تردی کہا کرتے تھے مگر بات یہ ہے کہ دلوں سے دونوں امیر آپس میں کھٹکے ہوئے تھے۔ دونوں ایک آقا کے نوکر تھے۔ خانخاناں کو اپنے بہت سے حقوق اور اوصاف کے دعوے تھے اِسے جو کچھ تھا قدامت کا دعویٰ تھا۔ منصبوں کے رشک اور خدمت کی رقابت سے دونوں کے دل بھرے ہوئے تھے اب ایسا موقع آیا کہ خانخاناں کا تیر تدبیر نشانے پر بیٹھا چنانچہ اِس کی بے ہمتی اور نمک حرامی کے حالات کیا سنئے کیا پرانے حضور میں عرض کر دیئے تھے۔ جس سے کچھ قتل کی بھی اجازت پائی جاتی تھی اب جو وہ ... کھاکر ... حال شرمندہ صورت لشکر میں پہنچا تو انھوں نے موقع غنیمت سمجھا۔ اِن دنوں باہم شکر رنجی بھی تھی چنانچہ ملا پیر محمدؒ نے جا کر ولایت کی کرامت دکھائی کہ اِن دونوں خانخاناں کے خیر خواہ خاص تھے۔ پھر شام کو خانخاناں سیر کرتے ہوئے نکلے پہلے آپ اُس کے خیمے میں گئے پھر وہ اُن کے خیمے میں آیا۔ بڑی گرم جوشی سے ملے تو قان بھائی کو بڑی تعظیم اور محبت سے بٹھایا خود ضرورت کے بہانے دوسرے خیمے میں گئے۔ نوکروں کو اشارہ کر دیا تھا اُنھوں نے بے چارے کا کام تمام کر دیا۔ اکبر تیرہ چودہ برس کا تھا شکرے کا شکار کھیلنے گیا ہوا تھا جب آیا تو خلوت میں ملا پیر محمدؒ کو بھیجا اُنھوں نے پھر اُس سردار مردار کی طرف سے اگلے پچھلے نمک حراموں کے نقش بٹھائے اور یہ بھی عرض کی کہ فدوی خود تغلق آباد کے میدان میں دیکھ رہا تھا۔ اِس کی بے ہمتی سے فتح کی ہوئی لڑائی شکست ہو گئی۔ خان خاناں نے عرض کی ہے کہ حضور دریائے کرم ہیں فدوی کو خیال ہوا کہ اگر آپ نے آکر اِس کی خطا معاف کر دی تو پھر تدارک نہ ہو سکے گا مصلحت وقت پر نظر کر کے غلام نے اُسے مارا تو سخت گستاخی کی ہے اور موقع نہایت نازک ہے اگر اِس وقت چشم پوشی کی تو سب کام بگڑ جائے گا۔ اور حضور کے بڑے بڑے ارادے

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

تو بس نام کے شاہ تھے اصل میں سارا عمل دخل ہیموں ہی کا تھا اور

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۸۷) افغان بجواڑہ کے مقام پر پانی کے کنارے پڑے تھے سر اُٹھایا تو موت چھاتی پر نظر آئی۔ گھبرا گئے احمقوں نے جتنی لکڑیوں اور گھاس کے ڈھیر تھے سب میں بلکہ اُن کے ساتھ آبادی کے چھپروں میں بھی آگ لگا دی کہ خوب روشنی ہو جائے گی تو دشمن کو اچھی طرح دیکھیں گے۔ ترکوں کو اور بھی موقع ہاتھ آیا خوب تاک تاک کر نشانے مارنے لگے افغانوں کے لشکر میں کھلبلی پڑ گئی۔ علی قلی خاں سیستانی اور دوسرے سرداروں کو خبر ہوئی وہ بھی اپنی فوجیں لے کر دوڑا دوڑ آن پہنچے۔ افغان بدحواس ہو گئے مال و اسباب چھوڑ چھاڑ میدان سے دلی کو بھاگ گئے۔ بیرم خاں نے فوراً خزانوں کا بند و بست کر لیا۔ جو عجائب و نفائس گھوڑے ہاتھی ہاتھ آئے عرضی کے ساتھ لاہور کو روانہ کیے۔ ہمایوں نے عہد کیا تھا کہ جب تک جیئے گا ہندوستان میں کسی بندے کو بردہ نہ سمجھے گا چنانچہ جو عورت لڑکا لڑکی گرفتار ہوئے تھے سب کو چھوڑ دیا اور ترقی اقبال کی دعائیں لیں۔ اُس وقت ماچھی واڑے میں بڑی آبادی تھی۔ بیرم خاں آپ وہاں رہا اور سرداروں کو جابجا افغانوں کے پیچھے روانہ کیا۔ دربار میں جب عرضی پیش ہوئی۔ القاب میں خانخانان یار وفادار اور ہمدم غمگسار کے الفاظ بڑھائے اور سنبھل کی سرکار اس کی جاگیر لکھی گئی۔ سکندر سور اسی ہزار افغان کا لشکر جرار لیئے سرہند پہ پڑا تھا۔ اکبر بیرم خاں کے سایۂ اتالیقی میں اِس پہ فوج لے کر گیا مہم مذکور بھی خوش اسلوبی سے طے ہوئی۔ اس کی فتح نامے اکبر کے نام سے جاری ہوئے۔ بارہ تیرہ برس کے لڑکے کو گھوڑا کدانے کے سوا اور کیا آتا تھا مگر وہی بات ہے۔ ع۔ ای باد صبا این ہمہ آوردۂ تست۔ جب ہمایوں نے دلی پر قبضہ کر لیا تو جشن شاہانہ ہوئے۔ امرا کو علاقے خلعت انعام و اکرام ملے سب انتظام خانخاناں کی تجویز اور اہتمام سے تھے۔ سرہند کا صوبہ اس کے نام ہوا۔ سنبھل علی قلی خاں سیستانی کو ملا۔ پٹھان پنجاب کے پہاڑوں میں پھیلے ہوئے تھے ۹۶۳ھ میں اُن کی جڑ اکھاڑنے کے لیئے اکبر کو فوج

(بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ)

اور کیاست کی بدولت وزارت کے عہدۂ جلیلہ پر جا پہنچا تھا۔ محمد شاہ
بقیہ نوٹ صفحہ ۲۸۶ } طرف سے مالک تھا وہی انتظام کرتا تھا۔ ہمایوں نے آکر
کابل کا انتظام کیا اور لشکر لے کر ہندوستان کو روانہ ہوا۔ بیرم خاں نے عرضیاں
دوڑانی شروع کیں کہ غلام خدمت سے محروم نہ رہے۔ ہمایوں نے فرمان طلب
بھیجا وہ اپنے پرانے کارآزمودہ دلاوروں کو لے کر پشاور میں جا ملا۔ اس
کو سپہ سالاری کا خطاب ملا اور صوبۂ قندھار جاگیر ہوا۔ جس وقت پنجاب میں داخل
ہوئے ادھر اُدھر کے ضلعوں میں بڑے بڑے لشکر افغانوں کے پھیلے ہوئے
تھے۔ مگر ادبار آچکا تھا۔ کہ اُنھوں نے کچھ بھی ہمت نہ کی لاہور تک بے جنگ ہمایوں
کے ہاتھ آیا۔ ہمایوں لاہور میں ٹھیرا اور امرا کو آگے روانہ کیا۔ افغان جہاں کہیں
تھے گھبرائے ہوئے تھے اور آگے کو بھاگے جاتے تھے جالندھر پر لشکر
شاہی کا مقام تھا خبر آئی کہ تھوڑی دور آگے افغانوں کا انبوہ کثیر جمع ہو گیا ہے خزانہ
مال سب ساتھ ہے۔ تردی بیگ مال کے عاشق تھے اُنھوں نے چاہا کہ بڑھ کر
ہاتھ ماریں۔ خانخاناں نے کہلا بھیجا کہ مصلحت نہیں۔ بادشاہی جمعیت تھوڑی ہے غنیم کا
انبوہ ہے اور خزانہ و مال اُس کے پاس ہے ایسا نہ ہو کہ پلٹ پڑے اور مال کے لیے
جان پر کھیل جائے۔ اکثر امرا اس رائے سے متفق تھے اُس نے نہ مانا اور چاہا
کہ اپنی جمعیت کے ساتھ دشمن پر جا پڑے۔ دوستوں میں تلوار چل گئی۔ طرفین
نے بادشاہ کو عرضیاں کیں وہاں سے ایک امیر فرمان لے کر آیا انہوں کو
آپس میں ملایا اور لشکر آگے روانہ ہوا۔ ستلج پر آکر پھر اختلاف ہوا خبر
لگی کہ ماچھی واڑے کے مقام پر تیس ہزار افغان ستلج پار پڑے ہیں۔
خانخاناں اُسی وقت اپنی فوج لے کر روانہ ہوا۔ کسی کو خبر نہ کی اور مارا مار دریا
پار اُتر گیا۔ شام قریب تھی کہ دشمن کے قریب جا پہنچا۔ جاڑے کا موسم تھا
خبرداروں نے خبر دی کہ افغان ایک آبادی کے پاس پڑے ہیں۔ اور خیموں کے
آگے لکڑیاں اور گھاس جلا جلا کر سینک رہے ہیں تاکہ جاگتے رہیں اور روشنی
میں رات کی بھی حفاظت رہے۔ اس نے اور بھی غنیمت سمجھا۔ دشمن کی کثرت
کا ذرا خیال نہ کیا۔ ایک ہزار سوار جاں نثار سے فوج دشمن کے پہلو پر جا کھڑا ہوا

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

تجربہ کار اور وفادار شخص ہاتھ آیا۔ کیوں کہ جس زمانے میں اکبر کو تخت ملا دہ

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۸۳ کے۔ اور شعر وسخن۔ لطائف وظرائف سن کر وہ بھی خوش ہوتا تھا

جب ہمایوں ایران سے فوج لے کر پھرا ادھر آیا تو قندھار کو گھیرے پڑا تھا۔ بیرم خاں کو ایلچی کرکے کامران مرزا اپنے بھائی کے پاس کابل بھیجا کہ اُسے سمجھا کر راہ پر لائے اور یہ نازک کام حقیقت میں اِسی کے قابل تھا۔ رستے میں ہزارے کی قوم نے روکا اور سخت لڑائی ہوئی سیدان صاف کرکے کابل پونہچا وہاں کامران سے ملا اور اِس انداز سے مطلب ادا کیئے کہ اِس وقت اُس کا پتھر کا دل بھی نرم ہوا۔ اور ہمایوں کو عذر معذرت کے ساتھ صلح کا پیغام بھیجا۔ جب ہمایوں نے قندھار فتح کیا تو جس طرح شاہ سے اقرار کر آیا تھا وہ ایرانی سپہ سالار کے حوالے کر دیا۔ اور آپ کابل کو چلا جسے کامران دبائے بیٹھا تھا۔ امرا نے کہا کہ جاڑے کا موسم سر پر ہے۔ رستہ کڈھب ہے عیال اور اسباب کا ساتھ لے چلنا مشکل ہے بہتر ہے کہ قندھار سے بداغ خاں کو رخصت کیا جائے۔ حرم بادشاہی بھی یہاں آرام پائیں گے اور خانہ زادوں کے عیال بھی اُن کے ساتھ ہی رہیں گے۔ ہمایوں کو بھی یہ صلاح پسند آئی اور بداغ خاں کو پیغام بھیجا۔ ایرانی فوج نے کہا کہ جب تک ہمارے بادشاہ کا حکم نہ آئے ہم یہاں سے نہ جائیں گے۔ ہمایوں لشکر سمیت باہر پڑا تھا۔ ہلکی برفانی اُس پر بے سامانی غرض سخت تکلیف میں تھے۔ امرا نے سپاہیانہ منصوبہ کھیلا پہلے کئی دن ولایتی اور ہندی سپاہی بھیس بدل کر شہر میں جاتے رہے گھاس اور لکڑیوں کی گٹھریوں میں ہتیار پونہچاتے رہے۔ ایک دن صبح نور کے ترڑکے گھاس کے اونٹ لدے ہوئے شہر کو جاتے تھے کئی سردار اپنے اپنے بہادر سپاہیوں کو ساتھ لیئے اُن کی آڑ میں دبکے دبکائے شہر کے دروازے پر جا پونہچے یہ جانباز مختلف دروازوں سے گئے تھے چنانچہ گندگان دروازے سے بیرم خاں نے بھی حملہ کیا تھا۔ پہرے والوں کو کاٹ کر ڈال دیا اور دم کے دم میں اِس طرح پھیل گیا کہ ایرانی حیرانی میں آ گئے۔ ہمایوں مع لشکر شہر میں داخل ہوا اور جاڑا آرام سے بسر کیا۔ دوسرے برس ہمایوں نے کابل پر فوج کشی کی اور فتح پائی۔ بیرم خاں کو قندھار کا حاکم کرکے چھوڑ آیا تھا۔ کابل کا فتح نامہ جو ہمایوں نے لکھا تو یہ شعر خود کہے اور اپنے ہاتھ سے

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

طور پر رفاقت دیتا رہا۔ اکبر بڑا خوش نصیب تھا کہ اُس کو بیرم خاں جیسا مار دیدہ

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۸۲ کے جاں نثار باقبال کے آنے کو سب مبارک شگون سمجھے۔
جب حاضر ہوا تو ہمایوں نے اُٹھ کر گلے لگا لیا۔ دونوں مل کر بیٹھے۔ مدتوں کی
مصیبتیں تھیں ایسی ایسی کہانیاں سنائیں۔ بیرم خاں نے کہا کہ یہ جگہ اُمید کا مقام
نہیں۔ ہمایوں نے کہا چلو جس خاک سے باپ دادا اُٹھے تھے اُسی پر چل کر بیٹھیں
بیرم خاں نے کہا جس زمین سے حضور والد نے پھل نہ پایا حضور کیا لیں گے۔ ایران
کو چلیے وہ لوگ مہمان پرور اور مسافر نواز ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے کہ امیر تیمور جد اعلیٰ حضور
کے تھے۔ اُن کے ساتھ شاہ صفی نے کیا کچھ نہ کیا۔ اُن کی اولاد نے دو دفعہ آپ کے
والد کو مدد دی۔ ملک ماوراء النہر پر قبضہ دلایا۔ تھما نہ تھما مدد کے اختیار ہے۔ رہا یا
نہ رہا اور ایران فدوی اور فدوی کے بزرگوں
کا وطن ہے۔ وہاں کے کاروبار سے غلام خوب
واقف ہے۔ ہمایوں کی بھی سمجھ میں آگیا اور ایران
کا رُخ کیا۔ اس وقت بادشاہ اور امرا کے
ہمراہی کی حالت ایک لٹے ہوئے قافلے کی
تصویر تھی یا کاروان وفا کی فہرست جس میں
سب لوگ جا کر ملا کر ستر آدمی سے زیادہ نہ تھے

بیرم خاں

لیکن جس کتاب میں دیکھا اول نمبر پر بیرم خاں کا نام نظر آتا ہے۔ اور حق پوچھو تو اس
کے نام سے فہرست کی پیشانی کو چمکنا چاہیئے تھا۔ وہ رزم کا بہادر۔ بزم کا مصاحب
سایہ کی طرح پیارے آقا کے ساتھ تھا۔ جب کوئی شہر پاس آتا تو آگے جاتا اور
اس خوب صورتی سے مطالب ادا کرتا کہ جا بجا شاہانہ شان سے استقبال اور
نہایت دھوم دھام سے ضیافتیں ہوتی گئیں۔ قزوین کے مقام سے شاہ کی
خدمت میں نامہ لے کر پہنچا اور اس خوبی سے وکالت کا حق ادا کیا کہ شاہ
مہمان نواز آمادہ ہوا۔ جب تک ایران میں رہے وہ ہما کا سایہ ہمایوں کے ساتھ
تھا۔ ہر ایک کام اور پیغام اُسی کے ذریعے سے طے ہوتا تھا۔ بلکہ شاہ اکثر خود
بلا بھیجتا تھا۔ کیونکہ عقل و دانش کے ساتھ اس کی مزے مزے کی باتیں اور حکایتیں

جبرئیل تھا جو ہمایوں کے دم کے ساتھ آخری ایام مصائب میں بھی وفادار رہا
بقیہ نوٹ صفحہ ۲۸۰ کے۔ پھر اپنی خدائی کی شان دکھائی اکبر کا زمانہ تھا اور وہ ہندوستان
کے سیاہ وسفید کا مالک تھا تو ایک دن کسی مصاحب نے پوچھا کہ مسند عالی علی خاں
اُس وقت آپ سے کس طرح پیش آئے تھے۔ خانخاناں نے کہا جان اُنھوں نے
بچائی تھی۔ وہ ادھر آئے نہیں تو کیا کروں اگر آئیں تو کم سے کم چندیری کا علاقہ نذر کر دوں
بیرم خاں وہاں سے گجرات پوہنچا سلطان محمود سے ملا۔ وہ بھی بہت چاہتا تھا کہ
میرے پاس رہے اِس نے حج کے بہانے رخصت لی۔ بندر سورت میں آیا اور
وہاں سے آقا پیارے کا پتہ لیتا ہوا سندھ کی سرحد میں جا پوہنچا۔ ہمایوں کا حال
سُن ہی چکے ہو کہ قنوج کے میدان سے بھاگ کر آگرہ میں آیا۔ قسمت برگشتہ۔ بھائیوں
کے دل میں دغا۔ امرا بے وفا۔ سب نے یہی کہا کہ اب یہاں کچھ نہیں ہو سکتا۔ لاہور
میں بیٹھ کر صلاح ہو گی۔ یہاں آکر کیا ہونا تھا کچھ نہ ہوا۔ یہ ہوا کہ غنیم شیر ہو کر دبائے
چلا آیا۔ ناکام بادشاہ نے جب دیکھا کہ وفا باز بھائی وقت ٹال رہے ہیں اور بھائیوں
کی نیت ہی اور غنیم ہندوستان پر چھایا ہوا سلطان پور کنار بیاس تک آ پوہنچا ہے۔ ناچار ہند
کو خدا حافظ کہہ کر سندھ کا رخ کیا اور تین برس تک وہاں قسمت آزماتا رہا۔ جب
بیرم خاں وہاں پوہنچا ہمایوں مقام جون کنارے دریائے سندھ پر ارغونیوں سے
لڑتا تھا روز معرکے ہو رہے تھے اگرچہ شکست دیتا تھا مگر رفیق مارے جاتے تھے
اور جو تھے اُن سے وفا کی اُمید نہ تھی۔ خانخاناں جس دن پوہنچا، محرم ۹۵۰ھ تھی لڑائی
ہو رہی تھی۔ اِس لئے آتے ہی دور سے یہ لطیفہ عرض لیا کہ ملازمت بھی نہ کی سیدھا
میدان جنگ میں پوہنچا۔ اپنے لوٹے پھوٹے نوکروں اور خدمت گاروں کو ترتیب
دیا اور ایک طرف سے موقع دیکھ کر حملہ ہائے مردانہ و نعرہ ہائے شیرانہ شروع
کر دیئے۔ لوگ حیران ہوئے کہ یہ غیبی فرشتہ کون اور کہاں سے آیا۔ دیکھیں تو
بیرم خان! ساری فوج خوشی کے مارے غل مچانے لگی۔ ہمایوں اِس وقت ایک
بلندی سے دیکھ رہا تھا۔ حیران ہوا کہ معاملہ کیا ہے۔ چند خدام خواصی میں تھے۔ ایک آدمی
دوڑ کر آگے بڑھا اور خبر لایا کہ خانخاناں آ پوہنچا۔ یہ وقت وہ تھا کہ ہمایوں ہندوستان
کی کامیابی سے مایوس ہو کر چلنے کو طیار تھا۔ کملایا ہوا دل شگفتہ ہو گیا۔ اور [illegible]

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

ادا کر دی۔ بیرم خان ایک ترکی سردار تھا۔ جو سولہ برس کی عمر سے ہمایوں کا ملازم تھا اور اکبر کی پھوپی سے بیاہا ہوا تھا۔ بیرم خاں ایک بہت بڑا قابل

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷۸ گھر لے آئے۔ شیرشاہ نے عیسیٰ خاں کو ایک مہم پر بھیجا یہ مالوے کے رستے میں جاکر ملے بیرم خاں کو ساتھ لے گئے تھے۔ اِس کا بھی ذکر کیا۔ شیرشاہ نے منہ بنا کر پوچھا۔ اب تک کہاں تھا؟ سید عالی نے کہا نصیر خاں قتال کے ہاں پناہ لی تھی شیرشاہ نے کہا "بخشیدم" عیسیٰ خاں نے کہا حضور قرآن کی خاطر سے بخشا اسپ و خلعت میری سفارش سے دیجئے اور ابوالقاسم گوالیار سے آیا ہے۔ حکم دیجئے کہ اُس کے پاس اُترے۔ شیرشاہ نے کہا قبول۔ شیرشاہ وقت پر لگاوٹ بھی ایسی کرتے تھے کہ لوگ کرامات کر دیتے تھے بیرم خاں کی سرداری کی اب بھی ہوا بندھی ہوئی تھی۔ شیرشاہ بھی جانتے تھے کہ صاحب جوہر ہے اور کام کا آدمی ہے ایسے آدمیوں کے یہ خود طلبگار ہو جاتے تھے اور کام لیتے تھے۔ چنانچہ جس وقت وہ سامنے آیا تو شیرشاہ کھڑے ہو کر گلے ملا اور دیر تک باتیں کیں اور اخلاص کے باب میں گفتگو تھی۔ شیرشاہ دیر تک دل جوئی کی غرض سے باتیں کرتا رہا اُس سلسلے میں اس کی زبان سے یہ نکلا "ہر کہ اخلاص دارد خطا نمی کند" غیر وہ جلسہ برخاست ہوا۔ شیرشاہ نے اُس منزل سے کوچ کیا۔ یہ اور ابوالقاسم بھاگ گئے۔ رستے میں شیرشاہ کا ایلچی ملا وہ گجرات سے آتا تھا اور ان کے بھاگنے کی خبر سن چکا تھا مگر کبھی ملاقات نہ ہوئی تھی دیکھ کر شبہ ہوا۔ ابوالقاسم قد و قامت میں بلند بالا اور خوش اندام تھا جانا کہ یہی بیرم خاں ہے اُسے پکڑ لیا۔ بیرم خاں کی نیک ذاتی لاجوانمردی اور نیک نیتی پر ہزار آفریں ہے اور خود آگے بڑھا اور کہا کہ اسے کیوں پکڑا ہے بیرم خاں تو میں ہوں۔ ابوالقاسم کو دس ہزار آفریں۔ کہا کہ یہ میرا غلام ہے مگر وفادار ہے اپنی جان کو حق نمک پر فدا کرنا چاہتا ہے اسے چھوڑ دو۔ خیر۔ سلے قصاب کوئی مر سکے نہ بچ سکے وہ بے چارہ شیرشاہ کے سامنے آکر مارا گیا۔ اور بیرم خاں موت کو منہ چڑا کر صاف نکل گئے۔ شیرشاہ کو بھی خبر ہوئی اس ماجرے کو سن کر افسوس کیا اور کہا جب اُس نے ہمارے جواب میں کہا تھا کہ جمیں است ہر کہ جوہر اخلاص دارد خطا نمی کند ہمیں اُسی وقت کھٹکا ہوا کہ یہ ٹکنے والا نہیں۔ جب خدا سلے

(بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ)

انتظام ایک گاؤں میں ہو سکتا تھا۔ اُس کے موافق طیاری کرکے اکبر کی رسم تخت نشینی

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷۸ پہاڑمیں اور قلعہ کی دیوار میں گڑوا کر رسیاں ڈلوا دیں سیڑھیاں لگوائیں اور اور طرف سے لڑائی شروع کی۔ قلعہ والے تو اُدھر جھکے اِدھر سے پہلے (۳۹) بہادر جانوں پر کھیل کر رستوں اور سیڑھیوں پر چڑھے جن میں چالیسواں دلاور خود بیرم خاں تھا۔ غرض صبح ہوتے ہوتے تین سو جانباز اور پہنچ گئے اور خود بادشاہ بھی جا پہنچا صبح کا دروازہ ابھی بند تھا جو قلعہ فتح ہو کر کھل گیا۔ سنہ ۹۴۶ھ میں چوسے مقام پر شیر شاہ کی پہلی لڑائی میں بیرم خاں نے سب سے پہلے ہمت دکھائی۔ اپنی فوج لے کر بڑھ گیا دشمن پر جا پڑا۔ حملہ ہائے مردانہ اور چپقلشہائے ترکانہ سے غنیم کی صف کو تہ و بالا کر دیا۔ مگر امرائے ہمراہی کوتاہی کر گئے اِس لیے کامیاب نہ ہوا۔ اور لڑائی نے طول کھینچا۔ انجام یہ ہوا کہ غنیم نے فتح پائی اور ہمایوں شکست کھا کر آگرہ بھاگا۔ یہ وفادار کبھی تلوار بن کر آقا کے آگے ہوا کبھی سپر بن کر پشت پر رہا۔ دوسری لڑائی نواح قنوج میں ہوئی ہمایوں کی قسمت نے یہاں بھی دفانہ کی بدحالی سے شکست کھائی۔ امرا و فوج اِس طرح پریشان ہوئی کہ ایک کو ایک کا ہوش نہ رہا۔ مارے گئے۔ باندھے گئے۔ ڈوب گئے بھاگ گئے اور بیاباں مرگ ہوئے۔ ع

بیاباں مرگ ہی مجنوں یہ خاک آلودہ تن کس کا ‌ ‌ ‌ ‌ بیئے ہی سوزن خار مغیلاں تو کفن کس کا

اُنھیں میں وہ جاں نثار بھی بھاگا اور سنبھل کی طرف جا نکلا۔ میاں عبدالوہاب رئیس سنبھل سے اِس کا پہلے کا اتحاد تھا اُنھوں نے اپنے گھر میں رکھا مگر ایسا نامی آدمی چھپے کہاں۔ اُس نے متر سین لکھنو کے راجہ کے پاس بھیج دیا کہ علاقہ جنگل ہی میں چند روز تم رکھو۔ مدت تک وہاں رہا۔ نصیر خاں حاکم سنبھل کو خبر ہو گئی۔ اُس نے متر سین کے پاس آدمی بھیجا۔ متر سین کی کیا تاب تھی کہ شیر شاہی امیر کے آدمیوں کو ٹال دے۔ ناچار بھیج دیا نصیر خاں نے قتل کرنا چاہا۔ یہاں مسند عالی عیسیٰ خاں کہ کہن سال امیرزادہ افغانوں کا تھا شیر شاہ کا بھیجا ہوا آیا تھا۔ اُس کے اور میاں عبدالوہاب کی سکندر لودی کے وقت سے دوستی تھی۔ میاں نے عیسیٰ خاں سے کہا کہ نصیر خاں ظالم ایسے نامور اور عالی ہمت سردار کو قتل کرنا چاہتا ہے۔ ہو سکے تو کچھ مدد کرے۔ میاں کا اور اُن کے خاندان کی بزرگی کا سب لحاظ کرتے تھے۔ عیسیٰ خاں گئے اور قید سے چھڑا کر اپنے

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

رہا تھا کہ باپ کی وفات کی خبر پہونچی۔ قصبہ کلانور میں جو ضلع گورداسپور کے مغرب میں ہو یہ خبر پونچی اور وہیں بیرم خاں نے ایک ساعت نیک دیکھ کر جلیا پھر بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷۸۔ اہل نفاق کی عداوت سے بادشاہ کا دل اس سے پھر گیا اور وہاں تک نوبت پونچی کہ جس کا ذکر ضمن تاریخ میں آیا۔ بیرم خاں کے خاندانی حالات بخوف طوالت ترک کیے گئے۔ اس کے باپ کا نام سیف علی بیگ تھا جس کی عمر نے وفا نہ کی اس کا بیٹا یہ خردسال بااقبال تھا سیف علی کی موت نے عیال کے ایسے دل توڑ دیئے کہ کچھ نہ کرسکے۔ چھوٹے سے بچے کو لے کر بلخ میں چلے آئے۔ یہاں اس کے خاندان کے کچھ لوگ رہتے تھے۔ چند روز اُن میں رہا کچھ پڑھا لکھا اور ذرا ہوش سنبھالا جب بیرم خاں نوکری کے قابل ہوا۔ ہمایوں اُن دنوں میں شہزادہ تھا۔ خدمت میں آکر نوکر ہوا۔ علوم معمولی سے تھوڑا تھوڑا بہرہ حاصل کیا۔ ملنساری۔ حسن اخلاق۔ آداب محفل۔ طبع کی موزونی اور موسیقی میں بھی اچھی آگاہی رکھتا تھا۔ خلوت میں خود بھی گاتا بجاتا تھا اس لیے ہم عمر آقا کے مصاحبوں میں داخل ہو گیا۔ ایک لڑائی میں اس سے ایسا کارنمایاں بن پڑا کہ دفعتہً شہرہ ہو گیا۔ اُس وقت سولہ برس کی عمر تھی۔ بابر بادشاہ نے بلایا جو باتیں کرکے حال پوچھا اور چھوٹے سے بہادر کا بہت سا دل بڑھایا۔ دمع ہونہار پیشانی پر اقبال کے آثار دیکھ کر قدردانی کی اور کہا کہ شہزادے کے ساتھ دربار میں حاضر ہوا کرو۔ پھر اپنی خدمت میں لے لیا۔ سعادت مند لڑکا کارگزاری اور جاں نثاری کے موجب ترقی پانے لگا۔ ہمایوں بادشاہ ہوا تو پھر اُس کی حضوری میں رہنے لگا اِس شفیق آقا اور وفادار نوکر کے حالات و معاملات دیکھ کر معلوم ہوتا ہو کہ دونوں میں فقط محبت نہ تھی بلکہ ایک قدرتی اتحاد تھا جس کی کیفیت بیاں میں نہیں آسکتی۔ ہمایوں دکن کی مہم میں چاںپانیر کے قلعہ کو گھیرے پڑا تھا۔ یہ قلعہ ایسی غضب جگہ پر تھا کہ ہاتھ آنا بہت مشکل تھا۔ بنانے والوں نے ایسے ہی وقت کے لیے عمودی پہاڑوں کی چوٹی پر بنایا تھا اور گرد اُس کے جنگل اور درختوں کا بن رکھا تھا۔ اس وقت دشمن بہت سا کھانا دانہ بھر کر خاطر جمع سے اندر بیٹھ رہے تھے ہمایوں قلعے کو گھیرے باہر پڑا عرصے کے بعد پتہ لگا کہ ایک طرف سے جنگل کے لوگ رسد کی ضروری چیزیں لے کر آتے ہیں۔ قلعے والے اوپر سے رسی ڈال کر کھینچ لیتے ہیں ہمایوں نے بہت سی فولادی اور چوبی میخیں منگائیں ایک رات اُسی چور راستے کی طرف گیا

...یا تھا۔ اکبر کے معنے ہیں سب سے بڑا اور کچھ شک نہیں کہ یہ تفاول نیک صحیح ثابت
...وا اور فی الحقیقت یہ بادشاہ اور سب بادشاہوں سے بڑا ہوا ہی۔ اِس ...
...پاس برس سلطنت کی۔ جس وقت انگلستان میں ملکۂ الزبتھ سریر آرائے
...سلطنت تھی۔ ملک ہند میں اکبر مالک تخت و تاج تھا۔ اور اُس کا نیر اقبال چمک
...رہا تھا اور یہ بھی عجیب اتفاق ہی کہ ان دونوں فرمارواؤں نے ایک ہی سال تخمینا
...عالم فانی سے عالم جاودانی کا سفر اختیار کیا۔ باپ کے مرنے کے وقت اکبر
...کی عمر کُل تیرہ سال کی تھی۔ اکبر پنجاب میں تھا جو ہمایوں نے دِلّی میں قضا کی ہاتھ
...کی موت ایسی بے ہنگام ہوئی جس کا شان و گمان بھی نہ تھا۔ گزشتہ چند سالوں
...میں گردش لیل و نہار نے ایسا تلاطم برپا کر دیا تھا کہ تخت سلطنت کے کئی دعویدار
...تاک لگائے بیٹھے تھے۔ اِس لیئے ہمایوں کی موت کو مخفی رکھنا ازبس ضروری تھا
...اسی خیال سے برابر سترہ دن تک اِس واقعہ کو پردۂ خفا میں رکھا اور ایک
...خواجہ سرا کو جو ہمایوں سے شکل و شمائل میں بہت ملتا جلتا تھا کھڑا کر دیا وہ دربار
...میں اپنا درشن دکھاتا رہا۔ اِدھر یہ بندوبست کر اُدھر پیک تیز رو صبا رفتار
...بیرم خاں کے پاس بھیجے گئے جو اکبر کے ساتھ سکندر سور سے لڑتے ...
...جس وقت شہنشاہ اکبر خود اختیار صاحب دربار ہوا۔ اُس وقت یہ امیر ملک گیر
...دربار میں نہ رہا تھا لیکن اِس میں کسی کو انکار نہیں کہ اکبر بلکہ ہمایوں کی بنیاد سلطنت بھی اِس
...نے دوبارہ ہندوستان میں قائم کی۔ بیرم خاں مرزا جہاں شاہ کی اولاد میں تھا۔ رموز
...دانش۔ سخاوت۔ راستی۔ حُسن خلق۔ نیاز و خاکساری میں سب سے سبقت لے گیا
...تھا۔ ابتدائے حال میں بابر بادشاہ کی خدمت میں۔ بیچ میں ہمایوں بادشاہ کے حضور
...میں رہ کر بڑھا چڑھا اور خانخاناں کے خطاب سے سرفراز ہوا پھر اکبر نے وقت بوقت
...القاب میں ترقیاں دیں۔ نہایت فقیر دوست۔ صاحب حال اور نیک اندیش تھا۔ ہندوستان
...جو دوبارہ فتح بھی ہوا اور آباد بھی ہوا یہ اِسی کی کوشش اور بہادری اور حُسن تدبیر کی برکت
...سے ہوا۔ دنیا کے فاضل اطراف و جوانب سے اس کی درگاہ کی طرف رخ کرتے تھے
...اور دریا مثال ہاتھ سے شاداب ہو کر جاتے تھے۔ اُس کی بارگاہ آسمان جاہ ارباب
...فضل و کمال کے لیئے قبلہ تھی اور زمانہ اِس کے وجود سے فخر کرتا تھا۔ اخیر عمر میں بسبب

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)

میں موجود ہیں جہاں کثرت سے لوگ جاتے منتیں مانتے اور نذر ونیاز چڑھاتے ہیں باوجود اُن تمام تکالیف اور سخت سخت مصائب کے جو آئے دن کے حملوں تخت کی چھینا جھپٹی جنگ وجدال۔ لوٹ مار۔ اور بار بار خاندانوں کے انقلاب عروج وزوال کے جس کا سامنا رعایا کو تھا مورخوں کی عام رائے بلا اختلاف یہ ہے کہ رعایا کی حالت بالکل طمانیت بخش تھی۔ زمانے کی حالت یکساں نہیں رہتی اُن کا اخلاقی معیار بڑھتا گھٹتا رہتا ہے اور چوں کہ ہم اُس زمانے کے اخلاقی حالات کے سٹینڈرڈ کا صحیح اندازہ نہیں۔ اِس لیئے ہم کسی زمانۂ مابعد کی اخلاقی حالت سے اُس وقت کی اخلاقی حالت کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

بہرحال مورخان ہم عصر کی تحریرات۔ سیاحوں کے سفرناموں سے یہ بات عیاں ہے کہ بعض بعض مقامات پر خاص خاص زمانوں میں مرحلۂ زندگانی ایسا دشوار گزار اور عقدۂ لاینحل نہ تھا جیسا کہ اب ہے۔ مسلمانوں کو ہمیشہ سے وقائع نگاری کا مذاق سلیم رہا ہے اور بادشاہان وقت نے اپنے اپنے عہد کی سوانح لکھوا کر اِس ذخیرے میں اور بھی قابل قدر اضافہ کیا ہے اس سبب سے عہد اسلامی کی تاریخ مسلسل اور زیادہ مستند ہو گئی ہے۔ ہندوؤں کے زمانے کی حالت اور ہے۔ اُن کو بمقابلۂ تاریخ زیادہ تر نظم۔ موسیقی۔ صناعی اور دست کاری کی طرف میلان رہا ہے۔ چوں کہ مسلمانوں اور ہندوؤں کی بہت سی عمارتیں اب تک باقی ہیں ہم بآسانی اِن دونوں کے طرز تعمیر کا مقابلہ اور موازنہ کر سکتے ہیں۔ اور ان دونوں میں ہم کو فرق بیّن نمایاں ہے۔ جیسے جیسے مسلمانوں کی تہذیب اور مذاق بڑھتا گیا ویسے ویسے اُنھوں نے طرز تعمیر میں بھی ترقی کی جس کا معراج الکمال تاج گنج کے بے نظیر ولاجواب روضہ پر آکر منتہی ہوا اور جس کا شمار حق بجانب عجائبات دنیا میں ہوتا ہے۔ یہ ایک حاکہ ہے ملک کی اُس اندرونی حالت کا جس پر حق سبحانہ وتعالیٰ نے اکبر کو اُس کم سنی میں بادشاہ بنا دیا تھا۔

جلال الدین محمد اکبر (اعظم)
سنہ ۱۵۵۶ء–۱۶۰۵ء

ہندوستان میں جتنے بادشاہ ہوئے اکبر اُن سب میں افضل تر تھا۔ اس کا پورا نام جلال الدین تھا۔ باپ نے پیدائش کے وقت ہی اکبر جلال

جو کہنے کو تو مشیر سلطنت ہوتا تھا۔ مگر بیشتر یہ دیکھا گیا کہ سلطنت کی باگ فی الاصل اُسی کے دستِ قدرت میں رہتی تھی۔ عموماً بادشاہ روزانہ دربار عام میں برآمد ہو کر لوگوں کے عرائض خود لیا کرتا تھا۔ اِس طرزِ عمل سے مفادیہ تھا کہ بادشاہ اور رعایا کے بیچ میں حدِ فاصل نہ رہتی تھی۔ رعایا کو بادشاہ سے اور بادشاہ کو رعایا سے ایک قسم کی یگانگت اور موانست پیدا ہو جاتی تھی۔ سلطنت کی تقسیم صوبوں میں تھی۔ جس پر ایک ایک صوبہ دار یا طرف دار یا والی رہتا تھا۔ اکبر کی طرح کے ذی ہوش و باخبر اور زبردست بادشاہ کے عہد میں سارے صوبہ دار مطیع و فرماں بردار رہتے تھے۔ اور اوقات مقررہ پر بلاتخلف زرِ مالگزاری خزانۂ عامرۂ شاہی میں داخل ہو جاتا تھا اور اِسی طرح افواج کی مقررہ نفری کا داخلہ برابر ہوتا تھا۔ لیکن بے خبر کم زور اور غافل بادشاہ کا رنگ ڈھنگ کچھ اور ہی ہوتا تھا۔ صوبہ دار خود مختار بن کر جو چاہتے تھے سو کرتے تھے۔ اکبر کے نظم و نسق سے پہلے فوج کی تنخواہ نقدی دینے کا دستور نہ تھا بلکہ تنخواہ میں جاگیریں توڑ دی گئی تھیں یہ طریقہ بہت تکلیف دہ تھا اور اِس میں اوپر والوں کے مزے تھے۔ اور لوٹ گھسوٹ غبن کا خوب موقع ملتا تھا۔ اکبر نے فوراً اس طریقے کو مسدود کیا اور حکم دیا کہ سپاہیوں کی تنخواہ بحساب نفری نقد دی جاے۔ تصفیہ قضایا قاضی اور حکّام عدالتی کے متعلق تھا۔ تمام مقدمات مالی اور کم درجے کے جرائم کی تحقیقات و تصفیہ قضات اور حکّام عدالت کرتے تھے۔ اِس زمانے میں بزرگانِ دین اور فقرا کی بھی بڑی کثرت تھی۔ اگرچہ مسلمان مساجد میں وحدہٗ لاشریک لہ کی عبادت کرتے تھے۔ مگر پھر بھی وہ بزرگانِ دین فقرا اور اہل اللہ کے تصرف اور کرامتوں کے معتقد تھے جن کے بعد بزرگوں کا مرتبہ بہت ارفع و اعلیٰ تھا اور اُن کا شمار اولیاء اللہ میں کیا جاتا تھا۔ چنانچہ اب تک بھی ایسے بزرگوں کے مقبرے اور بڑی بڑی درگاہیں مختلف مقامات

سلہ ہمارے دیکھتے دیکھتے یہی طریقہ حیدرآباد دکن میں بھی جاری تھا۔ جمعداروں کو تنخواہ جمعیت کے معاوضے میں جاگیریں تھیں۔ سر سالار جنگ اول نے اِس طریقے کو یک قلم موقوف کر کے نقدی تنخواہ کا دستور قرار دیا۔ ۱۲

کہ گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے۔ ہمایوں سے اتنا بڑا ملک نہ سنبھلنے کی ایک وجہ اور بھی تھی کہ اس سے پہلے ہندوستان کے لوگ مغلوں سے بھڑکتے تھے۔ لیکن اب وہ زمانہ آگیا تھا کہ یہاں کے لوگ خود افغانوں کی حکومت کی خواہش کرتے تھے اور اس بات کو پسند کرتے تھے کہ باہر کے لوگ آکر اُن پر حکمرانی کریں۔ یہی وجہ شیرشاہ کے قدم جم جانے کی ہوئی۔ طول طویل مدت جلاوطنی کے بعد ہمایوں کا دوبارہ کھوئی ہوئی سلطنت کو حاصل کرنا ایک بہت بڑا کام تھا۔ اور ہمایوں ہی جیسا بادشاہ تھا جو ایسی بھاری مہم سر کرسکا ورنہ کسی ایسے ویسے کا کام نہ تھا وہ کبھی کا ہمت ہار کر بیٹھ رہتا۔ اب ہمایوں کو اطمینان حاصل ہوا تھا اور ضرور تھا کہ اگر حیات وفا کرتی تو وہ ایسے کام کرتا جس سے اُس کا نام تاریخ میں نمایاں ہوتا مگر تدبیر کنندہ و تقدیر کنندہ۔ موت نے سارے منصوبے خاک میں ملا دیئے ہمایوں کی اچانک موت نے اکبر کو جو صرف تیرہ برس کا کم سن لڑکا تھا ہندوستان جیسی وسیع سلطنت کا شاہنشاہ بنا دیا۔

اکبر سے پہلے ہندوستان کی کیا حالت تھی

قبل اس کے کہ ہم سلطنت مغلیہ کے استحکام کے حالات لکھیں نہایت ضروری ہے کہ ملک کی وہ عام حالت بیان کریں جو ۱۵۵۶ء میں تھی یعنی یہ کہ اکبر کو دفعتہً کس قسم کے ملک پر حکمرانی کرنی پڑی۔ اس سے پیشتر ہم اُن مختلف حکومتوں کا حال لکھ چکے ہیں جو سلاطین وقت کی کمزوری سے جابجا پھوٹ پڑی تھیں خصوصاً محمد تغلق کی بے دادگری کے زمانے میں تو اپنی اپنی جگہ ہر شخص بادشاہ بن بیٹھا تھا چونکہ زمانہ مابعد میں سلاطین مغلیہ کو ان سب سے مقابلہ اور مجادلہ رہا۔ اس لیئے ان کے حالات پیش نظر رکھنا ضرور ہیں۔ اس زمانے کی تاریخی حالت سمجھنے کے لیئے لازم ہے کہ موجودہ اندرونی حالت بلا کم و کاست بیان کی جائے۔ شریعت اسلام کی رو سے بادشاہ کا انتخاب سربرآوردہ اشخاص اور رعایا برایا کے اتفاق پر موقوف و منحصر تھا لیکن عملدرآمد کے لحاظ سے یہ عمدہ قانون پس پشت ڈال دیا گیا تھا۔ اور بادشاہت توریت پر آن لگی تھی۔ بادشاہ کے بعد ولیعہد کا رتبہ تھا

اس کے خلاف ہی۔ شیر منڈل کی عمارت موجود ہی۔ سیڑھیاں بھی جوں کی توں بر قرار ہیں۔ جس کا دل چاہے جا کر دیکھ لے۔ موت کے واسطے کسی زیادہ اہتمام کی ضرورت نہیں ہی۔ سارا زینہ تو الگ رہا ایک دو سیڑھیوں سے بھی گرنا منجر بہ ہلاکت ہو سکتا ہی۔ ہمایوں کی وفات کا مفصل حال ہم شیر منڈل کے بیان میں لکھ آئے ہیں۔

ہمایوں کا کیرکٹر شخصی اعتبار سے ہمایوں کی شرافت اور نیک طینتی کے سوائے کوئی منہ سے بھاپ نہیں نکال سکتا۔ اپنے خاندان کے اکثر ممبروں کی طرح یہ بھی اعلیٰ درجے کا تعلیم یافتہ تھا۔ علم ادب اور سائنس سے اسے خاص دلچسپی تھی۔ اس کے پسندیدہ مضامین جن کی طرف اس کا بڑا میلان طبع تھا۔ ریاضی اور ہیئت تھے۔ رہی اس کی بادشاہی حیثیت اس میں البتہ یہ نقص تھا کہ معرکہ کے وقت وہ کامیاب نہیں پایا گیا۔ اس کی کمزوری طبیعت کا عدم استقلال جس کی جھلک اس کے ہر کام میں نظر آتی ہی۔ غالباً اس کی افیون نوشی کے سبب سے تھی جس نے اس کے قوی مضمحل کر دیئے تھے۔ وہ بڑا بلند نظر۔ عالی حوصلہ۔ مخیّر۔ فیاض اور بدرجۂ غایت رحم دل تھا۔ گو وہ اصل نسل کا ٹھیٹا مغل تھا مگر مغلوں جیسی تند خوئی اور تیز مزاجی اسے چھو بھی نہ گئی تھی۔ حالاں کہ اکبر جیسے ہمہ صفت موصوف بادشاہ میں بھی بعض وقت مغلیت کی جھلک نظر آجاتی تھی۔ اس کے کیرکٹر کے دونوں پہلوؤں پر اگر ہم نظر ڈالیں تو کچھ شک نہیں کہ ہمایوں ایک عجیب شخص تھا۔ اس کی جلاوطنی کے زمانے کے حالات جو اس کے غلام جوہر نامی نے قلم بند کیے ہیں اُن کو پڑھ کر بے شک ہمایوں کے مصائب اور اس کی بدقسمتی پر افسوس آتا ہی۔ جس جرأت اور بہادری سے اس نے مصائب کو انگیز کیا وہ کسی دوسرے کا کام نہ تھا اور اس کا یہ صبر و استقلال ضرور بے انتہا تعریف کے قابل ہی۔ اگر ہمایوں میں قوت انتظامی کی کچھ کمی تھی اور وہ بابر کے مقبوضات کو قابو میں نہ رکھ سکا تو اس کا بڑا سبب اس کے حریف شیر شاہ کی بے نظیر پولیٹیکل چالیں اور اس کے لاجواب داؤں گھات اور توڑ جوڑ کی چمک تھی جن کے سامنے ہمایوں کی روشنی ماند پڑ گئی۔ ہمایوں کو علاوہ اس زبردست مدمقابل کے اُس کے بھائیوں کی غدّاری نے بڑا بھاری اور لاعلاج نقصان پہونچایا۔ مثل مشہور ہی

گرکر مرا اُن کے نزدیک سیڑھیوں پر سے گرکر مرنا اس وجہ سے بعید القیاس ہی کہ زینے کی حیثیت ایسی نہیں ہی کہ آدمی اُوپر سے پہلے تو لڑھکتا ہوا۔ ایک دم نیچے آرہے۔ کیونکہ شیر منڈل کا زینہ خم دار ہی۔ یہ بات کچھ بے تکی سی ہی مگر مورخ کا فرض ہی کہ وہ واقعات کو من وعن نقل کر دے وہی ہم نے کیا ورنہ ہماری ذاتی رائے بلحاظ نوعیت زینے کے

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ ہنگام غروب آفتاب ہمای مرغ روحش بہ آشیان قدس پرواز نمود۔ منتخب التواریخ میں ہمایوں کی وفات کا کچھ اور ہی حال لکھا ہی "ہفت ماہ بعد از فتح دیگر سکندر سور روزی بادشاہ بر بالائے بام کتب خانہ کہ در دہلی ترتیب یافتہ بود بر آمدہ مردم را کہ در مسجد جامع مجتمع بودند بسعادت کورنش مشرف ساختہ از جمعی کہ از سفر حجاز تازگی آمدہ بودند از احوال حرمین و گجرات می پرسیدند چون شام رسید خواستند کہ فرود آیند بر پایۂ دوم رسیدہ بودند کہ موذن شروع اذان نمود بمقتضائے تعظیم اذان ہمانجا ارادۂ نشستن فرمودند تا گاہ پایش در دامان پوستین پیچید و عصا لغزیدہ بیفتادند و بعد دو روز ازین عالم بے وفا رحلت کردند" مولانا قاسم کاہی نے یہ قطعہ وفات کا کہا ہی۔

ہمایوں بادشاہ آن شاہ عادل — کہ فیض عام خاص او بر عام او فتاد
بنائے دولتش چون یافت رفعت — اساس عمرش از استحکام او فتاد
چو خورشید جہان تاب از بلندی — بپایان در نماز شام او فتاد
جہان تاریک شد در چشم مردم — خلل در کار خاص و عام او فتاد
قضا از بہر تاریخش رقم زد — ہمایوں بادشاہ از بام او فتاد

درین مادۂ تاریخ یک عدد کم می شود مولانا مسعود حصاری این مصرعۂ تاریخ یافتہ ع
واصل حق شد ہمیون بادشاہ۔ و میر عبدالحی این مصرعہ یافتہ ع گو وائے بادشاہ من از بام او فتاد و جمعی این مصرعہ یافتہ ع وارث ملک جلال الدین باد و شخصی چنین گفتہ ع ہمایوں کار رفت و اصل او
مدت سلطنت ہمایوں بادشاہ از ہنگام وفات بابر بادشاہ تا روز وفات او بست و پنج سال بود دو ماہ قمری و پنج روز بود از ان جملہ سہ سال و ہشت ماہ مرتبۂ اول حکومت نمودند و بعد از ان پانزدہ سال طوائف الملوک ماند و مرتبۂ ثانی بعد از فتح ہندوستان تا ہنگام وفات صرف ہفت ماہ و چند روز و در مدت عمرش چہل و نہ سال و چہار ماہ و ہشت یوم بود و لقب او بعد وفات جنت آشیانی قرار یافتہ۔ ۱۲

گئے تھے جن کے نام بھی سیّاروں پر رکھے تھے۔ اِن کمروں میں ہفتے کے مختلف دنوں میں اُن سیّاروں کے اعتبار سے دربار قرار پاتا تھا۔ اگرچہ ہمایوں باعتبار سن و سال کے ایسا متجاوز نہ تھا لیکن اغلب ہی کہ اُس کے ہوش و حواس میں ایک گونہ فرق ضرور آگیا تھا۔ اُس کی موت علم ہیئت کے تجربوں کی بدولت واقع ہوئی۔ ایک شام کو کہا گیا کہ آج سیر طلوع مشتری و شرف زہرہ کا عجیب نظّارہ ہی۔ جو ایک نادر الوقوع ہمہ علم ہیئت کا تھا اور نیز امرا کی سرفرازی کے لئے ایک ساعت نیک اور اوان مسعود تھا۔ اِس لئے ہمایوں **شیر منڈل** کی بالائی منزل پر مشتری اور زہرہ کا قِران دیکھنے چڑھا۔ اِس نظارہ کے بعد جب وہ سیڑھیاں اُتر رہا تھا کہ **مسجد قلعۂ کہنہ** سے مغرب کی اذان کی صدا بلند ہوئی۔ بادشاہ اذان کے پاس ادب سے وہیں سیڑھیوں پر ٹک گیا۔ جب اذان ختم ہوچکی تو عصا ٹیک کر اُٹھنا چاہتا تھا کہ قضائے کردگار سنگ مرمر کی سیڑھیوں پر سے عصا رپٹا اور بادشاہ سیڑھیوں پر سے لڑھکتا ہوا نیچے آن پڑا جس سے بادشاہ کی کنپٹی میں ضرب شدید آئی اور اِسی زخم سے ۱۱ ربیع الاول ۹۶۳ھ ۲۴ جنوری ۱۵۵۷ء کو انتقال کیا۔[1] یہ عجیب بات ہی کہ ہمایوں کے دادا کا انتقال بھی اِسی قسم کے حادثے سے ہوا تھا۔ وفات کے وقت ہمایوں کی عمر اکیاون سال کی تھی۔ اِس واقعہ کی روایت میں بھی اختلاف ہی بعض کہتے ہیں کہ سیڑھیوں پر سے نہیں گرا بلکہ افیون کی پینک میں شیر منڈل کے چھجّے پر سے جھونک نکل کر نیچے

[1] تاریخ فرشتہ میں ہمایوں کی وفات کی نسبت یہ لکھا ہی کہ "در ہفتم آں ماہ (ربیع الاول) نزدیک وقت غروب آفتاب جنت آشیانی بالائے بام کتاب خانہ برآمدہ لحظہ بنشست و بوقت فرود آمدن ناگاہ موذن بانگ نماز شام شروع نمود آن حضرت بواسطۂ تعظیم و جواب بانگ نماز بر زینۂ دوم بنشست و بوقت برخاستن تکیہ بر عصا کردہ خواست کہ برخیزد عصا لغزیدہ بدر رفت و بادشاہ از نردبان جدا شدہ بر زمین آمدہ چوں نزدیکان سراسیمہ شدہ آں حضرت را کہ بیہوش شدہ بود بدرون دولت خانہ بردند بعد از یک لحظہ آفاقت یافتہ سخن گفت و اطبا بمعالجہ مشغول گشتند تا سود مند نیامدہ یازدہم ماہ مذکور بوقت

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

اِس کی ساری محنت برباد کردی اور ان اسباب سے جتنے ملک ہمایوں نے
اس مصیبت اور جانکاہی سے فتح کئے تھے رفتہ رفتہ سب نکل گئے۔ کامراں
جسے کابل سے بدر کیا تھا گکھڑوں میں جا چھپا مگر اُن کے سردار نے اُسے
حوالے کردیا۔ ہرچند امرا نے چاہا کہ ہمایوں اُسے قتل کرکے ہمیشہ کے لیئے
اُس کا پاپ چکادے مگر ہمایوں کے دل نے بھائی کے خون سے اپنے ہاتھ
آلودہ کرنے پسند نہ کیئے اور صرف اُسے بادل ناخواستہ مکحول کرکے
مکۂ معظمہ بھیج دیا۔ اس وقت ہندوستان کا یہ حال تھا کہ **شیر شاہ** مر ہی چکا
تھا۔ اُس کے بعد اس خاندان کے تین بادشاہ تخت نشیں ہوئے اُن میں
سے آخری بادشاہ سلطنت کی قابلیت نہ رکھتا تھا۔ ہمایوں کو اس بدنظمی کا اچھا
موقع ملا۔ **بیرم خاں** کی سرکردگی میں ہمایوں نے اپنا لشکر روانہ کیا اور
دریائے **سندھ** کو عبور کرکے پنجاب پر حملہ کیا اور **سرہند** کی لڑائی میں جس
میں ہمایوں بنفس نفیس موجود تھا **سکندر سور** کی بڑی بھاری فوج کو شعبان
سنہ ۹۶۲ھ میں شکست دی اور پندرہ برس کی معزولی کے بعد اب پھر ہمایوں
دلی کے قریب آن پہنچا اور **سلیم گڑھ** میں تین دن رہ کر رمضان ۹۶۲ھ ۱۵۵۵ع
کو **دلی** اور **آگرہ** لے لیا۔ بظاہر اسباب ساری مشکلیں طے ہوگئی تھیں اور
اب ٹھکانے سے بیٹھنے کے دن آتے تھے کوئی معرکہ یا مہم درپیش نہ
تھی۔ ہمایوں اپنے ملک کی تقسیم امرا میں کرنے میں مصروف تھا جو ایک نہایت
اہم و سترگ کام تھا خصوصاً اُس زمانے میں کہ ہر شخص کو اپنی ہی منفعت مدنظر
تھی۔ بادشاہ کو علم ہیئت کا بہت شوق تھا وہ ایک عجیب و غریب **رصدگاہ**
بنانے میں منہمک تھا جس میں مختلف رنگ کے شعاعی کمرے اختراع کیئے

تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ۔ ہی سے بادشاہ ایران نے اُسے فوجی امداد دی۔ ممکن ہے کہ ضرورت وقتی
کے لحاظ سے ہمایوں نے ایسا کیا ہو۔ دل کی باتیں تو سوائے خدا کے اور کوئی نہیں جانتا۔۱۲
نوٹ صفحۂ ہذا۔ [1] محمد بیرم خاں نے اِس فتح کی تاریخ "بشمشیر ہمایوں" سے نکالی ہے۔

مشتری خرد طالع ہمایوں طلبید | السائے سحر زطبع موزوں طلبید
تحریر چو کرد فتح ہندوستان را | تاریخ ز "شمشیر ہمایوں طلبید"
۹۶۲ھ

ایک ذاتی غرض بھی مضمر تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ ہمایوں کو جو ایک پکا سُنی تھا کسی نہ کسی طرح شیعہ کرے اور اُس کا ایک مدّعا یہ بھی تھا کہ ہمایوں کو ہموار کر کے قندھار کو پھر اپنے ملک میں شامل کرلے۔ اِس بات کو تو ہمایوں نے کشادہ پیشانی سے منظور کرلیا۔ رہا تبدیل عقیدہ اِس سے اُس نے کانوں پر ہاتھ دھرے۔ غرض بہت سی ناگفتہ بہ تکالیف اور پریشانیوں کے بعد صورت فلاح کی نظر آئی اور ہمایوں کو چودھا ہزار کے جرّار لشکر سے مدد دی گئی۔ اُس لشکر کی مدد سے ہمایوں نے اُس حصۂ ملک کو جو اُس سے نکل گیا تھا واپس لینے کی کوشش کی۔ چنانچہ بہت دن گزرنے نہ پائے تھے کہ اُس نے **کابل** اور **بدخشاں** کو فتح کرلیا اور ایرانی شاہزادے کے مرنے کے بعد **قندھار** بھی اُس کے ہاتھ آگیا۔ لیکن ہمایوں بے چارے کی تقدیر میں آرام اور چین نہ تھا۔ **اوزبکوں** کے حملوں اور سب سے بڑھ کر بھائیوں کی متواتر بغاوتوں نے

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ۔ ومرزا یادگار ناصر برادر بابرشاہ از مرزا کامران گریختہ بہ پادشاہ پیوستند چوں نزدیک کابل رسیدند ہنگام شب مرزا کامران از کابل فرار نمودہ بہ غزنی رفت۔ ایں فتوحات بہ تاریخ دہم رمضان ۹۵۲ھ واقع شدہ۔ ایں مصرعہ تاریخ آں فتح است ع۔ بے جنگ گرفت ملک کابل از وے۔ بعد ازاں ہمایوں بشہر درآمدہ دیدہ بدیدار شہزادہ محمد اکبر کہ با مادر خود در کابل بود روشن ساخت۔ عمرش درآں وقت سہ سال دُو ماہ و پنج روز بود۔ در اوائل ۹۵۳ھ چوں ہمایوں بر سر مرزا سلیمان کہ از قید رہائی یافتہ بدخشاں را متصرف شدہ بود رفت مرزا کامراں خبر یافتہ از غزنی آمدہ کابل را باز گرفت۔ چوں ایں قصہ بہ مسامع ہمایوں رسید حکومت بدخشاں بہ مرزا سلیمان دہ حکومت قندھار بہ مرزا ہندال داد و عمّ خود مرزا یادگار ناصر را کہ موجب فتنہ و فساد بود بقتل آوردہ متوجہ کابل شد و با مرزا کامراں محاربہ نمودہ باز کابل را بتاریخ ۷ ربیع الاول ۹۵۴ھ مفتوح ساخت و کامراں باز راہ فرار گرفت و تاریخ ایں فتح "کابل را گرفت" یافتند۔ بعد ازیں فتوحات نیز از کامران و عسکری تقصیرات عظیم صدور یافت و چند مرتبہ با ہمایوں جنگ ہا کردہ اند بالاخر مرزا عسکری دستگیر شد و مرزا ہندال بقتل رسید و مرزا کامراں از ہمہ مایوس شدہ پیش سلطان آدم کہکر رفت و او بدرگاہ معلّٰی فرستاد بعد ازاں مکحول شدہ رخصت مکۂ معظمہ یافت۔ ۱۲۔

نوٹ صفحہ ہٰذا۔ ۱؎ مسٹر ونسنٹ سمتھ اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ "ہمایوں کے شیعہ ہوجانے

۲؎ انگریزی تواریخ میں لشکر کی یہی تعداد لکھی ہے۔ (بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

وہاں سے وہ **قندھار** پہنچا جہاں اُس کا بھائی **عسکری** بہ ماتحتی **کامران** قابض تھا بھٹکتا بھٹکتا چوطرف مارا مارا پھرا اور آخر کار **فارس** پہنچا یہاں کے بادشاہ **طہماسپ** نے جو ایک کٹا شیعہ تھا اُسے بڑی آؤ بھگت اور تپاک سے لیا اور بڑی خاطر مدارات اور مہمان نوازی سے جو ہمایوں جیسے ذی مرتبت بادشاہ کے شایاں بھی پیش آیا لیکن اس ظاہری خاطر تواضع میں اُس کی

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ۔ و پنجاہ لعل بدخشاں برسم ارمغاں بشاہ داد و شاہ بعد از چند روز بہ کمال دل داری و خاطر جوئی سامان سلطنت ارزانی داشتہ شاہ مراد پسر خود را با دوازدہ ہزار سوار بکمک ہمراہ داد چنانچہ ہمایوں با امرائے کمکی در شروع ۹۵۲ھ متوجہ قندھار شد باید دانست وقتیکہ ہمایوں از شیر شاہ منہزم شدہ در وادی حیرانی و پریشانی سرگرداں گردید برادرش مرزا کامران از جدائی اختیار نمودہ بسمت کابل رواں شد و در آنجا سکہ و خطبہ بنام خود کردہ الواب کامرانی بر روئے روزگار کشاد و عرلی و آں حدود را بعسکری داد و خواجہ خاوند محمود را برسم رسالت پیش سلیمان مرزا کہ حاکم بدخشاں بود فرستادہ خواست کہ سکہ و خطبۂ او در بدخشاں جاری باشد۔ مرزا سلیمان فرستادہ را بے نیل مرام باز گردانید کامران ازیں معنی در تاب شد لشکر بہ بدخشاں برد۔ مرزا سلیمان تاب معاومت نداشت در آشتی زد و خطبہ و سکہ بنام او ساخت بعد ازاں مرزا کامران بہ کابل مراجعت نمود و قندھار را از مرزا ہندال گرفتہ بہ عسکری حوالہ نمود۔ بعد چندے اوقات مرزا سلیمان باز بہ علاقۂ خود متصرف گشت و کامران دوبارہ لشکر بہ آں صوب برد و بر مرزا سلیمان غالب شدہ قاسم برلاس و مرزا عبداللہ و جمعے دیگر از ہوا خواہان خود را بسرداری بلاد مذکور گذاشتہ مراجعت نمود۔ خواجہ حسین مروی تاریخ ایں سانحہ را کہ بہ ۱۷ از جمادی الثانی روز جمعہ سنہ ۹۴۸ھ رو دادہ بود "جمعہ بستم ماہ جمادی الثانی" یافتہ۔ مرزا کامران مرزا سلیمان را با پسرش مرزا ابراہیم در قید نگاہ می داشت در روزگار بغفلت می گذرانید تا آں کہ کوکبۂ اقبال ہمایوں بادشاہ ارتفاع یافت و موجب خلاصی مرزا سلیمان شد۔ چوں ہمایوں متوجہ قندھار شد و آں قلعہ را تا شش ماہ محاصرہ نمود آخر مرزا عسکری کہ از طرف مرزا کامران حکومت آں جا داشت باماں بیروں آمدہ بملازمت مشرف شد بمقتضائے کرم ذاتی قلم عفو بر جرائم او در کشیدہ بجانب کابل توجہ نمود۔ در اثنائے راہ مرزا ہندال

(بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ)

مغلیہ دور (دوبارہ)

ہمایوں دوبارہ دوم ۱۵۵۱ء

ہمایوں[۵] نگھرا اور ندرا ہوگیا۔ اُس نے اپنے بھائی کامران سے مدد مانگی مگر کچھ کامیابی کی صورت نظر نہ آئی۔ وہ خود پنجاب کو شیر شاہ کے حوالے کرکے کابل چلا گیا۔ تب ہمایوں نے سندھ کے سرداروں اور مارواڑ کے راجہ مالدیو سے استمداد کی مگر وہاں سے بھی سوکھا جواب ملا۔ اِس طرح وہ انواع و اقسام کی تکالیف اور مصائب برداشت کرتا ہوا چند ہمراہیوں کے ساتھ دشت بادیہ بے آب میں سرگرداں پھرتے پھرتے آخرکار سندھ میں امرکوٹ مقام پر پونہچا جہاں اکبر پیدا ہوا۔

[۵] سرگذشت نصیر الدین محمدؐ ہمایوں بادشاہ بعد ہزیمت یافتن از شیر شاہ۔ چوں در ۹۴۷ھ از شیر شاہ افغان ہزیمت خوردہ رو بطرف عراق نہاد و بعد از حیرانی و پریشانی تمام بعد از اقتضائے چند سال پیش بادشاہ ایران شتافت و ایں قطعہ از واردات و حالات خود بشاہ نوشت۔ قطعہ۔

خسروا ہمہ لیست تا عنقائے عالی ہمتم	قلۂ قاف قناعت را نشیمن کردہ است
روزگار سفلۂ گندم نما و جو فروش	طوطی طبع مرا قانع بارزن کردہ است
دشمنم شیر ست و عمرے پشت بر من کردہ بود	حالے از کین و عداوت روئے بامن کردہ است
التماس از شاہ آں دارم کہ بامن آں کند	آنچہ با سلماں علی در دشت ارزن کردہ است

شاہ ایں مژدہ راشنیدہ مکتوبے برکمال توقیر و استدعائے تشریف حضور ارسال داشت و ایں بیت درعنوان مکتوب ثبت نمود۔ [۵]

ہمائے اوج سعادت بدام ما افتد	اگر ترا گذرے بر مقام ما افتد

چنانچہ در ماہ ربیع الثانی ۹۵۱ھ در ابہر بادشاہ ملاقات شد۔ امرائے سرراہ خصوصاً محمد خاں حاکم ہرات دقیقۂ از لوازم خدمت و بندگی فروگزاشت نہ نمود و شاہ والا جاہ مقدم ہمایونی را ہمایوں پنداشتہ انچہ از لوازم بادشاہی و مہمانداری باشد بجا آوردہ چند روز جشن ہائے خسروانہ داشت و ہمایوں در روز جشن عالی التماس گراں بہا کہ خراج اقلیم ہا بود با دولیست

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)

کہ اُسے گرفتار کر لیا مگر ہیمو کو بنگالے کی طرف ایک اور مہم درپیش تھی اُس کو اُدھر جانا پڑا اِسی سبب سے ابراہیم بال بال بچ گیا ہیمو محمد شاہ سور کو شکست دے کے دِلّی اور آگرے پر قابض ہو گیا اور اُس نے ہمایوں کی حرب لینے کا ارادہ کیا لیکن یہاں تک نوبت نہ آنے پائی تھی کہ ہمایوں اتفاقی طور پر مر گیا اور اگر ہمایوں زندہ رہتا تو بہت ممکن تھا کہ ہیمو کامیاب ہوتا لیکن اکبر کے محافظ بیرم خاں کی دانشمندی اور دلیری کی وجہ تھی کہ باوجودیکہ اِس طرف کی فوج سے اُدھر کا لشکر بہت بڑا ہوا تھا ہیمو کو پانی پت کے میدان میں سنہ ۱۵۵۶ء میں شکست دے کر قید کر لیا۔ سکندر نے ہمایوں کے مقابلے میں سرہند پر شکست کھائی اور پہاڑوں میں جا کر پناہ لی۔ ہمایوں کی اچانک موت سے یہ مہم اکبر کے سر پڑی جو بالکل کم سن تھا۔ یہ مہم کیوں کر اور کس طرح سر ہوئی اِس کا بیان آگے آئے گا۔

اِن چند ہی مہینوں میں سور خاندان کے ایک چھوڑ چار بادشاہ یکے بعد دیگرے ہو گزرے جن میں سے بعض تو اس وقت تک زندہ تھے جن میں سنہ ۱۵۵۵ء تک برابر کشاکشی رہی۔

سُور خاندان

(۱) شیر شاہ سور سنہ ۱۵۴۰-۴۵ء
(۲) اسلام شاہ یا سلیم شاہ سور سنہ ۱۵۴۵-۵۳ء
(۳) فیروز شاہ سور سنہ ۱۵۵۳ء
(۴) محمد عادل شاہ سور سنہ ۱۵۵۳-۵۴ء
(۵) سلطان ابراہیم سور سنہ ۱۵۵۴-۵۵ء
(۶) سلطان سکندر سور سنہ ۱۵۵۵ء

تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ۔ بعد دو ماہ ہمایوں از ولایت رسیدہ و غالب آمدہ بار دیگر مالک ملک ہندوستان گردید۔ تاریخ جلوس۔

سکندر شہ برادر زادۂ شیر کہ بنشست چند مہ بر تختِ دہلی
ہمایونش ہزیمت داد در جنگ بہ نہصد شصت دو وار سال ہجری ۔۱۲
۹۶۲

شخص بڑا چلتا پُرزہ تھا۔ بادشاہ کے مزاج میں اِس درجہ دخیل تھا کہ مختار کُل اور سیاہ سفید کا مالک بن گیا۔ بادشاہ کے بہنوئی ابراہیم سور نے بغاوت کی اور دلّی اور آگرے دونوں مقامات پر قبضہ کرلیا۔ عادل شاہ میں نہ اتنا دم تھا نہ ہمت اور نہ اُس کو اپنے لایعنی مشاغل سے اتنی فرصت تھی کہ ابراہیم کا مقابلہ کرتا۔ ۵۰

بلبل چہ کرد و گُل چہ شنید و صبا چہ گفت
اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز باغباں

وہ ہر حال میں مگن تھا۔ سلطنت گئی تو گئی اُس کے پاس چند مشرقی صوبے تھے اُن کو لیئے چنار میں بے غل وغش بیٹھا رہا۔

سلطان ابراہیم سور ۱۵۵۴ع

غازی خاں کا بیٹا اور محمد عادل شاہ کا بہنوئی تھا۔ اِس نے امرا اور وزراے محمد شاہی کو ہموار کرلیا اور ۲ر جمادی الاولی ۹۶۲ھ کو جیسے جھٹ پٹ تخت پر بیٹھا ویسے ہی صرف دو مہینے تین دن کے بعد اس کو احمد خاں محمد شاہ کے بھانجے نے جو آگے چل کر سکندر شاہ ہوا، آگرے کے قریب فرح ۵۱ مقام پر شکست دے کر دہلی پر قابض ہوگیا اور معزول کر دیا ابراہیم کو اڑیسہ کے حاکم نے ۹۷۵ھ ۱۵۶۷ع میں قتل کرڈالا۔

سکندر شاہ سور ۱۵۵۴ع

اگرچہ لڑائی بھڑائی میں یہ کامیاب ہوا لیکن اس بے چارے کی تقدیر میں بادشاہت نہ تھی کیوں کہ ہمایوں نے پھر ہندوستان کا رخ کیا۔ ابراہیم شکست کھا کر محمد شاہ کے علاقہ میں بھاگ گیا لیکن وہاں ہیمو نے اُسے شکست دی اور قریب تھا

تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ۔ ہیم راج کا مخفف ہے۔

نوٹ صفحۂ ہذا۔ ۵۰ تاریخ جلوس:-

گشت چون تخت منور ز تنِ ابراہیم
رفت بر دوست دلاسا و بہ دشمن توبیخ

سالِ تاریخ جلوسش زخرد می جستم
"رونق کالبد سلطنت" آمد تاریخ
۹۶۲

۵۱ آگرے سے (۱۹) میل دلّی کی طرف ہے۔ ۱۲

۵۲ برادر زادہ شیر شاہ بود در سنہ ۹۶۲ھ بر سلطان ابراہیم غالب آمدہ بر تخت دہلی نشست

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)

محمدؐ عادل شاہ سُور
۹۶۰ھ-۱۵۵۳ء

اس بادشاہ کو تخت پر بیٹھتے ہوئے دیر نہ ہوئی تھی کہ اُس نے پاؤں نکالے۔ اُس کے اطوار اور کردار سے ظاہر ہوگیا کہ اُس میں سلطنت کرنے کی مطلق قابلیت نہ تھی۔ یہ شخص سخت آوارہ۔ شراب خوار اور چھچھورا تھا۔ یہ ایسے خوشامدیوں کے پھندے میں پھنسا ہوا تھا۔ بادشاہت کا ملنا کیا تھا کہ ادنیٰ ادنیٰ آمیوں کو اعلیٰ اعلیٰ مراتب پر پہنچا دیا۔ اس کی عادتیں بہت ناشائستہ اور خراب تھیں کہ لوگوں کو سونے کے تیروں سے مروا کر تماشہ دیکھتا تھا اور خوش ہوتا تھا۔ بادشاہ سلامت نے مالِ مفت دلِ بے رحم وہ اللّے تللّے اُڑائے کہ تھوڑے ہی دنوں میں خزانے میں جھاڑو پھیر دی۔ اب مشکل یہ آن پڑی کہ یہ خرمستیاں کیسے چلیں۔ لامحالہ پرائی دھن دولت پر نگاہ دوڑائی پڑی اور امرا کی باری آئی۔ ایسے عیش و آرام کی مجلس میں مصاحبوں کی کیا کمی اور پھر بادشاہ وقت کی ہم نشینی۔ سبحان اللہ ایسا وقت کسے نصیب ہوتا ہے۔ من جملہ اور اخوان الشیاطین کے **ہیموں بقال** کا نام یاد رکھئے تھا تو یہ ایک ادنیٰ میواتی **بنیا ریواڑی** کا رہنے والا مگر بادشاہ کی عقلِ کُل تھا بنئے کو دیکھو اور وزارت۔ تخت کی رسائی اور خدا کی قدرت اسے

ــــــــــــ

سلہ مبارز خاں کہ نام پدرش نظام سُور کہ برادر شیر شاہ بود بعد کشتن فیروز شاہ کہ خواہر زادۂ او بود تخت نشین شد۔ تاریخ جلوس۔

کہ شدہ در رہ ستم سالک	عابر مملکت مبارز خاں
گشت بر ملک و دولتش مالک	تخت فیروز خاں گرفت بظلم
بادشہ شد مبارز مہلک	سال تاریخ دولتش گفتم

ابراہیم خاں بن عم شیر شاہ در سنہ ۹۶۲ھ بسبب بے انتظامی ملک وسعے خودی بادشاہ لشکر فراہم آوردہ دہلی را متصرف شدہ عادل شاہ طاقت معاومت در خود ندیدہ بطرف چنار رفتہ بنا کامی بود تا آں کہ در سنہ ۹۶۳ھ در منگیر در معرکہ کہ با بہادر شاہ بادشاہ بنگالہ روداده بود کشتہ شد مدت حکومت او در دہلی یازدہ ماہ بود۔ ۱۲

سلہ ہیموں کا مفصل ذکر اکبر بادشاہ کے بیان میں آئے گا۔ ہیموں غالباً ہیم چند یا

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

سلطنت کرنے کے بعد انتقال کیا۔ علاوہ دوسری عمارتوں کے اِس نے اپنے باپ کی بنوائی ہوئی سرایوں کے بیچ بیچ میں ایک ایک سرا اور بنوادی اور اِس طرح بمصداق الولدسِرّ لابیہ اِس نے بھی فیض رسانی عامۂ خلایق اور فلاح و بہبودی رعایا میں حصہ لیا۔ یہ شخص وجیہ۔ خوش رو۔ قدآور اور ذہین بھی تھا۔ علم دوست اور علماء کا قدر شناس تھا۔ افسوس ہی کہ اِس کی سلطنت کی ساری مدّت لڑائیوں اور جھگڑوں میں ہی کٹی اگر اسے چین سے بیٹھنا نصیب ہوتا تو اُس کے ہاتھ سے بہت سارے اچھے کام ہوتے۔ مگر بدقسمتی سے اِس کو زمانہ ہی ایسا متلاطم ملا کہ اُسے اظہار قابلیت کا موقع ہی نہیں ملا۔ اِس نے اپنے باپ کی عمدہ عادتوں کا ایک بڑا حصہ وراثۃً پایا تھا۔ لیکن، سخت گیر بہت تھا اور باپ کی طرح خوش اسلوبی سے بادشاہت نہ کرسکا۔ اِس کے زمانے میں جیساکہ کم زور بادشاہوں کے عہد میں ہوا کرتا ہی سازشوں کا بازار بہت گرم رہا۔

فیروزشاہ سُور سنہ ۱۵۵۴ع

سلیم شاہ کے بعد اُس کی وصیت کے موافق اُس کے لڑکے **فیروزخاں** کو جو صرف بارہ سال کا تھا قلعۂ گوالیار میں تخت پہ بٹھلایا لیکن وہ لڑکا بے چارہ صرف تین دن ہی برائے نام تخت پر بیٹھا تھا کہ اُس کے ماموں **مبارز خاں** نے ۲۹ جمادی الاولی سنہ ۹۶۱ھ کو قتل کرڈالا اور خود **محمد عادل شاہ** کے لقب سے تخت پر بیٹھا۔

ل تاریخ جلوس:۔

چوں شہ فیروز خانِ باشکوہ — کش غلامی دربود اجلال ہا
یافت تخت سلطنت جائے پدر — کرد زیر چتر استقلال ہا
سال تاریخش چنیں کردم رقم — بادشاہی یافت او اقبالہا
۹۶۱

تاریخ قتل:۔

شہ دولت افروز فیروز خاں — کہ می کرد ملک ستم را خراب
ز سال اجل ناگہاں شد رواں — بہ بنیاد معمورۂ عمرش آب
چنیں گفت سال وفاتش خرد — جواں مرگ شد شاہ ہیہات آب
۹۶۱

اس کی سرکوبی کی اس نے بھی آگرے ہی میں دارالسلطنت رکھی مگر چند روز کے لیئے وہ سنہ ۱۵۴۶ء میں دلی آیا تھا اور سلیم گڈھ کا قلعہ بنوانا شروع کیا۔ جسے نور گڈھ بھی کہتے ہیں اور پرانے قلعہ کی فصیل بھی چونے گچی کی بنوائی۔ سنہ ۱۵۵۱ء میں اس نے پنجاب پر لشکر کشی کی اور وہاں سے پلٹ کر دلی آیا ہی تھا کہ اُسے خبر ملی کہ ہمایوں اپنی سلطنت کی بازیافت کے لیئے بڑھا چلا آرہا ہے۔ اسلام شاہ ہمایوں کے مقابلے کے لیئے فوراً چل پڑا اُس نے اِس بات کا بھی انتظار نہ کیا کہ سامان تو درست ہو جائے حتٰی کہ توپیں کھینچنے کے لیئے کافی بیل نہ تھے تو ایک ایک ہزار آدمی توپ کھینچتے تھے۔ پھر اس زمانے میں سڑکیں پختہ نہ تھیں نہ ندی نالوں پر پل تھے بہرحال دقت اور دشواری بہت پیش آئی۔ لیکن ہمایوں سے مڈبھیڑ کی نوبت نہیں آئی وہ آتے آتے خودبخود پلٹ گیا اور اسلام شاہ جو لاہور چلا گیا تھا آگرے واپس آگیا اور آگرے سے گوالیار چلا گیا کیوں کہ گوالیار اُسے دلی اور آگرہ دونوں سے زیادہ پسند تھا اسلام شاہ نے سنہ ۱۵۵۳ء میں نو سال

سلیم شاہ

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ۔ کہ در یکے اعضائے سفلی او بہم رسیدہ بود رحلت ہستی بربست و بعضے دیگر نوشتہ دیدم کہ بتاریخ ۲۲ جمادی الاولیٰ سنہ ۹۶۱ھ از شدت وجع دملے کہ بر مقعد او بر آمدہ بود درگذشت تاریخ وفات "سلیم شاہ گوالیار مرد" است و
۹۶۱
تاریخ دیگر این است ۔

سلطان سلیم شاہ کہ از حسن عاقبت — آرام زیر سایۂ عرش خدا ئے یافت
بودم بفکر سال وفاتش کہ ناگہاں — ہاتف بزد نوا کہ "بجنات جائے یافت"

اگرچہ سلیم در گوالیار وفات کرد اما در سہسرام بہ پہلوئے پدر خود آسودہ است۔ ۱۲
۹۶۱

نوٹ صفحہ ہذا۔ آگرے سے گوالیار براہ ریل (۷۲) میل ہے۔ ۱۲

تھا لیکن چوں کہ اُسے مالوہ اور دوسرے مقامات فتح کرنا مقدم تھا اور موت نے مہلت نہ دی اِس سبب سے یہ کام وہ پورا نہ کرسکا۔

اسلام شاہ یا سلیم شاہ سور ۱۵۴۵ء-۱۵۵۳ء

شیر شاہ کے انتقال کے وقت اُس کا بڑا بیٹا عادل خاں کہیں دور تھا اِس لیئے دوسرا بیٹا جلال خاں، اسلام شاہ[1] کے لقب سے تخت پر بیٹھ گیا۔ اول تو یہ کہتا رہا کہ میں نے صرف بڑے بھائی کی واپسی تک تخت سنبھال لیا ہی لیکن بڑا بھائی اِس سے ڈرتا تھا وہ ایک ریاست لے کر الگ بیٹھ گیا۔ اور تخت و تاج کے دعوے سے درگزرا۔ سلیم نے اُس کے مروا ڈالنے کی کوشش کی وہ اپنی جان کے خوف سے بہار کی طرف بھاگا اور پھر نہ معلوم ہوا کہ اُس کا حشر کیا ہوا اور کہاں گیا۔ کئی امرا نے بغاوت کی مگر سلیم شاہ نے

[1] پسر خورد شیر شاہ است پسر کلانش کی ولی عہد بود در قلعۂ رنتھنبور اقطاع داشت و جلال خاں پسر خورد نزدیک بود چوں امرا دیدند کہ آمدن عادل خاں بزود ... نمی شود جلال خاں را طلب داشتہ بتاریخ ۷ ربیع الاول ۹۵۲ھ در کالنجر بر سریر ... نشانیدند و مخاطب بہ اسلام شاہ نمودند امّا میان مردم سلیم شاہ اشتہار یافت بعد ازیں درمیان ہر دو برادران جنگ واقع شد و عادل خاں ہزیمت یافتہ از جنگ گاہ بیرون رفت و دیگر کس ازو نشان نہ داد چوں خاطر سلیم شاہ از طرف برادر مطمئن شد سامان جلوس مہیا ساختہ بہ آئین شائستہ در ۹۵۳ھ بر تخت ... جلوس نمود۔ تاریخ۔

سلطان سلیم شاہ با فرّ و شکوہ ۔۔۔ کز عدلش ظلم در عدم محبوس است
بنشست بہ تخت و زراہِ انصافش ۔۔۔ در ملکش ظلم ز آمدن مایوس است
تاریخ جلوسِ سعد او از سرِ ہوش ۔۔۔ سامان جلوس میمنت مانوس است

اکثرے از ممالک ہندوستان در تحت تصرف خود داشتہ در اکبر نامہ مرقوم است کہ او بتاریخ ۲۲ ذی قعدہ ۹۶۰ھ فوت شد و مدت حکومت او ۸ سال ۲ ماہ ۸ یوم بودہ و در تواریخ فرشتہ مرقوم است کہ او در اوائل ۹۶۰ھ وفات یافتہ و مدت ... او نہ سال بود و در مرآت جہاں نما مرقوم است کہ او بتاریخ دوم ذی قعدہ ۹۶۰ھ بہ سبب سمیت قرحہ

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

کو بلا تعرض لے جا سکتے ہو۔ میں نہ مانع و مزاحم ہوں گا نہ تمھارے لوگوں کو کسی قسم کی ایذا یا تکلیف دوں گا۔ راجپوت اِس بھروسے پر قلعہ سے چپ چاپ نکل کھڑے ہوئے لیکن شیر شاہ اپنی مصلحت کے سامنے اپنے قول قرار کی کچھ پروا نہ کرتا تھا۔ سارے راجپوتوں کو قتل کروا دیا۔ اُس کا قول تھا کہ دشمن کے ساتھ پابندی قول و قرار کچھ ضرور نہیں جیسا موقع ہو کام کرنا چاہیئے۔ اِس واقعہ کے دوسرے برس شیر شاہ **بندیل کھنڈ** میں **کالنجر** کے قلعے کا محاصرہ کر رہا تھا کہ ہی ۱۵۴۵ء میں ایک فصیل کے اُڑنے سے ہلاک ہوا **سہسرام** علاقہ بنگال میں دفن ہوا۔ شیر شاہ افغانوں کی طرح ایک لٹیرے گروہ کا صرف ایک معمولی سردار نہ تھا بلکہ وہ حکمرانی اور کارفرمائی کا پورا مادہ رکھتا تھا۔ اُس نے انسداد جرائم۔ لوٹ مار۔ قطاع الطریقی کا بہترین انتظام کرکے امن عامہ قائم کردیا تھا اُس نے ہر اک گاؤں کے لوگوں کو اپنی اپنی حدود کے اندر حفظ امن کا ذمہ وار گردانا تھا۔ اِس میں بھی شک نہیں کہ سزا دینے میں وہ بڑا کڑا تھا اور بالکل وحشیانہ طریقے پر سخت ترین سزائیں دیتا تھا۔ اُس کے نزدیک کوئی شخص محض اپنی وجاہت یا علو مرتبت کے سبب سے کسی رعایت مراعات کا مستحق نہ تھا اُس کا انصاف غریب اور امیر کے لیئے بالکل یکساں تھا۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ کسی غریب سے غریب کسان کی کھیتی کو پامال کر سکے۔ اُس زمانے میں سکّے کی حالت نہایت ابتر تھی شیر شاہ نے اِس کی بھی کمایئبغی اصلاح کی۔ اُس نے کثرت سے چاندی کے خوشنما روپیئے ڈھلوائے جو یکسانیت کے علاوہ خالص بھی تھے۔ شیر شاہ نے بہت سی مشہور عمارتیں مثل **مسجد قلعۂ کہنہ** اور **شیر منڈل** وغیرہ کے بنوائیں لیکن اُن سب میں اُس کا اپنا مقبرہ جو سہسرام میں ہے ہندوستان کی یادگاری عمارتوں میں ایک نے نظیر اور لاجواب عمارت ہے۔ شیر شاہ کی دار السلطنت بھی آگرہ ہی رہا۔ اُس نے **فیروز آباد** کے گرد ایک فصیل کھنچوانی شروع کی تھی جس میں اُس نے ہمایوں کے قلعۂ کہنہ کو بھی لے لیا

رعایا دونوں کا فائدہ تھا وہ ہر ایک کام کو خود دیکھتا بھالتا تھا۔ گو وہ ایک بڑی بھاری سلطنت کا بادشاہ ذی جاہ تھا۔ مگر کبھی بے کار نہیں بیٹھتا تھا۔ اور سلطنت کے کاروبار میں ہر وقت لگا رہتا تھا جس طرح کوئی غریب مزدور اپنی روزی کمانے میں ہاتھ پاؤں سے اڑا رہتا ہی اسی طرح یہ بھی گتھا رہتا تھا۔ سید القوم خادمہم کا صحیح مصداق تھا۔ س

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد ہر کہ خود را دید او محروم شد

خود منہمک کار رہنے کے سوا اِسی طرح اپنے ماتحتوں سے بھی رگڑ کر کام لیتا تھا۔ اِس سے پہلے کسی افغان بادشاہ نے اِس خوش اسلوبی اور نیک نامی سے سلطنت نہیں کی۔ وہ جانتا تھا کہ رعایا کی پرورش کرنا اور اُن کی حفاظت کرنا بادشاہ کا سب سے بڑا فرض ہی۔ اِس کا سلوک ہندوؤں سے بھی اچھا تھا اور بہت سے ہندو بڑے بڑے عہدوں پر مامور اور امور سلطنت میں دخیل تھے۔ جن میں سے ایک **لوڈرمل** تھا جو صیغۂ مال کا وزیر تھا۔ شیر شاہ سپاہ کی تنخواہ اکثر اپنے سامنے بٹوایا کرتا تھا اِس خیال سے کہ کہیں کسی کی تنخواہ ماری نہ جائے۔ بنگالے سے پنجاب تک اور آگرے سے مالوے تک دُھرا دُھر سڑک کے برابر برابر دس دس کوس پر **کاروان** سرائیں بنوادی تھیں جہاں مسافروں کو مفت کھانا ملتا تھا۔ خطوط پونہچانے کے لیئے سڑکوں پر گھوڑوں کی ڈاک بٹھادی تھی۔ سڑکوں پر دو طرفہ پھل دار درخت لگوا دیئے تھے اور کوس کوس بھر پر مسافروں کے آرام و آسایش کے لیئے کنوئیں کھدوا دیئے اور صحیح صحیح فاصلہ معلوم ہونے کے لیئے **کوس منار** بھی بنوائے تھے جن میں سے بہت سے باوجودیکہ پرانی سڑک جُت جُتا کر اب کھیتوں میں مل گئی ہی موجود ہیں۔ شیر شاہ کو بنگال میں ایک بلوے کو فرو کرنا پڑا علاوہ ازیں اُس نے **مالوہ** اور **مارواڑ** کو فتح کیا۔ مارواڑ میں رائے سین کے **راجپوتوں** نے بڑا ظلم و ستم ڈھا رکھا تھا۔ شیر شاہ نے یہاں کے راجہ **پورن مل** سے وعدہ کر لیا تھا کہ اگر تم میری اطاعت قبول کر لوگے تو تم قلعہ سے اپنا مال و اسباب بال بچوں

میں قابض ہو گئی۔ بادشاہ ہونے کے بعد شیر شاہ نے بڑی خوبی اور دانائی سے سلطنت کی۔ اُس نے دیکھا کہ اگلے مسلمان بادشاہ اپنی شان و شوکت کے زعم میں جزئیات کی طرف کم متوجہ ہوتے تھے۔ ان لوگوں کے کام کا دار و مدار وزرا اور مشیروں پر تھا۔ اور خود آنکھیں بند کر لیتے تھے۔ شروع شروع تو خیر یہ لوگ بھی کچھ کام میں دلچسپی لیتے تھے مگر آگے چل کر ڈھیل ڈال دیتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ سارا کاروبار ادنیٰ درجے کے ملازمین کے ہاتھ میں جا پڑتا تھا اور ایسی حالت میں بدنظمی اور ابتری ایک لازمی بات ہے۔ خلاصہ یہ کہ شیر شاہ نے اپنی دانشمندی۔ جواں مردی اور حکمت عملی سے ہمایوں پر فتح پائی اور سور خاندان کی بنا ڈالی۔ شیر خاں محض اپنے قوت بازو۔ مستعدی اور قابلیت کی بدولت بادشاہت کے بلند مرتبے پر پونہچا۔ جب وہ بہار کا حاکم تھا جب ہی اُس کے حسن انتظام کی دھاک بیٹھ گئی تھی۔ یہی شخص ہے جس نے پہلے پہل بندوبست **مالگزاری اراضی** کا طریقہ جاری کیا جو آگے چل کر اکبر کے عہد میں اور زیادہ باقاعدہ ہو گیا اور جس کی باقیات الصالحات کی جھلک اب تک بھی برٹش گورنمنٹ کے **نظم و نسق** بندوبست میں موجود پائی جاتی ہے۔ شیر شاہ دل سے رعایا پرور اور رعایا کا بہی خواہ تھا اور وہ عہدہ داروں کے انواع و اقسام کے مظالم۔ رشوت ستانی اور زیادہ ستانی کا سختی سے انسداد کرتا تھا۔ اس کی بادشاہت کے زمانے میں زمین کی **پیمائش** کر کے **جمع مشخص** کی گئی رعایا کو اختیار دیا گیا کہ ادائی زر مالگزاری میں خواہ غلہ دیں جسے **بٹائی** کہتے ہیں یا نقد۔ ہمایوں کی طرف سے جب اُسے اطمینان حاصل ہوا تو سب سے پہلے اُس نے یہی طریقہ جاری کیا جو ایک بڑا اہم کام تھا جس میں سرکار اور

شیر شاہ

تکملہ نوٹ صفحہ ۲۵۷۔ جو اور بڑھی تو پیچھے کے ساتھ کاشا اور کاٹنے کے ساتھ چھری دو دو ہتھیار رکھے کہ ہاتھی کی ... [illegible]

ال چلا۔ رہتاس کے راجہ سے کہا کہ میں اپنے بال بچوں کو اور خزانہ کسی محفوظ جگہ رکھنا چاہتا ہوں۔ اگر میں ہمایوں کے مقابلہ میں مارا گیا تو سارے کا سارا خزانہ تم لے لینا۔ راجہ پھسل گیا۔ شیر خاں نے ہزاروں ڈولے طیار کرائے۔ آگے کے دو تین ڈولوں میں تو عورتوں کو بٹھلا دیا اور باقی سب میں ایک ایک مسلح افغان جب ڈولے قلعے میں پہنچے تو راجہ نے احتیاطاً دو تین ڈولوں کے پردے اُٹھا اُٹھا کر دیکھے اُن میں تو عورتیں تھیں ہی۔ شیر خاں کے لوگ راجہ سے متعرض ہوئے کہ بھلا یہ بھی کوئی بات ہے کہ آپ ہماری بیگمات کی پردہ دری کرتے ہیں یہ تو ہمارے مالک کی بڑی ہتک کی بات ہے۔ راجہ اپنی حرکت پر پشیمان ہوا اور جھجک گیا۔ فوراً ہاتھ روک لیا کہ بات معقول تھی۔ غرض یہ کہ سارے ڈولے بلا مزید دست اندازی کے گزر گئے جب ایک ایک کرکے سب ڈولے قلعے کے اندر پہنچ گئے تو افغان سپاہی ایک دم ڈولوں میں سے کود پڑے اور قلعہ کے دروازے چوپٹ کھول دیئے۔ اب کیا تھا شیر شاہ کی ساری فوج اندر گھس آئی اور قلعے پر آناً فاناً

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ۔ چوں وی آئینہ دیدے گفتے کہ حیف! در وقت پیری و نماز شام سلطنت بہ من رسید وگرنہ اہل عالم می دیدند کہ چہا می کردم۔ مدت سلطنت او از روز ہزیمت ہمایوں بادشاہ در قنوج۔ پنج سال و دو ماہ است و مقبرۂ او در سہسرام است بعد از وی پسرش سلیم شاہ بر سریر سلطنت ہند نشست۔ در بعضے تواریخ کہ شیر شاہ در سال ۹۵۳ھ فوت کردہ اما از تاریخیکہ بر کھاری باؤلی در دہلی منقوش است صاف ظاہر است کہ او در ۹۵۲ھ فوت کردہ۔

نوٹ متعلق صفحہ ۲۵۰۔ فی الواقع ہی بھی یہی بات سپاہی منش لوگ چمچے کے محتاج کب ہیں۔ خدا نے جو پانچ انگلیوں کا قدرتی چمچہ دیا ہے وہ اس چمچے سے کہیں بہتر ہے نقل ہے کہ ایک پٹھان صاحب نے بازار سے کچھ جامنیں خریدیں اتفاق سے اُس میں ایک بھونرا بھی آگیا۔ جامن اور بھونرا ہم شکل ہوتا ہی خان صاحب جب کھانے لگے تو دیکھا کہ وہ بھنبھنانے لگا۔ خان صاحب کو جو طیش آیا تو بولے "رے بھائی! تو چیں کرے یا میں کرے ہم نے پیسہ دیا ہے ہم ضرور کھائے گا" اور جامنوں کے ساتھ بھونرے کو بھی چٹ کر گئے پس یہ لوگ تکلفات اور آرام طلبی کی باتیں کیا جانیں۔ اب تہذیب

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

میں یہ دربار میں حاضر ہوا تھا تو یہ بھی ایک ممتاز عہدے پر مامور کیا گیا اور اس کی بھی ذات جاگیر تھی ایک دن خاصہ پر یہ بھی حاضر تھا۔ کچھ کھانا آیا جو چھچے سے کھایا جاتا ہے۔ یہ پٹھان بھائی لٹھ۔ چمچہ وچمچہ کیا جانیں۔ میاں سے تلوار نکال اُس چیز کے چھوٹے چھوٹے قتلے کرنے لگے۔ لوگ جو دسترخوان پر تھے ہنسنے لگے مگر خاں نے کسی کے ہنسنے کی ذرا بھی پروا نہ کی اور رکابی صاف کر گئے بابر بڑا زیرک بادشاہ تھا اُس نے دیکھا کہ یہ اوجھڑ پٹھان دربار کے ادب قاعدوں سے نابلد ہے اور دسترخوان پر تلوار سے کام لے رہا ہے تو امراء کی طرف مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ ”دیکھتے کیا ہو۔ اجی یہ پٹھان ہیں پٹھان تلوار ان کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ تلوار ہی کی چھاؤں میں انھوں نے ستو بنایا ہے اور تم دیکھ لینا اسی تلوار کے بل پر یہ شخص ایک نہ ایک دن کسی بڑے مرتبے پر پہنچے گا“ جب ہمایوں نے شیر شاہ پر چڑھائی کی اور چنار گڈھ لے لیا تو شیر شاہ نے بہار میں **رہتاس گڈھ** پر قبضہ کر لیا جو چنار گڈھ سے بھی زیادہ مضبوط قلعہ تھا۔ قلعۂ رہتاس پر قبضہ کرنے میں شیر شاہ بڑی گہری

بقیہ نوٹ صفحۂ گزشتہ۔ شیخ عبدالحی کہ حاضر بود نی العود ایں مصرع بدیہہ گفت ع۔ تولیست مصطفیٰ را الاجبری العیدی در ایامیکہ شیر شاہ قلعۂ کالنجر را محاصرہ نمودہ می جنگید اتفاقاً در باروت آتش گرفت و شیر شاہ با اکثرے از امرا سوختہ شد اما ہم دراں روز فتح کالنجر یافتند و راجہ را کہ کیرت سنگھ نام داشت اسیر کردہ پیش شیر شاہ آوردند چوں مژدۂ فتح بہ شیر شاہ رسید گفت الحمد للہ و جاں بحق تسلیم نمود ایں واقعہ بتاریخ ۱۲ ربیع الاول سنہ ۹۵۲ھ بوقوع آمدہ و تاریخ ایں عزیزی در الفاظ ”ز آتش مُرد“ یافتہ چنانچہ دریں رباعی مفہوم گردیدہ رباعی:۔

شیر شاہے کہ از مہابت او | شیر و بُز آب را بہم می خورد
چوں برفت از جہاں بدار لقا | گشت تاریخ او ”ز آتش مُرد“ ۹۵۲

شیر شاہ از بنگالہ وسنار گاؤں تا آب سندھ کہ مسافت یک ہزار و پانصد کروہ است در ہر کروہ سرائے ساختہ و چاہ و مسجد از سنگ و خشت پختہ بنا کردہ و بسے شہرہا نام خود مثل شیر گڈھ کہ در چہار کروہے از قنوج است و شیر کوٹ آباداں نمودہ۔ گویند کہ

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

کہلاتے ہیں۔ اس کا اصلی نام **فرید خاں** تھا۔ اس کا دادا **ابراہیم خاں** کسی فوجی عہدے کی تلاش میں **بہلول خاں لودھی** کے زمانے میں ہندوستان آیا تھا۔ اس کا باپ جونپور کے بادشاہ سلطان سکندر کی سرکار میں جمعدار ہوا اور اُس کی بہار میں **سہسرام** اور **خواص پور** جاگیر تھی۔ فرید خاں ایک روز بادشاہ کے ساتھ شکار کھیل رہا تھا کہ اُس نے شیر کو تلوار کی ایک ضرب سے دو ٹکڑے کر دیئے۔ بادشاہ نے اُسی وقت اُسے **شیر خاں** کا خطاب دیا اور جب مساعدت بخت سے یہ دلی کا بادشاہ ہوا تو اُس نے **شیر شاہ** کا خطاب لیا۔ اس میں شک نہیں کہ یہ خطاب اُس کو سجتا بھی تھا اور اسم بامسمیٰ تھا وہ شیر کی طرح جری اور پھُرتیلا تھا۔ دل ایسا سخت تھا کہ دشمن پر ترس کھانا تو جانتا ہی نہ تھا اور موقع آن پڑتا تو عہد شکنی کی بھی پروانہ کرتا۔ بابر کی بادشاہت کے زمانے

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ۔ قنوج بہ او محاربہ نمودہ ہزیمت دادہ ملک ہندوستان را بہ تصرف خود آوردہ و بتاریخ ۲۰ر شوال ۹۴۸ھ بر تخت سلطنت جلوس نمود۔ تاریخ جلوس این ست:۔

شاہنشہ شیر شاہ گردوں رفعت — کش ہست نسب رفیع و عالی دودہ

بہ نشست بہ بست و ہفت شوال بتخت — شاہان جہاں بپائے او سر سودہ

تاریخ جلوس گفت ہاتف ازغیب — زیب اورنگ سلطنت افزودہ

شیر شاہ بعد از فتح یافتن بر ہمایوں در ۹۴۸ھ بہ فاصلۂ شصت کروہ تخمیناً از شہر لاہور برلب دریائے جہلم قلعۂ سنگین درکمال رفعت و استواری تعمیر ساختہ کہ تا امروز موجود است و نام آں قلعۂ "رہتاس خورد" نہادہ و این قلعہ بہ اہتمام جلال خاں کہ پسر خورد شیر شاہ بود انجام یافتہ چنانچہ این تاریخ بر دروازۂ آں قلعہ مرقوم است:۔

زہجرت گذشتہ تواریخ سال — بہ نہصد چہل ہشت آمد جلال

بنا کردہ این قلعہ سنگیں حصار — شہنشاہ شیر است عالم شعار

نقل است کہ چوں ملّو خاں حاکم مالوہ در مہمے از شیر شاہ منہزم شدہ بدست او فتاد و بعد از چندے از و بگریخت شیر شاہ این مصرع خواند ع با ما چہ کرد دیدی ملّوے خان گیدی

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)

سے سلوک ہی کرتا رہا اور ہمیشہ اُس کی خطاؤں سے درگزر کی۔ ہمایوں بار بار کامراں سے بمنت و الحاح کہتا تھا کہ تو میرا قوت بازو ہی میرا ساتھ دے۔ مگر اُس نے کبھی ایک نہ سُنی۔ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ اکبر کامراں کے ہاتھ آیا تھا۔ ہمایوں کابل کا محاصرہ کیئے پڑا تھا۔ ظالم چچا نے اپنے ننھے سے بھتیجے کو تیروں کی بوچھاڑ میں کابل کی فصیل پر ڈلوا دیا لیکن جسے اللہ رکھے اُسے کون چکھے اُس کا ایک بال بھی بیکا نہ ہوا۔ ہمایوں نے تاڑ لیا کہ جب تک کامراں کا قرار واقعی علاج نہ ہوگا اکبر کی جان کی خیر نہیں۔ کابل فتح ہوگیا۔ کامراں کی احسان فراموشی سے ہمایوں کا دل پک گیا تھا۔ بادل ناخواستہ حکم دیا کہ اِس کو مکحول کردیا جائے۔ نابینا کامراں جب بھائی کے سامنے ٹٹولتا ہوا آیا تو اُس نے سر دربار حاضرین کو مخاطب کرکے کہا کہ "سنو صاحبو! مجھ پر میرے بھائی ہمایوں نے کچھ ظلم نہیں کیا۔ جو سزا مجھے دی گئی ہی درحقیقت میں اِس سے زیادہ کا سزاوار تھا"۔ ہندال لڑائی میں کام آیا۔ ہمایوں نے اِس کو بھی مروانا گوارا نہ کیا عسکری مرزا نے حج کو جاتے جاتے رستہ ہی میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ فارس میں ہمایوں کے قیام کے حالات ہم آگے چل کر لکھیں گے۔ اِس نوبت پر ہمایوں تاریخ ہند کے میدان سے پندرہ سال کے لیئے غائب ہوگیا؎ اور عرصہ مدت میں سُور خاندان کے بادشاہ حکمراں رہے اب اُن کا حال سنیئے۔

سُور خاندان

سنہ ۹ھ ـ ۱۵۴ء

شیر شاہ
سنہ ۱۵۴۵ء

شیر شاہ افغان دراصل پشاور سے آیا تھا اور پٹھانوں کے سُور فرقے کا تھا۔ یہ اور اُس کے بعد کے اور تین افغان بادشاہ خاندان سُور کے بادشاہ

؎ شیر شاہ در سنہ ۹۴۶ھ بر ہمایوں بادشاہ غالب آمدہ و بار دیگر در ماہ محرم سنہ ۹۴۷ھ در

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)

نے بھی شگونِ نیک سمجھا اور کہا کہ "جس طرح یہ مشک ہوا کو معطر کر رہا ہے میں اُمید کرتا ہوں کہ اِسی طرح یہ نو مولود بھی جب پروان چڑھے گا۔ تو بادشاہ ہو کر دنیا کو اپنی نیک نامی سے معمور کرے گا میں اِس کا نام اکبر رکھتا ہوں اور خدا نے بھی چاہا تو یہ ایک بڑا زبردست بادشاہ ہوگا۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ ہمایوں کی یہ پیشین گوئی مع شئ زاید پوری ہوئی۔ اِسی واسطے کہا کرتے ہیں کہ خدا سے اچھی دعا کرے سرع۔ مزن فالِ بد کا ورد حالِ بد۔ سندھ سے فارس جاتے جاتے ہمایوں کو **قندھار** سے گزرنا پڑا یہاں اُس کا بھائی عسکری حکمراں تھا۔ بجائے اِس کے کہ وہ بھائی کی آؤ بھگت..... اور مدد کرتا اُس نے اُلٹا ہمایوں کو گرفتار کرنا چاہا۔ ہمایوں بڑی مشکل سے اپنی بیوی حمیدہ بیگم کو ساتھ گھوڑے پر سوار ہو کر سرپٹ بھاگا۔ اکبر کو اس جلاوطنی میں کہاں کہاں لئے پھرتا۔ دو برس کی جان تھی وہ چچا کے ہاتھ آیا۔ چچا نے اپنا غصہ اِس ننھی سی جان پر اُتارا اور قید میں رکھا۔ جب ہمایوں ایران پونہچا تو وہاں کے بادشاہ **طہماسپ شاہ صفوی** نے اِس سے شاہانہ برتاؤ کیا اور بڑی خاطر مدارات کی اور چوں کہ ایرانی بالعموم شیعہ ہوتے ہیں زیادہ تر کوشش اِس بات کی کی گئی کہ کسی نہ کسی طرح اسے بھی اپنے میں ملالیں کوئی کہتا ہے کہ وہ شیعہ ہوگیا اور کوئی کہتا ہے کہ نہیں لیکن ممکن ہے کہ بہ لحاظ مصلحت وقت و لبغرض کاربراری کے اُس نے ہاں کرلی ہو مگر رہا تو وہ سُنی ہی۔ طہماسپ نے کچھ عرصہ تک ہمایوں کو اپنے دربار میں لبطور معزز مہمان کے رکھا۔ جب ہمایوں نے اپنا قصد ظاہر کیا تو اُس کے ساتھ بارہ ہزار جرار ایرانی ساتھ کئے۔ ہمایوں اِس سپاہ کو لے کر افغانستان پونہچا اور وہاں جاکر اپنے جگر گوشہ اکبر کو ظالم چچا کے پنجہ سے چھوڑایا۔ دس برس تک ان بھائیوں سے لڑتا رہا۔ کئی مرتبہ وہ اس کے پنجے میں آئے اور ہمایوں کے مصاحبین اور امرا نے مشورہ اُن کے قتل کا دیا مگر ہمایوں کا دل پسیج گیا۔ یہ بُرائی پر بُرائی کرتے جاتے تھے اور وہ نیکی کن بدریا انداز پر عمل کرتا تھا۔ اُس کو باپ کا آخری حکم اور اپنا وعدہ ہر وقت یاد تھا۔ وہ بھائیوں

کچھ ٹھکانا نہ لگا تو فارس پوہچا۔ سندھ کی صحرا نوردی کے ایام میں ہمایوں نے ایک چودہ برس کی نوعمر ایرانی خاتون حمیدہ بیگم نام سے ۱۵۴۱ع میں شادی کی اِس صحرا میں ۱۵ار اکتوبر ۱۵۴۲ع کو اتوار کے دن امرکوٹ کے قلعہ میں عالم غربت وتنہائی میں وہ نامی گرامی لڑکا پیدا ہوا جو آگے چل کر جلال الدین محمد اکبر اعظم کے نام سے سب سے بڑا بادشاہ گزرا ہی ترکوں کا دستور تھا کہ جب کوئی شاہزادہ پیدا ہوتا تھا تو بادشاہ اپنی خوشی اور شادمانی میں جشن مناتا تھا اور امرا اور سرداروں کو زر وجواہر کی سرفرازی ہوتی تھی۔ غریب الوطن ہمایوں کے پاس امرکوٹ جیسے ویران مقام میں زروجواہر کہاں دھرا تھا مع جیل کے کھونسلے میں ماس کہاں؟ یہاں کھانے کے ہی لالے پڑے تھے۔ ہاں اِس کی جیب

حمیدہ بانو بیگم ہمایوں بادشاہ

میں ایک مشک نافہ کبھی کا پڑا ہوا تھا اُس کو نکال کر چیرا اور ذرا ذرا سا مشک حاضریں اور ہمراہیوں کو دیا۔ مشک کی بُو سے سارا مکان مہک اُٹھا ہمایوں

لہ یہ تاریخ ولادت ابوالفضل نے لکھی ہو اور یہی مستند کہی جاتی ہو ورنہ در اصل اکبر ۱۴ر شعبان ۹۴۹ھ میں جمعرات کے دن پیدا ہوا۔ ولادت کی اصلی تاریخ اس لیئے مخفی رکھی گئی ہو کہ کوئی کچھ جادو ٹونا نہ کر بیٹھے اور ممکن ہو کہ صحیح تاریخ کے پوشیدہ رکھنے میں اور کوئی مصلحت بھی ہو۔ ۱۲

بھاگ کھڑی ہوئی تھی کچھ لوگ جو پیچھے رہ گئے تھے اُنھیں شیر خان نے نکال باہر کیا اور جب دیکھا کہ یہاں امن و امان ہوگیا تو ہمایوں کے تعاقب میں آگرے پونہچا۔ دلی میں تو ہندال بادشاہ بنا بیٹھا ہی تھا۔ اب اُس کی بھی آنکھیں کھلیں اور سمجھا کہ اِس کی تنگ نظری اور کوتاہ اندیشی نے اپنا اور ہمایوں دونوں کا کھوج کھو دیا۔ لیکن اب کیا ہوسکتا تھا۔ ہندال تھوڑی سی فوج اپنے ساتھ لے ہمایوں کے پاس معذرت کو گیا۔ کامران بھی پنجاب سے آگیا اور وہ بھی معافی کا خواستگار ہوا۔ ہمایوں نے کہا۔ ؎

ازار از جراحت بیگانگاں رسد
مرہم منہ کہ زخم دل از آشنا رسید

اپنی دریا دلی سے دونوں کو چھاتی سے لگا لیا اور اُن کے سارے قصور معاف کردیئے اور کہا کہ "بھائی! جو کچھ تقدیر میں تھا سو ہوا۔ خیر۔ مگر اب بھی تم کو چاہیئے کہ ہم تم سب مل کر کمرہمت باندھیں اور دشمن کو مغلوب کریں"۔ کامران دو مہینے آگرے میں رہا اور پھر کابل چلا گیا اور جو تھوڑے بہت سپاہی ہمایوں کی مدد کو اپنے ساتھ لایا تھا اُن کو بھی اُکھاڑا کہ یہاں اب جان کی خیر نہیں ہے بہتر یہی ہے کہ میرے ساتھ چلے چلو اور یہ بڑھاوے چڑھاوے دیئے کہ میں تم کو بڑے بڑے عہدے دوں گا اور اُنھیں کے ساتھ ہمایوں کے بعض سرداروں اور سپہ سالاروں کو بھی بھڑ بھے دے کر لے گیا۔ اِس اثناء میں شیر خاں اپنی فوج کے ساتھ آموجود ہوا چنانچہ ۱۵۴۰ء میں **قنوج** پر ایک ایسی زبردست لڑائی ہوئی کہ پہلے ہی دھاوے میں ہمایوں کی فوج کے پیر اُکھڑ گئے۔ دس برس کی سلطنت کے بعد ہمایوں کو لاہور کی طرف بھاگنا پڑا۔ اُسے اُمید تھی کہ کامران آخر بھائی ہے ایسے وقت میں ضرور مجھے مدد دے گا لیکن وہ خود ایسا پست ہمت نکلا کہ پنجاب کو بھی شیر خاں کے حوالے کرکے کابل جا بیٹھا اور وہاں کی بادشاہت پر شاکر ہوا۔ ہندال بھی ہمایوں کو اِس عالم کسی میں چھوڑ چھاڑ چلتا بنا۔ ہمایوں بے چارہ دو برس تک مصیبت پر مصیبت جھیلتا ملک سندھ کے ریگستان میں ٹھوکریں کھاتا مارا مارا پھرا اور جب یہاں

سامان رسد بہت کچھ تباہ اور برباد ہوگیا۔ ناچار ہمایوں کو پلٹنا پڑا۔ لوٹتیوں کو آہستہ آہستہ چل کر اُس تنگ درسے پر پہنچا جہاں بنگالے سے بہار کا رستہ تھا۔ یہ درہ راج محل کی پہاڑیوں اور دریائے گنگا کے درمیاں واقع ہے۔ شیر خاں پہلے ہی سے تاک لگائے ہوئے یہاں پڑا تھا۔ اور شکار کے پھنسنے کا منتظر تھا۔ اُس نے درسے کے سامنے گہری گہری خندقیں کھود رکھی تھیں اور اُونچی اونچی دیواریں کھود کر رستہ سد کر دیا تھا علاوہ بریں افغانوں کی ایک زبردست جماعت سے ناکہ بندی کر رکھی تھی شیر خاں بخوبی جانتا تھا کہ دلی سے تو کوئی مدد آ نہیں سکتی اور اُس کی اپنی فوج بھی روز بروز کھیتی چلی جارہی تھی اس لیئے وہ میداں میں آکر ہمایوں سے لڑنا پسند نہیں کرتا تھا۔ ہمایوں اپنے بھائی ہندال اور کامراں کو مدد بھیجنے کے لیئے خط پر خط لکھتا تھا۔ اِسی اُمید اُمید میں دو مہینے کانٹوں

بقیہ نوٹ صفحۂ گزشتہ۔ دریادل" تاریخ وفات اوست اما عدد ش (۲۹) کم می شود

(۳) مرزا کامراں۔ تقصیرات عظیم ازو بظہور رسید در آخر چون دیگر برادراں او یعنی مرزا عسکری دستگیر شد و مثل مرزا ہندال بقتل رسید او میرا ز ہمہ مایوس گردید پیش سلطان آدم گکھر رفت و سلطان آدم اورا گرفتہ بدرگاہ ہمایوں بادشاہ دکابل فرستاد۔ بادشاہ بنابر حقوق اخوت حکم بخوں ریزی نکرد حسب الارادہ ازیشتر مکحول شدہ رخصت مکہ یافت۔ چنانچہ تاریخ این سانحہ در لفظ "نیشتر" یافتند و محمد مومن فرخودی این مصرعۂ تاریخ یافت۔ع۔ چشم پوشید زیاد سپہر۔ ومرزا کامراں درمکہ بعد از سہ سال تاریخ ۱۱ ذی حجہ سنہ ۹۶۴ھ بہ عالم بقا انتقال نمود و این مصرعہ در تاریخ اوست ع گوفتا مرحوم در مکہ ماند"۔ قطعۂ تاریخ نوشتن این ست۔

کامراں آنکہ بادشاہی را	کس مو دست ہیچ او در خورد
شد ز کابل بکعبۂ و ادا کا	جاں بحق داد وتن بخاک سپرد
گفت تاریخ این چنیں کاہی	بادشا کامراں بکعبہ بمرد

از مرزا کامراں یک پسر ماندہ بود ابوالقاسم مرزا در غایت فطنت و ذکا در جوانی بسال سنہ ۹۷۴ھ بحکم اکبر شاہ در قلعۂ گوالیر کہ آں جا محبوس بود بقتل رسید ع۔

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

یہ گل کھلایا کہ بجائے اِس کے کہ بھائی کو کمک دیتا دہلی کے تخت پر قابض ہو خود بادشاہ بن بیٹھا۔ آخرکار ہمایوں اپنی فوج لے کر بنگالے سے چلا۔ یہ وقت عین برسات کا تھا۔ ندی نالے چڑھے ہوئے تھے چاروں طرف پانی ہی پانی نظر آتا تھا۔ جل تھل بھر گئے تھے۔ سڑکیں ساری دلدلیں ہو گئی تھیں اُن پر سے گزرنا مشکل تھا۔ موسم بھی ردی تھا۔ ہمایوں کے لشکری اکثر تپ لرزہ میں مبتلا ہو گئے۔ حمل و نقل کے مویشی گھوڑے بیل بہت سے مر گئے

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ۔ شہادتش در خیبر کہ از توابع کابل است بتاریخ ۲۱ ذی قعدہ ۹۵۸ھ و قتیکہ تمامی قبایل افغان مہمند و خلیل بہ موافقت مرزا کامران بر عساکر ہمایوں بادشاہ شبخون آوردہ بودند روئے دادہ خور و زرگر کہ از منتسبان مرزا بود مرثیہ گفتہ کہ مطلعش این ست۔ ؎

شبے خوں جگر بر مردم چشم شب خوں زد | سپاہ دیدہ از آمد شد خوں خیمہ بیروں زد

و تاریخ ایں واقعہ حسب ذیل است:۔

ہندال محمد شہ فرخندہ لقب | ناگہ ز قضا شہید شد در دلِ شب
شبخوں بشہادتش چو کردند سبب | تاریخ شہادتش ز شبخوں بطلب
۹۵۸

و مولنا مرزا امانی بطریق تعمیہ ایں تاریخ گفتہ:۔

شاہ ہندال سرو گلشن ناز | چوں ازیں بوستانِ دولت رفت
عالمے را بیاد سروِ قدش | بر فلک دودِ آہِ حسرت رفت
گفت تاریخ قمری نالاں | سروِ از بوستان دولت رفت

بعد شہادتش اورا پس از چندگاہ بہ کابل بردہ نزدیک مرقد بادشاہ[۹] فردوس[۹] آشیانی[۹۵۸] ساختند و در ہمیں سال ہمایوں بادشاہ رضیہ بیگم دختر مرزا ہندال را بعقد مناکحت پسر خود محمد[۲] اکبر شاہ منعقد نمود۔

(۲) مرزا محمد عسکری۔ چوں تقصیرات عظیم از و بظہور می آمد بنا براں ہمایوں بادشاہ بہ جہت تسکین فتنہ و فساد اورا در کابل قید فرمودہ بودند روزے فرصت یافتہ بہ بلخ گریخت و ازاں جا متوجہ زیارت حرمین شریفین گردیدہ در وادی کہ میان شام و مکہ معظمہ است پدرود ایں جہاں نمود ایں واقعہ در سنہ ۹۶۱ھ دست دادہ۔ و عسکری بادشاہ

(بقیہ نوٹ برصفحہ آئندہ)

پر حملہ کیا جس کے سر کرنے میں چھ مہینے لگ گئے۔ شیر خاں اس وقت بنگال میں تھا۔ موقع اور مہلت ملنے سے وہ اپنی فوج اور حرم اپنے کو لے کر رہتاس واقع بنگال کے مضبوط پہاڑی قلعے میں جا بیٹھا جہاں اُسے کسی قسم کا خطرہ نہ تھا۔ شیر خاں چاہتا تھا کہ کسی طرح ہمایوں اُس کا تعاقب کرتے کرتے دور تک بنگالے کے ملک میں در آئے تو میں پھر اُس کے پیچھے فوج کا حلقہ ڈال کر اُسے اس طرح گھیر لوں کہ پھر وہ واپس نہ جا سکے۔ اسی غرض سے شیر خاں نے بنگالے کا رستہ بالکل کھلا چھوڑ دیا تھا۔ اس طرح ہمایوں کو جال میں پھانس لیا اور وہ بلا کسی قسم کی مزاحمت کے بنگالے کے میدانوں کو طے کرتا بڑھتے بڑھتے گور تک جا پہنچا جو اُس زمانے میں بنگالے کا پایہ تخت تھا۔ ہمایوں آپ تو یہاں ٹھیر گیا اور اپنے بھائی ہندال کو اور کچھ تازہ دم فوج لینے کے لیئے آگرے بھیج دیا اور خود حسب عادت معہود لہو و لعب میں ایک برس گھلا دیا۔ آقا کی دیکھا دیکھی امرا اور سردار حتی کہ فوج کے افسر بھی عیش و آرام میں ایسے پڑے کہ کسی کو بھول کر بھی اس بات کا خیال نہ آیا کہ شیر خاں ہمارے پیچھے فوج لیئے ڈٹا ہوا ہے اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے اور شیر خاں کا یہ حال تھا کہ ہر وقت چوکنا اور مستعد تھا۔ جوں ہی جاسوس نے خبر دی کہ ہمایوں اور اُس کے سارے ہمراہی لہو و لعب میں مشغول اور دنیا ما فیہا سے بے خبر خواب غفلت میں پڑے سو رہے ہیں۔ یہ سنتے ہی شیر خاں رہتاس سے نکلا اور سب سے پہلے اُس نے بہار اور بنگال کے کل ناکے اس طرح روک لیئے کہ دلی جانے کا رستہ قطعاً بند کر دیا۔ اُدھر ہندال نے

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ۔ عالی شان خوش نما اور وسیع درگاہ کسی بہت بڑے بزرگ کی ہے جنھیں ہندو اور مسلمان دونوں مانتے ہیں مرزا پور سے بنارس جاتے جاتے چند گھنٹے یہاں ٹھیر کر اس تاریخی اور دل چسپ مقام کو ایک نظر دیکھ لینا خالی از لطف نہ ہوگا۔ ۱۲

نوٹ صفحہ ہذا۔ [1] ہمایوں کے بھائیوں کا مختصر حال (۱) مرزا ہندال۔ در ۹۲۴ھ متولد شد

تاریخ تولد چنیست دانی سال تاریخ شہ فرخندہ فال کوکب برج شہنشاہی بود تاریخ سال۔
۹ ۲ ۴ (بقیہ نوٹ برصفحہ آئیندہ)

ہیں اپنے بھائی کامران کو جو کابل اور پنجاب کا حاکم تھا لکھا کہ ایسی اڑی میں کچھ فوج سے مدد دے مگر وہاں سے خلاف توقع سوکھا اور دوٹوک جواب ملا کہ۔ع۔ ان تلوں میں تیل ہی نہ تھا گویا۔ اِن وجوہ سے ہمایوں کو اپنی فوج میں زیادہ تر نئے آدمی بھرتی کرنے پڑے جو آزمودہ کار نہ تھے۔ اب ہندال اور عسکری کو ساتھ لے کر ہمایوں پورب کی طرف چلا۔ اوّل بنارس کے قریب چنار گڈھ

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ

سہ خسرو را زوال آمد بہ یک سال	کہ ہند از عدل شاں دار الاماں بود
یکے محمود شاہنشاہِ گجرات	کہ ہمچوں دولتِ خود نوجواں بود
دوم اسلیم شہ سلطان دہلی	کہ در ہندوستاں صاحبقراں بود
سوم آمد نظام شاہِ بحری	کہ در ملک دکن خسرو نشاں بود
زمن تاریخ فوت ایں ہر سہ خسرو	چو می پرسی "زوالِ خسرواں" بود

۹ ۶ ۱

نوٹ متعلقہ صفحہ ہذا سلسلہ مرزا پور اور مغل سرائے کے بیچ میں چنار کا مشہور قلعہ ہے جو اسی نام کے ریلوے اسٹیشن سے قریب دو میل کے ایک نہایت پُرفضا مقام پر واقع ہے اور دلی سے یہ مقام براہ ریل (۵۰۴) میل ہے۔ یہ قلعہ ایک پتھریلی چٹان پر بنا ہوا ہے جو دریائے گنگا پر جھکی ہوئی ہے۔ فصیل کا دور تقریباً ڈیڑھ میل کا ہے۔ موجودہ فصیل مسلمانوں کی بنائی ہوئی ہے لیکن اس میں کثرت سے اہل ہنود کے زمانے کے نقش و نگار کے پتھر دیواروں اور فرش میں لگے ہوئے ہیں جن میں بعض بعض بہت قدیم زمانے کے ہیں۔ اور بدھ لوگوں کی دستکاری کے معلوم دیتے ہیں جن میں اُسی زمانے کے گھنٹیاں اور پھول بنے ہوئے ہیں۔ یہ امر تحقیق ہے کہ اس مقام پر بکرماجیت راجہ اُجین نے ۵۶ ق۔م۔ میں ایک قلعہ بنایا تھا۔ لارڈ وارن ہیسٹنگز گورنر جنرل (۱۷۷۲ء تا ۱۷۸۵ء) کو یہ مقام بہت مرغوب تھا۔ چنانچہ اب تک بھی قلعہ کے اندر ان کے رہنے کی کوٹھی موجود ہے۔ یہ کوٹھی اب جیل خانہ کے کام میں لائی جاتی ہے [illegible] کچھ میل فوج گوروں کی رہتی ہے جو گورنمنٹ کے قیدیوں کی حفاظت کے لیے یہاں رکھے جاتے ہیں۔ قلعہ کے قریب ہی مسلمانوں کا ایک نہایت خوبصورت [illegible] ہے [illegible] بڑے بڑے رنگوں کی بنی ہوئی ہیں جن میں ایک

رخصت ہوتے ہی وہاں کے افغان پھر اُٹھ کھڑے ہوئے اور عسکری کو جو اُن کو دبا نہ سکتا تھا بے دخل کر دیا۔ مالوہ بھی اسی طرح دیکھتے ہی دیکھتے ہاتھوں سے نکل گیا۔ اب ہمایوں خواب غفلت سے بیدار ہوا کیونکہ یکے بعد دیگرے ملک ہاتھ سے نکلا چلا جا رہا تھا۔ اب یہ سوجھا کہ جو ملک اس طرح نکل گیا ہے کسی نہ کسی طرح اُسے پھر حاصل کرنا چاہیئے۔ بابر کے وقت کے بہادر سورما کچھ لڑائیوں میں کام آئے کچھ اجل طبعی میں مر کھپ گئے۔ ہمایوں نے ایسی کشمکش کی حالت

بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ آمدہ کہ صفر آغا نامی غلام سلطان محمود گجراتی کہ "خداوند خان" خطاب داشتہ در سنہ ۹۴۹ھ این قلعہ را بر ساحل دریائے عمان جہت دفع فساد فرنگیان بر تکبیر ساختہ و پیش از آنکہ قلعہ تعمیر یابد فرنگیان انواع خرابی بہ مسلمانان آن دیار می رسانیدند و دران ایام کہ خداوند خان بہ عمارت آن می پرداخت فرنگیان چند نوبت کشتی ہا سامان نمودہ بقصد جنگ آمدند اما ہیچ وقت کارے نتوانستند ساخت و چون بہ اتمام رسید چوکھنڈی بر دروازہ کہ بزعم فرنگیان مخصوص بہ پرتگال است شروع نمود۔ فرنگیان چون بہ جنگ و جدال مانع حصار نہ توانستند صلح ہائے کلی قبول نمودند کہ آن چوکھنڈی را نہ سازند اما صورت نیافت۔ غرض آن قلعہ بانی نمودہ در عہد ارتفاعش بست درعہ بارا غایت استحکام بردہ سنگ را بہ قلابہائے آہنی محکم ساختہ و سرب را گداختہ در رخنہا و درزہا ریختہ و کنگرہا در سنگ اندازہا بنوعے ساختند کہ دیدہ از دیدن خیرہ می ماند۔ سلطان محمود بعد از حکومت ہیردہ سال و دو ماہ در سیزدہم ربیع الاول سنہ ۹۶۱ھ از دست غلامے کہ برہان نام داشت شہید شد۔ نعش او را در حظیرۂ سلطان محمود بیگڑہ کہ در پائین گنبد شیخ احمد کھٹو واقع است بخاک سپردند سال وفات او از عبارت "حقیق بالشہادت" بیرون می آید و این نظم در تاریخ او از شیخ یحییٰ معمی است۔ ــه

سلطان محمود از جہان چون روئے خود برتافتہ	در جنت الماوی شدہ آن جا علم افراختہ
در جمع ودر راہ خود با زمرۂ شہدا حق	خوش بادشاہی می کند چتر شہی برافراختہ
تاریخ سال رحلتش از عقل جستم باز گو	گفتا کہ ای یحییٰ شنو سلطان شہادت یافتہ

و چون سلطان سلیم شاہ بادشاہ دہلی و سلطان برہان نظام شاہ بحری ابن سلطان احمد نظام شاہ بحری والی احمد نگر دکن ہم درین سال فوت کردہ بودند مولانا غلام علی والد مورخ فرشتہ قطعۂ ذیل در تاریخ وفات این ہر سہ بادشاہان گفتہ۔

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

نے بے پروائی ظہور میں آئی کہ اِس بے شمار خزانے کے اُٹھانے اور لٹانے جشنوں اور دعوتوں میں بہت سا عزیز وقت ضایع کیا اور اُن بڑے بڑے افغان سرداروں کی روک تھام کا کچھ خیال نہ کیا جو اُس کے مقابلے پر تلے بیٹھے تھے۔ گجرات میں اپنے بھائی عسکری کو چھوڑ کر ہمایوں مالوے پہونچا اور وہاں کے حاکم کو بدر کرکے پھر عیش و آرام میں مشغول ہوگیا۔ اِس اثنا میں دہلی سے خبر آئی کہ پورب کا کُل ملک باغی ہوگیا۔ اور افغان امرائے جونپور۔ بہار اور بنگالے کی بادشاہ بن گئے اور نوبت بہ ایں جا رسید کہ خاص آگرے کے نواح کے چھوٹے موٹے پٹھان رئیس بھی شورشیں کرنے لگے۔ یوں تو بہت سے باغی تھے مگر سب سے زبردست باغی ایک افغان صوبہ دار شیر خاں نامی تھا۔ بابر کی وفات کے بعد سے ہمایوں تو جنوب کی طرف گجرات اور مالوے میں لڑتا رہا۔ ادھر پورب میں شیر خاں کو خوب موقع ہاتھ آیا کہ وہ اپنی جگہ خوب مضبوط ہوگیا اور روز بروز زور پکڑتا گیا۔ اُس نے ایک ایک کرکے بہار کے سب قلعے لے لیئے اور پانچ برس کی لگاتار کوشش کے بعد اپنے آپ کو بہار بنگالے کا بادشاہ بنا لیا۔ اب تک ہمایوں اُس کی طرف سے بے خبر تھا۔ گجرات سے آگرے جانے کے ایک سال بعد تک بھی عیش و نشاط میں مشغول رہا اور شیر شاہ کے دبانے کی مطلق کوشش نہ کی۔ گجرات[۱] کا حال یہ ہوا کہ ہمایوں کے

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ۔ سوا سو برس سے اُجاڑ پڑا ہی۔ اب نرا جنگل ہی جنگل ہو۔ جس کے گرد محلّات مساجد۔ کنوئیں وغیرہ کے کھنڈر بکھرے پڑے ہیں۔ جو سلطان محمود کی عظمت و جبروت کا ایک ڈھانچ رہ گئے ہیں۔ ۱۲

نوٹ صفحہ ہذا۔ [۱] سلطان محمود شاہ گجراتی پسر لطیف خاں ابن سلطان مظفر شاہ است والدۂ او بنت بہرام خاں بادشاہ ولایت سندھ بود از نسل تمیم انصاری و تولد سلطان در سنہ ۹۳۲ھ وقوع یافتہ در سن یازدہ سالگی بعد از فوت سلطان بہادر گجراتی در سنہ ۹۴۳ھ بہ سلطنت گجرات رسیدہ۔ بہترین زمانہ بادشاہان گجرات سلطان محمود بود کہ ہر کس باندازۂ خویش بناز و نعمت بسر می برد۔ لہذا تاریخ ابتدائے حکومت و کامرانی او از لفظ "خوش حال" مستفاد می گردد۔ او قلعہ سورت را تعمیر نمودہ و آں قلعہ بغایت استواری است۔ در طبقات اکبری ۹۲۵

(بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ)

دور تک اُس کا پیچھا کیا جہاں سے بہادر شاہ کشتی میں سوار ہو کر جنوب کی طرف مدن دیو کو بھاگ گیا۔ یہاں اُس زمانے میں پرتگیز لوگ آباد تھے۔ بہادر شاہ نے اُن کے ہاں جا کر پناہ لی مگر تھوڑے ہی عرصے میں پرتگیزوں نے اُسے قتل کر دیا۔ اُس کے بعد ہمایوں نے چمپانیر واقع گجرات کے پہاڑی قلعے پر حملہ کیا۔ جس کا محاصرہ چار مہینے تک رہا۔ آخر ایک رات پہاڑ میں کہ مثل دیوار کے کھڑا تھا لوہے کی میخیں گاڑ تین سو بہادروں کو ساتھ لے خود اُن میخوں کے سہارے سے چڑھ کر قلعے میں داخل ہوا۔ مشہور تھا کہ اس قلعے میں کسی مقام پر بڑا بھاری خزانہ دفن ہے۔ قلعہ دار سے ہتیرا پوچھا مگر اُس نے کچھ پتہ نہ دیا ہمایوں کے بعض امرا نے یہ صلاح دی کہ اگر اس پر سختی کی جائے تو ضرور بتا دے گا مگر ہمایوں نے اس بات کو پسند نہ کیا اور کہا کہ۔ع۔ گر بگڑ سے جو مرے تو زہر کیوں دے بادشاہ نے قلعہ دار کو دعوت دی اور اُس کے ساتھ بہت دوستانہ خاطر تواضع سے پیش آیا اور خوب شراب پلائی۔ جب وہ نشے میں چور ہو گیا۔ تو اُس نے خود بخود سارا راز افشا کر دیا کہ فلاں بڑے تالاب کے شکم میں ایک تہ خانہ ہے اور اُس کے اندر خزانہ گڑا ہوا ہے۔ چنانچہ تالاب کا پانی کھچوا کر کھدوا تو واقعی جہاں قلعہ دار نے پتہ دیا تھا۔ وہیں سے خزانہ نکلا یہ سارا خزانہ کئی ایک گجرات کے بادشاہوں کا جمع کیا ہوا تھا جو جوں کا توں برآمد ہوا۔ ہمایوں کا دل بڑا سخی تھا۔ حکم دیا کہ ہر سردار اپنی اپنی ڈھال لے آئے اور جتنا سونا چاندی اُس میں سمائے شوق سے لے جائے۔ اس موقعہ پر ہمایوں سے بڑی

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ ۴ سال از ہمایوں بادشاہ شکست یافتہ سمت سدر دیت رفت در انجا تاریخ سوم رمضان ۹۴۳ھ از دست پرتگیزان مقتول شدہ غرق دریائے فنا گردید تاریخ این واقعہ "فرنگیان بہادر کش" ۹۴۳ھ سلطان الشہید البحر۔ قتل سلطان بہادر۔ بعد از وفاتش امرائے سلطان محمود ثانی را کہ برادر زادہ او بود بر سریر سلطنت نشانید

نوٹ صفحہ ہذا۔ ۱ بڑودہ سٹیٹ میں ہادرپور ریلوے سٹیشن سے (۱۵) میل پر چمپانیر کا قدیم شہر اور مشہور قلعہ ایک بہت بلند پہاڑ پر سب سے الگ تھلگ واقع ہے۔ الاحصار بالکل ناممکن التسخیر ہے گو کہ ہمایوں نے پہاڑ میں آہنی میخیں گاڑ کر ۹۴۲ھ میں اُسے فتح کر لیا تھا۔ پرانا شہر جو کوئی

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

مستحکم کر لیتا پس جب کہ سرداران افغان تمان نے بابر کی وفات کا حال سُنا تو وہ سب کے سب اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ہمایوں کو سب سے پہلے تو گجرات کے بادشاہ بہادر شاہ[۵] سے مقابلہ پیش آیا۔ ہمایوں نے بہادر شاہ کو شکست دی اور کھمبایت کے قریب سمندر کے کنارے

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ کے

پرسیدم از خرد کہ چرا تاج زرفشاں | افگندہ ہمچو لالۂ احمر دریں مقام
گفتا سپہر از پی تاریخ ایں مصاف | افگند تاج زر ز شکست سپاہ سام

۹ ۴ ۹ = ۹۴۲ھ

چوں محمد زماں مرزا ابن مرزا بدیع الزماں ابن سلطان حسین مرزا سر بشورش برآوردہ سکہ بنام خود زدہ بود و در آخر فرار نمودہ بسلطان بہادر گجراتی پیوست بنابراں بادشاہ در ۹۴۲ھ بر سر سلطان بہادر لشکر کشید داد منہزم شدہ در ہند و گیر تخت تاریخ ایں واقعہ "ذل بہادر" دریافتند۔ بادشاہ تمام گجرات را متصرف شدہ قلعۂ چانپانیر را نیز فتح نمود تاریخ آں ۹۴۲ھ "اول ہفتہ ماہ صفر" است۔ بعد ازاں سلطان بہادر گریختہ بسمت بندر دیت رفت و در آنجا از دست فرنگیان کشتہ شد و ہمایوں بادشاہ در اندک فرصت از قندہار تا صوبہ بہار در حیطۂ ضبط آوردہ و استقلالے تمام پیدا کردہ بعیش می گذرانید تا آں کہ از نحوست ایام بسال دہم از سلطنت در نہم صفر سنہ ۹۴۶ھ بر گذر چوسا لب آب گنگ از مضافات صوبۂ بہار عرف عظیم آباد و مرتبہ ثانی بتاریخ دہم محرم سنہ ۹۴۷ھ در قنوج از شیر شاہ سور قوم افغان ہزیمت یافتہ از بے اتفاقی برادران کہ ایشاں ہم مخالف شدہ بودند تنگ آمدہ رو بجانب خراسان و عراق نہاد۔ ۱۲

نوٹ صفحہ ہذا ۔[۵] بہادر شاہ ولد مظفر شاہ ثانی است۔ بعد فوت پدر خود کہ سلطان محمود بیکرہ نام داشت در ماہ رمضان سنہ ۹۱۷ھ بہ سلطنت گجرات رسیدہ بود و بعد حکومت چہاردہ سال و نہ ماہ بتاریخ ۲۲ جمادی الثانیہ سنہ ۹۳۲ھ فوت کرد و در گنبد پدر خود مدفون گردید۔ بعد از مظفر شاہ پسرش سلطان سکندر شاہ دو ماہ و شانزدہ روز حکومت نمودہ بتاریخ نوز دہم شعبان سنہ مذکور کشتہ شد بعد ازاں عماد الملک سلطان محمود برادر سکندر شاہ را کہ کودکے پنج سالہ بود بر تخت نشانیدند اما بہادر شاہ پسر بزرگ مظفر شاہ کہ بطرف جونپور رفتہ بود از آنجا بزودی باز آمدہ روز عید رمضان سنہ مذکور قائم مقام آبا و اجداد خود گردید و عماد الملک را بدست آوردہ از جاں بکشت و در سنہ ۹۳۷ھ تسخیر مالوہ نمود و بعد از حکومت یازدہ

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

کے وقت ہمایوں کی عمر (۲۳) سال کی تھی۔ اِس کے تین بھائی تھے۔ کامراں ہندال اور عسکری۔ تخت پر بیٹھتے ہی اُس نے اِن تینوں کو سلطنت میں سے ایک ایک حصہ دے دیا تھا کہ کسی طرح ان کا دل میلا نہ ہو۔ افغانستان یعنی کابل قندھار غزنی اور پنجاب کامران کے حصّے میں آیا۔ سرکار سنبھل عسکری کو۔ سرکار الور ہندال کو مرحمت ہوئی۔ بدخشان مرزا سلیمان بن خان مرزا ابن سلطان محمود بن سلطان ابوسعد کو دیا ہمایوں نے بھائیوں کے ساتھ تو بڑی مہربانی کی مگر اپنے حق میں کانٹے بوئے ؎

نکوئی بابداں کردن چنانست　　　　کہ بد کردن بجائے نیک مرداں

افغانستان اور پنجاب دونوں مردم خیز ملک تھے جہاں سے بابر اپنی فوج کے سپاہی بلکہ افسر بھی بھرتی کیا کرتا تھا۔ یہ بھائی درحقیقت برادران یوسف تھے۔ ہمایوں کی مدد تو کیا خاک کرتے انھوں نے بھلائی کا بدلہ برائی سے کیا اور اپنے محسن بھائی سے برسر پرخاش ہوکر الٹی لڑائی بھڑائی شروع کی کیوں کہ اُن میں کا ہر شخص تاج وتخت کی آرزو میں دیوانہ تھا۔ ؎

کس نیاموخت علم تیر از من　　　　کہ مرا عاقبت نشانہ کرد

اِن بھائیوں نے ناایں سلوک مسلوک ہمایوں کو جیتے جی کبھی چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ بابر کو موت نے اتنی مہلت نہ دی کہ وہ اپنی طاقت اور حکومت کو مستقل اور

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ۔ محمدؐ ہمایوں شہ نیک بخت　　　　کہ خیر الملوک است اندر سلوک

چو بر مسند بادشاہی نشست　　　　شدش سال تاریخ خیر الملوک

بعد شش ماہ از جلوس بہ تسخیر قلعۂ کالنجر متوجہ شد حاکم آنجا دو ارده من طلا با دیگر اسباب پیشکش کردہ حاشیۂ اطاعت بر دوش گرفت و اکثر ممالک دیگر نیز در تحت تصرف بادشاہ درآمد و در سنہ ۹۴۰ھ قریب دار الملک دہلی برکنار دریائے جون شہرے اساس فرمودہ نام آں را دین پناہ نہاد و بعد یکے از فضلا تاریخش "شہر بادشاہ دین پناہ" یافتہ چوں در سنہ ۹۴۲ھ شام مرزا برادر شاہ طہماسپ صفوی خواجہ کلاں بیگ را در قندھار محاصرہ نمود مرزا کامراں برادر بادشاہ از لاہور بایلغار رفتہ سام مرزا را شکست داد این مصرعہ تاریخ شد۔ ع۔ زد بادشہ کامراں سام را۔ و مولانائے مکیی این تاریخ بطریق تعمیہ گفتہ تاریخ فتح۔

آمدم کہ تاج و کاسہ زر در نظر نمود　　　　در بزم رزم شکل صراحی و نقش جام

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

تھا مگر اُس کی بدقسمتی کچھ اُس کے اپنے قصوروں کی وجہ سے نہ تھی بلکہ محض بخت و اتفاق سے۔ وہ بڑا شجیع اور نہایت ہی رحم دل تھا مگر ساتھ ہی اس کے آرام طلب اور عیش پسند بھی ضرور تھا۔ جشن منانے اور دعوتوں کا بڑا شایق تھا۔ اِس کے ساتھ ہی شراب کباب اور افیون کی طرف بھی رغبت تھی۔ مرنے سے کچھ دنوں پہلے بابر نے ہمایوں کو بُلا کر کہا کہ "بیٹا! اگر تم کو خداوند کریم تمھارا آبائی تخت عطا فرمائے تو تم اپنے بھائیوں کے ساتھ شفقت اور مہربانی سے پیش آنا"۔ ہمایوں نے باپ کی بات پلّے باندھی اور تا بہ زیست باپ کے حکم کی تعمیل باحسن الوجوہ کی اور کیوں نہ کرتا کہ یہ خود بھی بھائیوں پر اپنی جان چھڑکتا تھا۔ اور اُن کی ذرا سی تکلیف بھی اُسے شاق تھی۔ اُن کے پھانس لگتی تو یہ بے چین ہو جاتا تھا۔ باپ کی آنکھوں کا تارا اور بڑا پیارا بھی یہی تھا بابر کا اِس پر بڑا بھروسہ تھا اور وہ اِس پر اپنی جان دیتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ "دنیا بھر میں ہمایوں جیسا یار وفادار اور کوئی نہیں ہے"۔ تختؔ نشینی

نوٹ متعلق صفحہ ۲۳۹ - سطر ۵ ہمایوں شب سہ شنبہ ۴ ذی قعدہ سنہ ۹۱۳ھ میں قلعہ ارک کابل میں ماہم بیگم کے بطن سے پیدا ہوا جو اعیان و اشراف خراسان کی نسل سے تھیں اور جن کا سلسلہ نسب شیخ احمد جام تک پونہچتا ہے۔ مولنا مروی نے تاریخ تولد "سلطان ہمایوں خان" کہی اور عزیزی نے شاہ فیروز قدر۔ بادشاہ صف شکن اور خوش باد۔ فقرے تاریخی لکھے ہیں (۹۱۳، ۹۱۳، ۹۱۳، ۹۱۳) اور خواجہ کلال سامانی نے یہ قطعہ کہا ہے

سالِ مولودِ ہمایونش ہست — زادک اللہ تعالیٰ قدرا (۹۱۴ - ۹۱۳)

بردہ ام یک الفِ از تاریخش — تاکرم میل دو چشم بدرا (۹۱۳)

چوں کہ اللہ کا لام مشدد ہے لہذا دو لام محسوب ہوں گے اور ایک کا تخرجہ تب صحیح تاریخ نکلیگی۔

نوٹ صفحہ ہذا - سطر ۵ ہمایوں سنبھل سے آگرے آکر ۹ جمادی الاولی سنہ ۹۳۷ھ میں تخت نشین ہوا۔ جلوس کے چند دنوں بعد جمنا کے دریا کی سیر کو برآمد ہوا۔ اور اپنی جبلّی سخاوت کی وجہ سے ایک کشتی زر خالص سے بھر کر لوگوں کو بخش دی اس سبب سے "کشتی زر" بھی تاریخ جلوس ہے۔ اور "خیر الملوک" بھی تاریخ جلوس ہے جیسا کہ اس رباعی (۹۳۷، ۹۳۷) میں مسطور ہے:۔

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

اپنی بھلائیوں۔ برائیوں۔ دانائی اور بھول چوک یعنی محاسن اور معائب دونوں کی من وعن تصویر بلا رو و رعایت بڑی خوبی اور راست بازی سے کھینچی ہو۔ یہ کتاب فن ادب میں ایک لاثانی اضافہ ہو۔ بابر بڑا جواں مرد، دلیر، شہ زور، غیر معمولی طور پر نڈر شخص تھا۔ وہ نرا سپاہی ہی نہ تھا۔ بلکہ وہ ہر طرح سے اعلیٰ درجے کی تعریف و ستایش کا مستحق تھا۔ جو کچھ اُس کی تعریف بطور ایک اعلیٰ جنرل کے کی جاتی ہو کچھ شک نہیں کہ وہ بالکل واجبی اور حق بجانب ہو۔ اس میں کلام نہیں کہ بعض وقت اُس میں آبائی تندخوئی کی ایک جھلک سی نظر آجاتی تھی ورنہ بالعموم اُس کا طرز زندگی ایک مردانہ وار فیاضی کا نمونہ تھا۔ اس میں اُنس۔ محبت اور نرمی کے قوی جذبات تھے اور اس کو سا طرح نیچر کی دل چسپیوں کی طرف ایسا قدرتی رجحان اور شوق تھا کہ جو ایک ایسے شخص میں ہونا جو کہ جنگجو۔ خونخوار اور سخت گیر لوگوں میں پیدا ہوا ہو اور انھیں میں پرورش پائی ہو۔ ایک بالکل غیر معمولی اور عجب بات معلوم دیتی ہو۔ جوش جوانی میں کچھ بادہ خواری کی طرف رغبت تھی لیکن وہ ایسے پکے ارادہ کا آدمی تھا کہ جس بات کو دل میں ٹھان لیتا تھا اُسے کرکے ہی رہتا تھا۔ رانا سانگا کے معرکے میں اُسے اپنی حالت کا احساس ہوا اور اس حرکت سے ایسا متنفر ہوا کہ ایک دم بالکل تائب ہوگیا اور اپنے قول و فعل کا ایسا دھنی تھا کہ برسوں کی عادت پر منٹوں میں غالب آگیا اور پھر کبھی بھول کر بھی اُس طرف رُخ نہ کیا۔

ہمایوں وہلہ اوّل ۱۵۳۰-۴۰ء

مغلوں میں کا دوسرا بادشاہ ہمایوں تھا۔ لفظ "ہمایوں" کے لغوی معنے خوش نصیب کے ہیں مگر پہلے چھ مغل شہنشاہوں میں یہی سب سے زیادہ بدنصیب

بقیہ نوٹ صفحہ (۲۳۸)۔ ۵۲ وسط ربیع الاول ۹۳۲ھ میں لاہور اور دیپال پور وغیرہ مقامات کو فتح کیا۔ جس کی تاریخ ۱۵ وسط ربیع الاول ۹۳۲ھ ہوا اور یہ قطعہ تاریخی ہے۔

ظہیر الدین محمد شاہ بابر ۹۳ — سکندر دولت و بہرام صولت

بدولت فتح کردہ خطۂ ہند — کہ تاریخ آمدست فتح بدولت ۹۳۲

(نوٹ صفحہ (۲۳۹) کے لئے دیکھو صفحہ (۲۴۰))

دیکھنے کا شوق ہو وہ اِس کتاب کو ضرور دیکھیں کہ دیکھنے کے قابل ہی۔ ایسے خوش نصیب بہت کم لوگ ہوں گے جنکو بابر جیسی نیک نامی حاصل ہوئی ہو یہ بھی اپنے آبا و اجداد کی طرح علم کا شایق۔ علماء و فضلاء۔ لایق اور شریف لوگوں کی صحبت کا گرویدہ تھا۔ اُس نے اپنی لاجواب کتاب تزک بابری میں

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ ؂ متع سہزو استادان ماہر دانشور در ساعت محسنہ و طالع فرخندہ اساس آنرا انداختہ وعملہ و اہلکاران چابکدست کہ ہریک سرآمد کشوری ویگانۂ مملکتے بودند وفاق حذاقت و مہارت در احداث آں بظہور رسانیدند وچوں شاہزادہ مشارٌ الیہ ایالت ومملکت قندہار را بہ برادر ارجمند سعادت یار مرحمت آثار معدلت شعار محمدؐ عسکری بہادر طول عمرہ و افاض علی العالمین برہ و احسانہ تفویض نمود در ایام ایالت ایں شاہزادہ عالی شان در نہصد سی ؂ و از میامن الطاف شاہزادہ فیروز بخت ضمیر منیرش مطرح الانوار بہت است در نہصد پنجاہ و سہ ایں عمارت سپہر فرسا باتمام رسید۔ کتبہ محمد اکبر شاہ بادشاہ منقوش مرات ضمیر ارباب دانش میگرداند کہ مملکت قندہار در قبضۂ تصرف آبائی بندگان حضرت شاہنشاہ جم جاہ فلک بارگاہ خلافت پناہ ظل اللہ جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ بود درحینیکہ رایات کشور ... تا فی جنت آشیانی محمد ہمایوں بادشاہ غازی طیب اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ بمیامن توفیقات ربانی وتائید سبحانی تسخیر دہلی نمود و باز قندہار از تصرف ایں دودمان بیروں رفت وچوں اقبال دولت شاہنشاہی اکثر اقالیم ربع مسکون را کہ طول آں از حدود سراندیپ دارٹیسہ وبندر گوراگات وگور بنگالہ تا ٹھٹھہ و بندر لاہوری وہرمز کہ مسافت آں قریب بدو سال راہ میشود وعرض آں از کابل وگر ... تا سرحد دکن کہ قریب یک نیم سالہ راہ باشد مسخر گردانید در سنہ ہزار و ہفت قندہار در حیطۂ تصرف غلامان درگاہ خلائق پناہ در آمد اُمید کہ عنقریب اکثر اکناف عالم را از تائید بخت و اقبال حضرت ظل الہی وشاہزادۂ کامگار گردوں اقتدار سلیم وشاہ مراد و دانیال شاہ وخسرو شاہ وپرویز شاہ مسخر اولیائے یزداں گرددآمین رب العالمین تمت فی ... ہزار و ہفت پوشیدہ نماند کہ در زمانیکہ اعلیٰ حضرت خاقانی حکومت قندہار را بنواب نامدار شاہ بیگ خاں کابلی مفوض فرمودہ بودند بندۂ درگاہ محمد معصوم بن سید صفائی آبائی بن سید شیر قلندر بن سید حسین زنجیر پای بن بابا حسین ابدال ....

(بقیہ نوٹ برصفحہ آیندہ)

لقب پڑا۔ بابر نے چار بیٹے چھوڑے۔ ہمایوں مرزا۔ کامران مرزا۔
عسکری مرزا۔ ہندال مرزا۔

بابر کا کیرکٹر بابر اپنے حالات زندگی کی ایک نہایت دلچسپ کتاب **تزک بابری** چھوڑ گیا ہے۔ جس میں بہت تفصیل اور عمدگی سے
اُس زمانے کے حالات بیان کیے گئے ہیں جن صاحبوں کو مشرح حالات

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ﴿ فتح ہندوستان و کابل و قندہار اطمینانے حاصل ساخت چند
سال پیش از فتح ہندوستان اشارت فرمود تا در نزدیکی آں قلعہ بر فراز کوہ مذکور برائے
عمارتے نہند وجہت بالا رفتن آں مکان کوہ را تراشیدہ چہل زینہ ہا مرتب سازند اگرچہ
اہلکاراں سرکار حسب اشارت علیہ بے توقف در احداث آں مکان مشغول شدند
اما چناں مستفاد می گردد کہ ایں عمارت بعد از وفات بابر بادشاہ در سنہ ۹۵۳ھ در ایامیکہ ہمایوں
بادشاہ از شیر شاہ ہزیمت یافتہ بطرف ایران رفتہ بود باہتمام مرزا کامران و محمد عسکری
برادراں ہمایوں بادشاہ باتمام رسید و حالا ایں عمارت مشہور است بہ "چہل زینہ"
بر بازوئے اندرونی و بیرونی ایں مکان کتابہ فارسی بسیار مرقوم اند و چناں مفہوم
می گردد کہ برخے ازیں کتبہ در ایام ایالت مرزا محمد عسکری منقوش یافتہ و بعضے
ازاں حسب الارشاد اکبر شاہ بادشاہ در سنہ ۱۰ھ مرقوم نمودہ اند۔ اگرچہ در
بعضے مقام از کہنہ سالگی حروف کتبہ زائل گشتہ اما ہر قدر کہ منشی موہن لعل کہ در
سنہ ۱۲۴۸ھ بکابل و قندہار رفتہ بود و نقل گرفتہ قدرے ازاں دریں مقام ثبت می گردد۔
کتبہ مرزا کامران و مرزا عسکری۔ "در تاریخ سیزدہ شوال سال نہصد و بست و ہشت
اعلیحضرت گردوں سلطنت مملکت پناہ معدلت شعار کرامت آثار نوالیں بزرگ کامگار
اعتضاد سلاطین گردوں اقتدار ملاذ خواقین گیتی دار شہسوار مضمار عدل و احسان
اعدل آگاہی زمین و زمان المنصور بالملک العنایت اللہ ابو الغازی ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ
خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ فتح قندہار نمود درہمیں سال امر عالی بر بنائے ایں رواق جہاں
نمائے کہ سر رفعتش بمہادات ایوان کیواں رسیدہ شرف نفاذ یافت
و اتمام آں را باہتمام فرزند ہمایوں محمد کامران بہادر کہ سرادقات کاخ عدالتش ایوان
بہ طاق در گزشتہ مفوض گردید۔ و بحسب اشارت علیہ بے توقف عہد سازان صنعت

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

بابر کی سلطنت کی کل مدت اُس کے باپ کے مرنے سے اُس کی وفات تک ولایت اور ہندوستان دونوں ملاکر ۳۸ سال - ۸ ماہ - ۳ یوم تھی اور خالص ہندوستان میں ۴ سال ۷ ماہ - ۲ یوم - اور عمر بحساب سنہ ہجری ۴۹ سال - ۴ ماہ - ۱۰ یوم تھی - انتقال کے بعد **فردوس مکانی**

بقیہ نوٹ صفحۂ گزشتہ (۲) سال فوتش زعقل پرسیدم — پاسے بابر وفات کردہ بگفت

(۳) چوں زدنیا برفت بابر شاہ — گشت تاریخ او فقعنار الیہ ۹۳۷

(۴) در ہشتصد ہشتاد وہشت آمد چو بابر در جہاں — نہصد وسی بود و چوں فتح کرد ہندوستان

تاریخ ششم ماہ پنجم بود نہصد سی و ہفت — تا از جہاں بیروں کشید و کرد رخ سوئے جناں

و روضۂ بابر بادشاہ کہ در کابل واقع است تعمیر ساختۂ شاہجہاں بادشاہ است کہ بعد فتح بلخ و بدخشان در ۱۰۵۶ھ بنا انداختہ و بر محراب آں روضہ ایں چند کلمات مرقوم ساختہ :-

"ایں مسجد لطیف و معبد شریف کہ سجدہ گاہِ قدسیاں است و جلوہ گرد بیان بفرمانِ ادب ساعلی اعلیٰ نظرگاہِ عالم بالا یعنی روضۂ منورہ بادشاہ غفراں پناہ رضواں دستگاہ فردوس مکانی ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ غازی کہ جز آں عمارتے نتواں ساخت بفرمودۂ ایں نیاز مند تمام لشکر سراسر ستایش سراپا نیایش درگاہ الٰہی ابو المظفر شہاب الدین محمد صاحبقران ثانی شاہجہاں بادشاہ غازی بعد فتح بلخ و بدخشاں و فرار نذر محمد خان از بلخ و شرعان تعاقب فریقے از کار طلبان سردارے او در آں سرزمین باں گروہ فیروزی و ہزیمت او و ظفر سپاہ رزم خواہ در آں میدان کہ بمحض کرم ساز حقیقی نصیب ایں نیاز مند دولت خواہان ایں بندہ شرمندہ احسان حضرت یزداں گشتہ آخر سال نوزدہم جلوس میمنت مانوس موافق یکہزار و پنجاہ و شش در عرصہ دو سال بچہل ہزار روپیہ انجام یافت - بر مزارش کہ اندرون روضۂ مذکور است ایں ابیات در تاریخ وفات او نوشتہ اند :-

بادشاہِ کز جبینش تافتے نورِ الٰہ — آں ظہیر الدین محمد بود بابر بادشاہ

باشکوہ و دولت و اقبال و عدل و داد ہیں — دوست از توفیق و فیض و فتح فیروزی سپاہ

عالم اجسام را بگرفت و شد روحش رواں — بہر فتح عالم ارواح چوں نور نگاہ

شد چو فردوسش مکاں رضواں زپئے تاریخ جست — گفتمش فردوس دایم جائے بابر بادشاہ

ط (نوٹ صفحہ ۱۴۲) ذکر عمارت چہل زینہ در قندہار قدیم + قلعۂ قندہار قدیم کہ حالا خراب و ویران افتادہ است دنیم کروہ غربی از قندہار جدید فاصلہ دارد و بر سر کوہے واقع است چوں بابر بادشاہ بعد از

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

صحت پر پڑا کہ وہ کسی طرح اُن غیر معمولی صعوبتوں کا متحمل نہ ہو سکا۔ اِسی زمانے میں اور ایک تازہ مصیبت آئی کہ ہمایوں ایسا سخت بیمار پڑا کہ معالجین نے اُس کی زندگی سے مایوسی ظاہر کی۔ بابر اپنے پیارے بیٹے پر اپنی جان قربان کرنے کو آمادہ ہو گیا اور رہیل کھنڈ کے علاقے میں بمقام سنبھل تین دفعہ ہمایوں کے بستر کے گرد صدقے ہوا اور خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اُس کی دعا قبول ہو گئی۔ اِدھر ہمایوں اچھا ہونے لگا اُدھر بابر بستر مرگ پر پڑ گیا اور ۶ر جمادی الاولی ۹۳۷ھ ۱۵۳۰ء کو دوشنبہ کے دن تپ سے (۴۸) برس کے سن میں اپنے محل چمن آگرے میں انتقال کیا۔ چھ مہینے کے لیئے نور افشاں نامی باغ میں جو آگرے کے سواد میں اس نعش کو سونپ دیا تھا بعد کابل لے گئے اور پہاڑ کے تلے درختوں کے ایک سایہ دار جھنڈ میں جو نہایت پُر فضا اور دل آویز مقام ہے اور بابر نے بھی پہلے اِس مقام کو اپنے لیئے پسند کیا تھا دفن کیا۔ مولینا شہاب الدین معمائی نے کیا خوب مصرعہ تاریخ صوری اور معنوی کہا ہے ع در ہشتصد و سی و ہفت وفات
۹۳۷ھ
اور یہ ابیات بھی انھیں کی ہیں۔

(۱) شہ خسرواں شاہ بابر کہ داشت	دو صد بندہ مانند جمشید و کی
محمد ہمایوں بجائش نشست	چو طومار عمرش اجل کرد طی
چو پرسند تاریخ ای دل بگو	ہمایوں بود وارث ملک وی
(۲) بادشاہے کہ شہریار انش	بندہ بودند خادم و منقاد
چون وفائے ندید در عالم	رفت از عالم خراب آباد
خرد از سال فوت او پرسید	گفت ہاتف "بہشت بہری باد"

۹۳۷ھ

فٹ نوٹ ۔ و ازیں قطعہ ہشت ہیچ تاریخ وفاتش استخراج می باید یعنی از ہر چہار مصرعہ ہا چہار تاریخ علیحدہ علیحدہ بر می آید و از اعداد حروف بے نقط مصرعۂ اول و حروف نقطہ دار مصرعۂ دوم تاریخ دیگر و از حروف نقطہ دار مصرعۂ اول و حروف بے نقط مصرعۂ دوم تاریخ دیگر و ہمچنیں از مصرعۂ سوم و چہارم بر ہمیں دستور دو تاریخ دیگر استخراج می گردد۔ قطعۂ تاریخ ۔

(۱) بادشاہ دہریار با کمال عدل بود	واقف احسان عالم مصدر لطف اللہ
سال جان او گزیدن عالم و دستی بگو	جائے فردوس آمد گزیدہ بابر بادشاہ

:بر کی موت

ہمایوں کی بیماری

بابر جب شہر میں داخل ہوا تو اُس نے تزک بابری میں لکھا ہے کہ وہ درگاہ
حضرت نظام الدین اولیاء درگاہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی۔ حوض شمسی اور
حوض خاص دیکھنے گیا تھا اور وہاں کے حالات بھی لکھے ہیں۔ بابر علاء الدین
کا محل قطب مینار بہلول اور سکندر لودھی کے باغ اور مقبرے دیکھنے بھی گیا تھا۔ اِس
کے بعد بابر کشتی میں سوار ہو کر آگرے چلا گیا۔ پھر بابر کو اپنی زندگی میں آنا نصیب نہ ہوا
ہمایوں بابر سے پہلے ہی کابل چلا گیا تھا۔ اور جاتے جاتے دِلّی سے بہت سا خزانہ
اپنے ساتھ لے گیا۔ جب یہ خبر بابر نے سنی تو بہت ناراض ہوا اور ہمایوں
کو ایک خط بھی ڈانٹ کر لکھا۔ ہمایوں نے ہندوستان میں جونپور اور کچھ حصہ
بنگال اور بہار کا فتح کر لیا تھا میوات کے راجہ رانا سانگا سے اور
بابر سے سیکری کے قریب ۱۵۲۷ء میں جنگ ہوئی۔ جس میں رانا کے پرخچے
اُڑ گئے رانا بھاگا اور میوات فتح ہو گیا جس کی تاریخ "فتح بادشاہِ اسلام" ہے۔ پھر
میدنی راؤ سے معرکہ رہا جو رانا سانگا کا ایک بڑا سردار تھا اور چندیری
کے مستحکم قلعے میں جا بیٹھا تھا۔ راجپوتوں نے اپنی دلاوری کے خوب
جوہر دکھلائے اور جب تک ایک شخص کے دم میں بھی دم رہا لڑا کیا۔ آخر کار
یہ بھی فتح ہوا جس کی تاریخ "فتح دار الحرب" ہے۔ اِس طرح راجپوتانے
بڑے بڑے مقامات پر بابر کا قبضہ ہو گیا اور جا بجا مغلیہ فوج متعین کر دی گئی
بہار کو محمود لودھی داب بیٹھا تھا بابر نے اُسے بھی نیچا دکھایا۔ یوں بابر
نے دریائے گنگ کے جنوب کا سارا علاقہ فتح کر لیا چار سال کی قلیل
مدت میں پنجاب۔ راجپوتانہ اور بہار سارے ملک پر تسلط ہو گیا
رہا افغانستان وہ اِس کے سوا تھا۔ لیکن بابر کو ایسی سخت دوادوش
پڑی اور اُس نے ایسی جان توڑ کر کوشش کی کہ جس کا بہت بُرا اثر اُس کی

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ ۔ سے (۱۹) میل براہ ریل فتح پور سیکری کا مشہور مقام ہے جہاں محلات۔
حمام مسجد اور درگاہ حضرت سلیم چشتیؒ قابل دید ہیں۔ دریا کے پار عماد الدولہ کا مقبرہ اور آگرے
سے پانچ میل پر سکندرے میں اکبر بادشاہ کی قبر یہ مقامات خاص کر دیکھنے کے قابل ہیں اور یوں آگرے
میں دِلّی کی طرح بہت سی قابل دید عمارتیں ہیں جن کے بالاستیعاب دیکھنے کو کئی دن چاہئیں ۱۲۰

دہلی میں داخل ہوکر تخت نشین ہوا۔ بابر نے اپنے جانے سے پہلے ہی ایک دستہ فوج کا خزانے کی حفاظت اور لوٹ مار موقوف کرنے کے لیئے دلی بھیج دیا تھا

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ۔ مکانات ہیں سطح اراضی زیادہ تر ہموار ہے مگر اس کے کہ شہر اور انگریزوں کی کوٹھیوں کے بیچ میں کہیں کہیں درے اور نالے آگئے ہیں اور قلعہ اور تاج گنج کے درمیانی حصے میں پیچ در پیچ گھاٹیاں ہیں جن کا سلسلہ جنوب رخ پر چھاؤنی تک چلا گیا ہے۔ آگرہ بہ اعتبار ساخت کے ایک نہایت خوب صورت اور خوش نما شہر ہے۔ اور بہت قدیم اور نفیس عمارات ہونے کے علاوہ اس شہر کو تاریخی لحاظ سے بڑی عظمت ہے کیوں کہ سلاطین مغلیہ کے زمانے میں آگرہ ایک بڑا معرکۃ الآرا مقام رہا ہے اور اس وجہ سے یہاں کی بے نظیر اور لاثانی عمارات کو دیکھنے دور دور سے لوگ آتے رہتے ہیں اور سیاحوں اور شائقین علم تاریخ و آثار قدیمہ کے لیئے یہ ایک نہایت دل چسپ مقام ہے۔ غدر ۱۸۵۷ء میں آگرہ بھی بڑا معرکہ رہا ہے کیوں کہ وہ ایسے ضلع کے وسط میں ہے جہاں کہ بہت کچھ شورش رہی تھی۔ آگرے کے قلعہ میں سارے انگریزوں نے پناہ لی تھی۔ آگرے اور ٹونڈلے سٹیشن کے درمیان جمنا کا ریل کا پل ہے جس پر بڑی اور چھوٹی پیٹری کی دونوں لینیں پڑی ہوئی ہیں۔ اس پل کے سولہ در ہیں اور ہر در کی چوڑان ۱۴۲ فٹ ہے۔ ای۔ آئی ریلوے نے حال میں ایک اور ریل جمنا پر بنایا ہے جس سے ٹونڈلے سے متھرا کی سیدھی راہ نکل آئی ہے۔ قلعہ میں ایک کمپنی رائل گیریژن توپ خانے کی اور ایک بیٹری رائل فیلڈ توپ خانے کی رہتی ہے۔ ایک پلٹن گوروں کی اور ایک ہندوستانیوں کی چھاؤنی میں بھی رہتی ہے۔ آگرے کی شہرت زیادہ تر تاج گنج کی بے نظیر عمارت کی وجہ سے ہے جس کے ثانی آج کوئی عمارت روئے زمین پر نہیں ہے اور جو دنیا کے سات عجائبات میں سے ایک ہے۔ یہ مقبرہ شاہ جہاں کی چہیتی بی بی ارجمند بانو بیگم عرف ممتاز محل کا ہے۔ یہ مقبرہ شاہ جہاں نے اپنی بیوی کی یادگار میں بنایا تھا۔ قلعہ مع اس کے سنگ مرمر کے عالی شان محلات کے جس میں تاج گنج کی طرح سنگ سلیمانی زمرد۔ یشب۔ عقیق یاقوت۔ لاجورد۔ سیپ وغیرہ وغیرہ بیش قیمت پتھر جڑے ہوئے ہیں اور بے نظیر صاف شفاف موتی مسجد بھی قابل دید ہے۔ آگرے

(بقیہ نوٹ در صفحہ آئندہ)

بڑا جیوٹ تھا اور لڑائی میں اُس نے اپنی جان لڑا دی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آخری حملے میں بتاریخ ۷ ر رجب ۹۳۲ھ (۱۲ ر اپریل ۱۵۲۶ء) روز جمعہ لڑتا ہوا مارا گیا اور جہاں سے اُس کی نعش ملی پانچ ہزار مردے اُس کے گرد پڑے تھے۔ سب ملا کر صرف ایک دن میں ابراہیم لودھی کی طرف کے سولہا ہزار آدمیوں کا ستھراؤ ہوا۔ جس کی تاریخ یہ ہے

کشت در پانی پت ابراہیم را | شاہِ غازی بابر عادل لقب
روز و ماہ و سال وقتِ آں ظفر | صبح بود و جمعہ و ہفت رجب

بابر نے فتح کے ساتھ ہی اپنے بیٹے ہمایوں کو دارالسلطنت آگرہ[۵] کو روانہ کیا اور خود بھی لڑائی کے پانچویں دن ۱۲ ر رجب ۹۳۲ھ (۲۴ ر اپریل ۱۵۲۶ء) بدھ کے دن

[۵] دلی کی طرح آگرہ بھی ایک بہت بڑا شہر اور تاریخی اعتبار سے نہایت مشہور مقام ہے۔ دلی سے براہِ جی آئی پی ریلوے (۱۲۰) میل کا فصل ہے۔ آگرے کا اگر ہم مختصر سے مختصر بیان بھی لکھیں تو بھی کئی صفحے چاہئیں اور ہمارے پاس اِتنی گنجائش کہاں۔ آگرے کے لئے ایک جداگانہ ایسی ہی کتاب کی ضرورت ہے جیسی کہ ہم دِلی کی لکھ رہے ہیں۔ انگریزی میں نہ بہت طول نہ زیادہ مختصر مجھولے سائیز کی ایک کتاب "اے ہینڈ بک ٹو آگرہ اینڈ دی تاج" مسٹر ای۔ بی۔ ہاول نے بہت خوب لکھی ہے۔ انگریزی داں اصحاب اُس کی طرف رجوع کریں۔ میں یہاں کچھ تھوڑا سا ذکر کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ ۱۸۸۱ء میں آگرے کی آبادی ایک لاکھ ساٹھ ہزار نفوس تھی۔ یہ شہر جو کسی زمانے میں ممالک مغربی شمالی کا مستقر تھا وہ اِس صوبے میں دوسرے نمبر کا شہر ہے جو دریائے جمنا کے داہنے کنارے پر اُس مقام سے جہاں کہ جمنا اور گنگا ملی ہیں کوئی تین سو میل اوپر وار کو واقع ہے۔ دریا اِس شہر کے قریب پہونچ کر ایک دم مشرق کی طرف مڑ گیا ہے اور عین اُسی موڑ کے گوشے میں لب دریا قلعہ کی عمارت ہے۔ فصیل شہر گیارہ مربع میل کے گرد تھی جس میں سے نصف حصہ آباد ہے باقی نصف میں نالے۔ گڑھے۔ کھلے میدان اور منہدمہ عمارات کے کھنڈر ہیں۔ قلعہ سے بجانب جنوب چھاؤنی ہے اور اِن دونوں مقامات کے درمیان جمنا کے کنارے ذرا مشرق کی طرف ہٹا ہوا تاج گنج کا مشہور روضہ ہے۔ قلعہ کے شمال مغرب میں سول سٹیشن کے مکانات پھیلے ہوئے ہیں۔ سول سٹیشن اور جمنا کے بیچ میں شہر کی آبادی ہے جو ممالک متحدہ آگرہ و اَودھ کے سب شہروں سے بہتر بنا ہوا ہے اور جس میں زیادہ تر سنگ بست

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

اور قندہار کو مطیع کیا۔ اس کے بعد ایک عرصہ تک بابر کابل میں رہا اور ازبکوں اور دوسرے دشمنوں کو پسپا کرتا رہا۔ جس زمانے میں بابر کابل کا بادشاہ تھا وہ ہندوستان پر ایک دفعہ نہیں بلکہ چار بار حملے کر چکا تھا۔ لیکن ہمیشہ اُسے اپنے ملک کی ضروریات کی وجہ سے واپس جانا پڑا اور لاہور سے آگے بڑھنے کی کبھی نوبت نہ آئی۔ اب بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا اور تمنائے دیرینہ برآئی جو تھی پانچویں مرتبہ غرۂ صفر سنہ ۹۳۲ھ / ۱۵۲۶ء جمعہ کے دن دریائے سندھ کو عبور کیا۔ اس دفعہ کچھ زیادہ لاؤ لشکر بھی ساتھ نہ تھا کل بارہ ہزار فوج تھی لیکن ہاں اس دفعہ ایک نئی بات تھی کہ جس سے ہندوستان کے کان آشنا نہ تھے یعنی یہ کہ ایک ترکی توپ خانہ بھی تھا۔

پانی پت کی پہلی لڑائی سنہ ۱۵۲۶ء

بابر بلا کسی شدید مزاحمت کے بڑھتا ہوا چلا آ رہا تھا کہ پانی پت کے میدان میں جو دلی سے کوئی پچاس میل شمال کی طرف ہے سلخ جمادی الثانیہ ۹۳۲ھ روز پنجشنبہ کو ابراہیم لودھی ایک لاکھ آدمیوں اور سو ہاتھیوں کا جرار لشکر لے کر بابر کے مقابلے کو آن ڈٹا مگر توپ ایک بھی نہ تھی۔ ابراہیم لودھی کے خیال میں اس کی فوج بابر کے لشکر کے مقابلے میں بہت زیادہ اور کافی تھی لیکن معاملہ برعکس نکلا ابراہیم کوئی بڑا جنرل نہ تھا اس نے اپنے لشکر کو ایک لمبی قطار میں کھڑا کیا اور سمجھا کہ بس ایک

ہمایوں شاہ

ہی ہلا مغلوں کے بھگا دینے کو کافی ہوگا لیکن مغلوں نے بڑی جواں مردی اور بہادری سے اس حملے کو سنبھالا۔ جب پہلا دھاوا ہو چکا تو مغلوں نے اپنی ریزرو فوج نکالی اور کئی جوابی حملے اس شد و مد سے کئے کہ لودھیوں کی فوج میں ایک تلاطم پڑ گیا اور اُن کے پیر اُکھڑ گئے۔ اس میں شک نہیں کہ ابراہیم اپنی ذات سے

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ۔ گرفتی بدخشاں وتاریخ شد محمد ہمایوں شہ بحر و بر ۹۲۶ھ

ہمیشہ باہمی مخالفت کا لازمی نتیجہ ہوا کرتا ہی کہ اُنھوں نے اپنی مدد کو بابر کو بلا بھیجا جو ایک بڑی بھاری غلطی اور سخت کوتاہ اندیشی تھی جس پر یہ کہاوت صادق آتی ہی کہ گیدڑ شکار مارنے کے لیئے شیر کو شریک کرے اور پھر یہ توقع کرے کہ شیر نقد مال چھوڑ کر ہونٹ چاٹتا چلا جائے گا ع - این خیال ست و محال ست و جنوں مغل آئے پر آئے مگر اُن کے لیئے بھی ہندوستان کوئی تر لوالہ نہ تھا - یہاں کے افغان بڑے شورہ پشت تھے ہمیشہ کچھ نہ کچھ بس گھوسنتے ہی رہے - غرض یہ کہ کچھ تھوڑے سے وقفے کے بعد بابر اور اُس کی نسل حکمراں رہی اور نسل تیموری کا خاتمہ بہادر شاہ پر ہوا - جو رنگون میں بحالت جلا وطنی مرے اور برٹش گورمنٹ کا راج یعنی ملکہ معظمہ آں جہانی کوئین وکٹوریہ کی سلطنت قایم ہوئی -

ظہیرالدین محمد بابر ۱۵۲۶ء-۳۰ء بابر چنگیز خاں اور امیر تیمور کی نسل اور مغلوں کے چغتائی فرقے کا تھا - اِس کی پیدائش ۶ محرم ۸۸۸ھ ۱۴ فروری ۱۴۸۳ء کو ہوئی تاریخ ولادت اِس شعر سے ظاہر ہی ؎

چوں در شش محرم زاد آں شہ مکرم　　تاریخ مولدش ہم آمد شش محرم ۸۸۸ھ

باپ کا نام سلطان عمر شیخ میرزا ابن سلطان ابوسعید مرزا ابن سلطان محمد مرزا میران شاہ ابن امیر تیمور گورکان صاحبقران - ماں کا نام قتلق نگار خانم تھا جو بیٹی تھی یونس خاں بادشاہ مغلستان کی اور بڑی بہن سلطان محمود کی - اِس نے اپنے باپ کے پاس دارالسلطنت فرغانہ میں پرورش پائی - بابر کے پہلے حالات کا لکھنا دِلّی کی تاریخ سے غیر متعلق ہی - صرف اتنا معلوم کرنا کافی ہوگا کہ دہ بارہ برس کا تھا - جب اُس کے باپ نے ۱۴۹۵ء میں انتقال کیا اور اِس کم سنی میں بابر ۵ رمضان روز سہ شنبہ ۸۹۹ھ ۱۴۹۵ء کو بادشاہ ہوا - چند سال اُسے آپس کے لڑائی جھگڑوں میں گزرے ۱۴۹۶ء میں اُس نے سمرقند پر قبضہ کرلیا - ۱۵۰۴ء میں نیّر اقبال چمکا زمانے نے مساعدت کی فرغانہ سے نکلا اور کابل میں افاغنہ کو زیر کیا اور بدخشاں[۱]

[۱] تاریخ یہ ہی :- توئی شاہ شاہانِ دوراں کہ شد　　ہمیشہ ترا کار فتح و ظفر

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)

اور مسلمانوں میں یہ بات علی وجہ الکمال موجود تھی۔ مسلمان فاتحین کا مختصر سا گروہ فتح یا موت دو ہی باتوں پر تلا ہوا تھا۔ اِن کو موت کا ذرا بھی خوف نہ تھا بلکہ شوق تھا کہ کافر کو مار کر غازی بن گئے اور دروازے بہشت کے اُن کے واسطے کھل جائیں گے اور درجہ شہادت کا ملے گا یعنی دنیا اور دین دونوں میں سُرخ روئی حاصل ہوگی۔ مسلمانوں کو تہ تیغ کرنے میں ہندوؤں کے لیے ایسا کوئی مذہبی وعدہ نہ تھا۔ ہندو جنرل شاستر کے قدیم اصول سے زیادہ تمسک کرتے تھے اور ہاتھیوں کی لڑائی پر اُن کو بڑا بھروسہ تھا وہ لوگ سکندر اعظم کے اُس سبق کو بالکل بھولے ہوئے تھے جو اُن کو زمانۂ قدیم میں دیا گیا تھا کہ سواروں اور قادر تیراندازوں اور لایق سرکردوں کے مقابلے میں ہاتھیوں کا وجود ہیچ تھا۔ مسلمانوں کی کامیابی کے اور بھی کئی اسباب غور کرنے سے نکل سکتے ہیں لیکن جس قدر وجوہ ہم لکھ آئے ہیں وہ بھی بالکل کافی ہیں۔

دِلّی عہدِ مُغلیہ میں

۱۵۲۶-۱۷۶۱ع

ہم دیکھتے چلے آرہے ہیں کہ التمش کے زمانے سے لے کر اُس زمانے تک کہ جس کی ہم تاریخ لکھ رہے ہیں مغلوں کا دانت ہندوستان کے زرخیز ملک پر تھا۔ ایک نہیں متواتر حملے اُنھوں نے ہندوستان پر کیئے لیکن سوائے لوٹنے کے ارادے سے کبھی آئے نہ اُن کو کبھی ایسا موقع ہاتھ آیا۔ اُن کا مطمح نظر زیادہ تر غارت گری سے دولت سمیٹنا تھا اور بس۔ اِس میں شک نہیں کہ تیمور کا حملہ بڑا زبردست تھا اُس نے محمود شاہ کو کھلی شکست دی اور بالکل داب لیا اور دِلّی پر قابض بھی ہوگیا مگر پھر بھی وہ اِس مُلک میں نہ ٹکا اور ہندوستان کو سخت بدعملی کی حالت میں چھوڑ چھاڑ چلتا ہوا۔ یہی گئی اور لیدی کھسوئی ہوئی سلطنت کو لودھیوں نے سنبھالنے کی کوشش کی لیکن ابراہیم لودھی کے بھائیوں کے آپس کے تنازع اور خانہ جنگیوں کا یہ افسوس ناک نتیجہ ہوا جیسا کہ

شاہان مغلیہ
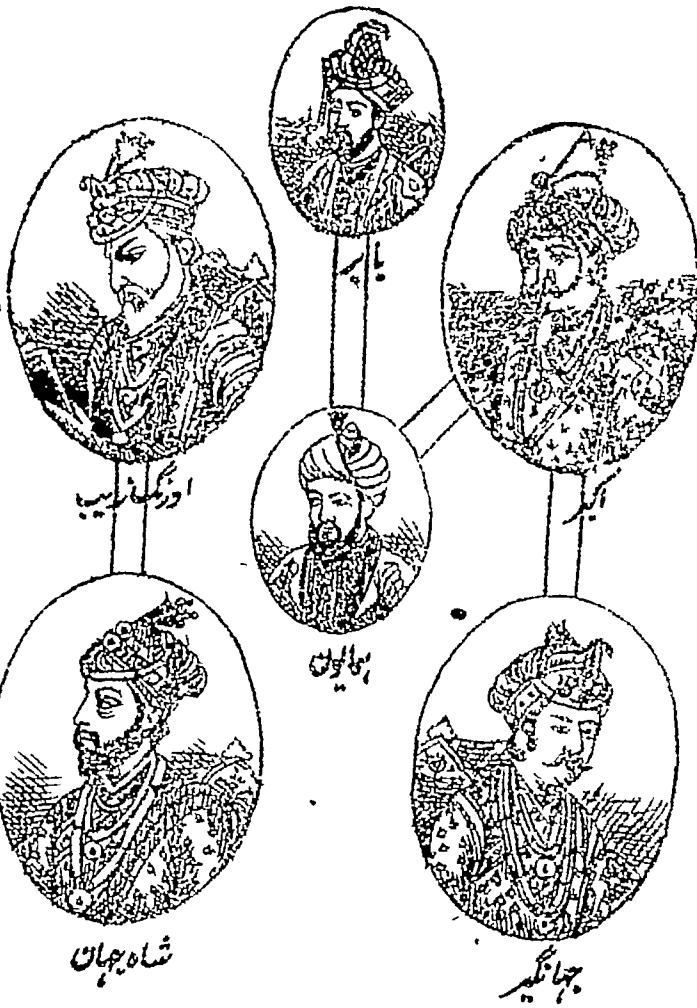
ہنود۔جین اور بدھ مت والوں کے ساتھ مرعی رکھا تھا۔ زیادہ تر اِس تنفر
اور تباین کا سبب یہ تھا کہ مسلمان بت پرستی کے سخت مخالف تھے۔ بہت
سے ہندو راجہ مع اپنے ہمراہیوں کے چند در چند موجبات ترغیب کی وجہ
سے یا بعض محض دباؤ سے مسلمان ہوگئے چنانچہ اب تک بھی اُن نومسلموں
کی اولاد مسلمان ہی چلی آتی ہے۔ غیر مسلموں پر چوں کہ جزیہ قائم تھا۔ اِس لئے
نیچ قوم کے لوگ زیادہ تر مسلمان ہوگئے کہ کسی طرح اِس ٹیکس سے گلوخلاصی
ہو۔ مسلمانوں کے گروہ کے گروہ دیگر ممالک سے برابر چلے آتے تھے۔
اِن کی آل اولاد پھیلتے پھیلتے ہندوستان میں اور خصوصاً دارالخلافت کے قریب
کے شہروں میں مسلمانوں کا عنصر بہت غالب ہوتا چلا گیا۔

مسلمانوں کی فتوحات کے اسباب

یہ سوال بظاہر ہو سکتا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ گو ہنود
اِس ملک میں بکثرت تھے تو پھر بھی
مسلمانوں کو ہمیشہ غلبہ ہی رہا اور برابر فتح پر فتح
نصیب ہوتی رہی۔ دونوں طرف کے لوگ بہادری۔ دلیری اور جواں مردی
میں یکساں ۔۔ کوئی وجہ معقول مسلمانوں کے تفوق کی ہونی چاہیئے۔ بات
یہ ہے کہ مسلمان عملاً لڑائی بھڑائی میں ہندوؤں سے بہتر تھے اُن میں مرنے
مارنے کے ایک قدرتی جوش کے علاوہ اِن کے جتھے میں آپس میں بڑا
ایکا تھا۔ وہ ہندوؤں کی طرح بات بات میں مذہبی قیود اور قدیم روایات کی
پابندی کے مقید نہ تھے۔ مسلمان فاتحین سرد ملک سے آئے تھے
اور گوشت خور تھے اِس وجہ سے اُن کے جسمانی قویٰ بھی قدرتاً ہندوؤں
سے اچھے تھے۔ یہ لوگ ہندوؤں سے بہتر اسلحہ رکھتے تھے اور بابر کے
زمانے سے یہ لوگ بڑی بڑی توپوں کا استعمال کرتے تھے آسلام تمام
مسلمانوں کو درجۂ مساوات میں رکھتا ہے اور ان میں اخوت یعنی زبردست
بھائی چارہ ہے۔ مسلمان امیر ہو یا غریب۔ آزاد ہو یا غلام لڑائی کے وقت سب کی
ایک مت ہوتی تھی۔ اور اُن کو یہ کھلی ہوئی برتری ہنود پر تھی جن میں ذات ذمات
(جماعت) اور آپس کی کٹا چھنی بہت کچھ تھی۔ اتفاق اور یک جہتی ہی کا نام طاقت ہے

فن ہے جن کے ہاتھوں نے یہ کام بنائے ہیں ایسے عمدہ مذاق اور جوش سلیقگی سے عمدہ عمدہ اختراعات اور ترمیمات کر کے اور جان ڈال دی ہے۔ لوگوں کی زبان پر **پٹھانوں کی عمارات** ایک غلط فقرہ چڑھا ہوا ہے اور اسی طرح **پٹھان بادشاہ** اور **پٹھانوں کی سلطنت** بھی ایک صریح غلطی ہے۔ کیوں کہ یہ لوگ دراصل **ترک** تھے نہ کہ **پٹھان**۔ ہندوستان کے کاریگروں نے زیادہ تر دمشق، قسطنطنیہ اور مصر کی عمارات کے طرز کا تتبع اور تقلید کی ہے۔

اُردو زبان چوں کہ فاتحین ہند کی مادری زبان ترکی یا فارسی تھی اس ملک کے ہندو باشندوں سے گفتگو اور مراسلت کا سلسلہ قائم کرنے کے واسطے اُردو زبان ایجاد ہوئی جس میں درحقیقت فارسی کا عنصر غالب ہے جس زبان کو ہم زبان ہندوستانی کہا جاتا ہے اس کی جڑ اور مادہ دلی کی مغربی ہندی اور بالائی حصّہ دوآب کی ہندی زبان ہے۔ اس میں جب فارسی اور عربی کے الفاظ کثرت سے شامل ہو گئے تو یہ **اُردو** کہلانے لگی۔ اردو ترکی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی **لشکر** کے ہیں اور پہلا اور اصلی مفہوم اس لفظ کا مسلمان بادشاہوں کا کیمپ تھا۔ اور یہی کیمپ سلاطین کا دربار بھی تھا۔ چنانچہ مغلوں کے زمانے کے سکوں میں کثرت سے **ضرب اُردو** کا جملہ استعمال ہوا ہے جس کے معنے ہیں کہ یہ سکّہ شاہی کیمپ میں مضروب ہوا۔ یہی وجہ اُردو کا واقعی اور اصلی مفہوم ہندوستانی زبان کی وہ شق ہے جس کو ہم چھنی چھنائی مغربی ہندی کہہ سکتے ہیں جو کہ درباری زبان قرار پائی تھی اور پہلے پہل وہیں اس کا رواج ہوا پھر یہ سارے اقطاع ہند میں مختلف روپ بدل کر پھیل گئی اور اب یہ ہندوستان کی لنگوا فرینکا ہے سب سے پہلے سولھویں صدی کے ختم پر ریختہ اُردو کا رواج دکن میں ہوا۔ پھر اس زبان نے انگریزی گورنمنٹ کے عہد میں بہت بڑی ترقی ستر کے لٹریچر میں کی۔

اشاعت اسلام ہم مسلمانوں کے مذہبی جوش اور غلو کو ایک حد تک دیکھتے چلے آئے ہیں کہ جو اُنھوں نے غیر مذہب والے

سکندر (نظام خاں) ---- ۱۴۸۸-۱۵۱۷ء
ابراہیم ---- ۱۵۱۷-۱۵۲۶ء
زلزلہ ---- ۱۵۰۵ء
پانی پت کی پہلی لڑائی ---- ۱۵۲۶ء

سلاطین دہلی کا طرز حکومت دِلّی کے بادشاہوں کی حکومت بالکل مطلق العنان تھی جس کے ساتھ ساتھ یورشین اور قتل کا امتزاج تھا۔ دور دور کے صوبوں پر نگرانی اور گرفت میں ڈھیل تھی اور جن روابط کی پابندی سے یہ لوگ سلطنت دہلی سے وابستہ تھے محمد بن تغلق کے ظالمانہ سلوک کے بعد اُن میں اضمحلال آگیا صوبہ داران وحکام تخت بھی سب اپنی اپنی جگہ خودمختارانہ حکومت کرتے تھے۔ اور جہاں کہیں مسلمان حاکم تھے اُن کا سلوک ہندوؤں سے اچھا نہ تھا۔ لے دے کے صرف فیروز شاہ تغلق ہی ایک بادشاہ ایسا گزرا ہے جسے رفاہِ عام کے امور میں دلچسپی تھی۔

علوم اور تعمیرات بہت سے مسلمان شاہزادوں کو فارسی انشاپردازی کا مذاق سلیم تھا۔ جس کی دل کھول کر سرپرستی کی جاتی تھی۔ اِسی طرح بہت سے ہندو راجاؤں کے پُرشوکت درباروں میں بھی علم سنسکرت کی قدر ہوتی تھی۔ بے شمار اعلیٰ درجے کی اُن عمارتوں کا مفصل ذکر اِس کتاب کے حصۂ دوم میں آیا ہے جن کی وجہ سے دلّی کا نام دنیا میں آج تک روشن ہے۔ دِلّی کا چھوٹا سا پیارا نام نہ صرف اننگ پال کی اُس پرانی دِلّی پر محتوی ہے جو گیارھویں صدی عیسوی میں بسائی گئی تھی۔ بلکہ سترھویں صدی کی شاہ جہاں کی آباد کی ہوئی نئی دِلّی یعنی شاہ جہان آباد بھی اُسی میں داخل ہے اور اب ایک اور نئی دِلّی بہ اتباع فرمان عطوفت نشان حضور ملک معظم جارج پنجم قیصر ہند ادام اللہ اقبالہم ۱۹۱۲ء سے زیر تعمیر ہے جو ہندوستان کی جدید سرکاری دارالسلطنت قرار دی گئی ہے ابقاہا اللہ تعالیٰ تاآخرالزمان۔ سلاطین دہلی کی بنا کردہ عمارات مختلف اور غیر ممالک کے جدا جدا اور طرح بہ طرح کے طرز پر بنائی گئی ہیں جن میں ہندو ماہرین

سے سلطنت نکل کر مغلوں میں چلی گئی ابراہیم نے جتنی مدت سلطنت کی اُس کو خانہ جنگیوں ہی سے فرصت نہ ملی۔ نوبت بہ ایں جا رسید کہ خود اس کے بھائی **علاء الدین** نے ایک بڑے بھاری لشکر کے ساتھ چڑھائی کر کے دلی کو محصور کر لیا۔ ابراہیم کی کچھ تقدیر ہی اچھی تھی کہ اس معرکہ میں کامیاب ہو گیا اور علاء الدین کو محاصرہ اُٹھانا پڑا۔

علاء الدین پنجاب کی طرف نکل گیا۔ اس معرکہ سے پہلے سیری کے بغدادی دروازے کے سامنے بادشاہ نے وہیل کا رجمی بت کھڑا کرایا تھا جو ملک دکن کے کسی حملے میں دستیاب ہوا تھا۔ دولت خاں لودھی نام ایک شخص پنجاب کا گورنر تھا وہ بھی مار کھائے بیٹھا تھا اُس نے کابل کے بادشاہ کو پہلے بلوایا تھا۔ بابر ہندوستان کے حالات سن سن کر خود اس ملک پر تاخت کرنا چاہتا تھا۔ اور اپنے آپکو تیمور کی وجہ سے بادشاہت کا حقدار سمجھتا تھا۔ لیکن اس وقت اُسے ازبکوں سے مقابلہ درپیش تھا۔ ادھر آنے کی مہلت نہ ملی۔ اب علاء الدین نے پنجاب پہونچ کر یہ گل کھلایا کہ بابر کو جو مغلوں کا بڑا سردار تھا۔ ہندوستان آنے کی سرسری چھوڑ دی جو سرود ہندوستاں یاد ہا میدں تھا۔ اشارہ کی دیر تھی کہ ۱۳۲۶ء میں اُس نے دہلی کا عزم بالجزم کر لیا۔ **پانی پت** کے میدان میں جو دلی کے شمال میں ہی جو **کرکشیتر** اور **تارائن** کے پُرانے میدان ہائے جنگ سے قریب ہیں ۸ رجب ۹۳۲ھ ۲۱ اپریل ۱۵۲۶ء کو ابراہیم اور بابر کا مقابلہ ہوا اور اُسی دن مارا گیا اور وہیں پانی پت میں دفن ہوا مدت سلطنت آٹھ سال چند مہینے

آگے چل کر ہم چغتائی مغلوں کے عہد میں سلطنت دہلی کا کمال عروج اور پھر اُس کے زوال کی کیفیت بیان کریں گے کہ یا تو دلی فلک ہفتم پر پہونچ گئی تھی یا یہ کہ ایسی اسفل السافلین میں جا گری کہ آخری بادشاہ کے وقت میں گورے کیڑوں کی سی نام کی بادشاہت قلعہ کے اندر ہی اندر رہ گئی۔ اور بادشاہ دی آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی کا پنشن خوار بن گیا۔

خاندان لودھی

۸۹-۱۴۵۱ء

بہلول

کی درستی میں بہت کچھ روپیہ صرف کیا چنانچہ قطب مینار۔ فیروز شاہ کے مقبرے وغیرہ کی درستی اور ترمیم اسی نے کرائی۔ اسی بادشاہ کے اوائل زمان سلطنت میں **موٹھ کی مسجد** بھی بنی جس کی نسبت یہ روایت مشہور ہے کہ ایک موٹھ کے دانہ کی پیداوار کو بڑہاتے بڑہاتے اُس کی آمدنی سے اتنی بڑی مسجد بن گئی۔

سلطان ابراہیم لودھی ۱۵۱۷–۲۶ء

امرا نے سکندر کے تیسرے بیٹے ابراہیم کا انتخاب کیا اور یہی بادشاہ ہوا جونپور کی سلطنت دوسرے بھائی **سلطان جلال** کو دے دی۔ اِس دوعملی کا لازمی نتیجہ مناقشہ اور مجادلہ تھا چنانچہ لڑائی ہوئی۔ جس میں جلال کا خاتمہ ہو گیا۔ پھر اس نے دوسرے بھائیوں کو قید کیا۔ غرض ابراہیم میں باپ کی سی ایک ... بھی نہ تھی بادشا ہوتے ہی اِس کی حالت اور بگڑ گئی شرع ہوئی۔ یہ بادشاہ بڑا مغرور اور بے انتہا غصیلا تھا۔ امرا کو گھنٹوں اپنے سامنے دست بستہ کھڑا رکھتا تھا۔ اور ہر کس و ناکس کو نظر حقارت سے دیکھتا تھا۔ بھلا پٹھان اِس توہین کے کب متحمل ہو سکتے تھے اُن کا خیال حق بجانب تھا کہ بادشاہ بھی ہمیں میں کا ایک شخص ہے فرق صرف اتنا ہے کہ وہ بادشاہ اور صاحب تاج و تخت ہے ورنہ سچ پوچھو تو جو ہم سو وہ اُس میں کیا سرخاب کا پر لگا ہے۔ ہم سب نے ہی مل کر اُسے بادشاہ بنایا ہے اور ہمارے ہی پسند و انتخاب پہ دار و مدار بادشاہت کا ہے۔ اِس ناچاقی کی وجہ سے عجیب طوفان بےتمیزی بپا تھا۔ کئی امرا اور صوبہ دار یکے بعد دیگرے مارے گئے۔ ہر پٹھان سردار اپنی اپنی جگہ تن گیا اور خود سر بن بیٹھا۔ اِس عام ناراضی کا آخری نتیجہ یہ ہوا کہ اِس خاندان

ابراہیم لودھی

سلطنت (؟)

چوں افسر دولت از سر ابراہیم \
گردید چو چتر او سعادت آلود

سال تاریخ ہمایوں ساعت \
ہاتف گفتہ کہ تاج دولت آسود ۱۲

۹۱۵

اتوار کے دن اِس بلا کا زلزلہ آیا کہ اُس نے سارے ہندوستان اور ملک فارس کو کپکپا دیا۔ یہ ایسا سخت زلزلہ تھا کہ لوگ سمجھے کہ قیامت ہی آگئی اور کہتے تھے کہ ابتدائے آفرینش آدم سے تا ایں دم ایسا سخت سانحہ کبھی نہیں ہوا لیکن سکندر نے پھر بھی آگرے کو نہ چھوڑا بلکہ از سر نو آباد کیا اور سکندر سے لے کر شاہجہان کے عہد تک آگرہ ہی دارالخلافہ رہا۔ باایں ہمہ جب تک تاج پوشی کی رسم باقاعدہ طور پر دِلّی میں ادا نہ کرلی جاتی تھی تخت نشینی مکمل نہیں سمجھی جاتی تھی۔ سکندرے کے نام کا موضع جہاں اکبر کا مقبرہ ہے اِسی بادشاہ کے نام سے مشہور ہے جہاں اُس نے سنہ ۱۴۹۵ء میں **بارہ دری** بنوائی تھی سکندر شاہ نے (۲۸) برس کی نمایاں سلطنت کے بعد جس میں اُس نے بہت سی توسیعات کیں۔ بیماری سے ۷ ذیقعدہ ۹۲۳ھ نومبر ۱۵۱۷ء میں آگرے ہی میں انتقال کیا ؎

سکندر شہ ہفت کشور نماند — نماند کسے چوں سکندر نماند

اُس کی نعش دِلّی لائی گئی اور خضر پور کی حدود میں ایک عالی شان مقبرے میں دفن کی گئی۔ کہتے ہیں کہ یہ بادشاہ بت پرستی کا سخت مخالف تھا اور جہاں مندر یا بت ملتے تھے تڑوا دیتا تھا۔ مسلمان مورخین اِس کا کیرکٹر نہایت عمدہ ظاہر کرتے ہیں اور اِس کے زمانے کو ایک زبردست اور منصفانہ عہد کہتے ہیں۔ ہندو اِس کو کیسا سمجھتے تھے اُس کا کوئی مواد میسر نہیں آیا۔ گو اِس بادشاہ نے (۲۸) برس سلطنت کی مگر دِلّی میں بہت کم رہنے کا اتفاق ہوا۔ تاہم اُس نے قدیم عمارتوں

ــه اِس زلزلے کی تاریخ یہ ہے۔

در نہصد و دو سے عشر از زلزلہ ہا — گردید سواد آگرہ چوں مرحلہ ہا
آں کنگرہا است ہمہ محکم بود — از زلزلہ شد عالیہا سافلہا

ــه مفتاح التواریخ میں سال وفات خلاف تاریخ فرشتہ کے ۹۱۵ھ ہوا اور یہ قطعہ تاریخ وفات کا لکھا ہے اور اسی حساب سے سلطان ابراہیم کی تخت نشینی کی تاریخ بھی لکھی ہے۔

چو کرد رخصت عالم نظام خان سلطان — جہاں بہ تنگ جہانے زآہ و زاری شد
جہاں سیہ شدہ در چشم ہر کس از مرگش — زحال عالم گفتا سر و تن تاری شد

وبا پھیل گئی تھی۔ بادشاہ نے ایک کمیٹی قایم کی کہ جمنا کے کنارے کنارے
جاکر دیکھیں اور کوئی دوسرا مقام دارالخلافہ کے لیئے انتخاب کریں۔ اس کمیٹی
نے آگرہ پسند کیا چنانچہ آگرہ اس کام کے لیئے منتخب ہوا۔ اور وہاں دارالسلطنت
منتقل کی گئی۔ سوء اتفاق سے اس کے دوسرے ہی سال ۳ ماہ صفر ۹۱۱ھ ۱۵۰۵ء

تکملۂ نوٹ صفحۂ گزشتہ کچھ دنوں پہلے رانا دارالحکومت اودی پور کو منتقل کر دیا تھا
جو اُس وقت سے لے کر اب تک یہیں قایم ہی۔ چتوڑ کے دو منارے "کرتی ستمبھ"
اور "جی ستمبھ" ہندو صناعی کی ایک عمدہ یادگار ہیں۔ رانا سانگا اور بابر کی لڑائی کا حال اپنے
موقع پر آئے گا۔

اُڑیسہ کا راج۔ اُڑیسہ بشمول حال کے صوبۂ بہار اور اُڑیسہ کے نیز مدراس کے
اضلاع گنجام و ویزاگا پٹم مقامی لحاظ سے ہمیشہ ہند کے تاریخی سلسلے سے جدا رہے ہیں
ہیں۔ بادشاہان دہلی کی سلطنت کے عہد کے بڑے حصے میں اُس ملک پر مشرقی گنگا خاندان
حکمراں تھا۔ اس خاندان کے پہلے راجہ اننت ورمان چولا گنگا نے ستائیس برس
۱۰۷۶-۱۱۴۷ء تک حکومت کی اور دریائے گنگا اور گوداوری کے درمیانی ملک پر اپنا
تسلط بٹھا لیا۔ پوری میں جو مشہور مندر جگناتھ کا ہی وہ اسی راجہ کے حکم سے گیارھویں
صدی کے اختتام پر بنا تھا۔ مسلمان مورخین اُڑیسہ کو "جاج نگر" لکھتے ہیں۔ سب سے پہلی
مداخلت مسلمانوں کے ایک عہدہ دار محمد بختیار نے اس ملک پر ۱۲۰۵ء میں کی۔ پھر بعد میں
فیروز شاہ اور دوسروں کی یورشوں کا سلسلہ خاص کر اس طمع میں ہوا کہ یہاں ہاتھی بہت
ملتے تھے۔ اکبر نے اس ملک کو تقریباً تمام و کمال فتح کر کے بنگال کے صوبہ میں شامل کر دیا۔
اس صوبے میں ایک عمدہ سلسلہ "انڈو آرین" قسم کے مندروں کا ملتا ہی جن میں نوک دار مینار
اور بھوڑے ستون ہیں۔ ایک عمدہ سورج مندر (کونارکا۔ کنرک) کنگن مقام پر
ہی جس کے کتبے سے راجہ نرسنہوا نے تیرھویں صدی (۱۲۳۸-۶۴ء)
میں اُس کی تعمیر یا مرمت کرانا ثابت ہوتا ہی لیکن عمارت کی ظاہری حالت سے اُس کا
کچھ حصہ اُس سے بھی زیادہ پُرانا نظر آتا ہی۔ بھنیشور کے شاندار مندروں کا مجموعہ بہت
قدیم زمانے کی تعمیر معلوم دیتا ہی۔ ۱۲

مختلف مقامات پر گر رہے گئے - آخر کار سنہ ۱۵۶۵ء میں دِلّی سے دار السلطنت اُٹھا دینے
کی صلاح ٹھیری کیوں کہ ایک سال پیشتر دلّی میں بہت سخت گرمی پڑنے سے

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ کو شکست ہوئی اور رام راج بھی مارا گیا - پھر کیا تھا شہر بیجا نگر
کو مسلمانوں نے دھڑی دھڑی کر کے ایسا لوٹا کہ اُس کی صورت مسخ ہو گئی اور اب وہ شہر
ہمپی کے کھنڈروں کے نام سے مشہور ہے -

انگریزوں کو زمین کا ملنا - گو سلطنت بیجا نگر کا خاتمہ اس جنگ سے ہو گیا اور وہ صفحۂ
ہستی سے مٹ گئی لیکن سداسیو کے جانشین اس کے بعد بھی بیجا نگر کے جنوب
میں ایک چھوٹے سے ٹکڑے پر حکمراں رہے جن کی راجدھانی پہلے پین کنڈہ تھی
بعد چندراگیری - سنہ ۱۶۴۰ء میں چندرگیری کے راجہ نے سالانہ کرایہ پر ایک پٹی ریتیلی زمین کی
جو دریائے کوام کے شمال میں پرتگیزوں کی ڈگمگاتی ہوئی چھاؤنی "سینٹ ٹامی"
کے پاس مسٹر فرینسس ڈے ایک انگریز تاجر کو دی جو ایسٹ انڈیا کمپنی کی
کونسل کا ممبر مسلی پٹیم میں تھا - اسی خطے پر شہر مدراس کی بنا پڑی - سونے کا پتر جس پر
یہ دستاویز منقوش کی گئی تھی وہ اُس زمانے میں جب کہ مدراس پر فرنسیسیوں
کا قبضہ تھا (سنہ ۱۷۴۶-۴۹ء) میں تلف ہو گئی -

میواڑ کا راج رانائے میواڑ جو سیسودیا یا گہلوٹ فرقۂ قوم راجپوت کا تھا
فی الواقع راجپوت خاندان میں سب سے اول ہے - اس کے آبا و اجداد نے کبھی
اپنی بیٹیاں مغلوں کو دینے کی ذلت کو گوارا نہیں کیا اور نہ اُن کے راج نے کبھی مسلمانوں
کی اطاعت قبول کی الّا جہانگیر کے عہد میں اور وہ بھی درجۂ مساوات پر - قدیم راجدھانی
یعنی چتوڑ کا مشہور قلعہ جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ آٹھویں صدی عیسوی میں مغلوب
ہو گیا تھا - اِس پر تین عظیم الشان معرکے ہوئے - پہلا محاصرہ سنہ ۱۳۰۳ء میں علاء الدین خلجی
کا تھا - دوسرا بہادر شاہ بادشاہ گجرات کا سنہ ۱۵۳۴ء میں اور تیسرا اکبر کا سنہ ۱۵۶۷ء میں
اِن پیاپے معرکوں کی بدولت راجپوتوں کو اپنی بہادری کے جوہر دکھلانے کے عمدہ مواقع
ملے جن میں بہت سی عورتیں بھی اُس ذلت سے محفوظ رہنے کے لیئے جو مسلمانوں
کے ہاتھ میں گرفتار ہونے کی مستلزم تھی - عزت پر اپنی جان قربان کر کے آگ میں جل
مریں اور اس رسم کو راجپوتوں کی اصطلاح میں "جوہر" کہتے ہیں - آخری محاصرے

ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا تھا پھر شکست پائی - سلطان سکندر نے تب بہار اور ترہت
کو جو بادشاہ جونپور کے مقبوضات تھے فتح کر لیا لیکن گوالیار کے قرب و جوار
کے علاقہ جات کو مطیع کرنے میں بڑا عرصہ لگا - دوران مہموں میں ایسا گھتا
رہا کہ باہر ہی باہر رہنا پڑا اور سنہ ۱۴۹۰ء تک وہ دِلّی کو نہ آسکا اور تب بھی صرف تین ہفتے
دِلّی میں ٹکا تھا کہ پھر دوسری شورشوں کے رفع کرنے کو جانا پڑا - اِس طرح کئی برس

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ تہ پھر دکن کے پانچوں مسلمان سلطنتوں سے لڑائیاں رہیں بیجانگر
کے راجاؤں میں سب سے زیادہ مشہور راجہ کشن رائے دیو (۲۹-۱۵۰۹ء) تھا جس نے
اڑیسہ ، گولکنڈہ اور بیجاپور کی افواج پر غلبہ پایا - یہی دکن ہند کا بڑا اور آخری ہند و حکمراں
تھا - کشن رای دیو اپنے " مذہب کا بڑا پکا تھا و مغلوب و شمنوں کے ساتھ مہربانی مفتوحہ
شہروں کے باشندوں کے ساتھ ترحمانہ اور فیاضانہ سلوک - اِس کی بڑی فوجی
شجاعت جس سے اُس نے اپنے باج گزار سرداروں رعایا کو گرویدہ کر لیا تھا غیر
سلطنتوں کے سفیروں اور ایلچیوں کے ساتھ حسن سلوک اور اُنکا احترام - اِس کی
موہنی اور دلکش شکل و شمائل - اِس کی دل لبھانے والی نظر اور شیریں سخنی جو پاکباز
اور عالی شان زندگی کو ممتاز کرتی تھی - اِس کا علمی اور مذہبی مذاق اور اس کا اپنی رعایا کے
لیئے ایثار نفس اور سب سے بڑھ کر وہ بے حد و بے قیاس دولت جو مندروں
کے عطیات میں اور برہمنوں کی داد و دہش میں بخشی جاتی تھی - فی الواقع ایسی باتیں ہیں
جن کی وجہ سے دکن ہند کا یہ سب سے بڑا ممتاز راجہ سمجھا جاتا ہے جس نے صفحات تاریخ کو اپنی
روشنی کی جھلک سے منور کر دیا ہے " (ماخوذ از رپورٹ سالانہ محکمۂ آثار قدیمہ بابتہ سنہ ۹-۱۹۰۸ء
صفحہ ۱۸۶ مرتبہ کرشن ساستری) جب سدرسیو برائے نام راجہ ہوا مگر اصلی حکومت
اُس کے برادر نسبتی رام راج کے ہاتھ میں تھی جس کے مغرورانہ اور گستاخانہ طرز عمل
نے دکن کے پانچوں مسلمان سلطنتوں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ اُن سبھوں نے آپس میں
تنازع نہ کر دیئے اور سب مل کر بیجانگر کے راجہ پر پل پڑے - طرفین کے بے شمار لشکر
جنوری سنہ ۱۵۶۵ء میں دارالسلطنت کے قریب ہی دریائے تنگ بھدرا کے شمال میں
تالی کوٹہ کے میدان میں جمع ہوئے - گو کہ تالی کوٹے کی بستی یہاں سے دور ہے مگر
یہ معرکۂ عظیم جنگ تالیکوٹہ ہی کے نام سے تاریخ میں مشہور ہے - اِس میں ہندوؤں کو کھلی

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

سے بھی کچھ ہل جل کی تھی لیکن چند دنوں کے بعد وہ بھی رام ہو گیا۔ سلطان حسین سابق بادشاہ جونپور نے پھر کروٹ لی اور اپنا ملک واپس لینا چاہا لیکن جیسا تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ ہے کے سب کچھ کھاتے ہیں۔ گائے کی چونکہ پرستش کی جاتی ہے لہذا اگاؤ کشی ممنوع ہے یہ لوگ گوشت خنزیر شکار اور ہرن کا گوشت۔ تیتر۔ خرگوش۔ فاختہ ملیرا اور سب قسم کے پرند۔ حتیٰ کہ چڑیاں۔ چوہے ملیان چھپکلیاں تک کھاتے ہیں اور یہ سب چیزیں شہر میں فروخت ہوتی ہیں۔ اِس سلطنت میں دو سو ضلع تھے۔ ہر ضلع پر ایک حاکم رہتا ہے جو پورے اختیارات رکھتا ہے مگر ہر حال میں اُس کا وجود راجہ کے رحم و کرم پر موقوف ہے۔ ہر حاکم کو لازم ہے کہ ضلع فوج کی ایک مقررہ تعداد فراہم رکھے۔ اِس طرح فوج کی تعداد دس لاکھ تک بھری کی تھی۔ سٹیٹ کا محاصل بہت کثیر تھا۔ امراء تو عیش و آرام میں بسر کرتے تھے۔ لیکن غریب لوگ پسے جاتے تھے اور بمشکل گزراں کرتے تھے۔ جرائم کی سزا بڑی ہولناک تھی۔ چوری کی سزا عموماً ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کا کاٹ ڈالنا تھا۔ اور اگر چوری بڑی ہو تو ٹھوڑی کے نیچے ایک آنکڑا چبھو کر لٹکا دیتے تھے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ چوریاں بہت کم ہوتی تھیں۔

سولی پر چڑھانا اور دوسری اسی قسم کی سزاؤں کا اُس زمانے میں بہت رواج تھا مہلک ہتیاروں سے اکثر دو دشمن لڑکر اپنی نزاع کا تصفیہ کر لیتے تھے جسے انگریزی میں "ڈیول" کہتے ہیں۔ اِس قسم کی لڑائی وزیر کی اجازت سے ہوتی تھی اور جو لوگ اس طرح سے اپنے مناقشوں کا تصفیہ کر لیتے تھے۔ وہ بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ جو فتح مند رہتا تھا اُسے مقتول کی جائداد مل جاتی تھی۔ مسٹر فریڈرک فاسٹ کہتے ہیں کہ اب سے بیس برس پہلے تک ملیبار کے ضلع میں قوم نایر میں ڈیول کا طریقہ جاری تھا۔ جس کی تعریف و ستائشوں میں گائی جاتی تھی۔ یہ لڑائی تلواروں سے ہوا کرتی تھی۔ ستی کی رسم کا رواج کثرت سے تھا۔ جب کوئی راجہ مر جاتا تھا تو اُس کے ساتھ چار سو یا پانسو عورتیں ستی ہو جاتی تھیں۔ تلنگی عورتیں اپنے خاوندوں کے ساتھ زندہ دفن ہو جاتی تھیں۔ یہ حالت ہے اُس طرز زندگی کا جو اوائل سولھویں صدی عیسوی میں ایک ہندو سلطنت میں مروج تھا۔ یہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ راجایان بیجانگر کو آئے دن اپنے ہم عصر اور ہمسر سلمان بادشاہوں سے لڑنا پڑتا تھا۔ پہلے سلاطین بہمنیہ سے اور

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

ایسے شخص کو جو سُنار قوم کی ہندنی کے بطن سے ہو بادشاہ مقرر کیا جائے اِس کا مدمقابل اِس کا چچیرا بھائی تھا جس کو سکندر نے شادی اور پھر بڑی دہلی سے اُس کی خطا سے درگزر بھی کی ۔ اِس کے بڑے بھائی باربک شاہ جونپوری

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ کے بھی یکے بعد دیگرے سات فصیلوں کا حصار تھا اس کے بازار نہایت آباد اور اشیائے یا یتحاج سے ایسے ہی بھرے پڑے تھے جیسے عموماً ایشیائی شہروں کے ہوتے ہیں ۔ عبدالرزاق سیاح نے اِس شہر کا تذکرہ بہت تفصیل سے کیا ہے ۔ جس میں کے چند فقرے ہم یہاں نقل کرتے ہیں :۔

شہر ایسا ہی کہ دنیا میں اِس کی نظیر لاعین رأت دلا اذن سمعت ۔ یہ اِس ندرت سے بنایا گیا ہی کہ جس کے سات قلعے اور سات ہی فصیلیں بھی ہیں ۔ پہلے قلعے کے گرد قد آدم بلند پتھر لگے ہیں ۔ جن کے آدھے زمین کے اوپر ہیں اور آدھے زمین میں گڑے ہوئے ہیں ۔ یہ اِس ترکیب سے یکے بعد دیگرے نصب کیئے گئے ہیں کہ سوار یا پیدل بہ آسانی قلعہ تک نہ پہنچ سکے ۔ ہر بازار میں عالی شان اور مرتفع دالان ہیں ۔ جن کے سامنے برآمدے ہیں ۔ لیکن راجہ کے دربار عام کا ہال جو محل میں ہی سب سے اونچا ہی ۔ بازار بہت چوڑے کشادہ اور لمبے لمبے ہیں جہاں دیکھو گلاب کے پھول کثرت سے بکتے رہتے ہیں ۔ یہاں کے لوگ اِس طرح اِن پھولوں کے شایق ہیں گویا جسطرح کھانا فرض ہی اُسی طرح یہ بھی شرط زندگی ہیں پیشہ ور لوگوں کی دکانیں سلسلہ وار ہیں ۔ جوہری سر بازار موتی ۔ لعل ۔ زمرد ۔ ہیرے فروخت کرتے ہیں ۔ اِس نفیس خطے میں بہت سے چشمے اور نہریں رواں ہیں جن کی بندش گھڑے ہوئے اور چکنے پتھروں کی ہی ۔ اِس سلطنت کی آبادی اِس قدر وافر ہی کہ اُس کی تفصیل کے لیئے بہت جگہ درکار ہی راجہ کے محل میں متعدد حوض سونے سے بھرے ہوئے ہیں جن کا ایک ہی ڈلا ہی ۔ تخت جو بہت بڑا ہی اُس پر نہایت بیش قیمت جواہرات جڑے ہوئے ہیں" یہاں کی گورنمنٹ کا مفصل حال نیونز ایک پرتگیز سیاح نے بہت تفصیل سے لکھا ہی ۔ یہاں کا راجہ خودمختار اور مطلق العنان ہی جس کے اختیارات بہت بڑے اور سب پر حاوی ہیں خواہ وہ چھوٹا آدمی ہو یا بڑا اُس کے اختیارات پر کسی قسم کی روک نہیں ہی ۔ راجہ کے نوکر چاکر (زیادہ تر) عورتیں ہیں جن میں کی بعض مسلح بھی ہیں بسنگا (پرتگیز نے رایان بیجانگر کا یہی نام رکھا تھا) کے راجہ سوائے گائے کے گوشت

(بقیہ نوٹ برصفحہ آیندہ)

نظام خاں سکندر لودھی سنہ ۱۴۸۸ع سے ۱۵۱۷ع

بہلول کی وفات کی خبر سنتے ہی اُس کا ایک بیٹا جس کا نام نظام شاہ تھا جالندھر سے دلی پہنچا اور سکندر کے لقب سے تخت نشین ہو گیا لیکن اس کی تخت نشینی بھی بلا جھگڑے کے نہ ہوئی کیوں کہ افغان امرا نہیں چاہتے تھے کہ ایک

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ:- محمد بن تغلق نے سنہ ۱۳۲۷ع میں اسے بالکل اُجاڑ ڈالا۔ رام چندر یادو خاندان کے راجہ کو پہلے علاء الدین کی اطاعت قبول کرنی پڑی بعد ملک کافور کو اس نے ایک خطیر رقم دے کر کسی نہ کسی طرح اپنی جان بچالی۔ اُس کے بیٹے ہرپال نے ہمت کر کے اِن کے دباؤ سے نکلنا چاہا مگر بدقسمتی سے سنہ ۱۳۱۸ع میں قطب الدین مبارک سے شکست کھائی جس نے وحشیانہ طور پر اُس کی زندہ کھال کھچوائی۔ محمد بن تغلق کے ہولیسالہ خاندان کے تباہ کرنے کے تھوڑے دنوں بعد اسی خاندان کے پانچ باج گزار بھائیوں نے ملکر دریائے کرسنا اور تنگ بھدرا کے جنوب میں ایک نئی خودمختار سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ ان میں سے دو بھائی ہریہر اول اور بکا (سنہ ۱۳۳۶ع-سنہ ۱۳۷۶ع) سلطنت بیجانگر کے دو پہلے راجہ گزرے ہیں۔ اِس نئی سلطنت نے تھوڑے ہی عرصے میں ایسی حیرت خیز ترقی کی کہ ان بھائیوں کی زندگی ہی میں مسلمانوں کو مدورے سے نکال باہر کیا جو پانڈوؤں کی قدیم دارالسلطنت تھا۔ اور جولا خاندان کی قدیم سلطنت بھی اِس نئی سلطنت میں ضم ہو گئی عالم و فاضل برہمن مادھوچاری اور اُس کا بھائی سایں جو ویدا اور دیگر مذہبی کتابوں کا مشہور شارح ہے یہ پہلے تین راجاؤں کے وزیر تھے۔ ان کی دارالسلطنت شہر بیجاپور میں مقرر ہوئی جو مقام اب ہمپی کے کھنڈر کے نام سے مشہور ہے اور ضلع بلھاری صوبۂ مدراس کے حدود میں واقع ہے۔ جس کی مفصل تاریخ ہم نے "تاریخ بیجانگر" المعروف "ہمپی کے کھنڈر" لکھی ہے۔ یہاں کے راجہ اصل نسل کے کنڑے یعنی کرناٹک والے تھے اور وہ رایان بیجانگر کہلاتے تھے۔ اِن کے عہد میں اِس شہر نے ایسی جلد اور حیرت خیز ترقی کی کہ سنہ ۱۴۴۳ع میں ایک فارس کے ایلچی عبدالرزاق نے اس شہر کی نسبت لکھا ہے کہ ملک ایشیا کا یہ ایک نہایت شاندار شہر تھا۔ اس کے کھنڈروں میں جن کی چھان بین محکمہ آثار قدیمہ نے زمانۂ حال میں نہایت اہتمام سے کی ہے عہد سود کی بہت ہی عمدہ متعدد عمارات ہیں جو کئی مربع میلوں میں پھیلی پڑی ہیں۔ قنوج اور دلی کی طرح اِس شہر کے گرد

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

رکھ لیے اور باقی ملک از خود اپنے معاندین میں تقسیم کر دیا۔ بہلول لودھی نے ۱۴۸۸ء میں بیمار ہو کر انتقال کیا۔ اور اپنے باغ میں جو درگاہ حضرت روشن چراغ دہلی کے محاذی ہے۔ ایک مقبرے میں دفن ہوا۔

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ۔ احمد نگر۔ احمد نگر کے نظام شاہی خاندان کی بنا بھی عادل شاہی خاندان کے ساتھ ہی ساتھ پڑی۔ یہاں کا صوبہ دار احمد شاہ پسر نظام الملک بھی خود مختار ہو گیا تھا۔ یہاں کے تاریخی حالات سوائے اس کے کچھ زیادہ دل چسپ نہیں ہیں کہ یہاں کی ایک نہایت جری عورت چاند بی بی نے ۱۵۹۶ء میں اکبر جیسے بادشاہ کو پسپا کر دیا تھا۔ چار برس بعد عارضی طور پر شاہنشاہ دہلی کامیاب ہوا اور احمد نگر ایک صوبہ قرار دیا گیا لیکن ایک حبشی جنرل ملک عنبر نے پھر قبضہ کر لیا اور آخر کار ۱۶۳۷ء میں قطعی طور پر یہ ملک فتح کیا گیا۔

گولکنڈہ۔ یہ سلطنت بہمنیہ کا ایک جزو تھا جس نے ۱۵۱۲ء میں علیٰحدہ [illegible] کی شکل اختیار کی یہاں کے بادشاہ قطب شاہی کہلاتے تھے۔ جن کو ۱۶۸۷ء میں اورنگ زیب نے ختم کر دیا گولکنڈہ شہر حیدر آباد دکن سے بالکل قریب ہے۔ یہاں کا قدیم قلعہ جس میں بڑے بڑے عالی شان مقبرے ہیں حضور پر نور سرکار عالی نظام کی سلطنت میں ہے جس میں فوج رہتی ہے۔

برار یا ایلچ پور۔ یہ تیسرا صوبہ دار تھا جس نے خود مختار ہو کر برار کی [illegible] قائم کی جس کا دار الخلافہ ایلچ پور تھا جو قریب (۸۴) برس کے ۱۵۷۴ء تک قایم رہی اس کے بعد یہاں کے بادشاہ عماد شاہی کہلاتے تھے۔

ہندوستان کے جنوبی حصہ ملک کی تاریخ ۱۴۰۰ء سے لے کر ۱۵۶۵ء تک کا خلاصہ یہ ہے کہ دکن کے پانچوں مسلمان بادشاہ بیجانگر کے راجہ سے ہمیشہ بر سر پیکار رہے تاآں کہ جنوری ۱۵۶۵ء میں تالیکوٹہ کی مشہور جنگ میں بیجانگر کے راج کا خاتمہ ہوا اور آخر کار ایک ایک کر کے اِن سب مسلمان بادشاہوں کو بھی زبردست شاہنشاہ دہلی کے سامنے سر اطاعت خم کرنا پڑا۔

بیجانگر کا راج۔ جب مسلمانوں کی افواج تیرھویں صدی عیسوی کے ختم اور چودھویں کے شروع میں ملک دکن میں داخل ہوئیں تو میسور کے ملک پر ہوئیسالا خاندان کے راجہ حکمراں تھے اور مغربی جانب دکن پر دیوگیری کے یادو خاندان کا تسلط تھا۔ ہوئیسالہ کے راجاؤں کا راج دھانی دوار سمدر کو ملک کافور اور خواجہ حاجی نے ۱۳۱۰ء میں فتح کر لیا جس کو

(بقیہ نوٹ صفحہ آیندہ)

کا دم ناک میں آگیا تھا اپنی سلطنت کے آخیر زمانے میں اُس نے بیزار ہو کر صرف دِلّی اور اُس کے ملحقہ بعض اضلاع اپنے بیٹے **نظام خاں** کے لئے

تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ کے ہیں جہاں کے ضلع داخل جرد اس تک اسے آباؤ اجداد کی قدیم زمانے کی دستکاریوں کے نکات سے واقفیت رکھتے ہیں۔

دکن کی اسلامی سلطنتیں۔ دکن میں کئی اسلامی سلطنتیں تھیں۔ ایک افغان سردار حسن گانگوی بہمنی نے محمد تغلق کے زمانے (سنہ ۱۳۴۷ء) میں ایک وسیع سلطنت قایم کرکے گلبرگہ کو دار الخلافہ بنایا جو اس سرکار عالی حضور نظام دکن کی ممالک محروسہ میں ہے۔ پھر گلبرگہ سے (۶۰) میل کے فاصلے پر بیدر کو دار السلطنت منتقل کی (ان دونوں مقامات کا تفصیلی حال ہماری کتاب واقعات مملکت بیجاپور میں موجود ہے) اس خاندان کا نام اس کے بانی کے نام پر سے سلطنت بہمنیہ قرار پایا۔ ایک صدی سے اوپر ادہر (سنہ ۱۳۴۷–۱۴۸۲ء) تک بہمنی سلطنت ہندوستان میں سمندر کے اِس ساحل سے اُس ساحل تک پھیلی رہی جس میں کچھ حصہ موجودہ بمبئی پریذیڈنسی سلطنت نظام اور مدراس پریذیڈنسی کے ملک "شمالی سرکار" کا بھی شامل تھا اِن بادشاہوں کو بہت سے طاقتور ہندو راجگان بیجانگر (دکن) سے جنگ رہی جو اُس زمانے میں سارے تامل علاقے کے راجہ تھے۔ سنہ ۱۴۸۲ء میں اِس سلطنت کے پانچ ٹکڑے ہو گئے (۱) بریدشاہی بیدر (۲) عادل شاہی بیجاپور (۳) نظام شاہی احمدنگر (۴) قطب شاہی گولکنڈہ (۵) عماد شاہی برار یا ایلیچ پور

بیدر (۱) ایک ترک سردار نے ایک چھوٹی سی جداگانہ سلطنت بیدر میں قائم کی جو ایک صدی تک قائم رہی اور یہی بریدشاہی کہلاتے ہیں۔ بیجاپور سلطنت بہمنیہ جو پندرھویں صدی کے اوائل میں بر سر عروج تھی بزمانۂ انحطاط اُس میں دور دراز کے مقبوضات کو قابو میں رکھنے کی سکت نہ رہی۔ سنہ ۱۴۹۰ء میں بیجاپور کا ایک ترکی صوبہ دار خود مختار بن بیٹھا اور اپنے نام پر ایک نئے خاندان عادل شاہیہ کی بنا ڈالی جو سنہ ۱۶۸۶ء تک جب کہ اورنگ زیب نے اُس کا خاتمہ کیا قائم رہا۔ بیجاپور کے قدیم شہر کا دور تیس میل کہا جاتا ہے اور وہاں کی بے نظیر اور شاندار عمارات اب بھی اپنے نظارے کے لئے سیاحوں کو دور دور سے کھینچ لاتی ہیں بڑی بڑی مسجدیں اور سلاطین عادل شاہیہ کے مقبرے جو آگرے اور دِلّی کی عمارات کے طرز سے جدا ہیں۔ اُن کی نسبت ماہرین فن تعمیر کی

[illegible]

(بقیہ نوٹ) ... تک نہ پہنچ سکا دور ہی دور رہے البتہ صرف ایک حملہ مغرب میں قلعۂ بھٹیارے تک پہنچا تھا۔ آئے دن کے لڑائی جھگڑوں سے بہلول (تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ ہے) بڑودہ اور راجپوتانے کے جنوبی حصے سے ہم سرحد ہے سلطان محمد غوری نے ۱۱۹۶ء میں فتح کرلیا اور اسی زمانے سے تیمور کے حملے (۱۳۹۸ء) تک کم و بیش بادشاہان دہلی کی زیر حکومت رہا۔ تیمور گردی میں جونپور کی طرح یہاں کا گورنر بھی خود مختار ہوگیا اور مظفر شاہ کے لقب سے بادشاہ بن گیا۔ اس کے پوتے احمد شاہ (۱۴۱۱-۴۳ء) نے بجائے انہلواڑے کے احمد آباد دارالخلافہ مقرر کیا اور مالوے اور دوسرے ہم سرحد علاقوں سے بہت سی لڑائیاں لڑا۔ گجرات کے بادشاہوں میں سب سے بہتر اور مشہور بادشاہ محمود بادشاہ تھا جو بہت کم سنی یعنی تیرہ سال کی عمر میں تخت پر بیٹھا اور باون برس سلطنت کی (۱۴۵۹-۱۵۱۱ء) اس سے اور رانائے میواڑ سے بڑی طول طویل جنگ ہوئی اور اپنے ہم سرحدی بہت سے رؤسا پر فتح حاصل کی لیکن پرتگالیوں کی روک تھام میں اسے خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی جو مغربی حصۂ ہند میں طاقت پکڑتے چلے جارہے تھے۔ محمود نے بندر ڈیو کی لڑائی (۱۵۰۹ء) میں اپنا ایک بحری بیڑا بھی کھو دیا۔ اسی زمانے کے قریب میں دلّی کے بادشاہ سکندر لودھی نے بادشاہِ گجرات کی خودمختاری کو تسلیم کیا۔ بہادر شاہ نے جو محمود کا پوتا اور محمود کے بعد چوتھا بادشاہ تھا ۱۵۳۱ء میں مالوے کو فتح کرلیا اور اس کے تین سال بعد چتوڑ کا محاصرہ کرکے رانائے میواڑ سے قلعہ لے لیا۔ آخرکار ۱۵۷۳ء میں اکبر نے گجرات کے آخری بادشاہ کا قلع قمع کرکے ملک پر قبضہ کرلیا لیکن کامل فتح ۱۵۹۲-۹۳ء میں حاصل ہوئی۔ گجرات میں ہندوؤں اور جینیوں کے بہت خوب صورت مندر سدھ راج اور کمارپال (یہ دونوں بارہویں صدی عیسوی میں چلوکیا یا سلوںکی خاندان کے مشہور راجہ تھے) کے عہد کے تھے جن کا مال مسالا اور ماڈل (نمونہ) دونوں سلاطین اسلام کی خوب صورت عمارتوں کے کام میں آئے۔ اُن لوگوں نے احمد آباد کو ہندوستان کا سب سے خوب صورت اور نفیس شہر بنا دیا تھا اور سولھویں صدی کے آخر تک وہ ایسا ہی رہا کہ بلحاظ عمدگی و نفاست، شان و شوکت اور وافر آراستگی کے اِس سے بڑھ کر کسی شہر کی عمارات نہ تھیں۔ اب بھی گجرات میں فن تعمیر زندہ ہے اور صرف یہی صوبہ

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

کی مملکت کو فتح کرکے دلی کی سلطنت میں شامل کرلیا اور اپنے بیٹے بارنک شاہ
کو وہاں کا گورنر مقرر کیا۔ اسی طرح اور بھی کئی حملے ہوئے مگر اُس میں سے کوئی بھی

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ کہ محض برائے نام تھی۔ ۱۱۹۳ء سے ۱۳۳۸ء تک بیس صوبہ دار
بدلے اور جس کا جو دل چاہا سو کیا کوئی پرسانِ حال نہ تھا صوبۂ بنگالہ یا لکھنوتی کی عہد اسلامی
میں حدود ذیل تھیں۔ جنوب میں سندربن۔ مشرق میں دریائے برہم پترا۔ شمال میں
کوچ بہار اور ترائی۔ مغرب میں دریائے کوسی۔ لیکن ایک وقت میں ترہت اور بہار
کا جنوبی حصہ بھی اسی میں ملا دیا گیا تھا۔ جس میں اُڑیسہ اور چیٹیا ناگپور شامل نہ تھا۔ تین
قدیم دار الخلافے گوڑیا۔ لکھنوتی۔ پانڈویا فیروز آباد اور ٹانڈا سب مالدا کے ضلع میں
تھے۔ محمد تغلق (۱۳۴۰ء) کے زمانے میں الیاس شاہ بنگال کا خود مختار بادشاہ بن بیٹھا اور
فیروز شاہ نے بھی ۱۳۵۵ء میں اِس کی بادشاہت کو جو ایک دانشمند اور طاقتور
حاکم تھا تسلیم کرلیا۔ الیاس شاہ کا بیٹا سکندر شاہ بھی باپ کی طرح نہایت قابل
شخص تھا۔ جس نے پانڈو میں دمشق کے نمونے کی آدینہ مسجد ایسی بنوائی ہے کہ جو بنگالے بھر
میں سب سے عمدہ عمارت خیال کی جاتی ہے۔ حسین شاہ (۱۴۹۳-۱۵۱۸ء) بنگالے
کے سب بادشاہوں میں بڑا اور بہترین تھا جس نے جونپور کے بادشاہ سلطان حسین
کو اُس وقت پناہ دی تھی جب کہ اُسے بہلول لودھی نے نکال دیا تھا۔ لودھی بادشاہ
نے جب بہار پر قبضہ کرلیا جو جونپور کی سلطنت میں تھا تب سے بنگال اور دلی کے بادشاہوں
کا تعلق راست ہوگیا۔ بنگال کا بادشاہ نصرت شاہ (۱۵۱۸-۳۲ء) نے ترہت کو اپنی
سلطنت میں شامل کرنے کی وجہ سے بابر نے لشکر کشی کی جس کا خاتمہ صلح پر ہوگیا ۱۵۲۹ء
میں بابر کی وفات کے بعد شیر شاہ بہار کے افغان گورنر اور بابر کے بیٹے ہمایوں سے جنگ
رہا اس اثنا میں شیر شاہ بنگال کا بادشاہ ہوگیا اور کچھ عرصے بعد ۹۵۲ء وہ برائے
چندے دلی کا بادشاہ بھی رہا شیر شاہی خاندان کا خاتمہ جلد ہوگیا۔ اور ایک دوسرے
افغان خاندان نے سلطنت بنگال پر تسلط کرلیا۔ اس خاندان کے آخری شخص داؤد شاہ کو
اکبر کے جنرل نے شکست دے کر ۱۵۷۶ء میں قتل کیا تب سے صوبۂ بنگالہ سلطنت
مغلیہ میں شامل ہوگیا۔

گجرات کی اسلامی سلطنت۔ گجرات کے عمدہ صوبہ کو جو بمبئی پریزیڈنسی کے شمالی

جس طرح پلوریق جیت پر جیت ہوتی رہی اُسی طرح بے چارے بدنصیب جونپور کے بادشاہ کو ہر بار شکست ملتی تھی۔ آخرکار نتیجہ یہ ہوا کہ بہلول نے جونپور کے شرقی خاندان

تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ ۔ تاریخ بنا ئے پل جونپور۔ منعم خاں خانخاناں کہ بعد از معزولی خانخاناں بیرم خاں در ۹۶۷ھ از محمد اکبر شاہ منصب عالی وکالت و شرف خطاب خانخانی معزز شدہ بود و بعد کشتہ شدن خان زماں و علی قلی خاں در ۹۷۴ھ تمامی جاگیر ایشاں از جونپور و بنارس و غازیپور تا کنار آب جون بدو تفویض گردیدہ او در سال ۹۷۵ھ سوائے مساجد و عمارات کہ در جونپور تعمیر نمودہ پلے بہ نہایت استحکام بر دریائے گومتی بستہ کہ امروز موجود است و ہیچ تغیرے در وراہ نیافتہ مہتمم آں پل فہیم نامی غلامے بود۔ تاریخ تعمیر ایں پل عزیزی بہ طریق تعمیہ یافتہ و در آں جا ثبت نمودہ :۔ تاریخ

خانخاناں خانِ منعم اقتدار — بستہ ایں پل را بتوفیق کریم

نام او منعم ازاں آمد کہ ہست — بر خلائق ہم کریم و ہم رحیم

رہ بتاریخش بری گر افگنی — لفظ بد را از صراط المستقیم

۹۸۱ - ۹۷۵

منعم خاں در ۹۸۳ھ در ماہ رجب در لکھنوتی کہ دارالملک بادشاہان بنگالہ بود و آنرا گور نیز می گویند وفات یافت۔ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ تیمور گردی کے بعد جس کو جہاں موقع ملا لک دبا بیٹھا اور خود مختار بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ مالوے اور جونپور کے شرقی بادشاہوں کا حال اوپر آچکا ہے۔ تسلسل واقعات قائم رکھنے کی غرض سے اِس زمانے میں جو اور سلطنتیں تھیں اُن کا ذکر بھی ہم اجمالاً کر دیتے ہیں۔

۱۱۹۹ء میں ملک بنگالہ مسلمانوں کے قبض و تصرف میں آگیا تھا۔ راجہ لکشمن سین ایک مسن شخص ندیا یا نواد یپ میں حکمراں تھا اُس کو صرف اٹھارہ سواروں نے ایسا ڈر پڑا لیا کہ اُس نے پچھیت کے دروازے سے بھاگ کر ڈھاکے میں جا کر سر چھپایا اور ندیا اپنی دارالخلافہ کبھی یا دیگار مسلمانوں کے رحم پر چھوڑ گیا جنھوں نے خوب لوٹ لاٹ کر لکھنوتی یا گوڑ کو اپنا دارالخلافہ قرار دیا۔ محمد بختیار خلجی ترک جنرل نے مساجد مدارس درگاہوں کو بہت کچھ عطیات دیئے اور بہت سا مال غنیمت اپنے سردار قطب الدین ایبک کو بھیج دیا۔ اُس وقت سے بنگال سلطنت دہلی کا ایک صوبہ ہو گیا تھا اور اِس حصۂ ملک میں بادشاہان دہلی کے صوبہ دار حکمراں رہتے تھے۔ لیکن دِلّی یہاں سے اتنی دور تھی کہ وہاں کی نگرانی

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)

"دو بادشاہ دراقلیمے نمی گنجند" یہ دو عملی بحث نہ سکی اور جنگ چھڑ گئی سنہ ۸۵۱ھ میں جب کہ
بہلول لودھی دلی میں موجود نہ تھا۔ محاصرہ کرلیا۔ لیکن ایک معرکے میں جو دلی سے
تیس میل شمال میں ہوا تھا محاصرین کی طرف کے ایک بڑے امیر کو سازش کرکے
اُدھر سے توڑ لیا گیا جس کی وجہ سے محاصرہ جلد اُٹھانا پڑا اور اس طرح بہلول لودھی
کا قبضہ پھر دارالسلطنت دہلی پر ہوگیا۔ اِس قسم کی کئی لڑائیاں ہوئیں جن میں بہلول کو

(تکملۂ نوٹ صفحۂ گزشتہ) چاروں کونوں پر چار برجیاں ہیں۔ اِس کے اندر چار قبریں ہیں جن
میں سے کسی پر کتبہ نہیں ہے۔ اِسی گنبد میں ایک طرف ایک پتھر جڑا ہوا ہے۔ جس پر ذیل کا قطعہ کندہ
ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص شاہ بڑے خاں حسین شاہ بادشاہ شرقی ابن
محمود شاہ بن سلطان ابراہیم شرقی کے عہد میں سنہ ۸۸۱ھ میں تھے اُن کا یہ روضہ ہے۔

ایں گنبد رفیع کہ از چرخ برتر است	ویں طاق بے نظیر کہ از ریشہ دیوار است
گشتہ بعہد ہمایوں حسین شاہ	کاندر زمانہ ذات جلیلش مطہر است
ترتیب کرد شاہ بڑے خاں و فتح خاں	کز فضل حق جہاں ہمہ او را مسخر است
بادا ہزار سال حیاتش فلک مقام	کیں ملک بر دوام بذاتش مقرر است
ہشتاد و یک و ہشتصد از ہجرت اوّل	تاریخ و سال گشت رقم بہ سراست
بانی طاق سید راجوی بن جلال	کافاق از جمالش و ستر سوا است

کاتب حروف حاتم مسکین کہ ادیب
اُمیدوار مغفرت از حضرت اکراست

اِسی روضہ کی پیشانی پر ایک اور تاریخ کندہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روضہ کسی وقت زلزلے
سے شکستہ ہوگیا تھا جس کو انہیں کی اولاد میں سے کسی شخص عباس علی نے سنہ ۱۲۲۰ھ میں تعمیر
کرادیا:

ایں روضۂ اطہر و منوّر	ثابت لقب و جلال حیدر
تعمیر شد سری چو محمود	ہشتاد و یکے و ہشت صد بود
کز زلزلہ زمیں شکستہ	تعمیر دگر شکستہ بستہ
عباس علی یکے ز اولاد	خلف الصدق است و آل امجاد

بعد دو صد و دو یک ہزار است
از ہجر رسول نامدار است

زمان سلطنت میں بہلول کو لامحالہ اس حالت کو انگیز کرنا پڑا اور دونوں میں اپنے اپنے مقبوضات پر علی حالہ قائیم و برقرار رہنے کا ٹن سمجھوتا ہو گیا لیکن مثل مشہور ہے کہ

تکملۂ نوٹ صفحۂ گزشتہ کہ سلطنت اس بادشاہ کو ایک جفاکش اور اچھا بادشاہ لکھا ہے وہ جب تک زندہ رہا رعایا کا ہر دل عزیز رہا اور مرنے کے بعد اُس کی وفات سے تمام رعایا سوگوار رہی لیکن شاید اہل ہنود کا خیال اوطرح کا تھا کیوں کہ ابراہیم میں اسلامی تعصب پایا جاتا تھا اور گو وہ مشہور تھا۔ مگر خونخوار نہ تھا۔ یہ ایک بدقسمتی ہے سلاطین دہلی یا دوسری سلطنت ہائے اسلامی کی کہ حالات کا کوئی مرقعہ اہل ہنود کا لکھا ہوا موجود نہیں ہے۔ ہماری واقعہ نگاری کا تمام تر ماخذ مسلمان مورخین ہیں جن کے نزدیک تمام ہندو جہنمی تھے جو اُن کا اپنا ہی قول ہے۔ ابراہیم کا بیٹا محمود بھی ایک اچھا بادشاہ ہو گزرا ہے اور جس کو اپنے زمانے کے محاربوں میں کامیابی حاصل رہی۔ جونپور کے خود مختار بادشاہوں میں کا آخری بدنصیب بادشاہ سلطان حسین تھا جسے ۱۴۷۶ء میں بہلول لودھی نے تخت سے اتار دیا اور جس نے اپنے ہمنام بادشاہ بنگالہ کے ہاں پناہ لی۔ ۱۴۸۶ء میں بہلول لودھی نے اپنے بڑے بیٹے باربک کو جونپور کا گورنر مقرر کیا۔ بہلول کے جانشین سکندر لودھی نے پوری طرح سلطنت جونپور کو فتح کر کے صوبۂ بہار میں شامل کر دیا۔ جونپور کے جتنے بھی بادشاہ شرقی خاندان کے ہوئے سب فارسی اور عربی علوم کے شایق اور قدر دان تھے اور سلطان حسین گو معاملات رزم میں بدقسمت رہا مگر وہ بڑا شاعر اور فن موسیقی کا ماہر تھا۔ اس زمانے میں جونپور کا وہ شہرہ بلند تھا کہ اُسے "شیراز ہند" کہتے تھے جونپوری مشہور اٹالہ مسجد سلطان ابراہیم نے ۸۵۲ھ میں بنائی تھی۔ جس کی تعمیر کی تاریخ "مسجد جامع الشرقی" ہے۔ لال مسجد اُس کے بیٹے نے بنوائی اور مسجد جامع حسین شاہ کی بنائی ہوئی ہے اور یہی مشہور عمارات ہیں جن کو لوگ غلطی سے پٹھانوں سے منسوب کرتے ہیں۔ ان مسجدوں کے مینار نہیں ہیں۔ یہ عمارات اپنے عالی شان دروازوں اور اندروار سے گاؤدم دیواروں کے سبب سے مشہور ہیں شہر کے مشرق میں پرانے قلعے کے پاس ایک مرتفع مقام پر احاطے کے اندر ایک درگاہ ہے۔ جس کے اندر دو روضے سنگ سرخ و سفید کے بنے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک روضے کی پیشانی پر تاریخ تھی جو بہ سبب کہنگی کے بالکل معدوم ہو کر صرف دو تین لفظ باقی رہ گئے ہیں جس سے کچھ پتہ نہیں چلتا کہ کن بزرگ کی درگاہ ہے مگر یہاں کے لوگ کہتے ہیں کہ مخدوم جہانیاں کی اولاد میں سے کسی بزرگ کا مقبرہ ہے اسی کے پاس ایک دوسرا عالی شان گنبد ہے جس کے

(بقیہ نوٹ برصفحۂ آیندہ)

چنانچہ آخرکار عالم شاہ نے تخت دے کر آپ الگ ہوگیا۔ بہلول لودھی نے اپنی حکومت کو مستقل بنانے اور تقویت و استحکام دینے کے لیئے اُس وزیر کو جو اس کی تخت نشینی میں مددگار تھا قید کردیا۔ غنیمت ہے کہ جان سے نہیں مارا کہ اُس زمانے میں کسی کی جان بخشی کردینا بھی بڑی دریا دلی کا کام تھا۔ گو بہلول لودھی بادشاہ ہوگیا لیکن تخت و سلطنت کے اور بھی کئی طاقتور دعوی دار موجود تھے۔ کوئی پچاس برس سے اوپر ہی اوپر ہوئے آئے تھے کہ جونپور[۵] کی سلطنت خود مختار ہوگئی تھی اوائل

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ ؎ شاہ بہلول چون بتخت نشست | عدل و ستار زیب مملکت است
گفت دل سال جلسیت ہاتف گفت | کہ بہار جلوس سلطنت است

اور اکثر با سلطان محمود شاہ و پسرش محمد شاہ شرقی مقابلہ و محاربہ دست داده (۸۵۶) چون نوبت بسلطان حسین شرقی پسر محمود شاہ رسید تا چند سال با او صلح قرار گرفت ما بین ایشان نزاع قائم گردید و ہفتے بین الجانبین محاربہ بود اما ہر مرتبہ سلطان حسین ہزیمت یافتہ و سلطان بہلول بعد سلطنت ۳۸ سال ۸ ماه ۸ روز در سنہ ۸۹۴ مریض گشتہ بتاریخ دوم شعبان وفات یافت و پسرش سکندر شاہ بجائے او نشست تاریخ وفات این ست۔

(۱) بہ صد و نود و چار رفت از عالم | خدیو ملک ستان جہان کشا بہلول
رفیع ملک ستان بود لیک روز اجل | نبود مجال بشمشیر و خنجر مصقول

(۲) شاہنشہ عالم شہ بہلول کہ دیدی | افتاده در اطراف جہان ہیبت کارش
در حلہ شد و گفت سروش از سر ہیبت | قصد سفر عالم ارواح رسالش
۸۹۱ ۸۹۴

[۵] بادشاہان جونپور کی تاریخ کا خلاصہ یہ ہے کہ اِن کا دَور دورہ کچھ کم ایک صدی تک رہا۔ جونپور کا موجودہ شہر فیروز شاہ تغلق نے سنہ ۱۳۶۰ء میں اہل ہنود کی ایک قدیم بستی کی جگہ آباد کیا تھا سنہ ۱۳۹۴ء میں محمود تغلق نے طاقتور امیر خواجہ جہاں کو ملک الشرق مقرر کیا اور اُس کا دارالخلافہ جونپور میں قرار دیا۔ سنہ ۱۳۹۸ء میں امیر تیمور کی غارت گری کے بعد خواجہ جہاں کے فرزند متبنیٰ نے سلطنت دہلی سے قطع تعلق کرلیا اور خود مبارک شاہ شرقی کے نام سے بادشاہ ہوگیا اس کے بعد اُس کا چھوٹا بھائی ابراہیم تخت نشین ہوا جو جونپور کے بادشاہوں میں سب سے زیادہ مشہور تھا جس نے سنہ ۱۴۰۲ء سے لے کر سنہ ۱۴۴۰ء تک بڑی کامیابی سے سلطنت کی الوالعزم

(بقیہ نوٹ برصفحہ آئندہ)

میں زندہ رہا اور وہاں (۲۸) برس تک رہ کر ۸۸۳ھ ۱۴۷۸ء میں انتقال کرگیا اسی پر خاندان سادات کا خاتمہ ہوا اور لودھیوں کا عہد شروع ہوگیا۔

خاندان سادات

خضر خاں ۱۴۱۴-۲۱ء
معزالدین مبارک شاہ ثانی ۱۴۲۱-۳۳ء
محمد شاہ بن فرید شاہ ۱۴۳۳-۴۵ء
علاءالدین عرف عالم شاہ ۱۴۴۵-۵۱ء

خاندان لودھی

۱۴۵۱-۱۵۲۶ء

بہلول لودھی ۱۴۵۱-۸۸ء

محمدؐ غوری سے لے کر ابراہیم لودھی تک سب بادشاہ پٹھان یا افغان کہلاتے ہیں۔ لیکن دراصل وہ لوگ ترک تھے بہلول[1] لودھی سے جس خاندان کی بنا پڑی یہ البتہ پٹھان تھے جن کا ذکر پہلے پہل محمدؐ شاہ کے ضمن میں آچکا ہے۔ عالم شاہ کے زمانے میں سلطنت کا سارا کام کاج یہی کرتا تھا اور ایسا دخیل تھا کہ اصل بادشاہ یہی سمجھا جاتا تھا

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ کہ سلطان علاء دیں چو در وقت سعید ‏ ‏ ‏ برسر نہاد تاج از زور حسام
گفتم کہ ز سال او چہ گویم ہاتف ‏ ‏ ‏ فرمود کہ تاج بادشاہ اسلام

[1] سلطان بہلول لودھی ابن کالا ابن ابراہیم خاں حاکم ملتان بود وقتیکہ بہلول در شکم مادر بود خانہ بر مادرش افتاد وجاں داد پدرش بزودی شکم زن چاک کردہ پسر را برآوردہ بہلول نام نہاد۔ بہلول در ۸۵۵ھ غائبانہ سلطان علاءالدین ابن سلطان محمدؐ شاہ بادشاہ دہلی راکہ بہ بداؤں استقامت داشت برحسام خاں وزیر او کہ حراست دہلی می کرد مستولی گشتہ دہلی را متصرف شد ودر ۸۵۶ھ ۲۰ ذی الحجہ برتخت جلوس نمود۔ تاریخ جلوس این است:۔

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

میں عاجز ہو کر خود بخود محاصرہ اُٹھا لیا۔ اِس بادشاہ نے بارہ برس سلطنت کرکے شوال ۸۴۹ھ (۱۴۴۵ء) میں بیماری سے انتقال[1] کیا اور موضع خیرپور میں صفدر جنگ کے مقبرے کے پاس ایک گنبد میں دفن ہوا جو لودھیوں کے مقابر میں سب سے بہتر ساخت کا ہی۔ مدت سلطنت بارہ سال چند ماہ ہی۔

سلطان علاء الدین عالم شاہ ھ ۱۴۴۵-۱۴۵۱ء

محمد شاہ کا بیٹا علاء الدین جسے عالم شاہ بھی کہتے تھے اپنے باپ کی وفات کے بعد تخت نشین[2] ہوا لیکن مشکل ہی کہ اِسے بادشاہ کہہ سکیں کیوں کہ اس کے مقبوضات میں سوائے شہر دہلی اور کچھ نہ تھا۔ بلکہ دِلّی کو بھی چھوڑ کر بدایوں جا رہا تھا اور وہاں جا کر وہ خود سلطنت سے اِس شرط سے دست کش ہو گیا کہ اُس سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے۔ یہ بادشاہ ایسا کم ہمت اور کم زور تھا کہ یہاں دِلّی کے جنوب میں گز بھر زمین پر بھی اِس کا قبضہ نہ تھا حتی کہ موضع مہرولی اور لاڈو سرائے پر بھی میواتیوں کا قبضہ تھا۔ غرض یہ کہ اِس بادشاہ سے کچھ کرتے دھرتے نہ بن پڑی اِس نے اپنی رضامندی سے بہلول لودھی صوبہ دار کو تخت و تاج دے دیا اور خود اپنی ح کی ریاست اور زمینداری پر قناعت کرکے بیٹھ گیا۔ اِس کی مدت سلطنت قریب قریب سات سال کے تھی۔ ۱۷ ربیع الاول ۸۵۵ھ کو تو بہلول لودھی نے اپنا خطبہ پڑھوایا۔ عالم شاہ ایک عرصہ تک بدایوں

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ کہ سلطان محمود کے بعد اُس کا بیٹا غیاث الدین خلجی بادشاہ ہوا اور (۳۳) سال سلطنت کرکے مرا اس کے بعد غیاث الدین کا بیٹا ناصر الدین خلجی گیارہ سال چار ماہ سلطنت کرکے مرا پھر سلطان محمود ثانی بادشاہ ہوا لیکن ۹۳۹ھ میں سلطان بہادر گجراتی نے مالوہ کو فتح کر لیا اور اِسی معرکے میں سلطان محمود مارا گیا ۱۲

[1] قطعۂ تاریخ وفات جس میں (۹) عدد کم پڑتے ہیں یہ ہی:۔

چوں محمد شہ یگانہ کہ بود	دولتش بندہ چاکر اقبالش
شد بجنت سر دش جلی گفت	بومۂ واہ عرش در سالش

[2] تاریخ جلوس سلطان علاء الدین کہ نام درستی جہاں آرا بیگم بود در بدایوں وفات

محمد شاہ بن فرید خاں [۲] تھا۔ جو خضر خاں بانی خاندان سادات کا پوتا تھا اور حساب سے محمد شاہ پنجم ہوتا ہے۔ اِس کا زمانہ بھی بڑی بے اطمینانی کا تھا۔ اِس کے زمانے میں دہلی نام کی کئی بار تیموں کے کئی دفعہ محاصرے ہوئے۔ ۱۳۲۵ء میں بادشاہ سیری میں قلعہ بند ہوکر بیٹھ گیا اور قتل ہونے سے اِس وجہ سے بال بال بچ گیا کہ محاصرہ کنندگان کو **بغدادی دروازہ** [۲] سے اندر آنے کا رستہ دیا اور خود دوسرے دروازے سے نکل بھاگا۔ ۱۴۴۰ء میں **مالوہ** [۵۲] کے بادشاہ نے دِلّی پر یورش کی لیکن **بہلول خاں لودھی** نے بڑی دلیری سے اُسے ایسی شکست دی کہ پسپا ہونا پڑا۔ لیکن ۱۴۴۱ء میں بہلول خاں نے اپنی طاقت اور قوم کو اپنے آقائے ولی نعمی ہی کے مقابلے پر لا کھڑا کیا اور کئی مہینے تک پرانی دِلّی کا محاصرہ کیئے پڑا رہا۔ بعد

۵۱ تاریخ جلوس محمد شاہ:-

شد محمد شاہ چوں بر تخت دولت کامیاب	تابع فرمانِ او شد بادشاہ روم و روس
بودم اندر فکرِ تاریخش کہ ہاتف گفت زود	آصف انصاف و سکندر عدل تاریخ جلوس

۵۲ مالوے کے ملک کو علاء الدین خلجی نے فتح کرلیا تھا۔ اور تب سے ایک صدی تک اِس پر صوبہ دار حکومت کرتے رہے مگر تیمور کے حملے کے تھوڑے ہی دنوں بعد پھر خود مختار بن بیٹھا۔ مالوے کا سب سے مشہور بادشاہ ہوشنگ شاہ (۱۴۰۵-۳۵ء) تھا جس نے مانڈو کو دار الخلافہ بنایا تھا جس کی عمارات احمد آباد کی عمارتوں کی ہم سری کرتی تھیں۔ تھوڑے عرصے پیئے (۱۵۳۱ء) مالوا گجرات میں ضم ہوگیا تھا۔ بالاخر ۱۵۶۴ء میں اکبر بادشاہ نے مالوے کو سلطنت مغلیہ دہلی میں شامل کرلیا۔ ہوشنگ شاہ نے ۸۳۸ھ میں وفات پائی۔ تاریخ وفات "آہ ہوشنگ شاہ نماند" ہے۔ سلطان محمود شاہ نے ۸۴۳ھ ہوشنگ کے مقبرے کی عمارت اور جامع مسجد ہوشنگ شاہی بنوائی جو رامھوری دروازے کے قریب واقع ہے جس کے (۲۳۰) گنبد اور (۳۸۰) ستون ہیں بہت تھوڑے عرصے میں بنا کر طیار کردی۔ سلطان محمود نے (۳۴) برس سلطنت کرکے (۶۸) سال کی عمر میں ۱۰ ذی قعد ۸۷۲ھ میں انتقال کیا۔ قطعہ تاریخ یہ ہے۔

شاہ خلجی نہاد سلطان محمود	از دار فنا بخلا چوں رہ پیمود
تاریخ وفاتِ حضرتِ سلطان را	ارباب بہشتِ عدن یابی مقصود
	۸۷۲

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

نہ ہونے پایا تھا کہ سرور الملک وزیر کی سازش سے میراں صدر نائب اور قاضی عبد الصمد صاحب نے مبارک پور کوٹلے میں ایک مسجد کے اندر عین جمعہ کے دن بتاریخ ۹ رجب ۸۳۷ھ ۱۴۳۳ء جب کہ بادشاہ نماز کی طیاری کر رہا تھا قتل کر ڈالا اور وہیں مبارک پور میں دفن کیا گیا۔ مدت سلطنت قریب تیرہ سال کے تھی۔ سرور الملک وزیر نے اسی وقت محمد شاہ بن فرید خاں بن خضر خاں کو تخت پر بٹھلا دیا۔ یہ بادشاہ بڑا عاقل اور ذی خلق اور ستودہ صفات تھا اور تمام مدت بادشاہی میں کبھی دشنام یا فحش کا ایک کلمہ اس کی زبان سے نہیں نکلا اور نہ کسی قسم کی مکروہات میں مبتلا تھا۔ اور بذات خود تمام کاروبار سلطنت کا انجام دیتا تھا۔ چنانچہ اس کے زمانے کی تاریخ موسوم بہ تاریخ مبارک شاہی موجود ہے۔

محمد شاہ بن فرید خاں ۸۳۷ھ ۱۴۳۳ء | خاندان سادات کا تیسرا بادشاہ

تکملہ نوٹ صفحہ (۲۰۳) کہ دہلی نشست تاریخ جلوس این است :۔

چوں خضر خاں بہ تخت کرد جلوس — مرہم سینہ ہائے ریش آمد
بہر تاریخ این جلوس سروش — گفت حق قادیش آمد

نوٹ متعلق صفحہ گزشتہ ؎ سلہ دلی سے (۹) میل نظام الدین اور کلو گھڑی کے آگے جی آئی پی ریلوے کا سٹیشن ہے ۱۲

سلہ تاریخ وفات یہ ہے ۔

ا ۔ چوں رفت ازیں جہاں خضر خاں پست — کل طرب جہاں ہمیشاد ازبیخ
ہاتف رجبیہ فکر سر بر زدہ گفت — دردا زماں رو زافزوں تاریخ ۸۲۴

سلہ تاریخ جلوس مبارک شاہ ۔

گشت چوں بادشہ مبارک شہ — شادی آمادہ گشت و بہ باحش
سال تاریخ ایں خجستہ جلوس — شد جہاں عالم آراحش ۸۲۴

نوٹ متعلق صفحہ ۲ سلہ تاریخ قتل مبارک شاہ ۔

آمادہ چو شد پئے سفر از دنیا — سلطان مبارک شہ دولت ہم دوش
آواز آمد برائے تاریخ وفات — سی سفر زدرع محترم سروش ۸۳۷

قلعہ میں بادشاہ کو محصور کرلیا اور ایک سال کے بعد دولت خاں کو تخت چھوڑنا پڑا اور اب کہیں تیسرے حملے میں خضر خاں کو کامیابی ہوئی اور اِسی سے خاندان سادات کی بنا پڑی۔ خدا جانے دل میں کیسا دھڑکا تھا کہ یہ بادشاہ اپنے آپ کو امیر تیمور کا ماتحت سمجھتا تھا اور سمرقند کو خراج بھجوایا کرتا تھا۔ اِس نے بھی ۱۴۱۸ء میں خضر آباد نام کا ایک قلعہ بنوایا تھا جس کا اب نشان تک بھی نہیں رہا لیکن کہا جاتا ہے کہ وہ اوکھلے کے قریب تھا۔ اِس کی ہفت سالہ مدت سلطنت میں کوئی خاص بات ذکر کے قابل نہیں ہے۔ اٹاوے میں یہ بادشاہ بیمار پڑا اور وہاں سے دلی آکر ۱۷ ر جمادی الاولی ۸۲۴ھ ۱۴۲۱ء کو سفر آخرت اختیار کیا۔ اِس کا مقبرہ اوکھلے میں تھا لیکن جب آگرے کی نہر نکالی گئی تو وہ مقبرہ نہر کے ساتھ ایسا کھو وڈالا کہ اب صفحۂ زمین پر اُس کا نشان تک بھی باقی نہ رہا۔

معزالدین مبارک شاہ ثانی ۱۴۲۱ تا ۱۴۳۳ عیسوی

خضر خاں کے بعد اُس کا بیٹا مبارک شاہ ایسے وقت میں تخت نشین ہوا کہ نہایت پُر آشوب زمانہ تھا۔ اِس بادشاہ کو دلی میں رہنے کا بہت کم اتفاق ہوا۔ اِس نے بھی اپنی سلطنت کے اواخر زمانے ۱۴۳۳ء میں جمنا کے کنارے ایک نئے شہر مبارک آباد کے بنانے کا حکم دیا لیکن یہ منصوبہ ابھی پورا

نوٹ متعلق صفحۂ گزشتہ ۵؎ دولت خاں محمود خاں لودھی کا بیٹا ہے جسے سلطان محمود کی وفات کے بعد امرا نے ۸۱۵ھ میں دہلی کے تخت پر بٹھا دیا۔ تاریخ جلوس یہ ہے:-

کرد دولت خاں بتائید خدائے ذوالمنن	روئے عالم را چنین سعی چوں روئے عروس
گفت ہاتف باسر اقبال با صد خرمی	روزگار عیش آمد سال تاریخ جلوس

یہ بھی ۵ ر ربیع الاول ۸۱۶ھ میں خضر خاں کے مقابلے میں گرفتار ہو کر فیروز آباد کے قلعہ میں مقید رہا اور بحالت قید ماہ جمادی الاولی ۸۱۶ھ میں مرگیا۔ اِس کی مدت سلطنت ایک سال تین ماہ تھی۔ تاریخ وفات یہ ہے:-

رہ چو دولت خاں بسوئے جنت الماوا گرفت	عالمے از درد غم صد نالہ را بر چرخ برد
سر بجیب فکر بردم تا کہ تاریخے بہ نظم	گفت ہاتف سال او یک صاحب دولت بمرد

۸۱۶

۵۲؎ ابن ملک سلیمان حاکم ملتان از اولاد سادات است بعد وفات پدر خود بہ حکومت ملتان رسیدہ بہ تاریخ پانزدہم ربیع الاول ۸۱۶ھ با دولت خاں لودھی محاربہ نمودہ او را بدست آوردہ محبوس کردہ بر تخت

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

خاندان تغلق

غیاث الدین تغلق	۲۵-۱۳۲۰ء
محمد عادل (محمد الدین جونا شاہ) محمد بن تغلق	۵۱-۱۳۲۵ء
فیروز شاہ تغلق	۸۸-۱۳۵۱ء
ابو بکر	۱۳۸۸ء
محمد شاہ چہارم ابن فیروز شاہ	۹۲-۱۳۸۹ء
سکندر شاہ	۱۳۹۲ء
محمود شاہ	۱۴۱۲-۱۳۹۲ء
دولت خاں لودھی	۱۴۱۲ء
امیر تیمور کا دلی کو لوٹنا اور قتل عام	۱۳۹۸ء

خاندان سادات

۵۱-۱۴۱۴ء

خضر خان ۲۱-۱۴۱۴ء | محمد شاہ کی وفات کے بعد لوگوں نے دولت خاں لودھی کو تخت پر بٹھایا لیکن اس کے تخت پر بیٹھتے ہی خضر خاں جو اس سے زیادہ طاقت ور تھا ایک زبردست فوج لایا اور سیری کے

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ) واپس آکر قنوج پر متصرف تھا اس کو بلا بھیجا گیا یہ وہ ۱۲ جمادی الثانیہ ۸۰۱ھ میں دوبارہ دلی کے تخت پر بیٹھا جس کی یہ تاریخ ہے -

شہ چو بر تخت شہی غازی سلطان محمود — دولتش بیش و علاماہ اش اقبال درپس
ہاتف از مسطر قدس آمدہ آواز کناں — قدرت عدل بود سال جلوس اقدس

۸۰۱

تاریخ وفات یہ ہے:-

رو کوس فنا سکہ سلطان محمود — آمد غم ازیں حادثہ از غم دل خوں
ہاتف بہ غم و الم ستد و گفت ازچیں — سال و الم و درد ہمیں رو زافزوں

در کار رسم ہندوستان اپنی اصلی حالت پر عود کر آیا۔ وہی طوائف الملوکی بدنظمی غدر۔ بلوے۔ لڑائیاں۔ بھڑائیاں از سر نو تازہ ہو گئیں۔ تیمور کے چلے جانے کے بعد دو مہینے تک تو بد عملی اور اندھیری رات کہیں جا کر **نصرت شاہ** واپس آیا اور لوٹے کھسوٹے ہوئے شہروں پر قبضہ کیا جو بالکل اُجاڑ پڑے تھے۔ نصرت شاہ کو ایک امیر **اقبال خاں**[لہ] عرف **ملّو** نے بے دخل کر کے دِلّی پر آپ قبضہ کر لیا اور یہی گڑبڑ دوسرے صوبوں میں بھی رہی جس کا جہاں زور چلا مُلک دبا بیٹھا۔ اقبال خاں نے یہ حالت دیکھ کر **سلطان محمود**[لہ] کو بلا بھیجا۔ وہ گجرات سے واپس بھی آ گیا لیکن تاج و تخت نہ سنبھال سکا۔ اقبال خاں جب ایک معرکہ میں کام آیا تو **دولت خاں** لودھی کے اصرار پر محمود نے بادشاہت قبول کی لیکن ۸۱۰ھ ۱۴۰۷ء میں ایک باغی امیر **خضر خاں** نامی نے سلطان محمود کو فیروز آباد میں محصور کر لیا بادشاہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے وہیں بیٹھا رہا۔ اِس اثناء میں خضر خاں قابض ہو گیا۔ آخر کار محاصرے کا خاتمہ ہوا۔ سلطان محمود نے برائے نام بیس سال سلطنت کی اور اِس[لہ] زمانے کے بہت کچھ انقلابات اور نیرنگیاں دیکھنے کے بعد جب کہ وہ **کیتھل** کی طرف شکار کو گیا تھا وہیں بیمار پڑا اور واپسی کے وقت ۲۹ ذی قعدہ ۸۱۵ھ ۱۴۱۲ء میں انتقال کیا اور اپنے ساتھ ہی خاندان **تغلق** کا بھی خاتمہ کر گیا۔ اِس کی کُل مدت سلطنت (۱۹) سال (۸) ماہ ہی جس میں وہلۂ دوم کی مدت (۷) سال (۵) ماہ (۷) یوم بھی شامل ہیں۔

لہ اقبال خاں لودھی پسر ظفر خاں صفر ۸۰۲ھ ۱۳۹۹ء میں تخت پر بیٹھا جس کی تاریخ یہ ہی:-

شاہِ اقبال خانِ نصرت مند — جالسِ تخت شد بعزم شہی
سالِ تاریخ گفت ہاتفِ غیب — محفل آرا اعز بزم شہی

اقبال خاں نے خضر خاں حاکم ملتان پر لشکر کشی کی تھی اور اِسی معرکہ میں ۹ رجمادی الاول ۸۰۸ھ میں قتل ہوا جس کی یہ تاریخ ہی:-

چوں شہے اقبال خاں فرمانده کشورستاں — داورِ اقلیم گیر و پرورش فرمائے خلق
یافت جا در سایۂ طوبیٰ و قصرِ حورِ عین — سالش از روئے بکاشد آہ واویلائے خلق

لہ سلطان محمود پسر محمد شاہ لودھی جو امیر تیمور کے خوف سے گجرات بھاگ گیا تھا۔ وہاں سے

(بقیہ نوٹ برصفحۂ آیندہ)

اتار دیا۔ آخرکار جب قتل بند ہوا تو جو لوگ بھاگ نہ سکے تھے سب گرفتار کر لئے گئے اور غلام بنائے گئے۔ تیمور نے اُن میں سے اچھے اچھے غلام اپنے لئے چھانٹ لئے۔ تب تیمور شہر میں داخل ہوا اور فیروز شاہ کے عجائب خانے کے سارے عمدہ عمدہ جانور لے لئے جن میں بارہ گینڈے بھی تھے ۱۳۹۸ء کے آخری دن امیر تیمور فیروز آباد گیا اور **کوٹلہ فیروز شاہ کی مسجد جامع** کو دیکھا اور بہت مسرور ہوا۔ یہاں اُسے دو سفید طوطے جن کی عمر (۷۴) برس ہی جاتی تھی نذر دیئے گئے۔ یہ طوطے تغلق شاہ کے زمانے سے یکے بعد دیگرے ہر بادشاہ کو تحفۃً دیئے جاتے تھے۔ امیر تیمور کا وجود ما مسعود دلی میں بلائے آسمانی اور قہر الٰہی کی شکل میں صرف پندرہ دن مسلط رہا۔ یہ پندرہ دن ایک قیامت کے تھے۔ سارے شہر میں بربادی اور تباہی کے کچھ نظر نہ آتا تھا اور جھاڑ و پھر گئی تھی۔ دلی سے بے قیاس مال غنیمت اور بے شمار قیدی لے امیر تیمور دلی کو فقیر کر کے پلٹا۔ شہر دہلی کے علاوہ اور مقامات میں بھی یہی آفت ڈھائی۔ جہاں جہاں گزر ہوا اور کسی نے بھی در اہل چل کی تو بس قتل عام کا بازار گرم ہوا۔ امیر تیمور جاتے جاتے **خضر خاں** کو اپنا نائب السلطنت مقرر کر کے چھوڑ گیا اور خود پنجاب اور کابل ہوتا ہوا راہ **ہندوکش** سمرقند واپس چلا گیا۔ تیمور کہنے کو تو صرف پانچ ہی مہینے ہندوستان میں رہا لیکن جو مظالم اُس نے اور اس کی سپاہ نے کیئے اُن کو ہندوستان آج تک بھی نہیں بھولا۔ تیمور نے اپنی سوانح عمری **ملفوظات تیموری** جو اُس نے خود لکھی ہے اُس سے ان تمام ہولناک واقعات پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ امیر تیمور تھا بہت کھرا آدمی اُس نے ان محاربوں اور مقاتلوں کو کچھ چھپایا نہیں بلکہ فخریہ طور پر بیان کیا ہے۔ اس کی بہادری تو اسی سے ظاہر ہے کہ تریسٹھ برس کے سن میں بھی وہ بالذات مہموں کی سرکردگی کرتا تھا اور گھمسان لڑائی میں بنفس نفیس خود موجود رہتا تھا مع ہذا اُس کے مظالم کی بھی کوئی انتہا نہ تھی۔ تیمور گردی کی مصیبت میں لوگ آپس کی جنگ جدال کو رائے چند سے بھول گئے تھے۔ امیر تیمور ہندوستان میں رہ پڑنے یا مستقل حکومت کو تو کچھ آیا نہ تھا اُس کے پیٹھ موڑنے کی دیر تھی کہ ہوا آتش

رہی تھی۔ محمود تغلق شکست کھا کر گجرات کی طرف نکل بھاگا۔ اب کوئی حالت منتظرہ باقی نہ تھی امیر تیمور نے اپنی بادشاہت کا اعلان کردیا اور باشندگان شہر سے تاوان جنگ کی ایک بڑی بھاری رقم کا مطالبہ کیا۔ بہتوں نے ادائی رقم سے پہلو تہی کی اِس بنا پر شہریوں اور لشکریوں میں ایسی چلی کہ آخر کو قتل عام کی نوبت پہونچی۔ پانچ دن تک تاتاریوں نے شہر میں قتل عام کیا اور ہزارہا آدمیوں کو نہایت بے رحمی سے تہ تیغ کیا۔ اور اِس قدر مُردے ڈال دیئے کہ گلیوں میں چلنے کا رستہ نہ رہا۔ گھروں کو تو لوٹتے تھے سو لوٹتے تھے مشکل یہ تھی کہ ظالم جلا بھی دیتے تھے۔ غرض یہ کہ اِس غضب کا قتل عام اور غارت گری کا بازار گرم ہوا کہ شہر میں کچھ بھی نہ چھوڑا اور سب کچھ فنا کردیا۔ شہر میں تو یہ قیامت بپا تھی اور امیر صاحب اپنے مصاحبین کی مجلس جمائے حوض خاص کے کنارے جشن منا رہے تھے۔ اب اِس کو خود امیر کی قساوت قلبی سمجھو یا فوج کی شرارت کہ دھڑی دھڑی کرکے شہر کو لوٹ ڈالا اور کُشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ ۷ا دسمبر بدھ کے دن تیمور عید گاہ میں گیا جو میدان دروازے کے سامنے تھی اور وہاں تینوں شہروں (دِلّی۔ فیروز آباد۔ تغلق آباد) کے امراء و رؤسا جمع کیے گئے اور سب نے اطاعت اور فرماں برداری کا قول و قرار کیا تب کہیں جاں بخشی کی صورت نظر آئی اور امان ملی۔ شہر کے دروازوں پر تیموری جھنڈے لہرانے لگے۔ دو دن بعد فیروز آباد کی جامع مسجد میں امیر تیمور کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ بعض تیموری بیگمات قصر ہزار ستون دیکھنے کو گئیں اُن کے ساتھ جو بدرقہ تھا اُن سے بھی وہاں کے لوگوں سے چل گئی اور تین دن تک پھر قتل عام رہا۔ ان کے نزدیک قتل عام ایک بہت معمولی بات تھی۔ بھلا جو لوگ بے گناہوں اور قیدیوں کو بے دھڑک قتل کر ڈالیں وہ بلوائیوں کو کب چھوڑنے والے تھے۔ آٹے کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے۔ بلوائیوں کے ساتھ ہزاروں ناکردہ گناہوں کی جانیں بھی گئیں۔ بہت سے ہندو جانیں بچانے کے لیئے بھاگے اور پرانی دِلّی کی ایک مسجد میں جا کر سر چھپایا مگر وہاں بھی پناہ نہ ملی اور چوتھے دن اُن سب کو بھی تلوار کے گھاٹ

دیکھ بھال کر لیتا - یہاں بھی ایک چھوٹی سی جھڑپ ہو گئی اُن کو پسپا کر کے اپنے لشکر میں واپس آ گیا - پھر وہاں سے کیمپ اُٹھا یہیں کہیں جہاں کہ اب **مٹکاف ہتوس** ہو اس کے محاذی لا ڈالا - اس وقت امیر کے ساتھ ایک لاکھ قیدی تھے جن کو وہ مختلف مقامات سے پکڑ کر لایا تھا - وہ لوگ یہ سُن کر کہ اب لڑائی ہونے والی ہے دل میں خوش ہوئے کہ اس معرکے میں شاید ہماری مخلصی کی کوئی صورت نکل آئے - لَعَلَّ اللّٰہَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا[۱] مگر یہاں تقدیر نے اور ہی کچھ گل کھلایا - امیر تیمور لڑائی کے اہتمام میں مصروف تھا ایسی آپادھاپی میں اُن قیدیوں کے جمِ غفیر کی سنبھال ایک مشکل کام تھا اور اندیشہ لگا ہوا تھا کہ اگر کہیں اس موقع پر یہ لوگ بھی سرتابی کر بیٹھیں اور اُٹھ کھڑے ہوں تو ان کا تھامنا ایک اور مشکل کا سامنا ہوگا - پہلے تو جتنے پندرہ سال کی عمر سے اوپر تھے اُن سب کو قتل کیا پھر اُس کے بعد رہے سہوں کو بھی تہ تیغ کر ڈالا اِس قتلِ عام کی خبر جب دِلّی پہنچی تو لوگ تھرّا گئے اور بادشاہ بھی شہر کے میلان اور فصیلوں میں دبک گیا - اب تیمور کا لشکر جمنا کے اِس پار فیروزآباد کے میں پڑا تھا کیمپ کے گرد خندق کھدوا کر مورچہ بندی کی گئی اور سامنے دار ایک لمبی قطار بھینسوں کی جکڑوا کر بندھوا دی - نجومیوں نے کوئی نیک گھڑی ساعت نہیں بتلائی وہ اِسی سوچ بچار میں تھے کہ دو دن بعد تیمور نجومیوں کے علی الرغم نکل کھڑا ہوا اور اپنی فوج کو جنگ کے لیے میدانِ کارزار میں صف آرا کیا - اُدھر سے بادشاہ بھی بارہ ہزار سوار اور چالیس ہزار پیدل اور آگے آگے ہاتھیوں کی لین لے کر بڑی دلیری سے مقابلے کو نکلا - ہاتھیوں پر میگ ڈمبر تیروں اور قلاچوں سے بھرے ہوئے تھے اور اُن پر تیر انداز اور بان انداز سوار تھے سب سے آگے ہاتھیوں کی کالی کالی دیوار لہراتی ہوئی دیکھ کر پہلے تو تیمور کے لشکری ذرا گھبرائے لیکن پھر تو وہ ایسے جم کر جرأت سے لڑے کہ بادشاہی لشکر کے قدم اُکھڑ گئے اور کھلی شکست ہوئی - تاتاریوں نے بھگوڑے لشکر کا پُرانی دِلّی کے دروازوں تک پیچھا کیا جو اس زمانے میں رات کو بالکل خالی پڑی

[۱] شاید اللہ کوئی صورت پیدا کر دے ۱۲

کا حال سُنا تو ہندوستان کا قصد کیا۔ تیمور کا قد بلند اور رنگ گورا تھا پیشانی کشادہ۔ آنکھیں چمک دار۔ آواز کراری۔ ٹانگیں اور ہاتھ پاؤں کی انگلیاں موٹی تھیں۔ چوں کہ لنگ کرتا تھا اِس واسطے تیمور لنگ کے نام سے مشہور ہے۔ امیر تیمور کا سن ساٹھ سال سے متجاوز تھا جب کہ وہ ۱۳۹۸ء میں ترکوں تاتاریوں اور ایرانیوں کا ایک بڑا بھاری لشکر لے کر شمال و مغرب کے پہاڑی دروں میں سے طوفان کی طرح ہندوستان پر ٹوٹ پڑا اور اس قدر کشت و خون کیا کہ خون کے نالے ندیاں بہا دیں۔ گو اِس واقعہ کو ایک زمانہ گزرا مگر نہ اِس سے پہلے کوئی ایسا قتلِ عام ہوا نہ اِس کے بعد بھی آج تک۔

دہلی کا بادشاہ مسلمان تھا پس یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ یہ قتلِ عام اشاعت اسلام کے لیے تھا بلکہ اس کی غرض تو سوائے لوٹ مار اور دولت سمیٹنے کے اور کچھ نہ تھی۔ تیمور اپنا بے شمار تاتاری لشکر لے کر **افغانستان** کی راہ سے ہوتا ہوا پہلے **پنجاب** میں داخل ہوا اور منزل بہ منزل آہستہ آہستہ سفر کرتا ہوا لوٹتا کھسوٹتا قتل کرتا بستیوں کو لوٹتا برباد کرتا پھونکتا جلاتا بلا کسی قسم کی روک ٹوک کے دِلی کے قریب **پانی پت** تک آن پوہنچا۔ پانی پت سے ذرا نیچے ہٹ کے غالباً **باغپت** کے قریب جمنا کو عبور کر کے **لونی** کے قلعے پر جو فیروز آباد کے بالمقابل تھا قبضہ کر لیا۔ اور دریا کے کنارے اپنا کیمپ ڈال دیا۔ پھر چند سواروں کو لے دریا پار ہوا اور سرسری طور پر اُس پہاڑی کا ایک چکر لگایا جہاں **کوشک شکار** ہے اور اطراف و جوانب میں موقع محل

تیمور لنگ

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ کہ زاہد پی تاریخ و فاتش آمد بگرفت سر و پائے قضا را سر داد سر و پاسئے قضا را گرفت یعنی اسقاط کرد و زاہد سر خود را کہ حرف ز است داد و تاریخ حاصل شد و دیگرے چنیں گفتہ ع سر زلفشا آمد و بہ رُخ بہا د - ۱۲

جنھیں مدتوں سے ہندوستان فتح کرنے کی دُھن لگی ہوئی تھی بڑے مشہور لیڈر تیمور کی سرکردگی میں آن دھمکے۔

تیمور لنگ کا حملہ سنہ ۱۳۹۸ء

یہ تو ہم دیکھتے چلے آئے ہیں کہ مغلوں نے متواتر حملے ہندوستان پر کیے۔ لڑے بھڑے۔ لوٹا مارا اور چلتے ہوئے۔ وہ درحقیقت لٹیروں کی حیثیت سے آتے تھے اور ایسا کام کرکے چلتے بنتے تھے لیکن اس مرتبہ کی یورش کی کچھ صورت ہی اور تھی کہ یہ حملہ امیر تیمور[1] کی سرکردگی میں ایک باقاعدہ فوج کے ساتھ تھا جو اُس زمانے میں دنیا کا سب سے بڑا نامور فاتح جنرل تھا تیمور ترکی النسل اور چنگیز خاں کی اولاد میں سے تھا۔ اصلی وطن اِس کا سمرقند تھا لیکن چونکہ اس کی فوج میں تاتاری کثرت سے تھے اِس واسطے تیمور تاتاری کہلاتا تھا۔ ترکستان کا سارا ملک اِسی کی زیر حکومت تھا۔ اِس نے ایشیائے کوچک اور وسط ایشیا میں مسلسل اور نمایاں فتوحات کی تھیں۔ اِس لیے جب ہندوستان کی طوائف الملوکی

[1] امیر تیمور کے جلوس کی تاریخ ۔ سنہ یابی تو جلوس تیمیر سلطان را بیک نقطہ ہی گر بسر دال دعا ~~سنہ۷۷۱ھ~~
اس رباعی سے سال جلوس اور وفات معلوم ہوگا ۔

سلطانِ تیمور کہ مثل او شاہ نبود — در ہفتصد و سی و شش آمد بوجود
در ہفتصد و ہفتاد و یکے کرد جلوس — در ہشتصد و ہفت کرد عالم پدرود

تاریخ وفات سال ہشت صد و ہفت و ہفدہ از شعبان ✽ بار ستام سہ شنبہ نخخۂ اتراک

تاریخ بہ تعمیہ۔ سلطان تمراں کہ جہیع را دل خوں کرد ✽ در خوں عدد روئے زمیں گلگوں کرد
در ہفدہ شعبان سوئے علیین تاخت ✽ فی الحال ز رضوان سر و پا بیروں کرد

یعنی اگر سر و پائے لفظ رضوان را کہ حرف ر و ن باشد دور کنی از باقی حروف از روئے
عمل سالِ وفات دریافت گردد۔

تاریخ دیگر۔ شہنشاہے کہ مادالیش ہشت جاوداں آمد ✽ وداع شہریاری کرد و تاریخش ہماں آمد
مولانا محمد زاہد کہ از فصحائے عصر بودہ تاریخ وفاتش را ایں چنیں بہ تعمیہ گفتہ ۔ ۔

تیمر گرگاں ز نحل شاہی برداد — در آخر عمر جاں بحسیم تر داد
(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)

آگیا اور صرف نام ہی نام کی بادشاہت رہ گئی۔ فیروز شاہ کے بعد اُس کا پوتا
غیاث الدین تغلق شاہ ثانی جانشین ہوا لیکن کچھ تھوڑے ہی دنوں
وہ سلطنت کرنے پایا تھا کہ اُس کے چچازاد بھائی **ابوبکر شاہ** نے اُسے
قتل کرڈالا۔ ابوبکر شاہ بطور خود فیروز آباد میں بادشاہ بن بیٹھا لیکن اِس کی
حکومت بس شہر فیروز آباد کے اندر ہی اندر محدود رہی اور اپنے چچا
محمد شاہ سے جسے فیروز شاہ نے اپنی عین حیات سلطنت میں شریک
کرلیا تھا خوب لڑائیاں رہیں۔ پھر کچھ ایسی سازشیں ہوئیں کہ ابوبکر شاہ معزول
کیا گیا اور محمد شاہ بادشاہ ہوا۔ وہ تھوڑے ہی دنوں سلطنت کرنے پایا تھا
کہ مرگیا اور اپنے باپ کے پاس دفن ہوا۔ اِس کے بعد **علاء الدین سکندر شاہ**
بادشاہ ہوا وہ صرف چند ہی روز سلطنت کرنے پایا تھا کہ ۱۳۹۴ء میں فوت ہوگیا
اِس کے بعد کوئی وارث صحیح موجود نہ تھا تو امرا نے صلاح ومشورہ کر
ناصر الدین محمد شاہ کے صغیر سن لڑکے **ناصر الدین محمود شاہ** کو ایسے وقت
میں تخت پر بٹھلایا کہ یہ سلطنت بیخ و بنیاد سے ہل چکی تھی اور کچھ بھی سکت باقی
نہ رہی تھی۔ ۱۳۹۴ء سے لے کر ۱۳۹۷ء تین سال تک بڑا طوفان بے تمیزی
برپا رہا اور یہ زمانہ بڑی بدنظمی اور بے اطمینانی کا گزرا۔ نوبت بہ ایں جا رسید
کہ پرانی دِلی میں محمود شاہ بادشاہت کرتا تھا۔ اور وہیں کے وہیں فیروز آباد
میں اُسی کا ایک دوسرا عزیز **ناصر الدین نصرت شاہ** اپنے آپ بادشاہ
بن بیٹھا۔ اِن دونوں میں خوب کٹا چھنی رہی۔ دِلی اور فیروز آباد کے میدان
میں بہت سے معرکے ہوئے کبھی یہ غالب ہوتا تھا کبھی وہ اور ایک ایسی
اُودھم مچی ہوئی تھی کہ جس کا بیان طول طویل ہونے کے علاوہ بے سود بھی ہے۔
اِس زمانے کے متعلق بدایونی لکھتا ہے کہ "آئے دن اِن دونوں بادشاہوں میں
لڑائی ٹھنی رہتی تھی۔ یہ دونوں بادشاہ گویا شطرنج کی بساط کے بادشاہ تھے
سارے ہندوستان میں جدا جدا پارٹیاں اُٹھ کھڑی ہوئی تھیں اور سب نے
اپنے اپنے مقبوضات جدا جدا بنا لیئے تھے" اِس آئے دن کی خانہ جنگیوں
کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان کا میدان خالی دیکھ کر ہندوستان کے قدیم دشمن مغل

نے نو تعمیر شدہ مندر بھی ڈھوا دیئے تھے کہ دارالاسلام میں ہندوؤں کی حوصلہ افزائی نہ ہو۔ ہندوؤں کو قبول اسلام کی ترغیب دی جاتی تھی۔ اور جزیہ بھی معاف کردیا جاتا تھا۔ چنانچہ اِس لالچ میں بہت سے ہندو مسلمان ہوگئے اِس سے ظاہر ہے کہ ہندوؤں کو جیسی آزادی ہونی چاہیئے تھی وہ میسر نہ تھی۔ پھر بھی اُس زمانے کی طرز و روش کے لحاظ سے جیسا کچھ سلوک کہ چودھویں صدی میں اِس بادشاہ نے ہنود سے کیا لبا غنیمت تھا جس سے زیادہ بہتر ہونے کی توقع بھی نہیں کی جاسکتی تھی۔ اِسی بادشاہ کے عہد میں مسلمانوں کی طاقت ڈگمگانے لگی تھی اور آگے چل کر اِس کے نا اہل جانشینوں نے اور بھی بنیاد کھوکلی کردی مسٹر کین لکھتے ہیں کہ یہ تغلق شاہ ثانی کے اوائل زمانے میں سلطنت کے (۲۳) صوبے تھے جن میں سے اِس دَور کے خاتمے پر صرف نصف وفادار باقی رہے۔ فیروز شاہ کے حالات سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ نکلے ہوئے صوبوں کو پھر مغلوب کرلیتا یا سرکشوں اور باغیوں کو واقعی سزا دیتا۔ جب بڑھاپے نے آن دبایا اور بادشاہ نے دیکھا کہ وہ سلطنت کے بارگراں کا متحمل نہیں ہوسکتا تو اُس نے سلطنت کے کاروبار کا زیادہ تر حصہ **خان جہاں** نام کے باپ بیٹے وزیروں پر ڈال دیا تھا اور ۱۳۵۸ء میں اپنے بیٹے **فتح خاں** کو امور سلطنت میں اپنا شریک کرلیا تھا اور جب فتح خاں مرگیا تو بادشاہ نے ۱۳۸۷ء میں اپنے دوسرے بیٹے **محمد شاہ** کو اپنے ساتھ شامل کرلیا۔ اِس بادشاہ نے چالیس سال کے قریب سلطنت کرکے نوے سال کی عمر میں ۱۳ رمضان المبارک سنہ ۷۹۰ھ (۱۳۸۸ء) کو انتقال کیا تاریخ وفات **وفات فیروز** ہے اور سلطان علاء الدین کے **حوض قاص** کے کنارے دفن کیا گیا۔

فیروز شاہ کی وفات کے بعد کے حالات

فیروز شاہ کی وفات کے بعد اُس کے بیٹے اور پوتوں میں تخت سلطنت کے لیئے بڑی کشمکش رہی غیاث الدین تغلق ثانی۔ ابوبکر۔ ناصر الدین محمود شاہ سب کے سب ضعیف الحکومت تھے اور اُن میں سے کسی ایک میں سلطنت چلانے کی اہلیت نہ تھی اور نہ کوئی زیادہ عرصے تک ٹک سکا اِس وجہ سے اِس خاندان میں زوال

خواجہ جہاں کی بنوائی ہوئی ہیں۔ قدم شریف کی فصیل اور درگاہ روشن چراغ دہلی بھی اسی بادشاہ کے زمانے کی بنی ہوئی ہیں۔ غرض یہ کہ اس بادشاہ کے زمانے میں بہت سی عمارتیں بنی ہیں اور اُس زمانے میں دِلّی شہر کی آبادی کا پھیلاؤ بھی بہت تھا کہ فیروز آباد کا ایک نیا شہر بسانے پر بھی قدیم شہر دہلی کی آبادی میں کسی قسم کی کاستگی نہیں آئی تھی بلکہ وسعتِ آبادی ہی سے بادشاہ کے دل میں ایک نئے شہر کے بسانے کا خیال پیدا ہوا۔ اِس بادشاہ حسن سلوک نے رعایا کے دل اپنی مٹھی میں لے لیئے تھے۔ تمام رعایا اپنے رحم دل اور ہمدرد بادشاہ کے لیئے د[illegible] بدعا تھی اور کیوں نہ ایسے بادشاہ پر جان نثار کرتی جس نے بہت سے محصولات یک قلم معاف کر دیئے قتل۔ قطع و برید دست و پا اور ہر طرح کے مظالم کا سدِّباب کر دیا۔ قاعدے کی بات ہے کہ جب کسی شخص کو کسی خاص امر میں غلو ہوتا ہے تو اُس کو اُس بات کی دھن لگ جاتی ہے اور وہ اُسی طرف جھک جاتا ہے اور دوسری طرف کم متوجہ ہوتا ہے۔ اب چاہے اِس کو بے اعتنائی کہو یا لتعصب سے تعبیر کر لو۔ فیروز شاہ ایک دین دار اور پکا سُنی تھا اور اسی سبب سے وہ ہندوؤں سے مسنکرہ تھا۔ اُس نے اپنے تذکرے **فتوحات فیروز شاہی** میں خود لکھا ہے کہ کئی مندر ڈھا کر اُنھیں کے مال مسالے سے مسجدیں بنوائیں۔ ہندوؤں کو ادائے رسوم مذہبی میں کافی آزادی بھی حاصل نہ تھی۔ مورخین لکھتے ہیں کہ بادشاہ نے ایک دفعہ کسی برہمن کو مذہبی رسوم علانیہ ادا کرنے پر زندہ جلوا دیا تھا۔ فیروز شاہ کے تذکرے میں اِس بات کا بھی ذکر ہے کہ چند شیعہ علماء کے سر بھی قلم کرا دیئے تھے۔ بادشاہ

ف۱ بعض لوگ ص سے لکھتے ہیں جو صحیح نہیں ہے کیوں کہ یہ کوئی عربی کا لفظ نہیں بلکہ ٹھیٹ ہندی ہے۔ اور اس وجہ سے س سے ہی لکھنا اولی اور انسب ہے۔ ۱۲

ف۲ وہ کوئی ایسی ہی سخت بات ہوگی جس سے مذہب اسلام کی توہین ہوتی ہوگی۔ ورنہ ایسا نیک دل بادشاہ اتنی سخت سزا کیوں دیتا۔ ۱۲ ف۳ واللہ اعلم اصل معاملہ کیا ہے ورنہ ککڑی کے چور کو پھانسی کی سزا نہیں ملتی۔ ممکن ہے کہ اہل تشیع نے صحابہ کرام کے خلاف کوئی ناقابل برداشت حرکت کی ہو۔ بہرحال جب تک اصل واقعہ معلوم نہ ہو اِس سزا کی واجبیت یا ناواجبیت کی نسبت کوئی رائے قائم نہیں کی جا سکتی۔ ۱۲

تیس حوض۔ سو حمام اور ڈیڑھ سو پُل بنوائے۔ اگرچہ دوسرے لحاظات سے فیروز شاہ کا شمار کچھ بہت بڑے اور اولوالعزم بادشاہوں میں نہ تھا کیوں کہ وہ بڑا ضعیف الحکومت تھا لیکن بہ حیثیت مجموعی متفق فیصلہ یہ ہے کہ سرزمین ہندوستان پر آج تک ایسا روشن ضمیر۔ اس دل ودماغ کا ایسا مہذب مہربان۔ ذی مروّت با اخلاق۔ سیر چشم۔ دریا دل بادشاہ نہیں گزرا گو کہ اس میں مذہبی تعصب کی ذرا جھلک تھی اور کچھ کچھ بادہ نوشی کا بھی شغل رکھتا تھا اس لئے بہت سے دار العلوم اور متعدد شفا خانے بنوائے۔ بہت سے باغ اور نخلستان لگوائے۔ گزشتہ زمانے کے بادشاہوں کے مقابر کی ترمیم اور نگہداشت اس خوبی سے کی کہ آج بھی اُس کی ہمسری کا کوئی دعویٰ نہیں کرسکتا۔ اس نے دربار کی نوعیت میں ایسی ایسی تبدیلیاں کیں کہ آگے چل کر شاہان مغلیہ اُس کا تتبع کیا کرتے تھے۔ اِس نے دربار کو تین درجوں میں تقسیم کیا تھا۔ بیرونی حصہ عامۂ خلائق کے لئے کھلا ہوا تھا۔ سب سے اندر کا امرائے عظام اور وزراء کے لئے درمیانی حصہ اوسط درجے کے امراء معززین اور اُن کے ہمراہیوں کے لئے تھا۔ خلیفہ مصر نے بادشاہ کی تحریک واستدعا کے بدون شاہزادوں اور وزراء کے لئے خلعت ہائے فاخرہ بھیجے بادشاہ کو شکار کا بھی بڑا شوق تھا۔ اِس کی شکارگاہ اُس پہاڑی پر تھی جہاں اب تک کوشک شکار کی عمارت بنی ہوئی ہے جس میں ایک عالی شان محل اور ایک وسیع دربار ہال تھا جس کی چھت پر ایک تاج دار گھنٹہ بھی تھا۔ اِسی جگہ ایک عجائب خانہ جس میں نادر وعجیب الخلقت چرند پرند جانور چُن چُن کر رکھے گئے تھے۔ اس کے عہد میں کثرت سے مسجدیں بنیں جن میں کی بعض اس کے مشہور وزیر خان جہاں کی بنوائی ہوئی ہیں جو ہندو سے مسلمان ہوگیا تھا۔ جن میں کی ایک چوبرجی مسجد اسی پہاڑی پر اب بھی موجود ہے۔ دوسری کلاں مسجد۔ ترکمان دروازے کے پاس تیسری کوٹلے کی مسجد۔ چوتھی حضرت نظام الدین کی درگاہ کے پاس۔ پانچویں کالو سرائے۔ چھٹی بیگم پور۔ ساتویں کھڑکی۔ اس طرح سات مسجدیں

نہ ہوئی تھی کہ پہلا مقابلہ مغلوں سے ہوا جنھوں نے شکست پائی پھر بادشاہ دلّی آیا جہاں تمام رعایا برایا نے سرِ تسلیم خم کیا۔ بادشاہ بھی رعایا کی اطاعت وفرمانبرداری کے اظہار سے بہت مسرور ہوا اور بڑے بھاری پیمانے پر سب کی دعوت کی اور غربا کو خوب دل کھول کر کھانے کھلائے۔ اِس سے فراغت پاکر امورِ اہم اور استحکام سلطنت کی طرف متوجہ ہوا چنانچہ دو مرتبہ بنگالے اور دو مرتبہ ٹھٹھہ کا سفر کیا۔ بنگالے کی پہلی مہم سے ۱۳۵۴ء میں واپس آکر بادشاہ نے ایک نئے شہر فیروز آباد کی بنا ڈالی۔ فیروز شاہ کا عہد کسی نمایاں اور اہم پولیٹیکل کام کے لیئے مشہور نہیں ہی مگر اِس کے رفاہِ عام کے کام البتہ بہت قابلِ قدر ہیں کہ اُس زمانے میں جب کہ اِس طرف کسی کو توجہ نہ تھی اِس نیک دل بادشاہ نے رعایا کی نفع رسانی کے کاموں میں بے دریغ روپیہ صرف کیا۔ فیروز آباد کی بنا کے دو برس بعد لوگوں کو آئے دن کی قحط کی بلا سے محفوظ رکھنے کے لیئے سب سے پہلے اِسی بادشاہ ذی جاہ نے دریائے جمنا اور ستلج سے نہریں نکلوائیں۔ اگرچہ بہ سبب امتدادِ زمانہ اور دریاؤں کے شکم کے ردوبدل اور دیگر اسباب سے اُس زمانے کی اکثر نہریں اب معدوم ہوگئی ہیں لیکن اب بھی اُن میں کی ایک نہر تھوڑی ترمیم کے بعد ملک کو سیراب کرتی ہی۔ اور یہ وہی نہر ہی جو فی زمانہ **ویسٹرن جمنا کینال** یعنی جمنا کی مغربی نہر کے نام سے مشہور ہی۔ اِس لحاظ سے فیروز شاہ کو "**آب پاشی کا باپ**" یعنی موجد، مخترع یا مورثِ اعلیٰ کہنا کچھ بے جا نہ ہوگا۔ کیوں کہ آب پاشی کی بے شمار منفعتوں کو پیشِ نظر رکھ کر اِس نے نہ صرف ملک کو سرسبز و شاداب کرنے کے لیئے نہریں دوڑادیں بلکہ **مال گزاری** کا محکمہ بھی قائم کیا اور محصّل مقرر کیئے۔ فرشتے نے ایک طول طویل فہرست اُن عمارات کی دی ہی جو اس بادشاہ کے عہد میں بنیں۔ ممکن ہی کہ کچھ اُس میں مبالغہ ہو مگر بھی اِس امر کے تسلیم کرنے میں ذرا بھی محلِ تامّل نہیں کہ اُس بادشاہ نے پبلک کے فائدے کے وہ وہ کام کیئے جو نہایت وقعت اور فخر سے دیکھنے کے قابل ہیں۔ حسبِ بیان فرشتہ اِس بادشاہ نے (پچاس) بند دریاؤں میں بندھوائے۔ (چالیس) مسجدیں (تیس) دارالعلوم (سو) کاروان سرائیں

گر کند میل ایں شود کم ازیں در رود سوئے آں شود بہ ازاں

مسٹر اے طامس نے محمدؐ تغلق کا خوب خاکہ کھینچا ہو کہ "وہ ایک متضاد صفات کا مرکب تھا۔ عالم۔ بے رحم۔ پابند مذہب اور دیوانہ تھا" یہ بادشاہ فصیح البیان مہذب۔ عربی۔ فارسی۔ منطق۔ ریاضی اور فلسفۂ یونانی کا ماہر تھا۔ شراب چھوتا نہ تھا اپنے سے پہلے بادشاہوں کے زوال نے اُسے ایک با اخلاق زندگی بسر کرنے پر آمادہ کردیا تھا۔ وہ اپنی بہادری اور جرأت کے لیئے مشہور ہی لیکن یہ ساری صفات حسنہ اُس کی جابرانہ۔ ظالمانہ اور مجنونانہ بلند پروازی کے سامنے خاک میں مل گئی تھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا عہد ہندوستان کی تاریخ میں سب سے زیادہ مصیبت کا زمانہ سمجھا جاتا ہی"

فیروز شاہ تغلق
۱۳۵۱ء ـ ۸۸

محمدؐ تغلق کے کوئی بیٹا تو تھا ہیں اس لیئے امرا نے اُس کے بھتیجے فیروز شاہ تغلق کو انتخاب کرکے تخت پر بٹھلایا اِس کی تعلیم و تربیت اس کے چچا ہی نے کی تھی۔ اور وہ اِس کو بہت چاہتا اور محبت کرتا تھا اور اِسی کو اپنا جانشین بھی مقرر کیا تھا۔ اور واقعی بات یہ ہی کہ فیروز شاہ بھی احسان فراموش نہ تھا۔ محمدؐ تغلق کی وفات کے بعد اِس سے جو کچھ ہو سکتا تھا اپنے چچا کے مظالم کی تلافی کے لیئے کیا یعنی جن جن لوگوں پر ظلم ہوا تھا یا جن کے ہاتھ پاؤں کاٹے گئے تھے یا جو جان سے مارے اور قتل کیئے گئے تھے سب کے ورثا کو جس طرح بھی ہوا دلدہی۔ استمالت عاجزی۔ لجاحت۔ داد و دہش سے استک شوئی کی۔ عوض معاوضہ دے دلا کر غرض جس طرح بھی بن پڑا راضی کیا اور اُن کے معافی نامے حاصل کیئے اور چچا کی قبر میں اُن معافی ناموں اور بازدعوں کو رکھوا دیا تاکہ بروز جزا دسزا جب محاسبہ شروع ہوگا تو وہ اپنے خالق کے حضور میں پیش کرکے سرخ روئی حاصل کرے۔ اعلم ہو کہ یہ معافی نامے اب تک بھی قبر میں ہوں گے۔ فیروز شاہ بڑا نیکوکار و متقی مسلمان تھا۔ اُس کی سوانح عمری تاریخ فیروز شاہی خود موجود ہو جس سے اِس بادشاہ کے بہت کچھ حالات معلوم دیتے ہیں۔ تخت پر بیٹھے دیر

نے کہا۔ ہاں اب میرے دل کو اطمینان ہوا اور میری خواہش پوری ہوئی۔“
ابن بطوطہ دربار شاہی کا ایک ممبر تھا اور اُسے بہت سے حالات دیکھنے کا اتفاق ہوا
ہے وہ لکھتا ہے کہ سلطان محمد تغلق کی دو عادتیں بہت راسخ تھیں۔ ایک تو داد و دہش
اور دوسرے خوں ریزی۔ دربار میں روز دیکھا جاتا تھا کہ فقیر جن کے چیتھڑے
لگے ہوئے تھے آن کی آن میں امیر کبیر بن گیا یا یہ کہ کسی بد نصیب کے قتل کا حکم
ہوا۔ بادشاہ کی فیاضی اور بہادری اور مجرموں کے ساتھ اُس کی بے رحمی اور
سنگ دلی کے افسانے زبان زد خاص و عام تھے۔ قطع نظر ان امور کے وہ
بہت منکسر المزاج اور نصفت پسند تھا۔ ادائے فرائض مذہبی اور نماز کا سختی
سے پابند تھا۔ تارک الصلوٰۃ کو سخت سزا دیتا تھا۔ اُس کی تمام عادات میں فیاضی
سب سے بڑھی ہوئی صفت تھی۔ میں ایک دن محل کی طرف گیا۔ تو میرا گھوڑا بدکا میں
نے دیکھا تو میرے سامنے ہی زمین پر ایک سفید ڈھیر پڑا ہوا تھا۔ میں نے پوچھا
کہ یہ کیا چیز ہے؟ لوگوں نے کہا آدمی کی نعش ہے جس کے تین ٹکڑے کر دیئے گئے
تھے۔ دربار عام میں ہر روز سیکڑوں آدمی پا بہ زنجیر لائے جاتے تھے جن کے
ہاتھ اُن کی گردنوں میں جکڑے رہتے تھے اور دونوں پاؤں بھی بندھے رہتے
تھے۔ بعضوں کو قتل کیا جاتا تھا اور بعضوں پر مار پڑتی تھی۔ اور طرح طرح کے عذاب
دیئے جاتے تھے۔“ یہ شخص متضاد صفات کا آدمی تھا کہ خیرات و داد و دہش اور
پابندی مذہب کے ساتھ اِس میں خوں ریزی کی عادت بد اور لوگوں کو مروا ڈالنے
کی خواہش ایک عجیب و غریب ترکیب تھی جو سمجھ میں نہیں آتی اِس لیئے ہندو اِسے
انسان فوق العادت سمجھتے تھے۔ یہ بظاہر ولی تھا مگر دل شیطان کا سا رکھتا تھا یا
ایک شیطان مجسم تھا مگر ولی کی روح اُس میں حلول کر گئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اِس
بادشاہ کے متعلق آگے چل کر انواع و اقسام کی خرق عادات مشہور ہو گئیں
اور جب دیکھو ایک نئی روایت اُس کی طرف منسوب کی جاتی تھی۔ یہ بادشاہ ہندوؤں
سے متنفر تھا۔ تمام فوجی اور سول کے عہدے افغانوں کو دے رکھے تھے
جو ہندوؤں کی زبان نہ جاننے کے علاوہ اُن سے نفرت بھی کرتے تھے۔

محمد تغلق کا کیرکٹر

آدمی زادہ طرفہ معجونیست　　　از ملائک سرشتہ و ز حیواں

اِس بند کو کئی سال بعد سمندر نے کاٹ دیا اور اسی کے باقی ماندہ حصے میں حلاؤ کے مچھلیاں پکڑنے کا اُتھلا حصہ ہی۔ جب ملک نایب (بادشاہ کے سپہ سالار) نے دیکھا کہ ناحق اِس ناممکن العمل کام پر اوقات ضائع کی جا رہی ہو تو اُس نے دو بڑے بڑے جہاز طیار کرائے اور اُن میں سونا اور جواہرات لدوا کر جزیرے کے راجہ کے نام سے بادشاہ کے پاس پیش کیے اور راجہ کی طرف سے اطاعت و فرماں برداری کا قول و قرار کہلا بھیجا کہ کسی طرح اِس بلا سے نجات ملے تب خدا خدا کر کے کہیں بادشاہ نے اپنا ارادہ ملتوی کیا۔

ابن بطوطہ کے چشم دید حالات

دلّی اجاڑ کر جب دولت آباد بسانے کا حکم ہوا تو ابن بطوطہ دِلّی میں موجود تھا۔ اُس نے چشم دید واقعات لکھے ہیں کہ بادشاہ نے تمام باشندگان دہلی کو شہر چھوڑ دینے کا حکم دیا لیکن جب معلوم ہوا کہ لوگ پس و پیش کر رہے ہیں تو منادی کرا دی کہ اگر کوئی شخص شہر کے اندر مکانات یا گلیوں میں ملے گا تو اُسے سخت سزا دی جائے گی۔ اِس حکم پر گھبرا کر سب نکل کھڑے ہوئے لیکن جاسوسوں نے آکر دیکھا تو صرف ایک اندھا اور ایک فرتوت مریض دو مکانوں میں نظر پڑے۔ بادشاہ نے بیمار کو تو سولی پر چڑھوا دیا اور اندھے کو حکم دیا کہ اسے گھسیٹتے ہوئے دولت آباد لے جاؤ ایسا ہی کیا گیا۔ اس بے چارہ کے ہاتھ پاؤں جا بجا جھڑ گئے صرف ایک ٹانگ بہ مشکل دولت آباد تک پہنچائی گئی کیوں کہ حکم شاہی یہی تھا کہ دولت آباد پہنچاؤ اور اُس کی تعمیل ضرور تھی۔ جب ابن بطوطہ دِلّی پہنچا تو شہر میں کوئی متنفس باقی نہ تھا۔ بالکل سناٹا اور ویرانہ تھا۔ اِس بادشاہ کا کچھ عجب وہمی مزاج تھا تھوڑے دنوں بعد اُس نے دوسرے مقامات کے لوگوں کو حکم دیا کہ دلّی میں جاکر بسیں لیکن ایک دفعہ شہر اُجڑ چکا تھا۔ پھر پنپ نہ سکا۔ ابن بطوطہ لکھتا ہو کہ جب بادشاہ شہر کو اجاڑ چکا تو اُس نے اپنے محل کے کوٹھے پر چڑھ کے دیکھا تو سارا شہر پڑا بھائیں بھائیں کر رہا تھا۔ آگ یا دھوئیں کا کہیں نام نہ تھا۔ تب بادشاہ

تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ یعنی لنکا میں رام چندر جی کے پل بانے کا دونوں تقریباً ایک ہی معلوم ہوتے ہیں اِسی پل کو مسلمان لوگ "آدم کا پل" بھی کہتے ہیں۔ ۱۲

بند کھڑکی میں سے آفتاب کی شعاع اندر پڑی اس پر وہ بہت برافروختہ ہوا اور کہاکہ یہ کون ہی جس کی اتنی بڑی جرأت ہوئی کہ وہ ما بدولت کی خلوت میں گھس آیا میں ضرور اُسے مار کر رہوں گا۔ ہر چند امراء نے عرض کی کہ خداوند نعمت وہ تو آفتاب عالمتاب کی شعاع تھی اور آفتاب وہ چیز ہی جس سے ہم سب کی زندگی ہی۔ آفتاب خدا کا بنایا ہوا آسمان میں ہی اُسے کس طرح کوئی نقصان پونہچا سکتا ہی۔ لیکن بادشاہ نے ایک نہ سُنی اور لشکر کی طیاری کا حکم دیا اور کہاکہ میں ضرور اپنے دشمن کا پیچھا کرونگا اور گرفتار کرونگا اور اُس نے ایسا ہی کر دکھایا کہ ایک ٹڈی دل لشکر لے کر نکلا۔ لشکر کی کثرت سے اس قدر گرد وغبار بلند ہوا کہ آسمان کا نورانی چہرہ دُھندلا گیا۔ تب لوگوں نے عرض کیاکہ اب تو حضور کی لشکرکشی سے آفتاب روپوش ہو گیا۔ تب کہیں جاکر بادشاہ کا غصہ ٹھنڈا پڑا اور مزاج کو سکون ہوا اور کہنے لگاکہ دیکھو آخر میں نے آفتاب کو بھگا دیا نا اور لشکر کی واپسی کا حکم دیا اور دوسرے ایسے ہی فوق العادت حالات اس بادشاہ کے بیان کیئے گئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہی کہ واقعی وہ بڑے مرتبے کا بادشاہ تھا۔ مثلاً جب وہ ساحل کارومنڈل پہ گیا تھا تو اُسے خبر ملی کہ یہاں سے کچھ فاصلے پر سمندر میں ایک بہت بڑا جزیرہ ہی جہاں کی زمین سونے کی ہی اور پہاڑ پتھر جواہرات کے۔ اِس جزیرے میں ایک مندر ہی جہاں آسمان پر سے فرشتے اُترتے ہیں۔ بادشاہ نے سنتے ہی چاہاکہ جس طرح بھی بن پڑے اُس پر قبضہ کرنا چاہیئے۔ اُس نے وہاں پونہچنے کا ارادہ کیا۔ مگر اُس کے پاس اس قدر جہاز کہاں سے آئے تھے جو اتنے بڑے لشکر کو اُتار سکتا تو اُس نے کیا ترکیب کی لاکھوں چھکڑے مٹی اور پتھر کے سمندر میں ڈلوانے شروع کیئے کہ سمندر کو پاٹ کر اُتر جاؤں گا اور لگاتار کوشش سے اتنا تو ہوا کہ بارہ یا پندرہ لیگ[۵۱] تک رستہ بن گیا اور بادشاہ جزیرۂ[۵۲] سیلاؤ تک پونہچ گیا۔

بقیہ نوٹ صفحۂ گزشتہ کہ جاتے ہیں کہ منیو نیر نے اکثر حالات چشم دید لکھے ہیں یا غایت ما فی الباب کسی معتبر شخص سے سُن کر لکھے ہیں۔ یہ وقایع زیادہ تر بیجانگر کی سلطنت کے متعلق ہیں جس کا دور دورہ ۱۳۳۶ء سے ۱۶۲۰ء تک رہا۔ ۱۲

[۵۱] تین میل کا ایک لیگ ہوتا ہی۔ [۵۲] محمد تغلق کے حالات اور اس سے پیشتر کا پُرانا قصہ سرندیپ

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

وہ ہرات میں جا کر بیٹھ گیا اور وہاں سے ایک عرضداست بھیجی اور رحم کا خواستگار ہوا۔ بادشاہ نے عرضداشت کی پشت پر لکھ دیا کہ "اگر باز آمدی باز آئی" یعنی اگر توبہ کر لی ہو تو واپس چلا آ۔ چنانچہ امیر علی تبریزی واپس آ گیا۔

خطیب الخطباء کا قتل

دہلی کے خطیب الخطباء کو بادشاہ نے ایک مرتبہ سفر میں جواہرات کے حوالے کی نگرانی کا حکم دیا۔ اتفاقاً اُس رات چور آن پڑے اور اُس میں سے کچھ لے گئے۔ بادشاہ نے خطیب کو اتنا پٹوایا کہ وہ بے چارہ پٹتے پٹتے مر گیا۔

سلطان محمد تغلق کے کچھ اور حالات منیونز کی زبانی

"سنہ ۱۳۲۰ھ میں اِس حصۂ ملک (ہندوستان) پر ایک ایسے بادشاہ کی حکومت تھی جس سے بڑا کوئی بادشاہ نہیں گزرا یہ دلی کا بادشاہ سلطان محمد تغلق تھا جو اپنی فوج کے زور پر کئی سال تک ملک گجرات میں لڑتا رہا اور اُس ملک کو جو کھمبایت کے تحت تھا فتح کر لیا اور آخر کار خود قابض ہو گیا۔ اِس کے بعد اِس بادشاہ نے اڑبالاے بالاگھاٹ و بیجانگر (ملک دکن) پر چڑھائی کی اِس بادشاہ کے اہل ہنود بہت معتقد تھے اور اُسے ایک اوتار سمجھتے تھے۔ ہنود کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ بادشاہ عبادت الٰہی میں مشغول تھا کہ غیب سے چار ہاتھ نمودار ہوئے جنھوں نے آسمان پر سے بادشاہ پر پھول برسائے۔ اِس بادشاہ نے بہت سے ملک فتح کئے تھے اور اُس کی حکومت میں ایک بہت بڑا حصہ ملک کا تھا اُس نے بہت سے فرماں رواؤں کو اپنا مطیع کر لیا تھا۔ بہتوں کو قتل کیا اور اُن کی کھالیں کھنچوا کر اپنے ساتھ لے گیا۔ یہاں تک کہ لوگوں نے اُس کا نام "وہ کھال کھنچوانے والا بادشاہ" رکھ چھوڑا تھا۔ اِس بادشاہ کے متعلق کچھ عجیب و غریب قصّے مشہور ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک دن بادشاہ لباس بدل رہا تھا کہ ایک

ف فرنانو نیونز نامی ایک پرتگالی سیاح نے جو خود ہندوستان میں آیا تھا۔ یہ حالات لکھے تھے جو پیرس کی نیشنل لائبریری آج تک قلمی حالت میں محفوظ ہیں جن کا انگریزی ترجمہ مسٹر رابرٹ سیول کلکٹر بلاری (مدراس) نے اپنی کتاب فارگاٹن امپائر میں لگایا ہے اور ہم نے اپنی کتاب تاریخ بیجانگر میں اُن کو اردو میں لکھا ہے۔ یہ وقایع سنہ ۱۵۳۵ھ کے لکھے ہوئے ہیں اور بہت مستند سمجھے

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

کرنے گیا اور قاضی صاحب کو شکست ہوئی تب بادشاہ نے شرف الملک امیر بخت اور چند فقیہوں کو وہیں چھوڑا کہ باغیوں کی جستجو کرے اور فقیہوں کے فتوے کے موافق تعمیل کرے۔ شیخ کو بھی شرف الملک نے بلا بھیجا اور یہ ثابت ہوگیا کہ شیخ نے واقعی اپنی پگڑی قاضی کو دی تھی اور اُس کے واسطے دعا بھی کی تھی تو فقہا نے قتل کا فتویٰ دیا جلاد نے شیخ پر تلوار چلائی مگر تلوار نے کچھ کام نہ کیا۔ اور لوگوں کو نہایت تعجب ہوا۔ لوگوں کو خیال ہوا کہ اب شیخ کے قتل سے دست کش ہو جائیں گے لیکن شرف الملک نے دوسرے جلاد کو حکم دیا اور اُس نے آپ کی گردن تن سے جدا کر دی۔

طوغان اور اُس کے بھائی کا قتل یہ دونوں فرغانہ کے رئیس تھے۔ یہ بادشاہ کے پاس آئے تھے۔ بادشاہ نے بھی اچھا سلوک کیا اور ایک عرصے تک وہ بادشاہ کی خدمت میں رہے۔ جب ایک مدت گزر گئی تو اُنھوں نے اپنے وطن جانا چاہا اور بھاگ جانے کا بندوبست کیا۔ جس کی خبر بادشاہ کو بھی لگ گئی۔ بادشاہ نے اُن کے دو دو ٹکڑے کروا دیئے اور اُن کا تمام مال و اسباب اُس شخص کو دے دیا جس نے کہ چغلی کھائی تھی۔

ابن ملک التجار کا قتل ملک التجار کا بیٹا بالکل کم سن تھا کہ ابھی اُس کی مسین بھی نہیں بھیگی تھیں۔ جب عین الملک نے بغاوت کی تو ملک التجار کا بیٹا بھی اُس کے قابو میں تھا۔ عین الملک کو شکست ہوئی اور اُس کو مع اُس کے ہمراہیوں کے گرفتار کر لائے تو اُن میں ملک التجار کا بیٹا اور اُس کے بہنوئی قطب الملک کا بیٹا بھی تھا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اُن کے ہاتھ باندھ کر ایک لکڑی پر لٹکا دیا جائے اور امیروں کے بیٹوں نے اُن پر تیر برسوائے اِس طرح دونوں کا خاتمہ ہوا۔ یہ ماجرا دیکھ کر خواجہ امیر علی تبریزی حاجب نے قاضی کمال الدین سے برسبیل تذکرہ کہا کہ یہ لوگ قتل کے مستوجب نہ تھے۔ بادشاہ کو یہ خبر پہنچی حاجب کو بلا کر کہا کہ یہ بات تو نے پہلے کیوں نہ کہی اور دو سو دُرّے اُسے لگائے اور تمام مال و اسباب جلادوں کے افسر کو دلوا دیا۔ کچھ دنوں بعد عتاب رفع ہوا اور حاجب اپنی خدمت پر بحال ہوا۔ پھر دوبارہ معتوب ہوا اور خراسان کو جلا وطن کیا گیا

ـکے نام کی نذریں مانتے تھے اور جب اُن کے سامنے سلام کو آتے تھے تو وہ مکاشفے کے زور سے تمام باتیں بتلا دیتے تھے۔ اِس وجہ سے شیخ حیدری کی شہرت بہت ہو گئی تھی۔ جب قاضی جلال افغانی نے کھمبایت کے ملک میں بغاوت کی اور بادشاہ کو خبر ملی کہ شیخ نے قاضی کے لیئے دعائے خیر کی ہو اور اپنی ٹوپی بھی اُس کو بخشی ہو اور شیخ نے قاضی سے بیعت بھی کرلی ہو تو بادشاہ خود اِس بغاوت کو فرو

تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ) کہ وہ درویشوں کے ایک فرقے کے بانی ہیں اور بھنگ کے استعمال کے موجد ہیں اُس نے شیخ حیدر کا نام الشیخ الحیدر الادیب محمد بن الاعمی الدمشقی لکھا ہے۔ یہ فرقے اُن درویشوں میں سے ہیں جو اپنی نسبت ایسے بزرگوں سے کرتے ہیں جن سے درحقیقت اُن کو کوئی تعلق نہ تھا۔ جیسے رفاعی یا احمدی شیخ احمد رفاعی سے منسوب ہیں مداری شیخ بدیع الدین مدار سے۔ جلالیہ سید جلال بخاری سے۔ قلندر شیخ جمال مجرد سے یہ کل فرقے جاہل اور غیر مہذب ہیں اور یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ جن شیخ کے وہ نام لیوا ہیں اُن کی تعلیم کے وہ مقلد ہیں۔ بلکہ اِن پانچوں فرقوں میں مذہب یا اعمال میں اُن بزرگواروں کا کوئی اثر نہیں کیونکہ یہ بزرگ نہایت خوش عقیدہ متشرع اور صوفی منش تھے یہ ضرور ہو کہ اِن فرقوں میں بعض بڑے بڑے مہذب عالم اور فقیر بھی ہوتے آئے ہیں۔ جلالی اور حیدری بہت سی باتوں میں ملتے جلتے ہیں (مثلاً) جلتی ہوئی آگ میں کود پڑنا حیدریوں اور جلالیوں کا خاصہ ہو۔ جلالیوں کی بابت دبستان کا مصنف لکھتا ہو۔ "جلالیان سب شیعین (روافض کے مانند) کند و ساز نگر ارند و رہ ندارند و بنگ بسیار خوانند و منتق مار و کژدم خوردن رسانند چون کاملان ایشان مار را سید سرا پائے و را نکاید و خرد برند و گوید ماہی مرتضی علی ست و کژدم خورند و گوید جھینگۂ علی است و مانند مداریان برہنہ باشند و چون مداریان در سرما ہائے سخت جبرے نہ پوشند و پیش آتش نشینند تا جلالیان ژولیدہ مو باشند بلکہ اکثرے چار ضرب (چار ابرو کا صفایا) رسند و گرد جہان گردند و آنچہ یابند برائے سیر خورند و میر ایشان ہر روز لو داد است چہ ہر جا نام دخترے خوب رو از مرید آن خوستو و بعرباید تا کربلائے بخروستاند و سوار شود و بخانۂ ایشان رفتہ دختر را ہمان جا تصرف کند و گاہ بخانۂ خود آورد و نکاح ندانند

اُن کے گھر پہنچا تو وہ کہیں مل گئے اور بادشاہ سے نہ ملے۔ اُس کے بعد یہ اتفاق ہوا کہ کسی امیر نے بغاوت کی اور لوگوں نے اُس سے بیعت بھی کی۔ بادشاہ سے کسی نے کہا کہ ایک موقعہ پر جب شیخ کی مجلس میں اُس باغی امیر کا ذکر آیا تو شیخ نے امیر کی تعریف کی اور کہا کہ وہ تو درحقیقت بادشاہ ہونے کے قابل ہے۔ یہ سن کر بادشاہ نے ایک امیر کو بھیجا کہ شیخ کو قید کر کے لائے۔ اُس نے شیخ کے ساتھ اُن کے بیٹوں شہر کے قاضی اور محتسب کو بھی گرفتار کر لیا کیوں کہ وہ بھی اِس مجلس میں موجود تھے۔ جس میں شیخ نے باغی امیر کی تعریف کی تھی۔ بادشاہ نے باپ بیٹوں کو تو قید کر دیا اور قاضی اور محتسب کی آنکھوں میں سلائی پھروادی شیخ صاحب تو قید ہی میں مر گئے۔ قاضی اور محتسب کو روز بھیک مانگنے کو باہر نکالتے تھے اور پھر قید خانے میں پہنچا دیتے تھے۔ بادشاہ کو خبر ملی کہ شیخ کے بیٹے ہندوؤں سے بھی ملے ہوئے ہیں اور باغی ہندوؤں سے اِن کے تعلقات ہیں۔ شمس الدین کی وفات کے بعد اُن کو طلب کر کے کہا کہ خیر جو ہوا سو ہوا پھر ایسا نہ کرنا اُنھوں نے کہا ہم نے کچھ نہیں کیا بادشاہ کو اِس انکار پر غصہ آیا اور شیخ کے بیٹوں کو مار ڈالنے کا حکم دیا۔ پھر قاضی کو بلوا کر اُن سب کے نام بتائے جو مقتولین کے ہمراہی تھے اور اُن کی پیروی کرتے تھے۔ اُس نے بہت سے ہندوؤں کے نام پیش کیے بادشاہ نے جب وہ فہرست دیکھی تو کہا کہ یہ لوگ میری رعیت کو اجاڑنا چاہتے ہیں اِن کی گردن مارو چنانچہ اُن سب کی گردن بھی ماری گئی۔

شیخ حیدری کا قتل شیخ علی حیدری بندر کھمبایت میں رہتے تھے۔ اُن کی بزرگی کا شہرہ دور دور تھا اور سوداگر سمندر میں اُن

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ "معالیہ فی العاشر من رجب سنۃ اثنی وخمسین وستمائۃ"
علی گڈھ کا محمڈن کالج اور یہاں کا کارخانہ دودھ۔ دہی اور گھی۔ قفل مشہور ہیں۔ بڑی بھاری پوسٹل ورکشاپ بھی یہیں ہے۔ ۱۲

نوٹ صفحہ ہذا ۱؎ فرقۂ حیدری کے بانی شیخ قطب الدین حیدر شہر ساوہ کے رہنے والے تھے۔ اِن بزرگ کا اور کچھ حال نہیں ملا۔ شیخ جمال مجرد فرقۂ قلندریہ کے بانی بھی یہیں کے باشندے تھے۔ ڈی ساسی ایک فرانسیسی مورخ نے شیخ حیدر خراسانی کی بابت لکھا ہے

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

رستے دار مال جمع کرتے ہیں اور درگاہ میں خرچ ہو کر کے لے جا مصارف کرتے ہیں۔ بادشاہ نے اُن کا کُل مال ضبط کر لینے کا حکم دیا۔ عماد الملک نے اُن کو طلب کیا۔ اُن میں سے بعضوں کو قتل کیا اور بعضوں کو مار پیٹ کی اور کچھ دنوں تک اُن سے برابر بیس ہزار دینار وصول کرتا رہا یہاں تک کہ اُن کے پاس کچھ نہیں رہا اُن کے گھروں سے مال و دولت بے شمار نکلی چنانچہ صرف ایک جوتی کا جوڑا ایسا تھا جس پر جواہر اور یاقوت جڑے ہوئے تھے۔ اس کی قیمت سات ہزار دینار آنکی گئی۔ کوئی کہتا تھا کہ یہ جوڑا ہود کی بیٹی کا تھا کوئی کہتا تھا کہ نہیں اُس کی لونڈی کا تھا۔ جب شیخ پر بے انتہا سختی ہونے لگی تو اُس نے ترکستان بھاگ جانے کا ارادہ کیا۔ کسی نے اُسے جاتے ہوئے پکڑ لیا۔ عماد الملک نے بادشاہ کو اطلاع دی وہاں سے حکم آیا کہ شیخ ہود اور اُس شخص کو جس نے کہ پکڑا ہے دونوں کو ساتھ باندھ کر ہمارے حضور میں بھیج دو۔ جب دونوں شخص دِلّی میں پہونچے تو جس شخص نے پکڑا تھا وہ تو رہا کر دیا گیا اور شیخ سے بادشاہ نے پوچھا کہ تو کہاں بھاگ کر جا رہا تھا۔ شیخ نے انکار کیا۔ بادشاہ نے کہا کہ تو بہاء الدین ذکریا ملتانی کا بیٹا ہے تیرا ارادہ تھا کہ ترکستان جا کر مشیخت تمہارا اور میری شکایت کرے اور ترکوں کو اپنی مدد کے لیے مجھ پر چڑھا کر لائے۔ اُسی وقت بادشاہ نے اُس کی گردن مروا دی۔

شیخ شمس الدین کا قتل

شیخ شمس الدین بن تاج العارفین کوئل شہر میں رہتے تھے وہ تارک الدنیا اور زاہد تھے۔ جب بادشاہ کوئل گیا تو شیخ کو بلا بھیجا وہ نہ آئے تو خود بادشاہ اُن کے پاس گیا اور جب

سلہ کوئل جس کا دوسرا نام علی گڈھ ہے جو دِلّی سے (۷۰) میل ہے۔ جس کی آبادی ستر ہزار کے قریب ہے یہ راجپوتوں کے زمانے کا ایک قلعہ ہے۔ اُس کے وسط میں صلابت خاں کی مسجد ہے جو دور سے نظر آتی ہے۔ یہاں ایک مینار سلطان ناصر الدین محمود کے وقت (۶۵۲ھ) کا بنا ہوا تھا جس کو ناعاقبت اندیش حکام نے ۱۸۶۱ء کے قریب منہدم کرا دیا اُس پر یہ کتبہ تھا۔

"ھذہ العمارۃ فی عہد مملکۃ السلطان الاعظم مالک رقاب الامم ناصر الدنیا والدین سلطان السلاطین وارث ملک الکبیر المعظم تتلغ خان بہاء الحق والدین ملک ملوک الشرق والصین بلبن الشمسی فی ایام ایالتہ دام

اِس مضمون کی ایک تحریر ان دونوں سے حاصل کی گئی اور اِن کو قاضی کے پاس لے جاکر اِس تحریر کی تصدیق کرادی۔ قاضی نے اُس پر اپنے ہاتھ سے لکھ دیا کہ دونوں شخص بلا جبر و اکراہ کے اقبال کرتے ہیں اور اپنی مُہر ثبت کردی۔ اگر وہ کہتے کہ یہ اقبال ہم سے زبردستی لیا گیا تو اور طرح طرح کے عذاب پونہچائے جاتے اِس لیئے اقبال ہی میں کچھ ڈھیل تھی۔ آخرکار ہوا وہی جو بادشاہ نے شروع سے دل میں ٹھان رکھا تھا یعنی دونوں قتل کیئے گئے۔

شیخ ھود کا قتل شیخ زادہ ہود شیخ رکن الدین ملتانی کا پوتا تھا اور بادشاہ اُس کے دادا شیخ رکن الدین قریشی کی بہت تعظیم کرتا تھا اور اِسی طرح اُس کے بھائی عماد الدین کی بھی۔ یہ عماد الدین بادشاہ سے شکل میں بہت ملتا جُلتا تھا چنانچہ کشلو خاں کی لڑائی کے دن اُس کو دشمنوں نے بادشاہی سمجھ کر مار ڈالا اور جب کہ عماد الدین مارا گیا تو بادشاہ نے اُس کے بھائی شیخ رکن الدین کو سو گاؤں جاگیر دیئے کہ اُن کی آمدنی خانقاہ کے لنگر پر خرچ کی جائے۔ شیخ رکن الدین کی وفات کے بعد شیخ ھود متولی مقرر ہوا اور بڑی تعظیم و تکریم ہونے لگی۔ شیخ ہود ملتان میں کئی سال متولی رہا۔ عماد الملک حاکم سندھ نے رپورٹ کی کہ شیخ ھود اور اُس کے

لہ یہ بادشاہ باوجود اِس قدر خوں ریزی کے بطور حیلۂ شرعی اپنے فعل کے جواز کا فتویٰ ضرور حاصل کرلیتا تھا۔ اُس کے بعد قتل کرتا تھا۔ چنانچہ بداؤنی لکھتا ہے "تمور امور سیاسی چنداں اہتمام داشت کہ چہار مفتی را در درون خود جا دادہ تا ہر کرا بہ تہمتے می گرفت اولاً در باب سیاست او بہ مفتیان رد و بدل حسب مقدور می کرد و گفتہ بود کہ شما در گفتن کلمۃ الحق از جانب خود بہ تقصیر راضی مباشید اگر کسے بہ ناحق کشتہ شود و فروگذاشت از جانب شما خواہد بود خون آں کس در گردن شماست و بعد از مباحثۂ بسیار اگر ایشاں ملزم می شدند ہر چند نیم شب ہم می بود حکم بہ کشتن می کرد و اگر خود الزام می یافت بہ مجلسِ دیگر می انداخت و برائے دفع سخن ایشاں جوابے می اندیشید و آمدہ تقریر می کرد و بعد ازاں کہ مفتیاں را مجال حجت نمی ماند ہماں زماں اورا بہ قتل می رسانید و الّا در ساعت خلاص می داد۔" غرضیکہ ان بیچارے مفتیوں کی جان بھی ایک غضب میں تھی۔ ۱۲

ماری گئی۔

دو سندھی مولویوں کا قتل

سندھ کے دو مولوی بادشاہ کے ملازم تھے۔ بادشاہ نے کسی امیر کو ایک ملک کا حاکم مقرر کیا اور اُن دونوں مولویوں کو بھی یہ کہہ کر ساتھ کیا کہ میں نے اِس ملک کی رعایا تمھارے سپرد کی ہے۔ اور یہ امیر جو کچھ تم کہوگے اُس پر عمل کرے گا۔ مولویوں نے کہا کہ ہم بطور دو گواہوں کے ہوں گے جو کچھ درست ہوگا اُسے بتا دیں گے مطلب یہ تھا کہ ذمہ دار وہ ہے اور کرنا نہ کرنا اُس کے اختیار میں ہے۔ بادشاہ نے کہا مجھے تمھاری نیت میں فتور معلوم ہوتا ہے۔ تمھارا مطلب یہ ہے کہ پرایا مال کھاؤ اور الزام اس جاہل ترکی کے سر دھر کے الگ ہو جاؤ۔ مولوی گھبرائے اور عرض کی کہ اخوند عالم نعوذ باللہ ہماری یہ نیت کبھی نہیں ہے۔ بادشاہ نے کہا نہیں بے شک تمھاری نیت میں کھوٹ ہے۔ ع من بوے می شناسم پیران پارسا را۔ حکم دیا کہ اِن دونوں کو شیخ زادہ نہاوندی کے پاس لے جاؤ۔ یہ شخص لوگوں کی تعذیر دہی پر مامور تھا۔ اُس کے پاس جانا گویا موت کے منہ میں جانا تھا اُس نے سمجھایا کہ بادشاہ تمھاری جان کا لاگو ہوگیا ہے اگر اپنی جان کی خیر چاہتے ہو تو بہتر یہی ہے کہ بادشاہ جو کہتا ہے بسر و چشم اُسے قبول کرو ورنہ جان سے ہاتھ دھوؤ۔ مولویوں نے کہا کہ ہماری نیت بخیر تھی جیسا کہ ہم نے بادشاہ سے عرض کر دیا۔ شیخ زادے نے اپنے نوکروں کو حکم دیا کہ اچھا اِن کا مزاج بحال کر دو۔ چنانچہ اُن کو چت لٹا کر اُن کے سینوں پر ایک ایک سل گرم اور تپتے ہوئے لوہے کی رکھی گئی پھر وہ اُتار لی گئی تو سینے کا سارا گوشت اُس کے ساتھ کھنچ آیا۔ پھر زخم پر راکھ کو پیشاب میں ملا کر ڈلا لگایا تاکہ اور جی کا سے لگے۔

سانس دیکھیے تہِ سل میں جاتے جاتے
اور جی کا دیا جلا دینے جاتے جاتے

جب جان پر آن بنی تو اُن بے چاروں نے وہی الفاظ دہرائے کہ "ہماری بھی وہی نیت تھی جو بادشاہ فرماتا تھا۔ ہم گنہگار اور مستوجب قتل ہیں اگر ہم قتل کیے جائیں تو دنیا اور دین دونوں میں ہمارا کچھ دعوی نہیں" چنانچہ

سے کیا فائدہ اپنے قول کو واپس لے لیجیے۔ مگر شیخ اپنے قول کے دھنی تھے اُن کی بات پتھر کی لکیر تھی نہ ماننا تھا نہ مانا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کا سر کاٹ لیا گیا۔

فقیہ عفیف الدین کاشانی کا قتل

قحط کے دنوں میں بادشاہ نے شہر کے باہر نئے کنوئیں کھدوائے اور اُن کے نیچے زراعت کرنے کا حکم دیا تھا۔ بیج اور تقاوی سرکار سے دی گئی لیکن یہ زراعت شاہی گودام کے لیے کرائی جاتی تھی۔ فقیہ نے جب یہ خبر سُنی تو کہا کہ "ایسی زراعت سے کیا فائدہ؟" بادشاہ کے کان پر بھی کسی نے یہ بات ڈال دی وہاں کب تاب تھی ذرا سی بات بھی ناگوار گزرتی تھی۔ فقیہ کو اتنے کہنے پر ہی قید کر دیا اور کہا کہ امور سلطنت میں تو دخل دینے والا کون۔ سہ

رموز مملکت خویش خسرواں دانند
گدائے گوشہ نشینے تو حافظا مخروش

کچھ دنوں بعد خود ہی فقیہ کو چھوڑ دیا وہ خوشی خوشی اپنے گھر جا رہے تھے کہ قضائے کردگار رستے میں اُن کے دو دوست کہ وہ بھی فقیہ تھے ملے اُنھوں نے کہا خدا کا شکر ہے کہ تمھاری گلو خلاصی ہوئی۔ عفیف الدین نے بھی آمد سخن یہ بات کہہ دی کہ "شکر خدا کہ ظالموں کے ہاتھ سے نجات ملی" عفیف الدین اور وہ دونوں فقیہ اپنے اپنے گھر چلے گئے بات رفت گزشت ہو گئی۔ بادشاہ کو پل پل کی خبر پہنچتی تھی منہ سے بات نکلنے کی دیر ہوتی تھی کہ لوگ وہاں جڑ دیتے تھے۔ بادشاہ ناک پر مکھی بیٹھنے کا روادار نہ تھا۔ سُنتے ہی حکم دیا کہ اُن تینوں کو ابھی حاضر کیا جائے۔ زبان سے نکلنے کی دیر تھی کہ تینوں حاضر کر گئے۔ بادشاہ نے دیکھتے ہی حکم دیا کہ عفیف الدین کے دو ٹکڑے کر دیئے جائیں۔ رہے یہ دونوں اُن کی گردن ماری جائے۔ اِن دونوں نے عرض کیا کہ "خیر عفیف الدین کا تو یہ قصور ہے کہ اُس نے بادشاہ کو ظالم کہا لیکن ہماری گردن کس قصور پر ماری جا رہی ہے" بادشاہ نے کہا کہ "تم پر یہ الزام ہے کہ تم نے اُس کی بات سُن کر سکوت کیا اور اُس کے قول کی تردید نہیں کی۔ تمھارا سکوت بمنزلۂ اتفاق کے ہے" اور اِن دونوں سب چاروں کی بھی گردن

اُجاڑنے اور اُس کے باشندوں کو دولت آباد لے جانے کا ذکر کیا بادشاہ نے اپنی تلوار نکالی اور صدر جہاں کے ہاتھ میں دی اور اُس کو کہا کہ مجھے ظالم ثابت کر اور میری گردن اِس تلوار سے اُڑا دے۔ شیخ نے کہا کہ جو شخص تجھ پر ظالم ہونے کی شہادت دے گا وہ خود قتل کیا جائے گا لیکن تو خود خوب جانتا ہے کہ تو ظالم ہے۔ بادشاہ نے شیخ کو ملک نکبہ دوادار کے حوالے کیا اُس نے شیخ کے پیروں میں چار بیڑیاں اور دونوں ہاتھوں میں ہتکڑیاں ڈالیں۔ چودہ دن تک شیخ نے نہ کچھ کھایا نہ پیا۔ ہر روز اُن کو دیوان خانے میں لاتے تھے فقیہوں اور مشائخوں کے سامنے اُن سے کہا گیا کہ وہ اپنے قول کو واپس لیں مگر شیخ نے صاف انکار کیا اور کہا کہ میں سچ بات سے کیسے مکروں میں شہیدوں میں شامل ہونا چاہتا ہوں چودھویں دن بادشاہ نے مخلص الملک کے ساتھ شیخ کو کھانا بھجوایا۔ شیخ نے کھانے سے انکار کیا اور کہا کہ میرا رزق زمین پر سے اُٹھ گیا ہے۔ بادشاہ کا کھانا اُس کے پاس واپس لے جاؤ۔ بادشاہ نے جب یہ سنا تو حکم دیا کہ شیخ کو پانچ استار (ڈہائی رطل) گوبر کھلاؤ۔ اِس کام پر کافر مقرر ہوتے ہیں۔ اُنھوں نے شیخ کو پچھاڑ کر اُن کا منہ سنڈاسیوں سے چیرا اور گوبر پانی میں پتلا کر کے پلایا۔ دوسرے دن شیخ کو پھر قاضی کے پاس لے گئے۔ وہاں تمام مولویوں مشائخوں۔ پردیسیوں نے سمجھایا بجھایا کہ اِس منہ

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ پس تعلق حکم کرد کہ مرا عادل گویید او ازیں معنی بہ عصور او اباکرد وگفت ظالماں را عادل نتوانیم گفت سلطان محمد او را از قلعۂ دہلی در زیر انداخت قبر او ہم در زیر قلعہ است“ یہ قصہ تو شیخ زادہ جام شہاب الدین سے ملتا جلتا ہے۔ اور نام بھی وہی ہے لیکن تعجب یہ ہے کہ ایسے بڑے شیخ کا کہ بادشاہ جس کے در پر کھڑے رہتے تھے شیخ عبدالحق صاحب نے کچھ حال نہیں لکھا ۱۲

نوٹ صفحہ ہذا ۱۵ دوادار یہ چند عہدے اُس زمانے میں بادشاہی محلات اور ذات شاہی سے مخصوص ہوتے تھے دوادار = یعنی دوات دار۔ بادشاہ کی دوات کا محافظ ہوتا تھا۔ مُہردار = بادشاہ کی مُہر رکھنے والا۔ شربدار = بادشاہ کے آب خاصہ اور دوسری مشروبات کا منتظم۔ خریطہ دار = قلمدان کا قدر رکھتا تھا۔ چاشنگیر = دسترخوان پر لانے سے پہلے ہر ایک کھانے کو چکھتا تھا اور اپنی محافظت میں بادشاہ کے روبرو لاتا تھا۔ ۱۲

اور اُس کے اندر گھر گودام۔تنور۔حمام۔ہر طرح کی عمارتیں اپنے آرام و آسائش کی بنائیں اور دریا سے ایک نہر کاٹ کر زمین کو آباد کیا۔چوں کہ اُن دنوں میں قحط تھا۔غلے سے ایک کثیر آمدنی ہوئی۔ڈھائی برس تک جب تک بادشاہ دِلّی کے باہر رہا آپ اِسی غار میں رہے جب بادشاہ دار الخلافہ کو واپس آیا۔تو شیخ سات میل پیشوائی کو گئے۔بادشاہ بڑے تپاک سے ملا اور معانقہ کیا۔کچھ دنوں بعد پھر شیخ کی یاد ہوئی شیخ نے آنے میں تامل کیا۔بادشاہ نے مخلص الملک ندرباری کو جو امرائے عظام میں تھا بھیجا اُس نے بہت نرمی سے گفتگو کی اور بادشاہ کے غضب سے ڈرایا آپ نے فرمایا کہ میں اِس ظالم بادشاہ کی خدمت ہرگز نہ کرونگا۔مخلص الملک اپنا سا مُنہ لے کر چلے آئے۔اور جو کچھ واقعہ پیش آیا تھا گوش گزار کر دیا۔پھر کیا دیر تھی بادشاہ کی آتش غضب بھڑکی اور شیخ کو پابہ۔۔۔دگرے وست بدست دگرے کشاں کشاں پکڑوا بلوایا۔بادشاہ نے پوچھا" تو مجھے ظالم کہتا ہے" شیخ نے کہا" ہاں تو ظالم ہے اور فلاں فلاں ظلم تو نے کیے ہیں" شیخ نے دِلّی شہر کے

تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ ؎ اول قبول نہ کرد۔کار بہ خشونت کشید چنانچہ شیخ را محبوس ساخت بالآخر شیخ را سخن پیر خود یاد آمد و قبول خدمت کردہ از بند نجات یافت۔ ؎

ناسزائے را چو بینی بختیار

عاقلاں تسلیم کردند اختیار۔

نوٹ صفحہ ہذا ؎ بداؤنی نے یہ واقعہ یوں لکھا ہے" می گویند روزے بادشاہ کفش پوشیدہ پیادہ در محکمہ قضاء قاضی کمال الدین صدر جہاں رفت و گفت شیخ زادہ جام مرا ظالم گفتہ است اورا بطلبید تا ظلم بر من ثابت کند و گرنہ برو اجرائے حد شرعی نمایند۔شیخ زادہ بعد از احضار اقرار کرد سلطان بیان خواست۔او گفت ہر کرا سیاست می کنی حق یا ناحق ذمہ بر توست اما ایں کہ زنان و فرزندان اورا بجلاد می سپاری تا ہر چہ خواہند کنند ایں در کدام مذہب و شریعت آمدہ است سلطان خاموش شد و برخاستہ فرمود کہ شیخ زادۂ جام را در قفس آہنیں کنند و در سفر دولت آباد اورا ہمچناں حالت بالائے فیل برداشتہ بود۔چوں بہ دہلی آمد آں بیچارہ را بحضور خود فرمود کہ دو پارہ کنند" شیخ عبد الحق دہلوی نے ایک بزرگ شیخ شہاب الدین حق گو کا حال اِسی طرح لکھا ہے" پسر شیخ معز الدین زاہد ست۔حق گو ازاں لقب شد کہ سلطان محمد

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

بادشاہ نے ایک نیا ڈھنگ ڈالا کہ مشایخین اور علماء سے اپنی بیع کی مدنیر لیتا تھا۔ اور اُس کی ایک مہمل سی توجیہ یہ کرتا تھا۔ کہ خلفائے راشدین بحز اہل علم اور اہل صلاح کے کسی اور کو خدمات سپرد نہیں کرتے تھے شیخ صاحب نے انکار کیا۔ پھر بادشاہ نے دربار عام میں کہا تب بھی انکار کیا۔ بادشاہ غصے ہوا۔ اور شیخ ضیاء الدین سمانی کو حکم دیا کہ شیخ کی ڈاڑھی کھسوٹ ڈالو۔ ضیاء الدین نے انکار کیا۔ بادشاہ نے برہم ہوکر دونوں صاحبوں کی ریش مبارک نچوادی۔ ضیاء الدین کو تلنگانے کی طرف ورنگل (دکن) کا قاضی مقرر کرکے نکال دیا۔ وہ وہیں مرگیا۔ اور شیخ کو دولت آباد بھیج دیا۔ وہ وہاں سات برس رہے۔ پھر اُن کو واپس بلاکر اُن کی بہت کچھ تعظیم وتکریم کرنے لگا۔ اور بہت بڑا عہدہ دیا۔ جب بادشاہ نے دریائے گنگ پر جاکر ایک محل بنایا اور اُس کا نام **سُرگ دوارہ** رکھا اور لوگوں کو بھی وہیں ایسے ایسے مکانات بنانے کا حکم دیا۔ تب شیخ نے دہلی میں رہنے کی اجازت چاہی۔ بادشاہ نے اُن کو اجازت دے دی۔ اور دہلی سے چھ میل کے فاصلے پر ایک وسیع الرقبہ بنجر اُن کو دے دیا۔ شیخ نے اُس میں ایک بڑا غار کھد وایا۔

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ ~~۵۳۶ھ~~ میں ہوئی۔ (۹۵) سال کی عمر میں حرحد جام میں وفات پائی مولینا جامی کو آپ کی تصانیف سے خاص الفت تھی۔ اور اسی سبب سے آپ کہتے تھے کہ میں نے اپنا تخلص جامی رکھا ہے۔ جلال الدین اکبر بادشاہ کی والدہ حمیدہ بانو بیگم بھی شیخ احمد جام کی اولاد سے تھیں۔ (از سفینۃ دارا شکوہ) غرض یہ کہ شیخ شہاب الدین بھی دہلی کے معتقد علیہ تھے۔ چنانچہ جو بادشاہ سلطان نظام الدین سے ناراض رہے۔ تھے جیسے قطب الدین خلجی۔ اور غیاث الدین تغلق وہ شیخ شہاب الدین کے بڑے معتقد تھے۔ ۱۲

نوٹ صفحہ ہذا۔ سلہ فرشتہ نے حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے حال میں لکھا ہے کہ محمد شاہ تغلق کہ بسبب بسیاری قتل وسیاست او راجوی می گفتند با درویشاں سوء مزاج بہم رسانید وحکم کرد کہ درویشاں بطریق خدمت گاراں خدمتم نمایند پس بیکے مراتب دل جو رانند و دیگرے دستار بندد شیخ را تکلیف جامہ پوشانیدن نمود شیخ

۔۔ وہ لکھتا ہے کہ "جماعتے را کہ خداوندمن سلطان محمد تغلق شاہ مرحوم بجہت سیاست گرفتہ قطع اعضا نمودہ بود از زن و فرزند و ورثہ آنہا ہر کرا یافتم بہ انعام و وظیفہ خوش دل ساختم وخطِ ابرائے ذمہ سلطانِ مرحوم از ایشاں گرفتہ و بہ مہر اکابر او راشراف رسانیدہ۔ در مقبرۂ بادشاہ تغلق شاہ گزاشتیم"

اپنے بھائی مسعود خاں کا قتل

بادشاہ کا ایک بھائی مسعود خاں تھا۔ اُس کی ماں سلطان علاء الدین کی بیٹی تھی۔ یہ شخص بے انتہا خوش رو اور حسین تھا۔ گویا خدا نے اپنے ہاتھ سے بنایا تھا۔ اُس پر بغاوت کا غلط اتہام لگایا گیا۔ اُس نے ڈر کے مارے اقرار کرلیا۔ کیوں کہ کرتو خدا کے غضب سے ڈر۔ اور نہ کر تو خدا کے غضب سے ڈر۔ انکار کی صورت میں اور طرح طرح کے عذاب دیئے جاتے تھے۔ اِس لیئے ایک دفعہ کا مرنا آسان تر تھا۔ چوک میں اُس کی گردن ماری گئی۔ اور تین دن تک اُس کی نعش ٹھوکروں میں پڑی رہی۔ دو برس پہلے اسی جگہ اِس کی ماں کو زنا کے جرم میں قاضی کمال الدین نے سنگسار کروایا تھا۔

شیخ شہاب الدین[1] کا قتل

آپ مشایخین وعلمائے کبار میں سے تھے اور چودہ چودہ دن تک برابر روزہ رکھتے تھے۔ سلطان قطب الدین اور سلطان تغلق آپ کی زیارت کو جایا کرتے تھے۔ اِس

[1] شیخ شہاب الدین احمد جام خراسانی۔ شیخ الاسلام احمد جام زندہ پیل حضرت جریر ابن عبداللہ بجلی کی اولاد میں سے تھے۔ جن کو حضرت عمرؓ اِس اُمت کا یوسف کہا کرتے تھے شیخ احمد جام کی پیدائش موضع نامق میں ہوئی تھی۔ بائیس سال کی عمر تک آپ بالکل اُمّی تھے اُس کے بعد ریاضت اور محنت سے تمام علوم کا دروازہ آپ پر کھل گیا۔ آپ کی تصانیف قریب قریب تین سو کے ہیں۔ اور وہ تصانیف بھی ایسی مستند کہ کسی کو اُن پر اعتراض نہیں۔ آپ کثیر الاولاد بھی تھے۔ (۳۹) بیٹے اور (۳۰) بیٹیاں تھیں۔ (۶۲) کی عمر تک آپ کے ہاتھ پر ایک لاکھ اسی ہزار آدمیوں نے بیعت کی اور شیخ ظہیر الدین علیی آپ کے ایک فرزند کا قول ہے۔ کہ میرے باپ کے ہاتھ پر چھ لاکھ آدمی تائب ہوئے خواجہ مودود چشتی آپ کے بہت معتقد تھے۔ آپ کی ولادت ۴۴۰ھ میں اور وفات

(بقیہ نوٹ برصفحۂ آیندہ)

تاریخ مبارک شاہی میں ہے کہ "قحط عام وگرانی ہفت سال چناں شد کہ قطرۂ از آسمان نہ بارید" پہلا قحط ۷۳۵ھ سے ۷۴۲ھ تک رہا۔ اور دوسرا ۷۴۴ھ سے ۷۴۶ھ تک۔

بادشاہ کی خوں ریزی

یہاں تک بادشاہ کی تواضع اور انصاف اور نرم دلی اور سخاوت کا جو سب غیر معمولی اور فوق العادت تھیں بیان کیا گیا۔ لیکن اُس کے ساتھ ہی وہ خوں ریزی میں بھی بہت بیباک تھا۔ ایسا کبھی شاذ و نادر ہوتا ہوگا۔ کہ محل کے دروازے پر کوئی شخص قتل نہ کیا جاتا ہو اور مقتولین کی لاشیں دروازے پر نہ پڑی رہتی ہوں۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ "ہیچ ہفتہ نہ بود کہ موحدان و مشائخ و سادات و صوفی و قلندر و نویسندہ و لشکری را سیاست نہ فرمودے و خوں ریزی نہ کردے۔ در قہر و سیاست و ریختن خونِ ناحق و تشدید و تعذیب بندگان خدا بیباک بود و بخلاف عقل دیگر می نمود و می خواست کہ خلق خدا از جہاں خالی سازد" اُس کے علم کی بابت فرشتہ لکھتا ہے "در تقریر فصیح و شیریں کلام او سلطے لطیر بود۔ مکاتبات و مراسلات فارسی و عربی بر بدیہہ چناں نوشتے کہ دبیران و منشیان حیران ماندندے و بے نہایت خط را خوش نوشتے کہ استادان مقبول داشتندے در علم تاریخ ماہر بود و قوت حافظہ بغایتے داشت کہ ہرچہ یک بار شنیدے یاد گرفتے و حکایات و داستانہائے شاہنامہ بر سر زبان داشت و جمیع علوم معقول خصوص طب و حکمت و نجوم و ریاضی و منطق مہارتے تمام داشت و شعر فارسی نیکو گفتے۔ ایں بادشاہ را از عجائب مخلوقات نشان میدہند جامع اضداد بود و ہیچ وقت نماز گزاردے و نہ نوافل و مستحبات قیام نمودے و ہیچ مسکرے نخوردے و از زنا و جمیع عیوب اجتناب نمودے" مسالک الابصار کے مصنف شہاب الدین دمشقی عمری کی تحریر سے بھی اس تمام بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔ اُس نے اتنی بات اور زیادہ لکھی ہے کہ بادشاہ حافظ کلام مجید بھی تھا۔ اور ہدایہ کا کل متن بھی اُس کو برزبان تھا۔ اس بادشاہ کی خوں ریزی کی شہادت فیروز شاہ نے بھی اپنی فتوحات میں دی ہے۔

اگر کوئی ادائی جواب میں قاصر رہتا تھا تو اُس کو سزا دی جاتی تھی۔ تمام لوگ گھر گھر نماز کے مسائل یاد کراتے پھرتے تھے۔ اور کاغذوں پر لکھواتے تھے۔

احکام شرع کی پابندی بادشاہ احکام شرع کی پابندی پر بہت زور دیا کرتا تھا۔ اُس نے اپنے بھائی مبارک خاں کو حکم دے رکھا تھا۔ کہ وہ دیوان خانے میں قاضی کے ساتھ انصاف رسانی کے لیئے بیٹھا کرے۔ یہ لوگ ایک اونچے برج میں اجلاس کرتے تھے۔ قاضی کے لیئے مسند بچھائی جاتی تھی۔ مبارک خاں قاضی کی داہنی طرف بیٹھا کرتا تھا۔ اگر کسی شخص کا استغاثہ کسی سربرآوردہ امیر پر ہوتا تھا۔ تو مبارک خاں کے آدمی اُسے قاضی کے سامنے لاکر حاضر کردیتے تھے۔ اور معاملے کا تصفیہ کردیا جاتا تھا۔

اِنصاف کا دربار ۷۴۱ھ میں بادشاہ نے سوائے زکوۃ اور عُشر کے ہمہ اقسام کے محصولات اور ڈنڈ معاف کردیئے اور خود ہفتے میں دو مرتبہ پیر اور جمعرات کو کھُلے میدان میں دربار عام کرتا تھا۔ چار امیروں کو چاروں دروازوں پر متعین کردیا تھا۔ کہ بلا کمو کاست لوگوں کی شکایات قلم بند کریں۔ سب سے آخر صدر جہاں قاضی القضاۃ اور پھر بادشاہ تک رسائی ہوتی تھی۔ اگر کسی نے شکایت سننے میں اغماض کیا۔ تو بادشاہ سخت برہم ہو جاتا تھا۔ اِن سب تحریری استغاثوں کو نماز عشا کے بعد بادشاہ خود ملاحظہ فرماتا تھا۔

قحط میں لوگوں کی پرورش جب ہندوستان اور سندھ میں ایسا قحط پڑا کہ گیہوں فی من چھ دینار کے ہوگئے تو بادشاہ نے حکم عام دے دیا کہ دِلّی کے کل باشندوں کو بلا امتیاز چھوٹے بڑے غلام و آزاد کے بحساب ڈیڑھ رطل فی کس روزانہ کے چھ مہینے کا غلّہ شاہی گوداموں سے دیا جائے۔ فقیہ اور قاضی محلّے محلّے کی فہرست طیار کرتے تھے۔ اور اُن کو غلّہ پونہچاتے تھے۔ فرشتہ لکھتا ہو کہ "در عہد آں بادشاہ دو مرتبہ امساک باراں شد۔ در شہر کثرت تامردم قریب سہ سال بعسرت گزرانیدند"

جاؤ اور پھر اپنی جگہ ایک امیر کو کھڑا کر کے خود چلا گیا۔

بادشاہ کی تواضع اور انصاف

ایک ہندو امیر نے بادشاہ پر دعویٰ کیا کہ بادشاہ نے اُس کے بھائی کو بلا سبب مروا دیا۔ بادشاہ اُٹھا اور بغیر کسی ہتیار کے قاضی کے پاس چلا گیا۔ وہاں جاکر قاضی کو سلام کیا اور تعظیم کی اور قاضی کو پہلے ہی کہلا بھیجا تھا۔ کہ جب میں وہاں آؤں تو تم تعظیم کو نہ کھڑے ہونا اور نہ اپنی جگہ سے جنبش کرنا۔ بادشاہ محکمہ میں پہنچا اور قاضی کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ قاضی نے کہا کہ بادشاہ مدعی کو راضی کر لے ورنہ قصاص کا حکم ہوگا۔ بادشاہ نے اُسے راضی کر لیا۔ اِسی طرح ایک دفعہ کسی مسلمان نے کچھ مال کا دعویٰ کر دیا۔ یہ معاملہ بھی قاضی تک پہنچا۔ قاضی نے مال واپس دینے کا حکم دیا۔ اور بادشاہ نے بلا عذر تعمیل کر دی۔ ایک دفعہ کسی امیر کے لڑکے نے دعویٰ کیا کہ بادشاہ نے اُسے بلا وجہ مارا ہے۔ قاضی نے حکم دیا کہ لڑکے کو راضی کر لو ورنہ سزا کے واسطے طیار رہو۔ بادشاہ نے دربار میں اُس لڑکے کو بلا بھیجا۔ اور اُس کے ہاتھ میں چھڑی دے کر کہا کہ بے تامل اپنا عوض لے لے۔ اور اُس کو اپنے سر کی قسم دلائی کہ جس طرح میں نے تجھے مارا ہے۔ تو بھی مجھے مار لے۔ کسی طرح کمی نہ کیجو۔ لڑکے نے چھڑی لے اکیس چھڑیاں بادشاہ کے لگائیں یہاں تک کہ ایک دفعہ بادشاہ کی ٹوپی بھی گر پڑی۔

نماز کی تاکید شدید

روزِ محشر کہ جاں گداز بود
اولیں پرسشِ نماز بود

یہ بادشاہ نماز کے معاملے میں بہت تاکید کرتا تھا۔ اُس کا حکم تھا۔ کہ جو شخص جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھے اُسے سزا دی جائے۔ اِس کام پر بہت سے آدمی متعین تھے۔ کہ نماز کے وقت جو شخص بازار میں مل جائے۔ اُسے پکڑ لاؤ۔ یہاں تک اہتمام تھا۔ کہ سائیس بھی جو دیوان خانے میں گھوڑے پکڑے رہتے تھے۔ وہ بھی وقت پر نماز پڑھتے تھے۔ حکم تھا کہ ہر شخص فرائض اسلام اور شرائط اسلام کو سیکھے۔ لوگوں سے سوالات کیے جاتے تھے

کرتے کرتے مر گئی اُس کی لونڈیوں نے اس کا نام بھی یاد دلا دیا۔ بادشاہ نے اپنے ہاتھ سے حکم لکھا کہ حرامی اور موش خوار دونوں جلا وطن کیے جائیں۔ موش خوار سے مراد سیف الدین تھا۔ اور حرامی سے مغیث الدین چونکہ بدیر بوع کھاتے ہیں۔ جو ایک قسم کا جنگلی چوہا ہوتا ہے۔ اور مغیث الدین کے نسب میں کچھ کلام تھا۔ لہذا یہ نام لیئے۔ اور چوبدار جلا وطن کرنے کو جا پہنچا امیر روتا ہوا گھر سے نکلا۔ مگر ابن بطوطہ محل میں پہنچا۔ اور رات کو وہیں رہا ایک امیر نے پوچھا کہ کیوں خیر تو ہے۔ تم رات کو یہاں کیوں رہے ہے۔ ابن بطوطہ نے کہا کہ میں بادشاہ سے امیر کے معاملے میں کچھ عرض معروض کرنا چاہتا ہوں۔ کہ اُس کو واپس بلا لے اور شہر بدر نہ کرے۔ اُس نے کہا کہ یہ کبھی ممکن نہیں۔ میں نے کہا کہ ممکن کیسے نہیں۔ اگر سو رات بھی مجھے اِس غرض کے لیئے یہاں پڑا رہنا پڑے تو۔ جب تک میرا مطلب پورا نہ ہو گا۔ میں ٹلنے والا نہیں۔ یہ خبر شدہ شدہ بادشاہ کی سمع مبارک تک بھی پہنچ گئی۔ اور اچھی ہی گھڑی تھی کہ اُس نے امیر کو واپس بلا لینے کا حکم دیا۔ اور یہ کہا کہ ملک قبولہ لاہوری کے پاس رہا کرے۔ چنانچہ چار برس تک امیر اُسی کے پاس رہا۔ اور سب آداب اور طریقے سیکھ کر راہ راست پر آ گیا۔ تب بادشاہ نے اُس کو اُس کے مرتبے پر بحال کر دیا۔ اور اُس کی جاگیرات دے کر لشکر کا سردار بنا دیا۔

وزیر کی لڑکیوں کی شادی

خداوندزادہ قوام الدین ترمذ ملتان سے دلی آیا تو بادشاہ نے اُس کی خاطر و مدارات بہت کی اور بڑا عمدہ سلوک کیا۔ پھر اُس کے دونوں بیٹوں کے ساتھ وزیر خواجہ جہاں کی لڑکیوں کا نکاح کر دیا۔ اور وزیر اُس وقت دار الخلافہ میں نہ تھا۔ بادشاہ نے اُن کے باپ کا نایب ہو کر محل میں آ کر نکاح پڑھوا دیا۔ جب تک قاضی القضاۃ نے نکاح پڑھایا بادشاہ کھڑا رہا اور دوسرے امراء و حاضرین بیٹھے رہے۔ بادشاہ نے اپنے ہاتھ سے کپڑے اور تھیلیاں اُٹھا کر قاضی اور خداوندزادے کے بیٹوں کو دیں۔ یہ دیکھ کر اور امیر بھی کھڑے ہو گئے۔ اور عرض کی کہ حضور تکلیف نہ فرمائیں۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ تم بیٹھ

اُس نے اِس نعمت عظمیٰ کی قدر نہ جانی۔ بھول گیا۔ اور اُس کے مزاج کی جہالت
نے اُسے تیس دن ہی میں نیچا دکھا دیا۔ شادی کے تیس دن کے بعد
امیر کو محل شاہی میں جانے کا اتفاق ہوا۔ اور بے محابا اندر جانے کا قصد
کیا۔ امیر حاجب نے منع کیا۔ اُس کو جھڑک دیا۔ اور اندر گھسا چاہا۔ دربان
نے بال پکڑ کر گھسیٹا۔ امیر نے دربان کے اِس زور سے لاٹھی رسید کی کہ
خون نکل آیا۔ دربان بھی کوئی معمولی آدمی نہ تھا۔ ایک بڑا امیر تھا۔ اِس کا باپ
غزنی کا قاضی تھا۔ اور سلطان محمود بن سبکتگین کی اولاد میں سے تھا۔ اور
بادشاہ اس کو باپ باپ کہا کرتا تھا۔ وہ فوراً بادشاہ کے پاس گیا۔ اُس
کے کپڑے خون آلودہ تھے یہ واقعہ سن کر بادشاہ تھوڑی دیر عالم سکوت
میں گیا۔ اور آخرکار کہا کہ قاضی کے پاس جاکر نالش کرو یہ جرم ایسا سنگین ہے
کہ بادشاہ بھی جس نے اِس طرح محل میں گھسنے کے لیئے زبردستی کی ہو معاف
نہیں کر سکتا۔ اور اِس کی سزا ہمیشہ موت ہوا کرتی ہے۔ لیکن پردیسی ہونے کے
سبب سے امیر کی رعایت ملحوظ رکھ کر بادشاہ نے **ملک تتر** کو کہا کہ
ان دونوں کو قاضی کے پاس لے جاؤ۔ قاضی **کمال الدین** محل کے دیوان
خانے ہی میں موجود تھا۔ حاجی ملک تتر عربی خوب بولتا تھا۔ اُس نے امیر سے
کہا تو نے اس شخص کو مارا ہے۔ اگر نہیں مارا تو کہہ کیوں نہیں دیتا۔ کہ نہیں مارا۔
اس گفتگو میں اشارہ اِس بات کا تھا۔ کہ انکار کر جاتے۔ امیر نے کہا میں جھوٹ
کیوں بولوں میں نے مارا ہے۔ اتنے میں امیر حاجب کا باپ آگیا۔ اُس نے
بیچ بچاؤ کرنا چاہا۔ لیکن سیف الدین اڑ گیا۔ اور نہ مانا۔ قاضی نے حکم دیا کہ
امیر رات بھر قید رہے۔ اُس کی بیوی نے بادشاہ کے ڈر سے اپنے شوہر
کے پاس نہ بچھونا بھیجا اور نہ کھانے کی خبر لی۔ اُس کے دوست بھی گھبرا گئے
اور اُنھوں نے اپنی دولت دوسروں کے پاس رکھوا دی۔ دوسرے
دن دوپہر کو امیر نے رہائی پائی۔ بادشاہ اُس کی طرف سے کھچ گیا۔ اور جاگیر
جو عطا دیا تھا وہ منسوخ کر دیا اور جلا وطن کرنے کا ارادہ کیا۔ بادشاہ کا ایک
بہنوئی **مغیث الدین** ابن ملک الملوک تھا۔ بادشاہ کی بہن اُس کی شکایت

چڑھا ہوا تھا پھر امیر اپنے ساتھیوں اور غلاموں کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہوا۔ غلاموں کے ہاتھوں میں
چھڑیاں تھیں امیر کو سہرا باندھنے کو کہا گیا تو چوں کہ وہ عرب کا رہنے والا تھا۔ اور وہاں اس
کا دستور نہیں۔ اُس نے سہرا باندھنے سے انکار کیا۔ لیکن پھر لوگوں
کے کہنے سننے سے سہرا باندھ لیا۔ یہ سب جماعت حرم سرا
دروازے پر پونہچی تو وہاں دلہن والے منتظر کھڑے تھے۔ صحن میں
ایک منبر پر جو دیبا سے منڈھا ہوا اور اُس پر جواہرات جڑے ہوئے تھے
دلہن کو لاکر بٹھایا۔ گانے والی عورتوں کا مجمع تھا۔ دلہن کو دیکھ کر سب کھڑی
ہوگئیں۔ امیر کا گھوڑا دلہن کے منبر تک آیا وہاں پونہچ کر گھوڑے پر سے اُتر پڑا
اور منبر کی پہلی سیڑھی کے پاس کھڑے ہو کر زمین بوس کیا۔ اُس وقت
دلہن بھی کھڑی ہوگئی اور امیر کو اپنے ہاتھ سے پان دیا۔ امیر دلہن سے ایک
سیڑھی نیچے بیٹھ گیا۔ اور نچھاور درہم اور دیناروں کی ہونے لگی۔ عورتیں
تکبیر بھی کہتی جاتی تھیں اور گاتی بھی جاتی تھیں۔ باہر نوبت اور نقارے بج رہے
تھے۔ پھر امیر کھڑا ہوا۔ اور دلہن کا ہاتھ پکڑ کر منبر سے نیچے اُتارا اور دلہن
کو لے کر چلا۔ دولھا آگے دلہن پیچھے۔ امیر گھوڑے پر سوار ہوا اور دلہن پالکی
میں بیٹھی اور پھر درہم اور دینار کی بکھیر ہونے لگی۔ پالکی کو غلاموں نے کندھے
پر اُٹھایا۔ اور بیگمیں گھوڑوں پر سوار ہوئیں۔ باقی عورتیں پا پیادہ تھیں۔ یہ سب
آگے آگے تھیں۔ پالکی اُن کے پیچھے۔ جب برات کسی امیر کے گھر کے
سامنے سے گزرتی وہ نکل کر درہم و دینا کی نچھاور کرتا۔ دوسرے دن دلہن
نے دولھا کے دوستوں کے گھر کپڑے اور دینا اور درہم بھیجے اور بادشاہ
نے اِن میں سے ہر ایک کو ایک گھوڑا مع ساز و سامان کے اور ایک ایک
تھیلی جن میں دو سو سے لے کر ہزار تک دینار تھے بھیجے۔ ملک فتح اللہ نے
بیگموں کو قسم قسم کے ریشمیں کپڑے اور درہم و دینار کی تھیلیاں دیں۔
اُس روز پھر ضیافت ہوئی۔ اور شادی ختم ہوگئی۔ بادشاہ نے امیر کو مالوہ
گجرات اور کھمبایت اور نہروالہ جاگیر میں دیئے اور ملک فتح اللہ کو اُس کا نائب
مقرر کیا۔ اور امیر کی رتبہ افزائی میں کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ لیکن وہ بد وی آدمی

کے سپرد کیا۔ ملک فتح اللہ نے طیاری شروع کی اور بڑے بڑے شامیانے تانے اور ایک صحن میں ایک دل بادل خیمہ کھڑا کیا اور اُس کو طرح طرح کے بیتکلف فرش و فروش سے سجایا۔ **شمس الدین تبریزی** مطربوں اور ارباب نشاط کو لے کر آیا۔ جو سب بادشاہ کے غلام اور لونڈیاں تھیں باورچی نان بائی۔ حلوائی۔ سقے تنبولی سب ہی جمع کیئے گئے۔ بھیڑ بکریوں۔ پرندوں کا جو ذبح کیئے گئے کوئی حساب نہ تھا۔ غرض برابر پندرہ دن تک سب لوگوں کو کھانا کھلایا گیا۔ اور بڑے بڑے امرا اور پردیسی دو وقتہ کھانے میں شامل ہوتے تھے۔ نکاح کی رات سے دو رات پہلے بادشاہ کے محل سے بیگمیں آئیں اور انھوں نے مکان آراستہ کیا۔ اور اچھے اچھے فرش بچھائے۔

شادی کی رسمیں امیر سیف الدین کو بلایا۔ یہ پردیسی تھا۔ اور اس کا کوئی عزیز و قریب یہاں نہ تھا۔ امیر کو مسند پر بٹھایا۔ عورتوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ بادشاہ نے حکم دیا تھا۔ کہ اُس کی سوتیلی ماں جو **مبارک خاں** کی سگی ماں تھی۔ امیر کی ماں بنے اور بیگموں میں سے ایک بیگم کو بہن بنایا۔ اور تیسری بیگم پھوپی اور چوتھی خالہ بنی۔ مطلب یہ تھا۔ کہ امیر یہ نہ سمجھے کہ اُس کی طرف سے کوئی نہیں ہے۔ ان سب عورتوں نے امیر کو چوکی پر بٹھایا۔ اور ہاتھ پاؤں کو مہندی لگائی اور خوب گانا بجانا ہوتا رہا۔ پھر بیگمیں دولھا دُلہن کے سونے کے محل میں چلی گئیں۔ بادشاہ نے جس طرح زنانے میں عورتوں کو امیر کی طرف سے نامزد کر دیا تھا۔ اسی طرح مردوں میں بھی چند لوگ امیر کی مشایعت کے لیئے مخصوص کر دیئے جب دولھا دلہن کو وداع کر کے اپنے گھر لاتا ہے تو باڑھ رو کی جاتی ہے۔ اور بہت کچھ نیگ لے کر اُس کا رستہ چھوڑتے ہیں۔ نماز مغرب کے بعد امیر کے پاس نیلے ریشم کے خلعت آئے جو زربفت کے تھے۔ اور اس قدر کثرت سے جواہرات اُن میں ٹکے ہوئے تھے۔ کہ اُس کی جگمگاہٹ کے سامنے اصل کپڑا نظر ہی نہ آتا تھا۔ اور ایسی ہی مرصع ایک ٹوپی بھی تھی۔ یوں تو بادشاہ نے اپنے اور داماد علاء الدین تمام ملک العلماء اور شیخ الاسلام اور صدر جہاں بخاری کے بیٹوں کو خلعت دیئے مگر یہ خلعت سب سے بڑھا

ہی - اُس میں ایک بہت بڑا صحن ہی - اور اُس کی دہلیز بہت بڑی ہی - اُس کی دہلیز
پر ایک برج ہی جہاں سے اندر اور باہر کے دونوں صحن نظر آتے ہیں سلطان
جلال الدین اِس برج میں بیٹھ کر اندر کے صحن میں جو چوگان بازی ہوتی تھی۔
دیکھا کرتا تھا۔ جب امیر سیف الدین کو اِس محل میں ٹھیرایا گیا - تو ابن بطوطہ نے
یہ محل دیکھا تھا - وہ لکھتا ہی کہ سارا محل اسباب سے بھرا ہوا تھا - لیکن تمام
چیزیں بوسیدہ ہوگئی تھیں - ہندوستان میں دستور ہی کہ جب کوئی بادشاہ
مرجاتا ہی - تو اُس کے محل کو چھوڑ دیتے ہیں - اور نیا بادشاہ اپنے لیئے علیحدہ
محل طیار کراتا ہی - اور پرانے محل کی کوئی چیز اپنی جگہ سے نہیں ہلاتے - بادشاہ
کی وفات کے بعد وہ محل ویران ہوگیا - ابن بطوطہ اِس محل میں اچھی طرح پھرا
اور اُس کی چھت پر بھی گیا - عبرت کا مقام تھا - ابن بطوطہ کے آنسو نکل پڑے
فقیہ جلال الدین مغربی غرناطی نے جو بچپن میں اپنے باپ کے ساتھ ہندوستان
میں آئے تھے - اور اُس وقت ابن بطوطہ کے ساتھ تھے یہ شعر پڑھا - [1]

وَسَلَاطِيْنُهُمْ سَلِ الطِّيْنَ عَنْهُمْ فَالرُّؤُسُ الْعِظَامُ صَارَتْ عِظَامَا

اِس محل میں امیر سیف الدین کی شادی کا کھانا ہوا - چونکہ بادشاہ اہل عرب سے
بہت محبت رکھتا تھا - اور اُن کی قدر کرتا تھا - جب یہ امیر آیا تو اُس کے ساتھ
بھی بہت سلوک کیا - اور بارہا اُس کو بڑے بڑے عطیئے بخشے - ایک دفعہ
ملک اعظم بایزیدی حاکم مانک پور کی نذر پیش ہوئی - اُس میں گیارہ
گھوڑے اصیل اور نجیب تھے - بادشاہ نے امیر سیف الدین کو دے دیئے
پھر ایک دفعہ دس گھوڑے جن کے زین اور لگامیں طلائی تھیں امیر کو دے دیئے

امیر سیف الدین کی شادی بادشاہ کی بہن سے

بعد ازاں اپنی بہن فیروزہ اخوندہ سے
اُس کی شادی کردی - جب بادشاہ نے حکم
دیا کہ اُس کی بہن کی شادی امیر سیف الدین
سے کی جائے تو طعام و ولیمہ کی طیاری اور اخراجات کا کام ملک فتح اللہ

[1] اُن کے بادشاہوں کا حال مٹی سے پوچھو کہ بڑے بڑے سروں کی بھی نری ہڈیاں
ہی رہ گئیں - ۱۲

سے ہوا ہی نہ ہوگا۔ ہندوستان سے جانے کے بعد بغداد میں ابن بطوطہ کو ابن الخلیفہ کا بیٹا ملا تھا۔ جو بہت تباہ حال تھا۔ وہ کسی مسجد کا امام تھا۔ اور ایک درہم یومیہ پاتا تھا۔ اگر ابن الخلیفہ اپنے خلعت کا ایک تکمہ بھی بیٹے کو بھیج دیتا۔ تو وہ عمر بھر کے لیے غنی ہو جاتا۔

امیر سیف الدین | جب یہ سیف الدین غدا ابن ہبۃ اللہ ابن مہنّا امیر عرب الشام بادشاہ کے پاس آیا۔ بادشاہ نے اُس کا بہت اکرام کیا۔ اور سلطان جلال الدین کے محل میں جو کوشک لعل[۲] کے نام سے مشہور ہے۔ اور دلّی کے شہر کے اندر ہے۔ اُس کو اُتارا۔ یہ محل بہت بڑا

[۱] تاریخ خدولیہ میں درج ہے کہ خلیفہ مستعصم باللہ کے قتل ہو جانے کے بعد اُس کا چچا جو بغداد میں قید تھا بھاگ کے عراق کے عربوں میں پناہ گزیں ہوا تھا ۶۵۹ھ میں عرب سرداروں کے ہمراہ جن میں امیر ناصر الدین مہنّا بھی تھا۔ ملک ظاہر بیبرس کے پاس مصر میں چلا گیا۔ ملک ظاہر نے اُس کے ہاتھ پر بیعت کی اور اُس کے ساتھ ایک لشکر کر دیا۔ لیکن حدیثیہ کے مقام پر اُس نے تاتاریوں سے شکست کھائی۔ اور خلیفہ کا کچھ پتہ نہ لگا۔ اس لڑائی میں ابو العباس احمد بھی تھا۔ جو خلیفہ مسترشد باللہ کی اولاد سے تھا۔ وہ میدان جنگ سے بھاگ کر امیر عیسیٰ بن مہنّا کے پاس رحبہ میں چلا گیا۔ امیر عیسیٰ بن مہنّا نے ملک ظاہر بادشاہ مصر سے خط و کتابت کی اور امیر عیسیٰ اُس کو مصر میں لے لیا۔ ایک سال تو ملک ظاہر نے گم شدہ خلیفہ کا انتظار کیا۔ لیکن ۶۶۱ھ میں ابو العباس احمد کے ہاتھ پر بیعت کی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ امیر سیف الدین بھی اُسی امیر مہنّا کا پوتا تھا۔ اور چونکہ اس خاندان نے خلفائے عباسی کے بحال کرنے میں بہت بڑا حصہ لیا تھا۔ اور سلطان محمد تغلق خاندان خلفائے عباس سے خاص عقیدت رکھتا تھا امیر سیف الدین کی اِس قدر عزت بھی اُس نے اسی لحاظ سے کی تھی۔ ۱۲

[۲] آثار الصنادید میں درج ہے کہ سلطان جلال الدین خلجی نے ۶۸۹ھ میں ایک محل بنایا اور کوشک لعل اُس کا نام رکھا۔ اب اس محل کا پتہ نہیں ملتا کہ کہاں تھا اور کیا ہوا سلطان نظام الدین اولیاء کی درگاہ کے پاس ایک عمارت لعل محل کے نام سے مشہور ہے۔ شاید کوشک لعل وہی ہو۔ ۱۲

پر کھڑا رہا۔ جب ابن الخلیفہ محل سے نیچے اُترا تو اُس کو خلعت پہنایا۔ بادشاہ
نے بے حساب مال اور دولت ابن الخلیفہ کو مختلف اوقات میں دیا تھا۔ لیکن
یہ شخص تھا بڑا بخیل۔ جس قدر بادشاہ سخی تھا۔ اُس سے زیادہ یہ کنجوس تھا
ابن بطوطہ اور ابن الخلیفہ سے بڑی گہری دوستی ہو گئی تھی۔ ایک دن ابن بطوطہ
نے پوچھا کہ آپ تن تنہا کیوں کھاتے ہیں۔ دسترخوان پر اپنے ساتھیوں
اور دوستوں کو کیوں شریک نہیں کرتے۔ تو ابن الخلیفہ نے کہا "میں دیکھ
نہیں سکتا۔ کہ اِس قدر آدمی میرا کھانا کھائیں۔ اِس لیئے میں اکیلا ہی کھا لیتا
ہوں" یہاں تک اِمساک میں غلو تھا کہ ڈیوڑھی میں اندھیرا گھُپ پڑا رہتا تھا
چراغ تک جلانے کا روادار نہ ہوتا تھا۔ خود باغ میں سے تنکے چُنا کرتا تھا۔ اور وہی
جلواتا تھا۔ غلاموں اور نوکروں سے بھی باغ میں کام لیا کرتا تھا۔ اور کہتا تھا
کہ میں نہیں چاہتا کہ کوئی شخص بلا کام کیئے۔ مفت میرا کھانا کھائے۔ ابن بطوطہ
مقروض ہو گیا تھا۔ باوجودیکہ اس کے بخل سے واقف تھا مانگ بیٹھا حضرت
نے ٹکہ سا جواب دیا کہ میں بہت چاہتا ہوں کہ تمہارا قرضہ چکا دوں۔ مگر کیا کروں
مجبور ہوں کہ ہمت نہیں پڑتی:۔

گرجاں طلبی مضائقہ نیست　　　　گر زر طلبی سخن درین ست

اپنی فلاکت اور بخل کے حالات بھی بیان کیا کرتا تھا۔ کہ ایک دفعہ چار آدمی مل کر
بغداد سے باہر گئے۔ پیدل تھے۔ ہمارے پاس کھانے کو کچھ نہ تھا۔ ایک چشمہ
سے ہم گزرے تو وہاں ہمیں ایک درہم پڑا ہوا ملا۔ ہم نے سوچا کہ ایک درہم
کو ہم کیا کریں۔ بھوک تڑاقے کی لگ رہی تھی۔ سب کی صلاح ہوئی کہ روٹی خریدی جائے
ایک آدمی روٹی خریدنے گیا۔ تو نان بائی بھی تقدیر سے ایسا ہی ملا۔ اُس نے
کہا کہ میں روٹی اور بھوسی ساتھ بیچتا ہوں علیحدہ علیحدہ نہیں دیتا۔ آخر
ایک قیراط کی روٹی اور ایک قیراط کی بھوسی لی۔ چوں کہ بھوسی کی ہمیں ضرورت
نہ تھی۔ وہ تو پھینک دی۔ اور روٹی کا ایک ایک لقمہ ہم سب نے کھا لیا۔ کہتا
تھا۔ کہ اب خدا نے مجھے اِس قدر دولت مند کر دیا۔ ابن بطوطہ نے کہا کہ
خدا کا شکر کرو اور فقرا اور مساکین کو خیرات دیا کرو۔ کہنے لگا یہ کام نہ مجھ

ساتھ ابن الخلیفہ کی پرانی چشمک تھی۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ حاکم عربی کو ایک مکان میں جو سیری میں ہے۔ ٹھیرائیں۔ اور یہ بھی حکم دیا کہ سیری میں حاکم عربی کے واسطے ایک نیا گھر بنایا جائے۔ چوں کہ کل شہر سیری ابن الخلیفہ کو دیا جا چکا تھا۔ اُسے ناگوار ہوا۔ اور وہ بادشاہ کے محل میں گیا۔ اور اپنی مسند پر حسب دستور جاکر بیٹھ گیا۔ اور وزیر کو بلا بھیجا اور کہا کہ "خوند عالم سے کہہ دو کہ جو کچھ آپ نے مجھے دیا ہے۔ وہ میرے گھر میں موجود ہے۔ میں نے اُس میں سے کچھ خرچ نہیں کیا بلکہ کچھ نہ کچھ زیادہ ہی کیا ہوگا اور میں اب یہاں ٹھیرنا نہیں چاہتا" یہ کہہ کر ابن الخلیفہ بادشاہ سے بے ملے محل سے چلا گیا۔ وزیر نے اُس کے دوستوں سے ٹوہ لی۔ کہ کیا بات ہے۔ تو معلوم ہوا کہ وہ اس سبب سے ناراض ہے کہ بادشاہ نے حاکم عربی کے لئے سیری میں محل بنانے کا حکم دیا ہے۔ وزیر نے جاکر بادشاہ کو خبر کی وہ اُسی وقت سوار ہو کر دس آدمی اپنے ساتھ لے کر ابن الخلیفہ کے مکان پر آیا۔ اور گھوڑے سے محل کے باہر اُتر کر اندر جانے کی اجازت طلب کی۔ ابن الخلیفہ سے بادشاہ نے عذر کیا۔ اور ابن الخلیفہ نے بادشاہ کا عذر منظور بھی کر لیا لیکن بادشاہ نے کہا کہ میرا اطمینان نہیں ہوا۔ کہ آپ کے دل سے یہ کدورت مٹ گئی ہے۔ جب تک آپ میری گردن پر پیر نہ رکھیں مجھے اطمینان نہیں ہوتا۔ ابن الخلیفہ نے کہا کہ بھلا ایسی بے ادبی مجھ سے ہو سکتی ہے؟ آپ چاہے مجھے قتل ہی کر ڈالیں۔ مگر مجھ سے ایسی حرکت نہ ہوگی۔ بادشاہ نے اپنے سر کی قسم دلائی۔ اور اصرار کیا کہ تم کو یہ کرنا ہوگا۔ اور اپنی گردن زمین پر رکھ دی ملک قبولہ نے ابن الخلیفہ کا پاؤں جو اُٹھا کر بادشاہ کی گردن کو چھلا دیا۔ بادشاہ کھڑا ہو گیا۔ اور کہا کہ اب مجھے تسلی ہو گئی۔ کہ آپ راضی ہو گئے ابن بطوطہ سچ کہتا ہے کہ ایسی عجیب و غریب حکایت کسی بادشاہ کے متعلق نہیں سُنی گئی۔ عید کو بادشاہ نے جو خلعت ابن الخلیفہ کے لئے بھیجا تھا وہ اس کبیر لایا۔ اُس میں تین خلعت تھے۔ جُبوں میں تکموں کی جگہ جو ریشم کے ہوتے ہیں بیر بیر برابر موتیوں کے ٹل ٹکے ہوئے تھے۔ ملک کبیر دروازے

باسنوں کے ایک طلائی حمام بھی تھا۔ پھر چار لاکھ دینار اُسی وقت لطور سر شوئی کے بھیجے گئے اور لونڈیاں اور غلام اور لڑکے خدمت کے لیئے بھیجے اور روزانہ خرچ کے لیئے تین سو دینار مقرر کیئے۔ اور ہر وقت دستر خوان خاص سے اُس کے لیئے کھانا بھی جاتا تھا۔ سیری کا تمام شہر اور گھروں اور باغوں اور زمین اور گوداموں سمیت امیر کی جاگیر میں دیا گیا۔ اور اس کے علاوہ سو دیہات اور دیئے۔ دہلی کے شرقی مقامات کی حکومت عطا کی۔ اور تیس خچر زریں زینوں سمیت اُس کے پاس بھیجے اور اُن کا دانہ چارہ شاہی گودام سے جاتا تھا۔ اور اُس کے واسطے حکم تھا کہ جب بادشاہی محل میں آئے گھوڑے سے ہرگز نہ اُترے۔ اور جہاں تک بادشاہ سوار ہو کر آتے ہیں۔ برابر چلا آئے۔ سوائے اِس کے اور کسی کو محل میں سوار ہو کر آنے کی اجازت نہ تھی۔ اور یہ امر ذاب شاہی کے خلاف تھا۔ سب لوگوں کو حکم تھا۔ کہ جس طرح بادشاہ کو زمین بوس کرتے ہیں۔ اُسی طرح اِن کی بھی تعظیم کی جائے۔ جب وہ بادشاہ کی خدمت میں آتا تھا۔ تو بادشاہ تخت سے نیچے اتر جاتا تھا۔ اور اگر چوکی پہ بیٹھا ہوا ہوتا تھا۔ تو کھڑا ہو جاتا تھا۔ اور دونوں ایک دوسرے کی تعظیم کرتے تھے۔ بادشاہ اُس کو اپنے ساتھ مسند پر بٹھاتا تھا۔ اور جب وہ چلنے کو کھڑا ہوتا تھا۔ تو بادشاہ بھی کھڑا ہو جاتا تھا۔ پھر بادشاہ اُس کو اور وہ بادشاہ کو سلام کرتے تھے۔ جب مجلس سے باہر جاتا تھا۔ تو باہر اُس کے لیئے ایک مسند بچھا دی جاتی تھی۔ اُس پر جتنی دیر چاہتا تھا بیٹھتا تھا۔ ہر روز دو دفعہ یہی ہوتا تھا۔ امیر غیاث الدین دہلی ہی میں تھا۔ کہ بنگالے کا وزیر آیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ بڑے بڑے امیر اُس کا استقبال کریں اور پھر آپ بھی اُس کے استقبال کو برآمد ہوا اور اُس کی بڑی تعظیم کی اور جیسے بادشاہ کے شہر میں داخل ہونے کے وقت رونق ہوتی ہے ویسی ہی اُس وقت بھی ہوئی امیر غیاث الدین بھی وزیر کی ملاقات کو باہر آیا اور قاضی اور فقیہ اور مشائخ سب ہی آئے۔ جب بادشاہ واپس ہو گیا۔ تو وزیر سے کہا کہ آپ مخدوم زادے کے گھر جائیں۔ وزیر وہاں گیا۔ اور دو ہزار اشرفیاں اور کپڑوں کے تھان پیش کیئے۔ اور اُس کے ساتھ امیر قبولا اور ابن بطوطہ بھی گئے تھے۔ ایک دفعہ بادشاہ کے پاس بہرام حاکم غزنی آیا اور اُس کے

زمین بوسی کی تو بادشاہ نے بھی اسی طرح زمین بوسی کی۔ امیر غیاث الدین کچھ بدر
اپنے ساتھ لایا تھا اُن میں کچھ کپڑوں کے تھان بھی تھے۔ بادشاہ نے ایک
تھان اپنے کندھے پر ڈال لیا اور جس طرح اور لوگ بادشاہ کی زمین بوسی کرتے
ہیں۔ اُسی طرح سلام کیا۔ پھر گھوڑے آئے۔ بادشاہ نے ایک گھوڑے کو
پکڑ کر امیر کے سامنے کیا اور قسم دے کر کہا کہ آپ اس پر سوار ہو جائیں۔ اور
خود رکاب پکڑ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر بادشاہ سوار ہو گیا۔ اور باقی ہمراہی بھی سوار ہو گئے
اور شاہی چھتر اُن دونوں پر لگایا گیا۔ پھر بادشاہ نے اپنے ہاتھ سے امیر کو
پان دیا۔ یہ سب سے بڑھ کر تواضع تھی۔ کیوں کہ بادشاہ اپنے ہاتھ سے کسی
کو پان نہیں دیتا۔ اور یہ بھی کہا کہ اگر میں خلیفہ ابوالعباس سے بیعت نہ کر چکتا تو
آپ سے بیعت کرتا۔ غیاث الدین نے جواب دیا کہ میں بھی ابوالعباس سے بیعت
ہوں۔ غیاث الدین نے تواضعاً کہا کہ رسول اللہ صلعم کی حدیث ہے۔ کہ جس نے
بنجر زمین کو زندہ کیا یعنی آباد کیا۔ وہ اُسی کی ملکیت ہوتی ہے۔ گویا بادشاہ کے احسانات
نے ہمیں از سر نو زندہ کیا ہے۔ بادشاہ نے نہایت انکساری سے اِس کا جواب
دیا۔ جب سراچہ (خیمہ) میں پہنچے جو بادشاہ کے لیئے برپا کیا گیا تھا۔ تو بادشاہ
نے ابن خلیفہ کو اُس میں بٹھایا اور اپنے واسطے ایک اور خیمہ استادہ کرایا۔ اُس
رات شہر سے باہر ٹھیر گئے۔ اور دوسرے دن شہر میں داخل ہوئے اور سیری[1]
کا محل جو سلطان علاء الدین خلجی اور سلطان قطب الدین خلجی نے بنایا تھا اُس کی
سکونت کے لیئے مقرر کیا اور بادشاہ مع امیروں کے خود محل میں گیا۔ اور
اُس کا تمام ساماں مہیا کیا۔ اُس کے سامان میں علاوہ چاندی سونے کے

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ ؎ چند بیش رقمے داد و در پہلوئے خود برتخت متمکن ساختہ و ہمہ او تمام
پیش او بستہ۔ فرشتہ کی تحریر کے مطابق مخدوم زادہ عباسی ۷۴۲ھ کے بعد آیا ہے۔
لیکن ابن بطوطہ کے بیان سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اُس کے آنے کے بہت دنوں بعد
چین کے سفر کو گیا ہے۔ اس لیئے کم سے کم اُس کے آنے کا سال ۷۴۲ھ ہونا چاہیئے۔ ۱۱
نوٹ صفحہ ہذا۔ [1] اِس محل کو کوشک سیری کہتے تھے۔ وجہ تسمیہ ظاہر یہی تھی کہ اُس پر سرنگ کا
ہاتھی کا کام تھا۔ سیری کے معنے آئین اکبری کے محشی نے گھر کے لکھے ہیں۔ ۱۲

کو بنی عباس کے ساتھ بڑی محبت تھی - اِس لیئے اُس نے اپنی طرف سے محمد ہمدانی صوفی اور محمد بن ابی شرفی حربادی کو قاصد بناکر بھیجا - یہ دونوں بادشاہ کے پاس حاضر ہوئے اور ناصر الدین ترمذی جس کا ذکر اُوپر آچکا ہی - امیر غیاث الدین سے واقف تھا - اور بغداد میں اُس نے اُس کے نسب کی بابت دریافت کیا تھا - تو وہاں کے مشائخ نے بھی تصدیق کی تھی - ناصر الدین نے بھی تائید کی تو بادشاہ نے قاصدوں کو پانچ ہزار دینار دیئے اور امیر غیاث الدین کے واسطے تیس ہزار دینار بطور زاد راہ کے روانہ کیئے اور اپنے ہاتھ سے ایک دعوت کا خط بھی لکھا - اُس خط کے پوہنچتے ہی غیاث الدین چل پڑا اور جب سندھ پوہنچا تو اخبار نویسوں نے بادشاہ کو خبر دی - بادشاہ نے دستور کے موافق استقبال کے لیئے آدمی بھیجے اور جب وہ سرسہ میں پوہنچا تو قاضی کمال الدین صدر جہاں کو حکم دیا کہ استقبال میں کچھ فقیہ اپنے ساتھ لے کر اُس کی سواری کے ساتھ ساتھ آئے - پھر اور امیروں کو استقبال کے لیئے بھیجا اور جب وہ مسعود آباد میں پوہنچا تو بادشاہ مع امیروں کے خود اُس کے استقبال کے لیئے باہر آیا - جب ملاقات ہوئی غیاث الدین پیادہ ہو گیا - بادشاہ بھی سواری سے نیچے اُتر آیا اور غیاث الدین نے حسب دستور

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ - یہ اُس زمانے کی علو ہمتی کی تفسیر ہی - کہ مسلمان کہاں کہاں دھاوے مارتے تھے - یا اب سفر صورت سفر کہا جاتا ہی - اور گھر سے باہر قدم دھرنے میں گھڑی ساعت دیکھی جاتی ہی - اور جب تک امام ضامن کی ضامنی نہ بندھے - ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکتا - پھر اُس زمانے کے سفر کی صعوبتوں کو بھی دیکھیئے کہ ریل کا کہیں پتہ نہ تھا - رستے مخدوش مگر یہ لوگ سفر پر سفر کیئے جاتے تھے اور ہمت نہ ہارتے تھے حضرت قثیم کی وفات امیر معاویہ کی ایام خلافت میں ہوئی ہی - ۱۲

نوٹ صفحہ ہذا - سلہ فرشتہ سے ابن بطوطہ کے اِس بیان کی تائید ہوتی ہی " درہماں آوان مخدوم زادہ بغدادی کہ ظاہراً از دودمان عباسی بود بہ ہند آمد - بادشاہ تا قصبۂ پالم (دہلی سے احمد آباد کی چھوٹی لین پر پہلا سٹیشن ہی اور غالباً پہلے اِسی کا نام مسعود آباد تھا) استقبال کردہ دولک تنکہ ویک پرگنہ وکوشک سیری وتمام محصول زمین داخل حصار و باغات بانعام او مقرر فرمود - وہر گاہ مخدوم زادہ عزم ملاقات کردے - سلطان از تخت فرود آمدہ گامے

(بقیہ نوٹ برصفحۂ آئندہ)

سپاہیوں کو حکم دیا "قلج چکار" یعنی تلوار کھینچو - اتنے حکم کی دیر تھی - کہ معاً اُنھوں نے سب کے سر قلم کر دیئے - اُن لوگوں کی تعداد ذرا زیادہ تھی - قرب و جوار کے امیروں کو یہ بات ناگوار گزری - اُنھوں نے شمس الدین سمانی کو - جو بڑا امیر اور فقیہ تھا اِس معاملے میں خط لکھا اور اُس سے مدد طلب کی وہ اپنا لشکر لے اُٹھ کھڑا ہوا - اور قاضی گاون کے لشکر پر شب خون مارا اور منتشر کر دیا - حاجی گاون شہر کے اندر محل میں تھا - اُس کا محاصرہ کر لیا - وہ غسل خانہ میں جا چھپا - لیکن اُس کو پکڑ لیا اور سر کاٹ کر سلیمان کے پاس بھیج دیا اور باقی اعضاء تمام ملک میں تقسیم کر دیئے -

ابن الخلیفہ کی آمد امیر غیاث الدین محمد عباسی (بن عبد القادر بن یوسف بن عبد العزیز خلیفہ المستنصر باللہ عباسی) بغدادی سلطان علاء الدین طرمشیریں بادشاہ ماوراء النہر کے پاس آیا سلطان نے اُس کو حضرت قثم بن عباس کی خانقاہ کا متولی کر دیا - جہاں وہ کئی سال رہا - پھر اُس نے سُنا کہ ہندوستان کے بادشاہ

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ کے بیان پر روضۃ الصفا کے بیان سے جو اس واقعہ کے ڈیڑھ سال بعد لکھی گئی ہو زیادہ اعتبار ہونا چاہیئے - ۱۲

نوٹ صفحہ ہذا - ۱؎ ۶۲۳ھ سے ۶۴۰ھ تک خلیفہ رہا - یہ خلیفہ بہت لائق اور بڑا منتظم تھا - اس کے وقت میں کچھ اُمید ہوئی تھی - کہ خلفائے بغداد پھر اپنی کھوئی ہوئی طاقت کو حاصل کریں گے لیکن اُس کا بیٹا مستعصم اچھا جانشین نہ نکلا - اور اُسی پر خلفائے بغداد کی حکومت ۵۲۴ برس کے بعد ختم ہو گئی - خلفائے مصر ۶۵۹ھ سے ۹۲۳ھ تک برائے نام رہے خلفائے عباسیہ کی کل مدت سلطنت بغداد مصر ملا کر ۷۵۰ سال رہی - یہ مدت دنیا کی جدید تاریخ میں سب سے زیادہ دراز ہے - سلاطین عثمانیہ کی سلطنت کی بنیاد ۶۹۹ھ میں پڑی اور بفضل تعالیٰ اِس وقت تک کہ (۶۳۰) سال ہوئے قائم ہے - لیکن خلفائے بغداد کی سلطنت واقعی تو فقط ۳۲۴ھ تک رہی - اور اُس کے بعد برائے نام تھی - اور سلطنت عثمانیہ گو بیچ میں تھوڑے دن ضعیف ہو گئی تھی - لیکن اُن کی سلطنت ہمیشہ سلطنت واقعی ہی رہی

۲؎ قثم بن عباس حضرت محمد رسول اللہ صلعم کے چچا زاد بھائی تھے - آپکا مزار سمرقند میں ہے ابن صالح مصری لکھتا ہے کہ حضرت عباس کے بیٹوں کی قبریں ایک دوسرے سے بہت فاصلے پر ہیں - قثم کی قبر سمرقند میں ہے - عبد اللہ کی طائف میں - فضیل کی شام میں اور معبد کی افریقہ میں

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

اور اُس کا بھائی موسیٰ عراق میں کسی جگہ کا حاکم تھا۔ اُس نے حاجی گاؤن کو ایلچی کے طور پر بادشاہ کے پاس بھیجا۔ بادشاہ نے اُس کی بڑی تعظیم کی اور بہت کچھ دیا۔ ایک روز کا ذکر ہو کہ وزیر خواجہ جہاں نے تین تھال بطور ہدیئے کے بھیجے۔ ایک میں یاقوت تھے۔ دوسرے میں زمرد اور تیسرے میں موتی۔ حاجی گاؤن بھی اُس وقت حاضر تھا اُس میں سے بادشاہ نے بہت سا مال حاجی کو دے دیا۔ اور رخصت کے وقت بھی بہت دولت دی۔ جب حاجی گاؤن عراق میں گیا۔ تو اُس کا بھائی مرچکا تھا اور اُس کی بجائے سلیمان حاکم بن بیٹھا تھا۔ حاجی گاؤن نے اپنے بھائی کا ورثہ طلب کیا۔ اور ملک کا بھی دعویٰ کیا۔ لشکر نے اُس کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور وہ فارس کی طرف چلا گیا۔ جب شونکارہ کے شہر میں پوہنچا تو وہاں کے مشائخین نے حضوری ملازمت میں کچھ دیر کی۔ جب وہ آئے تو پوچھا۔ اتنی دیر کیوں لگائی۔ اُنھوں نے کچھ عذر کیا۔ وہ قبول نہ کیا۔ اور

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ} مصیبت سے بچنے کے لیئے حاجی گاون ہندوستان کو چل دیا لیکن اُس کے بھائی موسیٰ طغا تیمور خاں تخت کے لیئے کشمکش کرتے رہے جب اربا خاں مارا گیا۔ اور حاجی گاؤن واپس پوہنچا تو اُس وقت عراق عرب میں ایک شخص مسلمان جو شموت ابن ہلاکو خاں کی اولاد سے تھا۔ بادشاہ بن بیٹھا تھا۔ اور خراسان میں حاجی گاؤن کا بھائی طغا تیمور خاں تھا۔ طغا تیمور نے کئی دفعہ عراق عرب پر حملہ کیا۔ لیکن کامیاب نہ ہوا۔ حاجی گاؤن نے اُس کو ملامت کی اور خود ایک جرار لشکر لے کر چلا۔ لیکن ابہر کے مقام پر اُس نے شکست کھائی یہ ۷۴۰ھ کا ذکر ہو۔ تھوڑے دنوں کے بعد خراسان میں سربداروں نے زور پکڑا اور تیمور خان نے اپنے بھائی شیخ گاون کی ماتحتی میں اُن کے مقابلے کے لیئے ایک لشکر بھیجا لیکن آپ گرگان کے قریب اُس نے شکست کھائی۔ اور شیخ گاون مارا گیا۔ یہ حال روضۃ الصفا میں درج ہو۔ ابن بطوطہ نے حاجی گاون کے قتل ہونے کا قصہ اور ہی کچھ بیان کیا ہو۔ ابن بطوطہ اِس واقعہ کے بعد ہی ایران گیا تھا۔ اور چوں کہ وہ حاجی گاون سے واقف تھا۔ اِس لیئے اِس

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

پاس ہوتا تھا وہ حاجت مندوں کو دے دیتا تھا۔ اور بعض اوقات قرض بھی لے کر سخاوت کرتا تھا۔ بادشاہ کو اس کی داد و دہش کی خبر ہوئی تو چالیس ہزار دینار بھیجے اور ہندوستان آنے کی دعوت دی۔ برہان الدین نے دینار تو لے لیئے مگر آنے سے یہ کہہ کر انکار کیا کہ بادشاہ ہند علماء کو اپنے دربار میں کھڑا رکھتا ہے۔ میں ایسے شخص کی ملازمت نہیں کرنا چاہتا۔ اور ملک خطا کی طرف چلا گیا۔

(۵) حاجی گاون سلطان ابوسعید بادشاہ ایران کا چچازاد بھائی تھا۔

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ } وہ امام ہوسکا انتظار کیا جا رہا تھا۔

نوٹ صفحہ ۱۵۷ ۔ سلہ مجدالدین اسمٰعیل شیرازی شاہ ابواسحاق بادشاہ شیراز کے وقت میں شیراز کے قاضی تھے۔ آپ خواجہ حافظ کے ہم عصر تھے۔ چنانچہ حافظ نے ایک مشہور قطعہ میں آپ کی تعریف کی ہے۔ جس کا ایک شعر یہ ہے۔ سلہ

دگر مربی اسلام شیخ مجدالدین ۔۔۔ کہ قاضی بہ از و آسماں ندارد یاد

آپ کی وفات ۸ ارجب ۷۵۶ھ میں ہوئی خواجہ حافظ نے آپ کی وفات میں یہ قطعہ کہا ہے۔

مجد دیں سرور قضات جہاں اسمٰعیل ۔۔۔ کہ زدے کلک زباں آور ش از شرع نطق

ناف ہفتہ بد از ماہ رجب کہ سیزدہ بود ۔۔۔ کہ بہ ولا رفت ازیں منزل بے نظم و نسق

کنف رحمت حق منزل او داں و نگہ ۔۔۔ سال تاریخ وفاتش طلب از "رحمت حق"

نوٹ صفحہ ہذا۔ سلہ سلطان ابوسعید خاں نے ۷۳۶ھ میں انتقال کیا۔ وہ لاولد تھا۔ چونکہ ہلاکو خاں کی اولاد میں سے کوئی شخص اس کی رائے میں بادشاہت کے قابل نہ تھا۔ اس لیئے اُس نے وصیت کی تھی کہ میرے بعد ارپا خاں جو ہلاکو خاں کے بھائی اریق بوکا خاں کی اولاد سے تھا۔ تخت نشین ہو۔ لیکن سلطان ابوسعید خاں کے بعد سلاطین مغل کا کام اس طرح بگڑ گیا جیسا کہ ہندوستان میں سلاطین مغلیہ کا اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد کسی طرح اور کسی کے قابو کی بات نہ رہی۔ ہر ایک امیر اور شاہزادے کے دل میں یہی سمائی کہ میں خودمختار بن جاؤں ارپا خاں نے ہلاکو خاں کی اولاد کے شاہزادوں کو مارنا شروع کیا۔ معلوم ہوتا ہے۔ اسی

اُن کے پاس شیراز میں شہزادہ دمشقی کے ہاتھ دس ہزار روپے بھیجدیئے
(۵) برہان الدین ساغری ایک واعظ تھا۔ اور سخی ایسا تھا۔ کہ جو کچھ اُس کے
تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ کہ اِس سبیے آپ مدت تک مختلف قلعوں میں قید رہے۔
لیکن اکثر موقعوں پر قید کچھ تکلیف دہ نہ تھی۔ آپ کو تصنیف۔ تالیف اور مطالعہ اور
لوگوں کو آپ کے پاس آنے جانے کی اجازت تھی۔ جب کتابیں بھی آپ کے پاس
سے لی گئیں۔ تو یہ ایک بہت بڑا صدمہ تھا۔ اُس کے بعد آپ چند مہینے ہی زندہ
رہے۔ آپ نے قلعۂ دمشق میں حالت قید میں ہی وفات پائی۔ آپ کے سامنے
کسی نے قطلوبک ایک حاکم کے ظلم کی شکایت کی۔ آپ فوراً اُس کے پاس چلے گئے
اُس نے مذاقاً کہا کہ آپ نے کیوں تکلیف کی میں خود حاضر ہوتا۔ آپ نے کہا کہ میں
حضرت موسیٰ کے غلاموں کا بھی رتبہ نہیں رکھتا۔ اور تو ظلم و کفر میں فرعون کو نہیں
پوہنچتا۔ لیکن موسیٰ علیہ السلام ہر روز تین دفعہ فرعون کے پاس آتے تھے،
اور اُس کو ایمان کی ترغیب دیتے تھے۔ آپ کے جنازے کے ساتھ دو لاکھ
مرد اور عورت تھے۔ اور عوام کو آپ کے ساتھ اِس قدر اعتقاد تھا کہ آپ کا
ٹوپ پانسو درہم میں ایک شخص نے لیا۔ اور اِسی طرح سے اور چیزیں ہاتھوں ہاتھ
لوگ لے گئے۔ آپ کی وفات ۷۲۸ھ میں ذی قعد کی ۲۲ تاریخ ہوئی۔ آپ
حنبلی مذہب تھے۔ اور مجتہدی کا رتبہ رکھتے تھے۔ اور انکا اُس زمانے میں پیدا
کرنا۔ مذہب اسلام کی بہتری کے لیئے حکیم مطلق کی حکمت سے خالی نہ تھا۔
ابو حیات نحوی نے یہ شعر آپ کی تعریف میں کہے ہیں:۔

قَامَ ابْنُ تَيْمِيَةَ فِي نَصْرِ شِرْعَتِنَا — مُقَامَ سَيِّدِ تَيْمٍ إِذْ عَصَتْ مُضَرُ
فَأَظْهَرَ الْحَقَّ إِذْ آثَارُهُ دَرَسَتْ — وَأَخْمَدَ الشَّرَّ إِذْ طَارَتْ لَهُ الشَّرَرُ
كُنَّا نُحَدِّثُ عَنْ حَبْرٍ يَجِيءُ فَهَا — أَنْتَ الْإِمَامُ الَّذِي قَدْ كَانَ يُنْتَظَرُ

(ترجمہ) ابن تیمیہ ہماری شریعت کی مدد کو کھڑا ہو گیا۔ جیسا کہ قبیلۂ تیم کا سردار قبیلۂ مضر
کی نافرمانی کے وقت (اپنے قبیلہ کی مدد کے لیئے) کھڑا ہو گیا تھا۔ اُس نے حق کو ظاہر
کرکے دکھایا۔ جب کہ اُس کے آثار مٹنے کو تھے۔ اور شر کی آگ بجھادی جب اُس میں سے
چنگاریاں اُڑ رہی تھیں۔ ہم ایک آنے والے عالم کا تذکرہ کرتے رہتے تھے۔ پس تم ہی

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)

کی۔ نہ بادشاہ کو اُس نے دیکھا۔ نہ بادشاہ نے اُسے دیکھا۔

(۴) جب بادشاہ نے قاضی مجدالدین ولی شیرازی کی تعریف سنی تو

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ کے عبدالسلام بن عبداللہ بن الخضر بن محمد بن الخضر بن علی بن عبداللہ بن تیمیہ الحرانی۔ حرّان واقع عراق میں ۶۶۱ھ میں پیدا ہوئے تاتاریوں کے ظلم سے اُن کا باپ ۶۶۷ھ میں دمشق میں چلا آیا تھا۔ یہاں آکر تیمیہ نے تعلیم پائی۔ نابالغی کی عمر میں قرآن حفظ کیا اور حساب اور فقہ اور نحو اور اصول فقہ سے فارغ ہو گئے اور سترہ سال کی عمر میں مناظرہ اور فتوے میں اچھے اچھے مستند عالموں کو خاموش کر دیتے تھے۔ اس عمر میں تصنیف و تالیف شروع کی اور تمام علوم متداولہ میں وہ کمال حاصل کیا کہ ہر ایک فن میں لاثانی سمجھے جاتے تھے۔ حسن اخلاق اور چال چلن کی پاکیزگی اور عصمت نے علم کی روشنی کو دوبالا کر دیا۔ حق گوئی میں آپ کسی کا لحاظ نہ کرتے تھے۔ اور شمشیر برہنہ تھے تمام اہل عصر و متاخرین اتفاق کرتے ہیں۔ کہ اس جامعیت کا کوئی عالم کم ہوا ہوگا چنانچہ ہر ایک فن میں اُن کی تصنیف ہے۔ پانسو کتابیں (جو چار ہزار جزیں ہیں) آپ کی تصانیف سے ہیں۔ اور تصانیف بھی ایسی ہیں۔ جو ہر ایک فن میں نمونہ سمجھی جاتی ہیں۔ تیس سال کی عمر میں آپ کے علم اور زہد اور آزادی طبع کا چرچہ تمام اسلامی ممالک میں پھیل گیا تھا۔ ہر جمعہ کے دن صبح کلام اللہ کی تفسیر کا وعظ کرتے تھے۔ وعظ ایسا پُر تاثیر تھا کہ سیکڑوں گم راہ ہدایت پاتے تھے۔ علم کلام میں ایک "کتاب العقل والنقل" چار جلدوں میں آپ نے ایسی تصنیف کی ہے۔ جو اس فن میں لاثانی سمجھی جاتی ہے۔ تاتاریوں کے خلاف امیروں اور عوام کو برانگیختہ کرنے میں آپ نے بہت بڑا حصہ لیا تھا۔ قبول عام کے سبب سے اُن کے ہم عصر عالم دشمن ہو گئے تھے۔ اور انھوں نے چند مسائل کے متعلق جو اُس زمانے کے مذاق کے مخالف تھے۔ سلطان مصر کو اُن کے خلاف کر دیا۔ بڑا بھاری مسئلہ اُن میں زیارت قبور و مزارات کا تھا۔ مناظرے میں آپ اپنے مخالفوں پر ہمیشہ غالب ہوتے تھے۔ لیکن بادشاہی غیر محدود اختیارات کا کیا جواب ہو سکتا تھا۔ ؎

گر گستہ روز را گوید شب ست ایں — باید گفت اینک ماہ و پروین

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۵۸)

رکابیاں۔ آبخورے۔ ایک لوٹا۔ ایک تمیٔ سندہ۔ اور ایک خوان چارپاؤں والا۔ اور ایک کتابوں کا صندوق۔ یہ سب سونے کی چیزیں تھیں۔ عماد الدین سمنانی نے خیمے کی دو میخیں اُکھاڑ کر دیکھیں اُن میں سے ایک پیتل کی تھی، اور دوسری تانبے کی قلعی دار۔ دیکھنے میں ایسا معلوم دیتا تھا۔ کہ سونے اور چاندی کی ہیں۔ جس وقت یہ واعظ شروع آیا تھا۔ تو بادشاہ نے اُسے ایک لاکھ دینار دیئے تھے۔ اور دو سو غلام جن میں سے کچھ تو اُس نے چھوڑ دیئے اور کچھ رکھ لیئے۔

اور بخششوں کا مجمل ذکر

(۱) **عبدالعزیز** اردبیلی فقیہ اور محدّث تھا۔ دمشق میں اُس نے تقی الدین ابن تیمیہ۔ اور برہان الدین ابن البرکح جمال الدین مزّی۔ شمس الدین ذہبی وغیرہ سے تعلیم حاصل کی تھی۔ پھر اُس نے بادشاہ کی ملازمت کرلی۔ بادشاہ نے اِس کی بہت خاطر تواضع کی۔ ایک روز اتفاق سے اُس نے حضرت عباس اور اُن کی اولاد کے فضائل میں کچھ حدیثیں بیان کیں۔ اور کچھ خلفائے بنی عباس کا ذکر کیا۔ بادشاہ بنی عبّاس سے محبت رکھتا تھا۔ وہ حدیثیں بہت پسند آئیں۔ بادشاہ نے عبدالعزیز کی قدم بوسی کی۔ اور سونے کی تھالی میں دو ہزار اشرفیاں رکھ فقیہ کو دے دیں۔

(۲) فقیہ **شمس الدین** اندگانی۔ ایک حکیم اور شاعر تھا۔ اُس نے بادشاہ کی تعریف میں ایک قصیدہ پڑھا۔ جس کے ستائیس شعر تھے۔ بادشاہ نے ہر ایک بیت پر ہزار دینار دیئے۔ زیادہ سے زیادہ ایسی عطاؤں کی بابت جو سُنا گیا وہ یہ تھا کہ کسی نے ہر شعر پر ہزار درہم دیئے۔ لیکن وہ اِس عطیہ کا دسواں حصہ ہوتا ہی۔

(۳) شونکاری **عضد الدین** اپنے وطن میں ایک مشہور فاضل تھا۔ جس کے علم و فضل کا آوازہ دور دور تھا۔ بادشاہ نے اُس کی تعریف سُنی اور اُس کے پاس دس ہزار روپئے گھر بیٹھے بھیج دیئے۔ نہ اُس نے کبھی خواہش

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ کے جادہ اور بورنیو کے قریب ہی۔ ۱۲

نوٹ صفحہ ہذا۔ سلہ معلوم نہیں کہ یہ کیا چیز تھی۔ ۱۲ سلہ تقی الدین احمد بن عبدالحلیم بن

واعظ ترمذی کو بخشش

ناصرالدین ترمذی واعظ بادشاہ کی خدمت میں سلام کے لیئے اپنے وطن سے آیا۔ مدت تک دارالخلافہ میں بادشاہ کی ملازمت میں رہا۔ آخر اُس نے وطن کی واپسی کا ارادہ کیا۔ بادشاہ نے اجازت بھی دے دی۔ مگر وعظ سننے کی نوبت نہ آئی۔ مگر کچھ خیال آگیا۔ اور جانے سے اول وعظ سننے کا ارادہ کیا۔ اور حکم دیا کہ صندل مقاصری کا ایک منبر طیار کیا جائے۔ اُس کی کیلیں اور پتیاں سونے کی بنوائیں۔ اور منبر پر ایک بڑا یاقوت بھی لگوایا اور ناصرالدین کو ایک خلعت عباسی سیاہ رنگ زرین و مرصع اور ایک عمامہ بھوایا۔ سراچہ میں بادشاہ تخت پر بیٹھا۔ اور دائیں بائیں خواص اور قاضی اور مولوی ایسی اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ واعظ نے ایک خطبہ فصیح و بلیغ عبارت میں پڑھا اور اُس کے بعد وعظ کہا گو وعظ کچھ بہت مفید نہ تھا۔ مگر تقریر اچھی تھی۔ جب واعظ منبر سے اُترا۔ بادشاہ اُس کی طرف بڑھا۔ اور گلے سے لگا لیا۔ اور ہاتھی پر سوار کرایا۔ اور سب کو حکم دیا کہ اُس کے آگے پیدل چلیں۔ واعظ کو سراچہ یعنی خیمے میں لے گئے۔ جو اُس کے واسطے کھڑا کیا گیا تھا۔ اور بادشاہ کے خیمے کے سامنے ہی تھا۔ یہ خیمہ رنگ برنگ کے ریشمیں کپڑوں کا تھا۔ اُس کی قناتیں اور رسیاں بھی ریشم کی تھیں۔ خیمے کے ایک طرف سونے کے برتن سجائے ہوئے تھے۔ جو بادشاہ نے سارے کے سارے واعظ کو دے دیئے۔ اُن میں ایک تنور بھی تھا اتنا بڑا کہ ایک آدمی اُس میں اچھی طرح بیٹھ سکتا تھا۔ اور دو دیگیں بھی تھیں۔ کئی

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ} فتوحات فیروز شاہی میں درج ہے کہ خلیفہ نے اُس کو اجازت اور سید السلاطین کا خطاب ایک خلعت۔ علم۔ شمشیر انگشتری اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم کا نشان بھیجا تھا۔ یہ قدم شریف اب شہزادے فتح خاں کی قبر کے اوپر لگا ہوا ہے۔ اور اب تک شہر کے باہر اجمیری دروازے سے تھوڑی دور پر قدم شریف کی بستی میں موجود ہے۔ ہر سال ربیع الاول کے مہینے میں بارہ وفات کے موقع پر وہاں بڑا بھاری میلہ ہوتا ہے پنکھے چڑھتے ہیں۔ یہ قدم شریف ۷۸۶ھ میں آیا تھا۔ ۱۲ نوٹ صفحہ ہذا۔ سلہ جزیرۂ مکاسر کی طرف منسوب ہے۔ جو جزائر

کی طرف چلے کہ وہاں سے جہاز پر سوار ہو کر اپنے وطن کو واپس جائیں۔ رستے
میں قاضی جلال الدین نے بغاوت کی۔ اور ابوالکولمی اور شیخ دونوں کو لوٹ
لیا۔ شیخ صاحب اپنی جان لے کر پھر بادشاہ کے دربار میں پہنچے۔ بادشاہ
اُن کو دیکھ کر ہنسا۔ اور مذاقاً یہ کہا "آمدی کہ زر جبری و باصنم دل ربا خوری
زر نبری وسر نہی" پھر کہا خاطر جمع رکھو میں دشمنوں پر چڑھائی کرتا ہوں اور
جو کچھ اُنھوں نے تم سے لیا ہے۔ اُس سے دو چند سہ چند تم کو دوں گا۔ چنانچہ
بادشاہ نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ اور پہلے سے بھی زیادہ دیا۔

تکملہ فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ کے بجائے شروع کر دیا۔ اور خلیفہ کے پاس ایک عرضداشت
بھیجی۔ سنہ ۷۴۱ھ میں بھی خلیفہ المستکفی باللہ مر چکا تھا۔ لیکن ہندوستان میں اُس کے
مرنے کی خبر اُس وقت تک نہیں پہنچی۔ جب تک خلیفہ کا قاصد سعید صرصری سنہ ۷۴۴ھ
میں خلیفہ کا اجازت نامہ لے کر آیا۔ لیکن محمد تغلق ۷۴۱ھ-۷۴۴ھ کے سکوں میں مستکفی
باللہ کا نام لکھتا رہا۔ جس وقت قاصد پہنچا تو المستکفی باللہ کے بعد ابراہیم واثق
باللہ ایک سال خلیفہ رہ کر اُس کی بجائے ابوالعباس احمد الحاکم بامر اللہ سنہ ۷۴۲ھ
میں خلیفہ مقرر ہو چکا تھا۔ لیکن ہندوستان میں اُس کے تقرر کی خبر نہ پہنچی تھی
حاجی سعید کے آنے کے بعد بادشاہ نے حاجی رجب کو پھر خلیفہ کے پاس
بھیجا۔ ضیاء برنی نے حاجی سعید کے آنے کی تاریخ سنہ ۷۴۴ھ لکھی ہے۔ اور یہ لکھا
ہے کہ دو سال بعد حاجی رجب اور شیخ رکن الدین آئے۔ بدر چاچ سے اس تاریخ
کی صحت کی تائید ہوتی ہے۔ وہ کہتا ہے۔ ؎

ہم بتاریخے کہ ماہ ۷۴۴ از سال ہفتصد شد فزوں　　زیں سفر ماہِ محرم سابق شعبان (یعنی رجب) رسید

فرشتہ نے حاجی سعید صرصری اور حاجی رجب کے آنے کا مفصل حال لکھا ہے لیکن
ابن بطوطہ نے حاجی سعید کا کچھ ذکر نہیں کیا۔ کہ اُس زمانے میں وہ جزائر مالدیپ میں
تھا۔ اور شیخ رکن الدین کا حال اُس نے یا تو چین جانے سے پہلے معبر میں سنا ہوگا
یا چین سے واپس آ کر عرب یا شام میں سنا ہوگا۔ یہ دونوں واقعات اُس کے
سامنے کے نہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ فیروز شاہ نے بھی اِس قسم کی اجازت حاصل کی تھی۔ چنانچہ

(بقیہ نوٹ برصفحہ آئندہ)

تو بادشاہ نے اُن کے خیر مقدم اور خاطر تواضع کا بڑا اہتمام کیا۔ اور کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا اور جب وہ بادشاہ کے پاس آتے تھے۔ تو بادشاہ تعظیم کے لیئے سرو قد کھڑا ہو جاتا تھا۔ جو اُس کو بطور بخشش کے دیا۔ اُس کا تو کوئی حد و حساب نہیں اور ان جملہ گھوڑے کا تمام سار و سامان یہاں تک کہ میخیں بھی سونے کی تھیں۔ اور بادشاہ کا حکم تھا کہ جب تم جہاز سے اُترو تو اپنے گھوڑے کے سونے کے نعل لگوا لیا۔ شیخ صاحب لکھما ہیں

بقیہ نوٹ صفحۂ گزشتہ کے مضروب ہوئے الامام امیرالمومنین درج ہوتا رہا یہ محض جوش اعتقادی کی وجہ سے ہو گا ورنہ خلیفہ کے مارے جانے کی خبر ایسی نہیں کہ پوشیدہ رہ سکتی گرٹمہ کتیبسر کی سحا کے سکتے ہیں جو سلطان غیاث الدین کے وقت میں طیار ہوئی تھی یہ غیاث الدنیا والدین ابوالمظفر بلبن۔ السلطان ناصر امیرالمومنین ۶۸۲ھ درج ہے۔ ملکہ جلال الدین فیروز شاہ خلجی کے وقت میں جو سکے مضروب ہوئے یعنی ۶۹۱ھ تک ایک رُخ پر " الامام المستعصم امیرالمومنین " لکھتے رہے۔ اور یہی حال ۶۹۵ھ تک رہا۔

علاءالدین خلجی کے سکوں پر سکندر ثانی یمین الخلافہ امیرالمومنین ۷۰۰ھ " لکھا جاتا تھا۔ لیکن اُس کا بیٹا قطب الدین مبارک شاہ خود ہی امام اور امیرالمومنین بن بیٹھا چنانچہ اُس کے سکے کی ایک طرف " الامام الاعظم خلیفۃ رب العالمین قطب الدنیا والدین ابوالمظفر مبارک شاہ " اور دوسری طرف " السلطان ابن السلطان الواثق باللہ امیرالمومنین ۷۱۸ھ " درج ہے۔ خسرو لو مسلم اپنے سکوں پر " ولی امیرالمومنین " اور سلطان غیاث الدین تغلق " ناصر امیرالمومنین " لکھتے رہے۔ اور بنگالے کے بادشاہ ۷۱۱ھ تک " الامام المستعصم امیرالمومنین " لکھتے رہے۔ سلطان محمد تغلق نے ۷۴۱ھ تک اپنے سکوں میں نہ تو کسی خلیفہ کا نام لکھا۔ اور نہ اپنے آپ کو ناصر امیرالمومنین لکھا۔ شہر گرد واری کے قیام کے زمانے میں شاید خراسان و عراق و شام و مصر کے لوگوں کی صحبت کے اثر سے اُس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اجازت۔ کے بغیر بادشاہت کرنا تغلب میں داخل ہے۔ اُس نے ۷۴۱ھ میں غائبانہ خلیفہ کے نام پر بیعت کر کے سکوں میں اُس کا نام اپنے نام کے

(بقیہ نوٹ برصفحۂ آئندہ)

شیخ رکن الدین کو بخشش

بادشاہ نے خلیفہ ابو العباس کے پاس ملک مصر میں تحفے بھیج کر خلیفہ سے درخواست کی تھی۔ کہ اُس کو ہندوستان اور سندھ پر حکم رانی کرنے کا اجازت نامہ بخشا جائے۔ اور یہ درخواست فقط اعتقاداً تھی۔ خلیفہ نے ایک اجازت نامہ شیخ الشیوخ رکن الدین کے ہاتھ روانہ کیا۔ جب شیخ صاحب دلی پونہچے

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ کے زمانے کی بنی ہوئی اب تک موجود ہے۔ مارکو پولو نے بھی اِس شہر کا ذکر کیا ہے۔ ۱۲

نوٹ صفحہ ہذا۔ ۵۱ اِس خیال سے کہ آل عباس خلفائے برحق ہیں۔ اور جو کوئی بلا اُن کی اجازت کے سلطنت کرتا ہے۔ اُس کی متابعت مسلمانوں پر فرض نہیں ہے۔ اکثر بادشاہ ایران اور ترکستان کے خلفائے بغداد سے سند حاصل کر لیتے تھے۔ چنانچہ محمود غزنوی نے بہت سا روپیہ خرچ کرکے یہ سند اور یمین الدولہ ولی امیر المومنین کا خطاب حاصل کیا۔ اُن دنوں میں خلفائے عباسیہ کی "اطاعت" برائے نام تھی۔ اور وہ اِسی کو غنیمت سمجھتے تھے اور یہ خیال کرکے کہ بغیر اُن کی اجازت کے کوئی شخص مسلمانوں پر "حکومت" نہ کرے۔ اکثر اجازت دے دیتے تھے۔ سلاطین غزنی اور غور میں سے اکثر ایسا کرتے تھے۔ کہ سکہ پر بھی ایک طرف خلیفۂ وقت کا نام لکھواتے تھے۔ اور اِن میں سے اکثر اگرچہ کوئی باضابطہ اجازت حاصل نہیں کرتے تھے۔ لیکن اپنے نام کے ساتھ ہمیشہ ناصر امیر المومنین یا ولی امیر المومنین کا جملہ ضرور تحریر کرتے تھے۔ امیر المومنین خلیفۂ عباسی موجودہ وقت سے مراد ہوتی تھی۔ چنانچہ قطب صاحب کی لاٹ پر "مظہر حکمۃ اللہ العلیا ابو المظفر محمد بن سام قسیم امیر المومنین۔ خلد اللہ ملکہ" اور مسجد قوت الاسلام کے دروازے کے کتبہ پر "معز الدنیا والدین محمد بن سام ناصر امیر المومنین" اور سلطان معز الدین غوری کی دینار پر "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ الناصر الدین اللہ امیر المومنین۔ اور التمش کے ایک ٹنکے پر ایک طرف "فی عہد الایام المستنصر امیر المومنین" اور ناصر الدین محمود بن التمش کے ایک سکے پر یہی عبارت اور رضیہ سلطان کے سکے پر بھی ایک رخ پر یہی عبارت درج ہے۔ یہاں تک کہ بغداد کا آخری خلیفہ المستعصم باللہ ۶۵۶ھ میں قتل بھی ہو گیا اور خلافت کا خاتمہ ہو گیا۔ تو بھی ۶۶۴ھ کے سکوں میں جو غیاث الدین بلبن کے وقت میں

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)

ضروریات میں ادھر اُدھر بٹ گئے۔ اور اکثر تھکے ماندے تھے۔ پڑکر سو گئے تو اُس وقت ہندوؤں کی ایک بڑی جماعت اُن پر آپڑی۔ ملک التجار کا مال اسباب سب لوٹ لیا۔ اور جزانہ اور نذر بھی لوٹ لاٹ کر اُس کو تو جان سے مار ڈالا۔ مگر شہاب الدین کی زندگی تھی۔ بچ گیا۔ گو کہ مال اسباب اُس کا بھی گیا۔ اخبار نویسوں نے فوراً بادشاہ کے پاس پرچہ دوڑایا بادشاہ نے حکم دیا کہ نہر والے کے خزانے سے تیس ہزار دینار شہاب الدین کو دے دیئے جائیں۔ اور وہ اپنے ملک کو واپس چلا جائے۔ شہاب الدین سے جب یہ کہا گیا تو اُس نے کہا میں بادشاہ کی زیارت کے لیئے جاتا ہوں اور اُس کی دہلیز کو بوسہ دینا چاہتا ہوں۔ بادشاہ کو اس کی بھی اطلاع دی گئی۔ تو بادشاہ اس کی اظہار عقیدت سے بہت خوش ہوا۔ اور اجازت دی کہ شہاب الدین دار الخلافہ کی طرف چلا آئے۔ جب شہاب الدین باریاب ہوا تو بادشاہ نے اُسے خلعت اور بہت کچھ دیا۔ دوسرے دن بادشاہ نے دریافت کیا کہ شہاب الدین کہاں ہی۔ بہاء الدین فلکی نے کہا کہ اخوند عالم نمی دانم۔ لیکن بہر کہار حمت دارد۔ بادشاہ نے فرمایا کہ برو ہمیں زمانہ از خزانہ یک لک تنکہ گیری پیش او سری تا دل او خوش شود۔ چنانچہ بہاء الدین نے حکم شاہی کی تعمیل کی۔ بادشاہ نے اُس کو حکم دیا کہ جو کچھ اسباب ہندوستان کا بنا ہوا وہ خرید نا چاہے۔ خرید لے اور جب تک اُس کی خرید جاری رہے تو اور کوئی شخص نہ خریدے اور یہ بھی حکم دیا کہ اُس کو تین جہاز مع اسباب اور زاد راہ کے دیئے جائیں۔

تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ کے ہونے کی اجازت دی کہ وہ گجراتی زبان بولیں اور گائے کھانا چھوڑ دیں۔ وہاں سے رفتہ رفتہ پارسی گجرات کے تمام ساحل پر پھیل گئے۔ اب یہ شہر ایک نواب کے ماتحت ہی۔ جو مومن خاں صوبہ دار گجرات کی اولاد سے ہیں کھمبایت کے نوابوں نے مرہٹوں کو کبھی خراج نہیں دیا۔ حالاں کہ کل گجرات کو مرہٹہ سرداروں نے تقسیم کرلیا تھا۔ اب یہ شہر کھمبے کہلاتا ہی۔ اور بڑودہ کی چھاؤنی سے (۲۲) میل اور احمد آباد گجرات سے (۵۲) میل ہی آبادی چالیس ہزار کے قریب ہی۔ اس شہر کی جامع مسجد سلطان محمد تغلق (بقیہ نوٹ بصفحہ آیندہ)

شہاب الدین کو بلا بھیجا - اور جب وہ آیا تو اُس کو حکم دیا کہ بادشاہ کے لیئے نذر طیار کرے اُس نے نذر کے لیئے ایک سراچہ یعنی ڈیڑھ مشجر کا بنوایا - جس پر زریں بوٹیاں پڑی ہوئی تھیں - اور جس کا صیوان (سائبان) بھی زر لفت، اور مشجر کا تھا - اور ایک خیمہ تھا - مع قنات وغیرہ کے اور ایک آرامگاہ بھی - یہ سب چیزیں مشجر اور کمخواب کی بنی ہوئی تھیں - اور بہت سے خچر بھی تھے - جب شہاب الدین یہ سب چیزیں اپنے دوست ملک التجار کے پاس لایا - تو وہ بھی خراج اور نذر لے کر دینے کو طیار ہوا تھا - بادشاہ کے وزیر خواجہ جہاں کو معلوم تھا - کہ بادشاہ نے یہ دینے وزارت دینے کا وعدہ کر لیا ہی - اور یہ بات اُس کو نہایت ناگوار گزری تھی - چوں کہ اس سے پہلے کھمبایت اور گجرات اسی کی جاگیر تھی - وہاں کے باشندے اس سے پہلے ہی سے مانوس تھے - اُن میں سے اکثر ہندو تھے - اور بعض بادشاہ سے برگشتہ بھی تھے - خواجہ جہاں نے اُن میں سے کسی کو لکھ دیا کہ ملک التجار سے ملو - جب ملک التجار نذر لے کر دلی کی طرف روانہ ہوا - تو ایک روز چاشت کے وقت کسی منزل میں اُترے - اور تمام لشکر اپنی

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ - علامت آبادانی و فراہم آمدن مردم نصب می کنند چوں برزبان ہندی ستون را کھنبہ و استھنب ہردو می گویند ازیں سبب استھنب نگری و کھنباوتی می گویند و کھنباوتی بہ کثرت استعمال کھنبایت شد - جہاز در خور (کھاڑی) کھمبایت نمی آید در بندر گوگہ از توابع کھمبایت است و نزدیک بہ دریا واقع شدہ لنگر می کنند و از آں جا اسباب را الغراب ہا (کشتی ہائے سبک) انداختہ در کھمبایت می آرند" مسعودی نے بھی اِس شہر کا ذکر کیا ہی - ۱۲۹۷ء میں جب مسلمانوں نے نہرواسے کے راجہ کو فتح کیا - تو یہ شہر اُس ریاست میں سب سے بڑا سمجھا جاتا تھا - اس سے پہلے - اِس شہر میں پارسیوں کی اِس قدر کثرت ہوگئی تھی - کہ انھوں نے شہر پر اپنا قبضہ کر لیا تھا - جب ساتویں صدی عیسوی کے آخیر میں پارسی ایران سے ہندوستان میں آئے تو وہ سیجم میں پونہچے - جو سورت سے (۷۰) میل کے فاصلے پر واقع تھا - وہاں کے راجہ نے اُن کو اِس شرط پر اِس ملک میں آباد

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

ملکوں ملکوں مشہور تھی اور اہل ہند پر اُن کو ترجیح دیتا تھا۔ اُن کو بڑے بڑے عہدے جاگیریں اور انعامات دیتا تھا۔ اُس کا حکم تھا۔ کہ پردیسیوں کو کوئی غریب (پردیسی) نہ کہے۔ بلکہ عزیز کہیں۔ کیوں کہ کسی غریب الوطن کو پردیسی کہنا۔ اُس کی دل شکنی کرنا ہو۔ فرشتہ لکھتا ہو "سخاوتے داشت کہ گنج مدرویش دادے وآں را حقیر پنداشتے وتحسین مدة العمر معی حاتم کمترین عطائے یک روزہٴ او بودے وبہ ہنگام بذل وایثار عمی وغیر وآشنا وبیگانہ درنظر ہمتش یکساں بودے۔ وودربار شاہی او مس۔ اوله الی آخرہ عظما وکبرا وہنروران وکشتی شکستگان بامید عواطف ومراحم او از عراق وخراسان وماوراءالنہر وترکستان وروم وعربستان بہ ہندوستان می آمدند وزیادہ از انچہ تصور کردہ بودند نوازشہا می یافتند"

شہاب الدین تاجر گاذرونی کو بخشش

گاذروں شیراز کے پاس ایک شہر ہی۔ وہاں کا ایک ملک التجار پرویز نام تھا۔ اور شہاب الدین اُس کا ایک دوست تھا ملک پرویز کی جاگیریں نادستاہ سے[1] کھمبایت کا شہر دیا تھا۔ اور اُس سے وعدہ تھا۔ کہ اُس کو وزارت کا عہدہ دے گا۔ اُس نے اپنے دوست

[1] اِس شہر کے متعلق ترک جہانگیری میں یہ لکھا ہو۔ کہ "ازمدرہائے قدیم ست بقول برہماں چندیں ہزار سال از بنائے ایں گزشتہ درابتدا نامش ترباوتی بودہ راجہ ترمبک کمار حکومت ایں ملک داشتہ چوں نوبت ریاست بہ راجہ ابے کمار کہ ازمابیرا و بودمی رسد بہ قضائے آسمانی بلائے دریں شہر نازل می شود چنداں گرد وخاک می ریزد کہ تمام بازار وعمارات شہر درزیر ایں خاک پنہاں می گردد بیش ازنزول بلا ستے (جہادیو کی مورتی جو لکڑی کے ستون میں جڑی ہوتی تھی) کہ راجہ آں را پرستش می کرد بخوابش آمدہ ازیں حادثہ آگاہ می سازد وراجہ بعیال خود بجہاز درمی آید وآں بت را باخود ہمراہ می برد۔ قضارا جہاز ہم ازطوفان بلا می شکند چوں مدت حیات راجہ باقی بود بمدد آں ستون کشتی وجود ش بہ ساحل سلامت می رسد۔ وبار ارادہٴ تعمیر ایں شہر می نماید وایں ستون راجہت

(بقیہ نوٹ برصفحہ آئندہ)

ٹھکانے سر جا بیٹھتے ہیں - تو شراب دار سونے چاندی - تانبے کانچ کے پیالوں میں شربت لا کر کھانے سے پہلے پلاتے ہیں - پھر حاجب بسم اللہ کہتا ہے - اور کھانا شروع ہو جاتا ہے - ہر شخص کے سامنے سب طرح کے کھانے اور ایک ایک خالی رکابی ہوتی ہے - اُس میں نکال نکال کر کھاتے ہیں دو آدمی ملکر ایک رکابی میں کھانے کا دستور نہیں ہے - کھانے کے بعد **فقّاع** - یعنی نبیذ قلعی دار پیالوں میں لاتے اور سب کو پلاتے ہیں - اس کے بعد پان چھالیہ تقسیم ہونی شروع ہوتی ہے - ہر ایک آدمی کو لپ بھر چھالیہ اور پندرہ پان کا بیڑہ دیتے ہیں - جس پر لال ریشم کا کلاوہ بندھا ہوتا ہے - پان لے چکنے کے بعد پھر حاجب بسم اللہ کہتا ہے - یعنی برخاست اور سب کھڑے ہو جاتے ہیں - اور جو امیر کھلانے پر مقرر ہوتا ہے - وہ زمین بوس کرتا ہے - اور اِس کے ساتھ سب حاضرین زمین بوسی کرتے ہیں - اور اپنی اپنی جگہ پر چلے جاتے ہیں - دن میں دو مرتبہ کھانا ہوتا ہے - ایک تو ظہر سے پہلے اور دوسرا عصر کے بعد - مسالک الابصار کے مصنف نے شیخ مبارک کے حوالے سے لکھا ہے - کہ بادشاہ روزانہ دو دفعہ اجلاس کرتا ہے - ایک صبح دوسرا شام - اجلاس کے ختم ہونے پر عام دسترخوان بچھایا جاتا ہے - جس پر بیس ہزار کے قریب آدمی کھانا کھاتے ہیں - بادشاہ کے ساتھ خاصہ کے دسترخوان پر کوئی دو سو آدمی جو امرار - اور علمار و فضلار غرض بڑے بڑے ذی مرتبہ اصحاب ہوتے ہیں - وہ کھاتے ہیں - اور اُس وقت اکثر علمی گفتگو ہوتی ہے - شیخ ابوبکر بن خلال بنری کی زبانی اِسی مصنف نے لکھا ہے - کہ میں نے داروغۂ مطبخ سے دریافت کیا - تو اُس نے کہا کہ باورچی خانے کے لیئے ڈھائی ہزار بیل اور دو ہزار بھیڑ بکریاں ہر روز ذبح ہوتے ہیں -

بادشاہ کی سخاوت بادشاہ کی سخاوت کچھ ایسی ویسی نہ تھی - سارے ملک میں اُس کے ڈنکے بج گئے تھے - ہندوستان تو ہندوستان - یمن - خراسان - اور فارس تک کے لوگ بھی بادشاہ کی دریا دلی سے بخوبی واقف ہو گئے تھے - پردیسیوں پر اُس کی مہربانی

ہوتی ہو تو بادشاہ کچھ ایسا اُس مرحمت فرماتے ہیں وہ فوراً اُٹھ کر آداب بجالاتا ہو۔ کبھی کبھی اس خاصے میں سے کسی شخص کو خاصہ بھجوایا بھی جاتا ہو۔ وہ بھی اِس کی تعظیم وتکریم ویسی ہی کرتا ہو۔ جیسے کہ شخص حاضر اور اُس کے پاس جتنے لوگ ہوتے ہیں۔ اُن سب کو ساتھ لے کر وہ شاہی خاصے کو کھاتا ہو۔

عام دسترخوان

یہ کھانا شاہی مطبخ سے جب لاتے ہیں۔ تو اُس کے آگے آگے نقیب ہوتے ہیں۔ جو بسم اللہ کہتے جاتے ہیں۔ اور اُن سب کے آگے نقیب النقبار ہوتا ہو اُس کے ہاتھ میں طلائی موٹھ کا عصا ہوتا ہو۔ اور اُس کے نائب کے ہاتھ میں نقرئی۔ جب وہ چوکھٹے۔ دروازے میں داخل ہوتے ہیں۔ اور دیوان خانے میں جو لوگ حاضر ہوتے ہیں۔ وہ اُن کی آواز سنتے ہیں۔ تو سب کے سب تعظیماً کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور سوائے بادشاہ کے اور کوئی بیٹھا نہیں رہتا۔ کھانا فرش پر رکھ نقیب صف بستہ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور اُن کا سردار سب سے آگے کھڑے ہوکر بادشاہ کی بست تعریفی کلمات کہہ کر زمیں بوس ہوتا ہو۔ اور اُس کے ساتھ کل نقیب اور حاضرین زمیں بوس ہوتے ہیں۔ اور یہ بھی دستور ہو۔ کہ جب ایسا موقع ہوتا ہو۔ اور نقیب کی آواز سنائی دے جائے۔ تو راہ چلتا بھی وہیں تھم جاتا ہو۔ اور جب تک نقیب تعریف ختم نہیں کر لیتا۔ جنبش وحرکت کرنا یا بولنا داخل سوء ادبی ہو۔ پھر اِسی طرح اُس کا نائب تعریف کرتا ہو۔ اور پھر سب حاضرین زمین بوس ہوتے ہیں۔ اُس کے بعد بیٹھ جاتے ہیں۔ اور متصدی سب حاضرین کے نام لکھ کر کسی شاہزادے کے ذریعے سے بادشاہ کے ملاحظہ میں گزرانتا ہو۔ جس کو دیکھ کر بادشاہ حکم دیتا ہو کہ فلاں امیر آج کھانا کھلا دے۔ کھانے میں بھنا ہوا گوشت۔ چپاتیاں۔ چانول۔ مرغ۔ سموسہ وغیرہ ہوتے ہیں۔ دسترخوان کے صدر میں قاضی۔ خطیب۔ فقیہ۔ سید۔ اور مشایخ ہوتے ہیں۔ اُن کے بعد بادشاہ کے عزیز قریب اور پھر امرار ترتیب وار اپنی اپنی مقررہ جائے پر بیٹھتے ہیں۔ اور اس لئے کچھ گڑبڑ نہیں ہوتی۔ جب سب لوگ اپنے اپنے

کپڑا اُن پر منڈھا ہوا ہوتا ہی - ہر ایک درجے میں حسین حسین لونڈیاں اچھے اچھے کپڑے اور زیورات پہن کر بیٹھتی ہیں - ہر ایک برج میں چمڑے کا ایک حوض ہوتا ہی - جس میں گلاب کا شربت ہوتا ہی - یہ لونڈیاں ہر شخص کو خواہ شہری ہو یا مسافر شربت پلاتی ہیں - اور پان کی گلوری بھی دیتی ہیں شہر سے شاہی محل پر تمام رستے پر دونوں طرف کی دیواریں ریشمی کپڑوں سے منڈھی جاتی ہیں - اور رستے کے بیچ میں ریشمی کپڑے کا فرش ہوتا ہی - جس پر بادشاہ کا گھوڑا چلتا ہی - اور بادشاہ کے آگے ہزاروں غلام ہوتے ہیں - اور فوج پیچھے ہوتی ہی - ہاتھیوں پر تین تین یا چار چار چھوٹی چھوٹی منجنیقیں چڑھا دیتے ہیں - جن کے ذریعے سے درہم و دینار کی بکھیر شہر کے دروازے سے محل شاہی تک برابر ہوتی رہتی ہی -

خاصہ کا دسترخوان بادشاہ کے محل میں دو طرح کا کھانا ہوتا ہی ایک خاص دوسرا عام - خاص وہ ہی جو بادشاہ خود تناول فرماتے ہیں - اور اُس میں خاص خاص امرا اور بادشاہ کا چچا زاد بھائی - فیروز اور عماد الملک سرتیز اور میر مجلس یا پردیسیوں میں سے کوئی شخص جس پر بادشاہ کو خاص مہربانی کرنی منظور ہو شامل ہوسکتے ہیں اور بعض وقت جب حاضرین میں سے بھی خاص کر کسی پر مہربانی کرنی منظور

سلہ فرشتہ لکھتا ہی کہ جب سلطان محمد بن تغلق اپنے باپ کے مرنے کے چالیس دن بعد تغلق آباد سے دہلی کے شہر میں داخل ہوا " در شہر کوس شادی زدند و قبہا بستند و بازارہا و کوچہا آراستند و در آں روز تنکہ ہائے سرخ و سفید بر فیلاں بار کردہ در اثنائے عبور سلطان از پیش و پس در کوچہ و بازار و پشت بامہا بر مردم پاشیدند" سلطان علاء الدین حسن گانگوئی بہمنی کے بیٹے کی شادی کے بیان میں فرشتہ لکھتا ہی کہ " در حسن آباد گلبرگہ چند جا منجنیق ہا نصب کردند و انواع تنقلات و حبوبات کہ متعارف ہندوستان است بر آن گزاشتہ بر مردم می پاشیدند - ۱۲

کے لیئے ایک اور زریں تخت ہی۔ یہ جلوس بارگاہ میں ہوتا ہی۔ بارگہ کے تین دروازے ہوتے ہیں۔ اول دروازے پر عماد الملک سر تیز کھڑا ہوتا ہی۔ دوسرے پر ملک نکبہ اور تیسرے پر یوسف بغرا اور داہیں بائیں دوسرے امراء کھڑے رہتے ہیں۔ باقی لوگ اپنی اپنی جگہ مؤدب کھڑے رہتے ہیں۔ بارگاہ کا کوتوال ملک طغی ہی۔ اُس کے ہاتھ میں سونے کا اور اُس کے نائب کے ہاتھ میں چاندی کا عصا ہوتا ہی۔ یہ دونوں اہل دربار کو اپنی اپنی جگہ قرینے سے بٹھاتے ہیں۔ اور صفوں کو سیدھا کرتے ہیں۔ وزیر اور کاتب اُس کے پیچھے کھڑے ہوتے ہیں۔ حاجب۔ نقیب اور چوبدار بھی اپنی اپنی جگہ کھڑے رہتے ہیں۔ اس کے بعد ارباب نشاط طوائف وغیرہ گانے بجانے والے آتے ہیں۔ اُس کے مجرے ہوتے ہیں پھر راجاؤں کی بیٹیاں آتی ہیں۔ جو لڑائی میں پکڑی گئی ہوں۔ اُن کا گانا بجانا اور ناچ ہوتا ہی۔ اُن کو بادشاہ اپنے قرابت داروں اور شہزادوں میں تقسیم کرتا ہی۔ یہ جلوس عصر کے وقت ہوتا ہی۔ اِس کے دوسرے دن کا جلوس عصر کے بعد اسی ترتیب سے ہوتا ہی۔ عید کے تیسرے دن بادشاہ کے رشتہ داروں کے نکاح ہوتے ہیں۔ اور ساتویں دن خیرات تقسیم ہوتی ہی۔

سفر سے واپسی کے وقت بادشاہ کا جلوس

جب بادشاہ سفر سے واپس آتا ہی۔ تو ہاتھیوں کو آراستہ کیا جاتا ہی۔ اور سولہ ہاتھیوں پر دیں اور جڑاؤ چھتر لگائے جاتے ہیں۔ اور آگے آگے جھنڈے۔ اور پھریرے رہتے ہیں۔ اِن میں بھی جواہرات جڑے ہوتے ہیں۔ لکڑی کے بڑے بڑے بُرج بناتے ہیں۔ جن کے کئی درجے ہوتے ہیں۔ ریشم کا

سلہ ابوالفضل لکھتا ہی۔ کہ بڑی بارگاہ کے نیچے دس ہزار کے قریب آدمی بیٹھ سکتے ہیں۔ اور اُس کو ایک ہزار فراش سات دن میں کھڑا کرتے ہیں سادہ بارگہ کے بنانے میں کم سے کم دس ہزار روپیہ لاگت آتی ہی۔ اگر زربفت اطلس لگائیں۔ اور طلاکاری کا کام کریں تو پھر اُس کی کوئی حد نہیں۔ ۱۲

سونے کا ہی - اور اُس پر جواہرات جڑے ہوئے ہیں - اِس کا طول (۳۲) اور عرض (۲۱) بالشت ہی - اِس ترکیب کا بنا ہوا ہی - کہ ٹکڑے ٹکڑے الگ ہو جاتے ہیں - اِس پر ایک زرنگار کرسی بچھائی جاتی ہی - اور چھتر لگایا جاتا ہی جب بادشاہ تخت پر قدم دھرتا ہی - تو نقیب اور حاجب بہ آواز بلند بسم اللہ کہتے ہیں - پھر سلام شروع ہوتا ہی - سب سے پہلے قاضی اور خطیب - عالم سیّد اور مشایخ - بادشاہ کے بھائی بند شاہزادے مرشد زادے آگے بڑھتے ہیں اُن کے بعد پردیسی پھر وزیر - پھر فوج کے بڑے بڑے افسر - پھر بوڑھے بوڑھے غلام پھر فوج کے سردار پیش ہوتے ہیں - اور آداب بجا لا کر اپنی اپنی جگہ بیٹھ جاتے ہیں - عید کے دن امرا و جاگیرداران و منصب داران وغیرہ نذر بھی دیتے ہیں - جاگیردار لوگ اپنے اپنے علاقے سے کچھ اشرفیاں لاتے ہیں - جن کو وہ رومال میں باندھ کر - اوپر اپنے نام کی چھٹی لگا کر پیش کرتے ہیں - بادشاہ اُن کو چھو دیتا ہی - اور وہ طشت طلائی میں جو اِسی غرض سے رکھا رہتا ہی - ڈال دی جاتی ہی - اور اِس طرح بہت سا روپیہ جمع ہو جاتا ہی - اُس میں سے بادشاہ جس کو چاہتا ہی - سرفراز فرماتا ہی - سلام اور نذروں کے بعد کھانا آتا ہی - عید کے دِن بڑی انگیٹھی[۱] بھی باہر نکالتے ہیں - وہ خالص سونے کی انگیٹھی کاسے کو ہی ایک خاصہ برج کا برج بنا ہوا ہی - اِس کے بھی ٹکڑے ٹکڑے علیحدہ ہو جاتے ہیں - اِس میں تین خانے ہیں - اُس میں فراش داخل ہو کر - عود - عنبر - اور بخور جلاتے ہیں - اُس کی خوشبو سے تمام دیوان خانہ مہک اُٹھتا ہی - غلاموں کے ہاتھوں میں سونے اور چاندی کے گلاب پاش ہوتے ہیں - جس سے وہ گلاب اور عطر لوگوں پر چھڑکتے اور قرابے کے قرابے لنڈھاتے ہیں - یہ بڑا تخت اور مجمر طلائی صرف عیدین کی تقاریب میں نکالی جاتی ہیں - ورنہ معمولی دنوں میں جلوس

[۱] بدرچاچ نے اپنے ایک قصیدے میں جو جشن کی تعریف میں لکھا ہی - اِس طلائی انگیٹھی کا ذکر کیا ہی :-

زاں چار گوشہ مجمر زریں میان صحن — کز بوئے او مشام ملائک معطر است

دود دش سواد دیدۂ حوران جنت است — عطرش بخار غالیۂ حوض کوثر است - ۱۲

درجے کے سپہ سالار - پانچویں درجے کے حد۔
بادشاہ کے دربار میں اتنی جان سکتے۔ بادشاہ کے لشکر میں نو لاکھ سوار
تھے - کچھ تو اُن میں سے بادشاہ کے پاس رہتے تھے - اور اکثر امیروں
کے پاس ملک کے مختلف حصوں میں - اس لشکر میں ترک اور خطائی
اور ایرانی - اور ہندوستانی ہر قوم کے لوگ تھے - گھوڑے بہت عمدہ
تھے - اور وردی - اور ہتیار بھی بہت اچھے تھے ؏ ہندوستان میں مصر
اور شام کی طرح یہ دستور نہیں ہے - کہ امیر اور حاکم اپنے طور پر فوج رکھیں
بلکہ یہاں کل فوج شاہی خزانہ سے تنخواہ پاتی تھی۔ خان یا ملک یا امیر کی
تنخواہ ذاتی ہوتی تھی - خان کے ماتحت دس ہزار - اور ملک کے ماتحت
ایک ہزار - امیر کے پاس سو نفر اور سپہ سالاروں کے ماتحت اس سے
بھی کم ہوتی تھی - خان کو تنخواہ میں دو لاکھ ٹنکہ کی جاگیر دی جاتی تھی (ایک
ٹنکہ آٹھ درم کا ہوتا ہے -) ملک کی جاگیر پچاس ہزار سے ساٹھ ہزار تک -
امیر کی تیس ہزار سے چالیس ہزار تک - اور سپہ سالار کی بیس ہزار -
اِس تنخواہ میں سے اُن کو فوج کو کچھ دینا نہیں پڑتا تھا اس کے علاوہ کھانے
اور کپڑے اور گھوڑے کے دانہ چارہ کا خرچ خزانہ شاہی سے ملتا تھا
سوا خان اور ملک اور امیر - اور سپہ سالار کے باقی فوج کو نقد تنخواہ ملتی تھی

عید کا دربار عید کے دن تمام دیوان خانہ فرش و فروش سے سجایا
جاتا تھا - اور طرح طرح کا تکلف اور انواع و اقسام کی
آراستگی کی جاتی تھی - اور دیوان خانے کے صحن میں بارگاہ کھڑی کرتے
ہیں - جو ایک بہت بڑا عالی شان خیمہ ہوتا ہے - اور بڑے بڑے ستونوں
پر کھڑا کیا جاتا ہے - اور اُس کے چاروں طرف اور خیمے ہوتے ہیں - اور ریشم
کے سرا پردے - جن میں رنگ برنگ کے بیل بوٹے پڑے ہوتے ہیں
لٹکائے جاتے ہیں اور مصنوعی پھولدار درختوں کی تین قطاریں دیوان خانے میں
لگاتے ہیں - دو درختوں کے درمیان ایک چوکی رکھی جاتی ہے - جس پر مسند
بچھی ہوتی ہے - دیوان خانے کے صدر میں ایک بڑا تخت بچھایا جاتا ہے - جو بالکل

آگے وہ لوگ ہوتے ہیں۔ جن کا ذکر اوپر آیا ہی۔ بادشاہ کے پیچھے باجے والے۔ پھر خدمت گار شاہی۔ پھر بادشاہ کے بھائی مبارک خاں کی سواری مع فوج نوبت ونقارے کے ہوتی ہی۔ اُس کے بعد بادشاہ کے بھتیجے بہرام خاں کی سواری۔ بعد بادشاہ کے چچازاد بھائی ملک فیروز۔ پھر پرویز پھر ملک مجیر ذی الرجا۔ پھر ملک قبولہ (یہ امیر بادشاہ کا بڑا مقرب اور منہ چڑھا ہی۔ اور بڑا دولت مند ہی۔ اُس کا دیوان ملک علاء الدین مصری جو ابن شی کے نام سے زیادہ مشہور ہی۔ کہتا تھا۔ کہ اُس کا اور اُس کے لشکر اور ملازمین کا خرچ چھتیس لاکھ روپیہ سالانہ ہی) پھر ملک نکبہ۔ پھر ملک بغرا پھر ملک مخلص۔ پھر ملک قطب الدین کی سواریاں مع اُن کے لوازمے کے ہوتی ہیں۔ یہ لوگ جن کے نام اوپر لکھے گئے۔ سب امیر کبیر اور بارگاہ سلطانی کے علی الدوام حاضر باش ہیں۔ باقی امیر امرا جو اِن سے کم تر درجے کے ہیں۔ وہ بغیر نوبت نقارے کے سواری کے ساتھ جاتے ہیں۔ مگر ہر شخص اپنی سواری ہاتھی یا گھوڑے پر زرہ پوش ہوتا ہی۔ اور سارے گھوڑے مرصع زین پوشوں زرین لگاموں طرح طرح کی آرایشوں اور سجاوٹوں سے بنائے اور سنوارے جاتے ہیں۔ جب بادشاہ عیدگاہ کے دروازے پر پہنچتا ہی۔ تو وہیں کھڑے رہ کر حکم ہوتا ہی۔ کہ قاضی اور موذن اور بڑے بڑے امیر اور ذی رتبہ لوگ پہلے داخل ہو جائیں۔ بادشاہ پیچھے جاتا ہی۔ اور اُس کے جاتے ہی صف بندی ہو کر نماز شروع ہو جاتی ہی۔ بعد امام خطبہ پڑھتا ہی۔ اگر بقرعید ہوتی ہی۔ تو بادشاہ نیزے سے اونٹ کو نحر کرتا ہی۔ اور اُس سے پہلے اپنے کپڑوں پر ایک ریشمی لنگی ڈال لیتا ہی۔ کہ کپڑوں پر خون کی چھینٹیں نہ پڑیں۔ یہ قربانی کر کے بادشاہ پھر ہاتھی پر سوار ہو کر اُسی جلوس سے محل کو واپس آتا ہی۔

مسالک الابصار کے مصنف نے لکھا ہی کہ "ہندوستان میں امیروں کے کئی درجے ہیں۔ سب سے اعلیٰ درجے کے امیر خان کہلاتے ہیں۔ دوسرے درجے کے ملک۔ تیسرے درجے کے۔ امیر۔ چوتھے

طیاریاں شروع ہوتی ہیں۔ ہاتھی نہلا دھلا کر رنگے اور سجائے جاتے ہیں اُن پر ریشمیں معرق جھلملاتی ہوئی کم خواب اور زربفت کی جھولیں ڈالی جاتی ہیں۔ اُن میں سے سو ہاتھی بلند قامت تو بادشاہ کے خاصے کے ہوتے ہیں۔ اُن پر ہودج طلائی۔ عاری مع چھتر ریشمیں ہوتا ہے۔ جس کے ڈنڈوں پر جواہرات جڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ ڈنڈیاں طلائے خالص کی ہوتی ہیں ہاتھیوں پر کی گدیاں بھی پر تکلف ہوتی ہیں۔ اور اُن میں بھی جواہرات ٹنکے ہوتے ہیں۔ غرض یہ کہ سر سے پا تک سونے کا ڈلا معلوم دیتے ہیں۔ ایک ہاتھی پر بادشاہ سوار ہوتا ہے۔ اُس کے آگے جھنڈے اور بیرقیں سب مرصع بطور پرچم کے رہتی ہیں۔ ہاتھی کے سامنے غلام اور مملوک پیادہ پا چلتے ہیں۔ اُن میں سے ہر ایک کے سر پر حاجی ٹوپی اور کمر میں زریں پیٹی ہوتی ہے۔ بعض کے پردوں پر جواہرات بھی جڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ بادشاہ کے آگے آگے چوبدار اور نقیب بھی ہوتے ہیں۔ جن کی تعداد تین سو ہوتی ہے۔ اُن کے سروں پر پوستین کی کلاہیں کمر میں زریں پیٹیاں اور ہاتھ میں تازیانے جن کے دستے طلائی ہوتے ہوتے ہیں۔ صدر جہاں قاضی القضاۃ کمال الدین غزنوی اور صدر جہاں قاضی القضاۃ ناصر الدین خوارزمی اور تمام قاضی دیسی رتبہ پردیسی۔ عراقی خراسانی۔ شامی۔ اور مغربی۔ سب ہاتھیوں پر سوار رکاب شاہی میں ہوتے ہیں۔ اور موذن بھی ہاتھیوں پر سوار ہوتے ہیں۔ اور تکبیر کہتے جاتے ہیں۔ بادشاہ کی سواری اِس جلوس شاہانہ اور ترک و احتشام خسروانہ سے محل شاہی کے دروازے سے برآمد ہوتی ہے۔ اور ساری جمعیت سپاہ و فوج باہر منتظر کھڑی رہتی ہے۔ ہر ایک امیر اپنی فوج مثل سے جدا کھڑا رہتا ہے۔ اور ہر ایک کے ساتھ۔ نوبت۔ علم۔ و نقارہ و ماہی مراتب رہتے ہیں۔ سب سے پہلے بادشاہ کی سواری بڑھتی ہے۔ اور بادشاہ کی سواری کے

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ ؎ چار دریا چار گنبد سکر و تاریخ آن + سال و ماہ و سال ہجرت ہشصد ہر ثم موجودہ شہر آگرے اور بمبئی کی سڑک پر بھرت پور کی ریاست میں واقع ہے۔ آبادی پانچ ہزار کے قریب ہے۔ ۱۲

بہت سا حصہ اُس کو بخش دیا۔

عید کی نماز کا جلوس

چاند رات کو بادشاہ اپنی طرف سے امیروں۔ مصاحبوں مسافروں۔ اہل قلم۔ متصدیوں۔ منشیوں۔ حاجیوں نقیبوں علماء۔ مشایخین۔ قضات۔ افسروں۔ غلاموں۔ اخبار اور پرچہ نویسوں غرض یہ کہ جملہ متوسلان شاہی کو ایک ایک خلعت ہر ایک کے منصب درجے اور مرتبے کے موافق بھیجتا ہی۔ صبح سویرے سے جشن عید کی

تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ کے جلوس کا سال تھا۔ بہرام کی شروع علداری میں بھی غزنوی لشکر فتوحات کے لیئے ہندوستان میں آیا ہی۔ چنانچہ روضۃ الصفا میں درج ہی" و بعد ازاں کہ بر تخت مملکت متمکن گشت لشکر بدیار ہند کشید و بسیارے ازآں بلاد کہ اسلافِ او بداں موضع نہ رسیدہ بودند کشاد" تعجب نہیں کہ سالار مسعود غازی شاید اسی لشکر کے سردار ہوں۔ کیوں کر بیانہ کے قلعہ کا فتح ہونا۔ اُن ہی کے ہاتھ پر بیان کیا جاتا ہی۔ اور اِس دوہرے سے سالار مسعود کے ہندوستان میں آنے کا صحیح سال معلوم ہو سکتا ہی۔ ابو الفضل نے جس منارے کا ذکر کیا ہی موجود ہی۔ یہ مینار مسجد کا ماذنہ ہی۔ اور قلعہ میں واقع ہی۔ دور سے دکھائی دیتا ہی۔ اب صرف دو منزلیں باقی رہ گئی ہیں۔ پہلی منزل ۲۴ ½ فیٹ اونچی ہی۔ اور دوسری ۲۳ فیٹ تیسری منزل کہتے ہیں۔ کہ میگزین کی باروت میں آگ لگ جانے سے گر پڑی۔ یہ کتبہ مینارہ یہ ہی:-

اشار بناء ھذہ المنارۃ المبارک المسند العالی والمجی المعالی اعظم ہمایوں داؤدی خان بن مسند عالی محمّد خان بن مسند عالی معین خان صدیقی المعروف باوحدی خلد اللہ ملکہ فی سنۃ احدی وستین وثمان مائۃ۔

سنگ سرخ کی بنی ہوئی ایک باؤلی بھی ہی۔ جو سلطان قطب الدین خلجی کے عہد میں ۷۱۸ھ میں ملک کافور نے طیار کرائی تھی۔ اُس کی تاریخ بنا یہ ہی۔

درزمان ملک سلطان زمانہ قطب دیں	مالکِ دار الخلافہ شہر یار۔ بحر و بر
بندۂ درگاہِ او کافور سلطانی نگفت	تا شد ایں بائیں بنا باایں لطافت درگزر

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

اُس نذر میں ایک سینی زمرد سے بھری ہوئی۔ اور ایک سینی موتیوں سے
بھری ہوئی تھی۔ اس موقع پر بادشاہ ایران سلطان ابوسعید کا عم زاد
بھائی حاجی گاؤن بھی موجود تھا۔ بادشاہ نے اُس نذر میں سے

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ کے محلات اور بت خانے بے شمار ہیں۔ اب تک ہتیار اور
تانبے کے برتن کھنڈروں میں سے نکلتے ہیں۔ اس شہر میں ایک بڑا منارہ بھی
ہے۔ آم اچھا ہوتا ہے۔ بعض آم وزن میں ایک سیر (ڈہائی پاؤ) سے زیادہ ہوتا ہے۔
شکر بھی بہت سفید بناتے ہیں۔ اور ایک کنواں اِس شہر میں ایسا ہے۔ کہ اُس کے
پانی کی تاثیر سے شکر کے لڈو وزن میں سیر سیر سے زیادہ باندھ لیتے ہیں۔ اور
اُن کو گندوڑے کہتے ہیں۔ اور جگہ کے پانی میں یہ تاثیر نہیں۔ نیل اور چنا بھی بہت
پیدا ہوتا ہے۔ مہندی بھی یہاں کی مشہور ہے۔ اِس شہر میں قبرستان بھی بہت ہیں کتبے
سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ کنواں ۸۲۳ھ میں محمد خاں اوحدی صدیقی حاکم بیانہ نے
تعمیر کیا تھا۔ اُس پر یہ کتبہ موجود ہے۔ -

بعہد دولتِ خان کبیر اوحد خاں	پناہ عملہ جہاں سرور زمین و زماں
ملک معظم تیمور خانی از سر صدق	بنا کردچنیں جائے طاعت رحماں
مسرّا و چہ زمزم صفت زلال مآل	قبول باد بدرگاہ خالق سبحان
ز ہجری نبوی سال بود ہشت صد و بست	دگر سہ سال بماہِ معظم رمضان

اِس کنوئیں پر ایک اور کتبہ فارسی اور ناگری میں ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ
۸۵۳ھ میں ٹھاکر امرسنگھ نے کنوئیں کی مرمت محمد خاں اوحدی کے عہد میں کرائی تھی
کننگھم صاحب نے پہلی تاریخ کے پڑھنے میں غلطی کی ہے۔ صاحب موصوف لکھتے ہیں
کہ یہ کنواں اب بھی موجود ہے۔ شکل میں مربع اور اُس کے چاروں ضلعے چار چار گز
کے ہیں۔ لیکن شکر اب وہاں نہیں بنتی۔ مزاروں میں ابوبکر قندھاری کی خانقاہ بہت
مشہور ہے۔ یہ دوہرہ عوام کے زبان زد ہے۔ سہ

اگیارہ سو تہتر پھاگن تیج بدی وار کے مندر گڑھ توڑا ابوبکر قندہار

یعنی پھاگن کے مہینے میں تیسری تاریخ کو سمت (۱۱۷۳) میں ابوبکر قندہار نے بیانہ
کے قلعہ کو فتح کیا۔ یہ زمانہ ۱۵۱۲ء کے مطابق ہوتا ہے۔ جو بہرام بن مسعود غزنوی

(بقیہ نوٹ برصفحہ آئندہ)

نقیبوں کے سامنے سے گزرتا ہے۔ جب کوئی پردیسی یعنی غیر ملک کا باشندہ سلام کے لیئے حاضر ہوتا ہے۔ تو پہلے دروازے پر اطلاع کرتا ہے۔ سب سے آگے امیر حاجب اُس کے پیچھے اُس کا نائب پھر سید الحجاب اور شرف الحجاب ترتیب سے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ اور تین دفعہ آداب بجا لاتے ہیں۔ اور عرض کرتے ہیں۔ کہ فلاں شخص سلام کے لیئے حاضر ہے جب اجازت ہوتی ہے تو بادشاہ کے قریب پوہنچنے سے پہلے آداب بجا لاتا ہے۔ اور پھر نذر گزرانتا ہے۔ اگر کوئی بڑا آدمی ہوتا ہے۔ تو میر حاجب کی صف میں کھڑا ہوتا ہے۔ ورنہ اُس کے پیچھے۔ اور بادشاہ اُس کے ساتھ نہایت نرمی اور مہربانی سے بات کرتا ہے۔ اور اُس کو مرحبا کہتا ہے۔ اگر وہ تعظیم کے لائق ہوتا ہے۔ تو بادشاہ اُس سے مصافحہ اور معانقہ کرتا ہے۔ اور اُس کی نذر میں سے بعض بعض چیزیں اپنے سامنے منگواتا ہے۔ اگر کوئی کپڑا یا ہتیار ہوتا ہے۔ تو اُس کو اُلٹ پلٹ کر دیکھتا ہے۔ اور دِل جوئی کے لیئے اُس کی تعریف بھی کرتا ہے۔ پھر خلعت سرفراز ہوتا ہے۔ اور نذر دینے والے کو اُس کے درجے کے موافق اُس کی "سرشوئی" کے نام سے کچھ مقرر ہو جاتا ہے۔ جب کوئی سرکاری اہل کار نذر پیش کرتا ہے۔ یا کسی ملک کا خراج لاتے ہیں۔ تو ایک طشت طلائی یا آفتابہ یا اور کوئی چیز بنواتے ہیں۔ اور سونے کی اینٹیں بنوا لیتے ہیں۔ جن کو "خشت" کہتے ہیں۔ فراش لوگ جو بادشاہ کے غلام ہوتے ہیں۔ اُن میں سے ایک ایک چیز یا اینٹ ہاتھ میں لے کر بادشاہ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اگر ہاتھی نذر میں ہوتا ہے۔ تو وہ ہاتھی سامنے لایا جاتا ہے۔ اُس کے بعد گھوڑے مع ساز و سامان کے۔ پھر خچر پھر اُونٹ اور اُن سب پر مال لدا ہوا ہوتا ہے۔ جب بادشاہ دولت آباد سے آئے تو **خواجہ جہاں** وزیر نے نذر پیش کی۔ خواجہ جہاں نے شہر بیانہ[۱] سے باہر نکل کر اپنی نذر پیش کی

[۱] دہلی سے سو میل جنوب کی طرف اور بیس میل بھرت پور سے جنوب و مغرب کی طرف واقع ہے۔ اکبر بادشاہ کے زمانے میں بیانہ کی سرکار صوبۂ آگرہ سے متعلق تھی ابوالفضل لکھتا ہے۔ کہ "بیانہ قدیم زمانے میں ایک ستھرا شہر تھا۔ ایک قلعہ بھی ہے۔ پرانے

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

بھائی بند اور داماد۔ اُن کے بعد بڑے بڑے امیر پھر پردیسی اور ایلچی اور پھر فوج کے افسر کھڑے ہوتے ہیں۔ اُس کے بعد ساٹھ گھوڑے زین و لگام تمام ساز و سامان و زیورات سے سجے سجائے۔ بعضوں کی باگیں سیاہ ریشم کی اور بعضوں کی سفید ریشم کی مرصع ہوتی ہیں۔ یہ گھوڑے خاصے کے کہلاتے ہیں۔ اور اُن پر سوائے بادشاہ کے اور کوئی سوار نہیں ہوتا اُن میں سے آدھے دائیں اور آدھے بائیں۔ اس طرح کھڑے کیئے جاتے ہیں۔ کہ بادشاہ کی نظر پڑ سکے۔ پھر پچاس ہاتھی آتے ہیں۔ جن کی جھولیں مغرق ہوتی ہیں۔ اور اُن کے دانتوں پر لوہے کے کٹ چڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔ اُن سے مجرمین کے مارنے کا کام لیا جاتا ہے۔ ہر ہاتھی کی گردن پر ایک مہاوت (فیلبان) لوہے کا انکس لیئے ہوتا ہے۔ جو طبرزین کہلاتا ہے۔ اُس سے وہ ہاتھی کو اپنے قابو میں رکھتا ہے۔ ہاتھی پر ہودہ (حوضہ) کسا رہتا ہے۔ جس میں بیس یا کم زیادہ جیسا ہاتھی ہو سپاہی بیٹھ سکتے ہیں۔ یہ ہاتھی سدھائے ہوئے ہوتے ہیں۔ جس وقت حاجب بسم اللہ کہتا ہے۔ ہاتھی بھی سلام کے لیئے سر جھکا لیتے ہیں۔ یہ ہاتھی بھی گھوڑوں کی طرح آدھے اِدھر آدھے اُدھر لوگوں کے پیچھے کھڑے کیئے جاتے ہیں۔ ہر شخص بادشاہ کے سامنے جاتا ہے اور آداب بجا لاکر اپنی جگہ پر اُلٹے پاؤں کترا تا ہوا۔ اِس طرح واپس آتا ہے کہ بادشاہ کی طرف پشت نہ ہو اور وہیں مؤدب کھڑا رہتا ہے۔ جب کوئی ہندو دربار ہوتا ہے تو حاجب اور نقیب بجائے بسم اللہ کے ہداک اللہ کہتے ہیں۔ بادشاہ کے غلام لوگوں کے پیچھے کھڑے ہوتے ہیں۔ اُن کے ہاتھوں میں تلواریں کمر میں پیش قبض۔ کٹار۔ خنجر۔ جمیہ میں سے کوئی ہتیار اور پیٹھ پر ڈھالیں ہوتی ہیں۔ جن پر سونے۔ چاندی کے پھول جڑے رہتے ہیں اور اِسی طرح پیش قبض وغیرہ کے دستوں پر بھی بیش قیمت جواہرات جڑے ہوتے ہیں۔ اِن غلاموں کی صف میں سے کوئی نہیں گزر سکتا۔ بلکہ جو آتا ہے۔ وہ حاجبوں

ؔ اُس وقت جو ندار نذر دینے والے کی تلوار پر اپنا ہاتھ رکھ لیتے ہیں تاکہ کچھ اور بات نہ ہو جائے اور نگاہ روبرو۔ ادب سے۔ تفاوت سے آداب بجا لاؤ کہتے ہیں۔ ۱۲

میں داخل نہیں ہوسکتا۔ اگر وہ بیماری یا کسی اور عذر کے سبب سے نہ آسکا تھا۔ تو جس روز وہ باریاب ہوتا ہے۔ نذر پیش کرتا ہے۔ اِسی طرح دستور ہے۔ کہ جو پہلے پہل بادشاہ کی حضوری میں حاضر ہو نذر پیش کرتا ہے۔ اگر مولوی ہو تو قرآن شریف یا کوئی اور کتاب۔ اور فقیر ہو تو مصلیٰ یا تسبیح یا مسواک اور امیر ہو تو گھوڑے یا اونٹ یا ہتیار۔ تیسرے دروازے کے اندر ایک بہت بڑے میدان میں۔ ایک دیوان خانہ بنا ہوا ہے۔ جس کا نام ہزار ستون ہے۔ کیوں کہ اُس کی چھت لکڑی کی ہے۔ اور وہ لکڑی کے ہزار ستونوں پر قایم ہے۔ چھت اور ستونوں پر روغن کیا ہوا ہے۔ اور طرح طرح کے نقش ونگار بنے ہوئے ہیں۔ تمام درباری اِس میں جمع رہتے ہیں۔ اور بادشاہ بھی یہیں برآمد ہوتا ہے۔

بادشاہ کا جلوس دربار میں

اکثر یہ جلوس عصر کی نماز کے بعد ہوتا ہے۔ لیکن بعض وقت چاشت کے وقت بھی۔ بادشاہ کے جلوس کی جگہ ایک شہ نشین بنی ہوئی ہے۔ جو باقی مکان سے اونچی ہے۔ اُس میں چاندنی کا فرش ہوتا ہے۔ مسند تکیہ اور دائیں بائیں دو چھوٹے چھوٹے تکیے ہوتے ہیں اور دوزانو بیٹھتا ہے۔ جب بادشاہ بیٹھ چکتے ہیں تو وزیر سامنے کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور کاتب وزیر کے پیچھے ہوتے ہیں۔ اور اُن کے پیچھے حاجبوں کا سردار اور حاجب ہوتے ہیں۔ حاجبوں کے سردار کے پیچھے اُس کا نائب ہوتا ہے۔ اُس کے بعد خاص حاجب اور وکیل الدار اور اُس کا نائب اور شرف الحجاب اور سید الحجاب اور اُن کے بعد نقیب جو تعداد میں سو ہوتے ہیں۔ جب بادشاہ بیٹھ چکتا ہے تو حاجب اور نقیب بسم اللہ کہتے ہیں۔ بادشاہ کے پیچھے ایک ملک قبولہ ہوتا ہے۔ جس کے ہاتھ میں مورچھل ہوتا ہے۔ بادشاہ کے دائیں بائیں ہاتھ پر دونوں طرف سو سو مسلح جوان ہوتے ہیں۔ اُن کے ہاتھ میں تلواریں۔ ڈھالیں اور کمانیں ہوتی ہیں۔ دیوان خانے کے طول میں دائیں اور بائیں قاضی القضاۃ۔ اور اُس کے بعد خطیب الخطبا۔ پھر باقی قاضی اور پھر بڑے بڑے فقیہ۔ پھر سید پھر مشایخ پھر بادشاہ کے

پہلے دروازے پر پہرے کے سپاہی رہتے ہیں۔ نفیری۔ نقارے اور سرنا والے بھی اسی دروازے پر بیٹھے رہتے ہیں۔ جس وقت کوئی امیر یا بڑا آدمی آتا ہے تو بجانا شروع کر دیتے ہیں۔ اور اسی طرح سے دوسرے اور تیسرے دروازے پر ہوتا ہے۔ یہ نوبت اس طرح بجاتے ہیں کہ جو شخص آتا ہے اُس کا پتہ بھی لگ جاتا ہے کہ فلاں امیر آیا۔ پہلے دروازے کے باہر جلاد منتظر حکم شاہی بیٹھے رہتے ہیں۔ جب کسی کی گردن مارنے کا حکم ہوتا ہے تو وہ قصر ہزار ستون کے سامنے مارا جاتا ہے۔ اور اُس کا سر پہلے دروازے کے باہر تین دن تک لٹکا رہتا ہے۔ پہلے اور دوسرے دروازے کے درمیان ایک بڑی ڈیوڑھی ہے۔ جس کے دونوں طرف چبوترے ہیں۔ اُن پر نوبت اور دوست چوکی والے بیٹھے رہتے ہیں۔ اور ہر دروازے پر پہرے دار بھی ہوتے ہیں۔ دوسرے اور تیسرے دروازے کے درمیان ایک بڑے چبوترے پر نقیب الیقتار بیٹھا رہتا ہے۔ جس کے ہاتھ میں ایک طلائی گرز ہوتا ہے۔ اور سر پر جڑاؤ طلاکار کلاہ جس پر مور کے پر لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ [illegible] نقیبوں کی کمر میں زریں [illegible] سر پر طلاکار شاشیہ اور ہاتھ میں تازیانہ ہوتا ہے جس کا دستہ سونے یا چاندی کا ہوتا ہے۔ دوسرے دروازے کے اندر ایک بڑے دیوان خانے میں عام لوگ بیٹھے رہتے ہیں۔ تیسرے دروازے پر متصدی رہتے ہیں۔ اُن کا یہ کام ہے۔ کہ جو شخص اندر آئے۔ پہلے اُس کا نام درج رجسٹر کرلیں اور ہر امیر کے ہمراہیوں کی تعداد بصراحت وقت آمد بھی درج کی جاتی ہے۔ بادشاہ اِس روزنامچے کو عشا کی نماز کے بعد ملاحظہ کرتا ہے۔ اُس روزنامچے میں جو کچھ حادثات دروازے پر واقع ہوتے ہیں۔ وہ بھی لکھے جاتے ہیں۔ بادشاہ کا کوئی صاحب زادہ اِس روزنامچے کو پیشگاہ حضوری میں پیش کرتا ہے۔ (از سفرنامہ ابن بطوطہ)

نذر کا دستور اور بادشاہ کا جلوس

یہ بھی دستور ہے۔ کہ جو امیر تین دن یا اُس سے زیادہ بلا عذر معقول غیر حاضر ہوتا ہے۔ تو وہ پھر بے دن بادشاہ کی اجازت از سر نو حاصل کیے ہوئے دروازے

قلعۂ نگرکوٹ کی فتح کی تاریخ سنہ ۷۳۸ھ

چو بادشاہ جہاں گیرِ عالمِ بالا — بفرِ خانہ سرود وزیر شد تنہا
کشاد حصن نگرکوٹ را کہ سنگین بود — بشہ زمانہ بتاریخ او خلو فیہا
زہے حصار کہ بہ لعبی ز حلقۂ در او — محیط نہ رلبش ہفت قلعۂ مینا (۲۲)

قلعۂ ہزار ستون اور قلعۂ خرم آباد کی تاریخ سنہ ۷۴۴ھ

خرم آباد نام کردش شاہ — چون ظہیر الجیوش شد معمار (بدر چاچ)
شد تمام این عمارت خرم — در محرم بہفصد و چل و چار (ایضاً)

دیگر

برین عمارت خرم برین خجستہ سرائے — ہزار دیدہ کشادست چرخ آئینہ وار
شدہ بنامِ خلیفہ بامر خسرو و عہد — برین عمارت خرم ظہیر دین معمار
تمام گشت بتاریخ و او خلوا فیہا — کشادہ با تو بگویم کہ ہفصد و چل و چار (ایضاً)

قصر ہزار ستون کا کچھ کچھ نشان اب بھی تغلق آباد کے قلعے کے پاس ہے بعض لوگ اسی مکان کو محمد آباد اور عادل آباد بھی کہتے ہیں۔ بدر چاچ کہتا ہے ؎

اگر نہ خلد برین ست این ہزار ستون — چرا فضائے درش عرض گاہ روز جزاست
بلے چنان حرم آباد آنچنان شاہی ست — کہ او متابعِ امرِ خلیفۂ دنیا است

تاریخ وفات تذکرۂ دولت شاہی میں مذکور ہے کہ جس سال محمد تغلق نے انتقال کیا۔ اُسی سال کرت کے بادشاہ ملک محمد کرت نے بھی وفات پائی۔ چنانچہ مولانا مظفر ہروی نے دونوں بادشاہوں کے وفات کی یہ تاریخ کہی ہے۔

بروز رزم چو کاؤس کی محمد کرت — بہادر بدلِ سہراب کی محمد کرت
خدیو کشورِ اول چو بو تغلق شاہ — برفت و در عقبش رفت شاہ محمد کرت

شاہی محل کا دروازہ شاہی محل کو جو دہلی میں تھا۔ دار سرا کہتے تھے اُس میں کئی دروازوں میں سے ہو کر جانا پڑتا ہے۔

تکملۂ نوٹ صفحۂ گزشتہ کہ یہ دریا صدہا میل تک ایک ریتیلے میدان میں رواں ہے۔ پنجند کے جنکشن سے پہلے کوئی قابل الذکر معاون اِس میں نہیں ملتا۔ پنجند چناب اور ستلج ادو دریائی سے مرکب ہے۔ چناب میں بھی جہلم اور راوی شامل ہیں۔ اور ستلج میں بیاس مل گیا ہے۔ اِس دریا کی لمبان اٹھارہ سو میل ہے۔ جو بحیرۂ عرب میں ایک ڈیلٹا کی شکل بناتا ہوا گرتا ہے۔ ۱۲

کنارے ستھٹے مقام پر ۲۱ محرم ۷۵۲ھ میں بخار سے اِس بادشاہ کا انتقال ہوا۔ اور اِس طرح رعایا نے بادشاہ سے نجات پائی۔ اور بادشاہ کا رعایا سے پیچھا چھوٹا۔ مدّت سلطنت (۲۶) سال ہے۔ حالتِ نزع میں بادشاہ کی زبان پر یہ اشعار جاری تھے۔ نظم۔

بادشاہ کا مرثیہ

بسیار دریں جہاں چمیدیم — بسیار نعیم و ناز دیدیم
اسپانِ بلند بر نشستیم — ترکانِ گراں بہا خریدیم
کردیم بسے نشاطِ آخر — چوں قامتِ ماہِ نو خمیدیم
ما یہ زہر است شرِ عالم را — میوہ مرگ است تخم آدم را
ای حریفِ عدم قدم در نہ — کم زن ایں عالمِ کم از کم را
صبح محشر دمید و ما در خواب — بانگ زن خفتگانِ عالم را
آں کہ فرشِ فنا گسترد — در نوردایں بساطِ عالم را
رستخیز است و خیز بار شگاف — سقف و ایوانِ طاقِ طارم را
شہ محمد کشت در دل خاک — نیلگوں کن لباسِ ماتم را
پس بدستِ خروش درتن دہر — چاک زن ایں قبائے معلم را

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) پہلے مغرب کی طرف سے آئے تھے اس لیئے اُنھوں نے پہلے جو سب سے بڑا دریا دیکھا تو اُس کا نام سندھو رکھ دیا۔ دریا ہی کے نام پر سے ملک کا بھی نام مشہور ہو گیا۔ کیوں کہ فارسی اور سنسکرت کے الفاظ میں ہ اور س کی تبدیلی ہو جاتی ہے۔ اِس لیئے اہل فارس اس ملک کو ہند کہنے لگے۔ بعد میں ملک کا نام ہند رہا اور دریا کا سندھ۔ دریا کے نام سے اُس کے کنارے کا ملک سندھ کہلانے لگا۔ (اور باقی ملک ہند۔ جو مورخ ہند اور سند کو حضرت نوح کے بیٹے بتلاتے ہیں۔ وہ محض قافیہ بندی ہے۔ جب تک اس میں پنجاب کے پانچوں دریا نہیں ملتے اِس کو پنجند یا پنجاب کہتے ہیں سلاطین مغلیہ کے وقت سے پہلے فقط دریائے سندھ کا نام پنجاب تھا۔ اور ملک کو پنجاب نہیں کہتے تھے۔ ناصر الدین قباچہ جب دریائے سندھ میں غرق ہو کر مرگیا۔ تو بداؤنی لکھتا ہے "ناصر الدین در پنجاب غریق رحمت شد"۔ دریائے سندھ کوہ ہمالیہ سے نکلتا ہے افغانستان کا دریائے کابل اس کا بڑا معاون ہے۔ اور سوات اور کورم چھوٹے

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

دِلّی پھر بسی ۱۳۴۵ء

سنہ ۱۳۴۲ء میں دکن میں بڑا بھاری قحط پڑا تو لوگوں کو دہلی واپس چلے جانے کی اجازت ملی مگر یہاں بھی قریب قریب وہی حالت تھی آدمی کو آدمی کھائے جاتا تھا۔ یہ قحط دو سال تک رہا۔ لوگوں نے واویلا مچائی۔ عرائض گزرانیں۔ تب کہیں اُن کو اجازت ملی۔ اور اِس طرح سنہ ۱۳۴۵ء میں پھر دِلّی بسی۔ اور لوگ اپنے اپنے ٹھکانے آن لگے۔ پھر کسی نے اُن کو نہیں ستایا۔

مصر سے سفیر کا آنا ۱۳۴۳ء

سنہ ۱۳۴۳ء میں مصر سے ایک سفیر خلفائے عباسیہ کی طرف سے دِلّی آیا۔ اور اپنے ساتھ سند خلافت لایا۔ جس کی بنا پر بادشاہ کا نام خطبوں میں پڑھا جانے لگا۔

آخری حالات اور بادشاہ کی وفات ۱۳۵۱ء

بادشاہ کے آئے دن کے مظالم سے خلق اللہ کا ناک میں دم آگیا۔ امرا بھی بریز بریز کرنے لگے۔ گجرات۔ پنجاب۔ بنگال۔ دکن چو طرف بلوؤں کی شورش اور بغاوت پھیل گئی۔ لیکن شاہی جابرانہ قوت اور وحشیانہ سختی کے سامنے سب ڈگ ڈال دیتے تھے۔ گو اوائل زمانِ سلطنت میں دکن بالکل زیر ہو گیا تھا۔ لیکن سنہ ۱۳۴۰ء میں بنگال خود سر ہو گیا۔ اور اُس قاہرہ سلطنت کے اختتام سے پہلے پہلے دکن بھی جو بڑی مشکل سے قابو میں آیا تھا۔ نکل گیا۔ آخر کار سندھ میں ایک مہم پیش آئی اور اِسی مہم پر دریائے سندھ کے

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ کہ ضیاء الدین برنی نے لکھا ہے کہ سلطان علاء الدین خلجی نے جب دہلی قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے تو منجنیقوں کے ذریعہ سے اُن کے پاس سونا اور روپیہ پھینکے اور اِس طرح لالچ دے کر قلعہ کھلوا لیا۔ بعض مورخین لکھتے ہیں کہ محمد بن قاسم نے سنہ ۹۳ھ میں دیبل کے قلعہ پر ایسا منجنیق لگایا تھا۔ جس پر پانسو آدمی کام کرتے تھے اور جس کا نام "العروس" یعنی دلہن تھا۔ ۱۲

(نوٹ صفحہ ہذا) ؎ سندھ سنسکرت میں سندھو دریا کو کہتے ہیں۔ کیوں کہ آریا لوگ

(بقیہ نوٹ برصفحہ آیندہ)

دیھری جائے نہ اٹھائی جائے۔ ؎

چہ گویم از سر و سامان خود عمر یست چون کاکل

سیہ بختم پریشاں روزگارم خانہ بردوشم

گو بادشاہ نے لوگوں کے آرام و آسایش کے لحاظ سے یہاں سے وہاں تک سڑک کے دو طرفہ درخت نصب کرا دیئے تھے۔ مگر جلا وطنی ایک ایسی بُری بلا ہے۔ کہ جس کا کچھ ٹھکانا نہیں۔ اسی درمیان میں **ملتان** میں بغاوت ہوگئی بادشاہ کو آنا پڑا اور بادشاہ کے ساتھ ہی کچھ لوگ بھی پلٹ آئے ۳۴ء میں پھر لہر اٹھی۔ اور دیوگیری جانے کا حکم ہوا۔ تاکہ لوگ پھر واپس نہ آسکیں اِن سب کو دِلّی سے نکال یہاں سارے گھروں کو پھونک دیا۔ حتیٰ کہ بلی۔ کتا تک بھی نہ رہا۔ اس حکم کی تعمیل اس سختی سے کرائی گئی۔ کہ سارے شہر میں فوج گشت لگاتی پڑی پھرتی تھی اور دیکھتی پھرتی تھی کہ کوئی رہ تو نہیں گیا قضائے کردگار صرف ایک اندھا اور ایک لنگڑا نہ جا سکے تو اندھے کو تو گھسیٹتے ہوئے لے گئے۔ اِس طرح کہ وہ بے چارہ رستے میں ہی ختم ہوگیا۔ اور اُس کے ہاتھ پاؤں بھی راہ میں ہی جھڑ گئے۔ رہا دوسرا اُسے منجنیق[1] سے پھکوا دیا۔

[1] اس لفظ کی وجہ تسمیہ عجیب عجیب بیان کی گئی ہے۔ یعنی فارسی میں چہ نیک کا معرب بتلاتے ہیں لیکن اعلباً یونانی لفظ "من جانے کون" سے مشتق ہے۔ جس کے معنے جادو اور کرتب کے ہیں۔ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ یہ لفظ معرب ضرور ہے کیوں کہ ج اور ق دونوں حروف کسی عربی لغت میں نہیں آسکتے توپوں کی ایجاد سے پہلے یعنی سولھویں صدی تک ان آلات کا رواج قلعہ کی دیواریں توڑنے اور قلعہ کے اندر شعلہ گیر جلتی ہوئی اور بدبو دار اور سڑی ہوئی چیزیں۔ اور پتھر پھینکنے کے لئے یورپ اور اسلامی ممالک اور چین میں تھا۔ کرنل یول نے مارکوپولو کے سفرنامے میں اس کی (۱۰) تصویریں دی ہیں۔ اُن میں سے صرف یہ دو ہی طرح کے منجنیق ہندوستان میں مروج تھے۔

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

اور جو سخت جان موت کے منہ سے نکل کر آئے۔ اُنھیں بادشاہ نے قتل کروا دیا۔ اِن دیوانہ وار سے سروپا حملوں اور مہموں میں خزانہ خالی ہوگیا تب بادشاہ نے محصولات بڑہانے شروع کیئے اور جس طرح ہو سکتا تھا روپیہ سمیٹنا شروع کیا۔ اور چاندی کے عوض تانبے اور پیتل کا سکّہ چلایا۔ مگر وہ کچھ چلا چلایا نہیں۔ چاندی آخر کو چاندی ہی رہی۔ اور تانبا تانبا ہی چنانچہ ڈھیر کے ڈھیر برنجی سکّوں کے تغلق آباد میں پڑے رہے۔ کوئی پوچھتا بھی نہ تھا بادشاہ اپنے نزدیک اپنے آپ کو بڑا منصف اور عادل سمجھتا تھا۔ لیکن اُس کا دورِ حکومت ایسی سخت گیری اور مظالم کا تھا۔ کہ اِس کے محل کے دروازے کے سامنے ہمیشہ نعشوں کا ایک ڈھیر لگا رہتا تھا۔ جلّاد اور حلال خور ہر وقت گردنیں مارنے اور نعشوں کے گھسیٹنے سے بے زار ہو جاتے تھے۔ پھر اِس سخت گیری۔ اور ظلم کا نتیجہ بھی یہ تھا کہ نہ رعایا بغاوت سے باز آتی تھی۔ نہ بادشاہ ہی سزا دہی سے ہاتھ کھینچتا تھا۔ چھوٹے موٹے قتلوں کو چوہلے میں ڈالیئے۔ یہ تو قتل عام سے بھی باز نہ رہتا تھا۔ کہا جاتا ہو کہ یہ تو مردوں عورتوں کا اِس طرح ہانکا کرواتا تھا۔ جیساکہ شیر کے شکار میں ہوتا ہو۔ اور آدمیوں کے ریوڑ کے ریوڑ تہِ تیغ کروا ڈالتا تھا۔

دارالسلطنت کا نقل مقام دولت آباد کو ۱۳۳۸ء

دکن کے حملے کے وقت دیوگیری (دولت آباد) بہت پسند آیا۔ بس دل میں آنے کی دیر تھی ۱۳۳۸ء میں حکم قضا شیم صادر ہوا۔ کہ ساری دِلّی اُٹھ کر دولت آباد چلی جائے۔ کدھر دِلّی اور کہاں دولت آباد۔ بعد المشرقین ع

ہماری جان گئی آپ کی ادا ٹھیری

سب سے بڑھ کر دیوانگی کا کام جو اِس بادشاہ سے ہوا۔ وہ یہی حرکت تھی۔ جو

لہ اب برٹش گورمنٹ کا اقبال دیکھیئے کہ چاندی کی جگہ نکل کا سکّہ دھڑلّے سے چل رہا ہی۔ اور دھات تو دھات کاغذ کا یعنی نوٹ کس کثرت سے بلا غل وغش چل رہے ہیں کہ لا عین رأت و لا اذن سمعت۔ ۱۲

محافظت کے لیئے فصیل اسی کی بنوائی ہوئی ہی۔ لیکن اس نے شہر کو اجاڑا
تباہ اور برباد بھی کیا۔ اس نے بادشاہ ہوتے ہی اپنے باپ کے شہر تغلق آباد
کو ویران کیا۔ اس نے یہیں ایک **قلعہ** اور **قصر ہزار ستون** بھی
بنوایا تھا جو **عادل آباد** کہلاتا تھا۔ کیونکہ اس کا لقب **عادل شاہ** بھی
تھا۔ اس کے پہلے سال جلوس میں مغل شہر کے دروازے تک آن
پہنچے۔ اور شہر کے گرد ونواح کو لوٹ ڈالا۔ ان کی مدافعت کے لیئے
بادشاہ کے پاس فوج تو تھی نہیں۔ ہاں خزانہ بے حد وشمار تھا۔ بہت کچھ دے
دلا کر ان کو ٹالا ع۔ رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت ۱۳۲۸ء میں **سیری**
اور پرانی دہلی کی فصیلیں بنوائیں۔ اور اس حصار کے اندر جو آبادی تھی۔ اس کا
نام **جہاں پناہ** رکھا۔ اس اثنا میں لشکر بھی خاطر خواہ جمع کر لیا۔ اور چونکہ
طبیعت چلبلی اور بے چین واقع ہوئی تھی ملک **فارس** پر لشکرکشی کا ارادہ
کیا۔ لیکن یہ کچھ آسان کام نہ تھا۔ اس کی طیاری ہی اور فراہمی سامان ہی
کی ادھیڑ بن میں۔ اور اس امید پر کہ بہت سے ملکوں کو اگر فتح کر لوں گا۔ تو
سلطنت مالامال ہو جائے گی۔ سارا خزانہ ٹھکانے لگ گیا۔ فارس کی مہم کا
حال تو آپ سن چکے کہ المعنی فی بطن الشاعر ہی رہی۔ اب اس سے بھی
بڑھ کر بلند پروازی اور سنیئے کہ آپ نے **چین** کا ملک فتح کرنے کی دل میں
ٹھانی۔ جس سے اور بھی تباہی اور بربادی ہوئی۔ ایک لاکھ کا لشکر بھیج ہی دیا۔
ہمالیہ کے پہاڑوں کی خطرناک چڑھائی۔ درے اور گھاٹیاں برف اور پھر چینیوں
نے خوب خبر لی۔ اور جیسے گئے تھے۔ ویسے ہی پلٹنا پڑا۔ واپسی میں سارے
کا سارا لشکر صعوبت سفر۔ تکان۔ سردی۔ برف باری۔ طوفان اور بیماری
کی نذر ہوا۔ کہا جاتا ہی۔ کہ اسی ہزار جانیں ضایع ہوئیں۔ جن میں زیادہ تر سوار تھے

تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ } نے یہ مواخذۂ عقبیٰ اپنے سر لیا ہو۔ اور چونکہ وہ حضرت
سلطان المشائخ کی خدمت میں بڑی عقیدت رکھتا تھا اور آپ بھی مہربانی فرماتے تھے
اس پر سے لوگوں نے یہ غلط خیال کیا ہو کہ بکھیڑا کھوسٹے کے مل کو دتا ہی لیکن حضرت کی شان
ایسی حرکات میں صراحتہً یا کنایتہً شامل ہونے سے بہت ارفع و اعلیٰ ہی۔ ۱۲

کی وفات کے بعد بنوایا۔ مدت سلطنت اِس بادشاہ کی چار سال کچھ مہینے ہی

محمد بن تغلق ۱۳۲۵ء ۷۲۵ھ الغ خاں عرف جونا شاہ تغلق آباد سے دلی پہنچ کر تخت نشین ہوا اور **محمد بن تغلق** کا لقب لیا۔ لیکن لوگ اِس کو عموماً **خونی سلطان** کے نام سے جانتے ہیں۔ کیوں کہ اِس کے مظالم کی کوئی انتہا نہ تھی۔ ضیاء الدین برنی اور ابن بطوطہ دونوں نے لکھا ہی کہ "یہ بادشاہ شائستگی اور سنگ دلی دونوں سے مرکب تھا" مسٹر کین لکھتے ہیں کہ "یہ ایک مجموعہ تھا۔ اُن صفات کا جو اُس زمانے میں نادر تھیں۔ یعنی علوم کا جن میں مذہب کی چاشنی نہ تھی۔ تہذیب کا جو انسانیت سے معرّیٰ تھی"۔ یہ نہ صرف علم کا قدر دان تھا۔ بلکہ خود بھی ذی علم تھا۔ اُس نے کئی دار العلوم بنوائے اور بہت سی مشہور عمارتیں اِس کے عہد میں بنیں۔ بڑا سپہ سالار تھا۔ اپنے دوستوں علماء اور فضلاء سے بڑا عمدہ اور فیاضانہ سلوک کرتا تھا۔ اور اِس میں شک نہیں کہ اِس میں بہت سی عمدہ باتیں بھی تھیں۔ لیکن اکثر اوقات بالقصد سنگ دلی اور اِس قسم کی بے انصافی سے پیش آیا تھا کہ دونوں کو اِس کے صحیح الدماغ ہونے میں کلام تھا۔ اور اِس کی سلطنت کی ساری مدت رعایا کے لیئے ایک ناگفتہ بہ مصیبت تکلیف اور غضب الٰہی کا سامنا تھا۔ شہر دہلی کی

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ کے گاؤں جاگیر دیئے۔ باوجود اِس مہربانی کے شیخ کی رائے جو اُنھوں نے ابن بطوطہ سے بیان کی پچھلے مورخوں کے قیاس کے مقابلے میں زیادہ وزن دار ہی۔ اور اِس موقع پر زیادہ تر غور کے قابل یہ ہی۔ کہ الغ خاں خود کیسے پہلے ہی سے ٹل گیا۔ اور سب کے ساتھ کچلا نہ گیا۔ یہ بھی ممکن ہی کہ مکان مارا مار عجالتہً بنا تھا یا اور گیلا تھا۔ گر پڑا ہو۔ اور ایسے حوادث آئے دن ہوتے رہتے ہیں۔ غرض خیال دونوں طرف دوڑتا ہی۔ اور غیب کی باتیں خدا ہی بہتر جانتا ہی۔ شہر تغلق آباد کے بیان میں بھی ہم نے اِس سانحہ کا مفصل نوٹ دیا ہی۔ وہ ملاحظہ طلب ہی حضرت سلطان المشایخ جیسے مقدس بزرگ کی نسبت کبھی یہ گمان بھی نہیں کیا جا سکتا۔ کہ نعوذ باللہ وہ کسی کے قتل کی سازش میں شریک ہوں یا اُن کے ایما یا علم سے یہ فعل مذموم وقوع پذیر ہوا ہو۔ ہاں یہ بات دوسری ہی کہ جونا خاں

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

فرشتہ لکھتا ہے۔ کہ جونا شاہ کا اس میں کچھ دخل نہ تھا۔ یہ واقعہ ماہ ربیع الاول ۷۲۵ھ ۱۳۲۵ء کو ہوا۔ بعد وفات بادشاہ اپنے بنائے ہوئے شہر تغلق آباد میں محل کے پیچھے میں جہاں اُس نے اپنا گنبد پہلے سے تیار رکھا تھا۔ دفن ہوا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ گنبد الغ خاں عرف جونا شاہ نے اپنے باپ

تکملہ نوٹ صفحہ گذشتہ کہ قصر را موقوف ساختہ باشد چنانچہ مشہور در عوام است۔ یہی رائے ابوالفضل اور مصنف طبقات اکبری کی بھی ہے۔ لیکن ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ جونا خاں کے حکم سے محل بنایا گیا تھا فرشتہ نے اس بارے میں بحث کی ہے۔ وہ اس بات کو کہ مکان ارادتاً اس قسم کا بنایا تھا۔ کہ وہ گر پڑے تسلیم نہیں کرتا۔ اور حاجی محمد قندھاری نے اپنی تاریخ میں جو یہ لکھا ہے۔ کہ بجلی گرنے سے مکان گرا۔ اس بیان کو قرین قیاس سمجھتا ہے ضیاء برنی نے بھی یہی سبب لکھا ہے۔ لیکن ابن بطوطہ کہ راوی شیخ رکن الدین ملتانی ہیں جو اس موقع پر موجود تھے۔ اور اُن کے نزدیک اس مکان میں جو صرف تین دن میں عجیب بنایا گیا تھا۔ یہ بات رکھی گئی تھی۔ کہ جب ہاتھی اُس پر چڑھے۔ تو فوراً گر پڑے۔ صدر جہاں گجراتی نے اس صنعت کو ایک طلسم قرار دیا ہے۔ پچھلے سب مورخ ضیاء برنی پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ اُس نے محض فیروز شاہ کی خاطر سے جو اپنے چچازاد بھائی سلطان محمد تغلق کا بڑا مداح اور شکر گزار تھا اصل کیفیت بیان نہیں کی۔ اِس مکان کے انجینیر خواجہ آیاز کو وزیر اعظم بنا دیا۔ اور اپنی تمام زندگی میں اس کی قدر افزائی کرنے کو بھی ابن بطوطہ اور اس کے راوی نے بادشاہ کے خلاف ایک حجت قائم کی ہے۔ لیکن یہ بھی کوئی معقول وجہ نہیں۔ کیوں کہ اُس زمانے میں بادشاہ ایسے لوگوں کو کسی بہانے سے آگے پیچھے ضرور مروا دیا کرتے تھے۔ اگر بجلی کا واقعہ صحیح ہوتا۔ تو شیخ رکن الدین ابن بطوطہ سے ضرور ذکر کرتے۔ اور یہ بات ایسی نہیں تھی کہ لوگوں سے پوشیدہ رہ سکتی۔ سیر المتاخرین میں درج ہے شیخ رکن الدین ملتانی برائے ملاقات سلطان در آں قصر رفتہ بود و برمر وا ایستادہ برخاستہ سلطان استقبال می نمود آما سلطان تہم نہ کرد۔ چوں شیخ برخاست قصر بر سلطان فرود آمد۔ اس واقعہ کے بعد جونا شاہ کی مہربانی شیخ پر زیادہ ہوتی ہو گئی۔ چنانچہ اپنے باپ کا مقبرہ جو ملتان کے قلعہ میں ہے۔ اُس کو عنایت کیا۔ پھر ایک اور موقع پر سو

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

آن پڑے - غرض یہ کہ بادشاہ جب فروری ۱۳۲۵ء ۷۲۵ھ کو ڈھاکے سے واپس آرہا تھا یا یہ کہو کہ اُس کی قضا کھینچ کر لا رہی تھی - تو دہلی میں باقاعدہ طور پر داخل ہونے سے پہلے افغان پور میں چندے توقف کیا - بادشاہ اور اُس کا چھوٹا بیٹا اور چند امرا جو ساتھ تھے - سب بیٹھے ہوئے تھے - کہ ہاتھی سامنے لائے گئے - خدا جانے کیا ہوا کیا نہ ہوا - کہ یکایک عمارت آن پڑی اور سب کچل کر مر گئے - بعض کہتے ہیں - کہ یہ بات نہیں بلکہ بجلی گرنے کے صدمے سے یہ سانحہ ہوا - ابن بطوطہ اِس میں جوناشاہ کی سازش بتلاتا ہے - برخلاف اِس کے

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ ہو گئی اُنھوں نے جرأت کر کے حملہ کیا - اور محاصرین کو واپس ہونا پڑا - لیکن ۱۳۲۳ء میں پھر ورنگل پر چڑھائی کی - اور فتح کیا - راجہ پرتاپ رُدّر کو پکڑ کر جونا خاں دِلّی لے گیا - اُس کا بیٹا شنکر تھوڑے سے علاقہ پر حاکم رہا - اُس نے ۱۳۴۴ء میں دوارسمدرا اور بیجانگر (جس کی تاریخ ہم نے جداگانہ لکھی ہے) کے راجاؤں کے ساتھ سازش کر کے مسلمانوں کو ورنگل سے نکال دیا - لیکن ۱۳۵۸ء میں محمد شاہ بہمنی نے پھر راجہ کو دق کرنا شروع کیا - اور آخر ۱۴۲۴ء میں احمد شاہ بہمنی نے یہ کل علاقہ فتح کر لیا - اور ورنگل کے گنپتی خاندان کا خاتمہ کر دیا - فرشتہ اور بداؤنی دونوں متفق ہیں کہ شیخ زادہ دمشقی اور عبید زاگانی شاعر تھے جو اُن دنوں ہندوستان میں آ کر جونا خاں کے مصاحب بنے ہوئے تھے - ڈاک چوکی بند ہو جانے کے سبب سے فقط شوخی سے یہ افواہ اڑا دی تھی - اور اُس کے ساتھ امیروں کو بھی بہکا دیا - کہ جونا خاں تم سے ناراض ہے - اِس سے معلوم ہوتا ہے - کہ جونا خاں کی اِس میں کچھ سازش نہ تھی - فرشتہ لکھتا ہے کہ اُس نے عبید اور شیخ زادہ دمشقی کو پکڑ کر بادشاہ کے پاس بھیج دیا - اور وہاں بادشاہ نے اُن دونوں کو زندہ در گور کر دیا - بداؤنی لکھتا ہے - کہ بادشاہ نے اُن کو ہاتھیوں کے پیروں تلے رندوا دیا - برنی راوی ہے - کہ بادشاہ نے اُن کی زندہ کھال کھچوا لی - ۱۲

نوٹ متعلق صفحہ ہذا - سلہ کیا جونا خاں نے اپنے باپ کے قتل کی سازش کی تھی اِس کا صحیح صحیح فیصلہ آج کون کر سکتا ہے - جب کہ اُس زمانے میں بھی یہ امر مختلف فیہ تھا بداؤنی لکھتا ہے " از ساختن این چنیں قصرے کہ ہیچ ضرور نبود بوے آں می آمد کہ الغ خاں

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

شہر کی ساپڑ رہی تھی اُدھر اپنے بیٹے جوناشاہ کو ایک لشکر دے کر دکن کی مہم پر روانہ کیا - مگر وہاں جھوٹ موٹ لوگوں نے بادشاہ کے مرنے کی خبر اڑا دی اور وہ بھی اِس شد ومد اور وثوق سے کہ بعض لوگوں نے کہا کہ اجی ہم خود تجہیز و تکفین میں شریک تھے - اس خبر سے لشکر بد دل ہو کر پراگندہ ہو گیا - اور مہم میں کامیابی نہ ہوئی - جن لوگوں نے یہ خبر پھیلائی تھی وہ پکڑ کر دلی بھیجے گئے - معمرؔوس بادشاہ کو ایسی بے سر و پا خبر اُڑانا بہت ناگوار ہوا اور اُس نے جل کر ایسے بدخواہوں کو زندہ گڑوا دیا - ۱۳۲۳ء میں خود بادشاہ نے بنگال پر فوج کشی کی - اور یہاں دلی میں جوناشاہ کو سلطنت کا کاروبار چلانے کو چھوڑ گیا - اس نے کہتے ہیں کہ حضرت نظام الدین اولیا کی تائید کے بھروسے پر بادشاہ کے مروا ڈالنے کے لیئے یہ تدبیر نکالی کہ بنگالے سے واپسی کے وقت دہلی کے قریب افغان پور میں بادشاہ کے ٹھیرنے کے لیئے - ایک عارضی محل اس ترکیب کا بنوایا کہ ذرا سی ٹھیس لگتے ہی دھڑام سے

(تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ) میں عجیب معلوم ہو لیکن اُس وقت میں کہ دولت پھٹی پڑتی تھی اور سب نئے طرز اور صنعت کے مکانات بنانے کا شوق تھا - اور ہر بادشاہ چاہتا تھا - کہ اُس کے وقت کی عمارت پہلے زمانے کی عمارتوں سے بڑھ جائے - یہ امر بالکل یقینی تھا - چنانچہ ڈو منگو پیس کے وقائع (۱۳۲۲ء) میں جو ہماری تاریخ بیجانگر کا ضمیمۂ اول ہے لکھا ہے کہ راجۂ بیجانگر نے بھی سونے کا محل بنوایا تھا جس کے باہر جواہرات جڑے ہوئے تھے اور صنعت یہ رکھی تھی کہ وہ آفتاب کے ساتھ ساتھ رخ بدلتا تھا - اور میر خیند کمرے بالکل ہاتھی دانت کے تھے - چھت سے لے کر زمین تک اور تمام دیواریں حتیٰ کہ کڑیاں بھی ہاتھی دانت کی تھیں - جن میں نہایت خوب صورت پھول تراشے گئے تھے - اور ایسی صناعی کی گئی تھی کہ اس سے بہتر ہونا ناممکن ہے - ۱۲

نوٹ متعلق صفحۂ ہذا - سلہ ۱۳۲۱ء میں غیاث الدین تغلق نے اپنے بیٹے جونا خاں کو جس کا خطاب الغ خاں تھا - ورنگل فتح کرنے کے لیئے بھیجا تھا - ورنگل پر ہم ایک مفصل نوٹ دے آئے ہیں - ورنگل فتح ہونے کو تھا کہ کسی نے یہ افواہ اڑا دی کہ بادشاہ مرگیا - اس سبب سے کئی افسر فوج کے بھاگ آئے - قلعہ والوں کو بھی خبر

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

خاندان تغلق

۱۳۲۰ - ۱۴۱۴ء

اِس خاندان میں چھوٹے موٹے ملا کر کُل آٹھ بادشاہ ہوئے۔ جن میں سے دو بہت مشہور ہیں۔ ایک اپنی بُرائیوں کی وجہ سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور دوسرے نے اپنی نیکیوں اور حُسن تدبیر کی وجہ سے لازوال شہرت پائی ہے۔ بدنامی کا داغ محمد تغلق کے ماتھے پر ہے۔ جو اس خاندان کا دوسرا بادشاہ تھا اور نیک نامی اور سُرخ روئی کا سہرا۔ فیروز شاہ تغلق کے سر ہے۔ جو اس خاندان کا تیسرا بادشاہ ہوا ہے۔

غیاث الدین تغلق ۱۳۲۰ [illegible]

غیاث الدین تغلق تھا تو یہ بھی غلام ہی اور علاء الدین کے زمانے میں خراسان سے دِلی لایا گیا تھا۔ اِس کا باپ ترک اور ماں جاٹنی تھی۔ یہ بھی ا[illegible] ذاتی جوہر اور قابلیت کی وجہ سے بڑھتے بڑھتے ایک عمدہ جرنیل اور صوبۂ دیپال پور اور لاہور کا گورنر ہو گیا تھا۔ یہ بڑا مدبر اور قابل پالٹیشن تھا۔ اُس نے اپنی چہار سالہ مختصر سلطنت کے زمانے میں بہت کچھ انتظام بھلا یا۔ اپنی ذات سے ہر کام پر توجہ کرتا تھا۔ اور انصاف رسانی میں بڑی کوشش کرتا تھا۔ اِس تھوڑے ہی سے زمانے میں اِس کی قابلیت اور بیدار مغزی کا شہرہ ہو گیا۔ بنگالہ اور مشرقی بنگالے میں امراء خود مختار ہو گئے تھے۔ اُن کو زیر کیا۔ اِس بادشاہ نے تخت پر بیٹھتے ہی اپنے نام کا ایک نیا شہر **تغلق آباد** بنانا شروع کیا۔ اِدھر اس شہر تغلق آباد میں بادشاہ کے خزائن اور محلات تھے۔ اُس نے ایک بڑا محل ایسا طیار کرایا تھا۔ کہ اُس کی اینٹوں پر سونا چڑھا ہوا تھا۔ جس وقت آفتاب عالم تاب طلوع ہوتا تھا۔ تو اُس کی دمک سے کوئی شخص محل کی طرف نظر نہیں جا سکتا تھا۔ اِس بادشاہ نے بہت سا سامان جمع کیا تھا۔ کہتے ہیں کہ ایک حوض بنوا کر سونا پگھلا کر بھروا دیا تھا۔ جو جم کر ڈھیم کا ڈھیم ہو گیا تھا۔ اِس کے بیٹے نے وہ تمام سونا صرف کیا۔ یہ بات گو اِس زمانے

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

سلاطین خلجی

جلال الدین فیروزساہ — سنہ ۱۲۹۰ء
قحط — سنہ ۱۲۹۱ء
ایلیچپور کی فتح — سنہ ۱۲۹۴ء
رکن الدین ابراہیم اول — سنہ ۱۲۹۵ء
علاءالدین محمدشاہ ثانی — سنہ ۱۲۹۵ء
مغلوں کا قتل — سنہ ۱۲۹۷ء
ملک کافور کے دکن کے حملے — سنہ ۱۳۰۲-۱۱ء
مغلوں کی یورش — سنہ ۱۳۰۳ء
شہاب الدین عمر — سنہ ۱۳۱۶ء
قطب الدین مبارکشاہ — سنہ ۱۳۱۶ء
ہرپال دیو کی بربادی — سنہ ۱۳۱۸ء
ناصرالدین ملک خسرو (غاصب) — سنہ ۱۳۲ء

تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ سے اُسے تخت مبارک یا اور جس کو تم لوگ مناسب سمجھو۔ بادشاہ بناؤ میں سب کا تابعدار رہوں۔ سب نے بالاتفاق کہا کہ دونوں بادشاہوں کی اولاد میں سے کوئی باقی نہیں رہا ہی۔ اور تم نے اتنا بڑا کام کیا کہ دشمنوں سے بدلا لیا۔ تم سے بڑھ کر کون بادشاہت کا اہل ہی۔ یہ کہہ کر غازی ملک کو سلطان غیاث الدین کا خطاب دے کر تخت پر بٹھلا دیا۔ ۱۲

بازار میں آیا اور وہ انگوٹھی دکھائی تو لوگوں کو شبہ ہوا۔ ایک غریب آدمی کے پاس ایسی انگوٹھی کہاں سے آئی۔ اُسے پکڑ کر کوتوال شہر کے پاس لے گئے۔ کوتوال اُسے تغلق کے پاس لے گیا۔ اُس نے دیکھتے ہی پہچان لیا کہ ہو نہ ہو یہ انگوٹھی خسرو خاں کی ہو۔ تغلق نے اُس کے ساتھ اپنے بیٹے جونا خاں کو بھیجا کہ خسرو کو پکڑ لائے۔ جونا خاں باغبان کے ساتھ گیا اور خسرو خاں کو گرفتار کر لیا۔ اور ایک ٹٹو پر سوار کر کے بادشاہ (تغلق) کے سامنے لایا۔ جب وہ بادشاہ کے سامنے آکھڑا ہوا۔ تو کہا کہ میں تین دن کا بھوکا ہوں۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ شربت اور خاصہ حاضر کیا جائے۔ بادشاہ نے اُسے کھانا کھلوایا اور نبیذ پلائی۔ اور پان دیا۔ خسرو خاں جب شکم سیر ہو گیا۔ تو تغلق سے کہا "اے تغلق! مجھے رسوا نہ کر اور میرے ساتھ شاہانہ سلوک کر" تغلق نے کہا "بسر و چشم" اور حکم دیا کہ اُسی جگہ جہاں اِس نے قطب الدین کو قتل کیا تھا۔ لے جا کر اس کا بھی سر اُڑا دو۔ اور اس کے سر اور نعش کو محل کی چھت پر سے نیچے پھینک دو جیسا کہ اِس نے قطب الدین کے ساتھ کیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ تغلق کے بیٹے جونا خاں نے اُس کا سر بھٹے کی طرح تلوار سے اڑا دیا۔ اُس کے بعد بادشاہ نے حکم دیا کہ غسل دے کر کفن دو اور اُسی کے مقبرے میں دفن کر دو۔ خسرو خاں کی مدت سلطنت کُل پانچ مہینے چند روز رہی خسرو خاں کے قتل کی خبر سن کر سارے شہر میں ایک دل بھی ایسا نہ تھا۔ جو ذرا بھی کڑھا ہو۔

اب معلوم ہوا کہ خسرو خاں نے خلجی خاندان کی زیخ مار دی اور کوئی متنفس خاندان کا نام لیوا باقی نہ رہا۔ تو بادشاہت خاندان خلجیہ سے خاندان تغلق میں منتقل ہو گئی۔ اور اِس طرح خلجیوں کا خاتمہ اور ۷۲۱ھ ۱۳۲۰ء سے خاندان تغلق کا آغاز ہوا۔

سلہ تاریخ فرشتہ کی رو سے خسرو خاں دوسرے ہی دن گرفتار ہوا۔ اور پہلے اُسے قتل کیا بعد تغلق شہر میں داخل ہوا۔ اور قصر ہزار ستوں میں پہنچ کر پہلے رسم تعزیت سلطان قطب الدین وغیرہ کی ادا کی اور کہا کہ میں بھی تمہارے ساتھ ہوں اور شکر خدا کا کہ میں نے اپنے ولی نعمت کا بدلہ لیا۔ اگر کوئی بادشاہ کی نسل میں سے باقی بچ رہا ہے۔ تو لاؤ اور شوق

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

ہمراہیوں کو لے کر اُن پر جا پڑا۔ ہندوستان میں بادشاہ کی جگہ چبوترے پہچانی جاتی ہے۔ جب تغلق بادشاہ پہ جا پڑا تو بڑی سخت لڑائی ہوئی اور بڑھتے بڑھتے شہر کی فصیل تک آن پونہچا۔ بادشاہ کی طرف کا لشکر بھی حوض رانی کے میدان میں جمع تھا۔ اُن بہادروں کے سامنے کیا ٹک سکتے تھے۔ میدان چھوڑ چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ بادشاہ نے چار سیک بیں دو گوشت تنہا رہ گیا۔ سے

صد یار بود ساں شکے نیست   چوں کار فتد کساں سیکے نیست

بادشاہ گھوڑے پر سے اُتر پڑا۔ کپڑے اور ہتیار اُتار کر پھینک دیئے اور سر کے بال فقیروں کی طرح چھوڑ تن تنہا تلپت (متھرا کی سڑک پر دہلی کے قریب ایک گاؤں ہے) کی طرف بھاگا۔ اور ایک باغ میں جا چھپا۔ لوگ تغلق کے پاس جمع ہوگئے۔ یکم شعبان ۷۲۱ھ کو شہر میں داخل ہوا۔ کوتوال شہر نے کنجیاں اُس کے سپرد کر دیں۔ تخت پر بیٹھ کر بیعت لینی شروع کی۔ سب خاص و عام نے اُس کی بیعت کی۔

خسرو خاں تین دن تک برابر باغ میں چھپا رہا۔ تیسرے دن بھوک سے بے قرار ہوا۔ اور باہر نکلا تو باغبان نے اُس کو دیکھ لیا۔ اُس نے باغبان سے کھانے کو مانگا۔ اُس کے پاس کھانے کی کوئی چیز نہ تھی۔ خسرو نے اپنی انگوٹھی نکال کر دی۔ اور کہا کہ اسے بیچ کر کچھ کھانے کو لا دے باغبان سلہ بداؤنی کی تحریر کے موافق خسرو خاں ملک شادی کے مقبرے میں جا چھپا تھا اور وہاں سے پکڑا گیا۔ اور باغ میں سے اُس کا بھائی خان خاناں گرفتار ہوا تھا۔

خسرو خاں اور ملک غازی تغلق کی لڑائی مدینہ کے موضع کے قریب ہوئی تھی سیر المتاخرین میں یہ مقام درج ہے۔ معلوم نہیں کہ یہ گاؤں کہاں تھا۔ ایک گاؤں اس نام کا جھجر اور رہتک کی سڑک پر واقع ہے۔ اور اگر دہلی کے قریب کوئی اور گاؤں اِس نام کا نہیں تو اغلباً اسی مقام پر یہ لڑائی ہوئی ہوگی۔ کیونکہ وہ بھی ملک غازی تغلق کے رستے پر واقع تھا۔ ۱۲

لکھا کہ جس طرح ہو سکے کشلو خاں کے بیٹے کو ساتھ لے کر دہلی سے نکل آؤ۔ ملک جونا اسی فکر میں تھا۔ کہ کیا بات بنایئے جو یہاں سے نجات پایئے۔ کہ اتفاق سے ایک موقع مل گیا کہ خسرو نے ایک دن یہ کہا کہ گھوڑے بہت موٹے ہو گئے ہیں۔ بدن ڈالتے چلے جاتے ہیں۔ تم ان سے محنت لو۔ چنانچہ ہر روز ملک جونا گھوڑے پھیرنے جایا کرتا تھا۔ کبھی ایک گھنٹے میں واپس آتا کبھی دو چار گھنٹوں میں۔ ایک روز وہ دوپہر تک واپس نہ آیا۔ کھانے کا وقت آگیا۔ بادشاہ نے سواروں کو حکم دیا کہ اس کی خبر لائیں۔ انھوں نے واپس آکر خبر دی کہ ہرچند چوطرف تلاش کیا۔ مگر کہیں پتہ نہیں ملا۔ معلوم ہوا۔ کہ وہ اپنے باپ کے پاس بھاگ گیا۔ اور اسی کے ساتھ کشلو خاں کا بیٹا بھی چلا گیا۔ تغلق نے بیٹے کے پہنچتے ہی بغاوت کا اعلان کر دیا اور کشلو خاں کی مدد سے لشکر کی فراہمی شروع کی۔ بادشاہ نے اپنے بھائی خان خاناں کو ان کے مقابلے پر روانہ کیا۔ مگر وہ شکست کھا کر واپس ہوا۔ اور اس کے ہمراہی مارے گئے۔ اور خزانہ اور اسباب تغلق کے ہاتھ لگا۔ اب تغلق دہلی کی طرف بڑھنے لگا۔ اور موضع آسیاباد (ہوا کی چکی) میں خیمہ زن ہوا۔ اس نے دل کھول کر خزانہ لٹایا۔ لشکر کے لوگوں کو تھیلیاں کی تھیلیاں روپیوں کی بخش دیں۔ ہندوؤں نے جو خسرو خاں کے لشکر میں تھے۔ بڑی جرأت سے مقابلہ کیا چنانچہ تغلق کے پیر اکھڑ گئے۔ اور اس کا ڈیرہ لٹ گیا۔ تغلق نے اپنے تین سو جاں باز ہمراہیوں کو جمع کیا اور کہا کہ اب بھاگنے کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ جب کہ خسرو کا لشکر لوٹ میں مشغول تھا۔ اور اس کے پاس تھوڑے سے آدمی رہ گئے تھے۔ تغلق اپنے

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ کہ میں نے بادشاہ تغلق کی نسب کی بابت لاہور اور دوسرے شہروں میں بھی ہرچند تلاش کی مگر کچھ پتہ نہ لگا۔ نوادر المعانی میں تغلق اور قتلغ کے معنے اوسط یا میانہ کے لکھے ہیں۔ قتلغ کے یہ معنے درست ہوں گے کیوں کہ الغ خاں اور اکت خاں کے علاوہ بعض امیر قتلغ خاں خطاب کے بھی درج ہیں۔ لیکن تغلق کوئی مستقل دوسرا لفظ معلوم ہوتا ہے۔ ۱۲

اپنی فوج مغلوں کے مقابلے کے لیئے ہمیشہ طیار رکھتا تھا۔ اُس کے پاس تین سو سپاہی تھے۔ جن پر اُس کو کامل بھروسہ تھا۔ اُس نے **کشلو خاں** کو لکھا۔ جو اُن دنوں۔ **ملتان** کا حاکم تھا۔ کہ تم میری مدد کرو۔ اور اپنے ولی نعمت کے خون کا بدلہ لو۔ کشلو خاں نے جواب دیا کہ میرا بیٹا (ملک ایبہ) خسرو خاں کے پاس نہ ہوتا تو میں بے شک تمہاری مدد کرتا۔ ملک غازی یعنی غیاث الدین تغلق نے اپنے بیٹے **فخر الدین جونا خاں** کو اپنے ارادے سے مطلع کیا اور

تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ) میں گیا اور لاہور کو فتح کرکے وہاں بیٹھ گیا۔ اور مغلوں سے لڑتا رہا۔ ابن بطوطہ لکھتا ہے۔ کہ اُس نے لاہور کی مسجد میں یہ کتبہ دیکھا کہ اُس نے اُنتیس دفعہ تاتاروں سے لڑکر اُن کو شکست دی۔ اِس لیئے غازی کا خطاب حاصل کیا۔ تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ پہلے تو قرونہ کا طومان (دس ہزار آدمی) مغلوں کے لشکر کے ساتھ ہوتا تھا۔ لیکن بعد میں انھوں نے لوٹ مار اپنا پیشہ کرلیا۔ کہتے ہیں کہ اصل میں یہ قوم چین کے شمال میں قردن جیدن یا جیلن ایک پہاڑ ہے۔ وہاں رہتی تھی۔ کرنل یُول کہتے ہیں کہ مارکو پولو نے جو وجہ تسمیہ بتائی ہے وہ غلط ہے۔ لیکن خلاصۃ التواریخ کا مصنف لکھتا ہے "پرسلطان ترک زاد باسم تغلق از غلامان سلطان غیاث الدین بلبن و مادر او از قوم جٹ پنجاب بود" اِس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرونہ کے لفظ سے دوغلا مراد ہے۔ پس مارکو پولو نے جو قرونہ کی وجہ تسمیہ لکھی ہے وہ صحیح ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہے کہ تغلق اِس بادشاہ کی قوم کا نام نہ تھا بلکہ اس کے باپ کا نام تھا۔ شمس سراج عفیف نے تاریخ فیروزشاہی میں لکھا ہے۔ کہ وہ تغلق شاہ کے حسب نسب کا حال کتاب مناقب سلطان تغلق میں لکھ چکا ہے۔ اور افسوس یہ ہے کہ وہ کتاب ملتی نہیں۔ سکوں پر "السلطان الغازی غیاث الدنیا والدین ابو المظفر تغلق شاہ السلطان ناصر امیر المومنین" درج ہے۔ اور اِس کے بیٹے کے سکّے پر "المجاہد فی سبیل اللہ محمد بن تغلق شاہ" یا "الراجی رحمۃ اللہ محمد تغلق شاہ" درج ہے۔ اِس سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ تغلق قوم کا نام نہیں تھا یا تو خود غیاث الدین کا نام ہو یا اُس کے باپ کا۔ تغلق کے لفظی معنے ترکی میں پہاڑی کے ہیں۔ اور وہ پشتو کے لفظ رُہیلہ کا مرادف ہے۔ فرشتہ لکھتا ہے۔ کہ

(بقیہ نوٹ برصفحہ آیندہ)

ناصر الدین ملک خسرو ۱۳۲۰ء

خسرو خاں تخت پر بیٹھا اور ناصر الدین ملک خسرو کا خطاب لیا۔ صبح ہوتے ہی اُس نے دارالخلافہ کے باہر تمام امیروں کے نام پروانے بھیجے اور گراں بہا خلعت بھی روانہ کیے۔ سب نے اُس کی اطاعت منظور کر لی لیکن **تغلق** نے جو **دیپال پور** (ضلع منٹگمری) کا حاکم تھا۔ اُس کا خلعت پھینک دیا اور اُس کے اوپر بیٹھ گیا۔ اُس پر خسرو نے اپنے بھائی خان خاناں کو بھیجا۔ مگر تغلق نے اس کو شکست دی۔ چوں کہ ہندو نژاد تھا۔ بمصداق کلُّ شیءٍ یرجع الیٰ اصلہ آپ کو یہ دُھن سمائی کہ جس طرح ہو سکے ہندوؤں کو تقویت دی جائے چنانچہ بادشاہ ہونے کی دیر تھی۔ کہ ہندوؤں کو بڑے بڑے عہدے دینے شروع کیے۔ اور حکم دیا کہ تمام ملک میں کوئی گائے ذبح نہ کی جائے اور اگر کوئی اِس حکم کی خلاف ورزی کرتا تو اُس کو عجیب و غریب سزا دی جاتی تھی۔ کہ گائے کی کھال میں سلوا کر جلوا دیتے تھے۔ اہل ہنود گائے کی نہایت تعظیم کرتے ہیں۔ اور ثواب کے علاوہ دوا کے لیے بھی اُس کا پیشاب استعمال کرتے ہیں۔ اور اُس کے گوبر سے اپنے گھر اور دیواریں لیپتے ہیں۔ خسرو خاں چاہتا تھا۔ کہ مسلمان بھی ایسا ہی کریں۔ اِس لیے لوگ اُس سے متنفر ہو گئے۔ اور ایک ایسا طوفان بے تمیزی برپا ہوا۔ کہ سارے کے سارے ارکان سلطنت اور امرا تاب نہ لا کر ایک دم اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ان سب نے صلاح کر کے **پنجاب** کے **گورنر غازی بیگ** یا غازی خاں یا غازی ملک جس نے بادشاہ ہوتے وقت غیاث الدین کا خطاب لیا) **تغلق**[1] کو بلوایا کہ کسی طرح اس بلائے بے درماں سے چھٹکارا ملے۔ وہ

[1] تغلق قوم کا قرونہ ترک تھا۔ مارکو پولو نے لکھا ہے کہ قرونہ اُن لوگوں کو کہتے ہیں جن کے باپ تاتاری اور ماں ہندی ہو (یہ لوگ ترکستان اور ہند کے بیچ کے پہاڑوں میں رہتے ہیں) اِن لوگوں کا پیشہ لوٹ اور قزاقی ہے۔ جہاں اِن کا لشکر چلا جاتا ہے۔ اُس ملک کو بے چراغ کر دیتے ہیں۔ اِن کا سردار نکودار ہے۔ جو چغتائی کا بھتیجا ہے۔ یہ شخص اپنے چچا کے پاس سے بھاگ کر اور قرونہ کے لشکر کو لے کر بدخشاں کے رستے کشمیر

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

فوراً جھپٹ کر پیچھے سے بادشاہ کے سینے پکڑ کر گھسیٹا۔ بادشاہ زبردست تھا۔ خسرو خان کو دبا بیٹھا۔ اتنے میں خسرو خاں کے لوگ آن پہنچے اور جاہر بیگ نے ایک ضرب تلوار کی ایسی ماری کہ بادشاہ کا کام وہیں تمام ہوگیا پھر اُس کا سر کاٹ کر قصر ہزار ستون کے کوٹھے پر سے نیچے پھینک دیا

س ہنگاں عدارچوں پیل مست — بداں بیلیق برکشادند دست
روندستش بیکے زخم پہلوگداز — کز ارجوں زمیں گشت چوں لالہ زار

لوگ یہ ماجرا دیکھ کر سر پر پیر رکھ کر بھاگے۔ حسام الدین برادر خسرو خاں اور جاہر بیگ اور چند ہندو حرم سرائے شاہی میں گھس پڑے۔ فرید خاں کی ماں حرم بادشاہ علاء الدین کو قتل کیا۔ اور بادشاہ کے بیٹوں۔ فرید خاں علی خاں اور عمر خاں۔ سب کو تہ تیغ کر کے محل میں جیسا چاہا کیا۔ یہ افسوسناک واقعہ ۵ ربیع الاول ۷۲۱ھ کی شب میں ہوا۔ خسرو خاں نے اُسی وقت امیروں اور افسروں کو بلا بھیجا اُن کو معلوم نہ تھا کہ کیا سے کیا ہوگیا۔ وہ جو آئے تو خسرو خاں کو تخت پر بیٹھا ہوا دیکھا۔ اُن سب نے ڈر کے مارے اُس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ خسرو خاں نے سب کو روک رکھا۔ اور صبح تک جانے نہ دیا۔ صبح ہوتے ہی اُس نے اپنی بادشاہت کا اعلان کرا دیا۔ س

چو از سروں جائے گردد تہی — نگیرد گیا جائے سرو سہی

اس کی مدت سلطنت چار سال چار ماہ تھی۔ شہر دہلی کی فصیلوں کی درستی جو اس کے باپ کے عہد میں شروع ہوئی تھی۔ اِس کے وقت میں تکمیل کو پہنچی اور کوئی یادگار اِس کے عہد کی نہیں ہے۔ نہ اس کا کوئی جداگانہ مقبرہ ہے۔ بلکہ اپنے باپ کے مقبرے ہی میں دفن ہوا ہے۔

{تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ} ہم دل شکایت کرتے ہیں کہ میں اُن سے کبھی نہیں ملتا بادشاہ نے کہا کیا مضائقہ ہے۔ تم رات کو اپنے دوستوں کو یہیں ملا لیا کرو چنانچہ چھوٹے دروازے کی کنجی اُس کو دے دی وہ اِس بہانے سے اپنی اور بادشاہ کی دل لگی کے لیئے بہت سے بدمعاش اور اوباش لوگوں کو رات کے وقت بلا لیا کرتا تھا۔ ۱۲

یہ دستور تھا کہ جب کوئی ہندو مسلمان ہونا چاہتا تھا۔ تو وہ پہلے بادشاہ
کے سلام کو حاضر ہوتا تھا۔ بادشاہ کی طرف سے اُس کو خلعت اور سونے
کے کنگن انعام میں ملتے تھے۔ بادشاہ نے کہا اُن کو اندر لے آؤ۔ خسرو
نے کہا کہ دن کو تو وہ اپنی ذات برادری کی شرم سے حاضر نہیں ہو سکتے
اِس لیئے رات کو آنا چاہتے ہیں۔ بادشاہ کو قضا نے اندھا کر رکھا تھا۔ کہا
کہ اچھا رات ہی کو لے آؤ۔ خسرو نے اچھے اچھے بہادروں کو چنا جن میں
اُس کا بھائی خان خاناں بھی تھا۔ موسم گرمی کا تھا۔ بادشاہ سب سے
اونچی چھت پر تھا۔ اور اُس وقت اُس کے پاس سوائے چند غلاموں
کے اور کوئی نہ تھا۔ جب چاروں دروازوں کے اندر چلے آئے۔ اور پانچویں
دروازے پر پہونچے تو اُن کو مسلح دیکھ کر قاضی خاں کا ماتھا ٹھنکا۔ اُس نے
اُن کو روکا اور کہا۔ اخوند عالم کی اجازت لے آؤں۔ اُن لوگوں نے ہجوم
کر کے قاضی خاں کو مار ڈالا۔ غل جو ہوا تو بادشاہ نے پوچھا کیا ہے۔ خسرو ملک
دیکھنے کو لب بام آیا اور دیکھ کر اُلٹے پاؤں پلٹا اور بادشاہ سے عرض کی
کہ کچھ بھی نہیں۔ نوبت کے گھوڑے جو قصر ہزار ستون میں لائے گئے تھے۔ جلو
داروں کے ہاتھ سے چھوٹ گئے ہیں۔ لوگ اُن کی پکڑ دھکڑ میں لگے
ہیں۔ اِس اثناء میں بہاہر اور خسرو خاں کے اور دو بھائی کوٹھے پر چڑھ
آئے اور آتے آتے ابراہیم اور اسحاق دربانوں کو ٹھنڈا
کر دیا۔ اب بالکل بلوے کی آواز قریب آ گئی۔ تو بادشاہ سمجھا کہ ضرور دال
میں کچھ کالا ہے۔ گھبرا کر محل کے اندر جانا چاہا دیکھا تو دروازہ بند۔ خسرو خاں
نے دیکھا کہ شکار نکلا جاتا ہے۔ اگر محل میں گھس گیا تو کی کرائی سب محنت برباد جائے گی

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ کے واسطے بھیجا تو امیروں کو اُس کی سرداری شاق
گزرتی تھی۔ اور اس وجہ سے خسرو خاں خود خائف رہتا تھا۔ اُس نے بادشاہ سے
عرض کی کہ مجھے اجازت ہو تو میں اپنی قوم کے کچھ آدمی بلا لوں کہ میری جان کا
مجھے اندیشہ ہے۔ اِس بہانے سے اُس نے چالیس ہزار گجراتی لشکر میں بھرتی کر لیئے
پھر ایک روز بادشاہ سے کہا کہ میں۔ رات کو اکثر حضوری میں حاضر رہتا ہوں میرے
(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

سکے مقبرے میں دفن کیا۔ اور اسی سفاکی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ خضر خاں کی چہیتی بیوی دیول دیوی کو جبراً اپنے محل میں ڈال لیا بادشاہ کا استاد قاضی خاں صدر جہاں تھا۔ ایک ہزار آدمی اُس کے ماتحت تھے۔ ہر رات کو ڈھائی ڈھائی سو آدمی پہرے پر رہتے تھے۔ باہر کے دروازے سے اندر کے دروازے تک دورویہ صف باندھے مسلح کھڑے رہتے تھے۔ چنانچہ جب کوئی شخص محل کے اندر داخل ہوتا تھا۔ تو اُس کو ان صفوں میں سے گزرنا پڑتا تھا۔ ان لوگوں کو **نوبت والے** کہتے تھے۔ اُن پر امرا اور مقتی ہوتے تھے جو گشت لگاتے پھرتے تھے۔ اور حاضری لیا کرتے تھے۔ تاکہ کوئی غیر حاضر نہ ہو جائے۔ رات والے جب پہرہ دے چکتے تھے تو پھیروں کے پہرے والوں کی باری آتی تھی۔ قاضی خاں کو ملک خسرو کی حرکات ناشائستہ کی وجہ سے بڑی نفرت تھی اور چونکہ خسرو دراصل ہندو تھا۔ وہ ہندوؤں کی بڑی طرفداری کرتا تھا۔ یہ وجہ بھی قاضی خاں سے ان بن کی تھی۔ قاضی خان ہر موقع پر بادشاہ سے عرض معروض کیا کرتا تھا۔ کہ دیکھیے اس سے ہوشیار رہیے لیکن بادشاہ کبھی بھی متوجہ نہ ہوتا۔ ہر بار ٹال جاتا اور کہتا تو یہ کہتا کہ ان باتوں کا ذکر زبان پر نہ لاؤ۔ کیونکہ حکم قضا و قدر یہ تھا کہ بادشاہ کی موت اُس کے ہاتھ سے ہونی تھی۔ اُسے کون ٹال سکتا تھا۔ اس لیئے وہ مطلق پروا نہ کرتا تھا۔ تقدیر کے سامنے کوئی تدبیر نہیں چلتی ایک روز خسرو خاں نے بادشاہ سے کہا کہ بعض ہندو مسلمان ہونا چاہتے ہیں۔ اُس وقت میں

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ: دیول دیوی منکوحۂ خضر خاں را داخل حرم ساخت، ضیاء الدین برنی نے اس شخص کا نام شادی کتہ سردار سلاحداران لکھا ہے۔ اور امیر خسرو نے سر سلاحی کا لفظ اسی کی جگہ استعمال کیا ہے بادی النظر میں جو دو واقعات لکھے ہیں وہ دراصل ایک ہی واقعہ ہے ابن بطوطہ نے اس شخص کا نام ملک شاہ لکھا ہے۔

نوٹ متعلق صفحہ ہذا سطر ۵ مولانا ضیاء الدین بن مولانا شہاب الدین کو خطاطی کا کمال تھا اُس نے بادشاہ کو خوش نویسی سکھائی تھی۔ چنانچہ فرشتہ لکھتا ہے "قاضی خان کہ بوفور علم و عمل باتصاف داشت و او را از خط بادشاہی تعلیم ست و بادشاہ کلید ہائے صدارہ حرم و سیردن مرد سپردہ بود دل از ناموس دھاں جو بادشاہ بہ صورت بادشاہ رفت و گفت اے بادشاہ خسرو خاں قصد غدر دارد" ۱۲ سطر ۱۵ سوا اس بطوطہ کے اور کسی مورخ نے یہ وجہ بیان نہیں کی بلکہ اصل میں یہ وجہ تھی کہ خسرو خاں کو جب بادشاہ نے نائب بنا کر جہد یری اور معبر کے فتح کرنے (بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

نے کوتوال کو بلوا بھیجا اور محافظانِ قلعہ کو جو تین سو آدمی تھے اور قاضی زین الدین مبارک اور گواہوں کو طلب کیا۔ اور سب کے سامنے بادشاہ کا حکم پڑھ کر سنایا پھر **شہاب الدین** کے پاس آئے سب سے پہلے اُسے قتل کیا۔ اُس نے کسی طرح کا ڈر اور بے قراری ظاہر نہیں کی وہ پہلے ہی سے موت کا منتظر تھا پھر **شادی خاں** اور **ابوبکر خاں** کی گردن ماری لیکن جب **خضر خاں** کی باری آئی تو وہ رونے پیٹنے لگا۔ اُس کی ماں بھی اُس کے ساتھ تھی۔ اُسے گھر میں ڈال کر بند کر دیا اور خضر خاں کا بھی کام تمام کیا۔ اور اُن سب کی نعشیں بلا تکفین و تدفین کے ایک گڑھے میں ڈال دیں۔ کئی سال کے بعد اُن کو نکال کر اُن کے خاندان

نوٹ ۵ چوں بجہائن (معروف بہ نوشہر نواح رنتھنبور) رسید شادی کہتہ سرسلاحدار بگوالیار فرستاد تا اہل و عیال خضر خاں و شادی خاں مقتول را با بقیۂ اہل حرم علائی بعد از کشتن سلطان شہاب الدین بدہلی آورد کہ یہ دیوگیری سے واپس آتے ہوئے حکم دیا تھا۔ لیکن اِس سے پہلے کا ذکر یہ ہو کہ۔ در ۷۱۸ھ سرسلاحی کو توال را فرستاد تا در گوالیار رفتہ خضر خاں و شادی خاں را بہ شہادت رساند و دیول رانی را طلبیدہ داخل حرم ساخت۔ امیر خسرو نے مثنوی خضر خاں و دیول رانی میں یہ واقعہ اِس طرح بیان کیا ہو۔ کہ مبارک شاہ نے خضر خاں کو پیغام بھیجا کہ اگر تو دیول رانی کو میرے پاس بھیج دے گا۔ تو میں تجھے کسی علاقہ کا حاکم بنا دوں گا لیکن خضر خاں نے صاف انکار کیا۔ سه

چو با من ہمسر ست ایں یار جانی — سر من دور کن زاں پس بدانی

بادشاہ ناراض ہوا۔ سه

بہ تندی سرسلاحی را طلب کرد — کہ باید صد گروہ امروز ہم شب کرد
روا اندر گوالیور ایں دم نہ بس دیر — سر شیراں ملک افگن بہ شمشیر

اِس واقعہ کا امیر خسرو نے اپنی مثنوی میں ایک درد انگیز سما باندھ کر دکھایا ہو۔ فرشتہ لکھتا ہو کہ چوں بجہائن رسید شادی کہتہ سردار سلاحداران را بگوالیار فرستاد تا خضر خاں و شادی خاں و ملک شہاب الدین را کہ قبل ازیں میل در چشم کشیدہ بودند بقتل رسانند و اہل و عیال ایشاں را بدہلی آورد و سلطان قطب الدین

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

رہا دکن میں ہرپال دیوگیری کے راجہ کی کھال کھنچوائی وہاں سے واپس آکر بالکل ڈگ ڈال دیئے۔ اب آرام طلبی۔ عیش پسندی کا یہ عالم تھا۔ کہ صرف نام کے بادشاہ آپ تھے۔ اور کام کا بادشاہ خسرو[1] تھا تو ایک نیچ قوم کا ہندو غلام مگر بڑا خوب صورت اور بہادر تھا۔ چندیری اور معبر کا ملک اِسی نے فتح کیا تھا۔ جو علاقہ ہندوستان میں نہایت سرسبز اور زرخیز گنا جاتا تھا مستقر دہلی سے چھ ماہ کے فاصلے پر ہے۔ اِس کو ملک خسرو کا خطاب دے کر وزیر بنا دیا۔ اُس نے بادشاہ کو ایسا سبز باغ دکھایا اور شیشے میں اُتارا کہ وہ اِسی کا کلمہ پڑھتا تھا اور لاکھ کوئی کہے۔ اِس کے کان پر جوں نہیں ملتی تھی غرض یہ کہ بادشاہ بالکل اس کی مٹھی میں تھا۔ اور کٹھ پتلی کی طرح ناچتا تھا۔ قطب الدین خسرو سے بدرجۂ غایت محبت رکھتا تھا۔ جب بادشاہ دولت آباد کے رستے میں تھا۔ تو بعض امرا نے بغاوت[2] کرنے کا ارادہ کیا اور اُس کے بھتیجے کو جو خضر خاں کا بیٹا۔ اور دس برس کی عمر کا تھا۔ تخت پر بٹھانا چاہا یہ خبر بادشاہ کو معلوم ہوئی اُس نے اپنے بھتیجے کے پیر پکڑ واکر اُس کا سر پتھروں سے ٹکرا کر بھیجا نکال ڈالا اور اپنے ایک امیر کو جس کا نام ملک شاہ تھا۔ گوالیر کی طرف بھیجا۔ اور حکم دیا کہ وہاں اِس لڑکے کے باپ اور اس کے چچاؤں کو قتل کر ڈالو۔ جس روز ملک شاہ قلعہ میں پہنچا تو اُس کے آنے کی خبر سنتے ہی خضر خاں کا رنگ فق ہوگیا۔ جب ملک شاہ خضر خاں کے پاس آیا تو اُس نے پوچھا کہ کیوں آئے ہو خیر تو ہے۔ امیر نے کہا کہ خداوند عالم کے کسی کام کو آیا ہوں۔ خضر خاں نے کہا کہ میری جان کی تو خیر ہے۔ امیر نے کہا۔ ہاں پھر اُس

[1] خسرو خاں اصل میں گجرات کا باشندہ تھا۔ فرشتہ اور برنی نے اُس کی قوم پروار لکھی ہے اور لکھا ہے کہ یہ کوئی کمین ذات ہوتی ہے۔ بداؤنی نے براؤ لکھا ہے۔ بہر حال تھا کسی گھٹیا ذات کا آگے چل کر وہ مسلمان ہوگیا۔ اور حسن نام رکھا گیا۔ ۱۲

[2] یہ شخص جس نے دیوگڈھ (دیوگیری دولت آباد) کے رستے میں سازش کرکے بادشاہ کو مارنا چاہتا تھا۔ اسد الدین بن یغرش سلطان علاء الدین کے چچا کا بیٹا تھا۔ خود بادشاہ بننا چاہتا تھا۔ بداؤنی نے لکھا ہے کہ اُس کو ملک خموش بھی کہتے تھے۔ ۱۲

پر انسان کا خون چھڑکا جاتا ہے۔ اس لیے ہزاروں ہی جنگلی (بکرے کی سی) ڈاڑھی والے مغلوں کی قربانی کر دی۔" تفصیل اس اجمال کی یہ ہے۔ کہ بادشاہ نے ایک ایسی مینار بنانی شروع کی تھی۔ (جو ادھ بنی لاٹ یا ٹوٹی ہوئی لاٹ کہلاتی ہے) جو التمش کی بنائی ہوئی قطب مینار سے بہت بڑی ہو لیکن زندگی نے وفا نہ کی اور لاٹ ادھوری کی ادھوری رہ گئی۔ اس عہد کی ایک ناتمام مسجد سیری میں ہے اور **حوض علائی** بھی اسی بادشاہ کی یادگار ہے۔ فرشتہ لکھتا ہے۔ کہ "بلحاظ پالیسی کے یہ ایک بہت بڑا بادشاہ تھا۔ لیکن اگر ہم اس کے ہاتھ دیکھیں تو وہ خون میں آلودہ ہیں۔ اور ایک سنگدل اور ظالم بادشاہ نظر آتا ہے۔ ع

دل کو مسل مسل کے ذرا ہاتھ سونگھیے
ممکن نہیں کہ خون تمنا کی بو نہ ہو

اس بادشاہ کی سلطنت کا آغاز ظلم سے ہوا۔ اور تا اختتام خون میں ہی لتھڑا رہا۔" اس نے ہاتھیوں کو اس طرح سلح کروایا تھا۔ کہ وہ تعذیب اور قہر کے مہیب ذرائع تھے۔ با ایں ہمہ اس کی شان و شوکت۔ عظمت و جبروت۔ دولت اور طاقت کو اس سے پیشتر کا کوئی بادشاہ ہند نہیں پہنچ سکتا۔

قطب الدین مبارک شاہ ۱۳۱۶ - ۲۰ء

مبارک نام کا تو مبارک تھا۔ مگر کام کے لحاظ سے نہایت نامبارک اور خلجی خاندان کے نہایت منحوس بادشاہوں میں تھا۔ مبارک شاہ کے زمان سلطنت میں سوائے عیاشی۔ ناچ رنگ۔ لہو و لعب۔ بناؤ سنگھار۔ زنانہ آرائش اور لباس اور سازشوں کی گرم بازاری کے کام کی بات ایک بھی نہ تھی۔ ۸ محرم ۷۱۶ھ کو یہ تخت نشین ہوا۔ شروع شروع تو ذرا زور شور

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ کسی چیز کا شمار نہ تھا جو اس دیوپر نہ چڑھی ہوں۔ جب اس زمانے میں یہ حالت ہے کہ لاکھوں روپوں کی دولت دیویوں (مساید منود) میں موجود ہے۔ تو اس زمانے میں جب کہ خود ہندوؤں ہی کی سلطنت تھی اور تموّل اور اعتقاد دونوں زیادہ تھے۔ اور اس زمانے کی سی گرانی اور طرح بہ طرح کے خرچ اور بھنکتی ہوئی زندگی نہ تھی تو کروڑوں کی دولت جمع ہونا کیا عجب ہے اور کون سی بڑی بات ہے۔ ۱۲ منہ المصنف

کی بے نظیر عمارت بنوائی۔ مسجد قوت الاسلام کی توسیع کی اور ایک نہایت، عالی شان اور بے نظیر دروازہ بنوایا۔ جو **علائی دروازے** کے نام سے مشہور ہے۔ اُس زمانے کے وحشیانہ طرز عمل کی نسبت امیر خسرو نے لکھا ہے۔ کہ " یہاں یہ قاعدہ ہے۔ کہ جب کبھی کوئی نئی عمارت بنائی جاتی ہے۔ تو اُس پر **تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ** کی جائے نہ دھری جائے نہ خیال میں آئے۔ کرنل ڈو نے تاریخ فرشتہ کے ترجمے میں اُس سونے کی قیمت جو ملک کافور لوٹ کر لے گیا تھا۔ انگریزی سکّے میں دس کروڑ پونڈ لگائی ہے۔ (اَلْعَظَمَۃُ لِلّٰہ) (ماخوذ از سیولر فارگاٹن امپائر) اب بھی بڑے بڑے مندروں کی دولت کا شمار نہیں نذریات کے علاوہ جو منت مراد والے آتے ہیں۔ مرد عورت سب اپنے مقدور کے موافق زر و زیور چڑھاتے ہیں۔ چنانچہ تلجاپور ضلع نلدرگ (حال عثمان آباد مملکت سرکار عالی نظام) کو میں نے بچشم خود دیکھا ہے۔ کہ جہاں بھوانی دیوی کی مورتی ہے۔ وہاں ہزارہا روپیہ سالانہ کی نذر و نیاز اس گئے گزرے زمانے میں بھی چڑھتی ہے۔ سرکار عالی نظام کی طرف سے وہاں ایک عہدہ دار اور عملہ مقرر ہے۔ جو باقاعدہ حساب کتاب رکھتا ہے۔ ہزارہا روپیہ کے زیورات اور جواہرات موجود ہیں چنانچہ دیوی کی ٹوپی جو بالشت بھر اونچی ہے۔ وہ سونے کی ہے۔ اور اُس میں جواہرات جڑے ہوئے ہیں۔ جس کی قیمت پچیس ہزار روپیہ آنکی جاتی ہے۔ یہ ایک رقم ہوئی اس طرح زیورات کے کتنے کے کتنے بھرے پڑے ہیں۔ ہزارہا روپیہ مندر کے اندر اور فرش صحن میں گڑا ہوا ہے۔ اکثر لوگ مندر کی چوکھٹ یا اُس کے گرد فرش میں روپیہ کو چپٹا کر کے جما دیتے ہیں۔ جو وقتاً فوقتاً اُکھاڑ کر مندر ہی کے خزانے میں جمع کر لیا جاتا ہے۔ اور وہاں کے پوجاریوں۔ ملازمین وغیرہ کی تنخواہوں اور عمارت کی نگہداشت و ترمیم میں صرف ہوتا ہے۔ اور پھر بھی ہزارہا روپیہ جمع ہے۔ بیڑ کے متصل نارائن گڈھ ایک بہت بڑا استھان ہے۔ جہاں ہنود کا ایک بڑا بھاری مندر ہے۔ وہاں کے گرو کو کسی نے مار ڈالا تھا۔ اُس اسٹیٹ کو زیر نگرانی سرکار لیا گیا تھا۔ اور میں ہی ضبطی کو گیا تھا۔ وہاں بھی میں نے دیکھا کہ روپیہ۔ پیسہ۔ اشرفیاں۔ زر۔ زیور۔ برتن۔ بھانڈے۔ گھوڑے۔ بیل گائیں

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

وافر خزانے کو بادشاہ نے تعمیر عمارات کے بہترین مصرف میں خرچ کرنا شروع کیا۔ ایک نیا شہر **توسیری** کا بسایا۔ اور اُس **قصر ہزار ستون**

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ ہے اور دوسری قسم کی نقدیات کا کچھ حساب نہ تھا۔ ملک کافور نے بادشاہ کو (۳۱۲) ہاتھی۔ بیس ہزار گھوڑے۔ (۹۶) ہزار من سونا۔ بہت سے صندوق جواہرات۔ موتیوں اور دوسری قیمتی اشیاء کے نذر دیئے"۔ سونے کے وزن کے حساب لگانے میں ہم کو خلجان ہوتا ہے۔ کیونکہ ہندوستان میں مختلف مقدار کے من جاری ہیں۔ من کہیں بارہ سیر کا ہوتا ہے۔ تو کہیں چالیس سیر کا اور بعض جگہ اِس سے بھی بڑھ کر۔ ٹریونکور میں (۲۹) پونڈ کا من ہوتا ہے۔ تو احمد آباد میں ۱۶۳½ پونڈ کا۔ مدراس میں (۲۵) پونڈ کا۔ بمبئی میں (۲۸) پونڈ۔ ہاکن نے سنہ ۱۶۱۰ء میں (۵۵) پونڈ کا من لکھا ہے۔ مڈلٹن نے سنہ ۱۶۱۱ء میں (۳۳) پونڈ کا۔ چوں کہ مورخ فرشتہ کا تعلق زیادہ تر احمد نگر ہی سے تھا۔ تو ضرور ہے۔ کہ وہیں کا من اُس نے لکھا ہوگا۔ تو اِس حساب سے (۹۶) ہزار من سونے کی قیمت ایک بڑی بھاری رقم ایک کروڑ چھپن لاکھ بہتر ہزار پونڈ کی ہوتی ہے۔ (عموماً پونڈ پندرہ روپیہ کا ہوتا ہے۔ اور وزن کے اعتبار سے پونڈ آدھ سیر کا ہوتا ہے۔) یہ بات بعید از قیاس ہے۔ کہ فرشتہ نے ٹریونکور جیسے دور دراز مقام کا من لیا ہو۔ اگر مدراس کے مروجہ من سے بھی حساب کیا جائے۔ تو بھی سونے کا وزن چوبیس لاکھ پونڈ ہوتا ہے۔ اب ناظرین چاہیں اِس تعداد کو صحیح باور کریں یا نہ کریں مگر اِس میں شک نہیں کہ مندروں میں بڑی بھاری دولت کا ذخیرہ رہا کرتا تھا۔ جس کی وجہ یہ تھی۔ کہ اول تو خود اہل ہنود کی عمل داری تھی پھر سالہا سال سے خزانہ جمع ہوتا چلا آتا تھا۔ نذر۔ نیاز۔ بھینٹ۔ چڑھاوے کے علاوہ بھی برہمنوں کو اکثر مواقع پر بہت کچھ دولت ملتی رہتی تھی۔ راجہ۔ امراء۔ سوداگر۔ زمیندار۔ غرض ہر شخص اپنی عبادت گاہوں میں دل کھول کر نذر و نیاز چڑھاتا تھا۔ اور یہی سلسلہ ایک ایسے زمانۂ دراز سے جاری تھا۔ کہ جس کا پتہ تاریخ سے بھی نہیں چلتا۔ نہ کبھی لوٹ مار ہوئی۔ پس اِس دولت کا کیا ٹھکانا ہے۔ اِس سے ظاہر ہے۔ کہ جس نے سب سے پہلے اُن مندروں کو لوٹا ہوگا۔ واقعی اُس کے ہاتھ بے قیاس اور بے شمار دولت لگی ہوگی۔ اور وہ ضرور ایسی دولت سمیٹ کر لے گیا ہوگا۔ جو نہ

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

رات کو حسب سو سُلا رہے۔ تو یہ دونوں ملک نائب کی خوابگاہ میں آئے۔ اور ملک نائب اور اُس کے ساتھیوں کو بادشاہ کو مرے ہوئے ابھی پچیسواں دن تھا کہ کاٹ کر پھینک دیا۔ ۵

یہی ہستیٔ چند روزہ بھی ہے
کہ دو دن میں ہو منزلِ عیش طے

پھر کیا تھا۔ شاہزادہ مبارک خاں کو قید سے نکال شہاب الدین عمر بادشاہ کی نیابت میں مقرر کیا۔ چند روز یعنی صرف دو مہینے اس نے چھوٹے بھائی کی نیابت جوں توں کرکے کی جب امرا کو گانٹھ لیا تو چھوٹے بھائی کی آنکھوں میں میل کھنچوا کر گوالیار کے قلعے میں بھیج دیا۔ اس نے بیچارے نے صرف تین مہینے چند دن سلطنت کی اور اس سلطنت کی بدولت آنکھیں بھی کھوئیں غنیمت ہو کہ جان سے نہ مروا دیا۔

کہتے ہیں کہ جس زمانے میں سلطان علاء الدین کے خاندان کے ممبروں پر یہ آفت چوطرف سے ٹوٹ رہی تھی۔ اور اُس کی نسل کی جڑ کٹتی چلی جا رہی تھی کسی نے شیخ بشیر سے جو ایک مجذوب تھے۔ پوچھا کہ ایسا کیوں ہو رہا ہو۔ فرمایا کہ علاء الدین نے اپنے چچا اور ولی نعمت کے ساتھ جو کیا تھا وہ اُس کے آگے آ رہا ہو۔ ۵

نکو را نیک و بد را بد شمار ست
بیاداشِ عمل گیتی نگار ست

دکن اور مختلف دیار کے حملوں سے بے شمار[۱] دولت جمع ہو گئی تھی۔ اِس

[۱] چودھویں صدی میں دکن کے تموّل کا یہ حال تھا کہ ۱۳۰۶ء میں زمانۂ سلطنت علاء الدین خلجی بادشاہ دہلی ملک کافور نے ملک دکن اور ساحل ملیبار پر حملہ کرکے ہندوؤں کے تمام مندروں کو لوٹ ڈالا تھا۔ علاقۂ میسور اور تمام ملک کو تباہ و برباد کر دیا تھا بیان کیا جاتا ہو۔ کہ دکن کے حملوں کے بعد جب ملک کافور دہلی واپس گیا تو وہ اتنی دولت سمیٹ کر لے گیا۔ کہ اُس کی صحیح مقدار کا تعین کرنا مشکل ہو۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہو کہ "مندروں کی اینٹوں سے بے شمار دولت ملی۔ سونے کے بُتوں جواہرات

(بقیہ نوٹ برصفحۂ آئندہ)

سہ پندار م ای درخزاں کشتہ جو   کہ گندم ستانی بوقت درو

جیسی کرنی ویسی بھرنی دنیا دار مکافات ہے۔ خانہ ظالم خراب لیکن بعد از خرابی خانہ ہائے بسیار۔ اس کے خلاف لوگ اٹھ بیٹھے اور ایک گہری سازش ہوئی۔ کہ خود بھی مارا گیا۔ اور ملک کافور خود صفحۂ دنیا سے ہی کافور ہو گئے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ ملک کافور نے جب امرائے علائی کو ہموار کر لیا۔ اور بظاہر اپنی خوب تخت وپز کر لی تو صرف ایک شاہزادہ قطب الدین عرف مبارک خاں جو مبارک شاہ کے نام سے بادشاہ ہوا۔ وہ بھی قید تھا۔ اُس کو مکحول کرنے کی فکر دامن گیر تھی۔ یہ خبر مبارک خاں کی والدہ ماہک بیگم کو لگی۔ اُس نے اپنے ایک معتمد کو شیخ نجم الدین ایک بزرگ کے پاس بھیجا جو حضرت احمد جام قدس سرہ کی اولاد سے تھے اور سب ماجرئ کہلا بھیجا۔ آپ نے فرمایا کہ کچھ غم نہ کرو۔ اور دیکھو کہ پردۂ غیب سے کیا عالم ظہور میں آتا ہے۔ ع تا خود از پردہ چہ آرد بیروں۔ حضرت نے کلاہ شریف اُتار لی۔ اور اُلٹی اوڑھی اور فرمایا کہ انشاء اللہ تعالی جب تک مبارک خاں تخت پر نہ بیٹھے گا۔ فقیر اپنی ٹوپی سیدھی نہ کرے گا۔ ملک کافور جو اب ملک نائب کہلاتا تھا۔ اُس کا یہ دستور تھا۔ کہ خورد سال بادشاہ کو قصر ہزار ستون کے بام پر لاکر تخت پر بٹھلاتا۔ اور دربار منعقد کرتا پھر لڑکے کو اس کی ماں کے پاس محل میں پہنچوا دیا۔ اور خود چوسر کھیلنے میں مصروف ہو جاتا اور اس کو ہر وقت علاءالدین کے خاندان کے بیخ مارنے کی دُھن لگی ہوئی تھی۔ اور اسی اُدھیڑبن میں لگا رہتا تھا۔ کہ مبارک خاں کا ایک بھونسٹرا رہ گیا ہے۔ کسی طرح یہ کانٹا نکل جائے تو پھر میدان صاف ہے۔ ایک شب قدیم نائیکوں کو جو قصر ہزار ستون کے محافظ تھے۔ خفیہ طور پر بلاکر مبارک خاں جہاں قید تھا۔ بھیجا کہ جس طرح ہو سکے اُس کا کام تمام کردیں۔ مبارک خاں نے جونہیں ان کو آتے دیکھا۔ ایک ہار مرصع جو گلے میں پڑا ہوا تھا۔ نکال کر اُن کے حوالے کیا۔ اور اپنے باپ کا حق نمک یاد دلایا وہ لوگ شرمندہ ہو کر واپس آئے۔ اور اپنے افسر بشر اور بشیر کے سامنے ہار رکھ کر جو گزری تھی۔ کہہ سنائی۔ چوں کہ قضا و قدر کا قلم مبارک خاں کی بادشاہت کے لیئے چل چکا تھا۔ دونوں کے دل میں خدا نے رحم ڈالا اُسی

مدّت سلطنت بیس سال چند ماہ تھی۔ امیر خسرو نے یہ غزل اسی بادشاہ کی تعریف میں کہی ہے۔ ؎

بارم برخ زیبائے کسے درنظر آید	عشقے بدل افتاد و ہوائے بسر آید
زیں پس بخورم ہیچ غمے حاصہ کہ از چرخ	برشاہ جہاں مژدۂ فتح و ظفر آمد
آں شاہ علاء الدین اسکندر ثانی	کز لشکر او زلزلہ در بحر و بر آمد
سلطان جہانگیر محمدؐ شہ اعظم	کز داد و دہش ہمچو علی و عمر آمد

از زلزلۂ جیش تو دہلی رہد حولیش
جنید و ریں بوسہ زماں بیشتر آمد

اب میدان خالی تھا۔ ملک کافور کا کمال عروج زوال کا ڈنکا بجا رہا تھا۔ ع
ہر کمالے را زوالے۔ چوں کہ غلام تھا۔ اپنی اصالت کے جوہر دکھا رہا تھا۔ ؎

درختے کہ تلخ است او را سرشت	گرش در نشانی بباغ بہشت
ور از جوئے خلدش بہنگام آب	بہ بیخ انگبیں ریزی و شیر ناب
سرانجام گوہر بکار آورد	ہماں میوۂ تلخ بار آورد
ز ناپاک زادہ مداری امید	کہ زنگی بہ شستن نگردد سفید
پرستار زادہ نیاید بکار	اگرچہ بود زادۂ شہریار

ایک جھوٹا وصیت نامہ بنا کر اُس کے سب سے چھوٹے صغر سن لڑکے

شہاب الدین عمر کو جس کی عمر سات برس کی تھی۔ برائے نام تخت پر بٹھا۔ آپ اُس کا مربی اور سرپرست اور نائب بنا۔ اِس ظالم نے اور یہ غضب کیا۔ کہ دونوں بڑے شاہزادوں پر ظلم و ستم توڑنا شروع کیا۔ اور اُن کی جان کا لاگو ہو گیا۔ پہلے ہی دن ملک سنبل کو بھیج کر ملک سہیل کو مروا دیا۔ اور پھر علاء الدین کے نور دیدہ خضر خاں اور شادی خاں کے پاس قلعہ گوالیار میں جہاں اُن کو قید رکھا تھا۔ بھیج کر اُن کی آنکھیں نکلوا ڈالیں۔ اور ملکہ جہاں شہاب الدین کی ماں پر دباؤ ڈال کر عقد کر لیا۔ لیکن خدا کی لاٹھی میں آواز نہیں۔ جلد ہی اپنے کیفر کردار کو پہنچا۔ ؎

اگر بد کنی چشم نیکی مدار | کہ ہرگز نیاید گر انگور بار

کا رواج اُسی نے دیا۔ چنانچہ امیر خسرو لکھتے ہیں۔ ؎

کسے در شاہی وانگہ سواری
جز او تنہا دبر فیلاں عماری

تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ ہ نے زور پکڑنے پر سامری اور پرتگیزوں میں ایک عرصہ تک تنازعہ رہا۔ ۱۴۹۸ء میں اول ہی اول واسکوڈی گاما کالی کٹ میں پونہچا لیکن چونکہ وہاں عرب سوداگروں کا زور تھا۔ اِس لیئے سامری نے اُس کی مدارات اچھی طرح سے نہ کی۔ اِس کے بعد جب پرتگیزوں نے وہاں تجارتی کوٹھی نکالنی چاہی۔ تو سامری اور عرب سوداگروں نے اس کو گرا دیا۔ پرتگیزوں نے کئی دفعہ شہر کو لوٹ لیا۔ اور چوں کہ یہ پرتگیز مسلمان حاجیوں کو سمندر میں لوٹ لیتے تھے۔ اِس لیئے تمام مسلمان بادشاہ اُن سے ناراض تھے۔ اُنھوں نے بھی سامری کو مدد دی۔ لیکن چوں کہ اُن کی بحری طاقت کم زور تھی۔ اِس لیئے سامری کو آخری کار پرتگیزوں کے ساتھ صلح کرنی پڑی۔ ۱۶۱۶ء میں انگریزوں نے اول ہی اول ایک تجارتی کوٹھی بنائی۔ ۱۷۶۶ء میں حیدر علی نے شہر کا محاصرہ کیا۔ سامری مع اپنے عیال و اطفال کے قلعہ کے اندر جل کر مر گیا۔

نوٹ صفحۂ (۹۲) سلہ کارومنڈل۔ ہندوستان کا مغربی ساحل مشرقی ساحل سے بہت مختلف ہی۔ مغربی ساحل کانکن یا مالابار کوسٹ کہلاتا ہی۔ یہ سمندر اور پہاڑوں کے درمیان ایک لمبی مگر کم چوڑی پٹی ہی۔ چوں کہ ادھر کا ساحل بہت ڈھلواں ہی۔ اِس لیئے اس طرف سوائے بمبئی۔ گوآ۔ اور کوچین کے زیادہ بندر نہیں ہیں۔ کراچی کی بندرگاہ کی حفاظت ایک بڑے بھاری پشتے سے کی گئی ہی۔ مشرقی طرف کا کنارے کارومنڈل کوسٹ کہلاتا ہی۔ یہ [illegible] ہی۔ اور اس کو بہت وسیع میدان ملا ہی۔ جو سمندر اور مشرقی گھاٹوں کے درمیان ہی۔ اور کرناٹک کہلاتا ہی۔ اس کا نشیب بہ تدریج ہی۔ اور اس سبب سے تموج زیادہ ہی۔ اِسی وجہ سے بندرگاہ مدراس کی تعمیر پر زرِ خطیر صرف ہوا ہی۔ ۱۲

ستتر ہزار شاگرد پیشہ تھے جن میں سے سات ہزار معمار اور بیلدار اور گلکار تھے - جو آئے دن تعمیر اماکن میں مصروف رہتے تھے سب سے پہلے عماری
تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ کہ مسلمان رہتے ہیں - مالک ابن دینار نے نویں صدی عیسوی میں چیرامن پیرومل کے حکم سے جو نو مسجدیں مالابار کے شہروں میں تعمیر کی تھیں اُن میں سے ایک یہاں بھی تھی - اور وہ اب بھی موجود ہے - وہ فلن - درمہ پٹن - ہسٹر صاحب لکھتے ہیں - کہ یہ مدرسہ ٹیلی چری کے مدرسہ کے قریب ہے - ٹیلی چری اب ایک بڑا بندرگاہ شمالی مالابار کے ضلع میں ہے - یہاں بھی ابن دینار کی نو مسجدوں میں سے ایک مسجد تھی - بُدپٹن - اُس شہر کا کچھ پتہ نہیں لگتا مسجد کے ہونے سے معلوم ہوتا ہے - کہ شاید یہ شہر پالیام ہو جو اس زمانے کے شہر نے پور کے قریب واقع تھا - کیونکہ وہاں بھی ابن دینار کی نو مسجدوں میں سے ایک مسجد تھی - قدر ینا پدّارانی یا پنتالائی کالی کٹ سے (۱۶) میل شمال میں ہے - قالقوط یعنی کالی کٹ احاطۂ مدراس میں مالابار کے ضلع میں سمندر کے ساحل پر ایک مشہور شہر ہے - بے پور سے چھ میل جانب شمال موجودہ آبادی (۶۵) ہزار کے قریب ہے - جس میں سے تیس ہزار کے قریب مسلمان ماپلے ہیں - اب بھی بڑی تجارت کی منڈی ہے - کروڑہا روپیئے کے مال کی درآمد ہوتی ہے - مالیوں کی پے در پے بغاوتوں کی وجہ سے ۱۸۲۹ء سے کچھ فوج بھی رہتی ہے - اس شہر کی آب و ہوا بہت عمدہ ہے - چیرامن پیرومل نے جس کے مسلمان ہونے اور ہجرت کر کے چلے جانے کا حال اوپر بیان ہوا - اس شہر کی بنیاد ڈالی تھی - لیکن موجودہ آبادی تیرھویں صدی میں بسائی گئی تھی - کہتے ہیں جس وقت چیرامن پیرومل نے تمام مالابار کو اپنے اہل کاروں میں تقسیم کر دیا تو ساموکرم ایک سردار غیر حاضر تھا - جب وہ آیا تو اُس کو چیرامن پیرومل نے اپنی تلوار دی - اُس کی اولاد کے تمام راجہ سامری (زیمورن) کہلاتے ہیں اول ہی اول اُنھوں نے فقط کالی کٹ کا شہر حاصل کیا تھا - لیکن بعدہ مالیوں اور عرب سوداگروں کی مدد سے اپنے علاقے کو بڑھا لیا - یہ لوگ ان ہی عرب کی اولاد ہیں - چیرامن پیرومل کا خط لے کر شحر کے شہر سے آئے تھے - پرتگیزوں

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

اِس کے عہد میں چھوٹی بڑی (۸۶) لڑائیاں ہوئیں۔ یہ بادشاہ اپنے محل ہی میں جو مسجد قوت الاسلام کے جنوب و مغرب میں تھا۔ اور اب کھنڈر ہی۔ دفن ہوا۔ اِس کی عظمت کا اندازہ اِس سے کیا جا سکتا ہی۔ کہ

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ) نام کے کسی شہر کا کچھ پتہ نہیں ہی۔ فاکنور اب اِس کو برکور کہتے ہیں۔ جو احاطۂ مدراس کے جنوبی کانڑا کے ضلع میں واقع ہی۔ جب ابن لبطوطہ اس ملک میں آیا تو اس شہر کو بیجانگر کے راجاؤں نے فتح کر لیا تھا۔ اور جب دکن کے مسلمان بادشاہوں نے ۱۵۶۵ء میں راجہ کو مغلوب کیا تو یہ علاقہ راجہ بدلور کے قبضے میں آگیا۔ اب اِس شہر کو جو پُرانے برکور یا باکنور سے پانچ میل کے فاصلے پر بستا ہی۔ ہنگر کٹہ کہتے ہیں۔ جو سیلا ندی کے کنارے واقع ہی۔ اب بھی اِس مقام پر چاول اور کپڑے اور ناریل اور نمک کی تجارت ہوتی ہی۔ منجرور اب یہ شہر منگل دیوی کے مندر کے سبب سے منگلور کہلاتا ہی۔ جنوبی کانڑا ضلع احاطۂ مدراس میں واقع ہی۔ (۳۵) ہزار کے قریب آبادی ہی۔ یہ شہر نہایت خوب صورت اور صاف ہی۔ کُرگ اور میسور کا قہوہ اِسی بندر سے باہر جاتا ہی۔ ہیلی۔ اب اِس نام کا کوئی شہر نہیں ہی۔ لیکن کنانور سے سولہ میل شمال کی طرف ایک پہاڑ کا کونا سمندر میں نکلا ہوا ہی جس کو راس ہیلی کہتے ہیں۔ ابو الفدا نے لکھا ہی کہ ہیلی ایک پہاڑ ہی جو سمندر میں نکلا ہوا ہی اور جس کو راس ہیلی کہتے ہیں۔ رشید الدین لکھتا ہی۔ کہ منگلور اور فندرینہ کے بیچ میں ہیلی کا ملک ہی۔ تحفۃ المجاہدین میں جو مالا بار کی تاریخ ہی۔ اُس شہر کو ہیلی مارادی لکھتا ہی مخزن میں لکھا ہی کہ چھوٹی الائچی کو ہیلی واقع مالا بار میں پیدا ہوتی ہی۔ فارسی میں الائچی کو ہیل کہتے ہیں۔ اور سنسکرت میں ایل ممکن ہی کہ یا تو لفظ ہیل سے اِس شہر کا نام مشتق ہو یا اِس شہر پر سے الائچی کو ہیل کہتے ہوں۔

ہنٹر صاحب لکھتے ہیں کہ ہیلی زمانۂ حال کے گاؤں۔ پاین گاڑی کے قریب واقع ہی۔ جرفتن۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ بلیاپٹن کا پُرانا نام ہی۔ جو مالا بار کے ضلع کا ایک قصبہ ہی۔ کنانور سے چار میل۔ ہنٹر صاحب کہتے ہیں جرفتن کی بابت یقین کیا جاتا ہی کہ اب اس کو سری کنداِرام پور کہتے ہیں۔ جو مالا بار کے ضلعے اور چراکل کے تعلقے میں واقع ہی۔ اب یہ ایک چھوٹا سا گاؤں ہی۔ اس میں ماپلے یعنی مالا بار کے

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

بڈھا آدمی کب تک تاب لاسکتا تھا۔ ہر شوال ۷۱۶ھ مطابق ۱۳۱۶ء کو اس دار فانی سے عالم جاودانی کو رخت سفر باندھا۔

جہاں را چنیں ست آئین و داد
کہ جز مرگ کس را ز مادر نزاد

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ ہی اگر بہن نہ ہو یا بھائی نہ ہو تو کسی کو ملتی ہیں سامنے ہیں۔ ورنہ وہ شخص لاوارث سمجھا جاتا ہی۔ ٹراونکور کا راجہ اگرچہ کھیتری ہی لیکن راج کی وراثت بھی اسی طرح پہنچتی ہی۔ نایر کی اولاد اپنے ماموں کا ورثہ پاتی ہی اور اُسی کا کریا کرم کرتی ہی باپ کی وراثت اُس کو نہیں ملتی۔ نایر کو اختیار ہی کہ مردے نعش جلائیں یا دفن کریں۔ لیکن خواہ دفن کریں یا جلائیں تو اپنے باغ کے ایک کونے میں کرتے ہیں۔ چوٹی کو آگے کی طرف لٹکاتے ہیں۔ یہ وراثت کا طریقہ عورت کے کئی خاوند کرنے کا نتیجہ ہی۔ جو اب تک بھی کہیں کہیں باقی ہی۔

فرشتہ تحفۃ المجاہدین سے نقل کرتا ہی "رعایائے ملیبار اکثر کفار اند و عشائر آنہا را نیار (نایر) گویند و عقد نیار بازن حیلہ ایست در گردن زن بعد از ان سر و کار آن زن ست نہ عاقد و غیر عاقد یکسا ست۔ چنانچہ یک زن می تواند بود کہ عقد شوہر متعدد داشتہ باشد و ہر شب نوبتے بہ یکے می رسد و دیگر قومہا غیر از برا ہمہ دریں امر با نیار موافقت جویند۔ (ہم چنیں قوم گھکر در پنجاب قبل از اسلام ایں رسم می داشتند ہر زنے چندیں شوہر می داشت و ہر شوہرے کہ بخانہ زن می آمد۔ علامتے از خود بیرون در می گذاشت تا دیگر شوہر آن را دیدہ باز گردد و ہرگاہ دختر متولد شد ہماندم از خانہ بیرون آوردہ بانگ می کردند کہ کسے می خواہد اگر یکے می خواست باو می داد و الا در ساعت می کشتند) قاعدۂ برہمنان ملیبار چناں است کہ ہرگاہ چند برادر باشند یک زن می گردد و دیگران بلا عقد با زنان نیار وغیرہ می سازند و وراثت در میان قوم نیار بہ ہمشیرگان کہ از یک مادر باشند واولاد ہمشیرگان و اولاد ہمشیرگانِ والدہ می رسد و با ولاد متوفی نمی رسد۔"

ملیبار کے شہروں کے نام جو اوپر آئے ہیں وہ قدیم نام ہیں۔ ابی سرور (دیکھیو نوٹ بر صفحہ آیندہ)

توان شناخت بیک روز در شمائل مرد که تا کجاش رسیدست پایگاہ علوم
ولے ز باطنش ایمن مباش و غرّہ مشو که خبث نفس نگردد بسالہا معلوم

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ کے مقرر کردہ راجاؤں کے پاس ایک وصیت بھیجی کہ عرب کے تاجروں کو جس جگہ یہ مسجد یا سرائے یا مکان بنانا چاہیں۔ اجازت دی جائے۔ سب سے پہلے مسجد اُس نے کدنگالور میں جو اُس وقت سامری کا پایہ تخت تھا۔ بنائی۔ اب اُس شہر کو کرنگالور کہتے ہیں۔ پھر وہاں سے کوئلم گیا وہاں مسجد اور باغ طیار کیا۔ پھر ہیلی ماراوی میں مسجد بنائی۔ اس کے بعد جرفتن میں اُس کے بعد ورفتن۔ اور قندر بیز۔ اور چالیات۔ ڈفاکنور اور منگلور۔ اُس وقت سے اس ملک میں اسلام کا رواج ہوا ہے۔ اور اِس ساحل کی تجارت پرتگیزوں کی آمد اور زور پکڑنے سے پہلے۔ بالکل عربوں کے ہاتھ میں تھی۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ابن بطوطہ کے وقت ملیبار کے راجہ پیرومل کی وصیت پر عمل کرتے رہے۔ اور آپس میں کوئی جھگڑا نہیں کرتے تھے۔ لیکن ۱۷۳۶ء میں آپس کی نزاع کے سبب سے اُن میں سے ایک نے میسور کے راجہ سے مدد مانگی۔ اور اِسی دعوے پر حیدر علی نے مالابار پر ۱۷۶۶ء سے لے کر ۱۷۷۴ء تک کئی دفعہ چڑھائی کی اور کل ملک کو فتح کر لیا۔ ۱۷۹۲ء میں ٹیپو سلطان نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ساتھ صلح کرنے کے وقت یہ کُل علاقہ کمپنی کو دیدیا۔ اِس برس میں کمپنی نے بمشکل تمام علاقے کو مطیع کیا۔ اور ۱۸۰۵ء سے لے کر آج تک امن چلا آتا ہے۔ لیکن مالابار کے مسلمان جن کو ماپلے کہتے ہیں۔ کئی دفعہ بغاوت کر چکے ہیں۔ جس کی وجہ نایر زمینداروں کی تعدّی ہے۔

ہنٹر صاحب نے اپنے گزیٹیر میں ٹراونکور کے حال میں قوم نایر کے عجیب و غریب رواج کے متعلق یہ لکھا ہے کہ مالابار اور ٹراونکور کی ریاست میں قوم نایر میں اکثر زمینات کے مالک ہیں۔ یہ رواج ہے کہ لڑکیوں کی شادی بچپن ہی میں بطور رسم کے کر دیتے ہیں۔ لیکن جب وہ بڑی ہو جاتی ہیں۔ تو اُن کو اختیار ہے۔ کہ اپنی قوم میں سے یا برہمن کی قوم سے جس کو چاہیں اپنا خاوند بنا لیں۔ اور پہلا خاوند کچھ دعوے نہیں کر سکتا۔ وراثت بہنوں اور بہنوں کی اولاد کو ملتی

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

قسم کا زہر دیا جو نامعلوم طور پر آہستہ آہستہ اپنا کام کر رہا تھا۔ اور بادشاہ کو گھلاتا چلا جا رہا تھا۔ ؎

تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ۔ قدیم میں اس کو کرالہ کہتے تھے۔ اِس ملک کی قدیم حد راس کماری سے لے کر سدا پور یعنی گوا تک تھی۔ اسٹیٹ ٹراونکور۔ کوچین کی ریاستیں مالابار اور دھونی کا نڑا کے ضلع قدیم مالابار کی حدیں ہیں۔ اِس ساحل کی چوڑائی پچیس سے ستر میل تک ہے۔ ساحل کے برابر مغربی گھاٹ کا پہاڑ جس کی بلندی تین ہزار فیٹ سے سات ہزار فیٹ تک ہے۔ برابر چلا جاتا ہے چیرمن پیرومل نے ۸۲۷ء میں اسلام قبول کیا۔ اور وہ ہجرت کر کے چلا گیا۔ گر ظفار کے شہر میں جہاں اُس کی قبر ہے۔ ۸۳۱ء میں مرگیا۔ اُس نے جانے سے پہلے اپنے ملک کو متعدد ریاستوں میں تقسیم کر دیا۔ اُن میں سے کالی کٹ، کولاستری اور ہیلی کا۔ کو لاٹری۔ سب سے بڑے شمار ہوتے ہیں۔ فرشتہ نے اِس قصے کو اِس طرح بیان کیا ہے۔ کہ تاریخ ہجری کے دو سال گزرے تھے کہ عرب اور عراق کے کچھ درویش بابا آدم کے قدم کی زیارت کے لئے سراندیپ کو جاتے تھے۔ رستے میں انھوں نے کدنگلور کے شہر میں جو سامری کا دارالخلافہ تھا قیام کیا۔ وہاں سامری سے اُن کی ملاقات ہوئی اور اُس نے پیغمبر اسلام کے معجزات سُنے۔ اُن میں سے ایک شق القمر بھی تھا۔ اُس کی بابت اُس نے اپنے دفتر سے دریافت کیا۔ کہ اِس زمانے میں ایسا کوئی واقعہ درج ہے یا نہیں۔ تو معلوم ہوا۔ کہ ایک دفعہ چاند دو ٹکڑے دکھلائی دیا تھا اس تصدیق سے اُس کا عقیدہ اسلام پر پختہ ہو گیا۔ اور وہ مسلمان ہو گیا۔ لیکن ابھی اپنا اسلام پوشیدہ رکھا۔ اور جب وہ زائرین سراندیپ سے واپس آئے۔ تو اپنے تمام اہلکاروں اور ماتحت راجاؤں کو بلا کر اُن میں ملک تقسیم کر دیا اور اُن کو وصیت کی کہ ایک دوسرے پر ہرگز تعدی نہ کریں۔ اور ایک دوسرے کا علاقہ چھینے کا ارادہ ہرگز دل میں نہ لائے۔ اور خود پوشیدہ طور سے زائرین کے ساتھ جہاز میں بیٹھ لیا اور شجر کے شہر میں جو حضرموت کا ایک بندر ہے۔ مرگیا۔ مرنے سے پہلے اُس نے مالک بن دینار کے ہاتھ اپنے (بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

گجرات خودسر ہوگیا - چتوڑ بھی بدل گیا - دیوگیری نے پھر سرتابی کی - یہ
مصائب ایک طرف ملک کافور نے اِس میں یہ لبس گھولا کہ بادشاہ کو اِس

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ ۔ اِس میں کوئی خاص بات قابل ذکر نہیں ہے - البتہ اِس
میں مہاراجہ کا ایک عالی شان اور نفیس ہندوانی طرز کا محل ہے - جس میں بہت
کچھ آراستگی کی گئی ہے - اور عمارت میں بڑی نفاست سے کام کیا ہے - محل کے سامنے
دسہرے کا وسیع ہال ہے - جو ایک کھلا ہوا چھپر ہے - جس کے چاروں ستون
بے نظیر نقش و نگار سے آراستہ ہیں - اِسی مقام پر مہاراجہ بہادر دربار یا تہواروں
میں برآمد ہوتے ہیں - اور رعایا کو اپنا درشن دیتے ہیں - جس تخت پر جلوس فرماتے
ہیں - وہ انجیر کی لکڑی کا ہے - یہ تخت اورنگ زیب بادشاہ نے راجہ چک دیو
کو ۱۶۹۹ء میں دیا تھا - انجیر کی لکڑی جس کا وہ بنا ہوا ہے - اُس پر ہاتھی دانت منڈھا
ہوا ہے - بعد میں اُس پر سونا اور چاندی کے پتّر چڑھائے گئے ہیں - جس پر دیوتاؤں
کی مورتیں بنی ہوئی ہیں محل کے بعض دروازوں پر ہاتھی دانت کا کام ہے - اور بعض
میں چاندی کے پتّر جڑے ہوئے ہیں - قلعہ کے باقی ماندہ حصے میں مہاراجہ صاحب
کے امرا وغیرہ کے مکانات ہیں - جگن موہن - محل جو بیکنٹھ باشی مہاراجہ
نے یوربین مہمانوں کے لیئے بنوایا تھا - ایک بہت خوبصورت عمارت ہے - اِس کے
دو منزلے پر شکار کے متعلق تصاویر بنائی گئی ہیں - یہاں ایک بہت بڑا نندی (بیل)
پتھر میں تراشا ہوا ہے - جو چامنڈی پہاڑ کے تحتانی حصے پر ہے - یہ نندی ہندوستان
بھر میں سب سے عمدہ ہے - شہر کا بہترین نظارہ رزیڈنسی سے ہوتا ہے - مہاراجہ کا اصطبل
گاڑی خانہ - موٹر خانہ - عجائب خانہ - جس میں دنیا بھر کے جانور ہیں - دیکھنے کے قابل ہے
میسور کے سناروں کی دستکاری مشہور ہے - صندل کی لکڑی پر نقاشی اور جڑت بھی
مشہور ہے - یہاں کے چینی کے ظروف جن پر نہایت شفاف رنگ ہوتا ہے - ایک عمدہ
صنعت ہے - یہاں کے باشندے ایک قسم کا ریشمین پارچہ جس میں کلابتون ملا ہوا
ہوتا ہے - بڑی کاری گری اور نفاست سے بناتے ہیں - جو بہت بیش قیمت ہوتا ہے
یہاں سنہری اور روپہلی لیس بھی کثرت سے بنتی اور خوب بکری ہوتی ہے -

۵۲ تامل علاقوں سے مراد ملیبار یا مالابار ہے - ملی پہاڑ اور بار ملک یعنی پہاڑی ملک زیر ...

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

میری قصہ عیب صعیف الحتہ ہوگیا تھا۔ آئے دن بیمار رہنے لگا۔ اُس کی صحت نے جواب دے دیا۔ اور اس وجہ امور سلطنت میں بھی ضعف آگیا
تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ پر یہ تاریخ کندہ ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ　رَبِّ ارْحَمِ السُّلْطَانِ الْکَرِیْمِ
ٹیپو سلطان شہید شد ناگاہ　چوں جو دریکتا بی سبیل اللہ
بعد دی قعدہ بست و ہشتم آں　شدہ در روز شنبہ حتریاں
میر سالش بہ بیم آہ گفت　نور اسلام و دیں رو بیا رفت
۱۲۱۳　۱۲ھ

تاریخ کشتہ گشتن سلطان حیدری　ٹیپو بوجہ دین محمد شہید شد
چو آں مرد میداں جہاں شد دیا　سیکے گفت تاریخ "ہمت پیر گم شد"
۱۲۱۳　۱۲ھ

ٹیپو سلطان مملکت چو رسید　داخل مجلس پیمبر شد
روح قدسی بعرش گفت کہ آہ　نسل حیدر شہید اکبر شد
۱۲۱۳　۱۲ھ

اِنْ اُحْدِثَتْ مِصْرَ کَمَا قَدْ حَکَوْا　وَسِرِّہِمْ فَتْنٌ یُحْدِثُ وَرْلِہَا
مُعْنِیَۃٌ مَا مِثْلُہَا اَرَّخْتُہَا　ذَہَبَ الْاِمَامُ وَالْمُصْدَرُ کُلُّہَا

سال و تاریخ او شہید گفت　حامی دیں شہ زمانہ برفت

راجۂ حال سری کرشنا وڈیار بہادر یورپین طریقے پر اعلیٰ درجے کے تعلیم یافتہ دور دست حیال ہیں۔ اور حسن انتظام میں اُن کی ریاست بہترین گورنمنٹ خیال کی جاتی ہے۔ میسور کا شہر چامنڈی پہاڑ کے دامن میں آباد ہے جو سطح زمین سے ... سو فیٹ بلند ہے۔ شہر کی سڑکیں کشادہ اور باقاعدہ بنی ہوئی ہیں جس کے دو طرفہ دو منزلہ و سہ منزلہ پختہ خوشنما اور عالی شان مکانات ہیں۔ رعایا خوشحال اور فارغ البال ہے۔ شہر کے جنوب میں قلعہ ہے جو (٤٥) گز مربع ہے

پہلے تو اس نے باپ بیٹوں میں نا چاقی ڈلوانے کے لیئے بڑی گہری چال چلی - اور دونوں میں کشیدگی پیدا کردی - علاءالدین نے بہ مسمدا فق

نوٹ متعلق بہ صفحہ (۹۱) سلہ میسور در اصل مہیش اُور (یعنی بھینسوں کا شہر) تھا - یہ ایک بہت بڑی مشہور ہندوستانی ریاست ہے - جو دکن ہند میں مدراس سدرن مرہٹہ ریلوے پر واقع ہے - جس کا رقبہ (۲۹۴۷۵) مربع میل ہے مردم شماری (۵۸۰۶۱۹۳) محاصل دو کروڑ چالیس لاکھ - اس کے چاروں طرف انگریزی علاقہ ہے - اس ریاست کا دارالخلافہ میسور ہے - مگر محکمہ جات وغیرہ زیادہ تر بنگلور میں ہیں جو انگریزوں کی چھاؤنی اور سول اور ملٹیری اسٹیشن ہے - بنگلور تمام ہندوستان میں سب سے خوش آب و ہوا - چھاؤنی ہے - اس کی قدیم تاریخ حالت تاریکی میں ہے - لیکن زمانہ حال میں پتھر اور تانبے کے پتروں کے کتبوں سے بہت کچھ حالات منکشف ہوئے ہیں - اوائل سنہ عیسوی میں میسور جینیوں کے مقبوضات میں تھا - اور یہاں انھیں کا راج تھا - دوسری صدی عیسوی میں - اس مذہب کی جگہ برہمنی مذہب نے لی - اور تب سے اب تک اہل میسور اور اُن کے راجاؤں کا یہی مذہب چلا آتا ہے - البتہ تیرھویں صدی میں ایک تھوڑے عرصے کے لیئے جینیوں کا دور دورہ پھر ہو گیا تھا - جن کی حکومت کی یادگار بہت سے عمدہ عمدہ مندر موجود ہیں - میسور کے زمانہ حال کے مشہور حکمرانوں میں حیدر علی اور اُس کا بیٹا ٹیپو سلطان ہیں - حیدر علی نے سنہ ۱۷۶۱ء میں غاصبانہ طور پر تخت حاصل کیا - اور اُس کا بیٹا ٹیپو سرنگاپٹن کی لڑائی میں سنہ ۱۷۹۹ء میں انگریزوں کے مقابلے میں مارا گیا - اور انگریزوں نے وڈیار کے قدیم خاندان ہنود کو جو سنہ ۱۶۱۰ء سے حکمراں تھا - یہ ملک دے دیا - مہاراجہ سے ملک سنبھل نہ سکا اور بہت بدنظمی رہی - لہذا پچاس برس تک انگریزوں کی طرف سے انتظام ہوتا رہا - اور سنہ ۱۸۸۱ء میں پھر مہاراجہ کے تفویض ہوا -

ٹیپو سلطان اور اُن کے باپ حیدر علی خاں کا مقبرہ سرنگاپٹن کے ریلوے سٹیشن سے تین میل اور قلعہ سرنگاپٹن سے کوئی دو میل ہے - اس آبادی کو گنجام کہتے ہیں - اور لال باغ کے نام سے مشہور ہے - ٹیپو سلطان کے مقبرے

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

بادشاہت کے خواب دیکھنے لگا۔ اور سلطنت کی ہوا سر میں سما گئی ؎

نشہ دولت کا بد اطوار کو جس آن چڑھا
سر پہ شیطان کے اک اور بھی شیطان چڑھا

تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ کا بھی ایک ذخیرہ تھا۔ اور جاتے جاتے بارہ ہزار قیدی پکڑ کر لے گیا۔ اتنی بڑی فتح کے بعد پیرا کا حوصلہ اور حرارت اور بڑھ گئی۔ اور دن دہاڑے کھلے خزانے خوب لوٹ کھسوٹ کرنے لگا۔ آخرکار بادشاہ نے ایک اپنے معتمد قاضی اور بڑے بہادر سردار یوسف خاں زربہائی کو لشکر دے کر بھجوا دیا اُس نے آتے ہی قلعۂ شاہ پور سے پیرا کو نکال باہر کیا۔ اور اپنا قبضہ کر لیا۔ اُسی سردار نے پیرا کو گرفتار بھی کر لیا۔ اور چند دن زندہ رکھ کر اُس سے اُس کے جمع کئے ہوئے خزانوں کا پتہ لگانے کے بعد اُس کی تکا بوٹی کر ڈالی اور اُس کا سر کاٹ کر اورنگ زیب کے حضور میں بھیج دیا۔ ۱۷۶۷ء میں کلکتہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے کرنل اسمتھ کی کمانڈ میں کچھ فوج ورنگل پر بھیج دی جس کا مقصود حیدرآباد پر ڈباؤ ڈالنا تھا۔ چنانچہ نواب نظام علی خاں بہادر نے حیدر علی بادشاہ میسور سے قطع تعلق کر لیا۔ اور ۱۷۶۸ء میں صلح نامہ ہو گیا۔ جب سے اب تک اِس مقام پر اور کوئی معرکہ نہیں ہوا۔ اسلیے ورنگل میں دیکھنے کے لیے بہت سے دلچسپ مقامات۔ قلعہ مندر محلوں کے کھنڈر۔ فصیلیں وغیرہ موجود ہیں جو میلوں تک پھیلے ہوئے ہیں ایک مندر کے چار عالیشان دروازے اب تک سر بہ فلک کھڑے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مندر جب بھی درست حالت میں ہوگا تو ہنمکنڈے کے مشہور ہزار کھم والے سے کہیں بڑا چڑھا ہوگا۔ کیونکہ ہزاروں گھڑے گھڑائے نقش و نگار کے پتھر اب بھی خاص مکانوں اور فصیلوں میں کثرت سے لگے ہوئے ہیں۔ جس سے ظاہر ہے کہ بڑے بڑے مندروں کو توڑ پھوڑ کر مسلمانوں نے مسمار کر دیا ہے۔ اور انہیں کے ساتھ تمام کتبے جو ان مقامات پر تھے اور جس سے قدیم خاندان کاکتیا کے حالات معلوم ہو سکتے تھے تباہ اور برباد ہو گئے۔ ۱۲

دماغ میں سما گیا کہ ع - آدمی فربہ شود از راہِ گوش چیونٹی کے پر پھوٹنا موت کی نشانی ہی - ملک کافور کی بلند پروازی اور انانیت حد سے بڑھ گئی

تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ کے سے نکل جانا چاہا - ۱۳۶۲ء میں مسلمانوں نے ورنگل کے راجہ کو پھر تنگ پکڑا اور بہت دنوں کی لڑائی کے بعد صلح ہوئی اور راجہ کے ایلچیوں نے جہاں بہت سے گراں بہا تحائف محمد شاہ بہمنی کو دیئے اُن ہی کے ساتھ یہ بیش بہا تخت بھی نذر دیا - اِس تخت کے بے نظیر تحفے ہی نے بادشاہ کو نرم کر دیا اور اُس نے اپنی سرحد گولکنڈے کو قرار دیا اور وعدہ کر لیا کہ جب تک تمھاری طرف سے پہل نہ ہو - ادھر سے کسی قسم کی مداخلت نہ ہوگی - خاندان بہمنیہ کے بادشاہوں نے اُس تخت پر وقتاً فوقتاً اور جواہرات کا اضافہ کیا اور چودھویں بادشاہ محمود شاہ کے زمانے میں اِس کی قیمت ساٹھ لاکھ روپئے تک پہونچ گئی تھی - ۱۴۲۴ء میں احمد شاہ والی البہمنی نے آخر مرتبہ ورنگل پر چڑھائی کی اور راجہ کو بھی مار ڈالا (اِس راجہ کا صحیح پتہ نہیں معلوم ہوتا - کہ اُس کا نام کیا تھا اور پرتاب رُدّر سے کیا قرابت رکھتا تھا) - اِس مختصر نوٹ میں اتنی گنجائش نہیں ہی - کہ راجگان ورنگل اور سلاطین اسلام کی لڑائیوں کا ہم پورا پورا حال لکھ سکیں - جن میں ش[illegible] اور فتح کبھی ادھر ہوتی تھی - اور کبھی اُدھر - بہت سی لڑائیوں کے بعد ورنگل قطب شاہیوں کی سلطنت میں شامل ہو گیا - اور آخر کار اورنگ زیب نے ۱۶۸۷ء میں سلطنت مغلیہ میں ملا لیا - ورنگل کے حالات بالکل نامکمل رہ جائیں گے اگر ہم مشہور لٹیرے بیرا کلال کا ذکر نہ کریں جو یورپ کے رابن ہڈ کی طرح شہرۂ آفاق تھا - اور جس نے دکن میں ایک ادھم مچا رکھی تھی - لوگوں کا اِس کی آئے دن کی کھلم کھلا لوٹ مار سے ناک میں دم آ گیا تھا - اُنھوں نے مجبور ہو کر اورنگ زیب سے درخواست کی - کسی طرح آپ ہم کو اس ظالم کے پنجے سے نجات دلائیں - اُس نے اتنا زور پکڑا کہ بڑھتے بڑھتے شاہ پور (ضلع گلبرگہ) کے قلعے میں بہت سی فوج لے جا بیٹھا اور چاروں طرف لوٹ مار کرنے لگا - ماہ محرم (اپریل ۱۷۰۸ء) میں بیرا نے ایک بہت بڑا لشکر سواروں اور پیدلوں کا لے کر ورنگل پر چڑھائی کی اور قلعہ پر قبضہ کر لیا - اور بہت کچھ بیش قیمت سامان لوٹا - جس میں ورنگل کے م[illegible] رقاصاؤں

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)

اب تو اُس کی تعلی کا کچھ ٹھکانا نہ رہا۔ ہم جو من دیگرے نیست کا حظ اُس کے
تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ کم گئے اور اُن کے قدم اُکھڑ گئے۔ اُدھر محصورین نے مار
دھاڑ شروع کی۔ اور ایسے جان توڑ کر ان پر پلٹے کہ بجز محاصرہ اُٹھانے کے اور
کوئی چارہ کار نہ تھا۔ لیکن ۱۳۲۳ء میں دہلی سے پھر تازہ دم لشکر آیا اور اس مرتبہ
ورنگل کو مسلمانوں نے فتح کرکے راجہ کو قید کر لیا۔ اور دہلی روانہ کر دیا۔ راجہ کا
جانشین اُس کا بیٹا کرشنا ہوا۔ لیکن بہت سا ملک اُس کے ہاتھ سے نکل چکا
تھا۔ ۱۳۴۴ء میں اُس نے سب راجاؤں کو ہموار کرکے بغاوت کی۔ اور دکن میں
جس قدر مسلمان تھے۔ اُن کو چن چن کے نکالا۔ اس مرتبہ بادشاہ دہلی نے پھر
کچھ مزاحمت راجگان دکن سے نہ کی۔ ملکہ ۱۳۵۸ء میں محمد شاہ بہمنی نے یورش
کی اور ورنگل پر چڑھ آیا۔ لیکن تاوان جنگ لے کر واپس ہوا۔ مسلمان
مورخین دیو مالک دیو عرف ناگدیو کو راجہ کا بیٹا بتلاتے ہیں لیکن اس زمانے میں
جو کرشنا مالک ہی مسند آرا تھا۔ ۱۳۷۱ء میں پھر راجۂ ورنگل اور بہمنیوں
کے جنگ چھڑ گئی۔ جس میں راجہ کو سخت شکست ہوئی قلعۂ ولم پٹن پر مسلمانوں
نے قبضہ کر لیا۔ اور راجہ کے بیٹے ناگدیو کو مار ڈالا۔ یہ تو سب کچھ ہوا۔ مگر ہندوؤں
نے بھی مسلمانوں کی خوب خبر لی۔ اور تعاقب کیا کہ گلہ گڑھ پہنچتے پہنچتے صرف ایک
تہائی لشکر بچا۔ اِس موقع پر راجہ نے دلی کے بادشاہ سے مدد مانگی۔ لیکن وہاں سے
کچھ جواب نہ ملا۔ ۱۴۲۱ء میں پھر بہمنیوں نے ورنگل پر چڑھائی کی۔ پرتاپ رُدّر دوم
نے زر خطیر دے کر اطاعت قبول کر لی اور ایک صلح نامہ بھی ہو گیا۔ جس کی رو سے
دونوں سلطنتوں کی حد بندی ہو گئی۔ پرتاپ رُدّر دوم نے ایک شاندار مرصع
اور مکلل تخت بادشاہ کے واسطے نذر کیا۔ جو آگے چل کر تخت فیروزہ کے نام
سے مشہور ہوا۔ یہ تخت آبنوس کا ۲×۳ ½ گز جس پر سونے کا پتر منڈھا ہوا
تھا۔ اور بے شمار جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ یہ تخت اِس ترکیب سے
بنایا گیا تھا۔ کہ ٹکڑے ٹکڑے کرکے اس کو صندوق میں پیک (بند) کر لیتے تھے،
جس سے حمل و نقل میں آسانی ہوتی تھی۔ پرتاپ رُدّر دوم کا بیٹا کرشنا مسلمان ہو گیا
تھا۔ لیکن آگے چل کر پھر مت بدل گئی۔ اور اُس نے سلاطین اسلام کے دباؤ

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

جس نے متواتر فتوحات کی تھیں۔ پہلے ہی بادشاہ کی ناک کا بال تھا اور

تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ کے دکن میں آیا۔ اور دیوگیری (دولت آباد) کو لوٹ ڈالا جو ورنگل کے ہم سرحد تھا۔ سنہ ۱۳۰۶ء میں علاء الدین نے (جو اپنے چچا کو مار کر خود بادشاہ ہو گیا تھا) دوبارہ ملک کافور کی سرکردگی میں لشکر بھیجا کہ دیوگیری کے راجہ نے کئی سال سے خراج نہیں دیا تھا۔ وہ راجہ کو بھی پکڑ کر دہلی لے گیا۔ ۱۳۰۹ء میں مسلمانوں نے پھر ورنگل کا رخ کیا۔ لیکن اس مرتبہ ناکامیاب رہے۔ لیکن دوسرے حملے میں رُدر دیو کو فاش شکست ہوئی۔ اور مسلمانوں نے ورنگل فتح کر کے راجہ کو اپنا باج گزار بنا لیا۔ سنہ ۱۳۱۰ء میں پھر ملک دکن میں دوارسمدر کے راجگان ہوئسیالا بلالا پر چڑھ آیا۔ اور پوری طرح فتح یاب ہو کر ساحل ملیبار تک جا پہنچا جہاں اُس نے بطور یادگار ایک مسجد بھی بنا دی اور دارالسلطنت کو فتح کر کے ہلی بیڈ کے مشہور مندر کو لوٹ لاٹ کر مظفر و منصور دہلی واپس گیا۔ سنہ ۱۳۱۲ء میں ملک کافور نے دیوگیری پر قبضہ کر لیا اور راجہ کو بھی مار ڈالا۔ چھ سال بعد دہلی کا بادشاہ مبارک خلجی پھر آیا۔ اور دیوگیری پر قبضہ کر کے راجہ رام دیو کے داماد ہری پال دیو کی زندہ کھال کھنچوائی۔ سنہ ۱۳۱۸ء میں ملک خسرو نے ورنگل پر چڑھائی کی۔ جس کا ذکر خسرو نے اپنی کتاب نوسپہر میں لکھا ہے۔ اس مرتبہ راجہ کو بالکلیہ شکست ہوئی۔ مسلمانوں نے دکن کو اپنا آماجگاہ بنا لیا تھا۔ اور اُن کے آئے دن کے حملوں نے دکن کے راجاؤں کو بالکل پریشان اور سراسیمہ کر دیا تھا۔ اس لیے سب راجاؤں نے ایکا کر لیا۔ اور دیوگیری کے راجہ کو بھی اپنے ساتھ شامل کر کے سنہ ۱۳۲۶ء کے لگ بھگ بادشاہ دہلی سے منحرف ہو گئے۔ ان راجاؤں کو اتنی جرأت غالباً اس وجہ سے ہوئی کہ دہلی میں خود گڑبڑ مچی ہوئی تھی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ سنہ ۱۳۲۱ء میں خاندان خلجی مٹ کر تغلق کا خاندان قائم ہوا۔ لیکن با ایں ہمہ دکن کے راجاؤں کا اُٹھ کھڑا ہونا نہایت بے موقع تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نئے بادشاہ نے پہلا کام یہی کیا کہ سنہ ۱۳۲۱ء میں اپنے بڑے بیٹے الغ خاں کی سرکردگی میں باغی راجہ کی سرکوبی کے لیے لشکر روانہ کیا۔ افواج سلطانی نے خام اور پختہ دونوں قلعوں کو گھیر لیا۔ لیکن دوران محاصرے میں ایسی سخت وبا پھیلی کہ لوگ گھبرا

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

دِلّی میں اب دکن اور دیگر ممالک کی لوٹ کے انبار لگ گئے تھے۔ بادشاہ کے لشکر جرّار اور فتوحات کا غلغلہ چار دانگ عالم میں پھیل گیا تھا۔ ملک کافور

تکملہ نوٹ (صفحہ گزشتہ) کہتے ہیں

(۴) ڈاکٹر برنل نے جو سال ٹک کلنگا چولا خاندان میں چلے جانے کا یعنی ۱۲۳۹ء اپنی کتاب (ملی آگرفی صفحہ ۴۰) نوٹ (۴) میں لکھا ہے۔ وہ غالباً گیتی دیو کا زمانہ تھا۔ کلنگا دیس کے متعدد کتبے ہیں۔ جن پر سے ظن غالب ہے کہ راجگان گیتی کا عروج اس نواح میں پہلے سے چلا آتا تھا۔

(۵) رانی رُودرما ایک عجیب و غریب عورت تھی۔ شوہر کے لاولد مرنے سے اس نے خود سلطنت سنبھال لی۔ اس کی طویل اڑتیس سالہ سلطنت بہ اعتبار حسن انتظام کے اپنا جواب نہ رکھتی تھی۔ جیسا کہ مارکو پولو سیاح نے لکھا ہے کہ "یہ ملک پہلے ایک راجہ کے تحت تھا۔ جس کی وفات کے بعد سے تقریباً چالیس سال سے ایک ایسی رانی حکمراں ہے۔ جو نہایت فرلیس ہے۔ اور جس نے اپنے شوہر کی سچّی وفاداری میں کبھی عقد ثانی نہیں کیا۔ اور میں یقین دلاتا ہوں کہ وہ چالیس برس تک اس سلطنت کو اس طرح چلاتی رہی۔ جیسے کہ اُس کے شوہر کے عمل میں تھا۔ بلکہ سچ پوچھئے تو اُس سے بھی بہتر کیوں کہ یہ بڑی منصف۔ عادلہ۔ صلح کل۔ اور حق پسند تھی۔ اِس کی رعایا اس سے اس لئے ایسی خوش اور اِس کی ایسی گرویدہ تھی کہ کسی رانی یا راجہ کو یہ درجہ عام مقبولیت کا حاصل نہیں ہوا" (کرنل یول کی کتاب مارکو پولو جلد دوم ص ۲۹۵) ڈاکٹر گسٹیو آپرٹ مدراس جرنل ۱۸۸۱ء میں کوالہ چند کتبات اور دفتری دستاویز کی بنا پر لکھتے ہیں کہ اس رانی کے زمانے میں ایک شخص گوری گنگیا ریڈی ایک بڑا بھاری جرنل تھا۔ ۱۲۹۵ء میں رُودرما اپنے نواسے رُودر دیو دوم کے سن بلوغ پر پہنچنے کے بعد خود نوے کھولہ سس رسام سلطنت سے دست کش ہوگئی۔

(۶) یہ زمانہ مشہور پرتاب رُودر دوم کا ہے (۱۲۹۵ تا ۱۳۲۳ء) جو اپنے زمانے کا سب سے زبردست اور طاقتور راجہ تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ اِس خاندان کا یہی آخری حکمراں تھا۔ ۱۲۹۵ء میں علاء الدین گورنر اودھ جو جلال الدین خلجی بادشاہ دہلی کا بھتیجا تھا

(بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ)

سب فتح کرکے ساحل کارومنڈل کے معابر پر مسلمان گورنر مقرر کردیئے

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ سنگ بست فصیل بنوائی۔ یہ لاولد تھا۔ اس لیئے اس کے بعد اس کی بیوی رام رُدّرما دیوی حکمراں ہوئی۔ اس نے قلعہ کے اطراف پتھر کی فصیل بنوائی اور نیز شہر کو مٹی کی ایک دوسری فصیل سے بھی محاط کیا جس کا دَوْر (۱۲۵۴۶) گز تھا۔ جو اب نیست و نابود ہو گئی ہے۔ تاہم جابجا کچھ کچھ نشان اب بھی باقی ہیں۔

فہرست گنپتی راجگانِ ورنگل

(۱) تربھون ملاّ۔ (۲) پرولا یا پرولی راجہ جس نے میّما دیوی سے شادی کی تھی۔ (۳) پرتاب رُدّر اول۔ (۴) گنپتی دیو۔ (۵) رانی رُدرمّا زوجۂ نمبر (۴) جس نے ۱۲۵۷ء سے ۱۲۹۵ء تک (۳۸ سال) سلطنت کی اس رانی کی ایک لڑکی بھی تھی۔ (۶) پرتاب رُدّر ثانی ۱۲۹۵-۱۳۲۳ء۔ پرتاب رُدّر ثانی کا بیٹا کرشنا اور کرشنا کا بیٹا ونایک عرف ناگ دیو۔

(۱) تربھون ملاّ کا کچھ حال سوائے اس کے معلوم نہیں ہے۔ کہ ہنمکنڈے کے ایک کتبے میں اُس کو پرولا راجہ کا باپ بتلایا ہے۔

(۲) عام روایت ہے کہ پرولا راجہ سے پہلے آٹھ راجہ حکمراں رہ چکے تھے۔ لیکن شہر ورنگل اسی راجہ نے بسایا۔ پرولا راجہ بحالت نابالغی راجہ ہوا۔ اس نے گپینتی راجۂ اُڑلیسہ کو [illegible] دی۔ نجومیوں نے پہلے ہی سے کہہ دیا تھا اور ویسا ہی ہوا۔ کہ یہ اپنے بیٹے کے ہاتھ سے اتفاقیہ طور پر مارا گیا۔ ہنمکنڈے کے کتبۂ مذکورۂ بالا میں لکھا ہے کہ پرولا راجہ نے تیلپّا دیو کو گرفتار کر لیا تھا۔ (مسٹر فلیٹ اس کو تیلپّا سوم مغربی چلوکیان خاندان کا قرار دیتے ہیں۔ جس کا زمانہ ۱۱۵۰تا۱۱۶۲ء تھا) اس راجہ کے عہد میں ہنمکنڈے کا محاصرہ جگ دیو میسور کے سانتار خاندان کے راجہ نے کیا تھا جس میں اُس کو پسپا ہونا پڑا۔

(۳) رُدّر یا پرتاپ رُدّر اول ایک بڑا زبردست راجہ تھا۔ مذکورۂ بالا کتبے میں اس کی سلطنت کا زمانہ ۱۱۶۲ء ہے اس میں تیلپّا سوم کی وفات اور گنپتی راجاؤں کی بعض فتوحات اور علی الخصوص ایک شخص بھیا نامی پر فتح یابی کا ذکر ہے اور چوڑودیا شہر کے فتح کرنے کا بھی ذکر ہے جو غالباً چولا خاندان کا راجہ یا ویسرائے تھا۔ جسے چولا اُدَیا ر

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

کی سلطنت میسور (دوار سمدر) اور انتہائی جنوب کے تامل علاقے

تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ ﴿ ملتے ہیں۔ کہ ہندوستان میں اور کہیں نہیں ملتے جیسا کہ
پیرس کی نمائش گاہ میں مڈل (تمغہ) بھی ملا ہے۔ ہنمکنڈے میں حضرت عبدالنبی شاہ صاحب
کی درگاہ حال میں طیار ہوئی ہے۔ حضرت موصوف بڑے بزرگ تھے۔ آپ کا وصال
چند سال قبل ہوا ہے۔ سالانہ عرس شریف بڑی دھوم دھام سے ہوتا ہے۔ زمانہ
قدیم میں ورنگل ہندو راجگان خاندان کاکتیا کا دارالسلطنت تھا۔ روایات اور
تاریخ کی رو سے یہ شہر بہت قدیم پایا جاتا ہے۔ جو صدہا سال تک جنوبی حصۂ ہند میں
ہندوؤں کا ایک بڑا مضبوط قلعہ اور پناہ گاہ رہا ہے۔ جس پر سلاطین اسلام شمالی حصۂ ہند
کے بڑے بڑے معرکے متواتر رہے ہیں۔ سنہ ۶۳۰ء کے قریب ملک دکن میں چلوکیا
خاندان کے راجہ حکمراں تھے۔ ساتویں صدی کے وسط میں ہیوان تھسانگ سیاح
ملک ہند میں آیا تھا۔ اُس نے لکھا ہے کہ اُس زمانے میں جنوبی حصۂ ہند تو بڑی بڑی سلطنتوں
پر منقسم تھا۔ ملک تلنگانہ میں تین سلطنتیں تھیں۔ اندھرا۔ کاکتیا۔ کلنگ اس میں اول الذکر
سلطنت کا پایہ تخت شہر ورنگل تھا۔ قدیم مسلمان مورخ بداؤنی نے لکھا ہے۔ کہ سلطان محمد
تغلق نے قلعہ ورنگل کو سنہ ۱۳۲۱ء میں فتح کیا۔ اس سے پہلے تلنگانہ خاندان کا راجہ سنگیری
ملک دکن میں حکمراں تھا۔ اُس نے اپنی مملکت اپنے دو بیٹوں میں تقسیم کر دی تھی جن
میں ایک لڑکا قندھار (ضلع ناندیڑ ریاست سرکار عالی نظام) پر حکمراں تھا۔ اور
دوسرا بادشاہ کٹک سے لڑائی میں مارا گیا۔ جس کے بعد اُس کی بیوہ رانی بھاگ کر
ہنمکنڈہ آئی اور اسی مقام پر اُس کے ہاں ایک لڑکا (باپ کے مرنے کے بعد) پیدا
ہوا۔ اور اسی لڑکے سے خاندان کاکتیا کی بنا پڑی۔ اِس خاندان کے تاریخی حالات زیادہ
تر اُس سنسکرت کے کتبے سے معلوم ہوتے ہیں۔ جو ہنمکنڈے کے مشہور ہزار کھم
کے دیول میں موجود ہے۔ یہ کتبہ سنہ ۱۱۶۲ء کا ہے۔ اور اس میں پہلے راجہ کا نام سبھوں تلا
پیار راجہ لکھا ہے۔ اُس کے بعد اُس کا بیٹا پرولو راجہ جانشین ہوا۔ جو بڑا طاقتور اور
جنگجو تھا۔ اُس کے بعد پرتاب رُدر دیو (اول) اور اُس کے دور میں جدید فتوحات
کے ذریعے سے چاروں طرف سلطنت کی توسیع ہوئی۔ اس کے بعد مادھو حکمراں
ہوا۔ پھر اُس کا بیٹا گنپتی سنہ ۱۲۶۳ء میں راجہ ہوا۔ اسی نے شہر ورنگل کی اندرونی

پر سوار کر کے اُس لڑکی کو دِلّی پونہچایا۔ سلطان علاء الدین کا بڑا لڑکا خضر خاں اِس کا حسن وجمال دیکھ کر لوٹ ہو گیا۔ امیر خسرو نے اِس عشقیہ داستان کے بیان میں طبیعت کا خوب زور دکھایا ہے۔ آگے چل کر اِن دونوں کی شادی بڑی دھوم دھام سے ہو گئی۔ اوپر کے بیان سے معلوم ہوا ہو گا۔ کہ ملک کافور راجہ دیو سے نہ صرف لڑا اور غالب آیا۔ بلکہ راجہ دیو کو قید کر کے دِلّی لایا یہاں علاء الدین نے راجہ دیو کی بڑی خاطر مدارات کی اور بہت اچھی طرح پیش آیا چنانچہ راجہ دیو مدت العمر بادشاہ کی ہوا خواہی کا دم بھرتا رہا۔ راجہ دیو کا بیٹا شنکر دیو البتہ اِس سونے کی چڑیا کے اُڑ جانے سے خار کھائے ہوئے بیٹھا تھا۔ کہ اُس کی دلہن کو اِس طرح ظلم و جبر سے چھین لیا۔

قسمت تو دیکھئے کہ کہاں ٹوٹی ہے کمند

دو چار ہاتھ جب کہ لب بام رہ گیا

تھا وہ بڑا غیرت دار آبرو کے سامنے جان قربان کر دی۔ باپ کا مرنا ہی تھا کہ وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور علم بغاوت بلند کیا۔ مرتا کیا نہ کرتا۔ لیکن ہاتھی اور چیونٹی کا کیا مقابلہ آخر کار جان سے مارا گیا۔ اور ملک کافور نے اُس کے ساتھ ہی ساتھ سارے ملک مرہٹواڑی کو پامال کر دیا۔ ملک کافور راجۂ دیوگیری کا خاتمہ کر کے ورنگل پونہچا۔ اور ۱۳۰۹ء میں ورنگل بھی فتح کر لیا۔ اور ہوئیسالہ

تتمّہ نوٹ صفحۂ گزشتہ یہ ہے۔ چنانچہ اُس کے فن موسیقی کے مذاق سلیم کی تصدیق اُن تمغوں سے ہوتی ہے۔ جن میں اُس کی شکل وینا (ایک قسم کا ستار) بجاتی ہوئی منقوش ہے۔ اِس خاندان کا دار السلطنت پاٹلی پُتر تھا۔ ۱۲۔

نوٹ متعلق صفحہ ہذا کے ۵ بڑی اور بہایت قدیم بستی ہے۔ جو حیدر آباد دکن کے جنوب مشرق میں بہ فاصلۂ (۹۳) میل واقع ہے۔ اور حیدر آباد بجواڑہ سکشن نظام سٹیٹ ریلوے کا اسٹیشن ہے۔ پہلے زمانے میں بہت بڑا شہر ہو گا۔ اب تو ایک قصبے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اِس کی آبادی چھ میل لمبی چلی گئی ہے۔ بیچ میں جا بجا فصل ہو گیا ہے۔ ایک طرف ورنگل اسٹیشن ہے۔ دوسری طرف قاضی پیٹ درمیان میں مٹھواڑہ اور ہنمکنڈہ ہے۔ اب ضلع اور کمشنری کا مستقر ہے۔ یہاں کے قالین مشہور ہیں۔ اب بھی یہاں ایسے بہتر قالین

(بقیہ نوٹ برصفحۂ آئندہ)

بادشاہ کا سمدھی بڑا سربرآوردہ اور بڑا با اقتدار امیر تھا۔ علاء الدین خلجی کے عہد کا سب سے اہم واقعہ **ملک کافور** کے دکن کے حملے ہیں **سمدر گپت**[1] کے زمانے سے جس کو بہت عرصہ گزر چکا تھا۔ کوئی لشکر شمال سے دکن میں نہیں گیا تھا۔ سوائے اُس ایک حملے کے جو علاء الدین نے **خاندیس** اور برار پر سنہ ۱۲۹۴ء میں اپنے چچا کے زمانے میں کیا تھا۔ دکن کے حملوں کا سلسلہ سنہ ۱۳۰۲ء سے سنہ ۱۳۱۱ء تک رہا۔ **دیوگیری** کے راجہ نے جسے **دولت آباد** کہتے ہیں۔ پھر سر اُٹھایا تھا۔ اُس کی سرکوبی کے لئے بادشاہ نے ملک کافور کو نامزد کیا۔ دیوگیری پہنچنے سے اول ہی اس نے **مرہٹواڑی** کا ملک فتح کر لیا تھا۔ دیوگیری جاتے جاتے رستے میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ بادشاہ نے **گجرات** کے صوبہ دار **الف خاں** کو کچھ فوج دے کر ملک کافور کی کمک کو بھیج دیا تھا۔ **کنولا دیوی** کا رسوخ اُن دنوں محل شاہی میں بہت کچھ تھا۔ اُس نے خواہش ظاہر کی کہ میری لڑکی **دیول دیوی** بھی اگر دہلی میں دکن سے آجائے تو کیا اچھا ہو۔ کیوں کہ اس نے اپنے باپ گجرات کے راجہ کے ساتھ دیوگیری کے پاس ہی کسی مقام میں پناہ لی تھی۔ دیول دیوی کا کھوج نکالنے کو ملک کافور نے ایک فوج روانہ کی۔ وہاں کی سنیئے کہ **شنکر دیو** ولد رام دیو راجۂ دیوگیری کے ساتھ اُس لڑکی کی شادی رچائی جا رہی تھی۔ کہ عین وقت پر ملک کافور کی فوج نے اُن کو جا لیا۔ ع یار در خانہ و ما گرد جہاں می گردیم بڑی لڑائی بھڑائی کے بعد یہ لڑکی ہاتھ آئی۔ ملک کافور کی طرح اُڑا اور ہوا کے گھوڑے

[1] گپتا خاندان کا بانی یہی تھا۔ یہ خاندان چوتھی صدی عیسوی میں برسر عروج تھا اس خاندان کے سب سے بڑے اور مشہور بادشاہ چندر گپت سنہ ۳۲۰ء۔ سمدر گپت سنہ ۳۳۰ء چندر گپت ثانی سنہ ۳۷۵ء اور کمار گپت سنہ ۴۱۳ء تھے ان میں سے تیسرا بادشاہ سب سے بڑا تھا۔ جسے بکرماجیت بھی کہتے ہیں۔ اسوکا کے بعد جو چھ صدی پہلے حکمراں تھا۔ اور کسی کی سلطنت سمدر گپت سے زیادہ وسیع نہیں ہوئی۔ الہ آباد کے سنے نظیر کتبوں سے جن میں سمدر گپت کی فتوحات کے علاوہ اُس کے صفات ذاتی کا بھی تذکرہ

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

کر لیا - چنانچہ چتوڑ کے واقعہ کا ذکر مفصل اوپر آچکا ہے -

سیری اور قصر ہزار ستون کی بنا - مغلوں کا قلع قمع

مغلوں کے پس پا کرنے کے بعد علاء الدین نے ایک نئے شہر **سیری** کی بنا ڈالی اور اُس میں **قصر ہزار ستون** بنوایا اور دہلی کے ہر اس لئے قلعہ کی فصیلوں کی مرمت کرائی - مغلوں کی طرف سے ابھی خدشہ لگا ہوا تھا - اور پوری طرح اطمینان نہ تھا - خیال تھا - کہ وہ حسب عادت آئیں گے پھر آئیں گے - اُن کی گوشمالی کے لئے فراہمی لشکر کا انتظام شروع کیا - اور پورے پانچ لاکھ سوار بھرتی کئے - لیکن اتنی بڑی بھاری فوج کے خرچ کا بہت بڑا بار خزانہ شاہی پر پڑا - باوجود اس تمام روک تھام کے بھی مغلوں کی ہمت پست نہ ہوئی اور پھر آن دھمکے - اِس دفعہ ایک فوجی سردار **تغلق** نامی نے جس کا ذکر آگے آئے گا - بڑے قتل عام کے بعد اُن کو شکست دی - مغلوں کے بڑے بڑے سردار گرفتار ہوئے اور دہلی لاکر ہاتھیوں کے پیروں تلے روندوائے گئے - پھر ۱۳۰۵ و ۶ء میں اِسی تغلق سے اِن مغلوں کا مقابلہ رہا مگر نتیجہ وہی ہوا - کہ مغلوں کے بہت سے قیدی گرفتار ہوئے اور دہلی میں لاکر قتل کئے گئے - اور اُن کے سروں کے چبوترے بنا بنا کر نئی عمارتوں کی بنیادوں میں بھرے گئے - بار بار کی ناکامیابیوں اور مغلوں کی اپنی خانہ جنگیوں سے مغلوں نے بھی ڈھیل ڈال دی - تغلق نے فی الواقع جوہر جواں مردی دکھائے اور بڑا کام کیا - اِس جنرل نے (۲۹) فتوحات کیں - جس کی وجہ سے اِس کا نام چمک گیا - دکن سے جب **ملک کافور** (جس کا حال آگے آتا ہے) واپس آیا تو بادشاہ اُن مغلوں سے جو اُس کے لشکر میں تھے - ناراض ہو گیا - اور سب کو موقوف کر دیا - مغلوں کی سازش کا یہ نتیجہ نکلا کہ پندرہ ہزار مغل ایک دم قتل کیے گئے اور اِس طرح مغلوں میں کا کوئی متنفس باقی نہ بچا -

ملک کافور

ہندو سے مسلمان ہوا - گو یہ غلام تھا - اور اِس کو بادشاہ نے ایک ہزار دینار دے کر خریدا تھا - مگر اپنی قابلیت کی بدولت

ایک راجپوت کو بھی زندہ نہ پایا۔ ایسا معلوم دیا کہ گویا وہ مُردوں کے شہر میں مل پھر رہا ہے۔

قلعۂ جیسلمیر کی فتح اور جوہر کا ہولناک طریقہ

اِس کے بعد علاءالدین جیسلمیر (علاقۂ جودھپور) پہنچا۔ اور آٹھ مہینے کے محاصرے کے بعد یہ قلعہ فتح ہوا۔ یہاں بھی کم و بیش وہی معاملہ پیش آیا جو چتوڑ گڑھ پر ہو چکا تھا۔ یعنی چار ہزار راجپوتنیاں زیور اور لباس پہن کر دہکتی ہوئی آگ میں ایک دم کود پڑیں اور جل کر خاک سیاہ ہوگئیں۔ اور مردوں نے بڑھ بڑھ کر تلوار کے ہاتھ مارے۔ اور دشمنوں کے ہاتھ سے کٹ کٹ کر مرے۔ راجپوتوں کی اصطلاح میں اس طرح پر جان دینے کو جوہر کہتے ہیں۔ جب علاءالدین راجپوتانہ پر غالب آگیا۔ اور گجرات اور راجپوتانے کے اچھے اچھے شہر لے چکا تو دکن کی تسخیر کی طرف متوجہ ہوا۔

مغلوں کی یورش اور پسپائی ۱۲۹۷ء اور ۱۳۰۳ء

علاءالدین کو بھی مغلوں نے چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ ۱۲۹۷ء میں نومسلم مغلوں نے شورش شروع کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُن سب کو ایک دم تہ تیغ کیا گیا۔ اِس طرح مغلوں نے پیاپے پانچ حملے کیے اور ہر دفعہ منہ کی کھائی۔ اِن سب حملوں میں ۱۳۰۳ء کا حملہ بڑا زبردست تھا کہ مغل شہر دہلی کے دروازے تک آن پہنچے۔ یہ علاءالدین کی ہمت اور اُسی کا استقلال تھا۔ کہ اس قدر پُرآشوب حملوں کی مدافعت کی اور مغلوں کے دانت کھٹے کر دیئے۔ مغلوں کو ایسی زبردست زک ملی کہ وہ ہندوستان میں مستقلانہ حکومت قائم کرنے کے ارادے میں بالکل ناکامیاب رہے۔

رنتھنبور اور چتوڑ کی فتح ۱۲۹۹ء ۱۳۰۳ء

رنتھنبور اور چتوڑ راجپوتانے کے دو مشہور اور نہایت مستحکم قلعے تھے۔ اُن دونوں کو بھی علی الترتیب ۱۲۹۹ء اور ۱۳۰۳ء میں فتح

دیا برف گدازاں بر سر کوہ کز و ہر لحظہ جزوے می شود کم

نوبت بہ ایں جا رسید کہ گیارہ تاج دار دست اجل کے شکار ہوئے۔ اور سب سے چھوٹا بھائی رہ گیا۔ تب راجہ نے اپنے سرداروں کو جمع کر کے کہا۔ "اب چتوڑ پر میں اپنی جان قربان کرتا ہوں۔ اب میرا سر خون آلودہ ٹھوکروں اور روندن میں آئے گا۔ اور اِس طرح بھوانی کی منت پوری ہوگی"

اب بھیم سنگہ نے یہ کیا کہ نہایت دلاور سورما سپاہیوں کا ایک چھوٹا سا دستہ منتخب کیا۔ اور اپنے سب سے چھوٹے بیٹے کو اُن کا افسر بنایا اور اُن سے کہا۔ "ترکوں کے بیچ میں سے اپنا رستہ نکال لو اور اُن سے بچ کر دور دراز کیلواڑہ میں چلے جاؤ۔ اور وہاں میواڑ کا راجہ بن کر اُس وقت تک حکومت کرو کہ چتوڑ میں واپس آسکو" کنور پہلے تو جانے پر رضا مند نہیں ہوا اور کہنے لگا کہ "میں یہیں رہوں گا اور باپ کے ساتھ اپنی جان قربان کروں گا" لیکن بھیم سنگہ نے نہ مانا اور کہا کہ "بیٹا! اس خاندان کا تو ہی ایک چراغ رہ گیا ہے۔ اگر خدانخواستہ تجھ پر کچھ آنچ آئی تو بس دنیا کے پردے پر سے ہمارا نام ہی مٹ جائے گا بس تم کو چاہیئے کہ کم سے کم اِس خاندان کا نام تو قائم رکھو" یوں مجبور ہو کر کنور کو باپ کے حکم کی تعمیل کرنی پڑی۔ اُس نے اور اُس کے ساتھیوں نے بہ ہزار دِقت و دشواری دشمن کے بیچوں بیچ میں سے اپنا رستہ نکال لیا۔ اور اُس کے خاندان میں سے ایک شخص بہت عرصے کے بعد چتوڑ کا رانا بن کر واپس آیا۔ جب رانا نے دیکھ لیا۔ کہ اُس کا بیٹا اپنی جان سلامت لے کر مسلمانوں کے نرغے سے نکل گیا اور راجپوت ایسے کثیر التعداد۔ اور جرّار لشکر کے مقابلے میں ٹھیر نہ سکے۔ اور اور بہت سے راجپوت کٹ کٹ کر مر گئے۔ اور کوئی صورت قلعے کے بچاؤ کی نظر نہ آئی تو یدمنی تیرہ ہزار باحیا اور باعصمت راجپوتنیوں کے ساتھ ایک بڑے غار میں گئی جہاں پہلے سے آگ جلا رکھی تھی۔ اور ایکدم سب کود پڑیں۔ اور وہیں جل کر بھسم ہو گئیں۔ مرد جو بچ رہے۔ تلواریں پکڑ کر قلعے سے نکلے اور عزت پر اپنی جانوں کو نثار کیا۔ اور ایک ایک کر کے سب کے سب مارے گئے۔ لیکن ہر ایک نے جہاں تک بس چلا دشمنوں کا خوب ستھراؤ کیا۔ جب علاءالدین قلعے کے اندر داخل ہوا۔ تو قلعہ خالی پڑا بھائیں بھائیں کر رہا تھا۔ وہاں

چھیڑی رہی۔

راجپوتوں کی تعداد روز بروز گھٹتی چلی جاتی تھی اور ترکی فوج میں تازہ دم سپاہی دِلی سے برابر چلے آتے تھے۔ سارے دن کے تھکے ماندے راجا نے جب رات کو بستر سے کمر لگائی تو اُسے ایک بہت ڈراؤنا خواب نظر پڑا جس میں اُس نے دیکھا کہ دیوی **بھوانی یا کالی** جس کی وہ پرستش کرتا تھا۔ سامنے کھڑی کہہ رہی ہو کہ **بھوکی ہوں**۔ بھوانی قتل و غارت کی دیوی ہے اور مذہبی اعتقاد کی رو سے وہ اور کسی بات سے اتنا خوش نہیں ہوتی۔ جتنا خونریزی سے۔ بھیم سنگھ نے خواب ہی میں جواب دیا کہ "تو میری قوم کے آٹھ ہزار آدمی تو کھیت لے چکی جو ابھی مارے گئے ہیں۔ کیا اب بھی تیرا پیٹ نہیں بھرا اور تو بھوکی کی بھوکی ہی ہے؟" اس پر دیوی یوں بولی "میں ایسے آدمیوں کی کیا پروا کرتی ہوں۔ یہ بھی کسی شمار قطار میں ہیں۔ مجھے تو راجاؤں کے سر چاہئیں جب تک تیری نسل کے بارہ تاج داروں کے سر قلم نہ ہوں گے۔ میں چتوڑ کو چھوڑنے والی نہیں۔ اور تمھارا خاندان ہمیشہ کے لئے مٹ جائے گا۔" دوسری رات کو بھی بھیم سنگھ نے یہی خواب دیکھا۔ اب اِس نے مجبور ہو کر اپنا خواب اپنے سرداروں کو جمع کر کے سُنایا۔ وہ سب کے سب اس غیبی آواز کے حکم کی تعمیل کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ راجا کے بارہ بیٹے تھے۔ دوسرے دن اِن میں سے سب سے بڑے کے سر پر تاج رکھا گیا۔ اِس بے چارے نے صرف تین دن حکومت کی اور چوتھے دن مارا گیا۔ ؎

کیا جانیں ہم زمانے کو حادث ہے یا قدیم
کچھ ہو بلا سے اپنی کہ ہیں فانیوں میں ہم

اسی طرح اور سب بھی باری باری سے گدی نشین ہوتے۔ تین دن تک راج کرتے چوتھے دن ترکی فوج میں جا گھستے اور مارے جاتے۔ ؎

اے صورت نگر دیدست عالم | اریں صورت نگر دو عاقبت ہم
عمارت ما سرائے دیگر انداز | کہ دنیا را اساسے نیست محکم
مثالِ عمر سر بر کردہ شمعست | کہ کوتاہ باری باشد دما دم

اور راجہ رانی دونوں کو گھوڑوں پر سوار کر لڑتے بھڑتے تلواروں کی چھاؤں
پھر قلعے میں لے آئے۔ بادشاہ منہ تکتے کا تکتا رہ گیا۔ ترکوں اور راجپوتوں
میں سخت لڑائی ہوئی۔ جس میں بہت سے تو مارے گئے۔ اور تھوڑے ہی راجپوت
زندہ واپس پوہنچے۔ علاء الدین نے قلعے پر پھر حملہ کیا۔ مگر ناکام رہا۔ اور نہایت
خجل ہوکر دہلی کو واپس آیا۔ جو راجپوت اس معرکے میں بچ گئے۔ اُن میں سے
ایک بدل بھی تھا۔ اِس کی چچی یعنی گور کی جورو نے جو کام آیا تھا۔ پوچھا۔
"تمھارے چچا نے کیا کیا؟ اور وہ کہاں ہیں؟ لڑکا جو صرف بارہ برس کی عمر کا
تھا بولا کہ" "اُس نے اپنے دشمنوں کا تلوار سے ایسا ستھراؤ کیا ہے۔ جس طرح
کسان درانتی سے اناج کاٹتا ہے۔ اب وہ میدان جنگ میں ایسی میٹھی نیند سوتا
ہے کہ پھر کبھی نہ جاگے گا۔ اُس نے دشمن کو قتل کرکے زمین پر فرش بچھا لیا اور
ایک شہزادے کو تہ تیغ کرکے اُس کے دھڑ کا گاؤ تکیہ بنا لیا" اُس کی چچی
بولی "تو کیا میں انتظار میں رہوں۔ کیا میرا شوہر میری طرف دیکھ رہا ہے۔ اگر میں
جانے میں دیر کروں گی تو روٹھ جائے گا۔ یہ کہتے ہی وہ آگ کے شعلوں میں
کود پڑی۔ جو اُس نے پہلے ہی سے دہکا رکھی تھی۔ اور فوراً جل کر بھسم ہوگئی۔

چیتوڑ کی دوسری لڑائی سنہ ۱۳۰۳ء

اَب ہم ایک نہایت دردناک واقعہ بیان کرتے ہیں۔ ؎

نالۂ بلبل شیدا تو سُنا ہنس ہنس کر
اب جگر تھام کے بیٹھو مری باری آئی

علاء الدین ایسا آدمی نہ تھا۔ کہ جو بات ایک دفعہ دل میں ٹھان لے اُسے پورا
نہ کرے۔ دوسرے ہی برس یعنی ۱۳۰۳ء میں خاص اہتمام اور تیاری سے
پہلے سے بھاری لشکر افغانوں اور ترکوں کی ایک آہن پوش جرّار فوج
کا لے چیتوڑ پر یوں جا چڑھا۔ جس طرح گرجتی ہوئی گھٹا اُمنڈ آتی ہے۔ اور چیتوڑ پر
ایک طوفان کی طرح جا برسا۔ رانا بھیم سنگھ اپنی قوم کے بہت سے آدمی شہر کے
پہلے ہی محاصرے میں کٹوا چکا تھا۔ جو راجپوت بچ کھچ رہے تھے۔ وہ گو بڑے
بہادر۔ جری اور وفادار تھے۔ مگر دس کے سامنے ایک کیا کر سکتا تھا۔ ترکی
جمعیت سے مقابلہ کرنے کی کافی طاقت نہ رکھتے تھے۔ برابر چھ مہینے تک لڑائی

کہلا بھیجا کہ اگر آپ راجہ کو چھوڑدیں تو میں حاضر ہوں۔ مجھے کب عذر ہے۔ لیکن چونکہ میں بادشاہ کی بیگم ہوں گی۔ میں اپنی تمام لونڈیوں باندیوں کو ساتھ لاؤں گی اور نیز میرے زیورات کپڑے وغیرہ سب سامان ساتھ رہنا ضرور ہے۔ اِس لیئے مجھے اجازت ہو کہ ہم سدپالکیوں میں حاضر ہوں تاکہ ہماری بے پردگی نہ ہو اور ہمیں آپ کی فوج والے نہ دیکھ سکیں۔ علاءالدین نے یہ بات خوشی منظور کرلی۔ کیوں کہ راجہ اُس کے بس میں تھا۔ اُس کا دل اپنی جگہ مضبوط تھا۔ کہ راجپوت ہمارا کیا کرسکتے ہیں۔ اُن کا ہاتھ پتھر کے تلے دبا ہوا ہے۔ اور دل میں سمجھا کہ واقعی پدمنی میرے ساتھ چلنے اور دہلی کی ملکہ بننے کو راضی ہے۔ بادشاہ کی اجازت آتے ہی پدمنی ڈولے میں سوار ہوئی۔ اور سات سو ڈولے اور ساتھ لیئے۔ بظاہر تو اُن ڈولوں میں رانی کی سہیلیاں لونڈیاں۔ باندیاں تھیں مگر دراصل ان میں ایک ایک سورما راجپوت مسلح ڈٹا ہوا تھا۔ حتیٰ کہ کہاروں کی جگہ بھی لڑبیت سپاہی تھے۔ جب ڈولے شاہی کیمپ میں پہنچے تو علاءالدین نے سمجھا کہ میرے دونوں میٹھے اور چاہا کہ نہ رانی کو جانے دے اور نہ راجہ کو لیکن جب پدمنی کے چچا گورا نامی نے جو اِس قافلے کا سرگروہ تھا۔ بادشاہ سے عرض کی کہ پدمنی اپنے شوہر سے آخری ملاقات کرنا اور اُس سے ہمیشہ کے لیئے رخصت ہونا چاہتی ہے۔ بادشاہ اِس خیال میں مست تھا کہ رانی اور اُس کا کل رنبو جواہر میرے قبضے میں ہے۔ کہنے لگا "بہت اچھا۔ راجہ اِسی خیمے میں ہے۔ رانی شوق سے اُس سے رخصت ہولے۔ مگر پاؤ گھنٹے سے زیادہ وہاں نہ ٹھیرے" تب پالکی راجہ کے خیمے میں لے گئے۔ بدل باہر نکل آیا اور راجہ لے وہ رہ بہن لی جو بدل ساتھ لایا تھا۔ تھوڑی دیر بعد علاءالدین خیمے میں گیا۔ اُس وقت سارے راجپوت تلواریں سونت سونت کر اپنے محافوں میں سے کود پڑے

سلہ یہ امر مختلف فیہ ہے۔ کہ رانی شاہی کیمپ میں گئی یا نہیں بعض کہتے ہیں وہ خود بھی گئی تھی اور راجپوت گھوڑوں پر سوار کرکے لے آئے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ نہیں رانی نہیں گئی تھی بلکہ اس نے ایک بہادر راجپوت لڑکے بدل نامی کو اپنے بدل میں ڈولے میں چڑھاکر بھیج دیا تھا۔
واللہ اعلم بالصواب - ۱۲

آخر کار بادشاہ اصل حرف مطلب زبان پر لایا کہ میں اور کچھ نہیں چاہتا۔ مجھے صرف ایک نظر پدمنی کو دکھا دو تو میں جس طرح آیا ہوں۔ اُسی طرح بلا لڑے بھڑے واپس چلا جاؤں گا۔ بھیم سین یہ سنتے ہی آگ بگولا ہو گیا۔ بھلا کوئی راجپوت اِس ذلت کو گوارا کر سکتا ہے۔ مگر مثل مشہور ہے۔ کہ بندھا خوب مار کھاتا ہے۔ بُری طرح آن پھنسا تھا۔ کچھ لوگوں نے اونچ نیچ سمجھایا۔ کہ یہ بھی بادشاہ کی محض ایک ہٹ ہے وہ اپنی بات پر اڑ گیا ہے۔ دنیا میں تین ہٹیں مشہور ہیں۔ راج ہٹ۔ تریا ہٹ اور بال ہٹ۔ اس موقع پر آپ کو بھی مصلحت وقت پیش نظر رکھ کر طرح دینی چاہیئے۔ آخر کار بہت سی قیل و قال کے بعد یہ بات ٹھیری کہ رانی کے سامنے کرنے میں اگر پس وپیش ہے۔ تو خیر یہ مشکل یوں حل ہو سکتی ہے کہ رانی ایک آئینے کے سامنے کھڑی ہو جائے۔ بادشاہ آئینہ ہی میں اُس کا عکس دیکھ لے گا۔ اور وہ خود نظر بھی نہ آئے گی۔ مگر شرط یہ ہے کہ بادشاہ صرف دو ایک آدمیوں کے ساتھ قلعے میں آئے زیادہ لاؤ لشکر ساتھ نہ لائے۔ علاء الدین نے اِس بات کو خوشی سے قبول کیا۔ اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔ حسب قرار داد وہ دو ایک آدمی لے کر قلعہ میں چلا گیا۔ اب وہ راجپوتوں کے قابو میں تھا۔ جو چاہتے سو کرتے۔ مگر نہیں۔ راجپوت اپنے قول کے وضعی ہوتے ہیں۔ مختصر یہ کہ ایسا ہی ہوا۔ کہ بادشاہ نے آئینہ میں سے پدمنی کا چہرہ دیکھ لیا۔ جسے ایک خادمہ پکڑے ہوئے تھی۔ واپسی کے وقت حسب قاعدہ و آداب شاہی راجہ علاء الدین کی مشایعت کی غرض سے تھوڑی دور باہر تک آیا۔ لیکن ترکی فوج کا ایک دستہ پہلے ہی سے جنگل میں چھپا رکھا تھا۔ گھات سے جھپٹ کر نکلا اور راجہ کو گرفتار کر لیا۔ تب بادشاہ نے کہا کہ مہاراج! کس خواب خرگوش میں ہو۔ تمھاری خیر اِسی میں ہے کہ سید سے سمجھاؤ پدمنی کو میرے حوالے کر دو ورنہ اپنی جان سے ہاتھ دھوؤ۔ راجپوتوں نے جب یہ بات سُنی تو وہ جوش اور غصّے سے تھرا گئے۔ رانی بھی بڑی چترا سمجھی کہ یہ موقع کھلم کھلا مقابلے کا نہیں ہے۔ ترکوں میں آن نہیں ہے۔ اُنھوں نے ہمیں دھوکا دیا۔ پس اِس کا جواب ترکی بترکی دینا چاہیئے۔ اور جب تک کوئی معقول چال نہ چلی جائے گی۔ راجہ کی گلو خلاصی ناممکن ہے۔ پھر اُس نے بادشاہ سے

سکے عہد سے بہت پہلے پٹھان بادشاہوں کو نکال باہر کیا تھا۔ اور ایک راجپوت **کرن رائے** کو اپنا راجہ بنا لیا تھا۔ علاء الدین نے ۱۲۹۷ء میں اپنے بھائی الف خاں کو بہت سی فوج دے کر اُس طرف روانہ کیا۔ اور الف خاں نے دوبارہ گجرات اور **کھٹیلواڑے** کو مسلمانوں کی قلمرو میں شامل کیا۔ گو راجہ اپنے راج کے لئے بڑی بہادری سے لڑا مگر بے فائدہ۔ اُسے اپنی پیاری رانی **کملا دیوی** اور بیٹی **دیول دیوی** سمیت بھاگنا پڑا۔ سواروں نے تعاقب کرکے اتفاقاً پایا کہ رانی رستہ بھول کر جنگل ہی میں بھٹک گئی اور شاہی سپاہیوں کے ہاتھ لگی یہ رانی حُسن و جمال و فراست میں شہرۂ آفاق تھی۔ مسلمان اسے نظر مد کرکے بادشاہ کے پاس دہلی لائے جس نے اُسے اپنے ساتھ شادی کرنے پر مجبور کیا۔ رانی اپنے پتی کے پاس تو کسی طرح بھی نہ جا سکتی تھی۔ اس لئے اُسے اپنی گرستہ زندگی کو بھلانے اور صرف موجودہ حالت یعنی ملکہ دہلی ہونے کو منظور کرنا پڑا۔ علاء الدین کملا دیوی پر دل سے فدا تھا۔ جھٹ اُس نے نکاح کر اپنے محل میں داخل کرکے شاہ بیگم بنا دیا۔

چتوڑ کی رانی پدمنی اور پہلی لڑائی ۱۳۰۲ء

جب علاء الدین دہلی میں سلطنت کرتا تھا۔ راجپوتانے کے علاقے **میواڑ** کی راج دھانی **چتوڑ** کا راجپوت راجہ **بھیم سی** یا **بھیم سنگھ** یعنی بھیم سنگھ تھا۔ اس کی ایک حسین رانی **پدمنی** یا کنول کا پھول تھی جو علاوہ خداداد حُسن کے بڑی عقلمند چوٹ اور دلیر بھی تھی۔ اُس کے حسن کا آوازہ علاء الدین کے کان تک پہنچا۔ علاء الدین گو بڑھا تھا۔ مگر ع **پیرے کہ دم ز عشق زند بس غنیمت ست**۔ رانی کے حسن و جمال کی شہرت سُن کر منہ میں پانی بھر آیا اور دل میں ٹھان لی کہ جس طرح بھی ممکن ہو اس سونے کی چڑیا کو قابو میں کرنا چاہیے۔ اگرچہ وہ **کملا دیوی** سے شادی کر چکا تھا۔ جیسا کہ اوپر ذکر آ چکا۔ اور اُس کے علاوہ اور بھی اس کی بہت سی بیگمیں تھیں۔ تاہم اُس نے ایک بڑے بھاری لشکر کے ساتھ چتوڑ پر حملہ کیا۔ کئی مہینے علاء الدین قلعے کے سامنے پڑا رہا مگر کوئی صورت کامیابی کی نہیں ہوئی

اس سے زیادہ فعل قبیح سرزد ہوا کہ اُس نے اپنی بڑھیا چچی اور دونوں چچازاد
بھائیوں کو بھی بڑی بے رحمی سے مروادیا۔ اِن دونوں بھائیوں میں ایک تو
وہ تھا جو تخت کا دعوی دار تھا۔ اُسے مع اُس کے بھائی کے ملتان سے پکڑوا
بلوایا اور دِلّی لاکر دونوں کی آنکھیں نکلوا ہانسی میں چندے قید رکھا۔ اور تھوڑے
ہی دنوں میں اِن کو قتل کروا دیا۔ اس طرح اپنے لیئے میدان صاف کرنے کے
بعد بلا غل وغش حکم رانی کرنے لگا اور غیر معمولی داد و دہش اور سخاوت سے
چاہا کہ لوگوں کے دلوں سے یہ بات محو کردے کہ اُس نے کس چال بازی اور
سفاکی سے تخت حاصل کیا تھا۔ اِس میں شک نہیں کہ اوائل عہد اسلامی کے
بادشاہوں میں اِس کا زمانِ سلطنت بہت دل چسپ اور اہم کہا جاسکتا ہے اور
اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ سلطان علاءالدین ایک بڑا سپاہی اور ایک بڑا جنرل
تھا۔ لیکن اِس کی تصویر کا ایک اندھیرا رُخ بھی ہے
کہ وہ جاہل مطلق سنگدل اور بڑے شکی مزاج
کا آدمی تھا۔ یا یوں سمجھیے کہ اس کی حکومت اپنے
غایت درجے کے نرم دل چچا کے بالکل برعکس
تھی۔ اِن باتوں کے سوا علاءالدین کے سارے
کام اچھے تھے۔ اُس کے ارادے کی تصمیم۔ اور
زبردست قوت نے ملک کو ساری بدنظمیوں

سلطان علاءالدین خلجی

اور ابتریوں سے جو مدّت سے علی الخصوص گزشتہ زمانِ حکومت میں کثرت
سے پھیلی ہوئی تھیں نیست و نابود کردیا۔ چوروں۔ ڈاکوؤں۔ قزاقوں نے رستے
مخدوش کردیئے تھے۔ اِس کے زبردست ہاتھوں نے اُن کا قلع قمع کیا۔
اور اِس بادشاہ کو حکم رانی کا کچھ ایسا ڈھب معلوم تھا۔ کہ گو ہندوؤں کی حالت
کچھ زیادہ اچھی نہ تھی۔ تاہم لوگ فارغ البالی اور تموّل میں برابر ترقی کرتے
چلے جاتے تھے اور چوطرف خوش حالی تھی۔ ہاں البتہ ہندوؤں سے اچھا سلوک
نہیں کیا جاتا تھا۔
گجرات کے لوگوں نے جن کو غوری بادشاہوں نے مطیع کیا تھا۔ علاءالدین

نے کھلکے بھتیجے سے ملنے چلا گیا۔ گنگا کے کنارے ایک کشتی پر ملاقات ہوئی بھتیجے صاحب بہت تپاک سے چچا سے بغل گیر ہوئے۔ اور ماہ رمضان ۶۹۵ھ (۱۲۹۶ء) کو صرف خنجر سے محسن کُش بھتیجے نے اس ادیر شفیق چچا کا کام تمام کر دیا اور چچا کا سر کاٹ کر برچھے پر چڑھا کر تمام لشکر میں گشت کرایا۔ اور اس طرح خون میں ہاتھ رنگ کر دہلی میں داخل ہوکر بادشاہ بن گیا۔ اگرچہ فرشتہ نے جلال الدین کے مقبرے کا ذکر کیا ہے کہ دہلی میں ہے۔ لیکن اب کہیں اُس کا پتہ نہیں چلتا۔

علاء الدین خلجی ۱۲۹۵-۱۳۱۶ء

علاء الدین سکندر شاہ ثانی تو کڑے ہی میں تخت نشین ہو چکا تھا۔ مگر دلی میں جلال الدین کی بیوی نے اپنے چھوٹے لڑکے رکن الدین ابراہیم شاہ کو کلوکھری کے کوشک سبز میں تخت پر بٹھلا دیا جو صرف چار ہی مہینے سلطنت کرنے پایا تھا۔ کہ عین برسات میں علاء الدین مع لشکر کے واپس آیا اور پرانی دلی کے شمالی شرقی دروازے کے باہر خیمہ زن ہو کر اپنی فوج کو آراستہ کیا۔ علاء الدین کے مقابلے کے لیے جو لشکر طیار کیا گیا تھا۔ وہ شہر کی فصیل کے اندر ہی دبک گیا۔ اور کچھ لوگ خود بخود دم بخود ہو کر بیٹھ رہے۔ رکن الدین کچھ لڑا مگر اُسے بھاگتے ہی بن پڑی اور اُس نے ملتان کا رستہ پکڑا۔ علاء الدین نے کھلکے شہر میں داخل ہوا۔ اور رملن کے کوشک لعل میں پونہچ کر تخت نشین ہوا۔ علاء الدین کے نام کے ساتھ یہ کلنگ کا ٹیکہ تو تھا ہی کہ اُس نے دوستی کے پردے میں دھوکا دے کر اپنے اُس بڈھے چچا کی جس نے اُسے بیٹوں کی طرح پالا تھا۔ بے دریغ جان لے لی لیکن اس کے علاوہ اُس سے ایک اور بھی بکملہ لوٹ صفحہ گزشتہ میں شمال و غرب میں واقع ہے۔ الہ آباد کے قلعے کی تعمیر ہونے سے پہلے جو اکبر بادشاہ نے بنایا۔ اُس علاقہ کا صوبہ دار کڑے میں رہا کرتا تھا۔ لیکن اکبر نے صوبہ دار کو الہ آباد میں رہنے کا حکم دیا۔ آصف الدولہ بہت سے پرانے مکانات کا پتھر لکھوا لے گیا۔ موجودہ آبادی چھ سات ہزار کے قریب ہے پہلے یہاں کا کاغذ مشہور تھا اب انگریزی کارخانے جاری ہو جانے سے اس کی قدر جاتی رہی کمل بھی اچھے تیار ہوتے ہیں۔

کے تجمل واحتشام اور تمول کا بڑا شہرہ تھا۔ راجہ بھی خوب دل کھول کر لڑا لیکن آخرکار اطاعت قبول کی اور ایلیچ پور (برار) مع مضافات حوالے کردیا علاءالدین مظفر ومنصور بے شمار مال ودولت سے لدا پھندا دہلی واپس آیا۔ علاءالدین کو حکومت کا مزہ پڑگیا تھا۔ اور بادشاہت کی ہوا اُس کے سر میں سماگئی تھی۔ چوں کہ وہ دکن کی مہم پر بہت دن رہا۔ اور کجا دکن اور کجا دہلی۔ دارالسلطنت سے اتنا فصل تھا۔ کہ گویا وہ بادشاہ کے دباؤ سے باہر تھا۔ علاءالدین کی اپنی بیوی سے جو بادشاہ کی بیٹی تھی۔ اَن بن تھی۔ اور اِسی وجہ سے ساس سے بھی چشمک ہوئی تھی۔ اِس کا غبار علاءالدین کے دل میں تھا مگر پھر بھی چچا بھتیجے پر جان دیتا تھا۔ اور بالکل خالی الذہن تھا۔ جب علاءالدین دکن کے حملوں سے بامراد پلٹا تو اُس نے بڈھے چچا سے بہت کچھ اظہار ارادت وعقیدت کیا۔ ہرچند لوگوں نے بادشاہ کو خطرے سے آگاہ کردیا تھا۔ مگر قضا وقدر کے سامنے کسی کی نہ چلی۔ اور بادشاہ نے کسی کی نہ سُنی۔ نوجوان بھتیجے کی چکنی چپڑی باتوں سے دم جھانسے میں آگیا۔ برسوں کے بعد بچھڑا ہوا بھتیجا اور داماد مع الخیر والعافیت آیا۔ بے اختیار جوشِ محبت اُسے کھینچ کر کڑہ[۱] مانکپور متصل الہ آباد سے گیا۔

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ۔ ۔۔۔ میں بغاوت کی۔ ملک کافور نے شہر کو دوسری دفعہ فتح کیا۔ اور شنکر مارا گیا۔ دولت آباد کے قلعے میں ملک کافور نے بادشاہی لشکر چھوڑ دیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد ہرپال نے جو راجہ کا داماد تھا پھر بغاوت کی۔ لیکن مبارک خلجی نے اُسے شکست دے کر زندہ جلوا دیا۔ ۱۳۲۸ء میں محمد شاہ تغلق نے دہلی کو اجاڑ کر اِس شہر کو آباد کیا۔ یہ مقام دہلی سے پورے آٹھ سو میل ہے۔ محمد تغلق کی زندگی ہی میں یہ قلعہ باغیوں نے چھین لیا اور ۱۵۲۶ء میں سلاطین بہمینہ کے قبضے میں رہا۔ اُن کے بعد احمد نگر کے نظام شاہی سلاطین قابض رہے۔ اُن سے عالمگیر نے چھین لیا۔ ۱۷۴۸ء سے وہ حضور نظام حیدرآباد کی ممالک محروسہ میں چلا آتا ہے۔ ۷۴۳ھ میں دولت آباد۔ آباد تھا۔ ۷۴۴ہجری میں بادشاہ نے دہلی کے باشندوں کو واپس چلے جانے کی اجازت دے دی۔ ۱۲

نوٹ متعلق بہ صفحہ ہذا۔ [۱] اب یہ قصبہ الہ آباد کے ضلع میں گنگا کے کنارے بیالیس[۴۲]

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

مغلوں نے ستا رکھا تھا۔ اس کے عہد میں بھی مارے رہے۔ عساکر سلطانی نے اُن کو لاہور سے نکال باہر کیا۔ اور تین ہزار خانہ بدوش مشرف بہ اسلام ہو کر بادشاہ کے زمرۂ ملازمت میں شامل ہوئے۔ جن کے لیئے بادشاہ نے دِلّی شہر کے باہر ایک محلہ ہی بسا دیا۔ جس کا نام **مغل پورہ** تھا۔ اس کی سلطنت کا سب سے مہتم بالشان واقعہ **دکن کا حملہ** تھا کہ اس طرف اب تک کسی بادشاہ نے توجہ نہیں کی تھی۔ بوجہ کبرسنی کے بادشاہ خود تو ان مہموں کا متحمل نہ ہو سکتا تھا۔ اِس لیئے اُس نے ان مہمات کی کمان اپنے بھتیجے **علاء الدین** کے سپرد کی۔ دریائے نربدا کے جنوب میں اسلام کا یہ پہلا حملہ تھا۔ جو نوجوان علاء الدین کی سرکردگی میں سنہ ۱۲۹۴ء میں ہوا علاء الدین سات سو میل کا لمبا دھاوا مار کر ملک **برار** اور **خاندیس** میں پہنچا اور **راجہ رام چندر دیو**۔ یادو خاندان کے **راجۂ دیوگیری**[1] کو جو اب **دولت آباد** کہلاتا ہے اور ملک **مرہٹواڑی** کا پایہ تخت تھا۔ مغلوب کیا کیونکہ اس نواح میں اُس

[1] دیوگیری یا دولت آباد۔ حیدرآباد گوداوری دہلی ریلوے کا سٹیشن ہے۔ اس قدیم شہر مملکت سرکار عالی نظام میں اورنگ آباد سے دس میل کے فاصلے پر اور بمبئی سے ۲۲۵ میل ہے۔ اِس کا مفصل حال ہم نے واقعات مملکت بیجاپور میں لکھا ہے یہاں مختصراً لکھتے ہیں۔ موجودہ حیثیت اس کی ایک قصبے کی ہے۔ اور آبادی اس کی دو ڈھائی ہزار کے قریب ہوگی۔ قلعے کو اب بھی دیوگیری کہتے ہیں۔ یہ قلعہ پہاڑ میں تراش کے بنایا گیا ہے۔ اُس کی بیرونی فصیل کا دور پونے تین میل ہے۔ سب سے اوپر اورنگ زیب کی بنائی ہوئی ایک بارہ دری ہے۔ اور بالا حصار پر ایک بڑی بھاری توپ رکھی ہوئی ہے قلعہ کی خندق کے باہر ایک مینار ہے جو ۲۱۰ بلند ہے۔ یہ پہاڑ جس پر قلعہ واقع ہے چھ سو فیٹ بلند ہے۔ اور اسی وجہ سے دور دور سے دکھائی دیتا ہے۔ سنہ ۱۲۹۴ء میں سلطان علاء الدین خلجی نے اس شہر کو فتح کیا اُس وقت یہاں کا راجہ یادو خاندان کا رام چندر نامی تھا۔ علاء الدین نذرانہ لے کر واپس ہو گیا تھا۔ راجہ نے اطاعت قبول کر لی تھی۔ لیکن پھر بغاوت کی۔ اور ملک کافور نے سنہ ۱۳۰۶ء میں پھر اس شہر کو فتح کیا۔ اور راجہ کو پکڑ کر دہلی لے گیا۔ بادشاہ نے اُس کی اچھی توقیر کی اور اُس کو واپس بھیج دیا۔ لیکن اُس کے بیٹے شنکر نے پھر

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)